

دنیا نے تجربات و حوادث کی شکل میں
جو کچھ مجھے دیا ہے لوٹا رہا ہوں میں

شاعر نے تو یہ شعر نہ جانے کب اور کیوں کہا تھا، مگر یہ اس کہانی کے مرکزی کردار پر
بالکل صادق آتا ہے، جو "آتش" کے نام سے پیش کی جا رہی ہے۔
یہ اس شور یہہ سرنوجوان کی کہانی ہے جسے اپنے خاندان کی تباہی و راشت میں ملی تھی۔
یہ قصور اس کے بڑوں کا تھا جنہوں نے اپنی عیش و عشرت کی خاطر آنے والی نسل کی امانت
کی حفاظت کی بجائے اسے دونوں ہاتھوں سے لٹایا تھا۔ "کین" فیملی کے اس نوجوان نے
اپنے خاندان کی جاہ و دولت اور کھویا ہوا وقار دوبارہ حاصل کرنے کے لئے جرام کی راہ
اختیار کی۔ اور پھر وہ کوئی عام مجرم نہیں رہا۔

"سیکرٹ پیلس" نامی زیر زمین ایک ایسے ادارے سے جرام کی خصوصی تربیت حاصل
کی جو ساری دنیا میں اپنے معیار اور لاثانی کا رکرداری کا واحد ادارہ تھا۔ اگرچہ "ڈن کین"
نامی یہ نوجوان خود بھی حسن کا رسیا تھا۔ مگر اعتدال پند تھا۔ پھر اس نے "سیکرٹ پیلس"
سے نکلتے ہی ہر طرف تہلکہ مچا دیا۔ یہ وہ تاریخی دور تھا جب ہٹلر کے دنیا پر حکومت کرنے
کے خواب نے پوری دنیا کو جنگ میں جبوک دیا تھا۔ "ڈن کین" نے اپنے ایک حمایتی
ملک کی طرف سے اس جنگ میں جو کارناٹے سرانجام دیئے اور نازی فوجوں کے قید و بند
کے مضبوط نظام کی دھیان اڑاتا ہوا، سمندر اور پہاڑی سلسلوں کو چیڑتا ہوا جس طرح واپس
پہنچا، یہ سب روئکٹے کھڑے کر دینے والا ایک سنپنی خیز سلسلہ ہے جو متوں ذہنوں پر اپنا
سلط قائم رکھے گا۔

یہ مقبول سلسلہ "نئے افق" میں "ورنڈہ" کے نام سے قحط وار شائع ہو۔ تہلکہ مچا چکا
ہے۔ ادارہ حسب روایت اس مقبول داستان کو ایک نئی آب و تاب کے ساتھ قارئین کی
خدمت میں پیش کر رہا ہے۔ "ورنڈہ" نام کا ایک ناول ادارے سے پہلے بھی شائع ہو چکا
ہے، اس لئے اس کا نام "آتش" رکھنا پڑا۔ امید ہے کہ یہ نام یقیناً آپ کو بھی پند آئے گا۔
یقین واثق ہے کہ حسب سابق ایم اے راحت کی تحریر بھی آپ کو میں کرے گی۔

فہرست مکالمہ

زندگی کی کہانی تو اس وقت سے شروع ہو جاتی ہے جب انسان پیدا ہوتا ہے۔ ابتدائی حالات، شعور نہ ہونے کی وجہ سے ذہن سے اوچھل ہوتے ہیں۔ لیکن چھوٹے چھوٹے قابل ذکر واقعات کسی نہ کسی طور معلوم ہو جاتے ہیں۔ سنی سنائی باتوں کو زندگی کی کہانی میں شامل کرنا میرے خیال میں نامناسب ہے، خصوصاً اس وقت، جب انسان کے ذہن میں یہ خیال ہو کہ آج اپنا محاسب وہ خود ہے۔ وہ کسی کے سامنے جواب دہ نہیں ہے اور نہ کوئی اُس کی بات پر گرفت کرنے والا ہے۔ اس وقت دل میں یہ خیال آتا ہے کہ اپنی زندگی کے کسی پہلو کو خود سے پوشیدہ نہ رکھا جائے۔ بھلا خود کو خود سے چھپانے میں کیا مزہ؟ اور یہ دور ہر صاحب شعور پر آتا ہے۔ ہاں! وہ جو سوچ سے نابلد ہوتے ہیں، جو کسی کے بارے میں نہیں سوچتے، وہ اپنے بارے میں بھی نہیں سوچتے۔ ان کے ذہن کی رسانی صرف اُن چیزوں تک ہوتی ہے، جو ان کے سامنے آتی رہتی ہیں یا جن سے اُن کوئی خاص تعلق ہوتا ہے۔ وہ سطحی طور پر اُن کے بارے میں سوچتے ہیں، سطحی انداز میں عمل کرتے ہیں اور پھر بھول جاتے ہیں۔ گویا اُن کی نگاہوں میں دنیا کی ہر چیز بے مقصد ہوتی ہے، وقتی ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ اپنی زندگی، جس کے بارے میں انہیں علم ہوتا ہے کہ ایک دن اپنی مرضی کے خلاف فنا ہو جائیں گے۔ بلکہ بعض لوگ تو زندگی کے اس اختتام سے جھنجلاہٹ کا شکار ہو کر ہرشے کو وقتی سمجھنے لگتے ہیں اور اس سے عدم دلچسپی اُن کی فطرت کا ایک غیر محسوس جزو بن جاتی ہے۔

میں، ڈن کین اپنی زندگی کے ان واقعات کو اس لئے قائمبند کر رہا ہوں کہ اُب، جب میں زندگی کے اس دور میں داخل ہو چکا ہوں، جہاں دل کی دھڑکنیں گراموفون کے اُس ریکارڈ کے دھن میں تبدیل ہو جاتی ہیں جو چالی ختم ہو جانے کی وجہ سے آہستہ آہستہ گھومتا ہے، اپنا جائزہ تولوں۔ جائزے مختلف قسم کے ہوتے ہیں۔ میں پیرس کے ایک خوبصورت علاقے میں رہتا ہوں۔ اچھا مکان ہے جس کے باہر کے مناظر بھی بہت پسند ہیں۔ میرے تین بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں۔ سب کے سب شادی شدہ بلکہ بچے شدہ ہیں۔ یعنی میں نانا بھی ہوں اور دادا

بھی۔ اور میری زندگی کا مشغله صرف یہ ہے کہ مختصر کھاؤں، مختصر سوؤں، چھوٹے چھوٹے خوبصورت بچوں کے ساتھ کھیل کر اپنا اور ان کا دل بہلاویں، یا پھر ان کے ساتھ کہیں سیر کو تکل جاؤ۔ گویا ماہول میں ایک تھہراو ہے۔ کوئی جدوجہد نہیں ہے اور میں نے بھی محسوس کر لیا ہے کہ اب اعضاء میں جدوجہد کی قوت نہیں رہی ہے۔ گویا میں نے اعضا سے سمجھوتہ کر لیا ہے۔ سو ان فرست کے لمحات میں ماضی پر ایک نگاہ کیوں نہ ڈال لوں؟ ہر انسان کا ماضی اُس کے بوڑھے بدن کی کمزور شریانوں میں خون کی روائی میں تیزی کا سبب بن سکتا ہے۔ یعنی وہ جو جدوجہد کے قابل نہ رہا ہو، ماضی کی یادوں کا سہارا لے کر حال میں خوش محسوس کرتا ہے اور خوشی کا حصول جہاں سے بھی ہو سکے، اسے گناہ انہیں چاہئے۔ تو میں کہہ رہا تھا کہ جائزے مختلف قسم کے ہوتے ہیں۔ میرا خیال ہے، ممکن ہے آپ اس سے متفق نہ ہوں کہ اگر ہم اپنی سوچ کو صرف اپنے تصورات کے میدان میں دوڑاتے رہیں تو واقعات کوئی مربوط حیثیت نہیں اختیار کر پاتے۔ کبھی کوئی خیال ذہن پر حملہ آور ہوتا ہے اور کبھی کوئی سبقت وہ خیال لے جاتا ہے جو ہماری پسندیدہ ہو۔ اور وہ خیالات، پسندیدہ خیالات کے بوجھ تلتے دبتے چلے جاتے ہیں جن میں ہماری پسند شامل نہ ہو۔ جبکہ ان کی حقیقت بھی نظر انداز نہیں کی جاسکتی۔ اور جب انسان خود اپنا محاسب ہے تو اُسے اپنے ماضی کے ساتھ پورا پورا انصاف کرنا چاہئے۔ اس کا بہتر طریقہ میرے خیال میں یہی ہے کہ زندگی کی کتاب کا پہلا ورق اُنہا جائے اور اُس وقت تک دوسرے ورق پر نگاہ نہ ڈالی جائے جب تک اس پہلے ورق کا ایک ایک لفظ نہ دیکھ لیا جائے۔ یہ خیال اس تحریک کا محرك بنا ہے۔ خوبی یہ ہے کہ میں نے اپنی داستان کے کسی پہلو کو تشنہ نہیں چھوڑا ہے۔ میں نے ہر اُس لمحے کو تحریر کیا ہے جو میری زندگی میں شامل ہے۔

مجھے اندازہ ہے کہ یہ تحریر میری رسوائی کا سبب بھی ہے۔ اور مجھ سے محبت کرنے والے، مجھ سے عقیدت رکھنے والے جب میرے مکمل کردار سے آشنا ہوں گے تو ان کے جذبات، ان کے احساسات کوٹھیں پہنچے گی۔ لیکن بات وہی آجاتی ہے کہ اگر انسان خود اپنا احتساب کرے تو خود کو خود سے کس طرح چھپائے؟ اگر وہ کچھ لوگوں کے سامنے اپنی شخصیت کی برتری قائم رکھنا چاہے تو پھر ضمیر کو کس طرح مطمئن کرے؟ چنانچہ اس حساب سے یہ تحریر میرے ضمیر کے لئے ہے اور میں نے اپنی ذات سے سارے نقاب اٹھا کر اپنے ضمیر کو زندہ رکھا ہے۔ کہاں یوں شروع ہوتی ہے کہ فن لینڈ کا ایک نیک نام خاندان اچانک برے حالات کا

میری عمر آب سترہ سال تھی۔ لیکن واقعات اور کچھے ہوئے ماحول نے مجھے اپنی عمر سے تحریب کے چند مزید سالوں نے اس کا جواب بھی دے دیا۔ پندرہ سال کی عمر میں پہلی بار کے کام میں خاندان کے موجودہ بزرگ ہیں جو اب غمزیدہ زندگی کر رہے ہیں۔ انہوں نے کین خاندان سے سب کچھے چیزوں لیا ہے اور ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ کر ہیں۔ خاندان کے نالاں لوگوں نے میرے جذبات کو ہوا دے کر دل کا بخار نکالا۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ خاندان کی بے پناہ دولت ان لوگوں کے لئے تو نہیں تھی جنہوں نے اُر ضائع کر دیا۔ وہ تو صرف اُس کے امین تھے اور ان پر ذمہ داری عائد ہوتی تھی کہ وہ اُسے سپرد کر دیں اور میں اپنی صلاحیتوں سے کام لے کر اُسے بڑھاؤں اور معمول کے مطابق اپنی آئندہ نسل کے سپرد کر دوں۔ لیکن ان بزرگوں نے تو آئندہ نسلوں کو ہی بر بادرا دیا تھا۔ میرے باپ اور چچا تھے۔ اس لئے یہ جرات تو نہیں کر سکتا تھا کہ اُن سے جواب طلب کروں۔ ہاں! دوسرے طریقوں سے اپنے غصے کا اظہار ضرور کر سکتا تھا۔ سائیکل کھینچ میرے بیٹے بات نہیں تھی۔ عام انسانوں کے ساتھ جو سلوک ہوتا ہے، وہ مجھے گواہ انہیں تھا۔ جس طرح زندگی گزارنی پڑ رہی تھی، اس کا ایک لمحہ بھی مجھے پسند نہیں تھا۔ جو کچھ وہ خدا کر پچھے تھے، اُسے واپس نہیں لاسکتا تھا۔ پھر میں کیوں اپنی زندگی کو ان کے بنائے ہوا اصولوں پر چلاوں؟ میں کیوں اس خاندان کی روایتی دم پکڑے رہوں۔ مجھے نئے سر سے زندگی کا تینیں کرنا ہے۔ مجھے اپنے لئے نئے میدان بنانے ہیں۔ بزرگوں کو سخت سست کر دل کا بخار نکالنے کی جرات نہیں رکھتا تھا۔ ذہن پر بغاوت بلکہ ایک طرح سے جھنجھلاہما طاری تھی۔ چنانچہ ناچلتہ ذہن نے جو فصلہ کیا، اس میں جھنجھلاہست تکمیل طور سے شامل تھا میں نے بخوبی اندازہ لگایا تھا کہ اب اس خاندان کا کوئی پرسانی حال نہیں ہے۔ میں جواہر گیا تو کوئی یہ سوچ کر مجھے سہارا نہیں دے گا کہ میں مشہور زمانہ کین خاندان کا فرد ہوں اور جب میری عملی زندگی کا دور شروع ہوگا تو میں ایک تعلیم یافتہ نوکر ہوں گا۔ لوگ قطعی نہ ہو چیزیں گے کہ اس سے قبل وہ اس خاندان کے نوکر تھے۔ چنانچہ میں غلامی کی زندگی کیا تبول کروں؟ میں بے صلاحیت تو نہیں ہوں۔ اگر کین خاندان کا وقار برقرار رہنے دیا جانا میں اپنی صلاحیتوں سے اس میں چار چاند لگا سکتا تھا۔ لیکن اب میں اپنی صلاحیتوں کو اس لئے استعمال کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ میں نے اپنے طور پر ہاتھ پاؤں مارنے شروع کر دیے سکول چھوڑ دیا اور اب میری نشست فن لینڈ کے جرام پیشہ لوگوں کے ساتھ ہونے لگی۔

”مجھے خوشی ہے کہ میرے بارے میں صرف وہ باتیں لوگوں کے سامنے آئی ہیں جنہیں میں نے چھپانا مناسب نہیں سمجھا۔ میں نے جن باتوں کو چھپانے کی کوشش کی ہے، وہ آج تک محفوظ ہیں۔ ”تو قابل احترام بزرگو.....! کیا آپ حضرات کو اس بات کا احساس ہے کہ آپ ہماری عزت اور ہماری حیثیت کیا رہ گئی ہے؟“ میرے لمحے اور میرے سوال پر بے چینی سے پہلو بد لے گئے تھے۔

”ہمارا دور خراب ہو گیا، ہمارے مالی حالات تباہ ہو گئے۔ لیکن بہر حال! لوگ آج بھی ہمیں کیم فنیلی کے افراد کی حیثیت سے جانتے ہیں جو ایک اعلیٰ مقام رکھتی تھی۔“ میرے چچا جان نے کہا اور میں نے بڑے پیارے سے اُن کی طرف دیکھا۔ پھر بڑے پیارہی سے کہا۔

”میرے پیارے چچا جان! کیا لوگ کیم فنیلی کی تباہی کے اسباب نہیں جانتے ہوں گے؟ کیا اُن کے ذہن میں یہ سوال نہیں ابھرتا ہو گا کہ کیم فنیلی پر یہ وقت کیوں آپڑا؟ رہی میری بات تو آپ یقین کریں! ان لوگوں کو میرے بارے میں تھایت مختصر معلومات حاصل ہوئی ہیں۔ اصل باتیں تو آج تک پوشیدہ ہیں اور مجھے یقین ہے، پوشیدہ ہی رہیں گی۔ کیونکہ میں نہایت احتیاط سے جرام کرتا ہوں۔ مجرمانہ زندگی اختیار کر کے میں اپنے طور پر وہ حیثیت حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہوں، جو میرے تصورات میں تھی۔ مجھے اپنے خاندان کے قصے معلوم ہیں۔ مجھے علم ہے کہ ہماری زندگی کیسے بسر ہوتی تھی؟ میری زندگی اس سے مختلف ہے۔ آخر کیوں؟ شاید آپ لوگوں کی وجہ سے۔ بہر حال! آپ کو خوشی ہونی چاہئے کہ میں

جدوجہد کر کے وہی زندگی حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہوں جو آپ گناہکے ہیں۔ حالانکہ میں آپ سے اس کا حساب طلب کر سکتا ہوں۔“

ممکن ہے، آپ مجھ سے متفق نہ ہوں۔ لیکن ظاہر ہے، اپنے اپنے نظریات ہوتے ہیں۔

والد، بچا، ماں اور دوسرے اقارب کو میں نے خلوصِ دل سے اس لئے معاف کر دیا کہ لندن کی تیز زندگی میں، میں نے چند شب و روز خاموشی سے گزارے، بالکل سکون سے میری ان چھپتی ہوئی باتوں نے اُن کے ہونٹ سی دیئے تھے۔ شاید انہیں میری اس گرفت کا اور اپنی جگہ محدود رہ کر سوچتے ہوئے۔ البتہ یہاں کے بارے میں تفصیلات معلوم کرتا رہا تھا۔ شبہ بھی نہیں ہو گا۔ وہ تو بزرگوں کی حیثیت سے بیٹھے تھے اور مجھے سرزنش کرنا چاہتے تھے۔ لندن کے متعلق سارا لڑپچر میں نے فراہم کر لیا تھا اور یوں نقصشوں کی مدد سے پورے لندن لیکن اچاکم انہیں احساس ہوا تھا کہ وہ سب میرے مجرم ہیں۔ بلاشبہ کین فیلی کی باگ ڈر سے واقف ہو گیا تھا۔ میں نے یہاں کے ایک ایک گلی کو پیچے، ذرا لئے آمد و رفت اور علاقائی آب میرے ہاتھ ہی آئی تھی۔ یوں سمجھا جائے کہ جو خوبصورت زندگی، میرے اہل خاندان خصوصیت ذہن نہیں کر لی تھی۔ اب اس ادارے تک پہنچنا تھا، جس کے لئے میں نے یہ سفر گزار چکے تھے، وہ آب میرا حصہ تھی اور ان لوگوں نے میرا حصہ غصب کر لیا تھا۔ شاید انہیں کیا تھا۔ ظاہر ہے، یہ ادارہ منظر عام پر نہیں تھا اور اُسے تلاش کرنا بھی آسان نہیں تھا۔ میں نے ذہن سے یہ بات فراموش کر دی تھی اور مجھے باز پرس کے لئے طلب کر لیا تھا۔ لیکن میرے الفاظ نے اُن کو بہادریا۔ کیا مجال جو کسی نے اس کے بعد ایک لفظ بھی کہا ہو۔

”کیا میں جاؤ؟“ میں نے بڑی محبت سے پوچھا۔

مجھی ہوئی لگا ہیں اور بند ہونٹوں نے کچھ نہ کہا۔ میں خاموشی سے اُن کے درمیان سے اٹھ آیا۔ لیکن آب میں نے کچھ اور با تیں سوچیں۔ جو مجرمانہ زندگی میں نے اختیار کی تھی، وہ کوئی نمایاں حیثیت نہیں رکھتی تھی۔ تھوڑے سے مالی فائدے ضرور حاصل ہونے لگے تھے۔ لیکن یہ میرے شایان شان نہیں تھے۔ جو چھوٹے موٹے جرام میں کرتا تھا، وہ میرے لئے کوئی حیثیت نہیں رکھتے تھے۔ میں چاہتا تھا کہ اس زندگی میں بھی کاملیت حاصل کروں۔ چنانچہ میں ان تمام طریقوں سے آشنا ہونے کی فریضہ لگا رہتا تھا۔ اس سلسلے میں لڑپچر بھی پڑھتا تھا اور جدید معلومات حاصل کرتا رہتا تھا۔ پھر مجھے ایک ایسے ادارے کا پتہ چلا جو جرام کی تربیت دیتا تھا۔ یہ ادارہ لندن میں تھا۔ چنانچہ میں نے لندن جانے کا فیصلہ کر لیا۔ اجازت کی ضرورت ہی کیا تھی؟ اُن لوگوں کے پاس اُب دعاویں کے انداز بھی باقی نہ رہے تھے۔ وہ انہیں بھی گناہکے تھے۔

چنانچہ میں ضروری تیاریوں کے ساتھ لندن چل پڑا۔ اپنا راز داں میں خود تھا۔ اور یہ اصول میری زندگی کا، بہترین اصول رہا ہے۔ میں نے ہمیشہ کوشش کی ہے کہ اپنے معاملات، اپنی ذات تک محدود رکھوں اور بعض الجھنوں کو نظر انداز کر دیا جائے تو یہ اصول اچھا ہی ثابت ہوا۔ میں نے محسوس کیا کہ یوں خود اعتمادی بڑھتی ہے اور اس کے علاوہ کار کردار کی حوصلہ بھی۔ کیونکہ یہ احساس رہتا ہے کہ جو کچھ کرنا ہے، تہبا ہی کرنا ہے۔ غلط کیا تو نقصان ہو گا۔

پھر ایک دن وہ ہو گیا، جس کا میں خواہش مند تھا۔ پولیس گاڑیوں کے سارے نج رہے تھے اور بریکوں کی تیز چرچا بھیں سنائی دے رہی تھیں۔ پھر وہ تیز روشنیاں ایک موڑ کی دیوار پر پڑیں اور اس کے ساتھ ہی ایک دھماکہ سنائی دیا۔ کار، ڈرائیور کے قابو سے باہر ہو گئی تھی اور ایک دیوار سے مکار گئی تھی۔ کار کا ہارن دبارہ گیا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ کار کا دروازہ کھولنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ اس وقت ایک لمحے کی تاخیر نہ صرف میرے لئے بلکہ اُس شخص کے لئے بھی نقصان دہ ثابت ہو سکتی تھی، جو اُس کار میں پہنچا رہ گیا تھا۔ چنانچہ میں ملی

کی سی پھرتی سے لپکا اور کار کا دروازہ کھول دیا۔ پھر میں نے سیاہ سوت میں ملبوس اُس شخص کی نہیں دیکھ سکا تھا۔ باہر کھینچ لیا، جس کے دوسرا بات میں سیاہ رنگ ہی کا ایک بریف کیس دبا ہوا تھا۔ میں اُسے ”اوہ..... معمولی سی چوت لگ گئی ہے۔ کوئی سمجھیدہ بات نہیں ہے۔“ اُس نے جواب لئے ہوئے اُس گلی کی طرف لپکا جو میرے بائیں سمت تھی اور گلی میں گھستا چلا گیا۔ اُس شخص کی میں بری طرح سے گھسیت رہا تھا۔ پولیس کی گاڑیوں کے سارے اُب گلی کے سامنے نہیں دیا۔ ”تم زخمی ہو؟“ میں نے اُس سے پوچھا۔ نہ میں تاریکی کی وجہ سے میں اُس کی شکل بھی دے رہے تھے۔

”گلی میں داخل ہوئی تو اس بات کا امکان ہے۔ کیونکہ زینہ کھلا ہوا ہے۔“ اُس نے یقیناً پولیس والے پہلا اس گاڑی کی تلاشی لیں گے اور پھر وہ گلی کی طرف دوڑیں گے۔ جواب دیا اور میں نے گردن ہلا دی۔ اس کے بعد میں نے پھرتی سے اپنا کوٹ اور جو تے اس لئے کسی منزل کی تلاش ضروری ہے۔ میرے ساتھ دوڑنے والے شخص کے منہ سے ایک آٹارے، پھر کمرے سے باہر آ گیا۔ سب سے پہلے میں نے دروازے کے قریب پڑے دوبار کراہ نکل گئی تھی جس سے میں نے اندازہ لگایا تھا کہ وہ زخمی ہے۔ پھر گلی میں مجھے ایک ہوش شخص کو اٹھایا اور کندھے پر لاد کر کچن میں داخل ہو گیا جو مناسب حد تک کشادہ تھا۔ بے زینہ نظر آیا اور میں اُسے زینہ کی طرف گھینٹنے لگا۔ ”اوہ..... ادھرنیں۔ ہم پھنس جائیں گے.....“ اُس شخص کی بھاری آواز پہلی بار سنائی کے پاس آ گیا۔ وہ ایک کری پر خاموش بیٹھا ہوا تھا اور بریف کیس اُب بھی اُس کے پاس بھی نہیں۔

”آ جاؤ! پولیس، کار کے کھلے دروازے کو دیکھ کر اسی طرف آئے گی۔“ میں نے اُس بدستور کھینچتے ہوئے کہا اور وہ تیزی سے میرے ساتھ یہڑھیاں طے کرنے لگا۔ یہڑھیوں میں ایک دروازے پر ہوا تھا۔ میں نے دروازے پر دستک دی۔ ایک بار..... دوسرا بار..... اور پھر تیسرا بار۔ تب قدموں کی چاپ سنائی دی اور پھر کسی نے دروازہ کھول دیا۔ لیکن دروازہ کھولنے والے کو ایک خوفناک گھونسے کا سامنا کرنا پڑا۔ دوسرے لمحے میں نے اُس کی کیفیت کیا ہے، اُس کی گردن پکڑ لی اور سر کے مخصوص حصے میں اندازہ لگائے بغیر کہ اُس کی کیفیت کیا ہے۔ اُس کی گردن پکڑ لی اور اس کے ساتھ ہی میں دروازے پر پہنچ گیا۔ دروازہ کھولا اور براسامنہ بنا کر بولا۔ ”کون ہے..... کیا بات ہے؟“ میں نے اپنے ساتھی کو اندر گھسیت کر دروازہ بند کر لیا۔ اور پھر میں نے اُس سے پوچھا۔

”پستول ہے تمہارے پاس؟“ ”پولیس۔“ جواب ملا۔

”نہیں۔“ اُس نے جواب دیا۔ اُس کے انداز میں کسی قدر بیچچا ہٹ تھی۔ ”کیوں..... پولیس کیوں آئی ہے؟ قتل کیا ہے میں نے، چوری کی ہے، کیا بات ہے؟“ ”خیر، کوئی بات نہیں ہے۔ آؤ!“ میں نے کہا اور وہ تیزی سے میرے ساتھ اندر چل پڑا۔ صرف دو کروں کا فلیٹ تھا۔ فلیٹ کا دوسرا حصہ شاید کسی اور کے پاس تھا اور اُس کار پولیس میں نے کہا۔ ”کیا وہ میں ہوں؟“ میں جھلانے ہوئے لجھ میں بولا۔ ”کیا پولیس کو یہ حق پہنچتا ہے کہ دروازہ بلڈنگ کی دوسری سمت تھا۔ دونوں کمرے خالی تھے۔“ گویا بیان اُس شخص کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ یہ بات ہم لوگوں کے حق میں جاتی تھی۔ میرا ساتھی بھی میرے ساتھ تھا۔ ”وہ سوتے ہوئے لوگوں کو جگا دے؟ نہ جانے کس طرح نیند آئی تھی۔ کیا تمہیں معلوم ہے، میں اندر گئی کمرے میں پہنچ گئے۔“

”ٹھیک ہے۔ لیکن میں ابھی تک تمہاری نیت سے واقف نہیں ہوں۔“ اُس نے جواب دیا۔ ”مجھے بتاؤ، تم کہاں سے میرا تقاضہ کر رہے تھے؟ اور.....“ لیکن میں نے اُس کا جملہ پورا نہ ہونے دیا۔ جس کرسی کے قریب میں کھڑا تھا، وہ اپنی جگہ چھوڑ کر اُس پر جا پڑی اور اس کے بعد فوراً پستول اُس کے ہاتھ سے نکل گیا تھا اور وہ اپنی کرسی سے نیچے گر پڑا تھا۔ دوسرے لمحے اُس کا پستول میرے قبضے میں آگیا اور میں اُس سے کچھ فاصلے پر کھڑا ہو کر اُسے دیکھنے لگا۔ اُس نے اپنی جگہ سے اٹھنے کی کوشش کی۔ لیکن کوشش کے باوجود اُس کی کراہیں نہ رک سکیں۔ اٹھنے کی کوشش میں ناکام ہو کر اُس نے تھوڑے فاصلے پر پڑے ہوئے بریف کیس کو دیکھا اور خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گیا۔

میں آہستہ آہستہ آگے بڑھا اور بریف کیس اٹھایا۔ اور پھر اُس کے بالکل سامنے پہنچ کر میں نے پستول کا چیمبر کھول کر اُس کی گولیاں نکال لیں۔ پھر پستول، بریف کیس پر رکھ کر اُس کے سامنے کر دیا۔ اُس نے کسی قدر رائج ہوئے انداز میں مجھے دیکھا تھا۔

”تم نے شاید دوسرا جھوٹ بھی بولا تھا کہ تم رخی نہیں ہو۔ کیا میں تمہیں سہارا دوں؟ مجھے بتاؤ! تمہارے جسم پر کہاں چوٹ ہے؟“ میں نے پوچھا۔

اُس نے ایک طویل سانس لی۔ پھر بولا۔ ”میرا خیال ہے، میرا بیاں ہاتھ، بازو کے پاس سے ٹوٹ گیا ہے۔“

میں آگے بڑھا اور اُسے سہارا دے کر کھڑا کیا۔ ”یہاں زیادہ دیر کرنا مناسب نہیں ہے۔ حالانکہ پولیس یہیں قرب وجوار میں چکار رہی ہو گی۔ لیکن کچھ میں قید شخص، ہوش میں بھی آ سکتا ہے۔“

”یوں کرو، تم اسے وہیں باندھ کر ڈال دو اور اس کے منہ پر پٹی کس دو۔ ابھی یہاں سے نکلا ٹھیک نہ ہو گا۔ خاص طور سے ایسی صورت میں جبکہ ہمازے پاس سواری کا بندوبست بھی نہیں ہے۔“ اُس نے کہا۔

”ٹھیک ہے۔“ میں نے جواب دیا اور پھر میں اُس کمرے سے نکل آیا۔ دوسرے کمرے میں سے میں نے ایسی چیزیں تلاش کیں جن سے اس شخص کو باندھا اور اُس کا منہ بند کیا جا سکتا تھا۔ پھر نہ صرف میں نے یہ دونوں کام کر دیئے، بلکہ کچھ میں کافی کا سامان موجود پا کر کافی کا پانی بھی رکھ دیا۔ اس کے بعد میں اسی دوسرے کمرے سے کچھ ضروری چیزیں لے کر واپس اُس کے پاس پہنچ گیا۔ وہ کرسی پر بیٹھا تھا اور اُس کی آنکھیں بند تھیں۔ آہست سن کر

بے خوابی کا مریض ہوں؟“

”ہم معدورت خواہ ہیں۔ لیکن آپ ہمارے فرائض کو ذہن میں لا کر ہمیں معاف نہیں۔“ پولیس والے نے کہا اور پھر وہ پلٹ کر نیچے اتر گئے۔ میں نے خاصی آواز دروازہ بند کر لیا تھا۔ اور پھر روشنی گل کر کے کمرے میں واپس آگیا۔

”اب اگر تم اجازت دو تو میں روشنی کر دوں؟“ میں نے پوچھا۔

”چند منٹ صبر کرو۔ انہیں دوڑ پڑھ جانے دو۔“ اُس نے جواب دیا۔ لیکن اُس کی آواز میں نکروڑی میں نے صاف محسوس کی تھی۔

”وہ آب واپس نہیں آئیں گے۔ کیونکہ میں بے خوابی کا مریض ہوں۔“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”میں سن چکا ہوں۔ بلاشبہ تم ایک شاندار آدمی ہو۔“ میرے ساتھی نے جواب دیا۔ ”میں نے اندازہ لگا کر کمرے کی تیز روشنی کا سوچ آن کر دیا۔ روشنی ہونے کے بعد میری ہلا پہلے جس چیز پر پڑی وہ پستول کی نال تھی اور پستول اُس کے ہاتھ میں تھا۔ میں اُسے غورے دیکھ رہا تھا۔ وہ بریف کیس، اُس کی گود میں رکھا ہوا تھا۔ اور ہیئت عمر کا شخص تھا۔ چہرے سے جرامی پیشہ نہیں معلوم ہوتا تھا۔ مطلب یہ کہ خاصاً پر وقار چہرہ تھا اور فوری طور پر اُس کے بارے میں کوئی بری رائے قائم نہیں کی جاسکتی تھی۔ پھر اُس کے ہونٹوں سے ایک انتہائی سرا آواز اُبھری۔

”تم نے میری جو مدد کی ہے، اس کا شکریہ۔ لیکن اب تم اپنے بارے میں بتاؤ۔ تم کون ہو؟ اور کہاں سے میرے تعاقب میں ہو؟“

میں نے پر سکون نگاہوں سے اُس کی شکل دیکھی۔ میں خود بھی ایک کرسی کے قریب کھڑا تھا۔ ایک لمحے میں، میں نے فیصلہ کر لیا اور پھر میں نے دونوں ہاتھ سینے پر باندھ لئے۔ ”تم نے کہا تھا، تمہارے پاس پستول نہیں ہے۔“ میں آہستہ سے بولا۔

”ہاں..... کہا تھا۔ لیکن اُس وقت صورت حال ایسی تھی کہ میں تمہیں اُس کے بارے میں نہیں بتا سکتا تھا۔ اور پھر میں پولیس کے مقابلے میں پستول استعمال نہیں کرنا چاہتا تھا۔ کیونکہ اس کے بعد اس سے چھینکا رامکن نہیں تھا۔ پھر پستول تمہارے ہاتھ میں دے کر میں خود کو بس نہیں کرنا چاہتا تھا۔“

”لیکن میں تو تمہارا مدگار تھا۔“ میں نے بدستور اسی انداز میں کہا۔

”محض اتفاق ہے۔ میں اس وقت تم سے زیادہ ڈور نہیں تھا، جب تمہاری گاڑی حادثہ کا شکار ہوئی۔“

”اوہ..... ایسی صورت میں تمہاری وہ بات، بے اثر ہو جاتی ہے۔ یعنی مجھ سے مفاد کی بات۔“

”تمہیں کسی مناسب جگہ پہنچا دوں، اس کے بعد اس بارے میں بھی بتاؤں گا۔ اور ایک منٹ رُک جاؤ۔ میں ابھی واپس آتا ہوں۔“ میں اس کے جواب کا انتظار کئے بغیر باہر آیا، اور پھر دو کپ کافی بنا کر لے گیا۔ ایک کپ میں نے اس کے ہاتھ میں تھا دیا اور دوسرا خود لے کر اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ اس کے ہونتوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

”ہر لحاظ سے مناسب آدمی ہو۔ خاص طور سے تمہارے اعصاب بے حد مضبوط ہیں۔ لیکن مالک مکان کہاں ہے؟ کیا تم نے اس کا مناسب بندوبست کر لیا ہے؟“

”نہایت مناسب.....!“ میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

”ٹھیک..... اپنانام نہیں بتاؤ گے؟ ویسے میرانا مکارک ہے۔ کلارک ہم۔“

”مجھے ڈن کے نام سے پکارتے ہو۔“

”مقامی نہیں معلوم ہوتے۔ تمہارا الجھ بتا رہا ہے۔“

”فن لینڈ کا پاشدہ ہوں۔“ میں نے جواب دیا۔

”خوب..... میرا بھی یہی اندازہ تھا۔“ اس نے کہا اور اس کے بعد کافی کے گھونٹ لینے لگا۔ بہت دیر تک خاموشی چھائی رہی۔ پھر اس نے کافی ختم کر کے کپ رکھ دیا۔ بازو کی تکلیف، اس کے چہرے سے عیا تھی۔ لیکن وہ برداشت کر رہا تھا۔ اس کے بعد کافی دیر تک گفتگو نہیں ہوئی۔ پھر اس نے کہا۔ ”یہاں، اس فیکٹ میں ٹیلی فون موجود نہیں ہو سکتا۔ لیکن اگر تم باہر نکل کر کوئی ٹیلی فون تلاش کر سکو تو میں تمہیں ایک نمبر دے دوں۔ ان نمبر پر ریگ کر کے تم کسی قریبی جگہ گاڑی مل گواسکتے ہو۔“

”نمبر دو.....!“ میں نے کہا اور اس نے مجھے ایک نمبر دے دیا اور کہا۔

”کوئی لڑکی بولے گی۔ اس کا نام ماریا ہے۔ اس سے کہنا، کلارک پریشانی میں بتا ہے۔ گاڑی لے کر پہنچ جائے اور انتظار کرے۔“

”ٹھیک ہے۔“ میں نے جواب دیا اور کھڑا ہو گیا۔

”اور سنو! نہایت ہوشیاری سے جانا۔ مجھے تمہاری ضرورت ہے۔ یہ خیال ذہن میں نہ

آس نے آنکھیں کھول دیں۔ اس کے قریب پہنچ کر میں نے اس کا کوٹ اٹارا اور پھر اس کے ٹوٹے ہوئے بازو کو دیکھا۔ اس وقت میں اس کے سوا پچھو اور نہیں کر سکتا تھا کہ اس کے بازو کو کس کراس طرح گردن میں ڈال دوں کہ وہ یونچ نہ رہے۔ چنانچہ پہلے تو میں نے اس پر خوب کپڑا پیٹا۔ اور پھر ایک چادر پھاڑ کر اس کی پٹی بنائی اور اس میں گردہ لگا کر بازو کو گردن میں ڈال دیا۔ پھر میں نے اسے سہارا دے کر مسہری پر بٹھا دیا۔ اس کی آنکھیں سپاٹ تھیں اور وہ نیمری حرکات کو دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے بریف کیس کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

”اس بریف کیس میں تقریباً آٹھ لاکھ پونڈ کے نوٹ ہیں۔ اور بلا مبالغہ اتنی ہی مالیت کے ہیرے ہیں۔ یہ میں نے ایک بینک سے اڑائے ہیں۔“

”خوب..... اچھی رقم ہے۔ لیکن میں اسے تمہاری امانت سمجھتا ہوں۔ ازراہ شرافت نہیں، بلکہ تم سے میرا ایک عظیم مفاد وابستہ ہے۔“

”مفاد.....؟“ اس نے حیرانی سے میری طرف دیکھا۔

”ہاں.....!“ میں نے جواب دیا۔

”تو کیا تم مجھے جانتے ہو؟“

”نہیں۔“

”پھر تم مجھے اپنے لئے مفید کیوں سمجھتے ہو؟“

”میرا اندازہ ہے۔ غلط بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود اگر تم پسند کرو تو میں تمہیں، تمہاری منزل تک پہنچا سکتا ہوں۔ معاوضہ کچھ نہ ہو گا۔ یہاں تک کہ میں تمہارے پستول سے نکالی ہوئی گولیاں بھی واپس کر دوں گا۔“

”برے آدمی ہو، تب بھی ابجھے ہو۔ قدرتی بات ہے کہ اس وقت میرے اوپر حاوی ہو۔ جو سلوک چاہو، کر سکتے ہو۔ لیکن اس کے باوجود تم شرافت سے کام لے رہے ہو۔

”بہر حال! میں اگر تمہارے کسی کام آسکتا ہوں تو ضرور آؤں گا۔ بتاؤ! کیا چاہتے ہو؟ اور ہاں..... یہ بات بتاؤ! کہ کیا تم میرا تعاقب کر رہے تھے؟“

”برا احتمان سوال ہے۔ تمہارا تعاقب پولیس کر رہی تھی، میں نہیں۔ اور پھر ظاہر ہے، اگر میں تمہارے پیچے ہوتا تو پولیس کی نگاہوں سے نہیں بچ سکتا تھا۔“

”تو پھر بروقت مجھ تک کیسے پہنچ گئے؟“

پلیٹ اُس کے سامنے کر دی۔ کارک کی آنکھوں میں چمک پیدا ہو گئی اور بھر اُس نے ممنونیت سے مسکراتے ہوئے کہا۔

”تم بعد میں بے شک مجھ سے کوئی مطالبہ کرو، لیکن یقین کرو! تمہاری کار کر دگی اور ہمدردی کا میں بے حد ممنون ہوں۔ کار کی نمبر پلیٹ جعلی تھی اور اس کے ذریعے مجھ تک پہنچنا ممکن نہیں تھا۔ دراصل! یہ پوگرام پہلے سے طے شدہ تھا۔ یہ ایک غیر متوقع بات ہو گئی، جس کی وجہ سے مجھے یہ پریشانی اٹھنی پڑی۔ مجھے بینک کی عمارت میں ہونے والی اُس میٹنگ کے بارعے میں معلوم نہیں تھا جو تیسری منزل پر ہو رہی تھی۔ میں نے نہایت ہوشیاری سے کام کیا تھا۔ لیکن تھوڑی سی چوک ہو گئی۔“ وہ مسکرا دیا، پھر بولا۔ ”ماریا نے کتنی دیر میں پہنچنے کا وعدہ کیا ہے؟“

”میں نے اُسے جلد از جلد پہنچنے کی ہدایت کر دی ہے۔“

”پھر کیا خیال ہے، چلیں؟“ اُس نے پوچھا۔

”ہاں..... چلو! میں نے جواب دیا۔ اور پھر اُسے اُس کا کوٹ پہنچایا۔ حیله درست کیا اور پھر اُسے سہارا دے کر نکال لایا۔ فلیٹ سے باہر نکلنے سے پہلے میں نے اُس سے پتوں طلب کیا اور گولیاں اُس میں ڈال دیں۔ پھر پتوں میں نے اُس کی طرف بڑھا دیا۔ لیکن کارک نے میر اشانہ تھپتھپایا اور مسکرا کر بولا۔

”اسے تم ہی استعمال کر سکتے ہو میرے درست۔ براہ کرم! اے بھی سنجدال لو۔ میری حالت زیادہ بہتر نہیں ہے۔“ اُس نے بریف کیس میری طرف بڑھا دیا اور میں نے گھری سانس لے کر پتوں اور بریف کیس اُس سے لے لیا۔ پھر انہائی احتیاط سے ہم دونوں باہر نکل آئے۔ ڈور پولیس والوں کے جو توں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ ظاہر ہے، انہیں یقین تھا کہ مجرم یہیں کہیں چھپا ہوا ہے۔ ممکن ہے، انہوں نے مزید پولیس طلب کر لی ہو تاکہ اس پورے علاقے کا حاصرہ کر لیا جائے۔ دن کی روشنی میں مجرم کی گرفتاری میں آسانی ہو گی۔

تفصیر اور تدبیر ہمیں، ہماری مطلوبہ جگہ لے آئی اور زیادہ دری یہیں گزری تھی کہ ڈور سے ایک کار کی روشنیاں نظر آئیں۔ کار قریب پہنچی تو کارک نے پر مسٹر اُس اواز میں کہا۔ ”ماریا ہی ہے۔“ کار قریب پہنچ گئی اور جو نبی وہ رُکی، میں نے دوڑ کر اُس کا عقبی دروازہ کھول دیا۔ کارک جلدی سے اندر داخل ہو گیا تھا اور اُس کے ساتھ ہی میں بھی۔

لانا کہ اس طرح تمہیں بھیج کر میں یہاں سے نکلنے کی کوشش کروں گا۔ وعدہ کرتا ہوں اور ناشکر کرنیں ہوں۔“

”ٹھیک ہے مسٹر کارک! میں اعتبار کرتا ہوں۔“ میں نے جواب دیا اور فلیٹ سے باہر نکل آیا۔ میں نہایت احتیاط سے آگے بڑھ رہا تھا۔ ٹیلی فون بو تھر زیادہ ڈور نہیں تھا۔ لیکن مجھے یقین تھا کہ پولیس بھی زیادہ ڈور نہیں ہو گی۔ اس لئے اس کی نگاہوں سے خود کو چھپانا بھی تھا۔ میں نہایت احتیاط کے ساتھ ٹیلی فون بو تھر پر پہنچا اور پھر نمبر ڈائل کرنے لگا۔ ذہن میں ایک بار خیال ضرور آیا تھا کہ کہیں کارک نکل جانے کی کوشش نہ کرے۔ لیکن ابھی تو سارے کام صرف امید پر چل رہے تھے۔ ضروری نہیں تھا کہ وہ میرے لئے کام کا آدمی ہی ثابت ہو۔ ممکن تھا کہ وہ بے مصرف ٹھنڈنے لے۔ اگر وہ بھاگ بھی جاتا تو کوئی بہت بڑا نقصان نہیں ہو سکتا تھا۔ دوسری طرف سے نمبرل گیا۔ بولنے والی ماریا ہی تھی۔ میں نے اُسے مسٹر کارک کا پیغام دیا۔ عورت کی آواز سے پریشان جھلکنے لگی۔

”آپ کون صاحب بول رہے ہیں؟“

”کارک کا ایک درست ہوں۔ لیکن براہ کرم! آپ سوالات میں وقت ضائع نہ کریں اور بتائی ہوئی جگہ پر پہنچ جائیں۔ آپ نہایت خاموشی سے وہاں ہمارا انتظار کریں گی۔“ میں نے کہا اور فون بند کر دیا۔ پھر میں واپس چل پڑا۔ اور واپسی میں میرے ذہن میں ایک اور خیال آیا۔ چنانچہ میں نے ایک خطرہ مول لینے کا فیصلہ کر لیا اور چاروں طرف دیکھنے کے بعد تباہ شدہ کار کے پاس پہنچ گیا۔ میں نے اندازہ لگایا تھا کہ پولیس کے سپاہی، کار کے پاس موجود نہیں ہیں۔ اگرچہ مشکل کام تھا، لیکن میں نے نہایت ہوشیاری اور مہارت سے کار کی نمبر پلیٹ اٹار لی اور پھر میں خیریت کے ساتھ واپس فلیٹ پر پہنچ گیا۔ فلیٹ میں داخل ہو کر میں تیر کی طرح کمرے میں پہنچا اور کارک کو اُسی طرح موجود دیکھ کر مجھے خوشی ہوئی تھی۔ کارک نے تکلیف کی وجہ سے آنکھیں بند کر کی تھیں۔ میرے قدموں کی چاپ پر اُس نے آنکھیں کھول دیں۔

”کام ہو گیا.....؟“ اُس نے پوچھا۔

”ہاں!“ میں نے جواب دیا اور کارک میرے ہاتھ کی طرف دیکھنے لگا۔

”یہ کیا ہے؟“

”اوہ.....! میں نے سوچا کہ تمہاری کار کی نمبر پلیٹ اٹار لوں۔“ میں نے کہا اور نمبر

”واپس چلو ماریا!“ کلارک نے کہا اور لڑکی نے یوٹن لے کر کار پوری رفتار سے آگے بڑھا دی۔ وہ عقب نما آئینے کا رُخ بدلت کر ہمیں دیکھ رہی تھی۔ اُس نے پریشان لمحے میں پوچھا۔

”تم ٹھیک تو ہو کلارک؟“

”ہاں ڈارلنگ..... ٹھیک ہوں۔ لیکن تم رفتار اور بڑھاؤ۔ پولیس یہاں موجود ہے۔ ممکن ہے، کار دیکھ لی گئی ہو اور وہ تعاقب کرنے کی کوشش کرے۔“

”اوہ.....!“ لڑکی کے مند سے نکلا اور اُس نے رفتار بڑھا دی۔ لڑکی بھی تربیت یافتہ معلوم ہوتی تھی۔ اُس نے کار کو مختلف سڑکوں پر موڑنا شروع کر دیا تاکہ تعاقب کا اندازہ ہو سکے۔ پوری طرح اندازہ کرنے کے بعد بالآخر ایک سڑک پر اُس نے رفتارست کر دی اور پھر تھوڑی دیر کے بعد وہ ایک چھوٹے سے ایک منزلہ بنگلے کے سامنے رُک گئی تھی۔ دوبارہار دینے پر پھانسک کھل گیا اور لڑکی کار اندر لے گئی۔ ”پھانسک بند کر دو۔“ اُس نے شاید پھانسک کھولنے والے سے کہا تھا۔ اور پھر پورچ میں کار روک کر وہ جلدی سے بیجے اتر آئی۔ ”میرا خیال ہے، تم زخمی ہو کلارک!“

”ہاں..... تمہارا خیال ٹھیک ہے۔ لیکن خطرناک زخمی نہیں۔“ کلارک نے جواب دیا اور میں نے اور لڑکی نے سہارا دے کر اُسے بیچے آتا رہا۔ پھر ہم دونوں اُسے اندر لے گئے۔ لڑکی اُسے بیڈ روم تک لے گئی تھی۔ ساتھ ہی وہ کلارک کے بدن کو بھی مٹوٹی جا رہی تھی۔ اس بات سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ اُس سے خاص دلی انسیت رکھتی ہے۔

”چوتھ صرف ہاتھ میں ہے کلارک؟“ اُس نے پوچھا۔

”ہاں..... شاید بازو ٹوٹ گیا ہے۔“ کلارک نے جواب دیا۔

”اوہ..... تم فلمت کرو ڈارلنگ! میں ابھی بینڈ تھ کرتی ہوں۔“ ماریا دوڑتی ہوئی باہر جل گئی اور کلارک کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

”ماریا ایک عمدہ ڈاکٹر بھی ہے۔“ اُس نے مجھے بتایا اور میں نے احمقوں کی طرح گردن بلا دی۔ ظاہر ہے، میں کیا بولتا؟ لڑکی نے بد حواسی میں میرا تعارف بھی حاصل کرنے کی کوشش نہ کی تھی۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ ایک بکس اٹھائے اندر آگئی۔ اس کے بعد اُس نے ایک الماری سے برانڈی نکالی اور اُس کا ایک بڑا پیگ بنایا کر کلارک کو دیا۔

”تھیک یو ڈیزیر!“ کلارک نے برانڈی، طلق میں اٹھیلی لی۔ لڑکی اس دوران اُس کا

بازدھکوں رہی تھی۔ اور پھر اُس نے اُس کے بازو پر کئی لوشن لگائے۔ کلارک نے ہونٹ بھیجنے لئے تھے۔ بہر حال! لڑکی نے بینڈ تھ کر دی اور پھر دو بجکش بھی کلارک کو دیتے۔ ”اگر تم ضرورت محسوس کر رہے ہو تو ابھی ڈاکٹر سے رابطہ قائم کریں؟“ ماریا نے پوچھا۔

”تم میرے دوست کے سامنے مجھے کمزور فطرت ثابت کرنا چاہتی ہو؟“ کلارک نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”اوہ..... نہیں۔ بس! میں پریشان ہوں۔“ لڑکی نے کہا۔

”تم نے میرے دوست کا تعارف بھی نہیں حاصل کیا۔“

”ہاں..... مجھے اس حمایت کا احساس ہے۔ لیکن میں بے قصور ہوں جناب۔ براہ کرم! آپ خیال نہ کریں۔ میرا نام ماریا ہے۔ غالباً مجھے ٹیلی فون آپ نے ہی کیا تھا۔“ اُس نے مجھ سے کہا۔

”جی..... میں نے ہی کیا تھا۔“

”کلارک! میں نے تمہارے دوست کو پہلے نہیں دیکھا۔ ان کا تعارف کرواؤ۔“ ”نام ان کا، ڈن ہے۔ فن لینڈ کے باشندے ہیں۔ بس! اس سے زیادہ میں نہیں بتا سکتا۔“ کلارک نے کہا۔

”اوہ..... لیکن کیوں؟ میرا خیال ہے، یہ تعارف نا مکمل ہے۔ معاف کیجئے گا! آپ کیا پینا پسند کریں گے؟“

”شکریہ! اس وقت کچھ نہیں۔“ میں نے جواب دیا۔

”کیوں؟“

”ابھی تھوڑی دری قبل میں نے کافی پی ہے۔ شراب کے لئے اوقات کا پابند ہوں۔“ ”اوہ..... لیکن یہ تعارف اتنا مکمل کیوں ہے کلارک؟ اور کیا میں نے غلط کہا؟ کیا میں نہیں پہلے بھی دیکھ بچک ہوں.....؟ میرا خیال ہے نہیں۔“

”میں نے بھی نہیں دیکھا تھا۔ اور اس سے زیادہ تعارف اس لئے نہیں کرایا جا سکتا کہ میں خود نہیں جانتا۔“

”اونوکی باتیں کر رہے ہیں۔ آپ ہی بتا دیں جناب! کیا آپ حال ہی میں فن لینڈ سے آئے ہیں؟“ اُس نے مجھ سے پوچھا۔

”ہاں.....! یہاں تک تو درست ہے۔“ میں نے جواب دیا۔

"کارک سے آپ کی دوستی کتنی پرانی ہے؟"

"ایک گھنٹہ دس منٹ پرانی۔" میں نے گھری دیکھتے ہوئے جواب دیا اور لڑکی پریشانی سے ہم دونوں کی شکل دیکھنے لگی۔

"بس بھی بس.....! میں اپنی ماریا کو اس سے زیادہ پریشان نہیں کر سکتا۔ دراصل ماریا! آج میں نے پروگرام نمبر تیس کو عملی جامہ پہنایا ہے۔ صورت حال بگزگئی اور پولیس میرے پیچھے لگ گئی۔ ایک جگہ کار بے قابو ہو گئی اور میں پکڑا جاتا اگر یہ مدد نہ کرتے۔" کارک نے اسے تفصیل سنا دی۔ اس نے میرے مفاد کے بارے میں بھی بتا دیا۔ ماریا تجباً سے سن رہی تھی۔ کارک کے خاموش ہونے کے بعد بھی وہ دیریک خاموش رہی اور پھر ایک گھری سانس لے کر بولی۔

"مجھے تجباً ہے کارک! مسڑڈنے عجیب و غریب کردار کا ثبوت دیا ہے۔ میرے خیال میں یہ بہ آسانی تم پر قابو پاسکتے تھے۔ اور جو کچھ تمہارے بریف کیس میں موجود ہے، میرا خیال ہے وہ سارے مفادات سے زیادہ قوتی ہے۔ کیا تمہارے ذہن میں بخشش نہیں ہے کہ آخر مسڑڈنے تم بے کیا چاہتے ہیں؟"

"زبردست.....! لیکن میرے پاس ایسا کوئی ذریعہ نہیں ہے جس سے میں ان کے دل کا حال معلوم کرسکوں۔" کارک نے بے کسی سے کہا۔

"خاتون ماریا کا مکمل تعارف نہیں حاصل ہوسکا مسڑکارک.....!" میں نے کہا۔

"میری میگری، میری محبوبہ اور بہت جلد ہو جانے والی یوں۔ اور آب، جب آپ سے تعارف ہی ان حالات میں ہوا ہے تو یہ بات چھپانے کی ضرورت نہیں ہے کہ میری ہم پیشہ بھی۔ لیکن میرے شدید اصرار پر ماریانے کام کرنا چھوڑ دیا ہے۔ میں اسے کسی ابھجن میں نہیں دیکھنا چاہتا۔"

"اوہ.....! میری نیک خواہشات آپ کے ساتھ شامل ہیں۔"

"شکریہ ڈن! لیکن کیا تم ہماری الجھن ذور نہیں کرو گے؟"

"میرا خیال ہے، حالات پر سکون ہیں۔ چنانچہ آب مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور وہ دونوں ہمہ تن گوش ہو گئے۔

"مسڑکارک! میرا تعلق فن لینڈ کی ایک معزز فیلی سے ہے۔ میں اس کے بارے میں تفصیل نہیں بتاؤں گا۔ بہر حال! یوں سمجھیں کہ یہ فیلی اپنی اقدار کھو بیٹھی اور قلاش ہو گئی۔ میں

نے اپنے بزرگوں سے انتقام لینے کی غرض سے غلط راستے اپنائے اور کئی چھوٹے چھوٹے براہم کئے۔ اس کے بعد میں نے اپنا طلن چھوڑ دیا۔ یہاں میں ایک خاص مقصد لے کر آیا ہوں۔ زیادہ دن نہیں گزرے، ایک ہوٹل میں قیام ہے۔ میں یہاں جراہم کی بساںٹک تربیت یعنی چاہتا ہوں۔ اور مجھے کسی ایسے شخص کی تلاش تھی جو میری رہنمائی کر سکے۔ راتوں کو میں یہے لوگوں کی تلاش میں نکلتا ہوں۔ بلاشبہ! جراہم کی تربیت لینے کے بعد میں بھی یہی سب کچھ کروں گا۔ لیکن اس طرح نہیں۔ میں اپنے فن میں مہارت حاصل کرنا چاہتا ہوں اور اس سے پہلے دولت کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔"

کارک، تجباً سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ ماریا کی بھی یہی کیفیت تھی۔ پھر کارک نے گھری سانس لی اور بولا۔ "میں تمہیں ایک نا تجربہ کا شخص نہیں کہوں گا ڈن! کیونکہ جس انداز میں تم نے میرے اوپر قابو پالیا تھا اور پھر بقیہ کام تم نے جس مہارت سے کئے تھے، وہ تمہیں ایک ہیں تین انسان ثابت کرتے ہیں۔ رہی دولت کی بات تو میرے خیال میں جراہم کی طرف راغب گوئی شخص اتنی بڑی دولت سے اس قدر بے نیازی کا مظاہرہ نہیں کر سکتا۔ لیکن یہ مظاہرہ ثابت کرتا ہے کہ تمہارا تعلق کسی معمولی گھرانے سے نہیں ہے۔ میرا دعویٰ ہے کہ عمل کی دنیا میں تم ایک بلند انسان ثابت ہو گے۔"

"کیا تمہارے ذریعے میرا کام بن سکتا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ہم بڑے لوگ کسی کے بارے میں بہت اچھے انداز سے نہیں سوچتے ڈن! لیکن اگر تم بقین کر سکتے ہو تو کرلو۔ اگر تم میرے اوپر یہ احسان نہ بھی کرتے اور کسی دوسرے ذریعے سے مجھ تک پہنچتے، تب بھی میں تمہاری پوری پوری مدد کرتا۔ میرا خیال ہے تمہاری پہلی ہی کوشش کامیاب رہی ہے۔ میں تمہیں ایک ایسے ادارے تک پہنچا سکتا ہوں، جو جراہم کی نسبیت میں اپنا ثانی نہیں رکھتا۔ اس کے تربیت دیتے ہوئے لوگوں نے دنیا بھر میں دھوم چاہی ہے۔ یہاں تک کہ بہت سے مالک اپنے خنیہ شعبوں کے لوگوں کو بھی اس ادارے میں اخراج کرنے کے خواہش مند ہیں۔ ایسے کئی افراد یہاں تربیت حاصل کر رہے ہیں۔"

میں خوش ہو گیا۔ یہی تو سوچا تھا میں نے۔ ماریا، بار بار میری شکل دیکھنے لگتی تھی۔

"تمہارے بازو کی تکلیف کی کیا کیفیت ہے کارک؟" "اُس نے پوچھا۔

"تمہارے دیے ہوئے انجکشنوں نے بہت سکون دیا ہے ماریا۔ شکریہ! لیکن میرا خیال ہے، اب تم مسڑڈن کے آرام کا بندوبست کرو۔ اور مسڑڈن! اتنا تو آپ سمجھو ہی گئے ہوں

گے کہ اب آپ یہاں سے کہیں نہیں جا سکتے۔“
”میں نہیں سمجھا.....“ میں نے تجھ سے کہا۔

”برے لوگ، اتھے دوست بھی بن جاتے ہیں۔ بہت مختصر وقت میں ہم ڈھنی طور پر
قریب آگئے ہیں۔ کیوں ماریا؟ کیا ہماری موجودگی میں مسٹر ڈن کسی ہوٹل میں قیام کریں
گے؟“ کارک نے پوچھا۔

”ناممکن۔“ ماریا نے جواب دیا۔

کارک کا مکان بھی کافی خوبصورت تھا۔ لندن جیسے شہر میں وہ عمدہ زندگی گزار رہا تھا۔ کئی
”اوہ..... مسٹر کارک! یہ بہت زیادہ ہو جائے گا۔ میرا خیال ہے، اتنی تکلیف آپ لوگوں ملازم تھے۔ جن میں اُس کا پرسل سیکرٹری بھی تھا۔ کارک نے سب سے پہلے پرسل سیکرٹری کو
کو دینا مناسب نہیں۔ ہوٹل میں مجھے کوئی تکلیف نہیں ہے۔ اور پھر میرے پاس اچھی خاصی حکم دیا کہ ڈاکٹر کو طلب کیا جائے۔ اور پھر دوسرے ملازموں کو بلا کر میرے لئے ایک کمرہ
رقم بھی موجود ہے۔ اگر ختم ہو جائے گی تو کم از کم اپنے گزارے کے لئے رقم حاصل کر لیتا۔ درست کرنے کی ہدایت کر دی۔ کارک کو میں نے اپنے قول میں مخلص پایا تھا۔ اس لئے اب
میرے لئے زیادہ مشکل کام نہیں ہو گا۔ تاہم اس پیشگش پر میں، آپ دونوں کام ممنون ہوں۔“ اس کے ساتھ قیام میں زیادہ رد و قد مناسب نہیں تھی۔ میں نے اُس کے کسی کام میں
”تمہیں ہوٹل میں کوئی تکلیف نہیں ہے۔ لیکن ہمیں، تمہارے ہوٹل میں رہنے سے تکلیف مداخلت نہیں کی۔ اور پھر اچھی بات یہ تھی کہ میں بھی اس عمدہ سہارے کو غنیمت سمجھتا تھا۔ مالی
ہو گی۔ میری بات مان لو، ڈن! بس..... میں نے زندگی میں پہلی بار کسی کے لئے اپنے دل مشکل کوئی نہیں تھی۔ لیکن کسی ایسے شخص کا ساتھ جو میرا ہم پیشہ بھی ہو، مجھے بہت پسند تھا۔ کم از
میں اتنا خلوص محسوس کیا ہے۔ بہرحال! مسٹر کارک نے میری ایک نہ چلنے دی۔ کم اس عظیم شہر میں، میں اجنبیت اور تہائی نہیں محسوس کرتا۔

☆.....☆.....☆

”یہ مکان، تمہارے لئے اپنے مکان کی مانند ہے۔ بلاشبہ تم ماریا کے ساتھ رہ سکتے تھے۔
لیکن وہاں شاید تم کھل نہ پاتے۔ اور سنو! تمہیں یہاں اپنی دستوں کو لا نے کی اجازت ہے۔
کیونکہ عورت کے بغیر زندگی کا قصور زیادہ دلکش نہیں ہوتا۔“

”اوہ..... کارک، میرے دوست! شاید تمہیں جیرانی ہو۔ شاید تمہیں یقین نہ آئے۔
عورت اس حیثیت سے میری زندگی میں کبھی نہیں آئی اور نہ ہی میں نے عورت کو اپنی ضرورت
سمجھا۔“

”کیا واقعی.....؟“ کارک نے شدید حیرت کا مظاہرہ کیا۔

”جھوٹ میں شاذ ہی بولتا ہو۔“

”لیکن کیوں..... آخر کیوں.....؟“ کارک نے بدستور متحرک انداز میں پوچھا۔

”اس میں کسی حد تک نفسیاتی وجہ بھی شامل ہیں۔“

”مثال کے طور پر.....؟“

”مختصر آیتا چکا ہوں کہ میرا خاندان اپنی حیثیت کو بیٹھا ہے۔ اس میں اس خاندان کے
کچھ لوگوں کی عورت پرستی کو بھی دخل ہے اور اس خاندان کی تباہی کا براو راست شکار میں

"اوہ..... انوکھی بات ہے۔ لیکن معاف کرنا، اس میں عورت کا قصور نہیں ہے۔ عورت بذات خود یہ حیثیت نہیں رکھتی کہ کسی کو تباہ کر دے۔ ہاں! عقل کی شمولیت ہر معاملے میں اُسے ہلا جلا کر ذیکھا اور اُسے ٹھیک پایا تو پہلی بات اُس نے جو کہی، وہ یہ تھی۔ ضروری ہے۔ بہر حال! اگر تم عورت سے ڈور ہو تو بری بات بھی نہیں ہے۔ ہاں! ڈھنی تھکن ڈور کرنے میں یہ سب سے عمدہ معاون ہوتی ہے۔ اور اگر ذہن سے ہم آہنگ بھی ہو تو ایک اچھی ساختی، مغلص اور چاہنے والی دوست بھی۔ اگر یہ ساری باتیں اس میں مل جائیں تو پھر اُسے یوئی بھی بنایا جا سکتا ہے۔" کلارک نے کہا۔

"میں تمہارے تجربات سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کروں گا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اوہ..... کوئی کام ہے؟" "ہاں..... بے حد ضروری۔"

"مجھے بھی چنانا ہو گا؟"

"یقیناً....." کلارک نے جواب دیا اور دوسرے دن ہم لندن کے نواحی قبے کی طرف چل پڑے۔ ماریا، ڈرائیور گ کر رہی تھی اور کلارک کے سخت یا بہت ہو جانے پر بہت خوش تھی۔ راستے میں اُس نے انکشاف کیا کہ بہت جلد ان کے کلب کا افتتاح ہو جائے گا۔

"کلب؟" میں نے مداخلت کی۔

"ہاں مسٹر ڈن! کلب کا نام ماریا ہے۔ دراصل یہ ماریا کی دیرینہ خواہش تھی کہ وہ ایک کلب قائم کرے۔ اتنی فیصد کام مکمل ہو چکا تھا۔ باقی بیس فیصد کے لئے فنڈ کی کمی پڑ گئی تھی ذہن اور دوست نواز انسان۔ اپنی فطرت سے میں اچھا انسان بھی نہیں رہا۔ میرے سوچنے کا انداز ڈر اس مختلف ہے جس کا افہام میری آئندہ زندگی کی داستان سے ہو گا۔ لیکن ابتدائی دور میں کم اکم اتنی انسانیت ضرور تھی کہ کسی بے غرض انسان سے متاثر ہو جاتا تھا۔ لیکن یہ ابتدائی دور کی بات ہے، جبکہ میرے ذہن کی اس انداز میں تغیر نہیں ہوئی تھی۔ کلارک نے کئی بار کہا کہ اگر میں چاہوں تو وہ میرے کام کے لئے چل سکتا ہے۔ لیکن میں نے اُسے جواب دیا کہ وہ پوری طرح سخت یا بہت بے حد ہو جائے گا۔ بہر حال! جرام کی بنیادی باتیں اپنے تجربے کے مطابق مجھے کلارک نے بتائیں۔

"آپ بتائیں مس ماریا!" میں نے کہا۔

"صرف اس لئے کہ میں کسی بھی میں نہ پھنس جاؤں۔ تو کیا آپ سمجھتے ہیں کہ صرف کلارک اپنی محنت میں کامل ہے؟ میرے اوپر بھی تو اس کی ذمہ داری آتی ہے۔ میں کلارک کو جرام کی زندگی میں نہیں رہنے دیتا چاہتی۔ ہم ایک مناسب حیثیت حاصل کرنے کے بعد یہ زندگی چھوڑ دیں گے اور پھر ایک پرکشون زندگی گزاریں گے جو خدشات سے پاک ہو گی۔"

"اوہ، ماریا.....! تم ڈن کے سامنے یہ بات کہہ رہی ہو، جو اس زندگی میں قدم رکھ رہا ہے۔"

"ویسے مجھے چیرت ضرور ہوئی ہے۔ بہر حال! اپنے بارے میں تمہیں چند باتیں اور تماوں گا۔ یہاں میں ایک نیک نام انسان کی حیثیت سے رہتا ہوں۔ لندن کی ایک بارونی شاہراہ پر میرا ایک بزرگ سٹور ہے۔ میری مصنوعی حیثیت یہ ہے۔"

"اوہ..... عمدہ طریقہ کار ہے۔" میں نے دلچسپی سے کہا۔

پھر ڈاکٹر آگیا اور کلارک نے اُسے غسل خانے میں پھسل جانے کی کہانی سنائی۔ ہڈی واقعی ٹوٹ گئی تھی۔ ڈاکٹر نے پلاسٹر پڑھا دیا۔

کلارک کے بارے میں، میں نے فیصلہ کر لیا کہ وہ عمدہ انسان ہے۔ فراخ دل، فراخ ذہن اور دوست نواز انسان۔ اپنی فطرت سے میں اچھا انسان بھی نہیں رہا۔ میرے سوچنے کا انداز ڈر اس مختلف ہے جس کا افہام میری آئندہ زندگی کی داستان سے ہو گا۔ لیکن ابتدائی دور میں کم اکم اتنی انسانیت ضرور تھی کہ کسی بے غرض انسان سے متاثر ہو جاتا تھا۔ لیکن یہ ابتدائی دور کی بات ہے، جبکہ میرے ذہن کی اس انداز میں تغیر نہیں ہوئی تھی۔ کلارک نے کئی بار کہا کہ اگر میں چاہوں تو وہ میرے کام کے لئے چل سکتا ہے۔ لیکن میں نے اُسے جواب دیا کہ وہ پوری طرح سخت یا بہت بے حد ہو جائے گا۔ بہر حال! جرام کی بنیادی باتیں اپنے تجربے کے مطابق مجھے کلارک نے بتائیں۔

فن لینڈ کے معمولی قسم کے جرام پیشہ لوگوں میں، میں نے ایک ممتاز حیثیت ضرور حاصل کر لی تھی۔ لیکن کلارک اپنی محدود فیلڈ میں کافی ذہن انسان تھا۔ اور درحقیقت میں اُس سے بہت کچھ سیکھ رہا تھا۔ پھر وہ تندرست ہو گیا۔ جس دن اُس کے ہاتھ کا پلاسٹر کھلا اور اُس نے

ہے۔ جس نے ابھی اپنے کام کی ابتداء بھی نہیں کی ہے۔" کلارک نے کہا۔

"کیوں..... اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟ ہم نے بھی اپنے سنبھرے مستقبل کا آغاز کام سے کیا ہے۔ اور میری دعا ہے کہ نوجوان ڈن کو بھی زندگی کا ہمدرد اور محبت کرنے کا ساتھی مل جائے اور وہ بھی انہیں بھی مشورہ دے کہ کوئی منزل پانے کے بعد سکون کی اپالیا جائے۔" ماریا نے خلوص سے کہا۔

"کیوں بھی ڈن! کیا خیال ہے؟"

"میرے ذہن میں تو ابھی ایسی کوئی خواہش نہیں ابھرتی۔ ہاں! ماریا کے لیے کہ کو ضرور محسوس کر رہا ہوں۔ یہ الفاظ یاد رہیں لیکن یہ خلوص ضرور یاد رہے گا اور میں اگر ایسی کوئی منزل سامنے آتی تو شاید اسی خلوص کے تصور سے یہ الفاظ بھی یاد رہے گے۔ اور بعض اوقات یادیں بھی منزل بن جاتی ہیں۔"

"خوب..... لیکن ڈن! تمہارے ذہن میں مستقبل کا کوئی پروگرام تو ضرور ہوا گردن کے ایک حصے پر پڑا اور نیکر و دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔ کلارک نے پوچھا۔

"ہیلو مسٹر بیلک!" کلارک سخرے پن سے مسکرایا۔

"گرین۔" وہ غرایا۔

"بتابا پسند کرو گے؟"

"بات زیادہ داشمندانہ نہیں ہے۔ کیونکہ قبل از وقت ہے۔ بس! تھوڑا سا اندازہ لے گے۔ تم چاہو تو میں اخلاق اتنا تھیں ڈارک گرین کہہ سکتا ہوں۔" کلارک نے کہا۔

لوکلارک! کہ میرا یہ رُخ ایک جھنجلاہٹ اور ایک انتقامی جذبے کے تحت ہے۔ میا نفیتی گریں تلاش نہیں کر سکا ہوا۔ لیکن میرا خیال ہے، میں جرائم کی زندگی میں بھاگا ماریا! آپ اسے ابھی تک ٹھیک نہیں کر سکیں؟"

مقام حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ مقام کے حصول کی طلب شاید اس جھنجلاہٹ نے پیدا کی جو میرے اہل خاندان کی بد اعمالیوں کی وجہ سے پیدا ہوئی، اور وہ اچھی حیثیت مجھے نہ جو دوڑے میں منتقل ہوتی آ رہی تھی۔ اور جرائم کی زندگی کا انتخاب، انتقام کا نتیجہ ہے۔ میں اس عجیب و غریب دوستی پر غور کرنے لگا۔ ہم چاروں ایک بڑے کمرے میں بیٹھ گئے۔

اگر صرف دولت کی ہوتی تو چھوٹے چھوٹے جرائم کر کے بھی اکٹھی کی جا سکتی تھی۔ لیکن نیکرو نے ہمیں بیٹھنے کے لئے کریساں پیش کی تھیں۔

یہ نہیں چاہتا۔ بس! جرائم کی دنیا میں نام پیدا کرنا چاہتا ہوں۔"

"اور میں پیش گوئی کرتا ہوں کہ مستقبل ایک خطرناک مجرم کا منتظر ہے۔" کلارک کہا۔ ماریا نے جانے کیوں خاموش ہو گئی تھی۔

قصبہ زیادہ دُور نہیں تھا۔ تھوڑی۔ یہ کے بعد ہم سرجن لہلہتے کھیتوں کے درمیان پناہ جس کے دوسری جانب قبیلے کی بچوںی چھوٹی مخصوص طرز کی عمارتیں نظر آ رہی تھیں۔

"او سناؤ..... کیسے ہو کا لے؟" کلارک نے پوچھا۔

"ٹھیک ہوں..... اتنے دن بعد کیوں آئے، کہاں تھے؟"

"بستر پر۔" کلارک نے جواب دیا۔

"اوہ، کیوں.....؟" نیکرو چونک پڑا۔

"ایک ہاتھ ٹوٹ گیا تھا۔" کلارک نے جواب دیا۔

پیلے اور گہرے نیلے پتھروں سے رنگی ہوئی ایک عمارت کے سامنے ماریا نے کار روک کیا ہے۔ اور میری دعا ہے کہ نوجوان ڈن کو بھی زندگی کا ہمدرد اور محبت کرنے کا ساتھی مل جائے اور وہ بھی انہیں بھی مشورہ دے کہ کوئی منزل پانے کے بعد سکون کی اپالیا جائے۔" ماریا نے خلوص سے کہا۔

"کیوں بھی ڈن! کیا خیال ہے؟"

"میرے ذہن میں تو ابھی ایسی کوئی خواہش نہیں ابھرتی۔ ہاں! ماریا کے لیے کہ کو ضرور محسوس کر رہا ہوں۔ یہ الفاظ یاد رہیں لیکن یہ خلوص ضرور یاد رہے گا اور میں اگر ایسی کوئی منزل سامنے آتی تو شاید اسی خلوص کے تصور سے یہ الفاظ بھی یاد رہے گے۔ اور بعض اوقات یادیں بھی منزل بن جاتی ہیں۔"

"خوب..... لیکن ڈن! تمہارے ذہن میں مستقبل کا کوئی پروگرام تو ضرور ہوا گردن کے ایک حصے پر پڑا اور نیکر و دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔

"یقیناً..... ہر تحریک کسی پروگرام کے تحت عمل میں آتی ہے۔"

"ہرگز نہیں۔ اگر تم خود پر بالکل لائٹ گرین پینٹ بھی کرا لو، تب بھی ڈارک گرین نظر آؤ۔

لوکلارک! کہ میرا یہ رُخ ایک جھنجلاہٹ اور ایک انتقامی جذبے کے تحت ہے۔ میا نفیتی گریں تلاش نہیں کر سکا ہوا۔ لیکن میرا خیال ہے، میں جرائم کی زندگی میں بھاگا

مقام حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ مقام کے حصول کی طلب شاید اس جھنجلاہٹ نے پیدا کی جو میرے اہل خاندان کی بد اعمالیوں کی وجہ سے پیدا ہوئی، اور وہ اچھی حیثیت مجھے نہ

جو دوڑے میں منتقل ہوتی آ رہی تھی۔ اور جرائم کی زندگی کا انتخاب، انتقام کا نتیجہ ہے۔ میں اس عجیب و غریب دوستی پر غور کرنے لگا۔ ہم چاروں ایک بڑے کمرے میں بیٹھ گئے۔

اگر صرف دولت کی ہوتی تو چھوٹے چھوٹے جرائم کر کے بھی اکٹھی کی جا سکتی تھی۔ لیکن نیکرو نے ہمیں بیٹھنے کے لئے کریساں پیش کی تھیں۔

"او سناؤ..... کیسے ہو کا لے؟" کلارک نے پوچھا۔

"ٹھیک ہوں..... اتنے دن بعد کیوں آئے، کہاں تھے؟"

"بستر پر۔" کلارک نے جواب دیا۔

"اوہ، کیوں.....؟" نیکرو چونک پڑا۔

"ایک ہاتھ ٹوٹ گیا تھا۔" کلارک نے جواب دیا۔

"اوہ، کون سا..... کیسے؟" نیگرو کے انداز میں اضطراب تھا۔

"وہی..... جس پر تمہارا گھونسرا وکا تھا۔"

"اوہ چھینکس گاؤ..... آب تو فٹ ہے؟"

"ہاں..... آب ٹھیک ہے۔"

"گرٹوٹ کیسے گیا تھا؟"

"بس! ورزش کرتے ہوئے۔" کلارک نے ہنس کر کہا اور نیگرو، ناک سے شوٹ کرنے لگا۔ پھر اس نے چوک کر میری طرف دیکھا۔

"یہ کون ہے؟"

"ڈن..... تمہارا مہمان۔" کلارک نے جواب دیا اور نیگرو اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ نے بڑے تپاک سے مجھ سے ہاتھ ملا�ا تھا۔ میں نے بھی اسی گرمجوشی کا مظاہرہ کیا۔ تباہ نے پوچھا۔

"کیا پیو گے تم لوگ؟ میں تمہیں آبی کیڑوں کا تازہ سوپ بھی پیش کر سکتا ہوں اور یہ کی میٹھی شراب بھی۔"

"الی! سیدھی چیزیں کھانے پینے کا شوق مسٹر بلیک کے پاس آ کر با آسانی پورا ہے۔ اس کے پچن میں تمہیں وہ پچھے نظر آئے گا، جس کا تصور بھی مشکل ہے۔" کلارک نے اور گرین، آنکھیں بھیچ کر ہٹنے لگا۔ پھر وہ اٹھ کر باہر چلا گیا۔ تب کلارک کہنے لگا۔

"اخروٹ کی طرح اوپر سے سخت اور اندر سے آلوکی طرح نرم۔ ایسے لوگوں کے غلوٹ شک کفر ہے۔ زندگی میں کبھی دوستوں کی تلاش ہوؤں! تو ایسے ہی لوگوں کو تلاش کرنا۔ ملائی بن کر ملیں، مخلص نہیں ہوتے۔ ان میں پھسلن ہوتی ہے۔" میں نے اس کی بات اتفاق کیا تھا۔ گرین واپس آگیا۔ اس کے ہاتھ میں ٹرے تھی جس میں دو پلٹیں اور چند ٹچے اور پلٹیں ہمارے سامنے رکھ دیں۔

"یہ کیا ہے؟"

"خاموشی سے کھالو اور بتاؤ! کیسی ہے؟" گرین غرایا۔

"ہوں....." کلارک نے ابتداء کی۔ پھر اس نے ماریا کو اور مجھے بھی اشارہ کیا۔ جلد یہ شے مزیدار تھی اور میٹھی شراب کا بھی کوئی جواب نہیں تھا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ چیزیں

کے انڈوں سے تیار کی گئی تھی۔ اس کے بعد کلارک، مطلب پر آگیا۔

"گرین ڈارلنگ! میں تمہارے پاس ایک ضروری کام سے آیا ہوں۔" اس نے پیار بھرے لہجے میں کہا۔

"مکاری کی تو یہ ساری پلٹیں اور گلاس تمہارے سر پر توڑ دوں گا۔ کام بتاؤ!" گرین بھڑک اٹھا۔

"تو اے سیاہ رو! میرا دوست ڈن، میرے لئے نہایت معزز ہے اور میں خود کو اس کے لئے آمادہ پاتا ہوں کہ اس کی خاطر ہر کام کیا جائے۔ اور اس کی اطلاع تجھے بھی دے رہا ہوں۔ چنانچہ مجھے یقین ہے کہ تیرے پاس یکرٹ پلٹیں کا کوئی نہ کوئی فارم ضرور ہو گا۔"

"اوہ..... تو کیا مسٹر ڈن، یکرٹ پلٹیں میں داخلے کے خواہش مند ہیں؟" گرین سنجیدہ ہو گیا۔

"اور میں اسی لئے انہیں تمہارے پاس لایا ہوں۔"

"ان کا تعلق کہاں سے ہے؟"

"فن لینڈ کی ایک معزز فیلی سے تعلق رکھتے ہیں۔"

"مقصد؟"

"پیشہ....." کلارک نے جواب دیا۔

"کسی ملک کے تحت، کیا حکومت فن لینڈ ان کی کفالت کرے گی؟"

"نہیں..... حکومت برطانیہ۔" کلارک نے جواب دیا۔

"کیا مطلب؟" گرین پوچھ پڑا۔

"مطلب یہ کہ اپنی کفالت یہ خود کریں گے، اور اسی شہر میں رہ کر۔" کلارک نے جواب دیا۔

"اوہ.....!" گرین، گھری نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا۔ پھر بولا۔ "اس ادارے کے کچھ

تو انہیں بیس مسٹر ڈن! جن کی پابندی ہبھر حال! کرنا ہوتی ہے۔ تین سال کا کورس ہوتا ہے۔

چھ مراحل ہوتے ہیں۔ تین سال کے بعد آپ کو آزادی مل سکتی ہے۔ اس سے قبل صرف

موت ہی آپ کو اس ادارے سے علیحدہ کر سکتی ہے۔ اور اسی کوئی کوشش بھی موت کے مترادف ہوتی ہے۔ ادارے کے لوگ ایسے شخص کو تلاش کر کے قتل کر دیتے ہیں۔ اس کے

علاوہ اس کے امتحانات بھی سخت ہوتے ہیں۔"

"میں اپنی طلب میں مغلص ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"مکمل جواب ہے۔ میرا تعلق بھی اس کے منتظمین ہی میں سے ہے۔ ہم سب کے رہا داخلے کا کوشش ہوتا ہے۔ چنانچہ آپ میرے کوئے کے آخری فرد ہوں گے۔ میں فارم لے آؤں۔ براہ کرم! آپ پچیس ہزار پونڈ کی رقم نکال لیں۔" گرین اٹھ گیا۔ میں ہکا بکارہ میں تھا۔ ظاہر ہے، اتنی رقم تو میں لے کر بھی نہیں آیا تھا اور نہ ہی یہ میرے تصور میں تھا۔ لیکن ماں نے اپنا بیگ کھول کر اس میں سے نوٹوں کی گذیاں نکالیں اور ان میں سے پورے پچیس ہزار پونڈ گن دیئے۔

"اوہ.....مسٹر کلارک! " میں نے آہستہ سے کہا۔

"دوسروں میں قرض کی روایت پر انی ہے۔ اس علئے تم خاموش رہو گے۔" کلارک نے کہا اور میں خاموش ہو گیا۔ بہر حال! میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ میں کلارک کو یہ رقم واپس کر دوں گا۔ گرین، فارم لے آیا۔ اس نے فارم ہٹرنے کے بعد مجھے پچیس ہزار پونڈ کی رسیدڑی تھی۔ گارنی خود اس نے اور کلارک نے دی تھی۔ یوں میں اس ادارے کا رکن بن گیا۔ بھر کلارک اور ماریا نے مجھے مبارکباد دی۔

"مناسب وقت پر آپ کو سیکرٹ پیلس میں طلب کر لیا جائے گا مسٹر ڈن! اس دوران ضروری کارروائیاں ہوں گی۔" گرین نے کہا۔

"چنانچہ آپ اجازت دو۔" کلارک نے کہا اور گرین نے گردن ہلا دی۔ ہم تینوں اُنہیں سے رخصت ہو کر واپس چل پڑے۔ یہ کام جتنی آسانی سے ہو گیا تھا، مجھے اس کی امید نہیں تھی۔ تاہم میں خوش تھا۔ کلارک اور ماریا بھی اتنے ہی خوش نظر آ رہے تھے۔ میں نے کلارک کو پچیس ہزار پونڈ ادا کر دیئے تھے۔ تاہم میں نے وعدہ کر لیا تھا کہ مزید رقم کی ضرورت پڑے تو میں تکلف نہیں کروں گا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی میں نے سوچنا شروع کر دیا تھا، ممکن ہے سیکرٹ پیلس کی ضروریات تو قع سے زیادہ ہوں۔ اس کے لئے دوسروں کا محتاج رہا مناسب نہیں۔ تاش کا کھیل میں نے اپنے وطن میں سیکھا تھا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ لندن میں شارپنگ کا معیار کیا ہے؟ لیکن اس وقت ابتدائی شریفانہ کام بھی تھا کہ جوئے میں کچھ رہ جیتنے کی کوشش کروں تاکہ پریشانی نہ ہو۔ اگر کامیاب نہ ہوا تو پھر کوئی دوسری کوشش کروں گا جو میں ابھی نہیں کرنا چاہتا تھا۔

میں نے ماریا اور کلارک کو اپنے پروگرام سے آگاہ نہیں کیا تھا۔ لیکن جس دن یہ خیال

ذہن میں آیا، اُسی شام کسی مناسب کلب کو تلاش کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ جتنی رقم موجود تھی، سب جیبوں میں ٹھوں لی اور رات کو کسیبوں میں چلا گیا۔ اچھا کھیل ہو رہا تھا۔ تھوڑی دیر تک جائزہ لیتا رہا اور پھر ایک میز پر ڈٹ گیا۔ کھیل شروع ہوا اور میں نے تین ہاتھ ڈھیلے چھوڑے۔ چوتھے ہاتھ میں جتنا ہاڑا تھا، اُسے ڈگنا کر کے کھینچ لیا۔ پھر دو ہاتھ چھوڑے۔ میرے مقابل شریف لوگ تھے۔ نہ تو شک کر کے اور نہ خود کو بچا سکے۔ فن لینڈ کافن کام آ گیا تھا۔ خاصی بڑی رقم جیت لی۔ جیسے جیبوں میں رکھنے کی جگہ نہیں تھی۔ لیکن جب کوپن کیش کرائے تو مبارکباد کے ساتھ بھجھے ایک خوبصورت بیگ بھی پیش کیا گیا تھا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اصول کے مطابق پدرہ فیصلہ کیش بھی جتنی ہوئی رقم سے کاٹ لیا گیا تھا۔ وہ بھی خاصی معموق رقم نی تھی۔ اتنی جتنی میں یہاں لے کر بھی نہیں داخل ہوا تھا۔

بیگ لے کر میں خوشی خوشی باہر چل پڑا۔ باہر آ کر نیکسی روکی اور اُسے کلارک کے گھر کا پہنچتا دیا۔ موڑ بے حد خوشنگوار تھا۔ لیکن اس وقت خراب ہو گیا جب ڈرائیور نے ایک سنان سڑک پر اُسے روک لیا اور تین آدمی نیکسی کے دونوں طرف آ کر گھٹرے ہو گئے۔ پسول کی نال میری پیشانی سے آکی تھی.....

"براہ کرم! نیچے تشریف لے آئیے۔ بیگ، نیکسی میں ہی رہنے دیں۔ نوازش ہو گی۔" ہاں، ہاں.....کوئی حرکت نہ کریں۔ خواہ خواہ زحمت ہو گی۔" تیرنگا خانص نے کہا۔ نیکسی ڈرائیور روازہ کھول کر نیچے اتر گیا تھا۔ ظاہر ہے، وہ بھی اُبھی کا گرگا تھا۔ میں نے ایک گہری سانس لی۔ ذہن، برق رفتاری سے کام کر رہا تھا۔ مجھے پسول سے کوکرنے والے کا ہاتھ کلائی ٹک اندر رہتا۔ میں نے دروازہ کھولنے والے ہینڈل کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ انداز نیچے اترنے کا ساتھ۔ لیکن دوسرے لمحے میں نے شیشہ گھمانے والے ہینڈل کو پکڑا اور اُسے پوری قوت سے گھما دیا۔ شیشہ اتنی برق رفتاری سے چڑھا تھا کہ پسول والا سوچ بھی نہیں سکا۔ میں نے پیچھے ہو کر خود کو پسول کی نزد سے بچالیا تھا۔ اُس کے حلق سے چیخ نکل گئی۔ لیکن پسول اُب میرے ہاتھ میں تھا۔ اور پھر میں نے پوری قوت سے دروازے کو دھکا دیا اور باہر نکل آیا۔ میں نے اندازہ ہند اُن تینوں پر فائزگ کر دی۔ پسول میں سائلنسر لگا ہوا تھا۔ ڈز کی آوازیں پیدا ہوئیں اور میں نے اُن میں سے ایک کو اچھل کر گرتے ہوئے دیکھا۔ ڈرائیور اور دوسرا آدمی اچھل کر بھاگے تھے۔ میں نے دو فائر اُن پر بھی جھوک کر دیئے۔ لیکن وہ فتح نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ جس شخص کے گولی گئی تھی، وہ اونڈھا پڑا ہوا تھا۔

نے لپک لیا تھا۔
”کیا آپ ہمارے ساتھ چنان پسند کریں گے مسٹر ڈن؟“، نیکی ڈرائیور نے پوچھا۔

”کہاں.....؟“ میں نے بھاری آواز میں کہا۔

”وزیر تم مسٹر ڈن کو ان کے مکان پر چھوڑ آؤ۔ میں شدت سے تکلیف محسوں کر رہا ہوں۔“
ہم اپنی کار میں چلیں گے۔ مسٹر ڈن سے کل بھی ملاقات ہو سکتی ہے۔“

”اوے کے.....؟“، نیکی ڈرائیور نے کہا اور میں اطمینان سے دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گیا۔
خطہ مول لے ہی لیا تھا۔ آب کے پرواہ ہوتی؟ وزیر نے نیکی دوبارہ شارت کر کے آگے
بڑھا دی۔ آب کے پرواہ ہاموشی سے ڈرائیور گک کر رہا تھا۔

”تمہارا نام و نر ہے؟“ میں نے پوچھا۔

”جی ہاں جناب!“

”مگر وزیر ڈنیر! بات سمجھ میں نہیں آئی۔“

”بات کچھ بھی نہیں تھی مسٹر ڈن! آپ نے ادارے میں شمولیت کا فارم بھرا تھا۔ ادارے
کے اصول کے تحت ایک انسلکٹر اپنے تین ماتھوں کے ساتھ طالب علم کی صلاحیتوں کا جائزہ
یافتہ ہے۔ یہ ان میں سے ایک تھا۔ ہم اس وقت سے آپ کے تعاقب میں تھے جب آپ گھر
سے نکلے تھے۔ ہمیں علم ہے کہ آپ نے ایک بڑی رقم جیتی ہے۔“
”اوہ..... تو یہ امتحان تھا؟“ میں نے پوچھا۔

”جی.....!“ وزیر نے جواب دیا۔

”تو اُن شریف انسان کی تو کلائی ٹوٹ گئی۔“

”کسی انسلکٹر کے ساتھ یہ پہلا واقعہ ہے۔ لیکن ایسی حیرت انگیز اور فوری مزاحمت اس
سے قبل نہیں کی گئی۔ ہمارے ہاں کچھ اصول ہوتے ہیں۔ آپ نے پہل کر کے پچھوشن پر
کشرون حاصل کر لیا تھا اس کے بعد کام ختم ہو گیا تھا۔ اگر آپ باہر نکلتے تو ہم آپ کو مارتے
اور پھر آپ کی مزاحمت کا جائزہ لیتے۔ لیکن پہلا اصول یہی تھا کہ شوڈنٹ کو پچھوشن پر قابو نہ
پانے دیا جائے۔“

”اوہ.....!“ میں نے گھری سانس لی۔ پھر نیکی ڈرائیور نے مجھے کلارک کے مکان پر
چھوڑ دیا۔ کلارک موجود نہیں تھا۔ شاید اپنی محبوہ کے ساتھ کہیں رنگ رویاں منانے چلا گیا
تھا۔ بہرحال! یہ گھر آب میرے لئے اجبی نہیں تھا۔ لباس تبدیل کر کے آرام کرنے لیت

میں۔ نے پاؤں سے اُسے سیدھا کیا۔ اُس کے سینے سے خون اُبل رہا تھا۔ بری حالت اُس
شخص کی تھی جو ابھی تک کار کے بیٹھنے میں پھنسا ہوا تھا۔ اُس کی پوزیشن ایسی تھی کہ مُذکور دوڑرا
ہاتھ بھی نہیں استعمال کر سکتا تھا۔

میں نے اُس کے کوٹ کا، کالر پکڑ کر اُسے سیدھا کیا اور اُس نے تکلیف سے ہونٹ بھینچے
ہوئے کہا۔ ”پلیز..... میرے کوٹ کی جیب سے سے وائٹ کارڈ نکال لو۔ میں یکرٹ پیلس کا
آدمی ہوں۔“

”کیا کواس ہے.....؟“ میں نے سخت لمحے میں کہا۔

”گریچر پلیز! کھڑے ہو جاؤ۔ میں سخت تکلیف میں ہوں۔“ اُس نے کراہتے ہوئے کہا
اور وہ شخص اٹھ کھڑا ہوا جس کے سینے سے خون اُبل رہا تھا۔ میں نے تحریرانہ انداز میں اُسے
دیکھا۔ اُس کے انداز سے کسی تکلیف کا اظہار نہیں ہو رہا تھا۔ حالانکہ اُس کے سینے سے خون
اٹھی تک بہرہ رہا تھا۔

”مسٹر ڈن! براہ کرم! اجازت دیں۔ میں فرائد کو نکال دوں۔“ اُس نے کہا۔

”میں نہیں سمجھا ہوں۔“ میں نے کہا۔ لیکن میں پوری طرح اُن نے ہوشیار تھا۔

”مسٹر ڈن! صرف اتنا جان لیں کہ ہم یکرٹ پیلس کے نمائندے ہیں، جس کے آپ
شوڈنٹ بن گئے ہیں۔ یہ آپ کا امتحان تھا۔ براہ کرم! چند ساعت کی کارروائی سے پرہیز
کریں۔“ اُس نے آگے بڑھ کر کار کا شیشہ کھول دیا اور دوسرا آدمی بھی گر پڑا۔

”شاید میری کلائی کی بڑی ٹوٹ گئی ہے۔“ اُس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ اور پھر وہ
دو فوٹ بھی واپس آگئے جو بھاگ گئے تھے۔ میں نے آب ایسی پوزیشن لے لی تھی کہ سب کو
کورکھوں۔

”اوہ..... مسٹر ڈن! پستول خالی ہے۔ اور میرے سینے سے بینے والا خون مصنوعی ہے۔
ورنہ آپ خود کیجیے لیں۔ حوالے کے لئے مسٹر گرین کا نام کافی ہونا چاہئے۔ آب آپ ہمارے
ساتھ تعاون کریں۔ دیکھتے نا! ہم آپ کا نام بھی جانتے ہیں۔ یہ ساری باتیں ظاہر کرتی ہیں
کہ ہم آپ کے لئے اجبی نہیں ہیں۔ براہ کرم! تھوڑا سا رسک لینے میں کوئی حرخ نہیں
ہے۔“

میں نے ایک لمحے کے لئے سوچا۔ درحقیقت تھوڑا سا رسک لے لینے میں کوئی حرخ نہیں
تھا۔ چنانچہ میں نے گھری سانس لی اور پستول ان کی طرف اچھال دیا جسے ان میں سے ایک

گیا۔ رقم کا بیگ میرے پاس موجود تھا۔
دوسری صبح نہ جانے کیوں دیر سے آکھ کھلی۔ بہر حال! خوب دن چڑھ آیا تھا۔ مجھے جاگنا
محسوس کرنے کے ایک ملازم اندر داخل ہو گیا۔ سلام کرنے کے بعد اس نے بتایا کہ ناشتے کی میز
پر میرا انتظار ہوا ہے۔ مسٹر کلارک نے کہا تھا کہ جو نبی آپ جائیں، آپ کو پیغام دے دیا
جائے۔

”اوہ..... تم نے مجھے جگا کیوں نہیں لیا؟“ میں نے اُخشنے ہوئے کہا۔

”اس کے لئے منع کر دیا گیا تھا جناب!“ ملازم نے جواب دیا اور میں باتحذف روم کی
طرف مڑ گیا۔ تیاری میں، میں نے چند منٹ سے زیادہ کا وقفہ نہیں لیا تھا۔ اور پھر میں ناشتے
کے کمرے میں پہنچ گیا۔ وہاں کلارک کے ساتھ ماریا اور گنجائی، گرین بھی موجود تھا۔

”ہیلو مسٹر گرین! آپ اتنی جلد..... خوشی ہوئی۔“ میں نے اُس سے مصافحہ کیا۔ پھر
کلارک اور ماریا سے ہاتھ ملا یا اور پھر کرسی گھیٹ کر بیٹھ گیا۔ میں نے محسوس کیا کہ کلارک
بہت خوش ہے۔ ماریا اور گرین بھی دلچسپ نگاہوں سے مجھے دیکھ رہے تھے۔

”رات کو حلال نکله تم، ہم سے پہلے واپس آگئے تھے۔ میں اور ماریا تقریباً پونے تین بجے
واپس آئے تو تمہیں گھری نیند سوتے پایا تھا۔ پھر آج خلافِ معمول جانے میں اتنی دیر کیسے ہو
گئی؟“

”بس! نہ جانے کیوں؟ حالانکہ رات کو آرام سے سویا۔ بہر حال! معدترت خواہ ہوں۔“

”اس کی ضرورت نہیں ہے۔ چلو! ناشتہ شروع کرو۔ دیسے میرا ہاضمہ خراب ہے۔ اس
لئے اپنی خوشی کو دبانہیں سکتا۔ کیا فائدہ کہ آدمی دل میں کوئی بات رکھ کر ناشتہ کرے۔ چنانچہ
کالے! مجھے اجازت دو۔“ کلارک نے تمسخر انداز میں کہا۔

”ٹھیک ہے..... ٹھیک ہے۔ لیکن صرف تم بولو گے۔ ناشتے سے پہلے مجھ سے کوئی سوال
مٹ کرنا۔“ گرین نے ناشتے پر ٹوٹتے ہوئے کہا اور ماریا ہنسنے لگی۔ میں نے بھی ناشتے کی
طرف ہاتھ بڑھادیئے تھے۔

”کوئی خاص بات ہے کلارک؟“ میں نے پوچھا۔

”خاص بات ہی نہیں ہے۔ سیکرٹ پیلس کے ایک اہم رکن کا ہاتھ توڑ آئے ہو اور کوئی
خاص بات ہی نہیں ہے؟“ کلارک نے جواب دیا۔

”اوہ..... تو ان لوگوں نے ٹھیک ہی کہا تھا۔“ میں نے سکون سے کہا۔

”ہاں.....!“ گرین کی پھٹی پھٹی آواز منہ سے نکل پڑی۔ ایسا ہی محسوس ہوا تھا جیسے کسی
نے اچانک اُس کا پیٹ دبایا ہو اور آواز نکل پڑی ہو۔

”مسٹر بلیک ہی اطلاع لے کر آئے ہیں۔“ کلارک نے بھی ناشتہ شروع کر دیا۔ اور پھر
ناشتم کے بعد کافی پیٹتے ہوئے اس موضوع پر باقاعدہ گفتگو ہونے لگی۔ اب گرین نے بھی
اس گفتگو میں پوری پوری دلچسپی لینا شروع کر دی تھی۔ یوں لگا، جیسے اُب تک وہ موجود ہی نہ
ہو۔ اُس نے کھڑے ہو کر بڑی گرجوشی سے مجھ سے مصافحہ کیا تھا اور پھر سفید سفید دانت
نکلتے ہوئے بولا۔

”ادارے کے روکارڈ میں ایک اضافہ ہوا ہے۔ انٹرکٹر بہت سے مراحل سے گزرتا ہے،
تب اسے یہ پوست دی جاتی ہے۔ اس لحاظ سے فریڈ، معمولی آدمی نہیں تھا۔ یوں سمجھو! یہ ہزار
آنکھوں کے مالک کہلاتے ہیں۔ لیکن..... ارے! تم نے تو کمال ہی کر دیا۔ یہ آئندہ یا پہلے
سے تمہارے ذہن میں تھا یا فوری طور پر عمل ہوا تھا؟“

”ہاتھ کے سلسلے میں؟“

”ہاں.....!“

”نہیں..... پہلے سے کوئی خیال نہیں تھا۔“ میں نے جواب دیا۔
”غیر معمولی..... اور اس کا صلب بھی غیر معمولی ہی ہے۔ خود فریڈ نے تمہارے بارے میں
جور پورٹ لکھوائی ہے، وہ بہت شاندار ہے اور یہ فریڈ کی خوبی ہے۔ درحقیقت انصاف کا بھی
تفاضہ ہے۔ بات یوں ہے مسٹر ڈن! کہ ادارہ اپنے سٹوڈنٹ کو مکمل طور پر داخلہ دینے سے قبل
اس کی ذہنی اور جسمانی صلاحیتوں کے امتحان لیتا ہے۔ پھر اُس کے لئے گریڈ مقرر کرتا ہے۔
اس امتحان کے دو مرحلے ہوتے ہیں۔ پہلے مرحلے میں کامیابی پر سفید کارڈ ملتا ہے اور
دوسرے مرحلے میں گرین کارڈ۔ ہوتا یہ ہے کہ پہلے مرحلے میں اگر سٹوڈنٹ کسی عمدہ کارکردگی
کا مظاہرہ نہیں کرتا تو اُسے سیکرٹ برائی میں بھیجا جاتا ہے۔ وہاں اُسے تربیت دی جاتی ہے
اس وقت تک اُسے اس امتحان سے روشناس نہیں کرایا جاتا۔ اس سلسلے میں بھی سائنس
انداز میں کام کیا جاتا ہے۔ مثلاً یہ کہ انٹرکٹر کسی ایسے شخص کے انداز میں ملتا ہے جو خواہ خواہ
دشمن مول لینے والوں میں سے ہو۔ وہ ایک طرح کی دشمنی کا ماحول پیدا کرتا ہے۔ اور پھر بار
بار دشمن کے روپ میں ملتا ہے۔ اس وقت تک جب تک اُسے کوئی نمایاں کام نہ دکھایا
جائے۔ اسی طرح دوسرے مرحلے کے لئے ہوتا ہے۔ لیکن جانتے ہو، فریڈ نے تمہارے لئے

”ماریا! بیک رکھ لو۔ جانتی ہو یہ بیک کتنی رقم پر ملتا ہے؟“ کلارک نے کہا۔
 ”جانتی ہوں۔“ ماریا نے جواب دیا اور پھر بولی۔ ”ڈن! کیا تم شارپگ کر لیتے ہو؟“
 ”ہاں..... اس حد تک کہ اپنا کام چلا سکوں۔“
 ”افسوں..... تم سے دیر سے ملاقات ہوئی، اس وقت جب میں یہ کام چھوڑ چکی ہوں۔“
 ورنہ شارپگ سکھنے کا مجھے بہت شوق تھا۔ بہر حال! پھر بھی تفریخاً تم سے شارپگ ضرور سکھوں گی۔“

”ضرور مس ماریا!“ میں نے جواب دیا۔ کلارک اور ماریا میرے بارے میں گفتگو کرتے رہے۔ اور پھر انہوں نے اپنے طور پر کچھ تیاریوں کا سلسہ شروع کر دیا۔ سیکرٹ پیلس لے جانے کے لئے گرین، بذات خود میرے پاس آیا تھا اور اس وقت کلارک نے نئی اسپروٹس کار کی چابی میرے حوالے کی تھی جو اس نے میرے استعمال کے لئے خریدی تھی۔ بلاشبہ! یہ شخص بے حد مخلص تھا اور آخر تک مخلص رہا۔

سیکرٹ پیلس کی تفصیلات طویل ہیں۔ وہ ایک ایسی عمارت میں قائم تھا جو شاید پہلی جنگ عظیم میں کسی خاص مقصد کے لئے تیار ہوئی تھی۔ اور اب عوایی استعمال میں تھی۔ پرانے طرز کی وسیع و عریض عمارت اپنے اندر ہزاروں راز ہائے سربستہ رکھتی تھی۔ اس میں قدم رکھتے ہی ایک عجیب سی پراسرار کیفیت کا احساس ہوتا تھا۔ ایک کمرے میں پہنچ کر مجھے نقاب دے دیا گیا اور پھر عمارت کے خاص لوگوں کے سامنے مجھے پیش کر دیا گیا۔ نقاب دیتے وقت گرین نے مجھے بتایا تھا کہ یہاں ہمیشہ سیاہ نقاب استعمال کیا جاتا ہے۔ لوگ عموماً ایک دوسرا کی صورت سے نا آشنا تھے۔ یہاں وہ ان کے لباس کے نمبر سے انہیں پہچان سکتے تھے۔ خاص لوگوں کے تاریک کمرے میں مجھے پیش کر دیا گیا جہاں گرین میرے ساتھ نہیں تھا۔

”مسڑون کیں.....!“ ایک شخص کی بھاری آواز اُبھری اور میں نے دانت بھیجن لئے۔ لندن میں پہلی بار مجھے پورے نام سے پکارا گیا تھا۔ یہ ادارے کی کارکردگی کا پہلا ثبوت تھا۔ ”آپ اپنے پچن سے آج تک کی تفصیلات ہم سے پوچھ سکتے ہیں۔“ مختصر یہ ہے کہ آپ کا تعلق ٹین فیلی سے ہے۔ آپ کے والد اور چچا نے اس خاندان کی وقت کھودی اور فلاں بو گئے۔ آپ نے ایک مخصوص وقت تک تعلیم حاصل کی اور پھر جرام کی زندگی اپنالی۔ لندن آئے ہوئے آپ کو بہت مختصر وقت گزرا ہے۔ براہ کرم! ان معلومات میں جہاں جھوٹاں بو،

واکٹ اور گرین کا رڈ دنوں بیک وقت دینے کی سفارش کی ہے۔ اس نے دوسرے لوگوں پر چیلنج کر دیا ہے کہ اگر کسی کو اس کی سفارش پر اعتراض ہو تو وہ اپنی کوش بھی کر سکتا ہے۔ لیکن اگر کسی نے یہ چیلنج منظور کر لیا تو پھر تمہیں جو مقابلہ کرنا پڑے گا، وہ سیکرٹ پیلس میں ہو گا۔ اور تم اس سے واقف ہو۔“

”وڈرفل بے حد شاندار ذرا پوری کہانی تو سناؤ بیک!“ کلارک نے کہا۔
 ”بکواس بند کرو“ گرین دھاڑا۔

”ڈیر گرین! پلیز“ کلارک نے خوشامد انداز میں کہا۔

”ہاں! اب ٹھیک ہے۔ داستان مختصر ہے۔ فریڈ نے بتایا کہ وہ چاروں بوکھلا گئے تھے۔ اگر اتفاق سے مسڑون کے پاس اپنا پستول ہوتا تو ان چاروں کی زندگی گئی تھی۔ کیا تم انہیں قتل کر دیئے ڈن؟“

”ضروری نہیں تھا۔ میں انہیں ڈاکو قسم کا انسان سمجھا تھا۔ قتل کرنا ضروری نہیں ہوتا۔ اگر مرا حممت سخت ہو تو قتل کا امکان بڑھ جاتا ہے۔“ میں نے جواب دیا۔

”بہر حال! تمہیں براہ راست سیکرٹ پیلس جانا ہے۔“
 ”مجھے خوشی ہے۔“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”یہ تمہارے دنوں کا رڈ ہیں۔ یوں سمجھو! تم نے ایک لمبی چھلانگ لگائی ہے اور وقت کا طویل فاصلہ طے کر لیا ہے۔“ گرین نے کہا اور پھر اس نے دو کارڈ نکال کر میرے حوالے کر دیئے۔

میں نے شکریہ ادا کر کے کارڈ لے لئے تھے۔ پھر گرین نے مجھے سیکرٹ پیلس کے خصوصی آداب بتائے۔ اب دوسرے دن سے میں اپنی تربیت گاہ میں جا سکتا تھا۔ میں نے سارے آداب ڈھن نشین کر لئے تھے۔ پھر گرین کے جانے کے بعد میں نے بریف کیس، کلارک کے سامنے رکھ دیا اور کلارک اسے دیکھ کر چونک پڑا۔

”یہ تو یہ تو اوہ! تو کیا تم نے رات جو اکھیلا تھا؟“

”ہاں اور میرا خیال ہے کہ کلارک ڈیر! تم اس پر اعتراض نہیں کرو گے۔ میں تمہارے زیر کفالت ہوں اور میں نے کوئی ایسا کام نہیں کیا جو کسی طور خطرناک اور قبل از وقت ہو۔ ظاہر ہے، جس ادارے کی داخلہ فیں اتنی زبردست ہو، اس کے اخراجات کتنے وسیع ہوں گے؟“

آپ ہمیں آگاہ کریں۔“ بولنے والا خاموش ہو گیا۔
 میرے ذہن میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ جہاں میں اُن لوگوں کی شاندار معلومات و سرے کو شناخت کر لیتے تھے۔ تربیت کی ابتداء تھیوری سے کی گئی تھی۔ جرامم کی اقسام، اُن پر تھیڑھا جوانتے مختصر و قلقے میں مہیا کر لی گئی تھیں، وہاں میرے ذہن میں یہ خیال بھی تھا کہ نفیاتی ناقص، اُن کی تحریک، اُن کے لئے موزوں شخص کی خصوصیات اور پھر اُن میں یہ بہتر نہیں ہوا۔ میں خود کو ایک مخصوص وقت تک پوشیدہ رکھنا چاہتا تھا۔ سے ایک ایک سبق کا عملی تجربہ، انہیں خوش اسلوبی سے کرنے کا انداز، تجویاں توڑنا، نقشبندیہ میں کسی کو معلوم ہو۔“
 ”معلومات درست ہیں۔ لیکن میرے لئے یہ بات ناپسندیدہ ہے۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ موزوں اوقات۔ اس کے بعد جسمانی ورزش، دشمن کو زیر کرنے کے قدیم اصول، جاپانی، چینی، بری فون حرب و ضرب، جزو، جیو جسٹو کرنے، ان چقو، یہ کیڈو، شمشیر زندگی، خنجر اس ادارے کی نازک حیثیت کا آپ کو احساس ہو گا۔ ہم، لوگوں کے بارے میں پورا زبانی، دنیا کی بے شمار زبانوں کی تعلیم، دنیا کے لوگوں کے رہن، سہن اور اُن کا طرز زندگی، معلومات ریکارڈ رکھتے ہیں اور اس طرح اس ادارے کے راز آپ کے سینے میں اُس کی ہوائی چہار اڑانے کی تربیت، ہیلی کا پتھر اڑانے کی تربیت..... غرض کیا ہے تھا جو ان تین امانت رہیں گے۔ اس طرح ادارہ آپ کی زندگی کے کسی حصے میں آپ کے کسی راز کو افشا نہیں۔ اس ادارے سالوں میں میرے سینے میں نہ اُتار دیا گیا تھا۔ ہر شوڈونٹھیہاں کے آداب کا پابند تھا۔ شاذ نہیں کرے گا۔ یہ ہمارا اصول ہے۔ آپ کی اصل حیثیت سے صرف پانچ افراد واقف ہوں وہاں تھا اور میں اُن خوش نصیبوں میں سے تھا، جن سے کبھی کوئی لغزش گے۔ چھٹا زندگی بھرنہیں۔“ جواب ملا۔

”تب ٹھیک ہے۔“ میں نے سکون کی سائنس لی۔
 ”ہم کو شوش کرتے ہیں مسٹر ڈن! کہ ہمارے سٹوڈنٹ، ہم سے محبت کریں اور ہمارے دورانی تعلیم مجھے تقریباً تیس انسانوں کو قتل کرنا پڑا تھا۔ اور اُب انسانی زندگی کی کوئی وقت بارے میں کوئی غلط نظریہ قائم نہ کریں۔ ہم ان سے اسی جذبے کے طلب گار ہوتے ہیں۔ نہیں تھی میری نگاہ میں۔ اپنے انتہائی مہنگے تعلیمی اخراجات پورے کرنے کے لئے میں صرف اس ادارے کے راز، آپ کے ساتھ قبر میں جانے چاہیں۔ اس عمارت کے باہر جانے کے تاش کا سہارا لے رہا تھا۔ بے چارہ کلارک اُب ایک شریف انسان تھا۔ ماریا اُس کی بیوی تھی اور اُس کے بچے کا نام مارک تھا۔ ماریا کلب البتہ خوب چمک اٹھا تھا اور اُن شریف لوگوں بعد اس کی حفاظت کے ذمہ دار آپ ہوں گے۔“
 ”میں وعدہ کرتا ہوں، ایسا ہی ہو گا۔“ نے میرا ساتھ نہیں چھوڑا تھا۔ یعنی میں انہی کے ساتھ رہتا تھا اور وہ ہر طرح میرا خیال رکھتے

”دوسری صورت میں ادارہ آپ کا دشمن بن جائے گا۔ اس بات کو مدد نظر رکھیں۔“ تھے۔ شاید پوری دنیا میں صرف یہ دو انسان تھے جن سے میں بحیثیت انسان مطمئن تھا۔ ورنہ ”ادارے کو مجھ سے شکایت نہیں ہوگی۔“ میں نے جواب دیا۔ اور یہ حقیقت ہے کہ نہ جانے میری فطرت میں نفرت کا ایک پہلو کیوں پیدا ہو گیا تھا؟ میں لوگوں کو اچھی نگاہ ہوں ادارے کو کبھی مجھ سے شکایت نہ ہوئی۔ زندگی بڑی باغ و بہار تھی۔ سیکرٹ پیلس کے اصول سے نہیں دیکھتا تھا۔ ادارے کی جانب سے اگر کسی مہم کے احکامات ملتے اور کسی کی زندگی مجھے بے حد پسند تھے۔ اس میں بے شمار لڑکے اور لڑکیاں تھیں۔ سب ایک دوسرے کی صورت چھیننے کے لئے کہا جاتا تو میں بڑی طمانتیت محسوس کرتا تھا اور اُس شخص سے مجھے بے پناہ نفرت سے نہ آشنا۔ سب ایک ہی لباس میں ملبوس۔ لڑکیوں کا اندازہ صرف اُن کے جسموں ہو جاتی ہے تقل کرنے کا حکم دیا جاتا تھا۔ پھر اُس وقت تک میں سکون سے نہیں بیٹھ سکتا تھا کہ نقوش یا اُن کی آواز سے لگایا جا سکتا تھا۔ کسی کو کسی سے عشق کی اجازت نہیں تھی۔ اگر کہنا جب تک اپنا کام پورا نہ کر لوں۔ یہ ادارہ سیاسی قتل بھی کرتا تھا۔ عموماً اُن لوگوں کی شامت ایسا شے پایا جاتا تو دونوں کو لڑا دیا جاتا تھا۔ اور جب تک اُن میں سے کوئی دو تین ماہ کے لئے کو شوش کرتے تھے یا کوئی اور اختلاف ہو جاتا تھا، ایسے لوگوں کو قتل کر دیا جاتا تھا۔

ایک ہی ایک مہم کے دوران ایک دچپ و اعده پیش آیا تھا۔ غالباً یہ ایک پیشہ و رائٹر تھا

این ہوپ ایک مشہور صنعت کار تھا۔ بے پناہ دولت مند..... خود اس کا اپنا ایک جزیرہ تھا۔ گرنے سے ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ صورت حال اچھی نہیں رہی ہے۔ پھر میں نے اسے بے وہاں ایک طرح سے اس نے اپنی حکومت قائم کر رکھی تھی۔ گواں کا رابطہ حکومت سے تھا، وہ بھروسہ پایا تو کسی تدریج میں کام کا شکار ہو گیا۔

بظاہر وہ حکومت کے قوانین کا احترام کرتا تھا۔ لیکن اپنے جزیرے پر اس نے حکومت، ہمیں یہاں کام کے لئے چار دن دیئے گئے تھے۔ چوتھے دن کی آخری رات کو ہمیں سارے قوانین بھلا دیئے تھے۔ وہاں اس نے اپنے محافظ مقرر کئے تھے جو جدید رہا پس لینے والوں کو آتا تھا۔ پورے روگرام میں میرے ساتھی کا بھی اہم کام تھا۔ لیکن اچانک ہتھیاروں سے مسلح تھے۔ حکومت کے اہم ترین عہدیداروں سے اس کی ملی بھگت تھی اور صورت حال میزگئی تھی۔ بہر حال! پریشانی نے آج تک کوئی کام نہیں بنایا۔ اس لئے بہت جلد بھی اس کے معاملات میں مداخلت نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ اپنے شدید ترین خلافین کو میں نے اپنے ذہن سے انجمنیں جھنک دیں اور اس نئی صورت حال کے لئے خود کو تیار کر پکڑوا کر جزیرے پر لے جاتا تھا اور پھر یا تو وہ زندگی بھر کے لئے اس سے مخالف ہو گیا۔ سب سے پہلے میں نے ایک بلند جگہ پہنچ کر قرب وجہ کی صورت حال دیکھی۔ یہ دیتے تھے یا پھر انہیں جزیرے سے واپسی ہی نصیب نہیں ہوتی تھی۔

جزیرے کا مشرقی کنارہ تھا اور یہاں اونچی پہاڑیوں کا ایک لا تناہی سلسلہ ڈورستک چلا اور یہ اس کی بد نصیبی ہی تھی کہ اس کی خالق نے سیکرٹ پیلس کی خدمات حاصل گیا تھا۔ ممکن ہے، ان تمام پہاڑیوں میں جزیرے کے محافظ موجود ہوں۔ گو بظاہر ان کا کوئی لی تھیں۔ چنانچہ اس کے قتل کے لئے میرا انتخاب کیا گیا اور حسب معمول مجھے آپریشن نہیں ملتا تھا۔ باقی حالات پر سکون تھے۔ یعنی قرب و جوار میں اور کوئی تحریک نہیں تھی میں طلب کر لیا گیا۔ این ہوپ کے بارے میں پوری تفصیلات بتائی گئیں۔ نقشہ اور تصویر جس سے کوئی الجھن پیدا ہو۔

کی مدد سے این ہوپ کے جزیرے کی تفصیل سمجھائی گئی اور میرے ساتھ ایک معاون مقرر۔ اتنا تو میں سمجھ گیا تھا کہ میرا ساتھی اب کسی کام کے قابل نہیں رہ گیا ہے۔ چنانچہ اب وہ دیا گیا۔ معاون کے بارے میں مجھے معلوم تھا کہ کون ہے۔ ہم دونوں کو میک اپ میں (ا) میرے لئے ایک بو جھ کے سوا کچھ نہیں ہے۔ بہر حال! اس بو جھ کو بھی مجھے ہی سنبھالنا تھا۔ تک جانا تھا۔ اس لئے اصلی شکل ایک دوسرے کے سامنے آنے کا سوال ہی نہیں پیدا۔ ظاہر ہے میں اسے چھوڑنہیں سکتا تھا۔ چنانچہ میں نے کام شروع کر دیا۔ پہلے تو میں نے اس تھا۔ طے یہ کیا گیا کہ ایک طیارہ، پیرا شوت سے ہمیں وہاں اُتار دے گا اور اس کے بعد "ضروریات کا تھیلا" بھی اس کے سینے سے علیحدہ کر دیا۔ جس میں واقعی ضروریات کا سامان اپنا کام کرنا ہے۔

تیاریوں کے بعد ایک رات ایک خصوصی طیارہ ہمیں لے کر چل پڑا۔ ہمیں اُتار نا موجود تھا۔ اس کا وزن کافی تھا۔ ان کاموں سے فارغ ہو کر میں نے کسی ایسی جگہ کی تلاش کا جگہ کا تعین کر لیا گیا تھا۔ یہ کام اُن لوگوں کا تھا۔ پیرا شوت سے چھلانگ لگانے کی مشکل متناسب تھا۔

نے خوب کر لی تھی۔ لیکن میرا طویل القامت ساتھی شاید میری طرح ماہر نہیں تھا۔ جزیرہ پر بعض اوقات تقدیر ہمیں ایسی کھوٹیں میبا کر دیتی ہے کہ یقین نہیں آتا۔ مجھے بھی اس اتنا طویل و عریض نہیں تھا کہ ہم زیادہ بلندی سے کوڈتے۔ بلندی سے کوڈنے میں وقت کوئی پریشانی نہیں ہوئی۔ پہاڑیوں کے قریب پہنچ کر رکھنا کہ سب کی سب کو کھلی کنٹروں کرنے کا خاصا وقت مل جاتا ہے اور زیادہ اطمینان سے یونچ اُترا جا سکتا ہے کہ میں لاد تعداد غار بکھرے ہوئے تھے۔ ایک یونچے ذہانوں والے، اندر سے خوب کشادہ اور یونچے کے پھیلاؤ کا اطمینان ہوتا ہے۔ لیکن چھوٹی جگہ کے لئے مہارت کی ضرورت ہوئی۔ صاف سترے۔ چنانچہ میں نے ایک غاز کا انتخاب کر لیا اور تھوڑی دیر کے بعد میرا ساتھی بہر صورت! ہم جزیرے پر کوڈے۔ لیکن میرا ساتھی خود کو کنٹروں نہیں کر سکا اور کسی تدریج ناگزیر میں منتقل ہو گیا۔ رہبر کے پتلے سے گدے اور تیکے میں ہوا بھر کر میں نے اسے اس پر لٹا بہب اندماز میں زین پر آیا۔ اس کی بائیں ناگ میں شدید چوتھ آگئی۔ سر سے بھی دیا اور پھر گیس لیپ روشن کر کے ایسے رخ پر رکھ دیا کہ اس کی روشنی، غار کے دہانے کی بہنے لگا اور وہ بے ہوش ہو گیا۔ میں اپنا پیرا شوت کھول کر اس کی طرف دوڑا۔ مجھے اس طرف نہ جا سکے۔ اس کے بعد میں اس کے زخموں کو دیکھنے لگا۔ چھوٹے چھوٹے فرشت ایڈ

”ہاں..... میں کھڑا بھی نہیں ہو سکتا۔“

”بہر حال! اس کے باوجودہ میں کام کر کے واپس چلنا ہو گا۔“
”تھا.....؟“

”ہاں.....!“ میں نے ٹھوس لمحے میں جواب دیا۔

”لیکن یہ قابل اعتراض بات نہ ہو۔“ اس نے تشویش سے کہا۔

”بات، مقصد پورا ہونے کی ہے۔ ہم یہاں خاموش بیٹھ کر واپسی کا انتظار نہیں کر سکتے۔“

ادارے کا مقصد پورا ہونا چاہئے۔ یوں بھی ہمیں انگلی پکڑ کر نہیں چلنا چاہئے۔ کیونکہ بہر حال!

عملی زندگی میں بھی آتا ہے۔“

”یہ بھی ٹھیک ہے۔ لیکن تم تھا کسی مصیبت میں بھی گرفتار ہو سکتے ہو۔“

”خطرہ مول لینا ہی پڑے گا۔“

”پروگرام کیا رہے گا؟“

”لوڈ ڈیتائل تھمارے پاس رہے گا اور تم اس غار میں وقت گزارو گے۔ کھانے پینے کی

چیزیں بھی موجود ہیں۔ اس لئے تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہو گی۔ اس دوران میں اپنا کام کرنے

کی کوشش کروں گا۔“

”جیسا تم مناسب سمجھو۔۔۔“ اس نے جواب دیا۔ اس کی آنکھوں سے پریشانی جھانک

”رہی تھی۔“

”شکریہ دوست.....“ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ تیکھے خدو خال کا نوجوان تھا۔

”رہی تھی۔“

”پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے مسٹر.....“

”ڈر کن.....“ اس نے بے اختیار کہا اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اسے بھی

اپنی شعلتی کا احساس ہو گیا تھا چنانچہ وہ بھی مسکرانے لگا۔ ”آب اس میں اتنا حرج بھی نہیں

ہے۔ آخر ہمیں عملی دنیا میں بھی آتا ہے۔ اور پھر ادارے کا اس میں کوئی نقصان بھی نہیں

ہے۔“

”ٹھیک ہے۔“ میں نے جواب دیا۔

”ویسے تم برٹش نہیں معلوم ہوتے۔“

”میں برٹش نہیں ہوں۔“

”میں جرمن باشندہ ہوں۔“ اس نے جواب دیا۔

”بس..... بس..... کافی ہے میرے دوست! ہمیں حدود سے تجاوز نہیں کرنا چاہئے۔“

بکس ہم دونوں کے سامان میں موجود تھے۔ اس کے پاؤں کی ہڈی اتر آئی تھی جسے میں فٹ کیا تو تکلیف سے اُسے ہوش آ گیا اور وہ کراہنے لگا۔ لیکن میں اپنے کام میں مشغول اور میں نے اُس کا پاؤں کس دیا۔ سر کا زخم بھی کافی تھا۔ لیکن اس کی بینڈنگ کے لئے اُپ اتارنا ضروری تھا۔ میں نے صرف ایک لمحے کے لئے سوچا اور پھر اس کا میک اُتارنے لگا۔ لیکن میرے ساتھی کے حواس بیدار تھے۔ اس نے مجھے روک دیا اور پڑھ لمحے میں بولا۔

”مسٹر..... مسٹر..... یہ مناسب نہیں ہے۔“

”لیکن تمہارے زخم کی بینڈنگ ضروری ہے۔“ میں نے سرد لمحے میں کہا۔

”ذاتی طور پر مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ لیکن کیا یہ ادارے کے اصول کے خلاف ہے؟“

”ہم ادارے کو اس سے لا عالم نہیں رکھیں گے۔ صورت حال واضح ہونے کے بعد ہمارے اوپر کوئی جرم، قائم نہیں ہوتا۔ تم فکر مت کرو۔ میں جواب دی کرلوں گا۔ میری نیت ادارے سے کسی قسم کی بد دیناتی نہیں ہے بلکہ ایک مجبوری کے تحت ایسا کرنا پڑ رہا ہے۔“ اسے جواب دیا اور اس کے چہرے سے میک اُپ صاف کرنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس کے زخم کو صاف کر کے پٹی باندھ چکا تھا۔

”شکریہ دوست.....“ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ تیکھے خدو خال کا نوجوان تھا۔

”سفید نسل سے ہی تعلق رکھتا تھا۔ لیکن اس کی زبان خاصی سخت تھی جس سے اس کی نوعیہ اندازہ نہیں لگایا جاسکتا تھا۔“

”شکریہ کی کوئی بات نہیں ہے۔۔۔ ظاہر ہے، تم میرے ساتھی ہو۔“

”تم مجھے اپنا اصل چہرہ نہیں دکھاؤ گے؟“ اس نے پوچھا۔

”یہ مناسب نہ ہو گا۔ تمہاری طرح مجھے بھی کوئی اعتراض نہیں ہے۔ لیکن کیا اسے ضروری نہ قرار دیا جائے گا؟“ میں نے جیسی سے جواب دیا۔

”اوہ..... ہاں! یہ درست ہے۔“

”بہر حال! آب تم کیا محسوس کر رہے ہو؟“

”ٹھیک ہوں۔ میں آب تمہارے کس کام آسکوں گا؟“

”تمہارا پاؤں اس قابل نہیں ہے۔“

میں نے اُس کا شانہ تھپٹھاتے ہوئے کہا اور وہ ایک دم خاموش ہو گیا۔
”سوری.....“ اُس نے آہستہ سے کہا۔

”یہ پیرا بشوت، تمہارے کام آئیں گے۔ لیکن میری درخواست ہے کہ اس غار سے جانے کی کوشش نہ کرنا۔ اگر خود کو بہتر بھی محسوس کرو، تب بھی یہیں رہنا تاکہ مجھے تمہیں تباہ کرنے میں دقت نہ ہو۔“

”بہتر.....“ اُس نے جواب دیا اور میں غار سے باہر نکل آیا۔ رات کا وقت تھا اور پیرا بشوت غار موجود تھا۔ یہ غار میرے ذہن سے نکل بھی سکتا تھا اس لئے کچھ پتھر جمع کرنا میں نے ایک مخصوص نشان بنالیا اور پھر وہاں سے چل پڑا۔

جزیرے کے مکانات کی روشنیاں نظر آ رہی تھیں جن سے آبادی کی سمت کا تعین کرنا کا مشکل کام نہیں تھا۔ چنانچہ میں چلتا رہا۔ راستے میں میراڑ، ہن اپنے کام کے بارے میں ہونے رہا تھا۔ فضا میں اترنے کا لباس میں نے بدلتا تھا۔ تھیلے کی ضروری چیزوں کو بھی میں نے جیبوں میں منتقل کر لیا تھا۔ بات اب این ہوپ کی تلاش اور اُس تک رسائی کی تھی۔ ظاہر ہے اُس کے جزیرے پر کسی اجنبی کی موجودگی آسانی سے ظاہر ہو سکتی تھی۔ اس لئے راتوں را اپنے پوشیدہ ہونے کا بھی بندوبست کرنا تھا۔ ذرا ساغط انتخاب، کام بگاڑ سکتا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد میں بستی میں داخل ہو گیا۔ میری انتہائی کوشش یہ تھی کہ میں بستی والوں کی لگاہوں سے محفوظ رہوں۔ جزیرے کا پورا نقشہ مجھے ذہن نہیں کردا یا گیا تھا۔ اس لئے این ہوپ کی قیام گاہ تلاش کرنے میں مجھے کوئی دقت نہیں ہوئی۔ یوں بھی اتنا خوب صورت محل کی اور کائنیں ہو سکتا تھا۔ دُور ہی سے پتہ چلتا تھا کہ این ہوپ کی حیثیت کیا ہے۔

☆.....☆.....☆

این ہوپ کی قیام گاہ کے چاروں طرف خوب صورت مکانات بننے ہوئے تھے۔ اُن کی ترتیب خاص تھی اور پھر ان سے کافی فاصلے پر بستی کے دوسرے مکانات پھیلے ہوئے تھے۔ میں نے ایک مکان کے سامنے میں رُک کر جائزہ لیا اور پھر ایک دوسرے مکان کا انتخاب کر لیا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں اُس مکان میں داخل ہونے کی تیاریاں کر رہا تھا اور ظاہر ہے یہ میرے لئے مشکل کام نہیں تھا۔ میں مکان میں داخل ہو گیا۔ چار کمروں کا ایک خوب صورت مکان تھا۔ قیمتی فرنیچر سے آرائش..... میں دبے پاؤں، یکنون کو تلاش کرنے لگا۔ مجھے تجب ہوا، پورے مکان میں صرف ایک کمرہ روشن تھا۔ شیشوں سے جھاکنے پر محسوس ہوا کہ خواب گاہ ہے اور اس خواب گاہ میں صرف ایک بستر تھا۔ جس پر کوئی سورہا تھا۔

لقدیر ساختہ دے رہی تھی۔ اگر زیادہ لوگ ہوتے تو مشکل پیش آئکتی تھی۔ خواب گاہ کے دروازے پر کھڑے کھڑے میں نے ذہن میں ایک پروگرام مرتب کر لیا اور پھر میں نے خواب گاہ کے دروازے کو دھکیل کر دیکھا۔ دروازہ اندر سے بند تھا۔ تب میں نے پستول چیک کیا اور دروازے پر دستک دی..... تیسری دستک پر بستر پر سونے والا جاگ گیا اور میری آنکھوں میں تمسخر کے آثار اُبھر آئے..... وہ لڑکی تھی اور بے لباس تھی۔ ظاہر ہے، گھر میں تھا تھی اس لئے لباس کوئی حیثیت بھی نہیں رکھتا تھا۔ لیکن تیز روشنی جلانے سے قبل اُس نے ایک گاؤں، بدن پر ڈال لیا تھا اور پھر اُس نے مدھم بلب بجھا کر تیز روشنی کر دی اور دروازے پر پہنچ گئی۔ مجھے دیکھ کر اُس نے کسی جبرت کا اظہار نہیں کیا تھا۔ البتہ وہ آہستہ سے بوئی۔

”لباس بدل لوں..... کیا تم انتظار کرو گے؟“ اُس کے لمحے میں بیزاری تھی۔

”میں سمجھا نہیں مس.....“ میں نے تجب سے کہا۔

”کیا نہیں سمجھے؟“ لڑکی نے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔ اُس کے انداز میں ناگواری تھی۔ عجیب سے خدو خال کی پرکشش لڑکی تھی۔ قد، کسی قدر جھوٹا تھا لیکن بدن میں لوچ محسوس ہوتا تھا۔ رنگ سے کسی ایشیائی ملک کی معلوم ہوتی تھی۔

درمیان کھڑا، گدھ معلوم ہوتا ہے۔ اور اس کی خصلت.....بس! وہ تمہیں جزیرے پر زندہ نہیں چھوڑے گا۔ وہ بیرونی لوگوں سے نفرت کرتا ہے۔ یہاں کسی کو آنے کی اجازت نہیں ہے۔ عجیب انسان ہے۔ میں تمہیں اس کے بارے میں کیا، کیا بتاؤ؟“

”میرے یہاں آنے سے ناخوش ہو مس.....؟“

”یہ جان کرنیں کہ تمہارا تعلق یہاں سے نہیں ہے۔“

”کیا تم جزیرے کے لوگوں سے نفرت کرتی ہو؟“

”ہاں.....سب کے سب اس کے غلام، اس کی بیہودہ باتوں پر ہنسنے والے، اس کی غلیظ ترین حرکتوں پر داد برسانے والے۔ ان کی اپنی کوئی شخصیت نہیں ہے۔ وہ سب انسان سے زیادہ مشین معلوم ہوتے ہیں۔ اور جس کی کوئی شخصیت نہ ہو کیا اس سے خوش بھی ہوا جا سکتا ہے؟“

”اب تو میں یہاں آہی گیا ہوں۔ کیا تم مجھے اپنا مہمان بنانا پسند کرو گی؟ میں حالات کا شکار ہوں۔ دو تین دن گزار کروا پس چلا جاؤں گا۔ کیا تم یہ بات پسند کرو گی؟“

”لیکن چند ساعت سوچتی رہی۔ پھر ایک گہری سانس لے کر بولی۔ ”ہم دونوں کو خطرہ ہے۔ مجھے تو اپنی زندگی اور موت سے زیادہ دلچسپی نہیں ہے۔ لیکن تم ہی مارے جاؤ گے۔ جزیرے پر تمہاری زندگی خطرے میں ہے، اس وقت تک جب تک تم کسی طرح یہاں سے نکل نہ جاؤ۔ ٹھیک ہے۔ میں تیار ہوں۔ لیکن سخت ہوشیار رہنا ہو گا۔ یہاں کسی بھی وقت، کوئی بھی آسکتا ہے، مجھے طلب کرنے۔ خواہ دن ہو یا رات.....بہر حال! تم بھی خیال رکھنا۔ مجھے اعتراض نہیں ہے تمہیں مہمان بنانے پر۔“

”بہت بہت شکر یہ مس.....کیا میں آپ کا نام پوچھ سکتا ہوں؟“

”سویا.....بر میز ہوں۔ تعلیم حاصل کرنے آئی تھی، انعاموں کر لیا گیا۔ چھ سال سے یہاں ہوں اور نکلنے کے کوئی آثار نظر نہیں آتے۔ مجھے یقین ہے کہ میرے سفارت خانے نے اب میری فائل بھی بند کر دی ہو گی اور میرے گھر والے صبر کر چکے ہوں گے۔“ اس کا لمحہ جذبات سے عاری تھا۔ پھر وہ دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔ ”چند ساعت انتظار کرو۔ میں ابھی آئی۔ اور سنو۔ کیا تم دروازے سے اندر داخل ہوئے تھے؟“

”نہیں.....کیوں؟“ میں نے پوچھا۔

”لوگوں کی پوچھا تھا۔ دروازہ کھلا رہتا ہے۔ نہ جانے کب اس پر خاس سوار ہو جائے۔ نہ

”جو آپ کہہ رہی ہیں۔ میں کیوں انتظار کروں اور آپ لباس کیوں تبدیل کریں؟“

”باس نے طلب نہیں کیا؟“ وہ کسی قدر ترجیح سے بولی۔

”جی نہیں.....“ میں نے گہری سانس لے کر جواب دیا۔

”تو پھر تم کیوں آئے ہو؟“

”کیا آپ یہ سارے سوالات ایک دم کر لیں گی، اور اسی جگہ دروازے پر کھڑے ہو کر؟“

”تم کون ہو.....اور.....؟“ اس کے جملہ نہ سوترا چھوڑ دیا۔

”میں اندر آنا چاہتا ہوں۔“ میں نے جواب دیا اور کسی قدر پس و پیش کے بعد وہ کچھ سوچ کر پیچھے ہٹ گئی۔

میں اندر داخل ہو گیا۔ اور پھر میں دروازہ بند کرتے ہوئے اس کی طرف مڑا۔ اس کی آنکھوں میں خوف کا شایبہ بھی نہیں تھا۔ البتہ وہ متیر ضرور تھی۔

”اب بتاؤ.....نہ جانے کیوں مجھے احساس ہو رہا ہے کہ تم جزیرے میں اجنبی ہو۔“

”تمہارا خیال درست ہے۔“ میں ایک صوفے میں ڈھنس گیا۔

”کہاں سے آئے.....کیسے آگئے؟“ وہ مضطربانہ انداز میں بولی۔

”کہانی منقصر ہے۔ لیکن تم پریشان کیوں ہو گئیں؟“ میں نے سکون سے کہا۔

”اوہ.....اس کا مطلب ہے تم کچھ نہیں جانتے۔ یہاں کے باشندے بھی نہیں معلوم ہوتے۔ کسی کی نگاہ تو نہیں پڑی تم پر؟“ اس کے انداز میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی۔

”نہیں.....کسی نے نہیں دیکھا۔ لیکن تم.....؟“

”تمہیں معلوم ہے، یہ جزیرہ کس کا ہے؟“

”نہیں.....!“

”این ہوپ کا۔ اور این ہوپ کا انسانوں کی کسی نسل سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ نہ جانے کیوں اسے شکل اور عقل انسانوں جیسی ملگئی ہے۔ نہ جانے کیوں.....؟“

”کیا وہ بہت خطرناک ہے؟“

”خطرناک.....؟“ لیکن نے نفرت سے ناک سکوڑتے ہوئے کہا۔ چھوٹی سی ناک تھی۔ اس کا یہ انداز بھی دلکش تھا۔ ”تم کسی مردہ خور گدھ کو خطرناک کہہ سکتے ہو۔ بے شک وہ مردے کھاتا ہے۔ بس..... نہ جانے کیوں وہ کسی دیرانے میں، سڑی ہوئی لاشوں کے

جانے کون یاد آجائے۔ اُس نے کہا اور باہر نکل گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ اپس آئی اور اُسے کھول دوں۔ ”بری لڑکی نے کہا اور میں نے اُس کے کہنے پر عمل کیا۔ اس طرح میرا خطرناک کوت، الماری میں منتقل ہو گیا۔ اب میں صرف بنیان اور پتوں میں تھا۔ میں ایک کرسی کی طرف بڑھا تو اُس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ ”تکلف نہ کرو بریکیز! اس کرنی پر تم رات نہیں گزار سکتے۔ اس کے علاوہ میں صاحب اختیار نہ سی، لیکن ہمہن کے ساتھ یہ سلوک تو نہیں کیا جاسکتا۔“ وہ مجھے سہری تک لے گئی اور پھر آہستہ سے مجھے اُس پر دھکا دے دیا۔

”نهیں..... میں دُور تک دیکھ آئی ہوں۔ اور ایک گمرا دروازے کے نزدیک اس طرکھ دیا ہے کہ اگر کوئی دروازہ کھولنے کی کوشش کرے تو گمراگر پڑے۔ اس طرح ہمیں آرے نہیں کیا جاسکتا۔“ ایک لمحے کے لئے میرا ذہن چکرایا تھا۔ آثار پچھے اچھے نظر نہیں آرہے تھے۔ لڑکی جوان ایک بارے میں پتہ چل جائے گا۔“ ”اوہ.....!“ میں نے معمون انداز میں اُسے دیکھا۔ ”تمہیں میرے لئے کافی تکلیف اٹھانی پڑ رہی ہے۔ میرا خیال ہے تم سونے کے لئے لیک چکی تھیں۔ اس طرح میں تمہاری نیند بھی خراب کی۔“

”اب رکی گفتگومت کرو۔ مجھے ساری دنیا سے نفرت ہو گئی ہے۔ ساری رسول نفرت ہو گئی ہے۔“

”دیکھو سویا! تم نے مجھے پناہ دے دی ہے۔ میں تمہارا شکر گزار ہوں۔ ناقصیت کی پر میں بیہاں مارا جاتا۔ تمہارے اس احسان اور اخلاق سے میں ناجائز فائدہ نہیں اٹھا جاتا۔ اگر تمہیں نیند آرہی ہے تو سونے کے لئے کوئی محضری بگھے بتا کر سو جاؤ۔“

”کیا نام ہے تمہارا؟“ اُس نے خفیہ سی مسکراہٹ سے پوچھا۔

”بریکیززم..... پام بریکیززم۔“ میں نے ایک لمحہ کی تاخیر کے بغیر جواب دیا۔

”تمہارے بارے میں جانے بغیر بھلا نیند آسکتی ہے بریگز! تم خود سوچو، ساری راذ جاگتی اور تمہارے بارے میں سوچتی رہوں گی۔“ وہ کسی قدر بے تکلفی سے بولی۔

”اوہ..... میں پوری رات تمہارے پاس بیٹھنے کے لئے تیار ہوں۔“

”اتنی بے درد نہیں ہوں میں۔ جوتے اتار دو، آرام کرو۔ چلو..... پہلے ٹھیک ہو جاؤ۔ اس کے بعد باتیں کریں گے۔“ اُس نے جھک کر میرے جوتے اتارنے کی کوشش کی۔ لیکن میں نے اُسے یہ تکلیف نہیں دی۔ اور پھر میں نے احتیاط سے اپنا بیاس اٹھا۔ میرے کوٹ نہ بہت پچھا تھا۔ میں نے کوئی تعریض نہیں کیا اور لڑکی بھی میرے پاس ہی آگھسی..... البتہ اُس نے پہلے جیسی پوزیشن میں آنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ یعنی وہ گاؤں پہنچنے تھی جو اُس نے میری آمد پر پہنا تھا۔ اُس نے سہری کا ایک تکلیف اپنی پشت کے نیچو رکھا اور نیم دراز ہو گئی۔ کسی

”میں نہیں چاہتا کہ اتفاق سے کوئی آجائے تو تمہیں میرا بیاس اور جوتے چھپانے لئے بھاگ دوڑ کرنا پڑے۔ اس لئے ان چیزوں کا پہلے ہی بندوبست کر دو۔“

”ہاں..... ٹھیک ہے۔ تم اُس الماری کے خفیہ خانے میں اپنا بیاس وغیرہ رکھ دو۔ آؤ!“

عورت کا لس میری زندگی میں اجنبی تھا۔ اُس کی حرارت مجھے لذت انگریز لگ رہی تھی اور
غیر معمولی حد تک خاموش ہو گیا تھا۔ تب اُس کی آواز اُبھری۔

”اُگر تمہیں نیند آ رہی ہے تو سو جاؤ۔“ میں نے اس آواز کے تاثر کو جانچنے کی کوشش
لیکن اس میں کوئی خاص بات نہیں تھی۔ تب میں نے سوچا کہ مجھے عورت کے جذبہ
جانچنے کی کوئی تربیت نہیں دی گئی۔ اور میرا ذاتی تجربہ بھی کچھ نہیں ہے۔ سوائے کئی
باتوں کے۔“

” غالباً تم سو گئے؟“ وہ بولی۔

” نہیں سویا۔۔۔ نیند کہاں آئے گی؟“

” تو پھر خاموش کیوں ہو؟“

” بس۔۔۔ ایسے ہی کچھ خیالات ذہن میں آگئے تھے۔“

” میری خواہش نہیں پوری کرو گے۔۔۔؟“ وہ آہستہ سے بولی اور ایک گرم لہر بر
ذہن سے گزر گئی۔ چند ساعت میں خاموش رہا۔ درحقیقت زندگی میں چہل بار خود کو آؤ گہر
کر رہا تھا۔ مغربی ملک کے اور میری عمر کے نوجوان کو کسی عورت کی خواہش سے اس خدا
بے خبر نہیں ہوتا چاہئے تھا۔ لیکن میں نہیں جانتا تھا کہ عورت کی ایسے وقت کی خواہش پر
کرنے کا پہلا مرحلہ کیا ہوتا ہے؟ بہرحال! میں اسے بد دل نہیں کرنا چاہتا تھا کیونکہ وہ
معاون تھی۔ چنانچہ میں نے اُس کی طرف چڑھ کر لیا۔ اور پھر آہستہ سے بولا۔

” کیا جاہتی ہو۔۔۔؟“ اپنی آواز مجھے کسی گدھے کی آواز محسوس ہوئی تھی۔

” مجھے اپنے بارے میں بتاؤ۔۔۔!“ اُس نے کہا اور ایک بار پھر ذہن کو شدید جگتا
گویا میں نے اُس کی خواہش کو غلط سمجھا تھا۔ لیکن کسی حد تک سنجھل گیا تھا اور فیصلہ کر لیا تھا
آب، جب تک وہ خود کوئی ایسا عمل نہیں کرے گی، میں ان لائنوں پر نہیں سوچوں گا۔

” بس۔۔۔ مختصر کہانی بے سویا! ایک اچھے خاندان کا آدمی ہوں۔ لیکن غلط دوستوں
رفاقت نے بارے راستوں پر لگا دیا۔ لاکھوں کمائے اور گنوا دیئے۔ پھر ایک ایسے گروہ
چکر میں پھنس گیا جو ہر قسم کی مجرمانہ کا زردا یاں کرتا تھا۔ اس کا مقروض ہو گیا اور گروہ
مجھے بھی جرام کی راہ پر لگانا چاہا۔ دل نے قبول نہ کیا تو سزا کے طور پر سمندر میں پھینکا
گیا۔ یہ اتفاق تھا کہ خشکی زیادہ ڈو نہیں تھی۔ چنانچہ اس جزو یہ پر پہنچ گیا۔ ” میں نے
البدیہ یہ کہانی سنادی اور وہ خاموش ہو گئی۔

” افسوس۔۔۔ انسان کس قدر بے حقیقت ہے۔ اتنی کمزور شے پر زندگی کی کتنی بڑی ذمہ
داری لاد دی گئی ہے۔ انسان اس بوجھ کو کیسے اٹھا سکتا ہے؟ کیا ہوتا ہے، کیا بن جاتا ہے۔
اس کے بس میں کچھ بھی تو نہیں ہے۔“ سویا کی آواز میں بے چارگی تھی۔ میری کہانی نے نہ
جانبے کس انداز میں اسے متاثر کیا تھا۔

” ہاں سویا۔۔۔ یہ حقیقت ہے۔“

” آب کیا کرو گے؟“ اُس نے پوچھا۔

” بھی سوچ رہا ہوں۔“ میں ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

” کاش تھہاری زندگی، تمہیں کسی اور مقام پر لے جاتی۔ سمندر نے تمہاری موت کا ذمہ
دار نہنا پسند نہیں کیا۔ لیکن تمہیں ایک اور خوفناک دل دل میں لا پھینکا۔ زندگی ایسے ہی مذاق
کرتی ہے۔“ وہ ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔

” سویا۔۔۔ میں خطرات سے نہیں ڈرتا۔ تم دیکھ لیتا، اگر تم نے میری صرف اعانت کر دی
کہ مجھے چند روز یہاں چھپا لیا تو میں یہاں سے نکلنے کا ضرور بندوبست کر لوں گا۔“

” کاش۔۔۔ تم کامیاب ہو جاؤ۔ رہی میری بات، تو میں زندگی کی قیمت پر بھی تمہاری
زندگی بچانے کے لئے تیار ہوں۔“

” بہت بہت شکر یہ سویا۔۔۔!“ میں نے جواب دیا اور سویا کی نظریں چھپت پر جانکھیں۔ وہ
کسی غیر مردی دھے کو دیکھ رہی تھی۔ اس دوران مجھے اُس کے چہرے کا جائزہ لینے کا پورا پورا
موقع مل گیا۔ میں نے اُس کا چہرہ ایسے جذبات سے عاری پایا جن کا میں نے تصور کیا تھا۔
تب میں نے اپنی حمact پر خود کو دل ہی دل میں برا بھلا کھا۔ اور پھر میں نے اسے مخاطب
کیا۔ ” تم کیا سوچتے گیس سویا؟“

” میں تمہارے بارے میں ہی سوچ رہی تھی۔ میری دلی خواہش ہے کہ خواہ کچھ بھی ہو
جائے، تمہیں یہاں سے زندہ ہی جانا چاہئے۔“

” تم پر بیثان نہ ہوتا۔ البتہ اگر تم پسند کرو تو این ہوپ کے بارے میں بتاؤ۔“

” آہ۔۔۔ یہ نام بھی ذہن میں کافیاں کر چھتا ہے۔ میں تمہیں بتا چکی ہوں، وہ مردہ خور
گدھ کی مانند ہے۔ اپنی زندگی میں کامیاب ترین لیکن ناکام انسان۔“

” انوکھی بات ہے۔ سمجھ میں نہیں آئی۔“ میں نے کہا اور وہ آہستہ سے پس دی۔

” ہاں۔۔۔ انوکھی بات ہے۔“

”کیا وہ عیاش انسان ہے؟ تمہیں انخواہ کرنے کی وجہ.....؟“
”وہ بھی انوکھی ہے۔“
”کیا مطلب....؟“
”اُسے لڑکیاں پالنے کا شوق ہے۔“
”اوہ.....!“

”کیا وہ عیاش انسان ہے؟ تمہیں انخواہ کرنے کی وجہ.....؟“
”اوہ.....!“
”اُسے لڑکیاں پالنے کا شوق ہے۔“
”اوہ.....!“

”اوہ.....!“ میں نے شدت حرمت سے گردن ہلائی اور سویاہن پڑی۔
”بڑی بے بسی طاری ہوتی ہے اُس پر۔ اتنا بزدل ہے کہ آج تک کسی لڑکی سے تیز لمحے میں گفتگونیں کی۔ ہاں..... اگر کوئی اُس سے بغاوت کرے یا اُس کی توہین کرے تو اُسے

”خاموشی سے مر دادیتا ہے۔“

”اُن پیغروں میں تمہیں بھانت بھانت کی لڑکیاں ملیں گی۔ افریقی، مصری، جاپانی، چینی این ہوپ کی یہ خصوصیات سن کر میں جیران رہ گیا تھا۔ بڑی عجیب و غریب شخصیت کا اور یورپ کے بے شمار ممالک کی لڑکیاں..... اُس نے ہر درائی جمع کی ہے۔“ سویاہن مجھے مالک تھا۔ لیکن افسوس..... اُس شخص کے قریب رہ کر اُسے دیکھنے کا موقع نہیں تھا۔ مجھے اپنا کام کرنا تھا اور اس کے لئے میدان تیار کرنا تھا۔ سویا میرے اوپر کسی خاص حیثیت سے اثر

انداز نہیں ہوئی تھی۔ لیکن تھوڑی سی ہمدردی اُس سے ضرور ہو گئی تھی اور میں اُس کے لئے کچھ سمجھ میں نہیں آتی۔ میرے خیال میں قانون صرف چند لوگوں کے تحفظ کا نام ہے۔ چند لوگوں ادارے کے مفادات کا پابند تھا۔ اُس کا غلام تو نہیں تھا۔ لڑکی نے میری اعانت کی تھی۔ اگر کوایڈا پہنچانے کے لئے اس کی تشکیل ہوئی ہے اور بس..... اس جزیرے پر قانون آتا ہے، میں اُس کے ساتھ بہتر سلوک کروں گا تو یہ کوئی بڑی بات تو نہیں ہوگی۔

”اوہ.....!“ اُب سو جاؤ! رات بھی تھوڑی ہی باقی رہ گئی ہے۔ دیکھو، تقدیر تمہارے ساتھ کیا سلوک کرتی ہے۔ میں بھی سورہ ہوں۔“ اُس نے کروٹ بدل لی اور میں نہ جانے کیا سوچتا سوچتا سو گیا۔

”اوہ.....!“ دوسرے دن آنکھ کھلی تو سویا میرے پاس موجود نہیں تھی۔ البتہ پکن سے کچھ خوبیں اٹھ رہی تھیں۔ یوں بھی دن کے دس بجے تھے۔ میں اٹھ گیا۔ ظاہر ہے، رات کو دو تین بجے سویا تھا اس لئے دیر سے آنکھ کھلی تھی۔ میں نے بستر پر لیٹے لیٹے کمرے کا جائزہ لیا۔ باٹھ روم موجود تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں باٹھ روم سے نکل آیا۔ پوری طرح سے چاق و چوبند ہو گیا تھا۔ سویا شاید دیکھ گئی تھی کہ میں جاگ گیا ہوں۔ چنانچہ وہ ناشتہ لے کر ہی آئی تھی۔ دن کی روشنی میں وہ اور پیاری لگ رہی تھی۔ درحقیقت وہ اپنے خود خال میں منفرد تھی۔ اُس کے ہونٹوں پر بڑی دلاؤری مسکراہٹ تھی۔

”ناشستہ.....!“ اُس نے کہا اور میرے سامنے بیٹھ گئی۔

”میری وجہ سے.....“ میں نے کہا جا بتو اُس نے درمیان میں میری بات کاٹ دی۔
”بس، بس..... ان باتوں میں الفاظ مت ضائع کرو۔ مجھے بڑا عجیب لگ رہا ہے۔ نہ جانے کیوں محسوس ہو رہا ہے، جیسے میں زندہ ہو گئی ہوں۔ کسی کے لئے کچھ کرنے کا جذبہ

”اوہ.....! سب غیر قانونی طریقے سے بیباں لائی گئی ہیں؟“
”قانون..... ہونہہ.....“ اُس نے طنز سے کہا۔ ”قانون کیا ہے؟ یہ بات آج تک میرا کرنا چاہتا تھا۔ گو، اپنے اوپر عائد شدہ پابندیوں کا احساس بھی تھا۔ لیکن بہر حال! میں سمجھ میں نہیں آتی۔ میرے خیال میں قانون صرف چند لوگوں کے تحفظ کا نام ہے۔ چند لوگوں ادارے کے مفادات کا پابند تھا۔ اُس کا غلام تو نہیں تھا۔ لڑکی نے میری اعانت کی تھی۔ اگر اس جیسے تمام لوگوں کے ہوتے ہیں۔“ اُس نے نفرت سے کہا۔

”یہ تمام لڑکیاں، این ہوپ سے تمہاری طرح ہی بیزار ہوں گی؟“
”صبر کر چکی ہیں سب میری طرح۔“
”تمہارا مصرف اس کے سوا کچھ نہیں ہے؟ میرا مطلب ہے، تم نے کہا تھا ناکہ وہ جس وقت چاہے، تمہیں طلب کر سکتا ہے۔“
”ہاں..... جب بھی اُس پر دیوانگی کا حملہ ہو جائے۔ میں کہہ چکی ہوں کہ وہ ایک کامیاب ترین لیکن ناکام انسان ہے۔“
”یہ دوسری بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔“

”اُس نے چند لڑکیوں کی زندگی چھینی ہے۔ قدرت نے اُس سے اُس کی خوشیاں چھین لی ہیں۔ جانتے ہو، وہ اپنی عیش گاہ میں کیا کرتا ہے؟ وہ لباس سے عاری لڑکیوں کو ہاں میں دوڑنے اور عجیب و غریب حرکات کرنے کا حکم دیتا ہے اور خود پھوٹ پھوٹ کر روتا رہتا ہے۔“
اپنے بدن کو نوج نوج کر لہو لہان کر لیتا ہے یا پھر بڑے بڑے سرکاری افسران کو مدعا کرنا

میرے ذہن میں کبھی کا سرد ہو گیا تھا۔ تم نے اسے نی زندگی بخش دی ہے۔ یہ خوش ہے
اوہ، سویا! تم عظیم ہو۔“
”ہاں، ہاں..... مجھے اپنی عظمت کا پورا پورا احساس ہے۔“ اس نے مسکراتے ہوئے
لیکن اس کی مکراہٹ میں بلا کی تխی تھی۔ میں ناشتہ کرتے کرتے رُک گیا۔ پھر میں رُک کی طرف دیکھا۔
”اوہ، سویا! تم عظیم ہو۔“
”ہمیں ماںوں گی، وعدہ..... ناشتہ کرو۔“ اس نے میرے لئے ٹوٹتے ہناتے ہوئے
”اس دنیا میں انسانوں کی سینکڑوں شکلیں موجود ہیں۔ بیشتر گناوںی ہیں۔ انہیں
کے بعد دنیا سے نفرت ہو جاتی ہے۔ لیکن بہر حال! چند لوگ تو ایسے ضرور ہوں گے جن
لاکھوں برا یوں کے ساتھ کم از کم ایک اچھائی ضرور ہو گی۔“

”ایک بات کہوں سویا! براتونہیں ماںوگی؟“
”میں اپنی دکالت کر رہا ہوں سویا! میں زندگی کی تلاش میں یہاں آیا تھا۔ تم نے
دل سے میری مدد کی۔ کیا میں اتنا ناپااس ہوں کہ اس بات کا احساس نہیں کروں گا؟“
”اوہ بریکیز! اس بات کو بھول جاؤ۔ اس کا اتنا احساس مت کرو۔ میں بے بس ہو
اپنے لئے کچھ نہیں کر سکی تو دسرے کے لئے کیا کروں گی؟“ اس نے اداسی سے کہا
”تم نے کبھی اس سے چھکارہ پانے کے بارے میں سوچا؟“
”درجنوں بار۔ اور پھر میں نے ہی نہیں سوچا، درجنوں نے سوچا۔ لیکن اس کے
شیطان کی زدح طول کر گئی ہے۔ وہ ہزار آنکھیں رکھتا ہے۔ چند غیور لڑکیوں نے اس
کرنے کی کوشش کی۔ لیکن جانتے ہو ان کا کیا حشر ہوا؟ ان کی تائگیں، گردن تک?
گنگیں اور انہیں سر عالم لٹکا دیا گیا۔“

”تم بھی اس سے اتنی ہی نفرت کرتی ہو گی۔ کیا تم نے اسے قتل کرنے کے بارے
سوچا؟“
”دوسروں کا حشر دیکھ کرتا ہب ہو گئی۔“ وہ مسکرا دی۔
”گویا تمہارے دل میں یہ خیال آیا تھا۔“
”اتنی بے حس تو نہیں ہوں میں۔ میری خواہش ہے کہ اپنے دانتوں سے اس کا

ادھیر ڈوں۔ کچا چبا جاؤں اُسے.....“ اس کی آنکھوں میں نفرت ابھر آئی۔
”ہوں.....“ میں نے کافی پیتے ہوئے کہا۔ ”ویسے تو تم اس وقت زیادہ خوف زدہ نہیں
ہو۔ کیا دن میں کوئی ادھر نہیں آتا؟“
”نہیں..... یہ بات نہیں ہے۔ اس پر جنون کی وقت بھی سوار ہو جاتا ہے۔ دن رات کی
کوئی حیثیت نہیں ہے۔ لیکن وہ صبح ہی صبح چلا جاتا ہے۔“
”کہاں؟“ ”میں نے چونک کر پوچھا۔

”غائبہ شہر۔ اکثر جاتا رہتا ہے۔“

”تھمیں کیسے معلوم ہے.....؟“

”میں نے اُسے جاتے ہوئے دیکھا ہے۔“

”اوہ..... کیا تم باہر گئی تھیں؟“

”نہیں..... اُسے یہاں سے بھی دیکھا جا سکتا ہے۔“

”کس جگہ سے.....؟“ میں نے بے اختیار پوچھا۔

”پکن کی کھڑکی سے۔ آوا! تھمیں دکھاؤں۔“ سویا نے کہا اور میں کافی کے بڑے بڑے
گھونٹ لینے کے بعد اٹھ گیا۔ تب میں نے پکن کی کھڑکی سے این ہوپ کے مکان کی طرف
دیکھا۔ بڑا دروازہ صاف نظر آ رہا تھا۔ ”یہی کا پھر سامنے ہی اُرتتا ہے اور پھر وہ اپنی مخصوص
چال سے اندر چلا جاتا ہے۔“

میرے بدن میں سرت کی لہریں اٹھ رہی تھیں۔ اتنی عمدہ جگہ مل جائے گی، میرے گمان
میں بھی نہیں تھا۔ درحقیقت! تقدیر یہ میرا پورا پورا ساتھ دے رہی تھی۔ یہاں سے تو میں اپنا کام
جنوبی کر سکتا تھا۔ میں دیر تک کھڑکی سے اُس جگہ کو دیکھتا رہا۔ ابھی میں نے سویا پر اپنے
ارادے کا اظہار مناسب نہیں سمجھا تھا۔ لڑکی تھی۔ ممکن ہے، برواشت نہ کر پاتی۔ پھر میں ایک
شہنشی سانس لے کر واپس پلٹ پڑا۔

”وہ شہر عموماً جاتا رہتا ہے؟“
”..... س.....“

”واپس کتے عرصے کے بعد آتا ہے؟“

”رات کو عموماً واپس آ جاتا ہے۔ یا پھر کوئی خاص ہی مسئلہ ہو تو شہر میں رُک جاتا ہے۔
ورنہ عموماً وہ رات، جزیرے پر ہی گرا رہتا ہے۔“

"اصول پرست انسان ہے؟"

"ہاں..... اپنے معمولات میں تبدیلی نہیں کرتا۔"

"کیا معمولات ہیں اُس کے؟"

"کوئی خاص نہیں۔ نہ جانے کیا کرتا رہتا ہے۔ لیکن صبح سات بجے اور شام کو سات بجے دروازے بند ہو چکے ہیں۔ نہیں۔ نہیں! مجھے اپنے ساتھ شامل مت کرو۔ ورنہ میری خوست یہاں چھل قدمی ضرور کرتا ہے۔ شاید ہی کبھی اُس کے معمولات میں فرق آیا ہو۔" کاسا یہ تمہیں بھی بر باد کر دے گا۔" وہ روتی رہی اور میں اپنی جگہ سے اٹھ کر اُس کے قریب پہنچ گیا۔ میرا ہاتھ اُس کے سر پر تھا اور وہ بچوں کی طرح بلکہ رہتی تھی۔ کافی دیر تک وہ روتی ایک بار پھر میرے ذہن میں سننا ہٹ ابھر آئی۔ یہ ایک اور عمدہ بات تھی۔ بہر حال میں پر سکون ہو گیا اور واپس کمرے میں آ گیا۔

"اُس کی غیر موجودگی میں تو کوئی ادھر نہیں آتا؟"

"کبھی نہیں۔ کم از کم شام کو اُس کے واپس آنے تک اس کا کوئی امکان نہیں ہے۔" ہر

نے جواب دیا اور پھر ایک کرسی پر بیٹھ کر مجھے دیکھنے لگی۔ تب میں نے اُسے بغور دیکھتے ہوں پوچھا۔

"سویا! اگر تمہیں کبھی یہاں سے نکل جانے کا موقع مل جائے تو کیا کرو گی؟"

میرے سوال پر وہ خاموش ہو گئی۔ اور پھر کافی دیر تک چپ رہنے کے بعد بولی۔ "پاپا نے خواب دیکھتی ہی۔ اب نہیں۔"

"تمہارے والدین، تمہیں بھولے تو نہ ہوں گے۔"

"معلوم نہیں۔ لیکن اب میں اُن کے ذہنوں میں ایک مرعوم یاد سے زیادہ نہ ہوں گی۔ اُس نے سکی سی لی اور پھر گردن جھٹک کر بولی۔" ایسے سوالات مت کرو ب瑞کیز! جو زنا رخی کر دیں۔ ہمیں ابھی بہت کچھ سوچنا ہے۔ کاش! وہ آج رات واپس نہ آئے۔ اُس کے چہرے سے چلے جانے کے بعد اُس کے غلام زیادہ چاق و چوبنڈ نہیں رہتے۔ ممکن ہے، تمہیں نکلنے کا مدد مل جائے۔"

"کیا تم میرے ساتھ نہیں چلو گی؟"

"میں.....؟" اُس نے عجیب حسرت بھرے لمحے میں کہا۔

"ہاں سویا..... اگر میں یہاں سے نکل کا تو تمہیں ضرور ساتھ لے جاؤ گا۔ اور پھر میں حرث ہی کیا ہے؟ زندگی کی جدوجہد، جہاں میں اپنے لئے کروں گا، وہاں تمہارے ملبوس، لیکن لوگ جس طرح اُس کی راہ میں بچھر رہے تھے، اس سے اُس کی حیثیت کا احساس ڈوں۔" میں نے کہا اور سویا کی آنکھیں ڈبڈا آئیں۔ اور پھر وہ دونوں ہاتھوں سے منہ ہو رہا تھا۔

کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"میں نہیں جا سکتی۔ مجھے یقین ہے، میں کبھی یہاں سے نہیں جا سکتی۔ میری تقدیر کے

"کوئی خاص نہیں۔ نہ جانے کیا کرتا رہتا ہے۔ لیکن صبح سات بجے اور شام کو سات بجے دروازے بند ہو چکے ہیں۔ نہیں۔ نہیں! مجھے اپنے ساتھ شامل مت کرو۔ ورنہ میری خوست یہاں چھل قدمی ضرور کرتا ہے۔ شاید ہی کبھی اُس کے معمولات میں فرق آیا ہو۔" ایک بار پھر میرے ذہن میں سننا ہٹ ابھر آئی۔ یہ ایک اور عمدہ بات تھی۔ بہر حال میں پر سکون ہو گیا اور واپس کمرے میں آ گیا۔

"اچھا، اچھا۔ ٹھیک ہے۔ چپ ہو جاؤ۔ خاموش ہو جاؤ! ورنہ میں بھی اُداس ہو

جاوں گا۔" وہ آہستہ آہستہ خاموش ہو گئی۔ چند منٹ ناک سے شو شوں کرتی رہی۔ پھر چونک کر بولی۔

"ارے..... کافی وقت ہو گیا۔ مجھے کھانا بھی تیار کرنا ہے۔"

"اپنا کھانا خود تیار کریں ہو؟"

"ہاں..... یہ سانس بہت سے بھگڑوں کا باعث ہوتے ہیں۔ لیکن آج میں دل سے کھانا پکاؤں گی۔ تمہاری آمد سے مجھے بہت خوشی ملی ہے۔ میں اس لحاظی خوشی کو زندگی کے آخری سانسوں تک نہیں بھلاوائیں گی بتاؤ! تم کھانے میں کیا پندرہ کرو گے؟ ہر قسم کی خوارک کے ڈبے موجود ہیں۔ بتاؤ....."

میں اُس کی ذہنی کیفیت کو بخوبی سمجھ رہا تھا اس لئے میں نے اُسے چند چیزوں بتائیں اور پھر خود بھی اُس کے ساتھ کچن میں چلا آیا۔ میں اُس کا ہاتھ بٹانے لگا۔ اُس کے چہرے سے سرست پھوٹ رہی تھی۔ میں اُس کے ساتھ کام بھی کر رہا تھا۔ وہ کئی پارکلکھلا کر بھی تھی۔ اس کے ساتھ ہی میرا اپنا کام بھی جاری تھا۔ میں کھڑکی سے باہر کا جائزہ بھی لے رہا تھا اور میں نے اُس بات کا احساس نہیں ہونے دیا تھا۔

دو پھر کا کھانا ہم نے کافی دیر سے کھایا۔ سویا، بار بار خیالات میں ڈوب جاتی تھی۔

"اپنے پندرہ ہو لوگوں کے ساتھ وقت گزارنا بھی کتنا حسین ہوتا ہے....." اُس نے کہا۔

رات کو بیلی کا پڑکی آواز سنائی دی اور ہم دونوں دوڑ کر کچن میں پہنچ گئے۔ یہاں سے

میں نے پیلا بار این ہوپ کو دیکھا۔ وہ دریمانے بدن کا مجھوں سا انسان تھا۔ قیمتی سوت میں بھی۔ میری ولی خواہش ہے کہ تمہیں اس کے چھپل سے آزاد کرا کے تمہیں اپنوں تک ڈبورہ ہاتھ سے منہ ہو رہا تھا۔

سویا میری آنکھوں کی خوف ناک چک نہیں دیکھ سکی۔ لیکن وہ پھر مر جھائی تھی۔ رات، ”تم بھیک کہتے ہو بریکیز!“ سویا نے بھی اُداس ہو کر کہا۔
دونوں نے پہلے کے سے انداز میں گزاری۔ وہ آج زیادہ بے بُکھ ف تھی۔ لیکن رات کے ”اس نے سویا! میں کچھ کرنا چاہتا ہوں۔“
جسے میں، میں نے اُس کے اندر عورت کی تحریک نہ پائی۔ خود میرے جذبات نے بھی کہا ”کیا.....؟“ وہ شاید میرے لمحے پر چونک پڑی۔
خاص طلب نہیں کی تھی۔ ہاں! تھوڑا سا عجیب ضرور لگا تھا۔ لیکن پھر مظلوم سویا کی خیزیر ”کوئی بھی ایسا کام جو فیصلہ کرن ہو۔“
میرے ذہن میں اُبھر آئی تھی۔ میں اُس کی خوبیوں کے خواب نہیں توڑ سکا تھا۔ کتنی بار میرے ”تمہارے ذہن میں کیا ہے بریکیز.....؟“
ذہن میں اپنے جرم سن ساختی کا خیال بھی آیا تھا۔ نہ جانے بے چارہ کس حال میں ہو گا۔ لگر ”میں اسے ممکن بناؤں گا سویا!“
میں تو ایک مخصوص وقت تک اُس کے لئے کچھ کر بھی نہیں سکتا تھا۔ ”نہیں بریکیز..... نہیں! یہ مشکل ہے۔۔۔ یہ ناممکن ہے۔“

اس رات بھی سویا کو نہیں طلب کیا گیا۔ البتہ میں علی الصبح اٹھ گیا۔ سویا کو میرے جاگا ”تم میرا ساتھ دو گی سویا!“

احساس بھی نہ ہوا۔ میں کچک میں آ گیا تھا۔ ابھی سوا چھ بجے تھے۔ پون گھنٹے تک انتظار کر ”میں تم پر زندگی نچھاوار کر سکتی ہوں بریکیز! لیکن میں میں کسی حادثے کا شکار پڑا۔ میری خواہش تھی کہ سویا نہ جاگے۔ ٹھیک سات بجے میں نے این ہوپ کو دیکھا۔ دن اسی ہونے دوں گی۔“

روشنی میں، میں نے اُس کا بخوبی جائزہ لیا۔ اس وقت بھی دو باڑی گارڈ اُس کے ساتھ تھے ”میرے بارے میں اگر تمہیں یہ معلوم ہو کہ میں کسی قدر اچھی ہوں، وہ نہیں ہوں جو اور ادب سے اُس کے پیچھے چل رہے تھے۔ این ہوپ جتنی دُور تک گیا، نظر آتا رہا۔ صورت نے تم سے کہا تھا تو تمہارے احساسات کیا ہوں گے.....؟“ میں نے ایک خطرناک حال میرے بلئے پوری طرح سازگار تھی۔ میرے پاس جو کچھ موجود تھا، وہ نہایت کارآمد قابل کیا۔

اور مجھے اپنی کامیابی کا لیقین تھا۔ ”میں نہیں بھی؟“ سویا نے اٹھ گئے انداز میں کہا۔

پھر اُس شام سات بجے بھی میں نے این ہوپ کی مشغولیات کا جائزہ لیا۔ اُس کے مکا ”میری شخصیت تمہیں تھوڑی سی اُبھی ہوئی نظر آئے گی سویا! یوں سمجھو، میرے بھی کچھ کے گرد زیادہ بھیڑ نہیں ہوتی تھی اور صرف دو آدی ہی اُس کے ساتھ ہوتے تھے۔ اس لارڈ میں جو بہر حال! میری تلاش میں ہوں گے۔ میرے دشمنوں نے میری زندگی لینے کی کے بعد وہ کہیں باہر بھی نہ گیا۔ بہر حال! جوں جوں وقت قریب آتا جا رہا تھا، میرے بھی کچھ نہیں بھی بریکیز!“ سویا نے کہا۔

اعصاب میں تناؤ پیدا ہوتا جا رہا تھا۔ بالآخر کام کا دن آپنچا۔۔۔ سویا حسب معمول خوش تھی۔ ”میں اب بھی کچھ نہیں بھی بریکیز!“ سویا نے کہا۔

لیکن اُس نے میرے اندر تبدیلی محسوس کر لی اور پوچھ بیٹھی۔ اس وقت ہم، شام کی چائے پہنچ جاؤں، تم مجھ سے کوئی سوال نہ کرنا۔ میں ہر قیمت پر این ہوپ کو قتل کرنا چاہتا ہوں۔“ ”اوہ.....! لیکن کس طرح؟“ ”ہاں سویا..... آج میں اُداس ہوں۔“

”تم خود سوچو سویا! جس طرح ہم وقت گزار رہے ہیں، اس میں کیا پائیداری ہے؟“ یہ شان سویا میرے ساتھ اندر چلیں۔“ میں نے کہا اور بھی خطرنکے میں ہوا ذریں میں بھی۔ اتفاق ہے کہ ابھی تک تمہیں طلب نہیں کیا گیا۔ لیکن کیا ہل لیا اور پہلی بار سویا نے یہ عجیب و غریب وٹ دیکھا جس میں پلاسٹک کا استر لگا ہوا تھا۔ وقت کوئی آسکتا ہے۔ کیا یہ سب کچھ پریشانی کے لئے کافی نہیں ہے؟ اگر مجھے تمہارے سارے اسٹر میں نہ جانے کیا کیا تھا۔ میں نے ایک پتی لیکن لمبی نال نکالی۔ کندوں کے دو زندگی گزارنے کی آزادی حاصل ہوئی تو تم جیسی دوست کے ساتھ پوری عمر بھی گرا رکیا ٹوٹے چھوٹے ٹپیں لکھ لے اور انہیں فٹ کرنے لگا چھوٹے چھوٹے ٹکڑے جو استر میں جگہ سکتی ہے۔“

جگہ لگے ہوئے تھے، ایک دوسرے سے بڑتے گئے۔ اور پھر ایک عجیب و غریب ساز بی رائلنڈ تیار ہو گئی۔ آخر میں، میں نے اُس میں سائینس کی نال فٹ کی اور پھر ہے؟“ کا رتوں نکال کر اُس کے چیمبر میں ڈالنے لگا۔ سویا، سکنتے کے عالم میں بیٹھی یہ سب کا کوشش کریں گے۔ میں سانس لیتا ہوا زندہ انسان ہوں سویا! اور کمزور بھی نہیں ہوں۔ ہم زندگی کی بھرپور رہی تھی۔

اپنے کام سے فارغ ہو کر میں مسکرا یا۔ ”یہاں سے کچھ لینا چاہتی ہو سویا؟“ میں چاہئے۔ زندگی رہے یا نہ رہے؟“ آہ..... تم ٹھیک کہتے ہو بریکیز! مجھے ایسے ہی کسی سہارے کی ضرورت تھی۔ ہاں..... ٹھیک ہی تو ہے۔ پھر یہ کوشش کیوں نہ کی جائے؟ اُب میں تنہا تو نہیں ہوں۔“ پوچھا۔

”میں..... میں سمجھی نہیں۔“ وہ تھیرانہ انداز میں بولی۔ ”ہم دونوں زندگی اور موت کے ساتھی ہیں سویا! یہاں سے جائیں گے تو ساتھ ہی جائیں۔“ ٹھیک ساڑھے سات بجے ہم یہاں سے نکل جائیں گے۔“ میں نے اپنی پتلہ گے۔ لاو..... ہاتھ ملا کر عہد کرو۔“ میں نے ہاتھ آگے بڑھا دیا اور سویا کے ہونٹوں پر پھیکی سی اندر وہی حصے سے ایک شاندار آٹو میک رویا لور نکالتے ہوئے کہا۔ سویا کی آواز ہی نہ مسکرا ہٹ آگئی۔ اُس نے اپنا ہاتھ، میرے ہاتھ میں دے دیا تھا۔

”اے استعمال کر سکتی ہو.....؟“ میں نے پوچھا۔

ٹھیک سات بجے این ہوپ، دروازے سے نمودار ہوا۔ میں نے سویا کو خود سے الگ کر دیا تھا اور اُب میری پوری توجہ اپنے نشانے پر تھی۔ میرے اندر کا مضبوط انسان مطمئن تھا اور ”خیر..... کوئی بات نہیں ہے۔“ میں نے کوٹ پہن کر رویا لور جیب میں ڈالتے ہو۔ میری آنکھوں میں فطری درندگی اُبھر آئی تھی۔ میں خونخوار نگاہوں سے این ہوپ کو دیکھ رہا تھا اور پھر جوتے پہننے لگا۔ ”سویا! اس قدر تھیرنہ ہو۔ میں نے تم سے کہا تھا تاکہ میری تھوڑی سی بدلت جائے گی۔ لیکن میں تمہارا دوست ہوں اور تمہیں یہاں سے نکال لے جا رہی تھی۔ اور پھر میں نے لبیں دبادی..... ہلکی سی آواز ہوئی اور این ہوپ کی فٹ اچھل گا۔ تم میرے اور کوئی شک نہ کرنا سویا! خود پر بھروسہ رکھو۔“

سویا نے اُب بھی کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ پھر میں نے خود ہی اُسے تیار کر لیا۔ یہاں کر چاروں طرف دیکھنے لگے تھے۔ لیکن اُب وہ بھی اُس سے چند گزر کے فاصلے پر زمین پر تڑپ رہے تھے۔ یہ منظر، سویا نے بھی دیکھ لیا تھا۔ دوسرے لمحے اُس نے اچھل کر میری گردن میں لے آیا۔ اُب شاید سویا، میری کچن سے دیپسی کا مقصد بھی سمجھ گئی ہوگا۔ نے رائلنڈ، کھڑکی میں فٹ کر لی اور گھری دیکھنے لگا۔ سویا بے جان ہی ہو رہی تھی۔

”مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے سویا! اگر تم اتنی بد حال ہو گئیں تو مجھے میرے دشواری ہو گی۔“ میں نے اُسے خود سے لپٹاتے ہوئے کہا۔

”سویا.....! حواس پر قابو رکھو۔ اس وقت یہ نہایت ضروری ہے۔“ میں نے کہا اور پھر میں نے اپنی رائلنڈ پچن میں چھپا دی۔ اُب مجھے اس کی ضرورت نہیں تھی۔ پھر میں سویا کا ہاتھ بکڑے ہوئے دروازے تک آ گیا۔ سویا سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ میں اس طرح باہر آنے کی جرات کروں گا۔ لیکن میرا ذہن اس وقت پوری طرح تابو میں تھا۔ کوئی انتشار نہیں تھا۔ میں اُسے لئے ہوئے ایک طرف چل پڑا۔ اکاڈمکا لوگ نظر آ رہے تھے۔ ابھی تک کسی ”بریکیز! بریکیز! میں..... میں.....“ کیا تمہیں میرے اور پر بھروسہ نہیں رہا؟“ ”یہ بات نہیں ہے بریکیز!“ ”پھر کیا بات ہے سویا؟“ ”مجھے اپنی تقدیر پر بھروسہ نہیں رہا۔ کیا میں واقعی یہاں سے نکل سکوں گی؟ کیا؟“

کی نگاہ این ہو پر نہیں پڑی تھی۔ باڑی گارڈز کو قتل کر کے میں نے عقائدی کی تھی۔“

آب تک ہنگامہ ہو گیا ہوتا۔ سویا بھی میرا ساتھ دے رہی تھی۔ اُس کے ہاتھ کی گرفت میں اُس کی ذہنی کیفیت کا اندازہ لگا رہا تھا۔ لیکن بہرحال! میں نے اپنی چال پر قابو پایا۔

بہرحال! اتنا کمزور بھی نہیں ہوں۔“ وہ مسکرا دیا۔

”انتظار کر رہے ہو گے.....“

”پاگل پن کی حد تک..... ماں یا نہ ماں، یہ وقت نہایت سخت گز را ہے۔ انسانی ذہن، نہ جانے کیا ہے؟“

”مجھے یقین ہے.....“ میں نے کہا اور پھر ایک گھری سانس لے کر گھری دیکھنے لگا۔ وقت کی رفتار بے حد سنتھی۔ بہت ہی آہستہ آہستہ گزر رہا تھا۔ گھری کی سویا میں جیسے رُک گئی تھیں۔ مجھے اندیشہ تھا کہ بڑے پیمانے پر قاتل کی تلاش شروع ہو جائے گی۔ فوری طور پر لوگوں کا ذہن اس طرف منتقل نہیں ہوا۔ لیکن ممکن ہے، کچھ لوگ ادھر تکل ہی آئیں۔ بس.....

اُب آخری کام رہ گیا تھا۔

ٹھیک ساڑھے آٹھ بجے میں نے اپنے سامان سے مخصوص فریکوننسی کا ٹرانسمیٹر نکال لیا اور پھر ایک تارچ لے کر باہر تکل آیا۔ سویا، سب کچھ خاموشی سے دیکھ رہی تھی۔ اُس کی آواز بلند تھی۔ میں نے جرس زبان میں اپنے ساتھی سے کہا کہ وہ لڑکی سے گفتگو نہ کرے اور باہر تکل گیا۔ میری نگاہیں، آسمان میں کچھ تلاش کر رہی تھیں۔

پھر سمندر پر بہت دور ایک وصہبہ نظر آیا۔ اور اس کے ساتھ ہی میرے ٹرانسمیٹر پر اشارہ موصول ہوا۔ میں نے جلدی سے ٹرانسمیٹر آن کر دیا۔ ”ہیلو..... ہیلو..... ہیلو..... راؤٹڈ ونگ..... ہیلو.....“ میں خود ہی بولا۔

”میں..... پوزشن؟“ ”جواب ملا۔

”بالکل ٹھیک..... لیکن جلدی کرو..... بہت جلد پہنچ جاؤ۔“

”کیا آپ تیار ہیں؟“

”ہاں.....!“

”براء کرم! سکلن نمبر ایک دیں۔“ ہیلی کا پھر پائیک نے کہا اور میں نے تارچ کا ایک نمبر کا بٹن دیا۔ سبز رنگ کی گاڑھی روشنی کی ایک لکیر آسمان کی طرف بلند ہو گئی اور تین بار سکلن دینے کے بعد میں نے بٹن آف کر دیا۔ بے آواز ہیلی کا پھر، پہاڑی پر پہنچ گیا۔ میں نے اس کے لئے جگہ کا اختیاب کر لیا تھا۔ وہاں پہنچ کر میں نے سکلن نمبر دو دیا اور پھر تین..... ہیلی کا پھر

کی نگاہ این ہو پر نہیں پڑی تھی۔ باڑی گارڈز کو قتل کر کے میں نے عقائدی کی تھی۔“

اور پھر ہم نے عقب میں شور سننا۔ ہم خاصی ڈور نکل آئے تھے۔ سویا کے علق سے غیر آواز نکلی۔ ”پتہ..... پتہ چل گیا! آہ..... پتہ.....“

”کوئی بات نہیں ہے سویا! تم بے فکر ہو۔“ میں نے سکون سے کہا۔ پس قبول ہاتھ میں رلیا اور رفتار تیز کر دی۔ دفعہ سامنے سے دو آدمی دوڑتے نظر آئے۔ وہ ہماری طرف ہاڑھ رہے تھے۔ میں نے بھی سویا کو گھسیٹ کر انہی کی جانب دوڑنا شروع کر دیا۔

”کیا ہوا..... کیا ہوا..... یہ کیا شور ہے؟“ انہوں نے بے اختیار پوچھا۔

”باس کو..... باس کو کسی نے گولی مار دی۔“ میں نے سر ایسہ لمحہ میں کہا۔

”ارے.....“ وہ دونوں بیک وقت بولے اور تیزی سے اس طرف دوڑنے لگے ہیں۔ سے شور کی آوازیں آرہی تھیں۔ کامیاب کوشش تھی۔ میں نے راستے میں دونوں کو اور اڑا دی اور کافی ڈور نکل آیا۔ سویا کی کیفیت اب اس قدر خراب نہیں تھی۔ البتہ دوڑتے رہنے والے ہے ہانپہنچ لگی تھی۔

بالآخر ہم پہاڑیوں تک پہنچ گئے اور میں تاریکی میں آنکھیں چھاڑ چھاڑ کر اُس نشان کو لا کرنے لگا جو میں نے غار کے سامنے بنایا تھا۔ خاصی مشکل پیش آئی تھی۔ لیکن بالآخر میں اُسے تلاش کر ہی لیا۔ اور پھر میں سویا کا ہاتھ پکڑ کر غار کی طرف دوڑنے لگا۔ پھر ہم را غار میں داخل ہو گئے۔ میں نے بے اختیار چاروں طرف ٹکا ہیں دوڑائی تھیں۔ غار کے ہمراہ کونے میں مجھے میرا ساتھی نظر آگیا۔ اُس نے پس قبول کا رخ ہم دونوں کی طرف کیا ہوا تھا ”اوہ..... میں ہوں دوست! کامیابی کی خوشخبری، مبارکباد.....“ میں نے کہا اور ساتھی آگے بڑھ آیا۔ اُس نے جیرت سے سویا کو دیکھا تھا۔

”یہ..... یہ کون ہے؟“ ”میری دوست..... میری ہمدرد۔ جس کی مدد سے میں نے مشکلات پر قابو پایا؟“ میں نے جواب دیا اور میرا ساتھی خاموش ہو گیا۔ اُس کے بعد اُس نے کوئی سوال ہی نہیں کیا اور میں نے سویا سے بیٹھنے کے لئے کہا۔ سویا کی ذہنی حالت درست نہیں تھی۔ ”تمہارا

”تم..... تم میری کیفیت کا اندازہ نہیں لگ سکتے بریکیز! میں نے اتنا طویل عرصہ ان لوگوں میں گزارا ہے کہ کہ تجھے اپنی آزادی پر یقین نہیں ہے۔“
”تمہیں یقین کر لینا چاہئے سویا.....!“

”لیکن بریکیز! تم کون ہو..... درحقیقت تم کون ہو؟“

”ایک بات جو میں نے تمہیں بتائی تھی سویا، وہ بالکل درست تھی۔ ایک اچھا انسان، جو بڑے راستوں پر لا یا گیا۔ جزیرے پر بھی میں اس طرح پہنچا۔ بعد میں مجھے معلوما ہوا کہ اس ہوپ میرا دشمن ہے۔ وہی شخص، جس نے میرے ساتھ یہ سلوک کیا تھا۔ اور میں نے اس سے انتقام لینے کا فیصلہ کیا۔ وہاں جزیرے پر بھی میں اتنا بے بس نہیں تھا۔ میں نے اپنے ساتھیوں سے رابطہ قائم کیا اور بالآخر اس ہوپ کو کیفر کردار تک پہنچا دیا۔ لیکن سویا! تم یہ اعتراض تو کرو گی کہ تمہارے اچھے سلوک کے جواب میں، میں نے تمہارے ساتھ برا سلوک نہیں کیا۔“

”یہ بات کیوں پوچھ رہے ہیں بریکیز؟“

”اس لئے کہ میں تم سے کچھ اور چاہتا ہوں۔“

”کیا..... کہو؟“

”سویا! این ہوپ کو قتل کرنے کے بعد کام ختم نہیں ہو جاتا۔ اس کے ساتھی میری پوسٹنگ لیں گے اور مجھے ان سے پچنا پڑے گا۔ ابھی میری زندگی کی طویل مہم باقی ہے۔ چنانچہ اپنے ایک دوست کے ساتھ میں تمہیں آج ہی رات تمہارے سفارت خانے بھجو دوں گا۔ تم دوسروں کو میرے بارے میں صرف اتنا بتاؤ گی کہ میں ایک پراسرار شخص تھا۔ اس سے زیادہ تم کچھ نہیں جانتیں۔ میں تمہیں ایک دوست کے پاس لے جا رہا ہوں۔ اس کے بارے میں بھی تم یہ کہو گی کہ جب تمہیں یہاں چھوڑا گیا تو پہلا شخص وہی ملا تھا اور تمہاری کہانی سن کر سیدھا تمہیں، تمہارے سفارت خانے لے گیا۔“

”تو..... تو اس کے بعد تم مجھ سے جدا ہو جاؤ گے؟“

”ہاں سویا..... لیکن ہم ابھے دوستوں کی طرح ایک دوسرے کو اپنے دلوں میں زندہ رکھیں گے۔“ میں نے جواب دیا اور سویا کی آنکھوں سے آنسو بننے لگے۔ پھر وہ رندھی ہوئی آواز میں بولی۔

”میری تقدیر میں ایسے ہی حادثات لکھے ہوئے ہیں۔ میں یہ کیوں سوچ رہی تھی کہ

نیچے اتر آیا تھا۔ تب میں واپس غار میں گیا اور اپنے ساتھی کو سہارا دے کر باہر لے آیا۔ ہر نے میرا بازو تھام رکھا تھا۔ پائلٹ، لڑکی کو دیکھ کر کسی قدر اچھا گیا تھا۔ لیکن میں نے فرش زبان میں اس سے کہا کہ وہ پر سکون رہے۔ ایسی ہی صورت حال ہے۔
”لیکن آپ لوگوں کو کہاں اُتارا جائے گا؟“ پائلٹ نے پوچھا۔

”اپاٹ پر..... میں گفتگو کر لوں گا۔“ تب ہم ہیلی کا پٹر پر سوار ہو گئے۔ اور پھر اسی وقت تقریباً بارہ بجے مجھے باسز کے سامنے پیش ہونا پڑا۔ روپرٹ دینی تھی۔ میں نے بلا کم دو کاس پوری روپرٹ دے دی اور چند ساعت کے لئے خاموشی چھا گئی۔ پھر وہ آپ میں گفتگو کرنے لگے۔ اور پھر بارہ نمبر پانچ کی آواز اُبھری۔

”لیکن ہے مشرڈن.....! آپ کی کار کرکو گی کو عملہ تسلیم کیا گیا ہے۔ لڑکی آپ وہاں سے نکال لائے ہیں، اس بات کو برائیں تسلیم کیا گیا۔ لیکن اب آپ کو ایک کام اور کرنا ہے۔“

”جی فرمائیے.....“ میں نے خوش ہو کر کہا۔

”آپ، اپنے دوست کلارک کے ساتھ رہتے ہیں؟“

”جی ہاں.....“

”لڑکی کو آپ اس نکے لئے تیار کر سکتے ہیں کہ وہ آپ کی مرضی کے مطابق عمل کرے؟“
”میرا خیال ہے جناب اودہ عمل کرے گی۔“

”اور آپ کا دوست کلارک، آپ سے تعاون کرے گا؟“

”ہاں..... مجھے یقین ہے۔“

”تب لڑکی سے کہو کہ وہ تمہارے بارے میں دوسروں کو صرف اتنا بتائے کہ تم ایک جواری تھے اور تم نے اس کی مدد کے احسان کے طور پر اسے بھی وہاں سے نکال لیا۔“
تمہارے بارے میں اور کچھ نہیں جانتی۔ تم نے اسے چھوڑ دیا تھا اور وہ خود کلارک کے ہاتھ لگ گئی۔ کلارک کو چاہئے کہ اسے آج ہی رات برمی سفارت خانے پہنچا دے۔“

”بہت بہتر..... میں حکم کی تعلیم کروں گا۔“ میں نے جواب دیا اور مجھے شاندار کار کرکو کی مبارکباد دے کر رخصت کر دیا گیا۔
سویا کو لے کر میں کلارک کے مکان کی طرف چل پڑا۔ کار میں سویا خاموش تھی۔ اس کی کیفیت عجیب تھی۔ میں نے اسے مخاطب کیا اور وہ چونک پڑی۔

”تم خوش نہیں ہو سویا؟“ میں نے کہا۔

ساری خوشیاں بیک وقت مجھے مل جائیں گی۔ میں، تم سے جدا ہو کر خوش نہیں رہوں گی بربکہ
اگر ہو سکے تو مجھے تلاش کر کے مجھ سے ضرور ملننا۔ ”سویا نے کہا۔

”میں کوشش کروں گا سویا! لیکن ان حالات سے نمٹنے کے بعد۔“

”میں انتظار کروں گی۔“ سویا نے جواب دیا اور خاموش ہو گئی۔

”کلارک، میرا دوست، ہر وقت خلوص دل سے میرا استقبال کرنے کے لئے تیار ہی
تھا۔ خواہ کوئی بھی وقت ہو۔ دونوں میاں بیوی سکون کی نیند سور ہے تھے لیکن میرے پیچے
دونوں جاگ گئے۔ میں نے سویا کو ڈرائیکٹ روم میں بٹھا دیا تھا اور اس وقت تک اُن دونوں
کو اُس کے سامنے نہیں لایا جب تک انہیں تفصیل نہ سمجھادی۔ لیکن اتنی تفصیل جتنا ممکن تھا۔

”لیکن وہ ہے کون..... کیا تمہاری محبوبہ؟“ ماریا نے پوچھا۔
”نہیں مز کلارک! میرا خیال ہے، میں کسی کو اس نام سے نہیں پکار سکوں گا۔ آئیے!“

ڈرائیکٹ روم میں لا کر میں نے اُن لوگوں کا تعارف کرایا۔ ماریا نے سویا کی خاطر مدارت کی
تھی۔ کلارک بے چارہ فوراً میری ہدایت پر عمل کرنے کے لئے تیار ہو گیا اور پھر وہ سویا
لے کر رخصت ہو گیا۔ سویا نے آخری بار میرے رخسار کا بوسہ لیا تھا۔ اُن دونوں کے پڑ
جانے کے بعد ماریا نے مسکرا کر میری طرف دیکھا۔

”تو وہ تمہاری محبوبہ نہیں تھی؟“

”نہیں ماریا..... یقین کرو۔“

”لیکن تم اُس کے محبوب ضرور تھے۔“

”کیا مطلب.....؟“

”عورت کا درد، عورت ہی جان سکتی ہے۔“ ماریا نے کہا۔

”میری زندگی، بازو دکا ڈھیر ہے ماریا! میں ان نزاکتوں میں نہیں الجھ سکتا۔“ میں نے
ایک آرام کر کی پر دراز ہو کر کہا۔

”تمہاری دوست، تمہاری ہمدرد ہونے کی حیثیت سے ایک مشورہ ضرور ڈوں گی۔“

”ضرور ڈو.....!“

”کیا تم کلارک کی زندگی کو پسند نہیں کرتے؟“

”بے حد پسند کرتا ہوں۔“

”میرے خیال میں وہ اپنی زندگی کا، کامیاب ترین انسان ہے۔ یقین کرو! ہم نہایت!“

سکون زندگی گزار رہے ہیں۔ زندگی میں جدو جہد بے شک زندگی کی نمائندگی کرتی ہے۔ لیکن
ہر جدو جہد کی ایک منزل ضرور ہوتی ہے۔ خود کو گم کردہ منزل رکھو گے تو کبھی سکون نہ حاصل ہو
گا۔ بے شک جدو جہد کرو۔ لیکن منزل کو نگاہ میں ضرور رکھنا۔ زندگی کے ہر مسافر کی کوئی نہ
کوئی منزل ضرور ہوتی ہے۔ منزل پر جا کر سکون کے وہ سائز مہیا ہوتے ہیں جنہیں جدو جہد
کا حاصل کہا جاسکتا ہے۔“

”ہاں ماریا.....! تمہارا خیال درست ہے۔“

”اپنے تصورات کی بلندیاں پا لو تو منزل ضرور تلاش کرنا۔“

”یقیناً کروں گا۔ لیکن اگر تم جیسی کوئی لڑکی زندگی میں آئی تو۔“

”مجھے یقین ہے، تم محروم نہ رہو گے۔“ ماریا نے کہا اور میں ہنسنے لگا۔

سویا کی کہانی ختم ہو گئی تھی۔ کلارک نے اُس کے سفارت خانے کے حوالے کر دیا
تھا اور اس کے بعد اس سلسلہ میں ایسی کوئی بات نہ اٹھی۔ ہاں! انگلینڈ کے اخبارات میں ایں
ہوپ کے بارے میں بے شمار خبریں آتی رہی تھیں۔ تمام ممالک کی اغوا شدہ لڑکیاں برآمد
ہو گئی تھیں اور حکومت برطانیہ اپنی لا پرواہی کے سلسلے میں خاصی بدنام ہوئی تھی۔ لیکن ان
ساری باتوں سے نہ تو مجھے سروکار تھا اور نہ سیکرٹ پیلس کے منتظمین کو۔ وہ تو اپنا کام کر کے
خاموش ہو گئے تھے۔

بالآخر میری تربیت کے تین سال مکمل ہو گئے۔ سیکرٹ پیلس کی طرف سے مجھے تربیت
مکمل ہونے کی مبارکبادی گئی اور اس کے ساتھ ہی آخری ہدایات بھی..... جن میں کہا گیا
تھا کہ ادارہ میری طرف سے مطمئن ہے۔ لیکن اس کے باوجود مجھے ہمیشہ خیال رکھنا چاہئے کہ
کسی طور اس ادارے کے بارے میں میری زبان سے ایک لفظ نہ لٹک۔ اس کے ساتھ ہی
مجھے پیش کی گئی کہ اگر میں چاہوں تو کسی بھی ملک میں مجھے کوئی عمدہ حیثیت دلائی جاسکتی
ہے۔ لیکن میں نے کہا کہ میں اپنے طور پر زندگی گزاروں گا۔

میرے دوست کلارک اور ماریا نے میرا کورس مکمل ہو جانے کا جشن منایا تھا جس میں ہم
تینوں کے سوا اور کوئی شرکیں نہیں تھاں۔

”آب تمہارے کیا ارادے ہیں ڈن؟“ کلارک نے پوچھا۔

”میں اس پاردو یا گلی کی حدود میں داخل ہو گیا ہوں۔“ میں نے جواب دیا۔

”کیا مطلب؟“

"میں جلد ہی اپنے طکن واپس جاؤں گا اور پہلی واردات میں فن لینڈ میں ہی کروں گو۔
اوہ..... وہ واردات کیا ہوگی؟"

"نبیس کہہ سکتا کلارک! لیکن میری خواہش ہے کہ میں، کیم فینلی کا وقار بحال کر دوں
اُن لوگوں کو اُن کے مقام پر واپس لے آؤں۔ خود اُب میں ان لوگوں سے کوئی رابطہ
رکھوں گا۔ اپنی دنیا، میں الگ بنانے کا تھیس کر چکا ہوں۔"

ذہن میں ابھی تک کوئی خاص خیال نہیں تھا۔ بس خیالات، گولوں کی مانند اٹھ رہے
تھے۔ سب کی شکلیں مختلف تھیں، انداز ایک تھا۔ فن لینڈ جانے کی خواہش اب میٹھے میٹھے درد
کی ایک لہر کی مانند دل میں اٹھتی اور بدن میں دیر تک اٹھتی۔ میں سوچتا، فن لینڈ
یونہی خالی ہاتھ ہلاتے چلے جانا ساری جدو جہد کی تو ہیں تھی۔ طویل کاوشوں کا مذاق تھا۔ جہاں
سے کچھ بخوبی کا تصور لے کر نکلا تھا اور اپنی کوششوں میں کامیاب رہا تھا، وہاں پہلے جیسے ڈن
کی حیثیت سے چلنے جانا کہاں کی داشتمانی تھی؟
لیکن فیصلوں کے لئے ماحول کی تبدیلی درکار تھی اور ماحول بدلنے کے لئے لندن چھوڑا
تھا۔ فرانس کی جانب جانے کی خواہش میں کسی فیملے کا داخل نہیں تھا۔ کیونکہ فیصلوں کی تلاش
ہی تو اب آئندہ زندگی کا مقصد تھی۔ بس! پہلا نام فرانس ہی کا ذہن میں آیا تھا اور یہ سب
سے قریب، سب سے آسان تھا۔ اس لئے پیرس کا رخ کیا۔ اور سفر کے لئے تھوی سی جدت
کی تھی۔ دوسری یہ شیش پر جیسے جانے والی گاڑی تیار کھڑی تھی۔ میں نے نلکت خرید لیا اور ٹرین
میں سوار ہو گیا۔ گارڈ نے میرا نلکت چیک کیا تھا۔

"یہ گاڑی ڈور کی بندراگاہ کس وقت پہنچے گی؟" میں نے یونہی گارڈ سے پوچھا۔

"ٹھیک ڈیڑھ بجے جتاب.....!" اُس نے جواب دیا اور میں نے گہری سانس لے کر
گردن ہلا دی۔ گارڈ میرا نلکت واپس کر کے چلا گیا تھا۔

پورے کپارٹمنٹ میں میرے علاوہ صرف تین افراد تھے۔ میں نے گہری نگاہ سے ان
میں سے کسی کو نہ دیکھا۔ انگلینڈ کے لوگ ضرورت سے زیادہ با اخلاق ہوتے ہیں۔ بس! ایک
نگاہ ڈال کر دیپسی کا انہصار کرو، پوری زندگی کا شجرہ معلوم کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔
اور پھر خاص طور سے ایسے ماحول میں جبکہ انہیں چند گھنٹے ساتھ گزارنے ہوں۔

چنانچہ ان لوگوں سے محفوظ رہنے کا بہترین طریقہ یہ تھا کہ چہرے پر ازالی نحوس طاری
کر لی جائے۔ اگر کوئی گفتگو کرنے کی کوشش کرے تو ایسے نشک لبجے میں جواب دیا جائے اور

"تو تم یہاں سے چلے جاؤ گے؟" کلارک نے افسر دگی سے کہا۔
"ہاں کلارک..... تمہاری دعاوں اور اجازت کا خواہشمند ہوں۔ میں تمہیں ہمیشہ
رکھوں گا۔" کلارک اور ماریا افسر دہ ہو گئے تھے۔ لیکن بہر حال! یہ میرے مستقبل کا ملک
تھا۔ وہ اس کی راہ میں نہیں آنا چاہتے تھے۔ میں نے کلارک کو اپنے ارادے سے آگاہ کر
تھا۔ اُب یہ ضروری نہیں تھا کہ میں باقاعدہ اُس سے رخصت ہوتا۔ چند روز وہاں روکر
نے کچھ ضروری انتظامات کے اور ایک رات خاموشی سے انگلینڈ چھوڑ دیا۔

☆.....☆.....☆

ایسا شیرہ سا جواب دیا جائے کہ اُسے دوبارہ کچھ پوچھنے کی جرأت نہ ہو۔ اور میں نے اپنا ساتھی وہ جھوک میں ایک طرف لڑکنے لگا لیکن لڑکی نے اُسے خام لیا تھا۔ وہ غیر معمولی کیا تھا۔ میں نے ان لوگوں کی طرف نگاہ بھر کر دیکھا بھی نہیں تھا اور ان کے حلیوں، تدرست نظر آتی تھی ورنہ اتنے وزنی آدمی کو سنبلہ لانا خاصا مشکل کام تھا۔ ناواقف تھا۔ ریلوے شیشن سے میں نے ایک رسالہ خرید لیا تھا اور گاڑی میں اپنی آرام، «میر گران! پلیز..... بیٹھ جائیے.....» وہ تقریباً اُسے گھشتی ہوئی سیٹ سیٹ پر بیٹھتے ہی میں نے رسالہ کھوول کر چہرے کے سامنے کر لیا تھا۔ حالانکہ دل ایک تک لائی اور پھر اُس کے شانوں پر دباؤ ڈال کر اُسے بٹھالیا۔ پڑھنے کو نہیں چاہ رہا تھا لیکن تھوڑی سی بد اخلاقی ضروری تھی۔

گاڑی رومنہ ہونے میں صرف تین منٹ تھے جب اُس کپارٹمنٹ میں دو اور مسافر ہو۔ «ابھی تھوڑی دیر بعد ہنگامہ برپا ہو گا۔ اس وقت آپ خوش ہو جائیں گے۔» لڑکی نے اضافہ ہوا۔ دوسرے لوگوں کو تو میں نے نگاہ اٹھا کر دیکھا بھی نہیں تھا۔ لیکن نئے آنے والے کہا۔

کچھ ایسے ہنگامہ خیز تھے کہ نگاہ خود بخود ان کی طرف اٹھ گئی تھی۔

”یہ آپ نے درست کہا ہے خاتون! اگر ان صاحب نے اسی ہی فضول با تیں جاری تقریباً سانچھ سال کی عمر کا ایک سرخ و سفید بوڑھا تھا۔ جس نے اپنائی نفس سوت، رکھیں تو یہاں ضرور ہنگامہ ہو گا۔ ممکن ہے، میں انہیں اٹھا کر چلتی ٹرین سے باہر پھینک دوں۔ ہوا تھا۔ چہرے پر بھوری واڑی ترتیب سے بجے ہوئے تھے۔ جسم ہوا، کیا یہ نئے میں ہیں؟ پہلے سے کپارٹمنٹ میں موجود ایک شخص نے بھاری آواز میں کہا اور لیکن اُسے سہارا دینے والا جاذب نگاہ تھا۔ سیاہ لبے کوٹ اور بھوری چڑھے کی پتلون، لڑکی نے چوک کر اُسے دیکھا۔ میری نگاہیں بھی اُس طرف اٹھ گئی تھیں۔ چوڑے شانوں اور ملبوس اپنائی پر کش خدو خال کی ماں کی لڑکی، جس کے بال گھرے سیاہ تھے، اُسے سنبھا۔ چوڑے جزوں والا ایک دراز قد نوجوان تھا جو ان تھا جو اپنی جگہ سے لکھا ہو گیا تھا۔

”اوہ، جناب..... میں معاف چاہتی ہوں۔ یہ سب اتفاقی ہے۔ میر گران کا پہلے سے ہوئے تھی۔

”اُس نے کپارٹمنٹ میں قدم رکھا اور بڑی بے ذہنی آواز میں بولا۔ ”ہائے سویتا! تم کا سفر کا ارادہ نہیں تھا۔ وہ پیتے رہے۔ اور پھر ہم نے اچانک سفر شروع کر دیا۔ لیکن آپ بے فکر کوں سے قبرستان میں لے آئی ہو..... آہ! یہاں تو موت کا سناٹا ہے۔ میوزیشن..... میوزیشن رہیں۔ میں انہیں سلانے کی کوشش کروں گی۔“ لڑکی نے عاجزی سے کہا۔

”یہی مناسب ہے۔ اگر آپ اس میں ناکام رہیں تو مجھے بتا دیں۔ میں انہیں ہمیشہ کے آنے..... آنے والے ہیں جناب!“ لڑکی نے گھبراۓ ہوئے انداز میں کہا

”لئے سلاڈوں گا۔“ نوجوان نے کہا اور اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔ لڑکی خشک ہونٹوں پر زبان پھیر رہی تھی لئے لور میر گران! اب آٹو کی طرح چوک کر آئکھیں پھاڑ رہے تھے۔ بدھواس نگاہوں سے چاروں طرف دیکھنے لگی۔

”ابھی تک کیوں نہیں آئے؟ تمہیں معلوم ہے، میوزک کے بغیر میں خود کو نپولین کو ہوں۔ اب میں کیا کروں، ٹوٹسٹ؟ خیر.....“ اُس نے دونوں ہاتھ اٹھا کر پیروں کی دیتے ہوئے تھر کنا شروع کر دیا۔ موٹا جسم تھاتھلا رہا تھا اور وہ بری طرح لڑکھڑا رہا تھا۔ اب گرا۔

”سویتا ڈارلگ! شش..... شاید کوئی زیر زمین تجربہ ہوا ہے۔ دیکھو! زمین میں مل رہی ہے۔ آہ..... میری ڈریلا کہاں ہے؟ وہ خوف سے مر جائے گی؟ آہ..... زمین کو روکو..... زمین کو روکو..... زمین کو روکو.....“ وہ خلا میں ہاتھ مارنے لگا۔

”میری ماں لڑکی، میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں۔“ نوجوان دانت پیتا ہوا بولا۔

”لگک..... کیسی مدد جناب؟“ لڑکی زوس نظر آرہی تھی۔

”انتظار..... آہ! انتظار..... جو لانی کسی کا انتظار نہیں کرتی۔ آتی ہے، جاتی ہے۔ یوں..... یوں..... یوں.....“ اُس نے چکلی بجائے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ اُس

”اگر تمہارا ساتھی جا گتا رہا تو ہماری نیند حرام ہو جائے گی۔ اور ہم اپنا سفر بے آرا کرنا چاہتے۔ میرا ایک گھونسا نبیس گھری نیند سلا دے گا۔“ نوجوان نے کہا۔ لیکن نوجوان ”ہا کا“ کے پر بیچ فن سے واقف نہیں تھا۔ اُس نے انگلیاں اکڑا کر ہاتھ ”اوہ، جتاب براہ کرم! ناراض نہ ہوں۔ مجھے دھمکیاں نہ دیں۔ اتفاق سے گھمایا۔ لیکن اس سے پہلے میں نے اپنا ہاتھ اُس کے کان کے عقب والی رُگ پر بھادیا اور حالات پیدا ہو گئے ہیں۔ میں آپ سے شرمند ہوں۔ یوں بھی مسٹر گران ایک مزراز اسلام نے کے لئے اس سے بہتر طریقہ کوئی نہیں ہوتا۔ فوراً نیند آ جاتی ہے۔ پہلے نوجوان کا ایک ہیں۔ آپ کو اتنی سنگدلي کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہئے۔ میں ایک بار بھر آپ سے شرمند ہو، اتحو گھما اور پھر دوسرا۔ اور پھر وہ خود گھومنے لگا۔ دو تین چکر لئے اور زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ میں لڑکی نے کہا۔

”اور پورے سفر کے دوران شرمند ہوتی رہیں گی۔“ وہ طنزیہ انداز میں بولا اور اُن ”اگر یہ تمہارا ساتھی ہے تو اسے اطمینان سے سونے دو۔“ میں نے دوسرے لوگوں سے خود کو نہ روک سکا۔ لڑکی مشکل میں تھی اور کپارٹمنٹ کے دوسرے لوگ شاید اس نو ہوں کہا۔ جہارت سے خوف زدہ۔ اس لئے وہ شیر ہو رہا تھا۔

میں نے رسالہ رکھ دیا۔ ”میرا خیال ہے مسٹر آپ واقعی سنگدلي کا مظاہرہ کر خوف زدہ تھے۔ میں واپس بلنا اور اپنی جگہ جای بیٹھا۔ میں نے پھر رسالہ اٹھایا تھا۔“ ہیں۔ اس بے چاری کا کیا قصور ہے؟ صبر سے کام لیں۔ ہم لوگ بھی موجود ہیں۔“ لڑکی بمشکل تمام مسٹر گران کو واپس اپنی سیٹ پر بٹھانے میں کامیاب ہوئی تھی۔ دیسے دوسرے لوگوں کے لئے یہ حیرت انگیز بات نرم لبھجے میں کہا۔

نوجوان میری طرف پلت پڑا۔ بھر اُس کے ہونٹوں پر حقارت آئیز مسکراہٹ نہیں تھی۔ نوجوان خاصاً قوی ہیکل تھا۔ ہوش و حواس میں تھا۔ اُس کا اس طرح پلک جھپکتے زیر ہو ”خوبصورت لڑکی کے مددگار! جو ہمدردی، جس مقصد کے تحت تمہارے ذہن میں جائیں گے جانا یقیناً اُن کے لئے عجیب بات ہو گی۔ میں نے محبوس کیا کہ وہ مجھے چور نگاہوں سے دیکھ دے اسی مقصد کے تحت میرے ذہن میں بھی جاگ سکتی ہے۔ اور چونکہ پہلی میں نے کل رہے تھے۔

اس لئے خاموش ہو کر بیٹھ جاؤ۔“ اُس نے کہا اور اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔ پھر میں سے سرناک لیا تھا اور لڑکی نے اُن کے جسم پر زم کمل ڈال دیا۔ خود وہ اُن سے چند فٹ کے فاصلے پر بیٹھ گئی۔ اُس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات نظر آ رہے تھے۔

”دیکھئے جتاب! چلتی ہرین میں جھگڑا نہ کریں۔“ اُن میں سے ایک بولا۔ لیکن میں ”ثرین کا سفر جاری تھا۔ وہ برق رفتاری سے اپنی پڑیوں پر دوڑ رہی تھی۔ کھڑکی کے گھرے شیشوں کے دوسرا جانب سنٹا بھاگ رہا تھا۔ کھرلی رات، سائیں سائیں کر رہی تھی۔ اُن کی طرف توجہ نہ دی۔

”تم سونا چاہتے ہو.....؟“ میں نے سرد لبھجے میں کہا۔ ”اپنی جگہ واپس جاؤ۔“ نوجوان بھی کھڑا ہو گیا۔ اُس کے ہاتھوں کی لٹکیاں طرف دیکھا بھی نہیں تھا۔ چند ساعت میں دوڑتے ہوئے خاموش سنائے کو گھوڑتا رہا۔ اور تھیں۔ جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ مارشل آرٹس سے واقف ہے اور کچھ کرنا چاہتا ہے؟ پھر رُخ بدل کر آنکھیں بندر کر لیں۔ میں کپارٹمنٹ کے ماحول سے خود کو بے نیاز کرنے میں کوشال تھا تاکہ خیالات کو بیکھا کر لوں اور پھر اپنے بارے میں سوچوں۔ جیسا کہ گارڈ نے بتایا تھا کہ ڈور کی بندرگاہ مکن پیچتے پیچتے ڈیڑھنچ جائے گا۔ اُب نیند آئے یا نہ آئے، لیکن جانے ”تم سونا چاہتے ہو.....؟“ میں نے پھر پوچھا۔

”نہیں..... اُب تو جا گنا چاہتا ہوں، ان محترمہ کے لئے۔“ ”یہ تمہارے لئے بہتر نہ ہو گا۔“ میں نے کہا اور دونوں ہاتھ بلند کر دیئے۔ نوجاں کے لئے بھی خالی الذہن تو نہیں رہا جاستا تھا۔ پیشترہ بدلا اور لڑکی کے منہ سے سریلی چیخ نکل گئی۔

ہلکی خوبی کا احساس ہوا۔ نہ جانے کہاں سے آئی تھی؟ میری پسندیدہ خوبی تھی۔ لیکن

اس کے بارے میں میرے ذہن میں زیادہ تجسس نہ بیدار ہوا۔ ہاں! نرم سی آوازِ چوٹی چوٹی چوٹی جذبے آپ پر حاوی ہیں۔“
چونکا دیا۔“ آپ سور ہے ہیں جتاب؟“
”خوب..... تو آپ کو نیند نہیں آ رہی۔“

میں نے آنکھیں کھول دیں۔ کمپارٹمنٹ کی واحد حسینہ میرے سامنے کی سیٹ پر! ” ”نہیں.....!“ اُس نے جواب دیا۔ تھی۔ اتنی خاموشی سے کہ مجھے اُس کے لباس کی سرسرابہت بھی نہیں محسوس ہوئی تھی۔ ” تو پھر بیٹھیں۔ گفتگو کریں۔“

”میر گرائے! میر نیند سوئتا ہے۔ اور یہ میرے باس مسٹر گرائے ہیں۔“
”میر گرائے! میر نیند سوئتا ہے۔ مجھے یقین ہے، آپ وہ مشکل سے چاکیں۔“

میرے ذہن میں آپ کا شکریہ ادا کرنے کا احساس مچل رہا تھا۔ ”ہاں!...“
”کوئی بات نہیں۔ وہ کپارٹمنٹ کے دوسروے لوگوں کو نظر انداز کر کے مسلسل آپ
”تکلیف دہ بس.....؟“ میں نے مسکرا کر پوچھا۔

”آپ نے میری مدد کی ہے۔ میں آپ کی شکر گزار ہوں۔“

"آپ شکریہ ادا کرنے پر مصروف ہیں تو ٹھیک ہے۔" میں نے ہلکی سی مسکراہٹ سے کہا۔ "اگر آپ سونا چاہ رہے ہوں تو میں آپ کو پریشان نہ کروں....." اُس نے پرانا بھی ہیں۔ آج کا واقعہ بھی عجیب تھا۔ اپنے پروگرام، وہ اپنی نوٹ بک میں درج کرتے ہیں خواہش۔ وہ اتنی پیتے ہیں کہ اس کے بعد کوئی نجاش نہ رہے۔ لیکن اپنے اصولوں کے پابند

اور ان پرختی سے عمل کرتے ہیں۔ لیکن صرف شراب ایسی شے ہے جو انہیں ہر پروگرام سے بے نیاز کر دیتی ہے۔ اور جب شراب کی وجہ سے ان کا کوئی پروگرام ادھورا رہ جاتا ہے تو وہ انداز میں کہا اور میں نے اسے بغور دیکھا۔

”آپ کیا چاہتی ہیں خاتون؟“

"اوہ..... دیکھے! آپ یقین کیجئے۔ میں صرف آپ کا شکر یہ ادا کرنا چاہتی تھی۔ کہ آپ کی اس مدد یہ خاموش رہ جانا بھی بد اخلاقی تھی۔ لیکن میں دے ماوں آپ کے نزد

آئی تھی۔ تاکہ اگر آپ سور ہے ہوں تو آپ کی نیند خراب نہ کروں۔ ”

لئے میرے اک نظر سے۔ ”بلاشہ میں وجہی سے اُس کی گفتگوں رہا تھا۔ پھر میں نے گردن بلاتے ہوئے کہا۔ ”بلاشہ ”نہیں..... نہ مجھے نیندا آ رہی ہے اور نہ ہی میں سوؤں گی۔ ٹرین میں سونے والوں۔ انہیں بیباں تک لائی ہوں۔“ اپنے دل کے سارے وہ اپنے جامانچا کی یہیں۔ لیا۔ اپ وہی نیندا اڑھا ہے۔ ”بے تر سل پیاس رہے۔ ہم سعدت مالا رے ہوئے ہیں اور اب اپ سریہ ادا رکے واپس جامانچا کی یہیں۔

”سے طویل سوتھے زندگی باتا کی جائاتی ہے اور بھرن کی پڑھنے کی وجہ سے بھرنا کی جائاتی ہے۔“ آپ ایک فرض شناس خاتون ہیں۔“ آپ لقین نہیں کرس کے۔ نش کی حالت میں، مسٹر گر ائک کو سنبھالنا کس قدر مشکل کام
”کیا؟“ میں نے کسی قدر دلچسپی کا اظہار کیا۔ آپ ایک طبیعی ہیں۔

سفر طویل ہو تو پیزاری طاری ہو جاتی ہے۔ اور پھر نیندی کی ضرورت بھی پوری ہوتا ہے۔ لیکن مختصر سفر میں سونے والے میری نگاہ میں مردم پیزار اور کاہل ہوتے ہیں۔ کوئی منما، کر لئے کا انتہا نہیں۔ مختصر ناصا کے شنبہ کی آنے والے ابھی تو مجھے بہت سے مرامل سے گزرنا ہے۔“ وہ فکرمندی سے بولی۔

کی منزل کے لئے کیا جاتا ہے اور منزل جو حکمرانی میں پر ہو، سو کرتلاش بھیں کی جائے۔ اگرچہ اس سفر صرف چند گھنٹوں کا ہے اور اس کے بعد میں جائے گا۔ اس مختصر سفر کے لئے سے نے کام شدید تر خواہ، اسی ایسا کام اظہار کرنی ہے۔

کے طور پر بری نہیں ہے۔ کیوں نہ اُس کا قرب حاصل کر کے تھوڑی سی تفریح کا سامان
کیا جائے۔“

”آپ نے اپنے بارے میں کچھ نہیں بتایا؟“ اُس نے کہا۔

”میں مورگن ہوں۔“ میں نے جواب دیا۔

”کیا ڈور جا رہے ہو؟“

”ہاں..... اور وہاں سے پیرس۔“

”اوہ.....! پیرس؟“ اُس نے عجیب سے انداز میں کہا۔

”ہاں..... کیوں؟ آپ کے انداز میں اضطراب ہے۔“ میں نے پوچھا۔

”جی ہاں..... لیکن آپ سوچیں گے کہ بعض اوقات کسی کے ساتھ تھوڑی
ہمدردی، مستقل انجمن بن جاتی ہے۔“ اُس نے کہا۔

”میں سمجھنا نہیں۔“ میں نے اُس کا مطلب سمجھتے ہوئے کہا۔

”دیکھئے! میں تھا ہوں اور آپ جیسے مضبوط ہمدرد خوش بختی سے ہی مل سکتے ہیں۔ اگر میں
آپ سے درخواست کروں کہ پیرس تک میرے ساتھی بن جائیے تو ایک غیر مناسب بنا
ہوگی۔ لیکن میری مجبوری کو مدنگاہ رکھتے ہوئے اگر آپ اسے قول کر لیں تو میں بے حد
گزار ہوں گی۔“

”ایک شرط پر.....“ میں نے سکراتے ہوئے کہا۔

”جی.....؟“ اُس نے میری طرف دیکھا۔

”پیرس میں قیام کے دوران آپ مجھ سے ملاقات کرتی رہیں گی۔“

”اوہ..... میں تو بھی، آپ نہ جانے کیا شرط پیش کرنے والے ہیں۔ یہ تو خود میری ذ
بختی ہوگی۔ مسٹر گرائن کو جب معلوم ہو گا کہ آپ ایسے انوکھے انسان ہیں تو وہ بھی آپ
دلدار ہو جائیں گے۔“

”میں انوکھا کیوں ہوں؟“

”ایک تندرست و توانا شخص کو آپ چند لمحات میں ہوش و حواس سے عاری کر دیتے ہیں۔“

آپ ماحول پر چھا جانے کی قوت رکھتے ہیں۔“

”آب آپ نے مجھے شکریہ ادا کرنے کے لئے مجبور کر دیا۔“ میں نے سکراتے ہوئے
اور وہ ہٹنے لگی۔ پھر تشویشاک انداز میں بولی۔

”آپ کے اندازے کے مطابق وہ کتنی دیرے ہو شر ہے گا؟“
”ایک آدھ گھنے..... کیوں؟“ میں نے پوچھا۔

”کیا ہوش میں آنے کے بعد وہ انتقامی کارروائی نہیں کرے گا؟ وہ مجھے کافی برا آدمی لگتا
ہے۔“

”میں اسے پھر سلا دوں گا۔“ میں نے جواب دیا۔

”بہرحال! آپ دلچسپ اور جیرت انگیز انسان ہیں مسٹر مورگن! میں آپ سے بہت
متأثر ہوں۔“

”کیا پیرس کی لڑکیاں ایسے لوگوں کو پسند کرتی ہیں؟“

”آپ کا متعلق پیرس سے..... میرا مطلب ہے فرانس سے تو نہیں ہے؟“

”نہیں..... نہیں۔ میں پہلی بار فرانس جا رہا ہوں۔“

”اوہ.....! تو آپ انگلینڈ کے باشندے ہیں۔“

”ہاں.....!“ میں نے جواب دیا۔

”لیکن تجھ بھے ہے، آپ اتنے نزدیک ہونے کے باوجود بھی کبھی فرانس نہیں گئے۔“

”میں دوسرے ممالک میں رہا ہوں۔ انگلینڈ میرا آبائی وطن ہے۔“

”تب میرا وعدہ..... میں آپ کو فرانس کی سیر کراؤں گی۔“

”دوسری بار آپ کا شکریہ!“ میں نے ہٹنے ہوئے کہا اور وہ بھی ہٹنے لگی۔

چند لمحات کے لئے خاموشی چھا گئی تھی۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ لڑکی کی معیت میں میرا

ذہنی بوجھ کم ہو گیا ہے۔ اُس کی باتیں صاف ستری اور دلچسپ تھیں اور اُس کا قرب کش

انگیز۔ نزدیک سے دیکھنے پر وہ اور پر کشش نظر آ رہی تھی۔ اور اُس کے بدن کی بھین بھین

خوشبو، اُس کی شخصیت سے ہم آہنگ ہیں۔

”پیرس تک کا سفر کتنا طویل ہو گا؟“ میں نے پوچھا۔

”اوہ..... ہاں! آپ تو پہلی بار وہاں جا رہے ہیں۔ ڈیڑھ بجے تک ہم ڈور پہنچ جائیں

گے۔ وہاں سے دو بجے اسٹریٹ چلے گا اور رو بار، انگلستان عبور کر کے چھ بجے کے قریب ہم

پہنچا رہے گی۔“ اُس نے جواب دیا۔ میں نے گردن ہلا دی تھی۔

ڈور کے سفر تک وہ کافی بے تکلف ہو چکی تھی۔ اپنے آقا مسٹر گرائن کے بارے میں اُس

نے کئی دلچسپ اکتشافات کئے تھے۔ ”مسٹر گرائن بے حد فراخ دل انسان ہیں۔ بڑی ثالثاً طبیعت کے مالک۔“

”کیا کرتے ہیں؟“ میں نے پوچھا۔

”عظیم الشان کاروبار ہے۔ بے شمار مالک سے خام اشیاء برآمد کرتے ہیں۔“

”آپ کے ساتھ اچھا سلوک ہے؟“

”ایک شفیق باپ کی مانند..... یوں بھی وہ غیر شادی شدہ ہیں۔“

”اوہ..... بہت خوب۔ اس کی کوئی خاص وجہ؟“ میں نے پوچھا۔

”نہیں..... نہیں۔ میں اس کے بارے میں نہیں جانتی۔“ اس نے جواب دیا۔

میں خاموش ہو گیا۔ بہر صورت! مسٹر گرائن کے بارے میں اس نے جو کچھ بتایا تھا، عجیب و غریب ضرور تھا۔ لیکن اتنا بھی نہیں کہ میں اس میں ضرورت سے زیادہ دلچسپی لوں۔

ان باتوں کے علاوہ میں نے کوئی اور قدم نہیں بڑھایا تھا۔ ویسے بھی یہ فوری طور پر مناسب نہیں تھا۔ ہاں! بیرس پینچنے کے بعد وہ اگر مجھ سے ملتی رہتی تو میں بہر صورت! اس ساتھ پسند کرتا۔

وہ شخص جس نے سویتا سے بد تیزی کی تھی، ابھی تک وہیں پڑا تھا۔ پتہ نہیں، ہوش میں اب تھا یا پھر ہوش میں آ کر اس نے سوتے رہنا ہی پسند کیا تھا؟“

ہم نے ایک دوبار اس پر نگاہ دوڑائی تھی۔ سویتا جب اس کی جانب دیکھتی، اس کے چہرے پر اضطراب کے آثار پھیل جاتے۔ لیکن میں نے اس بارے میں کوئی تصرہ نہ کیا۔ کپارٹمنٹ کے دوسرے لوگ بھی غالباً سو لگتے تھے۔ صرف ہم دونوں جاگ رہے تھے اور ماحول بے حد عجیب تھا۔ سویتا اگر ضرورت سے زیادہ شریف لڑکی نہ ہوتی تو یہ ماحول خاماً رومان پرور ہو سکتا تھا۔ لیکن میں بھی کوئی تیز قدم اٹھانا نہیں چاہتا تھا۔

بہر حال..... یہ طویل سفر ختم ہو گیا اور ہم ڈور کی بندرگاہ پر پہنچنے لگے۔ ٹرین سے اترے۔ لیکن ہم نے یہ جائز نہیں لیا تھا کہ وہ شخص، ٹرین سے اترایا نہیں؟ یا اگر اتراتا تو اس کا زمانہ کس جانب ہے؟ چونکہ میں نے سویتا سے وعدہ کیا تھا کہ مسٹر گرائن کو سنبھالنے میں اس کا مدد کروں گا۔ چنانچہ مسٹر گرائن کو جگانا اور اسیٹک لانا خاص مشکل کام تھا۔ عجیب شخص تھا! بھی۔ ہمارے جگانے سے ہوش میں تو آ گیا تھا لیکن شراب ابھی تک اس پر سوار تھی۔ البتا سیدھی باتیں کرتا رہا تھا وہ۔ کسی نہ کسی طرح ہم اسے اسیٹک لے آئے اور ٹھیک دیجئے۔

اسیٹر نے بندرگاہ چھوڑ دی اور ہم نے سمندری سفر طے کرنا شروع کر دیا۔

اسیٹر پر سوار ہونے کے بعد سویتا کچھ اور مطمئن ہو گئی تھی۔ اس نے ایک طویل سانس لی اور میرے نزدیک بیٹھنے ہوئے یوں۔ ”خدا کا شکر ہے کہ اس کے بعد کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہیں آیا۔ میں تو صرف یہ سوچ رہی تھی بلکہ پریشان ہو رہی تھی کہ بندرگاہ پر کہیں یہ شخص ہوش میں آگیا تو خاصا شور مچائے گا۔ اور ممکن ہے اس کے کچھ اور ساتھی بھی بیہاں مل جائیں۔“

”ہاں..... ٹھیک ہے۔ تمہاری سوچ غلط تو نہیں تھی۔“ میں نے لاپرواہی سے جواب دیا۔

میں نے یہ بتانے کی ضرورت محسوس نہیں کی کہ اگر ایسا ہو جاتا تو انہیں کیا نقصان اٹھانا پڑتا؟ روپا، انگلستان کی سرداں اور بھرپری ہوئی موجود کو چیڑتا ہوا ہمارا عظیم الشان اسیٹر، فرانس کی بندرگاہ ڈنکرک کی جانب روائی تھا۔ دوسرے لوگ بھی تھے جن میں زیادہ تر فرانسیسی تھے اور رات کے سفر کی وجہ سے مضطہل نظر آ رہے تھے۔

ڈور کی مشہور زمانہ سفید چٹانیں جوانہ دھیرے میں میاں لگ رہی تھیں، آہستہ آہستہ ہم سے ڈور ہوتی جا رہی تھیں۔ چٹانوں کے پہلو میں شہر کا قدیم قلعہ بر قی روشنیوں سے منور تھا۔ لہوں کے شور اور گھپ اندھیرے میں قلعے کے سنگلاخ درود دیوار سے پھوٹی ہوئی ہلکی روشنی میں ایک مہیب قسم کی خوبصورتی تھی۔ ڈور سے یہ قلعہ طسمی قلعہ لگ رہا تھا اور سامنے کی سمت کمکل تاریکی تھی۔ ابھی ڈنکرک کا شہر کافی دور تھا۔

بہر صورت! ہمارا سفر جاری رہا۔ عرشہ دیران پڑا تھا۔ تمام مسافر رات کی خنکی اور سمندر کی زرم آلود تھنڈی ہوا سے نیچے کی خاطر اسیٹر کی چلی منزل پر واقع تہوہ خانے میں جا چکے تھے۔ صرف ہم لوگ تھے جو ابھی تک بیٹھے ہوئے تھے اور اس کی وجہ شاید مسٹر گرائن تھے۔

سویتا اُن کو چھوڑنے کی تھی۔ اور میرا اٹھ کر چلے جانا کسی حد تک بد اخلاقی پر مشتمل تھا۔

حالانکہ اس وقت اس موسم میں کافی کی طلب شدید ہو رہی تھی۔

کافی دیر تک میں اس خواہش کو دبائے رہا۔ اور پھر میں نے سویتا کی طرف دیکھا۔ ”مس

سویتا! میں محسوس کر رہا ہوں کہ شاید آپ کو سردی لگ رہی ہے۔“

”اوہ..... کوئی خاص نہیں جناب! لیکن بہر صورت، موسم خنک ہے۔“

”کیا خیال ہے..... کیا ہم اپنے گرم لباس، مسٹر گرائن کو اوڑھا کر نیچوں نہیں چل سکتے؟“

”اس میں کوئی حرج تو نہیں ہے جناب۔ لیکن مجھے صرف یہ خطرہ ہے کہ کہیں مسٹر گرائن جاگ نہ جائیں اور کوئی ایسی حرکت نہ کر بیٹھیں جو ہمارے لئے تکلیف دہ بن جائے۔“

”ہاں.....کافی۔“
”اوہ.....یس سرا!“ اُس نے میرے بھاری لبچ پر غور کرتے ہوئے گردن ہلائی اور تھوڑی دیر کے بعد کافی کے دو جگ ہمارے سامنے رکھ دیئے گئے۔
کافی کے گرم گرم گھونٹ، خاصی فرحت بخش رہے تھے۔ سوتا بھی خاموشی سے چسکیاں لے رہی تھی۔ پھر اُس نے آہتہ سے کہا۔ ”عجیب و غریب ماحول ہے۔“
”ہاں.....“ میں نے جواب دیا۔
”ویسے زیادہ تر لوگ شراب پی رہے ہیں۔“
”تم اگر خواہ شمید ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔“
”نہیں.....ایسی کوئی بات نہیں۔ آپ دیکھ رہے ہیں، ایک شخص ہی شراب کے نشے میں کس قدر تکلیف دہنا ہوا ہے۔“
”مسٹر گرائن؟“ میں نے سکراتے ہوئے اُسے دیکھا۔

”ہاں.....!“
”تمہیں اب مجھن تو ہوتی ہو گی سوتا۔“
”کیا باتاں جناب.....مسٹر گرائن، ہوش میں آجائیں اور ان سے آپ کی ملاقات ہو تو آپ ان کے بارے میں صحیح اندازہ لگا سکتے ہیں۔ وہ ایک مشق اور مہربان شخص ہیں۔ اور ان کی کوئی بھی بات بری نہیں لگتی۔“ سوتا نے کافی پینے ہوئے کہا۔
”ہاں.....بعض اوقات، بعض لوگ اپنی حیثیت سے ہٹ کر اچھے لگتے ہیں۔“ میں نے کہا اور سوتا نے ایک نگاہ پورے ماحول پر ڈالی۔ اور پھر آہتہ سے بولی۔
”اسیئر پر دراصل ٹکیں فری شراب ملتی ہے۔ اور اس کی قیمت آدمی سے بھی کم رہ جاتی ہے۔ اکثر لوگ، ہفتے میں ایک بار فرانس کا چکر اس لئے لگاتے ہیں کہ شراب پیں، آوارہ گردی کریں اور پھر واپس لندن آ جائیں۔“

”ہاں! شراب کے رسیا.....“ میں نے آدھا جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔
”میرا خیال ہے مسٹر مورگن! کافی پینے کے بعد واپس چلیں۔“
”تمہارے ذہن میں شاید مسٹر گرائن ہیں۔“
”ہاں.....یہ میری ڈیوبی بھی ہے۔“ اُس نے جواب دیا۔
”اگر تم محسوس نہ کرو تو تم کافی پینے کے بعد چلی جاؤ۔ میں تھوڑی دیر کے بعد آ جاؤں خانے کے کاؤنٹر میں پہنچ گے اور کافی طلب کی۔“

”ہوں..... تو آپ مسٹر گرائن کے پاس رہنا چاہتی ہیں؟“
”پلیز..... آپ محسوس کریں۔“ اُس نے بلا جاگت سے کہا۔
”کوئی بات نہیں۔ کیا آپ مجھے اجازت دیں گی.....؟“ میں نے پوچھا اور کھڑا ہو گیا۔ جواب میں اُس نے مجھے ایسی نگاہوں سے دیکھا، جیسے وہ میرے اس انداز سے پریشان ہو گئی ہو۔ میں نے آگے بڑھنے کی کوشش کی تو اُس نے آہتہ سے کہا۔ ”مسٹر مورگن! ثابت آپ نے یہ بات ب瑞 محسوس کی ہے۔“
”اوہ..... ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں محسوس کر رہا ہوں کہ مجھے کافی کی ضرورت ہے۔“ میں نے جواب دیا۔
”میں بھی یہ ضرورت محسوس کر رہی ہوں۔ لیکن خیر..... آئیے! چلتے ہیں۔“ اُس نے اور کھڑی ہو گئی۔

میں نے شانے ہلاکے۔ ظاہر ہے، مسٹر گرائن کا جس قدر احساس وہ کر سکتی تھی ہیلیز نہیں کر سکتا تھا۔ میں مسٹر گرائن کا ملازم تو نہیں تھا۔ ظاہر ہے، اخلاقی طور پر تو میں اس حد تک مناسب بھجھ کر اُن کا خیال رکھ سکتا تھا۔ اس سے آگے نہیں۔
چنانچہ میں نے اُس کے ساتھ آنے پر اعتراض نہیں کیا۔ اُس نے مسٹر گرائن کو کمبل اوزما دیا تھا اور مسٹر گرائن خرانے لے رہے تھے۔
تب ہم بھی اسیئر کی چلی منزل پر آتے چہاں قبوہ خانہ تھا۔ قبوہ خانہ انسانوں سے کچھ بھرا ہوا تھا۔ یہاں پر لمبہوں کے شور کی بجائے انسانی آوازوں کا شور تھا۔ چند لوگ کافی پی رہے تھے اور کچھ شراب نوشی میں مشغول تھے۔ اکثر لوگ کرسیوں اور میزوں پر نالگیں پھیلائے اونکھے میں مصروف تھے۔

دروازے کے ساتھ ٹیک لگائے ایک بوڑھا انگریز، ہاتھ میں چھاتا لئے بے حرکت کھڑا تھا۔ اُس کے کسی حصے میں کوئی جنبش نہیں تھی۔ ایک جانب چند نوجوان اپنے قد آور سازوں کے ساتھ ٹیک لگائے اونکھ رہے تھے۔ شاید پیرس میں اپنے فن کا مظاہرہ کرنے کے لئے جا رہے تھے جہاں فن کی قدر کی جاتی ہے، خواہ وہ موسیقار ہو یا مصور۔
ہم لوگ بے ترتیبی سے بکھرے ہوئے انسانی جسموں میں سے راستہ بناتے ہوئے تھے۔ خانے کے کاؤنٹر میں پہنچ گے اور کافی طلب کی۔
”کافی؟“ کاؤنٹر کلر نے تجھ سے کہا۔

گا۔ ”میں نے کہا۔

”اوہو..... آپ کو یہ ماحول کچھ زیادہ ہی پسند آیا ہے۔ کوئی حرج نہیں۔ ظاہر ہے، میر کو مجبور نہیں کر سکتی۔“ اُس نے جواب دیا اور میں نے گردن ہلا دی۔ درحقیقت وہ مجھے مجبور نہیں کر سکتی تھی۔ اور میں خود بھی مجبور کیوں ہوتا؟ یہ ماحول بے عکار عجیب ساتھا۔ لیکن مجھے پسند تھا۔ اور پھر سویتا کے ساتھ اسٹیر کے اوپری حصے میں گزرنے والا خنک رات کچھ ایسی دلکش بھی نہیں تھی کہ میں اس سے بہت زیادہ متاثر ہوتا۔ چنانچہ وہ، والہ سے چلی گئی اور میں اکیلا رہ گیا۔ میں نے کاؤنٹر پر جا کر کافی کام کیا اور کپ طلب کیا اور پھر وہیں بیک کر اُس کی چسکیاں لینے لگا۔ تب ایک عجیب غریب جوڑا امیرے زندیک آگیا۔

لڑکی اٹھا رہ اُنس سال سے زیادہ کی نہیں ہو گی۔ اُس کے خدوخال سے مقصومیت پہنچتی تھی۔ آنکھیں گو، نشے سے بوجھل تھیں لیکن اُن میں مخصوصیت کی قتلیں بھی نہیں تھیں۔ اُن کے برکس اُس کا ساتھی پیتا لیس سے اُپر ہی ہو گا، گھٹھے ہوئے بدن کا مالک تھا۔ دونوں کے قدموں میں لڑکھڑا ہٹتھی۔ ادھیر عمر شخص نے کاؤنٹر کے زندیک پہنچ کر اُس پر زور سے ہاتھ مارا اور ویرا اُس دستک کا مطلب بخوبی سمجھتا تھا۔ اُس نے جلدی سے عقبی الماری سے شراب کی بوتل اور دو گلاس نکال کر سامنے رکھ دیئے اور پھر اُن میں شراب بھر دی۔

دفعۂ ادھیر عمر شخص نے ہوا میں ناک اٹھا کر سونگھنا شروع کر دیا۔ اور پھر اُس نے میری کافی کے کپ میں ناک جھکا دی اور متحیرانہ انداز میں بولا۔ ”کافی..... شیلی! کافی..... اُس نے لڑکی کو منا طلب کیا تھا۔

”کافی.....؟“ لڑکی نے لڑکھڑاتی آواز میں کہا اور پھر اُس نے بھی بڑے متحیرانہ انداز میں میرے کافی کے برتن سے ناک لگادی۔ ”ہاں..... بچ بچ..... بچ..... کافی.....؟“

”تم کافی پی رہے ہو؟“ ادھیر عمر شخص نے کہا۔

”ہاں.....!“ میں نے گھری سائنس لے کر کہا۔

”آہ..... میرے وطن کے غریب لوگ۔ سستی، ڈیوٹی فری شراب بھی نہیں پی سکتے۔ میں تمہارے لئے غزدہ ہوں نوجوان!“ اُس نے شراب کا گلاس، حلق میں اُندھیل لیا۔

”شکریہ بوڑھے.....!“ میں نے بھاری لبجھ میں کہا۔

”کیا..... کیا..... بوڑھا..... بچ..... بوڑھا؟“ اُس نے گڈکر کہا۔

”ہاں..... افسوس! میرے ساتھ ایسی کوئی خوب صورت لڑکی نہیں ہے۔ ورنہ میں بھی

شراب پیتا۔“ میں نے کہا۔

”آہ..... میرے وطن کا غریب نوجوان، زندگی سے کس قدر دور ہے۔“ اُس نے گلاس، کاؤنٹر پر بجاتے ہوئے کہا اور ویر نے گلاس بھر دیا۔ میں کاؤنٹر سے پلٹ پڑا۔ لڑکی اُس کے ساتھ کافی خوش نظر آری تھی اس لئے یہاں رُکنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ بھر..... کیا، کیا جائے..... واپس عرش پر..... کم از کم سویتا سے باتمیں ہی کی جائیں۔ بلاوجہ میں نے اُس سے بے زخمی بر تھی۔ میں واپس عرش پر آ گیا۔

جس جگہ میں نے مسٹر گرائن کو چھوڑا تھا، وہاں وہ دونوں موجود نہ تھے۔ اور کافی سردی تھی۔ عرش سنان پڑا تھا۔ میں نے سوچا شاید سردی نے مسٹر گرائن کا نشہ ہرن کر دیا اور انہوں نے اپنی جگہ چھوڑ دی ہے۔ بہرحال! اب اُن لوگوں کو تلاش کرنا فضول تھا۔ میں عرش پر ٹھیٹا ہوا آگے بڑھ گیا۔ اور پھر چند ہی قدم پل کر مجھے ڑک جانا پڑا۔ لمبے لمبے بالوں والے کبل کے اندر کوئی زور زور سے مل رہا تھا۔ بھورے رنگ کا گرم کبل، جس پر لرزہ طاری تھا اور اُس سے کوئی آواز آرہی تھی۔

میں ڑک کر اُس آواز کو سننے لگا۔ ”آف..... سردی ہے کہ قیامت..... لعنت ہے..... لعنت ہے۔“ کبل سے آواز آئی اور میں نے دیدے مٹکائے۔ نسوائی آواز تھی۔

”آپ کو یہاں سونے کا مشورہ کس نے دیا تھا؟“ میں نے کہا اور کبل ایک دم کھل گیا۔ ”تم..... تم کون ہو؟“ آواز آئی۔

”اسٹیر کا مسافر۔“ میں نے جواب دیا۔

”تمہیں سردی نہیں لگ رہی؟“ پوچھا گیا۔

”سردی تو ہے۔“ میں نے کہا۔

”تو آو..... اندر آ جاؤ۔ یہاں اور کون سی جگہ ہے سونے کی؟ اور نہ سویا جائے تو کیا، کیا جائے؟“ دعوت ملی اور میرا دل دھک سے ہو گیا۔ کھلے کبل میں سے نکلنے والا سر، کافی خوبصورت بالوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ مدھم روشنی میں، میں نے دیکھا۔ چہرہ بھی برا نہیں تھا اور اس وقت..... اس تھیانی میں۔ اس بیزاری کے ماحول میں یہ حسین دعوت کسی نعمت سے کم نہیں تھی۔

”آ جاؤ مسافر! ورنہ سردی سے ٹھیٹھر کر مر جاؤ گے۔“ کبل کچھ اور واہو گیا اور میں جو تلوں سمت اس میں داخل ہو گیا۔ میں نے مجھے کبل سمتی پیٹ لیا تھا۔ خاصا گداز بدن تھا۔

جوانی کی نعمتوں سے مالا مال۔ میرے بدن میں ایک دم گرمی دوڑ گئی۔ ”آہ..... مجھے تمہارا شکریہ ادا کرنا چاہئے۔ بڑی سردی لگ رہی تھی۔ پکھہ اور چھٹ جاؤ۔ آواز بھی دل کش تھا۔ میں نے اُس کی فرماں پوری کر دی۔ ”تم تو پکھہ بول ہی نہیں رہے.....“

پیرس زیادہ پسند ہے۔ آہ..... دریائے میں کے حسین کنارے جہاں میں ہرشام سیر کرنے کل جاتی ہوں۔ ہائے..... تھوڑے سے چھٹ جاؤ۔“ کمل کی عورت نے کہا اور میں نے ”سردی کی وجہ سے آواز نہیں نکل رہی۔“ میں نے جواب دیا۔

”مگر تمہارا بدن تو خوب گرم ہے۔ اونہہ، چہرہ ڈھک لو! باہر کی ہوا کی ایک رمق بھی انہر، تمہیں تو نیند آرہی تھی گینٹرا!“ میں نے کہا۔

نہیں آئی چاہئے۔ حالانکہ کمل خوب گرم ہے۔ لیکن آسمان سے نظر نہ آنے والی برف گر رہی۔ ”اب نہیں آ رہی۔ گرم بھی مل گئی ہے اور گفتگو کے لئے تم بھی۔ مجھے باتیں کرنے کا ہے۔“

”ہاں.....“ میں نے لمبی سانس چھوڑتے ہوئے کہا۔ اُس کا چہرہ، میرے ہاتھوں کو چھوڑا سیر کی رفتار اور صرف وقت سے بتا سکتی ہوں کہ سفر کتنا باتی رہ گیا ہے؟“

تھا۔ میں نے بے تکلفی سے اُس کے بدن کو بھیجنے لیا۔

بلاشبہ وہ صرف باتوں کی میریض تھی۔ کمل کے اندر چھپے ہوئے اُس کے بدن سے چھٹے ہوئے طویل عرصہ گزار چکا تھا لیکن وہ صرف باتیں کئے جا رہی تھی۔ اُس کی آواز سے کہیں جذبات کا تمار نہیں جھانکا تھا۔ اور میں انتظار ہی کرتا رہا۔ یہاں تک کہ اسیٹر کا بھونپو کریہ کرو۔ لیکن کمل کے اندر اندر۔“

”ٹھیک ہے.....!“

”فرانس جا رہے ہو؟“

”ظاہر ہے، یہ اسیٹر فرانس ہی تو جا رہا ہے۔“

”اوہ، ہاں.....! اچھا تو تمہارا نام کیا ہے؟“

”مورگن.....!“ میں نے جواب دیا۔

”برٹش ہو.....؟“

”ہاں.....!“

”ہم ڈنکر کے نزدیک پہنچ چکے ہیں۔“ اُس نے کہا اور جلدی سے منہ کھوں دیا۔ میں نے بھی اب کمل سے کل آنا ہی مناسب سمجھا تھا۔ بھونپو چھٹے کے بعد لازمی تھا کہ دوسرے سافر بھی اور پر آ جائیں گے۔ اور ممکن ہے سویتا بھی۔ اُن سب کے سامنے کمل سے نکلا عجیب لگ گا۔ کون یقین کرے گا کہ میں نے یہ چند گھنٹے صرف کمل کے سامنے میں گزارے ہیں۔

چنانچہ میں کمل سے باہر نکل آیا۔

”تھیک یو مسٹر مورگن! آپ کے تعاون کا۔“ اُس نے کہا اور مجھے اُس پر غصہ آنے لگا۔

کنجخت نے خواہ خواہ ساری رات ذہنی یہ جان میں رکھا۔ میں نے اُسے جواب بھی نہیں دیا اور آگے بڑھ گیا۔ بسیدہ سخن نمودار ہورہا تھا اور ڈنکر کا شہر نظر آنے لگا تھا۔

”آب اور کیا پوچھوں؟“ اُس نے سوال کیا اور بہن پڑی۔ میری سانیں بوجھل ہو رہی تھیں۔ پکھہ پوچھنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟ جسموں کی گرمی بہت سے الفاظ تخلیق کر رہی تھی۔ لیکن اُس کی طرف سے کوئی تحریک نہیں تھی۔ البتہ چند ساعت کے بعد اُس کے الفاظ سنائی دیئے۔ ”عجیب انسان ہو.....!“ میرے بارے میں کچھ نہیں پوچھو گے؟“

”بنا دو.....!“ میں نے کہا۔

”میرا نام گینٹرا ہے۔ آدھی ادھر، آدھی ادھر۔ یعنی ماں فرائیسی تھی اور باپ انگریز۔“

”میل.....!“ مسٹر گرائن نے بھاری آواز میں کہا۔

”بنا دو.....!“ میں نے کہا۔

آدھی ادھر، آدھی ادھر۔ یعنی ماں فرائیسی تھی اور باپ انگریز۔

”ہیلو مسٹر گرائن.....!“ میں نے پر اخلاق انداز میں جواب دیا اور مسٹر گرائن، بیٹھے ہوئے تھے۔ ٹرین چل پڑی۔ سوتا بھی اب کافی سنجیدہ نظر آ رہی تھی۔ مصانع کے لئے ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ میں نے ان سے مصانع کیا۔ مسٹر گرائن کافی دریک اسی طرح بیٹھے رہے۔ پھر انہوں نے کہا۔ ”زندگی میں کبھی پیرس تکلیف اٹھانی پڑی۔“ مسٹر گرائن نے کہا۔

”کوئی بات نہیں مسٹر گرائن.....!“ میں نے مسکرا کر کہا۔ ”الا انکہ یہاں سے ذور نہ تھے۔ بہر حال! دیکھنے کے قابل شہر ہے۔ میری کوئی بھی خسارے سے بچالیا۔ میرا پیرس پہنچنا بہت ضروری تھا۔“ دراصل پروگرام میرے ذہن میں نہیں رہا تھا۔ لیکن میری بچی نے مجھے ایک ہر تمہیں پسدا آئے گی۔ مختلف ممالک میں کاروبار کرتا ہوں۔ اکثر ملک سے باہر رہنا پڑتا

”اوہ.....! یہ تو اچھی بات ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ معمولی پیانا پر ہی سہی، لیکن میں۔“ ”جی.....!“ میں نے مختصرًا کہا۔ ویسے میں سوچ رہا تھا کہ اب وہ میرے بارے میں سوالات کرے گا۔ لیکن سفر کے دو گھنٹے گزر گئے اور اُس کے لئے میرے بارے میں کچھ بھی نہیں پوچھا۔ یوں بھی وہ مختصر گفتگو کرنے کا عادی معلوم ہوتا تھا۔ پھر ایک بار وہ اٹھ کر باٹھ روم گیا ”ہاں.....اس کے لئے میں شکر گزار ہوں۔ آپ بھی پیرس جا رہے ہیں؟“ ”جی ہاں.....!“ تو سوتا بول پڑی۔

”آپ بور ہو رہے ہوں گے مسٹر مورگن! اور سوچ رہے ہوں گے کہ پیرس جیسے ہمہ گیر شہر میں اگر مسٹر مورگن کے ساتھ رہے تو بڑی بوریت ہو گی۔“ ”ہاں..... اتفاق سے۔“ میں نے رسمی طور پر جواب دیا۔

”تب آپ گرائن اولیانو کے مہان بنیں گے۔ جتنے دن آپ پیرس میں رہیں گے۔“ ”میں صرف یہ تاؤں گی کہ یہ خیال ذہن سے نکال دیں۔ وہاں آپ بالکل بور نہیں ہوں گے۔ میں خود آپ کو وہاں کے مختلف مقامات کی سیر کراؤں گی۔“ ”آپ کا کیا خیال ہے.....?“ ”میں اپنے اوقاں کا فریضہ کر رہا ہو گیا۔ حالانکہ میرا اُس شخص سے کوئی واسطہ تھا۔ لیکن اُوں تو سوتا کافی دلکش تھی۔ ممکن ہے، اُس کے ساتھ گزارا ہوا وقت کچھ دلبے کہانیاں جنم دے۔ اور پھر میں نے یہ بھی سوچا کہ ٹھیک ہے، پیرس میں کوئی شناسا تو ہو۔“

”چھیکرڑی؟“ میں نے تجب سے پوچھا۔ ”آپ کا جائزہ لے رہا تھا۔ سوتا کی آنکھوں میں مسکرا ہٹ نظر آئی تھی۔ یا پھر یہ بھی ممکن ہے۔“ ”ہاں..... مسٹر گرائن بہت اچھے انسان ہیں۔ انہیں اپنی بیٹیوں کی طرح عزیز رکھتے ہیں۔ ہم سب ان کے ساتھ ہی رہتے ہیں۔ پیرس میں مسٹر گرائن کی کوئی، شاندار عمارتوں پر چہرے کا جائزہ لے رہا تھا۔“ کہ یہ میری خوش فہمی ہوا اور اُس کے ذہن میں کوئی تاثر ہی نہ ہو۔“

”بک..... مسٹر گرائن نے سب کے پر مختلف کام کر رکھے ہیں۔ کچھ کاروباری امور میں معاون ہوئی ہیں، کچھ ذاتی امور میں۔“ اسٹیمر، بند رگاہ میں داخل ہو گیا اور پھر لکڑی کی گلی سیڑھی سے اتر کر ہم کشم ہاؤں۔ ”لیکن یہ چھیکرڑی کرتی کیا ہیں؟“ ”میں کوئی تاثر ہی نہ ہو۔“ اسٹیمر، بند رگاہ میں جا بیٹھے ہے مسٹر گرائن خاص گئے اور اس کے بعد کشم ہاؤس ہی کے نزدیک کھڑی ٹرین میں جا بیٹھے ہے۔

”بڑی پر اسرار خصیت ہے تمہارے باس کی۔“

”ہاں..... اس میں شک نہیں ہے۔ ہم لوگ ان سے اتنی قربت کے دعویدار ہیں۔ ہم بھی ان کے بارے میں سب کچھ نہیں جانتے۔“ سویتا نے کہا۔ نہ جانے کیوں بھر گرائے کی خصیت دلچسپ محسوس ہوئی تھی۔ یوں بھی پیرس کی خاص مقصد کے تحت نہیں ہوا۔ اگر اُس دلچسپ انسان اور اُس کی چھ سیکرٹریوں کے ساتھ کچھ عمدہ وقت گز رجاتا تو حرج نہیں تھا۔ چنانچہ میں نے دل میں فیصلہ کر لیا کہ اُس کے اسرار جاننے کی کوشش کر گا۔ تھوڑی دیر کے بعد مسٹر گرائے وابس آگئے اور سویتا مودب ہو گئی۔ مسٹر گرائے ہمار دن کو دیجے ہماری گاڑی ”سینٹ لازار“ کے سینٹ پریسٹ گئی اور ہم لوگ پلیٹ فارم پر نزدیک ہی بیٹھ گئے تھے۔

”ٹرین کے سفر کی طوال تکلیف دہ ہوتی ہے۔ لیکن مجھے جہاز کا سفر پسند نہیں ہے۔ کہیں فون کیا اور پھر وابس آگئی اور پھر گاڑی کے انتظار میں بھی زیادہ وقت نہیں صرف کرنا جب بھی خیال آتا ہے کہ انسان، خلا میں معلق ہے، کیجئے منہ کو آنے لگتا ہے۔“ انہوں نے پڑا تھا۔ انتہائی شاندار کھلی چھست کی گاڑی بیٹھ گئی جو قابل دید ہے۔ لیکن میں نے جان بوجھ کر اور پھر ایک طویل سائبیس لے کر گھٹری دیکھنے لگے۔ انتہائی خوبصورت اور فیض گھٹری تھی۔ مگر اُس کی تعریف نہیں کی۔ ورنہ ممکن تھا کہ یہ نیچے اترتے ہوئے گاڑی کی چابی بھی میرے حوالے نے اُسے دلچسپی سے دیکھا۔ مسٹر گرائے نے میری نگاہوں کو دیکھ لیا تھا۔ بولے۔ ”اس کا کمر کر دی جاتی۔ بولے ڈی بولون کے کنارے کنارے گاڑی خوشنگوار رفتار سے چل رہی تھی۔ ہیرے کے خول میں ہے۔ یعنی ایک بڑے ہیرے کو اندر سے خالی کر کے گھٹری کی مشین نہ سمجھہ طبیعت مسٹر گرائے خاموشی سے سڑک سے باہر دیکھ رہا تھا۔ پیرس کا یہ علاقہ خوبصورت ترین ہے۔ دریائے میں کے کنارے کنارے میلوں تک آیا، دریا کے کنارے پر چھوٹے چھوٹے رہائشی مکانات بننے ہوئے تھے جن میں پیرس کے لوگ چھٹیاں منانے آتے ہوں گے۔“

”نایاب ہے.....“ میں نے تعریفی انداز میں کہا۔

”میں نے سوکھ کمپنی کو ہدایات دے کر بنوائی تھی۔“

”یقیناً.....! ورنہ بازار میں کہاں مستیاب؟“ میں نے جواب دیا اور مسٹر گرائے نے اُن بہر حال! خوبصورت مناظر گزرتے رہے۔ کار میں بالکل خاموشی طاری تھی۔ پھر جیسا کہ کلائی سے کھول لیا۔ پھر انہوں نے میرا ہاتھ پکڑ کر گھٹری میری کلائی پر باندھ دی۔ ”آج سے تمہاری.....“

”جی.....؟“ میرا منہ حیرت سے کھل گیا۔

”نکف نہ کرنا، مجھے افسوس ہو گا۔ اسے میری عادت سمجھ لو۔“ مسٹر گرائے نے کہا اور اُختر میں ایک حسین عمارت نظر آرہی تھی جس کے پورچے میں کار رُک گئی اور ہم سب یہ نیچے اتر منہ کھول کر رہ گیا۔ بے حد قیمتی چیز تھی۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کہوں۔ بہر حال! اچھا بُدھ آئے۔

مسٹر گرائے مجھے لئے ہوئے عمارت کے ڈرائیکٹ رُوم میں پہنچ گئے۔ جتنی شاندار عمارت پکھ کہا۔ لیکن مسٹر گرائے نے وہ گھٹری دوبارہ قبول نہ کی۔

واقعی عجیب انسان تھا۔

☆.....☆.....☆

تحتی، اتنا ہی خوبصورت ڈرائیکٹ رُوم بھی تھا۔ انہوں نے نہایت پر اخلاق لجھے میں مجھے بیٹھنے کے لئے کہا اور پھر سویتا کی طرف دیکھ کر بولے۔ ”میریا سے کہو کہ ایک کرہ، مہمان کے لئے درست کر دے اور فوراً اطلاع دے۔“ سویتا نے گردان جھکائی اور باہر نکل گئی۔ ”ذیمِ مسٹر مورگن! تم گرائے کے مہمان ہو۔

پیرس تمہارا ہے۔ جہاں چاہو، گھومو۔ اس عمارت میں جتنے افراد موجود ہیں، سب تمہارے پسند کریں گے؟ رات کا کھانا کس وقت کھائیں گے.....؟ نمبر دو.....ٹھیک دس بجے مسٹر گرائے احکامات کی تعمیل کریں گے۔ یہاں تمہارے اوپر کوئی پابندی نہیں ہے۔ میں ذرا مم نے آپ کو اپنے پری خانے میں دعوت دی ہے۔“

انسان ہوں۔ اس لئے اگر نہ مل سکوں تو محوس مت کرنا۔“ پری خانہ.....؟“ میں نے دلچسپی سے اُسے دیکھا۔

”مشکر یہ مسٹر گرائے!“ میں آپ کو بہاں پہنچاؤں گی۔“

”پیرس، جس مقصد کے تحت آئے ہو، اگر اس کی تعمیل میں کوئی رکاوٹ ہو تو یہ ”مگر یہ کیا.....؟“

دینا۔ ہر کام ہو جائے گا۔ اور ضروری نہیں کتم مجھے اس بارے میں تفصیل بتاؤ۔“ ”مسٹر گرائے کے اسرار..... پہلے سے پوچھ کر ان کی افادیت اور دلچسپی محروم نہ کریں۔“

”بہت بہت شکر یہ..... ویسے میرے یہاں آنے کا مقصد صرف تفریخ تھا۔“

”فرانس قابل دید ہے۔ اسے مکمل طور پر دیکھو۔“ مسٹر گرائے نے کہا اور پھر خاموش۔ ”اچھا..... میں نے گھری سانس لی اور گردان ہلانے لگا۔

”کیا پیش کروں؟“ کچھ سوچنے لگے۔ میں نے بھی مداخلت نہیں کی تھی۔

پھر ایک اور خوبصورت لڑکی اندر آگئی اور اُس نے ادب سے کہا۔ ”مہمان کے لئے ”کوئی ٹھنڈا مشروب۔ اور براہ کرم! سویتا کو میرا پیغام دے دیں۔ میں اُس کا انتظار کر تیار کر لیا گیا ہے۔“

”مسٹر مورگن..... آرام کریں۔“ گرائے نے کہا اور میں ڈرائیور روم سے نکلنے لایا۔ ”بہتر..... کھانے کے بارے میں؟“

”نوجے کھانا کھاتا ہوں۔“ میں نے جواب دیا اور ٹریسیانے گردان ہلا دی۔ پھر وہ چل گئی اور میں سویتا کا انتظار کرنے لگا۔ زیادہ دیر نہیں گز ری تھی کہ سویتا مسکراتی ہوئی اندر آگئی۔

”بیل مسٹر مورگن! میرا خیال ہے، سفر کی تختکن دُور ہو گئی ہو گی۔“

”ہاں..... بڑی گھری نیند سویا۔ تھکلی ہوئی تو تم بھی تھیں۔“

”بہت زیادہ..... میں بھی فرصت ملتے ہی سو گئی تھی۔ ابھی تھوڑی دری پہلے جا گی ہوں۔“

”کیا کام کرتی ہو..... میرا مطلب ہے، تمہارا تعلق کون سے شجے سے ہے.....؟“ اُس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ کافی نکھری نکھری نظر آ ری تھی اور اُب اُس کے چہرے پر وہ ”گھر لیو امور کی نگرانی کرتی ہوں۔“ اُس نے جواب دیا اور میرے کمرے تک لگا۔ فرش شاکی کی گھمیرہ تابیں تھیں جو دوران سفر چھائی ہوئی تھی۔ لباس بھی کافی خوبصورت پہنے کرے میں داخل ہو کر اُس نے پر اخلاق انداز میں ضرورت کی چیزوں کی نمائش کی۔

”مسٹر گرائے واقعی پر اسرار خصیت کے ماںک ہیں۔ لیکن یہ کیسی مہمان نوازی ہے کہ پہنچاں کی کہ جب بھی حاجت ہو، اُسے طلب کیا جاسکتا ہے۔“

بہر حال! خوب تھی یہ مسٹر گرائے کی کوٹھی..... رات کا جا گا ہوا تھا۔ دن میں بھی آئی میزبان سے وقت پر ہی ملاقات ہو سکتی ہے۔“

مل سکتا تھا۔ اس لئے ہلاکا سانا شستہ کرنے کے بعد سو گیا۔ اور پھر شام کو تقریباً پونے ساڑھے طور کوئی تبدیلی نہیں ہیں۔ ان کے مشاغل مخصوص ہیں۔ اور ان میں کسی ہی آنکھ کھلی۔ دن کی نیند میرے ذہن پر تھی۔ جسے غسل نے درست کر دیا اور شام کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔“

میرے جانے کا اشارہ مل گیا تھا۔ چنانچہ جو نبی با تھر روم سے نکلا، ٹریا نظر آئی۔ ”مجھے مہمان بنانے کی کیا سوجھی؟“

”نمبر ایک.....“ اُس نے مسکراتے ہوئے کسی قدر بے تکلفی سے کہا۔ ”اُس بہت کم یہاں مہمان آتے ہیں۔ نہ جانے مسٹر گرائے آپ سے اس قدر متاثر“

کیوں ہوئے؟“
”بڑا خاموش ماحول ہے.....“ میں نے کہا۔
چمک تھی۔ دن کی بہت سی یوں لگتا تھا جیسے اُس کی عمر کے چند سال پہنچے کھٹک گے ہوں۔
”بیٹھو..... بیٹھو۔ سارے جہاں کا حسن تمہارا منتظر ہے۔ پسند کرو..... اپنالو!“ اُس نے

اپنے سامنے اشارہ کیا۔
”شکر یہ مسٹر گرائیں..... درحقیقت آپ نے اسے صحیح نام دیا ہے۔“
”آہ..... کاش! میں اسے دنیا کا سب سے صیئن نام دے سکتا۔ میرے لئے یہ سب سے
قدس ہے۔ چلو..... تکلف نہ کرو۔ پر یوں کے دلیں میں انسان کو ہوش و حواس سے عاری
ہونا چاہئے۔ میں یہاں سے ذور جا کر اُداس ہو جاتا ہوں۔“ اُس نے گلاس میری طرف
پڑھادیا اور میں نے اُس کا ساتھ دینے کا فیصلہ کر لیا۔ لیکن میں کہاں اور گرائیں کہاں
گرائیں شراب پی رہا تھا۔ خدا کی پناہ! وہ پورا گلاس بھر لیتا اور پھر چند ساعت میں اُسے خالی
کر دیتا۔ پانی یا سوڈا نام کی کوئی چیز نہیں ملا تھا۔

جب تک میں نے چار پیگ لئے، وہ چھ گلاس خالی کر چکا تھا۔ ساتواں گلاس خالی کر کے
اُس نے نائی کھول دی۔ آٹھویں گلاس پر قیص اُتار دی۔ نویں گلاس پر اُس نے پتلون بھی
اُتار دی اور دسویں گلاس پورا ہونے سے پہلے میں اٹھ گیا۔ کیونکہ اُب صرف اندر ویزرا گیا
تھا۔

”ارے..... ارے! تم کہاں چلے؟“ اُس نے چونک کر پوچھا۔
”میرا طرف ختم ہو گیا ہے.....“
”اتی جلد.....؟“

”ہاں مسٹر گرائیں..... میری حیثیت پانچ پیگ سے زیادہ نہیں ہے۔“
”اوہ..... شراب، ذہن سے ہر تصور مٹا کر پینی چاہئے۔ بیٹھو میرے دوست..... بیٹھو!
میری درخواست ہے، بیٹھو۔“ مسٹر گرائیں نے کہا۔ اُس کے لمحے میں لڑکھڑا ہٹ تھی۔ پھر مسٹر
گرائیں نے کھڑے ہونے کی کوشش کی اور کھڑے ہو کر جھومنے لگے۔

”اوہ..... میں تو کھڑا ہو سکتا ہوں۔ نہیں، نہیں..... یہ محظی کی تو ہیں ہے۔ آغوش محظی
میں اگر ہوش قائم رہے، اعضا ساتھ دیں تو عشق صادق نہیں کھلا سکتا۔ ابھی بدن میں جان
باتی ہے.....“ وہ بیٹھ گیا اور یہے بعد گیرے اُس نے مزید تین گلاس پئے۔

میں شش روائے دیکھ رہا تھا۔ اُس کی آواز بے ربط تھی۔ اُس کے الفاظ غیر مر بوٹ تھے۔
لیکن ابھی وہ پی رہا تھا۔ پھر گلاس اُس کے ہاتھ سے گر پڑا۔ ”سنو.....!“ اُس نے بمشکل مجھ

ہے۔ جس وقت آپ کا دل چاہے، جہاں چاہیں، تفریخ کریں۔ ویسے آج آپ تھے
تھے اس لئے میں نے کوئی پیشکش نہیں کی۔ مکن آپ کو اجنبی بیرس دکھاؤں گی۔“
”پری خانہ کیا ہے.....؟“ میں نے سوال کیا۔
”اوہ..... خیریت؟ اس کے بارے میں پوچھنے کی ضرورت کیوں پیش آگئی؟“
مسکراتے ہوئے پوچھا۔

”رات کو پری خانے کی دعوت ملی ہے۔“
”یہ بھی دوسروں پر تمہیں فوکیت ہے۔ ورنہ پری خانہ ایک خفیہ حیثیت رکھتا ہے۔
لوگوں کو وہاں سے گزرنے کی اجازت بھی نہیں ہے۔“
”میرے اوپر بڑی مہربانیاں ہیں مسٹر گرائیں کی.....“ میں نے مسکراتے ہوئے
سویتا بھی مسکرانے لگی۔ پھر ہمارے لئے مشروب آگیا۔

رات کے کھانے کے بعد بھی سویتا تھوڑی دیر میرے ساتھ رہی۔ اور پھر اُس نا
بجے بھیجے پری خانے پر پہنچا دیا۔ عمارت کا اندر ڈونی حصہ تھا اور اس کے کمرے کے دروازے
پر مجھے چھوڑ دیا گیا۔ میں نے بے تکلفی سے دروازہ کھول لیا۔ اندر کا منظر دیکھ کر میں نہ
گیا۔ انتہائی حسین کرہ تھا۔ کمرے کی بجائے اسے ہال کہنا مناسب ہو گا۔ خوب ہے
ہو رہی تھی۔ ہال میں تین حوض بنے ہوئے تھے جن کا قطر آٹھ فٹ سے کم نہ ہو گا۔
حوضوں کے تین رنگ تھے۔ سرخ، گلابی اور عنابی۔ ہر رنگ اُن میں بد لے ہوئے
تھا۔ حوضوں کے کنارے کنارے نہایت اعلیٰ درجے کے ریکے بکھرے ہوئے تھے۔
سارے جہاں کی شراب کی بولنیں بھی ہوئی تھیں۔ ایک آرام دہ کری پر گرائیں ایک خوبی
اور ملامم کپڑے کے لبادے میں ملبوس بیٹھا تھا۔ اُس کے سامنے میز بھی جس پر کئی
گلاس رکھے ہوئے تھے۔

تو یہ ہے پری خانہ..... میں نے سوچا۔ اور اسی وقت گرائیں کی آواز اُبھری۔ ”اپنی
گاہ میں خوش آمدید کہتا ہوں مسٹر مورگن.....! تشریف لائیے۔“
میں اُس کی طرف بڑھ گیا۔ گرائیں کا چہرہ لال بھروسہ کا ہو رہا تھا۔ اُس کی آنکھوں

سے کہا اور میں اُس کے قریب پہنچ گیا۔ ”کیا میں ہوش میں ہوں.....؟“

”میرا خیال ہے مسٹر گرائیں! اب اس سے زیادہ بینا آپ کے لئے نقصان دہ ہو گا۔“

”تب میرا ایک کام کرو۔“

”جی..... فرمائیے!“

”مجھے سہارا دو۔ میرا وزن اپنے بازوؤں پر سنجلاؤ.....“ اُس نے ہاتھ انھا دیا اور
نے اُس کی خواہش کی تقلیل کی۔ وہ خود سے قدم بھی نہیں اٹھا پرہا تھا۔ پھر اُس نے ایک ہزار
کی طرف اشارہ کیا اور میں جیران رہ گیا۔ میں اُسے حوض کے نزدیک لے آیا۔ تب وہ آہر
آہستہ کھسک کر حوض میں اتر گیا۔ ”آہ..... میں اسے روئیں روئیں میں سمیٹ لینا چاہتا ہوں
ضروری نہیں، یہ حلق کے راستے مددے میں اترنے.....“

”مسٹر گرائیں.....!“ میں نے اُسے سرزنش کی۔

”میں مجھے آواز نہ دو۔“ اُس نے آنکھیں بند کر لیں اور میں نے گہری سانس لاد
اگر وہ حوض میں ڈوب کر مر جائے تو میرا کیا قصور؟ تاہم میں نے سوچا کہ کسی کو اس کی اولاد
دے دوں۔ دیے بھی گرائیں اب اس قابل نہیں تھا کہ مجھ سے کوئی بات کر سکے۔ چنانچہ
اُس ہال سے باہر نکل آیا اور کسی کو تلاش کرنے لگا۔ ٹریا پر نگاہ پر گئی تھی۔ اُس نے بھی نکل
دیکھ لیا اور رُک گئی۔

”مسٹر مورگن.....؟“ وہ میری طرف بڑھی۔

”اوہ..... مسٹر ٹریا! میرا خیال ہے کہ مسٹر گرائیں خطرے میں ہیں۔“ میں نے کہا۔

”کہاں ہیں وہ.....؟“

”اپنے پری خانے میں۔“

”اوہ..... تب پھر انہیں کوئی خطرہ نہیں ہے۔“ ٹریا نے مطمئن انداز میں جواب دیا۔

”لیکن وہ.....؟“

”بہت زیادہ پی گئے ہیں۔“ ٹریا نے اُسی انداز میں مسکراتے ہوئے میرا جملہ درجہ
سے اچک کر پورا کر دیا۔

”تصور سے کہیں زیادہ..... انسانی قوت برداشت سے کہیں زیادہ۔ اور اب وہ بے پناہ
کے عالم میں حوض میں پڑے ہیں۔“

”شراب کے حوض میں؟“

”ہاں.....!“
”مسٹر مورگن.....! پری خانے میں کسی کو جانے کی اجازت نہیں۔ اور مسٹر گرائیں ہر وقت
اس عالم میں وہاں گزارتے ہیں۔ انہیں کبھی نقصان نہیں پہنچا۔“
”اطلاع دینا میرا فرض تھا۔ کیونکہ میں یہاں مدعو تھا۔ باقی تمہاری ذمہ داری ہے۔“ میں
نے خلک لجھ میں کہا اور پلٹ پڑا۔

”مسٹر مورگن.....!“ ٹریا نے مجھے آواز دی۔ ”پلیز مسٹر مورگن.....!“ اور میں رُک
گیا۔ ”مسٹر گرائیں کی طرف سے آپ مطمئن رہیں۔ انہیں کچھ نہیں ہو گا۔ میں گھر بیلو امور کی
گران ہوں۔ مجھے یہاں کے حالات سے کافی واقفیت ہے۔ آپ ان کے لئے پریشان نہ
ہوں۔“

”یہ بھی ٹھیک ہے مسٹر یا! بہر حال۔“

”آپ نہیں پیتے مسٹر مورگن؟“ اُس نے مجھ سے پوچھا
”پیتا ہوں.....“

”تب کیا میں آپ کو پیشکش کر سکتی ہوں.....؟“ اُس نے کہا اور اس بار میں نے اُس
کے انداز میں ایک خاص کیفیت محسوس کر لی۔ چند ساعت سوچا اور پھر اُس کے ساتھ چل
پڑا۔ پانچ پیگ کے میرا خون گرم کر دیا تھا اور ٹریا کے ساتھ پڑے ہوئے مزید تین پیگ مجھے
مامول سے بے نیاز کرنے میں کامیاب ہو گئے اور میں بہت کچھ بھول گیا۔ ہاں! دوسرا
ٹھیک بدن کی سرور انگیز ڈھکن، ٹریا کی مہمان نوازی کا احساس دلا رہی تھی۔ کمرہ ٹریا ہی کا
تھا۔ بتر بھی اُسی کا تھا۔ لیکن ٹریا خود کمرے میں نہیں تھی۔

میں ہڑ بڑا کر اٹھا تو وہ باتھ روم سے نکل آئی۔ ”صحیح مسٹر مورگن.....!“ اُس نے
پراسرار مسکراہٹ سے کہا۔ جیسے اُس نے میرے بدن کے، میری شخصیت کے اہم راز پالئے
ہوں۔

”ناشہ، مسٹر گرائیں اپنے کمرے میں آپ کے ساتھ کریں گے۔ اس لئے آپ غسل وغیرہ
کر لیں۔ میں نے آپ کا لباس پر لیں کر دیا ہے۔“ اُس نے میرے لباس کی طرف اشارہ کیا
اور مجھے عجیب سما محسوں ہوا۔ بہر حال! میں نے اُس سے کچھ نہیں کہا تھا۔ اور پھر میں بدن پر
چادر لپیٹنے ہوئے باتھ روم میں چلا گیا۔ تیار بوکر باتھ روم سے نکلا تو ٹریا موجود نہیں تھی۔
میں اُس کے کمرے سے نکل کر اپنے کمرے میں آگیا۔

ابھی یہاں آئے ہوئے زیادہ دینبیں گزری تھی کہ سویتا نے کمرے کے دروازے پر دستک دی۔ میں نے اُسے اندر بلایا تھا۔ سویتا کو دیکھ کر میں چونک پڑا۔ لیکن سویتا کے چہرے پر وہ مسکراہٹ تھی۔

”مسٹر گرائن اپنے کمرے میں آپ کے منتظر ہیں۔“ اُس نے کہا۔
”اوہ.....ٹھیک ہے۔ میں تیار ہوں۔“ میں نے کہا اور سویتا کے ساتھ دروازے کی طرف چل دیا۔

”پری خانے کی رات کیسی گزری؟“ راستے میں اُس نے پوچھا۔
”عدمہ.....لیکن تمہارے باس پر مجھے حیرت ہے۔“
”کیوں.....؟“

”کیا وہ ہر رات اتنی ہی پیتا ہے؟“
”ہاں.....!“

”اور صبح کو اتنی جلد جاگ جاتا ہے، حیرت انگیز بات ہے۔“
”مسٹر گرائن کی وصیت ہے کہ مرنے کے بعد ہر شام اُن کی قبر کو شراب سے غسل دی جائے۔ اور اس کے لئے انہوں نے ایک بڑی دولت محفوظ کر دی ہے۔“

”خوب.....“ میں نے گردن ہلائی اور مسٹر گرائن کے کمرے کے دروازے پر پہنچ گیا۔
”بس..... میری ڈیوٹی یہاں ختم ہے۔“ سویتا بولی اور میں نے گردن ہلائی۔ پھر میں دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ مسٹر گرائن کی خواب گاہ بھی انوکھی تھی۔ بالکل سادہ، لمبا چوڑا بستر تھا۔ درمیان میں ایک صوفہ اور ایک بڑی سنتر نیبل پڑی ہوئی تھی۔ مسٹر گرائن، سنتر نیبل کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے اور میز پر نوٹوں کی تین ڈھیریاں بنی ہوئی تھیں۔ یہ نوٹ کافی مالیت کے تھے۔ دو ڈھیریوں کے ساتھ لفافے بھی رکھے ہوئے تھے۔ تیسرا صرف نوٹوں کی ڈھیری تھی۔ اُس کے پاس کوئی لفافہ نہیں تھا۔

”آؤ مورگن ڈیر.....! آؤ، بیٹھو!“ مسٹر گرائن نے حسب عادت نرم لبجے میں کہا اور میں شکریہ ادا کر کے بیٹھ گیا۔ مسٹر گرائن، گھری نگاہوں سے میرا جائزہ لے رہے تھے۔

”خیریت مسٹر گرائن.....؟“
”ہاں.....! تھوڑا سا فالسہ بکھاروں گا، بور تو نہ ہو گے؟“
”نہیں.....!“ میں نے جواب دیا۔

”تو سنو.....! انسان پیدائشی طور پر کتنا مخصوص ہوتا ہے؟ ہر جذبے سے بے نیاز..... ہر چیز سے لا پرواہ..... پھر وقت اور ماحول کی گندی ہوا، اُس کی سانسوں کو مخصوص کرتی ہے۔ زہن کی غلاظت اُس کے معدے میں پہنچ کر اُس کی نشوونما کرتی ہے اور وہ کچھ سے کچھ بن جاتا ہے۔ پیشتر برا بیان اُس میں پیدا ہو جاتی ہیں اور اُس کی پاکیزگی فتا ہو جاتی ہے۔ ضرورت کے ساتھ اُس کے کندھوں سے لپٹ جاتے ہیں اور اُس کا ذہن بھکلنے لگتا ہے۔ کاغذ کے ان نکڑوں کو دیکھو..... آخر یہ ہماری حیات پر اس قدر مسلط کیوں ہو گئے ہیں؟ یہ بے جان نوٹوں کے ڈھیر جوانتنے کمزور ہیں کہ ہمارے ہاتھوں کی جنبش کے بغیر ہیں بھی نہیں سکتے۔ یہ بے جان ہونے کے باوجود کس طرح ہمیں مسراز کر دیتے ہیں..... کیا تمہیں اس سے انکار ہے؟“

”نہیں مسٹر گرائن.....!“

”ہم اس کے حصول کے لئے کیا کیا کرتے ہیں.....؟“

”بے شک.....!“ میں نے تائید کی۔

”کیا الاعداد انسانوں کی زندگی کا مقصد صرف ان کا حصول نہیں ہے.....؟“

”ہے مسٹر گرائن.....!“ میں نے صبر سے جواب دیا۔ تب مسٹر گرائن نے جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک سیاہ آٹو بینک پستول نکال لیا اور اُسے نوٹوں کے ڈھیر پر رکھ دیا۔

”کیا تمہارے دل میں ان کے حصول کی خواہش بیدار نہیں ہوئی؟“

”کیا مطلب.....؟“

”اگر تم اس بات سے انکار کرو گے تو صرف دو باتیں کہی جا سکتی ہیں۔ یا تو تم بزدل ہو یا فرشتے..... اگر یہ دونوں باتیں نہیں ہیں تو پھر مجھے بتاؤ کہ تمہارے دل میں ان کے حصول کی خواہش کیوں نہیں پیدا ہوئی.....؟“

”اُس لئے مسٹر گرائن! کہ یہ دولت آپ کی ہے اور آپ ایک دوست کی حیثیت سے مجھے یہاں لائے ہیں۔ میں اپنے بازووں کو ان کے حصول کے لئے مضبوط پاتا ہوں۔ اس لئے ان کی پرواہ نہیں کرتا۔“

”اگر میں خود یہ سب تمہیں پیش کر دوں تو.....؟“

”میں اس کی وجہ پوچھوں گا۔“ میں نے جواب دیا۔

”وجہ نہیں..... ان کے حصول کا طریقہ پوچھو گے۔“

"چلے.....یہی تا دیں۔" میں نے دلچسپی سے کہا۔

"یہ پستول پکڑو! لوڈ ہے۔ میرا خیال ہے، صرف دو گولیاں میرے پہلو میں اتارو، اس کے بعد تمہیں کوئی نہ رو کے گا۔" مسٹر گرائن نے پستول میری طرف بڑھا دیا اور میرا ہونٹوں پر مسکرا ہٹ پھیل گئی۔

"میں خود اس بات پر حیران تھا مسٹر گرائن! کہ اتنی شراب پینے کے بعد آپ اتنے ہوش مند کیسے ہو گئے؟ بہر حال..... یا آپ کی خوبی ہے کہ نشے میں بھی عمدہ باتیں کر لیتے ہیں۔"

"مجھے یہی شبہ تھا کہ تم مجھے نشے میں سمجھو گے۔" مسٹر گرائن نے بدستور پر سکون لجھ میں کہا۔ "لیکن میں نے بھی دنیا دیکھی ہے۔ میں تمہارے ظرف کا اندازہ لگانے کے بعد ہی اس طرح تمہارے سامنے آیا ہوں۔ لیکن یقین کرو میرے دوست! میں یہ رقم تمہیں دینا چاہتا ہوں۔ اس کے کئی ذریعے ہیں۔ تم اس پستول سے مجھے قتل کر کے یہ رقم لے کر بھاں سے فرار ہو جاؤ۔ ورنہ میرا کچھ کام کر دو اور جائز طور سے اس کے حق دار بن جاؤ۔"

"اوہ.....! آپ میرے ذہن میں پورے طور سے دلچسپی جاگ اٹھی تھی۔ گرائن، گرامان تھا۔ لیکن اس نے کسی کام کے لئے میرا انتخاب کیسے کر لیا؟ یہ سوچنے کی بات تھی۔

گرائن بدستور مجھے دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے کہا۔ "کیا خیال ہے مسٹر مورگن.....؟ اگر تم اس کے لئے تیار نہ ہو تو مجھے نشے میں سمجھ لینا۔ لیکن میری نگاہیں بتاتی ہیں کہ تم کام کے آدی ثابت ہو گے۔"

"خوب..... ممکن ہے مسٹر گرائن! آپ کا خیال درست ہو۔ کام کیا ہے.....؟"

"بتاتا ہوں۔" مسٹر گرائن نے کہا۔ اور پھر انہوں نے میز کے نیچے ہاتھ ڈال کر کچھ ٹوٹا اور دفعہ میں نے عقب میں ایک سرسر اہٹ محسوس کی۔ پلٹ کر دیکھا، کمرے کی دیوار؛ جست کی ایک چادر چڑھ گئی تھی اور آب اس کمرے سے باہر جانے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ اور پھر اچانک میرا بدن ہل گیا۔ وہ فرش بھی کسی لفت کی طرح نیچے جا رہا تھا، جہاں ہم دونوں بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے صوف کے ہتھے مضبوطی سے پکڑ لئے۔ لیکن ہم زیادہ نیچے نہیں اترے تھے۔ اس وقت بھی ہم ایک کمرے میں ہی تھے۔ بس! دیوار میں بدل گئی تھیں اور منظر بھی۔ اس کمرے میں بیٹھ کی وجہے چند تابوت رکھے ہوئے تھے۔ میں نے اُن کا جائزہ لیا۔ اُن کی تعداد آٹھ تھی۔

"آؤ میرے دوست.....!" گرائن صوف سے اٹھ کھڑا ہوا۔ میں نے بھی اُس پر اسرا

انان کا ساتھ دیا تھا۔ وہ تابوتوں کے قریب پہنچ گیا۔ پھر اس نے ایک تابوت کا ڈھنکن اٹھا دیا۔ اُس میں ایک حنوٹ شدہ لاش موجود تھی۔ کوئی جاپانی تھا لیکن پو وقار صورت کا مالک تھا۔ میں نے تجھ سے لاش کو دیکھا اور پھر گرائن کی جانب متوجہ ہو گیا جو دوسرا تابوت کھول رہا تھا۔ اُس میں بھی کسی یورپی باشدہ کی لاش تھی۔ یکے بعد دیگرے اُس نے پانچ تابوت کھول دیے۔ کھولے۔ اُن سب میں لاٹیں موجود تھیں۔ اس کے بعد اس نے باقی تابوت کھول دیے۔ یہ ہنوز خالی تھے۔

"پوری دنیا میں میرے آٹھ دشمن ہیں۔ پورے آٹھ..... اُن میں سے پانچ یہ موجود ہیں اور تین تابوت خالی ہیں۔ سمجھے..... تین تابوت خالی ہیں۔ اور میں بوڑھا ہو چکا ہوں۔ نہ جانے کیوں میں اتنی جلدی بوڑھا ہو گیا۔ یوں لگتا ہے جیسے اُب میں انہیں قتل نہیں کر سکوں گا۔ ہاں..... میرے اعضاء اُب اس قدر چست نہیں رہے ہیں۔ اپنے پانچ دشمنوں کو میں نے اپنے ہاتھوں سے، مختلف ہتھیاروں کے ذریعے قتل کیا تھا۔ لیکن مجھے احساس تھا کہ ممکن ہے، زیادہ وقت گزر ہو جانے کے بعد میرے قوی ساتھ نہ دے سکیں اس لئے میں نے آخری ہتھیار تیار کیا۔ اور یہ ہتھیار دولت ہے، سمجھے..... کیا یہ ایک مضبوط ہتھیار نہیں ہے؟" اُس نے تجھے دیکھا۔ میں بھی اُسے غور سے دیکھ رہا تھا۔

"اُن سے تمہاری دشمنی کیوں ہے مسٹر گرائن.....؟" میں نے پوچھا۔ اچانک میری نظرت عمود کر آئی تھی۔ رقم کافی بوڑی تھی اور بہر حال! میں اس بات میں سر نہیں کھپا سکتا تھا کہ گرائن نے کام کا آدمی کس طرح ملاش کر لیا۔ دولت کا حصول میری خواہش تھی اور اُب کام مل رہا تھا تو میں انکار نہیں کر سکتا تھا۔

"اس بارے میں، میں تفصیل نہیں بتاؤں گا مسٹر مورگن.....! اس ایک ڈھیر میں پانچ لاکھ ڈال کے نوٹ ہیں۔ اور ان نوٹوں میں یہ بات بوڑی آسانی سے چھپ کتی ہے۔ ہاں! صرف دوستانہ طور پر اتنا بتا سکتا ہوں کہ میں فوجی ہوں اور جنگ عظیم میں عظیم کارنا مے انجام دے چکا ہوں۔ اور میرے دشمن..... میرے چار دشمن بھی فوجی ہیں۔"

"اوہ..... وہ باقی؟" میں نے پوچھا۔

"میں نے کہا تاکہ میں تفصیل بتانے سے گریز کروں گا۔"

"اُن پانچوں کو تم نے ہلاک کیا ہے مسٹر گرائن.....؟"

"ہاں..... اپنے ہاتھوں سے۔" اُس نے سینہ ٹھونک کر جواب دیا۔

”ان کی لائیں یہاں تک کس طرح لائے.....؟“

”اپنی ذہانت سے۔ لیکن مرنے سے پہلے میں ان تمام تابوتوں کو پُردیکھنا چاہتا ہوں۔ میری آخری خواہش ہے۔“

”ہوں..... مجھ سے کیا چاہتے ہو؟“

”میں چاہتا ہوں، وہ کامِ انجام دوجوں میں پورا نہیں کر سکتا۔“

”یعنی اُن بقیہ لوگوں کو قتل کر دوں.....؟“

”ہاں..... میں یہی چاہتا ہوں۔“

”لیکن مسٹر گرائے..... تم مجھے کیا سمجھتے ہو؟ کیا میں جرام پیشہ ہوں؟ میں دولت کے انسانی زندگیوں سے نبیس کھیل سکتا۔ بلکہ میرا خیال ہے، میں پولیس کو ان لاشوں کے بارے میں اطلاع دے دوں تاکہ اُن لوگوں کی زندگی نجح جائے۔“ میں نے سخت لمحے میں کہا۔ گرائے کے پھرے پر مُرد فی چھا گئی۔ وہ عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا۔ حالانکہ اُن کے پاس پستول تھا۔ لیکن اُس کی حالت غیر ہو گئی تھی۔“

”کیا..... کیا تم ایسا کرو گے..... کیا تم.....؟“ اُس نے پھنسی پھنسی آواز میں کہا۔

”ظاہر ہے، میں ایک شریف انسان ہوں۔“

”آہ..... تو..... تو میرے تجربے نے اس بار مجھے دھوکہ دیا ہے۔ کیا میری بیاناتی کمزوری گئی ہے.....؟“ اُس نے غمزدہ آواز میں کہا۔

”کیا مطلب؟“

”ساری زندگی خود کو بہت بڑا انسان شناس اور ماہر نفیات سمجھتا رہا ہوں۔ اکثر حالانکہ ساتھ دیا ہے، اور میں کبھی اپنے قیافے سے مایوس نہیں ہوں۔ لیکن کیا اُب اعضاء ساتھ تقدیر نے بھی ساتھ چھوڑ دیا ہے؟“ وہ لرزتی ہوئی آواز میں بولا۔

”میرے بارے میں تمہارا قیافہ کیا کہتا ہے مسٹر گرائے.....؟“

”دھوکہ ہوا ہے شاید۔ میرا اندازہ تھا کہ تم ایک سخت گیر انسان ہو۔ تمہاری آنکھوں کا چک باتی تھی کہ خطراں ک ترین کامِ انجام دینے کے شائق ہو۔ تمہارے بدن کی بناوٹ بیانی تھی کہ کسی چیز کی طرح پھر تسلیے اور مضبوط ہو۔ اور.....“ وہ خاموش ہو گیا۔

”اور کیا مسٹر گرائے.....؟“

”اس قید خانے کی تصاویر..... میری تحریر، جس میں، میں اپنے جرام کا اعتراف کرتا۔“

”دنیا کے کئی ممالک مجھے سزاۓ موت دینے کے خواہاں ہو جاتے۔ میں اپنی زندگی تمہارے ہاتھ میں دے سکتا تھا مورگن! اور یہ ضمانت ہوتی اس بات کی کہ میری پیشہ حقیقی اور کسی بد دیاتی سے مبراء ہے۔“

”ہوں.....!“ میں نے برقِ رفتاری سے سوچتے ہوئے کہا۔ اور پھر مجھے فیصلہ کرنے میں وقت نہ پیش آئی۔ ”میں تیار ہوں مسٹر گرائے.....!“ میں نے سکون سے کہا۔

”کیا.....؟“ گرائے اچھل پڑا۔ اُس کا چہرہ خوشی سے چھکنے لگا تھا۔ ”کیا کہا تم نے؟“ وہ بولا اور میں نے اپنے الفاظ دہرا دیئے۔ وہ پرسرت نگاہوں سے مجھے دیکھتا رہا۔ پھر اُس نے خوشی کے عالم میں کہا۔ ”اگر تم اس کام کے لئے تیار ہو گئے ہو میرے دوست! تو میں اسے اپنی خوش تھیتی ہی سمجھ سکتا ہوں۔ انسان کی زندگی کا ایک ہی مشن ہوتا ہے۔ اگر اس کی نگاہوں میں اپنی زندگی کے لئے کوئی راستہ نہ ہو تو پھر بلاشبہ وہ ادھوری زندگی کا مالک ہوتا ہے۔“

”میں نے اپنی زندگی کا سب سے خوب صورت دور جسے بچپن سے جوانی تک کا نام دیا جا سکتا ہے، اسی مشن کی تکمیل میں صرف کیا ہے۔ دوسرے تمام معاملات میں نے پس پشت ڈال دیئے تھے۔ اور جب میری عمر اس دور میں داخل ہوئی، جہاں میں نے محسوس کر لیا کہ میں اپنے اس مشن کو تکمیل تک نہیں پہنچا سکتا تو میرے ذہن و جسم پر اضطراب طاری ہو گیا۔ لیکن میں نے گوشہ نشینی اختیار کر کے خود پر مایوس طاری نہیں کی۔ بلکہ اس کوشش میں مصروف رہا کہ اس کا کوئی سد باب کروں۔ مجھے یہ کہنے میں کوئی عار نہیں کہ میری نگاہیں بہت دور سی ہیں۔ اور میں انسانی تجزیے میں کامل تو نہیں لیکن ایک اچھی خاصی مہارت رکھتا ہوں۔ تمہاری ذات کے بارے میں گوئیں نے دیرے سے سوچا تھا۔ تاہم تم مجھے کمل نظر آئے۔ لیکن براہ کرم! اس کی وضاحت طلب نہ کرنا کہ کیوں؟ اور اُب جب کہ تم نے میری معاونت کا فیصلہ کر لیا ہے تو تم یقین کرو ڈیزیر مورگن! کہ میں اپنی رگوں میں پھر سے جوانی محسوس کر رہا ہوں۔“

”آپ کا یہ اعتماد میرے لئے جراث کن ہے مسٹر گرائے.....!“ میں نے کہا۔

”ہاں..... بہت سی باتیں دنیا میں حرث اگیز ہوتی ہیں۔ لیکن بہر صورت! ہم نے اسے تسلیم کرنا نہیں ہوتا ہے۔ تم میرے اس اعتماد کو بھی اسی رنگ میں دیکھو۔ مجھے یقین ہے کہ تم اپنی کوششوں میں کامیاب رہو گے۔“ گرائے نے جواب دیا۔

”ٹھیک ہے مسٹر گرائے..... مجھے چند سوالات اور بھی کرنا ہوں گے۔“

”ہاں..... جب تم نے میری پیشکش بول کر لی ہے تو ہمارے تمہارے درمیان اپنے تدرست آدمی ہے۔ یہ ہے اس لیے صوری.....“
اخلاقی رابطہ اور معابدہ بھی ہو گیا۔ اور ثابت قدم لوگ زبانی معابدے کو بڑی حیثیت، گرائے نے میرے سامنے کرل جیس کی تصویر رکھ دی۔ چڑھے شانے والا ایک وجہہ اہمیت دیتے ہیں۔“
”البتہ اگر تم اپنے اطمینان کے لئے کچھ کرنا چاہو تو مجھے کوئی اعتراض بھی نہ ہو گا اور اس کے بارے میں کمل کو اائف لکھے ہوئے تھے۔ ساری تفصیل تھی۔ اس تفصیل کو میں غور مور گن.....!“

”یہی سمجھ لیں مسٹر گرائے.....!“ میں نے جواب دیا۔
”میرے نزدیک اس میں کوئی حرج بھی نہیں ہے۔“ گرائے نے کہا۔
”تب آپ مجھے بتائیے کہ اس سلسلے میں مجھے کیا کرنا ہو گا؟ اور یہ کہ اگر میں اپنی کوشش خامی مشکلات پیش آئی ہوں گی۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے گہری سانس لی اور مسٹر گرائے میں ناکام رہا تو اس صورت میں کیا کیفیت ہو گی؟“

”دوست! یہ پانچ لاشیں جوت نے دیکھیں، ایسے لوگوں کی ہیں جو اپنے طور پر بہت بڑی۔“ بالکل ٹھیک مسٹر گرائے.....! میں تیار ہوں۔ آب باقی بات رہی اُن دوآدمیوں کی۔“
حیثیت کے حامل تھے۔ انہیں قتل کرنے کے لئے مجھے خاصی ڈشواریاں پیش آئی تھیں۔ لیکن ”اوہ، مسٹر مور گن..... میرا خیال ہے باقی تفصیلات کو رہنے دیا جائے۔ پہلے ہم ایک بہر صورت میں کامیاب رہا۔ اور میں تمہاری ذات میں ایک ایسا ہی گرائے چھپا دیکھ رہا ہوں۔“ مرٹے سے نہت لیں۔ یہی میرا طریقہ کار ہے۔ جب آپ پہلی کامیابی حاصل کرنے کے بعد جیسا کہ میں خود تھا۔ مجھے یقین ہے کہ تم اس کام کو آسانی سے کر لو گے۔“
”تاہم اگر تم ناکام رہے تو ہم دونوں مل کر کوئی نیا پروگرام ترتیب دیں گے۔ اور تم اس کی طرف دیکھ کر گردن ہلانے لگا۔“

”ٹھیک ہے..... اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ مجھے کب روانہ ہوتا ہے؟“
وقت تک اس کوشش میں مصروف رہو گے، جب تک کامیابی حاصل نہ کر لو۔“
”جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے، میں تمہیں مکمل تحفظ کی حفاظت دیتا ہوں۔ اگر ایسا کوشش میں تم کسی چکر میں پھنس گئے، میری مراد قانونی چکر سے ہے تو مسٹر گرائے اتنا گام بھی نہیں ہے کہ وہ تمہاری ملکو خلاصی نہ کر سکے۔ یہ میرا ذمہ۔ باقی تمہاری ذمے داری۔“
”چلنے..... پھر ٹھیک ہے مسٹر گرائے! آب آپ مجھے اُس شخص کے بارے میں بتائیں ہے مجھے قتل کرنا ہے۔“

”کافی ہے مسٹر گرائے.....! بن! آپ میری روائی کے کاغذات وغیرہ تیار کر دیں۔“
اُس کے بعد باقی معاملات میں خود دیکھ لوں گا۔ ہاں..... ایک بات اور بتائیں۔“

”وہ کیا مسٹر مور گن؟“ گرائے نے پوچھا۔
”آپ نے اُن تابوتوں میں یہ پانچوں لاشیں اکٹھی کی ہوئی ہیں۔ کیا اُس شخص کی لاش بھی مجھے یہاں لانا ہو گی؟“

”اوہ.....! یہ تمہاری ذمہ داری نہیں ہے۔ البتہ اُسے قتل کرنے کے بعد اُس کی قبر کی نشاندہی کرو گے۔ میرے آدمی اُسے قبر سے کھود کر لے آئیں گے۔ تم اس سلسلے میں کہاں

”ہاں، یقیناً..... آؤ بیٹھو!“ گرائے نے کہا اور ہم دونوں اسی طرح سامنے بیٹھ گئے۔
گرائے نے پہلی نوٹوں کی ڈھیری کے پاس سے وہ لفاف اٹھایا جو بند تھا۔ اُس نے لفاف کھوا اور اُس میں سے ایک تصویر ٹکال کر میرے سامنے رکھ دی۔
”کرن جیس لوث، اٹلی کا باشندہ ہے۔ اس کا مستقل قیام وغیرہ میں ہے۔ وہاں کا ایک سرماہی دار بھی سمجھ لو۔ شاندار خصیت کا مالک ہے اور زندگی گزارنے کے لئے اپنے طور پر مکمل چوکس رہتا ہے۔ گو، ریٹائرڈ زندگی گزار رہا ہے۔ لیکن آب بھی بے حد چاق و چوبیدا۔“

پریشان ہوتے پھر و گے؟ میں اس کا پورا پورا بندو بست کر دوں گا۔ ”گرانن لے نہ لے کے پاس رکھوادیتا ہوں۔ فائل دخنخ ط اس وقت کر دوں گا جب تم کام کرلو گے۔ اس طرح ”تمہارے آدمی.....؟“ میں نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

”ہاں..... جب تم یہاں سے روانہ ہو جاؤ گے تو چند افراد تمہاری معاونت رہنبارے ذہن میں کم رہے گی نہ میرے ذہن میں۔“ ”ہاں..... تھہارے تعاقب میں رہیں گے۔ اگر تم چاہو تو کسی بھی وقت اُن سے مدد لے سکتے ہو۔“ آپ کا مسئلہ ہے مسٹر گرانن.....! جب میں آپ کے دشمن کو قتل کر سکتا ہوں تو آپ تمہارے کام کر دوں گا۔ اور پھر جب تم اپنا کام کر لو گے تو انہیں اطلاع ہے تم بھی وصول کر سکتا ہوں۔ اس لئے اس مسئلے کو آپ جس طرح بھی حل کر لیں۔“ میں باقی تمام ذمہ داریاں اُن کی اپنی ہوں گی۔“

”اوہو.....! تو وہ لوگ جو کہ لاش یہاں لاسکتے ہیں، کیا وہ اُس شخص کو قتل نہیں کر سکتا۔“ بت ٹھیک ہے۔ تم اس معاملے کو میرے اور پرچھوڑ دو۔ میں تمہیں مطمئن کر دوں گا۔“

”نہیں مسٹر گرانن.....!“ اُس نے پراسرار انداز میں جواب دیا۔ ”اُن کا کام اپنی رہائش گاہ میں پہنچ کر میں نے بہت مختصر انداز میں مسٹر گرانن کی پیشکش کے بارے لاشوں کو اسمگل کرنا ہے۔ اور نہ ہی وہ اس قدر صلاحیتوں کے مالک میں کہ اس کا کام میں پہنچنے کے لئے اعتماد سے میرا انتخاب کس دے سکیں۔ یہ کام صرف تم ہی کرو گے۔ اُن کا کام تو صرف اتنا ہو گا کہ وہ قبرستان رج رکر لیا۔ بہر حال! یہ کوئی پریشان کن مسئلہ نہیں تھا۔ اگر کام کی زندگی میں، میں ان نکالیں اور اُسے مجھ تک پہنچا دیں۔ تم صرف انہیں کام ہو جانے کی اطلاع دو گے۔“ پکروں میں الجھتا رہا تو بڑی مشکلات پیش آئیں گی۔ چنانچہ میں نے ذہن کو آزاد چھوڑ دیا۔

”آل راست مسٹر گرانن.....! ہمارا، آپ کا معاہدہ ہو گیا۔“ میں نے فیصلہ کن لیجئے مسٹر گرانن نے چھو سیکرٹری شاید اسی لئے رکھی تھیں کہ اُن کا کوئی مہمان یکساں بیت کا شکار نہ ہو۔ اور مسٹر گرانن نے بڑی گرم جوشی سے مجھ سے ہاتھ ملایا۔

”آب تم میرے راز دار دوست کی حیثیت رکھتے ہو۔ میں تمہاری کامیابی کا فیض آیا کہ وہ گزری رات بھی مجھ سے زیادہ دُور نہیں تھی لیکن ٹریا کو میرے قریب دیکھ کر واپس لی گئی تھی۔“

”آخر اجات وغیرہ کی کوئی فکر نہیں ہوئی چاہئے۔“ مسٹر گرانن نے کہا۔ ”شکریہ مسٹر گرانن.....!“ میں نے جواب دیا۔ ”تو کیا آب ہم اور چلیں.....؟“ گرانن نے پوچھا۔ ”آپ کی مرضی پر مختصر ہے۔ اس سے زیادہ اگر آپ مجھے کچھ بتانا چاہئے نہ نہات کی۔ اس ملاقات میں انہوں نے میرا پاسپورٹ اور میری بدھی ہوئی شخصیت کے نہ نہات، میرے لئے سفر کا نکٹ اور دوسری تمام چیزیں مجھے دے دیں۔“

”تم آج رات روانہ ہو جاؤ گے مسٹر مورگن.....! ساری کارروائی تکمیل کر دی گئی ہے۔ تم یہ کمپنی کے نمائندے کی حیثیت سے پیش جاؤ گے، اور اس کمپنی سے سودے کی بات چیت کرو گے۔ میں تمہیں اس سلسلے کی تفصیلات بھی ابھی سمجھا دوں گا۔ بہر حال! ایک طرف تم اس نہیں سے کام کرو گے، لیکن تمہارا اصلن کام.....“

”میرے ذہن میں ایک عمدہ ترکیب ہے۔ ہم کسی اچھے وکیل سے مل کر ایک کا.....“ ”غمہ مسٹر گرانن.....!“ دیے میرا خیال ہے، آپ نے اتنی سہولتیں فراہم کر دی ہیں کہ معاملہ کر لیتے ہیں۔ میں یہ رقم تمہارے نام سے بینک میں جمع کر کے اس کے کاغذات اخراج کام تو بہت منظر رہ گیا ہے۔ اگر آپ یہ سب کچھ نہ بھی کرتے تو.....“

”بہر حال! تم اس سے فائدہ اٹھاؤ۔ میں تمہاری سو فیصد کامیابی کا منتظر ہوں۔“
نے کہا اور میں نے گردن ہلا دی۔ مسٹر گرائن، مجھے کمپنی کے نمائندے کی حیثیت
روشن ہو جاتی ہے۔
میں نے دلچسپی سے اُس منظر کو دیکھا۔ اور یہ سب کچھ مجھے اتنا پسند آیا کہ میں نے کھڑکی
کے قریب ہی کری ڈال لی۔ ہوٹل کی سروس بہت عمدہ تھی۔ میں نے ایک عمدہ شام اپنے
بعد کے کام میرے تھے۔

جس وقت طیارے نے فرانس کی سر زمین چھوڑی تو میں نے اپنے ذہن سے
وسو سے نکال دیئے۔ سیکرٹ پیلس کے اسٹادوں کے بتائے ہوئے اصولوں کے
بھی کام کے بارے میں پہلے فیصلہ کرو۔ اور جب عمل کا وقت ہوتا پہنچلے کی خایر
انداز کر کے صرف کام کرو، اس کے بعد سوچو۔ اس اصول کے مطابق میں نے اپنا ذہن
چھوڑ دیا۔

”میں تم پاکر بول رہا ہوں۔ ریڈ اسٹرکر، فرانس کا نمائندہ۔“ میں نے کہا۔

”مسٹر پارکر.....! کہاں سے بول رہے ہیں؟“ دوسری طرف سے حیرت زدہ آواز سنائی۔

”کام ایسے تھے جنہیں پہلے انعام دینا تھا، اس کے بعد اپنے آنکھ
کو نہیں میں موت بھی خوبصورت ہے۔ پانی کے اُس شہر کے بارے میں تھوڑا
تفصیلات معلوم تھیں۔ اُسے دیکھنے کا شوق بھی تھا۔ لیکن ابھی تو عملی زندگی میں قدم
رکھا تھا۔ ابھی بہت سے کام ایسے تھے جنہیں پہلے انعام دینا تھا، اس کے بعد اپنے آنکھ
کا کوئی لا جھ عمل معین کرنا تھا۔ یہ پہلا کام جو مجھے ملا تھا، میری توقع کے مطابق
بہر حال! اگر میں گرائن کے کہنے کے مطابق تینوں آدمیوں کو قتل کر دوں تو ایک اگر
مالک بن جاؤں گا۔ اُب صرف آئندہ اقدامات کی کامیابی کے بارے میں سوچنا تھا۔
طیارے کے سفر کی تفصیل غیر دلچسپ ہے۔ بہر حال! میں نے وپس میں قدم
کشم وغیرہ کی ضروریات سے فارغ ہو کر خود کو بے یار و مددگار محسوس کیا۔ لیکن خدا
فقدان نہیں تھا۔ گو، شہر اجنبی تھا اور میں اُس آبی شہر میں منزل کی تلاش میں چل پڑا۔
اسکارنو، یعنی موڑ بوٹ نے مجھے سان مارکو چوک پر پہنچا دیا۔ گھنٹہ گھر سے ڈوبے گی
سینٹ مارک کے کلیسا کے قریب سے گزرتا ہوا میں ہوٹل ”گلیو“ میں داخل ہو گیا۔
پرانے طرز کی خوبصورت عمارت مجھے ڈور ہی سے پسند آئی تھی۔ دربان نے
دروازہ کھولا تھا جیسے میں کراون پرنس ہوں۔ اور پھر عملے کے ہر فرد نے ایسا ہی
تحوڑی دیرے کے بعد میں ایک کشادہ کمرے میں منتقل ہو گیا، جس کے باہم طرف
سان مارکو چوک کے گرد برا آمدوں میں بنے ہوئے وہ قہوہ خانے صاف نظر آ رہے
الاقوامی شہرت کے حامل ہیں۔ اُن میں اکثر قہوہ خانوں کے اپنے آرکشا ہیں۔

”اُنھیں اُپ کی آمد کی اطلاع اتنے دن پہلے سے تھی۔ لیکن آپ اچاک ک آگئے۔ بہر حال!
کام میرے تھے۔

”ہاں..... میرا خیال ہے، یہ ہوٹل اتنا غیر معروف نہیں ہے۔“

”یقیناً جذاب! لیکن آپ کی آمد.....؟“

”اوہ، ہاں.....! بس پہلے سے آپ کو اطلاع نہ دی جا سکی۔“

”میں حاضر ہو رہا ہوں۔ براہ کرم! انتظار کریں۔ روم نمبر.....؟“ دوسری طرف سے
پچھا گیا۔

”تیک سوئیں.....!“ میں نے جواب دیا۔

”بل..... زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ باقی گفتگو وہیں پر ہو گی۔“ دوسری طرف سے کہا گیا

اور فون بند کر دیا گیا۔ اُس شخص کے انداز گفتگو سے میں اُس کے بارے میں اندازہ لگانے کی
کوشش کر رہا تھا اور درحقیقت وہ ایک مستعد شخص ثابت ہوا۔ ٹھیک میں منت کے بعد اُس نے

بھرے کمرے کے دروازے پر دستک دی تھی۔ اُس کے ساتھ ایک نارنجی رنگ کی دو شیزہ بھی
تھیں۔ قدرے فربہ بدن لیکن دل کش خدو خال کی مالک۔ خود مسٹر سیڈر بھی گول مول تھے۔

”یعنی آپ کی آمد کی اطلاع اتنے دن پہلے سے تھی۔ لیکن آپ اچاک ک آگئے۔ بہر حال!
کام میرے تھے۔

اچانک آمد سے جتنی خوشی ہو سکتی ہے، مجھے ہوئی۔ ”مسٹر سیدر نے خوش اخلاقی سے ملا تے ہوئے کہا۔

”شکر یہ مسٹر سیدر!“

”میری مسز سے ملو..... یہ ربیکا ہے۔“

”اوہ.....!“ میں نے خود کو سنبھالا۔ تھوڑی دیر کی خاموشی بہتر ہوتی ہے۔ درستہ میں اس کی بیٹھی سمجھ پڑکا تھا۔ گویا یہ لڑکی اس کی خوش مزاجی کا راز ہے۔ میں نے سوچا اور پہلے مسٹر سیدر سے کاروباری گفتگو کرنے لگا جس کے بارے میں مجھے گراننے بتایا تھا۔ میری لائنس کی چیز نہیں تھی۔ لیکن بہر حال! ضرورت کے لئے سب کچھ کرنا پڑتا ہے۔ میں سکون سے گفتگو کرتا رہا۔ پھر مسٹر سیدر نے مجھے پیشکش کی کہ میں ان کے ساتھ قیام کرو۔ لیکن میں نے مذدرت کر لی اور کہا کہ یہ ہوٹل مجھے بہت پسند آیا ہے۔ میں یہیں قیام کرو گا۔“

”جیسی آپ کی خوشی۔ لیکن ویس کی سیر تو آپ ہمارے ساتھ ہی کریں گے؟“

”براؤ کرم! مجھے ویس میں ایک اجنبی کی حیثیت سے گھونٹے پھرنے دیں۔ میرے کرنے کا انداز مختلف ہے۔ میں اپنے طور پر اس شہر کو دیکھوں گا۔“

”تب پھر آپ سے کب ملاقات ہوگی؟“

”آپ مجھے فون کر سکتے ہیں۔ جو گفتگو ہمارے درمیان ہوئی ہے، اس کے لئے یہ بھی ہو، میں حاضر ہوں۔“

”کام ختم ہونے کے بعد بھی ہمیں خدمت کا کوئی موقع نہیں دیں گے مسٹر پارکر؟“

”اس میں کوئی حرج نہ ہوگا۔“ میں نے خوش اخلاقی سے کہا۔ اور پھر وہ دونوں میال کا اپ نے اتفاق سے مجھے ہی منتخب کیا۔

”رخصت ہو گئے۔ نارنجی لڑکی کی چال بہت دلکش تھی۔ لیکن اس کے ساتھ پھدک پھدک چلنے والا اُس کا شوہر.....“

☆.....☆.....☆

شام ہو گئی اور میں لباس تبدیل کر کے ہوٹل سے باہر نکل آیا۔ چوک سان مارکو، روشنیے بجھ گرا تھا۔ ڈوبے پیلس اور کلیدا بھی سجا ہوا تھا۔ میں موڑ بوٹ سے لا اسنجو پہنچ گیا۔

چال خوبصورت ریستوران اور قہوہ خانے بکھرے ہوئے تھے۔ میں نے ایک قہوہ خانے میں جگہ مال کر لی اور پھر چند نٹوں نے ایک بیرے کو میرادوست بنادیا۔

”میں ویس میں اجنبی ہوں۔ ایک دوست کی تلاش میں آیا تھا، لیکن.....“

”نہیں ملے.....؟“ ویٹر نے نوٹ، جیب میں رکھتے ہوئے پوچھا۔

”نہیں.....!“

”کہیں چلے گئے.....؟“

”پہنچنیں معلوم سینور!“

”کیا نام ہے.....؟“

”کرٹن جیس۔ اُنیں سوچوڈہ کی جگ میں.....“

”بس، بس..... کافی ہے۔ اور آپ ویس میں اجنبی ہیں؟“ ویٹر نے کہا۔

”ہاں..... کیوں؟“

”کیا میرا فرض نہیں ہے کہ میں آپ کو ان تک پہنچاؤں؟ ویسے یہ آپ کی خوش نصیبی ہے۔“

”کہا تو ہو گا۔“ میں نے دل ہی دل میں خوش ہوتے ہوئے کہا۔

”اوہ..... کمال ہے۔“ میں نے دل ہی دل میں خوش ہوتے ہوئے کہا۔

”تو ہو گا یوں سینور! کہ دس بجے مجھے وہاں سے چھٹی ملے گی۔ تب میں آپ کو پہلی ریالٹو کے پاس، ”کچ ان“ لے چلوں گا، جس میں مسٹر جیس یعنی میرے سابق آقا بلا ناغہ آتے گیں۔ اور کبھی ہزاروں جیت کر اور کبھی لاکھوں ہار کراتے گئے واپس لوٹ جاتے ہیں۔ آپ

کی اُن سے کب سے دوستی ہے جناب؟ میرا مطلب ہے، اپنے دورانِ ملازمت پر
بھی آپ کو نہیں دیکھا۔“

”اوہ..... ہم دونوں خط و کتابت کے ذریعے دوست بننے تھے۔ صورت سے تو ہم
جیس کو جانتا بھی نہیں ہوں۔“ میں نے جواب دیا۔ موقع کی زماں کت کو دیکھ کر میں نے
دم کچھ تبدیلیاں کی تھیں اپنے بیان میں۔ بہر حال! میں نے جلد بازی مناسب نہیں کی
ویٹر کا انتظار کرتا رہا۔ ویٹس کی سیر کے لئے تو زندگی پڑی تھی۔ نہ جانے کتنی بار آنا پر
وقت ضروری کام تھا اور اپنی تربیت کے بعد یہ میرا پہلا کام تھا جس میں کمائی کی ابرا
چنانچہ اپنی ذہانت کو آذانے کا مسئلہ بھی تھا۔

ٹھیک دس بجے ویٹر میرے پاس پہنچ گیا۔ آب میں نے لباس تبدیل کر لیا تھا۔ پھر
نکل آئے۔ آبی سڑکوں پر روشنیوں سے بجے ہوئے گندوں لے رقص کر رہے تھے۔ گراہ!
میں یہ گندوں لے کسی سیاہ محل میں ٹنکے ہوئے ہیروں کی مانند نظر آ رہے تھے۔

مریمیر یا سڑیت سے گزرتے ہوئے ہم گرانڈ کینال کے سب سے بڑے اور غیر
پل ریالٹو کے پاس پہنچ گئے۔ پل کے پہلو میں عین نہر کے کنارے ایک خوبصورت عالم
”کنج ان“ کے نیون سائیں جگلگار ہے تھے۔

”وہ مسٹر جیس کی کار موجود ہے۔ میں نے کہا تھا، مسٹر جیس کے مشاغل سے جزا
میں واقف ہو سکتا ہوں، کوئی دوسرا نہیں۔“

”ظاہر ہے۔ آڈ! بس تم مجھے دوڑ سے اُن کے بارے میں بتا دینا۔“ میں نے کہا
میرے ساتھ اندر داخل ہو گیا۔ بڑی پر سکون جگہ تھی۔ ایک طرف خوبصورت ریستوران
بار تھا۔ اُس کے دوسرے وسیع حصے میں جواہنہ تھا، جہاں بے شمار لوگ کھلیل رہے تھے۔

ایک دوسرے سے بے نیاز اور لا پرواہ.....

”وہ مسٹر جیس ہیں۔“ ویٹر نے چوڑے چہرے والے ایک وجیہہ شخص کی طرف اٹا
اور میں نے بغور اُس شخص کا جائزہ لیا۔ بلاشبہ شاندار صحت کا مالک تھا۔ میں نے گردنہ
اور پھر جیب سے مزید کچھ رقم نکال کر ویٹر کو دے دی۔

ویٹر نے سلام کیا اور پھر واپسی کے لئے مڑ گیا۔ میں اپنی جگہ کھرا، ویٹر کو جانے
رہا۔ اور اُس کے باہر چلے جانے کے بعد ایک میز کے گرد بیٹھ گیا۔ بیباں سے میں ملتا
پرنگاہ رکھ سکتا تھا۔ میں اُسے کھلیتے دیکھتا رہا۔ زندہ دل انسان معلوم ہوتا تھا۔ بہت!

بھر پر قبیلے لگاتا تھا۔ پر جوش بھی معلوم ہوتا تھا۔ کبھی کبھی میز پر گھونسا مار دیتا تھا۔
بہر حال! آج میں نے اُس کا دُور ہی سے جائزہ لیا۔ اور اس وقت تک بیٹھا رہا، جب
تک وہ وہاں رہا۔ اور اس کے بعد میں نے اُس کا تعاقب کیا۔ جس جگہ اُس کی کوئی تھی، وہ
فیر ہاک کھلاتی تھی۔ خوبصورت کھیلوں کا علاقہ تھا۔ لیکن کوئی کی بناوٹ ایسی تھی کہ اُس کے
اندر کوئی کام مشکل سے کیا جا سکتا تھا۔ میں نے اُس کا اچھی طرح جائزہ لیا۔ اور پھر خاصی
رات گئے گلیوں واپس لوٹا۔

دوسرے دن مسٹر سیڈلر پھر آگئے۔ یہ عمدہ آدمی تھا۔ اُس کی دلی خواہش تھی کہ میں اُس
کے ساتھ قیام کروں۔ لیکن ابھی مجھے اپنا اصلی کام کرنا تھا۔ اس لئے میں نے اُسے ٹال دیا۔
میری آمد کا جو مقدمہ تھا، سیڈلر نے اُس کے لئے کافی کارروائی کر لی تھی۔
”یوں سمجھیں جناب! میں نے کام ختم کر لیا ہے۔“ اُس نے کہا۔
”اگر.....! گویا میں کسی وقت بھی روانہ ہو سکتا ہوں۔“

”ہاں.....! لیکن میری خواہش ہے، آپ اس طرح نہ جائیں۔ جیسا کہ آپ نے کہا تھا
کہ آپ پہلی باروں میں آئے ہیں، ہمیں خدمت کا موقع دیں۔“

”ہم لوگ آئندہ بھی میں گے مسٹر سیڈلر! اور بہر حال! اگر کمپنی سے اجازت مل گئی تو میں
کچھ عرصہ آپ کے ساتھ قیام بھی کر لوں گا۔“

”جیسی آپ کی مرضی.....!“ اُس نے گہری سانس لے کر جواب دیا۔ پھر تھوڑی سی گفتگو
کرنے کے بعد وہ چلا گیا اور میں نے کمرے کا دروازہ بند کر لیا۔ اُب میں سوچ رہا تھا۔ ایک
خصوصی انداز میں سوچ رہا تھا۔ اور اس طرح سوچنے کے نتائج حیرت انگیز اور کاراً مدد نکلتے
تھے۔

چنانچہ تقریباً دو گھنٹے مختلف پروگرام بنتے اور بگڑتے رہے۔ میں ڈور اور زندگی کی باتیں
سوچ رہا تھا۔ اور بالآخر یہ مرحلہ طے ہو گیا۔ میں نے ایک عمدہ پروگرام ترتیب دے لیا تھا۔
درستیت ہر کام کے لئے اُس کے مشکل اور آسان پہلوؤں کا جائزہ لینا چاہئے۔ جہاں تک
ممکن ہو، گہرائیوں کو نظر انداز کیا جائے۔ کیونکہ گہرائیاں، لمبے راستے رکھتی ہیں۔ اور میں نے
یہ راستہ تلاش کر لیا تھا۔

میں نے تیزی سے ڈھلان کا راستہ اختیار کیا تو شام کی گہرائیاں، فضا پر قابض ہونے
لگیں۔ پھر جب نغمہ ہواؤں کے دوش پر شام تھر تھر اسی تھی تو میں تیار ہو کر اپنے ہوٹل سے باہر

نکل آیا اور آبی ٹرینک کے ذریعہ مریسر یا سٹریٹ پر آگیا۔ اور اس کے بعد میں نے خوبصورت شوکیسوں میں جھانکنا شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد مجھے میرے مطلب کی دوکان نظر آگئی اور میں اس میں داخل ہو گیا۔ پھر میں نے اپنے مطلب کا سامان خرید لیا اور وہاں سے واپس چل پڑا۔ اب مجھے دوسرے کام کرنے تھے۔ اس کے لئے آسان ترین طریقے دریافت کرنا مناسب تھا۔ چنانچہ واپس گلیو آگیا۔ اپنے کمرے میں آ کر میں نے ٹیلی فون پر گلیو کے سروں کا رنگ کیا اور ایک کمرہ طلب کیا۔

مستر فراست کے نام سے مجھے میری ہی منزل کا ایک اور کمرہ مل گیا اور میں نے مکار کر گردن پلا دی پھر شکر پدا کر کے فون بند کر دیا۔ اور پھر اپنے لائے ہوئے سامان کے پیک کھولنے لگا۔ بھروسی موجھیں، دار الحی اور سر کے بالوں کی بدلتی ہوئی تراش نے میری صورت بالکل بدل دی۔ آنکھوں کو چھپانے کے لئے میں نے ایک خوبصورت چشمہ خرید لیا تھا اور ڈبل سائیز کوٹ بھی۔ جس کا اصل رنگ ایک بینٹ کے ساتھ مل کر اسے سوت بنادیتا تھا اور دوسری طرف مختلف رنگ بن جاتا تھا۔

گویا اس طرح میں مکمل بدل گیا تھا۔ تب میں اپنے کمرے سے نکل آیا۔ اور پھر میں نے کاؤنٹر سے مستر فراست کے کمرے کی چابی طلب کی اور ایک اینڈنڈ کے ساتھ یہاں آگیا۔ یہ کمرہ، میرے کمرے کی طرح خوبصورت محل وقوع پر نہیں تھا۔ اور اس کا رخ اندر کی طرف تھا۔ تاہم مجھے کون سا اس میں رات گزارنا تھا۔ اس لئے میں نے اس پر گزارہ کیا اور پھر میں اپنی پونچی لے کر باہر نکل آیا۔ میں نے سیدھا "کچ ان" کا رخ کیا تھا جہاں جواء ہو کرتے؟ بلکہ آج میں نے ان کے لئے فضا اور ہموار کی تھی۔ یعنی دوسرے لوگوں سے رقم جست کر مسٹر لوٹ کو دے دی تھی۔

میری اس جسارت پر چند لوگوں نے چونک کر مجھے دیکھا۔ لیکن پھر جب میں نے جب سے نوٹوں کی گذیاں نکال کر میز پر جمع کیں تو سب مطمئن ہو گئے۔ فوراً ایک اینڈنڈ نے میری گذیوں کو اپنی تھویں میں لے لیا اور سرخ نہیں میرے سامنے ڈھیر کر دیئے۔ میرے لئے بھی کارڈ تقدیم ہو گئے اور میں نے ان کا رنگ پر معمولی سا کھیل کھیلا اور کارڈ اپنے ہاتھوں میں آنے کا انتظار کرنے لگا۔

پھر جب کارڈ مجھے ملے تو میں نے کام دکھایا اور عمدہ کارڈ مسٹر جیس کے سامنے ڈال دیئے۔ اس بار میں خوب دل سے کھیلا اور آخر میں، میں اور مسٹر جیس ہی رہ گئے۔ مسٹر جیس

نے اپنے کارڈ دیکھے اور لمبی قسمیں لگانے لگے۔ میں بھی کافی دلیری کا ثبوت دے رہا تھا۔ پھر جب کارڈ شو ہو گئے تو جیس لوٹ نے ایک بھرپور قہقہہ لگایا۔ میں نے خلوص دل سے انہیں مبارکباد دی۔

اور پھر جب میں وہاں سے اٹھا تو جیس لوٹ کا چہرہ، چند رکی طرح سرخ ہو رہا تھا۔ اس نے مجھے پیٹکش کی کہ مجھے میری رہائش گاہ پر چھوڑ دے گا۔ لیکن میں نے اُس کا شکر یا ادا کر دیا تھا۔

"کل بھی آپ سے ملاقات ہو گی مسٹر فراست؟" اُس نے پوچھا۔

"ضور مسٹر جیس.....!" میں نے دانت پیٹتے ہوئے کہا اور مسٹر جیس نے پھر ایک قہقہہ لگایا۔ لیکن میں دل میں مسکرا زہا تھا۔ یہ قہقہے تمہیں بہت ہنگے پڑیں گے ڈسٹر جیس.....! میں نے دل میں کہا۔

دوسرے دن میں نے مسٹر سیڈل سے ایک بڑی رقم طلب کی اور مسٹر سیڈل نے اس خدمت پر بہت خوشی کا انہصار کیا۔ انہوں نے وہ رقم دو گھنے کے اندر مجھے مہیا کر دی تھی۔ رات کو حسب معمول میں نے میک آپ کیا اور کچ ان چل پڑا۔ آج میں نے کچ ان کے قرب دجوار کا بغور جائزہ لیا تھا۔ مجھے اپنا کام انجام دینے کے لئے جائے وقوع کو بھی نگاہ میں رکھنا تھا اور بہر حال! میں نے آج پہلا پروگرام ترتیب دے لیا۔

مسٹر جیس لوٹ نے تمسخرانہ انداز میں خوش ہوتے ہوئے میرا استقبال کیا تھا۔ دوسرے لوگ بھی مسکرانے لگے۔ لیکن آج میں نے کل سے زیادہ رقم میز پر سجادی تھی جو فراؤ کو پن میں بدل گئی۔ اور جب میری کوششیں شامل تھیں تو پھر یہ رقم مسٹر جیس ہی کیوں نہ حاصل کرتے؟ بلکہ آج میں نے ان کے لئے فضا اور ہموار کی تھی۔ یعنی دوسرے لوگوں سے رقم جست کر مسٹر لوٹ کو دے دی تھی۔

آج مسٹر جیس لوٹ پر خلوص ہو گئے۔ کھیل کے خاتمے کے بعد انہوں نے مجھے شراب کی پیٹکش بھی کی جسے میں نے جلے بھئے انداز میں مسترد کر دیا۔

"کل آپ تشریف لایں گے؟"

"یقیناً.....!" میں نے جواب دیا۔

"کل آپ سے تفصیلی گفتگو ہو گی۔" انہوں نے کہا۔

"بے شک.....! کل آپ سے تفصیلی گفتگو ہو گی۔" میں نے کہا اور مسکراتا ہوا واپس چل

پھر میں نے دوسرے دن اس تفصیلی گفتگو کا اہتمام کیا۔ اس سلسلہ کی ضروری خریداری کرنے کے بعد میں نے فون پر مسٹر سیڈلر سے رابطہ قائم کیا۔

”میں آج روانہ ہونا چاہتا ہوں۔“

”اوہ..... تو آپ نے فیصلہ کر لیا مسٹر جم؟“

”ہاں.....!“

”میری خواہش تھی، آپ چند روز قیام کرتے۔“

”کپنی نے کچھ ایسی ذمہ داریاں میرے پروردہ کر دی ہیں مسٹر سیڈلر! کہ حالات مجھے اجازت نہیں دیتے۔ بہر حال! آپ کی پر خلوص دعویٰ کوڑہن میں رکھوں گا۔ اور آئندہ جب بھی ویس کا رخ کروں گا، سیدھا آپ کے پاس آؤں گا۔“

”بہت بہتر.....! میں آپ کے لئے بندوبست کرتا ہوں۔“

”کل صبح کی کوئی فلاٹ نہ تو بہتر ہے۔“ میں نے کہا۔

”بہت بہتر.....! میں انہائی کوشش کروں گا۔“

”تب آپ نے مجھے لکھی دیر میں اطلاع دے رہے ہیں۔“

”بس..... میں ابھی بات چیت کر کے آپ کو اطلاع دیتا ہوں۔“ سیڈلر نے کہا اور میں نے میلی فون بند کر دیا۔

بہر صورت! جو پروگرام میں نے بنایا تھا، اس پر مجھے اتنا اعتماد تو تھا ہی کہ میں باقی کارروائی مکمل کر لوں گا۔ اگر اتنا اعتماد بھی اپنی ذات پر نہ ہو تو پھر انسان کسی کام کے لئے کوئی دعویٰ نہیں کر سکتا۔ رات کو تمام تیاریوں سے فارغ ہو کر میں پل ریالٹو کی جانب چل پڑا۔ اور تھوڑی دیر کے بعد کچھ ان میں داخل ہو گیا۔

کچھ ان کی رونق حسب معمول تھی۔ مسٹر جیس کی کار میں نے باہر ہی دیکھ لی تھی۔ گویا، شخص اندر ہی موجود تھا۔

میں پر اطمینان قدموں سے چلتا ہوا کچھ ان کے اس حصے میں داخل ہو گیا جو، جوئے کے لئے مخصوص تھا۔ حسب معمول رونق تھی۔ میز میں بھری ہوئی تھیں اور زور و شور سے کھلی جاری تھا۔ خوبصورت لڑکیوں کے تقبیہ گونج رہے تھے۔ جیتنے والوں کے کندھے، گداز جسموں سے نکل رہے تھے اور ہارنے والوں کے بد رونق چہرے بھی صاف نمایاں تھے۔ خوب ہوتا ہے۔

ہدیت کا کھلی بھی۔ اور خوب ہوتے ہیں چچھتے سورج کا ساتھ دینے والے۔
آج بھی میں، مسٹر جیس کے سامنے پہنچ گیا اور میرے لئے فوراً کرسی خالی کر دی گئی۔
”اوہ..... میرے دوست! میں تمہارا بڑی شدت سے انتظار کر رہا تھا۔ سچ پوچھو تو مزہ ہی
نہیں آ رہا تھا۔“ جیس لوث نے کہا۔

میں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ ایک کرسی کھسکائی اور بیٹھ گیا۔ میرے چہرے پر نفرت کے نقوش تھے۔ اسی مخصوص انداز میں، میں نے نوٹوں کی گذیاں نکالیں اور بیز پر جادویں۔ اٹینڈنٹ، سروں کے لئے تیار تھا۔ اس نے نوٹوں کو سرخ گول نکیوں سے

”ویسے مسٹر جیس..... آپ کے دوست کی خود اعتمادی بلکہ کہنا چاہئے کہ ہمت کی داد دینا پڑتا ہے۔ اب تک وہ ایک بار بھی نہیں جیتے لیکن دوسرے دن پہلے سے زیادہ جوش و خروش کے ساتھ کھیتے نظر آتے ہیں۔“ جیس لوث کے ایک دوست نے تمسخر انداز میں کہا۔

”اوہ..... میرا خیال ہے مسٹر جیس! آپ اپنے مصاحبوں اور حاشیہ برداروں کے ساتھ باہر نکلتے ہیں۔“ میں نے اس شخص کو گھورتے ہوئے کہا۔

”کیا مطلب؟ میں سمجھا نہیں.....“

”وہ میری ہار کا ذکر کر کے مجھے شرم دندا کرنے اور میرا مذاق اڑانے کی کوشش کر رہے ہے میں۔“

”ہاں دوستو.....! تمہیں اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ براہ کرم! سنجیدگی سے کھلیں دلپکشی لو۔ ہاریا جیت، زندگی میں ہوتی ہی رہتی ہے۔ اور پھر جو شخص یہاں اتنی دولت لے کر آتا ہے، کم از کم وہ اس حیثیت کا مالک ضرور ہو گا کہ لمبی رقبی ہارنے کا اسے کوئی انوس نہ ہو۔“

”ہمارا یہ مقصد نہیں تھا مسٹر جیس.....!“ اس شخص نے معذرت آمیز انداز میں کہا اور کھلیں شروع ہو گیا۔ میرے کھلینے کا انداز وہی تھا۔ حالانکہ اگر میں چاہتا تو اپنے فکارانہ ذہن سے ان لوگوں کو فناش کر سکتا تھا۔ لیکن میرا تو مقصد ہی اور تھا۔

جیس کی نیز پر بیٹھے دسرے لوگ، کھلیں میں لکھتے ہی نہیں ہیں۔ وہ صرف اس لئے کھلی رہے تھے کہ تعداد پوری ہو جائے اور کسی دوسرے کو اس میز پر کھلنے کا موقع نہ ملے۔ اور

دوسری کوشش مجھے کھیل میں الجھانے کی تھی۔

چنانچہ پہلا ہاتھ ہی بس! شاندار پیانے پر ہارا تھا۔ جیس نے حسب معمول تھہمہ لے اور پھر اُس نے تھبیس سیٹ لئے۔

”بات یہ ہے مشر! کہ جوئے کے معاملے میں میری تقدیر ہمیشہ سے اچھی رہی ہے۔ لئے میں آپ کو آگاہ کرتا ہوں کہ ہوشیاری سے کھلیں۔“ میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ہاتھ بھی میں نے اُسی پیانے پر ہارا۔ اور اُب میں اپنی کارروائی کے لئے تیار تھا۔ چنانچہ دوسرے لمحے میں نے جیس لوٹ کے سر کا نشانہ لے کر ٹراٹیگر دبادیا۔ اور پھر دوسرا فائز میں نے اُس کے دل کے مقام پر کیا تھا۔ بس..... کوئی کسر نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔“ مشر جیس.....! میں آپ کی تلاشی لینا چاہتا ہوں۔“ میرا ہجہ حدد رجے سر دھکا۔

”کیا مطلب.....؟“ جیس نے ترش لبھ میں کہا۔

”یہ بات میں نے پہلے دو ہاتھوں میں محوس کی ہے کہ آپ چالا کی کر رہے ہیں اور وہ کارڈ بدل لیتے ہیں۔ اس لئے میں آپ کی تلاشی لینا چاہتا ہوں۔“

”مشر.....! کیا تمہیں کلب کے اصول معلوم ہیں.....؟“ جیس نے خونخوار لبجے میں کہا۔ ”میں کسی اصول کی پرواہ نہیں کرتا۔ آپ کو تلاشی دینا ہوگی۔ اور اگر آپ کے پاس کافی نکل آئے تو اپنی تمام حصیں خالی کرنا ہوں گی۔“

”اوہ..... ہاتھ ہٹاؤ! تم شاید جیس سے واقف نہیں ہو۔“ جیس نے اُسی انداز میں کہا۔ ”ہر گز نہیں..... تمہیں ہر قیمت پر تلاشی دینا ہوگی۔“ میں کھڑا ہو گیا۔

”میں کہتا ہوں، ہاتھ ہٹاؤ۔ ورنہ تمہیں اس بد تیزی کی قیمت ادا کرنا ہوگی۔“ جیسا کہ آواز میں غرہٹ آگئی۔ اس وقت وہ کافی خونخوار نظر آنے لگا تھا۔ یوں بھی قد آرٹھ فنا لیکن بہر حال! میں اُسے تھبیس نہیں اٹھانے دے رہا تھا۔ تب جیس کھڑا ہو گیا۔ اُس نے تھبیس چھوڑ دیئے تھے۔ اور پھر اُس نے اپنے قریب کھڑے ہوئے آدمیوں سے کہا۔“

کرنل جیس کے بارے میں بتاؤ۔“

”مشر.....! تمہیں شاید کرنل جیس کی حیثیت کا علم نہیں ہے۔ خیریت چاہتے ہو تو نامہ سے بیہاں سے چلے جاؤ۔ ورنہ..... اُن میں سے ایک نے کہا۔

”میں اس شخص کی تلاشی لئے بغیر اسے نہیں چھوڑوں گا۔ اسے تلاشی دینا ہوگی۔ اور اگر بے ایمان ثابت ہوا تو.....“

”نکلے کر دو اس کے..... میں ذمہ دار ہوں۔“ جیس آٹھ ہو گیا اور اُس کے دوبارہ

ساتھی میری طرف چھپے۔ لیکن میں نے اطمینان سے انہیں سنہجانا ہیا۔ اُن میں سے ایک کے پیٹ میں لات رسید کر کے میں نے دوسرے کی گردن پکڑ لی اور پھر اُسے ہوا میں اچھاں کر ڈر پھینک دیا۔ اور اس کے بعد میں نے اپنے کام میں تاخیر نہیں کی۔ دوسرے لمحے میں نے پتوں نہال لیا۔ مجھے یہ بھی خدشہ تھا کہ اُن میں سے کسی کے پاس پتوں نہ ہو۔ چنانچہ اُس کی کسی کوشش سے پہلے ہی میں اپنا کام کر لینا چاہتا تھا۔ چنانچہ دوسرے لمحے میں نے جیس لوٹ کے سر کا نشانہ لے کر ٹراٹیگر دبادیا۔ اور پھر دوسرا فائز میں نے اُس کے دل کے مقام پر کیا تھا۔ بس..... کوئی کسر نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔“ جیس لوٹ کے حقوق سے دو کر ایں نکلی تھیں۔ اور پھر وہ میز پر اوندھا ہو گیا۔ اس کے بعد میں نے اُن دونوں آدمیوں پر فائز کر کے انہیں بھی زخمی کر دیا۔ اور جوئے خانے میں بھگڑر چمگتی۔

”خبردار.....! کوئی اپنی جگہ سے نہ ہلے.....“ میں نے کہا اور یقینے کھکھنے لگا۔ اور پھر ہال کے دروازے سے نکلتے ہوئے میں نے دو فائز اور کئے اور اس کے بعد باہر چلا گئے۔ میں ہوٹل کے باہر کی طرف نہیں بھاگنا چاہتا تھا۔ کیونکہ سڑک پر مجھے پر آسانی پکڑا جا سکتا تھا۔ ٹشل خانوں کی قطار پہلے سے میری نگاہ میں تھی۔ چنانچہ اس نے قبل کہ کوئی ہال کے دروازے سے باہر نکلے، میں ایک روشن عسل خانے میں داخل ہو گیا اور پھر انتہائی برق رفتاری سے میں نے سب سے پہلے اپنا کوٹ اُتارا اور اُلٹ کر پکن لیا۔ اس سے میں اُب ایک رنگ کے سوت میں ملبوس نظر آنے لگا تھا۔ پھر میں نے داڑھی اور موچھیں اُتاریں اور انہیں فلیش میں ڈال دیا۔ سر سے وگ اُتار کر بھی میں نے فلیش میں ڈالی اور نیک کھول دیا۔

باہر شرکی آوازیں گونج رہی تھیں۔ آخر میں، میں نے چشمہ ضائع کر کے آئینے میں اپنا پیور دیکھا اور پھر اطمینان سے باہر نکل آیا۔

باہر کا ہنگامہ میرے تصور کے مطابق تھا۔ ایک ہجوم باہر کھڑا تھا۔ کچھ لوگ میری تلاش میں ہوٹل سے باہر دوڑ گئے تھے۔ میں بھی ہجوم میں شامل ہو گیا۔ مشر لوٹ کی موت کی خبر میں نے کن لی تھی اور سکون کی گہری سانس لی تھی۔

پھر جو کارروائیاں ہوتی ہیں، ہوئیں۔ پولیس آئی، لوگوں کے بیانات لئے گئے۔ میں بھی ان میں شامل تھا۔ میں نے اطمینان سے اپنے ہوٹل اور اپنی کمپنی کا حوالہ دے دیا تھا۔

بہر حال! میں ہر طرح محفوظ تھا۔ ظاہر ہے، پولیس ان میں سے کسی کو روک تو نہیں سکتی تھیں۔ اس لئے کہا تھا کہ رات کو میرے ہوٹل کے مقفلہ عملے کو کوئی شک نہ تھوڑی دیر کے بعد سب کو جانے کی اجازت دے دی گئی اور پولیس، لاش کے سلسلے میں میں کوئی پہلو تھا نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔ چھوٹی چھوٹی باتوں کو نظر انداز کرنا بعض اوقات مصروف ہو گئی۔ میں نے جس خوبصورت پیانے پر کام کیا تھا، اس پر بہت خوش تھا۔ کسی سارہ تک ثابت ہوتا ہے۔

فرشتون کو بھی گمان نہیں ہو سکتا تھا کہ جیس لوٹ کو کسی سازش کے تحت قتل کیا گیا ہے۔ بہر حال! میں بے حد مطمئن تھا۔ تین بجے رات میں نے ٹیلی فون پر ایڈر پورٹ جانے والی فرانس سے یہاں تک کا سفر کر کے آیا ہے۔ اسے ایک حادثے کے علاوہ اور کچھ ملنے والے تکمیلی طلب کی اور تھوڑی دیر کے بعد میں ایڈر پورٹ چل پڑا۔ ایڈر پورٹ پر مسٹر سیدر سمجھا جا سکتا تھا۔ اور اس حادثے کے بہت سے گواہ تھے۔ بہر حال! میں واپس اپنے ہوٹل کا بران کی نارنجی رنگ کی پیوی مجھے الوداع کہنے کے لئے موجود تھی۔ میں نے ان کا شکریہ ادا کیا اور ایک بار پھر وعدہ کیا کہ آئندہ وہیں آؤں گا تو ان کے پاس قیام کروں گا۔ اور پھر ہوٹل میں آ کر میں انتہائی پر سکون تھا۔ سونے کے لئے بس بدلتا ہے۔ لیکن میرا سونے کی زبانے وہیں چھوڑ دیا۔

کوئی ارادہ نہیں تھا۔ کیونکہ آج ہی رات ساڑھے تین بجے مجھے وہیں چھوڑ دیتا تھا۔ میرا اس وقت دو پھر کا ایک بجا تھا جب میں نے مسٹر گرائن کو پیرس کے ایک ہوٹل کے اطلاع دے پکھے تھے۔

میں نے اپنا کام جس خوبی سے انجام دیا تھا، اس پر میں بہت خوش تھا۔ جس پتوں سے کہ دہم دگان میں بھی نہ ہو گا کہ فون میرا ہو سکتا ہے۔

میں نے مسٹر جیس کو قتل کیا تھا، اس پر سے نشانات صاف کر کے میں نے واپسی پر گریباً "بیلو..... گرائن سمیکنگ!"

کینال میں پھیک دیا تھا اور بظاہر ایسا کوئی نشان نہیں چھوڑا تھا، جو پولیس کو مجھ تک پہنچا۔ "آپ کا خادم، جم پارکر بول رہا ہے۔"

دے۔ لیکن اس کے باوجود درات کے تقریباً ایک بجے جب پولیس گلیو بیچی اور مسافروں کے "اگ..... کون..... کون بول رہا ہے.....؟"

کروں کے دروازوں پر دستک دے کر انہیں باہر آنے کے لئے کہا گیا تو ایک لمحے کے لئے "جم پارکر.....!" میں نے سکراتے ہوئے کہا۔

میرے بدن میں سنبھالی دوڑگی تھی۔ باہر آیا تو چند پولیس افسروں اور سادہ لباس میں ملبوس لوگ کھڑے مسافروں سے پوچھ گکھ کر رہے تھے۔ یہ کمرہ نمبر تین سو چوبیں کے مسافر میں فراست کے بارے میں معلومات حاصل کر رہے تھے، جس پر مسٹر جیس کو قتل کرنے کا شہزادہ

"نہیں..... پیرس کے ہوٹل کا رفاقتہ زوم نمبر بارہ سے۔"

"مم..... مگر تم پیرس کب پہنچے؟"

"اب سے تقریباً ایک گھنٹہ قبل۔"

"اور..... اور..... وہ..... میرا مطلب ہے، وہ....."

"جہاں..... آپ کا کام ہو گیا ہے۔"

بہر صورت! میں نے پولیس کی کار کر دی کو دل ہی دل میں سرہا تھا۔ اتنی جلدی کسی عدا "تو پھر تم وہاں کیوں ٹھہرے ہو؟ یہاں کیوں نہیں آئے؟"

نہیں تھا۔ وہ بے چارے اسے کہاں تلاش کرتے پھرتے؟ پھر تمام مسافروں سے اس وقت طلب کروں۔ اور پھر آپ سے ہدایات تکمیل دیں کی معافی طلب کی گئی اور اس کے بعد مسٹر فراست کے کمرے کو سر بھمر کر کے

پولیس والے چلے گئے۔

میں نے پولیس کو یہ بھی بتا دیا تھا کہ میں آج ہی رات تین بجے وہیں چھوڑ رہا ہوں۔ اب

کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم میری بے چینی کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔"

"بہتر..... پیچھے رہا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔
مسٹر گرائن نے بڑے ہی پر جوش انداز میں میرا استقبال کیا تھا۔ انہوں نے پڑا فرش ہے۔ میں اپنی ذمہ داری پوری کروں گا۔ جس دوسرے شخص کے لئے تم سے کام لینا ہاتھ ملایا اور پھر مضطربانہ انداز میں میرا بازو پکڑ کر کوئی کمرے میں سوار یا سلاودی کی ایک سرکاری شخصیت ہے۔ اور یہ قطعی اتفاق ہے کہ آج ہی کے اخبار "جلدی بتاؤ..... کیا پوزیشن رہی؟ تم نے فون پر جو کچھ کہا تھا، اس میں وضاحت ہے، وہ یوگوسلاوی وفد کی خبر پڑھی ہے اور اس میں اس کا نام بھی موجود ہے۔"
تھی۔"

"اوہ..... گویا دوسرا شکار یہیں آگیا ہے۔"

"سارا کام آپ کے حکم کے مطابق ہوا ہے۔" میں نے سکون سے جواب دیا۔ "آنہیں گیا ہے، آج آرہا ہے، رات کو دس بجے۔ اور تمہارے لئے اس سے اچھی خبر "لک..... کیا مطلب؟ کیا تم نے درحقیقت اُسے..... کیا....." مسٹر گرائن کو پیش کرنے والی ہوئی۔ "گرائن نے مسکراتے ہوئے کہا۔
آرہا تھا۔

"ہاں..... جیس لوٹ کو قتل کر دیا گیا ہے۔ آپ اپنے ذرائع سے اُس بات کا گھنی مسٹر گرائن سے اُس شخص کے بارے میں تفصیلات معلوم کرنے کے بعد میں نے کہا۔" یہ سب ٹھیک ہے مسٹر گرائن! لیکن آپ یہاں سے اُس کی
اطلاع پہنچا دی جن کے بارے میں، میں نے کہا تھا۔ یعنی وہ جو اُس کی لاش یہاں۔ "اوہ..... اس کی پرواہ نہیں ہے۔ میرے آدمی اُس کی تدفین کے بعد لاش حاصل کر کے گے؟"
ٹھنک پہنچا دیں گے۔ اور یہ کام اُن کے لئے زیادہ مشکل نہیں ہو گا۔ وہ اگر پوری لاش نہیں

"ہاں مسٹر گرائن..... میں نے اپنا تمام کام انتہائی سکون سے انجام دیا ہے۔ اپنے بھائی کے اُس کے مختلف اعضاء پیچ دیتے ہیں۔ مثلاً ایک بار میں اُن کے دیے ہوئے نمبر پر میں نے رنگ کر دیا تھا۔ میری خواہش ہے کہ آپ اُن لوگوں کے دوں بازو، پھرسر، پھر ناگلیں، بدن بھی کئی ٹکڑوں میں آ جاتا ہے۔ اور پھر ان ٹکڑوں کو جوڑنا طور پر رابطہ قائم کر کے اس بارے میں تقدیق کر لیں۔" مسٹر
"حیرت انگیز..... حیرت انگیز..... میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اتنے خطرناک اندھار گرائن نے مسکراتے ہوئے کہا۔
اس آسانی سے قتل کر دو گے۔ بہر حال! میری طرف سے مبارکباد قبول کرو۔ میں تمہیں۔" تب ٹھیک ہے۔ اور آب مجھے اجازت دیں۔ رات کو دس بجے مجھے سرکاری وفد کے حیرت انگیز انسان کہہ سکتا ہوں۔"

"شکریہ مسٹر گرائن..... اب آپ مجھے میرے دوسرے شکار کے بارے میں فہم۔" ہاں..... تم سروے کرو۔ جس چیز کی ضرورت پیش آئے، گرائن کو بتانا۔ میں تمہیں بتائیں۔ میں جلد از جلد اپنا کام ختم کر لینا چاہتا ہوں۔"

" بتاؤں گا بھی۔ ذرا سکون تو لو۔ اور بہر حال! تمہارے پہلے کارناٹے کے لئے رات کو ٹھیک دل بجے میں پیرس ایئر پورٹ پر موجود تھا۔ اپنے کام کے لئے میں نے دوسرے معاملات بھی ہیں۔ مجھے تمہارے معاوضے کی ادائیگی بھی کرنی ہے۔" میں اپنے طرد پر نہایت مناسب جگہ کا انتظام کیا تھا۔ ڈور مار کرنے والی جو گن مسٹر گرائن نے مجھے نے کہا۔

"اوہ مسٹر گرائن..... مجھے ان تمام معاملات سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ آپ یعنی جیب میں موجود تھا۔ اور دوسرے پر زبے بھی مختلف جگہوں پر رکھے ہوئے تھے۔ اسے دوسرے شخص کے بارے میں بتائیں جسے قتل کرنا ہے۔" میں کسی بھی جگہ نسلک کیا جا سکتا تھا۔

پھر نیچے اتر گیا۔ میں نے دُور بین، آنکھوں سے لگا لی اور پوری قوت صرف کر کے جہاز کے دروازے کا جائزہ لینے لگا۔ مطلوبہ شخص کی تلاش کے سلسلے میں جس قدر مجھے خدشہ تھا کہ رات کی ناری کی میں اُسے نہیں پہچان سکوں گا، بات اتنی ہی تھی۔ تھوڑی ہی دیر میں، میں نے اُس شخص کو تلاش کر لیا۔

فید بالوں والا یہ شخص اُس وقت فلیٹ پہنے ہوئے تھا۔ لیکن اُس کا چہرہ اس وقت فلیٹ میں چھپا ہوا تھا۔ میں نے جلدی جلدی جہاز سے اُترنے والے دوسروے لوگوں کو بھی دیکھا۔ مجھے یہ احساس تھا کہ ممکن ہے، مجھ سے پچانے میں غلطی ہوئی ہو۔ لیکن اُس صورت کا دوسرا کوئی شخص وغیرہ میں موجود نہیں تھا۔ اور پھر میں نے یہ بھی محسوس کیا کہ وند کی سربراہی وہی شخص کر رہا تھا۔

مسٹر گرائے نے یہی بات مجھے بتائی تھی کہ وند اُسی شخص کی سربراہی میں فرانس آ رہا ہے۔ تب میں نے گن کی نال، باتحہ روم کے روشنдан سے باہر نکالی اور شست یعنی لگا۔ میرا خیال تھا، میں نے اُسے اچھی طرح پہچان لیا تھا۔ استقبال کرنے والے بڑھ کر اُس سے مصافحہ کر رہے تھے اور کسی کلمات ادا کر رہے تھے۔ چند لوگوں سے تعارف ہونے کے بعد وہ سیدھے ایئر پورٹ لاڈنگ کی طرف بڑھنے لگے۔ میں سانس روکے اپنے کام کا منتظر تھا۔ بس! ایک لمحے کے لئے اُس شخص کو دوسروں سے علیحدہ ہونا چاہئے تھا اور یہ کام بھی مشکل نظر نہیں آ رہا تھا۔ کیوںکہ ساتھ چلنے والے اُس کے ساتھ پھیل کر چل رہے تھے اور اُسے خاص طور سے آگے بڑھنے کا راستہ دے دیا گیا تھا۔

میں موقع کی تاک میں تھا۔ گن کی نال بدستور اُس شخص کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔ میں نے اُس کے پہلو کا نشانہ لیا تھا اور ابھی تک میرا نشانہ کامیاب تھا۔ پھر جو بھی مجھے موقع ملے، میں نے ٹرائیگر دبادیا۔ ایک..... پھر دو۔ تاکہ اگر ایک بار ٹرائیگر دبانے سے کام نہ ہو تو دوسری بار ٹرائیگر دبانے سے ہو جائے۔ اور یہی ہوا۔

کامیابی تو میرا مقدر بن چکی تھی۔ جس کام میں بھی ہاتھ ڈالتا تھا، وہ بہر صورت! پورا ہو یا جاتا تھا۔ اور اس طرح کہ بعض اوقات میں خود حیران رہ جاتا تھا۔ بہر حال! میں نے اُس شخص کو اچھلتے ہوئے دیکھا۔ اُس نے اپنے دنوں ہاتھ، دل کے مقام پر کھل لئے تھے اور مگرے پورے وجود میں سرت کی لہریں اُٹھنے لگیں۔ میرا اوار کامیاب رہا تھا۔.....

چند ساعت تک تو دوسروں کو معلوم بھی نہ ہوا کہ کیا ہوا ہے۔ اور جب وہ نیچے گرنے لگا تو

میں نے اس کے لئے ایئر پورٹ پنج لاڈنگ میں بننے ہوئے باتحہ روم کا انتظام بڑی خوبصورت جگہ تھی۔ باتحہ روم کی ایک کھڑکی، رن وے کی طرف کھلتی تھی جہاں اپنا تار گٹ لے سکتا تھا۔

اُب مجھے جہاز کے آنے کا انتظار تھا..... پروگرام کے مطابق جہاز کو نیک درم تھا۔ لیکن شاید کچھ لیٹ تھا۔

میں نے دیکھا، وند کا استقبال کرنے کے لئے چند سرکاری افسران ایئر پورٹ تھے۔ خصوصی انتظامات کے گئے تھے۔ غالباً پولیس سادہ لباس میں موجود تھی۔ یوں پر کسی ہنگامے کا خطرہ تو نہیں تھا۔ اس لئے ضرورت سے زیادہ اہتمام بھی نہیں کیا گیا۔ مسٹر گرائے نے جو تصویر مجھے دکھائی تھی، اس کو میں نے اچھی طرح ذہن نہیں کر لیکن ڈھنڈنی رات میں کسی شخص کا اتنے فاصلے سے ہو بہو دیکھ لینا بڑا کارہٹا۔ بہر صورت ایں اپنے کام کے لئے مستعد تھا۔

ٹھیک دس نج کر دس منٹ پر رن وے پر چہل پہل ہو گئی۔ اور پر جہاز نظر آ رہا۔ نے ارد گرد دیکھا۔ مجھے یہ بھی خطرہ تھا کہ کہیں میرے باتحہ روم میں داخل ہونے کوئی اور باتحہ روم میں داخل نہ ہو جائے۔ چنانچہ اُب باہر رکنا بھی مناسب نہیں تھا۔ بر ق رفاری سے باتحہ روم میں داخل ہوا اور دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ میں دروازہ، اندر سے بند کر لیا تھا۔

پھر میں نے باتحہ روم کی کھڑکی کھوئی اور رن وے کے اُس حصے کا جائزہ لیا۔ جہاز کو اُترنا تھا۔ روشنیاں بہت کم تھیں۔ لیکن میں اپنے طور پر کچھ نہ کچھ کو شکر کر لے کر کی وجہ میرے پاس موجود ایک طاقت ور دوڑ بین تھی۔ دُور بین مجھے مسٹر گرائے لے کر تھی۔ میں نے سارے معاملات پر غور و خوض کرنے کے بعد عمل کرنے کا فیصلہ کیا۔ سو میں نے دُور بین آنکھوں سے لگا لی اور جہاز کو نیچے اترنے دیکھا رہا۔ پھر دُور بین گلے میں لٹکا لی اور گن کے مختلف پارت ایک دوسرے سے جوان کرنے لگا۔ مشق میں دن میں اچھی طرح کر چکا تھا۔ گن کو جوڑنے میں مجھے کوئی دقت نہ ہوئی۔ نے اپنے سوٹ کی اندر ٹوٹنے جیب سے دو کارتوں نکال کر گن میں فٹ کئے۔ یہ کارڈ قیمت رکھتے تھے۔ اُن کی قیمت اتنی تھی کہ کوئی تصور نہیں کر سکتا تھا۔

جہاز، رن وے پر اُتر گیا۔ میں دیکھتا رہا۔ جہاز، چند لمحے رن وے پر چکر کا۔

ایک دم ایئر پورٹ پر بھلڈر مچ گئی۔

اس سے زیادہ دیر وہاں رُکنا میرے لئے کسی طور ممکن نہیں تھا۔ چنانچہ میں نے گن "ہاشم" سے ساتھ ہی کرنا۔ میں شدت سے تمہارا منتظر رہوں گا۔" مسٹر گرائے نے کہا
پھر، ہاتھوں پر پتلے دستانے چڑھے ہوئے تھے۔ چنانچہ میں نے دستانے آتا کر جیسے اور میا نے وعدہ کر لیا۔
میں ٹھونے اور پھر انتہائی پھرتی بلکہ مستعدی سے باہر نکل آیا۔ رات کو بے حد پر سکون نیند آئی تھی۔ صبح کو تقریباً نو بجے آنکھ کھلی۔ کھڑکی کے شیشوں سے
بڑے اطمینان سے میں ایئر پورٹ لا ڈنچ پر چلتا ہوا باہر آگیا۔ باہر کا کھڑکی ہوئی تھی اور میا نے وعدہ کر لیا۔
مسٹر گرائے نے مجھے استعمال کے لئے دی تھی۔ چنانچہ میں کار میں بیٹھا اور روانہ ہو گیا۔ کہی کی گھنٹے نے ساری کیفیات زائل کر دیں۔ میں جانتا تھا کہ کس کا فون ہو گا۔ مسٹر گرائے نے
شبہ بھی نہیں ہوا تھا کہ اندر کچھ ہو گیا ہے۔ میں نہایت سوت رفتاری سے کار کو ایئر پورٹ کا بارہانی کرائی۔ "میں ناشتے پر تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔"
رقبے سے باہر لے آیا اور باہر آ کر میں نے کار پوری قوت سے چھوڑ دی۔ "میں نے جواب دیا۔

آب میں انتہائی تیزی سے مختلف راستوں سے ہوتا ہوا اپنے ہوٹل کی جانب جا رہا تھا۔ "باتی باتیں تیکیں ہوں گی۔ تمہاری بات کی تصدیق ہو چکی ہے۔ میں بہت خوش ہوں۔" کار میں نے ہوٹل کے کمپاؤنڈ میں روکی اور اندر داخل ہو گیا مجھے یہ یقین تھا کہ میں نے لا مسٹر گرائے نے کہا اور میں بھی خوش ہو گیا۔ اور پھر ٹھیک تیسویں منٹ پر میں مسٹر گرائے کے ہوٹل میں پہنچنے کے بعد میں اپنے کمرے کی طرف چل پڑا۔ "تمہارے جیسے باصول اور شاندار کار کار دگی کے مالک چند ہی لوگ ملیں
خالانکہ رات زیادہ نہیں گزری تھی۔ لیکن مااحول پر کہر ہونے کی وجہ سے سڑکوں پر زیادہ روانہ ہو گئی تھی۔ اور اخبارات میں مسٹر واڈ ولیش کے قتل کی رونق نہیں ہو رہی تھی۔ لیکن اس کے باوجود مجھے یقین تھا کہ مسٹر گرائے جاگ کر میرا انتظار کا اعلان ملی ہے۔" رہے ہوں گے، اور غالباً اس خبر کے سننے کے منتظر۔

چنانچہ میں نے ٹیلی فون پر مسٹر گرائے کا نمبر رنگ کیا اور ٹیلی فون فوراً ہی رسیو کر لیا۔ "آخری دشمن کہو.....!" مسٹر گرائے مشفقاتہ انداز میں مسکرائے۔ اور پھر ٹوٹ پر مکھن تھا۔ "ہیلو.....!" میں نے بھاری لمحے میں کہا۔ "کون بول رہا ہے.....؟" دوسری طرف سے آنے والی آواز مسٹر گرائے ہی کی تھی۔ "کون بول رہا ہے.....؟" دوسری طرف سے آنے والی آواز مسٹر گرائے ہی کی تھی۔ "آپ کا خادم، جم.....!"

"اوہ، جم.....؟" مسٹر گرائے کی آواز گھٹی گھٹی سی تھی۔ "جی ہاں.....! آپ کے لئے خوشخبری ہے۔" "بہت خوب.... گویا، گویا.....!" "جی ہاں.....!" میں نے جواب دیا۔ "تھیک یو جم پا کر! آب بتاؤ، تمہارا کیا پروگرام ہے.....؟" "میں تو تیرے کے بارے میں جانتا چاہتا تھا۔ لیکن ہبھر صورت! رات زیادہ گزرگا۔" "اوہ..... کوئی خاص بات نہیں ہے۔ میری رائے میں تمہیں ہتھیار رکھنا چاہئے۔ میں اس لئے کل آپ سے ملاقات کروں گا۔"

وہ سانپ کی سی نگاہوں سے بچھے دیکھ رہا تھا۔ تب میں نے گھبرائے ہوئے انداز میں
خوکر لگتے ہوئے کہا۔ ”یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں مسٹر گرائن.....؟“

”جو کچھ میں کہہ رہا ہوں، بالکل درست ہے۔ کیا تمہارا نام ڈن نہیں ہے؟ اور تمہارا تعلق
نی لینڈن کیں فیملی سے نہیں ہے؟“

”اوہ..... میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آ رہا۔ کیا آپ کے خیال میں، میں وہ جنم پا رکھنیں
ہوں جس نے آپ کے احکامات کی تتمیل کی ہے؟“

”وہ میری ذہانت تھی کہ میں نے اپنے دشمن کے ہاتھوں اپنے دشمنوں کو ختم کرایا۔ اور
آب آخری دشمن کو میں اپنے ہاتھوں سے ختم کروں گا۔“

”لیکن میری، آپ سے کیا دشمنی ہے.....؟“

”تم میرے بھائی کے قاتل ہو.....!“

”آپ کے بھائی کا قاتل.....؟“

”ہاں..... میرا پورا نام دراصل گرائن ہو پ ہے۔ اور میرے بھائی کا نام این ہو پ
تھا۔“

دوسرا جھنکا..... لیکن اس اندر ورنی دھا کے کو میں نے بیرونی شخصیت پر طاری نہ ہونے دیا
تھا اور اسی طرح جیرانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولा۔ ”این ہو پ..... کون این ہو پ.....؟ نہ
جانے آپ کیا کہہ رہے ہیں مسٹر گرائن.....؟ میری کیفیت عجیب ہو رہی ہے۔ آہ! میرے
پاؤں بے جان ہو رہے ہیں۔“ میں پریشان انداز میں نیچے بیٹھ گیا۔ میں نے دونوں ہاتھ
قلیں پر نکادیئے اور قلیں کی سلوٹ میری گرفت میں آ گئی۔ اب صرف طاقت کا کرشمہ تھا۔
میرے ہاتھوں کی گرفت کا امتحان تھا۔ میرے چہرے پر نقاہت طاری تھی۔ لیکن سارے بدن
کی جانب، ٹھیکیوں میں سمٹ آئی تھی۔ اور پھر میں نے پوری قوت سے قلیں کی ہر سلوٹ کھینچ
لی۔ مسٹر گرائن بری طرح گرے تھے اور میں نے سپر گنگ کی طرح اچھل کر اُن پر چھلانگ لگا
لی۔ میں نے پستول والے ہاتھ پر گرفت قائم کر لی اور اپنا ایک گھٹانا ان کے منہ پر دے
مارا۔

بھر پور حملہ تھا۔ میرا تو خیال تھا کہ یہ مسٹر گرائن کے لئے کافی ہے۔ اور آب اُس میں
مقابلہ کرنے کی جان باقی نہ رہے گی۔ لیکن بھاری اور ھلکتھے بدن والا شخص نہ جانے کس طرح
اٹک گیا اور اُس نے کامیابی سے اپنے دونوں پاؤں میری گردن میں پھنسا لئے۔ اور پھر اُس

تمہیں ایک پستول ڈوں گا۔ یہ میرے ایک دوست نے تھے میں دیا تھا مجھے۔ بہتران
بات تیسرے اور آخری دشمن کی ہے۔“

”ہاں..... میں چاہتا ہوں، اُس کے بارے میں پوری معلومات حاصل کراؤں گا۔
کام کو بھی انجام دے دیا جائے۔“ میں نے کہا۔

”میں تمہیں اپنے اُن دشمنوں کے بارے میں بتانا چاہتا ہوں، جنہیں میں نے قتل
کر دیا۔ اُن سب سے دشمنی کی ایک بنیاد پر نہیں تھی۔ مختلف اوقات میں، مجھے اُن
سے نفرت ہوئی اور میں نے دل میں تمہیر کر لیا کہ میں انہیں قتل کر دوں گا۔ جو کچھ میرے
تھا، میں نے کیا۔ کچھ مددم نے کی۔ اور آب..... آب میرا آخری دشمن رہ گیا ہے۔
ہو، مجھے اُس آخری دشمن سے نفرت کیوں ہے.....؟“

”بتا دیں مسٹر گرائن.....!“

”اُس نے میرے بھائی کو قتل کیا تھا۔ ہاں..... میں اس بات کی تصدیق کر چکا ہو
اُسی نے میرے بھائی کو قتل کیا تھا۔“

”اوہ..... ٹھیک ہے مسٹر گرائن! میں تفصیل نہیں چاہتا۔ آپ مجھے اُس کے بارے
 بتائیں۔“

”وہ..... وہ..... تم ہو مسٹر پا رکر..... یا مسٹر ڈن کیں.....؟“ گرائن نے کہا اور دی
لمحے اُس کے ہاتھ میں پستول نظر آنے لگا۔ اُس کی شخصیت ایک دم بدل گئی تھی۔ جہا
بالکل ختم ہو گیا تھا۔ مجھے جس قدر شدید وہنی جھنکا پہنچا، وہ فطری تھا۔ مجھے اپنی ساعت
نہیں آیا تھا۔ یہ شخص میرے اصل نام سے بھی واقف تھا۔ چند لمحات کے لئے تو میں
ساکت رہ گیا۔ لیکن پھر میری تو قسم عود کر آئیں۔ میں نے ایک سرسری نگاہ، ماحول
اور میرے برق رفتار ذہن نے اپنے بچاؤ کی ترکیب سوچ لی۔

جو میرے کانوں نے سننا تھا، وہ ناقابل یقین تھا۔ بلاشبہ الفاظ کا سحر سب سے گہرا
ہے۔ سیکرٹ پیلس کے نفیاٹی ماہرین نے مجھے اس سحر کو توڑنے کی مشق بھی کرائی تھی۔
جیرت کے شدید جھنکے کے باوجود، میں صرف چند لمحات میں سنبھل گیا اور میری تنہی
نے لا جھ عمل بھی متین کر لیا۔ پھر میں نے خود پر ایک خاص تاثر بھی قائم کر لیا جو گرائن
کے مطابق ہو۔

ذہنی طور پر بالکل آزاد کر دیا جاتا ہے اور پھر اس کا جائزہ لیا جاتا ہے۔“
”اوہ، تو مشریع رائے.....؟“ میں نے ہمتوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

”سیکرٹ پیلس کے تجربے کا جافور..... کسی زمانے میں ایک خطرناک شخص تھا۔ سیکرٹ پیلس سے دشمنی ہو گئی۔ اسے انغوا کر کے سورور میں ڈال دیا گیا اور تمہارے فائل ٹیسٹ کے لئے اسے استعمال کیا گیا۔ پیلس سورز میں ایسی بہت سی بیکار چیزیں پڑی رہتی ہیں۔“

”لیکن جناب..... یہ سب کچھ، اور وہ لڑکیاں جو اس کی سیکرٹری ہیں.....؟“

”سب کی سب سیکرٹ پیلس کی لیکیت..... وہ لڑکیاں، سیکرٹ پیلس کی ملازم ہیں۔“

”بہت خوب.....!“ میں نے مکراتے ہوئے کہا۔ ”لیکن اس شخص کا ذہن.....؟“

”اس کا ذہن، مشینی انداز سے اس انداز میں تیار کیا گیا تھا۔“

”گویا، وہ ایں ہوپ کا بھائی نہیں تھا.....؟“

”اس کا نام آڈبل تھا۔ یہ بات اس کے ذہن میں ذہلی گئی تھی۔“

”اور وہ دونوں اشخاص، جنہیں میرے ذریعے قتل کرایا گیا، یعنی جیس لوٹ اور یوگو سلاوین.....؟“

”وہ سیکرٹ پیلس کا اپنا کام تھا۔“ جواب ملا۔ اور پھر اس شخص نے پچاس ہزار ڈال کے

نوٹ میری طرف بڑھا دیئے۔ ”اور یہ اس کام کا معاوضہ اور اس کے اخراجات وغیرہ۔“

”اوہ، جناب..... اپنے مرتبی اوارے سے کوئی رقم قبول کرنا میرے لئے ممکن نہیں ہے۔

”براؤ کرم.....!“

”یہ ادارے کی طرف سے تمہاری مصروفیات کی ادائیگی ہے مشرڈن! یہ تمہارا حق ہے۔

تم جہاں چاہو، جا سکتے ہو۔ اور اس کے بعد تمہیں یقین دلایا جاتا ہے کہ ادارے کی طرف

سے اور کوئی امتحان پاٹی نہیں رہ گیا، مبادا کہ تم کہیں کسی غلط فہمی کا شکار ہو جاؤ۔ اب تم جا سکتے ہو۔“ کہا گیا اور مجھے نوٹ قبول کرنا پڑے۔ پھر میں آہستہ قدموں سے باہر نکل آیا۔

☆.....☆.....☆

نے مجھے اُنٹے کے لئے پوری وقت صرف کر دی۔ میں بے شک اُنٹ گیا لیکن پیسوں ہاتھ میری مضبوط گرفت میں تھا اور اس طرح اُنٹے ہوئے میں وہ ہاتھ، ساتھ لے آیا تو کلائی کی ہڈی ٹوٹنے کی آواز کافی دور سے آتی معلوم ہوتی تھی۔ اور اس کے ساتھ ہی گراں کی زبردست دھماڑ گوئی تھی۔ اُس نے گھبرا کر ناگلوں کی گرفت ہٹالی تھی۔ اس طرح الٹانہ اُنٹ کے لئے ہی خطرناک ثابت ہوا تھا۔

میں نے اپنے بدن کو جھکا دیا اور گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔ اُس کا ٹوٹا ہوا ہاتھ میں نہ ہر کر پچھے کر دیا۔ گرائے نے سہمے ہوئے انداز میں میری طرف دوسرا ہاتھ اٹھا کر پناہ مانگی۔ لیکن میرے ہاتھ کی کھڑی ہوئی انگلیاں پھچاک سے اُس کی دونوں آنکھوں میں گھس گئیں اور گرائے، بھیا نک آواز میں جیخ پڑا۔ اُس کی آنکھوں کے حلقوں سے میری انگلیاں باہر نہ ملنے کا فوارہ بلند ہو گیا۔ اب وہ کٹے ہوئے بکرے کی طرح تڑپ رہا تھا۔

میں کھڑا ہو گیا۔ اور پھر میرے جوتے کی ٹھوکر اُس کی ناک کی ہڈی پر پڑی اور یقیناً ہمارے ٹوٹ گئی۔ نہ جانے کیوں وہ ساکت ہو گیا۔ لیکن میرے اندر نفرت اُنل رہی تھی۔ میں نے اُس کی پیشانی، جڑے کی ہڈیوں اور ٹھوڑی پر ٹھوکریں مازمار کر اُس کے پورے چڑے اور ہموار کر دیا۔ اب اُس کے شانوں سے اوپر کا حصہ خون اور گوشت کے لوٹھرے کے علاوہ اور کچھ نہیں رہا تھا.....

اُسی وقت کمرے کا دروازہ نہ جانے کس طرح باہر سے کھل گیا، حالانکہ وہ اندر سے بہت تھا۔ بہر حال! میں نے دروازے کی طرف نہیں دیکھا بلکہ پیسوں پر چھلانگ لگا دی اور پیسوں لے کر سیدھا کھڑا ہو گیا۔

آنے والے تعداد میں چھ سات تھے۔ ان کے جسموں پر اعلیٰ درجے کے سوٹ نہ سب نے اپنے ہاتھ بلند کئے ہوئے تھے۔ اور پھر ان میں سے ایک نے کہا۔

”فرام سیکرٹ پیلس..... یہ ہمارے کارڈ میں مشرڈن! یہ آپ کا فائل ٹھاں بڑھا دیا اور سیکرٹ پیلس کے باہر کے نشان کو میں نے صاف پہچان لیا۔ تب میں نے پبل جھکا لیا۔

”میں نہیں سمجھا جناب.....؟“ میں نے جیرانی سے کہا۔

”آج سیکرٹ پیلس سے آپ کا رابطہ قطعی طور پر ختم ہو گیا مشرڈن! یہ آپ کا فائل ٹھا جو ہمارے اصول کے مطابق ہے۔ اس آخری ٹیسٹ کے لئے سیکرٹ پیلس کے شوٹوں

میں اپنے اجداد کی شان و شوکت چاہتا تھا۔ لیکن کس طرح؟ مجھے کیا کرنا ہے مل کیا تھا۔ میں اپنے اجداد کی شان و شوکت چاہتا تھا۔ لیکن کس طرح؟ مجھے کیا کرنا چاہئے؟ ایسا، جو نیا انداز رکھتا ہو۔ وہ جو مجھے معلوم نہ ہو۔ اور ایسے انداز میں کہ دوسرے بڑے معاون ہوں اور میں ایک معمول کی حیثیت اختیار کر جاؤں۔ لیکن اس کے لئے کیا کرنا چاہئے؟ پچاس ہزار ڈالر کی رقم گوپیرس جیسے شہر میں بہت زبردست اہمیت نہیں رکھتی کرنا چاہئے؟

”خوف کے گھر“ کا آخری امتحان بھی خوب تھا۔ عرصے تک وہ میرے ذہن سے پہلے سوچنا بھی تو ہیں سمجھتا تھا۔ رہا۔ سیکرٹ پیلس گواہیک جرام کی تربیت دینے والا ادارہ تھا۔ لیکن اصولوں کے معاملے میں چانچہ ”سوہانو“ کے ڈائیکٹ ہاں میں میری ملاقات شپر سے ہوئی۔ دبلا پیلا اور بہت سے رفاقتی اداروں سے بہتر۔ انہوں نے مجھے اپنے ہاں سے فارغ التحصیل کر دیا تھا۔ آنکھوں سے شاطر نظر آنے والا شپر مجھے کوئی دولت مند احمد سمجھ کر ہی میرے قریب آیا تھا۔ مجھے ایسی شکل دے کر بھیج دیا تھا جو اطمینان بخش تھی۔ لیکن انہوں نے اپنے آخری فرماں باتوں میں بہت تیز تھا۔ مجھے پسند آیا۔

وہیں ختم نہیں کر دیئے تھے۔ اس کے بعد بھی ایک کثیر رقم خرچ کر کے انہوں نے میرا فائز ”درصل! میں ان لوگوں میں سے ہوں جو دنیا کے بارے میں ضرورت سے زیادہ جان ٹھیٹ لیا اور پھر اس کے بعد یہ اطلاع بھی دے دی کہ اس کے بعد کوئی اور ٹھیٹ نہیں ہوتی۔ میں بھی زمین پر چلنے والے لوگوں تاکہ میں کسی دھوکے میں نہ رہوں۔ کوئی طرح دیکھتا ہوں جیسے ایک بلند میانار پر بیٹھا ہوں۔ ان کی حرکات، ان کے خیالات کی کوئی بھی ٹھیٹ ہو، اگر اس کے لئے بہتر معاوضے کا تعین بھی کیا جائے تو کیا برائے؟“ زبان ہوتی ہیں، اور میں انہیں پڑھ لیتا ہوں۔ لیکن موسیو! میرے جیسے لوگ آپ کو کسی لوگ اصولوں کے معاملے میں بہت دیانتدار تھے۔ کتنے نقایتی طریقے سے کام کرتے تھے۔ منب پر نظر نہیں آئیں گے۔ وہ دنیا کے سب سے ناکارہ لوگ ہوتے ہیں، جیسے میں۔“ اس طرح انہوں نے میرا ٹھیٹ بھی لے لیا اور اپنا کام بھی بنالیا۔ بہر حال! اس ادارے کا ”کیوں.....؟“ میں نے اس کے لئے بیک ڈاگ کا آرڈر دے دیا اور وہ مطمئن ہو کر میرے دل میں بڑی عزت تھی۔

میرے اوپر کوئی جرم لا گوئیں ہوا تھا اور ابھی تک میں پیرس میں مقیم تھا۔ پیرس کا ایک خوبصورت ہوٹل، میری قیام گاہ تھا۔ میری زندگی کے بارے میں آپ بہت کچھ جان پہنچے ہیں، کیونکہ ہم ہوتے ہیں۔ لیکن بلند یوں کے ہیں۔ ایک عظیم خاندان کا فرد، جس نے اپنے اجداد کی فیاضی اور عیش و غارت کے نسبت میں جگہ رہ جاتی ہے۔“ انتام کے بعد پیسوں میں ہی جگہ رہ جاتی ہے۔“ قصے رکھتے تھے۔ لیکن ان میں سے میری قسمت میں کچھ نہیں تھا۔ میرے سر پر ستون نہیں۔“ پھر تم بلند یوں پر اکتفا کیوں نہیں کرتے؟““ اس لئے کہ وہ بلند یاں ہماری ذہنی پہنچ کے آگے بیج ہوتی ہیں۔““ غریب حیثیت اختیار کر گیا۔

بہر حال! جو کچھ ہوا تھا، اسے بھول جانا ہی بہتر تھا۔ میرے ذہن کے آخری گوشوں میں کچھ خیالات تھے۔ لیکن ان کی تیکل کے لئے تو ابھی مجھے بہت سے مرافق سے گزرا تھا۔“ یہ سب کچھ آہستہ آہستہ ہی ہو سکتا تھا۔ لیکن اپنی گھٹی ہوئی خواہشات کی تیکل آب میں کر لیا چاہتا تھا۔ مجھے بھی تو حق تھا۔ بلکہ اب مجھے زیادہ حق تھا۔ کیونکہ میں نے سب کچھ اپنی مت

پھر اس نے کہا۔ ”اور مجھے اس وعدے پر اعتبار ہے۔ تو میرے دوست! مقامی اسے براہ کرم! میرے سوالات کے جواب ہاں یا نہیں میں دو۔“

”ٹھیک ہے.....!“ میں نے کہا۔

”تُنگ دوست بھی نہیں ہو۔ تمہاری بے داغ پیشانی تمہارے پر سکون ہونے کی شرکتی ہے۔ اور اس دنیا میں پر سکون وہی ہے جو مالی طور پر مطمئن ہو، اگر کوئی ایسا نہیں۔ اسے نہ ہو، جو دولت سے مل نہ ہو سکتی ہو مثلاً بیماری یا کسی عزیز کی موت کا غم۔“

”یہ بھی ٹھیک ہے۔“ میں نے کہا۔

”آہ..... مسکرائے ہو۔ اس کا مطلب ہے، خوش ہو۔ میری گنجائش دو بتوں ہے۔ میری ضرورت پوری کرو گے.....؟“

”لیکن.....! تم بولتے رہو۔“ میں نے جواب دیا۔

”میرے دوست! نوجوان ہو، اس لئے رومان پسند بھی ہو۔ لیکن محتاج قسم کے۔“ ہر انسان کا اپنا معیار ہوتا ہے۔ تم ان لوگوں میں سے نہیں ہو جو سڑکوں پر رومان کی تلاش آوارہ گردی کرتے ہیں اور پھر کسی شکاری لڑکی کے شکار بن کر پیار کی یا اس بجھاتے ہیں۔ ”چلو..... یہ بھی ٹھیک ہے۔“

”اگر تم ایک ہفتے تک میرے لئے دو بتوں شراب اور تین وقت کی خوراک میا کر وعدہ کرو تو میں تمہیں معیار کی جگہ بیس بتا سکتا ہوں۔“

”بس.....! یہ فضول بات کی ہے تم نے۔“ میں نے براسمنہ بناتے ہوئے کہا اور انہیں چجزہ پھیکا پڑ گیا۔ اس نے بے چین لگا ہوں سے دیہر کو تلاش کیا اور پھر پہلو بدلتے ہوئے ”بڑی گھنیا سروں ہے۔ وہ آرہا ہے۔ تم نے ٹھیک کہا۔ ممکن ہے، میرے منہ کے لئے بات نکل گئی ہو۔ لیکن اس میں میرا قصور نہیں، دیہر کا ہے۔ اتنی دیر کر دی کمخت نے شراب کا سہارا ساتھ ہو تو انسان کبھی گھنیا گفتگو نہیں کر سکتا۔“ اس نے دیہر کی نڑے سے اچکتے ہوئے کہا۔ اور پھر اس کا، کارک کھول کر منہ سے لگاتے ہوئے بولا۔ ”مجھے نہ کنکڑ کے انداز میں شراب پینے میں ہی لطف آتا ہے۔ اس میں زندگی ہوتی ہے۔ جلا۔“

سامنے آ جائے اور انسان اپنی نفاست کو بروئے کار لائے، یہ شراب کی توپیں ہیں۔ میرے دوست! تم محسوس نہ کرو گے۔“ اس نے شراب کی آدھی کے قریب بتوں، ملنے اور اکثر ایسا ہو جاتا ہے۔ اپنے ساتھ حسیناً ہو۔“ اس نے دوسرے لوازمات لے جانے کے لئے کہا تھا۔ ”ہاں نہیں۔“

”عزیز.....! اس گھنیا بات کی شناختی کرو۔“ اس نے کسی حد تک مطمئن ہو کر کہا۔ ”جب تم میری فطرت کے بارے میں اس قدر صحیح اندازہ لگا سکتے ہو تو کیا اس باہم پر یقین رکھتے ہو کہ میں عورتوں کی تلاش میں اُن کی رہائش گا ہوں تک جاؤں گا؟“

”ہرگز نہیں۔ لیکن موسیو! تم نے یہ کیسے اندازہ لگا لیا کہ میں تمہیں کسی کی رہائش گاہ تک لے جاؤں گا۔ لعنت ہے میری ذات پر اگر میں یہ سمجھوں کہ تمہیں بازاری عورتوں سے شغف ہو گا۔ ارے! بازاری عورتوں کو تو وہ پسند کرتے ہیں جو بد شکل ہوں۔ میں تو صرف معیار کی بات کر رہا تھا۔“ اس نے باقی آدمی بتوں بھی ہضم کر لی اور میں نے دیہر کو اشارہ کر کے دوسری بتوں لانے کے لئے کہا۔

”اُس کا چھوڑھو کھل آخا تھا۔“ یہ شابانہ انداز، یہ وقار اور دبدبہ تو بڑی بڑی ہستیوں کو جھکا دے گا۔ لیکن موسیو! اس کے لئے انتظار درکار ہوتا ہے۔ اور یہاں میرا علم کسی حد تک ناکارہ ہو جاتا ہے کہ تم کتنا انتظار کر سکتے ہو؟“

”جتنا تم چاہو شپر! لیکن جو میں چاہتا ہوں، اسے غور سے سن لو!“ میں نے اُس چرب زبان شخص کی زبان بند کرتے ہوئے کہا۔ ”دولت کی میرے پاس کسی نہیں ہے۔ میں چاہتا ہوں لڑکوں کا..... اعلیٰ ترین سوسائٹی کی لڑکوں کا ہمگھٹا میرے گرد ہو اور میں اُن میں سے انتخاب کروں۔ خواہ کتنا ہی وقت صرف ہو جائے۔“

”گو مشکل کام ہے، لیکن شپر کے لئے..... او بندے! تم پھر یہ سب کچھ آخھا لائے۔ بھائی! پینے والا شپر ہے۔ اور اب میں تمہارے لئے اتنا جنہی بھی نہیں ہوں۔“ اس نے بات اور ہری چھوڑ کر پھر دیہر کی نڑے سے بتوں اچک لی اور اُس کے لائے ہوئے لوازمات داپس کر دیئے۔ ”لیکن رہی وفات کی بات، پھر کیا میں اس سلسلہ میں تجویز پیش کر دوں؟“ ”ہوں.....!“ میں نے کہا۔

”نیوسائی کے علاقے میں تجارت پیشہ افراد نے ایسے خوش نما بنگلے بنوائے ہیں کہ انسان ان میں ایک رات گزارنے کی تمنا کرتا ہے۔ خاص طور سے پیرس کے دریانے طبقے کی حسیناً ہیں اُن بنگلوں کی کہانیاں بڑے ذوق و شوق سے سنتی ہیں اور ان کے دلوں میں آرزویں ملچتی ہیں کہ وہ انہیں اندر سے دیکھیں۔ سو ہوتا یہ ہے کہ وہ خود اُن بنگلوں کے دریاں پکر لگاتی رہتی ہیں کہ کسی کی نگاہ والفات حاصل ہو جائے۔ اور اکثر ایسا ہو جاتا ہے۔ وہ جو ان حالات سے نا مخالف ہیں اور وہاں رات گزار سکتے ہیں، اپنے ساتھ حسیناً ہو۔“

لے جاتے ہیں۔ لیکن چالاک شکاری وہاں تھا جاتے ہیں اور خوش رہتے ہیں۔“
”بہت خوب.....!“ میں نے دلچسپی سے کہا۔ ”تم نے کام کی بات بتائی ہے۔ کیا تم یہیں رہ داد دینا پڑتی ہے۔ شہر سے کافی دور ہونے کی وجہ سے یہ علاقہ عام رہائشی علاقہ تھا۔“ میں نے دلچسپی سے کہا۔ ”تم نے کام کی بات بتائی ہے۔ کیا تم نہیں ہے۔ بلکہ صرف ایک پینک سپاٹ ہے اور لوگ وہاں چھٹیوں کے دن گزارنا ہی پسند کرتے ہیں۔ یوں تو وہاں موجود ہر کافی چھٹیوں کے درختوں اور پھولوں کی بیلوں سے ڈھکا کرنے ہیں۔“ ایسے.....؟“ وہ پیٹے پیتے زک گیا۔ اُس کی آنکھوں میں غم کے تاثرات اُبھر آئے۔ ”تم نے کام کی بات بتائی ہے۔ کیا تم نہیں ہے۔“ میں ایک چڑھے میدان میں درختوں کا عظیم سلسلہ ہے۔ اور اسی میدان میں ایک پھر وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ”کاش! میرا اندرونی نظام اُونٹ کی مانند ہوتا اور میرا مونٹ پول بھی بنایا گیا ہے۔ جسے سونگنگ پول سے زیادہ ایک چھوٹی موٹی جھیل کہنا شراب کا ذخیرہ اپنے معدے میں محفوظ کر سکتا تو اس نقصان سے دوچار نہ ہوتا۔ نہیں میرا مناسب ہو گا۔“
بھائی.....! میں دو بوتل سے زیادہ نہیں ہضم کر سکتا۔ میری بدجنتی ہے۔“

”خیر..... خیر! تم اس بات کے لئے غرددہ نہ رہو۔ میں تو تم سے طویل معابدہ کرنے کے بوجھے اُس نے کہا تھا، ٹھیک کہا تھا۔ شہر سے دور ہونے کے باوجود یہ جگہ کافی باروں تھی اور لئے تیار ہوں۔ اور اس معابدے میں عمدہ شراب شامل ہو گی جو تمہاری ضرورت بھری ہو گد۔ بتے لوگ یہاں نظر آ رہے تھے۔ جن میں خوش نما تراش کے لباسوں میں ملبوس لڑکیوں یعنی جتنی تم پی سکو۔“ میں نے اُسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔
کی تعداد زیادہ ہی تھی۔

”آہ.....! ہر بڑے آدمی کی تقدیر ایک نہ ایک دن ضرور جاتی ہے۔ بشرطیکہ اُسے ”کیا خیال ہے مسٹر فریڈ.....؟“ شپر نے پوچھا۔

پہچانتے والی آنکھ کا وجود بھی ہو۔ لیکن شراب کے معاملے میں، میں برا بدبصیب ہوں۔ لیکن اے بڑے آدمی! میں چاہتا ہوں، تم بھی میرے ساتھ نہ جانے کتنی پی جاتے ہیں، مگر میں تشنہ ہی رہتا ہوں۔“
یہاں قیام کرد۔ کیا تمہارے لئے یہ ممکن نہیں؟“

”تم شراب پر چپک کر رہ گئے ہو۔ جبکہ میں نیوسائی کے بارے میں اور کچھ منٹا چاہتا ہو گز نہیں..... کیونکہ اپنے وسائل سے میں یہاں ایک روز بھی قیام نہیں کر سکتا۔“ شپر ہوں۔“ میں نے اُس کی بکواس سے بور ہو کر کہا۔
نے جواب دیا۔ اور پھر اُس کے ہر بیان کی تصدیق ہوئے گی۔

”اوہ..... افسوس! میں شرمندہ ہوں۔ لیکن نیوسائی کے بارے میں آپ کو کام کیا تھا۔ اُس وقت ہم اپنے کافی کے خوبصورت لان میں میشنجے کافی سے لطف انداز ہو رہے تھے بتا چکا ہوں۔ وہاں لڑکیوں کو تلاش نہیں کرنا پڑتا بلکہ وہ خود تلاش کرتی ہوئی وہاں تک پہنچ جائے۔ کچھ اپنے دل کیاں نظر آئیں اور شپر نے مجھے مخاطب کیا۔
ہیں۔ اور یہ عمدہ بات ہے۔ میں اُن لوگوں کی رہائش گاہوں اور دفتروں سے واقف ہوں۔“ ”ابتداء ہو گئی.....!“

”وکھو.....!“ میں نے کہا۔ اور چند ساعت کے بعد دونوں لڑکیاں شپر کے ساتھ اندر آئیں۔ خاصی خوبصورت تھیں لیکن مجھے زیادہ پسند نہیں آئیں۔
”تم کب اُن سے ملاقات کرو گے.....؟“

”جب اجازت ملے گی۔“ اُس نے دوسری بوتل کی تلچھت تک اپنے حلک میں اندھیلے ہوئے جانے میں؟ میں تو ان سے ناواقف ہوں۔“
کہا۔ اور پھر ہونٹ خنک کرنے لگا اور میں اُس سے معاملات طے کرنے لگا۔

”اُنھوں.....! میں بھی نہیں جانتا۔“ میں نے ہونٹ سکوڑ کر کہا۔
☆.....☆.....☆

یوں تو سارا بیرس بے حد حسین ہے۔ لیکن محل وقوع کے لحاظ سے نیوسائی، بیرس کا حصہ ترین علاقہ ہے۔ اور اس علاقے میں جو بیگلہ تیریکے کے گے ہیں، انہیں دیبا کی خوب صورت ترین عمارتوں میں جگہ دی جاسکتی ہے۔ چھوٹے چھوٹے پلاٹوں پر ایسے اعلیٰ بیگلے ڈیزائن کے بتا رہے، اپ و اپس شہر جائیں اور ان کا صحیح پیٹے لے کر آئیں۔“ میں نے خنک لجھے

میں کہا اور شپر کافی پینے لگا۔

”ہاں.....! اب تو بھی کرنا ہو گا۔“ لڑکیاں مایوسی سے بولیں اور پھر آہستہ قہر ہو گے۔ بات وہی ہے ناک کوئی بھی کام ہو، اگر کسی ہرمند کے ہاتھوں ہو تو اُس کی افادیت باہر نکل گئی۔ شپر نے خاموشی اختیار کی تھی۔ جب وہ باہر نکل گئیں تو اُس نے مکاراں سے بھارا جاتا ضروری ہوتا ہے، آپ خود بھی جانتے ہیں مسٹر فریڈ.....!“

ہلاکے۔ ”جانتا ہوں.....!“ میں نے کہا اور کرنی نوٹوں کی ایک گذی شپر کی جیب میں کھسکا ”آب ہم کسی ڈورینا کو تلاش کرنے نکلیں گے۔ کیا خیال ہے مسٹر فریڈ.....؟“ ادنیٰ شپر نے جیب تھپتھاتے ہوئے کہا۔

”کیا مطلب.....؟“ ”إن کی طاقت عظیم ہے۔ سو اب آپ آرام کریں اور کسی آنے جانے والے کو خود ہی

”جس طرح یہ لڑکیاں کسی ہیل کا پر کی تلاش میں یہاں آئی تھیں اور ہمیں پرانا سنبال لیں۔ میں چلتا ہوں۔“

آئیں، اسی طرح ہم اپنی پسند کی کسی لڑکی سے ڈورینا کا پچھہ معلوم کر سکتے ہیں۔“ شپر چلا گیا۔ رات کی لڑکی اپنی جاذبیت کے نقوش چھوڑ گئی تھی۔ آرام دہ مسہری پر لیٹ یہ ساری ذمہ داری تمہارے پردا ہے۔“ میں نے جواب دیا اور شپر خاموشی کے کریں نے اُن بے گناہوں کے بارے میں سوچا جنمبوں نے عیش کئے تھے اور سب کچھ لانا ہلانے لگا۔ اور پھر بہر حال! رات ہونے سے قبل اُس نے ایک ڈورینا مہیا کر کیا دلداری دیتا۔ بلاشبہ جوانی اور عورت، انسان کو دوسرے معاملات سے بے نیاز کر دیتی ہیں۔ وہ کچھ لڑکی کی طور شکاری نہیں معلوم ہوتی تھی۔ لیکن نیوسائی کے روایتی حسن کی دلدادہ خداوند ہوپنے سمجھنے کے قابل نہیں رہتا۔ ہاں! تھوڑی سی غلطی اُس کی ضرورت ہے، وہ یہ کہ اگر اپنی رات کو میری خواب گاہ میں اُس نے کہا۔ ”نیو سائی، لڑکیوں کی تصوراتی جن، ذات کو خوش کر لینے کے لئے کچھ کرے تو اتنا ضرور سوچ لے کہ اُس کی اپنی خوشیاں، دوسروں میرے کا لج کی اکثر لڑکیاں اس کے حسن کی تعریفیں کرتی رہتی ہیں۔ میں پہلی بار پہلا کی خوشیاں چھینے کا باعث تو نہیں بن رہیں؟ اُن لوگوں نے جنمیں میں نے ابھی ابھی بے ہوں۔ لیکن اب اکثر آتی رہوں گی۔“

”تمہارے پا اور می.....؟“ میں نے پوچھا۔

”میں بہانے کرنے میں باہر ہوں۔“ وہ ٹھکھلا کر نہ پڑی۔ ”اُن کی دانت میں اس دولت کی ضرورت ہو گی۔ ٹھیک ہے۔ اس پیانے پر نہ سہی، لیکن کسی پیانے پر تو انہیں آج کی رات اپنی عزیز دوست ڈورتھا کے ساتھ گزاروں گی۔“

”واہ.....! لیکن میرا نام تو فریڈرک ہے۔“

چنانچہ بہتر یہ ہوتا کہ وہ جو کچھ کرتے، اس کے لئے اپنے وسائل سے کام لیتے۔ کم از کم ”اس سے کیا فرق پڑتا ہے.....؟“ وہ پھر نہ پڑی۔ پیرس کی لڑکیاں ان حالات میں خاندانی دولت کا سہارا لے کر وہ ایسے وسائل مہیا کر سکتے تھے جو انہیں مناسب آدمی کے بہت بہادر ہوتی ہیں۔ لیکن وہ تو دوسرے معاملات میں بھی بہادر نکلی اور مجھے شپر کی تجویز فراہم کر دیتے۔ اور وہ آدمی جو معاملات سے ہٹ کر ہوتی، اُن کے اپنے تعیشات پر یہ جگہ کافی پسند آتی جس کے لئے دوسری صبح لڑکی کے جانے کے بعد میں نے اُس کی خوشیوں جاتی تو اس میں کوئی حرخ نہ تھا۔ غلطی کی تھی انہوں نے تو یہ کہ آنے والی نسلوں کے کی تھی۔

شپر اپنی تعریف سے بہت خوش ہوتا تھا۔ شاید اسے بوتل کی گارنیٹ مل جاتی تھی۔ خوبی کی۔ اسرا کی وجہ شاید وہ خوبصورت لڑکی ہو جو میری رات کو پر محروم بنانے کے بعد صبح کو بیان تک مدد و نہیں رہے گی جتاب۔! آپ دیکھیں تو سہی، ابھی تو ان حلقوں میں پڑا گی تھی۔

کی وجہ شاید وہ خوبصورت لڑکی ہو جاتی تھی۔ اور آپ ان لڑکیوں کے لئے میں اسے یاد نہیں کر رہا تھا اور نہ ہی اس کی ضرورت تھی۔ ٹھیک ہے لڑکیوں کو یاد رکھنا پرکشش حیثیت اختیار کر جائیں گے کہ لوگ آپ کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے ہیں۔

لیکن بھی خورنہ جانے لوگوں سے کیا کیا کچھ کہتا پھرتا ہے.....
”اوہ منزہ فریڈرک.....! کیا آپ کی ریاست نزدیک ہی ہے.....؟“ ایک خوبصورت
لوگی نے مجھ سے پوچھا۔
میں نے اُس کی آنکھوں میں جھانکا، جن کی رنگت بھوری تھی۔ بڑی کشش تھی اُن آنکھوں
میں۔ ”آپ کسی اخبار کی روپورٹر ہیں.....؟“ میں نے پوچھا۔
”ہاں.....!“ اُس نے جواب دیا۔
”خاتون.....! آپ کی آنکھوں کی کشش مجھے مجبور کر رہی ہے کہ میں آپ کو اپنے بارے
میں کچھ بتاؤں۔ لیکن اس طرح نہیں۔“
”پھر.....؟“ اُس نے دلکش انداز میں مسکراتے ہوئے پوچھا۔
”اُگر میں آپ کو قیام کی دعوت ہوں.....؟“

”تو میں قبول کرلوں گی۔“ اُس نے مسکراتے ہوئے کہا اور میں جیران رہ گیا۔ میں نے تو
بوجا تھا کہ وہ اخباری روپورٹر ہے۔ تکلف کرے گی۔ خرچے کرے گی اور ہر صورت اُسے
میرے ساتھ قیام پر راضی کرنا خاصا مشکل ثابت ہوا۔ لیکن ایسا نہ ہوا اور روما برونکس میری
مہمان بن گئی۔ سو جب کوئی لڑکی کسی نوجوان کی خوبصورت رہائش گاہ میں اور ایسے نوجوان کی
جوتیں ہو، مہمان بن جائے تو اُس کے خیالات کا اندازہ لگانا مشکل نہیں ہوتا۔ گویا وہ اپنی
ساری خواہشات کے ساتھ وہاں موجود ہوتی ہے جو اُس نوجوان کی طلب ہوں۔ اور روما
برونکس کی عراحتی کم بھی نہیں تھی کہ وہ زندگی کی حقیقوں سے ناواقف ہوتی۔
روما برونکس کی محبت اُن ساری دلکشیوں کی حامل تھی جن کا میں طالب تھا۔ وہ ایک بھرپور
تعاون کرنے والی لڑکی تھی۔ اور اس کے بعد جب اُس نے خود کو اس بات کا اہل ثابت کر دیا
کہ وہ میرا اندر یوں لے سکے تو میں نے اُسے انشرو یوکی اجازت دے دی۔

لیکن یہ تو طے شدہ امر تھا کہ روما برونکس یا کوئی بھی لڑکی، خواہ وہ حسین ترین ہو، میری
امامت تو معلوم کرنے کی اہل نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ میں نے اُسے وہی فسانہ سنایا جو میرا مشیر
لیکن شرپر دوسرے لوگوں کو سننا چاہتا تھا۔

”لیکن تمہیں اس میں قطع و برید کرنا ہو گی۔ کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ میرے لوگ مجھے
ٹالاٹ کرتے ہوئے پہنچ جائیں اور مجھ سے یہ پر لطف زندگی چھن جائے۔“ تب روما برونکس
نے وعدہ کیا اور پھر دوبارہ ملنے کا وعدہ کر کے چلی گئی۔

دانش مندی نہیں ہے۔ یہ تو ہوا کے اُن جھونکوں کی مانند ہوتی ہیں جو آتے ہیں اپنے ازا
بسائے۔ چھوتے ہیں، خوش کرتے ہیں اور آگے بڑھ جاتے ہیں۔ اُن جھونکوں کی راہ پر
ہو بھی تو ان کے لئے جدو جہد نہیں کی جاسکتی۔ ٹھیک ہے، ہوا کے نئے جھونکے اُن ازار
ہوتے ہیں۔

جیسا کہ شپر نے بتایا تھا اور خود میں نے بھی دیکھا تھا کہ یہ علاقہ بلاشبہ ہر قسم کی افزائش
کے لئے موزوں ترین تھا۔ جتنے لوگ نظر آئے تھے، زندگی کی طلب سے بھر پور تھے؛
کے تقاضوں سے آشنا اور سیر چشم معلوم ہوتے تھے۔ جنے یہاں آنے کے بعد انہیں ہم
ہی اطمینان ہو۔ ہاں.....! دیکھنا یہ تھا کہ یہ شخص جس کا نام شپر ہے اور جو بکواس کرنا
ہے، میرے لئے کیا کرتا ہے؟ باقی رہا یہاں قیام کا سوال تو بچ بات تو یہ تھی کہ ابھی تک
زندگی نیں کوئی جدو جہد تو شروع نہیں ہوئی تھی۔ ہاں! خیالات ضرور تھے جنہیں میں پہنچ
تک پہنچا لیتا چاہتا تھا۔ لیکن اپنی ان خواہشات کو بھی مرید مقید نہیں رکھ سکتا تھا۔

میری خواہش تھی کہ میں پہلے اپنے آپ کو سیر کر لوں۔ اس کے بعد باقی معالات
بارے میں سوچوں۔ بات وہی تھی۔ لوگوں نے مجھے دبا دیا تھا۔ میں خود کو، اپنے آنا
دبانے کی کوشش کیوں کرتا؟ اپنے آپ پر بہت سی ذمہ داریاں لا د کر عمل شروع کر دیا
پستا چلا جاتا، یہ کسی طور ممکن نہیں تھا۔ چنانچہ اب یہاں رہ کر میں خود کو پرسکون کرنا چاہتا
اور بلاشبہ اس سلسلے میں شپر میرا بہترین معاون نکلا۔ اُس نے تو وہ کچھ کر دکھایا جس
بارے میں، میں سوچ بھی نہ سکتا تھا۔ میرا نظر یہ کچھ اور تھا۔ لیکن شپر نے جس الملاز
میرے بارے میں افواہیں پھیلائیں، وہ بڑی تجھ خیز تھیں۔

بلاشبہ بہت سی خوبصورت لڑکیوں نے میرے بارے میں معلومات حاصل کیں۔ اُن
نے مجھ سے ملاقات کی، اُن میں کچھ اخباری روپورٹر کی حیثیت سے آئیں۔ لیکن میں
سے معدرت کر لی اور اپنے بارے میں کچھ بتانے سے انکار کر دیا۔

شپر نے بھی انہیں صرف اتنا ہی بتایا تھا کہ میں ایک رینکی زادہ ہوں جو اپنی رہائی
سے نکل کر کچھ عرصہ آرام کرنے کے لئے یہاں تک آ گیا ہے۔ لڑکیاں میری رہائی
بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرتیں لیکن میں اُن سے معدرت کر لیتا
در حاصل میں اُن سے کہتا، میں اپنے آپ کو گنام رکھنا چاہتا ہوں۔ لیکن میرا یہ یک نہ
بھی حق ہے۔ میں نے اسے ہدایت کر دی تھی کہ کسی کو میرے بارے میں کچھ نہ

شپر جیسا بلند مشیر ہو تو جو کچھ بھی ہو جائے کم ہے۔ بلاشبہ تفریحی پروگرام ترستی بر میں وہ اپنا نام نہیں رکھتا تھا۔ اس نے بے شمار لاڑکیوں سے میری دوستی کرادی تھی اور اس کی طرف سے بیٹ کیا ہوا کاروبار نہیں ہے۔ اس کے باوجود، جہاں جوانی کی بات آتی ہے تو اس نے میری شخصیت کو ایک بلند پایہ ڈرپوک کے بیٹے کی حیثیت سے روشناس کرایا تھا۔ لئے بات صرف درجے کی شفیقی اور ضرورت مند لاڑکیوں تک نہیں رہی تھی بلکہ اسی کی سوسائٹی کی لاڑکیاں اور نوجوان بھی میرے دوست بن گئے تھے۔ وہ مجھے ایک دولت نواز اسے کی حیثیت سے جانے لگے تھے جس کے لئے اس بلند پایہ اور منہنگی جگہ رہنا اپنے نہیں تھا۔ چنانچہ انہوں نے مجھے اپنی تقریبات میں بھی مدعو کیا تھا اور خود میرے پاس پہنچا۔

آتے تھے۔ شپر ہی کے اشارے پر میں نے اپنے اس خوبصورت کافی تھی میں بھی کی پہنچوںی تقریبات کی تھیں جن میں، میں نے اپنے دوستوں کو مدعو کیا تھا اور دل کھول کر خوش تھا۔ چنانچہ میرے مخلص دوستوں کی تعداد کافی بڑھ گئی تھی۔

اب اگر میں پیرس میں ہی مستقل رہائش اختیار کر لیتا تو میرے لئے بہت گنجائش تھی۔ مجھے نہ تو تہائی کا احساس ہوتا اور نہ یہاں کی شہریت اختیار کرنے کے لئے پاپڑ بننے پڑتا۔ اگر میں چاہتا تو کیں فیملی کو پیرس میں روشناس کر کے یہاں اُس کی عزت و وقار میں پاپڑا۔ اس قسم کی تقریبات سے پبلو تھی بھی غیر مناسب تھی۔ چنانچہ میں نے اُس کی دعوت قبول کر لی۔ اور اس وقت ہم دونوں وہیں جا رہے تھے۔ شپر تو پیرس کا کیڑا تھا۔ وکٹر روز لینڈ کی رہائش گاہ تک پہنچا بھلا اُس شخص کے لئے کیا مشکل تھا؟ چنانچہ وہ وکٹر روز لینڈ کی خوبصورت اور اظہم الشان کوٹھی کے پھاٹک سے اندر داخل ہو گیا، جہاں بے شمار کاریں کھڑی ہوئی تھیں۔ بھی ذہن میں آیا تو میں نے اسے جھنک دیا..... یہ حماقت ہو گی مسٹر ڈن! اپنی سوچ میں بنا کا ش.....! میں گرین لینڈ کی کیں فیملی کے ایک فرد کی حیثیت سے اس پارٹی میں شریک ہو سکتا۔ لیکن میرے عزیزوں نے..... میرے مریبوں نے اس کی گنجائش ہی نہیں چھوڑی تھی۔ چنانچہ اب میں ایک ایکی گنام ریاست کے حوالے سے اس پارٹی میں شریک ہو رہا تھا جس کو باطلوں کے مزاج خراب تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے آج وہ کچھ کرنے کا پروگرام نہا کچھ ہوں۔ لیکن یہاں کے پرواق تھی؟ پیرس میں رہ کر بارش اور برف باری کوئی حیثیت نہیں رکھتی تھی۔ تو کئی دن سے نہیں نکلی تھی۔ لیکن اس دوران میں تو بارش ہوئی تھی اور نہ برف باری۔ لیکن اسے باطلوں کے مزاج خراب تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے آج وہ کچھ کرنے کا پروگرام نہا کچھ ہوں۔

اوپر اس کے پرواق تھی؟ پیرس میں رہ کر بارش اور برف باری کوئی حیثیت نہیں رکھتی تھی۔ چنانچہ میراد دوست اور مشیر شپر نہایت اطمینان سے کارڈ رائیوں کر رہا تھا۔ وکٹر روز لینڈ پیرس کی مقدار شخصیتوں میں شمار ہوتا ہے۔ یہ نوجوان صنعت کار پیرس کے کاروباری طلاق میں بڑی حیثیت اور اہمیت کا حامل ہے۔ اور شاید بڑے صنعت کاروں میں سب سے زیادہ

اپنے ساتھ لے کر مہانوں کی نشت گاہ کی طرف چل پڑا اور بڑے احترام سے مجھے جگہ پر بٹھا دیا۔

وکٹر روز لینڈ کی اس تقریب میں شریک ہونے والی تقریباً تمام ہتھیار اعلیٰ طبقے سے رکھتی تھیں۔ میں دلچسپی سے انہیں دیکھتا رہا۔ ان میں بہت سی حسین لڑکیاں بھی تھیں۔ زیر بھی تھے۔ بوڑھے لوگ بھی تھے۔ سب کے سب چہروں ہی سے اعلیٰ اور باحیثیت ہوتے تھے۔ کوئی بھی ایسا نہ تھا جو معمولی حیثیت رکھتا ہو۔

تقریباً تمام لوگ جوڑوں کی شکل میں آئے تھے اور مختلف جگہوں پر بیٹھے خوش گیا۔ رہے تھے۔ اس وقت صرف میں ہی اپنی میز پر تھا۔ لیکن میری تھائی خود میرے لوار وکٹر روز لینڈ نے دُور کر دی۔ وہ چند خوبصورت لڑکیوں کے ساتھ میرے نزدیک آیا اور لڑکیوں سے مخاطب ہو کر بولا۔

”تو میں نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ تمہیں کسی ایسی شخصیت سے متعارف کراؤں؟“ تمہارے لئے پرکشش ہو۔ میرے دوست مسٹر فریڈرک سے ملو۔ کیا تم ان کی شخصیت کی کتنے انکار کر سکتے ہو.....؟“

”ہرگز نہیں.....!“ لڑکیاں بے تکلفی سے مسکراتی ہوئی بولیں۔

”بس! تو پھر مسٹر فریڈرک! اور یہ.....“ وکٹر روز نے باری باری ان کا تعارف کیا۔ لڑکیاں میرے نزدیک بیٹھ گئیں۔ وکٹر مجھ سے معذرت کر کے چلا گیا تھا۔ لڑکیاں میرے کھانے لگیں۔ فضول قسم کی باتیں جو عام طور سے لڑکیاں کرتی ہیں۔ میری ریاست بارے میں، شادی کے بارے میں، محبوبوں کے بارے میں۔ مختلف امور کے سلسلے میں مجھ سے باتیں کرتی رہیں اور میں انہیں جواب دیتا رہا۔

غالباً تمام مہمان آپکے تھے۔ کیونکہ اس کے بعد تقریب کی کارروائیاں شروع ہو گئیں۔ وکٹر روز لینڈ نے کیک کا تا اور تمام لوگ تالیاں بجانے لگے۔ جو لڑکیاں میرے ساتھ تھیں اب منتشر ہو چکی تھیں اور اپنے اپنے ساتھیوں کے نزدیک پہنچ گئی تھیں۔ وہ میری طرح تھیں نہیں کہ میرے ساتھ بیٹھی رہتیں۔ بہر صورت! مجھے خاصاً لطف آ رہا تھا۔

میرا دوست شپر مجھے خوش دیکھ کر مکرا رہا تھا۔ اس شخص کی خواہش حقیقی تو صرف یہ اس کا ساتھ زیادہ عرصے تک رہے۔ اور اس کا اپنا حساب کتاب چلتا رہے۔ مجھے یہ تھا کہ وہ میرے لئے صرف خلوص سے واقعہ ہے۔ اس میں کوئی قصع یا بناوت نہیں تھی۔

اس کے معاملے میں، میں نے بالکل خلوص اور دیانت سے سوچا تھا کہ جو کچھ اُس نے بیرے لئے کیا ہے، اس کے عوض میں جو کچھ اُسے دے رہا ہوں، اس کو اس سے زیادہ مٹا چاہئے۔ کیونکہ وہ جس ناپ کا آدمی تھا اور جو ہنر اُس میں تھے، میں اُسے جو کچھ دے رہا تھا، اُس کا صحیح معاوضہ نہیں تھا۔

یہ اتفاق ہی تھا کہ میری نگاہ اُس کی طرف اٹھ گئی۔ کیونکہ اس تقریب میں جو بھی آیا تھا، اپنی خوبصورت ترین کار میں آیا تھا۔ لیکن وہ تھا تھی۔ پیدل ہی آئی تھی۔ گھبرائی ہوئی تھی۔ لیکن اندر آ کر اُس نے اپنے چہرے کو پر سکون بنانے کی کوشش کی اور بہت تیزی سے چلتی ہوئی مہانوں میں شامل ہو گئی۔ میرا خیال ہے، میرے علاوہ شپر نے بھی اُس لڑکی کی آمد کو محسوس کیا تھا۔ لیکن میں نے اُسے دلچسپی سے دیکھا تھا۔ گھبرائی ہوئی تی ہونے کی وجہ سے وہ مجھے دوسروں سے منفرد محسوس ہوئی تھی۔ چونکہ وکٹر روز لینڈ اپنے دوسرے مہانوں کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ اُس کے والدین اور دوسرے لوگ اُس کے ساتھ تھے۔ اس لئے اس بات کی توقع غیر مناسب تھی کہ آب وہ تھا کسی ایک فرد پر توجہ دے۔ اس بے تکلفی کے ماحول میں سب کو اپنے لئے جگہ بنائی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ ابھی تقریب کی دوسری تقریبات شروع ہو جائیں گی اور مجھے بھی کوئی پارٹنر ضرور مل جائے گا۔ لیکن میں کسی مناسب ساتھی کی تلاش میں تھا۔ اور اس لحاظ سے یہ تھا لڑکی میرے لئے کافی دلچسپی کا باعث تھی۔ میں نے دیکھا کہ وہ ظاہر دوسرے مہانوں سے ملنے جلنے کی کوشش کر رہی تھی۔ لیکن یوں لگتا تھا جیسے وہ یہاں کسی کو سن پہچانتی ہو۔ اس لئے وہ جھچک رہی تھی۔ تب میں آگے بڑھ کر اُس کے نزدیک پہنچ گیا۔

”میرا نام فریڈرک ڈینہام ہے۔ اور مجھے یقین ہے کہ اس پورے گروہ میں آپ کو مجھ سے بہتر ساتھی نہیں مل سکے گا۔“ لڑکی سہم گئی تھی۔ اُس نے بڑی بڑی آنکھوں سے مجھے دیکھا اور گھم رہ گئی۔ ”میں یہ بھی جانتا ہوں کہ آپ یہاں تھا ہیں اور شاید اس پوری محفل میں آپ کا کوئی شناسا نہیں ہے۔ اس لئے ہم دوسروں پر کیوں ظاہر ہونے دیں کہ ہم ایک“

”میرا دوین گلینڈی۔“ اُس نے جواب دیا۔

”آئیے!“ کس دیرا۔! اویے وکٹر روز لینڈ تو آپ سے واقف ہو گا۔“

”نہیں!“ اُس نے پھنسی پھنسی آواز میں جواب دیا۔ پھر میرے بازو پر ہاتھ رکھ کر یوں۔ ”کیا آپ میری کچھ مدد کر سکتے ہیں جناب.....؟“

”میں میں خطرے میں ہوں۔ کچھ خطرناک لوگ میرے پیچے ہیں۔ میری زندگی کو نظر ہے۔ میں ان لوگوں سے فج کر بھاگ رہی تھی۔ بس! یونہی یہاں آگھسی ہوں۔ خدا کے لئے میری مدد کرو۔ مجھے کسی ایسی جگہ چھپا دو جہاں وہ لوگ چند روز مجھے تلاش نہ کر سکیں۔ اس کے بعد میں چلی جاؤں گی۔ میں تمہارے اوپر بار نہیں ہون گی۔ اور اگر وہ مجھے مل گیا تو گرنہیں! خلوص کی کوئی قیمت نہیں ہوتی۔“

میں بدستور لڑکی کا جائزہ لے رہا تھا۔ بڑی بے بی تھی اس کے چہرے پر، تمہائی اور پریشانی کی مل جمل کیفیات صاف عیاں تھیں۔ مجھے اس پر ترس آگیا۔ میں نے اس کی کلامی پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ ”بے فکر ہو جاؤ ڈیزیر! اب تم تمہائیں ہو۔“ اس کی پریشانی پر ناک کے قریب پینے کے قطرات چمک رہے تھے اور وہ سانس اس طرح لے رہی تھی جیسے سخت پریشان ہو۔ کلامی ٹھنڈی پڑی تھی اور وہ ہولے ہولے کاپ رہی تھی۔ اس نے نگاہیں اٹھا کر مجھے دیکھا اور پھر بڑے پیارے انداز میں شیکھیں کا گلاس خالی کر دیا۔ میں نے اس کے لئے اور شیکھیں منگوای۔

”بلیں اب نہیں پیوں گی۔“ اس نے میرا ہاتھ روک دیا۔ ”میرا خیال ہے تم نہ سو ہو۔ تھوڑی سی اور لے لو۔“ ”ہوش میں رہنا چاہتی ہوں۔ عام حالات میں نہیں بیتی۔ لیکن اس وقت اس وقت میری حالات بہتر نہیں ہے۔“ ”بھروسہ کرو! کہیں بیٹھیں کوئی نقسان نہیں پہنچے گا۔ وہ تمہارے پیچے یہاں تک آئے ہیں؟“

”ہاں تھوڑے فاصلے پر میں نے ٹیکسی چھوڑ دی تھی اور گلیوں میں گھسی اس طرف نکل آئی تھی۔ لیکن وہ مجھے ضرور تلاش کر لیں گے۔“

”وہ تمہارا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔“ میں نے اسے دلاسہ دیتے ہوئے کہا اور وہ گرد بنانے لگی۔ کافی دیر خاموشی سے گزر گئی رقص کے لئے موسیقی شروع ہو گئی اور جوڑے تھر کئے گئے۔ ”آؤ رقص کریں۔“

”میں میں نہ سو ہوں۔ اٹھ سیدھے قدم پڑیں گے۔ تم بور ہو جاؤ گے۔ بہتر یہ ہے کہ تم کسی اور کو ہم رقص بنالو۔“ ”آؤ! میں صرف تمہیں ہم رقص بنانا چاہتا ہوں۔“ میں نے کہا اور اسے کھڑا کر دیا۔

”ضرور آپ آئیے تو کسی۔“

”ٹھہریے! خدا کے لئے ٹھہر جائیے۔ آپ مجھے کسی سے متعارف نہ کرائیں۔ میر اس تقریب میں بن بلائی ہوں۔ صرف جان بچانے کے لئے یہاں آگھسی ہوں۔“

”اوہ!“ میں نے اسے غور سے دیکھا۔ اسی وقت دو لڑکیاں ہمارے نزدیک پہنچنیں گے پہلے بھی میرے کان کھاتی رہی تھیں۔

”اوہ مسٹر فریڈ! کہاں چھپے ہوئے ہیں؟ ہم آپ کو تلاش کر رہے تھے۔ کیا آپ“ بولنے والی لڑکی خاموش ہو گئی اور میری ساتھی لڑکی کو دیکھنے لگی۔

”میری پیاری، ویرا آر کیڈا میری پوری زندگی کی ساتھی۔ تمہیں اس سے مل کر خوش ہو گی۔“ میں نے محبت بھرے انداز میں ویرا کا بازو پکڑتے ہوئے کہا اور وہ بھی مسکرا دی۔

”تب تو آپ ہماری موجودگی پسند نہیں کریں گے۔“ لڑکی نے بھے ہوئے انداز میں کہا۔

”یہ بات بھی نہیں ہے۔ ویرا بے حد فراخ دل ہے۔“ میں نے جواب دیا۔ ”لیکن ہمارے اوپر بھی فرض عائد ہوتا ہے کہ ہم آپ کو تمہائی دیں۔“ وہ خنک لبھ میں بولی اور دوسرا لڑکیوں کے ساتھ آگے بڑھ گئی۔

”آؤ ویرا! کہیں بیٹھیں۔“ میں نے کہا اور وہ میرے ساتھ چل پڑی۔ میں اسے لے کر ایک میز پر جا بیٹھا اور سر و کرنے والے کو چلکی بجا کر نزدیک بلایا۔ اس نے ایک شیکھیں کا ال ایک وہ سکی کا گلاس ہمارے سامنے رکھ دیا۔

”میں تمہاری شکر گزار ہوں۔ لیکن“ ”لیکن کیا؟“

”میں کچھ بیوں گی نہیں۔ کیونکہ مہماں نہیں ہوں۔“ ”اوہ ویرا ڈیزیر! میں مہماں ہوں۔ اور تم میرے ساتھ ہو۔ میرے کارڈ پر مسٹر فریڈ کی زدح تھا۔ لیکن میں مسز کہاں سے لاتا؟ ویرا! پلیز میری بات کا برانہ لان۔“

میں نے بے تکلفی سے کہا اور پھر وہ شیکھیں پینے لگی۔ اس کے انداز سے لگ رہا تھا جیسے ”کہ سے خوفزدہ ہو۔ پھر اس نے اچانک پوچھا۔

”تمہارے پاس کارت تو ہو گی؟“ ”ہے، کیوں؟“ میں نے پوچھا۔ میں گھری نگاہوں سے اس کا جائزہ لے رہا تھا۔

اُس کے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہت پھیل گئی۔ بہر حال! وہ میرے ساتھ کھنچتی چلی آئی۔ پھر ہم دونوں رقص کرنے لگے۔ بہت سی لڑکیاں میرے گرد چکار ہی تھیں کہ میں اپنی سماں جھپوڑوں تو وہ میرے نزدیک آ جائیں۔ اس بات کو اُس نے بھی محسوس کر لیا۔ وہ بولی۔ ”میرا خیال ہے، آب میں بیٹھ جاؤ۔ تم لڑکیوں کے لئے بہت پرکشش ہو۔ میں زکی آنکھوں میں تمہارے ساتھ رقص کرتے کی خواہش دیکھی ہے۔“ ”میری آنکھوں پر بھی غور کیا.....؟“ میں نے پوچھا۔ ”نہیں۔ کیوں.....؟“

”اس تقریب میں، میں صرف تمہارے ساتھ رقص کروں گا۔ اور سنو! آب جگہ میں نے تمہارے تحفظ کی ضمانت لی ہے تو تمہارا مجھ سے خوفزدہ رہنا میری توہین ہے۔ کیا تمہیں میری توہین کر کے خوشی ہو گی.....؟“ ”ہرگز نہیں.....!“

”تو میں تمہیں مطمئن دیکھنا چاہتا ہوں.....!“ ”مم..... میں آب مطمئن ہوں۔“ ”تم بہت اچھا قبص کرتی ہو۔ لیکن تمہارے قدم بتا رہے ہیں کہ تمہارا ذہن آب بھی البا جہا ہے۔“

”مجھے معاف کر دو..... اتنی مضبوط نہیں ہوں کہ خطرے کے احساس کو ذہن سے نکال دوں۔ لیکن بہت جلد ٹھیک ہو جاؤں گی۔“ اُس نے لجاجت سے کہا اور میں نے محسوس کیا کہ وہ صرف مجھے خوش رکھنے کے لئے ناج رہی ہے۔ ورنہ اس وقت ناچنے کے قابل نہیں ہے۔ چنانچہ میں اُسے لئے ہوئے ناچنے والوں کی بھیڑ سے نکل آیا۔

”پرانس فریڈرک.....!“ عقب سے ایک نسوی آواز اُبھری اور میں نے پلٹ کر دیکھا۔ اچھی خاصی دلکش لڑکی تھی۔ لیکن میری شناسا نہیں تھی۔ ”ہیلو.....!“ میں نے کہا۔

”آپ تھک گئے یا آپ کی ہم رقص؟“ اُس نے پوچھا۔ ”دونوں.....!“ میں نے جواب دیا۔

”لیکن میں نے صرف اس لئے کسی کو پارٹنر نہیں بنایا کہ میں آپ کی منتظر تھی۔“ ”میں شرمende ہوں۔ لیکن میری ملکیت بہت تھک گئی ہے۔ اور میں اس کی دلجوئی کر دیا۔“

”کہا۔ میں نے کہا اور لڑکی نے ماپوی سے ہونٹ سکوڑے، شانے ہلائے اور آگے بڑھ گئی۔ تھوڑی دیر تک میں خاموش بیٹھا رہا۔ پھر میں نے کہا۔ ”اگر تم اُبھن محسوس کر رہی ہو تو یہاں چلیں.....؟“ ”دنکن ہے.....؟“ ”کیوں نہیں..... میں اپنے دوست سے اجازت طلب کر لیتا ہوں۔“ ”آہ..... میری وجہ سے.....!“ ”بس۔ ان کلمات سے مجھے کوئی خوشی نہیں ہو گی۔“ میں نے اُس کی بات درمیان سے کاٹ دی اور وہ تفکرانہ نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی۔ ”چند منٹ یہاں بیٹھو۔ میں ابھی واپس آتا ہوں۔“ میں نے کہا اور اٹھ کر وکٹر روز کی طرف بڑھ گیا۔ ”وکٹر ڈیزیر.....! آب مجھے اجازت دو۔“ ”اوہ..... ابھی؟ اتنی جلدی میرے دوست.....؟“ ”ہاں..... میری ساتھی تھکن محسوس کر رہی ہے۔“ ”تھکن محسوس کرنے والی لڑکی ہو تو رونا مناسب نہیں۔ تمہاری آمد کا شکریہ۔“ وکٹر نے کہا اور میں نے شپر کو تلاش کیا۔ وہ بڑی خوبصورت لڑکی کے ساتھ رقص کر رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر رُک گیا۔

”سوری شپر! میں تمہیں جانے کی اطلاع دے رہا تھا۔ تم اگر رُکنا چاہو تو شوق سے۔ واپس بیٹھ جانا۔ میں انتظار کروں گا۔“

”نہیں پرس.....! ایسی جلدی کیا ہے؟“ شپر نے تجب سے پوچھا۔

”اُدھر دیکھو..... جلدی! وہ بیٹھی ہوئی ہے۔“ میں نے ویراکی طرف اشارہ کیا۔

”آؤ۔ تو یہ بات ہے۔ نیک خواہشات کے ساتھ۔“ شپر نے مسکراتے ہوئے کہا اور میں واپس لڑکی کی طرف چل پڑا۔ وہ میرا انتظار کر رہی تھی۔ میرے نزدیک پہنچنے پر اُس نے سوالیہ لگا ہوں سے مجھے دیکھا۔

”چلو.....! میں نے کہا اور وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ میں اُسے لے کر اپنی کار کے نزدیک پہنچ گیا۔ اور پھر میں نے کار کا دروازہ کھول کر اُسے بیٹھنے کے لئے کہا۔

”سنو!.....!“ اُس نے لجاجت آمیز لمحے میں کہا۔ ”کیا بات ہے.....؟“

”اگر تم برا نہ مانو اور اجازت دو تو میں پچھلی سیٹوں کے درمیان چھپ جاؤں۔“ پتوں پر اور دین کو نشانے پر لے لیا۔ پھر میں نے پتوں والا ہاتھ کندھے پر رکھا اور گردن تھوڑی سے ذور نکل جانے کے بعد.....“

”ویرا..... براؤ کرم! بیٹھ جاؤ۔“ میں نے کہا اور وہ جلدی سے میرے نزدیک بیٹھ گئی۔ اسیٹر گ پوری طرح کنشروں میں کر کے میں نے ویرا سے کہا۔ ”ہلنے جلنے کی بیٹھی کر لی۔ اسیٹر گ کوش مت کرنا ویرا..... سیدھی بیٹھی رہو۔“ ویرا پھر کے بُٹ کی مانند ساکت ہو گئی۔ تب مجھے راز داں بنا کر وہ اس سہارے کو کھونا نہیں چاہتی تھی۔ لیکن میں آب اُس کی خانشہ زمہ داری قول کر چکا تھا۔ اس لئے چوکنا تھا۔ پھر جب کار و کٹر کی کوئی سے نکلی تو میرا دُور سے اس سیاہ وین کو دیکھ لیا جس پر ”آلڈرے سنز“ لکھا ہوا تھا۔ لڑکی کے حلق سے دُھر بھری آواز نکلی۔

”بیٹھنے کا گاہار تین فارٹ کئے اور کار کی رفتار ایک دم بڑھا دی۔

پتوں کا نشانہ وین کا ڈرائیور تھا اور یہ صورت نشانے پر اعتماد کی وجہ سے ہی میں نے کار پتوں کا نشانہ کیا تھا۔ وین لہرائی اور اُٹ گئی اس طرح کہ اُس کا نچلا حصہ اور پر تھا۔ ویرا کے شیخ کا تھان کیا تھا۔ پٹ کر دیکھا اور اُس کے حلق سے چیخ نکل گئی۔ اس چیخ میں خوشی شامل تھی۔

”جیرت انگیز..... خدا کی قسم حیرت انگیز.....“ وہ کپکاتی آواز میں اور میں نے

پتوں پچھلی بیٹھ پر اچھا دیا۔ اس کے بعد میں ایک لمبا چکر لے کر نیوسائنس کی طرف چل سنپھال کر دوسرے ہاتھ سے بغلی ہولسٹر سے پتوں نکال لیا۔ میں نے اُس کے چیمبر چکر کے اُسے گود میں رکھ لیا اور کار کی رفتار تیز کر دی۔ وین سے ویرا کو دیکھ لیا گیا تھا۔ چنانچہ شارٹ ہو کر چل پڑی۔ کار کی رفتار بہت تیز تھی اور میں نے اندازہ لگایا تھا کہ وین بالکل اور دوڑنے کے قابل ہے۔ چنانچہ اُب ان لوگوں سے نہ مٹتا ہی تھا۔ میں نے کار کی رفتار بڑھا دی اور جان بوجھ کر ایک سنسان سڑک کا انتخاب کیا۔ وین بھی برق رفتاری سے آرئی تھی اور فاصلہ کم ہوتا جا رہا تھا۔ تب میں نے ایک فیصلہ کیا۔ اس وقت حملہ آوروں کو درکا ضروری تھا کہ سکون سے اُن کے مقابلے کی تیاریاں کی جاسکیں۔ چنانچہ میں نے دُبڑا صحافی مخاطب کیا۔ ”ویرا.....! تمہارے بارے میں میرے ذہن میں تجسس پیدا ہونا قدرتی امر ہے۔ کیا تم

”تم میرے محض ہو مشر فریڈ.....! میری کہانی جدو جہد کی کہانی ہے۔ لیکن اس کہانی میں کوئی خاص بات نہیں ہے۔ ایسی کہانیاں اکثر سننے میں آتی ہیں۔ بہر حال! مختصر ایوں سنو کہ میں ایک دولت مند شخص کی بیٹی ہوں میرے تین بھائی اور ایک بہن تھی۔ میرے ڈیڈی سلطان کے مرض میں گرفتار ہو گئے اور ہبھی مرض اُن کی موت کا باعث بن گیا۔ ورنہ اُن کی سخت اتنی خراب نہیں تھی۔ بہر حال! جائیداد اور کار و بار سب سے بڑے بھائی نے سنپھال یا اور کی جد تک ڈیڈی کی کپوری کر دی۔ لیکن پھر ہمارے خاندان میں ایک عورت شامل ہوئی۔ اُس نے اپنا نام ہبھی قلب بتایا تھا۔ اُس نے دعویٰ کیا کہ وہ بھی مسٹر شارپ میگوئن لکی یہی کا ہے اور ایک باقاعدہ خیانت رکھتی ہے۔ مسٹر شارپ اُسے ہر رہا ایک باقاعدہ رقم پیچھے جس سے دو اور مسٹر شارپ کا بیٹا شارٹی، پُر سکون زندگی گزار رہے تھے۔ لیکن اُب اسے یہ رقم ملنا بند ہو گئی تو وہ مجبور ایساں آئی ہے۔ اُس نے بتایا کہ اُسے مسٹر شارپ کی موت کا کوئی اطلاع نہیں تھی۔

”پلیز ویرا..... میری مدد کرو۔“ میں نے کسی قدر سرد لمحے میں کہا اور اُس نے پتوں

پتوں پر ایک کام کرو۔ یہ لو۔ پتوں کے دستے سے عقبی شیشہ توڑ دو۔“ میں نے

”ہاں.....! لیکن اس وقت میرے حواس قابو میں نہیں ہیں۔ میں اسیٹر گ نہیں سنپھال سکوں گی۔“

”اوہ..... تب ایک کام کرو۔ یہ لو۔ پتوں کے دستے سے عقبی شیشہ توڑ دو۔“ میں نے

”مسٹر فریڈ.....!“ وہ سرسراتے لمحے میں بولی۔

”پلیز ویرا..... میری مدد کرو۔“ میں نے کسی قدر سرد لمحے میں کہا اور اُس نے پتوں

پتوں پر ایک باتھ سے لے لیا اور پھر اُس نے کار کے عقبی شیشے پر زور اور ضرب میں لگائیں اور پیش ٹوٹ گیا۔ ”شکریہ ویرا!“ میں نے کہا اور پتوں واپس لے لیا۔ پھر میں نے اطراف کا بازنا

لیا اور باسیں ہاتھ سے اسیٹر گ سنپھال لیا۔ اس کے ساتھ ہی میں نے عقب نما آئنے کا زمانہ

کاغذات بھی دکھائے جن کے تحت اُسے ڈیڈی کی بھیجی ہوئی رقم لٹتی تھی۔ بہر حال اُن پکیش کرانے لگئی۔ اور جب میں وہاں سے نکلی تو میرے اُپر گولیوں کی بوچھاڑ کر دی ہونے کے بعد میرے بھائی نے اُسے خاندان میں قبول کر لیا۔ ہم نے اُس سے بھائی کی بھائیوں کی طرح فتح گئی۔ لیکن مجھے یقین تھا کہ مجرموں نے بیٹکوں کی وہ اپنے بیٹے شارٹی کو بھی یہاں بلا لے۔ لیکن اُس نے جواب دیا کہ شارٹی دوسرا سال گرفتار کی تھی اور منتظر تھے کہ کب میں رقم نکلوانے آؤں اور وہ میرا حساب کتاب کر دیں۔ جو میں تعلیم حاصل کر رہا ہے۔ میرے بھائی نے اُس کی بھرپور کفالت کی، لیکن..... عروض، کچھ مل کیا تھا، اُسے ہی غیمت جان کر میں نے خاموشی سے اپنا وطن چھوڑ دیا اور سفر کرتی آنے کے تین ماہ بعد ہمارے خاندان کے سربراہ، میرے بڑے بھائی کارکے ایک طور پر ہی۔ مجھے اپنے بھائی گورین کی تلاش تھی۔ کاش! وہ مجھے مل جاتا۔ نہ جانے کہاں کہاں میں میں ہلاک ہو گئے۔ ہمارے خاندان پر غم کا ایک اور پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ ابھی ڈیڈی کی کوئی باری پھری رہی۔ پھر میں نے ایک ملک پہنچ کر وہاں سے اخبارات میں اپنے بھائی کو پوری نہیں ہوئی تھی۔ بہر حال! دوسرے بھائی نے بہ ہزار دقت خاندان کا نظام سنپالا۔ تلاش کرنے کے لئے اشتہار دیا۔ مجھے خطرہ تھا کہ اس اشتہار کو میرے دشمن بھی دیکھیں گے میں مختصر گفتگو کروں کہ ہمارے خاندان پر خوبیں آگئی تھیں۔ میری ایک بہن اور بھائی کا اس لئے میں نے اسی ہوٹل کے دوسرے کمرے کا نمبر دیا تھا جو میرا نہیں تھا، لیکن میرے ہنگامے میں گولی مار دی گئی اور اس طرح ہم دو بہن بھائی باقی رہ گئے۔ میرا چھوٹا بھائی کر کے کے عین سامنے تھا۔ میں وہاں سے ماہول پر نگاہ برکھتی تھی۔ دس دن کے صبر آزماء تھا کہ تین بہن بھائیوں کی موت میں کوئی خفیہ ہاتھ کام کر رہا ہے۔ یہ حادثے اتفاقی اخبار کے بعد بھی کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ ہاں..... گیارہویں رات کو اُس کمرے پر حملہ ہوا، لیکن اہل خاندان نے اُس کے اشارے کو تسلیم نہیں کیا کیونکہ ہینڈی ٹلب بڑی تھی جس کا میں نے نمبر دیا تھا اور بیاناتی ایک عورت ماری گئی۔ یہ بے چاری میرے دھوکے اور معصوم سی عورت نظر آتی تھی۔ وہ لوگوں سے اتنی محبت سے پیش آتی تھی کہ وہ اُن مقل ہو گئی تھی۔ جو کچھ ہوا، میری توقع کے مطابق ہوا۔ مجھے یقین ہو گیا تھا کہ میرے دشمن اس کی مانند میرے پیچھے ہیں۔ آہ.....! میں بے حد خوف زدہ تھی۔ گورین سے مایوس ہو کر سمجھنے لگتے تھے۔

چنانچہ میرا بھائی ناراض ہو کر خاموشی سے گھر سے نکل گیا۔ اور اب صرف میں وہاں میں نے وہ جگہ بھی چھوڑ دی اور پھر ایک طویل عرصے تک ماری ماری پھر تھی۔ میں ان واقعات سے بے حد خوف زدہ ہو گئی تھی۔ کبھی کبھی تو مجھے گورین کی باتیں کہ یہاں کے ایک اخبار میں ایک اشتہار پڑھا جو میرے بھائی گورین کی طرف سے محسوس ہونے لگتی تھی۔ گوئیں بھی ہینڈی ٹلب کی دلدادہ تھی۔ اور پھر تصدیق ہو گئی ہو گئی۔ قاتل اُس میں لکھا تھا۔

کے ہاتھ اب میری گردن کو گرفت میں لینے کے لئے بے چین تھے۔ چنانچہ مجھے اغوا کر "دیا.....! جہاں کہیں بھی ہو، پیرس پہنچ جاؤ۔ میں تمہیں تلاش کرلوں گا..... گورین" کی کوشش کی گئی تھے میرے کالج کے ساتھیوں نے ناکام بنا دیا۔ دونوں جوان، بھروسہ میں بیکار آگئی۔ لیکن پیرس ایز پورٹ سے ہی میرا تھا بث شروع ہو گیا اور وہاں بھی گولیوں کا نشانہ بن گئے۔ دوسری بار میری خواب گاہ میں ایک زہریلا سانپ داخل ہوا۔ اسکی سر میں لئے دو پھر ہو گئی۔ اُس کی آنکھوں سے آنسو بننے لگے۔ قریب تھا کہ میں اُس کا شکار ہو جاتی۔ لیکن اتفاقیہ طور پر سانپ ایک گدداں کے اپاہانہ تک سے کھر دیا ہے، بے فکر ہو جاؤ۔ اب وہ تمہارا کچھ نہیں بگاز سکتیں گے۔ ہاں..... گورین کے جانے سے چکل گیا۔

مجھے یقین ہو گیا کہ میں اب بہت جلد موت کا شکار ہو جاؤں گی۔ چنانچہ میں "اُس نے پیرس کے لئے لکھا تھا۔" گورین کے فارمولے پر عمل کیا۔ میں خاموشی سے وہاں سے نکل بھاگی اور میرے "اوہ..... بھولی لڑکی! گورین کی طرف سے یہ اشتہار تمہارے دشمن بھی دے سکتے ہیں تاکہ مُن اُن کے ہتھے چڑھ جاؤ۔ لیکن بہر حال! اپنی چیک ہے، ہش کروں گا۔" میرے دشمن لگ گئے۔ پورے تین ماہ میں زوپوش رہی۔ بیٹکوں میں میرے اکاؤنٹ خرچ میں ابھی اسی سے کام چلا رہی تھی جو میں لے کر آتی تھی۔ لیکن بہر حال! اپنی چیک ہے، ہش کروں گا۔" میں تمہارے لئے گورین کو بھی ساتھ لے آتی تھی۔ پھر جب میرے پاس رقم خرچ ہو گئی تو ایک دن میں پینک

”میں تازندگی تمہارا احسان نہیں بھولوں گی۔ تم خود غور کرو! میری زندگی کیا جیز ہے۔ کسی وقت بھی.....“ اُمیں نے سکنی لی۔

”نہیں..... یہ ممکن نہ ہوگا۔ اب تمہیں بے فکر ہو جانا چاہئے۔“ میں نے کہا۔ ”کیا دادا بھی ایک سورتی ہے.....؟“

آن سو پونچھ لئے۔ میں ان حالات پر غور کر رہا تھا۔ زندگی کا کوئی اہم مقصود تو تھا نہیں۔ ”اس وقت کی بات نہیں کرتا۔ اب سے ایک گھنٹے قبل سورتی تھی۔“

ہی وقت تھا۔ اس لئے کیوں نہ..... کیوں نہ جو کچھ سامنے آئے، اُس پر عمل جاری کرائے۔ ”اُن لوگوں کے بارے میں سوچنے لگا جوڑکی اور اُس کے بھائی گورین کے خیالات.....“ اُر..... تو پھر کون ہے؟“ شپر نے تجب سے پوچھا اور میں نے اُس کی مختصر تھی۔ ممکن ہے ہینڈی قلب، مسٹر شارپ کی بیوی ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ خالہ بھائی نادی۔ شپر گردن ہلا رہا تھا۔

شارپ کا ہی بیٹا ہو۔ لیکن ہینڈی نہیں چاہتی تھی کہ مسٹر شارپ کی دولت میں کیا.....؟“ ”ہاں..... یہ تو ہے۔ مظلوم لڑکی۔ لیکن پھر تم اُسے بیہاں کیوں لے آئے مسٹر فریڈ؟ ظاہر حصہ ہو۔ وہ پہلے ایک ایک کر کے سب کوٹھکانے لگا دینا چاہتی تھی۔ شارٹی اس درجے پر مظلوم لڑکیوں کا فارم کھولنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے۔“

حائل کرتا رہے گا۔ پھر جب وہ اپنے باپ کے گھر پہنچ گا تو اُسے میدان صاف..... ”میں ہے شپر! لیکن اُس کی مدد کر کے اُسے ششے میں تو اُتار سکتے ہیں۔“ آسان اور سادہ سی ترکیب ہے۔“ میں نے گھری سائیں لی۔ چنانچہ دیاروں نے شارپ اُب اُس کی آنکھوں میں گھری طہانتی کے آثار تھے۔ ظاہر ہے وہ ایک پُرسکون میری مہمان بن گئی۔

ان گزار بچی تھی اور کسی نوجوان لڑکی کے لئے کسی اجنبی نوجوان کے تھماں مکان میں رات میں کوئی فرشتہ سیرت انسان نہیں تھا۔ نہ ہی غربیوں اور مظلوموں کا سچا ہدراہا.....“ ”اُر لیا ہی سب سے اہم مسئلہ ہوتا ہے۔“

چیز۔ لڑکی خوب صورت تھی، بھرپور تھی۔ مجھے پسند آئی تھی اس لئے میں نے اُس کی طرف اُس نے خاموشی سے ناشتہ کیا۔ شپر اس دوران کی بار اُس کا جائزہ لے چکا تھا۔ پھر اُس دی تھی۔ اگر وہ کوئی بدشکل لڑکی ہوتی، میرے معیار پر پوری نہ اترتی تو خواہ اس نے گھری سائیں لے کر کہا۔“ کیا آپ مجھے اجازت دیں گے مسٹر فریڈ؟ مجھے کچھ کام ہے۔“

زیادہ مظلوم ہوتی، قابل رحم ہوتی، تب بھی شایدی میں اس طرف توجہ نہ دیتا۔ ایک نظر ”میں ہے شپر....!“ میں نے جواب دیا۔ اُس کے گھوننے سے لڑکی کے پریشان ہے۔ چنانچہ میرے ذہن میں یہی بات تھی کہ اگر وہ ششے میں اُتر جائے تو یہ ایک نظر کا خطرہ تھا۔ اس لئے میں نے اُسے فرما اجازت دے دی۔

”میر کے جانے کے بعد اُس نے پوچھا۔“ ”یہ کون تھا؟“ لیکن طوفانی جذبوں کا میں بھی قائل نہیں تھا۔ پسند کی لڑکی تھی۔ پہلے اُس کے جائے پھر اُس کی توجہ حائل کی جائے۔ یہی بہتر تھا کہ اس وقت اُس کے ساتھ اچھے سلوک کروں اور یہ سلوک میں نے جاری رکھا۔ اس وقت میں نے اُسے آرام.....“ ”مزید ہو۔“

دیا۔ شپر رات کے کسی حصے میں واپس پہنچ گیا تھا۔ لیکن دوسرے دن صبح کو ہی اُن ملاقات ہوئی۔ ”اُنوکھی بات ہے مسٹر فریڈ....!“ اُس نے کہا۔

”میں نے تحریر انداز میں پلکیں جچکاتے ہوئے کہا۔“ ”کیا مطلب....?“ ”میں اُس کی تلاش میں تمہاری مدد کروں گا۔“

”میں کس طرح....?“ ”یہ دیکھتی جاؤ۔ میں بڑے دھڑے سے اخبارات میں اشتہارات دُوں گا اور اُن مہماں تمہارے ساتھ رات بس کرنے چل آئی۔ کسی لڑکی کو اس قدر جلد مسخر کر لیا جے۔

لوگوں کو چکرا کر رکھ دوں گا۔ میں کئی ممالک کے اخبارات میں اشتہار دوں گا۔“
لئے خصوصی تیاریاں کریں گے۔ تم یہ سارے معاملات مجھ پر چھوڑ دو۔“

”آہ..... میں تمہارے ان احسانات کا بدلہ کس طرح دوں گی.....؟“

”خوب صورت لڑکیوں پر ساری دنیا احسانات کرنے کی خواہش مند ہوتی ہے۔“
صلہ صرف لڑکی کا التقافت ہوتا ہے۔“ میں نے کہا اور لڑکی کے چہرے کا جائزہ لیا۔

کے لئے اُس کے انداز میں الجھن نظر آئی اور میں نے دوسرا سوال کیا۔ ”لیکن ہر خوش
لئے یہ سوچ لینا مناسب نہیں ہوتا۔ تمہارے ذہن میں اگر ایسا کوئی خیال ہے تو اسے
دینا۔ میں ایک مخلص دوست کی حیثیت سے تمہاری مدد کرنا چاہتا ہوں اور اپنے غلام
قیمت نہیں چاہتا۔“

لڑکی نے عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھا۔ اور پھر اُس کے ہونٹوں پر مسکراہر
گئی۔ اگر میں زندگی کی جدوجہد میں کامیاب ہو گئی تو ساری زندگی تمہیں فراموش نہیں
گی۔

”ہاں..... یہ درست ہے۔“ میں نے جواب دیا۔

”اور تمہارا بانگلہ بھی بے حد خوبصورت ہے۔“ اُس نے کہا۔

”میرا بانگلہ؟“ میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

”ہاں..... کیوں تمہارا نہیں ہے؟“ اُس نے پوچھا۔

”نہیں..... یہ بانگلہ یہاں کرانے پر ملتے ہیں۔ میں خود بھی ایک سیاح ہوں۔“ میں نے
کہا۔

”اوہ..... تو تم پیرس کے باشندے نہیں ہو۔“

”نہیں.....“

”مجھے بھی یہی احساس ہو رہا تھا۔“

”کیا اس؟“ میں نے چونک کر پوچھا۔

”میکا کہ تمہارے اندر ایک ایسی کیفیت ہے جو پیرس کے باشندوں میں نہیں ہوتی۔“

”مغلایا.....؟“ میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

”میں..... میں صحیح طور پر بیان نہیں کر سکتی۔ بس! یہ سمجھا جائے کہ..... کہ تمہارا یہ چہرہ
پر کشش ہے۔ جبکہ فرانس کے لوگ کسی قدر رزو کھے چہرے کے مالک ہوتے ہیں۔“

”اوہ.....!“ میں نے آہستہ سے مسکراتے ہوئے گردن ہلا دی۔ دراصل اُس کا یہ

مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے احمد لڑکی! کہ تم مجھے یاد رکھو۔ میں نے دل نہ
میں کہا اور پھر ہم ناشتے کے کمرے سے نکل آئے۔ دن میں، میں اُسے جھیل کے کہا۔
گیا۔ یہاں بیٹھ کر اُس سے اور بھی بہت سی باتیں ہوئیں۔ لڑکی میرے ساتھ جھیل نہیں اور
پول میں نہانے کے لئے تیار نہیں ہوئی تھی۔ بہت سے معاملات میں وہ محتاط نظر آئی
یوں لگتا تھا جیسے اُس نے مکمل طور سے میرے اوپر بھی اعتبار نہ کیا ہو۔ بہر صورت اُس
محتاط کیفیت ایک حقیقت تھی جسے جھلانا نہیں چاہئے تھا۔ اُس نے جو کہانی سنائی تھی، اُس
میں جھوٹ یا فریب نہیں تھا تو بے شک اُسے ایک محتاط لڑکی ہونا ہی چاہئے تھا۔

لیکن اب صورت حال یہ تھی کہ جس انداز میں وہ مجھ سے ہٹی ہی نظر آ رہی تھی، اُن
نظر رکھتے ہوئے ہونا تو یہ جاہے تھا کہ میں بھی اُس کی طرف سے ذہن کو ہٹالیتا۔ پوچھا
اپنا مسئلہ تھا وہ خود جانتی، خود بھتی۔ لیکن نجاتے کیوں دل کے کسی گوشے میں یہ خواہی
اُس کی مدد کرہی دی جائے۔ باقی معاملات تو چلتے ہی رہتے ہیں۔

☆.....☆.....☆

اعتراف مجھے پسند آیا تھا۔ لیکن اتنی دلکش بھی نہیں رکھتا تھا کہ میں اس پر جھومنے لگتا۔ رات ہو گئی اور شپر بھی واپس آگئا۔ اُس نے ہم دونوں کو مسکراتی کیا گا ہوں سے رکھنے کے لئے پوچھا۔ ”میری غیر حاضری کی طرف تکلیف دہ تو ثابت نہیں ہوئی مسٹر فریڈرک؟“ ”نہیں شپر! کوئی خاص کام نہیں تھا۔“ میں نے جواب دیا۔

ایدھر سری مول لینے کا کیا فائدہ؟ یہ جذبات یونہی میرے ذہن میں ابھر آئے تھے۔ حالانکہ جو کچھ میں نے سوچا تھا اس کے تحت یہ ساری باتیں میرے ذہن میں نہ آئیں چاہئیں تھیں۔

اس وقت تقریباً رات کے ساتھ گیارہ بجے ہوں گے کہ میں نے باہر قدموں کی چاپ سے اور محسوس کیا کہ یہ چاپ ایک سے زیادہ آدمیوں کی ہے۔ دوسرے لمحے میرے ذہن میں کچھ نہ صفات جاگ آئے اور میں تیری ہے اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ پستول میرے پاس موجود تھا۔ میں نے اسے ہاتھ میں لے لیا اور آہستہ سے تی جلائے بغیر کمرے کے دروازے تک پہنچ گیا۔

بابر چاندنی پھیلی ہوئی تھی۔ میں نے دیکھا کہ چند سائے میرے کرے کی جانب بڑھ رہے ہیں۔ اور یہ تو طشدہ امر تھا کہ وہ لوگ اچھے ارادے اور اچھی نیت سے نہ آئے ہوں

گے۔ اور نہ ہی کسی خیرگالی مشن پر بیہاں آئے ہوں گے۔ کوئی نہ کوئی مسئلہ ضرور ہے۔۔۔۔۔ لئے چلا گیا۔ رات کے کھانے کے بعد حسب معمول اُس نے مجھ سے اجازت لی اور اُس کرے کی طرف بڑھ گئی جو میں نے پچھلی رات اسے دیا تھا۔ گویا وہ اپنی حفاظت کا بندوبست کرنا چاہتی تھی۔ میں نے بھی اعتراض نہیں کیا۔ اُس کے جانبے کے بعد شپر کافی دیر تک میرے پاس بیٹھا رہا۔ اُس نے بڑے بڑے سے انداز میں مجھ سے پوچھا تھا۔ ”مسٹر فریڈرک.....! یہ لڑکی کچھ عجیب سی نظر آتی ہے۔۔۔۔۔ لگتا ہے، جیسے وہ تم سے بہت زیادہ متاثر نہ ہو۔ تمہارا کیا خیال ہے؟“

”میں نے غور نہیں کیا شپر! ویسے متاثر تو ہونا چاہئے۔ اور اگر ابھی تک نہیں ہوئی تو ہٹ گئے۔ دوسرے لمحے پستول کے رخ انہوں نے میری جانب کر دیئے۔ ”گویا تم پہلے سے تیار تھے۔“ اُن میں سے ایک نے بھاری لمحہ میں کہا۔“

”ہاں..... میں نے تمہاری آہٹ کو محسوس کر لیا تھا۔“ میں نے جواب دیا۔ ”لڑکی کہاں ہے؟۔۔۔۔۔“

”لڑکی ہر جگہ ہوتی ہے۔ تم اپنے آنے کا مقصد بیان کرو۔“ ”فضول باتیں مت کرو۔ میں اُس لڑکی کی بات کر رہا ہوں جسے تم وکٹر روز لینڈ کی کوئی سے لائے تھے اور کیا تم وہی شخص نہیں ہو جس نے وین کے ڈرائیور کو ہلاک کر کے وین الٹ دیا تھا؟“ اُسی شخص نے جس نے پہلے بھی سوال کیا تھا، دوبارہ کہا۔

”ہاں۔۔۔ ہاں..... بالکل صحیح۔ میں وہی ہوں۔ تم نے بالکل ٹھیک پہچانا۔ لیکن میرے است اتم بیہاں تک کیسے پہنچ گئے؟“

”میں اتنی درنہیں رکھتا تھا کہ میں اس پر جھومنے لگتا۔“ اُس نے ہم دونوں کو مسکراتی کیا گا ہوں سے رکھنے کے لئے پوچھا۔ ”میری غیر حاضری کی طرف تکلیف دہ تو ثابت نہیں ہوئی مسٹر فریڈرک؟“ ”میں بھی اپنی خواب گاہ میں آ گیا تھا اور سوچ رہا تھا کہ بلاشبہ میں نے اُس لڑکی کو کہا۔ مسلط کر کے غلطی ہی کی ہے۔ ظاہر ہے جو ایک کمرے میں رات نہ گزار سکے، اُس کے

”گذ..... کھانے کی تیاری کرو شپر!“ میں نے کہا اور شپر کھانے کی تیاری کرنے لئے چلا گیا۔ اُس کے بعد سب معمول اُس نے مجھ سے اجازت لی اور اُس کرے کی طرف بڑھ گئی جو میں نے پچھلی رات اسے دیا تھا۔ گویا وہ اپنی حفاظت کا بندوبست کرنا چاہتی تھی۔ میں نے بھی اعتراض نہیں کیا۔

”اوہو..... گویا اس بار طویل پروگرام ہے۔“ شپر نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔ ”ہاں.....! میں نے جو کچھ تمہیں اُس کے بارے میں بتایا ہے، اس سلسلے میں کچھ نہ تو کرنا ہی ہو گا۔“

”ٹھیک ہے۔ لیکن میرا خیال ہے مسٹر فریڈرک! کہ کسی بھی لڑکی کے لئے بہت زیادہ وقت ضائع کرنا غیر مناسب ہوتا ہے۔ باقی تم جانو.....“

”میں نے شپر کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ کافی دیر تک وہ میرے پاس بیٹھا۔ پھر اٹھ کر چلا گیا۔

”میں بھی اپنی خواب گاہ میں آ گیا تھا اور سوچ رہا تھا کہ بلاشبہ میں نے اُس لڑکی کو کہا۔ مسلط کر کے غلطی ہی کی ہے۔ ظاہر ہے جو ایک کمرے میں رات نہ گزار سکے، اُس کے

اس کے بعد اگر انہیں موقع دیا جاتا تو اس سے زیادہ حماقت کی بات اور کیا ہوتی؟ چنانچہ میں نے ان پر گولیوں کی بارش کر دی۔ اور بھلا مجال تھی کہ ان میں سے ایک بھی صحیح سالم رہ جائے۔ سب رخی ہو گئے تھے۔ انہیں پستول استعمال کرنے کا موقع ہی نہیں ملا تھا۔ بہر حال! جانہ۔ سب رخی ہو گئے تھے، بری طرح بھاگے۔ پستول خالی ہو گیا تھا۔ میں نے اُسے دوبارہ لوڑ کر بھاگ کئے تھے، بری طرح بھاگے۔

لیکن اب یہاں دو لاشوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔

میں نے صرف ایک لمحے کے لئے سوچا۔ اس وقت باہر ان کے تعاقب میں دوڑنا حاصل تھی۔ اس سے کوئی فائدہ نہیں تھا۔ یوں بھی یہاں دو لاشیں موجود تھیں اور مجھے ان کا بندوبست کرنا تھا۔

بہر حال! مجھے خوش تھی کہ لاعلم ہونے کے باوجود میں نے کامیابی سے ان کا مقابلہ کیا تھا۔ مجھے انہیں تھی کہ وہ اتنی جلدی میرے بارے میں معلومات حاصل کر کے یہاں پہنچ جائیں گے۔ لیکن مقابلہ چالاک لوگوں سے تھا اور اندازہ ہوتا تھا کہ یہ جلد ختم نہیں ہو گا۔ دیکھا جائے گا..... میں نے گردن بلائی۔

مجھے یقین تھا کہ لڑکی سخت خوفزدہ ہو گی۔ نہ جانے اُس کی کیا حالت ہو؟ اس کے علاوہ یہ خیال بھی ذہن میں تھا کہ ممکن ہے، باہر ان کے دوسرا ساتھی بھی موجود ہوں۔ سب سے پہلے لڑکی کی خبر گیری ضروری تھی۔ چنانچہ میں دوڑ کر اُس کے کمرے کے دروازے پہنچ گیا۔ لیکن دروازہ کھلا ہوا تھا۔ میں چونک پڑا۔ دروازہ کسی قیمت پر نہیں کھلا ہونا چاہئے تھا۔ میں تیری سے اندر داخل ہو گیا۔ لڑکی کمرے میں موجود نہیں تھی۔ میں نے چاروں طرف دیکھا۔ پہلی یہ پہل رہا تھا اور ایک کاغذ، یہ پ کے نیچے دبا نظر آ رہا تھا۔ نزدیک ہی پہل پڑی بولتی تھی۔ میں نے یہ پ کے نزدیک پہنچ کر کاغذ نکال لیا۔ تحریر شکستہ تھی۔

”مسٹر فریڈ..... خدا کرے آپ ان لوگوں کے ہاتھوں محفوظ رہیں۔ دیکھا کجھ نہیں یہاں بھی آپنے۔ اب یہ جگہ بھی میرے لئے غیر محفوظ ہو گئی ہے۔ آپ کی نوازش کا شکریہ۔ میں جاری ہوں.....“ اور اس کے آگے ایک ٹیڑھی لکیر چل گئی تھی۔ غالباً وہ تحریر ادھوری چھوڑ کر نکل بیٹھا گئی۔

مجھے اُس پر شدید غصہ آیا۔ جہنم میں جائے۔ نکلن بھائے کی کیا ضرورت تھی؟ جب میں اُس کے لئے سب کچھ کرنے کو تیار تھا تو اُسے اعتبار کرنا چاہئے تھا۔ کجھ نہیں کہاں گئی ہو گئی؟ نوٹ ہی لے گئی ہے اُسے۔ میں یہ سوچ کر بیکھر کی عمارت سے باہر نکل آیا۔ باہر پھیلی

”کون سی بڑی بات تھی۔ تمہاری کار کا نمبر ہم نے نوٹ کر لیا تھا۔ جب ہم نے انہیں پارے میں معلومات کیں تو پتہ چلا کہ وہ کرانے پر دی جانے والی گاڑی ہے اور اسے ایک شخص مسٹر فریڈرک نے حاصل کیا ہے۔ اور مسٹر فریڈرک نیوسائنس کے بلکل نمبر تسلیم میں ہیں۔“

”اوہ..... تو گویا یہ سارا کار نامہ گاڑی کا ہے۔ لیکن کیا تم لڑکی کو لے جانے کے لئے آئے ہو؟“

”ہاں..... اور یہ بھی جانتا چاہتے ہیں کہ تمہاری اُس سے کیسے جان پہچان ہے؟“

”یہ ساری باتیں اسی وقت معلوم کر لو گئے؟“ میں نے پوچھا۔

”ہاں..... ارادہ تو یہی لے کر آئے ہیں۔“ اُس نے جواب دیا۔ اُس کے اندازے اظہار ہوتا تھا جیسے وہ پوری طرح مطمئن ہو۔

”ٹھیک ہے..... معلوم کرو۔“ میں نے کہا۔

”کیا تمہارا نام گورین ہے.....؟“ اُس نے پوچھا۔

”اس سے قبل ایک اور سوال مسٹر.....! تمہارے پاس اسلحہ ہے یا نہیں؟“ ایک ”وہ آدمی نے کہا۔

”اوہ، ہاں..... تلاشی لو۔“ اُس شخص نے کہا اور دو آدمی میری طرف بڑھ آئے اور گدھوں کو یہ احساس نہیں رہا تھا کہ میں ان کی دین تباہ کر چکا ہوں۔ وہ مطمئن نظر آتے تھے۔

”ہاتھ بلند کرو.....!“ ان میں سے ایک نے کہا اور میں نے دونوں ہاتھ بلند کر دیے۔ پستول میرے ہاتھ میں ہی تھا اور وہ میرے لباس کی تلاشی لے رہے تھے۔ پھر جب انہیں

میرے لباس سے کچھ نہ ملا تو مجھے ہاتھ گردانے کے لئے کہا گیا اور میں نے ان کے الہ کی بھی قیبل کی۔ پستول بدستور میرے ہاتھ میں دبا تھا۔

”ہاں..... اب جواب دو۔ تمہارا نام گورین ہے؟“

”نہیں..... مجھے آئمیں ناوار کہتے ہیں۔“ میں نے جواب دیا۔

”مارو.....“ اُس شخص نے خونخوار لبجھ میں کہا اور ایک شخص گھونساناں کر مجھ پر لپکا۔ نے اطمینان سے اُس کے حق پر نال رکھ کر فائز کر دیا۔ گولی اُس کی گردن سے نکلی۔ دوسرے آدمی کی پیشانی میں گھس گئی..... وہ جنہیں بیک وقت گونجیں۔ وہ بوکھلا گئے تھے۔

انے تھا تے ہوئے کہا۔
”م..... مگر میں اس کا کیا کروں گا؟ آہ.....! میں نے تو کبھی.....“ وہ بھرائی ہوئی آواز

میں بولا۔
”ب تم دروازہ بند کرو اور مسہری کے نیچے ریگ جاؤ۔ ہری آپ.....!“ میں نے باہر

لکھنے ہوئے کہا اور شپر کو میری یہ تجویز بہت پسند آئی۔ اس نے جلدی سے دروازہ بند کر لیا اور
پیشادہ مسہری کے نیچے حصہ گیا ہو گا۔ میرے پیٹ میں قہقہے مچل رہے تھے۔ بڑا آدمی، عظیم
الاثر سوچہ بوجھ کا حامل۔ اُس کی ذہانت نے اُسے بزدل بنادیا تھا۔ لیکن بزدلی کی یہ سزا
اس کے لئے کافی تھی کہ وہ رات مسہری کے نیچے جاگ کر گزارے۔ ان حالات میں نہ تو
اس کے لئے سونا ممکن تھا اور نہ مسہری کے نیچے سے نکل کر باہر آنا۔ مجھے ابھی دوسرا کام
کرنے تھے۔ یہ غمیت تھا کہ میں نے شپر کا سہارا نہیں لیا تھا۔ ورنہ ان لاشوں کو دیکھ کر تو وہ
بالکل ہی بدھواں ہو جاتا۔ اب ان لاشوں کا مسئلہ تھا۔ چنانچہ سب سے پہلے میں نے ان کی
ٹلاٹی لی۔ ان کے لباس سے کچھ سامان نکلا تھا۔ چند شاختی کارڈ بھی تھے جن پر ان کے پتے
درج تھے۔ کچھ رقم اور ایسی ہی چند چیزیں نکلی تھیں جو میرے لئے کارام نہیں تھیں۔ لاشوں کو
محکانے لگانا بھی ضروری تھا۔ میں سوچنے لگا کہ انہیں کہاں پہنچنا درست ہو گا؟ بھر حال!

بیہاں بہت سے امکانات تھے۔ کون کہہ سکتا تھا کہ کہاں ہنگامہ ہوا؟ چنانچہ میں نے اپنے

لباس اور بدن سے ایک ایک چیز جدا کر دی، تاکہ وہ شناخت نہ بن جائے۔ اور پھر اس کے

بعد ایک ایک کر کے دونوں لاشیں اُس جنگل سے دور پھیک آیا۔ یوں بھی اب یہ جگہ چھوڑ دینا

بھر تھا۔ کیونکہ اسے ان لوگوں نے دیکھ لیا تھا۔

جنگل میں جگہ جگہ خون بکھرا ہوا تھا۔ یہ خون بھاگنے والے زخمیوں کا تھا۔ بھر حال! میں نے

روشی کر دی اور سخت محنت کے بعد خون کا ایک ایک دھبہ صاف کر دیا۔ آخر میں با تھرزوں میں

جا کر میں نے اپنالباس اٹارا اور اُسے جلا کر اُس کی راکھ واش میں بھا دی۔ نہا کر نیا

لباس پہننا اور اپنی خواب گاہ میں پہنچ گیا۔ بستر پر لیٹ کر میں نے اس پچویشن کے بارے میں

کوچا۔ ان لوگوں نے اتنی جلدی مجھ تک پہنچ کر اور ویرا کو لے جا کر مجھے چلتی دیا تھا۔ گودیرا

اپنی حماقت سے پھنسی تھی۔ لیکن بھر حال! وہ اُسے لے گئے تھے، جس سے میں نے تحفظ کا

وعدہ کیا تھا۔ اس لئے میں انہیں آسانی سے تو نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ میں نے لیئے لیئے کئی

پروگرام بنائے، اُن کی باریکیوں پر غور کرنے لگا۔ بھر حال! سیکرت پیلس کی لاج رکھنا تھی۔

چاندنی میں دُور کچھ جدوجہد نظر آ رہی تھی۔ لیکن فاصلہ اتنا تھا کہ صاف نظر نہیں آ رہا تھا؛
ایک نوافی چیخ اُبھری۔ ”بچاؤ.....“ اور اس کے ساتھ ہی آواز بھینچ دی گئی۔ لیکن میں نہ
آواز کو پہچان لیا تھا۔ ویرا کے سوا کسی کی نہ تھی۔ گویا وہ اپنی حماقت کا شکار ہو گئی تھی۔

اب کوئی کوشش بے کار تھی۔ وہ اُن کے ہتھے چڑھ گئی تھی۔ چند ہی لمحات میں کسی گاہنی
انہن ساریت ہوا اور میں نے دُور سے ویسی ہی ایک سیاہ وین کی جھلک دیکھی جیسی ایک!
میں تباہ کر چکا تھا۔ گویا یہ کوشش بھی آندرے سفر کی تھی۔ ”آندرے سفر.....“ میرے منہ
بھاری آواز نکلی۔ اس کے پارے میں معلوم کر لیتا مشکل نہ ہو گا۔ میں نے لڑکی کو تحفظ
ضمانت دی تھی اور ان لوگوں کی اس اچاک اور غیر متوقع آمد کے باوجودہ، میں اُس کی خاطر
کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ لیکن نو دو دیرا، نہ حماقت کی۔ اب میں کیا کر سکتا تھا؟

تب مجھے شپر کا خیال آیا۔ شپر نظر نہیں آیا تھا۔ یہ تو ناممکن تھا کہ اس پورے ہنگامے
اُسے خبر ہی نہ ہو۔ کہیں وہ کسی گولی کا شکار تو نہیں ہو گیا؟ میں تیزی سے اُس کے کمرے
طرف لپکا۔ شپر کے کمرے کا دروازہ اندر سے بند تھا۔ میں نے اُسے پیٹ ڈالا۔ اور پہ
ساعت کے بعد اندر سے شپر کی آواز سنائی دی۔ ”کون ہے.....؟“

اس آواز سے میں نے اندازہ لگایا کہ وہ اس وقت سونہیں رہا تھا بلکہ شاید اُس نے
دروازہ بھی بعد میں بند کیا تھا۔ کیونکہ شپر دروازہ بند کر کے سونے کا عادی نہیں تھا۔ مجھے انہی
گئی۔ ”بڑے آدمی! دروازہ کھولو۔“ میں نے ہنستے ہوئے کہا اور شپر نے دروازہ کھول دیا۔
اُس کے بدن کی لرزش نہیں تھی۔ ”کیا تم گھری نیند سور ہے تھے؟“ میں نے پوچھا۔

”ہاں..... کیوں، کوئی خاص بات ہے؟“ شپر نے متعجب ہونے کی کوشش کی ہی۔
”گویا اتنا ہنگامہ ہوا اور تمہیں خبر بھی نہیں ہے؟“

”ہنگامہ.....؟“ اُس نے تجھ سے پوچھا۔ ”مجھے تو کچھ معلوم ہی نہیں۔ بعض اوقات میں
بہت گھری نیند سو جاتا ہوں۔“ شپر نے خواہ خواہ ہنستے ہوئے کہا۔

”بڑا ہوا ہے شپر! ہم دشمنوں میں گھر گئے ہیں۔ باہر تقریباً چالیس آدمی موجود ہیں جو شہر
گنوں سے مسلح ہیں۔ میرا خیال ہے ہمیں زندگی بچانے کے لئے سخت جدوجہد کرنا پڑے گا۔
لو یہ پستول سنبھالو۔ میرا خیال ہے تم پستول کے استعمال سے ناواقف نہ ہو گے۔“

”کیا.....؟“ شپر کے حلق سے گھٹی گھٹی آواز نکلی اور وہ نیچے پیٹھتا چلا گیا۔
”اوہ، شپر.....! بزدلی سے کام مت لو۔ ہم سخت خطرے میں ہیں۔“ میں نے پستول

ویے مجھے یقین تھا کہ اس وقت وہ پلنے کی کوشش نہیں کریں گے۔ چنانچہ رات کے کمیوں، میں میں، میں گہری نیند سو گیا۔

دوسری صبح کافی دیر سے آنکھ کھلی تھی۔ جاگا تو تھوڑی دیر تک رات کے واقعات یا زنکل آیا اور شپر کی خواب گاہ کی طرف چل پڑا۔ شپر کی خواب گاہ کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ میرے ہونٹوں پر مسکرا ہٹ پھیل گئی۔ لیکن شپر اندر موجود نہیں تھا۔ وہ پورے مکان میں نہ تھا۔ میری پیشانی پر تشویش کی شکنیں پھیل گئیں۔ وہ ضرورت سے زیادہ عقل مند شخص کہیں پولیساً اطلاع دینے نہ دوڑ گیا ہو۔ اور یہ خیال واقعی تشویش ناک تھا۔ اگر ایسی بات ہے تو ہلاں مشکل پیش آسکتی ہے۔

شپر کے ارادے اپنے نہیں معلوم ہوتے تھے۔ اگر وہ نیک نیت سے گیا ہوتا تو مجھے مشورہ کر کے جاتا۔ بتائے بغیر بھاگ جانے کا مقصد تھا کہ..... اور بہتر یہ تھا کہ اسی وقت یہ بنگل چھوڑ دیا جائے۔ چنانچہ میں نے فوری طور پر ضروری کارروائیاں شروع کر دیں۔ ہر ایسا جگہ سے نشانات صاف کر دیئے جہاں سے انہیں تلاش کیا جا سکتا تھا۔ یہاں تک کہ کارے بھی نشانات صاف کئے اور پھر اپنا مختصر ضروری سامان سمیٹا اور وہاں سے نکل آیا۔

ابھی تک پولیس کے پیچے کے آثار نہیں تھے۔ بہر حال! کافی دور آنے کے بعد مجھے یہیں مل گئی اور میں چل پڑا۔ سامان میرے پاس اتنا مختصر تھا کہ اس کا ہونا نہ ہونا برادر تھا۔ لیکن میں نے مجھے شہر کے ایک باروف حصے میں اتار دیا۔ اور پھر بازار کھل جانے کے بعد، میں نے بو سب سے پہلی چیز خریدی وہ میک اپ کا سامان تھا۔ یہ سامان لے کر میں نے ایک سیلوں کا رُخ کیا اور سیلوں کے باتحر رُوم میں جا کر میں نے دروازہ اندر سے بند کر لیا۔

یہاں نہ تو وقت کی پابندی تھی اور نہ ہی سیلوں کے ملازم میں آنے جانے والوں پر لگا رکھتے تھے۔ چنانچہ کسی نے یہ غور نہ کیا کہ باتحر رُوم میں داخل ہونے والا ایک خوش رُونو جوان تھا اور جو شخص باہر نکلا ہے، اُس کے چہرے پر داڑھی ہے اور کھال کارنگ ملا جلا ہے چیزیں۔ بہت زیادہ گرم علاقے میں وقت گزار تھا ہو۔

چھوٹی سی رقم ادا کر کے میں باہر نکل آیا۔ سوچنے کے لئے ایک پرسکون جگہ در کار ہو لیا ہے۔ چنانچہ میں نے بازار سے چند ریڑی میڈ لباس اور ایسی ہی دوسری چیزیں جو شریف مسافروں کے پاس ہوتی ہیں، خریدیں اور پھر ایک نیکی میں پیٹھ کر چل پڑا۔ ڈرائیور کو ملا

کوئی خطرناک جرم کرنا چاہتے ہو، کسی کو ہلاک کرنا ہے یا کسی بُک میں ڈاک کرنا چاہتے ہو۔

”کافی تجربے نے کام معلوم ہوتے ہو۔“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”ظاہر ہے، ان اشیاء کو فروخت کرنے والے کو اتنا تجربہ تو ہونا ہی چاہئے۔“

”ٹھیک ہے۔ لیکن اسے یہ بھی جاننا چاہئے کہ کوئی اسے اپناراز کیوں تباہ کرے گا؟“

”کیا اس بازار کے معاملے میں تمہاری معلومات محدود ہیں؟“

”کسی حد تک.....!“

”غیر ملکی ہونا؟ غالباً انڈونیشیا کے باشندے۔ بہر حال! تمہاری معلومات کے لئے اتنا ڈول کہ یہاں کرانے پر ایسے لوگ مل جاتے ہیں جو تمہارے اشارے پر سلگتے ہوئے جنم میں چھلانگ لگادیں۔ کام کوئی بھی ہو، معاوضہ وابحی۔“

میں رُک کر اسے دیکھنے لگا۔ ”پولیس سے کتنا معاوضہ لیتے ہو.....؟“

”اوہ.....! اس نے ایک تھقہہ لگایا۔ یہاں تمہیں پولیس کے دشمن ملیں گے۔ مزدھن۔ پورے علاقے میں گھوم لو۔ اگر ایک بھی پولیس کا دوست مل جائے تو یہ چھوٹا بہم برے قریب ہی مار دینا۔ اس سے زیادہ کیا کہہ سکتا ہوں؟“

”تب.....تب بھے ایک آدمی کی ضرورت ہے۔“

”میں حاضر ہوں۔ میرا نام مارک ہے۔“

”خوب.....! میں نے بھی مسکراتے ہوئے گردن ہلائی۔“ کل تمہیں کہاں سے حاصل کیا جائے مارک؟“

”میرا فون نمبر لے لو۔ جہاں بلاو گے، پہنچ جاؤں گا۔ لیکن معاوضہ اسی وقت طے کرنا اور صبح کو ادا نہیں کر دو۔ اگر شدید خطرہ ہوا تو بھاگ جاؤں گا۔ معمولی خطرے سے منہنے کے لئے جان کی بازی لگا دوں گا۔“ مارک نے صاف گوئی سے کہا۔

”میں نے اسے معاوضہ کی پیشگش کر دی۔“

”رقم خاصی مناسب ہے۔ ادا نہیں کام ہونے سے پہلے ہو جائے گی؟“ اس نے پوچھا۔

”ہاں.....!“

”طے.....؟“ اس نے ہاتھ پھیلایا اور میں نے اس سے ہاتھ ملا لیا۔

”مارک.....! میرا منافع دیکھ کر تمہارا مطالبہ تو تمہیں بڑھے گا؟“

”ہرگز نہیں۔ ہم بات کے پکے ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ شریف آدمی نہیں ہیں۔“ اس

نے نظریہ انداز میں کہا اور مجھے نہیں آگئی۔ ایک شریف آدمی ملا تھا یعنی شپر۔ اور دوسرا بیٹھا۔ میں نے مارک کو پچھہ ہدایات دیں اور معاوضہ کی رقم کا ایک حصہ بھی اُسی وقت ادا کر دیا۔ مارک مستعد ہو گیا تھا۔ گواں طرح سر راہ کسی سے ملاقات پڑھ کر لینا ایک قسم کی میانت تھی لیکن یہ میانت مجھے جیسے کھلے دل کا انسان ہی کر سکتا تھا۔ ہوش میں واپس پہنچ کر میں اُبیں کی ظروروں سے پچتا ہوا اپنے کمرے تک پہنچ گیا اور یہاں میں نے میک آپ بدلتا یا۔

اُن رات تفریباً دو بجے تک میں اپنے کاموں میں مصروف رہا۔ اور پھر تمام کاموں سے فارغ ہو کر سونے کے لئے لیٹ گیا۔ دوسرے دن آٹھ بجے جا گا۔ نو بجے تک ناشستہ وغیرہ نارغ ہو گیا۔ اور جب دیہر وغیرہ کے آنے کا خطرہ نہ رہا تو میک آپ بدلتا یا اور خاموشی سے فارغ ہو گیا۔ اپنے سامان کے ساتھ باہر نکل گیا۔ سامان کا تھیلا ہاتھ میں لئے میں آگے بڑھ گیا اور پہنچ لے کر چل پڑا۔

اور دوسرا طرف سے فوراً جواب مل گیا۔

”تمہارا دوست بول رہا ہے مارک! کیا تم تیار ہو؟“

”اوہ، یقیناً.....! میں صرف تمہارے فون کا انتظار کر رہا تھا۔“ مارک نے جواب دیا۔

”کار کا بندوبست ہو گیا؟“

”سب کچھ ہو گیا ہے ڈیزیر.....! تم صرف حکم کرو۔“

”تب ٹیورن بُک پہنچ جاؤ۔ ٹیورن پینک، رینک روڈ برائج۔“

”اوکے.....!“ مارک نے جواب دیا اور میں نے ٹیلی فون بند کر دیا۔ پھر میں انتہائی بھرتی سے اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔ میں نے ساری ضروری کارروائی کمکل کر لی اور پھر باہر اک مارک کا انتظار کرنے لگا۔

مارک نے ٹیلی رنگ کی ایک بُکی کار میں آپنچا تھا۔ چست لباس میں ملبوس تھا اور فیکٹ میں

گلاس کی تین کھیاں اُڑی ہوئی تھیں۔ اُس نے مسکراتے ہوئے گردن ہلانی اور میں اُز قریب پہنچ گیا۔ ”ہیلو مارک!“

”ہیلو..... سب ٹھیک ہے۔ کیا بُنک لوٹو گے؟“ اُس نے ایسے پوچھا جیسے روز معمول ہو اور اُس کے نزدیک کوئی خاص بات نہ ہو۔

”ہاں مارک..... کیا تمہیں اعتراض ہے؟“

”بھلا کیوں.....؟ تم کچھ بھی کرو، مارک کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟ ہاں! جو معاشرے ہوئے ہیں، ان کو ڈھن میں رکھنا۔“

”بالکل مارک! تو تم میرا منتظر کرو۔“ میں نے کہا اور دوبارہ عمارت میں داخل ہوئے۔

پھر ایک کونے میں کھڑے ہو کر میں نے کھیل کا آغاز کر دیا۔ پہلا آٹو بینک ڈائنا مائرٹ شیڈ کی دیواروں والے کیمین کے پاس پھٹا تھا اور کیمین میں بیٹھے ہوئے بیٹھر اور درسرے لوگوں کے پورے بدن شستے کی کرچیوں سے چھلنی ہو گئے اور اس کے فوراً بعد درسرے ڈائنا مائرٹ پہنچے اور خوب صورت برائج، کباڑ خانہ بن گئی۔ میں اپنی مطلوبہ جگہ پر پہنچ گیا تھا بُنک میں بھلکدڑ بچ گئی۔ اور پھر دھوئیں کے دھچپوئی بھوٹ نے رہی کبھی پوری کردی کان پھاڑ دینے والا شور گونج رہا تھا۔ لوگ اس طرح بھاگ رہے تھے جیسے ابھی چند ساعتوں کے بعد پوری عمارت کے ڈھیر ہو جانے کا خدشہ ہو۔

میرے پنج تلے ہاتھوں نے کیش روں خالی کرنا شروع کر دیا۔ نوٹوں کی گذیاں بُنک زیگ۔ مارک نے کار آگے بڑھا دی تھی۔

نے باریک پلاسٹک کے تھیلے میں اوپر تک بھر لیں اور یہ کام نہایت برق رفتاری سے ہوتا۔ پھر میں بھی اپنا تھیلے شور چانے والوں میں شامل ہو گیا۔ میں ان سے کم بدھاں نہیں نظر رہا تھا۔ باہر آ کر میں نے مارک کی گاڑی دیکھی۔ وہ گاڑی کو پیچھے لے گیا تھا۔ جھوم سے لٹلا میرے لئے خاصاً مشکل ثابت ہوا لیکن بہر حال! میں مارک تک پہنچ گیا۔ وہ دروازے کا بینڈل کھولے تیار بیٹھا تھا۔ اور پھر اُس نے میرے اندر پہنچنے ہی گاڑی ریورس کر لی اور اُس تک اسی طرح چلا گیا۔ اس کے بعد اُس نے ایک گلی میں کار موڑ کر دوسرا سڑک پر کھل لی۔

میں چاروں طرف سے چوکنا تھا۔ گاڑی میں بیٹھ کر میں نے سب سے پہلے یہ اندازہ لگانا تھا کہ اس کی سیٹوں کے درمیان میں اور کوئی تو نہیں ہے؟ کیونکہ مارک کی طرف سے مھٹنے ہو جانا بھی حماقت تھی۔ وہ ایک جرام پیشہ شخص تھا اور اُس سے کسی بھی دھوکے کی امید رکھیں۔

پھر میں نے دیڑکو بلا کر وہ سکی طلب کی اور دو تین پیگ لینے کے بعد آرام کرنے لیت

گپا۔ لیئے لیئے ہی آئندہ اقدامات کے بارے میں سوچ لیا تھا۔ چونکہ آب پریل میں طویل ہو گیا تھا اس لئے چند دوسری ضروریات کا معاملہ بھی تھا۔ لیکن بہر حال باہر دوسرے دن انجمام دینے تھے۔ آج صرف آرام.....

اور اس دن میں نے آرام کیا۔ رات کو البتہ ہوٹل کے ریکریشن ہال میں تھوڑی ایسا جگہ بھی نہیں۔ کیا آپ میرے اندر کچھ تبدیلیاں محسوس کر رہے ہیں؟“ شپر گھری بیٹیاں یا ہو گا۔ کیا آپ میرے اندر کچھ تبدیلیاں محسوس کر رہے ہیں؟“

کیا۔ تین لاکیوں کے ساتھ ناچا تھا۔ اُن میں سے دو ایسی تھیں جو میری دعوت پر ایسا بیٹیاں آپ کے اندر تبدیلیاں آئی ہوں گی۔ اس لئے میں آپ کو نہیں پہچان پا سمجھے دیکھ رہا تھا۔

کیا۔ اُن میں آپ کو بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔ چنانچہ، اُنکا کام اُس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

اچھی مقدار معدہ میں اُنڈیل کر میں سکون کی نیند سو گیا۔

دوسرادن بھی پہلے دن سے کم مصروف نہیں تھا۔ صبح کو اخبار دیکھا۔ اُس میں ٹولنڈن کیا ہاتھ ہے، ہم لوگ ساتھ بھی رہ چکے ہیں۔“

کی براچی میں ڈاکے کی تفصیل تھی۔ اس ڈاکے کو بدترین ڈاک قرار دیا گیا تھا کیونکہ اس میں ”تقب ہے۔“ شپر نے پر خیال انداز میں گردن ہلائی۔ اور پھر بولا۔ ”بہر صورت! یہ پانچ زندگیاں ضائع ہوئی تھیں۔ ڈاکوؤں کو خطرناک ذہنیت کا حامل قرار دیا گیا تھا۔“ اسے کہ آپ مجھے پیچانتے ہیں اور میں آپ کو نہیں پہچانتا۔ یہ تو کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ لگا ہوں میں انسانی زندگی کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ میں مرنے والوں کے سوگ میں، کیا میں آپ کا نام جان سکتا ہوں؟“

مشت خاموش رہا، پھر نہیں کا بریف کیس لے کر باہر نکل گیا اور پھر دوپھر تک میں لایا۔ ”ہاں، ہاں..... کیوں نہیں؟ میرا نام ڈیل ہے۔“

ہوئی رقم تین بنکوں میں مختلف ناموں سے جمع کرادی۔ اب سکون ہی سکون تھا۔ چانپو، ”ڈیل، اوہ.....!“ شپر نے پھر گردن ہلائی۔ وہ ڈاک پر زور ڈال رہا تھا۔ پھر اس نے آوارہ گردی کرنے لگا۔

دوپھر کو ایک ریستوران میں لنج کے لئے داخل ہو گیا۔ خوب صورت اور پر ٹکڑا باخوردی ہے کہ میں آپ سے اپنے تعلق کو ضرور جانوں؟ ہاں! میں آپ کی کیا خدمت کر ریستوران کی ایک میز پر بیٹھ کر میں نے ماحول پر نگاہ ڈالی اور پھر ایک میز پر شپر کو دیکھا۔ ”ماہوں؟“

میرے ہونٹوں پر گھری مسکراہٹ بچیں گئی۔ شپر ایک بوڑھے آدمی کے ساتھ بیٹھا ہوا قہا۔ ”مسٹر شپر! اس سے قبل جب ہماری ملاقات ہوئی تھی تو میں نے آپ سے کچھ کام لئے اُن کے سامنے مختلف ڈشیں جنی ہوئی تھیں۔ بڑا آدمی عیش کر رہا تھا۔ میں نے دیکھ کر کہ اُنکا کوئی کوئی کوئی بھی یاد نہ ہو کہ میرے معمولی سے اخراجات بھی آپ کے کندھوں پر بک کرایا اور اس کے ساتھ شپر کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

”آس آدمی کو میرا سلام دو۔ آس کا نام شپر ہے۔“

”تینی تینی..... دراصل شپر اس قسم کا آدمی ہے کہ کئی لوگوں کے کام آتا ہے۔ اب وہ دیٹر نے گردن جھکائی اور آگے بڑھ گیا۔ پھر اس نے شپر کو میرا سلام کہا اور شپر پوچھا۔ ”کس کس کو یاد رکھے؟ ہم جیسے لوگ تو پیدا ہی دوسروں کی مدد کے لئے ہوئے ہیں۔ کر مجھے دیکھنے گا۔ پھر وہ کری کھسکا کر کھڑا ہو گیا۔ غالباً لنج ختم ہو چکا تھا۔ اور پھر دہرا۔“

”ہم سوچتے، مسٹر ڈیل! کیا آپ مقامی باشندے ہیں؟“

”میں..... میرا تعلق سوٹریلینڈ سے ہے۔“ میں نے جواب دیا۔

”اوہ، ہاں..... میں محسوس کر رہا تھا کہ آپ سوچ معلوم ہوتے ہیں۔“ شپر نے جواب دیکھ آگیا۔

”یہ مسٹر شپر.....!“ میں نے کہا۔

”ہمیلو..... لیکن بد قسمتی سے میری یادداشت اچھی نہیں ہے۔ کیا میں بیٹھ سکتا ہوں؟“

”اوہ، تو یہاں کب تشریف لائے؟“

”اُنکے آج ہی۔“

”مناسب.....“ میں نے جواب دیا اور تھوڑی دیر گفتگو کرنے کے بعد شپر میرے پاس آئی گیا۔

”مجھے تو اجازت دیں۔“
”کیوں.....؟“

”درامل مجھے تو جو کچھ کرنا ہے، ابھی سے کرنا ہے۔ تاکہ شام ساڑھے چار بجے آپ کے بائی پنچ جاؤں۔“

”تمیک یوم سترشپر!“ میں نے جواب دیا اور شپر چلا گیا۔
میرے ہونتوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ شپر بہر صورت! جو کچھ بھی تھا، دلچسپ آدمی تھا۔
میں اپنی خصیت اُس پر واضح نہیں کروں گا۔ میں نے سوچا اور تھوڑی دیر کے بعد میں بھی ہاں آئی گیا۔

کوئی خاص کام تو تھا نہیں۔ بس! اب ان لوگوں سے بھڑ جانا تھا جو ویرا کو انخواء کر کے لے گئے تھے۔ میں نہیں جانتا تھا کہ اس دوران اُس بے چاری کے ساتھ کیا سلوک ہوا ہو گا؟
”کسی حالت میں ہے؟ ممکن ہے، اُسے بھی قتل کر دیا گیا ہو۔ لیکن اگر اُسے قتل کر دیا گیا ہے تو قتل کرنے والوں کو اس کا شدید نقصان اٹھانا پڑے گا۔ اُنہیں اس کے عوض بہت کچھ ضائع کرنا ہوگا.....“ میں نے دل ہی دل میں سوچا۔

”تھوڑی دیر تک ریستوران میں بیٹھا رہا۔ پھر باہر نکل آیا۔ بے مقصد سڑکوں پر آوارہ گردی کرتا رہا۔ شام کو ساڑھے چار بجے میں پھر اُسی جگہ پہنچ گیا اور میرے پہنچنے سے پہلے ہی پھر دہل موجود تھا۔ شپر، ہوٹل کے باہر ہی میرا منتظر تھا۔

”بہتر یہ ہے کہ ہم شام کی چائے اپنے مکان ہی میں پہنچ سترڈیل!“

”اوہ، وندرفل..... تو آپ نے انتظام کر لیا مسٹر شپر؟“

”مسٹرڈیل! میں انتہائی کوشش کرتا رہا کہ آپ مجھے یاد آ جائیں۔ لیکن آپ مجھے نہیں یاد کر سکتے۔ آپ نے مجھے یاد رکھا ہے تو آپ یہ ضرور جانتے ہوں گے کہ جو کام شپر کے قابل کیا جائے، وہ ہمیشہ پاہی تکمیل کو پہنچتا ہے۔ اور مرضی کے مطابق۔“ شپر نے مسکراتے ہوئے کہا اور پھر ایک نیکی کو اشارہ کر کے روک لیا۔

”تو پھر میں آپ سے کہاں ملاقات کروں مسٹر شپر؟“
”آپ مسٹرڈیل! میرا خیال یہ ہے کہ اس ہوٹل میں شام ساڑھے چار بجے۔“

”عجب اتفاق ہے۔ اور یہ کہ آپ کی ملاقات مجھ سے بھی ہو گئی۔“ شپر نے کہا۔
”میں آپ کے لئے کیا منگوا دل مسٹر شپر؟“ میں نے پوچھا۔

”اوہ، کچھ نہیں..... ابھی کھانا کھا چکا ہوں۔ اس وقت شکر یہ۔ اگر کچھ ضروری پھر رات کو سکی۔“

”سہی کا کیا مطلب؟ ظاہر ہے مسٹر شپر! آب جگہ میں یہاں آیا ہوں تو آپ ساتھ رہنا ہو گا۔“

”اوہ، ہاں..... یقیناً، حاضر خدمت ہوں۔ لیکن آپ کا قیام کہاں ہے؟“
پوچھا۔

”اس کا بندوبست بھی آپ ہی کو کرنا ہو گا مسٹر شپر!“

”واہ..... گویا آپ نے ابھی تک کسی ہوٹل کا انتخاب نہیں کیا؟“
”آپ کے بغیر کیسے کر سکتا تھا؟“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور شپر فخر سے پھر اُس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

”آپ کا قیام لئنے عرصے تک رہے گا؟“
”مسٹر شپر! میں نہیں کہہ سکتا۔ ایک مہینہ یا پھر دو مہینے بھی گزر سکتے ہیں۔ اس اکی بجائے کوئی پر ایکوئی رہائش گاہ ہونی زیادہ بہتر ہے۔ کیا آپ اس کا بندوبست ہیں؟“ میں نے پوچھا۔

”شپر، پیرس میں کس جیز کا بندوبست نہیں کر سکتا؟ لیکن وقت طور پر آپ کو کسی جگہ ہو گا۔ پیرس کے علاقے گھوم لیجئے۔ اس کے بعد کسی مناسب جگہ مجھے مل جائیے۔ اس میں انتظام کر لوں گا۔“

”مناسب..... لیکن جگہ میرے شایان شان ہو،“ میں نے کہا اور جیب سے لا ایک گذی نکالی۔ گذی میں سے کچھ نوٹ کھینچنے اور انہیں شپر کے سامنے کر دیا۔ آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں۔

”شایان شان جگہ کا ہی بندوبست ہو گا۔ آپ بے فکر رہیں۔ اس نے بڑے انداز میں کہا۔

”تو پھر میں آپ سے کہاں ملاقات کروں مسٹر شپر؟“
”آپ مسٹرڈیل! میرا خیال یہ ہے کہ اس ہوٹل میں شام ساڑھے چار بجے۔“

بے حد مشکل سے ملتا تھا لیکن اس قسم کے مکان عموماً مل جایا کرتے تھے جن کے مالکان مستقل کرائے پر دینے کو تیار نہیں ہوا کرتے۔ ہاں! وقت طور پر کسی ضرورت مدد کرائے پر دے کر اچھی خاصی رقم وصول کر لیا کرتے تھے۔ چنانچہ ایسے مکانات عام طور پر جایا کرتے تھے۔

”آلدرے سز.....“ شپر کو جیسے کچھ یاد آگیا۔ پھر اُس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

”میں نے اس سلسلے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی۔ لیکن یہ کون سا کام ہے؟ اگر آپ چاہیں گے تو میں اس کے بارے میں آپ کو کامل تفصیلات فراہم کر سکتے ہیں۔ لیکن آپ کس سلسلے میں اُس فرم کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں؟“

”مُسٹر آلدرے میرے پرے پرانے دوست ہیں۔ کافی عرصے سے ان سے ملاقات نہیں۔ اس بار میں ان سے ملنے ہی یہاں آیا تھا۔ لیکن ظاہر ہے دوسرے انتظامات کے بعد میں ان سے مل سکتا تھا۔“

”اگر آپ کی اجازت ہو تو میں ان تک آپ کا پیغام پہنچاؤں؟“

”ہرگز نہیں مُسٹر شپر! یہ میرا ذاتی مشکلہ ہے۔ بلاشبہ مُسٹر آلدرے میرے پرانے دوست۔ لیکن میرے ان سے کاروباری اختلافات بھی ہیں جن کی بناء پر وہ مجھ سے ملنا پسند نہیں ہیں گے۔ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ ان کے بارے میں معلومات حاصل ہو جائیں، اس بعد اچاک ہی ان سے ملاقات کروں۔“

”واہ..... اس میں کیا دقت ہو سکتی ہے؟ لیکن کیسے لوگ ہوتے ہیں جو اپنے دوستوں کو بھی رہداری گزبہ میں شریک کر لیتے ہیں۔ بہر صورت! آپ مطمئن رہیں مُسٹر ڈیل! میں بہت رہداری کے بارے میں آپ کو تفصیلات فراہم کر دوں گا۔“

”بہت جلد سے تمہاری کیا مراد ہے شپر؟“

”شپر کو آپ صرف اجازت دیں اور وقت دیں۔“

”تو پھر ڈزپر ہم اس موضوع پر گفتگو کریں گے۔ اس وقت تم مجھے ساری تفصیلات مہیا دو گے۔“

”بہت بہتر..... تو میں چلتا ہوں۔“ شپر نے کہا اور چائے کی پیالی ختم کرنے کے بعد ڈیگر میں نے مسکراتے ہوئے گردن ہلا دی تھی۔

بہت سے کام ایسے ہو رہے تھے جو نہایت آسانی سے ہو رہے تھے۔ اور ظاہر ہے، میں ”مُسٹر آلدرے سز“ کی تلاش میں نکلنے والا تھا۔ لیکن اگر شپر اس کے بارے میں معلومات مہیا کرے تو اس سے میں دردسری سے نجٹ سکتا تھا۔ ظاہر ہے، مجھے دوسرے بے شمار کام تھا۔ ویرا پیر کے ایک نمائندے کو اس کی عزت برقرار رکھنی تھی۔ اور سیکرٹ پیلس نے میرے اوپر

بے حد مشکل سے ملتا تھا لیکن اس قسم کے مکان عموماً مل جایا کرتے تھے جن کے مالکان کرائے پر دینے کو تیار نہیں ہوا کرتے۔ ہاں! وقت طور پر کسی ضرورت مدد کرائے پر دے کر اچھی خاصی رقم وصول کر لیا کرتے تھے۔ چنانچہ ایسے مکانات عام طور پر جایا کرتے تھے۔

یہ مکان، جس میں ہم منتقل ہوئے تھے، چند کروں پر مشتمل تھا۔ بے حد خوبصورت تھا۔ الگ تھلک بھی تھا اور یہاں کسی قسم کی کوئی انجمن یا پریشانی نہیں تھی۔ میں نے غیر پسندیدگی کا اظہار کیا اور شپر نے مسکرا کر گردن جھکا۔ ”آپ کے شایان شان.....“

”ہاں.....“

”پیرس میں قیام کے دوران کا رکی ضرورت تو ہو گی ہی؟“

”ہاں.....!“ میں نے جواب دیا۔

”میں نے اُس کا بندوبست بھی کر لیا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد کرائے پر کار دینے، کی کمپنی کا نمائندہ کار لے کر یہاں پہنچ جائے گا۔ اور یقیناً وہ گاڑی بھی آپ کو پسند گی۔“ شپر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”اوہ، مُسٹر شپر! آپ بہترین صلاحیتوں کے مالک ہیں۔“ میں نے کہا۔

”اب میرا خیال ہے، چائے کا بھی بندوبست کر لیا جائے۔“

”کیا یہاں کوئی ملازم وغیرہ بھی ہے؟“ میں نے پوچھا۔

”ہاں..... دو ملازم، جو اس بنگلے میں قیام کرنے والوں کے لئے مخصوص ہیں۔“ عوزت، ایک مرد۔“

”اوہ.....“ میں نے پھر شپر کی انتظامی صلاحیتوں کی داد دی اور شپر مسکرانے لگا۔

”اچھا! میں چائے کے لئے کہہ دیتا ہوں۔“ شپر نے کہا اور باہر نکل گیا۔ میں ”ڈرائیور“ روم میں بیٹھ کر جائزہ لینے لگا۔ بہر صورت! یہ آدمی کچھ بھی تھا، کام کا تھا۔ رہا سوال اسی۔“ وہ بزدل تھا تو ظاہر ہے، ہر شخص سے اُس کی ہیئت کے مطابق ہی کام لیا جائے۔ ضروری نہیں تھا کہ مجھے ایک بہادر آدمی ہی مل جاتا جو میرے ہر کام آ جاتا۔

چائے کے دوران شپر سے گفتگو ہوتی رہی اور پھر باقی ہی باقی میں، میں نے سے آلدرے سز کے بارے میں پوچھا۔ ”کیا تمہیں اس فارم کے بارے میں کچھ معلوم ہیں مُسٹر شپر؟“

”فرائن سوچکی.....؟“ انہوں نے پوچھا۔

”میں نہیں جانتا مسٹر آئڈرے!“ میں نے جواب دیا اور مسٹر آئڈرے میری آواز سن کر چک پڑے۔ انہوں نے مجھے دیکھا اور منہ پھاڑے دیکھتے رہ گئے۔

”کون ہوتا؟ اور یہاں کیسے گھس آئے؟“

”میرا نام گورین روین گلینڈی ہے۔“ میں نے جواب دیا اور پستول والا ہاتھ سامنے کر دیا۔ ایک لمحے کے لئے تو مسٹر آئڈرے خاموش رہے۔ پھر اچھل کر کھڑے ہو گئے۔ ”گورین.....؟“ ان کے منہ سے نکلا۔ اور دوسرے لمحے انہوں نے میز کے دراز کی طرف چھپنا مارا۔ لیکن جو نبی میز کی دراز کھلی، سائلنر لگے پستول کی گولی نے اُسے بند کر دیا۔ وہ ایک زور دار تراخ سے بند ہو گئی تھی۔

”میں تمہارے پورے جسم کو چھلنی کر دوں گا مسٹر آئڈرے!“ میں نے غرائی ہوئی آواز میں کہا اور مسٹر آئڈرے خونخوار نگاہوں سے مجھے دیکھتے رہے۔

”احمق ہو..... تم یہاں سے زندہ جاسکو گے؟“ وہ بولے۔

”ویرا کہاں ہے.....؟“

”جہنم میں..... تم یہاں سے نکل جاؤ۔ میں نہیں جانتا تم کون ہو اور کس کی بات کر رہے ہو؟“

”ویرا کہاں ہے.....؟“ میں نے پوچھا۔

”کون ویرا.....؟“

”تم اُسے اچھی طرح جانتے ہو۔“

”میں کسی ویرا..... کسی گورین کو نہیں جانتا۔“

”تم نے مجھے گورین تسلیم کر لیا تھا نا.....؟“

”تو تم گورین نہیں ہو؟“ آئڈرے نے کہا۔ پھر چونک کر بولا۔ ”میں کہتا ہوں، فضول باشی مت کرو اور یہاں سے نکل جاؤ۔“

”فضول باشیں تو اب تم کر رہے ہو آئڈرے! تم اُن دونوں کے لئے تجسس بھی رکھتے ہو اور انہار بھی کر رہے ہو۔“ میں نے ہونٹ سکوڑ کہا اور مسٹر آئڈرے مجھے گھوڑتے رہے۔ پھر بولے۔

”ٹھیک ہے۔ لیکن تم گورین نہیں ہو سکتے۔ میک اُپ میں بھی نہیں ہو سکتے۔ تمہاری تصوری

مکمل اعتقاد کر لیا تھا۔ میں وقت گزاری کے لئے ایک رسالے کے اوراقِ اللہ کا۔ شپر کے بارے میں بہر حال! میرا تجربہ تھا کہ جو کچھ کہتا ہے، کر دکھاتا ہے۔ اس علاوه وقت کا بھی پابند ہے۔ چنانچہ ٹھیک سائز ہے آٹھ بجے وہ واپس پہنچ گیا اور اس چہرے کے اطمینان سے اندازہ ہوتا تھا کہ کچھ کر کے ہی آیا ہے۔ باقی گفتگو کھانے کا؟ ہوئی۔

”مسٹر آئڈرے، پیرس کی ایک معزز ہستی ہیں۔ با اثر ہیں۔ ان کا سکرپینگ کا کام ہے۔ پرانے جہاز خرید کر انہیں توڑتے ہیں۔ کافی بڑا برس ہے۔“ شپر نے مسٹر آئڈرے فون نمبر، ان کے مکان اور دفتر کا محل وقوع اور ان کی قسمیں تک کے بارے میں تفصیل دی۔ میں نے یہ ساری تفصیلات ذہن نشین کر لی تھیں۔ اور پھر میں نے شپر سے آرام کر کے لئے کہا۔

”اوہ مسٹر ڈیل! میرا رات کا کوئا؟“ شپر نے جھبکتے ہوئے کہا اور میں نے جیسے نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیئے۔

”آپ کسی بار میں جا کر عیش کریں گے یا یہاں لے آئیں؟“

”اوہ، شکریہ..... میں اپنا بندوبست کرلوں گا۔ آپ بالکل بے ٹکر رہیں مسٹر ڈیل!“ نے کہا اور میں ضروری تیاریوں کے بعد باہر نکل آیا۔ اور پھر کرائے کی کار لے کر چل پا۔ جس علاقے میں مسٹر آئڈرے کی رہائش گاہ تھی، میں نے اُسی طرف کا رازنے کیا۔ رات کافی گزر پچھی تھی۔ آئڈرے کی کوئی تلاش کرنے میں کوئی دقت نہیں ہوئی، نہیں ادا خل ہونے میں۔ کار میں نے کافی ڈور کھڑی کر دی تھی۔ اندر روشنی تھی، لیکن بلکل بے کوئی سنسان معلوم ہوتی تھی۔ کوئی خاص چیز پہل نہیں تھی۔ میں ملازوں کی نگاہوں پہنچتا ہوا اندر داخل ہو گیا۔ اور پھر میں نے خواب گاہوں کا جائزہ لیا۔ مختلف شخصیتیں لفڑا تھیں۔ ایک کمرے میں مسٹر آئڈرے نظر آگئے۔ شپر نے مجھے ان کا حیلہ بتا دیا تھا۔

مسٹر آئڈرے جاگ رہے تھے۔ ان کے سامنے شراب کا جگ رکھا ہوا تھا۔ وہ کوئی کام رہے تھے۔ میں نے دروازے پر بلکل سی دستک دی۔

”آ جاؤ.....!“ مسٹر آئڈرے بھاری آواز میں بولے۔ انہوں نے سامنے پڑا۔ کاغذات سے سر پیش اٹھایا تھا۔ اس کا مطلب ہے دروازہ کھلا ہوا ہے۔۔۔ میں نے دروازے اندر داخل ہو گیا۔

اور تفصیل میرے پاس موجود ہے۔
”شکریہ، راستے پر آگئے۔ ہاں! میں گورین نہیں ہوں۔“
”پھر کون ہو.....؟“

”فریڈ۔ وہ، جس کے قبضے سے تمہارے آدمی دیرا کو نکال لائے ہیں۔“

”اوہ..... لیکن تمہاری شخصیت تاریکی میں ہے۔ تم نے جو کچھ کیا ہے، اس سے تمہاری شاندار کارکردگی کا ثبوت ملتا ہے۔ دیرا، نے بتایا ہے کہ وہ اتفاقیہ طور پر تم تک جا پہنچتی تھی۔ تمہیں اس سے کیا دلچسپی ہے؟ کیوں..... آخر کیوں؟ وہ تمہارے لئے صرف ایک لڑکی ہے یا اس سے کچھ زیادہ۔ سنو! گوتم نے ہمارا کافی نقصان کیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود اگر تمہیں صرف ایک لڑکی درکار ہے تو وہ کوئی بھی ہو سکتی ہے۔ دیرا، سے کہیں زیادہ خوبصورت۔ اگر دیرا، نے تمہیں اپنی حیثیت بتا دی ہے اور تم کسی دوسرے لائچ میں پڑ گئے ہو اور اس کی حیثیت سے فائدہ اٹھانے کے خواب دیکھ رہے ہو تو ان خوابوں کو ذہن سے نکال دو۔ دیرا کو اس کی حیثیت بھی واپس نہل سکے گی۔“

”تم لوگ اُسے قتل کرنا چاہتے تھے؟“

”ہاں..... لیکن اب اُسے قتل نہیں کیا جائے گا۔“

”کیوں.....؟“

”یہ نہیں بتایا جاسکتا۔ ہاں! میں ذاتی طور پر تمہاری چند خواہشات پوری کر سکتا ہوں۔ مثلاً یہ کہ تمہیں کچھ دے دیا جائے۔ بیٹھو! معاملے کی بات کرو۔“ مسٹر آئلدرے کری گھیٹ کر بولے۔ وہ بیٹھنا چاہتے تھے۔ لیکن پستول کی دوسری گولی اُن کے پیروں کے قریب زمین پر لگ کر اچھل گئی اور وہ پھر سے سیدھے ہو گئے اور مجھے گھوننے لگے۔
”گویا تم تعاون پر آمادہ نہیں ہو۔“

”مسٹر آئلدرے! آپ ضرورت سے زیادہ خوش فہم ہیں۔ اپنے طور پر تصور کر لیتے ہیں اور فیصلے کرنے لگتے ہیں۔ میں صرف دیرا کا پتہ چاہتا ہوں اور آپ کو حکم دیتا ہوں کہ اُسے میرے حوالے کر دیا جائے۔ ورنہ مسٹر آئلدرے! میں آپ کو چیخنے کر رہا ہوں کہ آپ لوگوں کی، اُن کی جو دیرا کو نقصان پہنچانا چاہتے ہیں، زندگی دو بھر کر دوں گا۔ وہ حشر کر دوں گا آپ کا کہ زندگی بھر یاد رکھیں گے۔“

”خوب..... اپنے بارے میں بتاؤ تو سہی۔ کیا فرانسیسی ہو.....؟“ آئلدرے کے ہونٹوں

مکراہٹ پھیل گئی۔ میں اُس پر گہری نگاہ رکھنے ہوئے تھا۔ کافی چالاک آدمی معلوم ہوتا تھا۔ مکن ہے، کوئی حرکت کر بیٹھے۔

”ہاں..... میں فرجی ہوں۔“ میں نے جواب دیا۔

”تب تمہارے سامنے ڈیوک البرٹ کا نام لے دینا کافی ہو گا۔ اگر میں کہوں کہ ڈیوک البرٹ، دیرا سے دلچسپی لے رہا ہے تو اُس کے بعد تمہارا کیا روایہ ہو گا؟“ آئلدرے کے ہونٹوں پر تمسخرانہ مکراہٹ اُبھری۔

”میرے اُپر کوئی اثر نہیں ہو گا۔“ میں نے جواب دیا۔

”تمہارے خاندان کی جڑیں کھود دی جائیں گی۔ اس طرح نیست و نابود ہو جاؤ گے کہ نام لینے والے نہیں رہیں گے۔“

”وہ بعد کی بات ہے مسٹر آئلدرے.....! فی الحال اپنی بات کرو۔“

”دیرا، ڈیوک کے پاس ہے۔ اُسے قتل کرنا مقصود تھا۔ لیکن خوش نصیب تھی۔ جس وقت اُسے انفواء کر کے لا یا گیا، ڈیوک یہاں موجود تھے۔ وہ دیرا کو اپنے ساتھ لے گئے۔ کیا سمجھے؟“

”لیکن اُسے تمہارے آدمی انفواء کر کے لائے تھے۔“

”پوچھ سکتا ہوں، تمہیں یہ بات کیسے معلوم ہوئی.....؟“

”یہ کام تمہاری دین میں ہوا ہے۔ میں نے تمہاری ایک دین تباہ کر دی تھی۔“

”اوہ، ہاں..... لیکن یہ میرے آدمیوں کی حماقت ہے کہ دوبارہ بھی انہوں نے دین ہی استعمال کی۔ تو تھیر میرے دوست! بات ڈیوک کی ہو رہی تھی۔“

”تمہاری ہو رہی تھی۔ دیرا کو تم نے انفواء کرایا تھا۔“

”ڈیوک کے ایماء پر۔“

”میں اُس کی واپسی چاہتا ہوں۔“

”میرے فرشتے بھی اُسے واپس نہیں لاسکتے۔“

”لائیں گے آئلدرے ای یہ میرا حکم ہے۔“ میں نے مکراتے ہوئے کہا اور آہستہ آہستہ آئلدرے کی طرف بڑھنے لگا۔ آئلدرے چوک کر مجھے دیکھنے لگا تھا۔ میں نے پستول جیب میں رکھ لیا اور پھر میں اُس کے بالکل قریب پہنچ گیا۔

آئلدرے ایک دم پیچھے ہٹا تھا۔ اُس نے ایک دیوار پر ہاتھ مارنے کی کوشش کی۔ لیکن

میں تو اُس کی ایک جبنت پر لگاہ رکھے ہوئے تھا۔ میں اپنی جگہ سے اچھا اور میری لارڈ کے شانے پر پڑی اُس کا وہ ہاتھ ہی بیکار ہو گیا تھا جس سے وہ دیوار پر کوئی کارروائی کرنے جا رہا تھا۔ فضایی میں اچھل کر میں نے دوسرا لات اُس کے سینے پر ماری اور آندرے اچھل کر ڈور جا گرا۔ میں نے آگے بڑھ کر اُس کے منہ پر پاؤں رکھ دیا۔ ”میرے پاؤں کی ذرا سی جبنت تمہاری شکل بگاڑ دے گی آندرے! جواب دو، ویرا کر تک مجھے واپس مل جائے گی؟“

آندرے دونوں ہاتھوں سے میرا پاؤں اپنے منہ سے ہٹانے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن جس شانے پر میری لات پڑی تھی، وہ ہاتھ تو بیکار ہی ہو گیا تھا۔ اُس کے چہرے پر شدید تکلیف کے آثار تھے۔ چنانچہ وہ میرا پاؤں ہٹانے میں ناکام رہا اور اُس نے دونوں ہاتھ پھیلا دیئے۔

”ویرا کب تک واپس آئے گی آندرے.....؟“ میں نے پاؤں ہٹا کر پوچھا۔ ”ڈیوک تمہیں تباہ کر دے گا۔ میں تو اُس کا ادنی غلام ہوں۔ میں اس سلسلے میں کچھ بھی نہیں کہہ سکتا۔“ اُس نے کرب زدہ آواز میں جواب دیا۔

”ڈیوک کو بعد میں دیکھ لوں گا۔ بشرطیکہ اُس نے مجھ سے ٹکرانے کی کوشش کی۔ بات لڑی کی ہے، اُسے تو تم ہی واپس لاوے گے۔ سمجھے؟ میں جا رہا ہوں۔ فون پر تم سے رابطہ قائم کروں گا۔“ میں نے کہا اور پھر ایک اور لات اُس کی گردان پر رسید کر دی۔

آندرے کے منہ سے گھٹی چیخ نکلی۔ اُس نے دو تین بار ہاتھ پاؤں زمین پر ٹھیٹھی اور پھر ساکت ہو گیا۔ گویا وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔ بہر صورت! میرے ذہن میں جو پر ڈرام تھا، میں اُس پر عمل کرنے کے لئے پوری طرح تیار تھا۔ چنانچہ میں دروازے کی طرف بڑھا اور اسی وقت دروازے پر بلکل اسی دستک سنائی دی۔

”مشتر آندرے..... مشتر آندرے!“ باہر سے ایک بھاری آواز سنائی دی اور درسرے لمحے میں دروازے کے ایک سائیڈ ہو گیا۔

”آ جاؤ.....!“ میں نے بگدے ہوئے لمحے میں کہا اور آنے والا اطمینان سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ لیکن میرا گھونسا اُس کی ناک پر پڑا تھا۔ درسرے لمحے وہ دروازے سے باہر اٹھ گیا۔ میں نے جھک کر اُس کی ٹالکیں پکڑیں اور اُسے گھیٹ لیا۔ اُس کی شکل دیکھنے بغير میں نے اُس کے چہرے پر ٹھوک رسید کی اور آنے والے کے حلق سے بھی دیکھی تھیں۔

عنی چیخ نکلی تھی اور پھر وہ ساکت ہو گیا۔ میں نے مسکراتے ہوئے دونوں کو دیکھا اور براز، کھول کر باہر نکل گیا۔ دروازہ میں نے باہر سے بند کر دیا تھا۔ تاکہ اگر ان میں سے کسی کو ہوش بھی آجائے تو نبی خود پر وہ باہر نہ نکل سکیں۔ اس کے بعد میں اُس خواب گاہ کی جانب چل پڑا جس میں، تھا ایک خوبصورت لڑکی کو سوتے دیکھا تھا۔ جس وقت میں آندرے کو تلاش کر رہا تھا تو اس وقت وہی لڑکی مجھے خواب گاہ میں نظر آئی تھی اور شپر نے مجھے جو کچھ بتایا تھا اُس کے مطابق وہ آندرے کی بیٹی ہی ہو سکتی تھی۔ چنانچہ میں اُس کے دروازے پر پہنچ گیا۔ میں نے دروازے کو دھکیلا۔ لیکن دروازہ اندر سے بند تھا۔ تب میں نے انگلی سے اسے لکھا لیا۔ ایک بار..... دو بار..... تین بار دستک دینے پر اندر ہلکی سی آہٹ ہوئی پھر تیز روشنی ہو گئی۔ ”کون ہے.....؟“ ایک نسوانی آواز نے پوچھا۔ لمحے میں نیند کی آمیزش تھی۔

”دروازہ کھولو.....!“ میں نے آندرے کے لئے بھیجیں کہا۔

”اوہ، پا.....!“ اندر سے آواز آئی۔ اور پھر قدموں کی آواز دروازے کے نزدیک پہنچی۔ اُس نے دروازہ کھولا اور درسرے لمحے میں نے آگے بڑھ کر اُس کا منہ بھیج لیا۔ میں نے ابھی تک اُس کی شکل نہیں دیکھی تھی۔ لیکن پھر میں اُسے پیچھے دھکیل لے گیا اور تیز روشنی میں، میں نے اُس کا چہرہ دیکھا۔ اچھی خاصی شکل و صورت کی لڑکی تھی۔ بال گھنگریا لے تھے اور انگلوں سے خوف نپک رہا تھا۔ اُس نے دو تین بار ہاتھ پاؤں بھی ہلاکے تھے۔ وہ ساکت ہو گئی تھی جیسے بے انتہا خوف نے اُس کے حواس چھین لئے ہوں۔

میں نے ایک لمحے کے لئے سوچا اور پھر میں اُس کی گردان کی مخصوص رگوں پر دباؤ ڈالنے لگا۔ چند ساعت کے بعد اُس کی گردان ایک طرف ڈھلک گئی۔ آنکھیں بند ہو گئی تھیں۔ تب نہیں اُس کو اٹھا کر اپنے کندھے پر ڈالا اور باہر نکل گیا۔

باہر نکلنے کے لئے میں نے کوٹھی کی عقبی سمت استعمال کی تھی۔ ظاہر ہے، دروازے پر کوئی نہ کوئی موجود ہو گا۔ چنانچہ اس طرف جانے کی ضرورت بھی کیا تھی؟ ہاں! چار دیواری سے ٹکر کو باہر لے جانے میں خاصی وقت ہوئی تھی۔ میں چاہتا تھا کہ وہ زیگی بھی نہ ہو۔ پھر تھوڑت! میں کسی نہ کسی طرح اسے باہر لے ہی آیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ میری کار کی پہنچا بیٹھ پر پڑی ہوئی تھی۔

جس وقت میں اپنی رہائش گاہ میں داخل ہوا، اندر روشنیاں بجھ چکی تھیں۔ شپر کے

بارے میں معلوم نہیں تھا کہ وہ واپس آیا ہے یا نہیں؟

بہر صورت میں نے کارکھڑی کی اور پھر لڑکی کو بازوؤں پر اٹھا کر اندر لے گیا۔ میں اُسے لے جا کر اپنی خواب گاہ میں لٹایا اور خود شپر کی خواب گاہ کی جانب چل پڑا۔ وہ میر کہیں جگ بنا لیا کرتا تھا۔

میں واپس اپنے کمرے میں آیا اور لڑکی کے نزدیک پہنچ کر اُسے ہوش میں لانے ترکیبیں کرنے لگا۔ خاصی قبول صورت اور گداز بدن کی لڑکی تھی۔ اور پھر میرے دشمن کی ہڈی۔ اس لئے میرے دل میں اُس کے لئے رحم کا کوئی جذبہ نہیں تھا۔ میں نے ہوڑی دی ریکھ اُسے جگانے کی کوشش کی تھی۔ لیکن شاید گردن پر میری انگلوں کا دباؤ پکھ زیادہ ہی ہوا تھا۔ اس لئے لڑکی ہوش میں نہ آئی۔ تب میں نے اطمینان سے اُسے مسہری پر لٹا دیا۔ دراز بند کیا اور خود بھی اُس کے نزدیک لیٹ گیا۔ میرے جسم کو اُس کی گری پہنچ رہی تھی اور میر اپنے جسم میں سختی سی محسوس کر رہا تھا۔ چنانچہ اُس کے ہوش میں آنے کا انتظار کون کرتا ہے؟ میں نے اُسے خود قریب کر لیا۔ پھر میرے ہوننوں کی گرمی نے شاید لڑکی کی بے ہوشی ذرا کر دی۔ ہوش میں آنے کے بعد چند لمحات تک وہ ماحول کو سمجھ ہی نہ سکی۔ لیکن جب اُسے احوال ہوا تو اُس نے میرے سینے پر ہاتھ رکھ کر مجھے دھکیلا اور دہشت زدہ انداز میں مسہری سے اچھل کر کھڑی ہو گئی۔

”کون ہوتا.....؟“ وہ انتہائی خوف زدہ لمحے میں بولی۔

”اوہ ڈارلنگ.....! جو کوئی بھی ہوں، تمہارا پرستار ہوں۔ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ آؤ! قریب آ جاؤ.....؟“

”م..... میں کہتی ہوں، آخرت ہو کون.....؟“

”یہ بھی بتا دوں گا۔ لیکن تم وہاں پر کھڑی ہو کر کیا کرو گی؟ بہتر یہی ہے کہ مسہری پر جاؤ۔“

”تم..... تم مجھے کہاں لے آئے ہو.....؟“ وہ رونی آواز میں بولی۔

”لڑکی.....!“ میں نے سخت لمحے میں کہا۔ ”جو کچھ میں کہہ رہا ہوں، اُس کی تعیل کر دو۔“ تمہاری گروں، تمہارے شانوں سے اٹا کر دو۔ وہ پہنچ دی جائے گی۔“ میں نے ڈنڈوار لمحے میں کہا۔

”آہ! آہ! تو کیا تم مجھے قتل کر دو گے؟“ اُس نے کہا۔

”ضرورت پیش آئی تو یہ بھی ممکن ہے۔“

”تم نے مجھے اخواء کیوں کیا ہے.....؟“

”تم آئڈرے کی بھی ہو؟“ میں نے اُس کے سوال کو نظر انداز کر کے پوچھا۔

”ہاں.....!“

”کیا ہام ہے تمہارا.....؟“

”ایں آئڈرے۔“ لڑکی نے جواب دیا۔ وہ صورت سے معصوم نظر آ رہی تھی۔ میں اُسے بیور دیکھ رہا تھا۔

”یہ ایں! میں تمہارے تعاون کا خواہ شمشد ہوں۔ اگر تم نے مجھ سے تعاون کیا تو میں نہیں فسان نہیں پہنچاؤں گا۔“ ورنہ دوسری صورت میں یہ بھی ممکن ہے کہ.....“ میری آواز میں غافلی آگئی تھی۔

”نہیں..... نہیں۔ دیکھو! میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟ تم مجھ سے جو کہو گے، کروں گی۔ لیکن.....!“

”تب پھر اطمینان سے بیٹھو۔ اس عمارت نے گرو بے شمار خطرناک لوگ گشت کر رہے ہیں۔ اگر کسی وقت تم نے یہاں سے نکلنے کی کوشش کی تو تمہارے مدن میں سوراخ ہی سوراخ ہوں گے۔ اس کمرے تک محدود رہنا۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں بحفاظت واپس پہنچا دوں گا۔ لیکن اس کے لئے شرط یہی ہے کہ جو کچھ میں پوچھوں گا، صاف صاف اور صحیح بتاؤ۔“

”میں وعدہ کرتی ہوں۔“ لڑکی نے سہمے ہوئے انداز میں کہا۔

”میں مسٹر آئڈرے کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔“

”وہ میرے ڈیڈی ہیں۔ مجھ سے بے حد پیار کرتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ میرے چار بھائیں لیکن میں آئڈرے کی اکلوتی بیٹی ہوں۔ میری کوئی بھن نہیں ہے۔ اس لئے.....“

”ٹھیک ہے، ٹھیک ہے..... تمہاری می.....؟“

”اوہ، ہمی مرچکی ہیں۔ میں نے تو ان کی صورت بھی نہیں دیکھی۔“

”مسٹر آئڈرے کا کاروبار کیا ہے؟“

”وہ جہاں سکرپ کرتے ہیں۔ ہمارا بہت بڑا اور کشاپ ہے۔“

"اس کے علاوہ.....؟"

"اس کے علاوہ کچھ نہیں کرتے۔" لڑکی نے مخصوصیت سے جواب دیا۔
"ویرا کو جانتی ہو.....؟ میرا مطلب ہے، اس لڑکی کو جسے تمہارے ڈیڈی کے آدمیوں
اغوا کیا ہے؟"

ڈیڈی کے آدمیوں نے اغوا کیا ہے؟ اوہ، مسٹر! آپ کو شاید غلط فہمی ہوئی ہے۔ میر
لڑکی کی بات کر رہے ہیں؟" اُس نے کہا۔ اس کے انداز سے مخصوصیت عیال تھی۔ جس
مطلوب تھا کہ وہ ان معاملات سے قطعی ناواقف ہے۔" میں نے شہنشہی سانس لے کر
چنانچہ میں نے اپنی نیت بدل دی۔ پہلے میں نے سوچا تھا کہ مسٹر آڈر کے لڑکی، وہ
فائدہ ثابت ہوگی۔ یعنی اس کے ذریعے مسٹر آڈر کے کو مجبور کیا جائے گا۔ اور جب تک
یہاں رہے گی، کسی عورت کی ضرورت محسوس نہیں ہوگی۔ لیکن آپ تھوڑی سی تبدیلی کرنی پڑی
تھی۔ یعنی یہ کہ اُسے ایک حسین لڑکی سے سمجھا جائے۔

"اچھا! تم کسی ڈیوک البرٹ کو جانتی ہو؟"
"اوہ..... ڈیوک کو کون نہیں جانتا؟"
"تم نے اُسے دیکھا ہے؟"
"پہا نے کبھی اُس کے سامنے نہیں جانے دیا۔ نہ جانے کیوں۔ ویسے بے حد حسین آڈا
ہے۔ دراز قامت اور کسی دیوتا کی مانند۔ میں نے اُسے دور سے دیکھا ہے۔"
"ہوں.....!" میں نے چند ساعت سوچا اور پھر اُس سے کہا۔ "میں این! آپ کو ایک
ہمدردانہ مشورہ دے رہا ہوں۔ اس عمارت سے باہر قدم رکھنے کی کوشش مت کرنا۔ ایک
متاثب وقت پر آپ کو خود ہی آپ کے ڈیڈی تک پہنچا دوں گا۔ دوسری صورت میں آپ
زندگی سے باختہ دھوپیٹھیں گی۔"

"کیوں.....؟ آخر کیوں؟" این نے پریشان لمحے میں پوچھا۔
"چجال کوئی اچھا دوست ملتا ہے، ایک لڑکی درمیان میں گھس آتی ہے۔ پھر گولیاں چلتی
لئے تمہیں اغوا کر کے لایا ہوں۔ یوں سمجھو! کہ اسی میں تمہاری بہتری ہے۔ لیکن اگر تم
عدم تعاون کیا تو تمہاری زندگی کی ضمانت نہیں دی جاسکتی۔" شپر نے مظلومانہ انداز میں
کہا۔

"میری کچھ میں پچھنیں آیا۔ اگر ایسی بات تھی تو کیا میرے پہا میری حفاظت نہیں کر سکتی۔"
"جیسا کوئی اچھا دوست ملتا ہے، ایک لڑکی درمیان میں گھس آتی ہے۔ پھر گولیاں چلتی
لئے تمہیں اغوا کر کے لایا ہوں۔ یوں سمجھو! کہ اسی میں تمہاری بہتری ہے۔ لیکن اگر تم
عدم تعاون کیا تو تمہاری زندگی کی ضمانت نہیں دی جاسکتی۔"

میں نے پرستور پریشانی سے پوچھا۔
"ہم جو میں این! یہ سب کچھ تمہارے پہا کے ایماء پر کیا گیا ہے۔" میں نے جواب

مجھے بھی آگئی۔ ”تم اتنے بزدل کیوں ہوشپیر؟“

”اس میں بزدلی کی کیا بات ہے؟ میں ایک پُر امن انسان ہوں۔ ہنستے کھلیٹے کرنے کا خواہش مند۔ پھر گولیوں کی سنسناہت میں کیسے برداشت کر سکتا ہوں؟ جس سے نکلی گولی، گناہگار اور بے گناہ کا اندازہ کر سکتی ہے؟ جو بھی زد میں آجائے۔“

”گولیاں یہاں بھی چل سکتی ہیں شپر! یہ لڑکی میری محبوبہ ہے۔ مجھے چاہتا ہے اُس کا مگنیٹر بہت خطرناک انسان ہے اور وہ اُس کی تلاش میں پاگل کتے کی طرح پھر رہا ہے۔“

”اوہ..... میں جانتا تھا۔ لڑکی ہے تو ہنگامہ ضرور ہو گا۔“ شپر، سرپکڑ کر دیکھ گیا۔

”دیکھو شپر! مجھے بزدلوں سے سخت نفرت ہے۔ اگر تم نے کوئی ایسی ویسی حرکت کر تھیں گولی مار دوں گا۔“

”حرکت سے تمہاری کیا مراد ہے؟“

”اگر تم نے کسی کو میری محبوبہ کے بارے میں بتایا تو..... تو ظاہر ہے مجھے سے تمہارا اور کون ہو گا۔“

”دیکھو دوست..... شپر کی یہ کوالی ہے، اگر کسی کا کھالیتا ہے تو جان بچانا درکار ہے۔ غداری کبھی نہیں کرتا۔“ شپر نے جواب دیا اور اُس کی یہ بات مجھے دل رکھتے ہوئے۔ میں نے مطمئن انداز میں گردون ہلا دی۔ بہر حال! اس کے بعد مجھے اُس سے؟“

چنانچہ میک اپ کر کے میں باہر نکل گیا اور میری کار، مارک کی تلاش میں دوڑنے لگا۔ پہلک پیس سے میں نے مارک کوفون کیا۔ وہ خود تو موجود نہیں تھا۔ لیکن بولنے والے کہ اگر کوئی ضروری کام ہو تو اُسے بلوایا جائے۔ میں نے اُس سے درخواست کی۔ پندرہ منٹ انتظار کرنا پڑا تھا۔ خوش بختی تھی کہ کسی دوسرے کو کال کرنے کی ضرورت نہ آئی تھی۔

”ہیلو..... مارک بول رہا ہے۔“

”مسٹر مارک.....! میں تمہارا ایک دیرینہ دوست بول رہا ہوں۔ کیا تم مجھے کرو گے؟ فائدے کی بات ہے؟“ میں نے کہا۔

”نام نہیں بتاؤ گے.....؟“

”نہیں.....!“

”بیل ملوں.....؟“

”بھر پہنچنے جاؤ۔“ میں نے کہا اور مارک نے پندرہ منٹ کے اندر وہاں پہنچنے جانے کا بیکو نام میں نے سامنے لکھے ہوئے بورڈ کو دیکھ کر لے دیا تھا۔ اور پھر بیکو کے لارک بھی اُترتا اور میں اُس کی طرف بڑھ گیا۔ یہ قابلِ اعتماد آدمی تھا۔ میں پکا تھا۔ وہ مجھے فوراً پہچان گیا اور اُس کے ہونتوں پر مسکرا ہٹ پھیل گئی۔

ایسے خوش میرا آئیڈیل ہوتے ہیں۔ میں تمہاری عزت کرتا ہوں۔“ اُس نے مجھے لانے ہوئے کہا۔

”قابلِ اعتماد لوگ میرے لئے قابلِ احترام۔ آؤ! ریسٹوران میں باقیں کریں گے۔“

”ریتھانے انداز میں اُس کا بازو پکڑ کر ریسٹوران کے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا۔

یہ شرب پیتے ہوئے میں نے اُس پر اپنامدعا ظاہر کیا۔ ”مجھے کچھ اہم چیزوں کی بیٹھا گئی ہے۔ اس کے علاوہ تم سے کچھ دوسراے کام بھی ہیں۔“

”جلد.....؟ کیا بہت سی دولت اکٹھا کرنی ہے؟“ اُس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”اُس بار کام دوسرا ہے۔“

”مگر ہو، مارک تمہارا قابلِ اعتماد ساختی ہے۔“

”بات تباہ مارک! تم اتنے خطرناک کاموں میں حصہ لیتے ہو۔ تم خود کوئی بڑا کام لرتے ہو۔“

”کام اپنے کو راس نہیں آئے۔ کئی بار کوشش کی پکڑے گئے۔ یہ دھنہ اچھا ہے۔“

”ماں اپنیں ہے۔“ اُس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”تمہارے پاس تمہارے جیسے چند قابلِ اعتماد ساختی اور بھی ہیں؟“

”میک یہ مارک کے پاس..... کہہ کر دیکھو۔“

”اوی کافی ہوں گے۔ رقم ایڈو انس دی جائے گی۔ صرف ایک مکان کی گمراہی کرنی لانا ضروری دل یا رات میں اُس میں داخل ہونے کی کوشش کرے تو اُس سے منٹ لے بیان رہتے ہیں، اُن کی شناخت کرادی جائے گی۔“

”بائیک گے۔ مکان کا پتہ دو۔“

”آج ٹھانٹھی میں مارک کو ہدایات دیتا رہا۔ اور پھر میں نے ایک لمبی رقم اُسے پیش کیا۔ مارک نے میری مطلوبہ چیزیں فراہم کرنے کے لئے پروگرام ترتیب دے دیا۔“

بہن اُس کے نام کا احترام فرض ہے۔ اور یہ اُس کا حکم بھی ہے کہ ضرورت مندوں کو اُس کے
ہے۔ فائدہ انٹانے دیا جائے اور پولیس انہیں تنگ نہ کرے۔“

”کہاں رہتا ہے؟“

”اس کا ٹھکانہ البرٹو ہے۔ جزیرہ البرٹو..... جو اُس کی ملکیت ہے اور جہاں اُس کی
بہت کے بغیر پرندہ پرنیں مار سکتا۔“ شپر نے جواب دیا۔

”جزیرے پر اُس کی آمد و رفت کے کیا درائع ہیں؟“ میں نے پوچھا۔

”گروں کاٹ کر خود کشی کر لو اور رُوح کو آزاد چھوڑ دو۔ لیکن اس کے بعد بھی یہ نہیں کہا جا
سکتا کہ وہاں رُوحوں کو داٹلے کی اجازت ہے یا نہیں۔“ شپر نے خوفزدہ لمحے میں جواب دیا
اور میں گروں ہلانے لگا۔ شپر میری شکل دیکھ رہا تھا۔ پھر اُس نے کہا۔ ”کیا درحقیقت تم
ذیک البرٹ کے دشمنوں میں سے ہو؟“

”ہاں.....!“ میں نے بے خیالی میں کہا اور شپر گہری سانسیں لینے لگا۔ تھوڑی دیر
کے بعد مم اٹھ گئے۔ مجھے نیند آ رہی تھی۔ شپر بھی اپنے کمرے میں چلا گیا تھا۔ رات گئے تک
میں ذیک البرٹ کے بارے میں سوچتا رہا اور پھر سو گیا۔

لیکن دوسرا صبح انکشاف ہوا کہ..... شپر فرار ہو گیا ہے..... بزدل گدھا.....

☆.....☆.....☆

میں نے اُس مکان کا پتہ بھی بتا دیا۔ پھر ہم دونوں رخصت ہو گئے۔ میں ایک ہر
کی تیاریاں مکمل کر چکا تھا۔

رات کے کھانے پر میں، شپر اور این اکٹھے تھے۔ این اداں نظر آ رہی تھی۔
خاموشی سے کھانا کھایا اور خواب گاہ میں جانے سے قبل صرف ایک سوال کیا۔ ”میرے لئے پریشان تو نہیں ہیں؟“

”اوہ..... نہیں این! وہ تو بے حد مطمئن ہیں اور تمہیں یہاں محفوظ خیال کرتے۔
جلد وہ تم سے ملاقات کر کے تمہیں تفصیل بتا دیں گے۔ وقت کا انتظار کرو۔“

”اگر یہ بات ہے تو میں مطمئن ہوں۔“ اُس نے سکون کی گہری سانس لے کر
میں صرف ڈیڈی کے لئے پریشان تھی۔ ”وہ اپنی خواب گاہ میں داخل ہو گئی اور درو
لیا۔

”پریشان محبوب..... دیے میں نے اس سے گفتگو کرنے کی کوشش کی تو ان
ڈانت دیا۔ نہ جانے یہ لڑکیاں مجھے قابل اعتماد کیوں نہیں سمجھتیں؟“ شپر نے کہا۔
”تمہاری شکل ہی ایسی ہے شپر! بہر حال تم مجھے ذیک البرٹ کے بارے میں
میں نے کہا۔

یہ سنتے ہی شپر اچھل پڑا۔ چند ساعت مجھے دیکھتا رہا۔ پھر بولا۔ ”رات کے
خوفناک نام لیتے ہوئے تمہیں رہشت نہیں ہوتی؟ اُس کے بارے میں معلوم
کرنے کی ضرورت کیوں پیش آ گئی؟ کیا اُس سے تمہارا کوئی کار و باری اختلاف ہے
”یہی سمجھلو۔“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”تب میں اس وقت تمہیں خدا حافظ کہنے کے لئے تیار ہوں۔ شراب کی رہا۔
تین وقت کے کھانے کے لئے زندگی داؤ پر نہیں لگائی جا سکتی۔“ وہ اٹھتے ہوئے
میں نے اُس کا گریبان پکڑ کر اسے بٹھا دیا۔

”مجھے اُس کے بارے میں بتاؤ شپر!“ میں نے غرا کہا اور شپر بدھاں لے لیا۔
پھر اُس نے گہری سانس لے کر کہا۔

”تم اُسے مکمل بھیڑیا کہہ سکتے ہو۔ یوں سمجھلو، پھر کے گول ٹکڑے پھر کے
چڑھی ہو۔ چپانے کی کوشش کرو تو دامت سلامت نہ رہیں۔ اُس کے نام پر قتل ہی
پولیس منہ پھیر کر نکل جاتی ہے۔ حالانکہ وہ جانتی ہے کہ اس قتل میں البرٹ کا ہاں

بہلے سے خود کو پوشیدہ رکھتے ہیں۔ اور کیا یہ مناسب بات نہیں ہے؟“
”میں نے کب انکار کیا ہے جناب؟“

”لیکن ذاتی پسندیدگی علیحدہ چیز ہے۔ اور میں کار و بار سے ہٹ کر ذاتی طور پر تمہیں پسند
نہ لے گا۔ کیونکہ تم اعلیٰ کار کروگی کے مالک ہو۔ تم مجھے ڈینس کہہ سکتے ہو۔“
”اگر شرگزار ہے۔ لیکن آپ جب ذاتی پسندیدگی اور ذاتی اعتماد کی بات آئی ہے تو میں
بے ارادتگی بڑھنے کی کوشش کروں گا۔“
”ہاں، کہو.....!“

”اہم باتیں سڑکوں پر نہیں ہوتیں۔ اگر وقت نہ ہو تو پھر سبھی۔“ مارک نے کہا اور میں
”بلطف دیکھنے لگا۔“

”نہیں..... اس وقت کوئی بات نہیں ہے۔ میرے پاس کافی وقت ہے۔ لیکن ہم کہاں
ہیں گے؟“

”وہ سامنے پرسو ہے۔ اور پرسو میں میرا ایک کمرہ موجود ہے۔ وقت ہے تو چلیں! میری
نے پچھہ ہو گائے۔“

”چلو.....“ میں نے گہری سانس لے کر جواب دیا۔ مارک درحقیقت مجھے پسند تھا۔ اور
اعلیٰ کار کروگی والے اس شخص سے ربط و ضبط بڑھانا چاہتا تھا تاکہ اس سے مقامی طور پر
اسے سکول۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم پرسو میں داخل ہو گئے۔ مارک نے کاؤنٹر سے چابی
ملکی اور پھر ہم پرسو کی تیسری منزل کے ایک کمرے میں داخل ہو گئے۔ میں نے دلچسپ
ہو گئے اس کے کمرے کو دیکھا اور پھر بولا۔ ”آدمی تم بھی کم پر اسرار نہیں ہو مارک!
لماہارے پاس ایسی اور کتنی جگہیں ہیں؟“

”کافی..... میرا کام تو آپ سمجھہ ہی گئے ہوں گے مسٹر ڈینس! اپنے لوگوں کے لئے ہر قسم
ٹنڈلیست رکھنا پڑتا ہے۔ انہیں سے کہا تا ہوں اور انہیں پر خرچ کرتا ہوں۔ ایک بڑی رقم
کام کے لئے تیار رکھنے پر خرچ ہو جاتی ہے۔“ مارک نے جواب دیا۔

”غمہ بڑا ہے۔ بہر حال!“ میں نے طویل سانس لی۔ مارک گھنٹی بجائے لگا۔ ایک
سر کا آنے پر اس نے وہ سکلی کا آرڈر دیا اور پھر میری طرف دیکھنے لگا۔

”تو باس ذاتی پسندیدگی کی ہو رہی تھی۔“ ”اس کہا۔“
”اہ مارک!“

جزیرہ البرٹو کا پرہیبت بھیڑیا، ڈیوک البرٹ میرے لئے نمبر دو تھا۔ نمبر ایک الٹرے
کیونکہ ابھی تو مجھے اس سے نہیں تھا۔ الٹرے کے آدمیوں نے ویرا کو اغوا کیا تھا (اور مجھم)
کا حساب اس سے لینا تھا۔ اسے اپنی بیٹی کے عوض ویرا کو واپس کرنا ہی پڑے گا۔ اور ان
کے لئے مجھے آج سے جدوجہد شروع کرنا تھا۔

بزرگ شپر مجھے پھر چھوڑ کر بھاگ گیا تھا۔ لیکن میرا دوست مارک، قول کا سچا تھا۔ میر۔
ایماء پر اس کے آدمیوں نے میری قیام گاہ کی حفاظت کا کام سنبھال لیا تھا۔ میں نے اور
چاروں خطرناک آدمیوں کو بخوبی دیکھ لیا تھا جو بظاہر آوازہ گرد نظر آتے تھے۔ لیکن مجھے الملاز
تھا کہ وہ مکان کی نگرانی کر رہے ہیں اور چبڑوں سے وہ چوکنا نظر آتے تھے۔
پروگرام کے مطابق دن کو دو بجے، مارک مجھے ایک متعین کردہ اور مخصوص علاقوں
میرے مطلوبہ سامان کے ساتھ مل گیا۔ مارک سے ملاقات کے لئے مجھے پرانا میک اپ کا
پڑا تھا۔ اس نے مسکراتے ہوئے میرا خیر مقدم کیا۔ ”تمام چیزیں اپنی مرضی کے مطابق جبکہ
کر لیں۔“ اس نے کہا۔

”میں اس کی ضرورت نہیں محسوس کرتا مارک!“
”کیوں جناب.....؟“
”تمہارے اور بھروسہ ہو گیا ہے۔“

”نہیں، نہیں..... ایسی کوئی بات نہ کہیں جس پر مجھے یقین نہ آئے۔ میری نگاہ میا۔“
ایک شاندار شخصیت ہیں۔“ مارک نے ہاتھ اٹھا کر ہنسنے ہوئے کہا۔
”کیوں مارک.....؟“

”آپ نے میرے اوپر صرف کار و باری اعتماد کیا ہے۔ ورنہ میں آپ کے نام تک
ناواقف نہ ہوتا۔“
”اوہ، ڈیز مارک! نام نہ بتانے کی کوئی خاص وجہ نہیں ہے۔ دراصل ہم جیسے لوگ ہیں۔“

”ہرگز نہیں.....!“

”بُب سُنوارک! اتفاقات نے مجھے یہاں ایک شخص ڈیوک البرٹ کے خلاف لاکھڑا کیا ہے۔ میں نے کہا اور مارک کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔ لیکن مارک کی آنکھوں میں، میں نے خون کی پیاس دیکھی۔ اُس کا چہرہ تابنے کی طرح تپنے لگا۔

”کیا تم درست کہہ رہے ہے ہو نہیں؟“

”ہاں میرے دوست! اور اپنے اس روڈل کی وضاحت کرو۔“

”وضاحت نہیں کروں گا، صرف ایک بات کہوں گا۔ اگر تم البرٹ کے خون کے پیاس سے ہوتے تو اسے قتل کر کے اُس کی لاش میرے حوالے کر دینا۔ اس کے عوض تم دنیا کا جو کام بھی مجھ سے چاہو لے لینا۔ اُس کا کوئی معاوضہ نہ ہو گا۔“

”لاش کا تم کیا کرو گے مارک؟“

”میں اُس کا خون بیوں گا۔ یہ میری زندگی کا سب سے بڑا عہد ہے۔ اور اگر تم نہ ہوتے، تب بھی میں اس جگتو میں رہتا۔“

”چج کہہ رہے ہو.....؟“

”اپنی ماں کی تم! جو مجھے دنیا میں سب سے زیادہ عزیز تھی۔“ مارک نے عجیب سے لمحے میں کہا اور میں اُسے دیکھتا رہا۔ مارک کی حالت ناقابل دید تھی۔ وہ کوئی بھوکا چیتا نظر آ رہا تھا۔ اور پھر ویٹر کی آمد پر وہ سنپھیل گیا۔

ویٹر، مرے رکھ کر چلا گیا۔ مارک نے اپنے لئے سادہ شراب سے گلاں بھر لیا تھا۔ اور پھر جیسے اُس نے اپنی پیاس بھالی ہو۔ البرٹ کے تذکرے پر وہ کھول اٹھا تھا۔

”خود تمہاری اُس سے کوئی دشمنی ہے مارک؟“ میں نے اپنے گلاں سے مشروب کی چکیاں لیتے ہوئے پوچھا۔

”ہاں مسڑڈ نہیں! اس کی وجہ کبھی نہیں بتاؤں گا۔ کیونکہ وہ میرا خاندانی معاملہ ہے۔ تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہو گا؟“

”نہیں..... بہر حال! اگر تم اس میں دلچسپی رکھتے ہو تو میں اپنے اس کام میں تمہیں خود آمدی کہتا ہوں۔ لیکن میرا کھیل لمبا ہے۔ ڈیوک البرٹ میرے لئے نمبر دو ہے۔ اُس سے قبل مجھے ایک اور شخص آلدرے سے نہ نہنا ہے۔“

”مگر آلدرے.....؟“ مارک نے پوچھا۔

”لیکن مسڑڈ نہیں! پسند کرنے کا حق تو مجھے بھی ہے۔ اور میں اعلان کرتا ہوں کہ نہیں کرتے۔ مارک جو کچھ بھی ہے، اسے تم بے حد پسند آئے ہو۔ تو کیا اس پسندیدگی کو مارک نہ استعمال کرے؟“

”کیا مطلب.....؟“ میں نے اُسے گھری نگاہوں سے دیکھا۔

”دیکھو ماشر! تم نے جو چیزیں طلب کی ہیں، یقیناً انہیں استعمال کر دے گے۔ تم نے اس مکان کی نگرانی بھی میرے سپرد کی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم مجھے اپنے ساتھ شریک کرو۔ مارک کبھی دروس ثابت نہ ہو گا۔ اور اس سلسلے میں پورے اعتماد کے ساتھ اگر تمہیں کوئی ہوا تو اس میں حصہ نہ لے گا۔“

”اوہ، مارک ڈیزیر.....!“ میرے ہنٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

”میرے لئے تم قابل اعتماد ساختی ہو جس کا ثبوت تم دے چکے ہو۔ اور اب مجھے کہا شوٹ کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن میرے دوست! جو کام میں کرنے جا رہا ہوں، البتہ منافع کا کوئی سوال نہیں ہے۔ صرف لفڑان ہے۔“

”تب تو یوں سمجھو! میری دعا پوری ہو گئی۔ اگر ایسی بات ہے تو پھر تو میرا حق میں گا۔ میں ایک دوست کی خلیت سے تمہارے ساتھ رہوں۔“ مارک نے کہا اور میں نے سوچا، حرج ہے؟ اتنا اصرار کر رہا ہے تو اس سے مشورہ کر لوں۔ صرف ایک خیال تھا۔ ڈیوک البرٹ کے بارے میں جو کچھ سننا تھا، اس کے تحت یہ ممکن تھا کہ مارک کی طور اُس کا وفادار نکالا۔ ایسی شکل میں مجھے مشکلات پیش آئتی تھیں۔ لیکن اُس کا اصرار.....“

”ٹھیک ہے مارک! لیکن مجھے خدشہ ہے کہ کہیں ہماری تمہاری دوستی میں کوئی رذیغ جائے۔“ میں مٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

”دنیا کی کوئی بات ایسا نہیں کر سکتی۔ اگر تم بتاؤ کہ تھوڑی دیر کے بعد تم مارک کو قتل کرے، تب بھی نہیں۔“ مارک نے ٹھوں لجھ میں کہا۔

”ایک بات مجھے تقویت دیتی ہے مارک! تم اپنے طور پر ایک آزاد انسان ہونا؟“

”قطعی طور پر۔“

”کیا تم کسی ایسے شخص کے زیر اثر آ سکتے ہو جو بہت بڑی حیثیت رکھتا ہو اور تم میں کے مفادات کی نگرانی کر رہے ہو؟“

"ہاں، شاید.....!"

"بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ وہ سورڈ ڈیوک کا حاشیہ بردار ہے اور اپنی شریف صورت کے پیچھے بڑی مکروہ حیثیت رکھتا ہے۔ آئلرے کی مالی حالت بھی ڈیوک نے ہی درست کی ہے..... ورنہ وہ آئلرے سنز جسی فرم نہیں قائم کر سکتا تھا۔"

"خوب..... تو تم یہ بات جانتے ہو۔"

"اچھی طرح۔"

"آئلرے سنز کے تحت جرام ہوتے ہیں۔ میرا خیال ہے، بے شمار مجرم اُس کے تحت کام کرتے ہیں۔"

"تمہارا خیال بالکل درست ہے۔ میرے پیشتر شناساً اُس کے تنوہ دار ہیں۔ میں بھی شاید ہوتا اگر مجھے معلوم نہ ہو جاتا کہ اُس کا تعلق ڈیوک البرٹ سے ہے۔"

"خوب..... بہر حال! تمہاری اس شمولیت سے مجھے خوشی ہوئی ہے مارک! اور اب میں تم پر مزید انکشافات کرنا چاہتا ہوں۔"

"ضرور مسٹرڈ نہیں! تم سے جو محبت محسوس ہو رہی تھی، اُس کی جڑیں کافی گہرا یوں میں ہیں۔ بس! مجھے شروع ہی سے تم سے ایک گہرالگاؤ محسوس ہوا تھا۔"

"شکریہ..... یہ بات ایک لڑکی کی تھی۔ ایک دولت مند شخص کی لڑکی ویرا۔ جس نے اتفاقی طور پر میرے پاس پناہ لی تھی۔ وہ آئلرے اور ڈیوک کا شکار تھی۔ آئلرے کے ساتھی اُس کے پیچھے گئے ہوئے تھے۔ میں نے اُس کی مدد کی اور آئلرے کو کافی نقصان پہنچا۔ لیکن بہر حال! وہ لوگ لڑکی کی ایک حماقت کے سبب اُسے نکال لے جانے میں کامیاب ہو گئے۔ تب میں نے آئلرے سے ملاقات کی۔ اُس سے دیرا کو واپس مانگا۔ لیکن اُس نے بتایا کہ وہ البرٹ کی تحویل میں ہے۔ بہر حال! یہ کام اُسی کا تھا۔ میں اُس کی لڑکی این کو انھالا بہوں اور میرے آدمی اُس کی غفرانی کرنے ہے ہیں۔"

"اوہ، کیا واقعی.....؟" مارک خوشی سے اچھل پڑا۔

"ہاں مارک! میں نے آئلرے سے کہا ہے کہ وہ ویرا کو واپس کر دے۔ تب اُس کی لڑکی اُسے مل جائے گی۔"

"اوہ، اوہ ڈنیں! اتنی جلدی تم نے اتنی بھرپور کوشش کی ہے۔ خدا کی قسم! تم بے حد خطرناک انسان ہو۔ اب مزہ آئے گا۔ کیا سمجھتا ہے ڈیوک خود کو؟" مارک خوشی سے ہاتھ میں

بیا بولا۔ میں خاموش رہا تھا۔

مارک بھی تھوڑی دیر تک سوچتا رہا۔ پھر اُس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "تم واقعی سمجھو

دار ہو۔ تم نے اُسے رکھنے کے لئے پرائیویٹ رہائش گاہ ملاش کی ہے۔ ہوٹلوں وغیرہ پر تو ان

لوگوں کا راج ہے۔ فوراً پہلے چلا لیتے۔ لیکن تم فکر مت کرو۔ ہم قیام گاہیں بدلتے رہیں گے۔ اور میرے پاس اُن کی کمی نہیں ہے۔ اس کے علاوہ میں قابل اعتماد لوگوں کی تعداد اور بڑھا

ڈین گا۔ مگر مسٹرڈ نہیں! اب آپ کا کیا پروگرام ہے؟"

"آئلرے سے گفتگو کروں گا۔"

"کب..... کس وقت؟"

"بس! تھوڑی دیر کے بعد۔"

"اور اس کے بعد کیا ہو گا.....؟"

"ویکھنا یہ ہے کہ وہ کیا جواب دیتا ہے؟ لڑکی کی واپسی مشکل ہے۔ میں نے اُسے چیلنج کیا ہے کہ اگر لڑکی واپس نہ ملی تو یہی نہیں کہ اُس کی لڑکی یعنی کے طور پر رہے گی۔ بلکہ میں اُس

کے آدمیوں کو بھی بے دریغ قتل کروں گا۔ یہ تیاریاں اُسی کے لئے تھیں۔ کیونکہ بہر حال!

آئلرے مجھے دھمکیاں دینے کی کوشش ضرور کرے گا۔"

"فون کب کرو گے ڈنیں؟"

"بس! تھوڑی دیر کے بعد۔" اُس نے جواب دیا۔ "کیوں؟"

"یہاں سے واپسی پر تھوڑی دیر کے لئے میرے ساتھ چنان۔ میں تمہیں ایک بڑی کار آمد چڑوں گا۔"

"مارک! کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ ان حالات سے آگاہ ہونے کے بعد تم میرے ساتھی

قام کرو؟ تمہاری مصروفیت اگر خاص ہو تو چلے جانا۔ باقی رہے دوسرے معاملات تو اس

درانہ تمہارے اخراجات میرے ذمہ رہیں گے۔"

"اوہ..... نہیں مارک تو اب خود بھی اس کھیل میں شریک ہے۔"

"دولت کوئی حیثیت نہیں رکھتی مارک! ہم ضرورت کے مطابق اسے حاصل کرتے رہیں

سُسے بارے میں نہ سوچو۔"

"جیسا کہ تمہاری مرضی۔" مارک نے شانے ہلاتے ہوئے کہا۔ بہر حال! لڑکی کو بھی وہاں

سے غصہ کر دیں گے۔ ایک اور جگہ رکھیں گے۔"

”میں نے تمہارے اس طرح پیش نہ آتے۔ ڈیڈی کے آدمی ہوتے تو اس وقت میرے ساتھ اس طرح پیش نہ آتے۔“
 ”اگر تم ڈیڈی کی یہ جرات نہیں ہو سکتی تھی۔“
 ”تھی آدمی کی کامیابی کی وجہ سے ساتھ کوئی برا سلوک تو نہیں کیا۔“
 ”لیکن این! میں نے تمہارے ساتھ کوئی برا سلوک تو نہیں کیا۔“
 ”اہ..... یہ تو ہے۔ لیکن یہاں فون کیوں نہیں ہے؟“
 ”اہ..... اس لئے کہ مسٹر آڈر رے یہ پسند نہیں کرتے تم ان سے رابطہ قائم کرو اور ان کے دشمن
 نے نہ کے سہارے تم تک پہنچ جائیں۔“
 ”اوہ..... وہ سوچ میں پڑ گئی۔ پھر گھری سانس لے کر بولی۔“ بہر حال! میرا دل بہت

خوب رہا ہے۔ یہ بات تم ڈیڈی کو بتا دیتا۔“
 ”میک ہے این! میں کسی نہ کسی طرح جلد فون پر اُن سے تمہاری گفتگو کراؤں گا۔“
 ”میک نہیں! کہیں سے بھی میلی فون کرو، ڈائل سے لٹکشن ہو جاتا ہے۔ اور پھر اس فون کے
 بارے میں کوئی نہیں معلوم کر سکتا کہ کہاں سے کیا گیا ہے؟“
 ”اوہ، گذ..... واقعی عمدہ چیز ہے۔“
 ”تمہاری نذر..... اب آؤ! این کو وہاں سے نکال کر منتقل کر دیں۔ میں نے جگہ کا نیچلہ کر
 لیا ہے۔“
 ”کہاں چلو گے مارک.....؟“

”فشنگ ہار بر کے نزدیک۔ ایک محفوظ عمارت ہے جس میں قید خانہ بھی ہے۔ میری زانی
 ملکیت ہے۔“ مارک نے جواب دیا اور میں نے گردن ہلا دی۔ ہم دونوں اپنی رہائش گا۔
 پہنچ۔ میں اندر چلا گیا۔ مارک اپنے آدمیوں کے نزدیک پہنچ کر انہیں ہدایات دینے لگا تھا۔
 این ایک کمرے میں اُداس سی پیٹھی تھی۔ مجھے دیکھ کر اُس کے چہرے پر عجیب سے
 تاثرات اُبھر آئے۔ ”اس عمارت میں فون کے تارتو موجود ہیں۔ فون کیوں نہیں ہے؟“

”کیوں..... کیا کرو گی.....؟“
 ”ڈیڈی کو فون کروں گی۔“
 ”نقسان ذہ بات ہے۔ ظاہر ہے، مسٹر آڈر رے اسے پسند نہیں کریں گے۔“
 ”سنو..... مجھے یقین ہے کہ تم..... تم ڈیڈی کے آدمی نہیں ہو۔“ اُس نے روہانی آواز
 میں کہا۔
 ”کیا مطلب.....؟“

”میں نے تمہارے اُپر بھروسہ کیا ہے مارک! اب تم جو مناسب سمجھو۔“

”اوکے باس.....!“ مارک نے جواب دیا اور تھوڑی دیر کے بعد ہم وہاں سے اُٹھ گئے۔ مارک کی اپنی کار موجود تھی۔ یہاں سے وہ تھوڑی دیر کے لئے اپنی رہائش گاہ پر گلہ میں اس دوران کا ریس میں ہی بیٹھا رہا تھا۔ میں مارک کی شمولیت کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ گویہ خلاف اصول بات تھی۔ اپنے معاملات میں دوسروں کو شریک کرنے کی پالیسی زیادہ مناسب نہیں ہوتی۔ لیکن مارک خاص آدمی تھا اور دل چاہتا تھا کہ اُس پر بھروسہ کر لیا جائے۔ اس کے علاوہ اگر کہیں وہ غلط ثابت ہوا تو دیکھا جائے گا۔ زندگی تو ایک ریسک کے سوا کوئی نہیں۔

مارک واپس آ گیا۔ اُس نے گھری نماچ کو روشنے مجھے دی اور بولا۔ ”بہت عمدہ چیز ہے
 مسٹر ڈیڈی! کہیں سے بھی میلی فون کرو، ڈائل سے لٹکشن ہو جاتا ہے۔ اور پھر اس فون کے
 بارے میں کوئی نہیں معلوم کر سکتا کہ کہاں سے کیا گیا ہے؟“

”اوہ، گذ..... واقعی عمدہ چیز ہے۔“

”تمہاری نذر..... اب آؤ! این کو وہاں سے نکال کر منتقل کر دیں۔ میں نے جگہ کا نیچلہ کر
 لیا ہے۔“

”کہاں چلو گے مارک.....؟“

”فشنگ ہار بر کے نزدیک۔ ایک محفوظ عمارت ہے جس میں قید خانہ بھی ہے۔ میری زانی
 ملکیت ہے۔“ مارک نے جواب دیا اور میں نے گردن ہلا دی۔ ہم دونوں اپنی رہائش گا۔
 پہنچ۔ میں اندر چلا گیا۔ مارک اپنے آدمیوں کے نزدیک پہنچ کر انہیں ہدایات دینے لگا تھا۔
 این ایک کمرے میں اُداس سی پیٹھی تھی۔ مجھے دیکھ کر اُس کے چہرے پر عجیب سے
 تاثرات اُبھر آئے۔ ”اس عمارت میں فون کے تارتو موجود ہیں۔ فون کیوں نہیں ہے؟“

”کیوں..... کیا کرو گی.....؟“

”ڈیڈی کو فون کروں گی۔“

”نقسان ذہ بات ہے۔ ظاہر ہے، مسٹر آڈر رے اسے پسند نہیں کریں گے۔“

”سنو..... مجھے یقین ہے کہ تم..... تم ڈیڈی کے آدمی نہیں ہو۔“ اُس نے روہانی آواز
 میں کہا۔

”کیا مطلب.....؟“

ہوئے طریقے کے مطابق میں نے وہ آله، ہلی فون میں فٹ کیا اور پھر آللرے کے گھمانے لگا۔ چند ہی ساعت کے بعد دوسری طرف سے رابطہ قائم ہو گیا اور آللرے کی سنائی دی۔

”ہمیلو آللرے کیسے ہو؟“

”کون ہوتا؟“ آللرے کی آواز میں غراہٹ تھی۔

”دost کو یاد گئی، تمہاری مرضی ہے۔ ویرا کے بارے میں کیا سوچا؟“ میں سوال کیا۔

”اوہ این کہاں ہے؟“ آللرے نے بے چینی سے پوچھا۔

”میرے پاس موجود ہے۔ اور ابھی تک خیریت سے ہے۔ لیکن جوں جوں تم دیا معاملے میں تاخیر کرو گے، اُس کی خیریت خطرنے میں پڑتی جائے گی۔“

دوسری طرف چند ساعت خاموشی طاری رہی۔ شاید آللرے غصے سے خاموش ہو گیا پھر میلی فون کے سلسلہ میں کارروائی کر رہا تھا۔ پھر اُس کی آواز سنائی دی۔ ”میں تمہیں بتا ہوں کہ ویرا، ڈیوک کے پاس پہنچ چکی ہے۔“

”کس طرح ڈیوک آللرے؟“

”جب اُسے بھاہ لایا گیا تھا تو ڈیوک موجود تھے۔“

”اور وہ ویرا کو لے گئے؟“

”ہاں!“

”ذمہ دار کون ہوا؟“

”کیا مطلب؟“

”تم نے اُسے اخواء کرایا تھا۔ تم مکمل طور سے اس کے ذمہ دار ہو۔ سنو! ویرا کو تین دن کے اندر اندر واپس پہنچ جانا چاہئے۔ واپسی کے بعد بھی تم اُسے میرے حوالے کر دو گے تو ان تمہیں واپس نہیں ملے گی۔ جو کچھ ویرا کے ساتھ ہوا ہو گا، وہی کچھ این کے ساتھ بھی کیا جائے گا۔ اگر ویرا، محفوظ رہی تو این بھی بالکل محفوظ رہے گی۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ تم فوری طور پر ویرا کو حاصل کر لو، تاکہ این کے محفوظ رہنے کے امکانات بڑھ جائیں۔“

”ہوں، سنو اگر وہ ڈیوک کے ہاتھوں میں نہ پہنچ جاتی تو میں تمہاری ہدایت پر عمل کر سکتا تھا۔ لیکن موجودہ صورت حال میں تو میں مجبور ہوں۔“ آللرے نے کسی قدر بدھا۔

بیٹے انداز میں کہا۔
”گویا اب یہاں ممکن ہے؟“

”اگر تم ڈیوک کے بارے میں جانتے ہو تو خود بھی سمجھ سکتے ہو۔“

”ٹھیک ہے مسٹر آللرے! اس کے بعد تم این کے مستقبل سے مایوس ہو جاؤ۔ میں اُسے تن بیس کروڑوں گا۔ لیکن میں اور میرے بہت سے دوست اُس وقت تک اُس کے بدن کو بنپڑتے رہیں گے جب تک وہ مرنے جائے۔ اوکے“
”سنو سنو تو سہی آللرے کی بوکھلائی ہوئی آواز سنائی دی۔

”کہو!“

”ریکھو حالات کو سمجھنے کی کوشش کرو۔“

”تم بکواس کر رہے ہو۔ مجھے کیا پڑی ہے کہ حالات کے چکر میں پڑوں۔ ڈیوک البرٹ نہارے اور اہل فرانس کے لئے کوئی حیثیت رکھتا ہو گا۔ میں جب اُس کے مقابل آیا تو سے کئی خداش زدہ کتے کی مانند سڑکوں پر ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرنا ہو گا۔“

”خاموش ہو جاؤ خدا کے لئے خاموش ہو جاؤ!“ آللرے کی آواز میں خوف تھا۔

”ویرا کا معاملہ میرے اور تمہارے درمیان سے ختم ہو گیا۔ اور میں نے اس کے عوض نہاری لڑکی کو حاصل کر لیا۔ اب میں اُس چوہے البرٹ سے نمٹ لوں گا۔“

”اوہ، اوہ تم نہ جانے نہ جانے اس سے بھی کوئی بات پوشیدہ نہیں

”نہ جانے اب تمہارا کیا حشر ہو گا“

”اوہ میں فون بند کر رہا ہوں۔“

”تم نے مجھے تین دن کی مہلت دی ہے“ اُس نے کہا۔

”وی تھی۔ لیکن اُب تم وہ حالات ختم کر چکے ہو۔“

”نہیں حالانکہ تم جو کچھ کہہ چکے ہو، میں نہیں جانتا کہ اس کے بعد تمہارا کیا حشر ہو؟“ تامیر اور این کا مسئلہ ہمارے تمہارے درمیان رہے گا۔ میں کوشش کروں گا کہ اُسے اپنے آکوں۔“

”کہب تک؟“

”تین دن کے اندر اندر۔ میں تم سے کیسے رابطہ قائم کروں؟“

”آج رات میں تمہیں فون کروں گا، ٹھیک آٹھ بجے۔ پھر کل رات اور اس کے بعد

پرسوں دن کو گیارہ بج۔ بس! وہ آخری فون ہو گا۔

"ٹھیک ہے..... آئلڈرے نے جواب دیا اور میں نے فون بند کر کے آئے کال لیا۔
کے بعد میں اطمینان سے باہر آ گیا۔ بہر حال! تین دن تک انتظار کرنا تھا اور اس کے لئے
کوئی کارروائی مناسب تھی۔

اسی شام چائے کی میز پر میں نے مارک کو اپنی اور آئلڈرے کی گفتگو کے بارے میں بتا۔
اور مارک کسی سوچ میں گم ہو گیا۔ پھر بولا۔ "اس بارے میں تو سوچنا ہی چھوڑ دو مرد ڈین!
کہ آئلڈرے اب ویرا کو حاصل کر سکے گا، بشرطیکہ وہ البرٹ کے پاس بچنگی ہو۔ ہاں یہ
سوچو! کہ اب اُس کی لڑکی کے ساتھ کیا سلوک کرو گے؟"

"کیا البرٹ بہت خطرناک ہے.....؟"

"اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ یوں سمجھ لو! فرانس میں آدھی حکومت اُس کی ہے۔ بڑے
بڑے افران اُس کی توجہ کے طالب رہتے ہیں۔ اور وہ ان کی قسمتوں کا فیصلہ کرتا ہے۔ ہاں
فرانس میں کسی کی جال نہیں ہے کہ اُس کے کاموں میں خل دے جائے۔"

"خوب..... بہر حال! لطف آئے گا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تب پھر.....؟"

"آئلڈرے نے یہ کام کیا ہے۔ سزا اُسے بھگتا پڑے گی۔ اور بہر حال! ہم ویرا کو البرٹ
سے آزاد کر لائیں گے۔ آئلڈرے کی لڑکی بذاتِ خود معصوم ہے۔ اُسے اُس کے باپ کے
جرم کی سزا نہیں دی جاسکتی۔ ہاں! ہم آئلڈرے سے اس کے عوض بھاری رقم وصول کریں
گے۔ لیکن اس وقت جب اُسے بے بس پاکیں گے۔" میں نے جواب دیا۔

"شاندار..... تمہارے روپ میں، میں نہ جانے کیا دیکھ رہا ہوں۔ میں ایسے لگاں!
عاش ہوں جو خوف کو زد یک نہیں آنے دیتے۔" مارک نے کہا۔

"بہر حال مارک! میرے لئے تم ایک عمدہ ساتھی ہو۔ یوں سمجھو! کہ میرے معاملات میں
میرے دست راست۔"

"بہت بہت شکریہ مسٹر ڈین! اب میرے لئے کیا حکم ہے؟"
تم نے کہا تھا کہ تمہارے بہت سے شناسا، البرٹ کے غلام ہیں۔"

"ہاں.....!"
کیا ان میں ایسے بھی ہیں جن کے لئے تم بہت اچھے جذبات رکھتے ہو اور انہیں کہا

"پہنچ دی کہا پسند نہ کرتے ہو؟"

"ہمیں... اس لئے کہ وہ صرف شناسا ہیں، عزیز نہیں ہیں۔"

"بہر حال! تب مجھے ان کی ایک فہرست درکار ہے۔" میں نے کہا اور مارک چونک کر مجھے

"نہ۔ میں نے آہتہ سے گروں ہلاکی۔" میں مہیا کر دوں گا۔"

پھر میں نے آہتہ سے گروں ہلاکی۔" میں مہیا کر دوں گا۔
اس کے علاوہ مجھے چند ہیں لوگ درکار ہوں گے جو آئلڈرے کی نگرانی کر سکیں اور اُس

"اس کی حرکت پر نظر رکھیں۔"

"بہر حال جائے گا۔"

از جات کے لئے....." میں نے جیب سے نوٹوں کی کمی گذایاں تکال کر اُس کے
نیال دیں۔ مارک نے خاموشی سے انہیں اپنی تحویل میں لے لیا تھا۔

"اوہ کچھ بس.....؟" اس نے پوچھا۔

"ہمیں..... شکریہ۔ بس! ایک درخواست ہے۔" میں نے کہا۔

"اوہ، فرمائیے.....!"

"اُنہوں نے باس مت کہنا۔" میں نے اٹھتے ہوئے کہا اور مارک ہنسنے لگا۔



پھر میں نے آئلڈرے سے فون پر بات کی۔

"آئلڈرے سپیکنگ.....!" آئلڈرے کی آواز سنائی دی۔

"اُدھر تھا رے دوست کے سوا اور کون ہو سکتا ہے؟" میں نے کہا۔

"سنو۔ کیا تم اپنا نام نہیں بتاؤ گے.....؟"

"ظاہر ہے، مناسب نہیں ہو گا۔ لیکن تم جس نام سے چاہو، مجھے مخاطب کر سکتے ہو۔"

"تب میں تمہیں مسٹر ایکس کہوں گا۔"

"مجھے اتر ارض نہیں ہے۔ ہاں! اب کام کی بات کرو۔"

"تم نے مسٹر البرٹ سے رابطہ قائم کیا ہے۔ ان سے ملاقات اتنی آسان نہیں ہوتی۔

تو کوچار بچے ملاقات ہو سکے گی۔ دوسری طرف سے ان کے ذاتی شاف نے مجھ سے یہی

"بہر"

"لٹک" ہے..... پھر کل دن میں فون کروں؟"

”ہاں..... ایک کام کر سکتے ہو؟“
”کیا.....؟“

”ایں سے میری بات کراؤ۔ میں بہت پریشان ہوں۔“ آلڈرے کے لئے اپنے بیکہیں گے، میں یہاں رہوں گی۔“ تھی۔

”ہوں.....!“ میں کچھ سوچنے لگا۔ پھر میں نے کہا۔ ”لیکن تم اس سے کوئی غلطیاں نہیں جانتی، میرے پاس موجود ہے؟“ کرد گے۔ میں تمہاری گفتگو سنوں گا۔“

”کے بے بی! فون انہیں دے دو اور تم آرام کرو۔“ آلڈرے نے کہا اور این نے ” وعدہ کرتا ہوں۔“

”ہوڑکرو.....!“ میں نے کہا اور پھر فون کا رسیور کھکھ باہر نکل آیا۔ چند منٹ تک ٹھریہ این! اب تم آرام کرو۔“

میں این کو لے کر فون پر پہنچ گیا۔ ”ہیلو!“ میں نے آلڈرے کو مخاطب کیا اور دوسرا طرف اکے سر.....!“ این واقعی خوش ہو گئی تھی۔ کتنا ہی برا آدمی بن گیا تھا لیکن انسانیت کے سے اس کی آواز سن کر بولا۔ ”ایں سے گفتگو کرو۔“ اس کے ساتھ ہی میں نے ریپر، باب ہمی نظرت سے الجھے ہوئے تھے جن کے تحت میں نے اس وقت بھی سوچا کہ کے ہاتھ میں تھا دیا۔

”ڈیڈی! میں این ہوں۔“ این آلڈرے خوشی سے ہانپتی ہوئی بولی۔ میں اس کے انہیں پہنچاؤں گا۔ کیونکہ وہ معصوم اور یہ قصور ہے۔

قریب تھا اور دوسرا طرف کی آواز میں بخوبی سن رہا تھا۔ دوسرا طرف چند ساعت تھا۔ باہر نکل گئی اور میں نے آلڈرے کو مخاطب کیا۔ ”میں بول رہا ہوں مشر آلڈرے!“ رہی۔ پھر آلڈرے کی آواز سنائی دی۔

”ہیلو این.....!“

”ہیلو ڈیڈی.....!“ این خوشی سے بولی۔

”ایں انہیں کوئی تکلیف تو نہیں ہے.....؟“

” بالکل نہیں ڈیڈی! آپ کے ملازم بہت ایچھے ہیں۔ میرے ساتھ کوئی بر اسلوک ہوا اور مجھے ضرورت کی ہر چیز مل زہی ہے۔ لیکن ڈیڈی! یہ معاملہ کیا ہے؟ وہ کون لوگ ہیں کوئے آلڈرے!“ اچاک میرے دشمن بن گئے ہیں؟“

”کیا مطلب.....؟“

”مجھے بھی بتایا گیا ہے کہ مجھے کچھ دشمنوں سے پوشیدہ رکھنے کے لئے آپ نے یہاں میں مشورہ دیتا ہوں کہ ڈیوک سے نہ الجھو۔ اس کے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔ اگر کہیں دیا ہے۔“

”اوہ، اوہ..... ہاں بے بی! لیکن انہیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بہت بندہ یہاں کوٹھ کرنا۔“

”آب نہیں لگبراؤں گی۔ ان لوگوں کے بیان کی قصہ یقین ہو گئی ہے نا! اب سب کوئی پرواہ نہیں ہے۔ میں نے تم سے جو کہا ہے، وہی کرو۔ وقت گزرنے کے بعد

”تمہاری اتنا شریف آدمی ثابت نہ ہوں گا۔“

”تمہاری مرثی۔“ آلڈرے نے جواب دیا اور میں نے فون بند کر دیا۔ میرے

ہونتوں پر زہر لی مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ فون بند کرنے کے بعد میں باہر نکل آیا۔ دوسرے دن مارک نے صبح کا اخبار خصوصی طور پر میرے حوالے کیا اور ایک پر رکھتے ہوئے بولا۔ ”اسے دیکھو مسٹرڈینس!“

”کیا ہے.....؟“ میں اخبار پر جھک گیا۔ اور پھر میں نے بھی وہ جل الفاظ دیکھ۔ ”مسٹرڈینس! ڈیوک البرٹ ٹھیمیں طلب کرتا ہے۔ سی وان کے کنارے تھیں میں موڑ بوٹ ملے گی۔ تا خیر کے بغیر یہاں تک پہنچ جاؤ۔ حکم عمدی پر تمہارے لئے ہون“ بھی تجویز کی جا سکتی ہے۔“

میں نے اخبار ایک طرف بر کا دیا۔ ”موت کی سزا بھی تجویز کی جا سکتی ہے۔“ میں مسکراتے ہوئے مارک کو دیکھا۔

”جانور ہے کم بخت۔ اگر تم نے اس کی یہ بات نہ مانی تو وہ تمہارے دھوکے میں لوگوں کو قتل کر دے گا۔ جس پرشہب ہو گا، اُسے قتل کر دے گا۔“

”پھر کیا مشورہ ہے مارک؟“ میں نے کہا۔

”ادہ..... میرا امتحان لے رہے ہو ماشر! میں جانتا ہوں تم اس کے حکم کو خافت دو گے۔“ مارک نے مسکراتے ہوئے کہا اور ہنسنے لگا۔ بہر حال! مارک سے اُس باب میں نے کچھ نہیں کہا تھا۔ لیکن میرے ذہن میں بہت سے منصوبے کلبلانے لگے تھے۔ میں تیاریاں کرنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں اپنی رہائش گاہ سے باہر نکل آیا۔ ہاہا موجود تھا۔ اُس نے مجھے دیکھا اور چونک پڑا۔ ”کہیں جانے کی تیاریاں ہیں ماشر؟“

”ہاں مارک..... تھوڑی دیر کے لئے اجازت دو۔ واپس آ جاؤں گا۔“ میں نے دیا۔

”یلوو.....!“ میں نے پلکیں جھپکاتے ہوئے ان سب کو دیکھا۔ میرے انداز میں حفاظت کیا۔ لیکن میری لگا ہوں نے ان میں سے اپنے مطلب کی لڑکی تلاش کر لی۔ وہ لڑکی صورت سے کم تدریبے وقوف نظر آ رہی تھی۔

”تمہیں ساتھی کی تلاش ہے؟“ ایک لڑکی نے کہا۔

”یقیناً تم تھا ہو۔“ دوسری نے بدن پچکاتے ہوئے کہا۔

”ہرگز نہیں..... ہرگز نہیں۔“ میری بیوی اُس میلے کے پیچے لباس تبدیل کر رہی ہے۔ براہ کرم! تم لوگ بھاگ جاؤ۔ وہ بہت خونوار ہے۔ ابھی چند روز قبل اُس نے ایک ایسی لڑکی کا

”اس بیک میں کیا ہے.....؟“

”تھوڑی سی خریداری کرنی ہے۔“ میں نے جواب دیا اور باہر نکل آیا۔ باہر نہ کار لی اور چل پڑا۔ میں پیرس کے بہت سے علاقوں سے واقف ہو گیا تھا، چنانچہ بazar کھل چکے تھے۔ میں نے درحقیقت وہاں سے کچھ خریداری کی۔ پہلی فروٹ اور کچھ دوسری چیزیں۔ اور پھر ایک تفریجی ساحل کی جانب چل پڑا۔

ساحل سے کافی دور میں نے کار روک دی اور اُسے لاک کر کے اپنا سامان لے اتر آیا اور پھر ساحل کے ایک ویران حصے میں پہنچ گیا۔ گو عام دن تھا۔ لیکن پھر بھی

”ہی وان..... وہ اس طرف جو ایک اوپھی چٹاں ابھری نظر آ رہی ہے۔ جو شیر کے سر کی
ہند معلوم دے رہی ہے، وہی سی وان ہے۔“ ایلی نے بہت دُور ایک سیاہ چٹاں کی طرف
انہار نیا اور میں نے گردن ہلا دی۔ ”کیوں؟ تم کیوں پوچھ رہے تھے؟“
”اوہ..... کچھ نہیں۔ میں نے اس کے بارے میں سنا تھا۔“

”تو کیا تم مقامی نہیں؟“

”دنیں ایلی..... میں سیاہ ہوں۔“

”اوہ..... کون سے ملک کے باشندے ہو؟“

”برطانوی ہوں.....!“

”گز.....“ ایلی نے مسکرا کر گردن ہلا دی۔

میں نے ہوور کرافٹ کا رخ اُس سیاہ چٹاں کی جانب کر دیا جو شیر کے سر کی مانند تھی۔
ہوور کرافٹ سمندر کے سینے پر اچھلتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔

تب ایلی نے مجھ سے پوچھا۔ ”کیا تم سی اسکینگ نہیں کرو گے؟“

”نہیں..... مجھے اس میں مہارت نہیں ہے۔“

”شوڑ پیں.....؟“ ایلی نے پھر پوچھا۔

”ہاں..... وہ بوٹ شیش سے سا تھوڑی ملے تھے۔“ میں نے جواب دیا۔

”تب پھر میں بوٹ اسکینگ کروں گی۔“ اُس نے جواب دیا اور میں نے شانے پلا
دیئے۔ ایلی نے بوٹ کے بیک بیک سے رے کے اور پھر لکڑی کے لبے جوتے اپنے پکروں
میں باندھنے لگی۔ میں نے سوچا یہ بھی غیمت ہے۔ ہمارے کسی مشغله کو شہر کی نگاہ سے نہ دیکھا
جائے۔ چنانچہ میں نے اُسے بلا کسی تال کے اس کی اجازت دے دی اور ایلی اسکینگ شوڑ

باندھ کر پانی میں اتر لگی۔ میں نے ہوور کرافٹ کی رفتار تیز کر دی اور ہوور کرافٹ برق
لناری سے سیاہ چٹاں کی جانب بڑھنے لگا۔ ایلی اور ہوور کرافٹ کا فاصلہ کافی ہو گیا تھا۔ اور
سمندر کے سینے پر پھلتی چلی آ رہی تھی۔ اُس نے دونوں ہاتھوں سے رسول میں بندھا ہوا

لکڑی کا تنیچہ پکڑا ہوا تھا اور بوٹ برق رفتاری سے سی وان کی طرف جا رہی تھی۔

ایلی اور ہوور کرافٹ کا فاصلہ کافی ہو گیا تھا۔ جب ہوور کرافٹ، سی وان کے نزدیک
پہنچا ایلی کافی دور تھی۔ تب چند ہتھی لمحات کے بعد ہم سی وان کی جانب سے گزرے۔ اُس

بوٹ میں کافی سی وان کے ساحل سے سرخ اور سفید رنگ کی ایک بوٹ لگی دیکھی۔ اُس پر

”ٹھیک ہے ایلی! لیکن جائے اس کے کہ ہم فضول باتوں میں الجھیں، اپنی الٹی بانٹر
کیوں نہ کریں؟ ظاہر ہے تم میری چند لمحات کی ساتھی ہو۔ اس کے بعد تم چلی جاؤ گی۔“
اگر تمہیں اپنے بارے میں کچھ بتا بھی دیتا ہوں تو اس سے تمہیں کوئی فائدہ تو نہ ہو گا! لیکن
پوں کہو کہ وقت گزاری کے لئے کچھ بتائیں کرنا ہوتی ہیں۔ ”میں نے کہا۔

”ٹھیک ہے..... تمہاری مرضی۔ ظاہر ہے، تم جس طرح پنڈ کرو۔“ وہ میرے نزدیک
کھشک آئی اور پھر اُس نے میرے سینے پر اپنا رُخار نکلا دیا۔ ”کیا مجھے رات کو بھی تمہارے
ساتھ ہی رہنا ہو گا؟“ اُس نے پوچھا۔

”اس کے بارے میں بعد میں فیصلہ کریں گے ایلی! تاہم یہ ضروری تو نہیں ہے کہ
کچھ وقت کا ساتھی منتخب کیا جائے، اُس کے بارے میں اس انداز میں بھی سوچا جائے۔ لہ
میں تمہیں اپنے ساتھ لانے کا پورا پورا معاوضہ ادا کروں گا۔“

”اوہ.....“ ایلی نے ہونٹ سکوڑے۔ ”میں معاوضے کی بات تو نہیں کر رہی تھی۔“

”نہیں ایلی! یہ ایک حقیقت ہے جس سے تم انکار نہیں کر سکتیں اور نہ میں اسے نظر انداز
سکتا ہوں۔ بلکہ میرے خیال میں تو یہ بہتر ہے کہ پہلے تم یہ رقم رکھ لو۔“ میں نے اپنی بیٹ
سے کچھ نوٹ نکال کر اُس کی طرف بڑھا دیئے۔

ایلی کی آنکھوں میں چک پیدا ہو گئی تھی۔ لیکن اُس نے مصنوعی انداز میں ہونٹ سکونت
ہوئے کہا۔ ”نہیں، نہیں..... تم میری تو پین کر رہے ہو۔ میں یہ نہیں لوں گی۔“ ایلی معملاً
مسکراہٹ سے بولی۔

”رکھ لو، پلیز.....“ میں نے کہا اور نوٹ زبردست اُس کے مختصر سے اوپری لباس مٹا
ٹھوں دیئے۔

ایلی مسکرانے لگی۔ ”بڑے ضدی ہو۔“ اُس نے ناز بھرے انداز میں کہا۔ حالانکہ نوٹ
جانے کے بعد وہ خاصی مطمئن اور مسرور نظر آتی تھی۔ پھر وہ آہستہ سے بولی۔ ”تو تمہیں
صرف ایک سمندری ساتھی کی ضرورت تھی۔“

”سمندری ساتھی کی نہیں بلکہ خشکی کے ساتھی کی۔“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔“
ہنس پڑی۔ ”ایلی! ایک بات تو بتاؤ!“ میں نے یونہی رواداری میں اُس سے پوچھا۔
”جی.....!“ وہ مجھے دیکھنے لگی۔

”یہی وان کا کنارہ کس طرف ہے؟“ میں نے اُس سے سوال کیا۔

”پلیز..... ساری تفریح خاک میں مل جائے گی۔ چلو! دوسری طرف چلتے ہیں۔“

”ہرگز نہیں! میں نہہ چکا ہوں کہ میں بھی خوکے تاج بادشاہ سمجھتا ہوں۔ اس لئے اب تم اس بوٹ کے نزدیک ہی پنک منائیں گے۔“ میں نے بوٹ شارٹ کی اور اسے ست بیسے گھانے لگا۔ پھر میں نے آہستہ آہستہ اسے بوٹ کی طرف بڑھانا شروع کر دیا۔

”پلیز! رخ بدل دو۔ ورنہ میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکوں گی۔ براونسن! اس طرف نہیں..... نہیں جاؤ!“ ایلی نے احتجاج کیا اور میں نے بچلوں کی باسکٹ نکال کر اپنے نزدیک کر دی۔ پھر ایک سکترہ نکال کر اس کی طرف اچھال دیا۔

”لو..... سکترہ کھاؤ اور خاموش بیٹھو۔“

”دیکھو.....! اس طرف مت جاؤ۔ ورنہ پھر مجھے کہیں انتار دو۔ براونسن.....! اس طرف مت جاؤ۔“ وہ شدید احتجاج کرنے لگی۔

میں نے گھوڑ کر اسے دیکھا۔ ”تم اُتنا چاہتی ہو.....؟“

”پلیز براونسن..... تم نہیں سمجھتے۔“ وہ انہائی خوفزدہ انداز میں بولی۔ کیونکہ ہماری ہودو کافٹ دوبارہ اس لانچ کے نزدیک پہنچ رہی تھی۔ تب ہی لانچ پر سے کسی نے غرائی ہوئی آواز میں میگا فون پر کہا۔

”اے..... اندھے ہوتا لوگ..... دیکھ نہیں سکتے اس وقت لانچ کھڑی ہے؟ ڈیوک البرٹ کی لانچ۔ خود ادا دوبارہ اس طرف سے گزرے تو گولیوں نے چھلنی کر دیا جائے گا۔“ میں نے لانچ کی رفتارست کر دی اور اس شخص کی طرف دیکھنے لگا جو میگا فون پر کھڑا یہ بات کہرا تھا۔ اس کے پیچے ہی دو آدمی اور کھڑے تھے۔ تب میں نے ایک سکترہ چھیلا اور اُن کی چند بچانکیں منہ میں ڈالتا ہوا بولا۔

”ہم لوگ سمندر کی سیر کر رہے ہیں۔ ظاہر ہے، اس چھوٹی سی کشی سے تمہیں کیا نقصان پہنچاتا ہے؟“

”بکواس کرتے ہو..... زندگی دو بھر ہو گئی ہے کیا؟“ لانچ پر سے پھر کہا گیا اور میں نے دو گھنٹے انھماں ایسا جس میں ہینڈ گرینڈ پوشیدہ تھا۔

”لمحک ہے..... ہم جا رہے ہیں۔“ میں نے کہا اور دوسرے لمحے میں نے ہینڈ گرینڈ کا پیش کیا جائیا۔ ”او..... تم اس کا مزہ چکھو۔“ میں نے سکترہ اور اچھال دیا اور وہ لوگ بونچ نہیں سکتے تھے کہ اچانک یہ سب کچھ ہو جائے گا۔ خوفناک دھماکہ ہوا تھا اور لانچ میں

ایک فلیک لہر اڑا تھا جس کا رنگ گہرائیلا تھا اور درمیان میں سفید تیر کا نشان بنا ہوا تھا۔ یقینی طور پر یہ اثبرٹ کی موڑ بوٹ تھی جس کے بارے میں اُس نے مجھے ہدایت کی تھی۔ میں نے ہودو کرافٹ کا رخ اُسی طرف کر دیا اور بوٹ کے کافی قریب سے گزار میں نے بوٹ پر موجود لوگوں کو دیکھا تھا۔ زیادہ تو نظر نہیں آیا البتہ اتنا اندازہ لگا لیا تھا کہ زیادہ اُنہیں ہیں۔ اور بوٹ جدید اور بے حد شاندار ہے۔

بہر حال! میں ایک بار اُس کے سامنے سے گزر گیا۔ اُسی وقت مجھے ایلی کی زوردار آوازیں سنائی دیں۔ ”مسٹر براونسن..... مسٹر براونسن! براہ کرم! رفتار بلکی کریں..... رفتار بلکی کریں.....“ میں نے رفتارست کر دی۔ ایلی نے پاؤں موڑ لئے اور پھر تیرتی ہوئی بوٹ پر آگئی۔

”کیوں..... آپ تھک گئیں.....؟“ اُس نے پوچھا۔

”نہیں..... یہ بات نہیں ہے۔“ وہ خوفزدہ لمحہ میں بولی۔

”اُرے..... پھر کیا بات ہے؟“ میں نے تعجب سے پوچھا۔

”وہ..... وہ..... یہاں سے چلو! میں واں سے چلو..... جانتے ہو، وہ موڑ بوٹ کی ہے؟“

”میں نہیں جانتا، کس کی ہے؟“

”ڈیوک البرٹ کی۔ اُس کا فلیک لہر اڑا ہے۔ اُس کے قریب سے گزرنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ دیکھو! کوئی دوسری بوٹ بھی نزدیک نہیں ہے۔“

”کیا سمندر اُس کے باپ کی جا گیر ہے؟ جس کا دلن چاہے، جہاں چاہے جائے۔“ میں نے جواب دیا۔

”پلیز براونسن..... پلیز! تم بتا چکے ہو، تم مقامی نہیں ہو۔ اس لئے تم البرٹ کے بارے میں بھی نہیں جانتے ہو گے۔ وہ بے حد خطرناک انسان ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہم؟ گولیوں کی یو چھاڑ کر دی جائے اس جرم میں کہ ہم اس لانچ کے نزدیک سے کیا گزرے؟“

”اوہ..... یہ بات ہے؟“

”ہاں..... اوہ بے تاج شہنشاہ ہے۔“

”وہ تو میں بھی ہوں۔“ میں نے جواب دیا۔

میں نے لڑکی سے پوچھا اور وہ ایک دم
ایام بھی میرے ساتھ چلنا پسند کرو گی؟“ میں نے لڑکی سے پوچھا اور وہ ایک دم
اچل پڑا۔
”اوہ...“ وہ خوف زدہ لمحہ میں بولی۔

مگر تم چاہو تو میں تھوڑے فاصلے پر تمہیں چھوڑ سکتا ہوں۔ تم وہاں سے خاموشی سے اپنے
گھر جائیں۔ میں نے اس وقت تک کامعاوضہ تمہیں دے دیا ہے۔ لیکن اگر تم نے زبان
کوئی تیزی اچھا نہ ہو گا۔ تمہاری یہ بات تمہیں ہی نقصان پہنچا سکتی ہے۔ کیونکہ تم میرے
بائے میں کچھ نہیں جانتیں۔“ میں نے کہا اور وہ گردن ہلاکی ہوئی نیچے اتر آئی۔ اس کا پورا
بلد کا پہ رہا تھا۔ لیکن بہر صورت! میں اس لڑکی کو اپنے ساتھ نہیں رکھ سکتا تھا کیونکہ وہ کافی
نکال ناٹب ہو سکتی تھی۔ کافی فاصلے پر آنے کے بعد میں نہ دیکھا کہ لوگ ساحل پر گشت
کر رہے ہیں۔ یہ بھی ایک تفریحی ساحل ہی تھا۔ میں نے سوچا یہ بھی غصمت ہی ہے۔
جوڑے مڑ گشت کر رہے تھے۔ میں نے لڑکی کو ایک جگہ چھوڑ دیا۔ ”یہاں سے تمہیں ٹیکسی
ل جائے گی۔ میرا مخلصانہ مشورہ ہے کہ ان واقعات سے شناسائی کا اظہار مت کرنا ورنہ
غمیت میں پھنس جاؤ گی۔“ میں نے لڑکی کو وہیں چھوڑ دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں ایک ٹیکسی
میں بیٹھ کر اس ساحل کی جانب جا رہا تھا جہاں میں نے یہ سب کارروائی کی تھی۔ لیکن اب
میں اپنامیک اپ اتار دیا تھا اور کس کی مجال تھی کہ مجھے پہچان سکتا؟

فاضل بہت زیادہ نہیں تھا۔ چند لمحات کے بعد میں واپس پہنچ گیا۔ بات ایسی نہ تھی جو چھپی
راتی۔ لوگ صورت حال معلوم کرنے کے لئے دوڑ پڑے تھے اور سی وان کے ساحل پر بھی
کافی رش ہو گیا تھا۔ بے شمار لوگ لاشیں اور سامان نکال رہے تھے۔ پولیس بھی پہنچ گئی تھی اور
لوگوں کو سمندر سے نکل آنے اور وہاں سے بٹنے کے لئے کہہ رہی تھی۔

میں خود تماشا نہیں میں شامل ہو گیا۔ میرے حلق میں قہقہے مچل رہے تھے۔ ایک بھی آدمی
نہ ہوں گے۔ نکال جاسکا تھا۔ اب تک اٹھا رہا لاشیں نکل پکھی تھیں۔ ان میں بیشتر جملے ہوئے تھے
اور یہ تھا کہ وہ زندہ ہے۔ ورنہ اس کے جسم میں اور کوئی تحریک نہیں تھی۔ اندازہ یہی ہوتا تھا کہ

ایک ٹکڑا بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ میرے سامنے ہی پانی میں بیٹھ گئی تھی۔ اس خوف
ناک عاداث کی اطلاع ڈور ڈور تک پھیل گئی تھی اور لوگ جو حق در جو حق پڑے آرہے تھے۔
پولیس کو حالات سنبھالنے میں بڑی مشکلات پیش آ رہی تھیں۔

موجود تینوں اسی جگہ اڑ گئے تھے، جہاں کھڑے تھے۔
ایلی کے حلق سے پہ ساختہ جیخ نکل گئی۔ لاخ پر خوفناک دھماکہ ہوا تھا۔ میں نے بورے
کرافٹ کو پھر ایک چکر دیا۔ اس دوران میں دوسرا سُنگڑہ اٹھا چکا تھا۔ پھر میں نے لاخ کے
دوسرے حصے پر دوسرا بم پھیک مارا۔ اس کے بعد تو میں دیوانوں کی طرح ہو در کرانے کی
ادھر سے ادھر گردش دینے لگا۔ میں نے وہ تمام بم نکال لئے جن میں، میں نے کارروائی کی
تھی۔ اس کے بعد میں نے آگ لگانے والے بم بھی لاخ پر پھیکئے اور اس کے بعد ایک
طرف چل پڑا۔
لاخ پر آگ ہی آگ بکھری ہوئی تھی۔ لوگ جیخ رہے تھے۔ میں نے کافی ڈور جانے کے
بعد پھر ایک چکر اور لیا۔

ایلی اب پھر کے بت کی مانند سا کت پیٹھی ہوئی تھی۔ یوں محسوس ہو رہا تھا مجھے اس کا
ہارت فیل ہو گیا ہو۔ اس کا منہ کھلا ہوا تھا۔ آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں اور میں اپنی باسکٹ سے ہے
چیز نکال رہا تھا جو اس سلسلے کی آخری کڑی تھی۔ یعنی ایک شین گن..... جس کے تین پارٹ
تھے۔ میں نے اس کے پارٹ پھرتی سے جوڑے اور پھر پلٹا۔
لاخ میں بکھری ہوئی آگ اب کسی بھی شخص کو اتنی مہلت نہیں دے رہی تھی کہ وہ اپنی
جان کی حفاظت کے علاوہ کوئی دوسرا کام کر سکے۔ چنانچہ لاخ سے لوگ سمندر میں چلانگیں لگا
رہے تھے۔ چنانچہ دوسرے لمحے میں نے چلانگیں مارتے ہوئے لوگوں کے نشانے لے اور
شین گن کا دہانہ کھول دیا۔ گرتے ہوئے آدمیوں کو میں سمندر میں نشانہ بنارہا تھا اور ان کی
خوفناک چیزیں بلند ہو رہی تھیں۔

میں نے ہو در کرافٹ کو لاخ کے چاروں طرف پھرایا۔ اور جہاں بھی جو جاندار نظر آیا
اُسے گولی مار دی۔ پھر بر قرقفاری سے وہاں سے چل پڑا۔ میری منزل ایک اور ساحل تھی:
لڑکی نے اب بات کرنا ہی چھوڑ دی تھی۔ اس کی سانس چل رہی تھی، جس سے اندازہ
ہوتا تھا کہ وہ زندہ ہے۔ ورنہ اس کے جسم میں اور کوئی تحریک نہیں تھی۔ اندازہ یہی ہوتا تھا کہ
جیسے وہ مر چکی ہو۔ لیکن میں نے کسی طرف کوئی توجہ نہیں دی۔ میں نے اپنا کام مکمل کر لایا تھا
اپنی مرضی کے مطابق۔ اور پھر میں ایک ڈور ویران ساحل پر پہنچ گیا۔ ہو در کرافٹ کو جس حد
تک خشکی پر چڑھایا جا سکتا تھا میں نے چڑھا دیا۔ اور اس کے بعد اس کا انجن بند کر کے نیچے
اٹر آیا۔ لڑکی کو ہوش آچکا تھا۔ سو میں نے اُبے مخاطب کیا۔

پھر میں نے واپسی کا پروگرام بنایا۔ اور بس وغیرہ تبدیل کر کے اپنی کار لے کر چلا پڑا
تھوڑی دیر کے بعد میں مارک کی رہائش گاہ پر پہنچ گیا تھا۔
مارک اس وقت موجود نہیں تھا۔ میں نے اٹھیناں سے غسل کیا، بس تبدیل کیا۔ پھر اپنا
میک آپ درست کر کے آرام کرنے لیٹ گیا۔ ملازم نے مجھے شام کی چائے پیش کی تھی۔
چائے پینے کے بعد میں نے آئڈرے سے گفتگو کرنے کا فیصلہ کیا اور تھوڑی دیر کے بعد میں
ٹیلی فون میں وہ مخصوص آہل فٹ کرنے کے بعد آئڈرے کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔
دوسری طرف سے ایک نسوانی آواز سنائی دی تھی۔ ”مسٹر آئڈرے سے بات کرو۔“ میں
تنے کہا۔

”کون بول رہا ہے.....؟“

”فون آئڈرے کو دو.....!“ میں نے بھاری لمحہ میں کہا۔

”اوہ جناب.....! وہ موجود نہیں ہیں۔ لیکن مسٹر آیکس کے لئے وہ ایک نیquam دے گے
ہیں۔ کیا آپ.....؟“

”ہاں ٹھیک ہے.....! پیغام کیا ہے؟“

”آپ ٹھیک آٹھ بجے انہیں رنگ کریں گے۔“ دوسری طرف سے کہا گیا اور میں نے
فون بند کر دیا۔ آئل نکلا اور پھر واپس اپنے کمرے میں آ کر لیٹ گیا۔ نہ جانے کتنی دیر گزی
تھی۔ ذہن پر تکان چھائی ہوئی تھی۔ لیکن ایک آسودگی، ایک سکون بھی تھا۔
تبھی مارک، بھونچال کی طرح کمرے میں گھس آیا۔ اُس کا چہرہ ہونق ہو رہا تھا۔ آجھیں
چمک رہی تھیں۔ ”مسٹر ڈینس.....!“ اُس نے بمشکل کہا اور میں نے پر سکون
نگاہوں سے اُسے دیکھا۔

”کیا بات ہے.....؟“

”دوسرا کوئی نہیں ہو سکتا۔ خدا کی قسم! دوسرا کوئی نہیں ہو سکتا۔“ اُس نے سکپتائی آواز
میں کہا۔

”کہاں سے آ رہے ہو مارک.....؟“

”بندرگاہ سے.....!“ مارک جلدی سے بولا۔

”کتنی لاشیں ہو گئیں.....؟“

”چھوٹیں..... اتنے ہی آدمی تھے۔ سب مارے گئے۔“

”پڑا بتداء میں اتنے ہی کافی ہیں۔“ میں نے دھیسی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔
”لیکن..... اوہ! پورے شہر میں تہلکہ مچا ہوا ہے۔ یہ سب تم نے تھا کیا ہے؟“
”ایک لڑکی بھی تھی۔ کون تھی.....؟“

”چھڑو مارک ان باتوں کو۔ کرائے کی لڑکی تھی۔ میں نے کہا تا کہ ابھی تو بتداء ہے۔
پھر ایڈرے نے مجھے دعوت دی ہے۔ اُس نے مجھے حکم دیا تھا، میں نے تعقیل کی۔ اس میں
بڑا کافی تصور!“ میں نے معصومیت سے کہا۔
”خدا کی پناہ..... خدا کی پناہ!“ مارک نے سر پکڑ لیا۔ وہ ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

”مارک.....!“ میں نے اُسے آواز دی۔

”لاغی بھی تباہ ہو گئی۔“ مارک بے اختیار بول پڑا۔

”اگر تو جزیرہ بھی تباہ ہو گا۔ لیکن مارک..... تم نزوں ہو.....؟“

”لیا..... کیا مطلب؟“

”پریشان تو نہیں ہو.....؟“

”کمال ہے۔ جرانی اور پریشانی میں فرق ہوتا ہے۔ میں تو اس جرات، اس دلیری اور
نکال کر دی پر جران ہوں۔ ڈیوک سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ وہ..... وہ، لیکن اگر تم مجھے خوفزدہ
مجھے ہو تو یہ یہ مرے ساتھ زیادتی ہے۔“

”تب میل دیکھتے رہو مارک! بس..... رازداری شرط ہے۔ عام لوگوں کو تفصیل نہیں
لہوئی چاہئے۔“

”سرمال ہی نہیں بیدا ہوتا۔ مگر ڈینس! بس، دل چاہ رہا ہے کہ تمہیں گود میں اٹھا کر
پہنچا کر خوف ناک جواب دیا ہے۔ اوہ..... ڈیوک کی کیا کیفیت ہو گی؟“ مارک نہ جانے
لیا کہ تھا۔ بہر حال! پھر میں نے اُس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

☆.....☆.....☆

کیا مطلب؟“

”میرا یہ پروگرام فریب پرمنی ہے۔“

”آئڈرے کی آواز میں حیرت تھی۔“

”میں فون پر اس آزادی سے ڈیوک کے ساتھ کے جانے والے فریب کے بارے پڑھ رہے ہو۔ جبکہ دوسری طرف تم بالقابل میٹھ کر بھی اُس کے خلاف گفتگو سے خوف زدہ ہے۔“

”میرا میری بیٹی کا ہے مسٹر ایکس! اور پھر میں خود بھی گدھا نہیں ہوں۔ میں جس میں

کلکٹو کر رہا ہوں، وہ میرا ذاتی ہے۔ اور اس کے نمبر ڈائریکٹری میں نہیں ہیں۔ اس کے

بیٹے جس فون پر گفتگو کرتے ہو، اس کے بارے میں بھی کسی ایکچھی میں کوئی روپرث نہیں

کیا تھا اور فون خیال میں یہ بات مجھے معلوم نہ ہو گی؟“

”اوہ.....تب ٹھیک ہے آئڈرے! میرا شہبہ دُور ہو گیا۔“ میں نے جواب دیا۔

”ٹھیک.....پھر اب پروگرام تباو۔“

”پروگرام تو تم ہی بناؤ گے۔“

”ویراکل صبح پہنچ جائے گی۔“

”کس وقت.....؟“

”گیارہ، ساڑھے گیارہ بجے تک۔“

”پروگرام حسب معقول ہے۔ تم ویرا کو میرے حوالے کر دو گے۔ اس سے معلومات

مل کی جائیں گی۔ اور پھر انہی معلومات کے تحت ایں کو تمہارے حوالے کیا جائے گا۔“ میں

حجب دیا اور دوسری طرف خاموشی چھا گئی۔ پھر آئڈرے کی بھرائی ہوئی آواز سنائی وی۔

”مسٹر ایکس.....!“

”لیکن آئڈرے ڈیسٹر.....؟“

”کیا تم شادی شدہ انسان ہو؟ کیا تمہاری کوئی اولاد ہے.....؟“

”نہیں دوست.....کیوں؟“

”افوں! کاش تم ایک باپ ہوتے اور یہ جان سکتے کہ آدمی کتنا ہی برا ہو، اپنی اولاد کے

بزرگدر جذباتی ہوتا ہے۔ میرا ایک ایک لمحہ این کی یاد میں تڑپتے گزر رہا ہے۔ میں

تو مجھے کہاں پر تم سے ایک درخواست کرتا ہوں۔“

رات کو آٹھ بجے میں نے آئڈرے کے نمبر ڈائل کئے۔ دوسری طرف سے فوراً فون ریپ کیا گیا تھا اور فون پر آئڈرے ہی تھا۔ ”آئڈرے سپینگ!“ اُس کی آواز سنائی دی۔

”اوہ.....ڈیسٹر آئڈرے! اوہ تمہارے دوست کے علاوہ کون ہو سکتا ہے؟“ میں نے کہا۔ ”میں تمہارے فون کا ہی انتظار کر رہا تھا۔“

”کیا حال ہے ڈارلگ!.....!“

”تم نے.....تم نے ڈیوک کی لانچ تباہ کر دی؟“ آئڈرے سرسراتی آواز میں بولا۔

”اس میں میرا کیا قصور ہے آئڈرے؟ ڈیوک البرٹ کو پہلی ملاقات کا کوئی نہ کوئی غصہ دینا ہی تھا۔“ میں نے مخصوص لمحے میں کہا۔

”آہ.....تمہارا نہ جائے کیا حشر ہو گا؟“ آئڈرے نے آہتہ سے کہا۔

”تم میرا مان نہیں ہو آئڈرے! جو میرے لئے فکر مند ہو۔ ویسے ڈیوک کو میرے بارے میں تم نے ہی بتایا ہو گا۔“

”ہاں.....لیکن میں نے تفصیل نہیں بتائی تھی۔ ویرا کا ذکر بھی نہیں کیا تھا تمہارے ہام کے ساتھ۔ اور میرا خیال ہے، میں نے عقل مندی ہی کی تھی۔“

”وہ کس لحاظ سے.....؟“

”میں نے ڈیوک سے درخواست کی تھی کہ ویرا کو یہاں بھیج دے۔ مجھے اُس سے کہے معلومات حاصل کرنی ہیں۔ اس کے بعد میں اُسے واپس کر دوں گا۔ اور ڈیوک اُس پر آپس ہو گیا۔ تم نہیں جانتے، وہ معمولی معمولی باتوں کی پرواہ نہیں کرتا۔ میرا پروگرام یہ تھا کہ یہاں آ جائے۔ میں اُسے تمہارے حوالے کر کے این کو حاصل کرو۔ پھر ڈیوک سے کہے دوں کہ ویرا فرار ہو گئی۔ میں اُس سے اُس کی تلاش کا وعدہ لے لوں گا۔ اس طرح میرا ہے تو مجھے کہاں جائے گی۔ زیادہ سے زیادہ ڈیوک مجھ پر ناراض ہو گا۔“

”اوہ.....آئڈرے ڈارلگ! مجھے تمہارے ان الفاظ سے فریب کی بو آ رہی ہے۔“

”کیا.....؟“ میں نے پوچھا۔

”اول تو مجھے یقین ہے کہ ویرا کے ساتھ کوئی غیر انسانی سلوک نہیں ہوا ہو گا۔ لیکن ڈیوک کے پاس بے شمار لڑکیاں ہیں۔ ویرا انہیں پسند ضرور آئی تھی۔ لیکن اتنی جلدی ایس کی طرف متوجہ نہیں ہو سکتے۔ لیکن اس کے باوجود اگر کوئی ایسی بات ہو جی گی کہ انسانیت کے نام پر اسے معاف کر دینا۔ این کو کوئی نقصان نہیں پہنچانا چاہئے مسٹر ایکس!“
درخواست ہے، اسے کوئی نقصان نہ پہنچانا.....!“ آلڈرے گلو گیر لجھے میں بولا۔
میرے ہونتوں پر طنزیہ مسکراہت پھیل گئی۔ ”ویرا بھی تو کسی کی عزت تھی۔ وہ تمہاری انسانیت کے رشتہوں سے مسلک کی جا سکتی تھی۔ تم نے اس بات کو کیوں فراموش کر دیا اے آلڈرے؟“

”جو پچھہ ہو چکا ہے، اسے نظر انداز کر دو۔ میں اس کے عوشن تمہیں سب پکھو دیے کوئی ہوں۔ جو بھی تم چاہو۔ یوں بھی ہم یہ بات دعوے سے نہیں کہہ سکتے کہ ویرا کے ساتھ کوئی سلوک ہوا ہے۔ میں تو صرف یہ کہہ رہا ہوں کہ تم اسے معاف کر دینا۔ اس کے ساتھ میں میرا پونڈ کی رقم بھی بھجو رہا ہوں۔“
”میں عزت و انسانیت کے سودے نہیں کرتا مسٹر آلڈرے! بہر صورت! ویرا کے لئے ہی باقی گفتگو ہوگی۔“

”میری ایک اور درخواست ہے مسٹر ایکس!“ آلڈرے نے کہا۔
”کیا.....؟“

”کیوں نہ تم این کو ویرا کے ساتھ ہی واپس کر دو.....؟“
”کیا مطلب.....؟“

”جونی ویرا تمہیں ملے، تم این کو ہمارے سپرد کر دو۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ کسی تم کی کوئی بد معاملگی نہیں ہو گی۔“
”میں بھی وعدہ کرتا ہوں مسٹر آلڈرے! ویرا کے پہنچتے ہی میں پہلے اس سے معلوم حاصل کروں گا اور تمہیں اس سے آگاہ کر سکوں گا۔“
”میں چند ساعت سوچتا رہا۔ این کے لئے جو پچھہ میں نے سوچا تھا، وہ تو یہی تھا کہ تم اسے کوئی نقصان نہ پہنچاؤ۔ ویرا، نہ بھی ملتی تب بھی این کو اس کے حوالے کر دیتا۔ اس بات تھی کہ میں اس کے عوض ایک اچھی خاصی رقم حاصل کرتا۔“

میں نے جو پروگرام بنایا تھا؛ اس کے تحت بہر صورت! ویرا کو تو ہمارے پاس پہنچنے پر جس کی مجال تھی کہ اسے دوبارہ حاصل کر سکتا؟ البتہ اگر ڈیوک کو یہ پتہ چل گیا کہ اس کا حاصل کرنے کے لئے یہ سب کچھ کر رہا ہوں تو آلڈرے کی شامت ہی آجائے میں آلڈرے خود ہی بھگتے گا۔ مجھے اس سے کیا؟ این کو میں خود بھی زیادہ دری نہیں رکھ سکتا میں نہیں نے ایک گہری سانس لی اور کہنے لگا۔ ”ٹھیک ہے مسٹر آلڈرے! لیکن ویرا کو پہنچنے کی دقت کے پیچے جانا چاہئے۔ اگر وہ نہ پہنچی تو اس کو تمہاری نگاہوں کے ہی گولی مار دی جائے گی۔“ میں نے کہا۔

”نیک ہے۔“
اور اس سلسلے میں کسی قسم کا فریب یا سازش نہیں ہونی چاہئے۔ اگر ہوئی تو.....“
میں وعدہ کرتا ہوں کہ کسی قسم کی کوئی بد معاملگی نہیں کروں گا۔ ظاہر ہے، میری بچی بچپنے میں ہے۔ آلڈرے نے جواب دیا۔ وہ بالکل بے بس ہو گیا تھا جس کا اس کی آواز سے ہوتا تھا۔ چنانچہ میں نے گہری سانس لے کر میلی فون بند کر دیا۔

”میں آرام کرنے لیٹ گیا۔ اس وقت کوئی اور پروگرام تو تھا نہیں جس کے بارے میں دل کرتا۔ البتہ ویرا کی واپسی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ میں نے یہ بھی طے کیا تھا اسے کل اس سلسلے میں بات کروں گا کہ ویرا کے لئے جو کھیل کھیلا جا رہا ہے، اس مدرس کا ہاتھ کس حد تک ہے؟ اور یہ معاملات کہاں تک پہنچ ہیں؟ اور اگر اس سلسلے ہو تو کا تو مجھے خوشی ہی ہو گی.....“ میں نے سوچا تھا۔

”اسے کب تک میں خیالات میں ڈوبا رہا۔ اور پھر نیندا آگئی۔“

”کسے دل میرا دوست مار ک مجھے ملا۔ اس نے اخبارات کے ڈھیر، میرے سامنے لگا تھا، ہر اخبار میں ڈیوک البرٹ کی لاٹج تباہ کئے جانے کا تذکرہ تھا۔ اس کی تصاویر بھی پہنچیں۔ ڈیوک البرٹ کے اہم ترین لوگ مارے گئے تھے۔ ڈیوک البرٹ نے حکام سازش کی ہے، گرفتار کر کے ڈیوک کے حکمے کے اندر اندر قاتل کو یا اس شخص کو جس نے ڈیوک البرٹ پر برداشت کی ہے، گرفتار کر کے ڈیوک کے حوالے نہ کر دیا گیا تو شہر کو جہنم کا نمونہ بنادیا جائے گی اور پورے طور پر شہر کو تباہ کر دیا جائے گا۔“

”تم اس کی باتیں یہ تھیں کہ یہ بیان اخبارات میں چھپا تھا۔ گویا حکومت اس شخص کے سامنے اس کی اس حرکت کا کوئی جواب نہیں دیا جا سکتا تھا۔ وہ سر عام ان لوگوں کو چیلنج

”میری طرف آلڈرے میرے انتظار میں تھا۔

”میرا ایکس! میرا ایکس! میں کافی دیر سے فون پر بیٹھا تمہاری کال کا انتظار کر رہا

”اس نے پر جوش لجھے میں کہا۔

”کچھ میرا آلڈرے!“

”وہ واپس آگئی ہے۔“

”اُس کی حالت ہے اُس کی.....؟“

”اُنکل ٹھیک ہے۔ اُس کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہوئی۔ لیکن اُسے میری بات کا یقین

نہیں آیا ہے۔ جب میں نے اُسے بتایا کہ میں تمہیں آزاد کر رہا ہوں تو وہ ایک طنزیہ نہیں

نہیں کرو رہی تھی۔ بہر حال! یہ بات یقینی ہے کہ ڈیوک اُسے لے جا کر بھول گئے تھے۔ انہوں

نے ایک بار بھی اُس سے ملاقات نہیں کی۔“ آلڈرے نے بتایا۔

”اوکے میرا آلڈرے! تم اُسے کب میرے حوالے کر رہے ہو؟“

”اب جب تم کہو۔“

”لبی..... تو دیر کس بات کی ہے؟ آج شام کو چھبجے۔“

”پروگرام کیا رہے گا؟“

”ویرا، ڈرائیور گنجانی ہے۔ اور یقیناً تمہاری بیٹی این بھی۔ این کو کار دے دی جائے

گے۔ تم بھی دیرا کے سپرد ایک کار کر دو۔ ویرا اُس کا روکو سنسان اور بد لے بد لے راستوں پر

چلائے گی۔ ہم کسی بھی جگہ اُسے پک کر لیں گے۔“

”اور این.....؟“

”این اپنی کار میں تمہارے پاس پہنچ جائے گی۔“ میں نے جواب دیا اور آلڈرے چند

ماں کے لئے خاموش ہو گیا۔ پھر اُس نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

”مچھ منظور ہے۔ لیکن کیا تم اپنے وعدے کی پابندی کرو گے.....؟“

”ہاں.....!“ میں نے جواب دیا۔

”میں وعدے کے مطابق ویرا کو دس ہزار پاؤ ڈنڈ کے نوٹ بھی ڈوں گا۔“

”اُس کے لئے خصوصی شکریہ۔“ میں نے کہا۔ اور پھر سارے معاملات طے کرنے کے

لئے فون بند کر دیا۔ اُس کے بعد میں نے مارک کو اس پوری تفصیل سے آگاہ کیا۔

”میں نے گردن ہالی تھی۔ پھر اُس نے کہا۔

کر سکتا تھا۔

دفعہ مارک بولا۔ ”تم نے ڈیوک پر جو ضرب لگائی ہے، میرا خیال ہے ڈیوک البرٹر

ساری زندگی اُس کے بارے میں سوچا بھی نہ تھا۔ یہ اُس کے منہ پر طما نچے ہے اور ڈیوک

تو کھیوں کو بھی اپنے علاقے میں اُڑنے نہیں دیتا۔ اتنا ہی خطرناک ہے وہ۔“ مارک

مکراتے ہوئے کہا۔

”مارک! میں تم سے زیادہ بڑی بڑی باتیں نہیں کروں گا۔ لیکن تم دیکھو گے کہ ڈیوک!

خارش زدہ کتے کی مانند سڑکوں پر نہ نکال لاوں تو مجھے ڈینس مت کہنا۔“ میں نے کہا۔

مارک کے ہونٹوں پر مکراہٹ پھیل گئی۔

کافی دیر تک وہ مجھے محبت بھری نگاہوں سے دیکھتا رہا۔ اُس کے چہرے پر عقیدت

آثار تھے۔ پھر اُس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ ”یقیناً..... تمہیں دیکھ کر یہ بات نہیں!

ہے میرا ڈینس!“ اُس نے جواب دیا۔

”آلڈرے بھی جمک گیا ہے۔“

”اوہ..... کیا مطلب؟“ مارک نے دلچسپی سے پوچھا۔

”میری دوست ویرا، واپس آ رہی ہے۔“ میں نے جواب دیا۔

”اوہ..... بہت خوب۔ بڑی بات ہے۔ میرا خیال ہے، لائق کی جاہی کے بعد۔“

آلڈرے کے حواس جواب دے گئے ہوں گے۔

”اس کے ساتھ دس ہزار پاؤ ڈنڈ بھی۔“

”خوب..... کیا میرا آلڈرے کو لائق کی تباہی کے بارے میں علم ہے کہ اس میانہ

ہاتھ ہے؟“

”ہاں..... مکمل طور پر۔“

”مزہ آ رہا ہے کام کرنے میں۔ میرے لئے کیا حکم ہے چیف؟“ مارک نے پوچھا۔

”ابھی کچھ نہیں مارک! آج آلڈرے سے فائل بات ہو جائے گی۔ میں اُنے

حصول کے لئے تجاویز پیش کر دوں گا۔“

”آپ نے کیا سوچا ہے میرا ڈینس؟“

”بتابوں گا۔ ابھی مت پوچھو۔“

”اوکے..... اوکے۔“ مارک نے جواب دیا۔ ٹھیک بارہ بجے میں نے آلڈرے

”میرے سپرد کیا ڈیونٹی کی گئی ہے بس؟ اوہ..... سوری مسٹر مارک!“
”آلڈرے کی جانب سے ہر کارروائی کا اندازہ لگانا ہے۔ ظاہر ہے، وہ ڈیونٹ کا اپنے
ہے۔“

”مارک دل و جان سے حاضر ہے۔“ اُس نے جواب دیا۔ پھر بولا۔ ”ویرا کو پہلے باہر
کھاں چک کیا جائے گا؟“

”اسفل ناور کے نزدیک۔“

”اوکے.....!“ مارک بولا۔ اور پھر ہم دونوں اس سلسلہ کے مختلف پہلوؤں پر غور کرنے
لگے۔

ٹھیک ساڑھے پانچ بجے مارک نے کنشولین ڈیری کا ایک منی ٹرک میرے خواہ ار
دیا۔ اُس میں دودھ کے ڈبے لدے ہوئے تھے۔ میرے چہرے پر گھنی موچھیں تھیں اور پر
پرانا ہبست تھا جو مجھے لازمی طور پر کسی ڈیری فارم کا ملازم ظاہر کرتا تھا۔ اور میں ٹرک ار
چل پڑا۔ مارک اور اُس کے ساتھیوں نے دوسرا گاڑیاں سنبلہاں لی تھیں۔ پھر ہم اسفل ہاں
کی جانب چل پڑے۔ راستے میں ایک جگہ رکھ رکھے ہوئے تھیں۔

”چپرہ زرد نظر آ رہا تھا۔ ہم لوگ اُسے لئے ہوئے قید خانے میں پہنچ گئے۔ مارک باہر ہی
لگ گیا تھا۔ میں نے دوسرے کمرے میں جا کر لباس تبدیل کیا اور پھر ویرا کے سامنے پہنچ
گیا۔“

”ویرا نے مجھے دیکھا۔ لیکن اس انداز میں جیسے پہچانتی ہی نہ ہو۔“ ”ویرا.....!“ میں نے
لئے اُزادی۔

”اوہ، آپ..... آپ مسٹر ایکس ہیں؟“ ”ویرا نے کہا۔

”ویرا.....؟“ میں چونک پڑا۔ یہ ویرا کی آواز تو نہیں تھی۔ میرے ذہن میں ایک لمحے
سائے نہ نہیں چاہیا۔ گویا آلڈرے پوٹ کر گیا۔ لیکن پھر دوسرے لمحے میں سنبلہ گیا۔ میں
لئے اُسے دیکھتے ہوئے کہا۔

”تم ویرا نہیں ہو.....؟“

”مسٹر ایکس آپ ہی ہیں.....؟“

”میں..... یہاں سے تمہیں ان کے پاس لے جایا جائے گا۔ لیکن تم.....؟“

”میرا نام موکیا ہارپن ہے۔ میرے چہرے پر ویرا کا میک آپ کیا گیا ہے۔ مجھے ہدایت
کیا گیا۔“

”آپ کے بعد میں نے سرخ رنگ کی ایک کار دیکھی۔ جو ایفل ناور کے بالکل
نزدیک رکبی تھی اور اُس میں ڈرائیور سیٹ پر ویرا بیٹھی تھی۔ میں نے ایک گہری سانس لے
اور ٹرک میں آ بیٹھا۔

”مارک دل و جان سے حاضر ہے۔“ اُس نے جواب دیا۔ پھر بولا۔ ”ویرا کو پہلے باہر
کھاں چک کیا جائے گا؟“

”اسفل ناور کے نزدیک۔“

”اوکے.....!“ مارک بولا۔ اور پھر ہم دونوں اس سلسلہ کے مختلف پہلوؤں پر غور کرنے
لگے۔

”چنانچہ چھوڑی دیکھنے کے لئے ویرا کا ایک منی ٹرک میرے خواہ ار
کیا پہنچنے نہیں تھی۔ بہر حال! ویرا اُتر کر مارک کی گاڑی میں جا
گئی اور مارک نے کار آگے بڑھا دی۔ میرا ٹرک اور دوسرا گاڑیاں بدستور پیچھے گئی ہوئی
تھیں۔ میں نے اُو پر بھی دیکھ لیا تھا۔ تعاقب یہی کا پڑھ سے بھی کیا جا سکتا تھا۔ لیکن ایسی بھی
لگی۔ اس میں دودھ کے ڈبے لدے ہوئے تھے۔ میرے چہرے پر گھنی موچھیں تھیں اور پر
پرانا ہبست تھا جو مجھے لازمی طور پر کسی ڈیری فارم کا ملازم ظاہر کرتا تھا۔ اور میں ٹرک ار
چل پڑا۔ مارک اور اُس کے ساتھیوں نے دوسرا گاڑیاں سنبلہاں لی تھیں۔ پھر ہم اسفل ہاں
کی جانب چل پڑے۔ راستے میں ایک جگہ رکھ رکھے ہوئے تھیں۔

”اوکے.....!“ مارک نے اس طرح اُسے چھوڑنے کی مخالفت کی تھی۔ لیکن میں اُب کھل بدلنا چاہتا تھا۔
”اوکے.....!“ این کے سپرد ایک چوری کی کار کر دی گئی تھی۔ چڑیا کو پنجھرے سے آزاد کر دیا تھا۔

”اوکے.....!“ مارک نے اس طرح اُسے چھوڑنے کی مخالفت کی تھی۔ لیکن میں اُب کھل بدلنا چاہتا تھا۔
”اوکے.....!“ اگر این کو حاصل کر لیتا ہے اور کوئی فرماڈ کرتا ہے تو اس کا بھی مقصد تھا کہ وہ ویرا کو
حاصل کرنے کی الہیت نہیں رکھتا۔ چنانچہ ویرا کے سلسلہ میں این کو روکنا بیکار تھا۔ اور پھر اُس
معصوم لڑکی کو میں کوئی نقسان بھی نہیں پہنچانا چاہتا تھا۔ اس لئے میں نے اُسے چھوڑ دیا تھا۔

”اوکے.....!“ ایفل ناور کے منٹے کے لئے ویرا بند و بست بھی کیا جا سکتا تھا۔
”چھوڑی دیر کے بعد میں اسفل ناور کے نزدیک پہنچ گیا۔ مارک اور اُس کے ساتھی اُسے
تک پہنچ گئے تھے۔ میں نے ٹرک وہاں روک کر دودھ کی بوتلوں کا ایک پیکٹ انٹھیا اور ایک
طرف بڑھ گیا۔ میری نگاہیں چاروں طرف کا جائزہ لے رہی تھیں۔ جو وقت دیا گیا تھا، ان
کے پورا ہونے میں صرف ایک منٹ باقی تھا۔

”ٹھیک ایک منٹ کے بعد میں نے سرخ رنگ کی ایک کار دیکھی۔ جو ایفل ناور کے بالکل
نزدیک رکبی اور اُس میں ڈرائیور سیٹ پر ویرا بیٹھی تھی۔ میں نے ایک گہری سانس لے
اور ٹرک میں آ بیٹھا۔

کی گئی ہے کہ خود کو دیرا کھوں۔ اور اس قابل ہو سکوں کہ آپ کو دھوکہ دوں۔ مجھے یہ تجھے
گیا ہے کہ ممکن ہے، اس دھوکہ دی پر مجھے آپ لوگوں کے عتاب کا شکار ہونا پڑے۔ میں اس
کے لئے تیار ہوں۔“

لڑکی کا الجہ اور اس کا انداز انوکھا تھا۔ میں اسے تعجب سے دیکھتا رہ گیا۔ پھر میں

مارک کو اشارہ کیا اور مارک میرے قریب پہنچ گیا۔

”گڑ بڑ ہو گئی مارک....!“

”کیا چیف.....؟“

”لڑکی اصلی نہیں ہے۔ میک اپ کر کے دوسرا بھیج دی گئی ہے۔“

”ارے....!“ مارک اچھل پڑا۔ ”کیے پتہ چلا چیف.....؟“

”اس نے خود بتایا ہے۔“

”باپ رے باپ....پھر اب چیف؟“

”لڑکی کو بیاں تک لاانا غلط رہا۔ بہر حال! میں اسے عقیبی عمارت کی طرف لے جاؤ۔
ہوں۔ بعد میں سوچیں گے کہ کیا کرنا ہے۔“

”ٹھیک ہے چیف!“ مارک نے کہا۔ اور پھر وہ خود وہیں رُک گیا۔ میں لڑکی کو لے
مارت کے عقیبی حصے میں پہنچ گیا۔ اور پھر ایک گلری سے گزر کر ایک کمرے میں داخل ہو
گیا۔ لڑکی بدستور میرے ساتھ تھی۔ کمرے میں داخل ہونے کے بعد میں نے دروازہ بند کر
لیا۔ پھر میں نے لڑکی کو گھورتے ہوئے سخت لبجھ میں پوچھا۔

”پستول ہے تمہارے پاس....؟“

”نہیں....!“

”کوئی اور تھیمار....؟“

”ایسی کوئی چیز نہیں ہے۔“ اس نے جواب دیا۔

”لباس اتنا بڑا....!“ میں نے تھکمانہ لبجھ میں کہا۔ اس نے صرف ایک لفڑی
طرف دیکھا۔ اور دوسرے لمحے لباس کے بند کھولنے لگی۔ چند ساعت کے بعد اس کا لباس
ایک طرف پڑا تھا اور اس کے چہرے پر پتھروں کا ساسکوت تھا۔ میرے دل میں نفرت کا لام
کھول رہا تھا۔ اس لئے میں نے اس کی حالت پر توجہ نہیں دی۔ بہر حال! اس کے ذریعے
آلڈرے نے مجھے بے وقوف بنایا تھا۔

پھر میں نے آگے بڑھ کر اس کے لباس کو ٹھوٹا۔ دس ہزار پونٹ کے نٹوں کی گلڈیوں کے
باوجود اکی چیز نہیں تھی۔ جبکہ لباس میں نے اسی لئے انتروایا تھا کہ ممکن ہے اس میں کوئی
بیوی جو بھیرے خلاف آلڈرے کی مدد کر سکے۔

”لوٹ آلڈرے نے مسٹر ایکس کے لئے دیے ہیں۔“ لڑکی بولی۔

”میتوں! میں نے ایک صوفی کی طرف اشارہ کیا اور وہ تھکے تھکے انداز میں صوفے
بیٹھو۔“

”لڑک بڑھ گئی۔ اپنی عربیانی کا خیال کئے بغیر وہ صوفے پر بیٹھ گئی۔“

”کیا آلڈرے نے تم سے یہ بھی کہا تھا کہ ہمارے پاس پہنچنے کے بعد خود کو ظاہر کر دو؟“

”نہیں....! اس نے یہ نہیں کہا تھا۔ باس! یہ بتا دیا تھا کہ بہت جلد یہ پتہ چل جائے گا
میں ورنہ نہیں ہوں۔ ممکن ہے اس کے بعد مجھ پر تشدید کیا جائے۔ لیکن.... لیکن یہ میرے
لئے ہاتھ براشت تھا کہ میں انتظار کروں۔ اس لئے میں نے خود ہی بتا دیا۔“

”تم دیرا کو جانتی ہو....؟“

”نہیں....قطیعی نہیں۔“

”پھر تمیں اس کے بارے میں کیسے معلوم ہوا....؟“

”ختمہ بتایا گیا تھا۔“

”ہوں....!“ میں نے غراہٹ کے ساتھ کہا۔ ”اب تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا
بیٹھے ہوئے۔“

”جودل چاہے۔“ وہ مردہ سے لبجھ میں بولی۔ اور میں نے اس کی آنکھیں بھیگتے
بیٹھے۔ لیکن ان آنسوؤں نے مجھے متاثر نہیں کیا تھا۔ یہ بھی آلڈرے کی کوئی چال ہو سکتی
تھی۔ لڑکی ادا کاری بھی کر سکتی تھی۔ وہ خود کو مظلوم بنا کر پیش کر رہی تھی۔ کامیابی کے ساتھ
گل جانے کے لئے۔ لیکن میں آب دوسرے جاں میں مٹپل ہی سے پھنس سکتا تھا۔

”تم آلڈرے کی دھوکہ دی میں برابر کی شریک ہو۔“

”ہاں....!“ اس کے منہ سے گبری سانس نکلی۔

”یا تمیں اندازہ نہیں تھا کہ اس دھوکہ دی کے بدلتے تمہاری گردن بھی آلڈرے کو
کوئی جاستی بے....؟“

”کام ایسا کرنا چاہتے ہو تو کرو۔ مجھ سے کوئی سوال نہ کرو۔“ لڑکی نے جواب دیا۔ میرے

لہائی اس کا جائزہ لے رہی تھیں۔ لڑکی کا چہرہ، اس کا بدن ایسا نہیں تھا جس سے اندازہ لگایا

نے نظر انداز کر دیا تھا۔ وہ اُنھی اور پھر اُس نے مجھ سے بدن چڑائے بغیر، میرے نے ہمیں بس بہمن لیا۔ جیسے بدن پر بس ہونے نہ ہونے کی کوئی اہمیت ہی نہ ہو۔ بس ہمیں سامنے آگئی۔

”بھیو!“ میں نے کہا اور اُس نے تعمیل کی۔ ”ہاں! تو تم اس گروہ میں کیسے شامل
ہے؟“

”عام کی کہانی ہے۔ گھر بیلو حالات سے مجبور ہو کر ملازمت کے لئے نکلی۔ والد کا بیویت ہو گیا تھا جس میں اُن کی دونوں ٹانگیں کٹ گئیں۔ باقی کوئی ذریعہ معاش نہیں تھا۔ لارے ستر میں ملازمت کی۔ اُس وقت جوان اور خوبصورت تھی۔ جگہیں بدلتی رہیں۔ مسٹر جہاں ڈیوک کے بے شمار کام کرتے تھے، وہیں اس کے لئے خوبصورت لڑکیوں کا بڑیت کرنا بھی اُن کی ذمہ داری ہے۔ پھر ایک دن ڈیوک بیہاں آئے اور مسٹر آڈر رے نے مجھے اُن کے سامنے پیش کر دیا۔ ڈیوک مجھے اپنے ساتھ لے گئے اور کوئی روکنے والا تھا نہیں۔ ہاں! میں نے حتی المقدور احتجاج کیا تو میرے معدود باب پر کوئی رُک پڑھنکوادیا گیا۔ برابر چھوٹے سے بھائی کو سمندر میں غرق کرنے کی حکمی دی گئی اور میرا دماغ درست ہو گیا۔ ڈیوک ہر قسم کو صرف ایک بار عزت بخشتے ہیں، پھر بھول جاتے ہیں۔ اس کے بعد ”مری میں جب تک وہ دل کشی رہے، اُن کے استعمال میں رہتی ہے۔ اور جب وہ دل کشی کو بخشنچتی ہے تو پھر جس طرح زندگی گزارے۔ اگر اُس کی کارکردگی بہتر ہے تو اُسے کوئی ملازمت والائی حاکمیت کے۔ ورنہ..... ورنہ.....“

لڑکی بڑے صبر اور سکون سے یہ کہانی سنارہی تھی۔ اُس کے چہرے پر کوئی ناشرنہیں تھا۔
مگر خاصاً متاثر ہوا۔

”ایک تکلیف اور دوں گا تمہیں۔“
”جے...“

.....! میں رہی میں رہی میں رہی میں رہی

”تم دو سال البرٹو جزیرے میں رہی ہو؟“
”بان.....!“

”مگر اس کا نقشہ سمجھاؤ۔ کیا یہ تمہارے لئے ممکن ہے؟“

”بچھے اس کا نقشہ سمجھاؤ۔ کیا یہ تمہارے لئے ممکن ہے؟“
 ”کیوں نہیں؟ لاو! ایک کاغذ لاو۔ میں تمہیں پورا نقشہ بنایا کر دے سکتی ہوں۔ تھوڑی سی
 بہنکی سے واقف ہوں۔ یہ میرے اس وقت کا شوق ہے جب میں زندہ تھی۔“

جب اچاٹک میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ ”خیر چھوڑواں ہاتا جا سکے کہ وہ ایک اچھی زندگی گزار رہی ہے۔ تھکی تھکی ہی بیمار بیماری۔

بے پام میرے دوسوں پر رہتیں ہیں۔ یہ پورا و ان بالوں کو اپنا اعلیٰ تو وکھاؤ۔“ میں اس کے قریب بیٹھ گیا اور ایک کرسی گھسیٹ کر اس کے عین نامے پیوں گی میرے خیال میں یہ بات بھی اس کے لئے کافی تکلیف دہ ہونی چاہئے تھی کہ اس کے پر لباس نہیں ہے۔ اور کوئی اس کے اس قدر قریب بیٹھا ہے۔

لیکن انڑکی کے چہرے کے تاثرات میں کوئی تبدیلی نمودار نہ ہوئی۔ اُس نے دوسرے ہاتھوں سے اپنے چہرے سے ویرا کے خدوخال کی باسک اُتار دی۔ اندر سے جو چہروں پر آہواز و بے شک حسین تھا۔ لیکن سوکھے ہوئے گلاب کی مانند۔ اور یہ چہرہ تاثر چھوڑتا تھا جو متلوں کی تراش عمدہ تھی۔ لیکن وہ مر جھائی پتیوں کی مانند تھے۔ گال بچکے ہوئے تھے اور آنکھوں میں ویرانی یہاں بیوئی تھی۔

”مونیکا بارپن! تم آللرے کے گروہ میں کب سے ہو.....؟“
”تقریباً چار سال سے۔“ اُس نے جواب دیا۔

”کیا کرتی ہو.....؟“

"فقط کام..... جو بھی وہ میرے پر دکرے۔"

”مسٹر ایکس کے بارے میں کیا جانتی ہو.....؟“

”نام کے علاوہ کچھ نہیں۔“

ڈیکن البرٹ

”اچھی طرح۔“

خوب..... اُس کے جزیرے کو دیں

”دو سال وہاں گزارے ہیں۔“
 ”کیا واقعی.....؟“ میں اپنی دلچسپی کو نہ رُوک سکا۔ اور میرے ذہن میں فوراً ایک نیا
 آیا۔ اگر لڑکی بچ بول رہی ہے تو کام کی ثابت ہو سکتی ہے۔

”ہاں.....! میں وعدہ کرتی ہوں، ایک لفظ جھوٹ نہ کہوں گی۔ تم تصدیق کی حدود میں آنے کی کوشش کرو۔“

”چلو..... پھر تم سے باقاعدہ گفتگو ہو جائے۔ تم اس گروہ میں کس طرح شامل ہوئے۔ لیکن ٹھہراؤ! بس پکن لو۔“ میرا ذہن شگفتہ ہو گیا تھا۔ آئندھے کی حرکت کو پہنچ ساختے۔

”بہت شکریہ.....!“ میں نے کہا۔ اور چند ساعت کے بعد میں نے اسے ایک ہنری اور قلم وغیرہ فراہم کر دیئے۔ سکیل اور قلم کی مدد سے لڑکی نے پورے جزیرے کا نقشہ تابارے ایک ایک چیز واضح کر دی تھی۔

آلدرے سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس کی اس حرکت سے میں نے کتنا بڑا فائدہ اٹھا۔ بلاشبہ میرے ذہن سے تمام کدورت ڈھل گئی تھی۔ اس نے نقشہ مکمل کر لیا تو میں اس سے تفصیلات پوچھنے لگا۔ اور ان تفصیلات کو میں نے اچھی طرح ذہن نشین کر لیا اور پھر لیکر شکریہ ادا کرتے ہوئے بولے۔

”کیا تم مجھ سے ملاقات کے اس حصے کو حذف کر سکتی ہو؟“
”میں نہیں سمجھی.....!“

”یہاں سے جا کر آلدرے کو پورٹ ضرور دوگی؟“

”جا کر.....؟ تو کیا تم مجھے جانے کی اجازت دے دو گے؟“

”تم سے کیا کہا گیا تھا؟“

”یہی کہ اس کام کے سلسلہ میں میری زندگی کا چانس بہت کم ہے۔ جس شخص کے پاس مجھے بھیجا جا رہا ہے، وہ فطرتہ درندہ ہے۔ اصلیت معلوم ہونے پر ممکن ہے وہ فوراً میری گردن دبادے۔ میں ان سے وعدہ لے کر آئی ہوں کہ میری موت کے بعد دل سال تک میرے گمراہ والوں کو میری تختواہ ملتی رہے گی۔“

”ہوں..... تو پھر کیا خیال ہے؟“

”کیا تم واقعی مجھے جانے کی اجازت دے دو گے.....؟“

”تم ابھی جاسکتی ہو۔“ میں نے کہا اور وہ متjur کرنگا ہوں سے مجھے دیکھنے لگی۔ پھر آہستہ سے بولی۔ ”تو کیا مجھے مشرائیکس کے سامنے پیش نہیں کیا جائے گا؟“

”چھوٹے موٹے معاملات میں وہ بذابت خود حصہ نہیں لیتا۔“ میں نے کہا اور لڑکی گرد جھکا کر کچھ سوچنے لگی۔ پھر اچانک اس کے ضبط کا بندٹوٹ گیا۔ وہ اس طرح یہک بلکہ روئی کہ میں دبل گیا۔ لیکن میں نے اسے خاموش کرانے کی کوشش نہیں کی اور اسے رنے دیا۔ کافی دیر تک وہ روئی رہی۔ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ پھر آہستہ آہستہ خود ہی خاموش گئی۔

”تمہارا کیا نام ہے.....؟“ اس نے پوچھا۔

”پاکر.....!“ میں نے فوراً جواب دیا۔

”کیا تم نے میرے اوپر احسان نہیں کیا ہے پاکر؟ کیا تم نے غیر معمولی ہمدردی کا ثبوت تباہی کیا ہے؟“

”ایسی تو کوئی بات نہیں ہے مس ہارپن.....!“

”کیا ایک کمزور انسان، ایک طاقت ور انسان سے کچھ مانگنے کا حق نہیں رکھتا.....؟“

”بلاشبہ رکھتا ہے۔“

”پاکر.....! میں بے سہارا ہوں۔ میں بالکل بے سہارا ہوں۔ ساری دنیا کی طرف ہمیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتی ہوں۔ ایک بھی دوست نظر نہیں آتا۔ ہر چہرہ دشمن ہے۔ کسی کے لی میرم ہمیں آتا ہے تو وہ ڈیوک کا نام سن کر کان پکڑ لیتا ہے۔ لیکن تم اس سے خوف زدہ ہیں معلوم ہوتے۔“

”ہاں.....! میں اس سے خوف زدہ نہیں ہوں۔“

”میری کچھ مدد کر سکتے ہو.....؟“

”کہو.....!“

”مجھے ان کے جال سے نکال دو۔ مجھے اس اذیت کی زندگی سے نجات دلا دو۔“

”مجھے بناو.....! میں کیا کروں؟“

”دو کام..... یا تو مجھے قتل کر دو۔ یا پھر مجھے مردہ مشہور کر دو۔ میں گمانی کے کسی گوشے میں زندگی گزار دوں گی۔ میرے گھر والوں کو میری اس قربانی کا معاوضہ ملتا رہے گا۔ میں اورتے ان پر نگاہ رکھوں گی۔ میں..... میں..... کیا میں انسان نہیں ہوں؟ بولو.....! میں انسان نہیں ہوں؟“ اس نے روئی ہوئی آنکھوں سے مجھے دیکھا۔

”میں کچھ سوچنے لگا۔ لڑکی کی کہانی واقعی و لکھا دیتی۔ اس کی مدد کرنی چاہئے۔ چنانچہ میں سے کبھی سانس لی اور پھر گردن موڑتے ہوئے بولا۔ ”ٹھیک ہے مونیکا! تم محفوظ ہو۔“

”کس طرح.....؟“ اس نے سوال کیا۔

”تم خود کو آزاد سمجھو۔ جیسا کہ میں کہہ چکا، میں تمہارے چہرے پر پلاسٹک سرجری کرایا۔ گلے تک تمہارے خدو خال بدل جائیں اور وہ لوگ تمہیں کبھی نہ پہچان سکیں۔ اس طرح اُن لوگوں سے زندگی گزار سکتی ہو۔ اس بتت تک چاہو تو یہاں رہو۔ میں تمہیں نئی زندگی نہ رکھنے کا موقع فراہم گا۔“

بنا کے ساتھ روانہ کر دیا گیا تھا۔ انہیں ہدایت کر دی گئی تھی کہ جہاں آئڈرے سنز کی بیانات بیکھیں، وہاں بم مار دیں۔ خواہ گاڑیوں میں کوئی بھی ہو، کتنا ہی آدمی ہوں۔ پراہ بنما جائے۔ اور ہم آپرینش کے لئے تیار ہو گئے۔

پھر وقت مقررہ پر ہم بھی باہر نکل آئے۔ آئڈرے سنز سے تقریباً ایک فرلانگ دور کنٹرول میں ایک کار میں نصب تھا اور میں یہاں موجود تھا۔ مارک بھی مجھ سے زیادہ ذور نہیں تھا۔ پھر ہم نے پہلا بلاسٹ کیا۔ آئڈرے سنز کی عمارت میں پہلا خوفناک دھماکہ ہوا اور شیخوں کی آوازیں ذور دوڑتک پھیل گئیں۔ پھر دو منٹ کے وقفے کے بعد میں نے دوسرا دھماکہ کیا اور لوگ اس عمارت سے دور بھاگنے لگے۔

آنفانا وابس بھومون ہو گیا..... لوگ خوفزدہ نگاہوں اُس عمارت کی طرف دیکھنے لگے۔ پھر کچھ بعد گیر میں نے کئی دھماکے کے اور طوفان آ گیا۔ عمارت میں آگ لگ گئی تھی۔ ویسے بلیں جگہ تھی جہاں عمارتیں ذور دوڑتھیں۔ اس لئے دوسری عمارتیں متاثر نہیں ہوئی تھیں۔ اس عمارت کے دروازے، کھڑکیاں اچھل کر ذور دوڑتک جا رہی تھیں۔

مارے ڈانتا مانیسٹ بلاسٹ کرنے کے بعد میں نے کار شارٹ کی اور آئڈرے کی کوئی کاٹنے کا طریقہ چل دیا۔ نہ جانے آئڈرے کو عمارت کا خشر معلوم ہوا تھا یا نہیں؟ لیکن تھوڑی دیر کے بعد آئڈرے کی رہائش گاہ میں بھی قیامت آ گئی۔ یہاں ہونے والے دھماکے گوزیاہدہ نہیں تھے۔ لیکن پھر بھی کافی تباہی پھیلی تھی۔

مارت کے مکین بڑی طرح بدحواس ہو کر باہر بھاگے تھے۔ ان میں آئڈرے بھی شامل تھے اور میں نے این کو بھی دیکھا۔ آئڈرے نگلے پاؤں تھا۔ میرے ذہن میں فوری طور پر یہ لکھمی آئی تھی۔

”مارک!.....!“ میں نے آہستہ سے کہا اور مارک نہ جانے کیوں خوف زدہ نگاہوں سے لٹک رکھنے لگا۔

”کس جیف!.....!“ وہ آہستہ سے بولا۔
”ایکن کو پہچان کئے؟“

”بالا جیف!.....!“ مارک نے جواب دیا۔
”نہترین موقع ہے۔ کار کا نمبر تو بدلا ہوا ہے ہی۔ میرا خیال ہے اسے دوبارہ انخواہ کر لے۔“

مونیکا بار پن مجھے دیکھتی رہی۔ ”جس انہیں لور میرے پیروں میں جھک گئی۔“ میرے بیٹے کہندہ! تیرا یہ احسان ایک انکی زندگی پر ہوا۔ جو اپنی مرض سے سانس تک لے لیتے ہیں۔ ”وہ اپنے نکھلیں میرے پیروں پر رکانے لگی۔ لیکن میں نے اسے بازووں پر پھٹ کر کھڑا کر دیا۔

”چونکہ! اب تم میری بیٹا ہیں ہو۔ اس لئے ایک ٹھوس انسان کی حیثیت سے زندہ رہ کوئی سہارا بالمریکا غیس کر لتا۔ آرام کرو۔“ میں نے کہا اور پھر میں اسے اس کرے دی۔ چھوڑ کر باہر نکل آیا۔ ذہن کی قدر الجھن کا شکار تھا۔

باہر مارک سے ملاقات ہوئی۔ وہ بے چین نظر آتا تھا۔ ”ہیلو چیف!.....!“ اس نے اور میں نے اسے ایک کمرے میں لے جا کر تفصیل بتائی۔

”براسور نکایہ آئڈرے۔ کیا تم اس سے بات نہیں کرو گے؟.....؟“

”کروں گا..... بہت جلد۔“ میں نے جواب دیا۔ اور پھر مسکرا کر اس کی طرف دیکھتا ہوا۔ ”تمہیں آج ایک فہرست پھر نوٹ کرنی ہے۔ رات سونے سے پہلے ہمیں یہ چیزیں ہو جانی چاہئیں۔“

”حاضر ہوں!.....!“ مارک نے بھی مسکراتے ہوئے کہا۔ اور پھر میں اسے تفصیلات نہ کرانے لگا۔

چھنٹانے تھے۔ جن کے لئے مارک نے بھی اپنی خدمات پیش کی تھیں اور مارک کے پارے میں، میں نے فیصلہ کیا تھا کہ اب اسے ہر قیمت پر اپنے ساتھ ہی رکھوں گا۔ ایسا عمود خشن اور کہاں مل سکتا ہے لیکن ابھی نہیں۔ ابھی تو میرے ذہن میں پچھا اور پر چھایاں تھیں۔ کچھ اور خیالات تھے جنہیں پورا کرنے کے بعد ہی میں عملی زندگی میں آ سکتا تھا۔ اس لئے پہلے سے کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ نہ جانے حالات میرے لئے کون سارا ستمنج کرتے ہیں؟

پہلا نشانہ آئڈرے سنز کے دفتر کی عمارت تھی۔ شام کو چار بجے مارک، ملکہ ٹیلی فون کی گاڑی میں اپنے آدمیوں کے ساتھ گیا تھا اور اس نے عمارت کی ٹیلی فون وارنگ چک کی تھی۔ اس دوران میں اس نے اپنا کام پورا کر لیا تھا۔ اس کے بعد اس نے مسٹر آئڈرے کے مکان کے ٹیلی فون بھی درست کئے تھے۔ اور چھوٹے ڈانتا مک بکس بے آسانی آئڈرے کے مکان کے ٹیلی فون بھی درست کئے تھے۔ یہ ڈانتا مانیسٹ، ریڈی پو کنٹرول تھے۔ مارک نے نہایت ترتیب سے اُن کے نمبر سیٹ کئے تھے۔ اس کے بعد چند لوگوں کو دی

”بس، بس..... مجھ سے کہاں مت کرو۔ تم نے..... تم نے ہماری کوئی کوتاہ کر دیا ہے۔
بسا۔ بھی تم یہی کہو گے کہ یہ سب مسٹر آلڈرے کے ایماء پر کیا گیا ہے؟“ این روئی ہوئی
ہے۔ اور ان مخصوص لڑکی نے ایک بار پھر مجھے کشمکش میں بتلا کر دیا۔
”نہیں این! اب میں یہ بات نہیں کہوں گا۔“

”مجھ بناو.....! تم مجھے دوبارہ کیوں لے آئے ہو؟ کیا میرے ڈیڈی سے تمہاری دشمنی
ہے؟“
”ہے این.....!“
”کیوں..... آخر کیوں؟ انہوں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟“
”اگر تم خاموش ہو کر سنو تو بتاؤں۔“

” بتاؤ..... ہاں! بتاؤ۔“ وہ غرا کر بولی اور روتے روتے اس طرح پھر جانے پر مجھے بُخی آ
گئ۔ بہ حال! میں سخیدہ ہو کر بولا۔

”سنواں! تمہارے ڈیڈی نے میری ایک عزیز ترین لڑکی کو انخواہ کرایا ہے۔ میں نے
اُن کی کافی منت سماجت کی کہ مجھے وہ لڑکی واپس کر دی جائے۔ لیکن وہ نہ مانا۔ مجبوراً میں
لے چکیں تھیں بار انخواہ کیا۔ اور پھر اُس سے کہا کہ وہ دیرا کو واپس کر دے۔ تب اُس نے
وہ کیا اور کہا کہ میں این کو واپس کر دوں۔ لیکن اُس نے مجھے پھر دھوکہ دیا۔ ایک دوسری
لکھ پر دیرا کا میک اپ کرنے کے میرے پاس بھیج دیا گیا۔ اور میں نے تمہیں چھوڑ دیا۔ اب
اُن میں سے اس بد عہدی کی سزا کیوں نہ دیتا؟“

”این میری لفٹنگوغر سے سن رہی تھی۔“ کیا تم درست کہہ رہے ہو؟“
”ایک ایک لفظ!“ میں نے پر زور لجھ میں کہا۔

”میں ڈیڈی نے ایسا کیوں کیا؟ انہوں نے..... انہوں نے..... کیا وہ تمہاری محبوہ
بُخی؟“ این نے اُنچھے ہوئے انداز میں پوچھا۔
”بالا..... بُخی کچھ لو۔“

”تب تو تمہارا غصہ بجا ہے۔ مگر وہ کیا کہتے ہیں؟“
”کہتے ہیں کہ دیرا کو ڈیک برٹ لے گیا۔“
”اوہ..... مسٹر البرٹ اُس کا کیا کریں گے؟“
”میراں کی باشیں تم اپنے ڈیڈی سے پوچھنا۔“

”ونڈر فل.....! چلیں۔“ مارک نے کہا اور میں نے کار آگے بڑھا دی۔ عمارت میں اپر
بھی دھماکے ہو رہے تھے اور آلڈرے اس قدر بد حواس تھا کہ چاروں طرف سے بے نیاز ہو
گیا تھا۔ چنانچہ میں نے اطمینان سے کار، این کے قریب روکی۔ مارک پنجھے اتر اُسکے
ایک ہاتھ ایں کے منہ پر جمایا۔ دوسرے سے اُس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اُسے انخلایا اور پھر
برق رفتاری سے اندر ٹھوٹیں دیا۔ میں نے دروازہ بند کر کے کار آگے بڑھا دی۔
حالانکہ جس جگہ سے این کو انخواہ کیا گیا تھا، وہاں وہ تھا نہیں تھی۔ لیکن کوئی کے دھماکوں
سے لوگ اس قدر بوکھلائے ہوئے تھے کہ فوسی طور پر کوئی پچھہ بول بھی نہ سکا۔ اور پھر جب
وہ پنجھے تو کار بہت ذور نکل چکی تھی۔



این، پچوں کی طرح منہ بدور رہی تھی۔ جس وقت سے آئی تھی مسلسل روئے جاری
تھی۔ اب تک میں نے اُس پر کوئی توجہ نہیں دی تھی اور اپنے لوگوں کی واپسی کا انتظار کر رہا۔ پھر جب ہمارا آخری آدمی بھی واپس آگیا تو میں نے سکون کی سانس لی تھی۔ وہ سب اپنا
کام انجام دینے کے بعد بخیریت واپس آئے تھے۔

بلاشبہ آلڈرے کو تباہ دبریا دکھا کر دیا تھا اور مارک اور اُس کے ساتھیوں نے میری بھرپور
مدکی تھی۔ آلڈرے سے جود کی ہزار پونڈ وصول ہوئے تھے، وہ میں نے اسی وقت مارک اور
اُس کے ساتھیوں میں تقسیم کر دیئے۔ وہ اس گرال قدر معادوضے پر پھولے نہیں سارہے تھے۔
خود مارک کے چھے میں دہڑار پونڈ آئے تھے اور وہ بہت خوش تھا۔

”یقین کرو مسٹر ڈیسٹ! میں تمہیں خوش کرنے کے لئے نہیں کہر رہا ہوں۔ تمہارے ساتھ
کام کرنے میں جو مزہ آرہا ہے، وہ اس سے پہلے نہیں آیا۔ تم جس پھرتی سے بدھ لیتے ہیں
اس کا کوئی جواب نہیں۔ افوه..... یہ تو مسلسل روئے جاری ہے۔“ وہ بور ہو کر درمیان میں
بولا اور جھیجنگلائی ہوئی۔ لگا بہوں سے این کو دیکھنے لگا۔ میرے ہونتوں پر مسکراہٹ بھیل لگ۔
”تم جا گئے مارک... اب میں اس سے انفلکٹ کروں گا۔“ میں نے کہا اور مارک مجھے دیکھ کر
مسکرانے لگا۔

”اب تو اخلاق ختم ہوتا جا رہا ہے چیف! اس کے باپ نے بد عہدی کی ہے۔“ مارک
نے کہا اور کمرے سے نکل گیا۔ میں این کے قریب پہنچا۔
”بُخیلو این.....!“

چورڈوں گا۔ ہمیشہ بھیشے کے لئے۔ مجھے معاف کر دو۔“
کجا چاہتے ہو.....؟“

”میں تو تم ہو چکا۔ بری طرح تباہ ہو گیا۔ اب تو کچھ بھی نہیں رہا۔“
”بہن..... میں تمہارے لئے کیا کر سکتا ہوں؟“
”ایں مجھے واپس دے دو۔ میری بیٹی مجھے دے دو۔“ آلدرے بری طرح گھکھیا۔

”یرا کیا ہو گا آلدرے؟“ میں نے بھاری لمحے میں پوچھا۔
”آہ..... وہ میرے بس کی بات نہیں ہے۔ یقین کرو! وہ میرے بس کی بات نہیں ہے۔“
”میرے بس کی بات ہوتی تو میں تمہیں دھوکہ دینا پسند نہیں کرتا۔“ آلدرے نے بھراں اداز میں کہا۔

”لیکن اس کے بغیر میں تمہارے ساتھ تعاون کیسے کر سکتا ہوں آلدرے؟“
”سونماز ایکس..... سنو! تم یقین کرو کہ ویرا میری دسٹرس میں نہیں ہے۔ وہ ذیوک کے میں ہے۔ اگر وہ میری دسٹرس میں ہوتی تو کچھ بھی ہو جاتا، میں اُسے واپس کر دیتا۔ لیکن وہ میرے بس سے باہر ہے۔ تم یقین کرو! میں بالکل بے بس ہوں۔ میں کسی طور اسے سالبرٹ سے حاصل نہیں کر سکتا۔“

”لیکن یہ تو کوئی بات نہ ہوئی آلدرے! کہ میں تمہاری بیٹی واپس کر دوں اور ویرا، مجھے لے۔ ویرا، جو میری محبوبہ ہے۔“ میں نے جواب دیا۔

”آہ..... میں کیا کروں؟ آہ..... میں کیا کروں؟ میں نے زندگی میں سب سے بڑی ماہی کی ہے۔ افسوس..... اب کیا ہو گا؟ مجھے بتاؤ! تمہی بتاؤ کوئی ایسا حل جس تمara مقصود پورا ہو سکے اور میری ایں مجھے واپس مل سکے؟“

”تل تو بہت سے یہاں مسٹر آلدرے! لیکن.....!“
”لیکن کیا؟.....؟ لیکن کیا.....؟ ویرا کے علاوہ تم جو کچھ بھی کہو، میں حاضر ہوں۔“
”میں نے جواب دیا۔“

”آلدرے! ویرا اور صرف ویرا۔ لیکن اس سلسلے میں تم نے اپنی بے بُسی کا اظہار کیا ہے۔ سالبرٹ سے میں نے اپنا تعارف کرادیا ہے۔ میرا خیال ہے اب میں ویرا کے سلسلے میں سماں الات کروں گا۔ لیکن این کے حصول کے لئے تمہیں کچھ اور کام کرنا ہوں گے۔“

”اس کا مطلب ہے کہ ڈیڈی زیادہ اچھے انسان نہیں ہیں۔ دنیا میں کس پر بھروسہ کلتا ہے؟“ این افرادہ لمحے میں بوی۔ پھر کہنے لگی۔ ”اب تو ٹھیک ہے۔ اب میں روؤں گی۔ تم بھی تو کتنے پر بیشان ہوئے ہو گے۔ تم نے اچھا کیا کہ مجھے لے آئے۔ اڈیڈی کو بھی پر بیشان ہونے دو۔ ذرا خود انہیں بھی تو مزہ آئے۔ اوکے مسٹر ایکس! اب مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہے۔“

میں دل ہی دل میں سوچنے لگا کہ بھلا اس لڑکی کے ساتھ میں کوئی برا سلوک کس طرز سکتا ہو؟ پھر میں نے اُس سے کہا۔ ”میں مسٹر آلدرے سے گفتگو کروں گا۔ لیکن تم اپنے رکھو! تمہارے ساتھ پہلے بھی برا سلوک نہیں ہوا اور اب بھی نہیں ہو گا۔ میں بہت جلد تم واپس کر دوں گا۔“ این گردی ہلانے لگی۔

رات کو ہم کافی دیر سے سوئے تھے۔ مارک نے خود بھی شہر کا گشت کیا تھا اور اُس آدمی بھی خبریں وصول کرتے پھر رہے تھے۔ شہر میں کہرام چاہو تھا۔ اُس ایک رات ساٹھ آدمی ہلاک ہوئے تھے اور پورا شہر جھنم جانا ہوا تھا۔ پولیس نے سینکڑوں جگہ چھاپے باہے شارلوگوں کو گرفتار کر لیا تھا۔ بہرحال! آخری خبریں وصول کرنے کے بعد میں سوگا۔ دوسری صبح این بے حد مطمئن تھیں۔ ناشتے پر اُس نے مجھ سے میری محبوبہ ویرا کے بار میں بہت سی باتیں کیں اور مجھ سے اظہار بہرداری کیا۔ دن کو دس بجے میں نے میلی فوراً مارک کا آلفہ فٹ کیا۔ مجھے خدشہ تھا کہ آلدرے کے میلی فون خراب پڑے ہوں گے۔ رابطہ قائم ہو گیا۔ یقینی طور پر آلدرے نے فوراً فون درست کرایا ہو گا۔

”بیلول.....!“ آلدرے کی بھراں ہوئی آواز سنائی دی۔

”ہے آلدرے! کیا ہو؟“ میں نے چھکتے ہوئے کہا۔

”کون ہے..... کون؟ مسٹر ایکس؟“

”تمہارا خادم!.....!“ میں نے نرمی سے کہا۔

”معاف کر دو! خدا کے لئے ایک بار اور معاف کر دو۔ صرف ایک بار ایکس..... ایک بار۔“ آلدرے روپڑا۔

”ارے، ارے مسٹر آلدرے..... یہ تو بزرگی ہے۔ میدان میں آئے ہو تو جگ کر میں نے کہا۔

”نہیں، نہیں..... میں ہار مان چکا ہوں۔ میں شکست تسلیم کر پکا ہوں۔ میں.....“

میں نے بھاری لبجھ میں کہا۔

”ہاں.....ہاں، کہو.....کہو!“

”تم بالکل ہی فلاش تو نہ ہو گئے ہو گے۔ ہینکوں میں تمہارے پاس بہت کچھ ہو گا۔“

”ہاں ہے.....بولو! تم کیا چاہتے ہو؟“

”دولاٹھ پوٹھ۔“ میں نے جواب دیا۔

”دولاٹھ.....؟“ آلڈرے کے لبجھ میں تشویش تھی۔

”ہاں.....اس سے ایک پیسہ کم نہیں۔ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں، وہی ہونا چاہئے۔“ میر

نے جواب دیا۔

”ٹھیک ہے مسٹر ایکس! میں تمہیں یہ ادائیگی کرنے کو تیار ہوں۔ بولو! ادائیگی کیسے کروں

اور کس جگہ؟ جہاں تم کہو۔“

”لیکن این تمہیں اس باراتی آسانی سے نہیں مل جائے گی۔“

”میں ہر قیمت پر تمہاری شرط پوری کرنے کے بعد ہی این کوم سے حاصل کرنے

مطلوب کروں گا۔“ آلڈرے نے جواب دیا۔

”تو پھر یہ رقم مجھے کب مل جائی ہے؟“

”کل کسی بھی وقت۔ جب تم کہو۔“

”ٹھیک ہے مسٹر آلڈرے.....! کل دوپہر کو بارہ مجھے یہ رقم مل جانی چاہئے۔ سائیٹ

گیارہ بجے میں تمہیں جگہ کے بارے میں بتاؤں گا۔ لیکن اور باتیں بھی تم سے کرنا ہیں۔“

”کہو، کبو مسٹر ایکس! کہو،“ آلڈرے نے تھکی تھکی آواز میں کہا۔

”ویرا کا کیا معاملہ ہے.....؟“

”مم..... میں نہیں سمجھا؟“

”تم نے اسے اغوا کیوں کرایا تھا؟“

”اوہ.....ڈیوک کی طرف سے بدایت مل تھی۔“ آلڈرے نے جواب دیا۔

”ڈیوک کو اس کی ذات سے کیا لپیٹیں ہو سکتی ہے؟“ میں نے پوچھا۔

”ڈیوک کے معاملات بے حد پر اسرار نہوتے ہیں۔ ہینڈی فلپ اس کی اپنی نامہدی

اور ڈیوک چاہتا ہے کہ مسٹر وہن شارپ گلینڈی کی دولت ہینڈی فلپ کوں جائے۔“

البرٹ اس کے ساتھ یہ احسان کرنا چاہتے ہیں۔“

”اوہ، ذوب.....! گویا یہ احسان دوسروں کی حق تلفی کرنے پر کیا جا رہا ہے۔“ میں نے

”ہاں..... جو کچھ بھی ہے، تم یقین کرو، مجھے اس بارے میں کوئی معلومات حاصل نہیں میں تو ڈیوک کے ایک ادنی سے ملازم کی حیثیت رکھتا ہوں۔ اس سے زیادہ میری بچپن میں نہیں ہے۔“ آلڈرے نے جواب دیا۔

”گرانن کہاں ہے.....؟“

”گرانن.....؟“

”ہاں..... ویرا کا بھائی۔“

”یقین کرو، وہ ہاتھ نہیں آیا۔ آج تک اس کی تلاش جاری ہے۔“ آلڈرے نے جواب

”ہاں کیا پوزیشن ہے..... ویرا کا گھرانہ کیسا چل رہا ہے؟“

”کوئی خاص بات نہیں ہے۔ جنہیں مارا جانا تھا، وہ مارے جا چکے ہیں۔ صرف یہ بہن مانچے ہیں۔ انہی کو آخری نارگٹ بنایا جائے گا۔ ڈیوک اس چکر میں ہے کہ ان دونوں کو اٹک کر دے۔ اور اس کے بعد اپنا کام کرے۔ ویرا اور گرانن اس وقت ڈیوک البرٹ کے نے پر میں۔“ آلڈرے نے جواب دیا۔

”کیا ویرا کو ختم کر دیا گیا.....؟“ میں نے پوچھا۔

”نمیں..... ہرگز نہیں۔ میں تمہیں ایک بات بتاؤں گے۔ میں اسے مسٹر ایکس۔“

”کو.....!“

”ڈیوک بے حد لاپراہ ہے۔ وہ اپنی قوت پر بہت ناز کرتا ہے۔ ویرا اسے پسند ہے۔ اور کمال خانے میں بمحض ہو گی۔ اور جس وقت بھی ڈیوک کو اس کی طلب ہو گی، وہ اسے لے گا۔ اور اس کے بعد اس کی حیثیت ختم ہو جائے گی۔“

”نمیں..... تو گرانن ابھی ہاتھ نہیں آیا؟“

”نمیں.....!“

”کیا تمہیں ڈیوک کی طرف سے ہدایت ہے کہ گرانن کو تلاش کرو؟“

”ہاں..... ڈیوک کا کہنا ہے کہ گرانن بہر صورت! ایک آخری میرہ ہے۔ اسے حلات کا بچکا ہے۔ اس نے وہ ابھی تک نگاہوں سے پوشیدہ ہے۔ ورنہ وہ سامنے ضرور آ جاتا۔“

”ویرا، زندہ ہے.....؟“

”ہاں..... اس کی میں تمہیں گارنٹی دیتا ہوں۔“

”بس، ٹھیک ہے آلڈرے! تم کل بارہ بجے اپنا کام ختم کرو۔ اس کے بعد ہمارا تمہارا کھیل ختم۔ کیونکہ تم نے شکست تسلیم کر لی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی میں تمہیں آخر دارنگ اور دیتا ہوں۔“

”کیا.....؟“

”ڈیوک کے اور میرے معاملے میں آنے کی کوشش مت کرنا۔ تم شکست تسلیم کر پچھے بو

اور میں ہارے ہوئے لوگوں پر ہاتھ نہیں انھاتا۔ اور اگر اس کے بعد تم میرے اور ڈیوک کے درمیان آئے تو میں نہ صرف این کو بلکہ تمہارے پورے خاندان کو تباہ و بر باد کر دوں گا۔ جو

کچھ ہو چکا ہے، اس کے پارے میں تم اندازہ لگا پکھے ہو کہ میرے ہاتھ بھی مختصر نہیں ہیں۔“

”ایسا ہی ہو گا مسٹر ایکس! ایسا ہی ہو گا۔“ آلڈرے پوری طرح ہتھیار ڈال چکا تھا تب

میں نے فون بند کر دیا۔

کھیل تقریباً ختم ہو چکا تھا۔ اور اب نے کھیل کی تیاریاں تھیں۔ میرے ذہن میں ہی

یہی تھا کہ پہلے مسٹر آلڈرے سے دو دو ہاتھ کروں۔ اس کے بعد ہی ڈیوک کی جانب تجہ

دُوں۔ بہر صورت آلڈرے ہتھیار ڈال چکا تھا اور کل اس کی آخری کوشش بھی دیکھ لیا گئی۔

اس طرح میرے ہاتھ میں ایک اچھی خاصی رقم بھی آ جاتی جو میں مارک اور اس کے ساتھ

پر خرچ کرنا بہر صورت پسند بھی کرتا تھا۔ ابھی میرا اصل کام تو شروع بھی نہیں ہوا تھا۔ ان

سے پہلے تو میں اور بھی کچھ کرنا چاہتا تھا۔ اس کے بعد اپنی کوئی حیثیت بنانے کے باعث میں

سوچتا۔ چنانچہ دو لاکھ پونڈ کی رقم کافی تھی۔ اور اس سے بہت سے کام نکل سکتے تھے۔ ابتداء میں یہی مناسب تھا، اس کے بعد آئندہ جو کچھ بھی ہو۔ چنانچہ میں مطمئن ہو گیا۔

این میرے پاس مطمئن تھی۔ اچھی لڑکی تھی۔ اُسے احساں ہو گیا تھا کہ میرے ساتھ زیادتی ہوئی ہے۔ اس لئے وہ عجیب انداز میں پیش آئی تھی۔ اس وقت بھی کھانے کی بینہ وہ میرے ساتھ تھی۔ میں ڈیوک البرٹ کے سلسلہ میں سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ وہ کام

کھاتے رک گئی۔ میں نے توجہ نہیں دی تھی۔ اچانک اُس نے کہا۔ ”مسٹر ایکس!“

میں چونک کر اُسے دیکھنے لگا۔

”کیا بات ہے این.....؟“

”نم اپنی مجبوہ کے لئے اداس ہو؟“

”ہاں..... ہاں..... ہوں تو سہی۔“

”ڈیوک نے بہت زیادتی کی ہے تمہارے ساتھ۔ مجھے بتاؤ! میں تمہارے لئے کیا بنی؟ اگر میں یہ کہوں کرم مجھے چھوڑ دو، میں ڈیوک کو مجبور کیوں گی کہ وہ ویرا کو کسی طرح نہ لے آئیں۔ اگر وہ ویرا کو واپس نہ لائے تو میں وہ گھر چھوڑ دوں گی۔ اور میں آیا ہیں۔“ میں بہت ضدی ہوں۔ لیکن خطرہ ہے کہ کہیں تم اس بات کو غلط نہ سمجھ لو۔ تم سوچو!

”میں یہاں سے اس بہانے لکھنا چاہتی ہوں۔ لیکن مجھے بتاؤ! میں کیا کروں؟“

”اوہ..... اچھی این! تمہارا شکریہ۔ مجھے حیرت ہے کہ آلڈرے جیسے برے انسان کی بیٹی اچھی ہے۔“

”میں..... اگر میں تمہارے لئے کچھ نہ کر سکی تو میں بالکل اچھی نہیں ہوں۔“

”مگر تم کیا کرو گی؟“

”میں کیا بتاؤں؟ میری سمجھ میں کچھ بھی تو نہیں آ رہا۔“

”تم پریشان نہ ہو این! جو ہو گا، دیکھا جائے گا۔ ویرا کو لانا تو اب مسٹر آلڈرے کے بس بھی نہیں ہے۔“ میں نے کہا۔

”کیوں.....؟“

”مسٹر آلڈرے، ڈیوک البرٹ کے سامنے بے بس ہیں۔“

”اس وقت بے بس نہیں تھے جب انہوں نے اُسے وہاں پہنچایا تھا؟“ این جھلا کر لے۔

”وہ ڈیوک کے غلام ہیں۔“

”وہ بزرگ ہیں، اور کوئی بات نہیں ہے۔ لیکن میں بزرگ نہیں ہوں۔“

”کیا مطلب.....؟“

”میں خود بھی ڈیوک البرٹ سے مل سکتی ہوں۔ میں ڈیوک سے مل کر ویرا کی رہائی کی خرچ کر دوں گی۔“

”اس سے قبل کبھی ڈیوک سے ملی ہو؟“

”میں.....!“

”کیوں.....؟“

چکا تھا اور بلاشبہ آلڈرے پوری طرح تباہ و برباد ہو چکا تھا۔ اب اس کے پاس کچھ
اندازے میں اس بینک بلنس کے جو اس کے بینکوں میں تھا۔

اندازے میں اس بینک بلنس کے جو اس کے بینکوں میں تھا۔ اب اس کے بارے میں، میں قطعی طور پر مطمئن تھا۔ اور
میں نے ابتدائی طور پر جو کچھ کیا تھا، اس کے بارے میں، میں قطعی طور پر مطمئن تھا۔ اور
بزرے کا کام مکمل طور پر ختم ہو چکا تھا۔ لہذا مجھے ڈیوک کے خلاف کام شروع کر دینا

پڑا۔ میں دل ہی دل میں سوچ رہا تھا۔ اب آلڈرے کو چھوڑ کر صرف
کے بارے میں کارروائی کرنا تھی۔

”بڑے دن ٹھیک بارہ بجے آلڈرے، کیش لے کر میری مطلوبہ جگہ پہنچ گیا۔ اس کا سر
بیان تھا۔ مارک اور اس کے دیگر ساتھیوں نے پوری طرح قرب و جوار پر کنٹرول کر لیا
اگر میں یہ اندازہ ہو چکا تھا کہ بہر صورت! آلڈرے کے ساتھ اور کوئی نہیں ہے۔
بے بذاتِ خود یہ رقم لے کر آیا تھا۔

”بڑی طرف یہ رقم لینے میں خود ہی پہنچا تھا اور اس شکل میں تھا، جس میں پہلی بار
لے سے ملا تھا۔

”بیو مسٹر آلڈرے.....!“ میں نے اسے مخاطب کیا اور آلڈرے نے عجیب سے انداز
ٹھنڈی کاہا۔ پھر گردن جھکا کی۔ ”کیسے ہیں مسٹر آلڈرے آپ؟“
”میک ہوں۔“ اس نے مردہ سی آواز میں کہا۔
”ٹالائے ہیں.....؟“

”اہ..... چیک کرلو۔“ مسٹر آلڈرے نے بریف کیس کھوں دیا۔
”میک ہے مسٹر آلڈرے! میں تو بہر صورت! اعتقاد کرنے کا عادی ہوں۔ خواہ میرے
لیکن حد تک دھوک دیا جاتا رہے۔“

”ٹھنڈے ہنگوں ہے۔“ آلڈرے نے کہا۔
”لیکن تمہارا یہ افسوس دیرا کو واپس نہیں لاسکتا۔“

”اہ..... میں دیرا کو واپس نہیں لاسکتا۔“ آلڈرے نے آہستہ سے کہا۔
”میک ہے۔ لیکن اس کے باوجود تمہاری لڑکی اسی اتنی اچھی ہے کہ میں اس کے ساتھ
لیکن اسکو نہیں کر سکتا۔ این اب سے ٹھیک ایک گھنٹے کے بعد تمہارے پاس پہنچ جائے
بہر صورت! یہ ساری باتیں نہایت دلچسپ تھیں۔ آلڈرے کے نقصان کا تخفیف نہیں۔

”میں نے تمہیں بتایا تھا تاکہ ڈیوک نے مجھے بھی ڈیوک کے سامنے نہیں جانے دیا اور
کہنا ہے کہ ڈیوک زیادہ اب تھے انسان نہیں ہیں۔“

”تب ایں! میں بھی نہیں چاہتا کہ تم ڈیوک کے سامنے جاؤ۔“
”کیوں.....؟“

”میں یہ پسند نہیں کروں گا کہ تم جیسی تیک لڑکی کسی برے آدمی کے چکر میں پہنچ
جائے۔“

”لیکن میں جاؤں گی۔“

”ضد نہ کروایں! میں خود ڈیوک سے نہت لوں گا۔“

”نہیں..... مجھے ڈیوک پر سخت طیش آ رہا ہے۔ اپنی بیٹی کو وہ ڈیوک سے ڈور رکھنا چاہئے
ہے۔ لیکن دوسرا لڑکی پر انہیں رحم نہیں آیا۔“

”اُس شخص کی کسی برائی کی سزا تمہیں نہیں ملی چاہئے۔ تم وہاں نہیں جاؤ گی۔“ میں نے
کہا اور این کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔ وہ بے حد جذباتی ہو گئی تھی۔ پھر وہ مجھے گھوڑتے
ہوئے بولی۔

”تب کچھ میرے کہنے پر عمل کرو گے؟“

”کیا.....؟“ میں نے تعجب سے پوچھا۔

”میں تمہارے پاس رہوں گی۔ اور اور اس عرصے کے لئے تم مجھے اپنی محبوبہ کی
حیثیت سے رکھو گے۔ تم اپنی وہ ساری خواہشات پوری کر لینا جو تمہارے دل میں ہیں۔ میں
تم سے تعاون کروں گی۔ میں اس بات کا ذرا بھی برآنہیں مناؤں گی۔“

”این..... این! اس قدر جذباتی نہ ہو۔ تم نے میرے دل میں ایک مخصوص جگہ حاصل کر
لی ہے۔ میں تمہارے ساتھ کوئی بر اسلوک نہیں کر سکتا۔ پلیز! آب اس موضوع پر مجھے کوئی
بات نہ کرنا۔“ میں نے آخری الفاظ کسی قدر سخت لمحے میں کہے اور این نے سر جھکایا۔

”خبرات میں سخت ہنگامہ خیز سرخیاں جمالی گئی تھیں۔ پولیس کے مجھے پر لعن طعن کی گئی تھی
اور کہا گیا تھا کہ پولیس اس سلسلے میں کچھ بھی نہیں کر پا رہی۔ اور یہ بڑی افسوس تاکہ
بہت سے لوگوں کے بیانات شائع ہوئے تھے جنہوں نے پولیس پر زور دیا تھا کہ وہ بد
از جلد کچھ کارروائی کرے۔“

بھی ڈیوک البرٹ سے نہ ملتا تھا۔ اور بالآخر میں نے سوچ لیا کہ اب میں خود ہی بھی کے جزیرے پر جاؤں گا۔

ایک پانچ کی رقم میرے پاس تھی۔ اس لئے اخراجات کی کوئی پرواہ نہیں تھی۔ میں نے لے کے حوالے کر دی۔ مارک، این کو چھوڑ کر واپس آگیا تھا۔

یہ تو کافی رقم ہے،“ مارک نے بھولی ہوئی سانس کے ساتھ کہا۔
اہ..... دولاکھ پوٹ۔ یہ میں نے آئدرے سے وصول کئے ہیں۔“

اہ لا را.....!“ مارک نے سیٹی بھائی۔

نہیں مارک! یہ کچھ نہیں ہے۔ ابھی تو ہمیں بہت کچھ کرنا ہے۔ تم یہ رقم اپنے پاس رکھو ہے سارے اخراجات پورے کرو۔“

ام..... میں رکھوں.....؟“

اہ..... کیوں، اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟“

اہ..... لیکن چیف! کیوں نہ میں اسے کسی بینک میں جمع کراؤں؟ بہت بڑی رقم اگر مجھ سے غلط اخراجات ہو گئے تو تم جانو! دولت حاصل کرنے کے بعد انسان بہت خذاب ہو جاتا ہے۔“

تم خراب ہو جاؤ مارک! اور یہ رقم خرچ کر دو۔ مجھے پراہ نہ ہوگی۔ کیونکہ تم میری نگاہ کیسے کہیں زیادہ قیمتی ہو۔ میں اسے بنک میں رکھوانا مناسب نہیں سمجھتا۔ تمہیں آزادی ہوتا چاہو، خرچ کرو۔ کسی اور ذریعے سے اب تم ایک پیسہ بھی کمانے کی کوشش نہیں کرو۔ اور اب اس موضوع کو ختم کر دو۔ آئدرے چت ہو گیا ہے۔ اب میں ڈیوک البرٹ کو ناکرنا چاہتا ہوں۔“

مارک تمہارا غلام ہے۔ اور کسی بھی چیز کا خوف اُس وقت ہوتا ہے جب تک زندگی کو نہ ہماجائے۔ اور جب زندگی سے بھی زیادہ عزیز کوئی شمل جائے تو خوف کے سارے اُنہیں زندگی سے نکل جاتے ہیں۔“

تمہارا شکر یہ مارک.....! اب ہمیں اس سلسلہ میں کام کرنا ہے۔“

یہ خوب ہے چیف!

پہلیں جو سرگرمی دکھاری ہی ہے، اس میں ابھی تک تمہارا کوئی آدمی تو ہاتھ نہیں لگا؟“

لگا بھی نہیں..... تم بے فکر ہو۔“ مارک نے جواب دیا۔

”بہتر ہے.....“ آئدرے نے جواب دیا۔

”تمہیں یقین ہے نا؟“

”ہاں..... مجھے یقین ہے۔ کیونکہ تم میری طرح برے انسان نہیں ہو۔“ آئدرے انداز سے شرمندگی کا احساس ہو رہا تھا۔ میں نے رقم کا بیگ اپنے قبضے میں کیا اور جوڑ سے واپس پلٹ پڑا۔

مارک اور دوسرے لوگ میرا منتظر کر رہے تھے۔ چنانچہ میں ان کے ساتھ واپس پڑا۔ آئدرے اپنی کار میں روانہ ہو گیا تھا۔

واپس آنے کے بعد میں نے این کو اپنے قریب طلب کیا اور وہ مسکراتی ہوئی میر نزدیک آگئی۔ ”لیں مسٹر ایکس!“ اُس نے سوالیہ انداز میں میری جانب دیکھا۔

”ڈیزرا این.....! اب تم گھر واپس جاؤ۔“

”کیا مطلب.....؟“ این چونک کربولی۔

”ہاں.....! مسٹر آئدرے کو میں نے اب قطعی طور پر معاف کر دیا ہے۔“

”اوہ.....! لیکن اب میں گھر واپس نہیں جانا چاہتی۔“

”نہیں این! ضد نہ کرو، پلیز..... تم بہت اچھی لڑکی ہو۔ میں تمہیں کبھی فراموش نہ کروں گا۔ تم نے جس وفاداری کا ثبوت دیا ہے، اس لحاظ سے تم میری دوست کا درجہ اغتر کر گئی ہو۔“ میں نے کہا۔

”لیکن میں نہیں جاؤں گی۔“ اُس نے ضد کی۔

”این! تم یہاں نہیں رہ سکتیں۔ کیونکہ میں اب دوسرا ہکیل کھیلنے جا رہا ہوں۔“

”کون سا ہکیل؟“ این نے پوچھا۔

”ڈیوک البرٹ.....!“ میں نے جواب دیا۔

”ڈیوک البرٹ.....؟“ اُس نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

”ہاں..... لیکن ابھی تم اس کا تذکرہ کسی سے نہیں کرو گی۔“

”نہیں کروں گی۔ لیکن میں تمہیں ہمیشہ یاد رکھوں گی۔“ اُس نے آنسو بھری آنکھوں سے دیکھ کر کہا۔

میں نے مارک کو اشارہ کیا اور مارک اُسے نے کرچل پڑا۔ وہ این کو چھوڑنے جا رہا تھا۔

این چلی گئی۔ اور اب میں کمرے میں دڑاز ہو کر ڈیوک البرٹ کے بارے میں ہے۔

”کیوں..... اس کا امکان تو ہے۔“

”درacial بس! اول تو مارک نے کبھی کوئی خطرناک کھیل نہیں کھیلا۔ قم کمانے کے میرے ذرائع ناجائز ضرور ہے ہیں۔ لیکن براہ راست کسی جرم میں ملوث نہیں رہا۔ اس پولیس کے پاس میرا ریکارڈ نہیں ہے۔ اسی طرح میرے آدمی بھی پہلی بار یہ کارمانے کے دے رہے ہیں۔ اور میں نے محدود لوگوں کو اپنے ساتھ رکھا ہے، جن پر مجھے اختیار ہے۔ رہی اُس اسلج کی بات جو ہم نے ضرورت کے تحت خریدا ہے، اگر پولیس یہاں پہنچ جائی تو وہ لوگ نشاندہ نہیں کر سکتے کہ اسکے ہاتھ فروخت کیا گیا ہے۔“

”کیوں.....؟“

”چیف.....! اگر وہ لوگ پولیس کو یہ بتائیں گے کہ انہیں یہ آڈر کسی بوزٹی عورت دیا تھا اور مال بھی اُسی نے وصول کیا تھا، ایسی بوزٹی عورت جس کی عمر ستر سال سے کم ہے وہ بوزٹی عورت کون تھی؟“ میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

”وہ بوزٹی عورت کون تھی؟“ میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

”ایک غریب علاقے میں رہنے والی بے سہارا عورت۔ جس کا کوئی ذریعہ معاش نہ سکرتے ہوئے کہا۔“

”اور اس سے یہ کام لینے والا کون تھا؟“

”جیکن۔ جو ایک لاپرواہ سا آدمی ہے اور اکثر اُس کی مدد کرتا رہتا ہے اور اس ملکی ایک گندے سے مکان میں رہتا ہے۔ اس نے بڑی بڑی موجیں رکھی ہوئی ہیں اور اس ایک آنکھ خراب ہے۔“

”اور یہ جیکن کون ہے.....؟“

”تمہارا خادم۔“ مارک مسکراتا ہوا بولا۔

”گذ.....! چلو یہ بھی ٹھیک ہے۔ آب مارک! تمہیں دو یا تین دن کے اندر یہ پڑھنے کے ڈیوک البرٹ کے جزیرے پر مجھے تباہی جانا تھا اور وہاں مارک وغیرہ کا سہارا مشکل تھا۔ وہ بڑا چارہ وہاں میرے لئے کچھ نہیں کر سکتا تھا۔“

”اوہ..... واقعی؟“

”ہاں..... مارک، ہزار آنکھیں رکھتا ہے۔ یہ لانچیں ایری ڈیک پر رکتی ہیں اور اپنے ڈیک کے لئے ایک مخصوص سڑک تعمیر کی گئی ہے جہاں مقامی حکام تک کو جانے کی اپانی

”بیوی..... سڑک تک؟“ میں نے سوال کیا۔
”بیوی..... سڑک کے کنارے لکڑی کے گودام ہیں۔ اور ان گوداموں میں مقامی لوگ کام کرتے ہیں۔ اس سڑک کی نگرانی کی جا سکتی ہے۔“
”پروگرام سن لو مارک! تمہیں این ڈیک سے گزرنے والے ڈیوک کے آدمیوں میں کسی ایک کا انتخاب کرنا ہے جس کا قدو قامت اور خدو خال مجھ سے مطابقت رکھتے ہوں۔ ناچار کہ میں اُس کا میک آپ پر آبہانی کر سوں۔ ایسے کسی آدمی کا انتخاب کرنے کے بعد تم ل کا پیچھا کرو گے۔ اس جگہ کا پتہ لگاؤ گے جہاں وہ جاتا ہے۔ میں اُسے انفواء کرنا چاہتا ہیں۔“

”مارک کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ ”واہ.....! گویا تم اُس کا میک آپ کر کے ڈیوک کے بیٹے تک..... وہ اخدا کی قسم مسٹر ڈیک! تم کیا ہو؟ میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔“
”بلیں..... جتنا سمجھ لیا، اتنا ہی کافی ہے مارک! زیادہ سمجھنے کی کوشش بے کار ہو گی۔“ میں

”بلاکل ٹھیک چیف! مارک یہ کام بہت جلد انجام دے لے گا۔“ مارک نے جواب دیا۔
اور پھر وہ میرے پاس سے رخصت ہو گیا۔ میں نے ایک آسودہ سی سانس لی اور آرام کی پر دراز ہو گیا۔

جو فیلمہ میں نے کیا تھا، وہ یہی تھا کہ مجھے ڈیوک کے کسی آدمی کے میک آپ میں ڈیوک کے جزیرے تک پہنچنا تھا۔ اور اس کے بعد وہاں پہنچ کر اپنا کام کرنا تھا۔ بہر حال! یہ خطرہ تو بدل لیتا ہی تھا۔ اور مجھے اپنی صلاحیتیں بھی آزمائی تھیں۔ دیکھنا یہ تھا کہ میں کہاں تک دیماں ہو سکتا ہوں۔ چنانچہ مارک اس سلسلے کا اہم ترین کام کرنے روانہ ہو گیا تھا اور مجھے اُن کا انتظار تھا۔ میں جانتا تھا کہ اس کام میں وقت لگے گا۔ اس لئے میں خود کو پرسکون رکھنا پڑتا تھا۔ بہر حال! جزیرے پر مجھے تباہی جانا تھا اور وہاں مارک وغیرہ کا سہارا مشکل تھا۔ وہ بڑا چارہ وہاں میرے لئے کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

مارک نے اُسی شام مجھے اطلاع دی کہ وہ کاٹھ گوداموں کے ایک مزدور سے دوستی کرنے کے لئے ایک گہری نگاہ رکھتی جاتی ہے۔ اس لئے غیر متعلق لوگ وہاں مشکوک ہو سکتے

پیں۔

”ٹھیک ہے مارک.....! اس کے ساتھ ہی تمہیں کچھ اور انتظامات بھی کرنے گے۔“

”حکم چیف!“

”کچھ ایسی چیزیں، جو عام نہیں ہوتیں۔“

”مارک کے ہاتھ بہت لبے ہیں۔“ مارک نے جواب دیا۔

”افریقہ کے کچھ قبائل ایسی زہریلی سویاں رکھتے ہیں جنہیں ایک پانچ سے پچھوٹاہے ہے اور وہ بطور تھیار استعمال ہوتی ہیں۔ البرٹو پر مجھے چند ایسی چیزیں درکار ہوں گی۔“ سلسے میں جو کچھ بھی مل سکے۔“

”ہوں..... اور اس کے لئے میرا دوست پروفیسر ڈاؤڈی انتہائی کارآمد ہو گا۔“

”یہ کون ہے؟“

”ایک بخطی ڈکاندار۔ جس نے آدمی زندگی افریقہ کے جنگلات میں گزاری ہے اور وہاں کے بارے میں بہت کچھ جانتا ہے۔ سانپ پکڑتا ہے اور ان کے زہروں سے تریاں بنا ہے۔ ہر وہ چیز بناتا ہے جو افریقہ میں استعمال ہوتی ہے۔ اس نے ایک ڈکان بھی کھول رکھا ہے جہاں کچھ نہیں بیکتا، اور وہ بے چارہ عموماً فلاش رہتا ہے۔“

”خوب..... تم مجھے اُس سے ملا دو۔ لیکن کب ملاوا گے؟“

”آج ہی۔ کل سے تو میں مصروف ہو جاؤں گا۔“ مارک نے جواب دیا۔

”تب تو میں فوراً تیار ہو کر آتا ہوں۔“ میں نے کہا اور تھوڑی دیر کے بعد ہم دونوں ایک کار میں جا رہے تھے۔

☆.....☆.....☆

پیس کی سڑکیں روشنیوں میں نہائی ہوئی تھیں۔ لیکن خوف کی ایک نضا صاف محسوس کی جا نہیں۔ پولیس کی گاڑیاں جگہ جگہ نظر آ رہی تھیں۔ کسی بھی مشکوک شخص کو پولیس روک لیتی تھی اس کے کاغذات کی پڑتال ہونے لگتی تھی۔

مارک نے کئی جگہ مجھے متوجہ کیا اور میرے ہونتوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ ہماری تلاش میں زی کی پولیس حرکت میں آگئی تھی۔ بہرحال! ہمیں کسی نے نہ روکا۔ پروفیسر ڈاؤڈی کی ان دراصل ایک گندے علاقے میں تھی۔

یہ صین پیرس کا دوسرا روپ تھا۔ تنگ و تاریک گلیوں پر مشتمل یہ علاقہ ایشیاء کے کسی ماندہ ترین ملک کا ایک حصہ معلوم ہوتا تھا۔ ان سڑکوں پر صفائی کا مناسب بندوبست بھی لاتھا۔ چرے بھی پٹمردہ سے تھے اور بیہاں کے رہنے والے کھل کر نہیں مسکراتے تھے۔ مسٹر ڈاؤڈی کی ڈکان پر پہنچ گئے۔ ڈکان کیا تھی، ایک لمبی سی گلی تھی جو اندر ڈور تک چلی گئی۔ ڈکان کے اگلے حصے میں ایک بڑا شوکیس تھا۔ بھی شوکیس رہا ہو گا لیکن اب اُس پر کوئی نہیں تھا۔ ہاں! اُس کے اندر رنگ برلنگے جانور اور پرندے سچے ہوئے تھے۔ ایسے کچے پرندے، جو میں نے آج تک اس سے قبل نہیں دیکھے تھے۔ مثلاً کسی بڑی نسل کے بے کابدین اور آگے سے سور کی مانند لکنی اور چوپخ۔ یا چار ہاتھ پاؤں والی مرغی۔

پرانی ڈکان ایسی ہی بے تکی چیزوں سے بھری ہوئی تھی۔ مسٹر ڈاؤڈی کا کہیں پتہ نہ تھا۔ اس بنے دھڑک دھنگان میں داخل ہو گیا۔ یہ ڈکان میرے لئے کافی دلچسپ تھی۔

”مسٹر ڈاؤڈی.....!“ مارک نے زور سے آواز دی۔

”کون ہے.....؟“ کہیں سے ایک آواز سنائی دی اور ہم دونوں چونک کر ادھر ادھر بٹ لگے۔ ہم ڈکان کے ایک ایسے حصے میں پہنچ گئے تھے جہاں سے پوری ڈکان نظر آ سکتی۔

”مسٹر ڈاؤڈی.....!“ کہاں سے بول رہے ہیں؟“

”مسٹر ڈاؤڈی.....! آپ کہاں سے بول رہے ہیں؟“

ان کی کوئی اہم ضرورت رکی ہوگی۔ وہ اُسے پورا کرنے کے بعد واپس آئیں گے۔ آپ یعنی کریں مشرڈ نہیں! وہ حیرت انگیز انسان ہے۔ اُس کے سینے میں علوم کے خزانے پوشیدہ ہیں۔ لیکن وہ کمی کی دن کے فاقہ سے رہتا ہے۔ ظاہر ہے، اس دکان سے کوئی کیا خریدے گا؟“

”لیکن وہ اس لکڑی کے بکس کے نیچے کیا کر رہا تھا؟“ میں نے کہا اور لکڑی کا بکس اٹھا۔ نیچے مجھے دو جانور نظر آئے جن میں ایک لمبی تھی اور دوسرا میل کٹھ۔ لیکن دونوں کے چار ہیں کئے ہوئے تھے اور چھوٹی چھوٹی مٹی کی پیالیوں میں عجیب عجیب سے مصالحے رکھے ہوئے تھے۔

”اوہ..... مشرڈ وڈی تخلیق میں مصروف تھے۔“ مارک گہری سانس لے کر بولا۔
”کیسی تخلیق.....؟“

”آپ نے شوکیس میں عجیب و غریب جانور نہیں دیکھے؟ ایسا ہی ایک جانور اور تیار ہو رہا تھا۔ اب یہ نہیں معلوم کہ مشرڈ وڈی، نیل کٹھ کے بدن میں لمبی کی ڈم فٹ کر رہے تھے یا بلی کے گلے میں نیل کٹھ لٹکا رہے تھے۔“ مارک بنتا ہوا بولا۔

”اوہ.....! میں خود ان پرندوں اور جانوروں کو دیکھ کر جیران ہوا تھا۔ لیکن بڑی صفائی سے انہیں جوڑا گیا ہے۔“ میں نے کہا اور مارک بنتا رہا۔ پھر بیٹھنے کی جو بھی جگہ ملی، ہم وہاں بیٹھ کر وڈی کا انتظار کرنے لگے۔ تھوڑی دیر کے بعد مشرڈ وڈی آپسین سے منہ صاف کرتے ہوئے اندر آگئے۔ یقیناً وہ پچھکھا کر آئے تھے۔

”دونوں شریف آدمیوں کے لئے میں نے چائے منگوائی ہے۔ اور ہاں میرے دوست مارک! آپ مجھے یاد آگئے۔ لیکن افسوس! میں آج تک آپ کی رقم کا بندوبست نہیں کر سکا۔ امید ہے آپ مجھے تھوڑے دن کی مہلت اور دیں گے۔“

”آپ مجھے اس حیرتی رقم کا حوالہ دے کر بار بار شرمدہ کرتے رہیں گے مشرڈ وڈی! حالانکہ میں اس کے عوض آپ سے کئی کام لے چکا ہوں۔“

”اوہ..... مگر کون سے کام؟ مجھے یاد نہیں۔“

”وہ بعد میں بتاؤں گا۔ فی الحال میرے دوست ڈنیس سے ملاقات کیجئے۔“ مارک نے کہا اور بوڑھے نے لپک کر میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

”آپ سے میں کر بہت خوش ہوئی۔“ وہ مسکراتا ہوا بولا۔ اُس کا ہاتھ جیب کی طرف

”کوئی ضروری کام ہے کیا.....؟“ آواز پھر آتی۔ اور اس بار میں نے لکڑی کا ایک چکو بکس ہلتے ہوئے دیکھا۔ پھر بکس کے نیچے سے ایک ڈبل پتلا بوڑھا باہر نکل آیا۔ اس را ایک ذہنی ڈھانی پتلون اور قمیض پہنی ہوئی تھی۔ لیکن پتلون میں گھس لگی ہوئی تھی۔ سیدھے کھڑے ہونے سے پہلے کئی بار اُس نے درست کیا اور پھر مارک کو اور مجھے دیکھنے کا

”اوہ..... مشرڈ وڈی! آپ وہاں کیا کر رہے تھے؟“ مارک نے پوچھا۔

”تم سے مطلب پولیس والے ہو کیا؟“ اُس نے غصیلے انداز میں پوچھا۔

”شاید آپ مجھے پہچانتے نہیں مشرڈ وڈی! میں آپ کا پرانا دوست مارک ہوں۔“

”ہو گے مجھے پہچانے کی کوئی خاص ضرورت نہیں۔“

”میں آپ کے لئے گاہک لایا ہوں مشرڈ وڈی!“ مارک نے کہا۔ میں دلچسپ ٹاہوں سے بوڑھے کو دیکھ رہا تھا۔

”لائے ہو گے۔ میں کیا کروں؟ اس..... کیا کہا؟ کیا لائے ہو؟“ دفعۂ وہ چوک پڑا۔

”گاہک.....!“

”اور کمیشن مال فروخت ہونے سے پہلے مانگو گے۔ کیوں؟ ابے میں ایسے ہنگढہ دے خوف واقف ہوں۔ بعد میں گاہک کہے گا کہ کوئی چیز اسے پسند نہیں آئی اور اس..... میں اُس کا کچھ نہیں بگاڑ سکوں گا۔ لیکن افسوس میرے دوست! اس وقت میرے پاس پھوٹی کوڑا بھی نہیں ہے۔“

”آپ کو حیرت ہو گی مشرڈ وڈی! کہ میں آپ سے کوئی کمیشن نہیں وصول کروں گا!“ آپ کا گاہک کسی مال کو پسند کرنے سے پہلے آپ کو کچھ رقم ایڈوانس دے سکتا ہے، اس شرط پر کہ اگر اسے کوئی چیز پسند نہیں آئی تو ایڈوانس ضبط۔“ مارک نے کہا اور وڈی ہونقون کی طرح اُس کی شکل دیکھنے لگا۔ ”بولے! آپ کو منظور ہے مشرڈ وڈی؟“

”لاو..... ایڈوانس دو۔“ بوڑھے نے ہاتھ پھیلایا اور میں نے جلدی سے دو نوت ٹکڑا کر اُس کے پھیلے ہوئے ہاتھ پر رکھ دیئے۔ بوڑھے کا منہ حیرت سے کھل گیا تھا۔ اُس نے نوٹوں کی طرف دیکھا اور دوسرے لمحے اتنی لمبی چھلانگ لگائی کہ میں جیران رہ گیا۔ دوڑا چھلانگ میں وہ دکان سے باہر تھا۔ اور پھر وہ ایک طرف دوڑتا چلا گیا۔

”یہ کیا ہوا.....؟“ میں نے تعجب سے پوچھا۔

”کچھ نہیں..... ہمیں تھوڑی دیر انتظار کرنا پڑے گا۔ مشرڈ وڈی ایماندار آدمی ہیں۔“

رینگ رہا تھا۔ اور اُس نے نہایت صفائی سے ایک چھوٹا سا بسکٹ نکال کر منہ میں ڈال لیا۔ ”فرمائیے.....! میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟“ منہ میں پڑے ہوئے بسکٹ کی وجہ سے اُس کی آواز بدل گئی تھی۔ ہم نے بمشکل مسکراہٹ روکی۔

”مسٹر ڈنیس! آپ سے ایک لمبی خریداری کرنے آئے ہیں۔ میرا خیال ہے وہ آپ کو بہتر طور سے بتائیں گے۔“ مارک نے کہا۔ اور پھر اٹھتا ہوا بولا۔ ”اس لئے آپ کا تعارف مسٹر ڈوڈی سے کرایا ہے مسٹر ڈنیس! میرا خیال ہے اب میں چلوں۔ مجھے دوسرا کام کے لئے جانا ہے۔“

”ٹھیک ہے۔“ میں نے گردن ہلا دی۔

”میں ٹکسی سے چلا جاؤں گا۔ کار آپ رکھ لیں۔“ مارک نے کہا اور پھر ہم دونوں سے معذرت کر کے باہر نکل گیا۔ مسٹر ڈوڈی اب بھی موقع پا کر ایک آدھ بسکٹ نکال لیتے تھے۔ اُن کی جیب کافی بھولی ہوئی تھی۔ تب میں اُن کی جانب متوجہ ہو گیا۔

”مارک نے آپ کے بازارے میں بتایا ہے کہ آپ نے زندگی کا طویل عرصہ افریقہ میں گزارا ہے۔“

”اُس نے جھوٹ نہیں بولا۔“

”مجھے قدیم افریقی ہتھیاروں سے بہت دلچسپی ہے۔ اور میں آپ سے ایسے ہتھیار حاصل کرنا چاہتا ہوں۔“

”میرے پاس اُن ہتھیاروں کا بڑا ذخیرہ موجود ہے۔ آئیے! آپ کو دکھاؤں۔“ ڈوڈی نے کہا اور پھر وہ مجھے اپنی لمبی ڈکان میں گھمانے لگا۔ درحقیقت اس دکان میں بڑی بڑی نایاب چیزیں موجود تھیں۔ میں نے جو کچھ دیکھا، اُسے دلکش کر میں حیران رہ گیا تھا۔ ہڈیوں اور پتھروں سے بننے ہوئے قدیم ترین ہتھیار جو اس دور میں بالکل ناکارہ معلوم ہوتے تھے۔ لیکن ظاہر ہے، افریقہ کے اُن پسماندہ علاقوں میں جہاں جدید ترین ہتھیار نہیں پہنچتے تھے، ہمیں ہتھیار کافی مہلک ہوتے ہوں گے۔ تب میں نے مسٹر ڈوڈی کو سمجھایا کہ مجھے ان ہتھیاروں سے دلچسپی نہیں ہے۔ ہاں! افریقہ کے وہ ہتھیار جو زہری لمبی سوئیوں اور جڑی بسوئیوں سے تباہ ہوئے تھے، میرے لئے دلچسپی کا باعث ہیں۔“

”اوہ.....“ مسٹر ڈوڈی نے گردن ہلا کی۔ ”ایسے کچھ ہتھیار بھی میرے پاس موجود ہیں۔“

”مثلا.....؟“

”مثلاً افریقہ کے وہ قبائل جو زہری لمبی سوئیوں کو کھو کھلتے بانسوں میں رکھ کر پھونکا کرتے ہیں، میں نے انہیں جدید شکل دے دی ہے۔ میں نے ان کا سائز بھی چھوٹا کر دیا ہے اور ان کی کارکردگی بھی بڑھا دی ہے۔ چھوٹا سائز ہونے کی وجہ سے انہیں دور تک پھینکا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ جڑی بسوئیوں سے میں نے ایسی عجیب و غریب چیزیں تیار کی ہیں جو بے مہلک ہیں۔ لیکن دیکھنے میں کچھ نہیں لگتیں۔“ مسٹر ڈوڈی نے بتایا۔

”میں نے خوش ہو کر کہا۔“ یقیناً مسٹر ڈوڈی! مجھے ایسی ہی چیزوں کی ضرورت ہے۔“ ”تو پھر آؤ! میں تمہاری ضرورت پوری کروں۔“ مسٹر ڈوڈی نے کہا۔ انہوں نے ایک بڑا شیشی نکالی اور اُس میں سے غالباً کسی جانور کی لپک دار ہڈی سے بیا پھر پھٹلی کے سخت ہٹوں سے تیار کی ہوئی سوئیاں میرے سامنے رکھ دیں جن کے رنگ سفید تھے۔ لیکن اُن کے باریک حصوں پر بلکہ ہلکی سی نیلا ہٹ نظر آ رہی تھی۔

”یہ نیلا ہٹ.....“ مسٹر ڈوڈی نے مجھے وہ کانتے نما سوئیاں دکھاتے ہوئے کہا۔ ”یہ بلاہت اتنی خوف ناک ہے کہ اگر کسی ہاتھی کے بدن میں بھی یہ خوف ناک سوئی گھس جائے تو خود کی دیر کے بعد سک سک کر دم توڑ دے گا۔ کیا میں تمہیں ان کا تجربہ کر کے لگاؤں؟“

”ابھی نہیں مسٹر ڈوڈی! ویسے یہ تجربہ میں ضرور کروں گا۔ ان کے علاوہ اور کچھ چیزیں، ان کے بارے میں آپ نے کہا تھا۔“ میں نے کہا اور ڈوڈی گردن ہلاتا ہوا بولا۔

”بے شمار..... بے شمار۔ تم انہیں دیکھ دیکھ کر عاجز آ جاؤ گے۔ ارے! ڈوڈی نے اور کیا، لیا ہے اس کے علاوہ؟ مختلف قسم کے زہر یا کیڑے مکوڑوں کے جسموں سے زہر حاصل کیا ہے اور ان کے زہر سے مختلف قسم کی ایسی چیزیں ایجاد کی ہیں کہ تم حیران رہ جاؤ گے۔ مثلاً انہیں کو گے تو لطف نہیں آئے گا۔“ مسٹر ڈوڈی نے کہا اور لکڑی کی ایک سلامی نکال کر نچوٹی شیشی میں بھرے ہوئے سیال میں ڈبوئی اور دوسرے لمحے اُسے ایک لکڑی کے پر لگا دیا۔

میں نے دیکھا، جہاں سلامی پھرتی چلی گئی، لکڑی کا ٹکڑا لگتا چلا گیا۔ اور جس سلامی عویسیال پیدا کیا گیا تھا وہ بالکل بے جان ہو کر رہ گئی تھی۔

”یہ ہے اس کی خاصیت۔“ مسٹر ڈوڈی نے کہا۔ اور اگر تم اسے کسی چیز پر لگا دو گے تو وہ

کسی شخص کامنی الصیر سمجھوں۔ جب میں سمجھ لیتا ہوں تو پھر وہ کام کرنے میں مجھے
لماں نہیں آتی۔

”لیکن مسٹر ڈاؤڈی! میرے ذہن میں ایک اور پروگرام ہے۔ اگر آپ کو ناگوار نہ ہو تو
نہ کرذول؟“

”غور، ضرور..... اس میں ناگواری کی کیا بات ہے؟ اور پھر تم نے مجھے کافی پیسے
بیان دیئے ہیں۔ افوه.....!“ ڈاؤڈی کو جیسے کچھ یاد آ گیا۔ اور پھر اس نے جلدی سے ایک
جیب سے نکال لیا۔ لیکن اس بار میری نگاہیں اُس بکٹ پر پڑ گئی تھیں۔ چنانچہ اُس نے

پیسے انداز میں بکٹ دوبارہ جیب میں رکھ لیا۔
”مسٹر ڈاؤڈی..... پلیز! آپ بکٹ کھا سکتے ہیں۔“ میں نے کہا اور اس نے جلدی سے
جیب سے نکال کر منہ میں رکھ لیا۔

”آئی ایم دیری سوری۔ مجھے بہت افسوس ہے۔ ارے ہاں، ہاں..... وہ کمخت ابھی تک
بے لے کر نہیں آیا..... ارے ہاں! لے آیا، لے آیا۔ افوه..... میرا دوست مارک چلا گیا۔
نامے پاچے بھی نہیں پی۔ افوه! میں بھی کتنا کم عقل ہو گیا ہوں۔ یادداشت تو بالکل ہی بے
ارکو کرہ گئی ہے۔ لیکن میرا بھی کیا قصور ہے؟ تمہیں معلوم ہے کہ میں نے تین دن سے
جنیں کھایا تھا۔“ مسٹر ڈاؤڈی نے کہا اور میں جیران رہ گیا۔

”لیکن کیوں.....؟“

”کیوں کا کیا سوال ہے؟ یہ پیرس ہے پیرس..... بیہاں شیشے کے شوکیسوں میں جگہ گاتی
ٹائیزیاں اور ایسی ہی دوسری چیزیں فردخت ہوتی ہیں۔ اب قدیم افریقہ کے نوادرات
عکے دلچسپی ہے؟ لوگ قدامت سے نفرت کرنے لگے ہیں۔ بہر صورت! مجھے کسی سے کوئی
ذمہ نہیں ہے۔ ہاں! میں نے جس پیشے کو اپنایا ہے، اس سے میں کسی قیمت پر نہیں ہٹوں
اُنچا ہے بھوک سے ایڑیاں رکڑ کر مر جاؤں.....“

میں نے مسٹر ڈاؤڈی کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ یوں گفتگو کا یہ سلسلہ ختم ہو گیا تھا۔
چنانچہ میں سمجھ چکا تھا کہ مسٹر ڈاؤڈی ایک مفلوک الحال شخص ہے۔ چنانچہ میں نے جیب سے
لساں کی ایک بڑی گذی نکالی اور اسے ڈاؤڈی کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔ ”مسٹر ڈاؤڈی!
لیکن معنوں کی رقم ان سوئیوں کی تیاری اور آپ کے مصارف میں کام آئے گی۔ آپ میری
خوبی ایشیاء تیار کر دیں۔ اور ہاں! جو بات میں آپ سے کہنے والا تھا، وہ یہ تھی کہ کیا یہ ممکن
ہے کہ وہ تمہیں پسند آئیں گی۔ دراٹی امیرے لئے سب سے مشکل کام یہ ہے۔“

مگر سڑ کر ختم ہو جائے گی۔ ٹھوڑی دیر کے بعد تم اس لکڑی ہی کو دیکھنا۔ حالانکہ زہر لکڑی کے
بے جان ریشوں کے لئے بے ضرر ہوتا ہے۔ لیکن یہ زہر..... جانتے ہو یہ زہر دل کی کار
شیل ہے۔ یوڑھے ڈاؤڈی نے تباہی اور میں دلچسپی سے اُسے دیکھنے لگا۔

بلاشبہ میرے کام کی چیزیں تھیں۔ لیکن اس انداز میں، میں ان چیزوں کو نہیں رکھ سکتا تھا۔
چنانچہ میں نے مسٹر ڈاؤڈی سے کہا۔ ”مسٹر ڈاؤڈی! اگر میں ان چیزوں کو ایک اور شکل دیے
کی کوشش کروں تو اس سلسلے میں کیا آپ مجھ سے تعاون کر سکتے ہیں؟“

”مثلاً.....؟“ مسٹر ڈاؤڈی نے کہا۔

”مثلاً یہ سوئیاں ایک ایسے فاؤنڈیشن پین سے چینکی جائیں جو بال پوائنٹ سسٹم پر ہو۔ اس
میں ایک طاقت ور پرنسپ کو اس انداز میں فٹ کیا جائے کہ وہ پرنسپ، پین کے نچلے حصے میں
ایک چیزبر بنا کر فٹ کیا جائے۔ اور پھر پرنسپ کو اس انداز میں فٹ کیا جائے کہ وہ پرنسپ
اُس بال پوائنٹ سے کوئی مخصوص بٹن دبانے سے ایک سوئی باہر پھینک دے۔ کیا ایسا ممکن
ہے؟“

”ہوں.....“ مسٹر ڈاؤڈی، ٹھوڑی سمجھانے لگے۔ پھر بولے۔ ”بالکل ممکن ہے۔ اور بالا
یہ طریقہ جدید ترین ہو گا۔ تم نے مجھے بڑا اچھا آئینڈا دیا ہے۔ میرا خیال ہے میں ایسا بال
پوائنٹ تیار کر سکتا ہوں۔ یہ کون سی بڑی بات ہے؟“

”تب پھر میرا آرڈر نوٹ کر لیجئے مسٹر ڈاؤڈی! میں آپ سے ایک ایسا بال پوائنٹ تیار
کرانا چاہتا ہوں۔ اس کے علاوہ سوئیوں کا ایک وسیع ذخیرہ بھی مجھے درکار ہوگا۔“

”میرے پاس بہت سی ایسی سوئیاں ہیں۔ اور اگر تمہیں اُن سے بھی زیادہ درکار ہیں
میں انہیں تیار کر سکتا ہوں۔“

”باقی رہاں شیشی کے سیال کا مسئلہ تو میرا خیال ہے اسے بھی کسی ایسے بال پوائنٹ
فاؤنڈیشن پین میں بھر دیا جائے جسے کسی پریشر کے ذریعے باہر پھینکا جاسکے۔“

”ہوں.....ٹھیک ہے۔ میرا خیال ہے، میں تہارا مقصد سمجھ چکا ہوں۔ لیکن تم مجھے
مہلت دو گے.....؟“

”یا آپ کی مرضی پر منحصر ہے مسٹر ڈاؤڈی! آپ مجھ سے ایک ہفتہ لے سکتے ہیں۔“

”ایک ہفتہ کافی ہو گا۔ میں تمہیں چاروں کے اندر تہماری مطلوبہ اشیاء فراہم کر دیوں گا۔
اور مجھے یقین ہے کہ وہ تمہیں پسند آئیں گی۔ دراٹی امیرے لئے سب سے مشکل کام یہ ہے۔“

بُناری اُسے اس حال میں لے آئی ہے۔ ورنہ دوسری شکل میں شاید شہر کے خوب صورت نے میں اس کا کوئی شوژوم ہوتا۔ اور لوگ، نوادرات کے شوچین بڑے بڑے لوگ اس کی بنا کے اردوگرد منڈلا یا کرتے۔ لیکن میرے کام کرنے کا اپنا انداز ہے۔ اور مجھے یہی انداز ہے۔ اچھا..... تو خدا حافظ! تم جاؤ۔ میں اسی وقت سے تہارے کے کام میں مصروف ہو یہ۔ ڈوڈی نے کہا اور مجھے سے ہاتھ ملایا۔ پھر میں باہر نکل آیا۔ اتنی سی دیر کے لئے اگر یہی سے ملاقات ہوئی تھی تو پھر مارک کی موجودگی کیا بُری تھی؟ لیکن مارک کو درحقیقت!

بُنام ہے جو اس نے اس وقت کرنا تھا۔ اور یہ برانہ تھا۔

بُنام کے دو بالا کرنے کے لئے پولیس کے دستے جگہ جگہ تعینات تھے اور یہ بھی شامل تھی۔ اس فضا کو دو بالا کرنے کے لئے رہائش گاہ کی طرف چل پڑ۔ راستوں کی وہی میں نے باہر آ کر اپنی کارشارٹ کی اور اپنی رہائش گاہ کی طرف چل پڑ۔ راستوں کی وہی بیت تھی۔ شہر کی رونقیں برقرار تھیں۔ لیکن ان رونقوں میں ایک بُلکل سی خوف و ہراس کی یادی شامل تھی۔ اس طور پر کارروائی کر رہے تھے۔ وہ کسی قیمت پر ڈیوک کے اٹھی میٹم کو رد کرنا چاہتے تھے۔ اس شخص کو گرفتار کر کے ڈیوک کے حوالے کرنا چاہتے تھے جس نے یہ تمام حرکت کی تھی۔ لیکن ظاہر ہے، یہ کام اُن کے لئے آسان نہیں تھا۔

میں اطمینان سے اپنی رہائش گاہ پر پہنچ گیا۔ اور پھر آرام کرنے لیٹ گیا۔ جو کچھ کر کے آیا، اس سے پوری طرح مطمئن تھا۔ اور اب تک جو کچھ کرتا رہا تھا، وہ بھی میرے لئے تسلی ٹھا تھا۔ چنانچہ اس سلسلے میں سوچتا ہوا میں سو گیا۔ اب دو تین دن تک کوئی کام نہیں تھا۔ لیے اس کے کہ مارک اپنا کام انجام دے لے۔ مارک جیسا بہترین دوست اور ذہین زندگانی مشکل ہی سے مل سکتا تھا۔

”سرے دن کے معمولات میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔ لیکن صبح ہی صبح مارک کے آدمیوں نے مجھے بڑی دلخراش خبریں سنائیں۔ انہوں نے بتایا کہ آدمی رات کے بعد یہیں میں ایک اہم بھونچال آ گیا تھا۔ ڈیوک البرٹ نے اپنے آدمیوں کے ذریعے شہر کے مختلف حصوں کا باہمی پھیلائی ہے۔ انہوں نے تقریباً تیس یا چالیس افراد کو قتل کر دیا ہے۔ یہ وہ لوگ ٹھکراؤں کی نگاہ میں مشتبہ تھے یا پھر عام طور سے اس قسم کے افراد تھے جنہیں ڈیوک سے پہنچتی تھی۔ اُن میں کئی پولیس آفسر بھی تھے۔ اور ایسے کئی لوگ بھی جو بُرے صورت! پیرس میں بیانیں حیثیت رکھتے تھے۔“

پولیس، ڈیوک البرٹ سے مذاکرات کر رہی ہے۔ اعلیٰ عہدیداران اُس سے درخواستیں

ہے کہ آپ کوئی ایسا فاؤنڈیشن تیار کر دیں جو میری پسند کے عین مطابق ہو، یا پھر اس مسئلہ کی اور کسی مدد لی جائے؟ یعنی سویاں تو آپ سے خریدی جائیں اور اس قسم کی مشین دوسروں سے تیار کرائی جائے۔“

”مناسب سوال ہے۔ لیکن اس سلسلے میں آپ مجھے ایک مہلت تو ضرور دیں گے رُٹنیس!“ ڈوڈی نے کہا۔

”جی ضرور..... وہ کیا، فرمائیے؟“ میں نے سوال کیا۔

”میں نے آپ سے کہا تھا کہ میں چار دن کے اندر آپ کو یہ اشیاء تیار کر کے دے دوں گا۔ چنانچہ آب میں اس وقٹے میں تخفیف کر لیتا ہوں۔“

”یعنی.....؟“

”یعنی یہ کہ آپ آج کا دن چھوڑ دیں۔ کل اور پرسوں کا دن مجھے دے دیں۔ اسے بعد تیسے دن آپ تشریف لے آئیں۔ میں یہ اشیاء آپ کو تیار کر کے دے دوں گا۔ اور اُوہ آپ کو پسند نہ آئیں تو پھر آپ اپنی مرضی کے مطابق کسی سے بھی بناؤ بیٹھ جائیں گا۔ اس کے اسے آپ کو مزید دو دن مل جائیں گے۔ جس کے دوران میں نے آپ سے کام کرنے کا وعدہ تھا۔“

”اوہو..... مجھے اتنی جلدی بھی نہیں ہے۔ اگر آپ کا خیال ہے کہ آپ یہ چیزیں بہتر طور پر تیار کر سکیں گے تو پھر آپ ہی انہیں تیار کریں۔ میں نہیں چاہتا کہ میں دوسروں سے بھی کا لوں۔ آپ مجھے ذہین آدمی معلوم ہوتے ہیں۔“

”اتھی بڑی رقم دیکھ کر شاید میری ذہانت بڑھ جائے گی۔ لیکن آپ یہ مت سمجھنے کا کہہ بھی پاگل کر دے گی۔ میں نے بہت کچھ دیکھا ہے۔ لیکن ہاں! اس دور میں تو یہ چند روز بھی بڑی حیثیت رکھتے ہیں جو تم نے مجھے ایڈوانس کے طور پر دیئے تھے اور جن سے میں تین دن کے بعد فاقہ توڑا تھا۔ چنانچہ مطمئن رہو! میں تمہاری مرضی کے مطابق تھاڑا مطلوبہ اشیاء فراہم کروں گا۔ اور اگر اس میں ناکام رہا تو بُرے صورت! تمہارا مقصد پورا کر۔ میں تمہارے ساتھ بھر پور تعاون کروں گا۔“ ڈوڈی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”ٹھیک ہے مسٹر ڈوڈی! تو میں آج سے تیسے دن آپ کے پاس پہنچ جاؤں گا۔“

”میں تمہارا منتظر رہوں گا۔ اور اطمینان رکھو! ڈوڈی ایک ایماندار شخص ہے اور

”اوہ..... تو تم اس کے بارے میں تفصیل معلوم کر کے آئے ہو؟“
 ”بہت زیادہ تو نہیں۔ لیکن اتنی ضرور کہ کام پڑ جائے۔ اس سے پہلے بھی ایری ڈیک پر
 بیکی لانچیں آتی رہتی ہیں۔ یہ لانچیں مختلف کاموں سے آتی ہیں۔ بعض لانچیں جزیرے
 پر پیش کی ہوتی ہیں اور یہاں سے خریداری کر کے لے جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ
 کاموں سے بھی لانچیں آتی رہتی ہیں۔ لانچوں سے آنے والے یہاں کئی کئی روز تک
 مرتے ہیں۔ اور اس دوران وہ پرس کی تفہیمات میں بھی دلچسپی لیتے ہیں اور مختلف
 بیوں میں قیام کرتے ہیں۔ جس شخص کامیں نے انتخاب کیا ہے، اُس کا نام پینڈک ہے۔
 ایسا ہے جزیرے کا پرچیز آفسر ہے۔ اُس کے ساتھ اُس کا دوست رینک ہے۔ دونوں
 بیوں پالنیر میں قیام کیا ہے۔ پانیز رومن نمبر گیارہ.....“

”کافی ہے مارک.....!“ میں نے گہری سانس لے کر کہا۔
 ”آپ کیا پروگرام ہے مسٹر ڈنیس؟“
 ”پہلے میں اس پر ایک نگاہ ڈال لوں۔ آج مسٹر ڈوڈی میرا کام کمکل کر رہے ہیں۔“
 ”اوہ..... اُس سے دوبارہ ملاقات ہوئی تھی؟“

”ہاں..... واقعی شاندار آدمی ہے۔ اگر وہ اس گندے علاقے کو چھوڑ کر جدید دنیا میں آئے اور جدید حلقوں سے روشناس ہو جائے تو نہ جانے کیا بن سکتا ہے۔ خوبی یہ ہے کہ میں
 نا اسے ایک چھوٹی سی مشینری بنا فک کئے کہا تھا۔ اُس نے وہ اتنی شاندار بنائی ہے کہ
 نہیں آتا۔ اور اس میں سو فیصدی اُس کی کاؤشیں ہیں۔“

”میں نے کہا تھا کہ وہ انوکھا آدمی ہے۔ تو آپ اُس سے مطمئن ہیں؟“
 ”کمل طور سے۔ آج میں اُس سے ڈیوری لے لوں گا۔“
 ”بہت سمجھا۔ پھر آپ.....؟“

”میرا خیال ہے، ایک نگاہ اپنے دوست کو دیکھ لیا جائے۔ اس کے بعد میں ڈوڈی کے
 بیان جاؤں گا اور اُس سے ڈیوری لے لوں گا۔ پھر ہم اپنے دوسرے پروگرام پر عمل کریں
 گے۔“

”ایک بات پوچھنے کو دل چاہ رہا ہے مسٹر ڈنیس.....!
 ”ہاں..... پوچھو!“
 ”میں نہیں سمجھتا، آپ نے اپنے پروگرام کو آپ تک مجھ سے کیوں پوشیدہ رکھا ہے؟“

کر رہے ہیں۔ اور ان تمام خبروں کو اخبارات سے چھپایا گیا ہے اور ان میں سے کوئی نہ
 اخبارات میں شائع نہیں ہوئی۔ ڈیک البرٹ نے اپنا کام آدمی رات کے بعد شروع کیا تھا
 اور یہ کام صبح سات بجے تک جاری رہا۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے آدمی سمیٹ لئے تھے
 اور آب چونکہ پولیس افران ان سے رابطہ قائم کئے ہوئے ہیں اس لئے یہ کام رُک گیا ہے۔
 دیکھنا یہ ہے کہ اس کے بعد یہ سلسہ کب تک جاری رہتا ہے۔ ڈیک، پولیس افران کی بارے
 میں لیتا ہے یا پھر اس کے بعد وہی قتل عام شروع ہو جائے گا؟

یہ خریں سن کر مجھے خاصی حیرانی ہوئی تھی۔ کیونکہ بہر صورت! فرانس کی حکومت اپنی ایک
 الگ حیثیت رکھتی تھی۔ اور کسی بھی شہر میں یا کسی بھی ملک میں کسی ایسے آدمی کی گنجائش نہیں تو
 جو حکومت سے اس طرح انتقام لینے پر تسلی جائے۔ آخر ڈیک پر کیا بلا؟ میری سمجھیں کہ
 نہیں آتا تھا کہ مقامی حکام تک اُس سے اس طرح خوفزدہ کیوں تھے؟

میرے دل میں ڈیک سے ملنے کی خواہ تیز تر ہوئی جا رہی تھی۔ نجات مارک کو کتنا
 وقت لگے گا؟ بہر صورت! کسی بھی کام کے لئے ضروری اقدامات تو کرنا ہی ہوتے ہیں۔ اور
 ان اقدامات میں وقت بھی لگتا ہے۔ چنانچہ مجھے صبر کرنا تھا۔

لیکن سارے کام برق رفتاری سے ہو رہے تھے۔ تیرے دن مارک نے مجھے خربنائی۔
 ”مسٹر ڈنیس! بالآخر کام بن گیا.....“
 ”کیا مارک.....؟“

”ڈیک البرٹ کی ایک لانچ، ایری ڈیک سے آگئی ہے۔“
 ”اوہ، گذ.....! اس کے علاوہ؟“
 ”مطلوب کا آدمی بھی مل گیا ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے مسٹر البرٹ نے خاص طور سے آپ
 کی جماعت کے آدمی کا انتخاب کیا ہے۔“

”بہت خوب مارک! لیکن کیا تم نے کام ادھورا چھوڑ دیا؟ تمہیں اس کے بارے میں
 پوری معلومات مہیا کرنا تھیں۔“

”میرے کام ادھورے نہیں ہوتے مسٹر ڈنیس! میں نے جب اپنے مطلب کا انسان
 تلاش کر لیا تو وہ جگہ چھوڑ دی۔ اور اس کے تعاقب میں چل پڑا۔ اس کے علاوہ میں نے تم
 سے ملنے کی جلد بازی بھی نہیں کی اور پہلے اپنا کام پورے طور پر کر لیا۔ اس کے بعد تمہارے
 پاس پہنچا۔“

بہر حال! میرے دل میں بڑی خواہش ہے کہ آپ کا پروگرام معلوم کروں۔“

”اوہ، مارک! تم سے پوشیدہ رکھنے کی بات نہیں ہے۔ دراصل! یہ پروگرام ٹکروں کی عقل میں رہا ہے۔ اور میں نے اسے حالات کے حوالے کر دیا تھا۔ میں نے اس کے لئے ایک تھا بانا ضرور بننا تھا۔ لیکن پورے طور سے یہ بھروسہ نہیں تھا کہ حالات میری مرضی کے طبق ڈھلنے جائیں گے۔ بہر حال! دیرا کو آئڈرے نے انواع کیا تھا۔ حالانکہ اس لڑکی سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔ لیکن بہر حال! اُس کا انواع میرے لئے چیلنج بن گیا ہے۔ آئڈرے بے بس ہو گیا اور میں نے اُس سے معاوضہ وصول کر لیا۔ اور وہ آب کسی قابل نہیں رہ گیا ہے۔ اس لئے میرا اُس سے جھگڑا ختم ہو گیا۔ لیکن ڈیوک! میں اُسے نہیں چھوڑوں گا۔“

”لیکن اُس کے لئے آپ کیا کریں گے؟“

”کچھ نہیں..... فی الحال تو میں البرٹو جاؤں گا اور ڈیوک کے کسی آدمی کے میک آپ میں جاؤں گا۔“

”تہما.....؟“

”ہاں مارک..... اول توہاں کسی دوسرے کی گنجائش نہیں ہے۔ ہوتی تب بھی میں کسی کو وہاں لے جانا پسند نہیں کرتا۔ ایسے معاملات، جن کا تعلق میری اپنی ذات سے ہو اور جن میں زندگی کے خطرات ہوں، ان سے میں خود ہی غمٹا پسند کرتا ہوں۔“

”میری گنجائش نہیں تکلیف مسٹر ڈین.....؟“

”نہیں ڈیزیر مارک! میں تمہارے اوپر پورا اعتماد کرتا ہوں۔ لیکن اس معاملے میں، میں تمہیں اس حد تک ملوث نہیں کر سکتا۔“

”کسی قیمت پر نہیں؟“

”نہیں ڈیزیر مارک! یہ میرے اصول کے خلاف بات ہو گی۔“

”اگر دوسرے آدمی کے میک آپ میں، میں چلتا تو مجھے بے حد خوشی ہوتی۔“

”مارک.....! میرا ایک اصول یہ بھی تھا کہ جو کچھ بھی کروں، تہما ہی کرو۔ لیکن تم اتنے نیس انسان ہو مارک! کہ میں نے اپنایہ اصول توڑ لیا ہے۔ آئندہ بھی تم میرے ساتھ ہیار گے مارک! ممکن ہے، تھوڑے بہت عرصے کے لئے مجھے تم سے جدا ہونا پڑے۔ لیکن اس کے بعد.....؟“

”بہر حال! میں آپ سے زیادہ اصرار نہیں کروں گا مسٹر ڈین! لیکن اگر میرے لئے کوئی

”بہن ہوتے ضرور نکالیں۔“

”لیز بارک! اس سلسلے میں مجھے یکسوئی سے رہنے دو۔“

”اوے سر.....!“ مارک نے کہا۔ اور پھر بولا۔ ”آب میرے لئے کیا حکم ہے؟“

”کیوں نہ ہم جل کر اسے دیکھ لیں؟“

”ٹھیک ہے.....!“ مارک نے جواب دیا اور ہم دونوں تیار ہو گئے۔

ٹھوڑی دیر کے بعد ہم دونوں ہوٹل پاس پہنچ گئے۔ میں نے میک آپ بدل لیا تھا۔

نور میں میک آپ ایک شاندار ہبہار تھا۔ اور پھر مجھے خصوصی طور پر اس کی تربیت دی گئی

تھی۔ میک آپ میں جدید ترین مہارت رکھتا تھا اور ایسے میک آپ کر سکتا تھا جو

بے نی، میک آپ میں جدید ترین مہارت رکھتا تھا اور ایسے میک آپ کر سکتا تھا جو

بے نی، میک آپ میں جدید ترین مہارت رکھتا تھا اور ایسے میک آپ کر سکتا تھا جو

بے نی، میک آپ میں جدید ترین مہارت رکھتا تھا اور ایسے میک آپ کر سکتا تھا جو

بے نی، میک آپ میں جدید ترین مہارت رکھتا تھا اور ایسے میک آپ کر سکتا تھا جو

بے نی، میک آپ میں جدید ترین مہارت رکھتا تھا اور ایسے میک آپ کر سکتا تھا جو

بے نی، میک آپ میں جدید ترین مہارت رکھتا تھا اور ایسے میک آپ کر سکتا تھا جو

بے نی، میک آپ میں جدید ترین مہارت رکھتا تھا اور ایسے میک آپ کر سکتا تھا جو

بے نی، میک آپ میں جدید ترین مہارت رکھتا تھا اور ایسے میک آپ کر سکتا تھا جو

بے نی، میک آپ میں جدید ترین مہارت رکھتا تھا اور ایسے میک آپ کر سکتا تھا جو

بے نی، میک آپ میں جدید ترین مہارت رکھتا تھا اور ایسے میک آپ کر سکتا تھا جو

بے نی، میک آپ میں جدید ترین مہارت رکھتا تھا اور ایسے میک آپ کر سکتا تھا جو

بے نی، میک آپ میں جدید ترین مہارت رکھتا تھا اور ایسے میک آپ کر سکتا تھا جو

بے نی، میک آپ میں جدید ترین مہارت رکھتا تھا اور ایسے میک آپ کر سکتا تھا جو

بے نی، میک آپ میں جدید ترین مہارت رکھتا تھا اور ایسے میک آپ کر سکتا تھا جو

بے نی، میک آپ میں جدید ترین مہارت رکھتا تھا اور ایسے میک آپ کر سکتا تھا جو

بے نی، میک آپ میں جدید ترین مہارت رکھتا تھا اور ایسے میک آپ کر سکتا تھا جو

بے نی، میک آپ میں جدید ترین مہارت رکھتا تھا اور ایسے میک آپ کر سکتا تھا جو

بے نی، میک آپ میں جدید ترین مہارت رکھتا تھا اور ایسے میک آپ کر سکتا تھا جو

بے نی، میک آپ میں جدید ترین مہارت رکھتا تھا اور ایسے میک آپ کر سکتا تھا جو

تھا۔ بلاشبہ! اُس نے جس شخص کا انتخاب کیا تھا، وہ ہو، ہمیری جامست کا تھا۔ اور اُس کے چہرے کی بناوٹ بھی ایسی تھی کہ میں بہ آسانی اُس کی شکل کا میک آپ کر سکتا تھا۔ میرا کام پورا ہو گیا تھا۔ چنانچہ میں نیچے چل پڑا۔ میں سیڑھیوں سے اترتا تھا۔ مارک بھی سیڑھیوں پر عی مل گیا۔ مجھے دیکھ کر ٹھہر گیا۔

”دیکھ لیا.....؟“ اُس نے پوچھا۔

”ہاں.....!“

”ویسے وہ نیچے گیا ہے۔ اگر اور دیکھنا چاہیں تو نیچے چلتے ہیں۔“ مارک نے کہا اور میں نے ہاتھ اٹھا دیا۔

”نہیں مارک! میں اُسے دیکھ چکا ہوں۔ بس! ٹھیک ہے۔“ میں نے کہا اور ہم دونوں واپس سیڑھیوں سے اتنے لگے۔ ”تم نے فون پر کیا کہا تھا؟“ مارک کی طرف بڑھتے ہوئے میں نے کہا۔

”اوہ..... میں نے اُس سے کاؤنٹر میٹر کی طرف سے کہا تھا کہ ایک خاتون آپ سے ملاقات کرنا چاہتی ہیں۔ میں جانتا تھا کہ نیڈر رک کے کمرے میں پہلے سے دلوڑ کیاں موجود ہیں۔ اس لئے وہ کسی تیرسری خاتون کو یہاں نہیں بلائے گا اور خود آجائے گا۔ چنانچہ یہاں ہوا۔“

”سمدہ.....!“ میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ اور پھر ہم دونوں کا رکے قریب پہنچ گئے۔ ”اب تمہارا کیا پروگرام ہے مارک؟“

”بس مسٹر ڈینس.....! میں تو یہاں رکوں گا۔ حالانکہ اس کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن بھی بھی میں اسے کسی قیمت پر مس نہیں کرنا چاہتا۔“ مارک نے جواب دیا اور میں کار میں بیٹھ گیا۔ کار شارٹ کر کے میں پکھ آگے بڑھا۔ اب مجھے مسٹر ڈینس کی بہائش گاہ پر جانا تھا۔ تھوڑی دیر کے لئے میری کار پیرس کے اُس گندے علاقے میں پہنچ گئی جہاں مسٹر ڈینس کی دکان تھی۔ ظاہر ہے، میں اُن کا واحد گاہک تھا۔ اور آج کل وہ صرف میرے لئے کام کر رہے تھے، اس لئے وہ مجھے منتظر ملے۔ مجھے دیکھ کر کھل اٹھے تھے۔

”سب کچھ تمہاری پسند اور مرضی کے مطابق۔ میں نے تجربے کا بندوبست بھی کر لیا۔“ گرائیں تین کتے پکڑ کر لایا ہے جن میں ایک کتا مسٹر ہولدن کا تھا۔ کمخت نے ایک بار میری پتلون پھاڑ دی تھی۔ اُس وقت سے میری اُس سے دشمنی چل رہی ہے۔“

”بہت خوب..... تو آپ اس پر تجربہ کریں گے۔“ میں نے مسکرا کر کہا۔
”قیباً.....! اس سے بہتر موقع کون سا ہو گا؟ آم کے آم ٹھیکیوں کے دام۔“ مسٹر ڈینس
نم پڑے۔

پھر میں نے پوچھا۔ ”گرائیں کون ہے؟“

”میرا ملازم..... آؤ! چلتے ہیں۔ میرا گھر دکان کے عقب میں ہے۔ لیکن ہمیں یہ پوری
ٹریٹ گھوم کر عقب میں پہنچتا ہو گا۔“ مسٹر ڈینس نے کہا اور میں اُن کے ساتھ چل پڑا۔
دکان مسٹر ڈینس کی نے یونی چھوڑ دی تھی۔ ظاہر ہے، اگر کوئی اس دکان میں چوری کی کوشش
نہیں کرتا تو کیا لے جاتا؟ تھوڑی دیر کے بعد وہ مکان کے دروازے پہنچ گئے۔ ”آ جاؤ.....
اڈر آ جاؤ!“ اُس نے کہا اور میں اُس کے ساتھ اندر پہنچ گیا۔ مسٹر ڈینس کا مکان بھی عجائب
گرم تھا۔

”آپ کے دوسرا اہل خانہ مسٹر ڈینس.....؟“ میں نے پوچھا۔

”صرف خانہ ہے۔ جس میں اہل خانہ صرف دو ہیں۔ یعنی میں اور گرائیں۔ گرائیں کو بھی
برے پاس آئے زیادہ عرصہ نہیں گزرا۔ اور پھر وہ بھی انوکھا ملازم ہے۔ صرف روٹی اور
پکرے سے دلچسپی رکھتا ہے۔ اس کے علاوہ اُسے کسی اور چیز کی ضرورت نہیں۔ میں تین دن
نالے کرتا ہوں تو وہ چار دن کے لئے تیار رہتا ہے اور مجھے اُس جیسا ملازم دوسرا نہیں مل
سکتا۔ ویسے ایک بات میں ضرور کہوں گا۔ اُس کی شخصیت بے حد پراسرار ہے۔ تم یہاں بیٹھو!
میں اپنی تیار کردہ چیزیں لاتا ہوں۔ اور اس کے بعد پھر تجربات کریں گے۔“

”کیا نام ہے آپ کے ملازم کا مسٹر ڈینس.....؟“

”براؤ کرم! اُسے ایک منٹ کے لئے بھیج دیں۔“

”بہتر..... ویسے وہ کسی سے نہیں ملتا۔ یہ اُس کی ملازمت کی شرط ہے کہ وہ گھر بیویوں کو
کام اندر ہے گا۔ کبھی دکان پر نہیں آئے گا۔ اور باہر کے کام نہیں کرے گا۔ البتہ وہ کھانا بہتر
پکانا ہے اور.....“

”براؤ کرم مسٹر ڈینس! جلدی کریں۔“ میں نے کہا اور میرے دماغ میں عجیب سی
شمایہٹ پیدا ہوئی۔ میرا ذہن صرف ایک گروان کر رہا تھا۔ گرائیں..... گرائیں.....
بڑھا ڈینس اندر چلا گیا۔ اور تھوڑی دیر کے بعد ایک نوجوان میرے پاس پہنچ گیا۔
اُپ نے مجھے طلب کیا تھا جناب.....؟“ اُس نے گہری نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے

کہا۔ لیکن میرے کان اُس کی آواز کہاں سن رہے تھے؟ میں تو اُس کی صورت دیکھ رہا تھا
اُس کے خدوخال سو فصدی دیوار سے ملتے جلتے تھے۔ بلاشبہ! وہ ویرا کا بھائی تھا۔.....ہاں اُس
کا بھائی گرائے.....جس کی تلاش نہ جانے کے کے تھی۔“

”آپ نے بتایا نہیں جناب!“

”کوئی خاص بات نہیں تھی گرائے! مسٹر ڈاؤڈی نے آپ کا تعارف اس انداز میں کرایا تھا
کہ مجھے آپ کو دیکھنے کا اشتیاق پیدا ہو گیا۔“ میں نے جواب دیا۔ لیکن میں نے گرائے کی
آنکھوں میں شہبے کی جھلکیاں دیکھی تھیں۔

اسی وقت ڈاؤڈی آگیا۔ اُس کے ہاتھوں میں میری مطلوبہ اشیاء تھیں جن کا وہ مجھے تجربہ
کرنا اچھتا تھا۔

”گرائے! تم کتوں کو پکڑ لاؤ۔ ایک ایک کر کے لانا۔“ ڈاؤڈی نے گرائے کو حکم دیا اور
گرائے نے گردن جھکا دی۔ پھر وہ اندر چلا گیا اور ڈاؤڈی مجھے اُن چیزوں کے بارے میں
 بتانے لگا۔ میں نے اپنا ذہن اُس طرف منتقل کر لیا۔ کیونکہ بہر حال! یہ بھی ایک اہم مسئلہ تھا۔
 لیکن میرے ذہن میں رہ رہ کر گرائے کا خیال آرہا تھا۔ گرائے یہاں پوشیدہ ہے۔

ٹھوڑی دیر کے بعد گرائے ایک کتے کو لے آیا۔ ڈاؤڈی نے اپنے تیار کردہ فاؤنٹین بین
 سے ایک زہر میں سوئی چھینکی جو کتے کے بازو میں پیوست ہو گئی اور کتنا ایک دم کافی اُنچا
 اچھلا۔ پھر زمین پر گر کر اُس نے دو تین بار ہاتھ پاؤں مارے۔ اور پھر ساکت ہو گیا۔ گرائے
 اس دوران خاموش کھڑا رہا تھا۔ چند ساعت کے بعد دوسرا کتاینے چلا گیا اور ڈاؤڈی مجھے اپنی
 تیار کردہ اشیاء کے بارے میں بتانے لگا۔ گرائے اس بار کافی دیر میں آیا تھا۔ اُس نے ایک قد
 آور کتے کی زنجیر پکڑی ہوئی تھی۔ میں نے پھر اُسے دیکھا اور اُسی وقت گرائے نے کتے کی
 زنجیر گلے سے نکال دی۔ لیکن نہ جانے کیوں۔۔۔ گرائے کے اندر داخل ہوتے ہی میرے
 ذہن میں ایک چینی سی ہوئی تھی۔ ایک انوکھا احساس۔۔۔ جیسے میرے اندر چھپا ہوا انسان جو
 سے کچھ کہہ رہا ہو۔ اور یہ انسان جو کچھ کہہ رہا تھا، وہ سامنے آ گیا۔ جو بھی گرائے نے کتے کے
 گلے سے زنجیر کھولی، کتے نے ایک خوفناک غراہٹ کے ساتھ میرے اوپر چھلانگ لگا دی۔

اُس کی کیفیت سے بے پناہ وحشت اور درندگی کا احساس ہوا تھا۔
 گو، یہ اچا نک تھا۔ ذہن کے کسی گوشے میں یہ خیال نہیں تھا کہ ایسی کوئی صورت حال ہو
 جائے گی۔ لیکن سیکرٹ بیلس کی تربیت نے اعضاء کو ذہن کی قید سے آزاد کر دیا تھا اور کسی

ذہنی عل کے لئے ذہنی احکامات کی ضرورت نہیں باقی رہ گئی تھی۔ چنانچہ کتے کے رُخ کا
 اندازہ کرتے ہی میں نے بدن کو جبکش دی اور میری ایک نائگ پھر تی سے گھوم گئی۔ نائگ
 پھر طور سے کتے کے بدن پر پڑی اور کتے نے جس قوت سے جست لگائی تھی، اُس سے
 اُنگا زیادہ قوت سے اُچھل کروا پس ایک دیوار سے نکرایا اور اُس کا بھیچہ نکل پڑا۔ بدن کی
 یاں چور چور ہو گئی۔ اُس کے منہ سے آخری آواز بھی نہیں نکل سکی تھی۔

یہ سب کچھ اتنی تیزی سے ہوا تھا کہ مسٹر ڈاؤڈی دوبارہ گردن گھمانے کے علاوہ اور کچھ
 میں کر سکے تھے۔ گرائے، پھر کے بت کی مانند سا کت ہو گیا تھا۔ کافی دیر خاموشی رہی۔ پھر
 سر ڈاؤڈی بھرائی ہوئی آواز میں بولے۔ ”اے کیا ہو گیا تھا.....؟“

”کچھ نہیں مسٹر ڈاؤڈی! بہر حال! میں ان چیزوں سے مطمئن ہوں۔ کیا آپ انہیں
 بڑے حوالے کرنا پسند کریں گے؟“

”غزور.....لیکن تجربہ؟“
 ”بس.....کافی ہے۔ بہر حال! فی الوقت آپ سے اجازت۔ یہ آپ کا معاوضہ۔ میں
 آئندہ بھی آپ کو تکلیف دوں گا۔“ میں نے اپنی مطلوبہ اشیاء تھویل میں لے لیں اور نوٹوں کی
 لگیاں مسٹر ڈاؤڈی کے حوالے کر دیں۔ پھر میں نے مسکراتے ہوئے گرائے سے کہا۔ ”مسٹر
 گرائے.....پلیز! کیا آپ مجھے صرف دو منٹ دے سکتے ہیں؟“

گرائے نے عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھا، پھر گردن ہلا دی۔ مسٹر ڈاؤڈی وہیں کھڑے
 رہ گئے تھے۔ گرائے کے شانے پر دوستہ انداز میں ہاتھ رکھے ہوئے میں اپنی کارٹک پہنچ
 لیا۔ گرائے کے انداز میں سخت اُنچھن تھی۔ وہ بے حد پریشان نظر آ رہا تھا۔ میری طرف سے
 بیٹھا رہی معلوم ہوتا تھا۔ لیکن میرے انداز میں ایسی کوئی بات نہ تھی جس سے اُسے کوئی خطرہ
 نہیں ہوتا۔

کار کے قریب پہنچ کر میں نے کار کا عقبی دروازہ کھولا۔ دروازہ کھولنے کے بعد اپنے ہاتھ
 میں پکڑی ہوئی چیزیں کار کی بچھلی سیٹ پر پھر کیں اور پھر سیدھا کھڑا ہو گیا۔ گرائے میرے
 نوکری ہی تھے۔ دوسرے لمحے میں نے غیر محسوس انداز میں اپنا ہاتھ بلند کیا اور میرا ہاتھ
 کار کا کی پشت پر پڑا۔ گرائے نے ایک دم سے دونوں ہاتھ پھیلایا کہ کار کا سہارا لینے کی کوشش
 کرنے کی پشت پر پڑا۔ گرائے نے ایک دم سے دونوں ہاتھ پھیلایا کہ کار کا سہارا لینے کی کوشش
 کرنے کی۔ لیکن دوسرا ضرب اگر مارنی پڑتی تو پھر فن ہی کیا تھا؟ کار کا سہارا لے کر رکنے کی
 ہٹک کرتے ہوئے وہ نیچے پھیلے گا۔ میں نے اُس کی دونوں ہاتھوں بغلوں میں ہاتھ ڈال کر اُسے

سنجال لیا۔ دوسرے لمحے میں نے اُسے کار کی پچھلی نشت پر ٹھوں دیا تھا۔ اور پھر میں دروازہ بند کر دیا۔ کار کے دونوں دروازوں سے لاک کرنے کے بعد میں نے کار آگے بڑھا دیا۔

میں نہیں جانتا تھا کہ مسڑڈوڈی نے میرے حرکت دیکھی یا نہیں؟ بہر صورت میں انہیں اندر ہی چھوڑ آیا تھا۔ اس لئے اس کی توقع کم ہی تھی۔ کار بر قرق رفتاری سے دروازا ہوا میں اپنی پہنچ میں تمہیں لایا ہوں۔“

”ٹھیک ہے۔ لیکن میں مر جانا پسند کروں گا۔“

”کیوں..... آخر کیوں؟“ میں نے سوال کیا۔

”تم میرے اور پر قابو نہیں پاسکتے۔ میں آج تک تمہاری لگا ہوں سے پوشیدہ رہا ہوں۔ میں نے یہ بات سوچ لی تھی کہ اگر تم کبھی مجھ تک پہنچ گئے تو میں خود کشی کروں گا، دو، پار کارڈوں گا۔ لیکن اپنے آپ کو تمہارے حوالے نہیں کر سکتا۔“

”ٹھیک ہے گرائے! لیکن تمہاری سوچ غلط بھی تو ہو سکتی ہے۔“

”کیا مطلب.....؟“ گرائے نے کھر درے لمحے میں پوچھا۔

”بیٹھ جاؤ!“ میں نے تحکما نہ انداز میں کہا۔ لیکن وہ اپنی جگہ کھڑا رہا۔ ”گرائے! بیٹھ جاؤ۔“

ملادہ نہیں ہوں، جن کے بارے میں تم سوچ رہے ہو۔“

”پھر کون ہو.....؟“ گرائے نے سوال کیا۔

”اگر تم بیٹھ کر دوستانہ انداز میں گفتگو کرو تو ٹھیک ہے۔ ورنہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کچھ دوں کو بلا کر گرائے سے کہوں کہ تمہیں کہیں بند کر دیا جائے۔ اور اس کے بعد جتنا عرصہ تم بھرے پاس ہو، اُبھیں میں گزارتے رہو۔“ میں نے جواب دیا اور گرائے کے چہرے پر کچھ نیلابنی نظر آنے لگا۔ پھر اس نے تھکی تھکی آواز میں کہا۔

”لیکن اگر تم ان میں سے نہیں ہو تو پھر مجھے بتاؤ! کہ تم کون ہو؟ میں تمہارے بارے میں بنا چاہتا ہوں۔“

”لیکن کیا اسی طرح کھڑے کھڑے؟“ میں نے سوال کیا۔

گرائے چند ساعت سوچتا رہا۔ پھر ایک گھری سانس لے کر دوبارہ مسہری پر بیٹھ گیا۔ اُس نامگوں سے شدیداً بھجن جھانک رہی تھی۔

”تو مسڑ گرائے شارپ لیںڈی! میں اُن لوگوں میں سے نہیں ہوں، جو آپ کو تلاش کر بیٹھ گیا اور غالباً قتل کر دینا چاہتے ہیں۔“

”آمیر نہیں کہہ سکتے۔“ وہ بولا۔

رہائش گاہ پر پہنچ گیا۔ یہاں مارک کے آدمی میرے غلاموں کی حیثیت سے کام کرتے تھے وہ جانتے تھے کہ آج کل میں ہی اُن کا باس ہوں اور مارک میری مٹھی میں ہے۔ میں نہیں ہدایت کی کہ کار کی پچھلی سیٹ پر پڑے ہوئے بے ہوش آدمی کو احتیاط سے اندر آئیں۔ اور انہوں نے اُس پر پورا پورا عمل کیا۔

تحوڑی دیر کے بعد گرائے ایک کمرے میں میرے سامنے بے ہوش پڑا تھا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ زیادہ دیر تک بے ہوش نہیں رہے گا۔ کیونکہ وہ تدرست و توانا آدمی تھا۔ اور پھر وہ اخراجی وزن رکھتا تھا کہ پندرہ بیس منٹ یا پھر زیادہ سے زیادہ آدمی گھنٹے تک بے ہوش رہ کر اُسے ہوش میں آنا ہی تھا۔

بہر صورت! میں نے اپنی لائی ہوئی چیزیں محفوظ کر دیں اور پھر گرائے سے تھوڑے فاصلے پر بیٹھ کر اخبار دیکھنے لگا۔ مجھے گرائے کے ہوش میں آنے کا انتظار تھا۔ اور میرے انداز کے مطابق اُسے ہوش میں آنے میں زیادہ دیر نہ لگی اور گرائے نے آہستہ سے کراہ کر کر دی بدلتی اور کراہتے ہوئے اُس نے آنکھیں بھی کھول دیں اور دونوں ہاتھوں سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ پھر اس کی نگاہ مجھ پر پڑی اور وہ اچھل کر بیٹھ سے نیچے آگیا۔ اُس نے دھیانہ انداز میں مجھے دیکھا اور پھر اس کے ہونٹ بھنج گئے۔

”یہ کون سی جگہ ہے.....؟“ اُس نے غرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

”بیٹھو گرائے!..... آرام سے بیٹھو۔“ میں نے نہایت پر سکون لجھے میں جواب دیا۔

”میں کہتا ہوں، یہ کون سی جگہ ہے.....؟“

”میرا گھر ہے۔“ میں نے جواب دیا۔

”اور میں یہاں کیسے پہنچ گیا.....؟“ گرائے نے بھاری لمحے میں پوچھا۔

”میں لایا ہوں.....“

”مم..... مگر..... میں تو..... اوہ..... اوہ! تم نے میرے اوپر حملہ کیا تھا۔“

”ہا.....!“ میں نے سکون سے جواب دیا۔

”کیا مطلب.....؟“

”تم مجھے اچھی طرح جانتے ہو۔ اور فرانس میں جو کوئی مجھے جانتا ہے، وہ میری شاندشا کر کے لکھ پتی بن سکتا ہے۔ کیا تم اتنے ہی فرشتہ صفت ہو کہ ڈیوک کی مقرر کردہ رقم حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرو گے؟“

”ہاں..... یہی سمجھ لو!“ میں نے جواب دیا۔

”ناممکن ہے۔ کسی بڑے مقصد کے لئے انسان سارے اقدار بھول جاتا ہے۔ اور اس دور میں دولت حاصل کرنا ہی انسان کا اولین مقصد ہے۔ اگر یہ بات نہیں ہے تو مجھے بتاؤ تم مجھے کس لئے اخواء کر کے لائے ہو؟“

”مسٹر ڈوڈی کے ہاں تم کب سے تھے گرائے.....؟“

”اور ہاں کیسے پہنچ گئے؟“

”تلاش کیا تھا اُسے۔ دنیا کی نگاہوں سے چینے کے لئے میں آب تک نہ جانے کیا کر چکا ہوں۔ کسی بھی جگہ زیادہ عرصہ نہیں رکتا۔ تاکہ لوگ میرے بارے میں کچھ نہ جان سکیں۔“

”ہوں..... اچھا انداز ہے۔ بہر حال! ایک سوال اور ہے۔ کیا اخبار وغیرہ نہیں پڑھتے؟“

”پڑھنے ہوں.....!“

”باقاعدگی سے.....؟“

”ہاں.....!“

”تب تم نے آلڈرے کے بارے میں تفصیلات نہیں پڑھیں؟ کیا تم نے ڈیوک البرٹ کے بارے میں نہیں پڑھا؟ کیا تم تھیں یہ بات معلوم ہے کہ آلڈرے، ڈیوک البرٹ کا غاص کارکن ہے؟“

”میں جانتا ہوں.....!“

”تم نے ڈیوک کی لاچ کی تباہی کے بارے میں بھی نہیں پڑھا؟“

”پڑھا ہے۔ لیکن.....!“

”کس پہنچ پر پہنچے تھے؟“

”اُن دونوں کے کسی مشترک درشن پر غور کر لیا تھا۔ ظاہر ہے، وہ لوگ اچھے نہیں ہیں۔ کہا نہ کوئی تو انہیں کیفر کردار تک پہنچائے گا۔“

”میں نے آلڈرے کو تباہ و بر باد کیا ہے..... میں نے ڈیوک کی لاچ ڈبوئی ہے۔ اور میں

”جیسے نظرناک چوہے کو موت کے گھاٹ اٹا رہوں گا۔“ میں نے کہا اور گرائے کی

”جیسا توب سے پہلی گئیں۔ وہ کئی منٹ تک سکتے کے عالم میں مجھے دیکھتا رہا۔ پھر خشک

”پر زبان پھیرتا ہوا بولا۔

”لیکن کیوں.....؟“

”بل..... میرا عہد ہے۔“

”کیا اس نے تمہارے ساتھ بھی بہت برا سلوک کیا ہے؟ مجھے بتاؤ! آخر اس سے تمہاری

اشی ہے؟ ویسے اگر تم میرا نام جانتے ہو تو میری کہانی بھی جانتے ہو گے۔“

”ہاں..... میں تمہاری کہانی جانتا ہوں۔“

”کس نے بتایا تمہیں.....؟ بولو! میرے بارے میں کیسے جانتے ہو؟“ گرائے کے انداز

اب کافی تبدیلی آگئی تھی۔

”ایک لڑکی نے، ایک معقول معاوضہ ادا کر کے مجھے ڈیوک البرٹ اور آلڈرے کے

سکھا کیا ہے۔ اور آب یہ میرا فرض ہے کہ میں ڈیوک کوٹھکانے لگاؤں۔“

”لڑکی.....؟ کون لڑکی.....؟ کیا نام بتایا تھا اس نے اپنا.....؟“

”وریا بن گلینڈی.....!“ میں نے جواب دیا اور گرائے کی حالت غیر ہو گئی۔ اس کے

ے پر ایک لمحے کے لئے حسرت پیدا ہو گئی۔ پھر اس کی رنگت جذبات سے سرخ ہو گئی اور

اک انگوہوں سے نمی جھلکنے لگی۔

”یہ لڑکی..... یہ لڑکی تمہیں کہاں ملی؟ اور تم اس کے بارے میں کیا جانتے ہو؟ وہ کہاں

..... اوہ! تم تو یہ سب کچھ جانتے ہو گے۔ اور جب تم یہ سب جانتے ہو تو تمہیں یہ بھی

وہا کہ دیرا کھاں ہے؟ مجھے بتاؤ! میرے دوست! میری بہن کہاں ہے.....؟ میں تم سے

کہاں کہم کہم مجھے اس کے بارے میں بتاؤ!“

”وختیریت سے ہے گرائے! کیونکہ اس نے میری خدمات حاصل کر لی ہیں۔ اس نے

کا خاطر کی ذمہ داری میں نے قبول کی ہے۔ اور اُسے ایک ایسی جگہ پناہ دی ہے،

لاؤٹھوں کے ہاتھ اس تک نہ پہنچ سکیں۔“ میں نے جواب دیا۔

”آہ..... میرے محکم! اگر یہ بات ہے..... اگر یہ بات ہے تو میں تم سے سخت شرمندہ

مانگیں..... میں نے تمہارے لئے جو کچھ کیا تھا، کاش..... کاش! میں وہ کچھ نہ کرتا۔“

”انہا سف سے ہاتھ ملتے ہوئے بولا۔“

”ٹیک ہے.....! میں آپ سے تعاون کرنے کے لئے تیار ہوں۔“ گرائن نے جواب دیا۔

”راصل گرائن! ابھی تک تمہارا کوئی ایسا کارنامہ میں نہیں دیکھا جس سے محسوس کرتا بنے اعلیٰ ذہن اور اعلیٰ کارکردگی کے مالک ہو۔ میں تمہیں اس مہم میں ساتھ نہیں رکھ سکتا۔ انہاری بہن محفوظ ہے اور میں اُس وقت تمہارے حوالے کر دوں گا جب میں پڑے دشمنوں سے نجٹ لوں گا۔“

”میں تمہاری ہربات مانے کے لئے تیار ہوں۔ تم کہو تو میں آنکھیں بند کر کے کسی نئے نویں میں چھلانگ لگا دوں؟ ظاہر ہے، تم میرے محض ہو۔ ویرا، بنے اگر تمہیں کسی ہب معادنے کی پیشکش کی ہے تو میں اس معادنے کو اپنی طرف سے ڈگنا کرتا ہوں۔ اس علاوہ تمہارے اس احسان کو ہم دونوں بہن بھائی زندگی بھر نہیں بھولیں گے۔ تمہیں معلوم ہے کہ ہمارے سارے خاندان کو ختم کر دیا گیا ہے۔ وہ صرف ہماری دولت پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔ بہر صورت! ہمیں دولت سے زیادہ زندگی عزیز ہے۔ لیکن اگر تم جیسا دلیر انسان ہماری پر امداد ہو گیا ہے تو ہم، تم سے بہت سی توقعات وابستہ کر سکتے ہیں۔ چنانچہ میری گزارش ہے کہ جو کچھ تم، ہم سے چاہتے ہو، صاف صاف کہو۔ میں تمہارے ہر حکم کی تعییں کروں گا۔“

لائن نے ہماری لمحے میں کہا اور میں اُسے دیکھنے لگا۔

”گرائن! میں تم سے صرف یہ چاہتا ہوں کہ جس جگہ میں تمہیں لا یا ہوں، یہاں رہو۔ اسے رہو۔ ایسا نہ ہو کہ میرے لئے کچھ مشکلات پیدا ہو جائیں۔“

”کس قسم کی مشکلات.....؟“ گرائن نے پوچھا۔

”میں ڈیوک البرٹ سے نبرد آزمائوں۔ اور اُسے تباہ و بر باد کرنے کا عزم کر چکا ہوں۔“

”اوہ تمہاری ضرورت ہے، اور مجھے بھی۔ کیونکہ ڈیوک البرٹ کو فنا کرنے کے بعد ہینڈی پر اور اس کے بیٹے شارلی کی باری ہے۔ اور اس کے بعد ہی میرا کام پورا ہوگا۔“

”اوہ..... تم مجھے کیسے سنبھلے گے خواب دکھار ہے ہو۔ کاش! یہ خواب حقیقت بن سکیں۔ لیکن اسے دوست! تمہاری اب تک کی کارکردگی، بذات خود بہت کچھ تھا۔ لیکن ڈیوک کا عشرہ شیر نہیں۔ وہ بے پناہ شیطانی قوتوں کا حامل ہے۔ فرانس کی پوری حکومت اُس کی مٹھی میں بیڑم بھی دکھل کچھے ہو گے۔“

”تم جانتے ہو..... تم جانتے ہو۔ تم بے حد چالاک ہو۔ تم بے حد طاقتور اور پھر تیار ہو۔ میں نے کہتے کہ کو زہریلا انجکشن صرف اس لئے لگایا تھا کہ وہ پاگل ہو جائے۔ میں چاہتا تھا کہ وہ تمہیں چیر پھاڑ کر ختم کر دے۔ اور میری ترکیب کامیاب رہی۔ لیکن تم نے اسے ناکام بنا دیا۔ کاش! میں ایسا نہ کرتا۔ اگر وہ کتاب کامیاب ہو جاتا تو میں زندگی بھر اس طے میں افسوس کرتا رہتا۔ کاش..... میرے دوست! مجھے بے حد افسوس ہے کہ میں نے تمہارے لئے ایسا سوچا اور کیا.....؟“

”خیر..... چھوڑو ان باتوں کو۔ ویرا کے بارے میں، میں نے تمہیں بتا دیا کہ وہ بالکل محفوظ ہے اور میری تحویل میں ہے۔ میں اُسے مناسب وقت پر تمہارے حوالے کر دوں گا۔ اس سے پہلے میں تمہارے دشمنوں ہی کو ٹھکانے لگانا چاہتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ روین شارپ گلینڈی کی دولت اُس کے خاندان ہی میں رہے۔ اور ہینڈی فلپ جیسی کمینی عورت اُسے حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ میں نے اس بات کی ذمہ داری قبول کی ہے گرائن! اور اسے پورا کئے بغیر چین سے نہیں بیٹھوں گا۔ ویرا نے طویل عرصے تک تمہیں تلاش کیا۔ لیکن تم اپنی بہن کو تھا چھوڑ کر دشمنوں سے اپنی جان بچاتے پھر رہے تھے۔ حالانکہ تمہیں ایسا نہ کرنا چاہئے تھا۔ اگر تم اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کا فیصلہ کر چکے تھے تو اس میں تم اپنے ساتھ بہن کو بھی شامل کر لیتے۔ بہر صورت! جو کچھ ہو چکا۔ اب میں ویرا سے وعدہ کر چکا ہوں کہ اُس کے دشمنوں کے خاتمے کے بعد اُس سے ملاقات کروں گا۔ ویرا نے مجھے ایک مناسب معادنے کی پیشکش کی ہے۔ اور میں نے اُس کی یہ پیشکش قبول کر لی ہے۔ چنانچہ مسٹر گرائن! میں خود بھی تمہاری تلاش میں تھا۔“

”اوہ..... لیکن مسٹر ڈوڈی کے پاس کس طرح پہنچ گے؟“

”بس..... وہ ایک اتفاق تھا۔“

”میں نہیں مانتا۔“

”میری ہربات مانو!“ میں نے تھکمانہ لمحے میں کہا اور گرائن چوک کر مجھے دیکھنے لگا۔ پھر اس نے گردن ہلا دی۔ اُس کے ہونتوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

”ہاں..... مجھے تمہاری ہربات مانی چاہئے۔“

”میں تمہارے مقام دیں ہوں گرائن! اس لئے میں چاہتا ہوں کہ تم بھی مجھے تھا۔“

”گرائن.....! ان تمام معاملات میں نہ انجھو۔ تم مجھ سے تعاون کا صرف ایک بھر کرو۔ اور وہ یہ کہ جس طرح تم ذوڈی کے ہاں زندگی گزار رہے تھے، اُسی طرح بیباں گزارو۔ تاکہ کسی طوراً لوگوں کے ہاتھ نہ لگ سکو۔“

”میں وعدہ کرتا ہوں ڈیزیر! تمہاری ہدایات پر حرف بہ حرف عمل کروں گا۔“

”بس..... شکریہ! اس کے بعد باقی معاملات میں خود دیکھ لوں گا۔“ میں نے کہا۔

”لیکن ایک بات اور بتاؤ دوست! میں تمہیں کس نام سے پکاروں؟“

”ڈین.....!“ میں نے جواب دیا۔

”میرے دوست ڈین.....! کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ میری بہن ویرا بھی میرے ساتھی رہے؟ تم نے جس جگہ اُسے رکھا ہے، وہاں سے یہاں منتقل کر دو۔“

”ابھی یہ مناسب نہ ہو گا گرائن.....!“

”میں اُس کی حفاظت کروں گا۔“

”نہیں کر سکو گے گرائن! تم نے اب تک صرف اپنے آپ کو بچانے کی جدوجہد کی ہے۔ ایک بار بھی تم نے ویرا کے بارے میں نہیں سوچا۔ اس لئے اس وقت اُس سے اس الٹا کا اظہار مت کرو۔“ میں نے کہا اور گرائن نے سر جھکا لیا۔

تحوڑی دیر کے بعد میں اُس کے پاس سے اٹھا۔ لیکن میں بہت خوش تھا۔ گرائن خوب ہاتھ لگا تھا۔ بہر حال! اگر ویرا کے سلسلے میں کامیاب ہو گیا تو پھر گرائن کی تلاش بھی ضروری تھی۔ ورنہ کام ادھورا رہ جاتا۔ میں نے مارک کے آدمیوں کو گرائن کی نگرانی کی ہدایت کر دی۔ میں نے اُن سے کہا کہ گرائن کی بھرپور حفاظت اور نگرانی کی جائے۔ اُسے یہاں کوئا تکلیف نہ ہو۔ البتہ وہ بھاگنے کی کوشش کرے تو اُسے بے ہوش کر کے رکھا جاسکتا ہے۔

اس کے بعد مجھے مارک کی تلاش ہوئی۔ مارک بدنستور اپنے کام میں صرف قائم دوسرے دن صبح اُس نے مجھ سے ملاقات کی اور گہری سانس لے کر بولا۔ ”میں نہیں کہتا کام سفر نہیں.....! کہ وہ کب تک قیام کریں گے؟ لیکن میرا اپنا خیال ہے کہ اس بارہ کی ایم جلد کیا جائے۔“

”ہوں..... کام آج ہو جائے گا مارک!“ میں نے جواب دیا۔

”اوہ..... گذرا! پروگرام کیا ہے؟“

”تمہارے خیال میں کیا بہتر ہے؟“
”ظاہر ہے، ہم اُسے اغوا کریں گے۔“
”ہاں..... لیکن ابھی نہیں۔“

”اوہ..... پھر؟“ مارک نے تجھ سے پوچھا۔ اور میں کچھ سوچتا رہا۔ پھر میں نے ایک لہری سانس لے کر کہا۔
”تمہیں ایک وزنی گاڑی کا انتظام کرنا ہے مارک! ایک ایسی گاڑی کا جو بہت مضبوط“

”ہو جائے گا..... لیکن تمہارا پروگرام کیا ہے؟“
”آج شام کو تمہیں سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور مارک کردن ہلانے لگا۔



اس وقت رات کے پونے آٹھ بجے تھے۔ مارک کے آدمی بدنستور بینڈرک کی نگرانی کر رہے تھے۔ مارک کو فوراً اُن کے بارے میں اطلاع مل گئی۔ دونوں موجود تھے۔ میں نے ہزاری روک دی اور گردن نکال کر مارک کو دیکھنے لگا جو اپنے آدمیوں سے گھٹکوکر رہا تھا۔ پھر وہ واپس ہوا۔ میں اُس کے آدمیوں کی گھنگوں سے چکا تھا۔ ”اوے مارک.....! اُب تم اندر جاؤ۔ اور اندازہ لگانے کی کوشش کرو کہ اُن کا کہیں جانے کا موڈ ہے یا نہیں؟“ ”اوہ، بہتر.....!“ مارک مجھے گھوتا ہوا بولا۔ ابھی تک وہ میرا مقصد نہیں سمجھ سکتا تھا۔

ایسے اُس نے سارے کام ہیری مرضی کے مطابق کئے تھے۔ اس وقت ہم بھی گاڑی میں نکلے۔ ایک بڑی اور چالیس ہاڑی پا اور کی جیپ تھی جو کریں گے۔ اُس کی موضعیت کیا آتی تھی، بھلا اُس کی مضبوطی کا کیا ٹھکانہ؟ لیکن ابھی تک مارک کی سمجھ میں میرا پروگرام نہیں آیا تھا۔

بہر حال! میں انتظار کرتا رہا۔ مارک تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد آیا۔ اُس نے آتے ہی ”ہوں.....!“ میں نے پر خیال انداز میں کہا۔ پھر میں اسٹیرنگ سے اترتے ہوئے بلار ”ٹھیک ہے۔ پھر میں انہیں نکال کر لاتا ہوں۔“ مارک نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میں نمکن سے فاصلے پر بنے ہوئے ایک پیلک کاں بوٹھ پر پیچنے گیا۔ اور پھر میں نے اُس ہوٹل

کا نمبر ڈائل کیا جو سامنے تھا۔

”لیں پلیز.....؟“ آپ پریٹر کی آواز سنائی دی۔

”رم نمبر گیرہ میں مسٹر ہینڈرک براہ کرم! جلدی۔“ میں نے گھبرائے ہوئے بچے میں کہا۔ آپ پریٹر نے کوئی جواب نہ دیا۔ لیکن چند ہی ساعت کے بعد دوسرا طرف سے ایک آواز سنائی دی۔

”لیں ہینڈرک سپیلینگ۔“

”مسٹر ہینڈرک!“ میں نے گھٹی گھٹی آواز میں کہا۔ ”مسٹر ہینڈرک!“ میں رُک گیا اور پھر میں نے ٹیلی فون بٹھے میں کافی زور زور سے ہاتھ مارے۔ رسیور کی بارز زور زور سے فون بٹھ کی دیوار سے مارا۔ دوسرا طرف سے برابر ہیلو ہیلو کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ پھر میں نے اُسے دوبارہ منہ کے قریب کر لیا۔ ”مسٹر ہینڈرک براہ کرم! مسٹر ہینڈرک! فوراً لانچ پر پہنچے فوراً! آہ“ میں دخراش انداز میں چیخنا۔ اور پھر میں نے رسیور کریڈل سے یونچ چھوڑ دیا۔ ہیلو ہیلو کی آوازیں مسلسل آ رہی تھیں۔ پھر جب میں نے فون رکھنے کی آواز صاف سن لی تو خود بھی اطمینان سے رسیور کریڈل پر رکھ کر مکر اتا ہوا باہر نکل آیا۔

کوشش تو کی تھی۔ اب نتیجہ دیکھنا تھا۔ میں، مارک کے پاس گاڑی میں آبیٹھا۔ میں نے دوبارہ سٹیئر ٹنگ سنپھال لیا تھا۔

”کیا رہا.....؟“ مارک نے پوچھا۔

”آنے والے ہیں۔“ میں نے جواب دیا اور مارک تجب سے مجھے دیکھنے لگا۔ پھر اُس نے اُن دونوں کو دیکھا اور منہ پھاڑ کر رہ گیا۔ سیاہ رنگ کی خوبصورت کار باہر نکل رہی تھی اور وہ دونوں اُس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے جیپ سارٹ کر کے پہنچے چل پڑا۔ کار کی رفتار کافی تیز تھی۔ اور اسی کی نسبت سے جیپ کی رفتار بھی۔ ”کہاں جا رہے ہیں یہ دونوں؟“ مارک نے سوال کیا۔

”ایری ڈیک۔“ میں نے سکون سے جواب دیا۔

”اوہ..... تمہیں اس حد تک معلوم ہے؟“

”ہاں کیوں نہیں؟“ میں نے کہا اور مارک ایک گہری سانس لے کر خاموش ہو گیا۔

پکارہ برق رفتاری سے موڑ کاٹ رہی تھی۔ پھر جب وہ ایری ڈیک جانے والی پلٹرک پر نکل آئی تو اچانک میں نے جیپ کی رفتار طوفانی کر دی۔ رفتار بتانے والی اخڑی حدود کو چھوٹے لگی اور سیاہ رنگ کی کار نزدیک آتی گئی۔ اس کے بعد میں نے اُن برابر سے نکلتے ہوئے ایک زور دار سائیڈ مارا اور سیاہ رنگ کی کار نے کئی قلا بازیاں لیں اور سڑک کے دوسرے کنارے پر جا پڑی۔ مارک لرز کر رہ گیا تھا۔ تھوڑی دُور جا کر جیپ سڑک کے کنارے کر دی اور پھر اُسے روپورس کر کے کار کے برابر لے آیا۔ افراد خون میں نہایت پڑے تھے۔

میں نے مطمئن انداز میں گردن ہلائی اور جیپ کو پھر آگے بڑھا دیا۔ کافی دُور لے جا کر نے اُسے سڑک سے اُتار دیا اور ایک بڑے ہوڑنگ کی آڑ میں کھڑا کر دیا۔ یہاں سے پڑپتی کار پر بھی نگاہ رکھ سکتے تھے۔ زیادہ دیر نہیں گزری، ایک دین ایری ڈیک کی سمت بیا رہتی تھی۔ پھر وہ اٹھی ہوئی کار کے نزدیک رُک گئی اور ہم نے اُس سے بہت سے ہاتھتے دیکھے۔ اُن سب کی چیز و پکار صاف سنائی دے رہی تھی۔ غالباً وہ زخمیوں کو کار پلے کی کوششوں میں مصروف تھے۔ دس پندرہ منٹ تک وہ کوشش کرتے رہے اور باب ہو گئے۔ پھر انہوں نے زخمیوں یا لاشوں کو کار سے نکال کر وین میں ڈالا اور وین اپال دوسرا لمحے میں نے جیپ سارٹ کر کے وین کے پہنچے ڈال دی۔

”نم لے لیں مسٹر ڈیس! جو میں کچھ بھی سمجھا ہوں۔“ مارک کی رندھی آواز سنائی دی اور نذاکتی پوچھہ لگایا۔

”بکچھ سمجھ میں آجائے گا ڈیس مارک! گھبراو نہیں۔“ میں وین کی عقبی روشنیوں پر نگاہ نہیں بوئے بولا اور مارک ایک گہری سانس لے کر خاموش ہو گیا۔

ہبھتال کی عمارت میں مُڑی اور میں نے مطمئن انداز میں گردن ہلائی۔ پھر میں نے اُن کی وجہتے ہوئے کہا۔ ”آب ظاہر ہے، یہ اسی ہبھتال میں رہیں گے۔“

”لیکن کیا ضروری ہے مسٹر ڈیس! کہ وہ زندہ ہی ہوں؟“

”ایں زندہ ہونا چاہئے مارک! اگر وہ مر جاتے ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ مجھ سے سکی غلطی ہوئی ہے۔ کار نے صرف قلا بازیاں کھائی ہیں۔ اس کا کوئی حصہ زبردست مٹاٹنیوں ہوا ہے۔ اگر کوئی شیشہ وغیرہ ہی ٹوٹ کر کسی کے جسم کے نازک حصے لگیں ہو تو دوسرا بات ہے۔“

یونے کے بعد ڈیوک کے جزیرے پر لے جائیں گے۔ سوچو! اس سے مجھے کہنے فائدے
ہوں گے۔ میں ذہنی طور پر مفلوج ہوں گا۔ اس لئے اگر کسی کو نہ پہچان پاؤں تو کوئی حرجنہ
ہو گا۔ اگر جزیرہ البرٹو کے آداب سے ناقف ہوں تب بھی کوئی شبہ نہیں کرے گا۔ اور اگر
بھی آواز بدل جائے تو بھی کوئی شبہ نہیں کرے گا۔ اس طرح مجھے بے شمار آسانیاں فراہم ہو
یائیں گی۔ چنانچہ میرے دوست! آج رات میں اس ہسپتال میں منتقل ہو جاؤں گا۔ اور اس
بعدم اُس وقت تک کے لئے مجھے بھول جاؤ گے، جب تک میں ڈیوک کے جزیرے سے
ہم ہسپتال میں داخل ہوئے۔ کوئی متوجہ نہ ہوا۔ بہت سے لوگ تھے۔ ہم دونوں کافی در
تک یہاں رہے اور ہمیں معلوم ہو گیا کہ دونوں زندہ ہیں۔ لیکن سخت زخمی ہو گئے ہیں۔ مارک
خاموشی سے میرا ساتھ دے رہا تھا۔ ابھی تک ان دونوں کے پاس کوئی نہیں آیا تھا۔ پھر جب
نیکی لیکر ”براؤ کرم! اشیئر نگ! اب آپ ہی سنجال لیں مسڑڈ نہیں!“ مارک نے مضخل سی آواز
کافی دیرگز رگی تو میں نے مارک سے کہا۔

”کیا خیال ہے مارک..... آپ واپس چلیں؟“

”جیسی مرضی مسڑڈ نہیں!“ مارک گھری سانس لے کر بولا۔

”ایک کام کرو مارک! تمہارے جو آدمی ہوئیں میں ان کی گمراہی کر رہے ہیں، آب وہ لوگ خود آپ کو
پہنچ لیں گے۔ اسی زہن سمجھوں؟ افوہ! کتنا خوبصورت اور گھر اپلان ہے۔ آب وہ لوگ
نسل نئی پر لے جائیں گے۔ افوہ! خدا کی پناہ..... خدا کی پناہ.....“ مارک گردن جھکنے لگا۔
سے لوگ انے اشیئر نگ سنجال لیا اور تھوڑی دیر کے بعد ہم واپس پہنچ گئے۔ مارک آب تک
نکلا وہ انکشاف بیشان تھا۔ بہر حال! میں نے تیاریاں شروع کر دیں۔ تقریباً تین گھنٹے تک میں نے
”لیک ہے“ کے اور جسم پر محنت کی تھی۔ ناگ، بازو، چہرے اور سر پر زخم بنانے میں نہایت
لذت اٹھا۔ میری بھی یہی خواہش تھی کہ وہ خاموش رہ کر مجھے سوچنے دے۔ تاکہ میں
”بہتر مسڑڈ“ پہنچ لیں طور سے تیار ہو گیا۔ اس کے بعد نہایت اختیاط سے ان ٹیپوں کے درمیان وہ
انہیں لوگ یہاں اشیدہ کر دی گئی جو میں نے مسڑڈ وہی سے حاصل کی تھیں۔ ان تمام کاموں سے
زخمیں کو خاد۔ کے بعد میں نے مارک سے کہا۔

”عابر تھی۔ ہم..... میرے دوست! آب میں تو ایک طرح سے مفلوج ہو گیا ہوں۔ باقی کام
آن میں خصوصی کا اور نہایت ہوشیاری سے کرنا ہے۔ بینڈر ک کے لئے میرا خیال ہے، اسے قتل

”آن میں رکھا تھا اور وہ نکل گیا تو وہاں میں خطرے میں پڑ جاؤں گا۔“
گماز در تھا۔ حالاں کی فکر رہیں مسڑڈ نہیں! مارک ہر قیمت پر آپ کے احکامات کی تعییں کرے گا۔“

”اوہ..... تو کارٹنگرتے ہوئے اس بات کا خیال بھی رکھا گیا تھا کہ اس میں بیٹھے ہوئے
لوگ کتنے زخمی ہوں گے؟“
”اندازہ تو رکھنا ہی چاہئے مارک!“ میں نے کہا۔ اور پھر نیچے اتر آیا۔ میں بولا اور مارک
بھی میرے ساتھ ہی ہسپتال میں داخل ہو گیا۔ پھر ہم نے دونوں زخمیوں کو دیکھا۔ انہیں فوری
طبی امداد دینے کا بندوبست کیا جا رہا تھا۔
”ہم ہسپتال میں داخل ہوئے۔ کوئی متوجہ نہ ہوا۔ بہت سے لوگ تھے۔ ہم دونوں کافی در
تک یہاں رہے اور ہمیں معلوم ہو گیا کہ دونوں زندہ ہیں۔ لیکن سخت زخمی ہو گئے ہیں۔ مارک
خاموشی سے میرا ساتھ دے رہا تھا۔ ابھی تک ان دونوں کے پاس کوئی نہیں آیا تھا۔ پھر جب
نیکی لیکر ”براؤ کرم! اشیئر نگ! اب آپ ہی سنجال لیں مسڑڈ نہیں!“ مارک نے مضخل سی آواز
کافی دیرگز رگی تو میں نے مارک سے کہا۔

”کیا خیال ہے مارک..... آب واپس چلیں؟“

”جیسی مرضی مسڑڈ نہیں!“ مارک گھری سانس لے کر بولا۔

”ایک کام کرو مارک! تمہارے جو آدمی ہوئیں میں ان کی گمراہی کر رہے ہیں، آب وہ لوگ خود آپ کو
پہنچ لیں گے۔ اسی زہن سمجھا دی۔ ہم اسی جیپ سے واپس چلے آئے تھے۔ راستے میں بھی
مارک خاموش رہا۔ میری بھی یہی خواہش تھی کہ وہ خاموش رہ کر مجھے سوچنے دے۔ تاکہ میں
اپنے پروگرام میں کوئی جھوٹوں۔

☆.....☆.....☆

ہونے کے بعد ڈیوک کے جزیرے پر لے جائیں گے۔ سوچو! اس سے مجھے کتنے فائدے ہوں گے۔ میں ذہنی طور پر مفلوج ہوں گا۔ اس لئے اگر کسی کو نہ پہچان پاؤں تو کوئی حرج نہ ہوگا۔ اگر جزیرہ البرٹو کے آداب سے ناقف ہوں تب بھی کوئی شبہ نہیں کرے گا۔ اور اگر بھی میرے ساتھ ہی ہسپتال میں داخل ہو گیا۔ پھر ہم نے دونوں زندگیوں کو دیکھا۔ اُسے پہنکا ہم ہسپتال میں داخل ہوئے۔ کوئی متوجہ نہ ہوا۔ بہت سے لوگ تھے۔ ہم دونوں لہنگے میں بھرے تک یہاں رہے اور ہمیں معلوم ہو گیا کہ دونوں زندہ ہیں۔ لیکن سخت زخمی ہو گئے ہیں۔ ملائی طلاقت پر خاموشی سے میرا ساتھ دے رہا تھا۔ ابھی تک ان دونوں کے پاس کوئی نہیں آیا تھا کافی دیرگز رگی تو میں نے مارک سے کہا۔

”کیا خیال ہے مارک..... آب والپیں چلیں؟“

”جیسی مرضی مشرذہ نہیں!“ مارک گھری سانس لے کر بولا۔

”ایک کام کرو مارک! تمہارے جو آدمی ہو ہوں میں ان کی گرفتاری کر رہے ہیں یہاں منتقل کر دو۔“

”بہتر..... ٹیلی فون کر دیں انہیں؟“

”ہاں..... بہتر ہے کہ انہیں ان کی ڈیوٹی سمجھا دو۔“ میں نے کہا اور کرنے چلا گیا۔ تقریباً پانچ منٹ کے بعد وہ واپس آیا اور اس نے اطلاع دی منٹ میں پہنچ جائیں گے۔ بہر حال! دس منٹ کے بعد مارک کے آدمی پہنچ گئے انہیں ان کی نئی ڈیوٹی سمجھا دی۔ ہم اُسی جیپ سے والپیں چلے آئے تھے اُخڑی کام کرنا ہے مارک خاموش رہا۔ میری بھی بھی خواہش تھی کہ وہ خاموش رہ کر مجھے سونتے اپنے پروگرام میں کوئی جھوٹوں۔

☆.....☆.....☆

”ہیں؟“

اس کی گلگے زخمی بن کر اُسے قتل نہ کر سکو تو اس کی حیثیت ہے با اچا

”مارک..... میرے دوست! آب میں تو ایک طرح سے مفلوج ہو گیا ہوں۔ باقی کام تمہیں کرنا ہے اور نہایت ہوشیاری سے کرنا ہے۔ بینڈرک کے لئے میرا خیال ہے، اُسے قتل نہ کر دینا۔ اگر وہ نکل گیا تو وہاں میں خطرے میں پڑ جاؤں گا۔“

”آپ بے فکر رہیں مشرذہ نہیں! مارک ہر قیمت پر آپ کے احکامات کی تقلیل کرے گا۔“

”اوہ..... تو کار بکرا تے ہوئے اس بات کا خیال بھی رکھا گیا تھا کہ اس میں بینڈرک اسے لوگ کتنے زخمی ہوں گے؟“

”اندازہ تو رکھنا ہی چاہئے مارک!“ میں نے کہا۔ اور پھر نیچے اتر آیا۔ میں بولا ”اسٹام بیٹھی امداد دینے کا بندوبست کیا جا رہا تھا۔“

”ہم ہسپتال میں داخل ہوئے۔ کوئی متوجہ نہ ہوا۔ بہت سے لوگ تھے۔ ہم دونوں لہنگے میں بھرے تک یہاں رہے اور ہمیں معلوم ہو گیا کہ دونوں زندہ ہیں۔ لیکن سخت زخمی ہو گئے ہیں۔ ملائی طلاقت پر خاموشی سے میرا ساتھ دے رہا تھا۔ ابھی تک ان دونوں کے پاس کوئی نہیں آیا تھا کافی دیرگز رگی تو میں نے مارک سے کہا۔

”کیا خیال ہے مارک..... آب والپیں چلیں؟“

”ایک کام کرو مارک! تمہارے جو آدمی ہو ہوں میں ان کی گرفتاری کر رہے ہیں یہاں منتقل کر دو۔“

مارک نے جذباتی انداز میں کہا۔

”تمہیں انداز ہے کہ تمہیں کہاں سے اور کس طرح بینڈرک کو انغواء کرنا ہے؟“
”نہیں..... لیکن میں اندازہ لگا لوں گا۔“

”میں لگا چکا ہوں میرے دوست..... یہ دیکھو! یہ نقشہ میں نے بنایا ہے۔“ میں نے کہا
اور ہسپتال کے کمرے کا پورا نقشہ مارک کے سامنے رکھ دیا۔

”اب تو میں نے جیران ہوتا بھی چھوڑ دیا ہے۔“ مارک نے آہستہ سے کہا۔ ”ظاہر ہے
تمہارے ذہن میں پروگرام تھا۔ تم نے سب کچھ اُس کے مطابق کیا ہوگا۔“

”ہاں..... یہ حقیقت ہے۔“ میں نے کہا۔

”دیکھ ہے مسٹر ڈنیل! اب میں صرف آپ کے لئے ڈعا ہی کر سکتا ہوں۔“ مارک
آہستہ سے بولا۔ ”میں آپ کے ساتھ تو نہ رہوں گا۔“

”نیبا انتظار کرنا مارک! واپس تمہارے پاس ہی آؤں گا۔“ مارک نے کوئی جواب
دیا۔ پھر مقررہ وقت پر ہم دونوں چل پڑے۔ دوسرے لوگ دوسرا گاڑی میں آرہے تھے
پھر ہم ہسپتال پہنچ گئے۔ میں زخمی مریض کی حیثیت سے مارک کے ساتھ ہی اندر چلا گیا تھا
اور پھر نہایت چاکدستی سے مجھے بینڈرک کے بستر پر پہنچا دیا گیا۔ بینڈرک کا دوسرا ساتھ
بدستور میز پر موجود تھا۔ کھڑکی کے راستے سے مارک، بینڈرک کو اٹھا لے گیا۔ اُس
منناک آنکھوں سے مجھے دیکھتے ہوئے خدا حافظ کہا اور باہر نکل گیا۔

میرے ہونتوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ مارک میرے لئے فک مند ہو گیا تھا۔ لیکن مجھے ذر
بھر پرواہ نہیں تھی۔ میں تو بس! اپنے کردار کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اب مجھے نہایت خوبی
سے اپنا کام انجام دینا تھا اور ڈیوک کو بے وقوف بانا تھا۔ نہ جانے کب تک مجھے یہاں رک
جائے۔ اس دوران مجھے ایک زخمی شخص کی ادا کاری بھی کرنی تھی۔

بہر حال! اس کے بعد کوئی کام نہیں تھا، اس وقت تک جب تک مجھے یہاں رکھا جائے۔
اس کے علاوہ ڈاکٹروں کو بھی دیکھنا تھا۔ نہ جانے کب تک میں لیٹا سوچتا رہا۔ کچھ اور نئے
پواست ذہن میں آتے رہے اور میں نے ان پر عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ رات کے
جانے کوں سے پھر تک میں ال جھار رہا۔ پھر گھری نیند سو گیا۔

دوسری صبح حسب عادت جا گا۔ میں نے ہاتھ پر چیر ہلا کے۔ لیکن میں بھول گیا تھا کہ میں
شدید زخمی ہوں۔ اور اتنے عرصے سے ہوش میں نہیں آیا ہوں۔ چنانچہ نہ س کی مسٹر بھری چیز

مجھے حواس کی دنیا میں لوٹا دیا۔

”ڈاکٹر..... ڈاکٹر.....! زخمی کو ہوش آ گیا ہے۔ ڈاکٹر.....! زخمی کو ہوش آ گیا ہے۔“ وہ
بیٹھ ہوئی بھاگی تھی اور میں سنبھل گیا تھا۔ ذرا سی لغفرش پورے پروگرام کو درہم برہم کر سکتی
تھی۔ لیکن اُب دوبارہ بے ہوش ہونا حماقت تھی۔ چنانچہ میں ہوش میں رہا۔ اور پھر کئی ڈاکٹر،
یہ مرے کچھ لوگوں کے ساتھ اندر داخل ہوئے۔ میں سپاٹ نگاہوں سے اُنہیں دیکھ رہا تھا۔
”کیسی طبیعت ہے.....؟“ ڈاکٹر نے آعلے سے میرا معاشرہ کیا۔ لیکن میں نے خاموشی
افتخار کر لی۔ ڈاکٹر نے اعلان کیا کہ حالت تسلی بخش ہے اور میں تیزی سے صحت یاب ہو رہا
ہوں۔ لیکن میرے دوسرے ساتھی کی حالت ابھی تک خطرے میں تھی۔

”مسٹر بینڈرک..... مسٹر بینڈرک! کیسی طبیعت ہے؟“ ایک شخص نے محبت سے میرا دوسرا
بازو پکڑتے ہوئے کہا۔ لیکن میں سپاٹ نگاہوں سے اُسے تکتا رہا۔ الغرض میں نے کسی کی
بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ لیکن خاموش نگاہوں سے اُنہیں دیکھتا رہا۔ پھر ڈاکٹر نے اُنہیں
عن کر دیا اور کہا کہ ابھی ذہن پر زور دینا بھی خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔
وہ دن زندگی کا ایک تجرباتی دن تھا۔ میں پورے دن بولا تھا نہ یہ دن کو جب بش دی تھی۔ سخت
آرماش تھی۔ لیکن مجھے قوت برداشت کی بھی خاص تربیت دی گئی تھی اور بہر حال! ابھی تو
خوز اس وقت ہی گزر رہا۔ میں اپنی کیفیت میں تھوڑی بہت تبدیلی بھی کر سکتا تھا۔

ای دو ران میرا دوسرا ساتھی جبل بسا۔ اُس بے چارے کو ہوش ہی نہیں آیا تھا۔ چند لوگ
اُس کی لاش لے گئے۔ ڈیوک کے آدمی تھے۔ پھر شاید ڈیوک ہی کا حکم ملا اور مجھے بھی لے
جائے کی تیاریاں کی جانے لگیں۔ دل حقیقت! مجھے خوشی ہوئی تھی۔

حالانکہ ڈاکٹروں نے منع کیا تھا کہ اس وقت مجھے لے جانا، میری زندگی کے لئے
فلکراک بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن مجھے لینے کے لئے آنے والوں نے کہا کہ ڈیوک کا حکم یہی
ہے۔ اور ڈاکٹر خاموش ہو گئے۔ ایک سڑپچر پر ڈال کر مجھے ہسپتال کے باہر ایک بولنس میں
پہنچا گیا اور ایک بولنس مجھے لے کر ایری ڈیک کی طرف چل پڑی۔

یوں ڈیوک البرٹ کے جزیرے البرٹو کی جانب میرا کامیاب سفر شروع ہو گیا۔ لانچ پر
ٹھنڈی تھے جو احتیاط سے پہنچایا گیا تھا اور جس کی بنیں میں مجھے پہنچایا گیا تھا، وہ بھی بے حد
آرام وہ تھا۔ میں بستر پر پہنچ گیا اور ایک خوبصورت سی لڑکی کو میری تیارداری پر مامور کر دیا
گیا۔ لانچ نے اُسی وقت ساحل چھوڑ دیا تھا۔

میں نے مسکراتی نگاہوں سے اُسے جانتے دیکھا تھا۔ اور پھر میں لیٹ گیا۔ ادا کاری کرنا برا مشکل کام ہے۔ اچھا ادا کار بننے کے لئے بڑی تکلیفوں سے گز رنا پڑتا ہے۔ بہر صورت! پندھی ساعتوں کے بعد دو تین آدمی میرے کیپن میں گھس آئے اور میرے نزدیک پہنچ گئے۔ وہ ہمدردانہ نگاہوں سے مجھے دیکھ رہے تھے۔ پھر ان میں سے ایک نے میرے سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

”بینڈرک! کیسی طبیعت ہے تمہاری؟“

”میں کچھ نہیں جانتا..... مجھے کچھ یاد نہیں ہے۔ یہ سب کیا ہے؟ زمین کیوں گھوم رہی ہے؟ خدا کے لئے، مجھے بتاؤ! زمین کیوں ہل رہی ہے.....؟ میں کیا ہوں.....؟ میں کون ہل.....؟ تم مجھے بتاتے کیوں نہیں؟“ میں نے اُس شخص کا بازو چھجوڑتے ہوئے کہا جس نے میرے سینے پر ہاتھ رکھا تھا۔

”زمین نہیں ہل رہی بینڈرک! تم اپنی لانچ میں ہو۔“ اُس شخص نے مجھے بتایا۔

”لانچ..... اوہ، لانچ..... لیکن مجھے کچھ یاد نہیں آتا..... مجھے کچھ یاد نہیں آتا۔“ میں نے ذوق ہاتھوں سے سر پکڑ لیا۔

”کچھ یاد کرنے کی کوشش نہ کرو بینڈرک! سب ٹھیک ہو جائے گا۔ آہستہ آہستہ سب میک ہو جائے گا۔“

”نہ جانے کیا ہو گیا ہے..... اور کیا ٹھیک ہو جائے گا؟“ میں نے غلکن لنجھ میں کہا۔ پھر وہ لوگ مجھے تسلیاں دیتے رہے اور میں خاموشی سے اُن کی شکلیں دیکھتا رہا۔ ان ماری شکلوں کو ذہن نشین کر رہا تھا۔ جس لڑکی نے اپنا نام لوئی گن بتایا تھا، وہ بھی میرے لس موجود تھی۔ اُس کی نگاہوں میں میرے لئے ہمدردی کے تاثرات تھے۔ میں نے اندازہ ہلانے کی کوشش کی کہ کیا وہ میری محبوبہ ہے یا مجھ سے عشق کرتی ہے؟ لیکن ایسی کسی بات کا جو دھمکوں نہیں ہوتا تھا۔ چنانچہ فوری طور پر اس سلسلے میں کچھ سوچنا حافظت تھی۔ البتہ میں لیکر اور انداز میں سوچ رہا تھا۔

لوئی گن بڑی معصوم لڑکی معلوم ہوتی تھی۔ چہرے سے بھی زیادہ شاطر محسوس نہیں ہوتی۔ ممکن ہے، میرے کسی کام آسکے۔ تو کیوں نہ تھا تی میں اُس سے دوستی کی جائے؟ چنانچہ میں نے آنکھیں بند کر لیں اور گردن ایک طرف ڈال دی۔ وہ لوگ شاید سمجھ رہے تھے کہ میں درہاتھا۔ اور میری بھی یہی خواہش تھی کہ وہ لوگ مجھے سوتا ہوا محسوس کریں۔ چنانچہ تھوڑی دیر

خوبصورت لڑکی متفکرانہ انداز میں میرے نزدیک بیٹھی ہوئی تھی۔ اُس کی نگاہیں بار بار میرے چہرے پر جنم جاتیں۔ اب میری زبان میں کھجولی ہونے لگی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے زبان سوکھنی ہو۔ لیکن یہاں لڑکی کے سوا کوئی نہ تھا اور میں بات کرنے کو ترس گیا تھا۔ چنانچہ میں نے سرگوشی کے انداز میں اُسے مخاطب کیا۔ ”سنو.....!“

لڑکی اچھل پڑی۔ ”اوہ، مسٹر بینڈرک!... مسٹر بینڈرک!“ اُس نے میرے سینے پر ہاتھ رکھ دیا۔

”تم کون ہو.....؟“

”لوئی گن۔ آپ مجھے نہیں پہچانتے؟“

”میں کون ہوں.....؟“ میں نے سرگوشی میں پوچھا اور لڑکی اُداس ہو گئی۔ اُس غناک نگاہوں سے مجھے دیکھا اور پھر آہستہ سے بوی۔

”اوہ، بینڈرک! تو تمہارا ذہنی تو ازان.....“

”میں کہاں ہوں.....؟ میں کون ہوں.....؟ مجھے بتاؤ!“ میں نے اٹھ کر بیٹھنے کی کوشش کی اور وہ جلدی سے میرے قریب پہنچ گئی۔

”نہیں بینڈرک..... پلیز! لیٹ جاؤ! تمہاری حالت بہتر نہیں ہے۔“ لڑکی مجھ بھر جبکہ میں بولی۔

”مگر یہ زمین کیوں ہل رہی ہے؟ کیا زلزلہ آ رہا ہے؟ میں کہاں ہوں؟ آخر میں کہا ہوں؟ تم مجھے بتاتی کیوں نہیں.....؟“

”بینڈرک..... تم بینڈرک ہو۔“ اُس نے آہستہ سے کہا۔

”بینڈرک..... میں بڑا یا۔“

”ہاں، بینڈرک۔“

”نہیں..... نہیں! میں بینڈرک نہیں ہوں۔“

”بینڈرک..... پلیز! تم لیٹ جاؤ۔ ورنہ زخموں کے منہ کھل جائیں گے۔“

”مم..... مگر میں رخصی نہیں ہوں۔ میں کیسے رخصی..... اوہ.....؟“ میں نے بات درمیان ادھری چھوڑ دی اور اپنے جسم پر بندھی ہوئی پیپوں کو دیکھنے لگا۔ پھر میں نے تھیرانہ انداز کہا۔ ”یہ مجھے کیا ہو گیا.....؟“

”تم سوچنا چھوڑ دو۔ ٹھہر وہ! میں ابھی آئی۔“ لڑکی نے کہا اور تیزی سے باہر نکل گئی۔

تک وہ میز نے پاس بیٹھے رہے۔ پھر ایک ایک کر کے سب اٹھ گئے۔ صرف لوی گن بیٹھی رہی تھی۔ تب ایک شخص نے کہا۔ ”مشریزِ رک دوبارہ سو گئے ہیں لوی گن! اور یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ان کی یادداشت گم ہو گئی ہو۔“

”بہت افسوس ہوا..... بے چارہ بڑا ذہین انسان تھا۔ بڑی اعلیٰ کارکردگی کا مالک۔ مشریزِ یوک کو بھی یقیناً اس کے بارے میں افسوس ہو گا۔“

”شاید.....“ اُن میں سے کسی نے کہا۔ اور پھر وہ لوی گن کو میرے بارے میں ہدایات دیتے ہوئے باہر نکل گئے۔

میں اطمینان سے ایک طرف گردن ڈالے لیٹا رہا۔ لوی گن مجھے دیکھ رہی تھی۔ تب اطمینان سے میں نے آنکھیں کھول دیں اور وہ میرے نزدیک پہنچ گئی۔

”بینڈرک.....!“ اُس نے پیار بھرے انداز میں مجھے پکارا اور میرے جسم کے کھلے ہوئے حصوں پر ہاتھ پھیرنے لگی۔

”مجھے کچھ یاد ہیں آتا۔ آخر میں بینڈرک کیوں ہوں؟ اس سے پہلے میں کیا تھا.....؟ میں کون تھا.....؟“

”دیکھو بینڈرک.....! تمہاری کار کو حادثہ پیش آیا تھا۔ تمہارے ساتھ فریڈرک بھی تھا۔ بہر صورت! تھوڑی سی چوٹیں آگئی ہیں تمہیں۔ لیکن خطناک نہیں ہیں۔ تم، بہت جلد ٹھیک ہو جاؤ گے۔ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں تمہاری دوست لوی گن ہوں۔ ہم جیزہ البرٹو کی جانب جا رہے ہیں۔“

”جزیرہ البرٹو.....“ میں نے آہستہ سے ڈھرا یا اور پھر خاموش ہو گیا۔ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا۔ پھر بولا۔ ”بہر صورت! کچھ بھی ہو، مجھے کچھ یاد نہیں آتا۔ میں یاد کرنا بھی نہیں چاہتا۔ ہاں، اچھی لڑکی! کیا نام بتایا تھا تم نے غالباً لوی گن..... ہاں تو لوی گن! تم مجھے کچھ کھلانا پسند کرو گی؟ میں بھوک محسوس کر رہا ہوں۔“

”اوہ..... کیوں نہیں؟ میں ابھی دودھ لاتی ہوں۔“

”صرف دودھ.....؟“ میں نے اُس سے کہا۔

”نہیں..... دیکھو تو سہی! میں تمہارے لئے کیا لاتی ہوں۔“ اُس نے کہا اور پھر تیزی سے کرے سے باہر نکل گئی۔ تھوڑی دیر بعد وہ گلاس میں دودھ اور مالٹوں کا جوں میکس کیا ہوا لے کر آگئی اور اُس نے بڑے پیارے سہارا دے کر وہ جوں مجھے پلایا۔

”لوی گن! تم بہت اچھی لڑکی ہو۔ نجاتے کیوں میرا دل تمہاری جانب کھٹک رہا ہے۔ میں..... میں تمہارے بارے میں اپنے دل میں کچھ عجیب سے احساسات پا رہا ہوں۔“ میں نے کہا اور لوی گن محور نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی۔

”بینڈرک..... کاش! تم اپنی اصل حیثیت میں بھی یہ الفاظ کہہ سکتے۔“

”اصل حیثیت سے تمہاری کیا مراد ہے؟“

”کچھ نہیں۔ اس وقت جب تم بالکل ٹھیک تھے، میں تو تمہیں کب سے چاہتی ہوں۔ لیکن میں تمہارے منہ سے یہ الفاظ بھی نہ سن سکی۔“ اُس نے گردن جھٹک کر کہا۔

”مجھے چاہتی ہو.....؟ میں نے پوچھا۔

”ہاں..... بے پناہ!“

”افسوں..... نہ جانے میرے ذہن پر یہ کیسی تاریکی چھائی ہوئی ہے لوی گن مجھے تو تمہارا بہر بھی یاد نہیں ہے۔ مجھے یہ بھی یاد نہیں ہے کہ میں کون تھا؟ کیا کرتا تھا؟ آخر میری پادری اس کے خانے تاریک کیوں پر گئے ہیں؟“

”وقتی بات ہے بینڈرک! سب ٹھیک ہو جائے گا۔ تمہارے اندر سوچ کا مادہ موجود ہے۔ اس کا مطلب ہے، تمہارا ذہن وقتو طور پر متاثر ہوا ہے۔ اور تم بہت جلد اپنی اصل حالت میں واپس آجائے گے۔“ لوی گن نے جواب دیا۔

”ٹھیک ہے..... لیکن تمہاری باقتوں سے مجھے بہت سکون ملتا ہے۔“

”بینڈرک! ٹھیک ہونے کے بعد تم یہ ساری باتیں ذہن سے نکال دو گے۔“ تمہیں لوی سے کوئی لچکی نہیں رہے گی۔

”شاید ایسا نہیں ہو گا۔ کیونکہ..... کیوں نہیں ہو گا۔“ لوی پلیز! تم مجھے خود سے جدا مامت کرنا۔ میں تمہارے ساتھ ہی رہنا چاہتا ہوں۔“

”اگر تم اس خواہش کا اظہار انکل سائمن کے سامنے کر دو تو وہ تمہیں میرے پاس رہنے کا چانس دے دیں گے۔“ لوی نے کہا۔

”انکل سائمن کون ہیں.....؟“ میں نے اطمینان سے پوچھا۔

”اوہ..... تم وقتو طور پر سب کچھ بھول چکے ہو۔ لیکن تمہیں بہت جلد سب یاد آجائے گا۔ انکل سائمن، لاخ پر موجود ہیں۔“ لوی نے بتایا اور میں خاموش ہو گیا۔ خوبصورت اور معصوم بینڈرک نے محبت کرتی تھی۔ لیکن شاید بینڈرک اُسے پسند نہیں کرتا تھا۔

میک ہے.....!“ میں نے جواب دیا اور لوئی خاموش ہو گئی۔
بھروسہ! مجھے پتہ چل گیا تھا کہ میرا ساتھی مر چکا ہے۔ اور مجھے جزیرے پر لے جایا جا
اہ۔ اس لئے تجھب کی کوئی بات نہیں تھی۔ میں نے اپنے ذہن کو آزاد چھوڑ دیا تھا۔
جزیرے کا سفر بہت زیادہ طویل نہیں تھا۔ لوئی میرے ساتھ تھی اور سٹینر پر موجود لوگ
مخفی ہو گئے تھے کہ اب میری حالت بہتر ہو گئی ہے۔

ہستیاں کے ڈاکٹروں نے مجھے جو دو ایسیں دی تھیں، وہ مجھے باقاعدگی سے استعمال کرنا پڑا۔ تھیں اور لوئی بڑی احتیاط سے مجھے کھلایا کرتی تھی۔ حتیٰ کے ہم جزیرے پر پہنچ گئے پہلے میرا خیال تھا کہ ڈیوک نے خصوصی طور پر مجھے بلایا ہے اور یقینی طور پر وہ مجھ سے پری مراد پری کریں گے۔ لیکن یہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ ڈیوک البرٹ سے تو جزیرے پر اپنی ملاقات مشکل ہو گی۔ کیونکہ وہ اپنے معمولات محدود رکھتا ہے اور جزیرے پر موجود عام اہل سے ملاقات نہیں کرتا۔ البتہ جس وقت مجھے سڑپچر کے ذریعے سیئر سے آتا رکھا تو میں انکی سامنے کو دیکھا۔ پر تکالیف جیسا چہرہ تھا۔ انہی کی مانند بڑے بڑے گل مجھے اور لمبے۔ شمل و صورت سے انہائی خونخوار اور دیونما نظر آتا تھا۔ انکھیں سرخ سرخ تھیں۔ ہزار دیگر یہ انہیائی وحشی اور طاقتور شخص نظر آتا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے اُس کے احکامات کی بندی سب کرتے ہوں۔ لیکن مجھ سے وہ بڑے نرم انداز میں پیش آپا تھا۔

لماکون جھوں کرو تو تمہاری تمارداری کے لئے ”

”اوه، انکل سائمن۔۔۔!“ لوی نے اُس کی بات درمیان میں کاٹ دی اور سائمن
ٹنک کر آسے دیکھنے لگا۔ ”مسٹر بینڈر کو اگر میں اپنے ساتھ رکھ لوں تو میرا خیال ہے، میں
ناکی بہتر تیارداری کر سکتی ہوں۔ آپ کو علم ہے کہ میں نے زنسگ کورس بھی کیا ہے۔ میں
نئی پڑورت کی تمام چیزیں دیتی رہوں گی۔“

”ہاں، ہاں..... اس میں کوئی حرج نہیں ہے اگر بینڈرک تیار ہوتے۔“

میکد ہے انگل!“ میں نے نقاہت بھری آواز میں جواب دیا۔ ”مجھے یقین ہے کہ لوئی
انداز پر دکھ کھڑا کر سکا گا،“ میں نے اسے دیکھا۔ اسکے نام صرف گے۔

تھوڑی دیر بعد مجھے اختیاط کے ساتھ لوئی کے فلیٹ میں پہنچا دیا گیا جو پہلی منزل پر تھا۔

بہر حال! میں اس سے پورا پورا فانکہ اٹھانا چاہتا تھا۔ چنانہ تھوڑی دیر تک میں نے خاموشی اختیار کی۔ تب اس نے مجھ سے کہا۔ ”بینڈر ک! بینڈر آ رہی ہے کیا؟“
”نبیل لوئی! میں سوچ رہا ہوں۔“
”کہا.....؟“ لوئی نے یو جھا۔

”یہی کہ میں سب کچھ کیوں بھول گیا ہوں؟ ایک بات بھی تو یاد نہیں آ رہی۔ سارے نام میرے لئے اجنبی کیوں ہیں؟ یقین کرو! یوں لگتا ہے جیسے میں نے اُس جزیرے کا نام بھی نہ سنایا ہے، جس کے بارے میں ابھی تم نے بتایا تھا۔“

”بے فکر ہو! سب یاد آجائے گا۔“
 ”لیکن میں اُبھن میں ہوں۔ تم مجھے بتاؤ! درنہ میرے دماغ میں درد ہونے لگے گا۔ کیا
 میں اُس جزیرے پر رہتا ہوں؟“

”ہاں..... وہاں ہماری رہائش گاہ ہے۔ ہم سب ڈیوک البرٹ کے کارکن ہیں۔“
 ”وہاں میرا اور کون ہے.....؟“
 ”سب تمہارے دوست ہیں۔ سب اپنے ہیں۔“
 ”لعلتے، اک اتم بھی تباہ ہوتا ہے تو؟“

”ہاں.....! میں بدنصیب بھی تھا ہوں۔ کوئی نہیں ہے یہاں پر میرا۔ لیکن پیرس کے ایک چھوٹے سے قبے میں میری ماں اور باپ رہتے ہیں۔ جو صرف اپنی کمائی پر زندہ ہیں۔“

”جزیرے پر تم تھا ہو؟“
”ہاں.....!“
”بہر حال! میں صرف تھا رے ساتھ رہوں گا۔“ میں نے کہا۔
”میرے لئے اس سے زیادہ خوشی کی بات اور کیا ہو گی؟“ لوئی نے کہا۔ لیکن اس کے لئے انکل سے بات کرنا ہو گی۔

”کیا نام بتایا تھا تم نے..... انکل سائمن؟“
”ہاں.....!“ لوئی نے کہا۔

”تم خود ان سے بات کر لیتا لوی! میں کسی سے اس بارے میں پچھلیں ہوں۔“
”ٹھیک ہے۔ میں بات کر لوں گی۔ اگر انکل سامنے تم سے پوچھیں تو تم بھی بھی بتانا کر
میرے ساتھ رہنا جانتے ہو۔“

بہر صورت! لوی کے جس فلیٹ پر مجھے منتقل کیا گیا تھا اور جہاں میرا فلیٹ تھا، وہاں ایک بڑی کھڑکی تھی جس کا پردہ ہٹانے کے بعد جزیرے کے بہت سے مناظر نمایاں ہو جاتے تھے۔ اُس وقت بھی شام ہو چکی تھی اور لوی بہت خوش تھی۔ اُس نے میری تیارداری میں کوئی سکر نہ چھوڑی تھی۔ نہایت نشاست سے بجے ہوئے کمرے میں اُس نے مجھے لایا تھا۔ اس کے بعد وہ بولی۔ ”میں تمہیں بالکل ٹھیک کر کے یہاں سے جانے والوں کی بینڈرک!“ ”مجھے یقین ہے لوی! اگر تمہاری محبت کا یہی عالم رہا تو میں بالکل تدرست ہو جاؤ گا۔“ میں نے جواب دیا۔

فلیٹ میں میرے اور لوی کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ اس کے بعد آنندہ میرے ساتھ کیا سلوک ہو گا؟ ہاں! ایک بات تو صاف تھی۔ وہ یہ کہ بینڈرک کی حیثیت سے انہیں مجھ پر کوئی شبہ نہیں تھا۔

شام کو جب دھوپ چلی گئی تو لوی نے کھڑکی سے پردہ ہٹادیا اور میں نے جزیرے پر ایک نگاہ ڈالی۔ حیرت کی بات تھی۔ یہاں تو ایک چھوٹا سا شہر آباد تھا۔ ایک جدید ترین شہر۔ عمارتیں زیادہ اونچی نہیں تھیں لیکن جدید طرزِ تعمیر کا عمومہ تھیں اور یہ حد سین نظر آرہی تھیں۔ اُن کے درمیان کشادہ سڑکیں اور بازار تھے۔ سڑکوں کے کنارے تاحد نگاہ سربراہ درخت پھیلے ہوئے تھے۔

لوی مجھے دیکھ رہی تھی۔ پھر اُس نے گہری سانس لے کر کہا۔ ”کن خیالات میں کوئے مسٹر بینڈرک...؟“ ”کچھ نہیں لوی.....بس! عجیب سی کیفیت ہے۔ ان تمام چیزوں کو دیکھ کر ہم کو ایک عجیب سا احساس ہوتا ہے۔ ایک عجیب سا احساس.....؟“

”آپ مکمل طور سے آرام کریں۔ یہ حقیقت کیفیت ہے۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔“ لوی نے مجھے تسلی دیتے ہوئے کہا اور میں نے طویل سانس لے کر آنکھیں بند کر لیں۔

تین دن گزر گئے۔ اس دوران ڈاکٹر آتا تھا۔ ایک آدھ انگلشن لگاتا، کچھ معلومات دینا اور چلا جاتا۔ بہر حال! یہ تین دن میں نے کسی سرگرمی کے بغیر گزارے تھے۔ لوی گن ایک محبت کرنے والی لڑکی تھی۔ میں اُسے بھی پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا اور وہ کافی حد تک میری سمجھ میں آگئی تھی۔ لیکن ابھی تک میں نے اُسے چھیرا نہیں تھا۔ یہ بے حد خطرناک کام تھا۔ لوی اگر میرے پاس اس انداز میں نہ آتی ہوتی تو میں نہیں کہہ سکتا کہ میں یہاں کس طور پر

اپنے کام کا آغاز کرتا؟ لیکن اب میں نے اپنے پروگرام میں معمولی سی تبدیلی کی تھی۔ میں ہی کوئی ناچاہتا تھا۔ اور اگر وہ مشتبہ ہو گئی تو مجبوراً اُس معمولی سی لڑکی کو موت کے گھاٹ اٹھانا ہو گا۔

اُس رات کھانے کے بعد میں نے اُس سے پیار بھرے لمحے میں کہا۔ ”لوی ڈارلنگ! یا تم رات میرے کمرے میں گزارنا پسند کرو گی؟“

بھرے اس سوال پر لوی کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اُس کی نگاہیں جھک گئی تھیں۔ چند ساعت وہ خاموش رہی۔ پھر دبی زبان سے بولی۔ ”تم ابھی زخمی ہو بینڈرک! اور میرا فرض ہے کہ جذبات کے ہاتھوں بھٹکنے کی بجائے تمہیں جلدی سے صحت یاب کر دوں۔“

”اوہ ڈارلنگ.....! تم اتنی اچھی لڑکی ہو کہ تم سے ہر وقت باتیں کرنے کو دل چاہتا ہے۔ اُن بھی بیہی دل چاہ رہا تھا کہ تم سے بہت سی باتیں کروں۔ لیکن اگر تم.....؟“

”نہیں، نہیں..... اس میں کیا حرج ہے؟ میں پوری رات تمہارے ساتھ جاگ سکتی ہوں۔“ وہ جلدی سے بولی اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

”تب میں تمہارا انتظار کروں گا۔“ میں نے کہا اور پھر تھوڑی دیر کے بعد ضروری کاموں سے فارغ ہو کر وہ میرے پاس پہنچ گئی۔

”کافی پیو گے بینڈرک.....؟“ اُس نے پوچھا۔

”ابھی نہیں..... تھوڑی دیر کے بعد۔“ میں نے گہری سانس لے کر کہا اور پھر بولا۔ ”روازہ اندر سے بند کر دو لوی!“ اُس نے ایک لمحے کے لئے میری جانب دیکھا اور پھر خاموشی سے اٹھ کر دروازہ اندر سے بند کر دیا۔ ”لوی! میں تم سے بہت سی باتیں پوچھنا چاہتا ہوں۔“

”پوچھو.....!“

”اگر تم نہ ہوتیں لوی! تو میں پاگل ہو جاتا۔ ہمیشہ کے لئے اپنی یادداشت کھو بیٹھتا۔ لیکن تم نے مجھے نی زندگی دے دی ہے۔ تمہیں دیکھ کر، تمہاری باتیں سن کر مجھے احساس ہوتا ہے کہ میں وہی ہوں، جو تم مجھے کہتی ہو۔ لیکن لوی! بے شمار باتیں ایسی ہیں جو ہم پر شدید بادا ڈالنے کے باوجود یادنہیں آتیں۔ نہ جانے کیوں.....؟ لیکن میں ان باتوں کو جاننا چاہتا ہوں۔ اگر میں نے اپنا ذہن صاف نہیں کیا تو وہ پھٹ جائے گا۔“ میں نے کہا۔

لوک اپنی جگہ سے اٹھ کر میرے نزدیک آگئی اور میرے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگی۔

”مجھ سے پوچھو بینڈرک! میں تمہیں سب کچھ بتاؤں گی۔“

”لوی! تم وعدہ کرتی ہو کہ کوئی بات مجھ سے نہیں چھپاوے گی؟“

”میں وعدہ کرتی ہوں بینڈرک!“ لوی نے جواب دیا۔

”لوی! تم مجھے کب سے چاہتی ہو؟ کیا ہم دونوں ایک دوسرے کے قریب رہ پچھے ہیں؟“

”نہیں بینڈرک! میری محبت ہمیشہ سے ہے۔ میں اس وقت سے تمہاری پرستار ہوں

جب تم نے میرے لئے اس سیاہ فام ٹوبے سے جنگ کی تھی جو وحشی صفت تھا اور ڈیوک نے

نشے کے عالم میں مجھے اُسے بخش دیا تھا۔ اگر تم نہ ہوتے بینڈرک! تو میں بن موت مر جاتی۔

تم نے پرواد بھی نہیں کی تھی۔ لیکن میں اُسی دن سے تم سے متاثر تھی۔ میں نے کبھی سوچا بھی

نہیں تھا کہ مجھے اس طرح تمہاری خدمت کرنے کا موقع ملے گا۔ ”لوی گن نے جواب دیا۔

”لوی گن.....! کیا تم ڈیوک سے خوش ہو؟“ میں نے سوال کیا اور وہ چونکہ کرمجھے

دیکھنے لگی۔

”میں اس سوال کا مقصد نہیں بھی بینڈرک!“

”کیا تمہیں ڈیوک البرٹ کی غلامی پسند ہے؟“

”اوہ..... خاموش ہو جاؤ بینڈرک..... خاموش ہو جاؤ! ایسی باتیں مت کرو۔ ہم سب

انسان کہاں ہیں؟ ہماری پسند یا ناپسند کیا معنی رکھتی ہے؟ ڈیوک کے معاملے میں تو ہم سب

بے بس ہیں۔“

”اگر ڈیوک تم سے کہے لوی! کہ مجھے قتل کر دو۔ تو بتاؤ! تم کیا کرو گی؟“ میں نے سوال کیا

اور لوی عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی۔ پھر چند ساعت کے بعد اُس نے گھری سانس

لے کر کہا۔

”تو میں خود کشی کراوں گی۔ ہاں..... میں خود کشی کراوں گی بینڈرک! میں تمہیں کبھی قتل

نہیں کروں گی۔ میں خود مر جاؤں گی لیکن ڈیوک کے ہاتھوں نہیں، خود اپنے آپ کو گولی مار

اوں گی۔ میں عبدِ کرتی ہوں بینڈرک! اگر ایسی کوئی صورت حال پیش آئی تو میں ایسا ہی

کر دیں گی۔“ وہ جذباتی ہو گئی۔

میں اُسے غور سے دیکھ رہا تھا۔ پھر میں نے ایک گھری سانس لے کر کہا۔ ”لیکن کیوں

لوی؟ آخر کیوں.....؟ کیا ہم انسان نہیں ہیں؟ کیا ہم صرف اُس کی غلامی کے نئے پیدا

ہے ہیں؟“

”بینڈرک..... ڈیوک!“ لوی خوف سے لرز کر یوں۔

”اس خوف کوڑہن سے نکال دلوی! اگر مجھے چاہتی ہو تو اس خوف کوڑہن سے نکال

بے ای خوف نے ہمیں انسان سے کتابا دیا ہے۔ ہم اپنے آپ کو بھول گئے ہیں اور ہم اُس

کے اشاروں پر ناچا پسند کرتے ہیں۔ یوں سمجھ لو! ڈیوک نے تم سے میرے قتل کے لئے کہا

کہ تم خود کشی کر رہی ہو۔ بولو لوی! کیا تم میرے لئے اس انہا سے گز رکتی ہو؟“

”لیکن بینڈرک.....!“

”صرف میری بات کا جواب دلوی!“ میں نے کہا اور لوی نے گردن جھکا لی۔ تھوڑی

بکے بعد اُس نے گردن اٹھائی تو وہ پرسکون تھی۔

”میں تمہارے لئے سب کچھ کر سکتی ہوں بینڈرک!“

”لوی! میں ڈیوک سے باغی ہو گیا ہوں۔ میں اُس کی بربریت کا خاتمہ کرنا چاہتا ہوں۔

”کیا تم میرا ساتھ دو گی؟“

”اوہ، بینڈرک! یہاں کون ہے جو اُس کی درندگی کا شکار نہیں ہے؟ یہاں کون ہے جو

کے باغی نہیں ہے؟ جو مرننا چاہتے ہیں، وہ اس کا اظہار کرتے ہیں اور مر جاتے ہیں۔ جو

یہ کے خواہش مند ہیں، وہ صرف اُس کی اطاعت کرتے ہیں۔ خواہ ان کے ذہنوں میں

بوجھی ہو۔“

”لیکن میں اُسے شکست دینا چاہتا ہوں۔ میں دوسرے لوگوں کی طرح بے وقوف نہیں

بلے لوی..... تم کہاؤ! کیسے ہی حالات ہوں، تم میرا ساتھ دو گی۔ میرے راز کو اپنارا ز سمجھو

لما۔“

”اپنی محبت کی قسم بینڈرک! میں ایسا ہی کروں گی۔“

”تب پھر سنو لوی! میں بالکل ٹھیک ہوں۔ چوٹ صرف میرے سر میں لگی تھی۔ لیکن

ٹولی گی۔ اُس سے میری یادداشت پر تھوڑا سا اثر ضرور پڑا ہے۔ لیکن میرے اعضا

ٹامٹت ہیں۔ میں نے ڈیوک سے نہنٹے کے لئے یہ پروگرام بنایا ہے۔“ میں نے کہا اور لوی

کشکش پہاڑ کر رہی گئی۔ وہ کافی دیر تک کچھ نہیں بول سکی تھی۔ پھر بمشکل اُس نے حواس پر قابو

بلاور یوں۔

”لیکن بینڈرک! کیا اُس کے خلاف اس انداز میں کھڑے ہونے والوں میں تم تھا ہو یا

تمہارے ساتھ اور دوسرے بھی ہیں؟“
”تمہارے سوا اور کوئی نہیں ہے لوی!“ میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔
”لیکن کتنا کیا چاہتے ہو؟ تمہارا پروگرام کیا ہے؟ کیا تم تھا اُس کے مقابلے میں
کامیاب ہو سکتے ہو.....؟“

”ہاا.....! میں اس غلامی کے خلاف ہوں۔ اور ڈیوک البرٹ کے بہت سے معاملات
سے مجھے اختلاف ہے۔ میں جو کچھ کرنا چاہتا ہوں، ضرور کروں گا۔ میں اتنا ضرور کروں گا
لوی! کہ اس دنیا سے ڈیوک کا وجود ختم کر دوں۔ اور اس کے بعد ہم سب آزاد ہوں گے۔
غلامی کی یہ زندگی گزارنے سے بہتر ہے کہ انسان، آزادی کے لئے ایک کوشش ضرور
کرے۔“

اُس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اُس کے پورے بدن سے پسند پھوٹ رہا تھا اور وہ بے
جان سی ہو رہی تھی۔ ”اگر تم خوف زدہ ہو لوی! تو میں وعدہ کرتا ہوں، تمہیں پریشان نہیں
کروں گا اور تمہارے پاس سے چلا جاؤں گا۔ تاکہ تم اپنی زندگی محفوظ تصور کرو۔“
”نہیں بینڈرک! میں تمہارے ساتھ ہوں۔ میں اب خوف زدہ نہیں ہوں گی۔ وعدہ کرتی
ہوں، میں تمہارا بھرپور ساتھ دوں گی۔“ اُس نے جھر جھری لے کر کہا اور اس بارہہ مکمل طور
سے سنپھل گئی تھی۔ ”اب مجھے بتاؤ! تم کرنا کیا چاہتے ہو؟“

”ابتداء میں، میں پہلے اس جزیرے کا بھرپور جائزہ لوں گا۔ ان لوگوں کو قتل کروں گا جو
ڈیوک کے دست راست ہیں اور اُس کے لئے ظلم و ستم کرتے ہیں۔ اس طرح میں ڈیوک کی
قوت کم کروں گا۔ اور پھر ڈیوک پر کئی کاری ضریب لگاؤں گا۔ میں اُسے ذہنی طور پر مغلوق کر
کر رکھ دوں گا۔ اس کے لئے مجھے کافی چالاکی سے کام لیتا ہو گا لوی!“
”مشائا.....؟“ لوی نے پوچھا۔

”میں ایک طویل عرصے تک بیمار ہوں گا۔ تم میری تیمارداری کرو گی۔ ظاہر ہے، میں
ڈیوک کے لئے اتنا ہم آدمی نہیں ہوں گا کہ اُسے میری شدید ضرورت محسوس ہو۔ رات کو میں
اپنے بدن سے یہ بینڈ تج ہٹاؤں گا اور کارروائی کروں گا۔ صبح کو تم پھر میرے بدن پر بینڈ تج
کر دیا کرنا۔“

”اوہ..... اچھا خیال ہے۔ اس طرح کسی کا ذہن تمہاری طرف نہیں جائے گا۔“
”یقیناً.....! اور یہ کام میں آج ہی سے شروع کر دینا چاہتا ہوں۔“ میں نے کہا اور لوٹا

گردان ہلانے لگی۔ معاملات اس خوش اسلوبی سے طے ہو گئے تھے تو پھر انتظار کیوں کرتا؟
پانچ لوی نے بینڈ تج کھول دیں۔ اُس نے مجھے ضروری چیزیں فراہم کر دی تھیں جن میں
ایک قسم کا پستول بھی تھا جس پر سان لنسر فٹ تھا۔ بہر حال! ساری تیاریوں کے بعد
جیسے پریمرے عمل کی پہلی رات شروع ہو گئی۔

لیکن اُس رات مجھے کوئی خاص کام نہیں کرنا تھا۔ میں صرف اُس پورے جزیرے کا جائزہ
لیا چاہتا تھا۔ چنانچہ میں باہر نکل آیا۔ اور پھر میں اُس پراسرار جزیرے پر ڈور تک نکل گیا۔
لوی کے مکان تک واپسی کے لئے میں نے بہت سے نشانات لگائے تھے۔ اور بہر حال! اب
میں اتنا حق نہیں تھا کہ اُن نشانات کی مدد سے واپس نہ آ سکتا۔

درحقیقت حیرت انگیز طور پر ترقی یافتہ جزیرہ تھا۔ ڈیوک نے ایک طرح سے فرانس کے
اُس جزیرے پر اپنی حکومت قائم کر رکھی تھی۔ نہ جانے حکومت فرانس نے اُسے یہ مراعات
کیوں دے رکھی تھیں؟ یہ بات آج تک میری سمجھ میں نہیں آ سکی۔
بہر حال! اُس رات میں جہاں جہاں پہنچ سکا، پہنچ گیا۔ ڈیوک کی رہائش گاہ بھی دیکھی۔
پھرے کا انتظام بھی دیکھا۔ بہت سے ٹھکانے بھی تلاش کئے۔ میرا ذہن اپنے کام کے لئے
جگہیں تلاش کر رہا تھا۔ اور بہر حال! یہی سوچ منفرد تھی۔

میں اُس رات کو ایک بے مقصد رات نہیں کہہ سکتا۔ کیونکہ میں نے بہت سے پوگزام
ترتیب دیئے تھے۔ بہت سی کام کی چیزیں تلاش کی تھیں۔ اور اس وقت روشنی نمودار ہونے
والا تھی جب میں واپس اپنی رہائش گاہ میں داخل ہوا۔

لوی میرے کمرے میں، میرے بستر پر گھری نینڈ سورہی تھی۔ میں نے مسکراتی نگاہوں
سے اُسے دیکھا اور پھر میں خود ہی اپنی بینڈ تج کرنے لگا۔ اس کام میں مجھے کوئی دشواری نہ
ہوئی اور میں نے لوی کی یہ مشکل بھی حل کر دی۔ میں نے اُسے جگانے کی کوشش نہیں کی اور
ایک طرف لیٹ گیا۔ پھر مجھے نینڈ آگئی۔ لیکن نہ جانے کتنی دیر سویا تھا کہ لوی نے مجھے جگا
 دیا۔

”مسٹر بینڈرک!..... مسٹر بینڈرک! براوہ کرم! آرام سے لیٹ جائیں۔ میں سخت شرمندہ
ہوں۔ نہ جانے کیوں مجھے نینڈ آگئی تھی۔“
”اور اب تم مجھے شرمندہ کر رہی ہو لوی!“
”کیوں.....؟“

”کہاں ہے.....؟“ اُس نے کھڑکی سے جھاٹکتے ہوئے کہا۔
”وہ.....!“ میں نے ایک طرف اشارہ کیا۔ اور جو نبی اُس نے کھڑکی میں جھانکا۔ میں نے پچھے سے اُسے اٹھا کر اندر ڈال دیا۔ وہ لوہے کے ٹکڑوں پر گرا تھا اور اُس کے منہ سے کراہ نکل گئی۔

دوسروے لمحے میں نے اُسے زمین پر گردایا تھا۔ پھر اُس کے اٹھنے سے پہلے میں نے اُس کا گریبان کپڑا اور زمین پر دے مارا۔ اور پھر میں نے اُس کے سینے پر اپنا گھنٹا رکھ دیا۔ ”ہاں.....! اس وقت لاش یہاں موجود نہیں ہے۔ لیکن اگر تم نے میرے سوالات کا جواب نہ دیا تو پھر یقینی طور پر لوگ یہاں پر لاش دیکھیں گے۔ اور وہ لاش تمہاری ہوگی۔“ میں نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔

”اوہ، اف! میری کمر..... میری پسلی ٹوٹ گئی ہے۔ اوہ..... مجھے اٹھنے تو دو! مجھے بتاؤ تو سی! تم کیا چاہتے ہو؟ تم کون ہو؟ تمہارا مقصود کیا ہے؟“ اُس نے بے بس ہوئی آواز میں کہا۔ لیکن میں اُس سے قطعی متناثر نہیں ہوا تھا۔

”ہرگز نہیں۔ اگر تم نے ایک لمحہ ضائع کئے بغیر مجھے جواب نہ دیا تو میں.....“ میں نے اُس کی گردن پر زور سے دباؤ ڈالا اور اُس کی آنکھیں ابلے گئیں۔ اُس کے ہاتھ پاؤں مدافعت کے انداز میں اٹھے۔ لیکن اُن میں اتنی جان نہیں تھی کہ وہ میری زد میں جنبش بھی کر سکتا۔ تب میں نے کہا۔ ”ہاں..... تیار ہو؟“

”پوچھو..... پوچھو! کیا پوچھنا ہے؟ آہ..... مجھے اٹھنے تو دو۔ سخت تکلیف ہو رہی ہے۔“ ”صرف جواب! اس کے علاوہ کچھ نہیں۔“ میں نے غرائی ہوئی آواز میں کہا اور وہ خاموش ہو گیا۔

”ڈیوک اس وقت کہاں ہے؟“

”اپنی رہائش گاہ میں..... کیوں؟“

”خاموش..... تمہیں کیوں کا کوئی حق نہیں ہے۔ صرف میری بات کا جواب دو۔“

”اچھا!“ اُس نے کراہتی ہوئی آواز میں کہا۔

”اُس کی وہ لڑکیاں کہاں ہیں جو وینگ لسٹ پر آئی ہیں؟ تم میرا مطلب سمجھ رہے ہو گے۔ وہ لڑکیاں جنہیں ڈیوک مختلف جگہوں سے لے آتے ہیں اور اُس جگہ جمع کر دیتے ہیں۔ وہ جگہ کون سی ہے؟“

”میری وجہ سے تمہیں کتنی پریشانی ہو رہی ہے۔ کیا مجھے اس کا احساس نہیں ہے؟“ ”نہیں بینڈر ک..... یقین کرو! تمہاری خدمت کر کے مجھے روحانی خوشی محسوس ہو رہی ہے۔ خیر! چپوڑا ان باتوں کو۔ آرام کرو گے یا ناشتے کا بندوبست کروں؟“

”میرا خیال ہے، خالی پیٹ پر تو نیند بھی نہیں آئے گی۔“

”میں ابھی ناشتے کا بندوبست کرتی ہوں۔“ اُس نے کہا اور پھر تی سے باہر نکل گئی۔ ناشتے کرنے کے بعد میں سو گیا۔ اور پھر دوپھر کو ہی جا گا۔ باقی دن آرام سے گزاراد ڈاکٹر میری خبر گیری کو آیا تھا۔ اُس نے مجھ سے سوالات کئے اور میں نے اُسے کھوئے کھوئے انداز میں بتایا کہ اب تکلیف بہت کم ہے۔ ڈاکٹر مطمئن واپس چلا گیا تھا۔

مجھے بے چینی سے رات کا انتظار تھا۔ اور اُس رات میں کچھ کرنے کے ارادے سے باہر نکلا تھا۔ چنانچہ پہلی رات کو ترتیب دیئے ہوئے پروگرام کے تخت میں ایک طرف بڑھ گیا۔ میرا رخ ڈیوک کی رہائش گاہ کی طرف تھا۔

راتستے میں اکاڈمی کا لوگ نظر آئے۔ لیکن سب اپنی دھن میں مست تھے۔ میں نے اندازہ لگایا کہ یہاں رہنے والے کسی ایسے خطرے کا تصور بھی نہیں کر سکتے جن کے لئے انہیں چکنا رہنا پڑے۔ چنانچہ کسی نے میری طرف دیکھنے کی زحمت بھی نہیں کی۔

بالآخر میں رہائش گاہ سے تھوڑے فاصلے پر رُک گیا۔ میں نے ایک شخص کو روکا اور پھر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ دُور دُور تک کوئی نہیں تھا۔ تب میں نے اُسے آہستہ سے آواز دی۔

”مسٹر..... مسٹر.....“ اور وہ چونک کر مجھے دیکھنے لگا۔ ”براہ کرم! میرے ساتھ چلیں..... وہاں ایک لاش موجود ہے۔“ میں نے لکڑی کے ایک بڑے گیراج کی طرف اشارہ کیا۔ یہ گیراج زیادہ دُور نہیں تھا، لیکن سنسان کی جگہ پر تھا۔ اور اُس کی ایک بغیر دروازوں والی کھڑکی سے میں نے دیکھا تھا کہ اندر کاروں کے پر زے پر زے ہوئے ہیں۔

”لاش...؟“ وہ چونک کر بولا۔

”ہاں..... اوہ، اس طرف!“ میں نے کہا۔

”کس کی لاش ہے.....؟“

”میں نہیں جانتا۔ افوہ..... اُس کی شکل بگاڑ دی گئی ہے۔ بڑا بھیاں کم چہرہ ہے۔“ میں نے تیزی سے گیراج کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ وہ بھی تیزی سے میرے پیچھے پکا تھا۔ اور پھر میں اُسے لئے ہوئے گیراج کے عقب میں پہنچ گیا۔

"تت..... تم کون ہو.....؟" اُس نے سوال کیا اور دوسرا لمحے میرا اٹالا ہاتھ اُس کے منہ پر پڑا اور نہ جانے اُس کا منہ کیسا ہو گیا؟ تاریکی میں صحیح طور پر نظر بھی نہیں آ رہا تھا۔ تب میں نے دوبارہ کہا۔

"جواب.....! میں غرایا۔

"وہ وہ ڈیوک کی رہائش گاہ کے عقیقی حصے میں ہیں۔ لیکن مجھے صرف اتنا بتا دو! کیا تمہارا اس جزیرے سے تعلق نہیں ہے؟ اور اگر نہیں ہے تو کیا تم کہیں باہر سے آئے ہو؟" اُس نے پوچھا۔

"ہاں..... میں باہر سے آیا ہوں۔"

"وہ.....! وہ آہستہ سے بولا۔

"ڈیوک کی رہائش گاہ کے عقیقی حصے میں داخلے کا آسان طریقہ کیا ہے؟" میں نے اس کی گردن پر زور دالتے ہوئے پوچھا۔

"عقیقی حصے سے تم بے آسانی اندر جاسکتے ہو۔ اس طرف کوئی نہیں ہوتا..... کوئی سوچ بھی نہیں سکتا کہ بہاں کوئی پیروںی شخص آ سکتا ہے۔ نہ جانے تم کس طرح آئے ہو؟" اُس نے جواب دیا۔ عجیب آدمی تھا۔ حالانکہ میں اُسے سخت تکلیف دے رہا تھا لیکن وہ تجسس سے باز نہیں آ رہا تھا۔

"ہوں.....!" میں نے آہستہ سے کہا۔ "تمہاری اپنی پوزیشن کیا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"مم..... میں ڈیوک کی رہائش گاہ، ڈیوک کے محل کا الیکٹریشن ہوں۔" اُس نے جواب دیا۔

"ٹھیک..... بہر صورت، دوست! تمہارا شکریہ فی الحال مجھے تم سے صرف بھی معلوم کرنا تھا۔" میں نے کہا اور اس بار میں نے اُس کی گردن پر زور دار دباؤ ڈالا۔ ظاہر ہے، اُسے چھوڑنے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ مجھے اپنی موت کو آواز تو دینا نہیں تھی۔ اور پھر ڈیوک کے ان ہر کاروں کے ساتھ رحم کا سلوک کیسے کیا جا سکتا تھا؟ ان میں سے جتنوں کو بھی ختم کر دیا جاتا، بہتر ہی تھا۔ کیونکہ یہی لوگ میرے دشمن ثابت ہو سکتے تھے۔

وہ شخص میری گرفت میں تڑپتا رہا۔ لیکن میں نے اُسے زندہ نہ چھوڑا۔ وہ سرد ہو گیا۔ تب میں نے ایک بہت بڑا پتھر اٹھا کر پوری قوت سے اُس کے سر پر دے مارا اور سر پھٹ گیا۔ ڈور ڈور تک اُس کے خون کے چھینٹے کھکھر گئے تھے۔ میں نے سوچا کہ کہیں میرا لباس بھی خون

اُلودنہ ہو گیا ہو۔ بہر صورت! اس کے بعد تو اُس کی زندگی کا کوئی سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ پناہ میں کھڑکی سے باہر نکل آیا۔

تاروں کی ٹھنڈی روشنی میں، میں نے اپنے لباس کو دیکھا۔ بظاہر خون کے دھبے نہیں تھے۔ میں ایک طرف چل پڑا۔

اُب میں ڈیوک کی رہائش گاہ کے عقیقی حصے کی جانب جا رہا تھا۔ نہ جانے اُس شخص نے اسی ٹھیکانے پر تباہیا یا غلط؟ بہر صورت! تجھ پر تو کرنا ہی تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں اُس عالی شان میں کھل کر عقیقی حصے کی جانب پہنچ گیا جو ڈیوک کی رہائش گاہ تھی۔

محل کو میں نے سامنے سے بھی دیکھا تھا۔ بہت ہی خوبصورت طرز تعمیر تھی۔ پرانے طرز پر بنایا گیا تھا۔ لیکن اُس پر اనے طرز تعمیر میں جدت بھی تھی۔ گویا وہ قدیم وجہید کا نمونہ تھا۔ محل کے عقیقی حصے میں ایک خوبصورت باغ تھا جس میں داخل ہونے کا پھاٹک بہت چھوٹا تھا، اور ہاں کوئی موجود نہ تھا۔ چنانچہ میں اطمینان سے اندر داخل ہو گیا۔ بے پناہ خوبصورت باغ تھا جس نے مجھے بے حد ممتاز کیا۔

اُس شخص کے بتائے ہوئے نقشے کے مطابق میں آگے بڑھتا گیا۔ اور تھوڑی دیر کے بعد میں عمارت کے ایک ایسے حصے میں کھڑا تھا جہاں ایک لمبا سا ہاں تھا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ یہ کیا ہے؟ لیکن بہر صورت! ریسک تو لینا ہی تھا۔

اندر داخل ہونے کے لئے تین سیڑھیاں طے کرنا پڑیں۔ خوبصورت نالکز کے فرش سے گزر کر میں اندر داخل ہو گیا۔ پھر میں نے اپنے اندازے کے مطابق کمروں میں جھانکنا شروع کر دیا۔ وہ ہال جو دوسرے ہال نظر آتا تھا، دراصل کمروں کا ایک طویل سلسلہ تھا۔ اور ان چھوٹے چھوٹے کمروں کی کیفیت بالکل ہسپتال کے کمروں کی مانند تھی۔

نہایت صاف سترے کر کے تھے۔ ٹھنڈی روشنیاں جل رہی تھیں اور ان روشنیوں میں لہر نظر آ رہے تھے۔ دو، دو، تین، تین لڑکیاں اُن بستروں پر پڑی تھیں۔ عجیب و غریب ماحول تھا۔ میں انہیں دیکھتا رہا۔ بہر صورت! اس وقت یہ سوچنا تو مشکل ہی تھا کہ میں اُن میں سے کس کمرے میں داخل ہوں اور ان لڑکیوں سے ویرابکے بارے میں معلومات حاصل کر دیا جاتا، بہتر ہی تھا۔ کیونکہ یہی لوگ میرے دشمن ثابت ہو سکتے تھے۔ لیکن میں موجود ہو گی۔ اس سلسلے میں بہتر یہی تھا کہ لوگ گن سے کام لیا جائے۔

”کیا کام ہے.....؟“
 ”ویرانہ کی ایک لڑکی ہے۔ اُس کے بارے میں معلومات حاصل کرنا ہیں۔ کیا وہ ان
 میں موجود ہے.....؟“
 ”ویرابن شارپ.....؟“ لوئی نے پوچھا۔
 ”ہاں..... تم اُسے جانتی ہو؟“
 ”اچھی طرح۔ لیکن تمہیں اُس سے کیا کام ہے بینڈرک؟“ لوئی نے پوچھا۔
 ”تمہیں یہ بات نہیں معلوم ہو گی لوئی! وہ ایک بہت بڑے باپ کی بیٹی ہے۔ اور اُس کا
 بھائی گران، میرے بچپن کا ساتھی ہے۔ اُس وقت کا دوست جب ہم ایک چھوٹے سے
 نبصورت قبھے کے ایک سکول میں ساتھ پڑھتے تھے۔ ایسے دوست کی بہن، ڈیوک کے قبھے
 میں ہے۔ تم خود سوچ لوئی!“
 ”واقعی..... یہ تو صحیح ہے۔ لیکن.....؟“
 ”لوئی ڈارلنگ! کیا اُس سے تمہاری شناسائی ہے؟“
 ”وہ خاموش اور غزدہ لڑکی مجھے بہت پسند ہے۔“
 ”صرف یہ معلوم کرنا ہے لوئی! کہ وہ ڈیوک کی ہوس کی بھینٹ چڑھی یا اب تک پچ
 ہوئی ہے؟“
 ”میں معلوم کر لوں گی۔“
 ”بہت شکر یہ لوئی! تم یہ کام کر دو۔ میں تمہارا شکر گزار ہوں گا۔“
 ”آج ہی شام کو بتاؤں گی۔ تم بے فکر رہو بینڈرک!“ لوئی نے کہا اور میں ممنون
 ہوں سے اُسے دیکھنے لگا۔ لوئی کی نگاہوں میں عجیب سے تاثرات پیدا ہو گئے تھے۔ لیکن
 مگاہی اُس کے جذبات کی پذیرائی نہیں کر سکتا تھا۔
 لوئی اپنی ڈیوٹی پر چلی گئی۔ شام کو وہ واپس آئی تو میں بے چینی سے اُس کا منتظر تھا۔ ”میں
 نہ اُس سے بات کی تھی۔“ لوئی نے بتایا۔
 ”اوہ..... کیا اطلاع ملی لوئی؟“
 ”سب ٹھیک ہے۔ ویرا نے بتایا ہے کہ ابھی تک ایک بار بھی ڈیوک نے اُس کے بارے
 نہ کسی سے نہیں پوچھا ہے۔ وہ سکون سے ہے۔ لیکن اپنے مستقبل سے مایوس ہے۔“
 ”تمہارا شکر یہ لوئی..... کاش! میں اُس لڑکی کو اُس کے بھائی تک پہنچا سکوں۔“ میں نے

اس انداز میں ڈیل (DEAL) کیا جاتا رہے تو وہ بڑے کام کی لڑکی ثابت ہو سکتی ہے۔
 چنانچہ آج کا کام میں نے اپنے طور پر ختم کر دیا۔ اب دیکھنا یہ تھا کہ اُس لاش کے بارے میں
 جزیرے پر کیا رو عمل ہوتا ہے؟ اُس کی اطلاع بھی مجھے لوئی گن ہی دے سکتی تھی۔
 بہر صورت! پھر میں وہاں سے اپنی رہائش گاہ کی طرف چل پڑا۔ لوئی گن حسب معمول ہوئی
 ہوئی تھی۔ معصوم لڑکی تھی۔ گو، وہ ایک ایسے شخص کے تصور کے ساتھ مجھ سے محبت کر رہی تھی،
 جسے میں نے موت کے حوالے کر دیا تھا۔ لیکن اس کے باوجود میں اُس کے لئے دل میں
 ہمدردی کے جذبات محسوس کر رہا تھا۔

میں نے اپنا کام کیا اور پھر آرام سے لیٹ گیا۔ لوئی گن، دوسری صبح ہی جاگی تھی اور
 حسب معمول شرمدہ تھی۔ ناشستہ کرتے ہوئے اُس نے کہا۔ ”میں سوچتی ہوں کہ جاگی
 رہوں۔ لیکن کم جنت نیند آ جاتی ہے اور تمہیں پریشانی ہوتی ہے۔“

”مجھے ذرہ برابر پریشانی نہیں ہے لوئی! لیکن آج میں تم سے کچھ کام لینا چاہتا ہوں۔“
 ”ہاں..... کہو!“

”یہاں تمہارے سپرد کچھ ذمہ داریاں ضرور ہوں گی۔“
 ”کیسی ذمہ داریاں.....؟“

”میرا مطلب ہے، کوئی کام تو کرتی ہوگی۔“

”میں ڈیوک کے احکامات کے مطابق کام کرتی ہوں۔ دیے ہستال میں زرگ کرتی
 ہوں۔ ایک ہفتہ ڈیوٹی، ایک ہفتہ چھٹی۔“

”خیر.....! کیا تم ڈیوک کے محل میں بہ آسانی جا سکتی ہو؟“

”جاتی رہتی ہوں۔ آج بھی جاؤں گی۔“

”آج کیوں.....؟“

”دن مقرر ہیں۔ آج کے دن اُن لڑکیوں کو دیکھوں گی جو ڈیوک کے محل میں رہتی ہیں۔
 میرے ساتھ دو ڈاکٹر ہوں گے۔ ہر ہفتہ اُن کا چیک اپ ہوتا ہے۔“

”اوہ.....! میرے ہونٹ تجھ سے سکر گئے۔ عجیب بات تھی۔ میں اس سے بھی کام تو
 لینا چاہتا تھا۔ لیکن یہ کام خود بخوبی کیا تھا۔“

”بولو! کیا کام لینا چاہتے تھے تم مجھ سے؟“ اُس نے پوچھا۔

”اتفاق ہے، میں بھی یہی چاہتا تھا کہ تم ڈیوک کے محل میں جاؤ اور میرا ایک کام کر دیں۔“

بیک کو اپنے بارے میں بتانا تھا۔

اور پھر دوسرے دن کی ہنگامہ خیزی قابل دید تھی۔ پورے جزیرے کی زندگی معطل ہو گئی

تھی۔ ہر کام بند ہو گیا تھا۔ جگہ جگہ لوگوں کی ٹولیاں نظر آ رہی تھیں جو چہ میکوںیاں کر رہی تھیں۔

میں نے لوی سے جیرانی کا اظہار کیا۔

”نہ جانے کیا بات ہے؟ میں معلوم کر کے آتی ہوں۔“ لوی نے کہا اور باہر نکل گئی۔

تریا ایک گھنٹے کے بعد وہ واپس آئی تھی۔ ”بڑی عجیب خبریں ہی بینڈرک!“ اُس نے کہا۔

”لیکن لوی.....؟“

”مسٹر آڈررے کے بارے میں تو تم نے سنا ہی ہو گا۔ اُس کی کسی شخص سے چل گئی تھی اور اُس شخص یا گروہ نے مسٹر آڈررے کو زندہ درگور کر دیا تھا۔ میں اُسی شخص کی بات کر رہی ہوں جس نے ڈیوک کی لائچ تباہ کی تھی۔ پچھلی رات وہ کسی طرح جزیرے پر آ گیا ہے اور ان ایک رات میں اُس نے بے پناہ تباہی پھیلانی ہے۔ اُس نے بے شمار افراد کو قتل کر دیا ہے۔“

”اوہ..... اُن سے اُس کی کیا دشمنی تھی؟“

”کچھ نہیں..... صرف اُس نے اپنی آمد کا اعلان کیا ہے؟“

”لیکن وہ جزیرے پر کس طرح آیا.....؟“

”تحقیقات ہو رہی ہیں۔ رات کے کسی حصے میں وہ کسی پراسرار ذریعے سے جزیرے پر آیا ہے۔ لیکن جزیرے پر پوشیدہ رہنا سخت مشکل ہے۔ بہت جلد اسے تلاش کر لیا جائے گا۔

لوی نے بتایا اور میں ایک گہری سانس لے کر گردن ہلانے لگا۔

☆.....☆

کہا اور لوی ہمدردی سے مجھے دیکھنے لگی۔

رات کو میں اپنی نہم پر نکل گیا۔ اپنے پروگرام کے تحت آج میں ڈیوک کو چونکا ناچاہتا تھا اگر میں چاہتا تو لوی کی مدد سے ویرا کو لے کر یہاں سے نکل سکتا تھا۔ ظاہر ہے، جو کام مجھے کرنا تھا، وہ اگر خاموشی سے ہو جاتا تو میرے حق میں ہی بہتر تھا۔ لیکن مقصد تو صرف ویرا کو اُس جزیرے سے آزاد کر کے لے جانے کا نہیں تھا۔

آلدرے کو نکلتے دینے کے بعد میرے ذہن میں بہت سے خیالات آنے لگے تھے۔

میں نے سوچا تھا کہ آخر ڈیوک بھی تو ایک تھا انہاں ہے جس نے اتنا لمبا چکر پھیلا رکھا ہے۔ لوگ اُس کے نام سے خوفزدہ ہیں۔ پھر میں اُس سے کس طرح کم ہوں؟ کیا ہوا، اگر میں اُس کے مقابلے میں ابھی تک کوئی گروہ نہیں بنائیا؟ لیکن اس سے کیا فرق پڑتا ہے..... میری ذہنی صلاحیتیں کسی طرح ڈیوک سے کم نہ تھیں۔ میں خود بھی اُس سے نمٹ سکتا تھا۔ چنانچہ میں

نے اپنے پروگرام کے تحت رات کو اُس وقت جب گہری تاریکی چھا گئی تو باہر نکل آیا۔ آج جو کام کرنا تھا، اُس میں کوئی خاص کارگیری نہیں تھی۔ بلکہ صرف خوف و دہشت پھیلانا مقصد تھا۔ چنانچہ اس کے لئے کوئی تخصیص بے مقصد تھی۔

سب سے پہلے مجھے دو آدمی نظر آئے اور میں نے انہیں جیب میں رکھے ہوئے فاؤٹین

پین کی زہریلی سوئیوں کا نشانہ بنادیا۔ اس کے بعد میں جزیرے کے مختلف حصوں میں چکراتا رہا۔ جتنے افراد مجھے نظر آئے، میں نے انہیں مختلف طریقوں سے مار بھگایا۔ کسی کو پتوں کی گولی سے ہلاک کیا، کسی کو زہریلی سوئیوں سے۔ بہر صورت! اُس رات میں نے جزیرے پر

ہنگامہ مجاو دیا تھا۔ تب میں نے ایک تحریر لکھ کر ایک مردہ شخص کی پیشانی پر چھپاں کر دی۔

اُس میں ڈیوک کے لئے لکھا گیا تھا کہ چونکہ اُس نے مجھے چیلچیخ کیا ہے اور وہ آلدرے کا حشر دیکھ چکا ہے اس لئے میں اُس کا چیلچیخ قبول کرتے ہوئے جزیرے پر پہنچ گیا ہوں۔

اور یہ تحریر، میری آمد کا اعلان ہے۔ اس کے بعد میں جزیرے کے مختلف حصوں میں گشت کرنا رہا اور ڈیوک کے بارے میں سوچتا رہا۔

یہ انداز ڈرامائی تھا اور بظاہر اس سے کوئی خاص مقصد حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔ لیکن میری فطرت کو اس ہنگامہ خیزی سے تسلیم مل رہی تھی۔ اور میں ہر قیمت پر اپنی فطرت کی تکمیل

چاہتا تھا۔ چنانچہ میرے اندازے کے مطابق اُس رات ستائیں افراد موت کا شیکار ہوئے تھے۔ میں نے اُن کے بارے میں جانے کی کوشش نہیں کی تھی کہ وہ کون ہیں؟ میں! مقصد

ن کے جزیرے کی فضا میں پرواز نہیں کر سکتے، اب وہ اپنے کانوں سے سن رہا ہے کہ اُس کا
نیا اُس کے جزیرے پر پہنچ گیا ہے۔ بینڈر ک! کیا تم اُس عظیم جیالے کو خراج تھیں نہ پیش
زدگے جو بلاشبہ بہت بڑے دل کا مالک ہے۔ اگر وہ چاہتا تو خاموشی سے اپنا کام کر سکتا
ہے۔ لیکن اُس نے ڈیوک کو اپنی آمد کی اطلاع بھی دے دی۔“
اے ہاں لوی! بے شک، وہ دلیر ہے۔ لیکن کیا یہ انداز ڈرامائی نہیں ہے؟“ میں نے اُسے
ایسے دیکھتا ہوئے کہا۔

”بے شک ہے۔ لیکن تم اُس کی کار کردگی تو دیکھو! اُس نے ڈرامائی انداز ضرور اختیار کیا
ہے۔ لیکن کار کردگی بھی دکھائی ہے۔ اُس تھا آدمی نے ڈیوک کے پورے جزیرے پر سفی
بیلا دادی ہے۔“

”کیا تمہارے خیال میں وہ ڈیوک کے شکاری کتوں سے بچ سکتا ہے؟“
”میں نہیں کہہ سکتی۔ لیکن ہر حال! وہ مذر ہے۔ مارا جائے گا تو ڈکھ ہو گا۔“
”میں دیکھ رہا ہوں لوی! تم بھی اُس سے خاصی برگشثی ہو گئی ہو۔“

برگشتہ بہت معمولی لظہ ہے بینڈر ک! میں اُس سے بے پناہ نفرت کرتی تھی۔ لیکن اس
کا ظہار کئے زبان مجھے تم منے دی ہے۔ ورنہ شاید میں یہ الفاظ کبھی ادا نہ کر سکتی۔“

”اہ، لوی ڈیزیر! اس کے باوجود خود کو کتنوں میں رکھو۔ اگر یہ زبان کسی اور کے سامنے
بلکام ہو گئی تو دونوں مصیبت میں گرفتار ہو جائیں گے۔“

”اب اتنی احمق بھی نہیں ہوں۔“ لوی نے مسکراتے ہوئے کہا اور میں بھی مسکرانے لگا۔
ٹالاٹ پورا دن جاری رہی۔ اور پھر ساری رات جزیرے کی رونق قابل دید تھی۔ رات کو
ٹالپرے جزیرے پر روشنیاں گل نہیں ہوئی تھیں۔ لیکن اگر یہ رات خاموشی سے گزر جاتی تو
اڑھی کیا تھا؟ چنانچہ رات کے ابتدائی حصے میں، میں نے تیاریاں شروع کر دیں۔

”اوہ..... بینڈر ک! کیا آج رات بھی باہر جاؤ گے؟“
”ہاں..... کیوں لوی.....؟“

”آج نہ جاؤ۔ پورے جزیرے پر اُس کی ٹالاٹ جاری ہے۔ کیہیں تم اس حیثیت سے اُن
ٹالوں میں نہ آ جاؤ۔“
”نہیں آؤں گا لوی! بے فکر ہو۔ میں ٹھوڑی سی آوارہ گردی کے بعد واپس آ جاؤں گا۔
اہر نہ کافا تو اُستاہت کا شکار ہو جاؤں گا۔“ لوی خاموش ہو گئی۔

لوی گن دیرستک مجھے تشویشاں کا نگاہوں سے دیکھتی رہی۔ پھر ایک گہری سانس لے کر
بولی۔ ”ڈیوک البرٹ ایک خوفناک عفریت ہے۔ مجھے بتاہ کرنے کے لئے بھی لاکھوں
انسانوں کی زندگیاں قربان کرنا پڑیں گی۔ یہ بات تم بھی جانتے ہو بینڈر ک! اور میں بھی.....
تم نے اُس سے بغاوت کا بیڑا اٹھایا ہے۔ اور میں نے بھی تم سے اعانت کا وعدہ کیا ہے۔
لیکن اجازت دو تو میں تمہیں اپنی ذہنی کیفیت بتاؤں؟“

”ضرور لوی.....!“ میں نے جواب دیا۔

”میں اسے ایک طفلانہ حرکت سمجھتی ہوں۔ ایک ایسی حرکت جس کا کوئی مقصد نہیں تھا۔
لیکن ڈیزیر بینڈر ک! میں تمہیں مایوس نہیں کرنا چاہتی تھی۔ میں خود بھی اس زندگی سے خوشنہیں
ہوں۔ کیا ہم زندوں کی طرح زندگی گزار رہے ہیں؟ کیا ہمارا رواں رواں اُس کا غلام نہیں
ہے؟ کیا زندگی اسی کو کہتے ہیں؟ میں جانتی ہوں بینڈر ک! کہ تمہارا ضمیر بھی جاگ انھا
ہے۔ اور اس دور میں ان دونوں میں سے صرف ایک چیز زندہ رہ سکتی ہے۔ ضمیر یا انسان
خود..... اگر وہ ضمیر کی زندگی کے ساتھ اپنی بھی زندگی کا خواہاں ہو تو اسے حمافت ہی کہا جاسکتا
ہے۔ میں اب اپنے ضمیر کو زندگی دینا چاہتی ہوں۔ اس لئے تمہارے ساتھ شریک ہو کر میں
نے اپنی موت کو پکار لیا ہے۔ مجھے بزدل مت سمجھنا بینڈر ک! تم دیکھو گے، میں کسی موڑ پر
تمہیں پشت نہیں دکھاؤں گی۔ لیکن جو نجماں ہے، میں نے اُس کی نشاندہی کر دی ہے۔“

”ہو سکتا ہے، تمہارا خیال درست ہو لوی!“ میں نے کہا۔

”لیکن ان دونوں ڈیوک کے ستارے واقعی گردش میں آ گئے ہیں۔ اُس کے غرور کو ناقابل
فراموش زک پہنچی ہے۔“

”میں نہیں سمجھا.....“

”میں اسی شخص کی بات کر رہی ہوں بینڈر ک! جس نے آئلدرے کو فنا کر دیا۔ جس نے
ڈیوک کی لانچ بتاہ کر دی اور ڈیوک، جس کو غور تھا کہ اُس کے اشارے کے بغیر پونے بھی

ساعت سوچتا رہا۔ پھر وہی احساس، ذہن میں ابھر آیا کہ یہ لڑکی کسی دوسرے انسان کی نیت سے مجھے چاہ رہی ہے۔ اور جب اُسے اس بات کا احساس ہو گا کہ میں، وہ نہیں ہوں تو نجاتِ اُس کی ذہنی کیفیت کیا ہو؟ چنانچہ میں اُسے دھوکہ دینا نہیں چاہتا تھا۔ میں اُس کے ساتھ بیٹر ڈروم تک تو آگیا لیکن اندر پہنچ کر میں نے کہا۔

”بیٹھلوسی! غالباً تم میرا انتظار کر رہی تھیں۔“

”ہاں.....!“

”میرا خیال تھا، تمہیں سو جانا چاہئے تھا۔ ممکن ہے، دیر ہو جاتی۔“

”بس..... نیند نہیں آ رہی تھی۔ ہاں! تو تم میرا خیال ہے، اس موضوع کو زیادہ پسند کر رہے تھے۔“

”ہاں لوسی! میں اُس شخص سے بہت متاثر ہوں۔ اور سچ جانو! میں اُس کی تلاش میں نکلا تھا۔ اگر وہ مجھے مل جائے تو شاید میں اُس کی مدد کرنے پر بھی آمادہ ہو جاؤں۔“

”اوہ، بینڈر ک! تم ضرورت سے زیادہ جذباتی ہو۔“ لوسی اُب اعتدال پر آنے لگی تھی۔ اُس کے انداز میں خوف پیدا ہو گیا تھا۔

”میں سمجھنا نہیں لوسی؟“

”میری مراد یہ ہے کہ البرٹ کے خلاف اگر تم کچھ کرو ہر صورت! تمہیں اس کے لئے اس قدر محتاط رہنا پڑے گا کہ کسی کو کافوں کا انخبر نہ ہو۔ یہ کھیل جو تم نے کھیلا ہے، میرا مطلب اس ڈرامے سے ہے، جو تم نے خیہ ہونے کے سلسلہ میں کیا ہے۔ اور اگر اس کی اطلاع بھی ڈیوک کو کسی طرح مل گئی تو شاید وہ بہت سخت اقدامات کرے تمہارے خلاف۔ کیونکہ ہر صورت! اُسے یہ احساس تو ہو جائے گا کہ تم نے اُس سے فریب کیا ہے۔“

”ہاں..... یقیناً! اس میں کوئی شک نہیں ہے۔“ میں نے جواب دیا۔

”ان حالات میں تمہیں اس انداز میں نہیں سوچنا چاہئے۔ وہ شخص جو کچھ کر رہا ہے، اُسے تم اُس کے حال پر چھوڑ دو۔ تم اپنے طور پر، بلکہ میرا خیال تو یہ ہے کہ فی الحال تم معطل ہو جاؤ۔ اور یہ دیکھو! کہ وہ ڈیوک کے خلاف کیا کچھ کر لیتا ہے۔“

”ہوں.....!“ میں نے پر خیال انداز میں گردنہ لالائی۔ اس وقت اس گفتگو سے مقصد سکنی تھا کہ لوسی کی توجہ ان خیالات سے ہٹائی جائے جس نے اُس کی آنکھوں میں خمار پیدا کر دیا ہے۔ اور میں اس میں کسی حد تک کامیاب رہا۔ تب میں نے کہا۔ ”لوسی ڈارنگ! کیا تم

لیکن اس تھوڑی دیر کی آوارہ گردبی میں ہی میں نے شاندار کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔ میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ حالات کچھ بھی ہوں، کوئی رات خالی نہیں جانی چاہئے۔ ویرا کے بارے میں مجھے معلوم ہو چکا تھا کہ وہ نیزیریت سے ہے۔ چنانچہ اُب مجھے اُس کی پرواہ بھی نہیں تھی۔ اُس رات میں نے مسٹر ڈڈی کی ایجاد کی ہوئی سویوں سے ہی فائدہ اٹھایا تھا۔ یہ بے آواز شکاری نہایت موثر ثابت ہوئے تھے۔ تقریباً نو افراد اُن سویوں کا شکار ہو گئے تھے اور موقع پا کر اُن میں سے ایک کے کوٹ پر میں نے اپنا تحریر شدہ کاغذ پن کر دیا تاکہ انہیں میرے بارے میں علم ہو جائے۔ اور پھر ایک گھنٹے کے اندر اندر میں واپس اپنی رہائش گاہ پر پہنچ گیا۔

لوسی جاگ رہی تھی۔ مجھے دیکھ کر مسکرائی۔ آج اُس کی آنکھوں میں کچھ انوکھے تاثرات تھے۔ اُس کے چہرے پر ایک عجیب سی گفتگو چھائی ہوئی تھی۔ میں پہنچا تو وہ مذہل سے لجے میں بولی۔

”بہت جلد آگے بینڈر ک!“

”ہاں! میں تم سے وعدہ کر چکا تھا لوسی! کہ جلد آؤں گا۔“

”کیا حالات ہیں باہر کے؟“

”بس..... اچھے نہیں ہیں۔ چھپے چھپے پر اُس شخص کی تلاش جاری ہے۔ لیکن واقعی اُس نے تو البرٹ میں تھلمکہ مجاہدیا ہے۔“ میں نے کہا۔

”ہاں..... اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ اور میرا خیال ہے کہ ڈیوک البرٹ کے لئے یہ پہلا سننی خیز تجربہ ہے۔“

”لیکن مجھے افسوس ہے کہ ایسا دلیر شخص بالآخر ڈیوک کے باقیوں مارا جائے گا۔“ میں نے کہا۔

”ہاں..... اس میں کوئی شک نہیں ہے۔“ لوسی نے کہا۔ اور پھر منور لجھ میں بولی۔

”آب..... چلتے ہیں۔ اب نیند آ رہی ہے۔“

”اوہ..... لوسی! کیا تم اُس دلیر شخص کے بارے میں گفتگو کرنا پسند نہ کرو گی؟“

”نہیں..... اس وقت کچھ نہیں۔ میں بہت دیر سے تھہار، انتظار کر رہی تھی۔“ لوسی نے جواب دیا۔

اور میں دل میں سوچ رہا تھا کہ آج حالات کچھ زیادہ بہتر معلوم نہیں ہوتے۔ چند

مجھے ایک کپ کافی نہیں پلوادگی؟“

”کافی..... اس وقت؟“

”ہاں..... اگر تم تکلیف محسوس کرو تو میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔ مجھے احساس ہے کہ میں تمہیں بہت تکلیف دے رہا ہوں۔“

”فضول باقیں نہ کرو بینڈرک! ایسی بھی کیا بات ہے؟ میں ابھی بننا کر لاتی ہوں۔“ لوی نے کہا اور باہر چل گئی۔

تب میں نے گھری سانس لی اور لباس تبدیل کرنے لگا۔ لباس تبدیل کرنے کے بعد میں دوبارہ اپنی حیثیت میں آگیا۔ اور جب لوی، کافی کی ٹرالی دھکلیتی ہوئی اندر داخل ہوئی تو میں ایک خوشی کی حیثیت سے لیٹا ہوا تھا۔ لوی کی آنکھوں کے چراغ بجھ گئے۔ اس نے سوچا تھا کہ میں یہ رات اسی انداز میں گزاروں گا۔ اور وہ میرے کچھ اور نزدیک آجائے گی۔

لیکن ظاہر ہے، آب میں جس پوزیشن میں آ گیا تھا، اس میں لوی کے لئے پیار و محبت کی گنجائش نہیں رہی تھی۔ چنانچہ اس نے خود کو بھی سنبھالنے کی کوشش کی اور کافی کی دو پیالا بنا کر ایک میرے سامنے رکھ دی۔ ہم کافی پیتے رہے اور ہماری گفتگو کا موضوع وہی شخص رہا جو ڈیوک کے جزیرے میں لگھ آیا تھا۔ دیر تک لوی میرے پاس بیٹھی رہی۔ میں جانتا تھا کہ جو گفتگو بھی میں اس سے کر رہا ہوں، وہ اس کے لئے قطعی غیر لچپس ہے۔ اس کا ذہن کہیں اور ہے۔ پھر جب اُسے احساس ہوا کہ وہ بے مقصد نیند خراب کر رہی ہے تو وہ پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی۔

”آب میں چلوں گی ڈارلنگ! مجھے نیند آ رہی ہے۔“

”اوہ ڈیر! صحیح ملاقات ہو گی۔“ میں نے جواب دیا اور وہ چل گئی۔ لیکن اس کے جانے کے بعد میں دیر تک سوچتا رہا۔ جزیرے پر جو کام ہو رہا تھا، وہ تو پوری طرح تلبی بخش تھا۔ لیکن لوی کے ساتھ معاملات بگڑتے جا رہے تھے۔ لوی جس مود میں تھی، میں اُسے اچھی طرح سمجھ رہا تھا۔ لیکن بس! ایک احساس تھا جو مجھے روکے ہوئے تھے۔ لیکن یہ احساس کہیں مجھے ڈبو نہ دے..... عورت بڑی عجیب و غریب شے ہے۔ اگر میں نے اُسے جھنجلاہٹ میں بتلا کر دیا تو پریشان بھی ہو سکتا ہوں۔ حالانکہ یہاں لوی میری جیت تھی۔ اس سے بگاڑ کر میں سخت مصیبت میں گرفتار ہو سکتا تھا۔

دوسری صحیح لوی نے ہی مجھے جاگایا تھا۔ وہ بہت پر جوش نظر آ رہی تھی۔ ”اوہ، بینڈرک!

ٹھوپینڈرک.....!“ میں نے آنکھیں کھوں کر لوی کو دیکھا۔ بہت خوبصورت نظر آ رہی تھی۔ اپاہنا کر آئی تھی۔ بالوں سے پانی کے قطرے پیک رہے تھے۔ ”اٹھو بینڈرک!“ اس نے پتوپر جوش لجھے میں کہا اور میں نے دونوں ہاتھ پھیلایا۔ اس کے پر جوش انداز سے میٹھاڑیں ہوا تھا۔ لوی چونک پڑی۔ اس نے عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھا۔ اور پھر اسی قدرست لجھے میں بولی۔ ”اٹھو گے نہیں بینڈرک؟“

”نہیں.....!“ میں نے جواب دیا۔ میرے ہاتھ اسی طرح پھیلے ہوئے تھے۔ تب وہ اُنگ بڑھ گئی ہوئی میرے بازوں میں آ گئی۔ میں نے اُسے بچھ لیا۔

”شاید تم ابھی تک نیند کی جھوٹک میں ہو۔“ اس نے کسی قدر طنزیہ لجھے میں کہا۔ ”کیوں لوی.....؟“

”بلیں! تم جاگتے میں زیادہ محتاط ہوتے ہو۔“ اس کے انداز میں شکایت پیدا ہو گئی۔

”یہ بات نہیں ہے ڈارلنگ! میں تمہاری شکایت محسوس کر رہا ہوں۔ لیکن لوی! تم میرے بذبات کو نہیں سمجھ رہی ہو۔ لوی! میں تمہاری شرافت سے ناجائز فائدہ نہیں اٹھانا چاہتا۔ اگر میں بھی ان ہی بذبات کا اظہار کروں، جن کے تحت دوسروں نے تم میں دلچسپی لی ہے تو شاید نہ میرے بارے میں بھی اسی انداز میں سوچو۔ جس طرح دوسروں کے بارے میں سوچتی ہو۔“

”لوی چوٹک کر مجھے دلکھنے لگی۔ پھر بولی۔ ”لیکن میں تو تمہیں چاہتی ہوں.....“

”میں اگر تمہیں نہ چاہتا لوی! تو تم پر منکشف نہ ہوتا۔“

”اوہ ڈیر..... ڈیر بینڈرک! تم نے یہاں تک میری اوقات بڑھا دی ہے۔ تم نے مجھے نہیں دیکھ دیا اس دلادیا ہے۔ اگر تم اس جذبے کے تحت مجھ سے دور رہتے ہو تو میں تم سے بھی شکایت نہیں کروں گی۔ میں تمہاری نگاہوں میں اسی قدر اہمیت رکھتی ہوں۔“ اس کے چھرے پر خوشی کے رنگ بکھر گئے اور میں نے ایک گھری سانس لی۔ بیچاری عورت..... لوی نے میری آنکھوں کو چوما اور بولی۔ ”جانتے ہو، تمہاری رات کی بے انتہائی سے میں نے کیا سوچا تھا.....؟“

”کیا سوچا تھا لوی.....؟“

”میں سوچ رہی تھی کہ تم صرف اس لئے مجھ سے مسلک ہو کہ میں تمہارے کام آ رہی نہیں۔ ذہنی طور پر تم مجھ سے متفق نہیں ہو۔ دراصل میں سوچتی ہوں کہ تمہارے ذہن میں یہ بات ہے کہ میرا کردار کوئی ٹھوس حیثیت نہیں رکھتا کہ تم مجھے اپنی محبت بناؤ۔“

پس تو اس کی کوئی اور وجہ بھی ہو سکتی ہے۔“

”نہیں ڈیز.....! یہی تو دلچسپ بات ہے۔“

”سیما مطلب.....؟“

”اُس نے ایک شخص کے کوٹ پر ایک پر زہ پن کیا ہوا تھا۔ جس میں اُس نے اعلان کیا تھا کہ یہ سب کچھ اُسی نے کیا ہے۔“

”خدا کی پناہ!“ میں نے پیشانی مسلسل ہوئے کہا۔ ”اس کا مطلب ہے کہ وہ بہت ہی فونکشنیٹس کا مالک ہے۔ اور سب سے بڑی بات یہ کہ اُس نے ڈیوک کو چوہا بنا کر رکھ دیا ہے۔“

”ہاں بینڈرک! ہم یہ الفاظ اپنی زبان سے ادا نہیں کر سکتے۔ لیکن درحقیقت اس وقت ڈیوک کی ساری شخصیت خاک میں مل کر رہ گئی ہے۔“

”بہر صورت! یہ واقعی عجیب و غریب خبر ہے۔“ میں نے کہا اور لوہی گردان ہلانے لگی۔ تھوڑی دیر کے بعد اُس نے کہا۔ ”اچھا! میں تمہارے لئے ناشتمان وغیرہ تیار کر کے لاتی ہوں۔“ یہ کہہ کر دُوہ کمرے سے باہر چلی گئی۔

لوہی گن، بالکل ٹھیک جا رہی تھی۔ اُس کی جانب سے کوئی انجھن میرے ذہن میں نہیں تھی۔ لیکن اُب میں سوچ رہا تھا کہ یہ تباہی میں کب تک پھیلا دوں گا؟ ڈیوک کے پورے جزیرے پر میں نے سنسنی پھیلا دی تھی۔ اُس پر اس کارروائی کا کیا رد عمل ہے؟ اس بارے میں تو مجھے کچھ معلوم نہیں تھا۔ لیکن بہرحال! جزیرے پر جو کارروائی ہو رہی تھی، اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ ڈیوک خاصا متفکر ہے۔ اور اُسے متفکر ہونا ہی چاہئے تھا۔ اُس کے آدمی بے تھا شہ قتل کے جاری ہے تھے۔ اور ظاہر ہے، وہ اپنے آدمیوں کی یہ تباہی تو پسند نہیں کر سکتا تھا۔

اور یوں بھی اُس کے لوگوں میں بد دلی پھیل سکتی تھی۔

حالانکہ وہ تمام ترندہ ہی سے مجھے تلاش کر رہے تھے۔ لیکن مجھے یقین تھا کہ ابھی اُن کے لئے ایسا ممکن نہیں ہے۔ لیکن بہر صورت! میں ایک یادو دن تک مزید یہ کارروائی جاری رکھنا چاہتا تھا۔ اس کے بعد میرا کوئی مطالبہ، ڈیوک کی نگاہوں میں جانا ضروری تھا۔ تاکہ وہ ان پر قتل کرنے کے بارے میں سوچے۔ بلاوجہ لوگوں کو قتل کرنے سے کوئی خاص نتیجہ تو حاصل ہو نہیں رہا تھا۔

تیسری رات اور پھر پچھی رات بھی میں نے نہایت چاک دستی سے قتل عام کیا اور

”اوہ..... نہیں لوہی! نہیں۔ مجبوریاں بعض اوقات انسان کو نجات کہاں سے کہاں سے جاتی ہیں۔ میں بھی تو مجبور ہوں۔ کیا تم نے کبھی اس بات پر غور نہیں کیا؟ خود میرا کردار کوں سا اچھا رہا ہے؟ کیا میں ڈیوک کے احکامات کی تعمیل میں ہر قسم کے جائز اور ناجائز کام نہیں کرتا رہا؟ اگر میں اس کے احکامات کی پابندی بھی اسی انداز میں کرتا رہا ہوں تو پھر مجھ میں اور تم میں کیا فرق ہے؟“

”یہ تھا ری عظمت ہے بینڈرک! ورنہ..... بہر صورت! چھوڑو ان باتوں کو۔“ لوہی نے میرے سینے پر منہ رگڑتے ہوئے کہا۔ ”ارے ہاں..... وہ چونک کر بولی۔ میں تمہیں جو بات سنانے آئی تھی، وہ تو بھول ہی گئی۔“

”کیا لوہی ڈیز.....؟“ میں نے پوچھا۔

”تمہیں معلوم ہے کہ پورے جزیرے پر کل رت جگا رہا ہے؟“

”کیوں.....؟“

”بس! تمام لوگ اپنے طور پر جزیرے کے پہ پہ پر اُسے تلاش کرتے پھر رہے تھے۔ لیکن جانتے ہو، اُس نے کیا، کیا؟“

”کیا.....؟“ میں نے تجھ سے پوچھا۔

”وہ رات کو پھر اپنا کام کر کے نکل گیا۔“

”کیا مطلب.....؟“

”پورے نوآدمی بلاک کئے ہیں اُس نے..... اور یقین کرو! بینڈرک! کہ سب منتخب ہیں۔“

”مگر اُس نے کیا، کیا.....؟“

”کچھ نہیں معلوم۔ بس! نوآدمی مردہ پائے گئے ہیں۔ اُن کے جسم گل سڑ گئے تھے۔“

”گل سڑ گئے تھے.....؟“ میں نے تجھ سے پوچھا۔

”ہاں.....!“ اُس نے جواب دیا۔

”طریقہ بلاکت کیا تھا؟“

”طریقہ بلاکت ابھی کسی کی سمجھ میں نہیں آیا۔ کوئی بہت ہی پراسرار سلسہ ہے۔“

”لیکن یہ کیسے پتہ چلا کہ اُن کی بلاکت میں اُسی شخص کا ہاتھ ہے؟ ظاہر ہے، اُس نے انہیں گول نہیں ماری، کسی خبر وغیرہ سے قتل نہیں کیا۔ اور اگر وہ پراسرار طور پر بلاک ہو گئے

ڈیوک کے جزیرے پر مرنے والوں کی تعداد تقریباً ستر تک پہنچ گئی۔

ستر آدمی میں نے موت کے گھاٹ اُتار دیئے تھے۔ یوں بھی میں اس سے پہلے ڈیوک کے بہت سے آدمیوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا تھا۔ ڈیوک کے جزیرے پر سارا کام معطل ہو گیا تھا۔ پہلے پہلے پر ڈیوک کے آدمی چھاپے مار رہے تھے۔

تب اُس شام لوی گن نے مجھے اطلاع دی کہ ڈیوک کا ایک باقاعدہ ریمرچ سیکشن سر جوڑ کر پیٹھ گیا ہے۔ ڈیوک خود بھی اس میٹنگ میں شریک ہے اور امید ہے کہ یہ ریمرچ سیکشن جلد ہی کوئی فیصلہ کر لے گا۔

”یہ ریمرچ سیکشن کیا ہوتا ہے.....؟“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”ڈیوک کے ہر معاملے میں بھی سیکشن کام کرتا ہے۔ اس سیکشن کے لوگ، ڈیوک کے بعد سب سے اعلیٰ وارف مانے جاتے ہیں۔ اور ڈیوک کی طرف سے جتنی کارروائیاں ہوتی ہیں، ریمرچ سیکشن ہی عمل میں لاتا ہے۔ ڈیوک کے کاروباری لوگوں پر اثر رکھنے کے لئے جو کچھ بھی کیا جاتا ہے، ان سب کے لئے بھی سیکشن کام کرتا ہے۔“

”اوہ..... تو یہ سیکشن کیوں بیٹھا ہے؟“ میں نے پوچھا۔

”صرف اس نے کہ اس بات پر غور کرے کہ وہ شخص کس طرح جزیرے پر آیا اور کہاں پوشیدہ ہے؟“

”ہوں..... تو تمہارا کیا خیال ہے لوی.....؟“ میں نے مسکراتے ہوئے لوی سے پوچھا۔

”میرا خیال ہے، وہ شخص جلد ہی منظر عام پر آ جائے گا۔“

”کیا ریمرچ سیکشن بے حد ذہین اؤگوں پر مشتمل ہے؟“

”ہاں.....! اس میں کوئی شک نہیں ہے۔“ لوی نے پرخیال انداز میں جواب دیا اور میں مسکراتے گا۔

اُس معمصہ سی لڑکی کو ابھی تک یہ شبہ نہیں تھا کہ جس کے بارے میں اتنے ہنگے ہو رہے ہیں، وہ میں بھی ہو سکتا ہوں۔ وہ تو بھی سمجھ رہی تھی کہ میں بلاشبہ! ڈیوک سے باغی ہو گیا ہوں اور اس وجہ سے میں نے مکمل طور پر خاموشی اختیار کر لی ہے۔ اور انتظار کر رہا ہوں کہ حالات ٹھیک ہوں تو میں بھی میدانی عمل میں آؤں۔

..... اور اُس رات میں نے لکھا کہ میرا مطالبه جو بھی ہو، منظور کیا جائے اُس رات میں نے صرف تین آدمی قتل کئے تھے۔

اُن کے بارے میں، میں نے لکھا تھا کہ آج چونکہ میں اپنے مطالبے کی بات پیش کر رہا ہوں۔ اس لئے زیادہ لوگوں کو قتل نہیں کر رہا۔ لیکن اگر اس مطالبے کا خاطر خواہ اعلان نہ ہو تو اس کے بعد آنے والی کل کی رات، قیامت کی رات ثابت ہو گی۔

میں نے اپنا یہ مطالبہ لکھ کر ایک مردہ شخص کے کوٹ پر پن کر دیا۔ اور اس کے بعد صرف جواب کا انتظار تھا۔ میں نے اپنے مطالبے میں یہ بھی لکھا تھا کہ ایک لاڈو ڈسپیکر کے ذریعے اعلان کیا جائے کہ میرا مطالبہ منظور کیا جا سکتا ہے۔

تب میں نے اپنے مطالبے کا خاطر خواہ جواب پایا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ اس جواب کا پس منظر کیا ہے؟ لیکن اُس روز لاڈو ڈسپیکر پر جنگلوں میں، پہاڑوں میں اور شہری آبادی میں یہ اعلان کیا جا رہا تھا کہ وہ شخص اپنا مطالبہ دہراتے جو یہاں مجرمانہ کارروائیاں کر رہا ہے۔ ڈیوک اس پر ہمدردی سے غور کریں گے۔ یہ اعلان بار بار ہوتا رہا۔ درحقیقت! مجھے اس کی بہت خوشی تھی۔

لوی گن اس اعلان پر بہت متحیر تھی۔ وہ حیرانی سے گردن ہلا رہی تھی۔ تب اُس نے آنکھیں چھاڑتے ہوئے کہا۔ ”میں قیامت تک یقین نہیں کر سکتی بیڈنڈرک.....! قیامت تک یقین نہیں کر سکتی کہ ڈیوک اتنا نرم ہو گیا ہے۔ وہ تو اپنے آدمیوں کو بھی قتل کرادے گا۔ وہ ایک ایک کی ہلاکت قبول کر لے گا۔ لیکن کسی سے شکست تسلیم کر لینا ڈیوک کی عادت نہیں ہے۔“

”کیا تمہیں یقین ہے لوی.....؟“

”ہاں بیڈنڈرک! ڈیوک نے جو کچھ کہا ہے، اس میں فریب بھی ہو سکتا ہے۔“ لوی نے کہا۔

”ہاں..... اس بات کے امکانات ہیں لوی! لیکن کیا وہ شخص فریب میں آ جائے گا؟ اور وہ فریب جو کسی قسم کا ہو سکتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ صرف اس لئے کیا گیا ہے کہ وہ قتل عام سے باز آ جائے۔ ظاہر ہے، ڈیوک اگر یہ اعلان نہ کرتا تو آج کی رات پھر وہ شخص قتل عام کرتا۔ اس بات کا اندازہ تو ڈیوک کو بھی ہو چکا ہے کہ بہر صورت! وہ اتنا پھر تیلا شخص ہے کہ ڈیوک کے آدمی دن رات جانے کے باوجود، اُس کے بارے میں معلومات حاصل نہیں کر سکتے۔“

”ہاں..... لیکن امکان اسی بات کا ہے کہ ڈیوک نے یہ اعلان کر کے اُسے مزید قتل کرنے سے روکا ہے۔ تاکہ اُس کے پلانگ سیکشن کو موقع مل جائے۔“

”ممکن ہے.....!“ میں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

اور یہ پلانگ سیشن واقعی ذہین لوگوں پر مشتمل تھا۔ اعلان ہوئے انہی صرف چیخنے گزرے تھے۔ اور میں نے سوچا تھا کہ آج رات دیرا کے بارے میں اعلان کر دوں۔ میں لکھوں گا کہ دیرا کو پیرس پہنچا دیا جائے۔ اُسے اُس کے وطن جانے کی سہولت مہیا کی جائے۔ اور اُس کے مقابلات کو لٹوڑ رکھا جائے۔ لیکن ڈی فلپ کو یہاں سے ہٹالیا جائے۔

لیکن یہ سوچ صرف سوچ تھی۔ ٹھیک چھ گھنٹے کے بعد جبکہ لوی گن، پکن میں کام کر رہی تھی، میں نے کچھ آوازیں سنیں اور چونکہ پڑا۔ اُن آوازوں میں لوی کی آواز بھی تھی۔ میں چونکہ سخت زخمی کی حیثیت سے لیٹا ہوا تھا اس لئے میں نے صورت حال جانے کی کوشش نہیں کی۔ لیکن چند ہی ساعت کے بعد دروازہ کھلا اور لقریباً آٹھ آدمی کمرے میں گھس آئے۔

سب کے سب تدرست و توانا تھے اور پھر تیلے معلوم ہو رہے تھے۔

”بات یہ ہے مسٹر بینڈرک! کہ ریسرچ سیشن نے چند لوگوں کے نام پیش کئے ہیں، جن پر شک و شبہ کیا جاسکتا ہے۔“ اُن میں سے ایک نے کہا۔

”کیا شاہی.....؟“ میں نے پوچھا۔

”اوہ، ٹارک.....! کیا تفصیل بتانا ضروری ہے؟“ دوسرا نے اعتراض کیا۔

”مسٹر بینڈرک ایک نمایاں عہدے پر کام کرتے ہیں۔ اس لئے میں نے انہیں یہ بتانا ضروری خیال کیا تھا۔“

”کوئی ضرورت نہیں۔ بس، مسٹر بینڈرک! یوں سمجھ لیں کہ ڈیوک نے آپ کو بھی طلب کیا ہے۔ چند دوسرے لوگ بھی ہیں۔ جو اب سے چند منٹ کے بعد ڈیوک کے سامنے پیش ہوں گے۔“

”مجھے کوئی اعتراض نہیں..... لیکن میری حالت.....؟“ میں نے گھٹی ٹھی آواز میں کہا۔

”میں تو اٹھ کر بیٹھ بھی نہیں سکتا۔“

”میں ایک بولنس لایا ہوں..... آپ جانتے ہیں کہ ڈیوک نے طلب کیا ہے۔“ اُس شخص نے کہا اور میں نے گردن ہلا دی۔

”یقیناً میں انکار نہیں کر سکتا۔“ میں نے جواب دیا۔ اور اُس شخص نے دوسروں کو واشارہ کیا۔ لوی سب سے پیچھے کھڑی ہوئی تھی۔ اُس کا چہرہ زرد ہوا تھا۔ بلاشبہ! صورت حال خطرناک ہو گئی تھی۔ لیکن میں پر سکون تھا۔ ان حالات سے نمٹنے کے لئے سکون ضروری تھا۔

بُرٹ بیلیں کی تربیت میں مجھے بتایا گیا تھا کہ اس زندگی میں پچھتر فیصد مار کھانے کے چانس بنتے ہیں اور پچیس فیصد مارنے کے۔ اس لئے خود کو کبھی دوسرے کی گرفت سے ڈورنے بھجو۔ ہاں! جب آزاد ہوتا تھا کہ لوک کچھ کرنے کی حرمت باقی نہ رہ جائے۔

تھوڑی دیر بعد سڑپر آگئا۔ وہ شخص جو غلطی سے میرے سامنے تشریح کرنے کھڑا ہو گیا۔ بہر حال! کچھ کام کی باتیں بتا گیا تھا۔ مثلاً معاملہ اُسی ریسرچ کمیٹی کا ہے۔ اور اُسے مجھے بھی شبہ ہے۔ گویا یقین نہیں ہے۔ اُب بچنے کے لئے پہلی کوشش یہ ہو سکتی تھی کہ میں جو کچھ ہوں، اُسے ثابت کرنے کے لئے اپنی چوٹی کا زور لگا دوں۔ مسٹر ڈاؤنی کے دینے ہوئے تھے یہ اس وقت میرے پاس نہیں تھے۔ لیکن وہ اسی کمرے میں پوشیدہ تھے۔ اگر اُس کی اتفاقی لای تھی تو انہیں حاصل کیا جا سکتا تھا۔

بہر حال! اُب تو جو ہوتا ہے، ہو گا۔ میں نے سوچا اور مطمئن ہو گیا۔ مجھے نہایت احتیاط ہے سڑپر ڈالا گیا اور میں کرہا بھی تھا۔ لیکن میرے ہمدرد، مجھے لے کر چل پڑے۔ اور پھر ایک بولنس نے ایک مختصر سفر کیا اور کسی عمارت میں داخل ہو گئی۔ میں چونکہ دیکھنے نہیں سکتا تھا۔ اس لئے تمی فصلہ نہیں کر سکتا تھا۔ تاہم وہ ڈیوک کی ربانش گاہ کے علاوہ اور کون سی جگہ ہو سکتی ہے؟

پھر سڑپر آثاراً رکھا اور مجھے لا کر ایک بیڈ پر لٹا دیا گیا۔ بہاں کی افراد موجود تھے۔ میرے پیسے سے تکلیف کا احساس بہت نمایاں تھا۔ چند لگا ہوں میں، میں نے ہمدردی کے آثار بھی دیکھ لے گئے۔ مجھے لانے والے چلے گئے تھے۔ اور پھر دوسرے لوگ بھی اس کمرے سے باہر چلے گئے۔ میں تھہارہ گیا تھا۔ کمرے کا دروازہ بھی بند نہیں کیا گیا تھا۔ ایک لمحے کے لئے بہرے دل میں یہ خیال آیا کہ یہاں سے فرار ہو جاؤں۔ کہیں میرا راز نہ کھل جائے۔ لیکن نہ بانے کیوں میں یہ خطرہ مول لینے کو تیار ہو گیا۔ دیکھنا چاہئے، کیا ہوتا ہے؟ جب تک موت نہ آ جائے، اُس وقت تک اُس کا خوف مناسب نہیں ہوتا۔

چاچچے میں اُسی جگہ، اُسی انداز میں لیٹا رہا۔ پھر دروازے پر آہٹ سنائی۔ اُسی اور میں نے ڈردن گھمائی۔ یہ میرا وہی ہمدرد تھا جسے میں نے تھوڑی دیر قبل دیکھا تھا۔ ”ہیلو ڈنڈرک.....!“ اُس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”ہیلو.....!“ میں نے نڈھاں آواز میں جواب دیا۔

”یکسی طبیعت ہے.....؟“

”ٹھیک نہیں ہوں۔“ میں نے کہا۔ ویسے میں سوچ رہا تھا کہ یہ بینڈرک کا کوئی خسارا ہی معلوم ہوتا ہے۔ بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔

”تمہیں تو ناحق ہی تکلیف دی گئی ہے۔“ وہ میرے نزدیک کری گھیٹ کر بینڈرک پر یاں تقریباً چودہ آدمی کھڑے تھے۔ وہ سب تدرست و توانا تھے۔

میں نے گھری نگاہوں سے کمرے کا جائزہ لیا۔ ایک طرح سے ایکسرے روم معلوم ہو رہا بولا۔

نما۔ یہاں ایک ڈاکٹر قم کا آدمی بھی موجود تھا۔

ایک لمحے کے لئے میرے ذہن نے پھر مجھے آگاہ کیا۔ صورت حال بہتر نہیں ہے۔ کیا کمیل شروع کر دوں.....؟ کھلی شروع کرنا مشکل نہیں تھا۔ اگر میں سڑپر کھلا گلگ لگا کر اس شخص کو دبوچ لوں جس کی کمر پر شین گن جھول رہی ہے تو میں بہت کچھ کر سکتا ہوں۔ لیکن اس عمارت میں دس بارہ کو مار بھی لیا تو کیا ملے گا؟ جزیرے سے نکلا بہر حال! آسان کام نہیں ہوگا۔ اور خاصی گزبرہ ہو سکتی ہے۔ بہر حال! میں کسی اندر ہے اقدام کو پسند نہیں کرتا تھا۔

”میں نہیں جانتا، یہ چکر کیا ہے؟“

”تم رخصی پڑے ہو، تم کیسے جانو گے؟“

”کیا قبصہ ہے.....؟ مجھے تباہ!“

”یا! بہت بڑی گزبرہ ہے۔ وہی شخص یہاں جزیرے پر پہنچ گیا ہے، جس نے لائچ تباہ کی تھی اور آلڈرے کو پھونک دیا تھا۔“

”اوہ.....!“ میں نے بھی خوف زدہ لہجہ اختیار کیا۔

”یہاں آ کر بھی اُس نے تباہی پھیلا دی۔“

”کیا مطلب.....؟“

”سترا دمیوں کو قتل کر چکا ہے۔ بالکل وحشی درندہ ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے انسانوں کی اُس پھر دسرے لوگوں کو ایک ایک کر کے ایک مشین کے سامنے سے گزارا گیا۔ اُس مشین میں کی لگاہ میں کوئی وقعت ہی نہ ہو۔ تمہیں یاد ہے کہ اُس نے آلڈرے کے کتنے دمیوں کو قتل کیا ایک بلاشبہ روش تھا۔ چوتھے نمبر پر یہ سڑپر بھی مشین کے ساتھ لے جایا گیا۔ میں اندازہ لانے کی کوشش کر رہا تھا کہ اس کا مقصد کیا ہے.....لیکن کوئی فیصلہ نہیں کر سکا۔

”خوبی دیر بعد کام ختم ہو گیا اور وہی چاروں آدمی میرے سڑپر کو باہر لے آئے۔“ ”سوری نمیر بینڈرک! دسرے لوگوں کی تو خیر کوئی بات نہیں۔ تمہیں بلا وجہ تکلیف دی گئی۔ لیکن

”یہی تو چکر کی بات ہے۔ پلانگ کمیٹی نے صرف ایک ہی فیصلہ کیا ہے۔“

”یہی.....؟“

”اُس کا خیال ہے کہ وہ ہمارے ہی کسی آدمی کے میک۔ اپ میں یہاں تک پہنچا ہے۔“

چنانچہ پلانگ کمیٹی کی سفارش پر پہلے پندرہ روز کے اندر اندر بیرس جانے والے تمام لوگوں کو طلب کر لیا گیا ہے۔ اُن کی چائچ پڑتال کی جائے گی۔ ان سے پہلے کے لوگوں پر شبہ نہیں کیا جاسکتا۔

”لیکن میری جو حالت ہے۔ میں تو حادثے کا شکار ہوا ہوں.....!“

”ہاں.....! لیکن کمیٹی نے کسی شخص کو نہیں چھوڑا۔“ اُس نے جواب دیا۔ اور پھر ایک دہر۔

”خاصی خوبصورت ہے لوئی گن۔“ اُس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”ناموش ہو گیا۔ بہت سے لوگ پھر اندر آگئے تھے۔“

"اور اتنے ہی انتھے دل کی مالک بھی ہے۔"

"محبوبہ ہے تمہاری.....؟"

"یہی سمجھ لو!"

"ٹھیک ہے، کوئی حرج بھی نہیں ہے۔ ظاہر ہے، وہ ڈیوک کی پسند تو نہیں ہے جو تمہیں کسی قسم کے تردید سے دوچار ہونا پڑے۔"

میں نے خاموش اختیار کی اور تھوڑی دیر بعد مجھے کمرے میں پہنچا دیا گیا۔

"تم میری خواہش کا اٹھاہر کر دینا۔ میں یہاں سخت اُبھن محسوس کر رہا ہوں۔ ہاں! اگر ڈیوک کی طرف سے کوئی پابندی نہ ہو تو....."

"ٹھیک ہے، میں معلوم کر لیتا ہوں۔" اُس شخص نے کہا جس کا نام ابھی تک مجھے معلوم نہیں ہوا تھا۔ وہ چلا گیا۔ لیکن میرا ذہن ابھی تک صاف نہیں تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ کوئی گز بڑا ضرور ہے۔ وہ مشین میرے ذہن میں چھوڑی تھی۔

میں نے بستر پر کروڑ بدی اور اچانک لکھ کی آواز سنائی دی۔ بستر کے دونوں سینیڈ سے فولادی پیپلیں اور میرے بدن کے گرد کس گئیں۔ چوڑی چوڑی پیپلیں کسی میکرزم سے نسلک تھیں اور اس برق رفتاری سے میرے دونوں طرف آ کر کس گئیں کہ میں ہل بھی نہیں سکا۔ نرم بستر میرے لئے پچھرہ بن گیا تھا۔ میں نے ایک گہری سانس لی۔ اب کوئی غلط نہیں حمایت تھی۔ میرا راز کھل گیا ہے۔ میں نے کسی قسم کی جدوجہد نہیں کی۔

حالات اگر اس نجح پر آ جائیں کہ جدو جہد کی گنجائش نہ رہے تو پھر آرام کرنا چاہئے۔ میں نے سوچا اور محض ایک تماشائی بن گیا۔ موت کا کھیل تو اب زندگی میں قدم قدم پر تھا۔ چنانچہ میں نے ذہن کو آزاد چھوڑ دیا۔

چند ساعتیں اس انداز میں گزر گئیں۔ اور پھر اچانک میرے بستر میں حرکت ہوئی۔ کوئی دوسرا موجود نہیں تھا۔ جو کچھ ہوا تھا، سب مشین عمل تھا۔ میری مسہری اب سبک روی سے اپنی جگہ چھوڑ رہی تھی۔ اور پھر وہ ایک دیوار سے گزر گئی۔ دیوار کسی پر دے کی طرح سرک گئی تھی۔ اور مسہری کا یہ سفر بھی خوب تھا۔ گو، لمحاتی تھا۔ لیکن ہبھال! بے شمار کیفیات کا حامل۔ پھر میں ایک بڑے ہال میں پہنچ گیا۔ نہایت شفاف ہال تھا۔ دیواروں میں روشنیاں نصب تھیں۔ سامنے دو بڑی کریساں پڑی ہوئی تھیں اور ان پر دو شاندار شخصیتیں برا جہاں تھیں۔ اعلیٰ قسم کے سوٹ میں ملبوس ایک وجہہ شخص، جس کی عمر چالیس یا یا لیس سے زیادہ نہیں ہو گی۔

راز قامت، انتہائی متناسب جسم کا مالک۔ دوسری عورت تھی۔ جس کی عمر کافی تھی لیکن نہایت نئی خود خال، بے حد پر وقار چہرہ، بہت سادہ لباس تھا۔ جس میں وہ بے حد حسین نظر آ رہی تھی۔

دونوں کے ہونتوں پر مسکرا ہے تھی۔ ایک پر سکون مسکرا ہے۔ اور یہی سکون ان کی اب صورت آنکھوں میں بھی تھ۔ تبھی اچانک فولادی پیپلیاں میرے اوپر سے ہٹ گئیں اور میں پھر اسی پوزیشن میں آ گیا۔ لیکن میں نے اٹھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اچانک ہی گدوں کے پر لگ نے مجھے پھال دیا۔ کافی زور سے گرا تھا۔ چوٹ بھی گئی تھی۔ بیٹھ داپس ایک پوارے گز۔ کر باہر چلا گیا اور دیوار پر برابر ہو گئی۔

میں نے اندازہ لکھا کہ سارا میکرزم اس کری میں موجود ہے۔ جس پر وہ شخص یا عورت بھی ہوئی ہے۔ بہر حال! میں خاموش زمین پر پڑا رہا۔

"کھڑے ہو جاؤ.....!" نرم۔ لجئے میں کہا گیا۔ آواز مردانہ تھی۔ میں نے اُس حکم پر کوئی نہیں دی اور اسی طرح پڑا رہا۔ "جو کہا جا رہا ہے، وہی کرو۔ ورنہ نقصان کے ذمہ دار تم نہیں ہو گے۔"

"میں..... میں زمی ہوں۔" میں نے بمشکل کہا۔

"ممکن ہے۔ لیکن میرے حکم کی تعییں ہر حالت میں ہوتی ہے۔" مرد کی آواز اب بھی نرم تھی۔ زم اور پر سکون۔۔۔۔۔ اس میں ذرا بھی انتشار کا شانتہ نہیں تھا۔

"مم..... میں....." میں ہکلایا۔

"نہیں..... یہ تمہاری اصل آواز نہیں ہے۔" میری بات درمیان سے کاٹ دی گئی۔ "چلو! اب چوتھی بار نہیں کہوں گا۔"

میں نے ایک گہری سانس لی اور اٹھ کھرا ہوا۔ پھر بمشکل تمام متوازن رہا۔ اُن دونوں کے چہرے میں صاف دلکھ سکتا تھا۔ لیکن اب ان کی شکلیں دیکھ کر غصہ آنے لگ تھا۔ دونوں لک سکون سے بیٹھے ہوئے تھے۔ میں ان کے چہروں کو دیکھ رہا تھا اور وہ دونوں بھی برآء است میری آنکھوں میں دیکھ رہے تھے۔

"میرا نام البرٹ ہے۔" مرد نے تعارف کرایا۔ "ڈیوک البرٹ..... اور یہ میری مادر برا جان ہیں۔ مادام سورثینا مورگراہم یہ گ۔ مورگراہم یہ گ میرے نانا کا نام تھا۔ کیا تم اپنا توارف نہیں کراؤ گے.....؟"

”نہیں.....“ میں نے جواب دیا۔

”اوہ، کیوں.....؟“

”ضروری نہیں سمجھتا۔“

”خوب یہاں آنے کے بعد وہ سب کچھ ضروری ہوتا ہے، جو میں کہوں۔“ ڈیوک
نے کہا۔

اس کے باوجود میرے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی۔

”ہوں.....!“ اُس نے طنزیہ انداز میں کہا۔ ”لباس اتار دو!“

”اوہ..... کیا یہ بھی ضروری ہے.....؟“

”ہاں! سرکش انسان کو میں بے بس دیکھنا پسند کرتا ہوں.....!“

”میں اس سے بھی انکار کر سکتا ہوں۔“ میں نے جواب دیا اور یہ الفاظ ختم ہوئے ہی تھے
کہ اچانک دیوار میں لگے ہوئے ایک ششی سے تیز روشنی پھوٹی اور ایک سفید شعاع میرے
بدن سے نکل آئی۔ میرے بدن میں ایک سنناہٹ دوڑ گئی۔ ہاتھ پاؤں بے جان ہو گئے تھے۔
میں نے اپنی جگہ سے بلے کی کوشش کی لیکن بدن جیسے پھر کا ہو گیا تھا۔ البتہ ذہن ماؤف نہیں
ہوا تھا۔

”تمہارے دامیں جانب جو شیشہ لگا ہوا ہے، اس سے ایک شعاع لٹک لگی اور تمہارے
لباس میں آگ لگ جائے گی۔ میرے احکامات کی تعییں اس طرح ہوتی ہے۔“ ڈیوک نے
کہا۔ اور پھر شاید اُس کے ہاتھوں نے جنیش کی ہی تھی کہ عورت نے ہاتھ انھیا۔

”نہیں.....!“ اُس کے منہ سے پہلی بار آواز نکلی اور ڈیوک چونکر اُسے دیکھنے لگا۔ پھر
اُس کی مسکراہٹ اور گہری ہو گئی۔

”جو حکم مادر مہرباں.....!“ اُس نے ادب سے کہا۔

”لیکن تعییں ہوئی چاہئے.....!“

”بہتر.....!“ ڈیوک نے کہا۔ پھر اُس نے منہ سے کچھ نہیں کہا تھا۔ لیکن چند ساعتوں
کے بعد ایک خود کار دروازہ کھلا اور دو آدمی اندر آگئے۔ ”اے بے لباس کر دو.....!“ ڈیوک
نے حکم دیا اور وہ دونوں میری طرف بڑھ آئے۔ پہلے انہوں نے میرے بدن سے پینڈھ
کھولی اور پھر میرے بدن کا سارا لباس اتار دیا۔ میرے ہاتھ پاؤں مکمل طور سے ساتھ چھوڑ
چکے تھے۔ ہلا بھی نہیں سکا تھا۔ اور وہ میرا لباس اتار کر ایک طرف ہٹ گئے۔

”جاو.....!“ ڈیوک نے کہا اور وہ میرا لباس لے کر باہر چلے گئے۔ دونوں اُسی طرح
میں بیٹھنے ہوئے تھے۔ ”میں چاہوں تو تمہاری زبان بھی کھلو سکتا ہوں۔ لیکن خواہش ہے
تُم خود ہی لفٹگو کرو! میں تم سے ضروری معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ لیکن ان معلومات
لئے میں بے چین بھی نہیں ہوں۔ کیونکہ تم جیسے لوگ میرے راستے میں اُڑنے والی گرد
زیادہ اہمیت نہیں رکھتے جو تھوڑی دیر کے لئے لباس خراب ضرور کرتی ہے، لیکن پھر جہاز
ناجاہل ہے۔ اس کے باوجود میں تمہاری اس شدید محنت کے بارے میں معلوم کرنا چاہتا
ہی۔“

”لیکن ڈیوک! میں یہاں بھی تمہیں ناکام دیکھنا چاہتا ہوں۔ سنو! میں تمہیں اپنے بارے
نکچھ نہیں بتاؤں گا۔ اگر تم مجھے کسی قسم کی اذیت دے کر میری زبان کھلو سکتے ہو تو ضرور
ہش کرو! تاکہ تمہیں ایک اور ناکامی سے دوچار دیکھ کر مجھے مرست ہو۔“

ڈیوک ہنسنے لگا۔ پھر اُس نے اُسی نرم انداز میں کہا۔ ”میں تمہیں بتا چکا ہوں میرے بچے!
مجھے تمہارے بارے میں جانے سے کوئی بھی دلچسپی نہیں..... تم نے میرے جتنے آدمیوں کو
بیباہ کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔ ہر روز کروڑوں بھیاں مرتی ہیں۔ خود میرے پوری دنیا میں
لیے ہوئے بے شمار آدمی مختلف حادثات کا شکار ہوتے رہتے ہیں۔ میں نے بھی اُن کے
سے میں نہیں سوچا۔ رہی میری ناکامی کی بات..... تو تم دیکھے چکے ہو کہ میں ناکام نہیں
ہو۔“

”میں نہیں سمجھا ڈیوک! تمہارا اشارہ نہ کس طرف ہے؟“

”تمہاری طرف.....! ایک دلیر اور چالاک آدمی میرے سامنے برہنہ کھڑا ہے۔ میں نے
ٹنگا کر دیا ہے۔“ ڈیوک نے جواب دیا۔

”صرف تمہارے سامنے نہیں ڈیوک! یہ دلش خاتون بھی ہیں جو تمہاری والدہ ہیں۔ کیا یہ
تلبرنگل سے مخلوق ظہنیں ہو رہیں؟“ میں نے زہر میں بجھا ہوا تیر چھوڑا۔ لیکن اُس کا رو
نہیں؟ ڈیوک ہنسنے لگا۔

”میں بے حد خوش ذوق ہیں۔ اور تمہارے درزشی اور سہول بدن کے لئے میں ان کی
خواہیں پسندیدگی کے جذبات پار ہا ہوں۔“ اُس نے جواب دیا۔ اور درحقیقت پہلی بار
لیکن چکرا گیا۔ ”بات یہ ہے ڈیوک! کہ مجھے اپنی مگی سے بے حد پیار ہے۔ اس کی ایک
ماجرج ہے۔ جانتے ہو کیا؟“ اُس نے سوالیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔ پھر خود ہی

چکھ اور سانس باتی رہ گئے ہیں۔ می تھیں کچھ وقت اپنا مہمان رکھنا چاہتی ہیں اس لئے ابھی پچھ اور جو۔ لیکن می! کل صبح میں اسے آپ سے واپس لے لوں گا۔ ”پھر اُس نے شاید کوئی درکت ہی کی تھی کہ تیز روشنی میرے چہرے پر پڑی اور میرے حواسِ معطل ہونے لگے۔ چند ساعتوں کے بعد مجھ کوئی احساس نہیں رہا تھا۔

..... اور جب آنکھ کھلی تو کانوں میں شہد گھل رہا تھا۔ بڑی دلکش موسیقی تھی اور بے حد بھل کانوں بیٹھی تھیں کہ کسی نے انہیں مجھ سے روشناس کرایا۔ می کوتو کچھ بھی نہیں معلوم تھا۔ جب ایک نر نے مجھے ان کی گود میں ڈالا تو وہ بہت خوش ہوئی۔ اور اس کے بعد ان کی ساری توجہ میرے اوپر مبذول ہو گئی۔ پھر بڑا ہو کر میں ان کا خیال کیوں نہ کرتا؟ میں نے می کے لئے وہ ساری دلچسپیاں فراہم کر دیں جن سے وہ محروم رہی تھیں۔ اور آج ان کا ہوتی تھی۔ میں نے ایک گھری سانس لی۔

چند لمحوں کے بعد دلڑکیاں اندر پہنچ گئیں۔ لیکن ان کے بدن پر لباس نہ ہونے کے برابر نما۔ لباس نام کی کوئی شے تھی بھی تو صرف یہ جان میں اضافہ کرنے کے لئے۔ دونوں میرے زدیک پہنچ گئیں۔

”آپ جاؤ گئے.....؟“ ان میں سے ایک نے پوچھا۔ لیکن میں نے ان کی بات کا جواب نہیں دیا۔ اسی وقت مجھے اپنی برہنگی یاد آگئی۔ دوسرے لمحے میری نگاہ اپنے بدن پر گئی۔ لیکن میں باریک سلک کے ایک خوبصورت گاؤں میں تھا۔ گاؤں کے نیچے البتہ کوئی لباس نہیں تھا۔

لڑکوں نے میری طرف سے کوئی جواب نہ پا کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ اور پھر ان میں سے ایک نے کہا۔ ”جاگ تو گئے ہیں۔ اب پوچھنے کی کیا ضرورت ہے؟“

”تو پھر چلو! اطلاع دے دیں۔“ دوسری نے کہا اور وہ جس طرح آئی تھیں، اسی طرح واپس چلی گئیں۔ میں خاموش نگاہوں سے انہیں جاتے دیکھ رہا تھا۔ یہ پوری عمارت جدید ترین اصولوں پر تعمیر کی گئی تھی۔ ظاہر ہے، ڈیوک بے پناہ دولت مند تھا۔ اُس کے لئے یہ سارے کام مشکل نہیں تھے۔ جس شخص کو حکومت بھی نہ چھیڑتی ہو، وہ جو کچھ بھی ہوتا، کم تھا۔ بال کو جدید ایرکنڈیشن سے مخفذا کیا گیا تھا۔ ہوا کے اخراج کے لئے سکھے لگے ہوئے تھے میں ان کے سوراخ بہت چھوٹے تھے۔ مطلب یہ کہ یہاں سے فرار کا کوئی راستہ نہیں تھا۔

بہر حال! اب تو جو ہو گا، دیکھا جائے گا۔ ڈیوک نے اپنی ماں کے بارے میں جو کچھ کہا

بولا۔ ” وجہ یہ ہے کہ بے چاری می نے ہمیشہ محرومیاں دیکھی ہیں۔ انہوں نے میری وجہ سے شادی تک نہیں کی۔ اور پھر عمر میں وہ مجھ سے صرف تیرہ سال بڑی ہیں۔ وہ تو یہ بھی نہیں جانتی تھیں کہ مرد کے بدن میں عورت کے لئے کیا کشش ہوتی ہے؟ کیا میں اتنی معصوم عورت کو دنیا کی ایسی دلچسپیوں سے محروم رکھتا؟ ہرگز نہیں! می بے چاری صرف تیرہ سال کی تھیں کانوں بیٹھی تھیں کہ کسی نے انہیں مجھ سے روشناس کرایا۔ می کوتو کچھ بھی نہیں معلوم تھا۔ جب ایک نر نے مجھے ان کی گود میں ڈالا تو وہ بہت خوش ہوئی۔ اور اس کے بعد ان کی ساری توجہ میرے اوپر مبذول ہو گئی۔ پھر بڑا ہو کر میں ان کا خیال کیوں نہ کرتا؟ میں نے می کے لئے وہ ساری دلچسپیاں فراہم کر دیں جن سے وہ محروم رہی تھیں۔ اور آج ان کا ذوق بہت اعلیٰ ہے۔“

میں متھیرانہ انداز میں ان ماں بیٹوں کو دیکھ رہا تھا۔ پھر میں نے اُسی تحریر سے پوچھا۔ ”اور تمہارا باپ.....؟“

”باپ.....!“ ڈیوک پھر نہیں پڑا۔ ”جب می اُس کے بارے میں کچھ نہیں جانتی تو میں کیسے جان سکتا تھا؟ ہاں! اس دوران میں اس دور کے ان تمام نوجوانوں کو جواب بوڑھے ہو چکے تھے اور جن پرمی کی قربت کا شہبہ ہو سکتا تھا، میں نے پیڑا کر قتل کرایا۔ ان ہی میں سے کوئی میرا باپ ہو گا۔ بہر حال! مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں رہی ہے۔“

”خوب.....! تو یہ ہے تمہاری اعلیٰ شخصیت کا راز۔“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”جو بھی سمجھو۔ کیا اب بھی تم مجھے اپنے بارے میں نہیں بتاؤ گے؟“

”جو بھی سمجھو.....“

”ٹھیک ہے..... بہر حال! میں تھیں دیکھنا چاہتا ہوں۔ اور تمہارا خاتمہ بھی ضروری تھا۔ اس لئے تمہاری تلاش کی جا رہی تھی۔ اب تمہاری زندگی ضروری نہیں ہے۔ ابھی میں ایک بڑن پر انگلی رکھوں گا اور ایک شیشہ گھرے سبز رنگ کی روشنی اُگل دے گا۔ یہ شعاع اس قدر سرد ہو گی کہ تمہارے بدن کی ساری شریانوں میں خون جامے گا اور سردی کے دباؤ سے ہ پھٹ جائیں گی۔ یہ ہے تمہارا اختتام.....“ اُس نے جنبش کی اور اُس کا جملہ ادھورا رہ گیا۔ عورت نے جھک کر اُس سے کچھ کہا تھا۔

”اوے کے می.....!“ اُس نے جواب دیا۔ اور پھر گردن ہلا کر بولا۔ ”ٹھیک ہے۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں.....“ پھر وہ میری جانب متوجہ ہو کر بولا۔ ”میرا خیال ہے، تمہاری زندگی کے

تھا، وہ تجھ بخیز تھا۔ وہ پروقار عورت، ایسے کردار کی مالک نکلے گی، میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ اور خود ڈیوک، چہرے اور آواز سے، وہ کس قدر شریف معلوم ہوتا تھا، خطرناک تھا۔ لیکن اعلیٰ کارکردگی کا مالک۔ اس بات کو تسلیم کرنے میں کوئی عار نہیں تھا۔

چند ساعتوں کے بعد خود کار دروازہ پھر کھلا۔ اور اس سے مادام سورینا یونگ اندر داخل ہوئیں۔ عورت سفید رنگ کے گاؤں میں بابوس تھی اور بلاشبہ اس عمر میں بھی جسم کا یہ تناسب قبل رنگ تھا۔ اس کے ہونٹوں پر وہی پرسکون مسکراہٹ بکھری ہوئی تھی۔ وہ دلش انداز میں چلتی ہوئی میرے نزدیک آگئی۔

”ہیلو.....!“ میں نے سریلی آواز میں کہا۔ ”ہیلو.....!“ میں نے جواب دیا۔ زہن اس وقت میرا ساتھ نہیں دے رہا تھا اور کوئی مراعات کی توقع رکھتے ہو؟“ اسی بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی، جس کے تحت میں آزاد ہو سکتا۔

”سارینا تمہیں اپنی خواب گاہ میں خوش آمدید کہتی ہے۔“

”شکریہ..... لیکن میں یہاں اپنی خوشی سے نہیں آیا۔“

”ہماری خوشی سے آگے، برا ہوا؟“ اس نے آہستہ سے کہا۔

”کیا چاہتی ہو.....؟“

”وجاہت کے شہنشاہ ہو، ہر ہائی نس!“ اس نے جواب دیا۔

”تمہیں اپنی عمر کا احساس ہے.....؟“ میں نے طنزیہ انداز میں کہا۔

”کیا.....؟“ اس کی مسکراہٹ سکرگئی۔

”میری عرصف بیس سال ہے۔“ میں نے کہا۔

”تو پھر.....؟“

”تم مجھ سے ڈگنا ہوگی۔“

”کیا کہنا چاہتے ہو.....؟“

”یہی کہ ایک عورت کی حیثیت سے میں تمہیں پسند تو نہیں کر سکتا۔“

”کیا میں دلش نہیں ہوں.....؟“

”ہاں..... لیکن کسی ستر سالہ بوڑھے کے لئے۔“

”میری تو ہیں کرنا چاہتے ہو.....؟“

”ایک حقیقت کہہ رہا ہوں.....!“

”یہاں، اس جزیرے پر صرف ایک میں ہوں جو تمہیں وہ سب کچھ دے سکتی ہوں، جو تمہیں دوسروں سے نہیں ملے گا۔“

”مشائی.....؟“ میں نے پوچھا۔

”زندگی..... آزادی۔“ وہ مسکراہٹ۔

”اوہ..... اور اس کے عوض کیا طلب کرو گی.....؟“

”عوض.....!“ اُس نے طنزیہ انداز میں کہا۔ ”کیا دے سکو گے.....؟“

”کیا دے سکتا ہوں.....؟“ میں نے پوچھا۔

”ہاں..... تمہارے پاس ہے بھی کیا؟ اور کیا ان الفاظ کے بعد تم مجھ سے کسی قسم کی

مراعات کی توقع رکھتے ہو؟“

”بھی بالکل نہیں۔“

”اس کے علاوہ تمہاری پسند کیا حیثیت رکھتی ہے؟ تم میرے سامنے ایک حقیر چھوٹی سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔ میں چاہوں تو تم، کتنے کی طرح میرے پاؤں چاٹو گے۔“

”تم بھی کوشش کر دیکھو۔“

”نہیں.....!“ وہ مسکراہٹ۔ اب اس کے چہرے کے نقش بدل گئے تھے۔ پوری شخصیت

ہی بدل گئی تھی۔ وہ نرم اور مسکراہٹ بھرا خول اُتر گیا اور ایک خونخوار عورت جھانکنے لگی۔ ”میں

ایسی کوئی کوشش نہیں کروں گی۔ کیونکہ مجھے ضدی اور سرکش گھوڑے پسند ہیں۔“

”لیکن میں بوڑھی گھوڑی سے کوئی رچپی نہیں رکھتا۔“ میں نے جواب دیا اور اس کے

چہرے پر آگ سلکتی نظر آنے لگی۔ پھر اس نے سفاک لجھ میں کہا۔

”اُن لوگوں کی تقدیر یہیں بدل جاتی ہیں جو میرے منظور نظر ہوتے ہیں۔ ڈیوک آف

لڈیم کو دیکھو! اُس نے تین ماہ تک اپنی زبان سے میرے پاؤں صاف کئے تھے۔ آج اس

کے بے شمار پاؤں صاف کرنے والے موجود ہیں۔ اسکارتا کے پُنس فورڈی کو دیکھو! وہ پُنس

کھلاتا ہے۔ حالانکہ اس کا باپ لکڑی کا فرنچیز بناتا تھا۔ میرے ہاتھ میں تقدیر یہیں ہوتی ہیں۔

لوگوں کے مستقبل ہوتے ہیں۔ لیکن بد بختوں کا میں کیا کروں؟ جو الفاظ کے گھاؤ لگاتے ہیں؟

اور تقدیر یہیں سیاہ کر لیتے ہیں۔“

”مجھے تقدیر کی سیاہی پسند ہے۔ کیونکہ میں خود روشنیاں کرنے کا قابل ہوں۔“

”جدباتی سے نوجوان ہو۔ معاف بھی کر سکتی ہوں۔“

"لیکن میں معاف نہیں چاہتا"

"حالانکہ تمہاری پوزیشن سب سے زیادہ خراب ہے"

"کیا مطلب.....؟"

"البرٹ تمہیں قتل کر دے گا"

"کیا تم مجھے اُس سے بچا سکتی ہو.....؟"

"کیوں نہیں.....؟"

"کس طرح.....؟"

"اُس کی مجال ہے کہ میرے حکم سے سرتاسری کرے۔ کیا تم جان بچانے کے خواہش مند ہو.....؟"

"ہاں! لیکن اپنی کوشش سے"

"تو پھر یہ کوشش تم صح کر لینا۔ اس وقت تم صرف میرے غلام ہو۔ تم نے جو گفتگو مجھ سے کی ہے، اس کے عوض تمہیں دس لاکیوں کے سامنے میرے پاؤں چائے ہوں گے اور پھر ساری زندگی میرے غلام کی حیثیت سے بس کرنا ہوگی۔ بولو! اس کے لئے تیار ہو؟"

"میں کہہ چکا ہوں مادام! کہ میں آپ کی شکل سے نفرت کرتا ہوں۔"

"ہوں..... محبت کرو گے۔ فکر مت کرو.....۔ اُس نے کہا اور پھر تاتی بجائی۔ فوراً ہی ایک لڑکی اندر آگئی تھی۔ تب عورت نے دو انگلیاں اٹھا دیں اور لڑکی باہر چلی گئی۔ چند ہی لمحوں کے بعد کئی آدمی اندر نہس آئے۔ صورت ہی سے خونخوار معلوم ہوتے تھے۔ اُن میں دو قدر آور سیاہ فام بھی تھے۔ "اے باندھ کر ڈال دو۔" ساری بیٹا نے حکم دیا اور اُن میں سے دو باہر چلے گئے۔ میرا ذہن منتشر تھا۔ اعصاب بھی پر سکون نہیں تھے۔ جس شعاع سے مجھے مقلوب کیا گیا تھا، وہ ابھی تک اڑا انداز تھی۔ اور میرا بدن پھرتی سے حرکت نہیں کر سکتا تھا۔ اگر میں پورے طور سے حاضر ہوتا تو شاید اس عورت کو اس طرح نہ ٹھکراتا اور ان حالات سے نکلنے کے لئے اُس کا سہارا ضرور لیتا۔ لیکن سارا کھیل میں نے اپنے ہاتھوں سے بگاڑ لیا تھا۔

رستی آئی..... اور میرے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے گئے۔ میں اُسی بستر پر پڑا ہوا تھا اور مجھے باندھنے والے واپس جا چکے تھے۔ پروقار بوڑھی اب شیطان معلوم ہو رہی تھی۔ اُس نے میرے فریب پکن کر اپنے گاؤں کی ڈوریاں کھینچ دیں.....

اور پھر اُس نے بے جا بانہ انداز میں اپنا پاؤں میرے چہرے کے برادر رکھ دیا۔

"پلو! اے چاٹو۔ جلدی کرو! ورنہ....."

میں نے نفرت انگیز نگاہوں سے اُسے دیکھا اور تھوک دیا۔ تب بوڑھی آہستہ آہستہ ایک طرف بڑھ گئی۔ اُس نے چڑے کا ایک چاپک نکلا اور دوبارہ میرے پاس آگئی۔ میں نے نفرت سے دوسری طرف منہ پھیر لیا۔ تب بوڑھی نے ہاتھ انٹھایا اور شائکیں کی آواز کے ساتھ پاپک میرے بدن پر پڑا۔ اذیت کی لہریں بدن میں دوڑ گئی تھیں۔ بوڑھی کے چہرے پر اب مرف وحشت ہی وحشت رہ گئی تھی۔ اُس نے اپنا انگوٹھا میرے ہونٹوں سے لگایا اور مجھے ثراست سو جھ گئی۔ میں نے اُس کے انگوٹھے کو انٹوں میں دبا کر بھینہوڑ دیا اور بوڑھی کے حلق طرخ دھنک دینا چاہتی تھی اور پوری وقت سے چاپک میرے بدن پر برسا رہی تھی۔

"تو..... تو میری اتنا کا سوال بن گیا ہے۔ اب تو اُس وقت تک مر بھی نہیں سکتا جب تک تیرا غرور نہ ٹوٹ جائے۔ اگر میں تیرا غرور نہ توڑ سکی تو خود مر جاؤں گی۔" مارنے کے دوران ہ بولی۔ لیکن اُب میرا ذہن سوتا جا رہا تھا۔ پورا بدن، درد کی ٹیسیوں میں ڈوبا ہوا تھا۔ میں نے ہوٹ بھینچ لئے اور پھر حواس نے ساتھ چھوڑ دیا.....

ٹوپیل بے ہوشی بھی معاون ثابت ہوئی۔ بدن کی جلن سے نجات مل گئی تھی۔ لیکن یہ بے ہوشی مستقل تو نہیں رہ سکتی تھی۔ ہوش آیا تو ماحول بدلت گیا تھا۔ یہ، وہ جگہ نہیں تھی جہاں میں پہلے موجود تھا۔ لیکن اس کی پہنچت یہ جگہ بہت تکلیف دہ تھی۔ چاروں طرف مشینوں کے پاؤں پڑے ہوئے تھے۔ زنگ خورده پڑے اور دوسرا کاٹھ کبڑا۔ باہر کہیں مشین چلنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ ہاتھ پاؤں بدستور بندھے ہوئے تھے اور بدن پھوڑ کے کی طرح ڈکھ رہا تھا۔ مشینوں کی گڑگڑا ہٹ دماغ کی چولیں ہلائے دے رہی تھی۔ سخت تکلیف دہ احساس تھا۔

لیکن پھر دوسرے احساسات جانے لگے۔ ساری باتیں ایک ایک کر کے ذہن میں آتی گئیں اور میں نے سوچا کہ یہ سب غیر حقیقی تو نہیں ہے۔ میں نے اپنی مرضی سے بے شمار لوگوں کو قتل کیا ہے تو کوئی دوسرا اپنے طور پر مجھے بھی قتل کر سکتا ہے۔ لیکن اُب بچاؤ کی کیا صورت ہو؟ فی الحال تو معاملہ کافی میڑھا ہو گیا تھا۔ نہ جانے کتنا وقت انگی الجھنوں میں گزر

بکھا اور پھر آہستہ سے پکارا۔
”سنو.....!“
”ہاں..... سناؤ، ضرور سناؤ! بھوکے ہو؟“ جھوٹ سے قد کے مسخری شکل والے نے
باب دیا۔
”میں ڈیوک سے ملنا چاہتا ہوں۔“ میں نے کہا۔
”بہت خوب۔ پیرس کے واسراءے ہونا..... جب خواہش کرو گے، ڈیوک سے مل لو
گے۔ تم بڑی غلط فہمی کا شکار معلوم ہوتے ہو دوست!
”مجھے ان سے بہت ضروری گفتگو کرنا ہے۔“ میں نے سنجیدگی سے کہا۔
”میری جان! ڈیوک البرٹ سے ملنے والے ان سے ایک ایک مہینہ پہلے وقت لیتے
ہیں۔ تب جا کر کہیں ان سے ملاقات ہو سکتی ہے۔ میں تمہیں یہی بتا رہا تھا کہ تم کسی بڑی غلط
فہمی کا شکار معلوم ہوتے ہو۔ ہم جانتے ہیں کہ تم نے ڈیوک کے خلاف محاذ بنایا تھا اور ہمارے
پچھاتھیوں کو ہلاک بھی کر دیا تھا۔ لیکن کیا صرف اتنے سے کارنا مے پر تم اپنے آپ کو اس
ذرا اہم سمجھنے لگے ہو کہ جب خواہش کرو گے، ڈیوک سے مل لو گے۔ ڈیوک بہت بلند ہستی
ہے۔ ہاں! میں تمہارے لئے کھانا منگو اسکتا ہوں۔“
اُس شخص نے اس انداز میں کہا جیسے کسی بچے کو اچھا بننے کی تلقین کر رہا ہو۔ اور پھر
”مرے آدمی بابر پلے گے۔ تھوڑی دیر بعد میرے سامنے چائے، سینڈوچ اور ایسی ہی
”میری چیزیں آگئیں۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ مجھے بھوک لگ رہی ہے۔ اب خواہ مخواہ اُبھن
میں پھنس کر میں کھانا تو چھوڑ نہیں سکتا تھا۔ چنانچہ میں نے کوئی تکلف نہ کیا۔“
کھانا کھایا اور دفعتہ محسوس ہوا جیسے آنکھوں میں کچھ غنوڈی سی آرہی ہو۔ ایک لمحے میں
ہن کی چراغی چلنے لگی۔ اور میں نے یقین کر لیا کہ کھانے میں کوئی ایسی چیز ضرور تھی جسے
خواب اور کہا جا سکتا ہے اور جس نے ذہن پر غنوڈی پیدا کر دی ہے۔ شاید وہ مجھے بے ہوشی
کے عالم میں ریز رو روم پکنچانا چاہتے تھے..... دریتک نہ سوچ سکا اور حواس معطل ہو گئے.....
☆.....☆.....☆

گیا۔ پھر روشنی کا طوفان اندر گھس آیا اور میری آنکھیں بند ہو گئیں۔
قدموں کی چاپ تھی۔ روشنی، دروازے سے آئی تھی۔ آنے والے میرے قریب پہنچ گئے
اور پھر کسی نے بھاری آواز میں کہا۔ ”آخھاؤ!.....!“
دو آدمیوں نے مجھے ہاتھوں میں لٹکائے باہر آگئے اور تھوڑی دیر بعد مجھے
ایک لمبی میر پر لٹادیا گیا۔ ”کیا یہ ہوش میں ہے.....؟“ کسی نے پوچھا۔
”ہاں.....! آنکھیں کھلی ہوئی ہیں۔“
”اے..... تم ہوش میں ہو؟“ مجھ سے پوچھا گیا۔
”ہاں.....!“ میں نے کہا اور وہ بنس پڑے۔
”یقین نہیں آتا کہ یہ وہی شخص ہے۔“ کسی نے کہا۔
”کیوں.....؟“
”کوئی بھی تو خاص بات نہیں ہے۔ جیسے ہم ہیں، ویسا ہی یہ ہے۔“
”تمہارے خیال میں کیا خاص بات ہوئی چاہئے تھی؟“
”کوئی تو ہوتی۔ بے پناہ طاقت ور ہوتا، صورت سے خوفناک معلوم ہوتا۔ لیکن یہ تو بس!
ایک عام نوجوان معلوم ہوتا ہے۔“
”خاص باتیں چہرے سے نمایاں نہیں ہوتیں۔ ڈیوک میں کیا خاص بات ہے؟ انہیں
دیکھ کر کون کہہ سکتا ہے کہ وہ اتنی بڑی شخصیت ہیں؟“
”پھر بھی..... ڈیوک جو کچھ میں، بچتے ہیں۔“
”خیر! ان فضول باتوں کو چھوڑو۔ اس کے لئے کیا کرنا ہے.....؟“
”پوائنٹ تھری پہنچانا ہے اسے۔“
”کوئی خاص پڑا بیت ہے.....؟“
”ہاں! پوائنٹ تھری میں اسے ریز رو روم میں چھوڑنا ہے۔“
”اوہ..... تب تو پھر اس وقت نہیں ہو سکتا۔ تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا؟“
”تم نے پوچھا ہی کب تھا؟“
”خیر! اسے کھانے پینے کو تو دو۔ بھوکا ہو گا۔ ریز رو روم میں پہنچانے کا مقصد یہی ہے کہ
تھوڑی دیر کی زندگی۔ اس کے لئے اسے خوراک دینا ضروری ہے۔“
”جیسی مرضی۔“ دوسرے نے کہا اور چلا گیا۔ تب میں نے بکشکل گردن گھما کر انہیں

اور اگر ڈیوک کی قید میں ابھی تک موت نہیں آئی ہے تو اس کا مطلب ہے کہ زندگی ابھی کچھ اور چاہتی ہے۔

چنانچہ میں اٹھ کر دروازے کی جانب بڑھ گیا۔ میں نے دروازہ کھولنے کی کوشش کی۔ لیکن دروازہ باہر سے بند تھا۔

میں نے اس پر کمی نکلریں ماریں۔ لیکن دروازہ اتنا کمزور نہیں تھا کہ میری نکلوں سے کھل جاتا۔ تب میں دیوار کی جانب بڑھ گیا جہاں ایک گول سا کٹاؤ نظر آ رہا تھا۔ میں اس کے ذریب پہنچ کر اس کٹاؤ کو غور سے دیکھنے لگا۔ کٹاؤ کے نیچے ایک سرخ پین لگا ہوا تھا۔ میں نے اس کٹاؤ کا میں دبایا اور کٹاؤ آہستہ آہستہ ایک جانب سے چوڑا ہونے لگا۔

دوسرے لمحے پانی کا ایک خوف ناک ریلا اُن جالیوں سے اندر آ گیا جو کٹاؤ میں چوڑائی ہو جانے کی وجہ سے کھل گئی تھیں۔ ریلا اتنا شدید تھا کہ مجھے اپنے منہ پر سینکڑوں طماںچے پڑتے ہوئے محسوس ہوئے۔ دوسرے لمحے میں خوف زدہ انداز میں پیچھے ہٹ گیا۔ لیکن پانی جس رفتار سے اندر آ رہا تھا، اس سے مجھے یہ اندازہ ہوا کہ کمرہ تو تھوڑی ہی دیر میں چھٹ تک بھر جائے گا۔ چنانچہ میں نے پوری قوت سے ڈھکنے کو بند کرنے کی کوشش کی۔ لیکن پھر کچھ خیال آیا اور میں نے کٹاؤ کا بٹن ایک بار پھر دبایا۔ کٹاؤ اپنی جگہ واپس آ گیا تھا۔ میں نے کمرے کا جائزہ لیا۔ کمرے میں اتنا پانی آ چکا تھا کہ مجھے حیرت محسوس ہوئی۔

تب اچانک ہی میری ذہنی قوشیں جاگ اٹھیں۔ اور دوسرے لمحے میری ریڑھ کی ہڈی میں ایک سردی لہر دوڑگئی۔ یہ..... یہ..... یہ جگہ سمندر کے نیچے تو نہیں ہے؟ میں نے سوچا اور میرے پورے اعصاب میں جھنجھنا ہٹ سی پیدا ہو گئی۔ اگر یہ جگہ سمندر کے نیچے ہے تو کون سی ہے اور کیا ہے؟ اور یہاں اس ریز روزوم میں..... ریز روزوم میں..... میں نے سوچا۔ اور میرے ذہن پر تھوڑے سے پڑنے لگا۔ دوسرے لمحے میں نے وحشت زدہ نگاہوں سے چاروں طرف دیکھا۔ گویا یہاں سے باہر جانے کا مکمل انتظام تھا۔ مگر یہ سب انہم کیا ہے..... کیا چکر ہے یہ.....؟

میرا ذہن بہت بری طرح چکرایا۔ لیکن پھر میں نے سوچا کہ مسئلہ ڈیوک کا ہے، جس کے بارے میں جو کچھ بننا ہے، وہ کافی خطرناک ہے۔ گویا اب یہاں سے نکلنے کی کوشش کروں۔ لیکن سمندر کے نیچے یہ کمرہ.....؟

پھر نجانے کتنی دیر بعد ریز روزوم میں آ کچھ کھلی تھی۔ مکمل طور پر سجا ہوا کرہ تھا۔ لیکن چاروں طرف سے بند تھا۔ ہواباہر جانے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ کمرے میں ایک چھوٹی سی مشین، ہلکی آواز کے ساتھ چل رہی تھی۔ شاید وہ پڑوں سے چلتی تھی۔ یہ مشین، آسیجن پیدا کر رہی تھی۔

کمرہ زیادہ کشادہ نہیں تھا۔ یہاں اور بھی بہت ساری چیزیں تھیں لیکن سب کی سب ناقابل فہم۔ یوں لگتا تھا جیسے یہ کرہ کسی خاص مقصد کے لئے بنایا گیا ہو۔ لیکن اس وقت ذہن ساتھ نہیں دے رہا تھا، اور میں تمام چیزوں کے بارے میں غور نہیں کر سکتا تھا۔

سامنے ہی ایک دروازہ نظر آ رہا تھا جو اندر سے بند نہیں تھا۔ ظاہر ہے، کمرے میں بند کرنے کے بعد وہ لوگ باہر چلے گئے ہوں گے۔ چنانچہ میں سوچتا رہا۔ لیکن کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کن حالات سے دوچار ہو گیا ہوں.....

بری طرح ڈیوک کے شکنچے میں پھنس گیا تھا۔ آخر ڈیوک کیا چاہتا تھا؟ اگر یہ وہی ریز رو جائے گی؟ کیا قید تھائی؟.....؟

اس کے علاوہ جو کچھ انہوں نے ڈیوک کے بارے میں کہا تھا، وہ بھی ضرورت سے کچھ زیادہ ہی تھا۔ یعنی ڈیوک سے ملاقات کے لئے اتنے لمبے چوڑے پا پڑ بیٹھنے پڑتے ہیں۔ اگر یہ بات تھی تو بہر صورت! مجھے کیا پڑی تھی کہ میں خصوصی طور پر اس سے ملاقات کروں۔ لیکن وہ میرے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہتا تھا.....؟

اگر اس نے مجھے قتل کرنا ہوتا تو اسی وقت قتل کر دیتا۔ لیکن بوڑھی عورت کے سپرد کرنے وقت اس نے کہا تھا کہ دوسری صبح مجھے ہلاک کر دیا جائے گا۔ ابھی تک تو میں زندہ تھا..... نجانے کون کون سے اوٹ پلانگ خیالات ذہن میں چکراتے رہے۔ اور اس کے بعد میں نے سوچا کہ اٹھنا چاہئے۔ کوئی نہ کوئی جدوجہد تو کرنا ہی ہوگی۔ کافی وقت گزر چکا ہے۔

بیں ڈوبی ہوئی اُس عمارت کا کوئی کھلا ہوا حصہ مجھے نظر نہیں آیا تھا۔ لیکن اُس کی بناوٹ..... اُس کی بناوٹ سے ایک خیال میرے ذہن میں جاگ اٹھا تھا۔ یہ کوئی عمارت نہیں ہے۔ بلکہ مندر میں غرق کوئی بحری جہاز ہے۔ ممکن ہے، اس جہاز کو خود ہی سمندر کے نیچے پہنچایا گیا ہو۔ کیونکہ یہ کہیں سے ٹوٹا پھوٹا یا پرانا نہیں نظر آ رہا تھا۔ میں دیر تک اُس جہاز کے مختلف حصوں میں پچکارتا رہا۔ کئی کیسوں کو میں نے اندر سے دیکھا تھا۔ اور پھر میں ایک آپریشن روم میں پہنچ گیا۔ ہر چیز صحیح و سلامت پانی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ آپریشن روم کی مشنری بالکل درست تھی۔ لیکن پرسکون پانی یہاں بھی بھرا ہوا تھا۔

تب اچانک میری نگاہ ایک ٹیپ ریکارڈر پر پڑی۔ جدید ساخت کا واٹر پروف ٹیپ ریکارڈر تھا۔ جس کے اوپری حصے پر لفظ ”واٹر پروف“ نظر آ رہا تھا۔ دو بن لگے ہوئے تھے جن میں ایک سرخ تھا، دوسرا سفید۔

جس طرح آسکیجن سلنڈر اور غوطہ خوری کے لباس کی یہاں موجودگی ایک اہمیت رکھتی تھی، اُسی طرح یہ ٹیپ ریکارڈر بھی اہم تھا۔ میں نے اُس سرخ بن کو دبایا جس پر ”آن“ لکھا ہوا تھا۔ اور ٹیپ ریکارڈر سے آوازیں بلند ہونے لگیں۔ تب مجھے اندازہ ہوا کہ یہ ٹیپ نہیں، کوئی ٹرانسمیٹر ہے۔ واٹر پروف ٹرانسمیٹر.....!

چند ساعت آوازیں اُبھرتی رہیں۔ اور پھر اچانک اس طرح محسوس ہوا جیسے کوئی لائی پر آ گیا ہو۔ ”ہیلو..... ہیلو! مجھ سے بات کرو..... میں ڈیوک البرٹ ہوں۔“ میں نے خوف زده لہوں سے ٹیپ ریکارڈر کو دیکھا۔

”ڈیوک! کیا تم میری آوازن رہے ہو.....؟“

”کیوں نہیں دوست! وہی پرسکون آواز اُبھری۔“

”تم نے مجھے کہاں پہنچ دیا ہے.....؟“

”میرے لوگ اس جگہ کو پوانت کھری کہتے ہیں۔ پوائنٹ کھری میرے ساتھیوں میں سے الخانوں فیصلہ کے لئے ایک پراسرار جگہ ہے۔ صرف دو فیصلہ لوگ اس کے بارے میں جانتے ہیں۔ بہر حال! تم دیکھے ہو گے کہ یہ ایک غرق شدہ جہاز ہے۔“

”ہاں ڈیوک! میں دیکھے چکا ہوں۔“

”اس کے بارے میں کچھ معلومات چاہتے ہو.....؟“

”ہاں.....!“

تب میں نے اپنی جسمانی و ذہنی قوتوں کو بحال کیا۔ میں اتنا کمزور تو نہیں ہوں کہ افن سارے معاملات سے اس طرح بھاگ جاؤں یا پریشان ہو کر رہ جاؤں۔ چنانچہ کچھ نہ کچھ کرنا ہی پڑے گا۔ ڈیوک چاہتا ہے کہ میں اس کمرے سے نکل جاؤں۔ ماسک اور غوطہ خوری کا لباس اس بات کا گواہی دیتا تھا۔ اس کے علاوہ کمرے کے بند دروازے کو کھولنا بھی اتنا مشکل نہیں تھا۔ پانی کا ریلا اندر ضرور آتا۔ لیکن اگر وہ یہ نہ چاہتا تو ماسک اور غوطہ خوری کا لباس یہاں موجود نہ ہوتا۔

چنانچہ میں نے غوطہ خوری کا لباس پہنا، ماسک اور آسکیجن سلنڈر، کمر پرفٹ کیا۔ اب میں ایک مکمل غوطہ خوری کی حیثیت سے سمندر کی تہہ میں تیر سکتا تھا۔ میں تیرنا جانتا تھا۔ ظاہر ہے، سیکرٹ پیلس میں ہر قسم کی تربیت دی گئی تھی۔ چنانچہ میں دروازے کے نزدیک پہنچ گیا۔ دروازے کے پینڈل کو میں نے چونی کی طرح گھمایا اور دروازہ کھول لیا.....

خدا کی پناہ! جس طرح خوناک ریلے نے مجھے اٹھا کر کمرے کے اندر پہنچا تھا، اگر میں انتہائی پھرتی اور مہارت سے کام لے کر اپنی ناگیں دیوار سے نہ ٹکاتا اور خود کو پانی سے بچانے کی کوشش نہ کرتا تو یقیناً میرابدن پاش پاش ہو جاتا۔ پانی نہایت تیزی سے کمرے کے اندر بھر گیا تھا اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ کمرہ مکمل طور پر پانی میں ڈوب گیا۔

میں اس آبی حملے سے سنبھلا اور پھر میں نے دروازے کی جانب تیرنا شروع کر دیا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کون سی جگہ ہے؟ بہر حال! تھی وہ پانی کے نیچے۔ ممکن تھا کہ کوئی خفیہ پناہ گاہ بھی ہوئی ہو۔ لیکن کیا ساری پناہ گاہ میں پانی ہی پانی بھرا ہوا تھا؟

میں دروازے سے باہر آ گیا۔ ایک پتلی راہ داری ڈور تک چل گئی تھی۔ اس کے دونوں جانب چھوٹے چھوٹے دروازے تھے۔ نہ جانے ان دروازوں میں کیا ہے؟ میں نے سوچا اور پھر راہ داری میں آگے بڑھتا چلا گیا۔

راہداری آگے جا کر ایک طرف گھوم گئی تھی۔ اور اس کے بعد میں اس عمارت کے دوسرے حصوں میں آگے بڑھتا رہا۔ پوری عمارت خاموشی اور سناٹے میں ڈوبی ہوئی تھی۔ لیکن اس کی بناوٹ میں مجھے ایک عجیب سا احساس ہو رہا تھا۔ بہت عجیب سا احساس۔۔۔۔۔ لیکن میں اس احساس کی مکمل تصدیق چاہتا تھا۔ انسان کو زندگی میں بہت سے مراحل سے گزرنا ہوتا ہے۔ ضروری نہیں ہے کہ وہ ہر جگہ کامران رہے۔ البتہ جدوجہد حاری ہوئی چاہئے۔ چنانچہ میں آگے بڑھتا رہا۔ ایک پراسرار سکوت، ہلکی نیلی دھنڈ چھائی ہوئی تھی۔ پانی

”پوچھو.....!“

”مجھے یہاں کب بھیجا گیا ہے.....؟“

”تقریباً چار گھنٹے گزر چکے ہیں.....!“

”میں نے یہاں بھی تم سے ملاقات کی خواہش کی تھی ڈیوک!“

”اوہ.....کیا جواب دیا میرے آدمیوں نے؟“

”ذاق اڑانے گلے میرا۔ کہنے لگے، ڈیوک سے ملاقات کے لئے لوگ ایک ماہ قبل

وقت لیتے ہیں۔“

”ہاں.....! اس میں شک نہیں ہے دوست!“

”لیکن اس وقت تم فارغ کیسے ہو؟ یوں لگتا ہے جیسے تم میری آواز کے منتظر ہی تھے۔“

”ہاں! دراصل یہ میرا آپریشن روم ہے۔ جہاں میں اس وقت موجود ہوں۔ یہ میری

پسندیدہ جگہ ہے۔ یہاں سے میرا رابطہ دنیا کے کئی ملکوں سے ہے، جہاں سے میرے لوگ

مجھے دہاں کی خبریں پہنچاتے ہیں۔ اور بعض اوقات ضروری مناظر مجھے میلی ویژن پر دکھا بھی

دیتے ہیں۔“

”اوہ.....وہ کس طرح؟“

”فضا میں میرا ایک پوشیدہ سیارہ موجود ہے۔ کئی بار سائنسدان اُس سیارے کو کسی خفیہ

جگہ سے آنے والا کوئی سیارہ یا کسی ملک کی جاسوسی کا راکٹ سمجھ کر انوغاء بھی کر چکے ہیں۔ لیکن

میں دوسرا سیارہ فضا میں پہنچا دیتا ہوں۔ میرا نظام بہت ایڈوانس ہے۔“ ڈیوک نے حسب

عادت زم لجھ میں کہا۔

”واقعی..... مجھے تجہب ہے۔“ میں نے کہا۔

”کیوں.....؟“ ڈیوک نے دلچسپی سے پوچھا۔

”میں تو کچھ اور سوچ رہا ہوں ڈیوک.....!“

”کیا سوچ رہے ہو؟“

”تمہارے مقاصد..... کیا تم یہ سب کچھ بے مقصد کر رہے ہو؟ میرا مطلب ہے یہ سارا

نظام قائم کرنے کے لئے تم نے کتنی محنت کی ہو گی؟ کفار و پیغمبر صرف کیا ہو گا؟“

”ہاں..... اس میں کوئی شک نہیں ہے۔“

”اس سے تمہارا کوئی خاص مقصد ہے.....؟“

”یقیناً.....!“

”میں پوچھ سکتا ہوں.....؟“

”کیا حرج ہے.....؟ دراصل ہر انسان، خواہ وہ زندگی میں کتنا ہی پر سکون نظر آئے، کبھی ابھی محرومی کا شکار ہوتا ہے جو اسے بے چین رکھتی ہے۔ میرا کوئی سیاسی مقصد نہیں ہے۔ نہ یہ میں کسی کے خلاف کسی سامنے جنگ کی تیاریاں کر رہا ہوں، نہ اس جزیرے پر کوئی خوفناک کام ہو رہا ہے۔ یہاں ہتھیار بنا کر دوسرے ملکوں کو فروخت بھی نہیں کئے جا رہے ہیں۔ لیکن میرا اپنا شوق ہے۔ میری اپنی طلب ہے کہ بس! اپنی ایک چھوٹی سی مملکت کا آزاد حکمران رہوں۔ کوئی میری راہ میں آنے کی کوشش نہ کرے۔ میں ہر طرح سے اتنا مجبود ہوں کہ کسی کو میرے مقابلے پر آنے کی جرات نہ ہو۔ اور میں اس میں کسی حد تک کامیاب ہو چکا ہوں۔ ان تمام چیزوں کے لئے دولت کی ضرورت بھی ہوتی ہے۔ سو دولت کمانے کے لئے بھی میں نے پوری دنیا میں جال پھیلار کھے ہیں۔ اور میں غیر مطمئن نہیں ہوں۔“

”خوب..... یہ تفصیلی تعارف تم نے پہلے نہیں کرایا ڈیوک!“

”ضرورت نہیں بھیجی تھی۔ دراصل میں اسی کو اپنے سامنے سرکش دیکھنا پسند نہیں کرتا۔ ممکن ہے، تمہارے ذہن میں یہ خیال ہو کہ تم اعلیٰ کارکردگی اور صلاحیتوں کے مالک ہو۔ اور میں تمہیں اپنے ساتھ شامل کرنے کا خواہش مند ہوں۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میرے پاس بے شمار ہیرے ہیں اور مجھے ہیروں سے کوئی دلچسپی نہیں رہ گئی۔ میری تفریح تو اب دوسری ہے۔“

”وہ کیا.....؟“

”سرکشوں کی سرکوبی۔ دیکھو! اب میں اپنی دلچسپی کے لئے تمہارا منتظر تھا۔ مجھے یقین تھا

کہ تم یہاں تک ضرور پہنچو گے۔“

”اور تم سے رابطہ قائم کروں گا۔“

”ہاں..... سوتھم نے کیا۔“ ڈیوک نہیں پڑا۔ ہاں! اب چاہو تو اپنے بارے میں بتا دو۔“

”نہیں ڈیوک! میں کم از کم تمہیں ایک چوتھو تو ڈوں۔ تم میرے بارے میں سوچتے ہی رہو۔ اور تمہارے ذہن میں میرا معنہ بھی حل نہ ہو۔“ میں نے کہا اور ڈیوک نے ایک اور قہقہہ لگایا۔

”اچھا آئیڈیا ہے۔ لیکن ایک بات سمجھو! تم مر جاؤ گے۔ جو کچھ ہے، ختم ہو جائے گا۔ تم

سے نگتوکرنے کے بعد میں تمہیں بھول جاؤں گا۔ بات ختم.....!

"کیا میں یہاں سے نکل نہیں سکتا ڈیوک.....؟"

"نہیں.....!"

"کیوں.....؟"

"اس لئے کہ یہ کوئی عام جہاز نہیں ہے۔ اس کا کنٹرول آب بھی میرے پاس ہے۔ اور میں یہاں بہت کچھ کر سکتا ہوں۔ یہ عمارت میں نے خود تعمیر کرا کے سمندر میں پہنچائی ہے۔ اس میں سے باہر جانے کا دروازہ اندر سے نہیں کھولا جاسکتا۔ اس کے علاوہ تمہارے پاس جو آکیجن سلنڈر ہے، یہ صرف دو گھنٹے چل سکتا ہے۔ اور میرے اس کمرے کی گھری بتاری ہے کہ تم اپنے کمرے سے نکلنے کے بعد پونے دو گھنٹے صرف کر چکے ہو۔ گویا آب تمہاری زندگی صرف پندرہ منٹ باتی رہ گئی ہے۔ کوئی اور کام کی بات معلوم کرنا چاہو تو صرف پندرہ منٹ میں معلوم کرلو۔ اس کے بعد کھیل ختم!"

"اوہ.....!" میں نے ہوت سکوڑے۔ صرف پندرہ منٹ..... اور بات کسی حد تک درست ہی معلوم ہوتی تھی۔ ڈیوک نے نہایت چالاکی سے میرا یہ وقت بھی ضائع کرایا تھا۔ ظاہر ہے، آکیجن سلنڈر طویل عرصے تک تو نہیں چل سکتا تھا۔ لیکن اس کے بارے میں، میں غور کیا ہی نہیں تھا۔ اب صرف پندرہ منٹ باتی تھے..... صرف پندرہ منٹ..... اس کے بعد میں نے ڈیوک سے کوئی بات نہیں کی۔ اس مختصر سے وقت میں مجھے زندگی کے لئے آخری شدید جدوجہد کرنا تھی۔ میں یہاں سے نکل آیا۔ اب مجھے اس عمارت کے کسی ایسے کمزور حصے کی تلاش تھی جسے توڑ کر میں سمندر میں پہنچ سکوں۔ لیکن چالاک شیطان سے اس حماقت کی امید تو نہیں تھی۔

اور یہی ہوا بھی۔ ایک ایک لمحہ قیمتی تھا۔ میں دیوانوں کی مانند پوری جہاز نما عمارت میں چکر لگاتا پھر رہا تھا۔ لیکن کوئی ایسی جگہ نہیں نظر آئی جسے کمزور پاتا۔ اس دوران میں نے عمارت کا دروازہ بھی تلاش کر لیا۔ اور آخری جدوجہد میں نے دروازہ کھولنے پر ہی صرف کی۔ ہر ممکن طریقے سے میں اسے کھولنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وقت کا احساس میں نے ذہن سے نکال دیا تھا۔ کیونکہ اس طرح خوف پیدا ہوتا ہے۔

لیکن اس احساس کو ذہن سے نکال دینے سے تو کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اپاٹنک ہلکی سی گھٹن محسوس ہونے لگی۔ گویا آکیجن ختم ہو رہی تھی۔ گلا خشک ہونے لگا۔

کھانی آ رہی تھی۔ لیکن دروازہ اُس سے مس نہ ہوا تھا۔ اور پھر میں آخری کوشش سے بھی ہاپس ہو رہا تھا کہ اچانک دروازہ کھل گیا۔ لمبا چوڑا دروازہ، اندر کی جانب ہی کھلا تھا۔ لیکن اس میں میری کسی کوشش کو دخل نہیں تھا۔

کھلے دروازے کے باہر چار آدمی نظر آئے تھے جو غوط خوری کے لباس میں تھے۔ مجھے دیکھ کر وہ ٹھہک گئے۔ جیسے اُن کو میری یہاں موجودگی پر سخت تعجب ہوا ہوا۔ کیا یہ ڈیوک کے آدمی ہیں.....؟ میری لاش لینے آئے ہیں.....؟ لیکن اتنی جلد؟ یا پھر ممکن ہے، ڈیوک نے انہیں بھیجا ہو کہ دیکھیں میری کیا کیفیت ہے۔ مر گیا ہوں یا یہاں سے نکلنے میں کامیاب ہو گیا ہوں۔ ظاہر ہے، ڈیوک کو تو میری کارکردگی کے بارے میں علم تھا۔ وہ یہ جانتا تھا کہ میں آسانی سے مرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ چنانچہ اُس نے اُن لوگوں کو صرف اس لئے بھیجا کہ اگر کسی طور میں نکلنے میں کامیاب ہو جاؤں تو وہ کسی طور میری اس کوشش کو ناکام بنا دیں۔ سو اُب کیا کرنا چاہئے؟ میں نے سوچا۔ میں تو نہتا تھا۔ اور جبکہ میں اُن لوگوں کے پاس پانی میں استعمال کی جانے والی رائفلیں دیکھ چکا تھا۔

دوسرے لمحے میں نے دونوں ہاتھ ہلائے۔ میں انہیں یہ بتانے کی کوشش کر رہا تھا کہ قریب المرگ ہوں اور اُن سے جگن نہیں کر سکتا۔ سمندر کے نیچے کی عمارت کے دروازے پر نظر آنے والے ایک لمحے کے لئے ٹھہک، اور پھر آگے بڑھے۔ انہوں نے جلدی سے میری پشت سے آکیجن سلنڈر کھولا اور اُس میں لگا ہوا ڈاکل دیکھنے لگے جو زیر دپاوٹ پر پہنچ رہا تھا۔

تب اُن میں سے ایک نے میری پشت پر نیا آکیجن سلنڈر نصب کیا اور پاپ اُس سے نسلک کر دیئے۔

یہ بات میرے لئے تعجب خیز تھی۔ حالانکہ جب وہ آکیجن سلنڈر کھول رہے تھے، اُسی وقت میں نے یہ سوچا تھا کہ شاید انہیں یہ خطرہ پیدا ہو گیا ہے کہ میں آکیجن سلنڈر لگا کر شاید نکلنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ اور انہوں نے شاید اسی لئے یہ سلنڈر رہتا یا ہے کہ میں کم از کم ہوا سے محروم ہو جاؤں۔ لیکن نیا سلنڈر لگا کر انہوں نے میری جسمانی قوتوں کو پھر بحال کر دیا تھا۔ میں نے تعجب سے انہیں دیکھا۔ اور ایک شخص نے آگے بڑھ کر مجھے اٹھنے کا اشارہ کیا۔ اور وہ مجھے لے کر چل پڑے۔

بہر صورت! دروازہ بھی کھل گیا تھا اور وہ لوگ میرے ساتھ کسی تشدد پر بھی آمادہ نہیں

تھے۔ ویسے فی الوقت میں عقلی طور پر معطل ہو کر رہ گیا تھا۔ چنانچہ میں نے خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دیا۔ میری جدوجہد جو ترقیاً ناکامی کے کنارے پہنچ چکی تھی، ایک بار پھر شروع ہو گئی۔ اور اٹھتے ہوئے میں سوچ رہا تھا کہ ممکن ہے، ڈیوک نے اپنا ارادہ بدل دیا ہو۔ جو کچھ بھی ہے، بہر صورت! اب تو وہ سطح پر پہنچ کے بعد ہی سوچا جائے گا۔ اور تھوڑی دیر کے بعد ہم سطح کے اوپر پہنچ گے۔

سمندر کے اس حصے میں تھوڑے فاصلے پر ایک خوبصورت عمارت نظر آ رہی تھی۔ اور یہ دعا عمارت نہیں تھی جس سے میں لکھا تھا اور اسے دیکھ چکا تھا۔ یا پھر یہ بھی ممکن تھا کہ یہ عمارت کا عقی حصہ نہ ہو جسے میں دیکھ نہ پایا ہوں بہر صورت! سمندر میں موجود عمارت بے حد خوبصورت اور شاندار تھی۔

سطح پر آنے کے بعد میں نے ماسک اٹھایا اور کھلی فضا میں گھرے گھرے سانس لینے لگا۔ میرے ساتھ موجود چاروں آدمی بھی گھرے گھرے سانس لے رہے تھے۔ تب ان میں سے ایک شخص نے، جو اب تک مجھے ہمدرد کی حیثیت سے ٹریٹ کرتا رہا تھا، اشارہ کیا اور ہم لوگ کنارے کی جانب بڑھنے لگے۔ وہ چاروں میرے ساتھ ہی تھے۔

راستے میں کوئی بات نہیں ہوئی۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم ساحل پر تھے۔ تب اس شخص نے آہستہ سے مجھ سے کہا۔ ”پلیز مشر..... براہ کرم! ان درختوں کی آڑ لے کر آگے بڑھئے۔ تاکہ آپ کو کوئی دیکھ نہ سکے۔“

”اوہ..... شکریہ!“ میں نے بھاری لمحے میں کہا اور اپنے ہمدرد کی ہدایت پر عمل کرنے لگا۔

تھوڑی دیر کے بعد ہم درختوں کی آڑ لیتے ہوئے عمارت کی جانب جا رہے تھے۔ بالآخر ہم اس عمارت کے سامنے کے حصے میں پہنچ گئے۔ مجھے لانے والے، دوسروں کی نگاہوں سے پوشیدہ کر کے اس عمارت میں لے جانا چاہتے تھے۔ اور چند ساعت کے بعد میں عمارت کے ایک کمرے میں تھا۔

تب ایک شخص نے میرے بدن سے غوطہ خوری کا لباس اٹا را اور پھر مجھے لئے ہوئے ایک دوسرا کمرے میں داخل ہو گئے۔ یہاں پہنچ کر انہوں نے کمرے کا دروازہ بند کر دیا۔ اور وہ سب بھی غوطہ خوری کا لباس اٹا رانے لگے۔

اچھے خاصے تن و تو ش کے آدمی تھے۔ دو سیاہ فام بھی تھے۔ سیاہ فاموں نے ایک الماری

سے ایک سیال کی بوتل نکالی اور مجھ سے کپڑے اُتارنے کے لئے کہا۔ پھر انہوں نے میرے جسم پر ماش شروع کر دی۔ شاید وہ میری اتنی دیر کی جدوجہد کے بعد میرے اعصاب بحال کرنا چاہتے تھے، اس لئے میں نے ان کے کسی کام میں دخل نہ دیا۔ اس وقت طبیعت بھی کچھ ایسی ہی ہو رہی تھی۔ کسی سلسلے میں بولنے کو جی نہ چاہ رہا تھا۔ بہر صورت! اس ماش سے درحقیقت، مجھے بے حد سکون محسوس ہوا تھا۔ اور پھر جب میں پرسکون ہو گیا تو ان میں سے ایک نے میرے کپڑے اُٹھا کر مجھے دیئے۔ باقی لوگ کمرے سے باہر نکل گئے۔ صرف ایک شخص جو میرا ہمدرد تھا، کمرے میں رہ گیا تھا۔

”حالات کچھ بھی ہوں، میں تھہارا شکریہ ضرور ادا کروں گا میرے دوست! کیا نام ہے تمہارا.....؟“

”ڈولف.....!“ اُس نے جواب دیا۔

”تو مشر ڈولف.....! میری خواہش ہے کہ تم سے معلوم کروں کہ تم نے میری مدد کیوں کی ہے؟ کیا ڈیوک کے ایماء پر.....؟“

”اوہ، نہیں..... ڈیوک کا نام بھی مت لینا۔“

”کیا مطلب.....؟“ میں نے تجھ سے پوچھا۔

”مطلوب یہ کہ تمہیں ڈیوک کے ایماء پر سمندر سے نکال کر نہیں لایا گیا ہے۔ ڈیوک کو تو یہ یقین ہو چکا ہو گا کہ تمہاری لاش اُب پوائنٹ تھری کے کسی کمرے میں تیر رہی ہو گی۔“ ڈولف نے جواب دیا۔

”تب پھر.....؟“ میں نے تجھ سے پوچھا۔

”آنچھے کی ضرورت نہیں ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد تمہیں خود پتہ چل جائے گا۔“ ڈولف نے کہا۔ ”ویسے اُب تمہیں کوئی خطرہ نہیں ہے۔ لیکن خود کو پوشیدہ رکھنا۔“

میں نے گردن ہلا دی۔ بات سمجھ میں نہیں آئی تھی کہ جانے یہ کون لوگ تھے؟ بہر حال! ڈیوک کے خلاف معلوم ہوتے تھے۔ ڈولف بھی چلا گیا اور میں کمرے میں تھا رہ گیا۔ لیکن خوش نہیں تھا۔ دیکھ جو چکا تھا۔ ہاں! ایک طرح سے میں نے شکست کھائی تھی۔ یعنی میری کسی کوشش نے میری جان نہیں بچائی تھی بلکہ اس وفت میری زندگی دوسروں کی رہیں منت تھی۔ یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی۔ گویا، ڈن کیں ختم ہو گیا؟

اتی شاندار تربیت کوئی اعلیٰ کام نہیں دکھائی۔ مجھ میں اور ایک عام انسان میں کیا فرق

اب اس سلسلے میں وہ کچھ نہیں کر سکتا۔ لیکن مائی ڈیر! تم اتنے غیر اہم نہیں تھے کہ میں تمہیں اس طرح چھوڑ دتی۔ چنانچہ میں نے اپنے آدمیوں کو تمہارے پاس بھیجا۔ اور مجھے خوشی ہے کہ میں تمہیں بچانے میں کامیاب ہو گئی ہوں۔ ہاں! یہ دوسروی بات ہے کہ میں اپنے اس بھروسہ میں اسی طرح اٹل ہوں۔ جو میں نے سوچا ہے مستقبل تم کس انداز میں گزارنا چاہتے ہو، یہ تمہارے روئے پر ہے۔ اس سلسلے میں، میں قطعی مداخلت نہیں کروں گی۔“

میں نے چند ساعت سوچا۔ بوڑھی نے مجھے پہنچ کیا تھا۔ لیکن ڈن کین کے اندر جو نیا انسان جا گا تھا، وہ پوری طرح اُبھر آیا تھا۔ چنانچہ میں نے شرمندگی کے لمحے میں کہا۔ ”آپ نے میری زندگی بچائی ہے مادام ساریثا! ظاہر ہے، میرے دل میں آپ کے لئے بہت بڑی جگہ پیدا ہو چکی ہے۔“

”اوہ، اوہ..... میں نے یہ زندگی اپنے مقصد کے لئے بچائی ہے۔ اور وراثل میں اکامیاں برداشت نہیں کر پاتی۔ سوچا تو میں نے یہی تھا کہ تمہیں اپنی قید میں رکھ کر تمہارا دماغ مکمل طور پر درست کر دوں۔ لیکن حالات کچھ ایسے ہو گئے کہ میرے دل میں تمہارے لئے پھر محبت کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ اگر تم نہ بحث توقیعن کرو! میں ڈیوک البرٹ کو سخت ترین سزا دتی۔ میرا شوق ہر حال میں پورا ہونا چاہے۔ میری خواہش ہر حال میں پایہ تکمیل تک پہنچنی چاہئے۔“ ساریثا کے لمحے میں غراہٹ سی آئی۔

میں خاموش نگاہوں سے اُسے دیکھ رہا تھا۔ بہر صورت! اس جزیرے پر بیا یوں کہنا چاہئے کہ پورے فرانس میں ایک عورت تو ایسی تھی جو ڈیوک البرٹ کو سزادی نے کے بارے میں علی الاعلان کہہ سکتی تھی۔ اور اُس نے ڈیوک کی وی ہوئی سزا کے باوجود مجھے کھلے سمندر سے نکلا یا تھا، صرف اپنی مضبوطی کی وجہ سے۔

اب ڈیوک کا رو عمل بھی معلوم ہونا چاہئے تھا۔ لیکن میرا خیال تھا کہ بوڑھی نے جس انداز میں کام کیا ہے، وہ کچا نہ ہو گا۔ یقیناً اُس نے اپنے رازدار ساتھیوں کو سمندر میں بھیجا ہو گا جو کسی بھی طور ڈیوک پر یہ رازنہ کھول سکیں۔ اور بہر حال! جب مجھے یہ سوال ہضم نہ ہوا تو میں نے بوڑھی سے یہ سوال کر ہی ڈالا۔

”لیکن مادام ساریثا! اب اگر ڈیوک کو اس بارے میں معلوم ہو گا تو اس کا رو عمل کیا ہو گا؟“

”اوہ..... رو عمل کیا ہو سکتا ہے؟ کچھ نہیں ہو گا۔ میں نے اُسے اس قابل بنایا ہے کہ وہ

رہا؟ دوسروں نے بچالیا تو نجع گئے..... طبیعت پر ایک بوجھ سا آگیا تھا۔ بہر حال! کچھ بھی ہے، اس کمزوری پر قابو پالیتا چاہئے۔ زندگی تو حادثات سے عبارت ہے۔ اور بعض اوقات وقت، زندگی کے راستے متعین کرتا ہے۔ جو کچھ ہو، سو ہو۔ لیکن ڈن کین! آئندہ تمہاری زندگی پر دوسروں کا احسان نہ رہے۔ خود کو مطمئن کرنے کے لئے اور کیا، کیا جا سکتا تھا؟ تھوڑی دیر اسی طرح گزری کہ وہ اجنبی چہرے اندر آگئے۔

”آئیے! ہمارا خیال ہے، آپ بالکل ٹھیک ہوں گے۔“

”کہاں.....؟“

”آپ کو طلب کیا گیا ہے۔“ انہوں نے جواب دیا۔ صرف ایک ساعت سوچ کر میں اُن کے ساتھ چل پڑا۔ راستے میں، میں نے ایک اور بات سوچی۔ ممکن ہے، یہ ڈیوک ہی کا کوئی کھیل ہو۔ مجھے موت کے نزدیک لے جا کر واپس لانے کے بعد وہ اپنی اہمیت کا اظہار کرنا چاہتا ہو۔ تبھی ایک لمحے کے اندر جگہ پر میری کمزوری کا انکشاف ہو گیا۔ صرف ایک لمحے میں مجھے پتہ چل گیا کہ میرے اندر کون سی کمزوری ایسی ہے جس کی وجہ سے میں موت کے قریب پہنچ گیا۔ ہاں! میں نے اس بات کو جان لیا تھا۔ بعض اوقات انسان کو حالات سے سمجھوٹے بھی کرنا پڑتا ہے۔ ظاہر ہے، میں رو بوب نہیں ہوں۔ ہر جگہ نہیں جیت سکتا۔ ایک سے زیادہ انسان مجھے بھی نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ میں نے صرف دلیری دکھائی، مصلحت سے کام نہیں لیا۔ اور میری اس کمزوری نے ڈن کا خاتمہ کر دیا۔ لیکن ڈن کین کی موت نے میرے اندر ایک اور انسان کو جگا دیا تھا۔ یا بہ الفاظ دیگر آئندہ میں نے اس کمزوری کو ختم کرنے کا فیصلہ بھی کر لیا۔

اور یہ سارے فیصلے میں نے چند ساعت میں کر لئے تھے۔ پھر جب میں ایک کمرے میں داخل ہوا تو میرے ذہن کو دوسرا شاک لگا تھا۔ سامنے ایک کرسی پر ساریثما بیٹھی ہوئی تھی۔

”ہیلو.....!“ وہ مسکراتی۔

”ہیلو مادام.....!“ میں بھی گردن جھکا کر بولا۔

”سوری ڈارلنگ! مجھے اس وقت معلوم ہوا، جب وہ تمہیں پوائنٹ تھری بیچ چکا تھا۔ میں نے اُس سے بات کی تو اُس نے مجبوری ظاہر کی۔ اور مجھ سے کہا کہ چونکہ اسے معلوم نہیں تھا کہ میں بھی تمہیں زیر کرنے میں ناکام رہی ہوں تو اس لئے اُس نے اپنے پروگرام پر عمل کیا۔ لیکن اس کے بعد اُس نے کہا تھا کہ چونکہ وہ اپنے پروگرام پر عمل کر چکا ہے۔ اس لئے

اپنے پیروں پر کھڑا ہو سکے۔ وہ میرا کیا بگاڑ سکے گا؟“ سارٹینا نے کہا۔ ”اور اس کے علاوہ اگر بہت عرصہ قبل کی بات ہے مادام! کہ پیرس میں ڈیوک کے آدمیوں نے میری بہن کو اُس کے ذہن میں بھی کوئی خناس اُبھرتا بھی ہے تو میں اُسے سزا دینے کے بہتر ذرائع بھی اکر لیا تھا۔ اُسے ڈیوک کے پاس پہنچا دیا گیا۔ میں اُسے تلاش کرتا رہا۔ اور کچھ عرصے رکھتی ہوں۔“ سارٹینا غرائے ہوئے لجھ میں بولی۔

”ٹھیک فرمایا آپ نے مادام! لل..... لیکن میرا خیال ہے کہ ڈیوک کو اس سلسلے میں کچھ ای کی حالت تباہ ہو چکی تھی۔ اور اس نے صرف چند الفاظ کہے۔ اور یہ الفاظ تھے کہ ڈیوک بعد مجھے میری بہن مل گئی لیکن اس شکل میں کہ اُس نے مجھے پہنچانے سے انکار کر دیا۔ معلوم ہی کیوں ہو.....؟“

”ہاں..... ان میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جو ڈیوک کو اس بارے میں کچھ بتائے۔“ فیصلہ کر لیا کہ میں ڈیوک سے انتقام لون گا۔“

سارٹینا نے مطمئن لجھ میں کہا۔ ”اوہ، اوہ.....! تو یہ انتقام کا کھیل تھا۔“ سارٹینا مسکراتے ہوئے بولی۔

”یقیناً! وہ آپ کے اپنے آدمی ہوں گے۔“ ”ہاں مادام سارٹینا.....! یہ انتقام کا کھیل تھا۔ لیکن بہر صورت! میں تسلیم کرتا ہوں کہ اس اور اس کے کتوں کی طرح وفادار۔ میرے ہر حکم پر صرف گردن ہلانے والے۔ بل میں مجھے غلکست ہوئی۔ میں ڈیوک کے مقابلے میں ہار گیا۔ اور جب انسان کو غلکست لئے ہر کوشش کرنے والے۔“ سارٹینا نے جواب دیا اور میں اُس کی طرف دیکھنے جائے مادام! تو پھر اُسے یہ سوچ لینا چاہئے کہ کوئی چھوٹا سا سہارا لے کر اگر وہ اپنے لگا۔ سارٹینا مجھے دیکھتی رہی۔ پھر بولی۔

”لیکن میں تمہارے اندر کچھ تبدیلیاں پار ہی ہوں۔“

”کیسی تبدیلیاں مادام.....؟“

”تم کچھ نرم نظر آ رہے ہو۔“

”زم کیوں.....؟“

”بُل! میں محسوس کر سکتی ہوں کہ وہ سرکشی تمہارے انداز نہیں ہے جتنے میں نے دیکھا نہ لکھی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔“

”محض معلوم ہے۔“ سارٹینا مسکراتے ہوئے بولی۔ ”تو مسٹر فوستر! آب تم نے کیا سوچا تھا۔“

”ہاں مادام.....! اس کی ایک وجہ ہے۔“ میں نے صاف لجھ میں جواب دیا۔ ”یہاں سے ڈن کیں کا نیا روپ شروع ہو گیا ہے۔ وہ روپ جو ابھی تک اُجادگر نہ ہوا تھا۔“ بوزی چوکنی اور بولی۔

”کیا مطلب.....؟“

”مطلب یہ مادام! کہ کچھ بھی ہو، میں بھی انسان ہوں۔ ڈیوک کے خلاف میں ایک خاص سلسلے میں کھڑا ہو گیا تھا۔ میں جانتا تھا کہ میری قوت اس کے آگے کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ لیکن بہر صورت! انسان، جان تو دینا جانتا ہے۔ اور اگر جان دینے کا فیصلہ کر لیا جائے تو اس کے بعد بہت سے مرا خل آسان ہو جایا کرتے ہیں۔“

”یقیناً.....! لیکن تمہیں ڈیوک سے کیا پرانا شقی؟“

”کچھ نہیں مادام.....!“

”یعنی تمہارے ذہن میں کوئی لاکھ عمل نہیں ہے؟“ سارٹینا مسکراتے ہوئے بولی۔

”نہیں مادام.....! میں آپ کا غلام ہوں۔ آپ مجھے حکم دیں۔ لایے..... اپنے پیر آگے

تعالیے! میں آپ کے حکم کی تعییل کے لئے انہیں چاٹ لوں گا۔“ میں نے آگے بڑھتے

کہا اور سارٹینا نے میرے کندھوں پر ہاتھ رکھ دیا۔

”نہیں ڈیز، نہیں.....! تمہاری سرکشی نے میرا غور جگا دیا تھا۔ تبھی میں نے تمہیں یہ حکم

إتحاد کہ میرے پیر چاؤ۔ لیکن آب تم دلکش نظر آ رہے ہو۔ میں آب تم سے محبت کروں گی۔

”میں ایک انعام ڈوں گی۔ آؤ فوستر..... بیٹھ جاؤ! تمہارے الفاظ نے میرا ذہن بھی بدلتا دیا

ہے۔

تھا۔

”کیا، کیا کہا تم نے.....؟“ وہ عجیب سے لمحے میں بولی۔

”مم.....میں نے.....؟“

”ہاں.....! ایک بار پھر مجھے اسی انداز میں مخاطب کرو۔ ایک بار پھر.....!“ اُس کی آنکھیں شلی ہو گئیں اور میں نے دل ہی دل میں ایک طویل سانس لی۔

”ساریٹنا! کیا آپ میری اس جہالت سے ناراض ہو گئیں.....؟“ میں نے خجالت سے پوچھا۔ لیکن بوڑھی نے اس بات کا جواب نہیں دیا۔ وہ عجیب سے تاثر میں ڈوبی نظر آ رہی تھی۔ اور پھر اُس کی آنکھوں سے آنسو منکنے لگے۔

ئے ڈن کین نے پھر ایک فلا بازی لکھائی اور مجھے گلا دیا۔ میں آگے بڑھا اور میں نے بڑے جذباتی انداز میں اُس کا ہاتھ تھام لیا۔ ”اگر آپ میری اس جہالت سے ناراض ہو گئی ہیں ما دام ساریٹنا! تو میں معافی چاہتا ہوں۔ دراصل! آپ نے اس وقت میری مدد کی، جب میں موت کی آنغوш میں پہنچ چکا تھا۔ میرے دل میں آپ کے لئے بہت بڑا مقام پیدا ہو گیا ہے۔ اس لئے میں نے یہ جہارت کی تھی۔ لیکن شرمندہ ہوں۔“

”فوسٹر.....ڈارلنگ فوسٹر! یوں نہ کہو۔ جودے پچھے ہو، وہ مجھ سے نہ چھینو۔ پلیز فوسٹر! غلط نہیں کا شکار نہ ہو۔“

”میں سمجھا نہیں.....؟“ میں نے تجب کا اظہار کیا۔

”فوسٹر.....! میں بری نہیں ہوں۔ یقین کرو فوسٹر! البرٹ کی طرح میں بری نہیں ہوں۔ بس! حالات نے میری شخصیت مسخ کر دی ہے۔ ورنہ.....؟“

”میں آب بھی نہیں سمجھا ما دام!“

”وہی کہہ کر مخاطب کرو فوسٹر! جو کہہ چکے ہو۔ مجھے اس نئے سے محروم نہ کرو جو تمہاری بے تکلفی کے انداز نے میرے اندر پیدا کر دیا ہے۔“

”ساریٹ.....!“ میں نے جذباتی لمحے میں کہا اور ما دام ساریٹنا بے اختیار اٹھ کر مجھ سے لپٹ گئیں۔ وہ اپنے جذبات کا مظاہرہ کر رہی تھیں۔

”کیا..... کیا واقعی تمہارے دل میں میرے لئے اس قدر محبت پیدا ہو گئی ہے؟ اوہ! میری

زندگی میں، میں تو اب سوچ بھی نہیں سکتی تھی، یہ تصور بھی نہیں کر سکتی تھی کہ اس عمر میں.....

زندگی کے اس حصے میں کوئی مجھے چاہے گا۔“

”تمہارا ایک ایک لس میرے دل میں جذبات کی روشنی کر رہا ہے ساریٹ! اور جب

انسان محبت کرتا ہے تو عمر وغیرہ کا کیا سوال.....؟“

”کاش..... کاش! میں تمہیں ان الفاظ کا صلدے سکتی۔“

”محبت کوئی صلدے نہیں چاہتی ڈارلنگ!“ میں نے اسے بھجنگ لیا۔ ویسے سکرٹ پیلس میں بھنگے اس فن کی کوئی تربیت نہیں دی گئی تھی۔ یہ صرف میری اپنی تحقیق تھی اور بہت خوب تھی۔ وہ بھی لمحہ بے لمحہ میرے چنگل میں پھنستی جا رہی تھی۔ پھر اُس نے گھمیسر لمحے میں کہا۔ ”اگر تم میری عمر کو نظر انداز کر دو فوسٹر! تو میں کنواری ہوں۔ یقین کرو! میں محبت کے کسی جذبے سے آشنا نہیں ہوں۔ میں نہیں جانتی کہ دو دل سیکھا ہو کر کس طرح دھڑکتے ہیں؟ میرا دل تو ہمیشہ تھا دھڑکا ہے۔ ہاں! میں نے اکثر اس تھائی کی شدت کو محسوس کیا ہے۔ اور اس کے بعد.....

اس کے بعد میں صرف ڈیوک البرٹ کی ماں ہوں۔ ایک خونخوار عورت۔“

”ولیکن ساریٹ ڈارلنگ! تم اس شیخ تک کس طرح پہنچیں؟ تم بے پناہ خوبصورت ہو۔ اگر تمہیں اپنی عمر کا احساس ہے تو میری خاطر اس احساس کو ذہن سے نکال دو۔ میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ ڈیوک کے محل میں تم سے سیئن عورت نہ ہو گی۔ تم آج بھی دلوں پر حکمرانی کر سکتی ہو۔ ممکن ہے، تم نے اس نگاہ قاتل کو نہ دیکھا ہو کہ آب بھی بہت سے دل تمہارے لئے بدل ہو سکتے ہیں۔“

”مجھے آب کسی کی ضرورت نہیں ہے۔ تم نے میرا کنوار پن توڑ دیا ہے۔ تم نے ان مر جہانی ہوئی گلیوں کو پھول بنا دیا ہے جو کبھی نہ کھلی تھیں۔“

ڈن کین کو بھی خوب بولنا آتا تھا۔ میرے دل میں تھیمہ چل رہے تھے۔ لیکن ڈن کین میں آب کافی تبدیلیاں آگئی تھیں۔ ”میں نے تم سے پوچھا تھا کہ تم اس شیخ تک کس طرح پہنچ گئیں.....؟“

بوڑھی چند ساعت غمزدہ انداز میں سر جھکائے بیٹھی رہی۔ پھر ایک گہری سانس لے کر بولی۔ ”تھوڑی سی کہانی تو تمہیں البرٹ سناؤ کا ہے۔ میں اس سے زیادہ کیا سناؤں گی؟ بس، یوں سمجھو! کہ اس وقت میری زندگی میں زہر بھر دیا گیا جب میں ان تمام چیزوں سے واقفیت بھی نہ رکھتی تھی۔ کانونیٹ کی تعلیم نے مجھے ایک ذہنی اذیت پختی تھی۔ میں کسی سے کہہ بھی نہ

پوچھا۔ ”وہ گوشہ کون سا ہے مادام سارٹینا.....؟“

”ایک تصور.....ایک احساس۔“

”کیسا احساس.....؟“ میں نے سوال کیا۔

”یقیناً البرٹ اُس شخص کی تصویر ہو گا جس نے مجھے برباد کیا تھا۔ اُس کی رگوں میں یقیناً اُس کا خون دوڑ رہا ہو گا۔ اور مجھے اس خون سے نفرت ہے۔ اتنی نفرت کہ میں اسے الفاظ میں بیان نہیں کر سکتی۔ چنانچہ میں اُس شخص کو تو علاش نہیں کر سکتی۔ لیکن کبھی میرا دل چاہتا ہے کہ میں البرٹ کی گردن دبا دوں..... میں اُسے فنا کر دوں..... صرف اس تصور کے ساتھ کہ یہ وہ شخص ہے جس نے مجھے زندگی کی ہر دلکشی، ہر لذت سے محروم کر دیا تھا۔ اور اس وقت میری نفرت بے پناہ بڑھ جاتی ہے۔“

”تو کیا اُس وقت تمہیں یہ احساس نہیں رہتا کہ یہ وہ نہیں ہے جو تمہیں اس دنیا میں محروم دے کر گیا تھا، بلکہ تمہارا اپنا خون ہے۔ تمہارا بچہ ہے۔“ میں نے تاویل پیش کی۔

”نہیں..... میرے دل میں صرف نفرت اور انتقام باقی رہ جاتا ہے۔ میں اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے اُس پر حاوی ہو جاتی ہوں۔ یہ میرا انتقام ہے۔ میں اس نفے سے پھول سے بچے کو بھول جاتی ہوں جو میری آغوش میں نفے نہیں ہاتھ پاؤں مارا کرتا تھا۔ وہ ساری دنیا پر حاوی ہے لیکن مجھ سے انکار نہیں کر سکتا۔“

بڑھی خاموش ہو گئی۔ میں اُس کے جذبات پر غور کر رہا تھا۔ بلاشبہ! ڈیوک البرٹ جو کچھ تھا، بڑھی کا اس میں کوئی خاص قصور نہیں تھا۔ اُس بدجنت کی نظرت ہی اُسکی تھی۔ بلاشبہ اُس نے بڑھی کے بطن سے جنم لیا تھا۔ لیکن وہ خود بھی اس عورت سے مغلص نہیں تھا۔ اگر وہ اُسے پاکیزہ سمجھتا۔۔۔ اپنی ماں سمجھتا۔ تو اُس کے لئے ان راستوں کا انتخاب نہ کرتا، جو بہر صورت! اچھے نہیں تھے۔

بڑھی چند لمحے خاموشی سے گردن جھکائے بیٹھی رہی۔ وہ منخل ہو گئی تھی۔ پھر اُس نے آہستہ سے میری جانب نگاہ انٹھا کر دیکھا۔ دیکھتی رہی۔ اور اُس کی آنکھوں میں محبت اُبھر آئی۔ یوں لگا جیسے کسی دل خوش کن خیال نے اُس کے ذہن سے اُداسیوں کا غبار صاف کر دیا ہو۔ ”لیکن فوشر! یہ انسان کی جدوجہد کی ایک منزل ہوتی ہے۔ شاید میری جدوجہد کو بھی منزل مل گئی ہے شاید میرے بھلکے ہوئے ذہن کو بھی اب قرار مل جائے۔“ میں نے آگے بڑھ کر اُس کے ”تمہاری کہانی نے مجھے تم سے فریب کر دیا ہے سارٹی!“ میں نے آگے بڑھ کر اُس کے

سکی کہ مجھے کیا تکلیف ہے؟ اور اس وقت جب میں خود بچی تھی اور چھوٹے چھوٹے بچوں کو دیکھ کر خوش ہوتی تھی، میری گود میں ایک بچا آگیا تھا۔ وہ میرے لئے دلکش تھا اور میں اُسے پسند کرتی تھی۔ مجھے اُس سے بے پناہ محبت تھی۔ لیکن صحیح طور پر میں یہ نہیں جانتی تھی کہ یہ بچہ میری آغوش میں کیسے آگیا..... یا مجھے جن اذیتوں سے گزرنما پڑا ہے، ان میں میرا کیا دل خل تھا؟ لیکن جوں جوں وقت گزرتا گیا، مجھے احساس ہوتا گیا کہ میں کچھ ایسی نفرتوں کا شکار ہو گئی ہوں، جو میری سمجھ سے باہر ہیں۔ نفرتوں کا دائرہ میرے گرد بگنگ ہوتا گیا اور میں اپنے بچے سے پیار کرتی رہی..... اور کچھ عرصے کے بعد جب میں نے محسوس کیا تو مجھے علم ہوا کہ میری زندگی میں اپنے بچے کی محبت کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ حالات نے مجھے بتا دیا کہ میں کس کی کاشکار ہو گئی ہوں؟ لوگوں نے اُس بچے کو مارنا چاہا، اُسے ختم کرنا چاہا۔ لیکن میری زندگی میں تو وہ بہت بڑی دلچسپی تھی۔ سو میں نے سب کو چھوڑ دیا اور اُس بچے کی پروویش کرتی رہی۔ بس! اتنی کی کہانی ہے میری..... میں نے زندگی میں اُس کے بعد بے پناہ طور پر تکمیل تلاش کیں۔ میں نے چاہا کہ کوئی مجھے سمجھے..... مجھے محسوس کرے۔ یہ جان لے کہ جو کچھ ہوا ہے، اس میں میرا کوئی تصویر نہیں ہے۔ میں تو نا سمجھتی۔ میں کچھ نہیں جانتی تھی۔ لیکن لوگ میرے حسن دلکشی کو دیکھ کر میرے نزدیک آتے تھے، لیکن مجھ سے نسلک رہنا پسند نہیں کرتے تھے، مجھ سے شناسائی کو برائجھتے تھے۔ اور یہ اُس وقت کی بات ہے فوشر! جب لوگ اتنے آزاد خیال نہ تھے۔ اور جب وہ آزاد خیال ہوئے اور اس قسم کی پاتوں کو گناہ سمجھنا چھوڑ دیا تو میں عمر کی اس منزل پر پہنچ گئی جہاں میرا بینا البرٹ ایک نمایاں شخصیت کا حامل شخص تھا۔ اور اُس کا اپنا ایک مقام بن چکا تھا۔ میری ذہنی اذیتوں سے میرا بینا بخوبی واقف تھا۔ چنانچہ خود اُس کی نظرت میں جو کسی یا خامی رہ گئی تھی، اُس نے اُس کی کسر اپنے آپ کو ایک عجیب و غریب رنگ دے کر پوری کی۔ اور اس کے بعد خود اُس نے اپنے بارے میں سوچا تو کھلے دل سے مجھے اُس کی اجازت دے دی کہ جن حسرتوں سے میں اپنی زندگی میں دوچار رہی ہوں، انہیں میں بخوبی پورا کر سکتی ہوں۔ سوادہ میرا معاون بن گیا۔ اور تم نے دیکھا کہ اُس نے کس طرح میری طلب پر تمہیں میرے حوالے کر دیا۔ لیکن اس کے باوجود وہ میری ذہنی اذیتوں کو نہیں جانتا۔ وہ میرے دل کے بعض رازوں سے ناواقف ہے۔ وہ میرے دل کے گوشوں سے ناواقف ہے۔ ”سارٹینا بولی۔“

میں تھیرانہ نگاہوں سے اُسے دیکھ رہا تھا۔ پھر میں نے تجب خیز لمحے میں سارٹینا سے

شانوں پر دونوں ہاتھ رکھ دیئے اور بوزٹھی مجبوبہ میرے سینے سے آگئی۔ اُس کے چہرے پر بے پناہ سکون تھا۔ کافی دیر تک میں نے اُسے اپنے سینے سے لگائے رکھا۔ اور پھر وہ اعتدال پر آگئی۔ ”لیکن ساری! اگر ڈیوک کو یہ بات معلوم ہو گئی کہ تم نے مجھے پھالیا ہے.....“

”تو کیا ہو گا.....؟“

”کیا وہ مکمل طور پر تمہارے قبضے میں ہے.....؟“

”ہاں..... اُس کی مجال نہیں کہ میرے معاملات میں دخل دے۔“

”اس کے باوجود میں چاہتا ہوں کہ اُسے کانوں کا خبر نہ ہو۔“

”یہ بھی ہو سکتا ہے۔ کسی کی مجال نہیں کہ میرے معاملے میں دخل دے۔ میں منع کر دوں گی کہ کوئی اس بات کو کسی پر ظاہرنہ کرے۔“

”بالکل ٹھیک..... لیکن میں اس کے علاوہ بھی کچھ چاہتا ہوں۔“

”کیا.....؟“

”ساری! ڈارلنگ! تم شاید اس بات پر حیران ہو۔ شاید تم اسے میری بزولی سمجھو یا حماقت۔ اس وقت، جب ڈیوک نے مجھے تمہارے حوالے کیا تھا، میرے دل میں تمہارے لئے ذرا سی بھی انسیت نہیں تھی۔ تم جانتی ہو، میں نے تمہیں کس طرح ٹھکرایا تھا۔“

”ہاں..... اس وقت میں نے تمہارے خلاف بہت بچھ سوچا تھا۔“

”تم نے میری زندگی بچائی۔ زندگی نقچ جانے کی خوشی کے نہیں ہوتی؟ لیکن میرے دل میں تمہارے لئے پیار پھوٹ پڑا۔ اور پھر میں نے سوچا کہ اس عورت کی مدد ہی سے میں فائدہ اٹھاؤں گا۔ لیکن تمہاری کہانی سننے کے بعد میں اپنے دل میں تمہارے لئے بے پناہ محبت محسوس کر رہا ہوں۔ میرے سینے میں جذبات کا ایک سمندر موجود ہے۔ میری خواہش ہے کہ میں تمہیں زندگی کی ساری سرتریں ایک ساتھ دے دوں..... میں..... میں تمہارے بغیر اب زندگی ایک لمحہ بھی گزارنا پسند نہیں کرتا۔“

”اوہ..... اوہ! مجھے اتنی ساری خوشیاں ایک ساتھ نہ دو فوستر! میں پاگل ہو جاؤں گی..... میں مر جاؤں گی۔“

”میں تمہیں مرنے نہیں دوں گا ساری بنا!“ میں نے کہا اور دل ہی دل میں سوچنے لگا کہ کسی طرح یہ تجویز بھی سیدھ پیلس کو بھجوائی جانی چاہئے کہ عشق کی ٹریننگ کا بھی ایک شعبہ بنائیں۔ تاکہ اس سلسلے میں پریشانی نہ ہو۔

کافی دیر تک میں بوزٹھی کو بلندیوں پر چڑھاتا رہا۔ پھر اُس نے سوال کیا۔ ”ہاں ڈارلنگ..... تم کیا چاہتے ہو؟“

”میک اپ کا سامان اگر میں جاتا تو میں اُب میں تمہارے پاس رہتا۔ اس طرح ہم سکون سے محبت کرتے۔ ہمارے درمیان کوئی بھی خطہ نہ رہتا۔“

”میک اپ کرنا تمہیں آتا ہے.....؟“

”بہت اچھی طرح۔“

”تو سامان مل جائے گا۔ لیکن ایک بات تو بتاؤ! ڈیوک سے تمہاری کیا پرخاش ہے؟“

”بس! یہ کہ ہم دونوں خود کو ناقابل تحریر سمجھتے ہیں۔ انہوں نے مجھے چیلنج کیا اور میں نے قبول کر لیا۔ لیکن بہر حال! اُسے برتری حاصل ہے۔“

”چھوڑو ان باتوں کو۔ مجھے بس! یہ خوشی ہے کہ تم مجھے تک پہنچ گئے۔“ بوزٹھی نے کہا۔

بہر حال! اس عمر کی عورت سے عشق کے تمام مرحلے طے کرنا بے حد مشکل کام تھا۔ لیکن میں یہ کئھنے منزیلیں طے کر رہا تھا اور میرا کام بھی بن رہا تھا۔ یعنی میں نے میک اپ کا سامان حاصل کر لیا تھا اور خود کو یکسر بدیل لیا تھا۔ لیکن اس کے باوجود میری حیثیت اضافی تھی اور اس کا کوئی حل بھی نکالنا تھا۔ ایک بار پھر میری زندگی نقچ گئی اور مجھے ڈیوک سے نبردا آزمائی ہوئی کہ موقع مل گیا تھا۔ اس موقع کو میں زیادہ ہوشیاری کے ساتھ استعمال کرنا چاہتا تھا اور اسی کوئی حرکت نہیں کرنا چاہتا تھا جس سے اُبھنوں کا شکار ہونا پڑے۔

بہر صورت! معاملہ، ڈیوک کو قتل کرنے کا تھا۔ میں اگر چاہتا تو اپنے اُن پرانی ثنا ساوس کے پاس بھی جا سکتا تھا۔ میری مراد لوگ گن سے ہے جو بہر صورت! میری مدد کرتی۔ لیکن اس صورت میں لوگ گن کے پاس جانا بھی حماقت تھی۔ بہتر بھی تھا کہ بوزٹھی کی خلوتوں میں رہ کر اپنے مقدار کو کوستے رہو اور ڈیوک کا مقدرتباہ کرتے رہو۔

بوزٹھی کے ساتھ راتیں گزرنا بلاشہ! دنیا کا سب سے کئھنے ترین کام تھا۔ وہ کسی نوجوان لڑکی کی طرح شرماتی لجاتی تھی۔ اور میری محبت میں سرشار ہو جاتی تھی اور مجھے اُس کے تمام تری جذبات کی پذیری اُن کرنا پڑتی تھی۔ ویسے عجیب و غریب عورت تھی۔ اُس کے تاثرات سے کوئی اندازہ نہیں ہوتا تھا۔ کبھی بھی ڈیوک کے لئے اُس کے دل میں ایک ماں کی محبت بڑی شدت سے اُبھر آتی تھی اور کبھی وہ اُس کی بے پناہ نفرت کا نشانہ بن جایا کرتا تھا۔ اس وقت اُس کے ذہن میں وہ شیطان ہوتا تھا جو ڈیوک کا باپ تھا اور جسے وہ جانتی نہیں تھی۔

کئی دن میں نے خاموشی سے گزارے۔ میں اندازہ لگانا چاہتا تھا کہ میرے بارے میں ڈیوک کا کیا خیال ہے؟ کیا اُس نے میری لاش کو تلاش کرنے کی کوشش نہیں کی؟ ظاہر ہے، اس کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ اُسے یقین ہو گیا ہو گا کہ میں مر چکا ہوں۔ لیکن بھر صورت! میرے ذہن میں تھا کہ ممکن ہے بھی، کسی طور وہ مجھے تلاش کرنے پر آمادہ ہو جائے۔ ان حالات میں مجھے اپنی اضافی حیثیت کو ہموار کرنا تھا۔ اور بالآخر اُس کے لئے میں نے ایک اور ترکیب سوچی۔ ترکیب پر مکمل غور کرنے کے بعد جب میں اپنے فیصلے پر کامل ہو گیا تو میں نے اس پر عمل کرنے کے بارے میں سوچا۔

یہ عمارت، جس میں، میں مقیم تھا، اُسی عمارت کا ایک حصہ تھی جہاں ڈیوک رہتا تھا۔ لیکن یہ اُس عمارت کا عقبی حصہ تھا۔ اور عمارت کے اُس عقبی حصے میں آنے کے لئے ایک باقاعدہ راستہ اختیار کرنا پڑتا تھا۔ یعنی داخلہ آسان نہیں تھا بلکہ گوم کر جانا پڑتا تھا۔ میں نے ابھی تک فیصلہ نہیں کیا تھا کہ اب میرا دروازہ اقدم کیا ہونا چاہئے؟ میں ڈیوک کے سامنے آؤں تو کس طرح آؤں.....؟

بوزھی ساری بیٹا کو ابھی اس سلسلے میں ملوث کرنا درست نہیں تھا۔ بلاشبہ وہ خود کو ڈیوک پر حاوی سمجھتی تھی۔ لیکن ان ماں، بیٹے کا رشتہ عجیب تھا۔ ممکن تھا کہ ڈیوک بھی اُسی کے انداز میں سوچنے کا قابل ہو۔ اور ایسی صورت میں یہ بھی ہو سکتا تھا کہ بوزھی کی کوئی بات نہ چل پاتی اور میں اُس کے سہارے پر رہ کر مارا جاتا۔

”نہیں..... یہ تو کسی طور مناسب نہیں ہے۔ مجھے اپنے طور پر بھی کچھ کرنا ہو گا۔“ لیکن اس کے لئے میں نے کچھ دنوں کی مہلت اپنے آپ کو دے دی تھی۔ ظاہر ہے، میری زندگی کا کوئی بہت بڑا مقصد تو تھا نہیں۔ وقت بھی میرے پاس کافی تھا۔ چنانچہ بہتر یہی تھا کہ میں پورے طور سے سوچنے کے بعد کچھ کروں۔ اپنی یہ حیثیت جو میں نے میک آپ کے بعد بنائی تھی، چھپانے کا میرے پاس کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ لیکن میں نے بہت کچھ سوچا تھا۔ اور پھر میں نے ایک ایسے شخص کو منتخب کیا جس کے بارے میں مجھے معلوم ہو گیا کہ وہ ڈیوک کے نزدیک رہنے والوں میں ایک خاص حیثیت کا حامل تھا۔ مجھے اس بات کا بھی اندازہ ہو چکا تھا کہ جس میشن کے سامنے مجھے لے جایا گیا تھا، اُس میں میری بغیر میک آپ کی تصور آگئی تھی۔ اور وہ تصویر، ڈیوک کی خدمت میں پیش کی گئی تھی۔ ڈیوک نے شاید اُس تصویر کو اچھی طرح شناخت کر لیا تھا۔ اب اگر اُس میشن سے بچا جائے اور اپنا کام جاری رکھا جائے تو اس میں

زیادہ مشکل نہیں تھی۔ چنانچہ میں نے اس کے لئے اُس شخص کو چن لیا۔ اور پھر میں نے دوسرا وہ جگہ تلاش کی، جہاں اُس کی لاش ٹھکانے لگائی جاسکے۔ ایسی جگہ میں ہول اور گٹر لائن سے اچھی کون سی ہو سکتی تھی؟ اور اُن کا براہ راست تعلق سمندر ہی سے تھا۔ کیونکہ جرنیٹر کے نیچے گہرائیوں میں سمندر تھا۔ بھر صورت! اطمینان کرنے کے بعد اُس شخص کو ایک دن میں نے مخاطب کر لیا۔ اُس کا نام فلیگ تھا۔

”مسٹر فلیگ.....! مجھے آپ سے بے حد ضروری کام ہے۔“ میں نے کہا اور وہ چونکہ پڑا۔

”فرمائیے.....! لیکن میرا خیال ہے کہ پہلے بھی ہمارا تعارف نہیں ہوا ہے۔“

”میں فوستر ہوں مادام ساریٹا کا خادم۔“

”اوہ..... شاید آپ یہاں زیادہ پرانے نہیں ہیں۔“

”آٹھ دن قبل پیرس سے آیا ہوں۔ مادام کی ملازمت پر مامور ہوں۔“ میں نے کہا اور وہ بھی مسکرا دیا۔ اس دوران میں اُس شخص کی آواز اور انداز نوت کرتا رہا۔

”مجھ سے کیا کام ہے آپ کو.....؟“

”دوست بنانا چاہتا ہوں۔“

”میں حاضر ہوں۔“ ظاہر ہے، مادام کے کسی منتظر نظر کا قرب، خوش بختی کی دلیل تھا۔ ”اس کے علاوہ تمہاری دوستی..... خود میرے ذہن میں بہت سے سوالات تھے۔“ فلیگ نے کہا۔

”کیسے سوالات.....؟“

”خطراناک ہیں۔ سوچ سمجھ کر کروں گا۔“ اُس نے مسکراتے ہوئے کہا اور پھر بولا۔ ”اس کے علاوہ میں تمہارا مدگار ثابت ہو سکتا ہوں۔“

”کس سلسلے میں.....؟“ میں نے پوچھا۔

”آدمی کے بہت سے مشغله انسان کی سوچ پر بوجھ ہوتے ہیں۔ لیکن..... ہاں! ان مشغلوں کو اپنی پسند کا رنگ مل جائے تو..... میں اس سے زیادہ کچھ نہ کہوں گا۔“

”ہاں..... میں سمجھ رہا ہوں۔“

”ذہانت ہے تمہاری۔“ اُس نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

”ڈیوک کی طرف سے تمہارے سپرد کیا خدمت ہے.....؟“

”اہمی صرف فلیگ کو شک ہوا ہے۔ لیکن کل کسی دوسرے کو بھی ہو گا۔ ہم فلیگ کو قتل کرنے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔ پھر یہ کام میں ہی کیوں نہ انجام دوں.....؟“
 ”کیا حرج ہے؟ تم اسے قتل کر دو۔“
 ”اور خود اس کی جگہ لے لوں۔“
 ”کیا مطلب.....؟“
 ”ہاں سارٹی ڈارلگ.....! اس طرح کسی کو میرے اوپر شہبہ نہیں ہو گا۔ میں فلیگ کے میک آپ میں اپنے فرانٹ اسنجام دیتا رہوں گا۔ اس طرح کسی کو پتہ بھی نہیں چل سکے گا۔“
 ”اوہ..... لیکن فلیگ، البرٹ کے کافی قریب رہتا ہے۔“
 ”اس میں کیا حرج ہے.....؟“
 ”وہ شیطان ہے۔“
 ”میں احتیاط رکھوں گا۔“
 ”لیکن ڈارلگ.....! پھر تم میری دسترس سے دور ہو جاؤ گے۔“
 ”ہرگز نہیں۔ فلیگ کے مشاہل مجھے معلوم ہیں۔“
 ”ٹھیک ہے..... اگر تم ٹھیک سمجھتے ہو تو ٹھیک ہے۔“ بوڑھی نے کہا اور میں نے اطمینان کی سانس لی۔ اس طرح مجھے ایک اور تخفیض حاصل ہو گیا تھا۔
 اُس شام میں نے ایک بار پھر فلیگ سے ملاقات کی۔ فلیگ مسکراتا ہوا میرے پاس آیا تھا۔ اُس نے بڑے پیار سے مجھ سے گفتگو کی اور میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر دھیئے لجھے میں بولا۔ ”ہم لوگ اس قدر قریب ہو چکے ہیں کہ اب ایک دوسرے کو چھپانا اچھا نہیں لگتا۔ کیا تم اپنے آپ کو مجھ سے چھپاؤ گے میرے دوست.....؟“
 ”نہیں..... اس کی ضرورت بھی کیا ہے؟“
 ”تب پھر اُس بوڑھی محبوبہ کے بارے میں بتاؤ! کیا تم نے اس سے پہلے بھی کسی پرانی عورت سے عشق کیا ہے.....؟“
 ”نہیں بھائی! مجھے اس کا کوئی تجربہ نہیں ہے۔“ میں نے جواب دیا۔
 ”تو پھر یہ تجربہ تمہارے لئے کیا رہا.....؟“
 ”انہائی احتمالہ، بہت ہی مضمضہ خیز.....!“ میں نے کہا اور آنکھ دبا کر ہٹنے لگا۔ وہ بھی ہٹنے لگا۔

”ڈیوک کے سورز کی نگرانی.....!“ وہ ہنس پڑا۔
 ”سورز.....؟“ میں نے سوالیہ انداز میں اسے دیکھا۔
 ”ہاں! لڑکیوں کا ذخیرہ میری نگرانی میں ہے۔“ اُس نے کہا اور میرے بدن میں سننی دوڑ گئی۔ یہ اضافی بات تھی۔ مجھے اس بارے میں واقعی معلوم نہیں تھا۔ ویرا میری نگاہوں میں آگئی۔ میں اس سے کس قدر قریب پہنچ گیا ہوں..... اور اگر..... میں اپنی ترکیب کو عملی جامہ پہنا سکتا تو..... تو..... بہت کچھ ہو جائے گا۔ چنانچہ فلیگ سے میں نے گھری دوستی گانٹھ لی۔
 اُس نے بتایا کہ وہ دن کے دن کے لئے کوئی رہ بجے سے لے کر ڈیڑھ تک بالکل فارغ ہوتا ہے۔
 اس دوران میں وہ مجھ سے ملاقات کر لے گا۔
 ”اور تم..... مجھے علم ہے کہ تمہیں تو صرف نائٹ شفت کرنا ہوتی ہو گی.....؟“
 ”ہاں.....!“ میں نے ندامت سے جواب دیا۔
 پھر میں نے بوڑھی سارٹینا سے کہا۔ ”میں لوگوں کی نگاہوں میں شہبہ کی جھلکیاں دیکھ رہا ہوں۔ فلیگ نامی ایک شخص نے تو مجھ سے تعارف حاصل کرنے کی کوشش بھی کی تھی۔“
 ”فلیگ..... میں اسے جانتی ہوں۔“
 ”آئن کے سوالات اس قدر الجھے ہوئے تھے کہ میں پریشان ہو گیا ہوں۔“
 ”گویا وہ تمہارے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا.....؟“
 ”ہاں.....!“
 ”ٹھیک ہے۔ اسے قتل کر دیا جائے گا۔ لیکن صرف تمہاری تسلی کے لئے۔ حالانکہ میں تم سے کہتی ہوں کہ اگر البرٹ کو تمہارے بارے میں پتہ چل بھی جائے تو وہ کچھ نہیں کر سکے گا۔“
 ”اس کے باوجود..... میرے ذہن کی خلش کس طرح ڈور ہو گی.....؟“
 ”میں نے کہا تا! اسے قتل کر دیا جائے گا۔“
 ”اس سے بھی کوئی فرق نہیں پڑے گا۔“
 ”کیوں.....؟“
 ”آج اسے شہبہ ہے، کل کوئی دوسرا مشکوک ہو سکتا ہے۔ ہم کتنے قتل کریں گے.....؟“
 ”پھر کوئی حل ہے تمہارے ذہن میں.....؟“ بوڑھی نے اُبھتے ہوئے کہا۔
 ”ہاں، ہے.....!“
 ”کیا.....؟ مجھے بتاؤ!“

چنانچہ میں نے اُس کی خاطر مدارت کا بہت ہی عمدہ بندوبست کیا ہوا تھا۔ کھانے پینے کے دوران ہم لڑکوں کے بارے میں بھی گفتگو کرتے رہے۔ فلیگ کے منہ میں اس طرح پانی بھر آتا تھا جیسے وہ ثانی چوس رہا ہو۔ بہت ہی ندیدہ قسم کا آدمی تھا، لیکن بہر صورت! اُس کی زندگی ہی کتنی تھی؟

چائے کا آخری گھونٹ لینے کے بعد میں نے فلیگ سے چند لمحات کے لئے معدرت طلب کی اور دروازے کی جانب بڑھا جیسے کہیں باہر جانا چاہتا ہوں۔ لیکن دروازے کے پاس پہنچ کر میں نے دروازہ بند کر دیا تھا۔ فلیگ نے تعجب سے مجھے دیکھا لیکن میں مسکرا تھا ہوا واپس آیا۔ وہ یہی سمجھا تھا کہ شاید میں اُس سے بہت ہی راز کی بات کرنا چاہتا ہوں۔ میر انداز ایسا ہی تھا۔

”بات یہ ہے فلیگ! کہ میں بڑا ہی حسد انسان ہوں۔ حسد میری فطرت میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ تمہاری تقدیر پر مجھے رشک ہو رہا ہے۔ میں اُس بوڑھی خانہت کے ساتھ زندگی بسر کر رہا ہوں اور تم..... تم ذخیرہ حسن کے تھماں لکھ ہو۔ اس لئے.....“

”اس لئے کیا.....“ فلیگ نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

”میں تمہیں قتل کرنا چاہتا ہوں۔“ میں نے کہا اور فلیگ نہ پڑا۔

”لیکن میر اپنی اتنا آسان نہیں ہے۔“ اُس نے کہا۔

”کیوں.....؟“

”لڑکوں کا خیال ہے کہ میرا بدن سٹیل سے تیار کیا گیا ہے۔ وہ طاقت کے لحاظ سے مجھے مشینی انسان کہتی ہیں۔“

”میں اس مشین کو ہمیشہ کے لئے ناکارہ کر دیتا چاہتا ہوں.....!“

”نہیں دوست! میں نہیں جانتا کہ تمہیں یہاں آئے ہوئے کتنے دن گزرے ہیں۔ البتہ میں یہ جانتا ہوں کہ اُس کی قربت نے تمہارے اندر کچھ نہیں چھوڑا ہو گا۔“ فلیگ نے کہا۔ میں نے اچھل کر اُس کی گردن پکڑ لی۔ تب فلیگ کو اُس عجیب و غریب صورت حال کا احساس ہوا۔

”ارے..... ارے! جی جی کیا جی جی.....؟“ اُس کی آواز گھٹنے لگی۔ تب اُسے مدافعت کی سوجھی۔ اُس نے کرائی کا ایک داؤ استعمال کیا۔ لیکن میں نے اُسے ناکام بنا دیا۔ اُس کی گردن میری انگلیوں کے شکنچے میں جکڑی ہوئی تھی اور اُس کی آنکھیں نفلی پڑ رہی

”اُس کی بوڑھی اداوی سے تمہیں وحشت تو ہوتی ہو گی.....؟“

”کیا بات ہے؟ تم اُس کے بارے میں بہت کچھ جاننا چاہتے ہو، خیریت تو ہے؟“ میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

”بھی! ظاہر ہے، اُس کی شخصیت ہی ایسی ہے۔“

”بہر صورت! تمہیں اُس سے دلچسپی نہیں ہوئی چاہئے۔“

”ہاں..... مجھے اُس سے دلچسپی نہیں ہے۔ میں اس پر بڑا ہی شکر گزار ہوں۔“ فلیگ نے

ہنستے ہوئے کہا اور میں بھی اُس کے ساتھ ہنسنے لگا۔

”خوڑی دیر تک ہم لوگ باتیں کرتے رہے۔ اب پھر فلیگ نے کہا۔“ البتہ اگر تم چاہو تو میں تمہارے لئے اور بہت کچھ بندوبست کر سکتا ہوں۔“

”مشلا.....؟“

”میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ ڈیوک البرٹ کے ذخیرے میں بڑے بڑے نایاب ہیرے ہیں۔ ایک سے ایک خوبصورت لڑکی۔ اور وہ کمخت انہیں اپنے ہاں لا کر بھول گیا ہے۔“

”اوہ..... یعنی وہ کہیں اُن کو طلب نہیں کرتا؟“

”نہیں..... میں نے کہا نا! کہ وہ انہیں بھول چکا ہے اور بیزار لڑکیاں اس بے رنگ ماحول سے بیزار ہیں۔ بلکہ ڈیوک کے نام سے بیزار ہیں اور اس وقت اُن کی کیفیت یہ ہے کہ اگر انہیں کسی مرد کا قوبہ حاصل ہو جائے تو وہ ہر قیمت پر اُس کا قرب حاصل کر لیتا جاہتی ہیں۔“

”واہ..... تم تو بذاتِ خود.....“ میں نے مسکراتے ہوئے فلیگ کو آنکھ ماری اور وہ پھر ہنسنے لگا۔

”بہر صورت! میں نے اُسے کافی بے تکلف کر لیا تھا۔ میں نے فیصلہ کر لیا کہ دوسری ملاقات کے بعد فلیگ کا حساب بالکل بے باق کر دیا جائے گا۔

”مادام سارٹینا کے بوڑھے غزرے اسی طرح جاری رہے اور مجھے برداشت بھی کرنا پڑے۔“ لیکن میں نے سوچ لیا تھا کہ اب ان تمام چیزوں کا خاتمہ بے حد قریب ہے۔ چنانچہ اُس شام میں نے فلیگ کو اپنی رہائش گاہ پر مدعو کیا۔ میں نے اُس سے کہا کہ شام کی چائے میرے ساتھ ہے۔ ظاہر ہے، مجھے سارٹینا کا تعاون حاصل تھا۔ اس لئے کوئی پرواہ نہیں تھی۔ اگر کچھ ہو جاتا تو اس کی ذمہ داری سارٹینا قبول کر سکتی تھی۔

تھیں۔ تب اس نے بچنے کی شدید جدو جہد شروع کر دی۔ لیکن میں اس فولادی مشین کو ناکارہ کرنے پر نکل گیا تھا۔ فلیگ کی انگلیاں تاشی جی انداز میں کھلنے اور بند ہونے لگیں۔ اس کے ہاتھ پھیلنے لگے، زبان نکل پڑی، آنکھیں پھٹ کر رہ گئیں۔ اور پھر اس کا بدن لرزنے لگا۔ اس کا دم نکل رہا تھا۔ اور پھر میں دیر تک اس پھر پھڑاتے پرندے کو دبوپے رہا۔ اور جب اس کا بدن بے جان ہو گیا تو میں نے اس کی گردان چھوڑ کر اس کے گال پر پیار سے ایک چپت لگائی۔

”تم میرے لئے بہت سی انجمنوں کا حل بن گئے ہو ڈیز.....!“ میں نے کہا اور پھر اس کی بغلوں میں ہاتھ ڈال کر اسے اٹھایا۔ چند لمحوں کے بعد وہ ایک صوف سے میک لگائے بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے اطمینان سے تیز روشنیاں کر کے الماری سے میک اپ بکس نکالا اور اس کے بعد میں فلیگ کے سامنے بیٹھ گیا۔ میں نے اس کے خدوخال اپنا شروع کر دیئے۔ بار بار میں اس کی شکل دیکھ رہا تھا۔ اس کی زبان لگلی ہوئی تھی اور میں جب بھی اس کی جانب دیکھتا، مجھے یوں لگتا جیسے وہ میرا منہ چڑا رہا ہو۔ چنانچہ میں اٹھا اور پوری قوت سے اس کے دانت کھول کر زبان اندر ٹھوٹس دی۔ پھر اس کا منہ بھیچ کر بند کر دیا۔

”کسی کے سامنے بیٹھنے کے کچھ آداب ہوتے ہیں مشر فلیگ.....!“ میں نے کہا اور پھر اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔ آدھے گھنٹے کے اندر اندر میں اس کام سے فارغ ہو گیا تھا۔ میں نے فلیگ کے گال سے گال ملا کر آئینے میں اپنا جائزہ لیا اور مطمئن ہو کر میک اپ بکس بند کر دیا۔ پھر میں دروازہ کھول کر باہر آ گیا۔

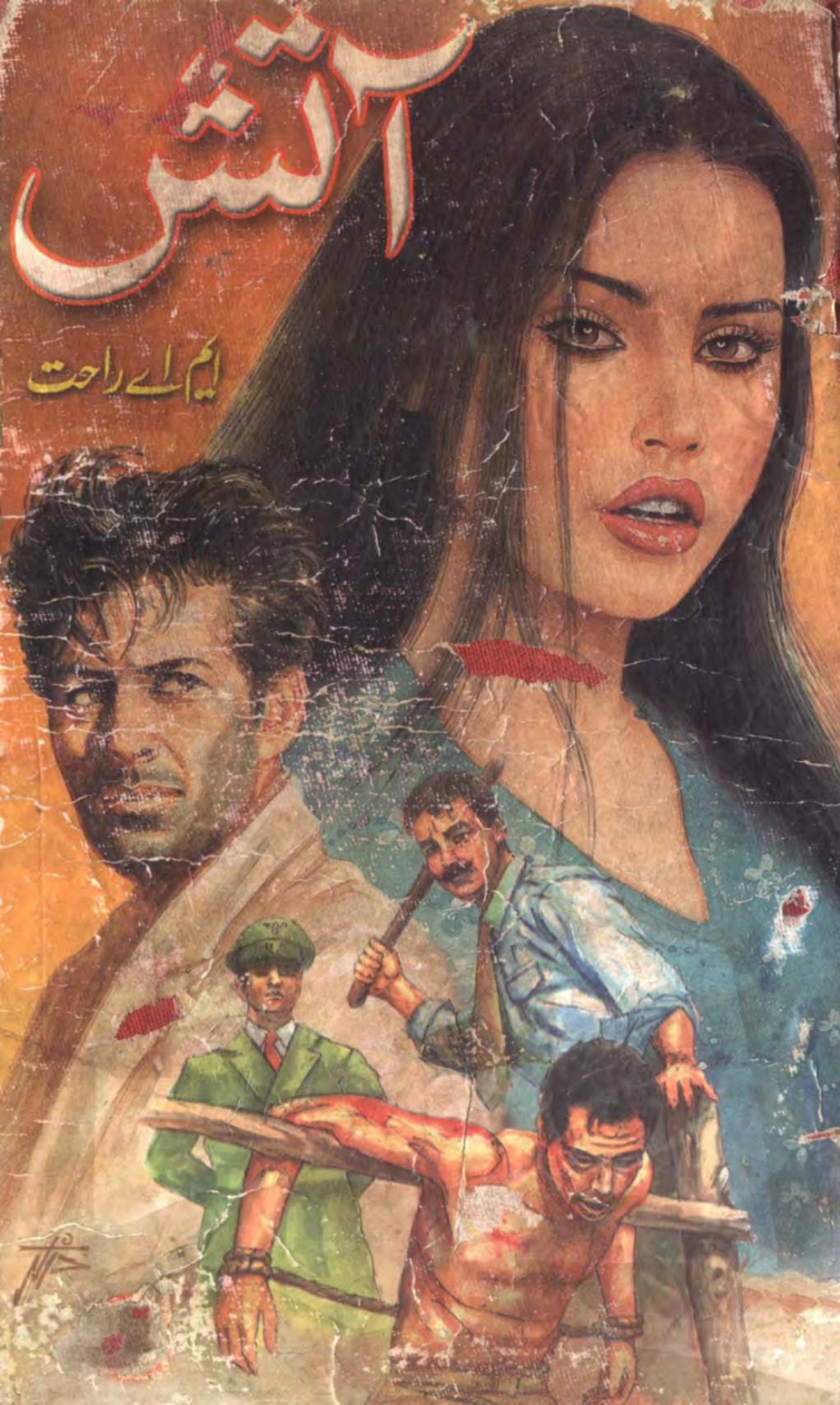
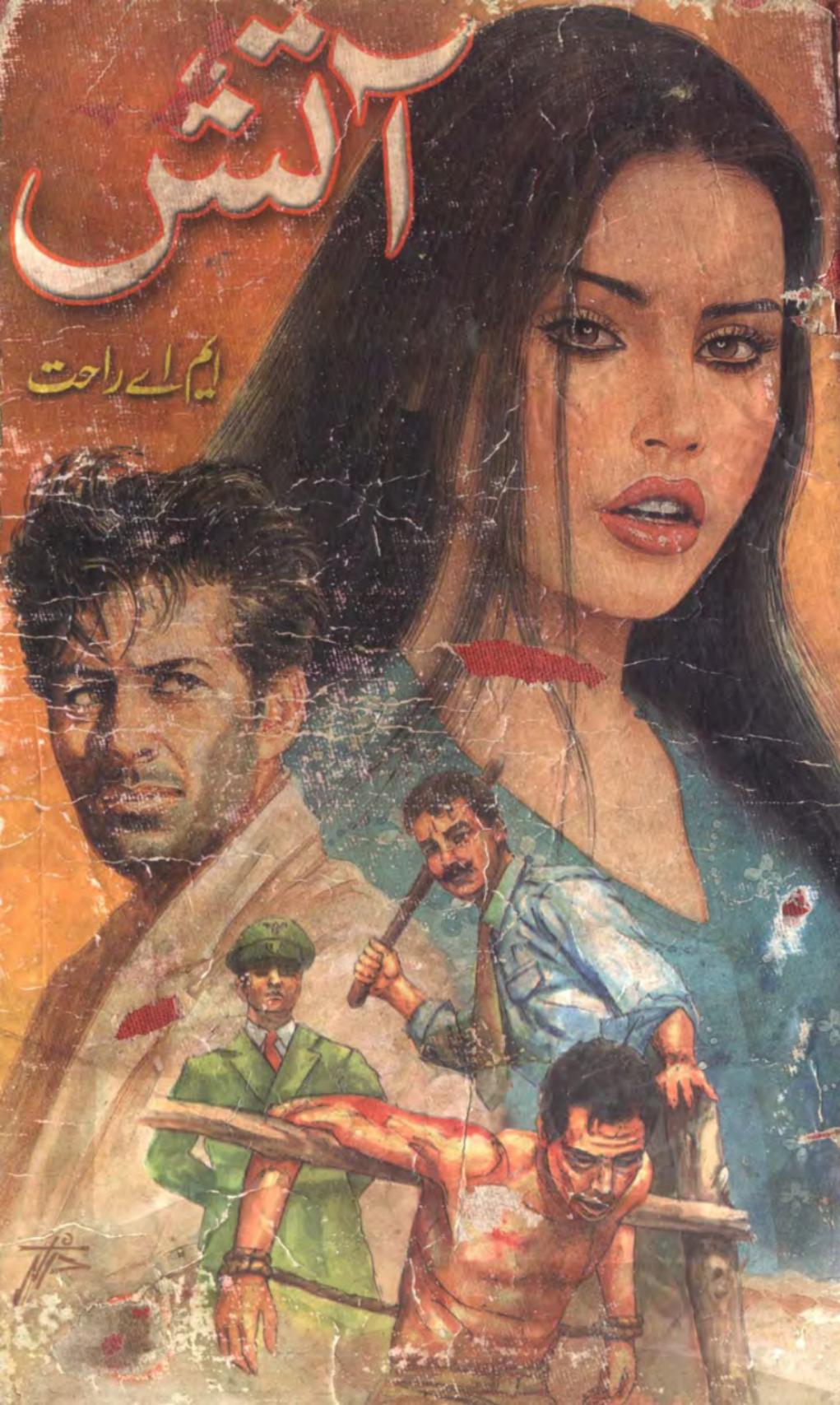
اس وقت میری کیفیت کی شکاری کتے کی سی ہو رہی تھی۔ دروازہ کھول کر میں نے باہر جھانکا۔ قرب و جوار میں کوئی نہیں تھا۔ ویسے بھی ساریٹا کی رہائش گاہ میں زیادہ ملازم نہیں تھے۔ غالباً وہ بھی پسند نہیں کرتی تھی کہ زیادہ لوگوں کا جگھٹا یہاں موجود رہے۔ چنانچہ بڑا سکون اور بڑی جاموشی تھی۔ میں جانتا تھا کہ ساریٹا اس وقت اپنے کمرے میں ہو گی۔

بہرحال! رہداری میں دیکھنے کے بعد میں واپس اندر آیا اور فلیگ کی جیب میں جو بھی چیزیں تھیں، نکال لیں۔ اسے مکمل طور پر خالی کرنے کے بعد میں نے فلیگ کو اٹھا کر کندھے پر ڈالا اور باہر آ گیا۔

میرا رخ دامیں طرف بنے ہوئے خوبصورت لان کی طرف تھا، جہاں وہ گٹر تھا جسے میں نے فلیگ کی لاش پھینکنے کے لئے منتخب کیا تھا۔

تحوڑی ہی دیر بعد میں گٹر کے قریب پہنچ گیا۔ گٹر کا بڑا ڈھکن اٹھانے کی میں نے دن ہی میں مشق کر لی تھی۔ کافی وزنی تھا لیکن بھر صورت! اتنا بھی نہیں کہ میں اسے اٹھا ہی نہ سکتا۔ چنانچہ میں نے فلیگ کو الوداع کہا اور اس کی لاش گٹر میں ڈال دی۔ میں چند لمحوں تک گٹر میں جھانکتا رہا کہ لاش سمندر کے پانی کے ساتھ بہہ گئی ہے یا وہیں رکی ہوئی ہے۔ اس کے بعد اطمینان سے میں نے ڈھکن بند کیا اور واپس رہائش گاہ کی طرف چل پڑا۔ رہداری سے اندر پہنچا ہی تھا کہ ساریٹا نظر آ گئی۔ غالباً وہ مجھے ہی تلاش کرتی پھر رہی تھی۔ مجھے دیکھ کر وہ بڑی طرح چونک پڑی۔ ”اوہ..... تم یہاں کیسے آ گئے؟“ اس نے غرائی ہوئی آواز میں کہا اور میں مسکرانے لگا۔ میں نے اپنا ہیئت اٹار کر گردن خم کی اور فلیگ کی آواز میں کہا۔ ”آپ کی خدمت میں مادام ساریٹا.....!“ ”کیا کہو اس ہے؟ میں کہتی ہوں، تم یہاں کیوں آئے ہو؟ کس کی اجازت لے کر آئے ہو.....؟“ میں نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ”آپ کی اجازت سے مادام.....!“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور بڑھی ساریٹا کی کر میں ہاتھ ڈال دیا۔ ساریٹا کی آنکھیں تعجب سے پھیل گئی تھیں۔ ☆.....☆.....☆

بقیہ واقعات کے لئے
آتش کی جلد دوغم کا مطالعہ کریں



میری اس جارت پر ساری بنا دنگ رہ گئی۔ ایک لمحے کے لئے وہ ساکت رہی۔ اور پھر اُس کی آنکھوں میں خون کی سرخی نظر آئے گلی۔ ”فلیگ..... کتنے! مجھے چھوڑ دے۔ میں کہتی ہوں، تجھے آخر اتنی جرات کیسے ہوئی؟ کیا اس حرکت کے بعد تو زندہ رہ سکے گا؟ وہ خود کو مجھ سے چھڑانے کی جدوجہد کر رہی تھی۔ لیکن بھلا میرے بازوؤں سے وہ کیسے نکل سکتی تھی؟ میں اُسے اٹھا کر کمرے میں لے گیا اور پھر میں نے اُسے اُس کے بستر پر ڈال دیا۔ اس کے ساتھ ہی میں اُس پر جھک گیا تھا۔

”کیا..... کیا تو دیوانہ ہو گیا ہے؟ کیا تو..... کیا تو.....“ شدت حیرت سے اُس کی آواز کا نپ رہی تھی۔

”ہاں سارٹی! بچ مجھ میں تمہارا دیوانہ ہو گیا ہوں۔“ اس بار میں نے اصل آواز میں کہا اور بوڑھی کا منہ کھل گیا۔

”فوسٹر.....؟“ اُس نے متعجبانہ انداز میں کہا۔

”سارٹی کا خدمت گار.....!“

”خدا کی پناہ! تم میک آپ میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ لیکن فلیگ..... فلیگ.....؟“

”تیز رفتار پانی اُسے اب تک سمندر میں لے گیا ہو گا، بشرطیکہ اُس کی لاش گٹر لائیں میں کہیں رُک نہ گئی ہو،“ میں نے مسکرا تھے ہوئے جواب دیا۔

”اوہ..... میرے خدا! تم نے اُسے ہلاک بھی کر دیا؟ اف..... اف! کتنے شاذار ہو تم..... برق رفتار، چھٹنے والے اور ہلاک کر دینے والے..... بالکل کسی چیز کی مانند۔ میں تمہیں آج سے چیتا ہی کہوں گی.....“ بوڑھی نے میری گردن میں بانہیں ڈال دیں۔

اور بہر حال! اس وقت تو وہ میرے لئے آفاقی محبوبہ تھی۔ اُس سے اتنی امیدیں وابستہ تھیں کہ اُس کی ہر ادھیسین ترین لگنی چاہئے تھی۔ میں نے اُس کے ساتھ کسی چیز ہی جیسا سلوک کیا۔ میں جانتا تھا کہ وہ نارمل نہیں ہے۔ اس لئے اُس کے ساتھ سلوک بھی ایسا ہی ہونا

چاہئے۔ اور میرے اس انداز سے وہ بہت خوش ہوئی۔

”تمہارے بعد..... تمہارے قرب کے بعد کوئی اور طلب نہیں رہتی۔ کاش! تم ساری زندگی میرے پاس سے جانے کی نرسوچو..... اف! تم ہر لحاظ سے عجیب ہو۔“

”تمہارے پاس سے جانے کی کون سوچے گا ساری! تمہیں خود اپنی قدر و قیمت نہیں معلوم۔ میں آب ساری زندگی تمہیں چھوڑنے کا تصویر بھی نہیں کر سکتا۔ یقین کرو! روئے زمین پر تمہارے جیسی دوسری عورت نہیں ہو گی۔“

”اور تمہارے جیسا مرد!“ بوڑھی نے محبت کا شہوت دیتے ہوئے کہا۔

بہر حال! نہ جانے کب تک اُس کے ناز و انداز برداشت کرنے پڑے، تب کہیں فرصت مل سکی۔ اور آب مجھے اپنی ڈیوٹی انجام دینا تھی۔ نہ جانے کس وقت ڈیوک کو میری ضرورت پیش آجائے۔ ویسے فلیگ کے اختیارات مجھے معلوم تھے۔ وہ ڈیوک کا سب سے زیادہ منہ چڑھا آدمی تھا۔ اور اس وقت بھی ڈیوک کی خلوت میں داخل ہو سکتا تھا جب دوسروں کو اس عمارت میں جانے تک کی اجازت نہ ہو۔ وہ دن اور رات کے کسی بھی حصے میں کہیں بھی چاہکتا تھا۔ اس کے علاوہ ڈیوک کا حرم پوری طرح اس کے تصرف میں تھا۔ چنانچہ میں کیوں نہ فائدہ اٹھاتا؟ میرے دوست فلیگ نے مجھے ہر چیز سے روشناس کر دیا تھا۔ اس لئے ڈیوک کی رہائش گاہ والے علاقے میں آکر میں نے سب سے پہلے ڈیوک کی خلوت گاہ کا جائزہ لینا ضروری سمجھا۔

ڈیوک کی عیش گاہ میں تاریکی نہیں تھی۔ بلکل روشنی ہو رہی تھی۔ عیش گاہ میں ڈورڈور تک کوئی نہیں تھا۔ لیکن دفعتہ مجھے عقب میں آہٹ سنائی دی اور میں حشی ہرن کی طرح چونک پڑا۔ لیکن دیر ہو چکی تھی۔ دو سینائیں میرے بالکل سامنے آگئیں..... لیکن انہیں دیکھ کر میں ششدہ رہ گیا۔ اُن کے جسم پر لباس کا ایک تار تک نہیں تھا..... بدن کے ہیجانی حصوں کو انہوں نے حسین زیورات سے اور نمایاں کر کھا تھا۔ اُن کے ہاتھوں میں لکڑی کی ٹوکریاں تھیں جن میں شراب کا سامان موجود تھا۔ مجھے دیکھ کر وہ مسکرائیں اور میں نے بھی گردن بلادی۔

”آپ کہاں چلے گئے تھے مشر فلیگ.....!“ اُن میں سے ایک نے پوچھا۔

”کیوں..... خیریت؟“

”کچھ نہیں۔ ڈیوک نے آپ کو طلب کیا تھا۔ لیکن پھر انہوں نے مجھے اس کام پر متعین کر

دیا۔

”اوہو..... بلا یا تھا کسی کو.....؟“

”ہاں.....!“ لڑکی نے جواب دیا۔

”کے.....؟“

”ایمرون سے آنے والی حسین لڑکی شیکا کو۔“

”اوہو..... تو کیا وہ پہنچ چکی ہے؟“

”ہاں.....!“ لڑکی نے جواب دیا اور میں نے پر اطمینان انداز میں گردن ہلا دی۔ دونوں لڑکیاں آگے بڑھ گئی تھیں۔ پھر میں بھی اُن کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ بہر صورت! میرے لئے یہ ایک خطرناک تجربہ تھا۔ میں خود بھی اُن کے پیچھے ڈیوک کی خلوت گاہ میں داخل ہو گیا۔ تھا اور اندر کا مظفر دیکھ کر میری کنپیوں میں خون ٹھوکریں مارنے لگا۔

اُس کرے کا ماحول بہت ہی بی جان خیز تھا۔ ڈیوک ایک صوفے پر دراز تھا اور اُس کے گرد تین لڑکیاں بیٹھی اُسے شراب پلا رہی تھیں۔ ایک لڑکی اُس کے عقب میں لکڑی اُس پر جھکی، اُس کے شانوں پر مساج کر رہی تھی۔ سارے کے سارے بے لباس تھے اور بے جاب بیٹھی..... ڈیوک خود بھی نشے میں تھا اور شاید اُس کی ساتھی لڑکیاں بھی۔ پھر اُس نے میری جانب دیکھا اور مسکراتا ہوا ہاتھ انٹھا کر بولا۔

”بس، بس.....! آب تم جاؤ فلیگ! آرام کرو..... تم بھی آرام کرو!“ اُس کے موڑ میں ذرا بھی ناخنگواری نہیں تھی۔ میں نے گردن جھکا دی اور ڈیوک سے اجازت لے کر اُس کے کمرے سے باہر آگیا۔

باہر آ کر میں نے دروازہ بند کر دیا۔ گو، اس کی ضرورت نہیں تھی۔ لیکن پھر بھی میں اطمینان کر لینا چاہتا تھا۔ اور آب مجھے یہ اطمینان ہو گیا تھا کہ ڈیوک تو کم از کم صح تک ہوش میں آنے والا نہیں ہے۔ چنانچہ میں اطمینان سے اُس طرف چل پڑا جہاں ڈیوک کا اصطبل تھا۔ اصطبل سے مراد اُن لڑکیوں کی رہائش گاہ ہے جو ڈیوک کے لئے جانوروں کی حیثیت رکھتی تھیں۔ چنانچہ اس وقت میں اطمینان سے اُس اصطبل تک پہنچ گیا۔ لڑکیوں کی گمراں ایک بوڑھی عورت تھی۔ غالباً مقامی ہی تھی، اور ڈیوک کے وفاداروں میں سے تھی۔ دروازے کے باہر ایک کاؤچ پر وہ شم دراز تھی۔ دروازہ بند تھا۔ میری آہٹ محبوس کر کے شاید اُس کی آنکھ کھل گئی، یا پھر وہ جاگ ہی رہی تھی۔ دوسرے لمحے وہ انٹھ کر بیٹھ گئی۔

”مُسْتَر فِيلِيك.....!“ اُس نے میری جانب دیکھا۔
”ہیلو.....!“

”فِرمَائِيَّه.....؟“ وہ مستعدی سے بولی۔

”لُس، ذرا.....!“ میں نے ایک آنکھ دبائی اور وہ بھی ہنسنے لگی۔

”ٹھیک ہے، ٹھیک ہے.....تشریف لائیے!“

”سوگی ہیں سب.....؟“

”ہاں.....!“

”میں جاؤں.....؟“ میں نے سوال کیا۔

”ہاں..... بالکل! جسے جانا تھا، وہ جا چکی ہے۔“ عورت نے جواب دیا۔ میں نے دروازہ کھولا اور بوڑھی کو مسکراتا چھوڑ کر ہال میں داخل ہو گیا۔ عجیب سامنہ تھا جسے دیکھ کر مجھے ڈیوک سے شدید غرفت محسوس ہوئی۔

اصطبل میں برابر، برابر بستر بچھے ہوئے تھے۔ رہائش گاہ کا مناسب اور آرام دہ انتظام تھا۔ لیکن اُن عورتوں کی زندگی یقینی طور پر بڑی تکلیف دہ تھی۔ بہر صورت! سوتی ہوئی لڑکیوں کے درمیان میں آگے بڑھتا رہا اور ایک ایک کا چہرہ دیکھتا رہا۔ کچھ جاگ رہی تھیں اور انہوں نے بھی سونے ہی کا انداز اختیار کیا ہوا تھا۔ لیکن مجھے ویراء کی تلاش تھی۔

اُس بڑے ہال کے آخری حصے میں ایک بستر پر ویرا نظر آئی۔ وہ کروٹ لئے چہرے پر ہاتھ رکھے سورہ ہی تھی۔ لیکن بہر صورت! میں اُسے اچھی طرح پہچانتا تھا۔ میں اُس کے زدیک پہنچ گیا۔ اور پھر میں نے اُس کی پیشانی پر انکلی لگائی۔ دوسرے لمحے ویرا، نے سہے ہوئے انداز میں اپنے چہرے سے ہاتھ ہٹالیا اور مجھے دیکھنے لگی۔

”کیا نام ہے تمہارا.....؟“ میں نے بھاری لبج میں پوچھا۔

”ویرا.....!“ اُس نے مخصوصیت سے جواب دیا۔

”اُٹھو.....!“ میں نے بدستور خلک انداز میں کہا اور ویرا جلدی سے اٹھ بیٹھی۔ اُس کے انداز میں وحشت تھی۔ اور اس وقت وہ بڑی لاغری نظر آ رہی تھی۔ سہے ہوئے انداز میں مجھے دیکھتے ہوئے وہ بستر سے نیچے اتر آئی۔

”میرے ساتھ آؤ.....!“ میں نے کہا اور وہ وحشت زدہ ہرنی کی طرح ادھر ادھر دیکھنے لگی جیسے کہ بھاگنے کے لئے راستہ تلاش کر رہی ہو۔ پھر اُس کے انداز میں مایوس پیدا ہو گئی۔

”آؤ.....!“ میں نے بدستور خلک انداز میں کہا اور وہ میرے پیچے پیچھے لڑکھراتے قدموں سے چل پڑی۔

میں دروازے کی جانب بڑھ گیا۔ اور پھر میں جب دروازے سے باہر آیا تو حافظ عورت نے مجھے دیکھا اور مسکرا کر بولی۔ ”دروازہ بند کر لوں؟“

”ہاں.....!“ میں نے جواب دیا۔ پھر میں نے ویرا کا بازو پکڑ لیا۔ اس گرفت میں نہ تو کوئی سختی تھی اور نہ بالکل ہی نرمی۔ میں اُسے ساتھ لئے آگے بڑھتا رہا۔ اب میرا رخ اپنی رہائش گاہ کی جانب تھا۔

اپنے خوبصورت کمرے کا دروازہ کھول کر میں ویرا کے ساتھ اندر آ گیا۔ ویرا کا بدن ہولے ہولے کاپ رہا تھا۔ میں نے کمرے میں مدھم روشنی والا بلب جلا دیا اور کمرے میں ٹھنڈی روشنی پھیل گئی۔ اس روشنی میں ویرا کا چہرہ بھی مدھم ہی نظر آ رہا تھا۔ میں نے اُسے ایک صوف پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود لباس بدلتے گا۔ لباس تبدیل کرنے میں، میں نے بے جابی کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔ چند ساعت کے بعد میں ویرا کے زدیک ہی صوف پر بیٹھ گیا۔

”کیا نام ہے تمہارا..... میں پھر بھول گیا۔“ میں نے کہا۔

”ویرا.....!“

”اوہ..... ڈیر ویرا! میں تم سے کچھ سوالات پوچھنا چاہتا ہوں۔“ میں نے کسی قدر بدی ہوئی آواز میں کہا اور یقینی طور پر ویرا میری آواز کو نہیں پہچان سکی تھی۔

”جی.....!“ اُس نے مخصوصیت سے کہا۔

”اس سے قبل کبھی تم نے میرے ساتھ کوئی رات گزاری ہے.....؟“

”نہیں.....!“ ویرا نے جواب دیا۔

”اور تم ڈیوک کے پاس بھی نہیں گئیں.....؟“

”نہیں، کبھی نہیں.....!“

”اس کے علاوہ کسی اور شخص نے تم سے قریب ہونے کی کوشش کی ہے.....؟“

”نہیں..... کسی نے نہیں۔“ ویرا، نے جواب دیا۔

”خوب..... بہر صورت ویرا! میری طرف سے مبارک باد قبول کرو۔“

”جی..... میں سمجھی نہیں۔“ وہ تجھ سے بولی۔

”اس بات پر کہ تم ابھی تک محفوظ ہو اور تمہارے دامن پر کوئی داع نہیں لگا ہے۔“ میں نے گھری سانس لے کر کہا اور ویرا عجیب سی لگا ہوں سے مجھے دیکھنے لگی۔ چند ساعت وہ اسی طرح مجھے دیکھتی رہی۔ پھر بولی۔

”میں آب بھی نہیں سمجھی مسٹر فلیگ.....؟“

”فلیگ نہیں ویرا! میں وہ ہوں، جس کی تم نے پناہ لی تھی۔“

”کون.....؟“ ویرا کا چہرہ ایک دم سرخ ہو گیا۔

”ڈینیں کہو، ڈن کہو، جو چاہو کہہ لو۔“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور ویرا کی کیفیت سمجھب ہو گئی۔ وہ اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی۔ اُس کا بدن آب اور زور زور سے کانپ رہا تھا۔ یوں لگ رہا تھا، جیسے اُسے کوئی دورہ پڑ گیا ہو۔ میں آگے بڑھا اور میں نے اپنے بازو اُس کی کمر میں ڈال دیئے۔ ”خود کو قابو میں رکھو ویرا! ہمیں بہت سی بائیں کرنی ہیں۔“

”تم..... تم ڈینیں ہو.....؟“

”ہاں! اور تمہاری حماقتوں کی بہت بڑی قیمت ادا کر چکا ہوں۔“

”آہ..... کیا واقعی تم ڈینیں ہو؟“ ویرا خود کو سنبھال نہیں پا رہی تھی۔ میں تھوڑی دری تک اُسے تسلی دیتا رہا۔ لیکن وہ آب بھی یقین نہیں کر سکی تھی۔

”بیٹھ جاؤ ویرا!“ میں نے اُسے صوفے پر بٹھادیا۔

”لیکن یہ کیسے ممکن ہے.....؟ تم تو..... تم تو.....“

”کیا تم میری آواز نہیں پہچان سکتیں؟ میں فلیگ کے میک اپ میں ہوں اور یہ سب کچھ میں نے تمہارے لئے کیا ہے۔“

”آہ.....! میں تو ذہنی طور پر بالکل معطل ہو کر رہ گئی ہوں۔ میں تو سوچنے سمجھنے کے قابل ہی نہیں رہ گئی ہوں۔ براو کرم! مجھے یقین دلا دو..... مجھے یقین دلا دو!“

”میک اپ نہیں اتنا رنا چاہتا ویرا! لیکن یاد کرو، تم خوفزدہ ہو کر میرے پاس سے الڈرے کے لوگوں کے ہاتھ لگ گئیں۔ جبکہ میں نے انہیں شکست دے دی تھی۔ اگر تم اس وقت ہوڑی کی ہمت اور اعتدال سے کام لیتیں تو شاید حالات اتنے خراب نہ ہوتے۔“

”آہ.....! میں مظلوم ہوں۔ مجھے بر باد کر دیا گیا ہے۔ مجھ سے میرا سکون چھین لیا گیا ہے۔ میں خوف کی گود میں لرزتی رہی ہوں۔ مجھے موت کیوں نہیں آئی.....؟“ وہ رونے لگی۔

”ویرا.....! ویرا.....! خود کو سنبھالو ویرا! ہمیں بہت کچھ کرنا ہے۔“

”لیکن تم..... تم یہاں کس طرح پہنچ گے؟ ڈیوک کے جزیرے پر تو لوگ کی قیمت پر نہیں پہنچ سکتے۔“

”میں نے تمہارے لئے جان کی بازی لگادی ہے ویرا!“

”تو..... تو کیا ہم یہاں سے نکلنے میں کامیاب ہو جائیں گے؟“ اُس نے امید و یم کے انداز میں پوچھا۔ اُس کے لمحے میں بڑی حسرت، بڑی معمصیت تھی۔

”یقیناً..... کامیاب ہو جائیں گے۔“

”کب؟ آج..... ابھی.....؟“

”نہیں ویرا! جیسا کہ تمہیں معلوم ہے، ڈیوک نے اس جزیرے کو ایک فولادی قلعہ بنادیا ہے۔ کسی کا یہاں سے نکل جانا آسان کام نہیں ہے۔ اس کے لئے ہمیں شدید جدوجہد کرنا ہو گی۔ اور مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔“

”آہ.....! تم نے میرے لئے کس قدر تکیف اٹھائی ہے۔“

”یہ میری عزت کا سوال تھا ویرا! تمہیں یہاں تک پہنچانے والے کو میں نیست و نایو دکر چکا ہوں۔ میں! اب ڈیوک باقی ہے۔ لیکن ویرا! میں نے اس وقت تم سے صرف اس لئے ملاقات کی ہے کہ تمہیں دلasse دے ڈوں اور تمہاری اس خلش کو ختم کر ڈوں جو تمہیں یہاں رہتے ہوئے ہو گی۔ لیکن اگر تم ذرا بھی کمزور پڑیں یا تم نے کسی قسم کے جذبے کا اظہار کیا تو میرا من خطرے میں پڑ جائے گا۔ تم جس طرح وقت گزار رہی ہو، اس میں کوئی تبدیلی نہ آئے۔ کوئی یہ نہ جان سکے کہ تمہارے ذہن میں کوئی خاص بات ہے۔“

”ایسا ہی ہو گا مسٹر ڈینیں..... ایسا ہی ہو گا۔“ وہ فرط خوشی سے مجھ سے پٹ گئی۔ اور پھر میں دری تک دیرا کو تسلیاں دیتا رہا۔ ویرا بہت خوش نظر آ رہی تھی۔ میں نے اُسے یہ نہیں بتایا کہ میں اُس کے بھائی کو بھی تلاش کر چکا ہوں۔ میں اُسے اتنی ساری خوشیاں ایک ساتھ دے کر شادی مرگ میں نہیں بنتا کرنا چاہتا تھا۔

”پھر..... آب ہمیں کیا کرنا ہو گا؟“ ویرا، نے پوچھا

”یہاں سے تم وہاں واپس چلی جاؤ گی، جہاں سے میں تمہیں لا یا ہوں۔“

”آہ..... بڑی مخوس جگہ ہے وہ ڈینیں! مظلوم لڑکیوں کی آہوں سے وہ ایک بھی انک اذیت گاہ بن گئی ہے۔“

”یہاں کی لڑکیاں ظاہر ہے، خوش تو نہ ہوں گی۔“

لغش، ڈیوک جیسے چالاک درندے کو ہوشیار کر دے گی۔ اور اس کے بعد نہ صرف میری بلکہ تمہاری زندگی بھی خطرے میں پڑ جائے گی۔ اس جزیرے پر میں تھا ہوں۔ اور دوسری طرف ڈیوک کے خونخوار کتے جو کسی بھی شخص کو چیرنے پھاڑنے کو تیار رہتے ہیں۔

”میں جانتی ہوں..... میں جانتی ہوں ڈینس! اچھی طرح جانتی ہوں۔“ ویرا، نے کسی تدر خوف زدہ لمحے میں کہا۔

”چنانچہ بہتر ہی ہے کہ تمہیں اپنے انداز میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کرنی چاہئے۔“

”تم بے قکر رہو ڈینس! ایسا ہی ہو گا۔ کوئی کچھ اندازہ نہیں لگا سکے گا۔ میں جیسی ہوں، ویسی ہی رہوں گی۔“

”تھیک یو ویرا!“ میں نے کہا اور وہ بستر پر جا کر لیٹ گئی۔ لیتنے ہی اس نے عجیب سے لمحے میں کہا۔ ”تم یقین کرو ڈینس! ایک طویل عرصے کے بعد میں سکون کی نیند سوؤں گی۔ افسوس! میری ساری زندگی غارت ہو کر رہ گئی تھی۔ جانے آئندہ میری قسمت میں کیا لکھا ہے؟ کاش! تم مجھے یہاں سے نکال لے جانے میں کامیاب ہو جاؤ۔ کاش! مجھے میرا بھائی واپس مل جائے۔“ ویرا کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

میں نے اس سلسلے میں پھر اس سے کوئی بات نہیں کی تھی۔ میں خاموشی سے آکر صوفے پر لیٹ گیا۔ یوں ہم نے رات گزار دی۔ ویرا تو شاید ساری رات ہی نہ سوکی تھی۔ کیونکہ صبح اس نے ہی مجھے جگایا تھا۔ میں اٹھ گیا۔ اور پھر میں نے آہستہ سے کہا۔ ”ٹھیک ہے ویرا!“ اب میں تمہیں تمہاری جگہ واپس چھوڑ آتا ہوں۔“ ویرا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میں اسے لے کر واپس چل پڑا۔ محافظ عورت اب بھی سورہی تھی۔ اس کے خراٹے زور زور سے گونج رہے تھے۔

”یہ اتنی صحیح جانے کی عادی معلوم نہیں ہوتی۔“ میں نے کہا۔

”ہاں..... یہ تقریباً آٹھ بجے جا گتی ہے۔“ ویرا نے جواب دیا۔

”ہوں.....“ میں نے گردن ہلائی اور پھر دروازہ کھول کر ویرا کو اندر بھیج دیا اور دروازہ بند کر دیا۔ پھر میں واپس اپنی رہائش گاہ پہنچ گیا۔ اپنے کمرے میں پہنچ کر میں گھری نیند سو گیا تھا۔ اس کے بعد صبح دل بجے ہی میری آنکھ کھلی۔ فلیک کی جو ذمہ داریاں تھیں، وہ رات کو شروع ہوا کرتی تھیں۔ پورا دن آرام سے گزرتا تھا۔

اس کے بعد میں نے دوبارہ، ویرا سے ملاقات نہیں کی۔ بس! اتنا ہی کافی تھا۔ میں اسے

”خوش.....؟“ اس نے طنزیہ انداز میں کہا۔ ”وہ سب زندگی سے نالاں ہیں اور سوچتی ہیں کہ کون سے گناہ کی پاداش میں خدا نے موت بھی اُن کی قسمت سے منادی ہے۔“

”افسوں ویرا! میں اُن سب کے لئے تو کچھ نہیں کر سکتا۔ لیکن ہر صورت! تم اُس قید خانے میں زیادہ عرصے تک نہ رہ سکو گی۔ ہاں! یہ ہو سکتا ہے کہ ڈیوک کی موت کے بعد وہ سب خود بخود آزاد ہو جائیں۔ میرا خیال ہے اگر ڈیوک مر جائے تو اس کے بعد کوئی اور اُس کی جگہ نہیں لے سکتا۔ اور اس کے بعد لڑکیوں کو بھی دہاں رکھنے کا کوئی جواز نہ ہو گا۔“

”یقیناً، یقیناً..... مگر یہ کجخت ڈیوک، سنا ہے کہ فرانس کی حکومت پر بری طرح اثر انداز ہے۔ اُس کا قائم مقام کوئی نہیں ہے۔ سب کے سب اُس کے حاشیہ بردار ہیں۔“ ویرا، نے کہا۔

”اچھا ٹھیک ہے..... اب تم یہاں آرام کرو۔“
”یہاں.....؟“ اس نے کسی قدر بچکاتے ہوئے کہا۔

”نہیں ویرا! میں تمہاری عزت کا محافظ ہوں، ڈاکو نہیں ہوں گا۔“ میں نے کہا اور وہ ممنون نہ ہوں سے مجھے دیکھنے لگی۔ پھر عجیب سے انداز میں، جس میں محبت، خلوص، ممنونیت سب کچھ تھا، وہ مجھ سے مخاطب ہوئی۔

”میں جانتی ہوں، تم نے میرے لئے جو کچھ کیا ہے، اس کا میں ساری زندگی تمہیں صد نہیں دے سکتی۔ لیکن کیوں نہ میں واپس وہیں چلی جاؤں.....؟“

”نہیں ویرا! میں جس انداز اور جس حیثیت سے تمہیں لایا ہوں، تو میری حیثیت کا کوئی شخص، کسی لڑکی کو اپنی خواب گاہ میں لانے کے بعد اتنی جلدی واپس نہیں کر دیتا۔ بہتر ہی ہے کہ تمہاری محافظ عورت یہی سمجھتی رہے کہ فلاں تمہیں لے گیا ہے اور اب تم صحیح ہی کو واپس آؤ گی۔“

”ٹھیک ہے۔“ ویرا، نے جواب دیا۔
”تم آرام سے اس بستر پر لیٹ جاؤ۔ میں یہاں صوفے پر لیٹ جاتا ہوں۔ ہم لوگ بہت سی باتیں کر چکے ہیں۔ چنانچہ اب ہمیں سو جانا چاہئے۔“

”مگر مجھے تو نیند نہیں آئے گی ڈینس!“ ویرا نے کہا۔

”نہیں ویرا! یہ ضروری ہے کہ تم اپنے انداز میں کوئی تبدیلی نہ آنے دو۔ تم مجھے اس کا احسان نہ ہونے دو کہ میں نے تمہیں رازدار بنا کر کوئی غلطی کی ہے۔ ویرا! تمہاری ذرا سی

تھا بے سامنے بکری۔ بعض اوقات کو فت ہوتی ہے اس ماحول سے۔“

”میں اس میں تبدیلی پیدا کروں جتاب.....؟“

”ہاں..... میں یہی چاہتا ہوں۔“

”بہتر ہے..... کل شام تک انتظار کریں۔“

”مجھے تمہاری ذہانت پر بھروسہ ہے۔“ ڈیوک نے مسکراتے ہوئے کہا اور میں نے شکریہ ادا کیا۔ ڈیوک کے مشاغل شروع ہو گئے اور میں وہاں سے چلا آیا۔ لیکن یہ پوری رات غور و خوض میں گزری تھی۔ میں نے ایک اعلیٰ پائے کا پروگرام ترتیب دیا۔ اور پھر صحیح جاگ کر اُس کی تیاریوں میں مشغول ہو گیا۔ ڈیوک کے محل میں مجھے ایک خاص حیثیت حاصل تھی اس لئے اپنی کوئی ضرورت پوری کرنے میں مجھے کوئی تباہت نہیں ہوئی۔ میں نے جو کچھ طلب کیا، مجھے فراہم کر دیا گیا۔

تب میں نے ڈیوک کی عیش گاہ کے بال کو ایک خاص انداز سے آراستہ کیا۔ اور اس کے بعد میں نے بے شمار شراب کی بوتلیں طلب کر لیں۔ مختلف شرابوں کو ملا کر میں نے ایک خطرناک کاک میل تیار کی اور ایک ملازم کو تجویرے کے لئے طلب کیا۔

کاک میل کے چند پیگ پینے کے تقریباً دس منٹ کے بعد ہمی ملازم اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اس کی کیفیت عجیب ہو گئی تھی۔ بہرحال! میں اس کوشش سے مطمئن تھا۔ اس کے بعد میں اپنی بوڑھی محبوبہ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ جو مجھے دیکھ کر محل اٹھی تھی۔

”کہاں تھے فارانگ صحیح سے.....؟“

”ڈیوک کی خدمت میں۔“

”اوہ..... تم نے اپنے سر بلادوجہ مصیبتیں لے لی ہیں۔ تم میرے ہو..... اور کس کی مجال ہے کہ میرے کسی آدمی کو چھیرنے کی کوشش کرے.....؟“

”آپ جانتی ہیں ساری! کہ یہ میں نے آپ کے لئے کیا ہے۔“

”میرے لئے کیوں.....؟“

”میں خود بھی آپ کو بے پناہ چاہنے لگا ہوں۔ اور میں نہیں چاہتا کہ آپ کسی الجھن میں پڑیں۔“ میں نے اسے بھیجن کر پیار کرتے ہوئے کہا۔

”میں جلا کس انجمن میں پڑوں گی.....؟“

”میں جانتا ہوں کہ خود ڈیوک کی مجال بھی نہیں ہے کہ آپ کے سامنے آ کر بات کریں۔“

ساری تفصیل تاپکا تھا۔ البتہ ڈیوک کے سامنے کہنی بار جانا ہوا۔ یہ خوشی کی بات تھی کہ ڈیوک مجھے بار بار طلب نہیں کرتا تھا۔ رات کو عموماً جب وہ نشے میں ہوا کرتا تھا تو مجھے طلب کیا کرنا تھا۔ دن عوام بڑھی کے ساتھ گزار کرتا تھا۔

بوڑھی ساری ثینا بھی میری ذات سے بہت خوش تھی اور ہمیشہ یہی کہا کرتی تھی کہ جب سے اُسے چیتا ملا ہے، اُسے کسی اور مرد کی خواہ نہیں رہی۔ بہر صورت! بڑی خوفناک بوڑھی۔ میں نے اس عمر کی عورت کو کبھی اس قدر جنس زدہ نہیں دیکھا تھا۔ اُس نے میرے راز کو اس طرح ہضم کر لیا تھا جیسے کہ اس کا کوئی وجود ہی نہ ہو۔ اور مجھے بھی اس میں کوئی دقت نہیں تھی۔ میں مکمل طور پر پر سکون تھا۔

لیکن اُب میں کچھ اور سوچ رہا تھا۔ ظاہر ہے، ڈیوک کے حاشیہ بردار کی حیثیت سے میں یہاں عمر گزارنے تو نہیں آیا تھا۔ مجھے صرف دیرا کو نکال لے جانا تھا۔ حالانکہ ڈیوک جتنا خطرناک آدمی تھا، اُس کا اندازہ مجھے بخوبی تھا۔ ممکن تھا کہ میری کسی لغوش سے اُسے شبہ ہ جاتا اور اس کے بعد یہ کام اُس کے لئے مشکل نہ ہوتا کہ وہ میری ذات کو بے نقاب کر دیتا۔ چنانچہ اس کے لئے مجھے شدید احتیاط سے کام لیتا پڑ رہا تھا۔

اس دوران میں یہ سوچتا رہا تھا کہ اُب کس طرح ڈیوک سے نبرد آزمایا ہو جائے۔ میرے ذہن میں اُس کے خلاف بے پناہ نفرت تھی۔ اور بوڑھی ساری ثینا..... سمجھنیں آتا تھا کہ اس عورت کا کیا حرث کروں؟ میں اُسے کوئی بڑی سے بڑی سزا دینا چاہتا تھا۔ اور ڈیوک کو میں وہنی طور پر اتنا مضمحل کر دینا چاہتا تھا کہ وہ خود کشی پر آمادہ ہو جاتا۔ لیکن اس کے لئے کوئی اچھی ترکیب ابھی تک میرے ذہن میں نہیں آئی تھی۔ بالآخر بہت کچھ سوچنے کے بعد میں نے ایک پروگرام ترتیب دیا۔ اُب مجھے اپنی حدود سے آگے بڑھنا تھا۔ چنانچہ اُس شام جب ڈیوک اپنی عیش گاہ میں پہنچا تو میں بھی حسب معمول اُس کے ساتھ تھا۔ بلاشبہ! میرا میک اُب انتہائی معیاری تھا اور آج تک ڈیوک کو اس بارے میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا تھا۔ یہ اتفاق ہی تو کہ جو کچھ میں چاہتا تھا، وہ ڈیوک نے ہی کہہ دیا.....

”میں یکسا نیت کا شکار ہو گیا ہوں فلیگ.....!“ اُس نے کہا۔

”میں نہیں سمجھا ڈیوک.....؟“

”بے شک لڑکیاں نہیں ہوتی ہیں۔ لیکن اُن کے انداز وہی پرانے پرانے سے ہوئے ہیں۔ سب کے چھروں پر خوب وہ راست۔ میرے ساتھ اُن کا سلوک ایسا ہی ہوتا ہے، جیسے

لیکن بہر حال! وہ میرے دشمن ہیں۔“

”میں تو تمہاری دوست ہوں۔“

”صرف دوست.....؟“ میں نے پیار بھرے انداز میں کہا۔

”نہیں.....سب کچھ۔“

”یہ سب میں نے حفظ ماقدم کے لئے کیا ہے۔ اگر کبھی میں آپ سے جدا ہو گیا تو ایک لمحے زندہ نہ رہ سکوں گا۔“

”ہم کبھی جانا ہوں گے میری جان!“ بوڑھی مجھ سے لپٹ گئی اور میرا منہ گزگزایا۔ لیکن آپ میں کوئین کھانے کا عادی ہو گیا تھا۔ چنانچہ دیر تک مجھے برداشت کرنا پڑا۔ پھر میں نے کہا۔

”ایک بات پوچھوں ساری.....؟“

”ضرور.....!“ اس نے کہا۔

”ڈیوک آپ کی اولاد ہیں۔ لیکن کیا تم نے کبھی اُسے عورت کی نگاہ سے دیکھا ہے؟“

”میں نہیں کبھی.....؟“ پُر ہوس بوڑھی نے کہا۔

”کیا تمہارے خیال میں وہ عورت کے لئے پُرکشش ہے؟“

”ایک عورت کے زاویے سے سوچیں تو بہت۔“

” بلاشبہ! وہ عورتوں کے لئے ایک خطرناک شخصیت ہے۔ کیا تم نے کبھی اُس کی خلوت میں جھانکا ہے.....؟“

”نہیں.....!“

”یہ خواہش کبھی ذہن میں نہیں اُبھری؟“

”نہیں..... عجیب سی بات ہے۔ حالانکہ وہ میرا بیٹا ہے۔ لیکن بعض اوقات میرے ذہن میں اُس کے لئے عجیب عجیب سے خیالات سر ابھارتے ہیں۔ میں سوچتی ہوں کہ یہ وہ بیٹا ہے جس کے باپ کو بھی میں نہیں جانتی۔ یہ درست ہے کہ مجھے اُس وقت اس بیٹے کی ماں بنوایا گیا تھا جب میں ماں کے تصور سے نا آشنا تھی۔ اُس حالت میں جب اُس نے جنم لیا تو

میرے دل میں اُس کے لئے اس مامتا کے جذبات نہیں اُبھر سکے جو ایک شوہر والی بیوی کے دل میں اُبھرتے ہیں۔ اس کے بعد سے میرے اور اُس کے تعلقات عجیب سے رہے ہیں۔

مجھے اچھا لگا تھا، اس لئے میں نے اُسے پروش کیا۔ لوگ اُسے قتل کرنا چاہتے تھے۔ مگر مجھے

کون سے جذبے نے مجھے اُن کی بات تسلیم نہ کرنے دی اور میں نے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ اُس کی پرورش میں بھی میری بہت زیادہ سوچ کو دخل نہیں ہے۔ ایک طرح سے یہ خود ہی پروان پڑھتا رہا۔ اور اس کے بعد جب میں نے اسے محسوس کیا تو وہ اچھا خاصاً خوبصورت نوجوان تھا۔ لیکن اس نوجوان کو میں نے ابھی تک اس انداز میں نہیں دیکھا، جس انداز میں دوسرے نوجوانوں کو دیکھتی ہوں۔ تاہم کبھی کبھی کسی کی اچھی ادا پر میرے ذہن میں بہت ہی عجیب سے تاثرات پیدا ہوتے ہیں۔“ بوڑھی نے اُنجھے ہوئے انداز میں کہا۔

”إن حالات میں تو ساری ٹینا! میرا خیال ہے تمہیں اُس کی طرف توجہ دینا چاہئے تھی۔“
”اوہ..... اوہ..... تم میرے ذہن میں یہ احساس نہ جکاؤ فلیگ! اُب، تم میرے لئے بہت کچھ ہو۔ میں کسی اور کی قربت کی طلب گار نہیں ہوں۔“ ساری ٹینا نے پیار بھرے انداز میں مجھے دیکھ کر کہا۔

”لیکن میرے ذہل میں ایک اور خواہش اُبھری ہے مادام ساری ٹینا!“
”کیا.....؟“

”میں چاہتا ہوں کہ ہم اُسے قریب سے دیکھیں۔“
”کیسے.....؟“

”میں اس کا بندو بُلٹ کر لوں گا۔ تم جانتی ہو کہ میں میک آپ کا ماہر ہوں۔“

شام تک میں نے پورے کھلیل کی تیاریاں مکمل کر لی تھیں۔ ڈیوک کے عشرت کدے میں اس وقت تقریباً ایک درجن حسیناں میں موجود تھیں۔ ظاہر ہے، لباس پہننے کا تو یہاں رواج ہی نہ تھا۔ لیکن میں نے جو جدت کی تھی، وہ یہ تھی کہ اُن سب کے آدھے سے زیادہ چہرے کا لے نقابوں میں ڈھکے ہوئے تھے۔ صرف آنکھوں کا حصہ کھلا تھا جس سے وہ ایک دوسرے کو دیکھ سکتی تھی۔ لیکن ان میں سے قطعی ایک دوسرے کو پہچانا نہیں جا سکتا تھا۔ خود ڈیوک کے لئے بھی میں نے ایک ایسی ہی نقاب مہیا کی تھی اور ڈیوک اُسے پہن کر بہت ہنسا تھا۔ چاروں طرف شراب لندھائی جا رہی تھی۔ بلکہ موسیقی سے فضا مسحور تھی اور ڈیوک نے اس ماحول سے اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا تھا۔ میں خود بھی وہاں موجود تھا۔ اور ابھی میں نے اپنا کھیل شروع نہیں کیا تھا کہ ڈیوک نے مجھے سے کہا۔

”میں نے اس تبدیلی کو پسند کیا ہے فلیگ.....!“

”مشکل یہ ڈیوک! مجھے خوش ہے کہ میں اپنی کوشش میں کامیاب رہا ہوں۔“ میں نے

جواب دیا۔

"کوئی جواب نہیں ہے فلیگ! تم اسٹاد آدمی ہو۔"

"ایک بار پھر شکریہ ڈیوک! لیکن ایک بات اور....."

"کیا.....؟" ڈیوک نے شراب کا جام اپنے لہو سے ہٹاتے ہوئے کہا۔

"آج کے لئے آپ کا ساتھی میں منتخب کروں گا۔"

"اوہ..... مجھے تمہاری پسند پر اعتماد ہے۔" ڈیوک نے کہا اور میں ہنسنے لگا۔ تب میں۔

اپنی وہ مخصوص کا کٹیل نکالی جو میں نے خاص طریقے سے تیار کی تھی۔ آج اس کا ہی تو کھا۔ چنانچہ میں نے وہ کاکٹیل ڈیوک کے سامنے پیش کر دی۔ ڈیوک نے اسے چکھا۔ ایک بار پھر وہ خوشی اور سرست سے بنس پڑا۔

"یہ کیا ہے..... واہ، واہ.....!"

"یہ میں نے آپ کے لئے تیار کی ہے ڈیوک!"

"بہت خوب..... بہت خوب فلیگ! تم بے پناہ خوبیوں کے مالک ہو۔ میں تمہیں شردا سے پسند کرتا ہوں۔ اور ظاہر ہے، اس کی وجہ معقول ہے۔"

"شکریہ ڈیوک!" میں نے جواب دیا۔ اور پھر ہاں پر موجود لاڑکیوں کو بھی ایک ایک پیگ پینے کو دیا۔

تفیریا پندرہ منٹ کے اندر اندر ڈیوک پانچ یا چھ پیگ خالی کر چکا تھا۔ لیکن ان پانچ پیگ نے اس کی جو حالت کر دی تھی، وہ دیکھنے کے قابل تھی۔ اس سے اپنے پیروں پر کھڑا ہوا جا رہا تھا۔ اس کی آنکھیں بھی جاری تھیں۔ بس! وہ شراب طلب کر رہا تھا۔ تب میں ہاں سے چند ساعت کے لئے نکل آیا۔

میں مادام سارینا کے ہاں پہنچا۔ اس کے لئے میں مخصوص کا کٹیل کی ایک بوتل ساٹا لے گیا تھا۔ دو جام حلق سے اُتارنے کے بعد وہ میرے اشاروں پر ناپنے کے لئے تیار ہوا۔ تو میں اسے لے کر ڈیوک کے عشرط کدے کی طرف رو انہ ہو گیا۔ میں نے اسے مخصوص شباب پہنادیا تھا تاکہ کوئی اسے پہچان نہ سکے۔

ڈیوک، نئے میں ڈھت تھا۔ اس کے لئے اپنے پرائے کی پہچان ختم ہو چکی تھی۔ مادام کے طرف اس نے کوئی توجہ نہیں دی۔ البتہ سارینا اسے ایسی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی جیسے اُن خواہشات کے ترازو میں قول رہی ہو۔

میں زیرِ ب مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔ اسے ڈیوک کے پاس چھوڑ کر میں الگ ہٹ گیا۔ صورت حال ایسی تھی کہ آب جو کچھ بھی ہونے والا تھا، وہ میری مریضی کے عین مطابق ہی عمل میں آنے والا تھا۔ لہذا میں چکنے سے باہر آ گیا۔ عشرط کدے میں میرے انتقام کا شٹ لگ چکا تھا اور پردہ اٹھنے ہی والا تھا..... اور میں چاہتا تھا کہ پردہ اٹھتے ہی اپنی ہر کارروائی پا یہ تکمیل تک پہنچا دوں۔ میں اپنے کمرے سے کیسرہ لے کر جلد ہی عشرط کدے کی طرف واپس چل دیا۔

جب میں ہاں پہنچا تو میرا اندازہ درست ہی تھا۔ بھلا جہاں سارینا بو، ہاں کسی کی کیا دال گل سکتی ہے؟ اس وقت تمام رشتے، ذہن سے محبو چکے تھے۔ ڈیوک اور سارینا ایک دوسرے میں گم نظر آ رہے تھے۔ نئے کے عالم میں انہوں نے تقاضیں اٹار پیش کی تھیں۔ تب میں نے فوتوگرافی شروع کر دی اور بے شمار "نایاب" تصاویر میرے کیسرے میں منتقل ہونے لگیں۔

اپنے کام سے فارغ ہونے کے بعد میں مطمئن انداز میں واپس چلا آیا تھا۔ جو کچھ میں نے کیا تھا، میرے لئے خطرناک بھی ہو سکتا تھا۔ اس وقت کی صورت حال، سارینا اور ڈیوک دونوں کے لئے خوف ناک تھی۔ جو تصاویر میرے کیسرے میں منتقل ہو چکی تھیں، وہ ان دونوں کی اصلیت کھول سکتی تھیں۔

دیر تک میں سوچتا رہا۔ میرے ذہن میں پروگرام بن رہے تھے، بگڑ رہے تھے۔ لیکن دیر تک میں کسی فیصلے پر نہیں پہنچ سکا۔ تاہم! میں نے یہ ضرور سوچ لیا تھا کہ آب پہنچ کو شش بیس کرنی چاہئے کہ یہاں سے نکل جاؤں اور اپنا کام جلد از جلد ختم کر دوں۔

لیکن ویرا..... اس لڑکی کے لئے تو سارا بیگانہ ہوا تھا۔ اسے تو میں نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ اور اسے لے جانے کے لئے ابھی میری وہاں ضرورت تھی۔ ذہن کافی منتشر تھا۔ دیر تک میں سوچتا رہا۔ اور ایک بار پھر باہر آ گیا۔ ڈیوک کے کمرے میں رنگ رلیاں جاری تھیں۔ لیکن مجھے خدشہ تھا کہ ہوش میں آنے کے بعد حالات ساز گارنٹیں رہیں گے۔ چنانچہ مجھے اپنا بندو بست بھی کرنا تھا۔ لیکن اس بار میں نے کوئی اونچا کام نہیں دکھایا۔ ڈیوک کی رہائش گاہ میں اب آزادی ہی آزادی تھی۔ چنانچہ ایک معمولی ساملازم جو میرے قد و قامت کا تھا، میری توجہ کا شکار بنا۔

مسٹر فلیگ کا حکم ہوا اور کوئی اس سے سرتائبی کرے؟ ملازم جس کا نام پیٹر تھا اور جو میری

چاہتا تھا۔ فلیک کی حیثیت سے یہاں کافی مطمئن تھا اور اپنا کام نہایت خوش اسلوبی سے کر لیا تھا۔ لیکن ڈیوک کو ایک ذہنی جھٹکا دینے کے لئے میں نے یہ ساری کوشش کی تھی۔

بہر حال! آب میرے پاس دو کارڈ تھے۔ ان سارے کاموں سے فارغ ہونے کے بعد میں اس بارے میں سوچنے لگا کہ آب مجھے کیا کرنا چاہئے؟ ظاہر ہے، اس وقت تک تو مسٹر فلیک کو کوئی خطرہ نہیں تھا جب تک یہ تصویر یہ منظر عام پر نہ آئیں۔ اس کے بعد بھی جب تک چل جائے۔

ویسے اس ملازم کا ختم کر دینا بہتر ہوا۔ اس طرح تم ازکم ایک اور کردار میرے قابو میں آگیا تھا۔ اور اگر فلیک خطرے میں پڑتا تو بھی فوری طور پر اس نئے میک اپ کے سہارے اپنی جان بچا سکتا تھا۔

دوسرے دن یہاں کے ماحل میں کوئی تبدیلی نہیں تھی۔ ضروری تیاریوں کے بعد میں اپنے کمرے سے نکل آیا۔ سب سے پہلے میں یوڑھی کی رہائش گاہ کی طرف چل پڑا۔ لیکن یہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ وہ اپنی رہائش گاہ میں موجود نہیں ہے۔

”کہاں ہیں مادام سارٹینا.....؟“

”ڈیوک کی رہائش گاہ پر جتاب!“ جواب ملا۔ اور ایک لمحے کے لئے میری چھٹی حس نے مجھے کسی خطرے کا احساس ولادیا۔ لیکن میں چھٹی حس کا قائل نہیں ہوں۔ بارہا میں چھٹی حس کے چکر میں پڑا۔ بہت سارے معاملات میں اس نے مجھے ہوشیار کیا۔ لیکن میں نے کبھی اس کی پرواہ نہیں کی۔ اس وقت بھی میرے ذہن میں ایک بلکل سی کرید پیدا ہو گئی تھی۔ لیکن میں نے اس پر طبعی توجہ نہ دی۔ میں سوچنے لگا کہ آب مجھے کیا کرنا چاہئے؟ چنانچہ اپنے روزمرہ کے معاملات کے مطابق میں ڈیوک کی رہائش گاہ کی طرف چل پڑا۔ چند ساعت کے بعد میں ڈیوک کے کمرے میں داخل ہو گیا کیونکہ مجھے ان تمام باتوں کی آزادی تھی۔ اس لئے میں نے اس میں کوئی قباحت نہ سمجھی۔

اندر ڈیوک اور مادام سارٹینا بیٹھے ہوئے تھے۔ دونوں ہی نے مجھے دیکھا اور دونوں ہی کے چہروں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

”ہیلو فلیک.....!“ ڈیوک نے خونگوار لبجھ میں کہا اور میں نے گردن جھکا دی۔ اندر سے میں خوفزدہ ہو گیا تھا۔ ”بھی! مجھے تمہارا رات کا پروگرام بے حد پسند آیا۔ بہت ہی پسند۔۔۔ اور بلاشبہ! تم انعام کے متحق ہو۔ میں تمہیں کیا انعام پیش کر سکتا ہوں؟“

جماعت کا تھا، میرے ساتھ میرے کمرے میں آگیا اور میں نے کمرے کا دروازہ بند کر لیا۔

”پتیرا!“ میں نے اُسے پکارا۔

”لیں..... لیں مسٹر فلیک.....؟“ اُس نے کسی قدر سہبے ہوئے انداز میں کہا۔

”تم میرے لئے کیا کر سکتے ہو پتیرا!“

”میں..... میں نہیں سمجھا مسٹر فلیک.....؟“

”اگر مجھے تمہاری ضرورت پیش آجائے تو تم میرے لئے کیا کر سکتے ہو.....؟“

”جان بھی دے سکتا ہوں مسٹر فلیک.....!“ وہ نیازمندی سے بولا۔

”وقتی.....؟“ میں نے مسکرا کر اُسے دیکھا اور اُس کے قہریب پہنچ گیا۔

”آپ..... آپ آزمائ کر دیکھ لیں!“ وہ سہبے ہوئے انداز میں بولا اور میں نے اُس کی

گردن پر دونوں ہاتھ رکھ دیئے۔

”تو مجھے تمہاری جان کی ضرورت ہے.....!“

”حاضر ہوں..... حاضر ہوں!“ اُس نے اُسی انداز میں کہا اور اُس کی گردن پر میری انگلیوں کی گرفت تنگ ہونے لگی۔ وہ سہبے ہوئے انداز میں ہٹنے لگا۔ لیکن پھر اُس کی سکرتوں آنکھیں پھیل گئیں۔ میری گرفت اُس کی گردن پر تنگ سے تنگ تر ہوتی جا رہی تھی۔ پھر اُس نے جلدی سے میری کلا ٹیوں پر دونوں ہاتھ رکھ دیئے۔

”کیوں..... آب کیا بات ہے.....؟“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا، اور پھر اُس کی گردن پر پوری قوت صرف کر دی۔ اُس کی آنکھیں نکل پڑی تھیں۔ اور چند ساعت کے بعد اُس نے دم توڑ دیا۔ میں نے جب اُسے بے جان محسوس کیا تو چھوڑ دیا اور اُس کا مردہ بدن دھم سے پہنچ گر پڑا۔

تب میں نے میک اپ بکس نکالا اور اُس کے سامنے بیٹھ کر اُس کا میک اپ کرنے لگا۔ میں نے اُس کا لباس بھی پہن لیا تھا۔ اور اس کام سے فارغ ہو کر میں نے سب سے پہلے اُس کی لاش ٹھکانے لگائی۔ پھر اُسی کمرے میں واپس آ کر اپنی اوتاری ہوئی فلم کے پرنٹ بنانے لگا۔ میں نے جس قدر پرنٹ بن سکتے تھے، بنائے۔ تصویریں صاف آئی تھیں اور ڈیوک اور مادام سارٹینا جو نئے میں آ کر اپنی نقاہیں نوچ کر چھینک چکے تھے، ان تصاویر میں صاف نظر آ رہے تھے۔ میں نے ساری تصاویر خشک کرنے کے بعد لٹکا دیں۔ ان تصاویر کو بنانے کے لئے میں نے کافی محنت کی تھی چنانچہ ان سے میں کوئی بڑا مقصد حاصل نہیں کرنا

”بس جناب.....! اگر آپ کو میری کاوش پسند آئی تو یہی میرا انعام ہے۔“ میں نے بھی مسکراتے ہوئے کہا۔

”نہ صرف مجھے بلکہ مادر مہربان کو بھی تمہارا پروگرام بے حد پسند آیا تھا۔“

”میں مادام کا بھی شکر گزار ہوں۔“ میں نے گردن جھکائی اور ڈیوک، بوڑھی کی طرف دیکھ کر ہنسنے لگا۔ بوڑھی نے بھی آہستہ سے تھہبہ لگایا تھا۔ لیکن ان کی ہنسی میری سمجھ سے بالاتر تھی۔ بہر صورت! ڈیوک نے بوڑھی کی طرف دیکھ کر کہا۔

”میرا خیال ہے، آپ لوگ آرام کریں۔ اور ہاں فلیگ! تم بھی۔ آج میں ذرا کچھ زیادہ ہی آرام کر دیں گا۔“ ڈیوک نے کہا اور سارینا اٹھ گئی۔

”میرے ساتھ آؤ فلیگ!“ اُس نے کہا اور میں بوڑھی کے ساتھ چل پڑا۔ وہ خاموشی سے آگے آگے چل رہی تھی۔ ڈیوک کا کمرہ بہت پیچھے رہ گیا تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد ہم بوڑھی سارینا کی رہائش گاہ تک پہنچ گئے۔ تب وہ بہت ہی دلاؤزی لمحے میں بولی۔ ”تم واقعی بڑے بیارے انسان ہو۔“

”مم..... میں سمجھا نہیں؟“

”تم بہت ہی گریٹ ہو۔“

”لیکن ڈیوک سارٹی! کس سلسلے میں.....؟“

”سیدھی کی بات ہے۔ تم نے ایک پروگرام ترتیب دیا۔ ڈیوک کو اور مجھے اچھی طرح شراب پلائی اور پھر ہم دونوں کو ایک دوسرے کے قریب بیچیج دیا۔ اور کیا میں یہ بات بھول سکتی ہوں کہ تم ڈیوک کے ان دشمنوں میں سے ہو، جو اسے ہر لحاظ سے نیچا دکھانے کی فکر میں رہتے ہو۔ لیکن تمہاری دشمنی ہم دونوں کے لئے بے حد خوبصورت خاپت ہوئی ہے۔“

”ٹھیک ہے مادام سارینا! اگر آپ اس سے خوش ہیں تو چلے! میں بھی اسے تعلیم کئے لیتا ہوں۔“ میں نے جواب دیا۔ شدت حیرت سے میری شی گم تھی۔ میرا خیال تھا کہ سارینا اس حرکت پر مجھے گولی مار دے گی۔ لیکن وہ تو بہت خوش نظر آ رہی تھی۔

”آؤ میرے ساتھ.....!“ وہ پھر بولی اور میں اُس کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ اس بار سارینا اپنی رہائش گاہ کے ایک ایسے حصے میں داخل ہوئی تھی، جسے میں نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اُس نے مجھے بغور دیکھا اور ایک طرف اشارہ کر کے بولی۔ ”اُس کری پر بیٹھ جاؤ۔“ میں کری کی طرف چل پڑا۔ سارینا خود بھی مجھ سے کچھ فاصلے پر تھی۔

لیکن کری کے نزدیک پہنچ کر دفعہ مجھے ایک احساس ہوا..... ایک عجیب سا احساس..... میری چھٹی حس نے مجھے چونکا یا تھا۔ کری فولادی تھی۔ اس پر چڑے یا فوم کا استعمال نہیں تھا اور اُس کری پر بٹھانے کا مقصد خطرناک بھی ہو سکتا تھا۔

دوسرے لمحے میں نے چاروں طرف دیکھا اور پھر کری کے قریب پہنچ کر اس طرح بیٹھ گیا کہ میرا جسم کری سے اس طرح نکلا ہوا ہے۔ بلکہ تالیں زمین پر ہیں اور پچھلا حصہ صرف جھکا ہوا ہے۔ بوڑھی ایک دیوار کے نزدیک پہنچ گئی تھی۔

”تو ڈیوک! میں تم سے کہنا چاہ رہی تھی کہ تم نے جو پکھ کیا ہے، اس کے لئے تم قابل تحسین ہو۔ لیکن اب مجھے تمہاری ضرورت نہیں رہی ہے۔ ڈیوک البرٹ خود بھی مجھے ذہنی طور پر قبول کر چکا ہے۔ اور اب وہ میرے ہی قرب کا خواہش مند ہے۔ اُس نے مجھے یہ بھی کہا ہے کہ آب میں کسی اور کو اپنی قربت نہ بخشوں اور صرف اُسے اپنے لئے مخصوص رکھوں۔ چنانچہ میری جان! اب میں یہ چاہتی ہوں کہ تم بھی سدھار جاؤ! کیونکہ ڈیوک میرا محبوب ہے۔ اور اُس کے دشمن میرے بھی دشمن ہیں۔“

بوڑھی نے اچاکنک ایک سرخ ہلن پر ہاتھ رکھ دیا اور میرے لباس کا ایک حصہ جو کری سے کچھ فاصلے پر تھا اچاکنک بھڑک اٹھا۔ کری میں برقی رو دوڑ گئی تھی۔ لیکن چونکہ میں اُس پر بیٹھا نہیں تھا، میرا جنم اٹھا ہوا تھا، اس انداز میں کہ میں چاہتا تو ایک لمحے میں خود کو بچا سکتا تھا۔

چنانچہ دوسرے لمحے میں نے چھلانگ لگا دی۔ سارینا جو اپنی دانست میں میرا کام تمام کر چکی تھی، میرے اس طرح اچھلنے پر ششد رہ گئی۔ لیکن مجھے اب یہ فیصلہ کرنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آئی کہ یہ خونخوار عورت سب کچھ فراموش کر پکھی ہے اور اب میری زندگی کے درپے ہے۔ لیکن اس کمرے کے رازوں سے میں واقع نہیں تھا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ بوڑھی کا کون سا دوسرا قدم میری موت بن جائے گا۔ ایسے اوقات میں فیصلہ کرنا آسان نہیں ہوتا۔

میں نے جیرانی سے بوڑھی اور پھر کری کی طرف دیکھا۔ ”یہ کیا ہوا سارٹی ڈارنگ؟“ میں نے میں نے تجب کا انٹھار کیا۔

”اوہ..... کیا ہوا.....؟“ بوڑھی میرے فریب میں آ کر مسکرانے لگی۔

”مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کری میں ارے دیکھو! میرا لباس بھی جل گیا۔ کیا کری میں کرنٹ دوڑ گیا تھا.....؟“

”اُس نے تمہیں پھر سے میرے حوالے کر دیا۔ اُس کا کہنا ہے کہ میں جس طرح چاہوں، تمہارے ساتھ سلوک کروں۔“
”لیکن تمہارا دل تو آب مجھ سے بھر چکا ہے۔“ میں نے کہا۔

”ہاں.....! یہ حقیقت ہے۔ اس لئے میں سوچتی ہوں کہ ہر وہ چیز جو استعمال کے قابل نہ رہ گئی ہو، ضائع کر دینی چاہئے۔“ بوڑھی نے کہا اور دفعتہ اُس نے پوری قوت سے مجھے کری کی جانب دھکا دیا اور آہستہ آہستہ چلتی ہوئی کرسی کے نزدیک پہنچ گئی۔
لیکن سیکرت پیلس کا تربیت یافتہ ڈن کیں اتنا حمق تو نہیں تھا کہ ایک کمزور عورت کے ہاتھوں اس طرح شکست کھا جاتا۔ میں نے بوڑھی کا سہارا لے کر خود کو روکا۔ اور پھر بوڑھی کے بال دونوں مشیوں میں جکڑ کر اُس کو الیکٹرک چیزٹر پر دھکا دے دیا

بوڑھی سیدھی الیکٹرک چیزٹر پر جا کر گری۔ دوسرے لمحے اُس کے بدن پر لپٹے ہوئے لباس نے آگ پکڑ لی۔ بوڑھی کے حلقو سے ایک دہشت زده چیخ نکلی اور اُس کا جسم سیاہ ہونے لگا۔ اُس کا بدن بے جان ہو چکا تھا۔ کچھ دیر کے بعد وہ کوئلے کے ایک ڈھیز کے علاوہ کچھ نہ تھی۔ الیکٹرک چیزٹر نے اُسے جلا کر راکھ کر دیا تھا۔ جس سلوک وہ میرے ساتھ کرنا چاہتی تھی، وہی سلوک میں نے اُس کے ساتھ کیا تھا۔ میں نے گہری لگا ہوں سے اُسے دیکھا۔
بوڑھی بے جان ہو چکی تھی۔ لیکن اُس کے تاثرات میں کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔ بلاشبہ! یہ حریت اگریز الیکٹرک چیزٹر تھی۔ بوڑھی خوف زدہ نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی حالانکہ ان آنکھوں میں روشنی نہ تھی۔ لیکن سیاہ پتلیاں اُسی انداز میں کھلی کی کھلی رہ گئی تھیں۔ تب میں نے گہری سانس لی اور دروازے کی جانب بڑھ گیا۔

میں نے دروازہ کھولا اور باہر جا گئا۔ میں دیکھنا چاہتا تھا کہ باہر کوئی موجود تو نہیں ہے؟ قرب وجہ میں کوئی نہیں تھا۔ بوڑھی کی لاش کو الیکٹرک چیزٹر سے ہٹانے کی بجائے میں نے وہیں رہنے دیا۔ البتہ دیوار پر لگا ہوا سرخ بٹن میں نے آن کر دیا تھا۔ میں تیزی سے واپس آیا اور اس وقت میری وہی بہترین کوشش کام آئی۔ یعنی میرا وہ میک اپ تیار رکھا ہوا تھا جس کے لئے میں نے پیٹری کو قتل کر دیا تھا۔ دوسرے لمحے میں نے اُس کا لباس پہنا اور ملازم کے کوارٹر میں پہنچ گیا۔ غالباً اس وقت ان ملازموں کے لئے کوئی کام نہیں ہوتا تھا کیونکہ تمام ہی ملازم اپنے اپنے کوارٹروں میں آرام کر رہے تھے۔ یہ ڈیوک کی رہائش گاہ میں موجود سروفت کوارٹر تھے۔ میں بھی انہی کوارٹروں کے نزدیک ایک کرسی ڈال کر بیٹھ گیا۔ میں تیزی سے

”ادہ، ہاں.....! یہاں کی وائزگ بے حد خراب ہے۔ شکر ہے تم فجع گے۔ میرے نزدیک قریب پہنچ گیا۔ اُس نے میری مشکل آسان کر دی تھی۔ میں نے بوڑھی کو آغوش میں لے لیا اور بڑی آہنگ سے اُسے دیوار کے قریب سے ہٹالیا۔

ایک لمحے کے لئے اُس کے قرب سے مجھے سخت گھن آئی۔ یورپ کے پیشتر علاقے بے راہ روی کے شکار تھے۔ اُن میں گرین لینڈ بھی آ جاتا تھا۔ لیکن یہاں لیکن یہاں بے راہ روی بھی ایک حد تھی۔ نوجوان لڑکے لڑکیاں، جنس کے معاملے میں اقدار کھو بیٹھتے تھے۔ لیکن پھر بھی رشتہوں کا قدس برقرار تھا۔ ماں، بیکن اور بیٹی کو لوگ ابھی نہیں بھولے تھے۔ وہی حالت کچھ بھی ہو، لیکن ابھی یہ رشتے نہیں ٹوٹے تھے۔ بوڑھی سارینا نے جو کہانی سنائی تھی، بلاشبہ اس سے اُس کے کردار پر پروشنی پڑتی تھی۔ وہ ایک بھلکی ہوئی عورت تھی۔ وقت سے پہلے اُس سے وہ جذبے چھین لئے گئے تھے جو وقت کا عطیہ ہوتے ہیں۔ لیکن اس کے بعد جنون، اس حد تک پہنچ جائے کہ انسانیت کو شرم آئے تو اسے شدید جنون ہی کہا جا سکتا ہے۔ اور ایسی جنوںی عورت اور مرد نگ انسانیت ہوتے ہیں۔

”تو پھر تم نے کیا فعلہ کیا.....؟“

”تم خود ہی بتاؤ ڈارنگ.....!“ سارینا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”ان حالات میں تو یہ بھی ممکن ہے کہ تم ڈیوک پر میرا راز کھول دو۔“

”کون سارا ز.....؟“

”یہی کہ میں کون ہوں؟“

”وہ تو کھول پچھی ہوں!“ بوڑھی نے کہا۔

”کیا.....؟“ میں چونک پڑا۔

”ہاں..... میں نے اُسے بتا دیا ہے کہ فائیگ دراصل فائیگ نہیں ہے۔“

”ادہ..... پھر ڈیوک نے کیا کہا.....؟“ میں نے بوڑھی کو گھوڑتے ہوئے پوچھا۔

”وہ بے حد فراخ دل ہے۔ جب اُسے معلوم ہوا کہ میں نے تمہیں سمندری عمارت سے نکلا یا ہے تو وہ بہن پڑا اور اُس نے ہنستے ہوئے مجھ سے کہا کہ بہر صورت! یہ میرا اپنا مسئلہ ہے اور اس میں خل نہیں دے گا۔ تم جانتے ہوڈیز ادہ مجھ سے کس قدر محبت کرتا ہے۔“
یقیناً، یقیناً.....! پھر اس کے بعد کیا ہوا؟“ میں نے سوال کیا۔

ملازم میں اور دوسرے افراد موجود تھے۔ اُن کے چہرے اُترے ہوئے تھے۔ ڈیوک کے اس جزیرے پر کوئی شخص محفوظ نہیں تھا۔ اور کسی بھی وقت کسی حدادتے کا شکار ہو سکتا تھا۔ نہ جانے کیا بات ہے۔ نہ جانے کیا بات ہے۔ ہر شخص یہی سوچ رہا تھا۔

پھر دوسرے ڈیوک نظر آیا۔ اُس کے ساتھ کئی اور آدمی بھی تھے۔ ڈیوک کا چہرہ آگ ہو رہا تھا اور وہ سخت پریشان نظر آتا تھا۔ شین گن بردار موڈب ہو گئے۔ انہوں نے راستہ چھوڑ دیا تھا۔ ڈیوک کے ساتھ جو لوگ آئے تھے، ان میں سے دو تین کے ہاتھوں میں بوتلیں تھیں جن میں سائنس لگے ہوئے تھے۔ میرے لئے یہ پہچانتا مشکل نہیں ہوا کہ اُن بوتلوں میں کیا ہو گا۔

یقیناً وہ ایکوینا لے کر آیا تھا۔ تاکہ چہروں سے میک آپ صاف کیا جاسکے۔

ڈیوک رُک گیا۔ چند ساعت وہ تمام لوگوں کو دیکھتا رہا۔ پھر ایک شخص کی طرف رُخ کر کے سرد بھجے میں بولا۔ ”جوین.....!“

”ڈیوک.....!“ وہ شخص آگے جھک گیا۔
”سب لوگ مجھ ہو گئے؟“

”جی ہاں جتاب.....!“

”کوئی باقی تو نہیں رہ گیا.....؟“

”عمارت کا چپ پہ تلاش کر لیا گیا ہے۔ اُب اس عمارت میں کسی مرد کا وجود نہیں ہے۔“
”ہوں، نیروں.....!“ اُس نے دوسرے شخص کو مخاطب کیا۔ جس کے ہاتھ میں ایک بوتل دبی ہوئی تھی۔

”میں ڈیوک.....!“ وہ آگے بڑھ آیا۔

”پہلے جوین کو دیکھو!“ ڈیوک نے کہا اور جوین چونک پڑا۔ ڈیوک غور سے اُس کی صورت دیکھ رہا تھا۔ ”جس شخص سے ہمارا اوسط ہے جوین! وہ میک آپ کا ماہر ہے۔ اور اتنا چالاک انسان ہے کہ اُس کی مثال نہیں ملتی۔ اُس نے مادرِ مہربان کو قتل کر دیا۔ میں اُس کی پشتوں میں کسی کوزندہ نہیں چھوڑوں گا۔ اس لئے کوئی بھی شخص، کسی بھی سلوک پر توہین محسوس نہ کرے۔ بلکہ پورا تعادن کرے۔“

”میں خلوصِ دل سے حاضر ہوں جناب! مادرِ مہربان کے قاتل کی دھجیاں بکھیرنا ہم سب کا فرض ہے۔“ جوین نے جواب دیا۔

ڈیوک نے کچھ نہیں کہا۔ نیروں نے سائنس سے جوین کے چہرے پر پھواریں ماریں اور

سوچ رہا تھا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہئے؟ بوڑھی کے قتل کے بعد ڈیوک مزید پاگل ہو جائے گا اور یقین طور پر مجھے تلاش کرنے میں وہ شدت سے کام لے گا۔ اور اس رہائش گاہ میں یہ مشکل کام نہیں تھا کہ وہ مجھے تلاش کرنے میں کامیاب ہو جائے۔ چنانچہ جو کچھ کرنا تھا، جو کچھ سوچنا تھا، وہ جلد از جلد کرنا تھا۔ میں دیری تک بیٹھا سوچتا رہا۔ وہ تصویریں میرے پاس تھیں جو میں نے بنائی تھیں۔ میں حالانکہ غیر متوقع حالات کا شکار ہو چکا تھا لیکن میرے ذہن میں خدشات یا کوئی ایسی پریشانی نہیں تھی جو مجھے نہ سوچ سکتی۔ میں پورے طور پر یہی سوچ رہا تھا کہ اب میرا آئندہ قدم کیا ہوتا چاہئے۔ ملازم کے اس میک آپ میں بھی میں زیادہ عرصے تک نہیں چل سکتا تھا۔ لیکن اب ڈیوک کے سلسلے میں کوئی قدم اٹھایا لیا زیادہ بہتر ہو گا۔

میں ملازم کے کوارٹر میں آرام کرتا رہا۔ اور پھر شام کے پانچ بجے تھے اُس وقت کہ اچانک خوف ناک ہنگامہ برپا ہو گیا۔ میں نے کھڑکی سے باہر جھاٹک کر دیکھا۔ بے شمار لوگ شین گئیں تا نے ملازموں سے کوارٹر خالی کر رہے تھے اور دوسرے تمام لوگ ایک جگہ ہاتھ بلند کے کھڑے تھے۔

گڑبرڈ..... بوڑھی کی لاش دستیاب ہو گئی..... میں نے سوچا۔ اور اب سب کا جائزہ لیا جا رہا ہے۔ یہ یقیناً ڈیوک کی مخصوص نورس ہے۔ اب کیا، کیا جائے.....؟ میں نے سوچا۔ اس وقت ان لوگوں کے ہاتھ آتا بے حد خطرناک ہو گا۔ بچت کی ایک ہی صورت ہے۔ کسی طرح خود کو بچایا جائے۔

اُبھی تک میرے کوارٹر کا رُخ نہیں کیا گیا تھا۔ میں نے چاروں طرف دیکھا، کوارٹر میں عقی کھڑکی تھی لیکن اُس میں سلاخیں لگی ہوئی تھیں۔ البتہ ایک روشنداں کا رآمد تھا۔ دیر کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ میں اچھل کر روشنداں سے لٹک گیا اور پھر میرا بدن روشنداں سے اوپر نکل گیا۔

اسے خوش بختی ہی کہا جا سکتا تھا کہ کوارٹر کی چھت پر چھپنے کا معقول انتظام تھا۔ ایک عظیم الشان درخت کی شاخیں، کوارٹر کی چھت پر پھیلی ہوئی تھیں اور اُس کے گھنے پتوں میں بخوبی پوشیدہ رہا جا سکتا تھا۔ یہی نہیں بلکہ اُس درخت کے ساتھ ساتھ دُور تک جایا جا سکتا تھا۔ میں نے ابھی یہیں چھپنا مناسب سمجھا۔ بیہاں سے میں سامنے ہونے والی کارروائی بھی بخوبی دیکھ سکتا تھا۔

شین گن برداروں نے ایک حصار سما بنا لیا تھا۔ اور اس حصار میں پوری عمارت کے

”مگر کیوں.....؟“

”پتہ نہیں، اس بول میں کیا تھا جس سے ہمارے منڈھلائے گئے؟“

”مگر منہ ڈھلائے کیوں گئے تھے.....؟“

”کیا معلوم.....؟“ میں نے گہری سانس لے کر کہا۔

”کیا تمہارے چہرے پر بہت تکلیف ہو رہی ہے.....؟“

”ہاں.....!“

”کوئی اور بات ہو گی۔ میرا تو چہرہ ٹھیک ہے۔“

”مسٹر جوین کہاں ہیں.....؟“

”اس وقت تو اپنے کوارٹر میں ہی ہوں گے۔ کیوں؟“

”میں انہیں بتاؤں گا۔ میرے چہرے پر بہت تکلیف ہو رہی ہے۔“ میں نے کرب

ناک آواز میں کہا۔

”ٹھیک ہے۔ ٹپے جاؤ!“ میرے ساتھی نے ہمدردی سے کہا۔

”نہ جانے ان کے پاس کون ہواں وقت؟ تم ان کی عادت جانتے ہو؟“

”ارے اس خردماغ کے پاس کون جاتا ہے؟ اکیلا ہو گا۔ مگر کہیں تم یہ بات اُس سے کہہ

میت دیتا۔“

”نہیں یار..... کون اُس سے خوش ہے۔“ میں نے ہستے ہوئے کہا۔ اور پھر میں وہاں

سے آگے بڑھ گیا۔ میرے انداز میں اعتماد تھا۔

بہر حال! یہ بات معلوم ہو گئی تھی کہ مسٹر جوین کا بھی کوئی کوارٹر ہے۔ اس کوارٹر کے

بارے میں، میں نے ایک اور ملازم سے پوچھا۔ سوال ایسی رواروی میں کیا گیا تھا کہ ملازم

نے ایک طرف ہاتھ انٹھا دیا۔

”وہیں ملیں گے اس وقت..... دیکھ لو.....!“ اور میں نے جوین کا کوارٹر پہچان لیا۔

دوسرے ملازموں کے کوارٹ سے بہتر تھا۔

لیکن اب میک اپ بکس کا مسئلہ تھا۔ میک اپ بکس، فلیگ کے کوارٹ میں تھا اور میں کسی

کام میں درینہیں کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ میں نے ایک ڈسٹر اور برش لیا اور فلیگ کی رہائش گاہ کی

طرف چل پڑا۔

جھپٹا پھیل گیا تھا۔ عمارت میں ایک عجیب سی دریانی پھیلی ہوئی تھی۔ نہ جانے بوزہی کی

ڈیوک گھڑی دیکھنے لگا۔ پھر دوسرا آدمی نے چند ساعت کے بعد تو یہ سے جوین کا چہرہ رگڑ دیا۔ ابھی تک کسی کی توجہ میری جانب، یعنی اُس ملازم کی جانب نہیں گئی تھی، جس کے میک اپ میں، میں تھا۔

جوین کا رنگ لکھر آیا تھا۔ تب ڈیوک نے گردن ہلا دی۔ ”آب تم باقی تمام لوگوں کے چہرے صاف کرو۔“ اُس نے جوین کو حکم دیا۔

میں نے ایک گہری سانس لی۔ میں اطمینان سے کوارٹ کی چھت پر درخت کی ایک شاخ کے سہارے لیٹھا ہوا یہ کارروائی دیکھ رہا تھا۔ وہاں پر موجود ایک ایک فرد کا چہرہ، ایک نویسا سے ڈھلوا کر دیکھا گیا۔ اور پھر ڈیوک نے مایوس ہو کر گردن ہلانی۔ ”اس کا مطلب ہے کہ وہ بیہاں سے نکل گیا..... لیکن..... لیکن جائے گا کہاں؟ سمندر کے تمام کناروں کو بلاک کر دو! دن اور رات سخت مگر انی کراؤ۔ باہر سے آنے والوں کو روک دو۔ بیہاں سے کوئی، کسی کام سے اُس وقت تک نہیں جائے گا، جب تک وہ مل نہ جائے۔ اور کل پورے جزیرے کے ایک ایک فرد کو ایک میدان میں جمع کر دو۔ میں تمام افراد کو چیک کروں گا۔“ ڈیوک نے حکم دیا اور واپس چلا گیا۔

میرے ہونتوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ یہ شخص جوین مجھے بہت پسند آیا تھا۔ اُسے پہلے بھی میں بیہاں دیکھ چکا تھا۔ لیکن اُس کی حیثیت سے ناواقف تھا۔ اب معلوم ہوا کہ وہ اُس عمارت کا کیمپرٹر یونکر ہے۔ اور بیہاں کے سارے ملازم اُس کے ماتحت ہیں۔

شین گن والے منتشر ہو گے۔ جوین کو میرا خیال نہیں آیا تھا۔ غالباً ڈیوک کے اقدامات سے وہ بوکھلا گیا تھا۔ لیکن یہ صورت حال میرے لئے دلکش تھی۔ میں اُسی روشنداں کے ذریعے واپس اپنے کمرے میں پہنچ گیا۔ تقریباً دو گھنٹے کے بعد میں باہر آیا۔ ملازم اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ میں ایک بڑی قینچی حاصل کرنے کے بعد کیاریوں کو درست کرنے لگا۔ مجھے تھوڑے فاصلے پر ایک دوسرا آدمی بھی کام کر رہا تھا۔

چند ساعت تو میں خاموش رہا۔ پھر میں نے اُسے مخاطب کیا۔ ”کیا تمہارے چہرے پر جان ہو رہی ہے.....؟“

”ای.....؟“ ملازم چونک پڑا۔

”میرا تو پورا چہرہ جیسے جلس گیا ہو۔ بڑی تکلیف ہو رہی ہے۔“ میں نے چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

لاش کے سلسلے میں کیا، کیا گیا تھا؟

بہر حال! میں، فلیگ کے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ اور پھر میں نے اُر کمرے کی صفائی شروع کر دی۔ ابتداء میں تو تھوڑی دیر تک میں صرف فرنچیز وغیرہ صائز کرتا رہا۔ پھر کھلے دروازے سے باہر آ کر میں نے قرب و جوار کا جائزہ لیا۔ اس کے بعد الماری کھول کر میک اپ بکس نکال لیا۔ یہ بکس لے کر جانا مشکل تھا۔ چنانچہ اُس میں ضروری سامان نکال کر میں نے ڈسٹر میں باندھا اور پھر بکس کو اُسی طرح الماری میں رکھ کر کمرے سے باہر آ گیا۔

پھر میں نے اپنے کوارٹر میں پہنچ کر دم لیا تھا۔ اور اب مجھے رات ہونے کا انتظار تھا۔ رات کو تقریباً دس بجے میں اپنی قیام گاہ سے نکلا۔ ڈیوک کے بارے میں بھی اس وقت پہنچنیں چل سکتا تھا کہ وہ اپنی ماں کا سوگ کس طرح منا رہا ہے؟ اُس کی عیش گاہ خالی ہے یا مٹانے کے لئے اُس نے اس ماحول کو مزید زنجین کر لیا ہے؟

☆.....☆

بہر حال! جوین اپنی رہائش گاہ میں موجود تھا۔ تھا تھا اور شراب پی رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر وہ غرایا۔ ”کیا بات ہے؟ اس وقت کیوں آمرے ہو؟“

”سوری مسٹر جوین..... وہ.....“

”بھاگ جاؤ! یہ ملنے کا وقت نہیں ہے۔ اس وقت میں کچھ نہیں سنوں گا۔“ اُس نے ہاتھ انھا کر نفرت سے کہا۔ لیکن میں اُسی طرح کھڑا رہا۔ جوین نے تعجب سے مجھے دیکھا۔ ”تم نے سنائیں.....؟“

”بہت ضروری کام تھا مسٹر جوین!“ میں نے سمسی آواز میں کہا۔

”تم جاتے ہو یا میں بوتل تمہارے سر پر توڑ دوں؟“ وہ ہتھے سے اُکھڑ گیا۔ لیکن میرا مقصد پورا ہو چکا تھا۔ میں اُس کی آواز کے انداز پر غور کرتا رہا تھا۔ پھر میں اس طرح پلتا جیسے واپس جا رہا ہوں لیکن دروازے سے باہر جھاٹک کر میں پھر پلٹ آیا۔

جوین نے قدموں کی چاپ سنی تو پھر پلٹ کر دیکھا اور اس باروہ ایک خالی بوتل انھا کر میرے اور پر حملہ آور ہوا تھا۔ میں نے اٹینیان سے اُس کا بازو پکڑ کر اُسے مل دیا اور پھر دوسرا ہاتھ اُس کی گردن میں ڈال دیا۔ میری فولادی گرفت میں وہ تڑپنے لگا۔ لیکن اب اُسے موقع دینے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔

اُس کے طبق سے آخری آوازیں نکلتی رہیں۔ اور پھر جب ہر آواز بند ہو گئی تو میں نے اُسے گھما یا۔ اُس کی صورت بگوچی تھی۔ عمارت کے گھر میں تیسری لاش پہنچ گئی۔ بڑا کار آمد گھر تھا۔ ابھی تک ایک لاش کا راز بھی فاش نہیں ہو سکا تھا۔ کار کردگی کے لئے ایسی چکیں میری پسندیدہ ہوتی تھیں۔ چنانچہ میں نے جوین کی لاش بھی اُس کے حوالے کر کے ڈھکن بند کر دیا۔

”دھمکن ہے، تمہیں تیسری بار کھولنے کی ضرورت پیش نہ آئے۔“ میں نے کہا اور واپس جوین کے کوارٹر میں پہنچ گیا۔ پھر جوین کے میک اپ میں بھی میں نے کافی محنت کی تھی۔ اور

”کیا مطلب.....؟“ ڈیوک چونک کر سیدھا ہو گیا۔
 ”ہم نے اب تک اسے صرف مردوں میں تلاش کیا ہے۔“
 ”اوہ، واقعی.....!“ ڈیوک کی آنکھوں میں بھیج سے تاثرات تھے۔ وہ پر خیال انداز میں مجھے دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے ہونٹ چوتے ہوئے کہا۔ ”جوین! کتنا تجھ انجیز خیال آیا ہے تمہارے ذہن میں۔ درحقیقت! اس سے قبل کسی نے یہ نہیں سوچا تھا۔“
 ”تیر پھر کیا خیال ہے جناب.....؟“
 ”دیکھیں گے..... ضرور دیکھیں گے۔ لیکن میں اس کے لئے کچھ اور بھی انتظامات کرنا چاہتا ہوں۔“ ڈیوک نے کہا۔
 ”وہ کیا جناب.....؟“
 ”بتابوں گا تمہیں..... بتاؤں گا۔ ہاں! ذرا جاؤ! سنٹر اسے کہو کہ ہیلی کا پتیرا کرے۔“
 ”بہت بہتر جناب!“ میں نے جواب دیا۔
 ”ہاں! تم میرے پاس والپیں آ جانا جوین!“
 ”خیریت جناب.....؟“
 ”بالکل خیریت..... بس! میں تم سے کچھ تبادلہ خیال کرنا چاہتا ہوں۔“ ڈیوک نے کہا اور میں نے گردن ہلا دی۔
 میں باہر آ گیا۔ اب مسئلہ سنٹر کا تھا۔ چنانچہ میں نے اس سلسلے میں بھی ایک چھوٹا سا راستہ اختیار کیا۔ میں نے گزرتے ہوئے ایک شخص کو اشارہ کیا اور وہ میرے نزدیک پہنچ گیا۔ ”کیا بات ہے جناب.....؟“ اُس نے پوچھا۔
 ”ڈیوک کا پیغام سنٹر کو پہنچا دو۔“ ڈیوک نے حکم دیا ہے کہ ہیلی کا پتیر فوراً تیار کیا جائے۔ ڈیوک کہیں جانا چاہتے ہیں۔“
 ”بہت بہتر مسٹر جوین.....!“ اُس شخص نے جواب دیا۔
 ”مجھے ڈیوک کے کمرے میں آ کر اطلاع دو۔“
 ”بہت بہتر.....!“ وہ شخص بولا اور دوڑتا ہوا چلا گیا۔ تب میں چند ساعت وہیں گزار کر ڈیوک کے پاس پہنچ گیا۔ ڈیوک پر خیال انداز میں ٹھوڑی کھمار رہا تھا۔ اس نے مجھے دیکھا اور مکرا کر گردن ہلا کی۔
 ” بلاشبہ! تمہارے ذہن نے جو کچھ سوچا ہے جوین! وہ قابل داد ہے۔ وہ شخص ہماری

جب میں مطمئن ہو گیا تو جوین کی پیچی ہوئی شراب کو معدے میں منتقلہ لگا۔
 رات کو تقریباً ایک بجے تک میں شراب کی چسکیاں لیتا رہا۔ اور پھر تصویروں کا پیکٹ لے کر میں باہر آ گیا۔ اب یہ تصویریں بھی میرے لئے بیکار تھیں۔ لیکن بہر حال! ان کا کوئی صرف تو ضرور ہوتا چاہے۔ چنانچہ میں نے عمارت میں جگہ جگہ تصویریں چپکا دیں اور پھر واپس آ کر اطمینان سے سو گیا۔
 دوسری صبح بھی توقع کے مطابق ہنگامہ خیز تھی۔ پورے محل میں کہرام مچا ہوا تھا۔ ڈیوک پاگل ہو چکا تھا۔ اُس نے کئی آدمیوں کو گولی مار دی تھی۔ ساری تصویریں جمع ہو کر اس کے پاس پہنچ گئی تھیں اور وہ انہیں دیکھ دیکھ کر بال نوج رہا تھا۔
 ”ڈیوک نے آپ کو طلب کیا ہے۔“ ایک ملازم نے مجھ سے کہا۔
 ”کہاں ہیں.....؟“
 ”اپنی نشتہ گاہ میں۔“
 ”غصے میں ہیں.....؟“
 ”شدید..... پستول پاس رکھا ہوا ہے۔ اور کمرے میں دو لاشیں پڑی ہیں۔“
 ”کن کی.....؟“ میں نے پوچھا۔
 ”رات کی ڈیوٹی والے گارڈز کی۔“
 ”اوہ.....!“ میں نے گردن ہلا کی۔ بہر حال! اُس کے پاس جانا ہی پڑا۔ ڈیوک اب اپنا صبر کھو چکا تھا۔ اُس کی حالت بگڑی ہوئی تھی۔
 ”جوین.....!“ اُس نے نرم لمحے میں مجھے پکارا۔
 ”ڈیوک.....!“
 ”کیا یہ عمارت اب اتنی غیر محفوظ ہو گئی ہے.....؟“
 ”میں بنے ایک فیصلہ کیا ہے جناب!“ میں نے کہا۔
 ”کیا.....؟“
 ”اس عمارت سے ایک ایک ملازم کو نکال دیا جائے۔ میں کسی ایک وجود کو یہاں نہیں چھوڑنا چاہتا۔ اس کے علاوہ میرے ذہن میں ایک اور خیال بھی آیا ہے۔“
 ”وہ کیا.....؟“ ڈیوک کے انداز میں نرمی برقرار تھی۔
 ”اگر وہ ذیل انسان میک اپ کا ماہر ہے تو کیا وہ کسی عورت کا میک اپ نہیں کر سکتا؟“

نگاہوں سے اس وجہ سے اوچل رہ گیا ہے کہ آپ تک ہم نے صرف اُسے مردوں میں تلاش کیا ہے۔ اُس جیسے شخص کے لئے یہ کوئی مشکل کام نہیں کہ وہ کسی عورت کا زوپ اختیار کر لے۔ لیکن تمہارے خیال میں کسی عورت کا زوپ بدلنے کے بعد اُس نے اپنے آپ کو اس ماحول میں ختم کیے کیا ہو گا؟“

”یہ تو میں نہیں بتا سکتا جناب! لیکن میرا خیال ہے، یہاں کافی عورتیں ہیں۔ ممکن ہے اُن ہی میں سے کسی میں.....؟“

”ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔ ابھی تم یہ بات کسی کو نہیں بتاؤ گے۔“

”جو حکم جناب.....!“ میں نے موبدانہ لمحے میں جواب دیا اور ڈیوک کی طرف دیکھنے لگا۔

”کیا یہ بہتر نہ ہو گا جوین! کہ تم بھی میرے ساتھ چلو؟ تقریباً دو گھنٹے کے بعد واپس آ جائیں گے۔ اور اس کے بعد میں اس پروگرام پر عمل شروع کر دوں گا۔“

”جو حکم جناب.....!“ میں نے جواب دیا اور ڈیوک گردن ہلانے لگا۔ میں وہی کھڑا رہا تھا۔ ڈیوک نے مجھے جانے کے لئے بھی نہیں کہا تھا اور کسی قسم کا اشارہ کرنے کا تو سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔

تقریباً دس منٹ کے بعد وہ شخص کمرے کے دروازے پر آ گیا اور اُس نے اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ ”کیا بات ہے.....؟“ ڈیوک نے پوچھا۔

”جناب! میں نے سناڑا کے لئے پیغام بھجوایا تھا۔“ میں نے کہا۔

”اچھا، اچھا..... آ جاؤ!“ ڈیوک نے کہا اور وہ اندر آ گیا۔

”میں نے مسٹر سناڑا سے کہہ دیا ہے۔ وہ چند ساعت کے بعد پہنچنے والے ہیں۔“

”ٹھیک ہے.....!“ ڈیوک نے جواب دیا۔ اور پھر میری طرف رُخ کر کے بولا۔ ”تو جوین! تم ضروری تیاریاں کر لو اور مسٹر سناڑا کے پاس پہنچ جاؤ!“ ڈیوک نے کہا اور میں نے پھر گردن ہلا دی۔ میں اس شخص کے ساتھ رُخ کر کے بڑھا۔

ہیلی کا پڑکی آوازن کر ہی مجھے اُس سمت کا اندازہ ہو چکا تھا جہاں ہیلی کا پڑک کو تیار کرایا گیا تھا۔ میں اس جگہ پہنچ گیا۔ سناڑا نے مجھے دیکھ کر شناسائی کے انداز میں گردن ہلائی تھی اور میں اس کے پاس پہنچ گیا۔

”اوہ، مسٹر جوین! کیسے ہیں آپ.....؟“

”ٹھیک ہوں.....!“ میں نے جواب دیا۔

”کہیں جا رہے ہیں.....؟“

”ہاں.....!“

”کہاں.....؟“

”میں نہیں جانتا.....!“

”کیوں.....؟“

”ڈیوک کا حکم ہے۔“

”اوہ، ہاں..... ٹھیک ہے۔ لیکن سنابے یہاں کے حالات بہت عجیب چل رہے ہیں۔“

”پلیز! آپ جانتے ہیں مسٹر سناڑا! کہ یہ ساری باتیں غیر متعلقانہ انداز میں نہیں کی جا سکتیں۔“

”یقیناً، یقیناً.....!“ سناڑا نے جواب دیا۔

تھوڑی دیر بعد ہی ڈیوک اپنے آدمیوں کے ساتھ آ گیا۔ لیکن ہیلی کا پڑک میں اُس کے آدمی سوار نہیں ہوئے تھے۔ بلکہ ڈیوک نے صرف مجھے اشارہ کیا تھا۔ میں اُس کے پیچھے کی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ کافی بڑا ہیلی کا پڑک تھا۔ سناڑا نے کاک پٹ سنبھال لیا اور پھر ہیلی کا پڑھ فضا میں بلند ہو گیا۔

”ریڈ پوائنٹ.....!“ ڈیوک نے بھاری لمحے میں کہا اور سناڑا نے گردن ہلا دی۔ ہیلی کا پڑک پڑا تھا۔ لیکن سفر بہت مختصر تھا۔ ہیلی کا پڑھ دوسرا سے جزیرے میں ایک خوبصورت عمارت کے نزدیک اُتر گیا اور چند ساعت کے بعد ڈیوک، دروازہ کھول کر باہر آ گیا۔ میں اُس کے پیچھے پیچھے تھا۔

”تم وہاں کو سناڑا! ہم تھوڑی دیر کے بعد واپس چلیں گے۔“ ڈیوک نے کہا اور سناڑا نے گردن ہلا دی۔

”آؤ جوین!“ ڈیوک میری طرف رُخ کر کے بولا اور میں اُس کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔ چند لمحوں کے بعد ہم عمارت میں داخل ہو رہے تھے۔

عمارت کے دروازے پر ایک قوی ہیکل آدمی موجود تھا۔ اس کے علاوہ عمارت میں کوئی اور نظر نہ آ رہا تھا۔ اندر سے کچھ عجیب و غریب آوازیں آ رہی تھیں۔ بہر صورت! ڈیوک ایک دروازہ کھول کر اندر پہنچ گیا۔ سامنے ہی ایک رہداری نظر آ رہی تھی۔ اُس میں تین دروازے

لیکن مجھے اس بات کا اعتراف کرنے میں کوئی عار نہیں ہے کہ اس عجائبات کے جزیرے میں،
جسے میں ناقابل تحریر سمجھتا تھا، تم نے حیرت انگیز کمالات دکھائے ہیں۔“

”شکریہ ڈیوک.....!“

”لیکن ایک بات اور ہے میرے دوست!“

”وہ کیا ڈیوک.....?“

”تم نے مجھے اپنے بارے میں تفصیل نہیں بتائی۔“

”کیا تفصیل بتاتا ڈیوک؟ کوئی خاص بات تو نہیں تھی۔“

”تم مجھے یہ بتاؤ! کہ آخر تم ہمارے پیچھے کیوں پڑ گئے ہو.....؟“

”مسئلہ ایک لڑکی کا تھا ڈیوک!“

”لڑکی کا..... کون لڑکی.....؟“ ڈیوک نے حیرت سے مجھے دیکھا۔

”ہاں ڈیوک.....!“ نام اُس کا ویرایہ ہے۔ ویرابن شارپ گلینڈی۔“

”اوہ، ہاں..... میں اُسے اچھی طرح جانتا ہوں۔ اُس کا ایک بھائی بھی تھا جس کا نام

شاہید گران تھا۔“ ڈیوک نے جواب دیا۔

”ہاں..... مجھے یاد ہے۔“

”تو تمہیں یہ بھی یاد ہو گا کہ انہیں نیست و نابود کرنے والا کون ہے.....؟“

”ہاں، بالکل! مجھے یاد ہے۔ میں نے آئندہ کو حکم دیا تھا کہ اُس خاندان کو تباہ و بر باد کر

دیا جائے۔ کیونکہ اُس کی وجہ میری ایک خاص نمائندہ خاتون ہینڈی فلپ تھی۔“

”ہاں ڈیوک.....! میں جانتا ہوں۔ لیکن کیا وہ واقعی تمہاری نمائندہ ہے؟“

”ہاں..... یہی سمجھلو! اُس نے میرے لئے اتنا کچھ کیا ہے کہ مجھے اُس کے لئے بھی بہت

کچھ کرنا پڑا۔“

”وہ تمہارے لئے کام کرتی ہے ڈیوک.....?“

”ہاں.....!“

”لیکن تم نے روبن شارپ گلینڈی کی جائیداد پر اُسے کیوں قابض کر دیا؟“

”میں نے کہا، میں اُسے کچھ دینا چاہتا تھا۔ شارپ گلینڈی بھی میرا ایک نمائندہ ہی تھا۔

اور شاہید تم تھیں نہ کرو کہ میری ہی وجہ سے اُس کی یہ حیثیت بنی تھی۔ لیکن پھر اُس نے اپنے

آپ کو کچھ سمجھنا شروع کر دیا۔ اور اس کے بعد اُسے سزا ملنما تو ضروری تھی۔ وہ مارا گیا۔ اس

تھے۔ ڈیوک نے وہ تینوں دروازوں کو وہ کسی آٹو میلنک سلم
کے تحت کھول رہا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ عمارت کیسی ہے؟ بیہاں اس عجیب و
غیریب شخص کے علاوہ کوئی نظر نہ آ رہا تھا، جو عمارت کے دروازے پر کھڑا ہوا تھا۔ تھوڑی دیر
کے بعد ڈیوک ان تینوں دروازوں سے گزر کر ایک چوتھے دروازے سے داخل ہوا۔ ہم
جہاں داخل ہوئے، وہاں ایک بہت وسیع ہال بنا ہوا تھا۔ اُس ہال کے چاروں طرف پانچ
دروازے تھے اور ہال کے درمیانی حصے میں عجیب و غریب ساخت کی مشین لگی ہوئی تھی۔ اُن
مشینوں میں بلب بلب پارک کر رہے تھے۔ اور یہ وہی آواز تھی جو مجھے باہر سنائی دی تھی۔

ڈیوک نے میری جانب دیکھا اور پھر مسکرا کر مجھے اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ ”آ جاؤ، آؤ
جو ہیں..... بیٹھو!“ اُس نے ایک طرف اشارہ کیا۔ ایک لمبے کے لئے میرے ذہن نے مجھے
کچھ احساس دلایا۔ میں نے اُس کری کو بغور دیکھا جس پر ڈیوک مجھے بیٹھنے کے لئے کہہ رہا
تھا۔ لیکن کری ٹھیک ٹھاک تھی۔ کوئی خاص بات نہیں تھی۔ ڈیوک مجھ سے کچھ فاصلے پر بیٹھا ہوا
تھا۔ جس جگہ میں بیٹھا ہوا تھا، وہاں میرے پیچھے ایک غیر شفاف شیشے کی سکرین لگی ہوئی تھی۔
ڈیوک نے ایک مٹن آن کیا اور اُس سکرین پر کچھ روشنیاں ہی نظر آنے لگیں۔ میں نے پلٹ
کر دیکھا اور ڈیوک نے بے ساختہ تھپک لگایا۔

اُس نے اپنے سامنے لگا ہوا مٹن آن کر دیا تھا۔ اور پھر وہ اپنی دراز پر جھک گیا۔ اُس
نے دوسرا مٹن دبایا اور دراز میں سے ایک شیٹ فورا نکل آئی۔ اُس شیٹ کو اٹھانے کے بعد
ڈیوک اُسے دیکھتا رہا۔ یہ فوٹو گراف محسوس ہوتا تھا۔ ڈیوک پر خیال انداز میں چند لمحے مسکراتا
رہا۔ پھر اُس نے وہ فوٹو گراف میرے سامنے کر دیا۔ اور اُب میری حالت قبل دید تھی۔
کیونکہ یہ میری اصل تصویر تھی۔ میک اپ کے بغیر.....

”کیا خیال ہے مسٹر.....؟ کیا یہ تمہاری صحیح شکل نہیں ہے؟“ ڈیوک نے سوال کیا۔ میں
نے بے اختیار اپنی جیبوں پر ہاتھ مارا۔ لیکن جیسیں خالی تھیں۔ پستول میں ساتھ نہیں لایا تھا۔
بہر صورت! میرے پورے بدن میں گرم لہریں دوڑ گئی تھیں۔ میں نے چند لمحے تصویر پر
نگاہیں جائے رکھیں۔ اور پھر ڈیوک کی جانب دیکھ کر مسکرا دیا۔

”ہاں..... کیا تم اسے اپنی تصویر تسلیم کرو گے؟“ اُس نے پوچھا۔

”یقیناً ڈیوک.....! بلاشبہ! یہ تمہارا حیرت ناک کارنامہ ہے۔“

”صرف یہی نہیں۔ اور بھی بہت سے۔ یہ جزیرہ تو تمہیں عجائبات کا جزیرہ نظر آئے گا۔“

کے بعد اُس کے بچوں کی باری آئی۔ میں پینڈی فلپ کو اُس جائیداد کا مالک بنانا چاہتا تھا۔
یہ میری طرف سے اُس کا انعام تھا۔
”اوہو..... اور اُس کا بیٹا شارٹی.....؟“

”شارٹی.....! ڈیوک نہیں پڑا۔ شارٹی کا کوئی وجود نہیں ہے۔ پینڈی فلپ ایک آزاد
عورت ہے۔ اور شادی کے جھنگھٹ کی قائل نہیں ہے۔ البتہ بچوں کا مسئلہ دوسرا ہے۔ اُس
کے کئی بچے ہیں۔“

”خوب ڈیوک! تمہارا تو پورا حلقة احباب ہی یہ ہے۔“

”ہاں..... یہی سمجھلو! میری نشوونما و سرے انداز میں ہوئی ہے۔ میری ماں نے تمہیں جو
کچھ بتایا تھا، اُس سے تم میرے بارے میں جان چکے ہو گے۔ لیکن بے غیرت انسان! تم
نے ایک بہت ہی برا کام کیا۔ تم نے میری ماں کو قتل کر دیا۔ حالانکہ وہ بہت ہی اچھی دوست
تھی اور بہت ہی اچھی انسان۔ میں ساری زندگی اُس کے لئے روتا ہوں گا۔“

”وہ مجھے قتل کرنا چاہتی تھی ڈیوک! اور نہ میں کبھی اُسے قتل نہ کرتا۔“

”خیر! چھوڑو ان باتوں کو۔ جو ہو چکا ہوتا ہے، ڈیوک اس کی کبھی پرواہ نہیں کرتا۔ ہاں!
تو میں تمہیں بتا رہا تھا کہ پینڈی فلپ کو وہ تمہارا جائیداد میں نے بخش دی تھی۔ ویرا اور اُس کا
بھائی گرائن میرے مقابل آکھڑے ہوئے تھے۔ بہر حال! وہ نئے نکلے تھے اور کہیں فرار ہو
گئے تھے۔ گرائن تو شاید مرکھ گیا تھا۔ لیکن دیرا کے لئے میں نے آئلدرے سے کہہ دیا تھا
کہ وہ اُسے گرفتار کر کے میرے سپرد کر کے۔ بہر صورت! وہ میرے پاس آگئی۔ اڑے ہاں!
میں تو بھول ہی گیا۔ وہ میرے حرم میں موجود ہے۔ اور کسی مناسب وقت پر وہ میری خلوتوں
کی زینت بھی بن جائے گی۔ لیکن تمہیں اُس سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے.....؟“

”کوئی خاص نہیں مشر.....!“

”پھر تم اُس کے پیچھے کیوں پڑ گئے.....؟“

”بس! اُس نے مجھ سے مدد کی درخواست کی تھی۔“

”وہ تمہیں کیسے جانتی تھی.....؟“

”اتفاقی طور پر۔ ایک جگہ مل گئی تھی۔“

”ہوں..... شاید آئلدرے نے مجھے یہ سمجھی بتایا تھا۔ اس کے بعد تم نے آئلدرے کو بتاہ د
بر باد کر دیا۔“

”ہاں ڈیوک.....! یہ تو کرنا ہی تھا۔“

”اور اس کے بعد تم میرے جزیرے تک پہنچ گئے۔“

”ظاہر ہے، پہنچنا ہی تھا۔“

”جزیرے تک پہنچنے کے لئے تم نے جو طریقہ اختیار کیا، بلاشبہ! وہ قابل داد ہے۔ اس
بات کا اعتراف میں بار بار کر رہا ہوں اور کرتا رہوں گا کہ تمہاری کارکردگی بے پناہ شاندار
ہے۔“

”میں ایک بار پھر تمہارا شکر یہ ادا کرتا ہوں ڈیوک.....!“

”تم جس انداز میں یہاں آئے اور جیسے پوشیدہ رہے، اُسے نظر انداز کرنا میرے بس کی
بات نہیں۔ ہاں! سمندری عمارت میں البتہ تم بے سی ہو گئے تھے۔ اور اگر مادام تمہاری مدد نہ
کرتیں تو شاید تم وہاں مارے ہی جاتے۔“

”ہاں ڈیوک.....! میں اس بات کا اعتراف کرنے میں کوئی جھگٹ محسوس نہیں کرتا۔“ میں
نے جواب دیا۔

”لیکن ایک بات بتاؤ دوست! تمہارا ذریعہ معاش کیا ہے؟ تم میرے راستے میں آ کر کیا
چاہتے تھے.....؟“

”ویرا کی واپسی۔“

”مگر اس سلسلے میں تم نے مجھ سے کوئی بات نہیں کی۔“

”میں تمہیں نقصان پہنچانا چاہتا تھا ڈیوک.....!“ میں نے جواب دیا۔

”وہ کیوں.....؟“

”یہ میرا شوق ہے کہ جب میں کسی سے دشمنی پر آمادہ ہوتا ہوں تو پھر مکمل طور پر اُس کا
دشمن بن جاتا ہوں۔“

”یہ تمہارے خطرناک ہونے کی دلیل ہے۔ اور تمہارا خطرناک ہونا ہی اس بات کی
نشاندہی کرتا ہے کہ کوئی اتنا خطرناک آدمی ہی ڈیوک کے منہ میں ہاتھ ڈال سکتا ہے۔ لیکن
اب تم کیا چاہتے ہو.....؟“

”میں.....؟“ میں نے تجھ سے کہا۔

”ہاں، تم.....!“ ڈیوک مسکا کر بولا۔

”لیکن میں تو یہاں اپنی مرضی سے نہیں آیا ڈیوک!“

”کب سے.....؟“

”کافی عرصے سے..... میں نے اُسے تلاش کر لیا ہے۔“

”تم جیسے آدمی سے کوئی بات بعید نہیں ہے۔ لیکن مجھے انہوں ہے میرے دوست! کتنے مشن میں ناکام رہو گے۔“

”ہاں ڈیوک.....! میں سمجھتا ہوں کہ تم اس جزیرے کے تھا مالک ہو۔ یہاں پر تمہاری حکومت چلتی ہے۔ لیکن میں نے کافی دنوں سے تمہیں پریشان کیا ہوا ہے۔ یہ میری صلاحیتوں تھیں۔ اب اگر تم ان مشینوں کا سہارا لے کر مجھے قتل کرنے کی کوشش کرو تو ہر صورت! یہ تو طے ہے کہ میں نہیں نفع سکتا۔ لیکن اگر ایک بہادر انسان کی حیثیت سے تم مجھے خود سے مقابلہ کرنے کی دعوت دو تو شاید میں اپنے مشن میں کامیاب ہو جاؤں۔“

”کیا چاہتے ہو.....؟“ ڈیوک نے پوچھا۔

”میں تم نے دو بد و مقابلہ کرنا چاہتا ہوں۔ اس وقت اس عمارت میں، میرا خیال ہے کہ ہم دنوں کے علاوہ کوئی نہیں ہے۔ تو ڈیوک! اگر ذہنی صلاحیتوں کے ساتھ جسمانی صلاحیتوں کے بھی مالک ہو تو میرے ساتھ مقابلہ کرو۔ اور مجھے بھی خود کو آزمائیں یعنے کا موقع دو۔“

اور پھر ایک چالاک گیڈڑ کی طرح ڈیوک بھی میرے چکر میں آگیا۔ اگر اسے اپنی قوت پہنچانے ہوتا تو حالات شاید بدل جاتے اور ڈن کین کی کہانی منجائے کہاں ختم ہو جاتی۔ لیکن یہ کہانی بڑھنا تھی اور اگر ڈیوک والقی اتنا تمہل مراجح ہوتا اور پر جوش نہ ہوتا تو پھر ڈن کین کا وجود اس دنیا میں نہ رہتا۔

میرے الفاظ نے ڈیوک کو کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا۔ پھر اس نے اُسی زم انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ ”ٹھیک کہتے ہو تم۔ تمہاری صلاحیتوں کا اعتراف کرتے ہوئے یہ بات مجھ پر بھی فرض ہو جاتی ہے کہ کم از کم تمہاری کچھ خواہشات کا احترام ضرور کیا جائے۔“

”لیکن.....؟“

”میں تم سے مقابلہ کروں گا۔“ ڈیوک نے جواب دیا۔

”ایک بات پوچھوں.....؟“

”ہاں..... پوچھو!“

”جسمانی مقابلہ کرو گے؟“

”ہاں..... جسمانی مقابلہ۔ ذہنی مقابلے میں تم کسی قدر رشکست کھا چکے ہو۔ لیکن میرے

”ہاں! میں تمہیں یہاں لایا ہوں۔ جانتے ہو، مجھے تم پر شہر کیسے ہوا.....؟“

”نہیں..... لیکن میں جانتا چاہتا ہوں۔“ میں نے جواب دیا۔

”جوین ایک کیسری ٹکر ہے۔ ایک معمولی سی ذہنیت کا آدمی۔ میں جانتا ہوں کہ اُس کی ذہنی وسعت کہاں تک ہے؟ کل میں نے اُس کا میک اپ بھی دیکھا تھا۔ لیکن اُس وقت وہ شاید جوین ہی تھا۔ اس کے بعد تم نے اُس پر قابو پایا۔ لیکن اُس وقت تم کہاں تھے.....؟“ ڈیوک نے سوال کیا۔

”ایک ملازم کے روپ میں۔“

”مگر میں نے تو تمام ملازموں کو چیک کرایا تھا۔“

”ہاں..... جوین مجھے بھول گیا تھا۔“

”اُس وقت تم کہاں تھے؟“ ڈیوک نے سوال کیا۔

”اپنے کوارٹر کی جھیت پر ایک درخت کی شاخ کی نیچے۔“

”خوب..... اس کے بعد تم نے جوین کو قتل کر دیا؟“

”ہاں.....!“ میں نے جواب دیا۔

”فلیگ کو بھی تم نے ہی قتل کیا ہو گا.....؟“

”ہاں.....!“

”لیکن فلیگ کو قتل کرنے کے بعد تم ویرا تک کیوں نہیں پہنچے.....؟“

”مجھے اس بارے میں کوئی معلومات نہیں تھیں کہ ویرا کہاں ہے.....؟“ میں نے اُس سے جھوٹ بولنا مناسب سمجھا۔

”اوہ، ٹھیک..... تو پھر اب تمہارا کیا خیال ہے؟“

”بس، یہی سوچا ہے کہ تمہیں قتل کر دوں اور ویرا کو لے کر یہاں سے نکل جاؤ۔ کیونکہ اس کے بعد ہینڈی فلپ کو بھی قتل کرنا ہے۔ اس کے بعد ویرا اور اُس کے بھائی گرائن کو ان کی جائیداد کا مالک بنادیا جائے گا۔“ میں نے جواب دیا۔

”بہت خوب..... بہت خوب..... مگر اس کا بھائی گرائن ہے کہاں؟ وہ تو مر چکا۔“

”نہیں..... گرائن میرے پاس ہے۔“

”تمہارے پاس.....؟“ ڈیوک نے تعجب سے پوچھا۔

”ہاں.....!“

دوسٹ! میں نے جو حیثیت حاصل کی ہے، وہ بھیک میں حاصل نہیں کی۔ میں نے اپنے آرڈیوک، بے حد شاندار نظر آ رہا تھا۔

کو اتنا مضبوط بنایا ہے کہ آج اس منصب پر فائز ہوں۔ اور اس منصب کو برقرار رکھنے کے لئے میں وہ سب کچھ کر سکتا ہوں جس کی توقع دوسرے لوگوں سے نہیں کی جاسکتی۔ چنانچہ فتح کے نشان کے طور پر کسی بلند جگہ لٹکوادینا۔ آؤ..... انھوں نہیں، نہیں۔ وہ تو میں تمہاری شاندار کارکردگی سے متاثر ہوں ڈیزیر! ورنہ البرٹ ڈن کین..... میں نے اپنے آپ کو مخاطب کیا۔ اس وقت بھی اگر تم فائدہ نہ اٹھا سکے تو تم پر لعنت ہے۔ اگر سیکرٹ پیلس کی تربیت تمہیں ایک آدمی سے مقابلے پر فاتح نہ کر سکی تو تمہارے سے کسی سے مقابلہ نہیں کرتا۔ کیونکہ اس کے دشمن اس قابل نہیں ہوتے کہ وہ براہ راست ان مر جانا ہی بہتر ہو گا..... میں نے دل ہی دل میں کہا۔

ڈیوک مجھے لے کر ایک ایسے ہال میں پہنچ گیا جو بالکل خالی تھا۔ تب اس نے اپنے دونوں ہاتھوں پر اٹھا دیئے اور کہنے لگا۔ ”تم چاہو تو میری تلاشی لے سکتے ہو۔ میرے پاس کوئی ہتھیار نہیں ہے۔ اور میں خود بھی یہی پسند کروں گا کہ تمہارا جسم ٹوٹ لیا جائے۔“

”بھیک ہے ڈیوک! لیکن اس تلاشی کے دوران کیا کسی مکاری سے بھی کام لیا جائے؟“

”نہیں..... ہرگز نہیں! ہم ایک دوسرے کو مکمل طور پر ہوشیار کرنے کے بعد مقابلہ کریں گے۔“ ڈیوک نے کہا۔

”تب میں بھی تمہاری بلند ظرفی کا اعتراف کروں گا ڈیوک!“ میں نے کہا اور ڈیوک نے دونوں ہاتھ بلند کر دیئے۔ میں نے ڈیوک کے کپڑوں کی تلاشی لی۔ لیکن اس دوران میں ہوشیار بھی رہا تھا کہ ڈیوک کی کسی بھی حرکت کو ناکام بنا سکوں۔ ڈیوک کی تلاشی لینے کے بعد میں نے خود بھی ہاتھ بلند کر دیئے۔

ڈیوک نے پورے اطمینان سے میری تلاشی لی اور پھر مسکراتا ہوا پیچھے ہٹ گیا۔ اس کی آنکھوں میں سکون لہریں لے رہا تھا۔ ”میں مطمئن ہوں۔ اور ہاں! تم جوین کا میک آپ انہار دو! اس کے علاوہ ایک اور بات بتا دو۔“

”کہو.....!“ میں نے سکون سے کہا۔ صورت حال ایسی تھی کہ ڈن کین پوری طرح جاگ آنکھا تھا۔ ڈن کین..... جس کی روگوں میں حقیقی خاندانی خون گردش کر رہا تھا اور جس نے لبا عرصہ ان حالات سے نہیں کے لئے تربیت حاصل کی تھی۔

”تمہاری موت کے بعد تمہاری لاش کہاں بھجوادی جائے.....؟“ ڈیوک نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے تمیض بھی انتار دی تھی۔ مضبوط اور توانا جسم کا مالک

میری نگاہیں چیتے کی طرح ڈیوک کا جائزہ لے رہی تھیں۔ اس کی ہر جنبش سے میں ہوشیار تھا۔ دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ کتنے پانی میں ہے۔ ڈیوک نے اپنے دونوں ہاتھ اطراف میں پھیلا دیئے۔ ایک پاؤں سیدھا کیا اور اچانک اس نے اپنی جگہ سے ایک اوپری جست لگائی۔ میں صرف اس کی حرکات دیکھ رہا تھا۔ ڈیوک کا خیال ہو گا کہ میں اس کی جست پر پینٹرا بدل لوں گا اور میرے انداز سے خوف کا اظہار ہو گا۔ لیکن اسے سخت مایوسی ہوئی۔ وہ اپنی جگہ سے اچھلا، دوبارہ اچھلا، تیسرا بار اچھلا۔ لیکن میں نے اپنی جگہ سے جنبش نہیں کی تھی۔ میں اس کی اچھل کو دیکھتا رہا۔ اور جب وہ چوتھی بار اچھلا تو میں نے محسوس کیا کہ اس کا

اس بات کی تعریف کئے بغیر نہ رہوں گا کہ اتنا خوبصورت مقابل مجھے پہلے نہیں ملا تھا۔ لانے میں بے حد مزہ آ رہا تھا۔ میں نے ابھی تک زیادہ تر ڈیوک کے واررو کے تھے۔ اپنی طرف سے کوئی کارروائی نہیں کی تھی۔ لیکن پھر میں نے ڈیوک کو طرح دی۔

ڈیوک اس بات کا منتظر تھا کہ میں اُس پر حملہ کروں۔ چنانچہ میں نے دونوں ہاتھ پھیلا کر اس انداز میں آگے بڑھا دیئے کہ میں اُس پر حملہ آور ہونا چاہتا ہوں۔ ڈیوک نے فوراً پیشتر ابدل۔ اُس نے ایک چکر لگا کر فضا میں جست لگائی اور دونوں ٹانگیں میری طرف اچھال دیں۔ لیکن میں تو صرف اُسے طرح دے رہا تھا۔ میں اُس کے نیچے سے دوسری جانب نکل گیا۔ پھر میں نے پہلا وار اُس کی گردان پر کیا۔

ڈیوک ایک دم سے بوکھلا گیا تھا۔ وہ دوڑتا ہوا سامنے والی دیوار سے جا کر بیک گیا۔ اُس نے دونوں ہاتھ دیوار پر نکائے اور پھر سانپ کی طرح پلٹ گیا۔ اب اُس کے چہرے کی مسکراہٹ کافور ہو گئی تھی۔ ایک بار پھر اُس نے کوش کی، لیکن میں نے اسے بھی ناکام بنا دیا۔ اور اس کے بعد ڈیوک بالکل میرے سامنے آ گیا۔ ”یوں لگتا ہے میری جان! کہ تمہارا استاد بھی خاصا ہوشیار تھا۔ میرا خیال ہے، جتنے دار ہم ایک دوسرے پر کرچکے ہیں، اس کے بعد ہمیں یہ اندازہ تو ہو گیا ہے کہ پھر تی میں ہم دونوں ایک دوسرے سے کم نہیں ہیں۔“ ”بالکل ٹھیک ڈیوک.....!“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”تو پھر آؤ! اب فاصلہ گھٹائیں۔“ وہ کسی چوڑے چلکے ڈیوکی مانند آگے بڑھتا ہوا بولا اور میں نے اُس کا یہ چلنگ بھی قول کر لیا۔ وہ آگے بڑھا اور میں نے اپنی ساری انگلیاں اُس کی انگلیوں میں پھنسا دیں اور ڈیوک کے ہونٹوں پر شیطانی مسکراہٹ پھیل گئی۔

دوسرے لمحے مجھے احساس ہوا کہ میری ساری انگلیاں ٹوٹ رہی ہیں۔ ڈیوک کی انگلیاں مجھے فولادی کڑیاں محسوس ہو رہی تھیں۔ اُسے ذرا بھی دقت نہیں ہوئی اور اُس نے اطمینان سے میرے دونوں ہاتھ موڑ دیئے اور پھر ایک گھنٹہ میرے پیٹ پر دے مارا..... مجھے خاصی تکلیف محسوس ہوئی تھی۔ لیکن ڈیوک نے میرے ہاتھ نہیں چھوڑے۔ اُسے اپنے ہاتھوں کی بے پناہ مضبوطی کا احساس تھا اور مجھے یقین تھا کہ دوسرے جھٹکے میں وہ میرے ہاتھ، کلاجیوں کے پاس سے توڑ سکتا تھا۔

پہنچا بہت ضروری تھا۔ میرے ہاتھ اُس کے چکر میں پھنس گئے تھے۔ اور اب میرے ذہن میں ایک اور خیال آ رہا تھا۔ یہ ہاتھ انسانی نہیں ہیں۔ کوئی گڑ بڑ ضرور ہے۔ اور اگر

بایاں پاؤں میرے چہرے کی جانب آ رہا ہے۔ اور یہی کام دکھانے کا وقت تھا۔ میں خود بھر اچھل پڑا۔ ڈیوک کے پاؤں کو اپنے پاؤں سے میں نے ایک طرف ٹھوکر مار دی۔ ڈیوک چونکہ ڈس میلش ہو گیا تھا اس لئے وہ اپنی سوت سے زین کی طرف گرا۔ اُس کا پاؤں اکھڑا چکا۔ لیکن اس وقت میں نے ایک حیرت انگیز منظر دیکھا۔

ڈیوک زین تک پہنچا۔ اُس نے ایک ہاتھ نکایا اور فضا میں فوراً قلا بازی کھا گیا۔ دوسرے لمحے وہ پھر کھڑا تھا۔ اور بلاشبہ! اس چستی اور پھرتی کا مظاہرہ اس سے قبل دیکھنے میں نہیں آیا تھا۔ ایک ہی ہاتھ پر پورے جسم کو اس طرح سنبھال کر کھڑے ہو جانا معمولی بات نہیں تھی۔ لیکن میں نے صرف اپنی جگہ سے چند قدم پیچھے ہٹنے پر اکتفا کیا تھا۔ ڈیوک کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ ”خوب..... بہت خوب! جانتے ہو، یہ فن کون سا ہے؟“

”شیر...“ میں نے جواب دیا۔

”ہراو..... اور یہ ن دنیا میں صرف ایک آدمی جاتا ہے۔“

”کون.....؟“ میں نے سوال کیا۔

”پوستا..... ایک معدود آدمی۔ جس کی دونوں ٹانگیں ٹوٹی ہوئی تھیں۔ اُسی لگڑے ماڑے نے مجھے یہ سکھایا تھا۔ لیکن تم نے اچھل کر جس طرح اسے خالی دیا، وہ قابل ستائش ہے۔ میں نے پسند کیا۔“ ڈیوک مصحتکہ خیز انداز میں بول رہا تھا اور میں خاموشی سے ہونٹ بھینچے اُس کے دوسرے جملے کا انتظار کر رہا تھا۔

ڈیوک نے ایک بار پھر اپنے دونوں ہاتھ فضا میں گھمائے اور ایک عجیب سی سنسناہٹ فضا میں پھیل گئی۔ اُس کے ہاتھ، فولادی کی چھریاں محسوس ہو رہے تھے۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے ہوا ان سے ٹکرا کر کٹ رہی ہو۔ جب ڈیوک ان ہاتھوں کو کسی بانے کی طرح گھما کر آگے لے آیا، ہاتھوں کی تیز آواز سے فضا میں سنسناہٹ گونج رہی تھی اور ڈیوک برق رفتاری سے میری طرف بڑھتا چلا آ رہا تھا.....

میں ڈیوک کی اچھل کو دیکھتا رہا۔ اور پیچھے ہٹ کر میں نے اُن فولادی چھریوں نما ہاتھوں سے نیچنے کی کوشش کی۔ ڈیوک یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اچانک کیا ہو جائے گا۔ میں ایک دم سے زین پر چلتا ہو رہا اور میرے پاؤں ڈیوک کے دونوں پیروں میں پھنس گئے۔ میں نے ڈیوک کو بل دیا اور ڈیوک نے پھر زین میں پکڑ لی۔ اس بار اُس نے اپنے دونوں ہاتھ یونچے لگائے اور اٹلی قلا بازی کھا کر کھڑا ہو گیا۔ زین چھونا تو اُس کا بدن جانتا ہی نہ تھا۔ میں

بلاشہ! اُس کے ہاتھ الیکٹرو مک تھے۔ ڈیوک پیچھے ہٹ گیا۔ اب اُس کے چہرے پر کسی تدر سر ایسیکی تھی۔ لیکن میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ڈیوک اس طرح بھاگ نکلے گا۔ اُس کے بازو غائب تھے۔ اُس نے ایک چھلانگ لگائی اور دروازے کے زد یک گرا۔ میں نے پیروں سے کسی کو اپنی بھرتی سے کام لیتے نہیں دیکھا تھا۔ اُس نے پیروں کے پیشوں سے دروازہ کھولا اور پاہر چھلانگ لگادی۔

دوسرے لمحے میں بھی دروازے سے باہر تھا۔ ڈیوک انتہائی بر ق رفتاری سے دوڑ رہا تھا۔ اور پھر وہ اُس بڑے ہال میں گھس گیا جہاں میں نے اُس سے پہلی ملاقات کی تھی۔ اُس نے دروازہ بھی اُسی پھرتی سے بند کیا تھا۔ ضرور وہ کوئی اور گڑ بڑ کرنے گیا ہے۔ لیکن..... لیکن اُب میں اُسے کوئی موقع نہیں دینا چاہتا تھا۔ میں دیوانے بھیڑیے کی طرح ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ مکانوں میں روشنداں نہیں ہونے چاہئیں۔ بعض اوقات یہ بے حد نقصان دہ ثابت ہوتے ہیں۔

مجھے بھی ایک چوڑا روشنداں نظر آیا تھا۔ اُس تک پہنچنا خاصا مشکل کام تھا۔ لیکن بہر حال! میں اُس روشنداں تک پہنچنے میں کامیاب ہو ہی گیا۔ وہیں سے میں نے ڈیوک کو دیکھا۔ وہ ایک الماری کے زرد یک لبٹا ہوا، الماری کو پیروں سے کھول رہا تھا۔ حیرت انگیز مشق تھی اُسے پیروں سے کام لینے کی!

اُس نے الماری کھولی اور جو نہیں وہ اُس کے پیشوں کی آڑ میں ہوا، میں بے آواز نیچے کو دکیا اور ایک چوڑی مشین کے پیچھے پناہ لی۔ ڈیوک کو میرے اندر کو د جانے کا اندازہ نہیں ہوا تھا۔ میں نے مشین کی آڑ سے دیکھا۔ اُس نے الماری سے ہاتھوں کا ایک جوڑا انکالتا تھا اور پھر پیچھے ہٹ کر وہ وہیں لیٹ گیا۔ اب وہ اپنے پیروں کو موڑ کر مصنوعی ہاتھ اپنے کندھوں کے ساتھ فٹ کر رہا تھا۔ اُسے اس میں کافی مشکل پیش آئی۔ لیکن وہ ایک ہاتھ فٹ کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ پھر اُس نے پیروں سے مصنوعی ہاتھ کا کوئی پیش دبایا اور ہاتھ جبکش کرنے لگا۔ ڈیوک کے حلقو سے خوشی کی چیخ نکل گئی تھی۔ جبکش کرنے والے ہاتھ کی مدد سے اُس نے دوسرا ہاتھ بہ آسانی فٹ کر لیا۔ اور اب وہ مطمئن نظر آ رہا تھا۔ پھر وہ ایک مشین کے پاس پہنچا جس کا فاصلہ اس جگہ سے زیادہ نہیں تھا، جہاں میں چھپا ہوا تھا۔ اُس نے مشین میں دو تین پنگ لگائے اور پھر اُس کے دوسرے سرے اپنے دنوں ہاتھوں میں لگے ہوئے سوچ میں لگائے۔ ہال میں ایک آواز گونجئے گی اور مشین پر ایک ڈائل کی سوئی زیر و سے ہٹ کر آہستہ

میرے ہاتھ اسی طرح اس کے ہاتھوں میں پھنسنے رہے تو مجھے نکلت ہو جائے گی..... ڈیوک اب بھی پر حادی تھا۔ اُس نے میرے ہاتھ پکڑے ہوئے تھے اور میرے بدن پر ضریبِ رہا تھا۔ میں مصیبت میں گرفتار تھا.....

لیکن پھر ایک بار مجھے موقع مل گیا۔ میں نے اس طرح ڈیوک کے ہاتھوں پر قوت صرز کی کہ اُسے اپنے حملے کو روک کر مجھے سنبھالنا پڑا۔ اور یہی میں چاہتا تھا۔ میں نے اُس کے ہاتھوں پر وزن ڈالا اور اپنے بدن کو عقب سے موڑ کر بائیں سمت سے ایڑی اُس کی کپٹی رسید کی۔

جو کپٹھے ہوا، بے اختیار ہوا تھا۔ ڈیوک کی گردن کافی زور سے مڑی اور بے اختیار اُس نے میرے دنوں ہاتھ چھوڑ کر خود کو گرنے سے بچایا۔ میں پیچھے ہٹ گیا۔ میں نے اپنی انگلیاں دیکھیں جو زخمی ہو گئیں تھیں اور ان کی کھال پھٹ گئی تھی۔ جگہ جگہ سے خون اُس رہا تھا۔ ڈیوک کی خوبصورت چکل اُب بدلت گئی تھی۔ اور وہ خونخوار نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔

ایک بار پھر اُس نے خوف ناک انداز میں میرے اوپر چھلانگ لگائی..... میری انگلیاں زخمی ہو گئی تھیں اور مجھے بھی غصہ آ گیا تھا۔ میں بھی تھوڑا ڈاں تھا۔ چنانچہ میں ایک دم زمین چلت گرا اور دنوں پیروں کی ٹھوڑی پر ماری۔ ڈیوک بری طرح اچھل کر گرا تھا۔ میں سیدھا ہوا اور اچھل کر اُس پر جا گرا۔

ڈیوک نے دنوں ہاتھوں سے میری گردن گرفت میں لینے کی کوشش کی تھی۔ لیکن اُب میں اُس کے ہاتھوں سے نیچے رہا تھا۔ میں نے اُس کی بائیں پسلی میں ایک ٹھوکر ماری۔ ڈیوک کے حلقو سے کراہ نکل گئی۔ تھوڑی ہی دیر بعد ہم اخلاق و آداب بھول گئے۔ اُب کمرے میں صرف دو درندے لٹڑ رہے تھے، زندگی اور موت کی جنگ..... ڈیوک زیادہ اپنے ہاتھوں سے کام لینا چاہتا تھا۔ لیکن میں ان سے ہی زیادہ نیچے رہا تھا۔

ایک بار میں دیوار سے ٹک گیا۔ ڈیوک مجھے پر چھایا ہوا تھا۔ اُس نے دنوں ہاتھ سیدھے کئے اور پوری قوت سے میرے بدن پر مارے۔ لیکن میں نیچے پھسل گیا تھا۔ اُن کے دنوں ہاتھ، پھر میلی دیوار میں کہنیوں تک گھس گئے اور ڈیوک پھنس گیا۔ میں اُس کے نیچے سے نکل آیا تھا۔ ڈیوک نے پوری قوت سے ہاتھ کھینچنے اور اچانک اُن کے ہاتھوں سے چنگاریاں سی پھوٹ نکلیں۔ اُس کے دنوں ہاتھ، بازوؤں سے نکل کر دیا۔ میں پھنسنے رکے تھے اور ان سے چنگاریاں نکل رہی تھیں۔

گو، چوڑا سافر ق ضرور تھا۔ لیکن یہ اندازہ گہری نگاہ سے دیکھنے کے بعد ہی ہو سکتا تھا کہ میں ڈیوک نہیں ہوں۔ میں نے لباس تبدیل کر لیا۔ اور پھر ایک چوڑے چھپے والا فلیٹ ہیٹ نکالا۔ اس وقت اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں تھا۔ میں نے فلیٹ ہیٹ کا ایک گوشہ کافی حد تک پیچے جھکا لیا اور ڈیوک کی میرزی کی دراز سے ڈیوک کا ہاتھی دانت کا پستول نکال لیا۔ پستول اور کارتوسون کا پیکٹ میں نے اپنی جیب میں رکھا اور پھر باہر نکل آیا۔ میرے چہرے سے تکمیل اطمینان کا اظہار ہوا تھا۔ لیکن درحقیقت! میں اخطراب کا شکار تھا۔

جو جنی میں گیٹ سے باہر آیا تو باہر کھڑا ہوا تو یہ میک چوکیدار جھک گیا۔ لیکن میں بڑھتا چلا گیا تھا۔ میں نے اُس کی جانب توجہ بھی نہ دی تھی۔ ویسے مجھے یقین تھا کہ میں ڈیوک کی آواز بنا سکتا ہوں۔ اور اگر اُسی کی نقل کرنا چاہوں تو کوئی مشکل کام نہ ہو گا۔ بشرطیکہ میک آپ کا سامان مل سکے۔ بہر صورت! میں اُس جگہ تک پہنچ گیا جہاں یہیں کا پڑ کھڑا تھا۔

چند لمحوں کے بعد میں یہیں کا پڑ کے نزدیک پہنچ گیا۔ یہیں کا پڑ کے نزدیک کھڑا ہوا شخص میری طرف بڑھا۔ فلیٹ ہیٹ کا گوشہ اتنا بھکا ہوا تھا کہ وہ میرا چہرہ نہیں دیکھ سکا تھا۔ وہ میرے نزدیک پہنچ گیا۔ لیکن مجھے یقین تھا کہ ذرا سی گہری نگاہ ڈالنے کے بعد وہ مجھے بخوبی پہچان سکتا تھا۔ لیکن وہ آہستہ سے بولا۔ ”کیا حکم ہے ڈیوک.....؟“

”واپس چنان ہے۔“ میں نے ڈیوک کے لجھ میں کہا۔

”بہت بہتر.....!“ اُس نے جواب دیا۔ اور یہیں کا پڑ کی جانب بڑھ گیا۔ لیکن اُسی وقت میں نے اُس پر حملہ کر دیا۔ میرا ہاتھ اُس کی گردن پر پڑا تھا اور وہ اوندھے منہ جا گرا۔ اُب اُسے چھوڑنا مناسب نہیں تھا۔ چنانچہ میں نے دو شدید ٹھوکریں اُس کے چہرے پر رسید کیں اور وہ سیدھا ہو گیا۔ جس جگہ ہم لوگ موجود تھے، وہاں سے تھوڑے فاصلے پر ریت کے ٹیلے نظر آ رہے تھے۔ میں نے اُس کے بال پکڑے، اُسے گھسینا اور پھر اُسی حالت میں ریت کے ٹیلوں کے نزدیک پہنچ گیا۔ اُب اُس کے اندر زندگی یا موت تلاش کرنا تو بے سود تھا۔ چنانچہ میں نے اُسے پوری قوت سے ریت میں گھسینا شروع کر دیا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ وہ زندہ تھا یا مر چکا تھا۔ لیکن اگر وہ زندہ بھی ہو گا اور بے ہوش ہو گا، تب بھی اُس کی زندگی محال تھی۔ کیونکہ میں نے اُسے ریت میں دفن کر دیا تھا۔

اس کام سے فارغ ہو کر میں یہیں کا پڑ کے کاک پٹ میں جا بیٹھا۔ یہ مرحلہ بخیر و خوبی طے ہوا تھا۔ البرٹو کا ہوا، ڈیوک البرٹ بالآخر میرے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ اور فرانس کی ڈہری

آہستہ آگے بڑھ رہی تھی۔
یقیناً وہ اپنے ہاتھوں کو الیٹرک سے چارج کر رہا تھا۔ اور اچانک ہی میرے ذہن میں ایک خیال بجلی کی طرح کونڈ کیا۔ مصنوعی ہاتھوں والا یہ شخص اُب اور زیادہ خطرناک ثابت ہے سکتا تھا۔ مجھے خطرہ نہیں مول لیتا چاہئے۔ چنانچہ کوشش کر لینے میں کوئی حرج نہیں تھا۔

سوئی جس سرت رفتاری سے آگے بڑھ رہی تھی، اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ دیر لگے گہرے ڈیوک نے تھکے تھکے سے انداز میں آنکھیں بند کر لی تھیں۔ میں نے مشین کا اچھی طرح جائز لیا۔ دوسرا سے لمحے میں نے اپنی جگہ چوڑا دی اور بے آواز چلتا ڈیوک کے پیچے پیچ گیا۔ بھر جو صرف ایک لمحہ، میں نے وہ سورج پورا گھما دیا جس سے سوئی چنان شروع ہوئی تھی۔ دوسرا لمحے ڈیوک کی دھاڑ سے ہال گونج انٹھا تھا۔ سوئی تیزی سے سفر کرنے لگی اور ڈیوک دیوانہ دار پیچھے ہٹنے کی کوشش کرنے لگا۔ لیکن اُس کے ہاتھ مشین سے آزاد نہ ہو سکے۔ اور اگلے ہی لمحے ڈیوک کا چہرہ سیاہ ہونے لگا۔ اُسی ہر طبق سے اتنی لمبی کراہ نکلی تھی، جس کا تصور بھی نہیں کیا جائے سکتا تھا۔ کرب اُس کے چہرے پر محمد ہو گیا تھا۔ اور چند ہی لمحوں کے بعد اُس کا پورا بدل سیاہ ہو گیا تھا۔ ڈیوک البرٹ مر چکا تھا.....

میرے چہرے سے پیسہ بہہ رہا تھا۔ بالآخر میں نے ڈیوک البرٹ پر فتح حاصل کر لی۔ بھیڑیا مر چکا تھا۔ لیکن اُب..... اُب مجھے کیا کرنا چاہئے؟ یہاں سے نکلا..... میک اُپ کا سامان تو مل نہیں سکتا تھا۔ ورنہ ڈیوک البرٹ کے میک اُپ میں یہاں سے نکلا کہ کوشش کی جاتی۔ میں جانتا تھا کہ باہر صرف ایک آدمی ہے جو چوکیدار کی حیثیت رکھتا ہے۔ باہر دوسرا وہ تھا جو یہیں کا پڑ پانچ کی حیثیت سے موجود ہے۔ لیکن اُس آدمی کو دوکہ دیا ظاہر ہے، مشکل کام تھا۔ کیونکہ اُس کے ساتھ ایک لمبا سفر طے کرنا تھا۔ یہیں کا پڑ میں خود بھا اڑا سکتا تھا۔ لیکن صورت حال وہی تھی کہ کیا کرتا؟ چند ساعت میں سوچتا رہا۔ پھر میں نے اس عمارت کی تلاشی لینے کی خانی کہ کوئی نبی راہ سوچ جائے تو اس سے اچھی بات کیا ہو گی۔ میں عمارت کے مختلف حصوں میں گھومتا رہا۔ مجھے جس چیز کی تلاش تھی، وہ نہیں ملی۔ البتہ کپڑوں کی ایک الماری مل گئی۔ اُس میں ڈیوک کے مختلف لباس موجود تھے۔ بہت سارے فلیٹ ہیٹ تھے۔ اور ایسی ہی دوسری چیزیں..... بہر صورت! اس وقت اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں تھا کہ میں ڈیوک کا کوئی لباس پہن لوں۔

میں نے ایک ایسا لباس نکالا جو میرے بدن پر چست تھا۔ ڈیوک کے اور میرے جسم میں

حکومت میں نے ختم کر دی تھی۔
ہیلی کا پڑکی پرواز میں مجھے کوئی ڈشواری نہیں ہوئی۔ اور تھوڑی دیر کے بعد ہیلی کا پڑک، فنا پاس پہنچ گئی۔

”اے لے کر آؤ!“ میں نے کہا اور محافظ عورت نے گردن جھکا دی۔ میرا رُخ ہیلی کا پڑک کی طرف تھا۔ حالانکہ اس وقت حالات پوری طرح میرے قابو میں تھے۔ اگر میں چاہتا تو بہت سچھ کر سکتا تھا۔ لیکن میں نے ہیر و بنی کی کوشش نہیں کی اور دیرا کو لے کر ہیلی کا پڑک کے قریب پہنچ گیا۔ غلابرہے، ڈیوک کی موت کے بارے میں بہت جلد پتہ چل جائے گا۔ اور اس کے بعد حالات میں جور دے بدلتے ہو گا، وہ یہاں کے مظلوم لوگوں کی مد ہو گی۔.....
ویرا خاموشی سے ہیلی کا پڑک میں پہنچتی تھی۔ لیکن اُس کی خاموشی میں جتنے طوفان چھپے ہوئے تھے، میں جانتا تھا۔ ہیلی کا پڑک ایک بار پھر فضا میں بلند ہو گیا۔ اور اب اُس کا رُخ پیرس کی طرف تھا۔ راستے میں، میں نے اُس سے کوئی گفتگو نہیں کی۔

جس وقت میں پیرس کے ایک دور افراطہ علاقے میں اُتراتو تقریباً رات ہو چکی تھی۔ روشنیاں جگہاتی نظر آرہی تھیں جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ ہم بالکل غیر آباد علاقے میں نہیں اُترے ہیں۔ ویرا بھی خاموش تھی۔

میں نے ہیلی کا پڑک چھوڑ دیا اور اُسے اُترنے کے لئے سہارا دیا۔ ویرا بھی اُتر آئی تھی۔ اور پھر میں نے چہرے سے میک آپ اُتار دیا۔ ویرا چونکہ کر مجھے دیکھنے لگی تھی۔ پھر جب اُس نے میرا پھر دیکھا تو بے اختیار اچھل پڑی۔ ”مسڑ... مسڑ نہیں! آپ..... آپ.....؟“
”ہاں ویرا! میں نے اپنا وعدہ پورا کر دیا ہے۔ میں تمہیں البرٹ کے چنگل سے نکال لایا ہوں۔“

”آہ..... آہ! مسڑ نہیں..... آہ.....! کیا میں آزاد ہوں؟ کیا میں.....“ وہ مجھ سے لپٹ گئی۔ اور پھر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔

”میں نے تمہارے دشمن کو ہمیشہ کے لئے نیست و نابود کر دیا ہے ویرا! ڈیوک البرٹ، تمہارے خاندان کا دشمن تھا۔ اور اب اُس چوپیا کو بھی موت کے لحاظ اُترنا ہو گا جو تمہاری جائیداد پر قابل ہو گئی ہے۔“

”بیندی فلپ.....؟“ ویرا نے روتے ہوئے پوچھا۔

”ہاں.....!“

”مگر تم نے..... تم نے ڈیوک البرٹ کو.....“ وہ اب کافی حد تک سنبھل گئی تھی۔ اور ہم ہیلی کا پڑک سے دور نکل آئے تھے۔

ہیلی کا پڑک میں نے ڈیوک کی رہائش گاہ کے عقبی حصے میں اُتار دیا۔ ایک آدمی نزدیک پہنچ گیا تھا۔ لیکن میں نے اُس کی طرف کوئی توجہ نہیں دی اور ڈیوک کے کمرے کی جانب چل پڑا۔ میں دلی طور پر خواہ شند تھا کہ فلیگ کے کمرے میں جا کر میک آپ کرلوں۔ اس کے بعد آسانی تھی۔ پھر میں رہائش گاہ تک پہنچا ہی تھا کہ دو آدمی میرے قریب آگئے۔ یقیناً یہ ہی ڈیوک کے خاص خادموں میں سے ہوں گے۔ وہ ادب سے بھکھ اور پھر ان میں سے ایک نے کہا۔ ”کیا حکم ہے ڈیوک.....؟“

”ارے..... لیکن یہ..... ڈیوک.....“ دوسرا نے میری صورت دیکھ لی تھی۔ اور اس کے ساتھ ہی میں نے اُن دونوں کی گردنوں پر ہاتھ ڈال دیئے۔ اگلے ہی لمحے وہ دونوں کمرے کے اندر تھے۔ میں نے پستول نکال کر دو فائر کئے اور گولیوں نے اُس کے سروں کے چیڑھرے اڑا دیئے۔ دونوں دھڑکنے میں پر گر کر تڑپنے لگے تھے۔

میں اُن کے سر دھونے کا انتظار کرتا رہا۔ اور پھر باہر آ کر دروازے کو بند کر دیا۔ اب میرا رُخ فلیگ کی رہائش گاہ کی طرف تھا۔ فلیگ کی الماری سے میں نے میک آپ کا سامان نکالا اور اپنے چہرے کی مرمت کرنے لگا۔ آج میں نے ساری مہارت صرف کر دی تھی۔ آخری کام تھا، اس لئے میں کوئی کسر نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔

چنانچہ تیار ہو کر میں نے اپنا جائزہ لیا اور خود کو داد دینے کو دل چاہا۔ یہ یقین تھا کہ کوئی بھی مجھے پہچان نہیں سکتا۔ میں نہایت اطمینان سے باہر نکلا تھا۔ ایک بار پھر میں اپنی رہائش گاہ میں پہنچ گیا اور میں نے اندر پہنچ کر گھٹنی بجا دی۔

چند لمحوں کے بعد دو آدمی اندر آگئے۔ لیکن دروازے کے نزدیک پڑی لاشوں کو دیکھ کر وہ ایک دم ٹھٹھک گئے تھے۔ ”انہیں اٹھوا کر باہر پھینکو دا دا اور فرش صاف کر دوا!“ میں نے بھاری لمحے میں کہا اور دونوں جھک کر ایک لاش کو اٹھانے لگے۔ اُن کے باہر جانے کے بعد میں نے ایک طویل سانس لی تھی۔ پھر دوسری لاش بھی اٹھادی گئی۔ اور اس کے بعد میں پھر باہر آیا۔ اب میرا رُخ اس کمرے کی طرف تھا جہاں لڑکیاں موجود تھیں۔ ویرا کو تلاش کرنے میں بھلا کیا وقت پیش آ سکتی تھی؟ میں نے محافظ عورت کو اشارہ کیا اور وہ ادب سے میرے

”ہاں..... میں نے پیرس کو بھیشہ کے لئے ڈیوک کی چیزہ دستیوں سے نجات دلا۔ تہلکہ مج گیا۔ تمام اخبارات نے ڈیوک البرٹ کی موت کی تفصیل چھاپی تھی۔ درحقیقت! فرانس کی تاریخ میں تبدیلی آئی تھی۔ پانچویں روز میں نے مارک سے اجازت طلب کی۔ میں نے اس سے کہا کہ آب بھے مزید کچھ عرصے تک اس سے ڈور رہنا ہو گا۔ میں اس کے پاس واپس آؤں گا۔ پھر ہم یکجا زندگی گزاریں گے۔ میرا دوست مارک میرے لئے آبدیدہ ہو گیا تھا۔ لیکن وہی تو مجھے بہت کچھ کرنا تھا۔ میرے ذہن میں ایک آگ تھی۔ میں اس آگ کو سرد کرنا چاہتا تھا۔ اپنا کام کرنے کے بعد ہی میں زندگی کی کوئی ڈگر پکڑ سکتا تھا۔ ڈیوک کی موت کے ٹھیک آٹھویں دن میں، گرائی اور یاہینڈی فلپ کے پاس جا پہنچے۔ گرائی اور میں پولیس افسروں کے میک آپ میں تھے۔ ویرا کی شکل بھی بدی ہوئی تھی۔ بوڑھی ہینڈی فلپ کافی چالاک عورت معلوم ہوتی تھی۔

”لیکن کیوں..... آخر کیوں.....؟ انپکٹر جزل مجھ سے کیوں ملاقات کرنا چاہتے ہیں؟“

”کوئی اہم بات ہی ہو گی۔“
”اس نے بے چینی سے پوچھا۔

”لیکن میں اپنے وکیل کو طلب کرلوں۔ اس کے بعد.....“
”اس کی ضرورت نہیں ہے مادام ہینڈی! ہمیں اطلاع ملی ہے کہ آپ کے بیٹے شارٹی کا کوئی وجود نہیں ہے۔ اور یقیناً یہ اطلاع بھی آپ کے کانوں تک پہنچ گئی ہو گی کہ ڈیوک البرٹ کا انتقال ہو چکا ہے۔“

ہینڈی فلپ کا چہرہ سفید پڑ گیا تھا۔ پھر وہ لرزتی ہوئی آواز میں بولی۔ ”تو کیا تم لوگوں کو میری گرفتاری کا حکم ملا ہے.....؟“

”ہرگز نہیں۔ آپ ایک معزز خاتون ہیں۔ آئی جی آپ سے گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔“ میں نے کہا۔ تب وہ تیار ہو گئی اور تھوڑی دیر کے بعد ہم ایک جیپ میں جا رہے تھے۔ ہینڈی فلپ کے چہرے پر ہوایاں اڑ رہی تھیں۔ وہ بہت خوف زدہ نظر آ رہی تھی۔ ہم ایک لئی پہاڑی سڑک پر سفر کر رہے تھے۔ ”تم لوگ مجھے کہاں لے جا رہے ہو.....؟“ تھوڑی ہی دیر بعد اس نے پوچھا۔

”اوہ..... ہینڈی فلپ! میرا خیال ہے، اب تمہیں زندگی کے بوجھ سے آزاد ہو جانا چاہئے۔ تم نے ان لوگوں کو کافی پریشان کیا ہے۔ انہیں پہچانو! یہ روئیں شارپ گلینڈی خاندان کے آخری افراد ہیں، ویرا اور گرائی۔“ میں نے دونوں کامیک آپ اتنا دیا۔

”ہاں..... میں نے قتل کر دیا ہے۔“

”اوہ، کاش..... کاش! میرا بھائی بھی مجھے مل جاتا۔ آه! گرائی ہی مل جاتا۔“ وہ حسرہ مھرے لجھے میں بولی اور میں صرف مسکرا کر رہ گیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد ایک نیکی ہمیں سے مارک کی خفیہ رہائش گاہ کی جانب جا رہی تھی۔

مارک کے آدمی مجھے پہچانتے تھے۔ مارک اس وقت موجود نہیں تھا لیکن کھلیلی مج گئی۔ سب میرے سامنے مُوڈب تھے۔ ”مارک جہاں ہو، اسے طلب کرلو!“ میں نے کہا اور سب بھاگ دوڑ میں لگ گئے۔ تب میں نے مارک کے ایک آدمی سے پوچھا۔ ”گرائی کہاں ہے.....؟“

”موجود ہے جناب! لیکن پریشان اور افرادہ ہے۔“
”اُسے یہاں لے آؤ.....!“ میں نے کہا اور ویرا کے پاس پہنچ گیا۔ ویرا خوش بھی تھی اور غم زدہ بھی۔

”میں سوچ رہی ہوں، اگر تمہاری مہربانی سے میری جائیداد مجھے واپس مل بھی گئی تو..... میں کیا کروں گی.....؟“

”کیوں.....؟“

”میں تمہارہ کرتو کچھ بھی نہیں کر سکوں گی۔“

”اور اگر تمہارا بھائی تمہیں مل جائے تو.....؟“ میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔ وہا چونکہ کر مجھے دیکھنے لگی۔ پھر اٹھ کر میرے پیروں سے لپٹ گئی۔

”میرا یہ ایک کام اور کرو! میں ساری زندگی تمہاری غلام رہوں گی۔ میں..... میں..... وہ میرے پیروں سے آنکھیں رکڑنے لگی۔ لیکن میں نے جلدی سے اُسے اٹھایا۔ اُسی وقت گرائی اندر آگیا۔ ویرا نے اُسے نہیں دیکھا تھا۔ تب میں نے دونوں کو آئے سامنے کر دیا۔

..... اور اس کے بعد جو کچھ ہوا، اس کا تعلق خالص جذبات سے ہے اور اس کی تفصیل بے سود ہے۔ ہاں..... میرا دوست مارک جب میرے سامنے پہنچا تو اُسے بھی شاید اتنی ہی خوشی تھی جتنی ویرا کو گرائی کے مل جانے کی۔ ساری رات وہ مجھ سے ڈیوک کی موت کے بارے میں معلومات حاصل کرتا اور ناچترارہ۔

تین دن تک ڈیوک کی موت کا اکٹھاف نہیں ہوا۔ لیکن چوتھے دن پورے فرانس میں

"اور تم..... تم.....؟" وہ مردہ لجھے میں بولی۔

"میرے بارے میں جان کر کیا کرو گی؟ میرے خیال میں مرنے کے بعد بھی تمہارے کوئی مشغله تو ہونا ہی چاہئے۔ کم از کم میرے بارے میں یہی سوچتی رہنا۔" میں نے جو روک دی۔

"تو کیا تم مجھے قتل کر دے گے.....؟" اُس نے ہدیانی انداز میں کہا۔ لیکن میں نے جواب نہیں دیا۔

"آب تم اسٹرینگ سنجھا لو۔ آ جاؤ.....!" میں نے کہا اور اُسے کھینچ کر اسٹرینگ پڑا دیا۔ ویرا اور گرانِ جیپ سے اُتر گئے تھے۔ میں نے پوری وقت سے ایکسیلیٹر دبادیا۔ اسٹرینگ ایک انہائی گہری کھائی کی طرف کاٹ دیا۔ پھر میں نے کھائی کے کنارے پر چھلانگ لگادی اور ہینڈی فلپ کی جیپ، کھائی کی گہرائیوں تک ایک لکیری بناتی ہوئی اُڑھی۔

ہم تینوں نے ہینڈی فلپ کا انجم دیکھا اور واپس چل پڑے۔ گینڈی خاندان کو انہی خوشیاں واپس مل گئی تھیں۔ لیکن کین خاندان ابھی تک ماہی اور پستی میں ڈوبتا ہوا تھا۔ اس بات مجھے پسند نہیں تھی۔

☆.....☆.....☆

حالات مجھے اس بات کی اجازت نہیں دے رہے تھے کہ میں اس پروگرام پر عمل کروں جس کا تصویر میرے ذہن میں چیزوں کی مانند ریلنگٹار ہتا تھا۔ اور یہ تصویر میری سب سے بڑی کمزوری تھا۔ حالانکہ مجھے جیسے انسان کو خوابوں کی دنیا کا باشندہ نہیں ہوتا چاہئے تھا۔ میں تو عمل پر قادر تھا اور ہمیشہ عمل کرتا تھا۔
میں نے ڈیوک البرٹ کو ہمیشہ کے لئے فا کر دیا تھا۔ بعد میں اندازہ ہوا کہ خود فرانس حکومت اُس سے خوش نہیں تھی، لیکن اُس کے شیطانی جاں سے خوفزدہ تھی۔ ایک مشابی چیز تھی کہ ایک شخص نے پوری حکومت کو رعب میں لے رکھا تھا۔ اُس کی موت کی اطلاع عام ہوتے ہی حکومت کی پوری مشینزی حرکت میں آگئی۔ اور پھر کسی بھی اُس شخص کو نہیں چھوڑا گیا۔ جس کا ذرا سامنگی تعلق ڈیوک سے نکلا۔ بے شمار افراد، ڈیوک کے خون کے پیاسے تھے۔ ڈیوک کا خون تو انہیں نہ مل سکا۔ لیکن جہاں بھی انہیں انتقام لینے کا موقع ملا، انہوں نے انتقام ضرور لیا۔ اور یہ سب میری وجہ سے ہوا تھا۔ اگر میں حکومت پر ظاہر ہو جاتا تو شاید مجھے فرانس کا سب سے بڑا اعزاز دیا جاتا۔ میرا مجسمہ فرانس کے کسی خوب صورت چوک میں لگایا جاتا۔ لیکن میں ان چیزوں کا خواہش مند نہیں تھا۔ میرا اعزاز تو کچھ اور تھا۔ اور اب میں اس اعزاز کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ میں ان دنوں شدت سے سوچ رہا تھا کہ باقی کاموں سے پہلے میں وہ کام کروں جو مجھے پہلے کرنا چاہئے تھا۔ میں بھول جاؤں کہ میں کیا کر چکا ہوں؟ نئے سرے سے اپنے کام کا آغاز کروں۔ اور بالآخر میں نے ایک فیصلہ کر لیا۔ مارک وغیرہ کو میں نے اپنے اس فیصلے سے آگاہ کرنا ضروری نہیں سمجھا تھا۔ اور پھر میں نے خاموشی سے فرانس چھوڑ دیا۔

میں نے سوئزر لینڈ کا رخ کیا تھا۔ دراصل میں نے اپنے پروگرام میں تھوڑی سی تبدیلی کی تھی۔ اگر میں فن لینڈ میں کوئی کام کرتا تو خود تو نجع نکلتا لیکن کیسی فیملی کے لئے مشکلات پیدا ہو سکتی تھیں۔ لوگوں کو ان کا وقار بحال ہونے پر حیرت ہوتی اور وہ اس کا ذریعہ جانے کی

ننان نہ چھوڑو جو تمہاری نشاندہی کروے۔ کسی کو اپنا شریک راز نہ بناو۔ اگر ضرورت پڑے تو چند ایسے کرائے کے لوگوں کو تلاش کرو جو وقتی طور پر ساتھ دے سکیں۔ اور پھر انہیں بھول جاؤ۔

چنانچہ وقت مقررہ پر میں نے بُنک لوٹ لیا۔ جس قدر کرنی کا میں نے تعین کیا تھا، اس سے زیادہ ایک کوڑی بھی نہیں لی۔ حالانکہ بُنک میں بہت کچھ موجود تھا۔ لیکن دولت دیکھ کر حواس قابو میں رکھنا سب سے بڑی داشتمانی ہے۔ ان لوگوں کو بھی چکر میں پڑنا چاہئے جو اس سلسلے میں تفہیش کریں۔ کرنی کے تحیلے میرے ہوٹل میں منتقل ہو گئے، اور دولتے دن میرے ایجمنٹوں کے پاس۔ جہاں سے اسی روز انہیں دولتے بنکوں کے حوالے کر دیا گیا۔ اور اب میرے کوئی کام نہیں تھا۔ باقی ذمہ داری انہی لوگوں کی تھی جنہیں مسٹر گیناڑ نے پہلے ہی کمیشن ادا کر دیا تھا۔ چنانچہ میں نے فوری طور پر مسٹر گیناڑ والی حیثیت ختم کر دی اور استنبول کے ایک سیاح کی حیثیت سے ایک معمولی درجے کے ہوٹل میں منتقل ہو گیا۔ برلن میں رہ کر میں حالات کا جائزہ لینا چاہتا تھا۔

بُنک کے عظیم الشان ڈاکے کی خبریں تیسرے دن اخبارات میں شائع ہوئی تھیں۔ اور تبیجہ میری مرضی کے مطابق ہی تھا۔ اخبارات نے کسی ایسے گروہ کی نشاندہی کی تھی جو نہایت شاطر تھا۔ حالانکہ جتنی رقم بُنک سے اڑائی گئی تھی، اُس سے کہیں بڑی رقم بُنک کی ایسی جگہوں پر تھی جہاں بُنک رسائی آسان تھی۔ لیکن محفوظ رقم پر ہاتھ صاف کیا گیا تھا تاکہ فوری طور پر اس کی اطلاع نہ ہو سکے۔ چونکہ رقم ایک مخصوص حد میں اڑائی گئی تھی اس لئے انتظامیہ کا خیال تھا کہ ممکن ہے، اس میں خود بُنک کے ملازمین ملوث ہوں۔ اس لئے بُنکدار ذمہ دار لوگوں کو گرفتار کر لیا گیا تھا۔ میرے ہوتوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ میری پہلی کوشش کامیاب تھی۔ اور میں نے انتظامیہ کو بڑی طرح الجھادیا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ انتظامیہ آسانی سے اس مسئلے کو نہیں سمجھ سکتی۔ بہر حال! میری پوزیشن صاف تھی اور اب یہاں سے نکلنے کا مسئلہ تھا۔

لیکن اس کے لئے میں نے جدت سے کام لیا۔ ایک معمولی حیثیت کے سیاح کی حیثیت سے میں سوئزر لینڈ کے دارالحکومت برلن سے ویرونا چل پڑا۔ ویرونا ایک چھوٹا سا خوبصورت شہر تھا۔ شکل سپتار کی جیونیٹ کا شہر۔ یہ میں، میں نے ایک دن قیام کیا اور پھر وہاں سے میلان کی طرف روانہ ہو گیا۔ اور میلان کے بعد ڈنمارک کا سفر۔

سارا کام ایک سائنیفک اصول کے ساتھ ہوا تھا۔ اور یہی میری کامیابی کا راز تھا۔ کہیں

کوشش کرتے۔ اس طرح بات منظر عام پر بھی آسکتی تھی۔ مجھے چاہئے کہ میں کسی دولتے ملک میں واردات کروں اور پھر فن لینڈ جاؤ۔ سوئزر لینڈ میں، میں نے تقریباً ایک ماہ قیام کیا۔ ایک ہفتے کے اندر میں نے نیا پلان ترتیب دے لیا تھا۔ میں ایک بڑے تاجر کی ہیئت سے ایک ایسے ادارے کے منتظمین سے ملا جو کرنی منتقل کرانے کا کام کرتے تھے۔ میں نے اپنے بُنک کے کاغذات تیار کرنے تھے جن کی نقول انہیں پیش کر دی گئیں۔ سارے کام باقاعدگی سے ہوئے تھے جس میں گورنمنٹ آف سوئزر لینڈ کی منتظری بھی شامل تھی۔ یہ سب کچھ میں نے بڑی رقم خرچ کر کے کرایا تھا۔ اور دولت سے دنیا کا ہر کام آسان ہو جاتا ہے۔ یہ رقم میں نے ڈنمارک بھجوانے کا فیصلہ کیا تھا۔ اور ان سارے کاموں کے لئے جو دولت میں نے مہیا کی تھی، اس کے حصول کے لئے مجھے تاش کا سہارا لیا پڑا تھا۔

سوکھلوں میں، میں مسٹر گیناڑ کے نام سے مشہور تھا۔ چند لوگ میرے شناسا ہو گئے۔ دولتی طرف میں نے ڈنمارک کے بینکوں سے بھی خط و کتابت شروع کر دی تھی۔ اور وہاں مسٹر ہاکنز کے نام سے ایک بڑی رقم جمع کرنے کا معاملہ طے کیا تھا۔ میرا پروگرام ہمہ تھا کہ سوئزر لینڈ سے ڈنمارک جاؤ گا۔ اور پھر ڈنمارک سے یہ رقم فن لینڈ منتقل کر دی جائے گی۔ خاصاً لمبا چکر چلایا تھا۔ ممکن ہے، اپنے لئے میں یہ سب کچھ نہ کرتا۔ حد سے زیاد احتیاط نقصان دہ بھی ہوتی ہے۔ لیکن معاملہ کیں فیملی کا تھا۔ میں ان لوگوں کو محفوظ ہی رکنا چاہتا تھا۔

یہ خواہش ابتداء سے میرے ذل میں نہیں تھی۔ بُنک خیال آیا تھا۔ اور اس خیال میں ایک انوکھا پن تھا۔ میں ان لوگوں کو ان کا مقام واپس دلانا چاہتا تھا جنہوں نے میرے حقوق مجھ سے چھین لئے تھے۔ انوکھا انتقام تھا یہ۔ آنکھا انتقام تھا یہ۔ آنکھا انتقام تھا یہ۔ اس شاید اس سے انوکھی مثال مانا مشکل تھی۔ بہر حال! سارے مرافق طے ہو گئے۔ اور اب آخری مرحلہ رقم کے حصول کا تھا۔ اس کے لئے میں نے برلن کے سب سے بڑے بُنک کے ہیڈ آفس کا انتخاب کیا جو برلن کی مشہور سڑک مارک گا سے پر واقع تھا۔ میں نے اس سڑک کے ایک ہوٹل میں بُنک قیام کیا تھا اور بُنک میں مسٹر گیناڑ کے نام سے اکاؤنٹ میں کھلوا لیا تھا۔ اس طرح میں بُنک میں ہونے والی نقل و حرکت سے بخوبی واقف ہو گیا تھا۔ کام کرنے کے سلسلے میں، میں نے اپنے لئے چند اصولوں کا انتخاب کیا تھا۔ کام نہایت سکون سے کرو۔ اس کے لئے بڑے راستوں کا انتخاب نہ کرو۔ سیدھے سیدھے راستے اپناو۔ اور پھر ان راستوں پر ایسا کوئی

سب اُن کیا کیا دھرا تھا۔ میں کیا کر سکتا تھا؟
بہر حال! میں نے پہلی توجہ اپنی جائیداد پر دی تھی۔ بروکر ز کے ذریعے میں نے کافی لوگوں سے رابطہ قائم کیا جواب اس جائیداد کے مالک تھے۔ اور پھر میں نے پیغام بھجوایا کہ میں اس جائیداد کو خریدنا چاہتا ہوں۔ میرے بروکر نے مجھے جواب دیا کہ وہ لوگ اسے فروخت کرنے پر آمادہ نہیں ہیں۔

”انہیں وہ جائیداد فروخت کرنے میں کیا تامل ہے.....؟“ میں نے مسٹر گیراٹ سے پوچھا۔

”مسٹر جیوش اسے اپنی رہائش گاہ بنائے ہوئے ہیں۔ اور دوسری عمارت بھی اُن کے تصرف میں ہیں۔ لیکن جناب! آپ اسی عمارت کو کیوں خریدنا چاہتے ہیں؟ مجھے حکم دیجئے کہ میں آپ کے لئے شہر کے اعلیٰ ترین مقام پر رہائش کا بندوبست کر دوں۔“ میرے بروکر مسٹر گیراٹ نے کہا۔

”نہیں مسٹر گیراٹ..... مسٹر جیوش سے پوچھو! اگر وہ ان عمارتوں کو فروخت کرنا چاہتے ہیں تو جس رقم کا تعین وہ کرنا چاہیں، یہ کام ان کی مرضی سے ہو گا۔“

مسٹر جیوش ایک سیانے تاجر تھے۔ انہیں اس بات کی پرواہ نہیں تھی کہ کوئی اس جائیداد میں اتنی دلچسپی کیوں لے رہا ہے۔ انہوں نے مجھے سے ملاقات کی خواہش ظاہر کر دی۔ اور پھر اُن سے میری ملاقات اُسی شاندار عمارت میں ہوئی جس میں، میں نے آنکھ کھوئی تھی۔ مجھے اس عمارت کے درود یوار سے محبت تھی۔ میں اس وقت جذباتی ہو رہا تھا۔ اس لئے مجھے یوں لگا جیسے ان درود یوار کی خاموش نگاہوں میں، میرے لئے محبت ہو۔ انہیں بھی طلب ہو کہ میں واپس آ جاؤں۔

”گو، میں اس جائیداد کو فروخت کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا۔ لیکن اگر آپ اسے خریدنا ہیں چاہتے ہیں تو آپ کو میرے مسائل بھی منظر رکھنے ہوں گے۔“ مسٹر جیوش نے کہا۔

”آپ اس رقم کا تعین کریں جو آپ طلب کرنا چاہتے ہیں۔“ میں نے جواب دیا اور مسٹر جیوش نے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ انہوں نے اتنی رقم بتائی جس سے اس جیسی چار عمارتیں خریدی جاسکتی تھیں۔ اور میں نے منظوری دے دی۔ رقم ادا کر دی گئی اور مسٹر جیوش نے حسب وعدہ عمارت خالی کر دی۔ ایک ہفتہ میں یہ کام کمل ہو گیا۔ چنانچہ میں نے اپنی جائے پیدائش کو اپنے آبائی رنگ میں لانے کا، کام شروع کر دیا۔ اپنے اجداد کی تصاویر مہیا کیں جو

کوئی اُبھن پیش نہیں آئی تھی۔ میں ڈنمارک میں داخل ہو گیا۔ برلن چھوڑے ہوئے کمیٹر گزر چکے تھے اور اس دوران کے حالات سے میں لا علم تھا۔ مجھے کوئی اندازہ نہیں ہوا کہ اس کسوکس پولیس اس سلسلے میں کہاں تک پہنچی ہے۔ چنانچہ میں نے ڈنمارک کے سرحدی شہر اڈنرے میں قیام کیا۔ اینڈرسن کے اس شہر کی حیثیت بھی تاریخی تھی۔ دنیا بھر کے بچوں ایک بیرونی، بذریعہ اور فرکا درخت جیسی کہانیوں کا خالق اینڈرسن ہے اُس کے شہر نے، اُر کے وطن نے نفرت کے سوا کچھ نہیں دیا تھا۔ لیکن اینڈرسن کے اس شہر سے مجھے کوئی خام دلچسپی نہیں تھی۔ میں نے ایک دن وہاں قیام کرنے کے دوران ایک بھتے کے اخبار ادا دیکھے۔ لیکن کوئی خاص خبر نہیں ملی تھی۔

تب میں کوپن ہیگن پہنچا۔ جہاں سے مجھے واپس اپنے وطن فن لینڈ جانا تھا۔ کوپن ہیگن خوبصورت ترین شہر۔ جس کے بارے میں صرف میں نے سنا تھا، دیکھنے کا اتفاق بھی نہیں ہا تھا۔ مجھے بے حد پسند آیا۔ دو دن قیام کرنے کے بعد میں نے اپنا کام شروع کیا۔ میں اپنی اسی حیثیت سے اُن بُنکوں سے رابطہ قائم کیا جس کے ذریعے میں نے رقم یہاں ملکوں اپنے وطن فن لینڈ کے لئے پوری طرح تیار تھا۔ لیکن پھر تقدیر کی بات کروں گا۔ یہاں بھی مجھے کوئی وقت نہیں ہوئی اور پہنچا کہ میری رقم، میری ہدایات کے مطابق فن لینڈ کے بُنکوں میں منتقل کر دی گئی ہے۔ مقامی بُنکوں نے مجھے ہر تعاون کا یقین دلایا۔ لیکن اُب یہاں رکنا تو تھا نہیں۔ چنانچہ میں ڈن مورگن کی حیثیت سے واپس اپنے وطن روانہ ہو گیا۔ طویل عرصے کے بعد اپنی زمین پر قدم رکھا تھا۔ ذہن میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ لیکن یکرٹ پیلس کی تربیت نے مجھے تھل بھی سکھایا تھا۔ میں نے ایک شاندار ہوٹل میں قیام کیا۔ میرے اہم کاغذات، میرے پاس موجود تھے۔ اور دو دن میں نے سکون سے اپنے ان وطن میں، اجنبی کی حیثیت سے گزارے۔ میرے دل میں اپنے والدین کا خیال تھا اور میں نفرت و محبت کی عجیب سی کشمکش میں گرفتار ہو گیا تھا۔ حالات یاد آتے تو دل میں اُن لوگوں کے لئے نفرت کا جذبہ اُبھر آتا۔ لیکن پھر دل خود خود نرم ہو جاتا۔ بہر حال! میری نفرت اُن کے لئے خوشحال زندگی کی حامل تھی۔

تیرے دن میں میں نے اُن لوگوں کے حالات معلوم کئے۔ وہی کسپرسی کی زندگی..... وہ کشمکش..... کیمن خاندان کو اُب لوگ بھولتے جا رہے تھے۔ میرے والد ملازamt کرتے تھے۔ خاندان کے دوسرے لوگ بھی زندگی کے بوچھو کو گھیٹ رہے تھے۔ مجھے افسوس ہوا۔ لیکن:

تریمی پیدا ہو گئی تھی۔ میں عمارت کے ایک حصے سے آنے والوں کا جائزہ لے رہا تھا، جو ان کی نگاہوں سے پوشیدہ تھا۔ میرے والدہ تھیں، والدہ تھیں، چھا تھے اور وہ ووسٹرے لوگ تھے جن سے کبھی مجھے محبت تھی اور جن کے ساتھ میں نے زندگی کی ابتداء کی تھی۔ ایک طویل عرصے کے بعد میں انہیں دیکھ رہا تھا اور میرے دل میں جذبے رنگ بدل رہے تھے۔ مختلف رنگ..... جن میں کبھی نفرتِ جھلکتی، انتقامِ جھلکتا، دھواں سامحسوس ہوتا۔ پھر دل کی ایک دھڑکن کہتی، وہ باپ ہے، وہ ماں ہے، وہ پچا ہے۔ اور یہ سب ہارے ہوئے لوگ ہیں۔ ممکن ہے، انہیں احساسِ شکست ہو گیا ہو۔ ممکن ہے، وہ سوچ رہے ہوں کہ کبھی یہ شان و شوکت ان کی بھی تھی۔ اور آج وہ اپنے گھر میں مہمان بن کر آئے ہیں۔ ممکن ہے، ان کے دل غم کی شدت سے پھٹ گئے ہوں۔ انہیں ایک ایک بات یاد آ رہی ہو۔ لیکن وہ بے لس ہوں۔ اور ممکن ہے، ایسے وقت میں انہیں ڈن بھی یاد ہو۔ وہ نو خیز لکلی، جو پھول بننے کی آرزو لے کر آئی لیکن اُسے کانٹوں پر ڈال دیا گیا۔ اُس سے اُس کا حسنِ چھین لیا گیا۔ اُس کی شکل مخ کر دی گئی۔ اُسے پامال کر دیا گیا۔ ممکن ہے، ان کے دل اُس کے لئے رورہے ہوں۔ ممکن ہے، انہیں احساس ہو رہا ہو کہ وہ غاصب ہیں۔ خائن ہیں اور دل ہی دل میں وہ ان ساری کیفیات سے دوچار ہو رہے ہوں۔ ایسی شکل میں ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟

تب میرے اندر سے ایک بڑائی اُبھری۔ میں ان سب پر قادر ہوں۔ میں ان کے جذبات سے کھیل سکتا ہوں۔ اگر میں اپنے ملازموں سے کہوں کہ انہیں پوری عمارت کی سیر کرائیں، خوب خاطر مدارت کریں اور پھر دھکے دے کر نکال دیں، ان سے کہیں کہ یہ عمارت ان کی ملکیت تھی۔ انہیں اس ورنے کو حقدار کے سپرد کرنا چاہئے تھا۔ انہوں نے اسے کیوں کھویا؟ اور اب ان کا کیا حق ہے کہ وہ اس عمارت میں داخل ہوں۔ تو وہ خاموشی سے نکل جائیں گے۔ کچھ بھی نہیں کہیں گے۔ کیونکہ انہیں احساس ہو گا کہ جو کچھ ان سے کہا گیا ہے، مجھ سے۔

بے چارے لوگ..... وہ اپنے ہیں۔ برے ہیں۔ لیکن اپنے ہیں..... مجال ہے کسی کی کہ ان کے ساتھ یہ سلوک کرے۔ میں بھی یہ حق نہیں رکھتا۔ کیونکہ وہ میرے بزرگ ہیں۔ ہاں! جنپاٹی ہونے کی ضرورت نہیں ہے پوہی پروگرام ہونا چاہئے جو میں نے سوچا ہے۔ اور جس کے لئے میں نے انتظامات کئے ہیں۔ میں جو سب کچھ کر سکتا ہوں، اس لئے نہیں کروں گا کہ میں ان پر تقدیر ہوں۔ میں ان سے کھلیل سکتا ہوں۔ اور جب میں ان سے کھلیل سکتا ہوں

فرودخت ہو چکی تھیں۔ اور انہیں اُن کی جگہ واپس دے دی۔ سارے انتظامات مکمل کرنے کے بعد میں نے ایک گمنام شخص کی حیثیت سے اپنے سارے اہل خاندان کو دعوت نامے جاری کر دیئے۔ اُن میں میرے والد اور بیچا وغیرہ بھی شامل تھے۔ میں نے انہیں اپنے ساتھ طعام کی دعوت دی تھی اور عاجز انسان درخواست کی تھی کہ وہ میری اس دعوت کو قبول کر لیں۔ اور اُن لوگوں کی منظوری مل جانے سے مجھے دلی مسرت ہوئی تھی۔ میرا دل عجیب سے جذبات سے دھڑک رہا تھا۔ بالآخر وہ دن آگیا جس کی شام کو میرے ایک خون کی تکمیل ہونے والی تھی۔

سیکرت پلیس کی تربیت نے مجھے فولاد بنا دیا تھا۔ میرا ذہن شیطانی انداز میں سوچنے کا تھا۔ میرا دل پھر کی طرح سخت ہو گیا تھا۔ میرے اعصاب فولاد کی مانند ہو گئے تھے۔ میں دنیا کے کسی حادثے سے متاثر نہیں ہو سکتا تھا۔ میں سخت ترین حالات سے منٹے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ میں کسی بھی بات پر جذباتی نہیں ہو سکتا تھا۔ لیکن میرے خیال میں یہ ساری تربیت پیر و فی تھی۔ میرے اندر کا انسان اس تربیت سے زیادہ متاثر نہیں ہوا تھا اور میں اس انسان کو فراموش نہیں کر سکتا تھا۔ یہ خواہ اسی انسان کی تھی کہ میں اپنے طن جاؤں اور اپنے خاندان کی کھوئی ہوئی ساکھ کو بحال کروں۔ اور جب میں نے اُن سب کو خیر باد کہہ دیا تھا، اُن کے افعال سے نفرت کا اظہار کر کے خاندانی روایات کو پامال کرنے پر آمادہ ہو گیا تھا اور انہی خواہشات کی تکمیل کے لئے ایک سخت عمل سے گزر چکا تھا، تو مجھے سب کو بھول جانا چاہے تھا۔ میں اُن کے بارے میں کیوں سوچتا جنہوں نے مجھے گمانی کے گڑھے میں دھکیل دیا تھا؟ لیکن نفرت، ان لوگوں کے طرز عمل سے بغاوت نے مجھے انتقام کے ایک انوکھے راستے پر ڈال دیا تھا۔ اور انتقام کے اس جذبے کے پیچھے اگر جھانکا جاسکتا تو انسان کی کمزوری نمایاں ہو جاتی۔ وہ نظر آنے لگتا جو اندر چھا ہوا تھا۔

اور اس وقت وہ بالکل سامنے تھا۔ اگر سامنے نہ ہوتا تو یہ جذبہ کہاں سے اُبھرتا؟ مسٹر جیوش نے ہماری قدیم رہائش گاہ میں تبدیلیاں کرائی تھیں اور خاصی لکش تھیں۔ لیکن میں نے ان سب کو ختم کر کے اس رہائش گاہ کو اس کی پرانی حیثیت دی تھی۔ یہاں تک کہ میں نے اپنے اجداد کی تصاویر کی تلاش کرانے میں بے تحاشہ دولت خرچ کی تھی۔ انہیں فرش کرایا اور اس کوٹھی کو اس نے اصلی حیثیت دے کر اتنا مسرور ہوا تھا کہ یہاں نہیں کر سکتا۔ پھر جب ”آنے والے“ تھے، جن سے میں نہماں غرفت کرتا تھا تو میرے دل کی دھرم کنوں میں بے

تو مجھے ان سے نہیں کھلیتا چاہئے۔

براہی کی آواز آخری تھی۔ میرے سینے کام و جزر سرد پڑ گیا۔ اور میرے اندر سکون پھیل گیا۔ میں نے اپنے ملازموں کو ہدایت کر دی تھی اور خود بھی اپنے چہرے پر ایک ملازم کا میک آپ کر لیا تھا۔ میرالباس بھی ملازموں جیسا تھا۔

یوں میں اپنی جگہ سے نکلا اور ان کے سامنے پہنچ گیا۔ میرے والد اور اہل خاندان کے چہرے زرد ہو رہے تھے۔ بیت ہوئی کہانیاں ان کی نگاہوں میں رقصان تھیں۔ یادوں کی ذہن لائیں ان کے سارے وجود پر چھائی ہوئی تھیں اور وہ ملوں تھے۔ لیکن اپنے میزانوں کی خوشی کے لئے خود کو خود دکھانے کی کوشش میں مصروف تھے۔

”اپنے آقا کی جانب سے میں آپ کو خوش آمدید کہتا ہوں۔“ میں نے گردن خم کر کے آواز بدل کر کہا۔ اور اداس نگاہیں میری طرف اٹھ گئیں۔

میرے والد نے خود کو سنبھالتے ہوئے کہا۔ ”لیکن تمہارے آقا کہاں ہیں؟ کیا وہ ہم سے ملاقات نہیں کریں گے؟“

”یقیناً! لیکن اچاک انبیں کوئی ضروری کام پیش آگیا ہے۔ اور وہ تھوڑی دیر کے لئے چلے گئے ہیں۔ میں ان کے قائم مقام کی حیثیت سے موجود ہوں۔ آئیے! میں آپ کو اس عمارت کی سیر کراؤ۔ اس وقت تک میرے آقا والپس آجائیں گے۔“

میرے والد نے کوئی جواب نہیں دیا۔ جذبات کی پر چھائیاں ان کے چہرے پر رقصان تھیں۔ ان کی آنکھوں سے اظہار ہو رہا تھا کہ وہ میرے ان الفاظ سے رنجیدہ ہیں۔ ظاہر ہے، میں اس عمارت کو انبیں دکھانے کی پیشکش کر رہا تھا جو کبھی ان کی اپنی ملکیت تھی۔ وہ خاندان کے دوسرے لوگوں سے آنکھیں چار نہیں کر پا رہے تھے اور گردن جھکائے ہوئے تھے۔ میں ان ساری باتوں کو محسوس کر رہا تھا۔ لیکن میں جذبات سے دور ہی رہنا چاہتا تھا۔

”تشریف لائیے جتاب.....!“ میں نے کہا اور والد صاحب بادلِ خواستہ میرے ساتھ چل پڑے۔ جب انہوں نے قدم آگے بڑھائے تو دوسرے لوگوں نے بھی ان کی تقیید کی۔ میں نے ایک گائیڈ کی حیثیت اختیار کر لی تھی۔ چند ہی قدم چلنے کے بعد میرے پچانے مجھے مخاطب کیا۔

”سنو.....! تمہارا نام کیا ہے؟“

”آپ مجھے اپنے خادم کی حیثیت سے یاد کر سکتے ہیں۔ ظاہر ہے، میرے آقا کے مہماں“

میرے لئے اپنے آقا کی مانند محترم ہیں۔ اس مناسبت سے آپ مجھے خادم کہہ سکتے ہیں۔“

”تم اس عمارت میں کب سے ہو؟“ پوچھا نے پوچھا۔

”عرضہ دراز سے اس عمارت سے میرا تعقل ہے جتاب!“ میں نے گول مول جواب

دیا۔

”کیا یہاں دوسرے مہماں بھی آنے والے ہیں؟“

”بھی نہیں..... ہرگز نہیں۔“

”لیکن مسٹر جیوش نے ہمیں گنام دعوت نامہ کیوں ارسال کیا تھا؟ بے شک! ہماری ان سے ملاقات نہیں ہے لیکن ہم انہیں جانتے تو ہیں۔“

”اوہ..... اس عمارت کے مالک اب مسٹر جیوش نہیں ہیں۔ میرے آقا نے منہ مانگی قیمت ادا کر کے اسے مسٹر جیوش سے خرید لیا ہے۔“ میں نے جواب دیا۔

اس بات پر میرے والد صاحب اور دوسرے لوگ جیران رہ گئے۔ چند ساعت خاموشی رہی۔ پھر پوچھا ہی بولے۔ ”تمہارے آقا کا کیا نام ہے.....؟“

”کچھ دیر تو قف فرمائیے! وہ پہنچنے والے ہوں گے۔ پھر وہ آپ سے اپنا تفصیلی تعارف کرائیں گے۔“

”عجیب بات ہے۔ ویسے ہم نے اس سودے کے بارے میں کوئی بات نہیں سنی تھی۔“

تامہم یا اس قدر اہم بات نہیں تھی کہ اس کے تذکرے ہوتے۔ ان عمارتوں کی قدر و قیمت اب گنائی میں جا پڑی ہے۔ اب انہیں کوئی خریدے، کوئی فروخت کرے۔ لیکن مجھے تمہارے آقا کے بارے میں جانشی کا بے حد تجسس ہے۔“

”اُن کے بارے میں ضروری باتیں آپ مجھ سے پوچھ سکتے ہیں۔“ میں نے کہا۔

”ہم نے ساختا، اس عمارت میں مسٹر جیوش نے کافی تبدیلیاں کرالی ہیں۔ لیکن یوں لگتا ہے جیسے یہاں تو کوئی تبدیلی ہی نہیں ہوئی ہے۔“

”اوہ..... یہ بات نہیں ہے جتاب! آئیے..... میں آپ کو بتاؤں، یہاں کیا کیا تبدیلیاں ہو چکی ہیں۔“ اُس نے کہا۔ اور پھر میں ان لوگوں کو وہ ساری تبدیلیاں دکھاتا پھر اجو مسٹر جیوش نے یہاں کرائی تھیں۔ لیکن میرے آقا کا عجیب مراجح ہے۔ حالانکہ عمارت کے بعض حصے پہلے سے کافی خوبصورت ہو گئے تھے۔ لیکن میرے آقا نے ان سب تبدیلیوں کو منہدم کر دیا اور عمارت کو پہلی حالت میں لے آئے۔ اس کی آرائش کے لئے انہیوں نے مجھے

”آپ مجھے اپنے خادم کی حیثیت سے یاد کر سکتے ہیں۔ ظاہر ہے، میرے آقا کے مہماں“

کہاں کہاں گھوم پھر کر کچھ تصاویر حاصل کیں۔ کبڑیوں نے ان تصاویر کی منہ مانگی قیمت وصول کیں۔ پھر کئی مصور اس عمارت میں آ کر ان تصویروں پر رنگ آمیزی کرتے رہے اور انہیں نیا کر دیا گیا۔ نہ جانے ان تصویروں کے لئے میرے آقا اس قدر جذباتی کیں تھے.....“

”میرے دوست..... میرے محض! آخر تھارا آتا کون ہے؟ وہ کہاں ہے.....؟ اور کیا تم بتاسکتے ہو کہ یہ تصویریں کہاں سے آئیں؟ کیا تم اس تصویر کو دیکھ کر اندازہ نہیں لگاسکتے کہ یہ کس کی ہے.....؟“

میں خود بھی جذباتی ہو رہا تھا۔ میرا دل چاہ رہا تھا کہ والد صاحب کا دامن پکڑ کر شکایات کے دفتر کھول دوں۔ اُن سے سب کچھ کہہ ڈالوں جو دل میں ہے۔ لیکن زندگی کے وہ سال کوں لوٹا سکتا تھا جو رہا بننے میں صرف کے تھے؟ میری اچھائی نے، میری نیک نفسی نے میرے خاندان کی حیثیت جھین لی تھی اور مجھے لگیوں میں لا ڈالا تھا۔ لیکن میری برائی، میرے خاندان کو اس کی حیثیت واپس دلانے کا باعث بنی تھی۔ پھر میں کے محض سمجھوں؟ نیکی کو یا بدی کو.....؟ اور اگر میں ان پر ظاہر ہو جاتا تو تلافی کی بات ہوتی۔ مجھے میرے راستوں سے روک لیا جاتا۔ میری زندگی کے ان بدترین سالوں کو کوئی واپس نہیں کر سکتا تھا۔ پھر میں نیکیوں کے پہاڑیوں ڈھاؤں؟ تھوڑی سی بے رحمی زندگی میں شامل ہو تو سکون رہتا ہے۔ چنانچہ میں نے خود کو سنبھالا۔ جذبات کو ذہن سے جھٹکا اور چہرے پر حرمت کے آثار پیدا کر کے بولے۔

”ارے..... یہ تو بالکل آپ کی تصویر ہے۔“

”ہاں..... اور کیا تم اس تصویر کو پہچانتے ہو؟“ میرے پچانے مداخلت کی۔

”واہ..... میں اسے نہ پہچانوں گا؟ یہ میرے آقا ہیں۔“ میں نے جواب دیا اور میری ماں پلک پلک کر دی۔

”کہاں ہے میرا بچہ.....؟ کہاں ہے وہ.....؟ آہ! میرا ڈلن کب آئے گا؟“

”میں کچھ بھی نہیں سمجھا جناب.....؟“ میں نے والد صاحب سے کہا۔

”میرے دوست! تمہیں معلوم ہے یہ کس خاندان کی تصاویر ہیں؟“

”شاید کہیں خاندان کی۔ میرے آقانے بھی بتایا تھا۔“ میں نے جواب دیا۔

”اور کہیں خاندان تمہارے سامنے موجود ہے۔ ہاں! وہ خاندان..... جو اپنی حیثیت کھو بیجا تھا۔“

تعجب ہے۔ لیکن وہ تصاویر کہاں ہیں.....؟“ والد صاحب نے پوچھا۔

”umarat کے اندر ورنی حصے میں تصاویر کی ایک گلیری ہے۔ وہاں وہ تصاویر آویزاں ہیں۔“ میں نے جواب دیا اور والد صاحب کے چہرے پر اضطراب کے آثار پھیل گئے۔ آبائی گلیری تھی اور یہاں ہمارے خاندان کی آب وتاب نظر آتی تھی۔

میں آہستہ آہستہ اُن لوگوں کو گلیری میں لے گیا۔ اور پھر اُس خوبصورت گلیری سے سب اندر پہنچ گئے۔ سب ہی ٹھہڑک گئے تھے..... سب کے چہرے آگ کی طرح سرخ گئے تھے..... وہ سب اپنی تصاویر پہچان گئے۔ گلیری میں حسب معمول چند تصاویر پر پرد پڑے ہوئے تھے۔ یہ تصاویر موجودہ سربراہوں کی ہوتی تھیں۔ اور اُن پر سے پرده اس وقت ہٹایا جاتا تھا، جب سربراہ اپنے فرض سے سکدوش ہو کر اپنی ذمہ داری اپنے جانشین کے پر کر دیتا تھا۔

پریشان حال لوگ شش در کھڑے تھے اور میرے ذہن میں آندھیاں چل رہی تھیں۔ میں اس تاثر کو کوئی نام نہیں دے سکتا تھا۔ نہ جانے میری اندر ورنی کیفیت کیا تھی؟ محرمنی؟ احساس..... حصول کی خوشی..... مجھے کا تصویر یکجا ہو گئے تھے۔

پھر گھٹی گھٹی آوازیں اُبھریں۔ بے چین نگاہوں سے میری طرف دیکھا گیا۔ اور وہ میرے والد صاحب نے آگے بڑھنے کی جرات کی۔ اُن کی بیجانی کیفیت دیکھنے کے قابل تھی۔ چنانچہ انہوں نے پہلی تصویر سے پرده ہٹا دیا..... یہ خود اُن کی تصویر تھی۔ نہایت حسٹ تھی۔ جو میں نے ہوا کی تھی۔ وہ اُسے دیکھتے رہے۔ پھر اُن کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

”کاش..... کاش! میں یہ تصویر یہاں سے ہٹوا سکتا۔“ وہ بولے۔

”لیکن یہ تصویر کہاں سے آئی.....؟“ پچانے کہا۔

”اور یہ دوسرا تصویر.....؟“ میری چچی بولیں۔

”ارے ہاں..... اسے تو دیکھو!“ چچا نے کہا۔ اور پھر انہوں نے آگے بڑھ کر دوڑھا تصویر سے پرده ہٹا دیا۔ اس بار میرے خاندان کے لوگ اپنی چھینیں نہ روک سکے۔ کیونکہ

"تو کیا میرے آقا کا خاندان بھی بھی ہے.....؟"
"ہاں..... وہ میرا بیٹا ڈن ہے۔"

"آہ..... بھی نام تو ہے میرے آقا کا۔ لیکن مجھے حیرت ہے جناب! یہ ساری کہانی اوری سمجھ میں آ رہی ہے۔ بلاشبہ! میرا آقا بے حد پر اسرار ہے۔ اس نے یہاں کیں خاندان کی ساری جائیداد خرید لی ہے۔ اور جو اس کے مالک تھے، انہیں اس جائیداد کی مندرجہ قیمت ادا کی ہے۔ انہوں نے اس جائیداد کو کیں خاندان کے نام سے ہی واپس خریدا ہے اور ان عمارتوں میں کی جانے والی تبدیلیوں کو خواہ وہ لکنی ہی قیمتی کیوں نہ تھیں، ملیا میٹ کر لیا ہے۔ وہ جائیداد کو اس کا اصل رنگ دینے میں بے حد جذباتی نظر آتے تھے۔ پھر انہوں نے تصاویر حاصل کیں اور انہیں بڑی چاہ سے آؤزیں کرایا۔ لیکن چند باتیں میری سمجھ میں نہیں۔ کیا مجھے پوچھنے کی اجازت ہے.....؟"

"پوچھو!.....!" والد صاحب، بھرائی آواز میں بولے۔

"جائیداد اس خاندان کے ہاتھوں سے کیے تھے.....؟"

"آہ..... میں اس کا جواب نہیں دے سکتا۔ میں اپنی اولاد کا مجرم ہوں۔ اور یہ جائیداد حاصل کرنے کے بعد وہ حق بجانب ہے کہ ہمیں یہاں بلائے، ذیل کرے اور یہاں نکال دے۔ بلاشبہ! اس نے، وہ سب کچھ تھا کیا ہے، جو پورے خاندان نے پشت ہاپٹ میں کیا تھا۔ بلا و آسے! مبارکباد دیں گے۔ اور پھر اس سے درخواست کریں گے کہ ہمیں ہمارے کئے کی سزادے۔" والد صاحب کی آنکھوں سے آنسو بہرہ ہے تھے۔ سب آبدی تھے۔

"میں اون کا منتظر ہوں جناب! وہ یقیناً آنے والے ہوں گے۔ اور مجھے اپنے آقا کے بارے میں یقین ہے کہ وہ کم ظرف نہیں ہیں۔ وہ اس طرح آپ سے انتقام نہ لیں گے۔"

"اُسے لینا چاہئے..... اُسے لینا ہوگا۔"

"مجھے افسوس ہے کہ یہ غم ناک فضا پیدا ہو گئی۔ براہ کرم! چند ساعت کے لئے اس عجھ کے ماحول سے نکل کر کسی مشروب کا دور ہو جائے۔ میری التجا قبول کریں۔" میں انہیں اپنا بڑی نشست گاہ میں لے آیا۔ یہاں م Lazموں نے ایک تقویت بخش مشروب سرو کیا۔ اور انہیں ان افرادہ لوگوں کے درمیان بیٹھ گیا۔

جب وہ مشروب سے فارغ ہو گئے تو میں اس طرح چونک پڑا جیسے مجھے کچھ یاد آگیا۔"

میں جلدی سے کھڑا ہو گیا۔ "اس وقت خاندان کا سربراہ کون ہے.....؟" میں نے پوچھا۔

"کیوں.....؟" میرے والد صاحب بولے۔

"چلتے وقت میرے آقا یک صندوقچہ میرے حوالے کر گئے تھے۔ اور کہا تھا کہ جب تک وہ واپس آئیں، میں یہ صندوقچہ، سربراہ کے حوالے کر دوں۔ اور اس سے درخواست کروں کہ اس میں رکھ کے کاغذات کو بالترتیب پڑھ لیا جائے۔"

"کہاں ہے وہ.....؟" والد صاحب نے بے چینی سے پوچھا۔

"میں ابھی پیش کرتا ہوں۔" میں نے کہا اور ان لوگوں کو وہیں چھوڑ کر کمرے سے نکل آیا۔ میری ذہنی کیفیت زیادہ اچھی نہیں تھی۔ ان لوگوں کو دیکھ کر میں کافی کمزوری محسوں کر رہا تھا۔ میرا دل بہت کچھ چاہ رہا تھا۔ لیکن جو کچھ یہ سب کر چکے تھے، میں اسے معاف کرنے کے لئے بھی خود کو آمادہ نہیں پا رہا تھا۔ بلکہ اپنے اس ست رفارکھیل سے مجھے اندر وہی مسٹر بھی محسوں ہو رہی تھی۔ وہ سب جس ذہنی اذیت سے گزر رہے تھے، اس کا مجھے بخوبی اندازہ تھا اور میں اون کی اس کیفیت سے خود کو مطمئن پا رہا تھا۔ بلاشبہ! میرے انتقام کی نوعیت بھر پور تھی جس کا انجام بھر حال! اون لوگوں کے لئے برائیں تھا۔ میں نے اون سے انتقام لیتے ہوئے بھی کوئی ایسی مثال نہیں چھوڑی جو کیں خاندان کی بدترین کہانی کہلاتی۔ بلکہ یہ انتقام تو اون کی حیثیت بحال کرتا تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ جب تک وہ زندہ رہیں، ذہنی اذیت کا شکار رہیں۔

میں نے الماری سے وہ صندوقچہ نکالا جس میں بہت کچھ موجود تھا۔ اور پھر میں صندوقچہ لے کر اون کے سامنے پہنچ گیا۔ میں نے صندوقچہ اور اس کی چابی والد صاحب کے حوالے کر دی۔ والد صاحب اس قدر بے چین تھے کہ انہوں نے انتظار نہ کیا اور چابی سے وہ صندوقچہ کھول لیا۔ صندوقچے کے سب سے پہلے حصے میں انہیں جو تحریریں تھیں، وہ یہ تھی۔

"درخواست..... براہ کرم میری تمام تحریریں اوپنچی آواز میں پڑھیں۔"

سب ہی منتظر تھے اور گرد نیں اٹھا اٹھا کر صندوقچے میں جھاٹک رہے تھے۔ تب والد صاحب نے وہ چٹ، پچا کے حوالے کر دی اور بولے۔ "لکھا ہے کہ میری تحریریں اوپنچی آواز میں پڑھی جائیں۔"

"اور لکھے والے کا نام.....؟" پچا بے چینی سے بولے۔

"میں اس کی تحریر پہچانتا ہوں۔" والد صاحب افرادگی سے بولے۔ پھر انہوں نے دوسرا

لغا فافہ نکال لیا۔ اور اسے کھول کر بلند آواز میں پڑھنے لگے.....
 ”ڈن کین کا سلام قبول ہو۔ اس ڈن کین کا، جسے کین فیملی سے نکال کر صرف ڈن رہنے
 دیا گیا تھا۔ حالانکہ میں بے قصور تھا۔ میرے قابلِ احترام باب اور عزت مآب بچا۔۔۔! میرا
 تم سے سوال ہے۔ جواب دو۔۔۔ تم نے جب سمجھ کی وادیوں میں قدم رکھا تھا تو میری ماننے
 تھے؟ کیا میری عمر میں تم نے وہ زندگی نہیں گزاری تھی جو ہر نوجوان کی آرزو ہوتی ہے۔۔۔؟
 اور کیا اس زندگی کے حصول میں تمہاری کاؤشیں کارفرما تھیں؟ اور اگر تمہیں وہ زندگی تمہارے
 اجداد سے ملی تھی تو کیا میں اس خاندان کی جائز اولاد نہ تھا؟ کیا تم نے میرے نطفے میں کوئی
 داغِ محسوس کیا تھا؟ اگر نہیں تو تم نے میرا حق کیوں غصب کیا؟ تم نے میری امانت لوٹ کر
 کون سا کردار انجام دیا۔۔۔؟ کیا کین خاندان کے روشن چراغ، گندی گلیوں کو منور کرتے
 تھے؟ جواب دو! اس سے پہلے ایسی کوئی مثال تمہارے سامنے ہے؟ خود کو خوشیوں کی انتہا تک
 کون نہیں پہنچانا چاہتا؟ لیکن کیا انہیں لوٹ کر جوان کے دم سے روشنی کی پہلی کرن دیکھتے
 ہیں، کیا وہ اپنے اس کردار کو کوئی خوب صورت ساتھ دے سکتے ہیں؟“
 یہ کاغذ یہاں ختم ہو گیا تھا۔ والد صاحب کے چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔ اُن کی
 آنکھوں میں ڈھنڈا ہٹ صاف دیکھی جا سکتی تھی۔ پھر انہوں نے دوسری لفافہ نکالا اور اسے
 پڑھنے لگے۔

”خونے والو.....! آج تم گلیوں میں پڑے ہو۔ اب بھی اس شہر میں کین خاندان کے
 لوگوں کے شاسما موجود ہیں۔ جو تمہیں دیکھ کر زیرِ لب مسکرا دینے ہیں۔ ممکن ہے، تم ان
 مسکراہٹوں کو نظر انداز کر دینے ہوں گے۔ ممکن ہے، اب تمہیں اُن کی سوچ کا احساس نہ رہا
 ہو گا۔ لیکن مجھے اپنے خاندان کی روایتوں سے بہت پیار ہے۔ اس لئے کہ میں نے اپنی
 روایتوں کو نہیں دیکھا۔ میں نے صرف ان کے بارے میں سنا ہے، شہزادوں کی ان کہانیوں کی
 مانند جو انوکھی ہوتی ہیں۔ میرے دادا، میری عمر میں شہزادے تھے۔ اور جب وہ کوئی ضد
 کرتے تھے تو سینکڑوں افراد ان کی وہ خواہش پوری کرنے میں مصروف ہو جاتے تھے۔ مجھے
 وہ کہانیاں بہت پسند تھیں۔ میں نے بھی انہی شہزادوں کے خواب دیکھے۔۔۔ لیکن میرے لئے
 ان با توں کو صرف کہانی بنا دیا گیا۔ ان کہانیوں میں ایک شہزادے کی کہانی گم ہو گئی ہے، جس
 کا نام ڈن تھا۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ اس کے بعد یہ کہانی پھر جاری ہو جائے۔۔۔ میں نے اس
 کہانی کے اوراق کس طرح ترتیب دیئے؟ یہ ایک الگ کہانی ہے۔ میں یہ کہانی سنانا نہیں

چاہتا۔ کین خاندان کی زندگی کی اس کہانی کے چند اور اراق سادہ ہی رہنے دیئے جائیں تو بہتر
 ہے۔ کیونکہ اس کہانی میں کوئی شہزادہ نہیں تھا۔ ہاں! ایک کردار تھا جو کین خاندان کی کہانیوں
 کو زیب نہیں دیتا۔ میری درخواست ہے کہ اس کے بعد اس خاندان کی کہانیوں کا کوئی کردار
 گم نہ ہو۔ اس کے لئے ایک قانون بنایا جائے۔ ایسا قانون جو کین خاندان کے قانون کے
 نام سے پکارا جائے۔ اور اس قانون کے تحت خاندان کے کسی سربراہ کو یہ اجازت نہ ہو کہ وہ
 آنے والوں کے وجود کو گم کر دے۔ اس قانون کی اشد ضرورت ہے۔ اس لئے میری
 درخواست کو نظر انداز نہ کیا جائے۔“

تیرے اور آخری لفافے میں تحریر تھی.....

میں نے کین خاندان کی ساری جائیدادوں کے لیے لی ہے۔ اور میرے قابلِ عزت والد
 صاحب! یہ سب میں نے آپ کے نام سے خریدی ہے۔ سارا کارا بارا و اپس لے لیا ہے میں
 نے..... ایک گشده و جوذ کی طرف سے کین خاندان کے لئے یہ تھوڑے قبول فرمائیے۔۔۔ اس
 صندوق تھے میں سارے کاغذات موجود ہیں۔ میں اپنا چھوٹا سا فرض پورا کرنے کے بعد یہاں
 سے جا رہا ہوں۔ اور شاید آئندہ کبھی آپ کے درمیان نہ آؤ۔۔۔ اس خوبصورت خاندان پر
 میں اپنے بدنما وجہ کا کوئی داع غنیمیں چھوڑنا چاہتا۔۔۔ خدا حافظ۔۔۔“

والد صاحب کی آواز رنہدھنی تھی۔ اور پھر وہ پھوٹ پھوٹ کر روپڑے۔ والدہ روٹے
 روٹے مٹھاں ہو گئی تھیں۔ چچا کی گردں بھی جھکی ہوئی تھی۔ سب کے چہرے فتح تھے۔ میں
 اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ اس غم ناک ماحول میں اب میرا ذہن بھی الٹ رہا تھا۔ وہ لوگ اپنی
 مصیبت میں اس طرح گرفتار تھے کہ انہیں میرے وہاں سے نکل آنے کا احساس بھی نہیں ہو
 سکا۔ اور وہاں رکنے کا کوئی جواز نہیں تھا۔ جو کچھ میں دیکھ چکا تھا، وہ کافی تھا۔ میں نے ان
 لوگوں پر بھرپور وار کیا تھا۔۔۔ اب وہ پوری زندگی تملکتے رہیں گے۔ میں نے تو پہلے ان
 سے رشتہ توڑ دیئے تھے۔ اور اب تو وہ سب میرے لئے اجنبی تھے۔ میں اُن سے کوئی واسطہ
 نہیں رکھتا چاہتا تھا۔

وہاں سے میں نے ایک چھوٹے سے لیکن خوب صورت ہوٹل کا رُخ کیا تھا۔ ہوٹل نہایت
 پر سکون علاقے میں تھا۔ میں یہاں زندگی کے چند لمحات سکون سے گزارنا چاہتا تھا۔ ہوٹل میں
 داخل ہونے سے پہلے میں نے میک آپ اُنار دیا تھا اور فرضی نام سے کرہا صالح کیا تھا۔
 ہوٹل کی عقبی کھڑکی سے تھوڑے فاصلے پر درختوں کے درمیان گھری ہوئی جیل نظر آتی

ایک نئے خاندان کی بنیاد ڈالوں؟ میں قادر ہوں..... سب کچھ کر سکتا ہوں۔ نت نئے ہنگامے کروں اور دنیا کو اپنی بھجن میں ڈالوں..... بے شمار دلچسپ خیالات میرے ذہن میں چکراتے رہے۔ اور پھر جب کسی فیصلے پر نہ پہنچ سکوت ذہن کو آزاد چھوڑ دو کے فارمولے پر عمل کرتے ہوئے، میں نے ذہن سے سارے خیالات جھٹک دیے۔ فی الحال کچھ نہ سوچو اور ماحول میں خود کو ختم کر دو.....

لیکن اس چھوٹے سے ہوٹل میں تو کوئی تفریح بھی نہیں تھی۔ ہاں! سکون کے لئے یہ بہت عمدہ جگہ تھی۔ چنانچہ آج کی رات اپنے طلن کی دلچسپیاں دیکھی جائیں۔ وہ دلچسپیاں جن سے میرے اجداد تو آشنا تھے لیکن انہوں نے میرے لئے ان میں کوئی حصہ نہیں چھوڑا تھا۔ آج میں اپنا حصہ خود وصول کروں گا۔ اس کے بعد میں فن لینڈ چھوڑوں گا۔ ہاں..... فن لینڈ ہر قیمت پر چھوڑوں گا..... پہلا کام یہی کروں گا..... یادیں یہیں مصلح کر دیتی ہیں۔ جیسے یہ جھیل..... یادوں کی جھیل..... کیوں نہ اس جھیل کو بند کراؤں؟ خواہ کچھ بھی خرچ کرنا پڑے۔ اُس سے یادوں کے بخارات اُبھرتے ہیں۔ حکومت سے یہ جھیل خرید لوں۔ جو کچھ طلب کیا جائے گا، آسانی سے ادا کر دوں گا۔ اور اس کے بعد اسے بند کراؤں گا۔

میں نے اپنا جائزہ لیا۔ یہ کام میں بہ آسانی کر سکتا ہوں۔ اور جب میں نے خود کو قادر پایا تو میرے دل میں ہمدردی اُبھر آئی۔ بے شک! میں اسے بند کر اسکتا ہوں بہ آسانی۔ لیکن اس سے فائدہ؟ میں تو فن لینڈ چھوڑ رہا ہوں۔ اور پھر یہ جھیل..... اسی نے تو میری سوچ کو سکون کا جلتمنگ سنایا ہے۔ اس نے کبھی مجھے نفرت کی نگاہ سے نہیں دیکھا۔ اس کا صحن ختم کر کے مجھے کیا ملے گا.....؟

میں اپنی احتمانہ سوچ پر خود بہس پڑا۔ تبھی میرے کمرے کے دروازے پر دستک ہوئی اور میں نے دستکو اندر آنے کی اجازت دے دی۔ لیکن آنے والا جس انداز میں اندر آیا تھا، اس پر مجھے چکنکا پڑا۔ میں نے گردن گھما کر دیکھا اور سنجھل گیا۔ کافی خوبصورت لڑکی تھی۔ عمدہ لباس میں ملبوس، ہاتھ میں پرس بھی تھا۔ مجھے دیکھ کر میری طرف تیزی سے بڑھی اور عجیب سے بچھ میں بولی۔ ”اوہ، ڈارلنگ.....! ذرا اُن احمد انسانوں کو سمجھاؤ! نہ جانے کیا کبھی رہے ہیں مجھے؟ میں نے اُن بے وقوفوں کو بتایا تھا کہ میرے شوہر میرے ساتھ ہیں۔ میں اُن کی اجازت سے شاپنگ کو نکلی تھی۔ نہ جانے کس غلط فہمی کا شکار ہیں یہ لوگ۔ خواہ مخواہ میرے پیچھے لگ گئے ہیں۔“ اُس نے سہے ہوئے انداز میں میرا بازو پکڑ لیا تھا۔ میں نے

تھی۔ اُس شہر کی کوئی چیز میرے لئے اجنبی نہیں تھی..... میں اکثر اس جھیل کے کنارے ایک درخت کے نیچے خاموش بیٹھا رہا کرتا تھا۔ یہ اُن دنوں کی بات ہے، جنہیں میں مایوسی کے دنوں کا نام دیتا ہوں۔ یہاں میں اپنے تاریک مستقبل کے بارے میں سوچتا تھا۔ یہ ہوٹل اس وقت بھی موجود تھا۔ لیکن اُن دنوں میرے ذہن میں اس ہوٹل میں داخل ہونے کا خیال بھی نہیں آیا تھا۔ آج میں جھیل سے تھوڑی ذرا ہوٹل میں تھا اور صورتِ حال وہی تھی۔ یعنی میں اپنے سامنے ایک سادہ مستقبل لے بیٹھا تھا۔

گو، سوچنے کے انداز میں نمایاں تبدیلی تھی۔ لیکن موضوع ایک ہی تھا۔ اُب کیا کرنا چاہئے؟ میرے جیسے انسان کے لئے یہ سوچ زیادہ اہم نہیں تھی کہ کام کیا ہو؟ ذہن تھا، عمل تھا، تربیت تھی۔ لیکن زندگی کے لئے ایک ڈگر ضروری ہوتی ہے۔ ذہن میں کوئی احساس لازمی شے ہے۔ اور اس کے بعد..... اس کے بعد عمل کے دروازے کھلتے ہیں۔ سو! میں یہی سوچ رہا تھا۔

میں کیا ہوں.....؟ سیکرٹ پیلس میں جو کچھ سیکھا تھا، اُس نے میری فطرت میں تبدیلیاں پیدا کی تھیں۔ چنانچہ ایسا کوئی تصور تو ذہن کو چھو کر بھی نہیں گز رکھتا تھا کہ میں اچھا انسان ہوں۔ بات آخری نیکی یا آخری اچھائی کی تھی، وہ صرف یہ کہ اپنے خاندان کو مایوسیوں سے نکال دیا تھا۔ وہ مجھے اس راہ تک لائے تھے، پھل پار ہے تھے۔ میں اُب اُن کے درمیان زندگی نہیں گزار سکتا تھا۔ لیکن خود میرے لئے کون سارا سaste ہے؟

کئی گھنٹے کے غور و خوض کے بعد وہ فیصلہ کیا، جو مجھے جیسے انسان کی انتہاء ہوتی ہے۔ خاندان کے سارے رشتے تو اُس وقت خود بخود ٹوٹ گئے تھے جب فن لینڈ چھوڑا تھا۔ یہ چند تار باقی رہ گئے تھے جنہیں منقطع کر لیا تھا۔ اور اُب اپنی زندگی صرف اپنی تھی۔ سارے جھگڑوں سے پاک..... نہ کسی رشتے ناطے کی قید نہ انسانیت کے بندھن.....

وہ جو صحیح راستوں سے ہٹائے جاتے ہیں، وہ جو یعنی کے راستوں سے پرے دھکلیے جاتے ہیں، جب بڑے بنتے ہیں تو انسانیت پناہ مانگتی ہے۔ میں بھی اُب انہی راستوں پر تھا۔ اس میں میرا کیا قصور تھا؟ اور جب میرا قصور نہیں تھا تو میں دنیا کو وہی دے سکتا تھا جو اُس کی طلب تھی۔ چنانچہ زندگی کو کیوں خیالات کے تالع کروں؟ جس وقت، جو دل چاہے کروں۔ تھا انسان کو، جس پر کوئی اخلاقی بوجھ نہ ہو، مستقبل اور انسانیت کے فضول خیالات میں نہیں پھنسنا چاہئے۔ لیکن خاندان وہ تھا جو رسول سے ایک روایت لے کر چل رہا تھا۔ کیوں نہ میں

صرف ایک سرسری نگاہ ان لوگوں پر ڈالی تھی۔ پھر میں نے لڑکی کے چہرے کو دیکھا اور کہا ہو گیا۔ لڑکی کے پیچے آنے والے تین افراد تھے۔ مقامی معلوم ہوتے تھے۔ لیکن چہرے بگڑے ہوئے تھے۔ یعنی وہ صورت سے بدمعاش معلوم ہوتے تھے۔

"یہ تمہاری بیوی ہے.....؟" ان میں سے ایک نے مجھے گھوڑتے ہوئے کہا اور میں نے لڑکی کو کچھ اور پیچھے بٹا لیا۔ پھر میں آہستہ آہستہ ان کی طرف بڑھ گیا۔ میرے انداز سے "تینوں کسی قدر جزوں ہو گئے تھے۔ اور پھر وہ ایک دوسرے کی شکلیں دیکھنے لگے۔

میں نے سب سے آگے والے کا گریبان پکڑا۔ "تمہیں اس کا تعاقب کرنے کی جزا کیسے ہوئی.....؟" میں نے غرائے ہوئے لجھے میں پوچھا۔

"اوہ، مسٹر..... بد تیزی مت کرو۔ تم ہمیں نہیں جانتے۔ گریبان چھوڑو.....!" اُس نے اچانک پستول نکالتے ہوئے کہا۔ لیکن اُسے اندازہ بھی نہ ہوا کہ میرے جسم کا کون سا حصہ اُس کے پستول والے ہاتھ کی ذہنی پر لگا اور ایسی جگہ لگا جہاں ضرب پڑنے سے پورے پنج کی نیس بے کار ہو جاتی ہیں۔ اور یہ ضرب صرف اسی لئے ہوتی ہے کہ پنجھ کھل جائے۔ سو پنج کھل گیا۔ پستول نیچے گر پڑا اور میری ٹھوکر سے ڈر بھی چلا گیا۔ اُس کا گریبان بدستور میرے ہاتھ میں تھا۔

"میں تمہیں پولیس کے حوالے نہیں کروں گا۔ بلکہ نہایت خاموشی سے اس کمرے میں قتل کر کے تمہاری لاش کھڑکی سے باہر پھینک ڈوں گا۔ سمجھے؟" میں نے سرد لجھے میں کہا۔ اور اس بار اُس شخص نے میرے اوپر حملہ کر دیا۔ لیکن گریبان والا ہاتھ کچھ اور اوپر پیچ گیا۔ اور اُس کی گردان میرے شکنخ میں آگئی۔ میں نے سویوں کے اصول پر اُس کی دورگین آپس میں لا دیں اور اُس کے حلقو سے ایک کرب ناک آواز نکل گئی۔

"مسٹر..... مسٹر! سین تو..... سین تو.....!" اُس کے دونوں ساتھی آگے بڑھ۔ اور دفعہ میرے دونوں ہاتھ پھیل گئے۔ یہ ان کی پسلیوں پر پڑے تھے۔ اور وہ دونوں مختلف ستون میں جا گرے۔ میں سکون سے ان کے سامنے دونوں پاؤں پھیلائے کھڑا تھا اور میرے پیچے لڑکی تھی۔ میں نے معمولی سی کوشش سے ان تینوں کو ناکارہ کر دیا تھا۔ اور میری لائی کے لئے لفڑی کی صلاحیت عام لوگوں سے زیادہ رکھتے ہیں، جو ان کے لئے نقصان ہوں۔

"تم نے..... تم نے حالات جانے بغیر جھگڑا شروع کر دیا۔ ہماری بات تو سن لا!

"ہم....."

"تم میری بیوی کو پریشان کر رہے ہے تھے اور اس کا تعاقب کر رہے ہے۔ اس کے بعد بھی حالات جانے کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے.....؟" میں نے ہونٹ بھینچ کر کہا۔

"وو..... وہ صرف ایک غلط فہمی کی بناء پر ہوا تھا۔ یقین کرو! تم میری جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک تصویر نکال سکتے ہو۔ یہ تصویر ان سے کتنی ملتی ہے، اس کا اندازہ تم خود کر سکتے ہو۔ میں اس لئے جیب میں ہاتھ نہیں ڈال رہا کہ تم غلط فہمی کا شکار ہو جاؤ گے۔"

"نکا لو.....!" میں نے کہا اور اُس نے جلدی سے ایک تصویر نکال کر میری طرف اچھا دی۔ میں نے تصویر اٹھا لی۔ درحقیقت! یہ لڑکی کی تصویر تھی۔ میں نے اسے جیب میں رکھ لیا۔ "تمہیں اس کی تلاش کیوں تھی.....؟" میں نے پوچھا۔

"یہ نہیں بتاسکتے ہم لوگ۔ اگر یہ تمہاری بیوی ہے تو وہ نہیں ہو سکتی۔ ہم معافی چاہتے ہیں۔" وہ کہنے لگا اور میں نے لڑکی کی طرف دیکھا۔ لڑکی خاموش کھڑی تھی۔ اُس کے چہرے پر مخصوصیت کے آثار تھے۔ بہر حال! یہ ہوش تھا۔ اور کسی قسم کی معلومات کے بغیر کسی قسم کا ہنگامہ مناسب بھی نہیں تھا۔ اس لئے میں نے انہیں جانے کی اجازت دے دی اور وہ تینوں کاں دبا کر نکل گئے۔ انہیں احساس ہو گیا تھا کہ صورت حال ان کے حق میں بری ہے۔ اس لئے کسی قسم کے انقام کا خیال بھی ان کے ذہن میں نہیں آیا تھا۔ ان کے جانے کے بعد میں نے دروازہ بند نہیں کیا تھا اور واپس پھر اپنی جگہ آبیٹھا تھا۔ لڑکی کے چہرے پر شکنخ تھی۔ اور وہ بھجی ہوئی نظر آرہی تھی۔

"اگر چاہو تو پیٹھے ہو.....!" میں نے کہا اور وہ پر خیال نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی۔ "ممکن ہے، باہر وہ لوگ موجود ہوں۔ ممکن ہے، انہیں ابھی تک شبہ ہو۔" وہ ہچکچاۓ ہوئے انداز میں کہنے لگی۔ میں نے اُس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ وہ چند ساعت میرے بولنے کا انتظار کرتی رہی۔ پھر خود ہی بولی۔

"اگر تمہیں ناگوارہ ہو تو تھوڑی دیر یہاں تمہارے ساتھ گزارلوں.....؟"

"میں تمہیں پیٹکش کر چکا ہوں۔" میں نے سپاٹ لجھے میں کہا۔

"شکریہ.....!" اُس نے گھری سانس لے کر کہا اور میرے سامنے ہی ایک کریا پر بیٹھ گئی۔ وہ کافی پریشان نظر آرہی تھی۔ دیر تک وہ خاموش بیٹھی رہی۔ تب میں نے کہا۔ "کیا پیوں گی.....؟ میرا خیال ہے، تم کافی پریشان ہو۔"

”میں نے آپ کے لئے کافی منگوائی ہے محترمہ!“ میں نے کہا۔
”بس..... نہیں پیوں گی میں کافی۔ آپ کے احسان کا شکریہ۔“ وہ ضدی انداز میں

وکی۔
”افرم.....! آپ ناراض ہو کر چارہی ہیں۔“

”تو اور کیا کروں؟ آپ مجھے بڑی طرح نظر انداز جو کر رہے ہیں۔ ٹھیک ہے، آپ نے
میرے اوپر پر احسان کیا ہے۔ لیکن مجھے ذمیل تو نہ کریں۔ آپ کی کیفیت سے اندازہ ہوتا
ہے کہ.....“

”اوہ.....آپ تشریف تو رکھیں مختدم! سارے فیصلے خود ہی نہ کیجئے۔ آپ سے آپ کے ایسے میں نہ یوچنے کی کوئی اور وجہ بھی ہو سکتی ہے۔“ میں نے کہا۔

”کیا وجہ ہو سکتی ہے بھلا..... مجھے بتائیے! اور آپ تو مسکرا بھی رہے تھے۔“
 ”آئندہ نہیں مسکرا دوں گا..... وعدہ۔ رہی آپ سے آپ کے بارے میں نہ پوچھنے کی
 بات تودیکھنے خاتون! آپ مصیبت میں پھنس کر میری مدد حاصل کرنے آئیں اور میں نے
 حسب توفیق آپ کی مدد کی۔ اب کیا میں زبردستی آپ سے شناسائی پیدا کرنے کی کوشش کر
 کے اپنے احسان کی قیمت وصول کروں؟ آپ خود سوچیں! اگر میں ایسی کوشش کرتا تو آپ یہ
 بھی سوچ سکتی تھیں کہ میرے ذہن میں آپ کے لئے کوئی برا خیال ہے۔ اگر کوئی ایسی بات
 ہے جو آپ بتا سکتی ہیں تو ضرور بتائیے! میں اس اعتماد کا شکر گزرا ہوں گا۔“

لڑکی چند ساعت مشکل کو نگاہوں سے مجھے دیکھتی رہی۔ اس سے پہلے میں نے اُس کے بارے میں غور نہیں کیا تھا۔ لیکن اُب میں نے اُس کے چہرے کا بغور جائزہ لیا تھا۔ تب مجھے دو احساس ہوئے۔ اڈل یہ کہ لڑکی کے چہرے میں ایک انوکھا پن ہے۔ اُس کے نقوش، تبدیل ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ یعنی جذبات یا تاثرات اُس کے نقوش میں اتنی نمایاں تبدیل کر دیتے ہیں کہ اُس کی صورت ہی بدل جاتی ہے۔ یہ حیرت انگیز خصوصیت اس سے قبل دیکھنے میں نہیں آئی تھی۔ میں نے بغور دیکھا تھا۔ گفتگو سے وہ معصوم نظر آ رہی تھی۔ لیکن اُس کے چہرے کے بارے میں ایک نگاہ میں اندازہ مشکل تھا۔ اس کے علاوہ، وہ کافی حسین تھی اور اُسے بلا تکلف حاذپ نگاہ کیا جاسکتا تھا۔

اگر یہ بات ہے تو میں بیٹھ جاتی ہوں۔“ اُس نے کہا اور وہ بیٹھ گئی۔ وپری، کافی لے آیا تھا اور میں نے اٹھنے کی کوشش کی۔ لیکن اُس نے ہاتھ اٹھا کر مجھے روک دیا۔ ” یہ خدمت مجھے

”ہاں..... یہ حقیقت ہے۔ براہ کرم! کافی پلوادیں۔“

”برانڈی کی ضرورت محسوس کر رہی ہو تو.....“

”نہیں..... صرف کافی۔“ اُس نے کہا اور میں نے فون مٹھاں سی نظر آنے لگی تھی۔
میں نے اُس کی تصویر جیب سے نکال کر اُس کی طرف ”

”کہو.....!“ میں نے کہا۔
”آس نے خاموشی سے تصویر لے لی۔ پھر بولی۔ ”ایک درخواست کر سکتی ہوں؟“

”جن حالات میں، میں آپ کے سامنے آئی ہوں اور جس انداز میں آئی ہوں، آپ نے نہ جانے میرے بارے میں کیا سوچا ہو گا؟ آپ میرے لئے اجنبی ہیں۔ لیکن آپ نے میرے اوپر احسان کیا ہے۔ اس احسان کا کوئی صلہ میرے پاس نہیں ہے۔ میں یہاں سے چلی جاؤں گی۔ لیکن میں ہمیشہ یہ سوچتی رہوں گی کہ آپ نے نہ جانے میرے بارے میں کیا اندازہ کیا ہو گا؟ میں صرف آپ سے یہ عرض کرنا چاہتی ہوں کہ میں کوئی بُری لڑکی نہیں ہوں۔ میں حالات کا شکار ہوں۔“

”اس کے سوا کوئی چارہ کا رنگیں تھامیرے پاس کہ میں کسی بھی کمرے میں چل جاؤں۔
میں اُن لوگوں کو بیوقوف بنانا چاہتی تھی۔ اب دیکھئے نا! مجھے کیا معلوم تھا کہ اس کمرے میں
کون سے۔“

”ظاہر ہے.....!“ میں نے غیر جذباتی انداز میں کہا۔

”آپ میرے بارے میں کچھ اور نہیں پوچھیں گے.....؟“ وہ کسی قدر جھلائے ہوئے نداز میں بولی۔ اور نہ جانے کیوں میرا مودُ خوشنگوار ہو گیا۔ میرے ہونتوں پر مسکراہٹ چلیں گئی۔

”مثلا.....؟“ میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

”آپ ضرور مجھے فراڈ سمجھ رہے ہیں۔ آپ یقیناً میرے بارے میں بربے انداز میں سوچ رہے ہیں۔ بس! ٹھیک ہے۔ آپ کا شکریہ۔ میں چارہی ہوں۔“ وہ اٹھ کر کھڑی گئی۔

کرنے دیں۔ اتنا کام تو میں بھی کر سکتی ہوں۔“

”اوہ، شکریا.....!“ میں بیٹھ گیا۔ اور پھر میں اسے کافی بنا تے دیکھتا رہا۔ ہر لمحے بڑا

والی لڑکی بہر حال! پسند کی جا سکتی تھی۔ میرے ہونتوں پر ایک بار پھر مسکراہٹ پھیل گئی۔

جب اس نے کافی کی پیالی میرے سامنے رکھی تو میں سمجھیدہ ہو گیا۔ اُس نے میرا چہرہ دری

اور کسی قدر مطمئن نظر آنے لگی۔ پھر انپیالی سے کافی کا ایک سپ لے کر کہنے لگی۔

”میرا خیال ہے، اب آپ میرے بارے میں سمجھدی گی سے سوچ رہے ہیں۔“

”آپ کا خیال درست ہے محترم.....!“ میں نے گھری سانس لے کر جواب دیا۔

”بھلا کیا سوچ رہے ہیں.....؟“

”سوچ رہا ہوں، آپ کا نام کس طرح معلوم کیا جائے؟“

”اس میں سوچنے کی کیا بات ہے؟ مجھ سے پوچھ لیں۔“

”اوہ، ہاں! یہ تو بڑی آسان بات ہے۔“ میں نے گردہ ہلائی۔ ”تو خاتون! اپنا

بتائیں۔“

”سو نیا پڑ ماشر۔ پڑ ماشر میرے ڈیڈی کا نام ہے۔ سویڈن کی رہنے والی ہوں۔ میرے

والد سویڈن کی ایک موڑ کمپنی کے ڈائریکٹر ہیں۔“ اُس نے جواب دیا۔

”آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی مس سو نیا! لیکن سویڈن سے آپ یہاں کس طریقے میں؟“

”بد قسمتی کا شکار ہو کر۔“ اُس نے جواب دیا۔

”اس بد قسمتی کے بارے میں آپ کچھ بتائیں گی؟“

”صرف اس لئے کہ آپ حیرت انگیز انسان ہیں۔ آپ نے میری مدد کی ہے۔ اور حیرت

انگیز! آپ اس لئے کہ آپ نے ان خطرناک لوگوں کو بے آسانی زیر کر لیا تھا۔ دیکھ جانا

میں ایک بے سہارا لڑکی ہوں۔ بعض لوگ اتنے بد نصیب ہوتے ہیں کہ بس! آب دیکھنا

میری می بھی ہیں، ڈیڈی بھی ہیں اور دوسرے عزیز بھی ہیں۔ لیکن میں کس قدر بے سہا

لگا ہوں۔“ اُس کی آنکھوں میں آنسو جھملانے لگا۔ میں کافی کے سپ لیتے ہوئے گھبرا

نگاہوں سے اُس کا جائزہ لے رہا تھا۔ وہ اتنی معصوم نہیں تھی، جتنا خود کو ظاہر کر رہی تھی۔ نگاہ

ہے، جس طرح وہ میرے کر رئے میں آئی تھی اور جس بے باکی سے اُس نے مجھے اپنا شہرہ تھا۔

تایا کہ انہوں نے ابھی تک شادی نہیں کی۔ حالانکہ اُن کی معصومیت پہل روز

کرنے دیں۔ اتنا کام تو میں بھی کر سکتی ہوں۔“

”تھی۔ اور یہ مخصوصیت حقیقی نہیں تھی۔“

لیکن ابھی میں یہ اندازہ نہیں لگا سکتا تھا کہ اس مخصوصیت کے پردے میں کیا ہے؟ کسی سازش کے تحت میری قربت حاصل کرنے کی کوشش..... یہ بات ناممکن نہیں تھی کہ کسی نے میرے خلاف کوئی سازش کی ہو۔ یا پھر مجھے کار آمد پا کر مجھ سے کام نکالنے کے لئے بھی یہ دھونگ رچایا جا سکتا تھا۔

”لیکن مس سو نیا! آپ نے یہ نہیں بتایا کہ آپ سویڈن سے فن لینڈ کب اور کیوں آگئیں؟“

”انسان دولت مند ہونے کے بعد بے حد لاپچی ہو جاتا ہے۔ میرے والد بلاشبہ ایک دولت مند انسان ہیں۔ لیکن دولت مند بننے کے بعد وہ ہر وقت اسی بات سے خوف زدہ رہتے ہیں کہ کہیں اُن کی یہ دولت ختم ہو جائے۔ وہ اُسے نہ صرف برقرار رکھنا چاہتے ہیں۔ بلکہ اس میں گرفتار اضافے کے خواہشمند رہتے ہیں ہیں۔ گو، اُن کے ذرائع جائزہ ہوتے ہیں، چاہے دوسروں کے لئے نقصان دہ ہی کیوں نہ ہوں۔“

”خوب..... لیکن مس سو نیا! اُن کی یہ خواہش آپ کو در بذر کرنے کا باعث کس طرح بنی؟“

”بس! میری بھی بد قسمتی تھی۔ آپ اُس کی شکل دیکھیں تو نفرت سے زمین پر تھوک دیں۔“

”اوہ، آپ..... آپ اپنے ڈیڈی کے بارے میں یہ الفاظ استعمال کر رہی ہیں.....؟“

میں نے صحابہ انداز میں پوچھا۔

”ڈیڈی کے بارے میں نہیں، میں مسٹر رینڈال کی بات کر رہی ہوں۔“

”یہ کون بزرگ ہیں.....؟“ میں نے دلچسپی سے کہا۔

”کمال ہے۔ آپ تو کچھ بھی نہیں جانتے۔“ اُس نے برا سامنہہ بنا کر کہا۔ ”مسٹر رینڈال کا تعلق نہ جانے کہاں سے ہے۔ لیکن وہ جمنی کی شہرت رکھتے ہیں۔ کاریں بنانے والی ایک بہت بڑی کمپنی کے تھا مالک ہیں۔ کاروباری دورے پر سویڈن آئے تھے۔ میرے والد نگاہوں سے اُس کا جائزہ لے رہا تھا۔ وہ اتنی معصوم نہیں تھی، جتنا خود کو ظاہر کر رہی تھی۔ نگاہ ہے، جس طرح وہ میرے کر رئے میں آئی تھی اور جس بے باکی سے اُس نے مجھے اپنا شہرہ تھا، تایا کہ انہوں نے ابھی تک شادی نہیں کی۔ حالانکہ اُن کی عمر بیچاں کے لگ بھگ ہے۔ میں

کامیں کب تک مقابلہ کر سکتی ہوں؟ کیا مسٹر رینڈال مجھ سے میرے الفاظ کا انتقام نہیں لینا چاہئے.....؟“

”تم نے یہ بات اپنے ڈیڈی کو بتائی تھی.....؟“

”ہاں..... بتائی تھی۔ لیکن ڈیڈی تو مسٹر رینڈال کے بارے میں ایک لفظ بھی سننا پسند نہیں کرتے۔ وہ تو مسٹر رینڈال کو فرشتہ سمجھتے ہیں۔ انہوں نے کہہ دیا ہے کہ یہ صرف میرا خیال ہے۔ مسٹر رینڈال بہت عقیم انسان ہیں۔ میں نے تم سے کہانا، میں بالکل مجبور ہو گئی تھی۔“

”ہوں.....!“ میں پر خیال انداز میں اُسے دیکھتا رہا۔ پھر میں نے شیانے ہلاتے ہونے کے کہا۔ بہر صورت، مس سونیا! آپ نے اپنے مستقبل کے بارے میں کچھ تو سوچا ہو گا۔“

”بھلا ان حالات میں کچھ سوچنے کا موقع مل سکتا ہے؟“ اُس نے کہا۔

”اس کے باوجود آپ کو سوچنا چاہئے۔ یہ حالات تو اس وقت تک رہیں گے، جب تک آپ یا تو اپنے ڈیڈی کی بات نہ مان لیں یا پھر اپنے لئے کوئی بہتر راستہ نہ کالیں۔“

”افسوس..... کسی سے مشورہ بھی تو نہیں لے سکتی۔“ اُس نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

”میں آپ کو مشورہ دے سکتا ہوں۔“ میں نے کہا۔

”اوہ..... تم کس قدر ہمدرد انسان ہو۔ مجھے معاف کرنا! میں کافی بے تکلفی کے ساتھ گفتگو کر رہی ہوں۔ لیکن مجھے جیسے انسان کے بارے میں غور کرو تو میری یہ کیفیت فطری نظر آئے گی۔ میں خاصی بد حواس ہو رہی ہوں۔“

”کوئی بات نہیں ہے۔“ میں نے جواب دیا۔

”میں نے تو تمہارا نام بھی نہیں پوچھا۔“

”تم مجھے مائیکل کہہ سکتی ہو۔“

”شکریہ مسٹر مائیکل! لیکن آپ بھی تو مجھے اپنے بارے میں کچھ بتائیے۔“

”میری زندگی میں ایسی کوئی کہانی نہیں ہے مس سونیا! نہ میرے ڈیڈی کی مالدار بڑھیا سے میری شادی کرنا چاہئے ہیں نہ میں کسی مال دار شخص کا بیٹا ہوں۔“

”اوہ..... ہاں! مجھے احساس ہو رہا ہے۔ یقیناً ایسی ہی بات ہے۔ ورنہ آپ اس معمولی سے ہوں گے میں کیوں قیام کرتے؟“ اُس نے ہمدردی۔ کہا اور میرے ہونٹوں پر بے ساختہ مسکراہٹ آگئی۔ لیکن دوسرے لمحے میں سنجیدہ ہو گیا تھا۔

نے ازراہ و مذاق کہہ دیا کہ یہ اچھی بات ہے کہ انہوں نے شادی نہیں کی۔ ورنہ ان کی بیوی خود کشی کرنا پڑتی۔ کیونکہ یہ اپنیا دولت مند ہونے کے باوجود ان کی شخصیت اتنی غیر معمولی ہے کہ کوئی عورت ان کے ساتھ خوش نہیں رہ سکتی۔ اور مسٹر رینڈال اس بات کا شاید براہ راست گئے۔ لیکن میرے الفاظ کا وہ اس قدر شدید انتقام لیں گے، مجھے گمان بھی نہیں تھا۔ وہ اس سے واپس چلے گئے۔ اور پھر انہوں نے کاروباری چالیں چل کر میرے ڈیڈی کو اس طریقہ پھانسا کہ ڈیڈی اُن کے غلام بن گئے۔ تب مسٹر رینڈال نے مجھ سے شادی کرنے کی خواہ کا اظہار کر دیا۔ پہلے تو میرے ڈیڈی کو سخت تعجب ہوا۔ لیکن اس کے بعد وہ خوشی سے دبایا ہو گئے۔ لیکن میں نے صاف انکار کر دیا۔ میں نے کہا، میں آزاد لڑکی ہوں اور میں اُس کے ساتھ شادی کرنے پر قطعی رضامند نہیں ہوں۔ پہلے تو میرے والد سخت پریشان ہوئے انہوں نے مسٹر رینڈال کو میرے خیالات سے آگاہ کر دیا۔ لیکن جواب میں مسٹر رینڈال کہا کہ اگر ایسا نہ ہوا تو وہ میرے ڈیڈی یعنی بڑا ماسٹر سے کاروباری تعلقات توڑ لیں گے اور ان تعلقات کے ٹوٹنے کا مطلب تھا کروڑوں کا نقصان۔ چنانچہ میرے ڈیڈی۔ میرے اوپر دباؤ ڈالنا شروع کر دیا۔ حالانکہ قانوناً وہ مجھے اس کے لئے مجبور نہیں کر سکتے تھے لیکن جذاب: قانون کی بات آپ سمجھتے ہیں۔ دولت مندوں کے لئے قانون میں بڑی بڑی ہوتی ہے۔ میں نے جو کوشش کی، اُٹلی ہو گئی۔ چاروں طرف سے مایوس ہو کر میں نے اپنے طور پر کچھ کرنے کا فیصلہ کیا۔ اور پھر میں نے اپنی ذاتی رقمات مختلف ممالک کے بینکوں میں منتقل کرالیں۔ اور ایک مناسب موقع پا کر میں سویڈن سے بھاگ نکلی۔ لیکن میرے اپنے دشمن ہیں۔ میرے ڈیڈی نے ہر ملک میں اپنے کارندے چھوڑے ہوئے ہیں۔ جہاں جاتی ہوں، مجھے تلاش کیا جاتا ہے۔ اور میں ملک ملک، ماری ماری پھر رہی ہوں۔ کسی بھی مجھے سکون نہیں۔“

”اُس کی آواز رندھ گئی۔ اور میں کسی قدر اباہ گیا۔ کیا واقعی یہ معصوم لڑکی ان حالات کا ہے؟ اگر ایسا ہے تو بہر حال! افسوس ناک بات ہے۔ بہر حال! میں ضرورت سے زیادہ بھی نہیں ہوا تھا۔ اگر وہ حق بول رہی ہے تو قابلِ رحم ہے۔ اور اگر فرما دے ہے، تب بھی غلط اُنہاں سے آنکرانی ہے۔ اور اُس کی اصلیت تلاش کرنا مشکل کام نہ ہو گا۔ اور پھر میں تو ایسی لڑکی کا ااء۔ دیا تھا۔ یہ دوسری دیر تھی۔ اور شاید پھر کوئی یکساں کہانی جنم لینے والی تھی۔ لڑکی ناک سے شوں شوں کر رہی تھی اور میں خاموش بیٹھا تھا۔ پھر وہ بولی۔ ”ان حالات“

”آپ کا خیال درست ہے مس سونیا!“
 ”لیکن اس کے باوجود آپ کچھ نہ کچھ تو کرتے ہوں گے۔“
 ”کوئی خاص کام نہیں۔ بس ایونی مارا مارا پھرتا ہوں“
 ”تعجب ہے..... حالانکہ آپ بے حد مضبوط اور پھر تیلے انسان ہیں۔ جو چاہیں، کر سکتے
 ہیں۔ بلکہ آپ کو ضرور کرنا چاہئے۔ یہ اتفاق کی پات ہے کہ ان لوگوں نے یہاں سے تھوڑی
 دُور مجھے کپڑا تھا۔ براہ راست میرے پاس پہنچ گئے اور کہا کہ میں سونیا بڑا ماسٹر ہوں۔ پہلے تو
 میں بوکھلا گئی۔ لیکن دوسرے لمحے میں نے سنبھل کر کہا کہ میرا نام تو ریگی ماس ہے۔ اور
 میرے شوہر اس سامنے والے ہوٹل میں مقیم ہیں۔ ان کم بخنوں کو یقین نہیں آیا تھا۔ انہوں
 نے یہاں تک میرا پیچھا کیا۔ لیکن اتفاق..... کیا ہر اتفاق کوئی خاص رنگ نہیں اختیار کر سکتا
 جاتا؟“

”میں نہیں سمجھا مس سونیا؟“ میں نے اُسے بغور دیکھا۔

”میں آپ کی مالی مدد کر سکتی ہوں۔ اور آپ۔“

”جی..... میں کیا.....؟“ میں نے اُسے بغور دیکھا۔

”آپ میری حفاظت کریں۔“

”عجیب کام ہے۔ دوسری طرف آپ کے والد ہیں جو آپ پر اپنا قانونی حق رکھتے ہیں۔
 ہر لک کا قانون اُن کے حق میں فیصلہ کرے گا۔“
 ”وہ تو ٹھیک ہے۔ لیکن میں تو کسی قیمت پر اپنے ڈیڈی کے پاس جانے کو تیار نہیں
 ہوں۔“

”تب پھر ایک ہی ترکیب ہو سکتی ہے۔“ میں نے گہرائنس لے کر کہا۔

”کیا.....؟“ اُس نے بے اختیار کہا۔

”آپ شادی کر لیں۔“ میں نے سکون سے جواب دیا اور وہ چونک کر میری شکل دیکھنے
 لگی۔ اُس کے انداز سے پتہ چلتا تھا جیسے میں نے کوئی نہایت حریت انگیز بات کہہ دی ہو۔
 کافی دیر تک وہ بیوقوفی کی طرح منہ کھولے پہنچی رہی۔ اور پھر اُس نے منہ بند کر لیا۔

”کیوں..... آپ کو اس تجویز پر اتنی حریت کیوں ہوئی ہے؟“ میں نے پوچھا اور
 آنکھیں بند کر کے گردان جھٹکنے لگی۔ پھر بولی۔

”بڑی انوکھی بات ہے۔ اس سے قبل میرے ذہن میں کبھی یہ خیال نہیں آیا۔ حالانکہ اگر

میں ایسا کروں تو پھر شاید دنیا کا کوئی قانون مجھے کسی کی بات مانے پر مجبور نہیں کرے گا۔ اور
 اس کے علاوہ مجھے اپنا ایک مخصوص محافظ بھی مل جائے گا۔“

”یقیناً.....“ میں نے جواب دیا اور لڑکی عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی۔ اُس کی
 شکل و صورت پھر بدل گئی تھی۔ اب اُس میں ہلکی تی شرم اور ایک انوکھا سا احساس پیدا ہو گیا
 اور میں سر کھجانے لگا۔ میری اس تجویز سے یہ خاتون اور کچھ نہ سمجھ لیں۔ چند ساعت میں
 خاموش رہا۔ اور پھر میں کچھ بولنے والا تھا کہ وہ بول پڑی۔
 ”میں اس بارے میں ابھی غور کر دوں گی۔“

”ضرور غور کریں۔“

”لیکن اس دوران میں کیا آپ میری حفاظت کریں گے.....؟“

”آپ کہاں مقیم ہیں.....؟“

”ہوٹل رین ہو میں۔“

”کسی کو آپ کی قیام گاہ کے بارے میں معلوم ہے؟“

”میرا خیال ہے نہیں۔“

”ہوں..... تو پھر دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ یہ قیام گاہ تو اُن لوگوں کے علم میں آچک
 ہے۔ چنانچہ تمہارے لئے یہ غیر محفوظ ہو گئی۔ اب یا تو مجھے تمہارے ہوٹل میں کوئی کرہ حاصل
 کرنا پڑے گا، ورنہ ہم دونوں کو کسی تیرسے ہوٹل کا بندوبست کرنا ہو گا۔“

”اوہ..... میں اس کا بندوبست آسانی سے کر لوں گی۔ براہ کرم! تم اسی وقت یہ کمرہ چھوڑ

و۔“ اُس نے کہا اور میں نے فون کی طرف اشارہ کیا۔

”ٹھیک ہے۔ تم فون پر پہلے رین بو، بات کرلو۔ اگر وہاں کام نہ بن سکے تو کسی دوسرے
 ہوٹل سے بات کرو۔ اس کے بعد ہم وہاں منتقل ہو جائیں گے۔“

”اوکے.....!“ لڑکی جلدی سے میلی فون کے قریب پہنچ گئی۔ اور پھر وہ ہوٹل کا نمبر ڈائل
 کرنے لگی۔ میں پر خیال نگاہوں سے اُسے دیکھ رہا تھا۔ کچھ در قبل میں عجیب دغدھ
 احساسات کا شکار تھا۔ اونوکھے سے خیالات میرے ذہن میں آرہے تھے۔ لیکن اُس لڑکی کے
 آنے سے خیالات بٹ گئے تھے۔ ایک دلچسپی پیدا ہو گئی تھی۔ لڑکی جو کچھ خود کو پوز کر رہی تھی،
 اُس نے جو کہانی سنائی تھی، اس کے بارے میں ابھی یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ لیکن
 بہر حال! مجھے اس میں کوئی ال جھن بھی نہیں ہو رہی تھی۔ اگر وہ کسی پروگرام کے تحت مجھ تک

آئی یا پہنچائی گئی تھی تو بہر صورت! میں اس میں دلچسپی لینے لگا تھا۔ اور کسی بھی سازش سے پریشان نہیں تھا۔

یوں بھی ابھی میرے سامنے کوئی راستہ تو نہیں تھا۔ فن لیٹڈ چھوڑنے کے بعد ہی میں کچھ کرنا چاہتا تھا۔ ایسی شکل میں اگر کسی خوبصورت لڑکی کے ساتھ کچھ تفریح رہے تو کیا حرج پڑتا۔ وہ خاموش ہو گئی۔

”اس کے باوجود..... بہر حال! چلے۔ کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی ہے۔“ میں نے کہا۔

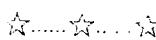
پھر ہم دونوں باہر آگئے۔ عجیب موڑی لڑکی تھی۔ خریداری کرتے ہوئے جیسے سب کچھ بھول گئی تھی۔ اسی طرح دلچسپی لے رہی تھی جیسے اپنے شوہر کے لئے خریداری کر رہی ہو۔

بہت سی چیزیں اس نے میرے لئے خریدیں۔ اور پھر خوش خوش واپس آگئی۔

”آب تم لباس تبدیل کر کے آرام کرو۔ رات کو ہم ڈینگ ہال میں کھانا کھائیں گے۔“

”بہتر ہے.....!“ میں نے جواب دیا اور وہ اپنے کمرے میں چلی گئی۔ میں نے ذہن

آزاد چھوڑ دیا تھا۔ لڑکی دلچسپ تھی اور کوئی مسئلہ نہیں تھی۔ اور میں کسی ایسی بات کو مسئلہ نہیں بنا سکتا تھا۔ چنانچہ میں بھی لباس تبدیل کر کے آرام سے لیٹ گیا۔ اور پھر خالی الہامن ہو کر آنکھیں بند کر لیں۔



”جیسی آپ کی مرضی۔ لیکن مس سونیا! ان حالات میں آپ کا زیادہ باہر نکلنا مناسب نہ پڑتا۔“

”کیوں..... اب کیوں؟ اب تو تم میرے ساتھ ہو ماں۔ اور..... اور میں تمہیں

ہے؟ اور اگر درحقیقت! لڑکی نے جو کچھ کہا ہے، درست ہے تو بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

سو نیا نے فون رکھ دیا اور بولی۔ ”کمرے کا بندوبست ہو گیا ہے۔ آؤ چلیں.....!“

”ہوں.....!“ میں اٹھ کھڑا ہوا۔ میرے پاس سامان تو تھا نہیں۔ بس! اٹھا اور چل پڑا۔

لڑکی نے ٹکسی میں اس بارے میں سوال کیا تھا۔

”کیا تم درحقیقت بے حد غریب آدمی ہو.....؟“

”ہاں سونیا!“ میں نے جواب دیا۔

”میں دیکھ رہی ہوں، تمہارے پاس تو کوئی سامان بھی نہیں ہے۔“

”کچھ نہیں ہے۔“ میں نے شانے اپنکا کے۔

”رات کو پہنچے کا لباس اور جوتے بھی نہیں ہیں۔ لیکن خیر! کوئی بات نہیں..... اب تو

میرے محفوظ ہو۔ میں تمہارے لئے یہ ساری چیزیں مہیا کروں گی۔“

”شکریہ مس سونیا.....!“ میں نے جواب دیا اور وہ خاموش ہو گئی۔

ہٹل رین بو بھی میرا دیکھا ہوا تھا۔ گو، اس میں کبھی قیام کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ لگتا درجنوں بار اس کے سامنے سے گزرا تھا، اس کی شان و شوکت دیکھی تھی۔ اپنے وطن کی بان تھی اس لئے ان تمام چیزوں سے دلچسپ تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد میں سونیا کے بالکل رہا۔ والے کمرے میں مقیم ہو گیا تھا۔ سونیا بہت خوش تھی اور درحقیقت! اس لڑکی کے یہ روپ مجھ اُلٹھا رہے تھے۔ میں اس کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا۔

”آب بولو.....! آب کیا پروگرام ہے؟“ وہ میرے سامنے بیٹھ کر بولی۔

”میرا تو کوئی پروگرام نہیں مس سونیا!“ میں نے کہا۔

”اوہ..... میں لباس وغیرہ کے بارے میں پوچھ رہی تھی۔“

”ریڈی میڈ لباس خرید لیں گے۔“

”یقیناً..... کیونکہ لباس سلوانے کے لئے تو ہمارے پاس وقت بھی نہیں ہے۔ لیکن ہم خیال ہے، کمرے کا بندوبست ہو گیا ہے۔ اب ہمیں یہ کام بھی کر لینا چاہئے۔“

”ہاں..... جان دے سکتی ہوں، قید قبول نہیں کر سکتی۔“ اُس نے جواب دیا۔ اور پھر بولی۔ ”مسٹر رینڈال مجھے قتل تو نہ کر دیتے۔ زیادہ سے زیادہ، وہ مجھے قیدی بنادیتے۔ لیکن میں نے ان کی قید قبول نہیں کی۔ ورنہ مجھ سے شادی کر کے وہ میرا کیا بگاڑ لیتے؟“

پہاں میں نے لڑکی کے بیان میں بلکا ساتھا محسوس کیا۔ اُس نے ضد کی کہانی سنائی تھی۔ مسٹر رینڈال اُسے قید کیوں کر لیتے؟ آخر اُس کے اپنے بھی موجود تھے۔ بہر حال! اس سکتے کو میں نے اپنے ذہن میں رکھ لیا۔ سونیا اب بالکل خوف زدہ نہیں تھی۔ وہ شیخ پر گانے والی کی جانب متوجہ تھی اور پوری طرح اُس میں دلچسپی لے رہی تھی۔ میں نے ہال کا جائزہ لیا۔ کوئی خاص بات نہیں نظر آئی تھی۔

پھر رقص کے لئے موسيقی شروع ہو گئی اور سونیا نے جھک کر کہا۔ ”رقص کرو گے؟“

”کیوں نہیں.....!“

”تو آؤ.....!“ اُس نے کہا اور میں اٹھ گیا فلور پر میرے ساتھ تحرکتے ہوئے وہ بولی۔ ”تم ہر لحظ سے شاندار ہو ما یکل! یہ لباس پہن کر تم اعلیٰ خاندان کے فرد نظر آتے ہو۔ تم رقص بھی بہت شاندار اور پُر وقار انداز میں کرتے ہو۔ تمہارے کسی قدم میں جھوٹ نہیں ہے۔ اور اپنے دشمنوں کو تم انتہائی حقیر سمجھتے ہو۔ ان لوگوں سے میں نے تمہارے جنگ کرنے کے انداز کو دیکھا تھا اور بہت متاثر ہوئی تھی۔“

”مگر یہ.....!“ میں نے آہستہ سے جواب دیا۔

”میں نے تم سے شادی کے بارے میں ایک اجھسن کا اظہار کیا تھا نا؟“

”ہاں.....!“

”جانتے ہو وہ اجھسن کیا تھی؟“

”میں نہیں جانتا۔“ میں نے جواب دیا۔

”در اصل میں نے زندگی بہت عمدہ ماحول میں گزاری ہے۔ میں نے کبھی شادی کے لئے کسی آئندگی میں نوجوان کے خواب نہیں دیکھے۔ لیکن میں اس کے باوجود، ایک معیار رکھتی ہوں اور زندگی کے ایک مستقل تصور میں اس معیار کا برقرار رہنا ضروری ہے۔ خود میرے پاس ابھی بہت کچھ ہے۔ لیکن اتنا نہیں کہ میں اس کے مبنی پر عمدہ زندگی گزار سکوں۔“

”ہاں.....! ازندگی کا ایک معیار ضرور ہوتا چاہئے۔“ میں نے جواب دیا۔

”ما یکل!“ اُس نے راؤ نڈ بدلتے ہوئے کہا۔ ”میں تمہارے بارے میں ابھی تک کوئی

رات کے تقریباً ساڑھے آٹھ بجے اُس نے میرے کمرے کے دروازے پر دستک دی اور پھر اندر آگئی۔ میں بستر سے آٹھ گیا تھا۔ ”سو گئے تھے شاید.....؟“ وہ بولی۔

”نہیں.....! بس! لیٹا تھا۔“ میں نے اُسے دیکھتے ہوئے کہا۔ بہت عمدہ لباس پہنے ہوئے تھی جو کافی قیمتی بھی تھا۔ بہت ہی بلکا قیمتی زیور بھی پہنے ہوئے تھی۔ اس سے کم از کم ایک بات کی تصدیق ہوتی تھی کہ وہ مالی طور پر مضبوط ہے۔ ویسے اُس نے میرے لئے جو خریداری کی تھی، وہ بھی کافی تھی اور اُس کے خرچ کے انداز سے پتہ چلتا تھا کہ وہ اچھی زندگی کی عادی ہے۔

”سوق رہے ہو گے کچھ.....!“ اُس نے مسکرا کر پوچھا۔

”ہاں.....!“

”مجھے نہیں بتاؤ گے؟“ اُس نے بڑی اپنا سیت سے کہا۔

”بس..... کوئی خاص بات نہیں۔ تمہارے بارے میں ہی سوق رہا تھا۔“

”در اصل خود میں بھی اس دوران بہت کچھ سوچتی رہی ہوں۔ میں نے تمہاری تجویز پر بھی غور کیا ہے۔ لیکن اس میں کچھ دقتیں پیش آئیں گی۔ لیکن تم اٹھ جاؤ! مجھے قید رہنا بالکل پسند نہیں ہے۔ نیچے چلو۔ ہم وہیں چل کر گفتگو کریں گے۔“

”بہتر..... آپ چند ساعت انتظار کریں۔“ میں نے کہا اور با تھر زوم کی طرف چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد ہم دونوں ڈائینگ ہال کی طرف چل پڑے۔ ایک میز کے گرد کرسی پر بیٹھنے ہوئے میں نے مسکرا کر کہا۔ ”بہر حال! میں سونیا! آپ بیس کافی دلیر۔ خطرات میں گھر ہونے کے باوجود آپ کسی خطرے کی زیادہ پرواہ نہیں کرتیں۔ اب اس وقت کی بات لے لیں۔ آپ جیسی لڑکی کو بہت اختیاط رکھتی چاہئے تھی۔“

”میں قیدیوں کی سی زندگی کی قیمت پر نہیں گزار سکتی۔“

”اوہ..... خواہ خطرات کیسے بھی ہوں؟“

خاص بات نہیں جان سکی۔ اس قدر بالصلاحیت ہونے کے باوجود تمہارا کوئی مقام کیوں نہیں ہے؟“

”تم میرے بارے میں غلط فہمی کا شکار ہو سوئا! میں کوئی خاص حیثیت یا صلاحیت نہیں رکھتا۔ اگر میں نے ان لوگوں کو زیر کر لیا تو وہ کوئی خاص بات نہیں تھی۔ وہ خود ہی کمزور تھے میں تو اپنی زندگی میں ایک ناکام آدمی ہوں۔“

”اوہ.....!“ وہ آہستہ سے بولی۔

رات کا کافی حصہ ہوٹل کی تقریبات میں گزارنے کے بعد ہم واپس اپنے کمروں کی طرف چل پڑے اور اپنے مکرے کے دروازے پر پہنچ کر سوئیانے میری طرف دیکھا اور پھر آہستہ سے بولی۔ ”بہر حال! میں تمہارے بارے میں غور کروں گی۔“ اور پھر وہ مجھے خدا حافظ کہ کر اندر چلی گئی۔

اس کی اس بات پر میں دل میں نہ پڑا تھا۔ بے وقت لڑکی، غور کرے گی۔ بہر حال! اس دوران میں نے یہ اندازہ لگایا تھا کہ وہ زیادہ گہری نہیں ہے۔ میں نے بھی اپنے مکرے میں آکر بس تبدیل کیا اور پھر دوسرے امور سے فارغ ہو کر بھی بھاگ رکھا۔ ملب روشن کیا اور سونے کے لئے لیٹ گیا۔ بستر پر لیٹ کر میں نے اس کے بارے میں غور کیا۔ انوکھی لڑکی تھی۔ لیکن میں اس کے لئے کیا کر سکتا ہوں؟ وہ احمد سوچ رہی تھی کہ شاید میں نے اُسے شادی کی تجویز اس لئے پیش کی ہے کہ میں اُس سے شادی کا خواہش مند ہوں۔ پھر وہ میری حیثیت کے بارے میں بھی سوچ رہی ہے۔ اگر اس کی کہانی حقیقت پر مبنی ہے، تب بھی میں اس کے لئے کیا کر سکتا ہوں؟ بہر حال! کل کا دن اُسے اور برداشت کیا جا سکتا ہے۔ کل تک میں اس کا محافظت..... اور پھر میں فن لینڈ چھوڑ دوں گا۔ مجھے اپنے بارے میں سوچنا تھا۔ کسی کے لئے میں زیادہ وقت صرف نہیں کر سکتا تھا۔ اور پھر میں نے سونے کے لئے کروٹ بدلتی۔

دنیا کے بھگڑوں سے بے نیاز انسان تھا۔ اس لئے نیند میری اپنی تھی۔ لیکن جسے جوانی کی نیند کہا جاتا ہے، وہ نہیں تھی۔ اور شاید سیکرت پیلس کی تربیت نے مجھے یہ احتیاط دی تھی۔ اس کے علاوہ میرے کان بھی کافی حساس تھے اور وہ نہیں سے عمل کرنے کا عادی، سمجھ لینے کا ماہر۔ ورنہ اس بھلکی سی آواز سے نہ تو میری نیند متاثر ہوتی اور نہ میرا آذ، ہن سوئیا کی طرف جاتا۔ بھلکی سی آواز کسی چیز کے گرنے کی تھی۔ اور اس کے بعد جو آواز سنائی دی، وہ ایسی تھی جیسے کسی

کوچھنے کی کوشش سے روک دیا گیا ہو۔ دبی دبی سی آواز تھی، جس نے مجھے بیدار کر دیا۔ دوسرے لمحے میں اٹھ گیا۔ اور میرے ذہن میں صرف ایک ہی بات آئی کہ یہ آواز سوئیا کے کمرے سے آئی ہے۔ میں نے تیز تیز جلانے کی کوشش نہیں کی۔ بلکہ! میں دروازے کی جانب دوڑا اور دوسرے لمحے میں نے دروازہ کھول دیا۔ سوئیا کے کمرے کا دروازہ چونکہ میرے کمرے کے دروازے کے برابر ہی تھا۔ اس لمحے وہ دونوں افراد تقریباً میرے ہی کمرے کے دروازے پر کھڑے ہوئے تھے۔ شاید وہ لوگ راہداری کی گمراہی کر رہے تھے۔

میرے کمرے کا دروازہ اچانک کھلنے سے وہ بڑی طرح چونکہ پڑے۔ لیکن سوچنے کے لئے ایک لمحہ بھی نہیں تھا۔ میں عقاب کی طرح ان پر جا پڑا اور دونوں کے سر میں نے انہائی تیزی سے ایک دوسرے سے ٹکرایا۔ میری پہلی ہی کوشش کار آمد ہوئی تھی۔

میں ان کے حواس گم کر دینے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ ورنہ شاید دوسری شکل میں وہ اپنے ہاتھوں میں دبے ہوئے پتوں لوں کا استعمال کرنے میں کوئی عارضہ محسوس کرتے۔ دونوں کے ذہن چکرائے تھے۔ میرے گھونسوں نے ان کی رہی سہی ہمت بھی گم کر دی اور آخری ہاتھ میں نے ان کی گردنوں پر مارا جو بے ہوش کرنے کے لئے ہوا کرتا تھا۔ سوئیا کے کمرے کا دروازہ مجھے کھلا ہوا محسوس ہوا تھا۔ اندر سے بھلکی بھلکی آوازیں اب بھی آ رہی تھیں۔ میں نے دروازہ کھولا اور دیکھا کہ دو افراد سوئیا پر جھپٹ رہے ہیں۔

میرے قدموں کی چاپ سن کر وہ ٹھکلے۔ انہوں نے میری طرف دیکھا اور دوسرے لمحے میں نے محسوس کیا کہ ان کے ہاتھوں میں خبر دیے ہوئے ہیں۔ سوئیا اس وقت مسہری کے انہائی حصے پر کھڑی ہوئی تھی۔ وہ بے حد غوف زدہ نظر آ رہی تھی۔ وہ دونوں میری طرف پلٹے اور بولے۔ ”کون ہو تم.....؟“ ان میں سے ایک نے بھاری آواز میں پوچھا۔

لیکن اپنا تعارف میں خاموشی سے تو نہیں کر سکتا تھا۔ یوں بھی ہوٹل میں ہنگامہ زیادہ مناسب نہیں تھا۔ اس لمحے میں اڑتا ہوا ایک پر جا پڑا اور میری لات اُس شخص کے منہ پر پڑی۔ وار، بھر پور تھا۔ اُس نے پلٹ کر خبر سے میرے پاؤں پر وار کرنے کی کوشش کی۔ لیکن میں نے اچھل کر اس کو ایک لات پنڈلی کی ہڈی پر ماری۔ پھر میں نے اُس کا خبز والا ہاتھ پکڑ لیا۔ دوسرا آدمی مجھ پر حملہ آور ہو گیا تھا۔ لیکن میں نے اُس شخص کو اس لئے نیچے گرایا تھا کہ دوسرے کے وار سے نہ سکوں۔ اور میں نے اُسے بھی سنبھال لیا۔ صورت حال جس قدر خطرناک تھی، اس کا احساس ان دونوں کو ہو گیا تھا۔ چنانچہ دیوار

سے مکرا کر گرنے والا باوجود سخت چوٹ آنے کے ایک دم اٹھا اور دروازے کی جانب دوڑا
دوسرے آدمی نے اُس کی جان بچانے کی کوشش کی تھی لیکن اُس کو بھاگتا دیکھ کر وہ خود بخ
کیوں نہ اس عمل کو دہراتا۔ میں نے بھی ان میں سے کسی کو پکڑنا فضول سمجھا تھا۔ چنانچہ میر
نے انہیں جانے دیا۔ میری توجہ سونیا کی طرف ہو گئی۔

پھر میں نے سونیا کے قریب پہنچ کر اُس کا باٹھ پکڑا تو مجھے محسوس ہوا جیسے اُس کے باہ
سے خون بہہ رہا ہو۔ میں نے غور سے دیکھا تو درحقیقت اُس کا بازو زخمی تھا۔ لیکن سونیا کو اس
کی زیادہ پرواہ نہیں معلوم ہوتی تھی۔ وہ اُب بھی بدستور خوف زدہ تھی۔ پھر وہ مجھ سے پڑ
گئی۔ ”آہ..... ماں۔ ماں۔ ماں۔“ وہ پھر واپس آجائیں گے۔ آہ..... دروازہ بند کر دو!

”نہیں سونیا! تم خود کو قابو میں رکھو۔ وہ واپس نہیں آئیں گے۔“ میں نے جواب دیا۔

”اوہ..... ماں۔“ تم دروازہ بند کر دو۔“

”ٹھیک ہے..... لیکن تمہارا بازو زخمی ہے۔“

”زیادہ نہیں۔ پلیز! تم دروازہ بند کر دو۔“ سونیا پھر بولی اور میں آگے بڑھ گیا۔ اُتے
طمینان کرنے کے لئے دروازہ بند کرنا ضروری تھا۔ میں نے دروازے سے جھاٹک کر دیکھا
بے ہوش آدمی بھی وہاں سے غائب تھے۔ گویا جانے والے انہیں بھی کسی نہ کسی طرح ساتھ
لے گئے تھے۔ ممکن ہے، اُن کی تعداد کچھ زیادہ ہو۔ لیکن بھروسہ! وہ فرار ہو گئے تھے۔ تب
میں واپس آیا اور میں نے کمرے کا دروازہ اندر سے بند کر دیا۔

سونیا کا بدن تھر تھر کانپ رہا تھا۔ میں نے تیز ہتی روشن کی اور اُس کے بازو کے زخم کو
دیکھنے لگا۔ زخم زیادہ گہرا نہیں تھا۔ یقیناً نخبر سے اُس پر حملہ کیا گیا تھا۔ لیکن وار اچھتا ہوا پا
تھا۔ خون کافی بہہ رہا تھا۔ دوسرے لمحے میں اُسے سہارا دے کر باٹھ روم میں لے گیا۔ اور
پھر میں نے اُس کے بازو کو برہمنہ کر دیا۔ زخم دیکھ کر میں نے اُس کو پکڑے سے صاف کیا اور
پھر اُس پر ایک زوالی بالندھہ دیا۔ سونیا نذر حال سی نظر آرہی تھی۔ آہستہ آہستہ میں اُسے سہارا
دیئے ہوئے اندر کمرے تک لا لیا اور اُسے ایک کری پ بھا دیا۔ وہ گھرے گھرے سانس لے
رہی تھی۔

”کیا میں تمہارے لئے برائی طلب کروں؟“

”اوہ..... نہیں ماں۔ وقت کافی گزر چکا ہے۔ اس وقت ہوٹل کے لوگوں کو اس طرف
متوجہ کرنا ٹھیک نہیں ہے۔“

”سیا تم اس حملے کے بارے میں پولیس کو رپورٹ بھی نہیں کرو گی؟“

”سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ہے۔ میں پولیس کو رپورٹ کیسے کر سکتی ہوں.....؟“
”ہوں.....؟“ میں نے آہستہ سے کہا اور خاموش ہو گیا۔

سونیا تھوڑی دیر آنکھیں بند کئے بیٹھی رہی۔ پھر وہ مسکرا پڑی۔ ”ماں۔ میں اب بالکل
نہیں ہوں۔“ اُس نے کہا۔

”اوکے سونیا! میں واپس جاؤں.....؟“

”نہیں..... واپس نہ جاؤ! میں خوف محسوس کر رہی ہوں۔“

”پھر کیا خیال ہے میں سونیا.....؟“ میں نے کسی قدر طنزیہ انداز میں پوچھا۔

”میں نہیں تھجی.....“

”میرا خیال ہے رات سونے کے لئے ہوتی ہے۔ کیا آپ سونا پسند نہیں کریں گی۔“ میں
نے پھر کہا۔

”ماں۔ ماں! تم کیسی باتیں کر رہے ہو؟“ اُس نے میری طرف دیکھ کر کہا۔ اُس کا انداز کچھ
عجیب ساتھ۔

”میرا خیال ہے، تمہیں میری یہ بات پسند نہیں آئی سونیا! لیکن میں کہ بھی کیا سکتا ہوں؟
میں تمہارے کسی معاملے میں مداخلت کرنا نہیں چاہتا۔ جو کچھ تم نے کہا، وہی ٹھیک ہے۔ اور
مجھے اسے صحیح تسلیم کرنے میں کوئی تال نہیں۔ لیکن ذہن نے تمہاری اس کہانی کو
تسلیم نہیں کیا اور اس کی چند بنیادی وجہ ہیں۔ میں تمہیں وہ وجود نہیں بتاؤں گا۔ بس! میں
صرف یہ کہتا چاہتا ہوں کہ تم اپنی کہانی بتانا نہیں چاہو گی تو کوئی حرخ نہیں ہو گا۔“

”تمہیں میری کہانی پر یقین کیوں نہیں ہے ماں۔ ماں.....؟“ سونیا نے پوچھا۔

”سونیا! تم نے کہا تھا کہ تمہارے ڈیڈی صرف تمہیں پکڑ دالیا چاہتے ہیں۔ لیکن وہ لوگ
صرف تمہیں گرفتار کرنے آئے تھے۔ میں نے کہا اور سونیا کے نقوش بدلنے لگے۔

”میں تم سے شرم نہ ہوں ماں۔ ماں.....!“

”تواب کیا آپ مجھے صحیح کہانی بتانے پر آمادہ ہیں.....؟“ میں نے بدستور طنزیہ انداز
میں کہا۔

”ہاں.....! اس لئے کہ تم ایک اچھے محافظ ہو، ایک عمدہ ساتھی، جس پر بھروسہ کیا جاسکتا
ہے۔“

”اوہ..... تو کیا تمہارا خیال ہے کہ میں اس بات سے ناراض ہو گیا ہوں؟ نہیں میں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ آپ تیقین کریں! کہ میرے سامنے بھی زندگی کا ایک معیار سونیا! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔“

”معیار اور حیثیت والی بات۔“
”اوہ..... تو کیا تمہارا خیال ہے کہ میں اس بات سے ناراض ہو گیا ہوں؟ نہیں میں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ آپ تیقین کریں! کہ میرے سامنے بھی زندگی کا ایک معیار ہے۔ اور میں اپنے معیار کو دوسروں سے پوشیدہ رکھنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ ایسی ٹھکل میں، میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ اگر آپ نے مجھے کچھ کہا تو میں اس پر کہاں تک عمل کروں گا۔ چھوڑیں ان باتوں کو۔ آپ یہ بتائیں کہ آپ کا پروگرام کیا ہے؟“

”مایکل! سب سے پہلے تو مجھ سے وعدہ کرو! کہ تم مجھے چھوڑ گئے نہیں۔ میں جو کچھ کر سکھ ہوں، وہ ایک فطری چیز تھی۔ لیکن اب تو بہر صورت! میں تم پر اعتماد کرنے لگی ہوں۔ اور میں تمہیں اپنی کہانی بھی سناؤں گی۔“
سونیا کے چہرے پر شرمدگی کے آثار نظر آ رہے تھے۔ میں چند لمحے اُسے دیکھتا رہا۔ اور پھر نی کہانی سننے کے لئے تیار ہو گیا۔ تب اُس نے گردن جھکا لی۔

”میرا اصلی نام جوزیناں ہے۔ جوزیناں ہبرگ۔۔۔ ویسے میں نے تم سے یہ بات بالکل درست کی تھی کہ میں ایک سرمایہ دار کی بیٹی ہوں۔ اُس کے بارے میں تفصیل نہیں بتاؤں گی۔ بس! یوں سمجھ لو کہ کچھ سازشوں کا شکار ہوں اور گھر سے فرار ہوئی ہوں۔ کچھ لوگ میرے قتل کے درپے ہیں۔ میں ابھی تک اُن سے بچتی رہی ہوں۔ کئی ملکوں میں گھوم پھر آئی ہوں اور اب فن لینڈ پہنچ ہوں۔ لیکن وہ کمخت کہیں بھی میرا پیچھا نہیں چھوڑتے۔“
”کیا مسٹر ہبرگ..... میرا مطلب ہے تمہارے والد اُن لوگوں کے ساتھ ہیں؟“ میں نے پوچھا۔

”نہیں..... وہ بے چارے بھی سازشوں کا شکار ہیں۔ میں تمہیں کیسے بتاؤں مایکل! بہت عجیب و غریب حالات ہیں۔ میرے والد ایک بہت بڑے سامنہدان ہیں۔ اُن کے کچھ راز میرے پاس بھی موجود ہیں۔ خطرناک لوگوں کے ایک گروہ نے اُن رازوں کو معلوم کرنے کے لئے میرے والد کو طرح طرح کی اذیتیں دیں۔ یہاں تک کہ انہوں نے مجھے انخواہ کر لیا اور میرے والد کو دھمکیاں دینے لگے کہ اگر انہوں نے اپنے سامنی راز اُن کے خواص کے تو وہ مجھے قتل کر دیں گے۔ میرے والد کافی پریشان ہو گئے۔ لیکن پھر مجھے ایک نوع عمل گیا اور میں اُن لوگوں کے چنگل سے نکل آئی۔ وہاں سے نکلنے کے بعد میں نے اپنے

”میک ہے..... اس سے قبل آپ کو مجھ پر غالباً بھروسہ نہیں تھا۔“

”دیکھو ما مایک! مجھے معاف کر دو۔ میں جن حالات میں گھری ہوئی ہوں، اس کے تھے میں کسی کو بھی اپنا رازدار نہیں بنائی تھی۔“

”میں اب بھی آپ کو یہی مشورہ ڈوں گا میں سونیا! آپ اب بھی کسی کو اپنا رازدار بنائیں۔ صرف یہ بتائیں! کہ میں مزید آپ کے لئے کیا کر سکتا ہوں؟ اور سنیں! میں زیادہ سے زیادہ کل تک آپ کا ساتھ دے سکتا ہوں۔ اور اس کے بعد میں آپ کی حفاظت کی کوئی ذمہ داری قبول نہیں کروں گا۔“

”کیوں..... کل تک کیوں.....؟“ سونیا نے مضطربانہ انداز میں کہا۔

”میں سونیا! آپ نے میرے میں مجھ سے پوچھا تھا۔ کیا ضروری ہے کہ میں اپنی زندگی کے بارے میں آپ کو تفصیل بتاؤں؟ یہ میرے اپنے معاملات ہیں۔ اور میرے اپنے ساتھ ہیں۔ میں ان میں کسی کو شریک نہیں کر سکتا۔ البتہ اتنا میں ضرور کہوں گا کہ میرے اپنے مسائل بھی ہیں۔ اور ہاں! آپ نے جو محافظت کی حیثیت سے مجھے ملازم رکھا ہے، میرا خیال ہے میں نے وہ ملازمت قبول نہیں کی۔“

”مایک! تم کافی ناراض معلوم ہوتے ہو۔“

”ناراضگی کی بات نہیں ہے سونیا! میں تم سے پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ تم اتفاقی طور پر اگر میرے کمرے میں آئیں اور اتفاقی طور پر ہی میں نے تمہاری مد بھی کی تو یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے جسے بہت زیادہ اہمیت دی جائے۔ بہر صورت! میری جگہ کوئی بھی ہوتا تو تمہاری اس حد تک مدد تو ضرور کرتا۔ باقی رہا تمہاری کہانی کا مسئلہ تو تیقین کرو! کہ مجھے پہلے بھی اس پر تیقین نہیں آیا تھا۔“

”اوہ..... مایک! یہ بات نہیں ہے۔ حالانکہ میری تمہاری ملاقات کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا ہے۔ لیکن پھر بھی میں تم کو خود سے الگ محسوس نہیں کرتی۔“

”یہ غیر فطری بات ہے سونیا! براو کرم مجھے اس سلسلے میں تیقین دلانے کی کوشش نہ کرو۔“
”میں تو کچھ اور محسوس کر رہی ہوں۔“ وہ بولی۔

”مشلا کیا.....؟“
”میں نے تم سے ایک بات کی تھی۔ اور بعد میں، میں اس کے بارے میں سوچتی بھی رہی تھی۔“

والد کو نیلی فون کیا اور انہیں کہا کہ وہ اپنی حفاظت کا بندوبست کریں، میں اپنی حفاظت
انظام کرلوں گی۔ اور جس وقت بھی مناسب موقع ملا، ان کے پاس پہنچ جاؤں گی۔ میں
نے اپنا طلن جھوڑ دیا۔ اور اس کے بعد سے یہ لوگ میرے پہنچے لگے ہوئے ہیں۔ انہیں
نے جگہ جگہ میرا تعاقب کیا ہے اور مجھے قتل کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ میں بخشن
ویک کر بولی۔

”میرے بازو میں تکلیف ہو رہی ہے۔ کیا میں لیٹ جاؤں.....؟“

”ہاں..... ضرور!“ میں نے جواب دیا اور وہ آہستہ سے کری سے اٹھ گئی۔ سہارا لیتی
ہوئی وہ مسہری تک پہنچ گئی اور لیٹ گئی۔ پھر بولی۔

”مجھے افسوس ہے کہ تمہاری بھی نیند خراب ہوئی..... میرا خیال ہے تم بھی آرام کرو۔ لیکن
کیا میں تم سے یہ درخواست کر سکتی ہوں کہ تم بھی رات اسی کمرے میں گزارو؟ میں ان لوگوں
سے خوف زدہ ہوں۔“

”اوہ..... مس سونیا! جیسی آپ کی مرضی۔“

”کوئی حرجنہیں ہے مسٹر مائیکل..... آپ بھی اسی بستر پر آ جائیں۔“ اس نے کہا اور منہ
”درستی طرف پھیر لیا۔

میرے ذہن میں پھر گلدگدی سی ہونے لگی تھی۔ گویا لڑکی کا یہ زخم بالکل ہی بد لے ہوئے
انداز کا حامل تھا۔ لیکن جتاب! مجھے اس بات کی کیا فکر ہو سکتی تھی؟ چنانچہ میں نے گردن پلا
دنی اور اس کے پاس مسہری پر پہنچ گیا۔ اس نے میرے لئے جگہ بنا دی تھی۔ میں نے
دروازے کو دیکھا۔ دروازہ بند تھا۔ پھر میں بھی لیٹ گیا۔ میرے ذہن میں اب کچھ اور
احساسات جنم لے رہے تھے۔ جوزیفائن کے بدن کی گری میرے بدن تک پہنچ رہی تھی۔ میرا
خیال تھا کہ وہ ذہنی طور پر مجھ سے متاثر ہو گی۔ اور اس کے بعد کوئی اقدام کرے گی۔ خود میں
کوئی قدم اٹھانا نہیں چاہتا تھا۔ یوں کافی وقت گزر گی۔ تب میں نے آہستہ سے اُسے مغایط
کیا۔ ”مس جوزیفائن.....! کیا آپ کو نیند آ گئی؟“

”نہیں مسٹر مائیکل.....! میں جاگ رہی ہوں۔“

”سونے کی کوشش کریں۔ میرا خیال ہے نیند آپ کے لئے بے حد سکون بخش ثابت ہو
گی۔ کل صبح میں آپ کے رخصم کا علاج کرنے کی کوشش کروں گا۔“

”مشکر یہ..... ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ رخصم زیادہ گہر انہیں ہے۔ میرا خیال ہے میں اس
تکمیل کو با آسانی برداشت کرلوں گی۔“

”تو پھر اب تم کیا چاہتی ہو.....؟“
”تم مجھے بحفاظت میرے والد تک پہنچا دو۔“ سونیا نے کہا۔
”اوہ..... یہاں سے تم کہاں جانا چاہتی ہو.....؟“
”ڈنمارک.....!“ اس نے جواب دیا۔
”کیا تم ڈنمارک کی باشندہ ہو.....؟“
”ہاں.....!“ وہ آہستہ سے بولی۔ اور میرے ہونتوں پر بے ساختہ مسکراہٹ پھیل گی۔
لیکن میں نے اپنے مسکراہٹ اس پر عیاں نہ ہونے دی۔ حالانکہ وہ اپنے خدوخال سے
ڈنمارک کی باشندہ نظر نہیں آتی تھی، چونکہ میں نے ڈنمارک دیکھا ہوا تھا۔
”ٹھیک ہے۔ میں تمہیں ڈنمارک پہنچانے کی ذمہ داری قبول کر سکتا ہوں۔ پھر کیا
اپنے والد کے پاس پہنچ جاؤ گی؟“

”ہاں مسٹر مائیکل! آپ میرے لئے یہ انتظام کر دیں۔ میں زندگی بھر آپ کی شکر لڑا
رہوں گی اور بہر صورت! اگر آپ پسند کریں گے تو آپ کو آپ کی اس محنت کا معاوضہ کرنے
دؤں گی۔“ سونیا نے کہا۔

”ٹھیک ہے مس جوزیفائن یا مس سونیا! میں آپ کی مدد کرنے کے لئے تیار ہوں۔ آپ
کب ڈنمارک چلانا پسند کریں گی؟ اور کیا آپ کے پاس پاسپورٹ وغیرہ موجود ہے؟“
”نہ پوچھا۔“

”ہاں.....! میرے پاس انٹرنسیشنل پاسپورٹ موجود ہے، جس پر میں با آسانی ڈنمارک
ویزا لگوانسکی ہوں۔“ جوزیفائن نے کہا۔

رات کے کافی حصے تک میں اُس کے جذبات کا جائزہ لیتا رہا۔ لیکن مجھے اُس کے کوئی ایسی لپک نظر نہیں آئی تھی جس سے اندازہ ہوتا کہ وہ صرف عورت ہے۔ اور یہ بہر صورت! مجھے بری نہیں لگی تھی۔ کم از کم اُس کے اندر ایک خوبی تو موجود تھی۔ گواہ اسی جھوٹ بولنے کے بعد کسی حد تک مجھے بد دل کر دیا تھا۔ لیکن مجھے اُس کی یہ بات پڑی تھی۔ اور بہر صورت! میں کسی ایسی شخصیت کو کسی غلط انداز میں متاثر نہیں کر سکتا تھا۔

رات آرام سے گزر گئی اور سورج نکل آیا۔

میں گھری نیند سو گیا تھا اور نہ جانے کب تک سوتا رہا۔ سونیا ہی نے مجھے جگایا تھا۔ انکھوں میں اعتماد نظر آ رہا تھا۔ اُس نے مسکراتے ہوئے مجھے دیکھا اور بولی۔ ”ماں۔“ اٹھو گے نہیں؟ وہ مسکرا کر بولی اور مجھے عجیب سہا احساس ہوا۔ اور میں نے اُسے جو زبان کہنے کا ہی فیصلہ کر لیا۔

چنانچہ میں اٹھ گیا۔ جوز بیان شاید عمل کر پچھی تھی۔ کافی نکھری نکھری نظر آ رہی تھی۔ نے اُس کے بازو کو دیکھا۔ بازو پر اب بھی پتی بندھی ہوئی تھی۔

”تمہارے بازو کا زخم اب کیا ہے مس جوز بیان؟“ میں نے پوچھا۔ ”اوہ..... میں نے کہانا، کوئی خاص بات نہیں ہے۔ میں اس کے لئے پریشان ہوں۔“

”ٹھیک ہے..... لیکن میں بازار سے کوئی ایسی چیز خرید لاؤں گا جسے تمہارے بازو سکوں۔“

”تم خواہ مخواہ اس کے لئے فکر مند ہو۔ مجھے تو سچ مجھ اس بارے میں ذرا بھی احوال ہے۔ تاہم! تم عمل کرلو۔ میں ناشتے کے لئے کہتی ہوں۔“ اور جب میں عمل کر کے باہر آیا تو دیر ناشتہ لگا رہا تھا۔ جوز بیان اس طرح مطمئن ہیسے رات کچھ بھی نہ ہوا اور ساری دنیا میں اُس کا کوئی دشمن نہ ہو۔ یہ بات اُس کی اعتمادی کا مظہر تھی۔

ہم دونوں ناشتے کرنے لگے۔ جوز بیان اس دوران خاموش رہی۔ پھر اُس نے آئے کہا۔ ”اب کیا خیال ہے ماں!..... ڈنمارک کب چلو گے؟“

”تمہارے پاس پاسپورٹ موجود ہے۔ میرے پاس بھی ہے جوز بیان! میرا خیال آج کا دن میں اس مسئلے میں گزار دوں گا۔ ہاں! اگر تم چاہو تو میں تمہیں محفوظ رکھنے کے

اور بھی کارروائی کر سکتا ہوں۔“

”مثلاً.....؟“ اُس نے پوچھا۔

”ویکھو! یہ بات تو ظاہر ہے کہ تمہارے وہمن یہاں موجود ہیں۔ چنانچہ اب یہ جگہ بھی ان کی لگاہ میں ہو گی۔ ایسی صورت میں ہمیں اول تو اس ہوٹل میں قیام ہی نہیں کرنا چاہئے اور جتنا دلت بھی ہم گزاریں کسی دوسری جگہ ہی گزاریں۔ حفاظت کے طور پر یہ ضروری ہے۔ اور ویے میں چاہتا ہوں کہ تم اپنے چہرے پر چھوڑ اسامیک آپ کرلو۔“

”میک آپ.....؟“ وہ تجھ سے بولی۔

”ہاں..... خدو خال بدلنے میں کوئی دقت نہیں ہو گی۔“

”اوہ..... لیکن مجھے تو میک آپ کرنا نہیں آتا۔ کیا تم یہ کام کر لیتے ہو ماں!.....؟“ اُس نے پر اشتیاق لبھے میں پوچھا۔

”ہاں..... میں یہ کام کر سکتا ہوں۔“ میں نے جواب دیا۔

”مگر کس طرح..... اس کے لئے تو کچھ سامان کی ضرورت بھی تو ہوتی ہے۔“

”سامان ہم بازار سے خرید لیں گے۔“ میں نے جواب دیا۔

”جبیساً تم مناسب خیال کرو ماں! میں یہ بات تو بالکل سچ کہہ رہی ہوں کہ صرف چند گھنٹوں میں، میں نے تم پر بہت زیادہ اعتماد کر لیا ہے۔“ میں نے کوئی جواب نہیں دیا اور ہم باہر آگئے۔

بازار جا کر ہم نے میک آپ کا کچھ سامان خریدا۔ اور اس کے بعد واپس اپنے ہوٹل میں آگئے۔ یہاں آ کر میں نے سونیا کے چہرے پر اپنی مہارت آزمائی۔ اُس کے بالوں کا رنگ بھی بدل دیا اور خدو خال بھی۔ اب وہ کسی حد تک عمر سیدہ معلوم ہو رہی تھی۔ یعنی اُس کی عمر تسلیماً یہ تیس سال محسوس ہوئی تھی۔

سونیا کو پانچ یہ میک آپ دیکھ کر بڑی حریت ہوئی تھی اور اُس نے بڑے عجیب انداز میں کہا تھا۔ ”یہ تو بڑی تجھ بخیز بات ہے ماں! میرا چہرہ تو بالکل بدل گیا۔ آہ..... کاش! میں بھی ان کی سے واقف ہوئی۔ تب مجھے یہ سب پریشانیاں نہ اٹھانا پڑتیں۔“

میں نے اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ میک آپ کرنے کے بعد ہم ایک بار پھر ہوٹل سے نکل آئے۔ اور سب سے پہلا کام ہم نے یہ کیا کہ دوسرے ہوٹل میں کمرہ بیک کر لیا۔ دو پھر ہو چکی تھی لیکن اس کے باوجودہ، میں سونیا کو چھوڑ کر نکل گیا۔ یہاں سے ڈنمارک

زندگی پہنچ کر بھنگ آئی اور پھر اس کے ہونتوں پر عجیب سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

زندگی صرف ہو گیا میکل.....!“ اُس نے کہا۔

”پر ادن سوچا کہ آج کام ختم ہو جانا چاہئے۔“ میں نے جواب دیا۔

”اوہ..... ہاں سوئیا! میں نے سوچا کہ آج کام ختم ہو جانا چاہئے۔“ میں نے جواب دیا۔

”ہو گیا.....؟“ اُس نے اشیاق سے پوچھا۔

”ہاں..... آج رات کو ساڑھے دس بجے ہم روانہ ہو رہے ہیں۔“

”ڈنمارک.....؟“ وہ خوشی سے اچھل پڑی۔

”ہاں.....!“ میں نے جواب دیا۔ پھر نکلت اور دوسرا کاغذات نکال کر میں نے اُس کے سامنے ڈال دیئے۔ سوئیا حیرت زدہ رہ گئی تھی۔ اُس نے ڈنمارک کے نکٹ دیکھے جو کافی

تھی تھے۔ اور مجھ جیسے قلاش آدمی سے وہ اتنے مہنگے نکٹ خریدنے کی موقع نہیں رکھتی تھی۔

”لیکن..... لیکن ما میکل! کیا تمہارے پاس اتنی رقم تھی؟ نہ جانے تمہیں کتنی دقتیں اٹھانی پڑی ہوں..... تم مجھ فون کر دیتے۔“

”کام ہو گیا تھا میں جوز یافتائیں! اس لئے اس کی ضرورت نہیں پیش آئی۔“

”کیا میں تمہیں یہ رقم ادا کر دوں؟“

”ابھی ضرورت نہیں ہے۔ اگر ضرورت پیش آئی تو بتاؤں گا۔“ میں نے جواب دیا اور

پھر میں باہر زوم میں چلا گیا۔ وہ حیران نظر آرہی تھی۔ باہر زوم سے لکا تو وہ منتظر تھی۔

”میں نے کافی منگوائی ہے۔ لیکن اگر تم بھوکے ہو تو کھانے کا بندوبست کروں؟“

”نہیں..... میں نے دو پھر کو کھانا کھایا تھا۔ اور اس وقت صرف کافی کی ضرورت محسوس کر رہا ہوں۔“ میں نے جواب دیا۔ خود ہی دیر کے بعد ہم کافی پی رہے تھے۔ میں نے سوئیا

کی آنکھوں میں غور و فکر کی پر چھائیاں دیکھی تھیں۔ وہ نہ جانے کیا سوچ رہی تھی۔

”تمہارے والد مسٹر ہمیبرگ تو ڈنمارک میں کافی مشہور ہوں گے۔“ میں نے پوچھا اور وہ

چوک پڑی۔

”ہاں..... ایک سانحشدان کی حیثیت سے وہ مشہور آدمی ہیں۔“ اُس نے جواب دیا اور

میں خاموش ہو گیا۔ رات کو نو بجے ہم نے بھول کے ڈائینگ ہال میں کھانا کھایا اور پھر روائی

کی تیاریاں کرنے لگے۔ پونے دس بجے ہم بھول سے نکلنے کے لئے تیار تھے۔ تب میں نے

سوئیا سے کہا۔

”میک اپ ختم نہیں کرو گی میں جوز یافتائیں؟“

تک کا سفر کرنا میرے لئے بھی ایک پسندیدہ بات تھی۔ کیونکہ بہر صورت! میں بھی فن لے جھوڑ دینا چاہتا تھا۔ سوئیا کا پاسپورٹ میں نے ساتھ لے لیا تھا۔ چنانچہ میں متعلقہ دفتر پہنچنے اور میں نے اس سلسلے میں ضروری کارروائی مکمل کر لی۔

دوسرادن بھی ہمیں ویزے کے سلسلے میں صرف کرنا تھا۔ چنانچہ میں شام کو واپس آگیلہ

اس بارہم دونوں نے ایک ہی کمرہ لیا تھا۔ سوئیا غالباً میری طرف سے مطمئن ہو گئی تھی میں اُس کا ساتھی بن جاؤں تو کوئی تشویش کی بات نہیں ہے۔ میں خود بھی اُس کے ساتھ کوئی

ایسی حرکت نہیں کرنا چاہتا تھا، جب تک کہ خود اُس کی آمادگی نہ پاتا۔ رات ہم دونوں نے ساتھ ہی گزاری۔

ڈبل روم تھا۔ اس لئے بستر دو تھے۔ سوئیا کافی دیر تک مجھ سے باتمیں کرتی رہی۔ پھر

آرام سے گھری نیند سو گئی۔ میرے ذہن میں کافی دیر تک خیالات چکراتے رہے تھے۔ لیکن

بہر صورت! میں نے کسی ایسے اقدام کا ارادہ نہ کیا جو سوئیا کے لئے بے اعتمادی کا باعث ہو۔

یوں رات گزر گئی اور دوسرا صبح ہب معمول خوشنگوار تھی۔

ہم دونوں نے ساتھ ہی ناشستہ کیا اور اس کے بعد میں نے سوئیا سے اجازت چاہی۔ میں

نے اُسے بتا دیا تھا کہ آج شاید ہماری روائی کے سارے انتظامات مکمل ہو جائیں گے برات

کے کسی چہاز سے ہم فن لینڈ چھوڑ دیں گے۔

سوئیا چونکہ میک اپ کی وجہ سے مطمئن ہو گئی تھی اس لئے اُس نے خاموشی سے بھے

اجازت دے دی۔ میں ہوٹل سے باہر آ گیا۔ پھر بات یہ تھی کہ میں اُس لڑکی کی طرف سے

خود بھی مطمئن نہیں تھا۔ لیکن یہ دوسرا بات تھی۔ اگر وہ کوئی غلط لڑکی تھی تو مجھے اس سے کافی

فرق نہیں پڑتا تھا اور اتنا اندازہ میں نے لگایا کہ وہ لڑکی کسی سازش کے تحت میرے پار

نہیں آئی تھی۔ بلکہ اُس کا میرے زندگی میں آنا ایک اتفاقی بات تھی۔ چنانچہ جہاں تک ڈنمارک

پہنچنے کی بات ہے، میں اُس لڑکی کو ڈنمارک لے جا سکتا تھا۔ چنانچہ دن کی تمام تر کوششوں

کے بعد میں نے سارے انتظامات مکمل کر لئے تھے۔ یہاں تک کہ رات ساڑھے دس بجے

کے پلین سے ہم ڈنمارک جانے کے لئے تیار ہو گئے۔

جہاز کے نکٹ بھی میں نے خرید لئے تھے۔ اور ان تمام کاموں میں مجھے شام ہو گئی۔ ٹیک

کو جب میں سوئیا کے پاس پہنچا تو وہ شدت سے میرا انتظار کر رہی تھی۔ بے اختیار مہرہ طرف بڑھی۔ اُس کے انداز سے اظہار ہو رہا تھا جیسے مجھ سے لپٹ جائے گی۔ لیکن میرہ

"لک..... کیا مطلب.....؟" اُس نے چونک کر پوچھا۔

"اگر ہم نے میک اپ ختم نہ کیا تو ایز پورٹ سے واپس کر دیئے جائیں گے۔ کیا تمہیں پاسپورٹ پر لگی تصویر کے مطابق نہیں ہوتا چاہئے؟"

"اوہ..... میرے خدا! یہ بات تو ذہن سے نکل ہی گئی تھی۔" وہ پیشانی پر ہاتھ مارتے ہوئے بولی۔

"مجھے یاد تھی۔" میں نے مسکراتے ہوئے آہا۔

"لیکن ماں سیکل! کیا اس طرح ہم خطرات سے دوچار نہیں ہو سکتے؟" وہ تشویش زدہ انداز میں بولی۔

"ہاں..... خطرات تو ہیں۔ لیکن یہ ضروری ہے۔ اب یہاں اتنا وقت تو نہیں تھا کہ دوسرے پاسپورٹ تیار کرائے جا سکتے۔ بہر حال! جہاں ہم اتنے خطرات مول لیتے رہے تھیں، وہاں یہ تھوڑا سا خطرہ اور مول لینا پڑے گا۔ اس کے بعد تم اپنے وطن پہنچ جاؤ گی۔"

"ٹھیک ہے....." اُس نے پر خیال انداز میں گردن ہلا دی۔ بہر حال! ہم نے ہوٹل چھوڑ دیا۔ اور اس کے ایک ہاتھ زوم میں ہم نے میک اپ صاف کر لیا تھا۔ پھر ایک ٹیکسی لے کر ہم ایز پورٹ چل پڑے۔ پلین روائی کے لئے تیار کھڑا تھا۔ دوسرے معاملات میں زیادہ وقت نہ لگا اور ہم پلین میں جائیں۔ پھر جب بوائی جہاز نے فن لینڈ کی زمین چھوڑی سونیا۔ جو زیفاائن نے سکون کی گہری سانس لی۔

لیکن اُس وقت میرا ذہن بھٹک رہا تھا۔ اُس لڑکی کی اچاک کم آمد نے میرے احساسات کا رُخ بد دیا تھا ورنہ میں کافی جذباتی ہو رہا تھا۔ فن لینڈ میرا وطن تھا۔ ایک دن یہاں سے برے احوال میں نکلا تھا۔ اور اس کے بعد میری زندگی نے جو رُخ اختیار کیا تھا، اس کے بارے میں، میں خود بھی خوش نہیں تھا۔ لیکن بہر حال! ایک جنون مجھے برائی کی طرف لے گیا تھا اور اب میں پڑ سکون تھا۔ فطری طور پر میں برا انسان نہیں تھا۔ ورنہ اپنے والدین کے ساتھ یہ سلوک نہ کرتا اور انہیں اُن کے حال پر چھوڑ دیتا۔ مجھے یقین تھا کہ اب تک میرے والد اور پچا کو یہ بات معلوم ہو چکی ہو گی کہ جو شخص خادم کی حیثیت سے اُن کے ساتھ تھا، اُن کا بینا ہی تھا۔ پچھلے بھی تھا، آخر میں اُن کی اولاد تھا۔ دل کے گلزارے گلزارے ہو گئے ہوں گے۔ کس طرح ترپے ہوں گے وہ میرے لئے..... لیکن ڈن کیں اب ایک خواب سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا تھا اُن کے لئے۔ اور بہتر، ہے اس خاندان سے یہ نام خارج ہی ہو جائے۔

اک اس کی نیک نامی پر کوئی سیاہ دھبہ نہ پڑ سکے۔ اس خاندان کو کھویا ہوا وقار واپس مل گیا تاکہ اس کی محنت امید تھی کہ پیشان لوگ اب سختی کی کوشش کریں گے اور دوبارہ کوئی ایسا قدم ہے۔ اور مجھے امید تھی کہ پیشان لوگ اب سختی کی کوشش کریں گے اور دوبارہ کوئی ایسا قدم نہیں اٹھائیں گے جس سے یہ خاندان پھر مٹا کے گئے ہے میں جا پڑے۔ اگر صاحب دل ہیں تو میری حیثیت اس خاندان کی ایک یاد بنی رہے گی اور وہ مجھے حرف ناطق کی طرح مٹانے کی کوشش نہیں کریں گے۔

بہر حال! میری خوش بختی تھی کہ میں بالآخر ان لوگوں کی زندگی کو سہارا دینے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ لیکن اب..... اب میری بھی تو کوئی حیثیت ہونی چاہئے۔ نہ سکی، کیون خاندان سے متعلق ہو کر۔ میں نے تو فیصلہ کر لیا تھا کہ ایک نئے خاندان کی بنیاد ڈالوں گا۔ اور اس پر عمل کرنے کے لئے ابھی مجھے بہت کچھ کرنا تھا۔ بلاشبہ! بہت کچھ۔

سو نیا کی آواز نے میرے خیالات کا ظہرم توڑ دیا۔ "ماں سیکل.....!" اُس نے مجھے پکارا تھا اور میں نے چونک کر اُسے دیکھا۔ "بہت خاموش ہو۔" وہ بولی۔

"ہوں..... کوئی خاص بات نہیں ہے سونیا.....!"

"جو زیفاائن پلینی.....! میں یہ نام من کر شرمندہ ہو جاتی ہوں۔"

"کیوں.....؟" میں نے معنی خیز نگاہوں سے اُسے دیکھا۔

"اس لئے کہ میں نے تم جیسے مخلص انسان سے جھوٹ بولا تھا۔"

"اوہ..... ایسی کوئی بات نہیں ہے مس جو زیفاائن! کیا آپ کے خیال میں، میں آپ کی اس کہانی سے مطمئن ہو گیا تھا؟"

"کیا مطلب؟"

"ایقول تمہارے، اگر تھوڑی بہت صلاحیت رکھتا ہوں تو اس میں کم از کم جھوٹ اور سوچ پر کھٹکے کی صلاحیت بھی تو شامل ہو گی۔"

"اوہ.....!" اُس کے چہرے کا رنگ سکی حد تک بدلت گیا۔ وہ چند لمحوں تک عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھتی رہی۔ پھر جب میں نے اُس کی جانب دیکھا تو اُس نے نگاہیں جھکا لیں۔

"لیکن مجھے خوشی سے کہ تم نے اس جھوٹ کو زیادہ دریتک برقرار نہیں رکھا۔ بلکہ اس سلسلہ میں مجھے اُن لوگوں کا شکر بزرگی ہوتا چاہتے جنہوں نے تمہارے اوپر قاتلانہ حملہ کیا تھا۔" جو زیفاائن نے میری طرف دیکھا۔ اور پھر نگاہیں جھکا لیں۔ میرے ان الفاظ سے اُس

نے نہ جانے کیا نتیجہ اخذ کیا تھا۔ پھر وہ خاموش ہو رہی۔ اور اس موضوع پر اُس نے اور کوئی بات نہیں کی۔

”ذمہ کر پہنچ کر تو براہ راست اپنے والد کے پاس جاؤ گی.....؟“

”اوہ..... یہ تو مناسب نہ ہوگا مائیکل!“ اُس نے کہا۔

”کیوں.....؟“

”تم دیکھ پہنچے ہو کہ وہ لوگ بدستور میرے پیچھے ہیں۔“

”ہاں..... یہ بات تو ہے۔ لیکن اس کا مطلب تو یہ ہوا جوز یفاں! کہ وہ لوگ آج ہی سانشی راز تم سے معلوم کرنے کے لئے بے چین ہیں۔“

”یہی لگتا ہے۔“ اُس نے جواب دیا۔

”لیکن راز معلوم کرنے والے قتل کرنے کی کوشش تو نہیں کرتے.....؟“

”میں نے بھی اس سلسلے میں سوچا ہے مائیکل! اور ایک ہی نتیجہ پر پہنچی ہوں۔“

”وہ کیا.....؟“ میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

”ان لوگوں کو جو کچھ معلوم کرنا تھا، معلوم کر چکے ہیں۔ اور اب وہ مجھے اس لئے ختم کرنا چاہتے ہیں کہ میں ان کی نشاندہی نہ کر سکوں۔“

”اس سے تو ایک بات اور واضح ہو جاتی ہے جوز یفاں!“

”کیا.....؟“

”اپنے والد سے جدا ہونے کے بعد تم نے کبھی ان کی خیریت معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی.....؟“

”اس کی مہلت ہی نہیں مل سکی۔“

”یہ بھی ممکن ہے کہ انہوں نے تمہارے والد کو کوئی نقصان پہنچا دیا ہو۔ اور اب وہ صرف اس لئے تمہیں قتل کر دینا چاہتے ہوں کہ ان کی نشاندہی نہ ہو سکے۔“ میں نے کہا اور وہ بڑی طرح چوکک پڑی۔ چند ساعت پہنچی پہنچی انگابوں سے مجھے دیکھتی رہی۔ پھر ہکلاتی ہوئی بولی۔

”تت..... تمہارا..... تمہارا مطلب یہ ہے کہ..... انہوں نے میرے ڈیڈی کو.....؟“ اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ اور پھر وہ چیرے پر زوال رکھ کر سکنے لگی۔ ”نہیں نہیں.....؟“ نہیں بوسکتا۔ میرے ڈیڈی مر نہیں سکتے..... وہ مر نہیں سکتے۔“

میں نے پوکھلائے ہوئے انداز میں چاروں طرف دیکھا۔ اُس کی سکیوں کی آواز پر چند لوگ ہماری طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ ”اوہ جوز یفاں..... جوز یفاں! یہ ضروری تو نہیں ہے کہ جو کچھ میں نے کہا ہے، درست ہی ہو۔ ہم حالات کا جائزہ لیں گے۔“ ”اگر نہیں کچھ ہو گیا تو مجھے زندگی کا سب سے بڑا نقصان برداشت کرنا پڑے گا ایک! میں خود کو معاف نہیں کر سکوں گی۔“ اُس نے ناک رگڑتے ہوئے کہا۔ ”تمہیں ہمت سے کام لینا ہو گا جوز یفاں!“

”میں بے حد مصیبت زدہ ہوں مائیکل! تم یقین کرو، میں بے حد مصیبت زدہ ہوں۔“ ”میں کہہ چکا ہوں جوز یفاں! کہ میں ہر طرح تمہاری مدد کرنے کے لئے تیار ہوں۔“ میں نے اُسے دلا سدیتے ہوئے کہا۔ حالانکہ اس جھوٹی لڑکی پر مجھے اب بھی اعتناد نہیں تھا۔ لیکن بہر حال! میں پلیں میں اس قسم کی بے ہوادگی برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ اس لئے اُسے تسلی دینا ضروری تھا۔

”ایک بات بتاؤ مائیکل.....!“ چند منٹ کے بعد اُس نے کہا۔ ”ہوں..... پوچھو جوز یفاں!“

”تم مجھ سے شادی کرلو گے.....؟“ اُس نے کہا اور ایک لمحے کے لئے مجھے غصہ آگیا۔ ”لیکن شادی کے لئے تمہارے چند نظریات ہیں جوز یفاں! ان کا کیا ہو گا؟“ ”دیکھو! یہ اُس وقت کی بات ہے جب میں نے تم سے جھوٹ بولا تھا اور جھوٹ بولنے کی بھی ایک وجہ تھی مائیکل! میں جن حالات سے گزر رہی ہوں، ان کا اندازہ تمہیں ہے۔ میں کسی کو اپنے بارے میں سچ نہیں بتا سکتی تھی۔ مجھے معاف کر دو۔“

”ٹھیک ہے جوز یفاں! پہلے تم اپنے حالات سے نہیں لو۔ اس کے بعد اس موضوع پر سوچیں گے۔“ میں نے جواب دیا اور وہ ناک سے شوں شوں کرتی رہی۔

واقعی یہ لڑکی میرے لئے مصیبت بن گئی تھی۔ میں جانتا تھا کہ وہ اب بھی جھوٹ بول رہی ہے اور اپنے جھوٹ کو نبھانے کے لئے طرح طرح کی باتیں گھٹتی تھیں جو کہ ناقص ہوتی تھیں۔ اگر پلیں کا معاملہ نہ ہوتا تو شاید میں ابھی اُس کو درست کر دیتا۔ لیکن یہاں اپنے آپ کو بھی تماشہ بنانا پڑتا۔ چنانچہ میں نے بھی خاموشی اختیار کر لی۔ سفر جاری رہا۔ تھوڑے تھوڑے وقفے سے وہ کچھ گفتگو کرنے لگتی تھی اور میں اُس کا جواب

وے دیتا تھا۔ پھر ایک طویل مسافت کے بعد ہمارا طیارہ ذی لینڈ کے جزیرے پر آتی۔

ڈنمارک کا صدر مقام کوپن ہیگن ہماری منزل تھا۔

ضد روایات سے فارغ ہو کر ہم کوپن ہیگن کے ہوائی اڈے سے باہر آگئے اور نیکی کی کرنے لگے۔ پروگرام کے مطابق ہمیں کسی ہوٹل میں قیام کرنا تھا۔ اور ہم اس شہر کے چھ سے خوبصورت ہوٹل میں پہنچ گئے۔ ہوٹل میں کمرہ ہم نے مسٹر اور مسٹر مائیکل کے نام سے تھا۔ یہ کوئی خواہش نہ تھی، لیس! وقت کی ضرورت تھی۔

جوزیفائن کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھی۔ کمرے میں مقیم ہو جانے کے بعد نے ڈکھ بھرے انداز میں کہا۔ ”کیسی انوکھی بات ہے مسٹر مائیکل! میں اپنے ملک، اپنا میں ہوں۔ لیکن اجنیوں کی مانند۔“

”بعض اوقات ایسا ہوتا ہے جوزیفائن! لیکن تمہیں پریشان نہیں ہونا چاہئے۔“ میں اُسے دلاسر دیا۔

”ہاں..... میں ہر قسم کی تکلیفیں برداشت کرنے کی عادی ہوں مائیکل! لیکن اب تمہرے پر وگرام کیا ہے؟“

”جوت پسند کرو.....“ میں نے جواب دیا۔

”ویکھو! میں ذہنی طور پر بالکل مفلوج ہو کر رہ گئی ہوں۔ میری خواہش ہے کہ میرے آئندہ کا لاکھ عمل تم ہی مرتب کرو۔“

”تب پھر براہ کرم! مجھے اپنے والد کا پتہ دو۔ میں وہاں جا کر ان کے بارے میں مل کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ اگر وہ مجھے ٹھیک حالت میں مل گئے تو میں ان سے ملاقات کے انہیں تمہارے بارے میں بتاؤں گا۔ اور پھر اس سلسلے میں وہ جو کچھ بھی ہدایات! گے، ان کے مطابق عمل کروں گا۔“

”ہاں..... یہ ٹھیک ہے۔“ لڑکی نے جواب دیا۔ اور پھر اس نے مجھے کوپن ہیگن، ایک علاقے کے بارے میں بتایا۔ اس علاقے کو میں بھی جانتا تھا۔ بلاشبہ یہاں مال ترین لوگوں کی کوٹھیاں تھیں اور اس پتے سے کم از کم یہ اندازہ تو ہوتا تھا کہ جوزیفائن ڈنمارک کے بارے میں معلومات حاصل ہیں۔

میں نے یہ بھی طے کر لیا تھا کہ جوزیفائن کے منے کو اختتام پر پہنچا کر ہی دم لوں گا۔ اگر وہ درست ہی کہہ رہی ہے تو کوئی بات نہیں ہے۔ یہ اچھا کام ہو گا کہ وہ آسانی سے

بپ کے پاس پہنچ جائے گی۔ اس کے بعد جو کچھ ہو گا، یہ اس کی اپنی ذمہ: اربی ہو گی۔ اور اب رہ گیا تھا میرا مسلسلہ تو ظاہر ہے اس لڑکی سے اب اس حد تک متاثر نہیں ہوا تھا کہ اس سے جدا ہونے پر مجھے کسی قسم کا افسوس ہوتا۔ چنانچہ میں نے وعدہ کر لیا۔ دن نکل آیا تھا اور کوپن ہیگن کا ماحول کہر میں ڈوبا ہوا تھا۔ ہم نے ناشتہ طلب کیا۔ گو، میں رات بھروسہ نہیں کھا تھا لیکن بھروسہ صورت! ذہنی کیفیت اس قدر خراب نہیں تھی کہ مجھے سخت نیند آ رہی ہوتی۔

پہلے میں ہر قیمت پر اس لڑکی کا مسلسلہ طے کر دینا چاہتا تھا۔ اس کے بعد ہی آرام مناسب ہوتا۔ یہاں بھی اگر اس کا کہنا ورست ہے تو ایک آدھ گھنٹے میں یہ سارے کام نہٹ جائیں گے۔ اور اس کے بعد ممکن ہے، ہمیں آرام کے لئے عمدہ جگہ نصیب ہوتی۔ اور اگر لڑکی کے پیان کے مطابق اس کے والد کو قتل کر دیا گیا ہو گا یا ایسی ہی کوئی صورت حال ہو گی تو بہر حال! واپس آ کر بھی یہ سب کچھ کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ ناشتے کے بعد میں جانے کے لئے بہر حال ہو گیا۔ اور جوزیفائن میرے ساتھ کمرے کے دروازے تک آئی۔

”میں تمہارا یہ احسان زندگی بھرنہیں بھولوں گی مائیکل! تم میرے ساتھ جتنا کچھ کر رہے ہو، اور اب تک تم نے جو کچھ کیا ہے، اس کی جگہ میرے دل میں ہے۔“

”ٹھیک ہے جوزیفائن!“ میں نے اس کا شانہ تھپٹھپاتے ہوئے کہا اور پھر میں باہر آ گیا۔

جوزیفائن نے مجھے جو پتہ دیا تھا، میں اس پر کوشش کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد میں اس علاقے میں پہنچ گیا۔ کوپن ہیگن کے بارے میں مجھے بہت زیادہ معلومات نہیں تھیں۔ حالانکہ میں نے یہ شہر پہلے بھی دیکھا تھا۔ اور چند روز یہاں رہا بھی تھا۔ لیکن باقاعدہ شہر دیکھنے کا موقع نہیں ملا تھا۔

یہاں آنے کے بعد میں نے یہ بات بھی سوچی تھی کہ اگر موقع ملا تو اس شہر کا بخوبی جائزہ لوں گا اور ڈنمارک کے دوسرے علاقے تھیں دیکھوں گا۔ جس علاقے کا جوزیفائن نے پتہ دیا تھا، وہاں پہنچ کر میں وہ کوٹھی تلاش کرنے لگا جو بقول جوزیفائن کے اس کے بات کی تھی۔ لیکن یہاں کا تو سیسم ہی دوسرا تھا۔ انتہائی کوشش کے باوجود اس جگہ کا پتہ نہ چل سکا۔ میں نے مختلف درائع سے مسٹر بہرگ کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی، لیکن ایک بھی ایسا نہ ملا جو مسٹر بہرگ کو جانتا ہو۔

تاب میں نے اپنے آپ پر لعنت بھیجی اور دل ہی دل میں ہنسنے لگا۔ واہ..... سیکرٹ پیس کا

ترہیت یافتہ شخص ایک لڑکی کے ہاتھوں بے وقوف بن گیا تھا۔ میں ایک ایسا فرضی نام تلاٹ رہا تھا جس کا کہیں کوئی وجود نہیں تھا۔ گویا لڑکی نے ایک بار پھر مجھے دھوکہ دیا تھا۔ شہر تو پہلے ہی تھا۔ لیکن اب یہ بات پورے یقین کو پہنچ گئی تھی کہ اس نے یہاں بھی فریب کیا تھا۔ اب اس کے جواب میں وہ کیا کہے گی؟ میں نے سوچا۔

عجیب سی کیفیت تھی۔ کبھی تو اس پر شدید غصہ آنے لگتا تھا۔ آخر وہ چاہتی کیا تھی؟ کبھی تو اس نے مجھے بے وقوف بنار کھا ہے؟ اور کب تک بے وقوف بنا سکتی ہے؟ اور کبھی اپنے آپ پر کہ آخر میں بے وقوف بن کیوں رہا تھا؟

خیر! فن لینڈ تو مجھے چھوڑنا ہی تھا۔ لیکن اس طرح اسے اپنے اور مسلط کرنا تو مہار نہیں تھا۔ آخری بار میں نے اس سے گفتگو کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ میرا خیال تھا کہ میں اسے مجھ سے سنا دوں اور اپنے پاس سے بھگا دوں۔ اور اس کے بعد میں اپنے کام کو شروع کر دوں۔ ڈنارک دیکھنے کا شوق مجھے بھی تھا اور میں یہاں کے تمام علاقوں کو دیکھنا چاہتا تھا۔ چنانچہ فیصلہ کرنے کے بعد میں ہوٹل کی جانب چل پڑا اور جھوڑی دیر کے بعد جیکسی کے ذریعے ہوں پر اُترا، کرایہ ادا کیا اور اندر آگیا۔

اندر آنے کے بعد اپنے کمرے کے نزدیک پہنچ گیا۔ لیکن دروازہ لاک تھا۔ میرا ماہنگا۔ چند ساعت میں ادھر ادھر دیکھتا رہا اور پھر نیچے اُتر آیا۔ کاؤنٹر سے میں نے اپنے کمرے کے پارے میں پوچھا۔ تب کاؤنٹر کلر کے بتایا کہ وہ تو کافی دیر پہلے چابی اُس کے حوالے کر کے آہیں چل گئی ہیں۔

”کیا کوئی پیغام دے گئی ہیں؟“ میں نے پوچھا۔
”نہیں جناب.....!“

”اوہ..... چابی مجھے دے دو۔“ میں نے کاؤنٹر کلر سے کہا اور چابی لے کر اپنے کمرے میں پہنچ گیا۔

تب یہ حقیقت مجھ پر عیاں ہوئی کہ لڑکی نے ایک بار پھر مجھے دھوکہ دیا تھا۔ اس کا سالہ وباں موجود نہیں تھا۔ گویا وہ مجھے ڈنارک تک لانا چاہتی تھی۔ اور اس کے بعد لیکن کمخت کہاں چل گئی؟ تب میری نگاہ میز پر رکھے ہوئے ایک کاغذ پر پڑی۔ اور میں نے ایک طویل سانس لی۔ یقیناً خط تھا۔ اور اس میں کوئی پیغام۔ میں نے کاغذ اٹھایا۔ ڈنیز مائیکل!

شرمندگی یا معدرت کے الفاظ کہنا ایک اور کمینگی ہو گی۔ کچھ بھی نہیں کہنا چاہتی۔ سوائے اس کے کہ میں نے پہلی بار بھی جھوٹ پولتا تھا اور دوسرا بار بھی۔ میں خاموشی سے یہاں سے جا سکتی تھی، تمہیں کوئی خط نہ صحتی، کوئی معدرت نہ کرتی۔ لیکن میرے ضمیر نے یہ بات گوارہ نہ کی۔ صرف ایک بات میں تمہیں ضرور بتانا چاہتی ہوں کہ ہوں میں مصیبت زدہ۔

میں نے اپنی حقیقی کہانی تمہیں نہیں بتائی۔ ابھی تک نہیں بتائی۔ لیکن میری کہانی ایسی ہی ہے کہ میں کسی کو بتا بھی نہیں سکتی۔ ٹھیک ہے، بلاشبہ! تم ایک اپنے انسان ہو۔ لیکن دنیا پر سے میرا بھروسہ اٹھ گیا ہے۔ میں کسی بھی شخص پر بھروسہ نہیں کر سکتی۔ اور مجھے معاف کرنا! میں نے تمہیں بھی اس قابل نہیں سمجھا۔

جنما وقت تم نے میرے ساتھ گزارا ہے اور میرے لئے جو کچھ کیا ہے، اس کے لئے میں تازندگی تمہاری مشکور ہوں گی۔ اور مسٹر مائیکل! اگر زندگی میں کوئی موقع ملا جس کی کوئی امید نہیں ہے۔ اگر میں نے کسی اپنی حیثیت حاصل کر لیئے کے بعد تمہیں پایا تو میں تمہاری اس محبت کا ہر قیمت پر صلد ہوں گی۔ کاش! میں تم جیسے بہترین شخص کو اپنی زندگی کا ساتھی منتخب کر لیتی۔ لیکن افسوس! یہ بھی میرے بس میں نہیں ہے۔ تم شاید اس کہانی کو ایک اور جھوٹی کہانی سمجھو۔ لیکن میں تمہیں سچ بتانے کے لئے بھی نہیں آؤں گی..... خدا حافظ۔ سونیا یا جوزی یا نیا یا.....

خط پڑھ کر میں نے گھری سانس لی اور پرپچے کے پروزے پرزوے کر کے اُسے ایک طرف اچھاہل دیا۔ مجھے اُس لڑکی سے بے پناہ نفرت محسوس ہو رہی تھی۔ میں جو توں سمیت پلٹ پر جا پڑا اور اُس کے بارے میں سوچنے لگا۔ میں سمجھ پار رہا تھا کہ میری کیفیت کیا تھی؟ تو میں اُسے چاہنے لگا تھا اور نہ ہی اُس سے نفرت کرنے لگا تھا۔ میرے اندر بیزاری کا وہ احساس بھی نہیں تھا جو جھوڑی دیر پہلے اُجاگر ہوا تھا۔ جو کچھ ہوا تھا، ظاہر ہے محض وفت گزاری تھی۔ اس میں نہ تو میرا کچھ خرچ ہوا اور نہ ہی ملا۔ سو مجھے پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے؟ البتہ اُس بیوقوف لڑکی نے اس انداز میں مجھے بیوقوف بنایا تھا، وہ ایک شرم ناک بات ضرور تھی اور میں اُسے پاتا تو اُسے سزا دیے بغیر نہ رہتا۔ لیکن بھر جھوڑت! اُس کی ضرورت بھی کیا تھی؟ یہاں تک آیا ہوں تو اب اپنے بارے میں سوچ کر ملتا ہوں۔ اپنا بہوا، میں تو خود اسے اپنی زندگی سے نکال دینا چاہتا تھا۔ باوجودہ میرے راستے میں آپنی تھی۔

ہوئے تھا، خاصاً گرم تھا۔ ذہن میں کوئی خاص پروگرام نہیں تھا۔ اس لئے میں پیدل ہی چل پڑا۔ چڑھے فٹ پاتھ پر آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا جا رہا تھا۔ راستے میں بہت سارے لوگ نظر آئے، اپنے اپنے کاموں میں مصروف..... کبھی بھی کوئی ایسی لڑکی بھی نظر آجاتی تھی جسے کاروباری کہا جاسکتا تھا۔ یوں بھی ڈنمارک کے اس شہر میں کاروباری لاکیاں ضرورت سے زیادہ نظر آتی تھیں۔

ناڈن ہال میں بھی کئی شکاریں عورتیں، شکار کی تلاش میں کھڑی نظر آ رہی تھیں۔ میں نے سوچا، کیوں نہ الجھنوں کی یہ رات کسی خونگوار تاثر کے ساتھ گزاری جائے۔ چنانچہ میں نے ان کا جائزہ لیا اور پھر ایک سرخ بالوں والی لڑکی کی طرف انگلی سے اشارہ کیا۔ دوسرا لئے سرخ بالوں والی لڑکی میرے نزدیک تھی۔ اس نے بڑی شناسائی کے انداز میں مجھے سلام کیا اور میں نے گردن ہلا دی۔

”کیا تمہاری یہ شام خالی ہے.....؟“ میں نے اس سے پوچھا۔

”خالی نہ بھی ہوتا تم جیسے حسین نوجوان کے لئے ہر مصروفیت ترک کی جا سکتی ہے۔“
لوکی نے مسکراتے ہوئے کہا اور میں نے بھی مسکراتے ہوئے گردن ہلا دی۔
”اس عزت افزائی کا شکریہ۔ آوا!“ میں نے کہا اور وہ پالتکتیا کی مانند میرے ساتھ چل پڑی۔

”کارنیں ہے تمہارے پاس.....؟“ اس نے پوچھا۔

”نمیں..... مقامی نہیں ہوں۔“

”اوہ..... سیاح ہو؟“ وہ مسکراتی۔

”ہاں.....!“ میں نے جواب دیا۔

”قیام کہاں ہے.....؟“

”محمد جگہ ہے.....! فخر مت کرو۔“

”تم جیسے نوجوان کے ساتھ زندگی کی برقرار سے بے نیاز ہو جانے کو جی چاہتا ہے۔ وہ سامنے نیوزے ہے۔ کیا ہم لوگ کچھ دیر وہاں نہ بیٹھیں گے؟“ اس نے ایک بار کی طرف اشارہ کیا۔ کوئی حرج نہیں تھا۔ لیکن فوری طور پر اختلاف کرنے کو جی چاہ رہا تھا۔ ذہن میں بغاوت سی اُبھر رہی تھی۔

”نمیں..... ہم وہاں نہیں بیٹھیں گے۔“ میں نے جواب دیا اور لڑکی نے چونکہ کمری

میں اسے کیا دیتا؟ اگر وہ صحیح بھی ہوتی اور اس کی کہانی ٹھیک بھی ہوتی، تب بھی، بہرہ سیرے لئے تو ایک مصیبت ہی تھی۔ انسانی حیثیت سے میں اسے قطعی طور پر نظر انداز نہ سکتا تھا۔ کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی پڑتا۔

چنانچہ اب اگر وہ میری زندگی سے اس طرح نکل گئی اور اپنے ایک جھوٹ کے سہارہ میرے اوپر اس کو سنبھالنے کا کوئی فرض عائد نہیں ہوگا۔ اور نہ ہی وہ میرے راستے میں کی کوشش کرے گی۔ اور پھر میں نے اس کی طرف سے اپنا ذہن جھٹک دیا۔ خواہ قومی مصیبیتیں گلے ڈال لیتا ہوں اور پریشان ہوتا ہوں۔

میری تو اپنی زندگی ہی دوسری ہے۔ اور مجھے اپنے بارے میں سوچتا ہے۔ اور الہ لئے میں کسی کا دست نگرتونہیں تھا۔ چنانچہ ذہن سے سارے خیالات کو جھکلنے کے بعد نے دیڑ کو بلانے کے لئے لگھنی بجائی۔ اور جب دیڑ آگیا تو اس سے دیسکی طلب کی۔ میر چاہتا تھا۔ خواہ مخواہ میراڑ ذہن پر گندہ ہو رہا تھا۔ اول تو گھر کے حالات سے ہی خاصی کارہ میں بنتا تھا۔ دوسری یہ مصیبت جو گلے پڑنی تھی۔ دونوں واقعات کو مٹانا چاہتا تھا۔

چنانچہ دیڑ، دیسکی کی بوتل لے آیا اور میں نے پانی ملائے بغیر شراب پینی شروع کردا۔ کن پیگ لینے کے بعد میں نے سکون کی گہری سانس لی۔ اور اب میں سو جانا چاہتا تھا۔ اور پر سکون نہیں۔

چنانچہ میں نے بخشکلی تمام لباس تبدیل کیا، یہ تمام کپڑے بھی اسی پاگل لڑکی نے بہرہ لئے خریدے تھے۔ لیکن بہرہ صورت! جذباتی بھی نہیں ہونا چاہتا تھا کہ اُن کپڑوں کو جلا کر کر دیتا۔ ایک ضرورت تھی۔ اگر فرامہم ہو گئی تھی تو اس میں حرج ہی کیا تھا؟

چنانچہ میں گہری نہیں سو گیا۔ دو پھر یونہی گزر گئی تھی۔ چونکہ رات بھر بھی جا گتارہا تھا۔ لئے گہری نہیں آتی۔ اور اس کے بعد جا گا تو طبیعت بھاری بھاری تھی۔ لیکن غسل کر لئے بعد طبیعت کا بھاری پن ختم ہو گیا۔ اور اس کے بعد میں باہر آ گیا۔

کوپن بیگن کی شام بھی کہر آؤ دی تھی۔ سڑکوں پر مصمم روشنیاں نظر آ رہی تھیں۔ وہ رہا۔ گہما گہما نہیں تھی جو ہونی چاہئے تھی یا جو شام کا خاصا ہوتی ہے۔ بس! لوگ اپنا کاموں میں مصروف تھے۔ حالانکہ کہر اور ڈھنڈ تو یہاں بھیشہ ہی رہتی تھی۔ لیکن بعض کافی رونق ہو جایا کرتی تھی۔

میں اپنے بوٹل سے باہر آ گیا۔ کہر کی مناسبت سے سردی بھی تھی۔ لیکن میں جو ہوں۔

دیکھا۔ پھر شانے ہلا کر کہنے لگی۔

”جیسی تہاری مرضی۔ کیا میں نیکسی روکوں؟“

”خود یہ ذور پیدل چلنے کی رسمت نہیں کر سکتیں؟“ میں نے اُسے گھوڑتے ہوئے لڑکی عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی۔ اُسے شاید میری بذریعہ پر تجربہ ہوا تھا جو کے شکاری یا عورتوں کے رسایا جھجھیتے تو نہیں ہوتے تھے۔ وہ تو ان کی دلبوٹی کی بھرپور رہ کرتے تھے۔ یہ کیسا گاہک ہے جس کے مزاج ہی نہیں ملتے؟ اُس نے سوچا ہو گا۔ لیکن اُن کا رد بار سے وہ بھی خلص تھی اور ظاہر ہے، اُس کا واسطہ مجھے میسے بہت سے احمدتوں سے پڑا گا۔

”غالباً تم پیدل گھونما چاہتے ہو۔ کبھی کبھی یہ ہوڈ بھی ہوتا ہے۔ ویسے کیا تم نے کوپن پر کے مشہور مقامات کی سیر کر لی ہے؟“

”یہاں کون سی جگہ مشہور ہے؟ رکھا ہی کیا ہے اس چھوٹے سے شہر میں؟“ میں نے کر کہا اور لڑکی نے ایک بار پھر تجربہ سے مجھے دیکھا اور بولی۔

”یہ تو ٹھیک ہے۔ لیکن ہر جگہ کچھ نہ کچھ ضرور ہوتا ہے۔“

”ہوں.....!“ میں نے مختصرًا کہا۔ اور وہ میرے ساتھ پیدل گھستی رہی۔ اس دل میں مجھے ایک بار بھی اُس کی بے چارگی پر رحم نہیں آیا تھا۔ آخر کب تک صبر کرتی؟ منتابت ہے لبجھ میں بولی۔ ڈارلنگ..... میں تھک گئی ہوں۔ اور پھر موتم بھی کچھ زیادہ خوش گوارا ہے۔ کوپن ہیگن کی سڑکیں اس وقت زیادہ پر رونق ہوتی ہیں، جب سورج پورے دل بچے کے بعد غروب ہوتا ہے۔“

”ہوں.....!“ میں نے ایک گزرتی ہوئی نیکسی کو اشارہ کیا اور لڑکی کا چہرہ کھل اٹھا۔ ٹکڑتے ہی وہ پچھلا دروازہ کھوں کر اندر بیٹھ گئی تھی۔ میں اُس کے نزدیک ہی بیٹھ گیا۔ لڑکی سے چمنے کی کوشش کر رہی تھی۔ پھر اُس نے کہا۔

”کیا تمہیں سروی نہیں محسوس ہو رہی؟“

”نہیں.....!“

”کہاں کے باشندہ ہے ہو؟“

”فن لینڈ کا.....!“ میں نے جواب دیا۔

وہ کافی تند رست اور سین ہوتے ہیں۔ ویسے مجھے تعجب ہے، تم نے بار میں بیٹھنا پسند نہیں

کیا۔“

”ہاں..... اس کی ایک وجہ ہے۔“

”کیا.....؟“

”میں بارے تمہیں لاد کر نہیں لاسکتا تھا۔ بار میں بیٹھنے کے بعد تم عمر تیس اپنی گنجائش بھول جاتی ہو اور اتنی بھول جاتی ہو کہ مصیبت بن جاتی ہو۔ میں انہیں برداشت کرنے کا عادی نہیں ہوں۔“ میں نے جواب دیا۔

اُس کے حلق سے ایک سکی سی شکل گئی۔ ”سب لوگ یکساں نہیں ہوتے جناب! ممکن ہے، آپ کا واسطہ یہاں ایسی لڑکیوں سے پڑا ہو۔ میں ایسی نہیں ہوں۔“ اُس نے کسی قدر اُس اس لمحے میں کہا۔

”ہونہے.....!“ میں نے نفرت سے ہنکارا بھرا اور وہ خاموش ہو گئی۔ پھر راستہ خاموشی سے طہ ہوا اور میں اپنے ہوٹل پہنچ گیا۔ لڑکی میرے ساتھ میرے کمرے میں آگئی۔ میں نے اُسے غور سے دیکھا۔ اُس کے چہرے پر اُداسی تھی۔ ایک لمحے کے لئے مجھے افسوس ہوا۔ بلاوجہ میں نے اُسے ذلیل کر دیا تھا۔ حالانکہ اُس کا کوئی قصور نہیں تھا۔ لیکن یہ احساس صرف ایک لمحے کے لئے جا گا تھا۔ دوسرے لمحے میری آنکھوں میں جوز یاقاں کی شکل گھوم گئی۔

ناتالیں اعتبار، ہر لحاظ سے، ہر رنگ میں۔ میں نے نفرت سے سوچا اور بیرے کو بلانے کے لئے تیل بجا دی۔ بیرا آگیا تو میں نے اُسے کمی قسم کی شرابوں کا آرڈر دے دیا اور وہ باہر چلا گیا۔ میں نے لباس نکالا اور با تھہ زوم کی طرف چلا گیا۔ لباس تبدیل کرنے کے بعد میں باہر آیا تو بیرا، شراب رکھ کر جا چکا تھا۔ لڑکی ایک کری پر خاموش بیٹھی ہوئی تھی۔ میں نے اُس کا بازو دکپڑا دروازہ کھوں کر اندر بیٹھ گئی تھی۔ میں اُس کے نزدیک ہی بیٹھ گیا۔ لڑکی سے چمنے کی کوشش کر رہی تھی۔ پھر اُس نے کہا۔

”ایک بار پھر عرض کر رہی ہوں جناب! میں اُن لڑکیوں سے مختلف ہوں جنہوں نے تھا کہ جو لوگ اس موسم میں یہاں آتے ہیں، وہ پینا پسند کرتے ہیں۔ یوں سمجھیں! کہ میں نے صرف بار کی نشاندہی کی تھی۔ آپ نے میری بات کو غلط سمجھا۔“

”اوہ، پیو! کوئی بات نہیں ہے۔ میں نے بھی صرف اس لئے منع کیا تھا کہ لڑکیاں شراب

پی کر بد حواس ہو جاتی ہیں اور کسی بد حواس لڑکی کو سنبھالنا میرے بس کی بات نہیں ہے۔ ”سوری جناب! میں نہیں پی سکتی۔ اور آپ سے ایک درخواست بھی کرنا چاہتی ہوں: لڑکی اُداسی سے بولی۔

”ہاں.....کہو، کیا بات ہے؟“

”اگر اس حیثیت سے آپ میرے ساتھ یہ سلوک کر رہے ہیں تو یہ مناسب نہیں ہے۔ اگر میں آپ کی کمپنی کے قابل نہیں ہوں تو مجھے اجازت دے دیں۔“

”میں اُس کی شکل دیکھنے لگا۔ اور پھر میں نے محسوس کیا کہ واقعی میں اُس کے ساتھ ہبھ کر خخت ہو گیا ہوں۔ یہ صرف میری ذہنی تھکن تھی جو الفاظ کی شکل میں سامنے آ رہی تھی۔ مگر یہ تو کوئی بات نہ ہوئی کہ میں کسی کا غصہ اُس پر اٹا رہا تھا۔ چنانچہ میں نے خود کو سنبھالا۔ میر نے کری گھسیٹ اور اُس کے سامنے بیٹھ گیا۔ تب میں نے اپنے ہاتھ سے دو پیگ بنائے اور ایک اُس کے سامنے رکھ دیا۔ ”کیا نام ہے تمہارا.....؟“

”پیگ.....!“ اُس نے جواب دیا۔

”پیگ.....! تمہیں میری باتیں بہت برقی لگی ہیں نا؟“

”نہیں جناب! ہم تو ہر قسم کے سلوک کی عادی ہوتی ہیں۔ لیکن آپ جیسے شخص کی زندگی سے ایسے الفاظ اچھے نہیں لگے۔ میں نے آپ کو دوسروں سے کسی قدر الگ سمجھا تھا۔“

”اوہ، پیگ! کوئی ایسا جملہ نہ کہو جو ذہن کو بھکانے کا باعث بنے۔ کیا تم یہ ملتے تیرے شخص سے نہیں کہتیں؟“

”نہیں جناب.....! میرا خیال ہے، آپ نے گفتگی میں نظری کی ہے۔ اگر ہم ہر تیرے فرشتے کہیں تو باقی دو افراد جنمہیں آپ نے درمیان سے چھوڑ دیا ہے، ہمارے پاس سے خلاں کرنہیں جاسکتے۔“ پیگ سے مسکرا کر جواب دیا اور میں چوک کر اُس کی شکل دیکھنے لگا۔

میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ اور گھری ہو گئی۔

”گڑ.....! یقین کرو! تمہاری اس بات نے مجھے کافی خوش کر دیا ہے۔ دراصل پیگ انہیں جھوٹ بولنے والوں سے سخت نفرت ہے۔ لڑکیاں ایسے جھوٹ بولتی ہیں جو کسی طور پر نہیں اترتے۔“ میں نے کہا۔ ”بہر حال! جام اٹھاؤ۔ میں تمہارے ان الفاظ سے خذل ہوں۔“

اور پیگ نے شانے سکوڑ کر جام اٹھایا۔ اُس کے چہرے پر اب بھی مسکراہٹ کی کوئی آ

”یہ لگتا تو نہیں ہے جناب! اس سے پہلے آپ میرے بارے میں بہت سی باتیں کر رہے تھے۔ میں بھی بہت سے لوگوں کا تجربہ رکھتی ہوں۔ یوں سمجھ لیں! کہ آپ عورتوں کی دنیا میں انجمنیں ہیں اور میں مردوں کی دنیا میں۔ جتنا تجربہ آپ کو عورتوں کے بارے میں ہے، اتنا تجربہ مجھے مردوں کے بارے میں ہے۔ کیا یہ بات صاف گوئی پر میں نہیں ہے؟“

”یقیناً.....یقیناً۔“

”آپ میری زندگی کے پہلے مردوں نہیں ہیں۔ جس جگہ سے آپ نے مجھے اٹھایا ہے، وہ جگہ پر فرشتل لڑکیوں کی ہے۔ چنانچہ باقی باتیں آپ کو خود ہی سوچ لئی چاہیں۔“

”اوہ، ٹھیک ہے.....ٹھیک ہے پیگ! یقیناً! اس موضوع کو ختم کر دو۔“

”بہت بہتر جناب!“ پیگ نے سعادت مندی سے کہا۔ لیکن اس سعادت مندی میں بھی ایک طنز پوشیدہ تھا۔

میں نے شراب کے کئی جام پئے..... پھر اپنا جام رکھ دیا۔ ”تمہارے لئے اور بناوں؟“

”بھی نہیں..... ورنہ پھر آپ مجھے بدھا۔ اس عورتوں میں شمار کریں گے۔“ پیگ نے جواب دیا۔

”مجھے احساس تھا کہ میں نے اُس سے کافی تباخ گفتگو کی ہے۔ اس کے جواب میں اگر وہ اس قسم کی گفتگو کر رہی ہے تو وہ بھی حق بجانب ہے۔ اس کے بعد اُس نے شراب کو ہاتھ نہیں

لگایا۔ میں بھی اس سے زیادہ نہیں پینا چاہتا تھا۔ چنانچہ میں نے پیگی سے اٹھنے کے لئے اور تھوڑی دیر کے بعد وہ میرے ساتھ بستر پر تھی۔ لیکن اس کے بعد میں پیگی کو کسی طور تعاون پر آمادہ نہیں کر سکا۔ اس کا عدم تعاون پر کہ وہ پورے طور سے میرے احکامات کی تعییں کر رہی تھی۔ لیکن خالص کاروباری انداز میں اس میں خود اس کی کوئی کاوش یا پسند شامل نہیں تھی۔

علیٰ اصح اُس نے جانے کی آجازت مانگی۔

”بہت جلدی ہے پیگی.....؟“ میں نے پوچھا۔ ”ہرگز نہیں جناب! اگر آپ حکم دیں تو پورا دن رُکنے کے لئے تیار ہوں۔ میں تو مزد اس لئے جارہی تھی کہ کہیں دوسرا لڑکیاں ناشتے کے لئے بھی نرُک جاتی ہوں۔ اُب.....“

”پیگی پلیز.....! بس کرو۔ رات کو میری ذہنی حالت درست نہیں تھی۔ ایک حادثہ مجھے پریشان کر دیا تھا۔“ میں نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ”میرا خیال ہے، میں نے تم سے کالا ہنگامو کی تھی۔“

”کوئی بات نہیں جناب! لوگ تو ہمارے ساتھ بہت کچھ کرتے ہیں۔ لیکن ہم ہر صورت ان سے تعاون کرتے ہیں۔ کیونکہ ہمارا پیش ہی تعاون کا ہے۔“ پیگی نے پھیکے انداز میں سکراتے ہوئے کہا اور میں اسے گھورنے لگا۔ مجھے اس پر غصہ آنے لگا تھا۔ اب ظاہر ہے میں اس کی خوشامد توکرنیں سکتا تھا۔ چند ساعت میں اسے دیکھتا رہا۔ اور پھر میں نے جاتی بے تو جہنم میں جائے۔ مجھے اس سے کیا لیتا ہے؟ تب میں نے اپنے پرس سے کچھ ادا ہی نہیں۔ میں نے جائزہ بھی نہیں لیا تھا کہ کتنی قسم ہے۔ بس! میں نے نوٹ اس کی طرف دیئے اور پیگی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے سادگی سے ہاتھ بڑھایا اور پس سے نوٹوں میں سے صرف ایک نوٹ لے لیا۔ ”یہ نوٹ پیگی کا ہم وزن ہے جناب!“ سارا وجود اس سے پہ آسانی خریدا جا سکتا ہے۔ جسم، دل، دماغ، ضمیر، جذبات... چیزوں کی خریداری کے لئے یہ قسم کافی ہے۔ اور میں ایک ایماندار ڈکاندار کی حیثیت مال کی صحیح قیمت وصول کرنے کی عادی ہوں۔ آپ کا شکر یہ۔ خدا حافظ!“ وہ آگے بڑھی اور مُرد کر دیکھے بغیر دروازے سے باہر چلی گئی۔

پیگی چلی گئی لیکن میرے ذہن پر ہلکی سی ضرب پڑی تھی۔ میں کچھ نہیں سوچنا چاہتا تھا۔ ذہن، آزادی کا طلب گار تھا۔ ایک بار خواہش جاگی تھی کہ باہر جا کر پیگی کو روکوں۔ اُس کے ساتھ ہونے والی زیادتی کا ازالہ کروں اور اُس سے کہوں کہ وہ دل میں کدورت لے کر میرے پاس سے نہ جائے۔ پورا دن میرے ساتھ گزارے۔ تھہائی سے اُبھیں ہو گئی مجھے۔۔۔۔۔ لیکن پھر نفرتی اُبھر آئی۔ جوز یقائق یاد آگئی تھی۔ اور پہلا بار میں نے اپنے ذہن کو ٹوٹا۔ یہ سب کیا ہے۔ میں اس سے نفرت کیوں کر رہا ہوں۔ میرا اس سے کیا واسطہ تھا؟ حادثے کے تحت ملی تھی، چلی گئی۔ اُس نے مجھے کوئی نقسان تو نہیں پہنچایا۔ صرف جھوٹ بولا تھا۔ اپنی ضرورت کے تحت، چلی گئی۔ ٹھیک کیا، میرے ساتھ رہتی تو کچھ ذمہ دار یا ہی قبول کرنا پڑتی۔۔۔۔۔

وہاں ایک تجربہ ہو گیا تھا۔ یوں تو سیکرٹ پیلس کی تربیت میں دنیا کی ہر چیز کے بارے میں بڑے فیضیاتی طریقے سے بتایا جاتا تھا۔ عورت کے بارے میں بھی کچھ سبق تھے۔ لیکن اس وقت اُن باتوں پر توجہ ہی نہیں دی تھی۔ عورت کو کوئی چیز ہی نہیں سمجھا تھا۔ اب اتنا اندازہ ضرور ہو گی تھا کہ عورت، مقاطلیں کی کیفیت رکھتی ہے۔ اور یہ وہ شے ہے کہ عملی زندگی میں قدم قدم پر اس سے واسطہ پڑتا ہے اور اس کا فریب، سب سے گہرا فریب ہوتا ہے۔ چنانچہ اسے ایک بڑا مقام دینا پڑے گا۔ اس کی ضرورت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اس سے کامل طور پر ہوشیار ہنا ضروری ہے۔ ورنہ نقسان بھی پہنچ سکتا ہے۔

چنانچہ کوئی فرق نہیں پڑتا۔ جوز یقائق کو ذہن سے کھرچ دینا ضروری ہے۔ اور اس فصلے کے بعد وہ اضاحا کم ہو گیا۔ اب مجھے اپنے کام کی طرف متوجہ ہو جانا چاہئے۔ اور میں سوچنے لگا کہ کچھ کروں۔ لیکن کیا؟ چھوٹے منڈے کام سینکڑوں تھے۔ جب چاہتا، کر سکتا تھا۔ دولت کی کوئی کمی نہیں تھی۔ لیکن جرام مصرف دولت کے لئے تو نہیں کئے جاتے۔ اپنی اناکی تیکیں بھی تو ضروری ہے۔ ہاں! دولت بھی ہاتھ آتی ہے تو کوئی حرج نہیں۔ بلکہ دولت کا

حصول بھی تو ضروری ہے۔

گو، میری زندگی کا سب سے بڑا مقصد پورا ہو چکا تھا۔ میں ان لوگوں سے انتقام چکا تھا جو میرے وقار کے قاتل تھے اور جنہوں نے میری شرافت اور نجابت چھین لی تھیں۔ باپ ہے، ماں ہے۔ کتنے ہی مر چکے ہوں، اولاد کو تو نہ بھول سکیں گے۔ میری یاد انسر کے دل میں کچھ کے لگاتی رہے گی۔ سوچتے رہیں گے کہ نہ جانے یہ سب کچھ کیا تھا؟ اور جب تک زندہ رہیں گے، سوچتے رہیں گے، ترتیب رہے ہیں۔ زندگی کا کوئی لطف اٹھائیں گے۔ میں یاد آؤں گا، میرے مر ہوں وقت رہیں گے۔ چنانچہ میں نے یہ باب بند کر دیا تھا۔ برازندگی کا نیا باب شروع کرنا ہے۔ نیا باب، کئی کہانیاں جنمیں دچپ سے دلکش رنگ دیتا ہے کام ہے۔ میں ایسے جرائم کروں گا جو ذہانت اور بکار کردگی کی مثال ہوں گے۔ ان کا مفتر صرف دولت کا حصول نہیں ہو گا بلکہ اپنی حیثیت منوانا بھی ہو گا۔ اور میں اپنے اندر مصراجیت پاتا تھا، یہ حراثت پاتا تھا۔ میں پوری دنیا سے اپنا لوہا منوا سکتا تھا۔

نہ جانے کہ تک اسی طرح لیٹا خیالات میں گم رہا۔ عورت کے بارے میں جو نیچے کے تھے، انہوں نے مطمئن کر دیا تھا۔ اور اب جوز بیغاں کی یاد ایک کک نہ رہی تھی۔ اس کے خریدے ہوئے بس، اس کی باتیں یاد دلا دیتے تھے۔ بہر حال! ساری باتیں فضول تھیں۔ لبیٹے لیٹے تحک گیا تھا۔ سوچا باہر نکلوں، دنیا دیکھوں۔ ڈنمارک پر یوں کا شہر اور یہ پر بala بہ آسانی حاصل ہو سکتی تھیں۔ کیا ضروری ہے کہ وہ پیگی ہو؟ قدم قدم پر پیگی موجود ہے۔ عورت بہر حال میں عورت ہے۔۔۔ صرف عورت۔ جو کتنی ہی معصوم صورت ہو، بہر حالا فریب دے گی۔ پھر کیوں نے اسے فریب دیا جائے۔ ہر رات ایک نیا فریب۔۔۔

لباس تبدیل کیا، بال سوارے اور باہر نکل آیا۔ باہر کی دنیا دل فریب تھی۔ پوری دنیا دل فریب تھی۔ میں اس ماحول میں گم ہو گیا۔ ڈنمارک کے خوبصورت گلی کو پچے۔ ان گلی کو چلا میں کوندتی ہوئی بجلیاں۔ میں مسکراتا ہوا ان کے درمیان سے گزرتا رہا۔ آج سورج چکتا تھا اور بازاروں میں خوب رونق تھی۔

کافی دیر تک میں چھل قدمی کرتا رہا۔ اور پھر ایک ریستوران میں داخل ہو گا۔ ریستوران میں بیٹھ کر میں نے کھانے کے لئے کچھ چیزیں منگوائیں اور کافی دیر تک الان شغل کرتا رہا۔ پھر ریستوران سے بھی نکل آیا۔ تب ایک بازار سے گزرتے ہوئے میں نے سوچا، ڈنمارک کو بھی چھوڑ کر یہاں سے آگے بڑھا جائے۔ اور اس کے بعد کوئی کام شروع کر

دیا جائے۔ کوئی بھی کام، جس کے ذریعے دولت بھی ہاتھ آئے اور ذہن بھی بٹے۔۔۔ حالانکہ میرے پاس ابھی کافی رقم تھی۔ اگر رات کسی جوئے خانے میں گزاری جائے تو صحیح کو اتنا اس کی ضرورت نہیں تھی۔ ابھی تو بہت کچھ تھا۔ جب ضرورت ہو گی تو دیکھا جائے گا۔ لیکن باقی وقت کس طرح گزار جائے؟

تو الی پارک سے گزر کر میں اسٹریو گیٹ پہنچ گیا۔ گوپن ہمگن کا سب سے بڑا مرکز خرید و فروخت۔ جس کی روشن قابل دید تھی۔ اس سے ہوڑا اسما آگے بڑھ کر سینما، شبینہ کلب اور وہ خانے۔ سب کا کاروبار شروع ہو گیا تھا۔

موجودہ ڈنمارک، یورپ میں نہایاں مقام رکھتا ہے۔ جس کی آزادی پوری دنیا میں سب سے زیادہ ہے۔ بلیوں قلمیں کھلے عام سینماوں میں چلتی ہیں اور ان فلموں کو دیکھنے والے عوام اہل ڈنمارک نہیں ہوتے۔ بلکہ سینماوں کی قطاروں میں سو یہش، جیمن اور امریکی ہی زیادہ نظر آتے ہیں۔ یہاں یہ ایک نہایت منافع بخش کاروبار شمار ہوتا ہے۔ ان فلموں کے علاوہ کتابیں، رسائل اور دوسرے لوازمات بھی تیار ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہاں جنسی میں بھی منعقد ہوتے رہتے ہیں۔ لیکن اس وقت کا ڈنمارک اس قدر بے راہ رو نہیں تھا۔ یہاں یورپ کے دوسرے شہروں کی بہبیت آزادی زیادہ تھی۔ لیکن بے راہ روی اس قدر عام نہیں تھی کہ دوسرے ممالک کے آنے والوں کو عجیب محسوس ہو۔

فن لینڈ میں، میں نے بھی دوسرے نوجوانوں کی طرح ڈنمارک کے نگین قصے سنے تھے۔ اور دو ایک بار میرے ذہن میں اس چھوٹے سے ملک کو دیکھنے کا خیال آیا تھا۔ لیکن یہ اس وقت کی بات ہے جب ڈنمارک میرے لئے بہت دور کی چیز تھا۔ آج کی بات دوسری تھی۔ چنانچہ آج ڈنمارک کے اس عظیم شہر میں میرے لئے کوئی خاص لذکش نہیں تھی اور میں اس کے گلی کوچوں میں کافی بد دل پھر رہا تھا۔

ایک جگہ کافی رش تھا۔ میں زک گیا۔ ایک نمارت تھی۔ جس کے دروازے پر کیپ یارن لکھا ہوا تھا۔ یہاں کچھ تصاویر آؤیں اس تھیں۔ میں نے بھی ان تصاویر کو دیکھنے کی کوشش کی اور اس وقت مجھے عقب سے ایک آواز سنائی دئی۔

”فضول۔۔۔ بالکل بیکار۔ میری راتے ہے نوجوان! یہاں وقت نہ ضائع کرو۔۔۔ بہتر ہے، رات کی پر سکون نیندا پاؤ۔۔۔“

نہیں روک دیا اور جلدی سے بولا۔

”اس سے قبل میرے کچھ سوالات کا جواب دے دیں فادر!“

”غور میرے پیچے!“ فادر مسکراتی ہوئی نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے بولے۔

”آپ ادھر کیسے آنکے تھے؟“

”میں..... جہاں سے بھی گزر ہو، نیکیوں کا سبق دے سکتے ہو، دے دو۔ میں اپنے چھوٹے سے قبیلے سے یہاں آیا تھا۔ ایک کام تھا۔ صبح واپس جانے کا ارادہ ہے۔ ادھر سے گزار تو بدی کا ہجوم دیکھا اور رُزگار۔ لوگوں سے کچھ کہنے کی کوشش کی۔ لیکن کسی نے توجہ نہیں دی۔ بدی ہمیشہ طاقت ور ہوتی ہے۔“

”آپ کا کہنا درست ہے فادر!“ میں نے اپنی پیالی خالی کرتے ہوئے کہا۔ ”اب اس وقت بدی مجھے مجبور کر رہی ہے کہ میں فوراً یہاں سے نکل بھاگوں۔ اور بدی اتنی طاقتور ہے کہ میں اسے غلست نہیں دے سکتا۔“ اس لئے میں اپنی کرسی چھوڑ کر انہیں گیا۔

”آہ..... بیٹھو! میری چند باتیں سن لو! اس کے بعد میں تمہیں نہیں روکوں گا۔“ فادر فرنانڈس ہاتھ اٹھا کر بولے۔

”افسوں فادر.....! یہ کجھ بدی میری گردان پکڑ کر بری طرح گھیٹ رہی ہے۔ لیکن آپ فکر نہ کریں۔ آپ کا پلایا ہوا قبوہ، میرے بدن میں اتر گیا ہے اس لئے اب میں اس عمارت کا رخ نہیں کروں گا جہاں سے آپ مجھے لائے تھے۔“

اور پھر فادر مجھے آوازیں دینتے رہ گئے لیکن میں وہاں سے نکل بھاگا۔ اس وقت قطعاً ہمتوں نہیں تھی کہ فادر کے ساتھ بیٹھ کر ان کی نصیحتیں سنوں۔ واپس اپنے ہوٹل آگیا تھا اور آج کی رات تھا تھی۔ چیلی یاد آئی لیکن میں نے بہت جلد اسے ذہن سے نکال دیا۔ فضول با توں کو ذہن میں رکھنے سے کیا فائدہ؟ صرف کام کی بات..... جو ابھی ذہن میں نہیں آتی تھی۔ اور جب تک ڈنمارک چھوڑ نہیں دوں گا، آئے گی بھی نہیں۔ نہ جانے کیوں یہ خیال میرے ذہن میں بیٹھ گیا تھا۔

سونے سے تھوڑی دیر قبل میں نے چند فیصلے کئے اور سو گیا۔ زندگی میں تھوڑی سی تبدیلی آتی رہے تو انسان یکسانیت کا شکار نہیں ہوتا۔ یکسانیت بعض اوقات اضلال پیدا کر دیتی ہے اور انسان معطل ہو جاتا ہے۔ وہ کتنا ہی ذہین کیوں نہ ہو، صحیح فیصلوں سے قاصر رہتا ہے۔ میرے اندر ایک خرابی پیدا ہو گئی تھی۔ میں خود کو قادر سمجھنے لگا تھا۔ سوچنے لگا تھا کہ زندگی کے

میں نے گھوم کر دیکھا۔ ایک بوڑھا لیکن تو انداختگی میرے عقب میں کھڑا تھا۔ بڑا مندر طرف متوجہ ہو گیا۔

”میں نہیں سمجھا محترم.....؟“ میں نے کہا۔

”اگر یہ جگہ چھوڑنا پسند کرو تو میں تمہیں سمجھانے کی کوشش کروں۔ یہاں! کیا تم مجھی سے لوگوں کی طرح مجھے نظر انداز کر دو گے.....؟ میرا مذاق اڑاؤ گے؟“

”نہیں.....!“ میں نے سکون سے جواب دیا۔

”تو آؤ..... میرے ساتھ آؤ! میں تمہیں کسی عدمہ سی جگہ بیٹھ کر قبوہ پلاوں گا اور اپنا مانی اضمیر بھی کھوں گا۔“ تو انداختگی نے میرا بازو پڑلایا اور میں خاموشی سے اس کے ساتھ بیٹھا۔ بوڑھا مجھے ایک قبوہ خانے میں لے آیا۔ ایک میز کے گرد بیٹھنے کے بعد اس نے قہے کے لئے کہا، پھر بولا۔ ”یہ عمارت بگٹے ہوئے ذہنوں کو سکون نہیں دیتی۔ بلکہ انہیں اور انتشار میں بتا کر دیتی ہے۔ اور منتشرہ ذہن، دنیا کی سب سے خطرناک چیز ہوتے ہیں۔“

”میں اس عمارت کے بارے میں نہیں جانتا۔“ میں نے کہا۔

”اوہ..... تو تم جان بوجھ کر یہاں نہیں گئے تھے؟“

”نہیں.....! اتفاقی طور پر رُزگار گیا تھا۔“ میں نے جواب دیا۔

”تب پھر ٹھیک ہے۔ ممکن تھا، برہنہ اتساویر کی کشش تمہیں بھی اندر لے جاتی۔ میرے بچے! سکون کی تلاش اکثر ناطق راستوں تک لے جاتی ہے۔ میں تمہیں سکون کی وادیوں کا راستہ بتاؤں گا۔“

”تم کون ہو.....؟“ میں نے قہوے کا گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔

”فرنانڈس..... میں تا استرپ کے گرجے میں درس دیتا ہوں۔ اس کے احکامات بیانا کرتا ہوں۔“ بوڑھے نے جواب دیا۔ گویا وہ پادری تھا۔ اس کے بعد میں خاموشی سے ٹہوئے کے گھونٹ لیتا رہا۔

فادر فرنانڈس بھی چند ساعت خاموشی سے قہوے کے گھونٹ لیتے رہے۔ میں سوچ رہا تھا کہ کہاں پچکر میں آپ ہیں؟ اب فادر فرنانڈس اخلاقیات پر بور کریں گے۔ اور ظاہر ہے، ہمیزی لائن کی باتیں نہیں تھیں۔ تاہم پادری تھے۔ مجبوراً خاموش رہتا پڑا تھا۔

”سکون.....!“ فادر نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ لیکن اسی وقت میں نے باتھ اٹھا کر

جس راستے پر قدم بڑھاؤں گا، وہاں میرے لئے دروازے کھلتے چلے جائیں گے۔ اور یہ
بات بہر حال! مناسب نہیں تھی۔

رات کو میں نے فیصلہ کیا تھا کہ ڈنمارک سے سویڈن آبی راستے سے جاؤں گا۔ فاصلہ
بہت زیادہ نہیں تھا اور تبدیلی بھی متوقع تھی۔ ہوائی سفر تو آسانی سے ہو سکتا تھا۔ اس طرح
ٹھوڑی سی تبدیلی رہے گی۔ ایک معمولی انسان کی حیثیت سے سفر کی دلچسپیوں کو نظر انداز نہیں
کیا جا سکتا۔ چنانچہ دوسری صبح میں نے ہوٹل چھوڑ دیا اور بندرگاہ پہنچ گیا۔ جہاں سے اسیم
بھیرہ بالٹک عبور کرتے تھے۔

ضروری گارروائی کے بعد میں اسٹینپر پر سوار ہو گیا۔ بہت سے لوگ تھے جن میں زیادہ
تعداد ڈنیش لوگوں کی تھی۔ وہ بہت سی خرافات لے کر ڈنمارک آتے تھے، جن میں جنسی
ضروریات بھی شامل ہوتی تھیں۔ اور پھر اس آبی ذریعہ سے واپس سویڈن چلے جاتے تھے۔
میں بھی عام لوگوں کی طرح اس بھیڑ سے لطف انداز ہوتا ہوا بھیرہ بالٹک عبور کرتا رہا۔
اور پھر مالمو میں داخل ہو گیا۔ مالمو، سویڈن کے بڑے شہروں میں شمار ہوتا ہے۔ لیکن میرا
ارادہ شاک ہام جانے کا تھا۔ چنانچہ میں سفر کے دوسرے مرحلے کے بارے میں معلومات کی
تیاریاں کرنے لگا۔

مالمو کے مرکزی چوک پر کھڑا تھا۔ میرے ہاتھ میں میرا چھوٹا سا سوٹ کیس تھا۔ ابھی
سوچ ہی رہا تھا کہ کون سی سمت اختیار کروں کہ ایک کار میرے نزدیک آ کر کھڑی ہو گئی۔
ایک بھورے بالوں والا بوڑھا اور ایک سرخ لڑکی، کار میں موجود تھے۔ گڑیوں جیسے نقش و نگار
والی لڑکی جو خوب صورت ہونے کے باوجود زیادہ اچھی نہیں لگ لگ رہی تھی۔ میں چونکہ
انہیں دیکھنے لگا۔

”لفت.....؟“ لڑکی نے خوب صورت دانتوں کی نمائش کرتے ہوئے کہا۔
”اوہ، ہاں.....شکریہ!“ میں نے جواب دیا۔ ان علاقوں کا طریق سفر یہ بھی تھا۔ گو۔
بہت کم لوگوں کے پاس کاریں تھیں۔ لیکن لمبے سفر پر لوگ ایک دوسرے کو لفت دے دیتے
تھے۔ میں کار کے پیچھے حصے میں بیٹھ گیا۔ پیچھے ہوئے منه والا بوڑھا زیادہ خوش اخلاق نہیں
تھا۔ اس نے ریس لوگوں کا ساکوٹ پہننا ہوا تھا لیکن اس کی سماجی گزیا بہت ہن مکہ معلوم
ہوتی تھی۔ کار، بوڑھا ہی ڈرائیور کر رہا تھا۔ میرے بیٹھنے کے بعد اس نے کار آگے بڑھا دی۔
”کہاں جاؤ گے.....؟“ خاصی دُور تکنے کے بعد اس نے پوچھا۔

”شاک ہام.....!“ میں نے جواب دیا۔

”اوہ.....لیکن میں تمہیں صرف یوٹے برگ تک چھوڑ سکتا ہوں۔ میں وہیں جا رہا
ہوں۔“ بوڑھے نے بھارتی آواز میں کہا۔

”بہت شکریہ! میں وہاں سے اشناک ہام چلا جاؤں گا۔“ میں نے جواب دیا۔ بوڑھے
کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں پیدا ہوا۔ نہ جانے اُس نے مجھے لفت کیسے دے وی تھی؟ اس کے
بعد کافی دیر تک خاموشی رہی۔ البتہ ٹھوڑی دیر کے بعد میں نے محسوس کیا کہ اُس کے برابر بیٹھی
لڑکی، عقب نہایت نیچے جھاٹک رہی ہے۔ ایک بار مجھ سے نگاہیں ملیں تو وہ آنکھیں بھیجن کر
مکرداری۔ بوڑھے نے اُس کی یہ حرکت نہیں دیکھی۔ لیکن میں نے بخوبی دیکھا تھا۔ تاہم میں
نے کوئی نوش نہیں لیا۔

”ہمارا سفر کافی طویل ہے۔ یہ کئی گھنٹے ہم اس طرح خاموش رہ کر تو نہیں گزار سکیں گے۔
مرٹر! کیا تم اپنا تعارف بھی نہیں کراؤ گے؟“ بے چین لڑکی بالآخر خاموش نہ رہ سکی۔ بوڑھے
نے اُس کی آواز پر چونک کر گردن ٹھوڑی سی موڑی۔

”سفر اتنا طویل بھی نہیں ہے۔ اور تم نے وعدہ کیا ہوا ہے کہ بک بک کر کے میرے کان
نہیں کھاؤ گی۔“ بوڑھے نے سرد لبھے میں کہا۔ اُس نے یہ بھی غور نہیں کیا تھا کہ لڑکی کا
تاختاب اُس سے نہیں، مجھ سے تھا۔ اور بہر حال! یہ بد اخلاقی تھی۔

میں نے لڑکی کی طرف دیکھا۔ میرا خیال تھا وہ بھی اس بات کو برا محسوس کر گی۔ لیکن
اُس کا چہرہ بدستور کھلا ہوا تھا۔ اُس نے اپنے مخصوص انداز میں آنکھیں بھیجن کر کہا۔ ”ای لئے
تو پا! میں اجنبی کے کان کھانا چاہتی ہوں۔ تاکہ تمہارے کان فتح جائیں گے۔ تم اجازت دو تو
میں بھی سیٹ پر چلی جاؤں؟“ لڑکی نے پوچھا۔

”خاموش بیٹھی رہو.....!“ بد اخلاقی بوڑھے نے سارا تکلف بالائے طاق رکھ دیا۔ اُس کی
البتہ چند ساعت کے بعد اُس نے منه پھلا لیا تھا۔ اُس کی آنکھوں کی شرارت آمیز چک بیونی
برقرار رہی۔ پھر کچھ دیر کے بعد وہ ایک گہری سانس لے کر بولی۔

”تب پھر اس بے چارے کو کیوں تکلیف دے رہے ہو پا؟ گاڑی روک کر اسے اٹھا
وو۔“ اور بوڑھا پھر چونک پڑا۔ لیکن اس بار اُس نے گردن نہیں موڑی تھی۔
”کیا بکواس ہے؟“ اُس نے سرزنش کرنے والے انداز میں کہا۔

"تو اور کیا؟ میں نے اسی لئے تو اسے بھانے کی فرماش کی تھی کہ راستے میں اس سے باقیں کروں گی۔ اگر تم اس سے باقی نہیں کرنے دیجے تو پھر اسے بھانے سے کیا فائدہ؟"

"اوہ، اوہ..... میں کہتا ہوں گریتا! تم خاموش رہو گی۔" بوڑھا غصیل لبھے میں بولا۔

"اتی خاموشی میرے بس کی بات نہیں ہے چا! کیوں مسٹر..... کیا آدمی اتنا طویل از تک خاموش رہ سکتا ہے؟" وہ مجھ سے مخاطب ہوئی۔

"نہیں.....!" میں نے جواب دیا۔

"مگر پا کی سمجھیں نہیں آتا۔" اس نے افسرہ لبھے میں کہا۔

"رفتہ رفتہ آجائے گا۔ ابھی ان کی عمر ہی کیا ہے؟" میں نے جواب دیا۔ بوڑھے کے ثانپ کو میں سمجھ رہا تھا۔ اس لئے میں نے تکف بالائے طاق رکھ دیا۔

"واہ..... پا کی عمر کے بارے میں تمہارا کیا اندازہ ہے؟ اب وہ اتنے چھوٹے بھی نہیں ہیں کہ اتی اتنی سی باقیں نہ سمجھیں۔" وہ ہنس کر بولی۔

"مسٹر! میں بے تکلفی کو پسند نہیں کرتا۔ براہ کرم! اپنی حد میں رہنے کی کوشش کرو۔" بوڑھے نے اس بار مجھ سے مخاطب ہو کر کہا۔

"یہ خرابی ایکسٹرای پیٹا میں۔ وہ بے تکلفی بھی پسند نہیں کرتے۔" لڑکی پھٹ سی پڑی۔

"بہت سی خرابیاں معلوم ہوتی ہیں ان میں۔ میرا خیال ہے تم انہیں کسی ورکشاپ میں چھوڑ دو۔" میں نے سمجھیگی سے لڑکی کو مشورہ دیا۔

"ورکشاپ میں.....؟" لڑکی کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ لیکن بوڑھے نے جملائے ہوئے انداز میں کار، سڑک کے کنارے کر کے روک دی۔ اور پھر وہ خونخوار نگاہوں سے مجھے گھورنے لگا۔ "میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ میں بے تکلفی پسند نہیں کرتا۔" اس نے کہا۔

"ہاں..... مجھے یاد ہے۔ یہ بات آپ نے کہی تھی جناب!" میں نے موبدانہ انداز میں جواب دیا۔

"لیکن تم بد تمیزی پر اتر آئے ہو۔"

"کیا..... میں بد تمیزی پر اتر آیا ہوں؟" میں نے رازدارانہ لبھے میں لڑکی سے پوچھا۔

"پتہ نہیں۔ میں تو اندازہ نہیں کر سکی۔" وہ شانے ہلا کر بولی۔

"سوری مسٹر! براہ کرم! یچھے اتر جاؤ۔ میں بد تمیز لوگوں کو برداشت نہیں کر سکتا۔" بوڑھے نے بنتھے چھلاتے ہوئے کہا۔

"اوہ، جناب! لیکن اس سننا جگہ..... بیہاں سے میں کہاں جاؤ گا؟" میں نے مظلومانہ انداز میں کہا۔

"میں نہیں جانتا۔ یہ تھہارا مسئلہ ہے۔ میں تمہیں برداشت نہیں کر سکتا۔ تم مجھے ورکشاپ بھیج رہے تھے۔" وہ غرایا۔

"نہیں بھیجن گا۔ وعدہ کرتا ہوں۔" میں نے جواب دیا اور لڑکی نے پھر ایک قبھہ لگایا۔

"میں کہتا ہوں..... میں کہتا ہوں....." غصے کی وجہ سے بوڑھے کے الفاظ حلق میں اٹک گئے۔

"پا! یہ غیر اخلاقی حرکت ہے۔ آخر یہ بے چارے کہاں جائیں گے؟ ابھی تو اپالا بھی کافی دور ہے۔" لڑکی نے ہمدردانہ لبھے میں کہا۔

"میں..... میں تمہیں اپالا میں زیر دستی اُتار دوں گا۔ سمجھے؟" بوڑھے نے کہا اور ایک جھکٹے سے کار آگے بڑھا دی۔ وہ بڑی طرح کھول رہا تھا۔

"اگر یہ خاموش بیٹھے رہیں پا! تب تو آپ ان کے ساتھ یہ سلوک نہیں کریں گے؟"

"گریتا! میں کہتا ہوں خاموش رہو۔ ورنہ میں تمہیں سخت نزا دوں گا۔" بوڑھا ہونٹ بھیجن گر بولا۔ غصہ میں اس نے کار کی رفتار تیز کر دی۔

"واتھی..... پا ٹھیک کہتے ہیں مسٹر! ہمیں ایک دوسرے سے گفتگو نہیں کرنی چاہئے۔ کیا ضروری ہے کہ ہم ایک دوسرے سے تعارف حاصل کریں؟ اگر تمہیں معلوم بھی ہو جائے کہ میرا نام گریتا ہے اور میرے پا کا نام اینڈر ریو، تو تمہیں اس سے کیا فائدہ ہو گا؟"

"یقیناً..... میں خود بھی خاموش رہنا پسند کرتا ہوں۔ میرے دوست کہتے ہیں کہ مسٹر مائیکل! تم اس قدر خاموش کیوں رہتے ہو؟ اب تم ہی بتاؤ گریتا! میں انہیں کیا جواب دوں؟"

"جواب دینے کی ضرورت بھی کہا ہے؟" ٹٹے برگ کے کانوںیٹ میں تو میں بالکل خاموش رہتی ہوں۔ اپنی دوستوں سے بھی بہت آم گفتگو کرتی ہوں۔ بس! اگر بھی پا کے ساتھ سر کو نکل آتی ہوں تو سفر کے دوران بولنے کو دل چاہتا ہے۔ لیکن کوئی بات نہیں۔ پا اسے پسند نہیں کرتے تو ٹھیک ہے۔"

"دوران سیاحت میں بھی لوگوں سے زیادہ گفتگو نہیں کرتا۔ اب فائدہ بھی کیا؟ بہت سے مالک گھوم چکا ہوں۔ سو یہاں میں کسی کو دوست نہیں بناؤں گا۔ اور وہاں سے آگے جانے کے بعد بھی۔"

”ہاں! فائدہ بھی کیا؟ اگر تم بوٹے برگ میں قیام بھی کرو تو اس شہر کا بے پناہ حسن نہیں یقیناً متاثر کرنے گا۔ لیکن اگر تم نے دوست پال لئے تو.....“

”ہاں..... پلکیں جڑی جا رہی ہیں۔“ بوڑھے نے گاڑی سرک کے کنارے کر دی اور پھر اس نے بریک پر پاؤں رکھ دیا اور گیرنیوڑل کر دیا۔ ”لیکن یہ ہوا کیا؟“ وہ گردن جھکتا ہوا بولا۔ اور پھر اس کا ترا آہستہ آہستہ اسٹیرنگ سے جانکا۔ اب وہ پوری طرح بے خبر ہو گیا تھا۔ رس بھری اپنے مخصوص انداز میں آنکھیں بھیجن کر مسکرانی اور پھر بولی۔

”اوہ، پا..... پا ڈیئر! کتنی بار کہا ہے کہ اتنی زور سے نہ چیخ کرو۔ ظہر و ایں تمہیں خوبی کی کافی دیتی ہوں۔ اوہ..... بے چارے پا۔ نہ جانے کیوں انہیں اتنی شدید کھانی اٹھی ہے۔“ لڑکی نے پریشان لمحے میں کہا۔ اور پھر عقبی سیٹ کی طرف جھک گئی۔ ”مشہر ماںکل پلیز! ذرا یہ باسکٹ اٹھا دیں۔ میں پا کے لئے شدید پریشان ہوں۔ ایک مرض ہو تو کہوں پا نے تو امراض کی پوری فہرست بنالی ہے۔ بے خوابی کے مریض ہیں۔ ہفتون ہندنیں آتی۔ نیند لانے والی دواؤں کا مستقل استعمال کرتے ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کروں۔“

”اوہ..... گرتیا! تمہارا شکریہ۔ لیکن تم نے انہیں بے ہوش کیوں کر دیا؟“

”تم سے باتیں کرنے کے لئے۔ میرا دل شدت سے چاہ رہا تھا کہ تم سے باتیں کرو۔ پا کی کیفیت تم نے دیکھی ہی تھی۔“

”ہوں..... میں نے گردن ہلاکی۔“ یہ بے ہوشی کی دوا تمہارے پاس کھاں سے آگئی؟“

”پا ہی کی تھی۔ وہ رات کو ایک قطرہ استعمال کرتے ہیں۔ میں نے سوچا دن میں چند قطرے بڑھادیے جائیں تو کوئی حرخ نہیں ہے۔ اب وہ آرام سے سوتے رہیں گے۔“

”اور کارکون ڈرائیور کرے گا؟“

”میں.....“ اس نے اطمینان سے جواب دیا۔

”تب ٹھیک ہے۔“ میں نے کہا اور پھر ہم دونوں نے بوڑھے کو پچھلی سیٹ پر لٹا دیا۔ گرتیا نے اسٹیرنگ سنبھال لیا تھا۔ اور اس کے اشارے پر میں اس کے برابر آ بیٹھا۔ اس کے ہلکا سے ایک بھی بھیں مہک سی اٹھ رہی تھی جو بہت بھلی لگ رہی تھی۔ یوں بھی جسمانی طور پر بہت گردہ تھی۔

”اب ہم لوگ کھل کر گفتگو کر سکتے ہیں۔“ اس نے کہا اور کار آگے بڑھادی۔

”کیا تم اکثر کار ڈرائیور کرتی ہو؟“ میں نے پوچھا۔

”ہاں، اکثر۔ لیکن تم نے یہ سوال کیوں کیا؟“ اس نے نگاہیں سامنے جاتے ہوئے کہا

”تو میں تم دونوں کو جہنم رسید کر دوں گا۔ سمجھئ تم لوگ؟“ بوڑھا حلقت پھاڑ کر چیخنا اور اس کھانی آ گئی۔ لڑکی جلدی سے اس کا شانہ تپچپھانے لگی۔

”اوہ، پا..... پا ڈیئر! کتنی بار کہا ہے کہ اتنی زور سے نہ چیخ کرو۔ ظہر و ایں تمہیں خوبی کی کافی دیتی ہوں۔ اوہ..... بے چارے پا۔ نہ جانے کیوں انہیں اتنی شدید کھانی اٹھی ہے۔“ لڑکی نے پریشان لمحے میں کہا۔ اور پھر عقبی سیٹ کی طرف جھک گئی۔ ”مشہر ماںکل پلیز! ذرا یہ باسکٹ اٹھا دیں۔ میں پا کے لئے شدید پریشان ہوں۔ ایک مرض ہو تو کہوں پا نے تو امراض کی پوری فہرست بنالی ہے۔ بے خوابی کے مریض ہیں۔ ہفتون ہندنیں آتی۔ نیند لانے والی دواؤں کا مستقل استعمال کرتے ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کروں۔“

لڑکی نے باسکٹ سے کافی کا تھر ماس نکالا اور اس کے ساتھ ہی براون رنگ کی ایک مشہدی۔ اس نے تھر ماس سے پیالی میں کافی اٹھیلی اور پھر شیشی کھول کر اس میں سے چھ قطرے، کافی کے پیالی میں پنکا دیئے۔ اور پھر پیالی بوڑھے کے ہاتھ میں تھامدی۔

میں نے تحریر انداز میں لڑکی کی اس حرکت کو دیکھا تو لڑکی نے میری طرف دیکھ کر آکر ماری اور سنجیدہ ہو گئی۔ پھر اس نے دودھ کے دو کپ ہنائے۔ ایک خود سنبھال لیا اور دوسرا مجھے دے دیا۔ لیکن نہ جانے اس نے بوڑھے کو کیا دیا تھا؟ بوڑھا اطمینان سے کافی لی رہا۔ باسکٹ واپس رکھتے ہوئے میں نے اس شیشی کا لیبل پڑھا اور میرا منہ تجھ سے کھل گیا۔ یہ ایک خواب آور دو اخنچی جو کافی تیز ہوتی ہے۔ بوڑھا ڈرائیور نے گفتگو کر رہا تھا اور اگر اسے جھوک آ جاتی تو ہمارا براہ راست بھی ہو سکتا تھا۔

لیکن لڑکی مطمین نظر آ رہی تھی۔ اس نے شانے ہلائے اور کافی پینے لگی۔ یہ شریروں بھری لڑکی مجھے اچھی لگ رہی تھی۔ لیکن ظاہر ہے، قابل حصول نہیں تھی اس لئے میں نے البارے میں نہیں سوچا۔ البتہ میں بار بار بوڑھے کا جائزہ لے رہا تھا۔ اب سٹیرنگ بہک رہا تھا۔ بوڑھا آنکھیں پھاڑ رہا تھا۔ پھر اس کی بھرائی ہوئی آواز اُبھری۔

”نہ جانے..... نہ جانے میرے اُپر نیند کا اس قدر شدید غلبہ کیوں ہو رہا ہے؟“

”تجھیں نیند آ رہی ہے پا؟“ گرتیا نے چیخ کر پوچھا۔

"ہاں! فائدہ بھی کیا؟ اگر تم بوڑھے برگ میں قیام بھی کرو تو اس شہر کا بے پناہ حسن تھا۔" پلکیں جڑی جا رہی ہیں۔" بوڑھے نے گاڑی سڑک کے کنارے کر دی اور پھر یقیناً متاثر کرے گا۔ لیکن اگر تم نے دوست پال لئے تو....." "ہاں..... پر پاؤں رکھ دیا اور گیئر نیوٹل کر دیا۔" لیکن یہ ہوا کیا؟" وہ گردن جھکتا ہوا اس نے بریک پر پاؤں رکھ دیا اور گیئر نیوٹل کر دیا۔" لیکن یہ ہوا کیا؟" وہ گردن جھکتا ہوا "تو میں تم دونوں کو جہنم رسید کر دوں گا۔ سمجھے تم لوگ؟" بوڑھا حلق پھاڑ کر چینا اور اسے بولا۔ اور پھر اس کا سر آہستہ آہستہ اشیزرنگ سے جاتکا۔ اب وہ پوری طرح بے خبر ہو گیا تھا۔ کھانی آگئی۔ لڑکی جلدی سے اس کا شانہ تھپٹھپانے لگی۔

"اوہ، پاپا..... پاپا ڈیمیر! لکھتی پار کہا ہے کہ اتنی زور سے نہ چینا کرو۔ شہر وا میں تمہیں قمرزی کافی دیتی ہوں۔ اوہ..... بے چارے پاپا۔ نہ جانے کیوں انہیں اتنی شدید کھانی اٹھتی ہے۔" لڑکی نے پریشان لمحے میں کہا۔ اور پھر عقبی سیٹ کی طرف جھک گئی۔ "مسٹر ماٹل پلیز! ذرا یہ باسکٹ اٹھا دیں۔ میں پاپا کے لئے شدید پریشان ہوں۔ ایک مرض ہو تو کہوں۔ پاپا نے تو امراض کی پوری فہرست بنائی ہے۔ بے خوابی کے مریض ہیں۔ ہفتوں نیز نہیں آتی۔ نیند لانے والی دواؤں کا مستقل استعمال کرتے ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کروں۔"

"اوہ..... گرتیا! تمہارا شکریہ۔ لیکن تم نے انہیں بے ہوش کیوں کر دیا؟" "تم سے باتیں کرنے کے لئے۔ میرا دل شدت سے چاہ رہا تھا کہ تم سے باتیں کروں۔ پاپا کی یفیت تم نے دیکھ لی تھی۔" "ہوں....." میں نے گردن ہلاکی۔" یہ بے ہوشی کی دوا تمہارے پاس کہاں سے آگئی؟"

"چاہی کی تھی۔ وہ رات کو ایک قطرہ استعمال کرتے ہیں۔ میں نے سوچا دن میں چند قطرے بڑھادیے جائیں تو کوئی حرخ نہیں ہے۔ اب وہ آرام سے سوتے رہیں گے۔"

"اور کارکون ڈرائیو کرے گا؟" "میں....." اس نے اطمینان سے جواب دیا۔

"تب نہیک ہے۔" میں نے کہا اور پھر ہم دونوں نے بوڑھے کو پچھلی سیٹ پر لٹا دیا۔ گرتیا نے اشیزرنگ سنjal لیا تھا۔ اور اس کے اشارے پر میں اس کے برابر آبیٹھا۔ اس کے بدن سے ایک بھینی بھینی مہک سی اٹھ رہی تھی جو بہت بھلی لگ رہی تھی۔ یوں بھی جسمانی طور پر وہ بہت گردہ تھی۔

"اب ہم لوگ کھل کر گھنگو کر سکتے ہیں۔" اس نے کہا اور کار آگے بڑھادی۔ "کیا تم اکثر کارڈر ایکورتی ہو؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں، اکثر۔ لیکن تم نے یہ سوال کیوں کیا؟" اس نے نگاہیں سامنے جاتے ہوئے کہا

کی کافی دیتی ہوں۔ اوہ..... بے چارے پاپا۔ نہ جانے کیوں انہیں اتنی شدید کھانی اٹھتی ہے۔" لڑکی نے پریشان لمحے میں کہا۔ اور پھر عقبی سیٹ کی طرف جھک گئی۔ "مسٹر ماٹل پلیز! ذرا یہ باسکٹ اٹھا دیں۔ میں پاپا کے لئے شدید پریشان ہوں۔ ایک مرض ہو تو کہوں۔ پاپا نے تو امراض کی پوری فہرست بنائی ہے۔ بے خوابی کے مریض ہیں۔ ہفتوں نیز نہیں آتی۔ نیند لانے والی دواؤں کا مستقل استعمال کرتے ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کروں۔"

لڑکی نے باسکٹ سے کافی کا تھر ماس نکالا اور اس کے ساتھ ہی براومن رنگ کی ایک شیشی بھی۔ اس نے تھر ماس سے پیالی میں کافی اٹھ لیا اور پھر شیشی کھول کر اس میں سے چھپا کر کھانے لگا۔ اس کے پیالی میں پیکا دیتے۔ اور پھر پیالی بوڑھے کے ہاتھ میں تھادی۔ میں نے تھیرانہ انداز میں لڑکی کی اس حرکت کو دیکھا تو لڑکی نے میری طرف دیکھ کر آگئی۔ ماری اور سنجیدہ ہو گئی۔ پھر اس نے دودھ کے دو کپ بنائے۔ ایک خود سنبھال لیا اور دوسرا مجھے دے دیا۔ لیکن نہ جانے اس نے بوڑھے کو کیا دیا تھا؟ بوڑھا اٹھیانا سے کافی لی رہا تھا۔ باسکٹ والیں رکھتے ہوئے میں نے اس شیشی کا لیبل پڑھا اور میرا منہ تجھ سے کھل گا۔ یہ ایک خواب آور دو اتھی جو کافی تیز ہوتی ہے۔ بوڑھا ڈرائیو نگ کر رہا تھا اور اگر اسے جھوک آجائی تو ہمارا براہ راست بھی ہو سکتا تھا۔

لیکن لڑکی مطمئن نظر آ رہی تھی۔ اس نے شانے ہلانے اور کافی پینے لگی۔ یہ شریروں کا بھری لڑکی مجھے اچھی لگ رہی تھی۔ لیکن ظاہر ہے، قابل حصول نہیں تھی اس لئے میں نے البارے میں نہیں سوچا۔ البتہ میں بار بار بوڑھے کا جائزہ لے رہا تھا۔ اب اشیزرنگ بہک رہا تھا۔ بوڑھا آنکھیں پھاڑ رہا تھا۔ پھر اس کی بھرائی ہوئی آواز اُبھری۔ "نہ جانے..... نہ جانے میرے اُپر نیند کا اس قدر شدید غلبہ کیوں ہو رہا ہے؟" "تمہیں نیند آ رہی ہے پاپا؟" گرتیا نے چیخ کر پوچھا۔

اور میں اُس کے سرخ رُخاروں کو دیکھنے لگا۔ پھر میں نے ایک نگاہ، قرب و جوار پر ڈالی۔ سڑک کے دونوں جانب دیوقامت درخت کھڑے تھے۔ انہوں نے اوپر سے ہر چھپا دیا تھا۔ درختوں کے نیچے گھاس پھونس اور قدرتی جھاڑیوں کی بہتات تھی۔ ”بُاں..... کسی بھی حیثیت سے نہیں۔“ ”مگر کیوں؟ یقین کرو! خاصے خوبصورت ہو، تو انا اور کے ہوئے بدن کے مالک ہو۔“ ”کوئی خاص بات نہیں ہے۔ میں نے سوچا کہیں رُک کر آرام کریں۔ علاقہ بہتر برا اخیال ہے، لیکن تمہیں نظر انداز نہیں کرتی ہوں گی۔“ صورت ہے۔“

”اس بات کا تمہارے سوال سے کیا تعلق؟“ لڑکی نے پوچھا۔ ”ہے۔“ میں نے گردن بلاتے ہوئے کہا۔ ”لیکن کیا؟ مجھے سمجھاؤ۔“ گرتا نے کہا۔ ”اگر تم ڈرائیونگ نہ جانتی ہو تویں تو گاڑی کہیں کھڑی کر دیتیں اور جب تک تمہارے نہ جانگے، سفر نہ شروع کیا جاتا۔ ہم دونوں جی بھر کے باقیں کر سکتے تھے۔“ میں نے گیئی۔ ”کیوں؟“ میں نے پوچھا۔ آج تک ہر لڑکی مجھے نظر انداز کرتی رہی ہے۔“

”تب تو یہی کہا جا سکتا ہے کہ تمہارا انتخاب غلط ہوتا ہے۔“ ”اوہ..... تو تمہارا دل بھی مجھ سے گفتگو کرنے کو چاہتا ہے۔“ ”ہاں.....!“ میں نے جواب دیا۔ ”میں ڈین کے محبت کرتی ہوں۔ ڈین بڑا پیارا نوجوان ہے۔ میں نے اُسے زندگی سانس لے کر کہا۔“

”جب کامیکی میتھ کر لیا ہے اور اُس سے پوری طرح وفادار ہوں۔ اب تم ہی بتاؤ! تمہاری اس پیشکش کو میں کیسے قبول کر سکتی ہوں؟“ ”ہاں.....!“ میں نے جواب دیا۔

”تب بے فکر ہو۔ سفر بہت طویل ہے۔ اور میں ست رفتاری سے ڈرائیونگ کر دیں۔“ ”بُاں..... یہ تو ہے۔“ میں نے گردن بلائی۔ لیکن دل ہی دل میں بور ہو گیا تھا۔ بڑی راستہ بھی سکون سے کٹے گا اور ہم بہت سی باقیں کر لیں گے۔“ لڑکی نے جواب دیا اور مجہب لڑکی ہے۔ وہ میری طرف دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔ کجھن کے مسکرانے کا انداز بہت غلط نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ بن رہی ہے یا چچ مچ گدھی ہے.....؟ میں نے سوچا۔ ”یہ بھی ٹھیک ہے۔“ میں نے کہا اور دل ہی دل میں سوچا کہ اگر وہ بن رہی ہے تو میں بھی کوشش نہیں کروں گا۔ اُس نے حسب معمول پچکانہ انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔ ”تب شروع کرو!“ ”کیا.....؟“

”باتیں..... اپنے بارے میں بتاؤ۔ اگر سیاح ہو تو بتاؤ! کہاں کہاں سفر کیا؟ کہا؟“ ”بُاں.....! دیتے چادر بچھی تھی اور گاڑی کی رفتارست ہو گئی تھی۔ لڑکی اپنے رومان کی دیکھا؟ کیسے کیسے لوگوں سے ملاقات ہوئی؟ تھا ہو یا زندگی میں کوئی اور بھی شامل ہے؟“ ”اور سے اپسالا کے نشانات نظر آنے لگے تھے۔ میں نے ان نشانات کو غور سے دیکھا اور پوچھا۔“ ”بیٹھا! مس رُرتا! کیا یا اپسالا ہے؟“ ”ہاں..... ہم اپسالا پہنچ گئے ہیں۔ اور اب یہاں سے بوئے برگ کا فاصلہ زیادہ نہیں رہ سکتا۔“

”بہت خوب..... براو کرم! آپ گاڑی روک دیں۔“ میں نے کہا۔ ”نہیں گرتا! زندگی خالی ہے۔ کوئی اور شامل نہیں ہے اس زندگی میں۔“ ”کسی بھی حیثیت سے نہیں.....؟“ اُس نے پوچھا۔

بھری تھی۔ بس! اپالا کی عمارتیں دیکھتے ہی اُسے چھوڑ دینے کو دل چاہتا تھا۔ لیکن اس احساس ہو رہا تھا کہ جلد بازی ہوئی۔ یہاں تک آیا تھا، تھوڑا اسافر اور طے کر لیتا تو پر حرج نہیں تھا۔

بہر حال! تجربات میں اسی طرح اضافہ ہوتا ہے۔ سیکرٹ بیلیں کی تربیت نے مجھے شمار باقی سکھائی تھیں۔ لیکن تجربات سب سے بڑے معلم ہوتے ہیں۔ عمل ایک الگ دلچسپ رکھتا ہے۔ اس وقت جب انسان کے پاس وسائل نہ ہوں تو جلد بازی بہر حال! انقضائی ہوتی ہے۔ یہ ایک اور سبق تھا۔

آبادی سے کچھ دور، درختوں کے جنڈناظرا رہے تھے۔ یہ جھنڈ، اپالا کے راستے میں پڑتے تھے۔ بس اسڑک سے تھوڑے سے بیٹے ہوئے تھے۔ شاید کوئی باغ تھا۔ بہر حال تھوڑی دیر کے بعد میں اُنکے نزدیک پہنچ گیا۔ درختوں کے درمیان ایک چٹی سی شفاف جمل نظر آ رہی تھی۔ منظر کچھ ایسا خوشنگوار تھا کہ بے اختیار وہاں زک جانے کو دل چاہا۔ دلن کا روشنی میں اپالا کو دیکھا جائے گا۔ یوں بھی رات گزارنی تھی۔ وہاں نہ کہی، یہاں نہ کہی۔ اور شہر میں شاید اتنا پر فضا مقام دوسرا نہ ہو۔ بس! تھکن سی تھی اور آگے جانے کی ہمت نہیں پڑی تھی۔ اس لئے میں نے جھیل کے کنارے ہی ڈیرہ ڈال دیا۔

کھانے پینے کی کوئی خواہ نہیں تھی۔ لیکن جھیل کے کنارے کے درختوں سے سبک مہک انٹھ رہی تھی۔ گو، غیر اخلاقی بات تھی لیکن مجھ جیسے انسان کے لئے نہیں۔ چنانچہ جندیہ توڑ لئے اور انہیں جھیل کے پانی سے دھو کھانے لگا۔ اور پھر جھیل کے کنارے ہی ایک صاف سترھی جگہ دیکھ کر لیٹ گیا۔ چاند نکل آیا تھا۔ آسان شفاف تھا اور چاندنی، درختوں سے چھن کر جھیل کے پانی کو جھلما رہی تھی۔ اس حسین ماحول میں اگر کوئی شے تکلیف دوتا تو تھا۔ اگر کوئی اور اس حسن کا ہم نشیں ہوتا تو یہ منظر دو بالا ہو سکتا تھا۔ میں خاموش ہی جھینیگروں اور دوسرے جانوروں کی آوازیں سنتا اور چاند کو دیکھتا رہا۔ پھر کسی کار کے انجن کا آوازن کر چونکہ پڑا۔

ذور سے روشنیاں جھیل کی جانب آ رہی تھیں۔ اُن کے پارے میں کچھ سوچنا فضول تھا۔ لیکن ایک احساس ذہن میں جا گا تھا۔ ممکن ہے، وہ کوئی رومانی جوڑا ہو جس نے آبادی دور اس حصے میں رنگ رلیاں منانے کا پروگرام بنایا ہو۔ ایسی صورت میں میری یہاں موجودگی کیا بہ میں ہڈی بن سکتی تھی۔ یقیناً وہ لوگ یہاں میری موجودگی سے خوشن

”مسڑیا! آپ مس مارگن کو سمجھائیں۔“ مرد نے کہا۔
”ہاں مس مارگن! آپ گھبرا کیوں رہی ہیں؟ زندگی اس کے بغیر کہاں مکمل ہے اور پھر یہ خوب صورت ماحول۔ کیا آپ کو یہ ماحول پسند نہیں آیا؟“
”وہ تو ٹھیک ہے۔ لیکن.....“

”لیکن کیا؟ اس طرح تو ہم سب کا لطف ادھورا رہ جائے گا۔“

”میں آپ کو بتا پچھی ہوں جناب! میرے ذہن میں میرے والدین ہیں جو خاتمہ ہوں گے۔ آپ اندازہ نہیں لگاسکتے کہ ان کی کیا حالت ہوگی؟ میں جلد از جلد ان کے پیغام جانا چاہتی ہوں۔ ایسی صورت میں، میں ایسی تفریحات سے زیادہ لطف اندازہ نہیں سکتی۔“ لڑکی نے جواب دیا اور اچانک میرے ذہن میں دھما کہ سا ہوا لایہ آواز تو جانلے سی تھی۔ اور یہ آواز..... اگر میرا اندازہ غلط نہیں ہے تو سو نیا جوزیفائن کے علاوہ کی کہی تھی۔

میں آنکھیں پھاڑنے کر دیکھنے لگا۔ لڑکی، نوجوان کی آڑ میں تھی۔ اس لئے میں اسے سزا ملنی ہی چاہئے۔ یہ ہے بھی اسی قابل کجھت۔ ناقابل اعتبار۔ غالباً یہ لوگ اُس کے لئے ابھی ہیں اور وہ ان کے لئے اور حسب عادت اُس نے انہیں بھی کوئی کہانی سنائی ہے۔ نہ جانے یہ لڑکی کیا ہے؟ کیا کرتی پھر رہی ہے؟ اور کیا چاہتی ہے؟ بہر حال! دلچسپ بات تھی۔ مجھے یقین تھا کہ وہ ایک اور مصیبت میں آپنھی تھے۔ اس بار اُس کا بھاگنا بھی مشکل ہی نظر آتا تھا۔ لیکن میں اب اُس کے لئے اتنا جذباتی نہیں تھا کہ فوراً ہی اُس کی مدد کو دوڑ پڑتا۔ میں چاہتا تھا کہ اُسے تھوڑی سی سزا ملے۔

میں اپنی جگہ انتظار کرتا رہا۔ لیکن ابھی اُن لوگوں نے چند ہی پیگ لئے تھے کہ اُچھل پڑے۔ میں بھی گاڑی کے انہیں کی آواز سن کر چونک پڑا تھا۔ ”چج..... چاپی کہاں ہے؟“ اُن میں سے کوئی چیخا۔

”چاپی تو میرے پاس ہے۔“ دوسرا کی آواز اُبھری۔ اور وہ اُچھل کر کھڑے ہو گئے تھے اور بڑی طرح بدھواس نظر آ رہے تھے۔

گاڑی شارٹ ہو کر چل پڑی۔ لیکن تیسرا، دوسروں کی طرح بدھواس نہیں ہوا تھا۔ اُس نے پستول نکال کر گاڑی کے نارکوں پر دو فائر کئے اور گاڑی اُچھلنے لگی۔ نشانہ کامیاب تھا۔

گاڑی گھوم گئی۔ زیادہ تیز رفتار ہوتی تو اُنک بھی سکتی تھی۔ اور پھر وہ سب دوڑ پڑے۔ صرف لڑکی اُس جگہ کھڑی رہ گئی۔ اور تھوڑی دیر بعد وہ جوزیفائن کو پکڑ لائے۔ چاندنی میں اب میں نے اُسے بخوبی دیکھ لیا تھا۔ وہ بدھواس نظر آ رہی تھی اور شاید اُس نے جدو جهد بھی کی تھی۔ کیونکہ اُس کے بال کھڑے ہوئے تھے اور لباس بھی منتشر تھا۔

اُسے پکڑ کر لانے والوں نے اُسے زور سے زمین پر دھکا دے دیا۔ تینوں اُس کے قریب

”ٹھیلیا! یہ کیا ہو رہا ہے؟“

”پرانے خیالات کی پریشان لڑکی ہے جناب!“

”اوہ..... لیکن لڑکی ہے اور بور کر رہی ہے۔“

”پھر کیا، کیا جائے.....؟“

”کیا تو وہی جائے گا، جو کرنا ہے۔ یوں بھی ہم تینوں اُداس ہیں۔ اور اُداسی دُر کہا۔“ چاہتے ہیں۔ تم کس کا ساتھ دو گی؟ تمہارا فرض ہے میں ٹھیلیا! اُسے سمجھاؤ۔“ ایک شخص کہا۔

”مشکل ہے جناب!“

”اوہ..... ڈیر گرانٹ! اُسے میں سمجھا لوں گا۔ اور جب اُسے سمجھا لوں گا تو پھر میں لینا۔“ دوسراے آدمی نے ہنستے ہوئے کہا۔

نیچے دپاروں کی قید سے آزاد، اپنی ضروریات پوری کرتا تھا۔ آج وہی دور، تھوڑی دیر کے لئے پلٹ آیا ہے۔ دوستو! یہ ایک یادگار رات ہو گی۔۔۔۔۔ ”ٹیلی ڈارنگ! جلدی کرو۔“
”ٹیلی آگے بڑھ آئی۔ اور پھر اس نے سرد لمحے میں کہا۔ ”لباس اُتار دو۔۔۔۔۔!“
”لباس مت کرو۔۔۔۔۔ مم۔۔۔۔۔ میں ایسا ہرگز نہیں ہونے دوں گی۔“
”میں کہتی ہوں، لباس اُتار دو۔۔۔۔۔!“ ”ٹیلیا غرائی۔

”تم۔۔۔ تم کیسی عورت ہو؟ عورت ہو کر۔۔۔۔۔“ جوزیفائن نے بے بی سے کہا۔
”میں بہت بڑی عورت ہوں۔ میں تم میرے حکم کی تعیین کرو۔ ورنہ تمہاری شکل بگاڑ ڈوں گی۔“ ”ٹیلیا نے کہا اور جوزیفائن چند قدم پیچھے ہٹ گئی۔
”شیل۔۔۔!“ ایک شخص نے دوسرا کو آواز دی۔
”لیں مسٹر گرانٹ۔۔۔!“

”وحشی دور کا انسان ایسی سرکش عورتوں کے ساتھ کیا سلوک کرتا تھا؟“
”بھی بتاتا ہوں مسٹر گرانٹ!“ شیل نے کہا اور پھر وہ گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔ گاڑی کی ڈگی کھول کر وہ کچھ چیزیں نکال لایا۔ میں دلچسپی سے سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ جوزیفائن نے ایک بار پھر بھاگنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن شیل نے پستول نکال کر اس کا رُخ جوزیفائن کی طرف کر دیا تھا اور وہ چونک کر رُک گئی تھی۔ اب اس کے چہرے پر دہشت کے آثار منجمد تھے۔ دوسری طرف شیل، لوہے کی لمبی میخیں جو خیموں وغیرہ کے لگانے میں استعمال ہوتی ہیں، ایک مخصوص فاصلے سے زمین میں کاڑ رہا تھا۔ رُسی کا ایک موٹا لچھا بھی اس نے ایک طرف ڈال دیا تھا۔ اور اس کا دروازی سے ان کے خطرناک جھانک رہے تھے۔

اُس نے چار میخیں، زمین پر گاڑھ دیں اور پھر اس کام سے فارغ ہو گیا۔ اس کے بعد اُس نے جیب سے ایک لمبا چاقو نکالا اور رُسی کا لچھا کھول کر اس میں سے چار گلزارے کاٹے اور اس کے بعد جوزیفائن کی جانب دیکھ کر منکرانے لگا۔

”اگر تم چاہتی ہو کہ یہاں سے جاتے ہوئے ہم تمہیں قتل کر دیں اور تمہاری لاش یہیں چھوڑ دیں، تب تو دوسری بات ہے۔ لیکن ہم یہ نہیں چاہتے۔ ہماری خواہش ہے کہ ہم ایک گلزارات گزارنے کے بعد تمہیں آزاد کر دیں۔ تاکہ تم دنیا کو ہماری داستان سناتی پھر دو۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ تم اپنا لباس اپنے ہاتھوں سے اپنے بدن سے جدا کر دو۔۔۔۔۔ بصورت دیگر یہاں کام کو ناجام دے گا۔ اور جب لباس ضائع ہو جائے گا تو پھر تمہیں زندہ رکھنے کی

کھڑے ہو گئے تھے۔ ”خوب صورت لو مڑی! دھوکہ دے کر بھاگ رہی تھی۔“ ان میں سے ایک غریا۔

”لیکن چابی تو میرے پاس ہے۔ اس نے گاڑی سارث کس طرح کر لی؟“ ”متحیر انداز میں بولا۔

”صورت سے جس قدر معصوم نظر آتی ہے، اتنی ہے نہیں۔ کھڑی ہو جاؤ مس مار گن!“ نے ہماری مشکل آسان کر دی ہے۔ ورنہ ہم سوچ رہے تھے کہ تھوڑی سی بد اخلاقی برنتا پڑے گی تمہارے ساتھ۔ لیکن اپنی طرف سے بھاگنے کی کوشش کر کے تم نے ہپکچاہٹ کی دیوار گردی ہے۔ اب ہم اتنے شریف لوگ بھی نہیں ہیں کہ اس کے بعد بھی تمہارا احترام کریں۔“ ”تم۔۔۔ تم میرا کچھ نہیں بلگاڑ سکتے۔ میں۔۔۔ میں۔۔۔ تم اخلاق سے گری ہوئی حرکت کر رہے تھے۔“

”اور تم ہماری گاڑی لے کر بھاگ رہی تھیں۔۔۔ کیوں؟“

”میں تمہاری گاڑی، اپلا میں چھوڑ دیتی۔“

”اور ہم وہاں تک پہنچ جاتے۔ جبکہ ہم نے تمہیں اپنی گاڑی میں لفت دی تھی۔“ دوسرے نے طنزیہ لمحے میں کہا۔

”لیکن تم مجھے شراب پینے کے لئے مجبور کر رہے تھے۔“

”ہاں۔۔۔ اس وقت صرف شراب پینے کے لئے مجبور کر رہے تھے۔ لیکن اب اس سے کچھ اور آگے بڑھیں گے۔ کیوں دوستو۔۔۔؟“ اس نے دوسروں کی طرف رُخ کر کے کہا اور سب بس پڑے۔

لڑکی جلدی سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ لیکن وہ تینوں اسے گھیرے ہوئے کھڑے تھے۔ بھر اُن میں سے ایک نے دوسری لڑکی کو آواز دی۔ ”ٹیلی! تم بھی آ جاؤ۔ آج تم دلچسپ نماشہ دیکھو گی۔ تمہیں اس کھلیل پر کوئی اعتراض تو نہیں ہو گا۔۔۔۔۔؟“

”اوہ۔۔۔ نہیں شیل! اعتراض کیا؟“ ”ٹیلی ہنس کر بولی۔“

”تب پھر رہا کرم! تم ہی ان خاتون کو لباس کے بوجھ سے آزاد کر دو۔ اور خود بھی تمذیب کی قید سے آزاد ہو جاؤ۔“ اس نے کہا اور پھر آسمان کی طرف منہ کر کے بولا۔ ”سنہرے چاند! آج ہم تھے چند خوبصورت مناظر سے روشناس کرائیں گے۔ وہ مناظر، جو اس وقت دیکھتا تھا، جب انسان پر تمذیب کے بوجھ نہیں تھے۔ جب وہ آسمان کی چھت کے

ضرورت بھی نہ رہے گی۔ کیا خیال ہے؟“ جو زیفائن کا چہرہ، دھواں دھواں ہو رہا تھا۔ وہ خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر چاروں طرف دیکھ رہی تھی۔ تب اچانک شیل دھاڑا۔ ”صرف تیس سینٹ..... اس کے بعد تمہارا لباس کاٹ کر تمہارے بدن سے جدا کر دیا جائے گا۔ اور اس کے بعد سے تم خود کو اس دنیا میں محسوس نہ کرنا۔ سمجھیں؟“

اور میں نے جو زیفائن کو گھری سانس لیتے ہوئے دیکھا۔ اچانک اس کے چہرے پر سکون پھیل گیا۔ ”دیکھو.....!“ اس نے کہا۔ ”میں نے تمہارے ساتھ کوئی برا سلوک نہیں کیا ہے۔ میں نے تم سے لفت مانگی تھی۔ اور یہ دیکھ کر کہ تمہارے ساتھ ایک عورت بھی ہے صورت سے تم شریف ہی نظر آتے تھے، میں نے تمہیں کوئی فحشان نہیں پہنچایا۔ ہاں! میں نے اس وقت بھانگنے کی کوشش ضرور کی، جب مجھے احساس ہوا کہ میں برسے لوگوں کے درمیان ہوں۔ یہ میری فطری کوشش تھی، جس کے لئے میں خود کو مجرم نہیں سمجھتی۔ وہ لگن تمہاری بعد کی باتیں تو کیا تم میری ایک تجویز قبول کرو گے؟“

”ضرور مس مار گن.....!“ شیل نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”مس مار گن نہیں، اینڈر ریا فرگوں یہ میرا اصلی نام ہے۔ اور اس وقت میں جو شیل نہیں بولنا چاہتی۔“

”خوب..... نام سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ لیکن تجویز کیا ہے؟“

”میں تمہارے تجربات میں اضافہ کرنا چاہتی ہوں۔“

”کیسا.....؟“ شیل نے پوچھا۔

”تم نے بہت سی زندہ لڑکیوں سے تلذذ حاصل کیا ہو گا۔ کچھ نے تمہارے ساتھ تعادل کیا ہو گا، کچھ نے نہ کیا ہو گا۔ آج تم ایک لاش سے تجربہ کرو۔ مجھے چاقو سے یا گوئی مار کر قتل نہ کرو۔ بلکہ طاقتور ہو تو میری گردن دبادو۔ اس طرح میرا جسم خراب نہیں ہو گا۔ اور اس کے بعد میرے مردہ بدن کے ساتھ جو چاہو، سلوک کرو۔ کیا خیال ہے تمہارا؟ کیا یہ ایک دلپ تجربہ نہ ہو گا؟“ وہ مسکرائی۔ لیکن ان لوگوں کے چہرے ست گئے تھے۔ شیل کی آنکھوں نے گواری کے تاثرات متراض تھے۔

”کیا تم خود کو بہت زیادہ دلیر ثابت کرنا چاہتی ہو؟“ وہ غرا کر بولا۔

”ہوں بھی اتنی ہی دلیر۔ کیا مجال ہے تمہاری کہ میری زندگی میں تم میرے ساتھ کوئی

ہزار سلوک کر سکو..... زندگی کا بہر حال! کوئی مقصد ضرور ہوتا ہے۔“ جو زیفائن نے بڑی ہزار کے کہا اور ایک دم میرے اندر کوئی چیز ٹوٹ گئی۔ مجھے اس کے یہ الفاظ بہت عجیب ہوئے تھے۔ بہر حال! یہ کردار کی بات تھی۔ وہ کچھ بھی تھی، لیکن نسایت کے بارے میں ٹھوٹ کہا کیا تھی۔ مجھے ملی تھی تو اس نے ایک فرضی کہانی سنائی تھی۔ لوگ اس کے مقابل میں تھے۔ بہر حال! اس کے بعد وہ اتنے دن میرے ساتھ رہی۔ دوسری کہانی کے مقابل میں تھے۔ بہر حال! لیکن میں نے بھیتیت عورت اُسے ٹھوٹ ہی پایا تھا۔ اس کے بعد کچھ اور مائل ہو گیا تھا۔ لیکن میں نے بھیتیت عورت اُسے نفرت ہو گئی تھی۔

”مرے جو شیل کے بعد سے مجھے اس سے نفرت ہو گئی تھی۔“ لیکن اس وقت اس کا شخصیت کا ایک اور پہلو سامنے آیا تھا۔ موت کو سامنے دیکھ کر تو بڑی سے بڑی قریانی دی جاسکتی ہے۔ لیکن وہ اپنی شخصیت کو برقرار رکھنے کے لئے زندگی دینے پر آمادہ ہو گئی تھی۔ اور بہر حال! یہ اچھے کردار کی دلیل تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ اس کے خلاف میری نفرت میں کسی قدر کی واقع ہوئی ہے۔

”مثہر انت! کیا تم خاتون اینڈر ریا فرگوں کو نئے تجربے سے روشنas کرانے میں میری مدد نہیں کرو گے؟“ شیل نے دوسرے آدمی کی طرف رُخ کر کے کہا اور اچانک وہ تینوں اس پر ٹوٹ پڑے۔ جو زیفائن شاید اس اچانک حملے کے لئے تیار نہیں تھی۔ یوں بھی وہ ان تینوں سے یہ وقت نہیں نپٹ سکتی تھی۔ تاہم اس نے شدید جدوجہد کی۔ لیکن بہر حال! وہ اس پر قابو پانے میں کامیاب ہو گئے تھے۔

آنہوں نے اُسے پیچے گرا لیا اور پھر اس کے دونوں ہاتھ ان کیلیوں سے باندھ دیئے گئے جو زمین میں گاڑ دی گئی تھیں۔ اور اس کے بعد دونوں پاؤں بھی۔ اب وہ بے بُل زمین پر چلتا ہو گئی تھی۔ اس کے ہاتھ اور پاؤں پھیلا کر باندھے گئے تھے اور ان لوگوں کے ذمہ دوم ارادے واضح تھے۔

جو زیفائن کو میں پہلے بھی ان لوگوں کے ہتھے نہ چڑھنے دیتا۔ میں اس کی مدد ضرور کرتا۔

لیکن اس وقت جب اُسے مناسب سزا مل پچھی ہوتی، جب وہ لباس سے عاری ہو پچھی ہوتی اور جب اُسے یہ احساس ہو چکا ہوتا کہ اب وہ کچھ نہیں رہی ہے۔ لیکن اب صورت حال بدلتا ہے۔ جو لڑکی اپنی نسایت کے وقار کے لئے زندگی قربان کر دینے پر آمادہ ہو، اس کا بھرم نہیں چاہئے۔ اُس کا مان برقرار رہنا چاہئے۔ چنانچہ اب میری مدد اخلقت ضروری تھی۔

”شیلیا! اب تمہیں اپنے کام میں آسانی ہو گی۔“ شیل نے کہا اور ٹھیلیا نے گردن ہلا

تھی۔ ان لوگوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟“ میں نے اُس سے پوچھا اور جوزیفائن کے منے کوئی آواز نہ لکل سکی۔ وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ ”جواب دو..... کیا، کیا جائے ان لوگوں کے ساتھ.....؟“ میں نے دوبارہ کہا اور جوزیفائن اب بھی کچھ نہیں بولی۔

”چلو تم بتا دو.....!“ میں نے ٹیلیا سے پوچھا۔ لیکن ظاہر ہے، وہ بھی کیا جواب دیتی؟ تب میں نے پستول ہلاتے ہوئے کہا۔ ”اچھا.....ٹھیک ہے۔ میں خود ہی فیصلہ کئے دیتا ہوں۔ چلوڑی! تم یہ رسمی آٹھاوے، اور ان دونوں کی پشت سے پشت ملا کر انہیں باندھ دو۔“ میں ٹیلیا کو ہدایات دیتا رہا اور اُس نے اُن دونوں کو کس دیا۔

”اب تم باقی رہ گئیں۔ بولو! میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں؟“ میں نے مسکراتے ہوئے ٹیلیا سے پوچھا اور ٹیلیا کے چہرے میں تبدیلی پیدا ہو گئی۔ اُس نے آنکھوں پر دونوں ہاتھ رکھ لئے اور پھر رونا شروع کر دیا۔

”یہ دونوں..... یہ تینوں بڑے کمینے انسان ہیں۔ یہ..... یہ میرے ساتھ بہت برا سلوک کرتے تھے۔ میں ان کے ہاتھوں میں بے بس تھی ڈارلنگ..... میرا کوئی قصور نہیں ہے.....“ وہ آگے بڑھ آئی۔

”اوہ..... کیا واقعی، تم مجبور تھیں.....؟“ میں نے لبھ میں ہمدردی پیدا کر کے کہا۔ ”یاں..... ان ظالموں نے میرے اپر بہت سے ظلم کئے ہیں۔ میں ان کے ہاتھوں میں کھلونا تھی۔“

”لیکن اس کے باوجود تمہیں اس لڑکی کی مدد کرنی چاہئے تھی۔“ میں نے کہا۔ میں لڑکی کے بارے میں اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اور اب یہ تو ممکن نہیں تھا کہ وہ مجھے فریب دینے میں کامیاب ہو جاتی۔ میں نے اُس کی آنکھوں میں مکاری پڑھ لی تھی۔

”بھلا میں ان لوگوں کے احکامات سے انحراف کس طرح کرتی؟ خود میری زندگی خطرے میں پڑ جاتی۔“ اُس نے سکنی لے کر کہا۔

اس دوران میں نے پستول غیر محبوس انداز میں پیچھے کر لیا تھا۔ لڑکی پر یہی ظاہر ہوا جیسے میں نے پر خیال انداز میں ہاتھ پیچھے کر لئے ہوں۔ لیکن میرے ہاتھ اپنا کام دکھا کچکے تھے اور میں نے پستول کے بقیہ کا رتوس نکال کر اُس کا چیمبر خالی کر دیا تھا۔

دی۔ پھر وہ آگے بڑھی اور میں نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ میں بر ق و بار کی مانند درخت پیچھے سے نکلا اور دوسرے لمحے میں نے ایک وحشیانہ چھلانگ لگائی۔ میری بھرپور لات ہوئی عورت کی کمر پر پڑی اور میں اڑتا ہوا شیل پر جا گرا۔

بات کسی کی سمجھ میں آنے والی نہیں تھی۔ ٹیلیا نے دو قلبازیاں کھائی تھیں اور دو رجاں احتقام انداز میں مجھے گھور رہے تھے اور ان کے منہ سے کوئی آواز نہیں نکل رہی تھی۔

”ہاتھ اٹھا دو.....!“ میں نے سرد لبھے میں کہا۔ لیکن جیسے میری بات اُن کی سمجھی ہی میز آئی ہو۔ تب میں نے اُن میں سے ایک کی پیشانی کا نشانہ لے کر فائز کر دیا، جس کے باز پستول ہونے کا امکان تھا۔ نزدیک سے چلی ہوئی گولی نے اُس کی پیشانی کے چیخڑے ازدیکے۔

اب اُن لوگوں کو صورت حال کی نزاکت کا احساس ہوا تھا۔ دوسرے آدمی نے خوف زد انداز میں ہاتھ اٹھا دیئے۔ شیل نے بھی یہی عمل کیا تھا۔ ”تم اٹھو کتیا.....!“ میں نے زمین پڑی لڑکی کی طرف رُخ کر کے کہا اور وہ اس طرح اٹھ گئی جیسے سپر ٹگ نے اچھاں دیا ہو۔

”اس کی جیب سے پستول نکال کر رُذور پھینک دو!“ میں نے دوسرے آدمی کی طرف اشارہ کیا۔ میری آواز جس قدر خوفناک تھی، خود مجھے بھی اس کا اندازہ نہیں تھا۔ ٹیلیا جیسے گود ہو گئی ہو۔ اُس نے جلدی جلدی دوسرے آدمی کی تلاشی لی اور اب لمبا چاقو اُس کی جیب سے نکال کر ایک طرف ڈال دیا۔ اور پھر منہ پھاڑ کر مجھے دیکھنے لگی۔

”پستول کہا ہے؟“ میں نے کہا۔

”پپ..... پستول نہیں ہے۔“ اُس کے منہ سے مشین انداز میں نکلا۔ میں نے اندازہ لیا کہ وہ اس بدحוואی میں جھوٹ یا چالاکی سے کام نہیں لے سکتی۔ اُن کی نگاہیں بار بار اپنے ساتھی کی طرف اٹھ جاتیں جو ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر رہا تھا۔ خون نے قرب و جوار کی زمین رنگین کر دیا تھا۔

”وہاں پہلو! اب اسے کھول دو!“ میں نے جوزیفائن کی طرف اشارہ کر کے کہا اور ٹیلیا نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔

”کھول دو.....!“ شیل نے سہبے ہوئے لبھ میں کہا۔ وہ میری درندگی کا اندازہ لگا پتا تھا۔ ٹیلیا، جوزیفائن کی طرف جھیٹی اور پھر اُس نے اُسے کھول دیا۔ جوزیفائن کھڑی ہو گئی۔

"ہوں..... یہ تو ہے۔" میں نے گردن ہلائی۔ پھر ایک طویل سانس لے کر یہاں "بہر حال! تم بتاؤ! میں ان کے ساتھ کیا سلوک کروں؟"

"پھر وہ سر کچل دو ان کا۔" وہ دانت پیس کر بولی۔

"میرے ذہن میں ایک اور تجویز ہے،" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیا.....؟"

"کیوں نہ ہم انہیں یونہی بندھا ہوا چھوڑ دیں اور ان کے سامنے رنگ روکیاں منائیں۔ کیا خیال ہے، کیا یہ سزا ان کے لئے کافی نہیں ہوگی؟"

"واہ..... عمدہ خیال ہے۔ لیکن یہ....." ٹیلیا نے جوزیفائن کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"یہ بے چاری اب تک بدحواس ہے۔ اور پھر تمہاری موجودگی میں مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے۔"

"یہ بات ہے تو تمہیک ہے۔" ٹیلیا نے کہا۔

"تب پھر..... تم لباس اُتار دو....." میں نے کہا اور ٹیلیا نے ایک لمحے کی تاخیر نہیں کی۔ اس نے اپنے لباس کے بٹن کھولے اور چند لمحات کے بعد وہ لباس سے عاری تھی۔ اس نے ایک طویل انگڑائی لے کر اپنے بدن پر ہاتھ پھیرے۔ جوزیفائن کی نگاہیں جھک گئی تھیں۔

"تمہیک یوڑیلیا!" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور پستول ایک طرف اچھاہل دیا۔ میں نے محسوس کیا تھا کہ ٹیلیا کی آنکھوں نے پستول کا تعاقب کیا تھا۔

"کیا تم ڈرنک نہیں کرو گے ڈارلینگ.....؟" اس نے کیوس کے سٹولوں کی طرف بڑھتے ہوئے کہا اور میں نے اُن کی جانب نگاہ ڈالی۔

"ضرور، آؤ.....!" میں مڑ گیا اور ٹیلیا شاید اس کی منتظر تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ اُن نے جھپٹ کر پستول اٹھایا ہے۔ جوزیفائن کے حلق سے ہلکی سی آواز نکل گئی تھی۔ لیکن میں اطمینان سے جا کر ایک سٹول پر بیٹھ گیا۔ "کم آن ڈارلینگ.....!" میں نے کہا اور ٹیلیا نہیں پڑی۔ میں نے اُس کی طرف دیکھا تو وہ پستول کا رخ میری طرف کی کھڑی تھی۔

میرے ہونتوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ "یہ کیا مذاق ہے ٹیلیا؟" تم نے پستول کیوں اٹا لیا؟" میں نے کہا۔

"میں اکثر ایسے مذاق کرتی ہوں ڈیسیر! قلم رست کرو۔"

"لیکن..... لیکن تم نے....." میں نے کہنا چاہا لیکن ٹیلیا نے ایک قہقهہ لگایا۔

"اب ذرا پہلے ان دونوں کو کھول دو۔ اُس کے بعد تمہارے ساتھ محبت بھری باقی کر کے کہا۔" ٹیلیا یہ کیا ہے؟ تم تو....." میں سٹول سے کھڑا ہو گیا۔

"میرا خیال ہے ڈارلینگ! تم صرف حساب برابر کرنے آئے تھے۔ لڑکیاں دو تھیں اور

مرد تھے۔ ایک کو انتظار کرنا ہوتا۔ اب ٹھیک ہے۔ دو لڑکیاں اور دو مرد....." ٹیلیا نے ہنس کر کہا۔

"اوہ میرا کیا ہوگا.....؟" میں نے کہا۔

"وہی، جو اُس کا ہوا ہے....." ٹیلیا نے لاش کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ اور پھر اُن دونوں کی طرف رخ کر کے بولی۔ "تم نے سوچا ہو گا شیل! کہ ٹیلیا تمہارے ساتھ غداری پر آمادہ ہو گی ہے۔ ایسی بات نہیں ڈارلینگ..... بس! مرد کو بے وقوف بنانے کے کچھ گر ہوتے ہیں۔ اور میں ان سے بخوبی واقف ہوں۔ اے لڑکی! تم نے سنائیں؟"

"وہ بھری ہے۔" میں نے کہا اور ٹیلیا کی طرف بڑھنے لگا۔

"زک جاؤ ڈارلینگ! میرا تو خیال تھا کہ تم ہمارے مقامشائی بن جاؤ! اس طرح رات کے کھیل میں کچھ دیپکی پیدا ہو جائے گی۔ ہم تھیں باندھ کر ڈال دیں گے اور کھیل ختم ہونے کے بعد تھیں گولی مار کر اسی جگہ چھوڑ دیں گے۔ زک جاؤ! زندگی بڑی قیمتی شے ہے۔ جتنے سالے لگو، ان کی قدر کرو۔" ٹیلیا، ڈرامائی انداز میں بولی۔

"ٹیلی ڈیسیر! میرا خیال ہے مردوں کے بارے میں تمہاری معلومات بہت محدود ہیں۔ تم صرف اس قسم کے مردوں کو بے وقوف بنا سکتی ہو۔" میں نے اُن دونوں کی طرف اشارہ کیا جو بندھے پڑے تھے۔ "چلو..... گولی چلاو۔ اور اس کے بعد اس پستول کو اپنے سر پر دے ماو۔" میں اب اُس سے چند فٹ کے فاصلے پر تھا۔ دوسرے لمحے ٹیلی نے گولی چلا دی اور پستول سے تریج کی آواز نکل کر رہ گئی۔ ٹیلیا کے چہرے پر سفیدی پھیل گئی اور ایک بار پھر بوجوہی کے آثار خودار ہو گئے تھے۔ اُسے اپنی بہنگی کا کوئی احساس نہیں تھا۔ پے در پے اُس نے کیا بارٹائی کی اور میں ہنسنے لگا۔

"لینے کا تو سی یہ موجود ہیں ڈارلینگ.....!" میں نے اپنا ہاتھ سامنے کر دیا اور ٹیلیا نے پستول پر اپر پھیک مارا۔ میں نے ہاتھ کو ایک مخصوص جگہ دی اور پستول میری انگلی

پر ہوتے اور پھیک مارا۔ میں نے ہاتھ کو ایک مخصوص جگہ دی اور ایک قہقهہ لگایا۔

میں پھنس کر ناچ گیا۔ میں نے اسے انگلی میں گھایا۔ اور پھر اس کا چیمبر کھول کر کاروئر میں ڈال دیئے۔ اب ٹیلیا کا چہرہ بالکل سفید پڑ گیا تھا۔ میں نے آگے بڑھ کر اس کے پکڑ لئے۔ ”یہ سب مجھے میں نے تمہیں روشنی میں لانے کے لئے کیا تھا ادارگل!“ اس نے اس کی کمر پر ایک لات رسید کر دی اور ٹیلیا اچھل کر اُن دونوں پر جا گری۔ میں آگے اور پھر میں نے اُن کے سروں پر پے درپے ٹھوکریں رسید کرنا شروع کر دیں۔ تینوں ٹھوکریں لگے تھے۔ اور پھر آہستہ اُن کی آوازیں معدوم ہو گئیں۔ تینوں بے ہوش ہو گئے۔ اس کام سے فارغ ہو کر میں نے جوزیفائن کی طرف دیکھا۔ وہ بھی میری ہی جانب وکھنے تھی۔ مجھ سے نگاہ ملنے پر اُس نے نگاہیں جھکالیں۔

”کیا تم ان کے لئے اس سے سخت سزا چاہتی ہو؟ کیا میں انہیں گولی مار دوں؟“ نے سپاٹ لجھے میں کہا۔

”نہیں، نہیں.....بس! کافی ہے۔“ وہ گھبرا کر بولی۔

”میرے لائق اور کوئی خدمت.....؟“ میں نے پوچھا اور اُس نے گردن جھکا دی۔ وہ سک سک کر رود پڑی۔ اُس کی چکیاں بندھ گئی تھیں۔ میں خاموشی سے اُسے دیکھا۔ تمہارے احسان کو مرتبے دم تک یاد رکھوں گی۔“ اُس نے خندی سانس لے کر کہا۔

”اوو..... کار کا ناٹر بدلنے میں میری مدد کرو۔“ میں نے کہا اور آگے بڑھ کر شیل کے لباس سے کار کی چاپی نکال لی۔ وہ گردن لٹکائے میرے ساتھ آگے بڑھ آئی تھی۔ پھر ٹپنی کھل کر ہم نے پسیر و ہیل نکالا، اور اسے بدلنے کے اوزار بھی۔ اس کے بعد میں ناٹر بدلنے کا۔ اور اس کام میں زیادہ دیر نہیں لگی تھی۔ تمام سامان واپس رکھنے کے بعد میں نے سیئر نگ نجباں لیا۔ اور وہ میرے برابر آئی تھی۔ تب میں نے کار شارت کر کے آگے بڑھا دی۔ اور جوزیفائن کے بعد ہم اس علاقے سے دور نکل آئے۔

”مائیکل! پلیز..... مجھے معاف کر دو۔“ وہ سکلیاں لیتی ہوئی بولی۔

”جب ذہن میں صرف خلوص ہوتا ہے بے بی..... جب صرف کسی کی مدد کرنے احساس ہوتا ہے، بے لوث اور بے غرض، تو جذبات شدید ہو جاتے ہیں۔ شاید تمہیں الہ احساس نہ ہو۔“

”مائیکل..... آخری بار..... صرف آخری بار.....!“

”نہیں سو نیا! مجھے، میرے حال پر چھوڑ دو۔ ویسے میں اب بھی تمہاری ہر طرح کی کے لئے تیار ہوں۔“ میں نے کھرد رے لجھے میں کہا اور وہ روتنی رہی۔ میں نے ایک بار

ن کو کوئی تکلیف نہیں پہنچنے دی تھی۔ میں نے اُس کی حفاظت کی تھی۔ اگر وہ مجھ سے جھوٹ بولتی تو ناکدے میں رہتی۔ خواہ کسی پریشانی کا شکار ہوتی۔ لیکن مجھے فریب دے کر اُس نے جھنجلاہٹ کا شکار بنا دیا تھا۔ وہ لوگ درندہ صفت تھے۔ اُس لڑکی کے ساتھ یہ سلوک رہنے میں ان کا کوئی قصور نہیں تھا۔ وہ صرف ایک وقت جذبے کے تحت اُس پر سوار ہو گئے۔

” بلاشبہ میں قابل نفرت ہوں۔ اور تم مجھ سے نفرت کرنے میں حق بجانب ہو ما نیک!“ یوکہ تم اب تک میرے لئے رحمت ہی ثابت ہوئے ہو۔ جبکہ میں بار بار تمہارے اعتاد کو میں پہنچاتی رہی ہوں۔ میں بہت نجح ہوں۔ لیکن یہ دنیا ہے..... تمہارا اوسط مجھے جیسی بہت سانچھے شخصیتوں سے پڑے گا۔ لیکن ان میں بعض ایسی بھی تو ہوں گی جنہیں تم معاف کر دو گے!“

میں نے اب بھی اُس کی بات کا جواب نہیں دیا تھا۔ چند ساعت انتظار کے بعد وہ بولی۔ اُب میں اپنی وکالت کروں گی۔ زیادہ ناراض ہو جاؤ تو مجھے ڈانت دینا، خاموش ہو جاؤں لی۔ ایک اچھے انسان کی حیثیت سے تھوڑی سی بکواس اور برداشت کرلو۔ میں ایسے حالات کا شکار رہی ہوں کہ دنیا پر سے میرا عتماد اٹھ گیا تھا۔ یوں سمجھ لو! ایک طرح سے جھوٹ بولنے کی عادی ہو گئی ہوں کیونکہ میرا جھوٹ ہی مجھے زندہ رکھے ہوئے ہے۔ میں نے تمہارے ہلوں پر شکن نہیں کیا۔ لیکن میں ایک ایسی مجرم بن گئی ہوں، جو صرف عادتاً جرم کرتا ہے۔ کیوں میرا ضمیر جاگ رہا ہے۔ میں تمہارے سامنے اتنی شرمندہ ہوں کہ الفاظ میں بیان نہیں کر سکتی۔“

”اب کیا چاہتی ہو جوزیفائن؟“ میں نے نرم لمحہ میں کہا۔

”تم سے باہم کرنا!“

”کرو!“

”اس طرح نہیں۔ پہلے تم مجھے معاف کر دو۔ مجھے اپنی ساری برا بائیوں کا اعتراف ہے۔ میں درحقیقت! اس قابل نہیں ہوں کہ تم مجھے معاف کرو۔ لیکن آخری بار معاف کر دو! آخر تم نے میری مدد کی ہے۔ آخر تم مجھے کسی منزل پر پہنچانے کا ارادہ رکھتے ہو۔“

”ہاں لیکن تمہاری پسندیدہ منزل پر۔“ میں نے جواب دیا۔

”کیوں آخر کیوں؟“

دونوں خاموش بیٹھے تھے۔ جوزیفائن کا چہرہ دھواں ہو رہا تھا۔ اُس نے کہنے کے لئے ہونٹ کھولے تھے لیکن بول نہ سکی۔ اب میں اس اتفاق پر غور کر رہا تھا۔ آیا تھا۔ اگر میں اُس لڑکی یعنی گرتی سے بور ہو کر یہاں نہ آتا تو جوزیفائن سے دوبارہ اس نہ ہوتی اور وہ بے چاری ان لوگوں کے ہتھے پڑھ جاتی۔ بعض اوقات ایسی باتیں کہیں۔ آئیں۔

”ما نیک!!“ اُس کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔

”لیں، مس جوزیفائن؟“

”مجھ سے بات بھی نہیں کرو گے؟“ وہ پیشان لمحہ میں بولی۔

”کیوں نہیں فرمائی!“

”انتے بد لے ہوئے لمحہ میں گفتگو کرو گے؟“

”میں نہیں سمجھا مس جوزیفائن؟“ میں نے کہا۔

”مجھے معاف نہیں کرو گے؟“ اُس کی آواز میں شدید پیشانی تھی۔ ایک

شرمندہ انسان کا انداز تھا۔ میں جانتا تھا کہ میں نے یہ جملے کتنی مشکل سے ادا کئے تھے۔ دی پہلے مجھے اُس لڑکی سے شدید نفرت ہو گئی تھی۔ میں نے اُسے دل کی گہرائیوں میں بسایا تھا۔ لیکن بہر حال! اُس سے متاثر ہوا تھا۔ اور میں نے اُس کے بارے میں ایجھہ میں سوچا تھا۔ لیکن بات تقریباً اُسی وقت ختم ہو گئی تھی جب اُس نے مجھے دوسرا کہلانا تھی۔ اُس وقت اس کے لئے میرے دل میں وہ پہلی جیسی عزت نہیں رہ گئی تھی۔ ہاتھ نے سوچا تھا کہ جب میں نے اُس کے لئے اتنا کچھ کیا ہے تو تھوڑا سا اور سہی۔ لیکن اُس کے کھو جانے کے بعد میں نے اپنے دل میں اُس کے لئے نفرت میزرا تھی۔ میں فریب دینا جانتا تھا۔ میں اُسے فردخت کر سکتا تھا۔ میں اُسے اتنی دور پہنچا لتا جہاں کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ میں اُس کی نسوانیت کو تار تار کر سکتا تھا۔ لیکن مٹا۔

سلویا میری ماں بن کر میرے گھر آئی۔ میرے والد کا خیال تھا کہ وہ زیادہ اچھی گورنر نہیں ہے۔ لیکن سلویا نے ہمارے گھر میں آ کر شرافت اور محبت کا وہ مظاہرہ کیا کہ ہم دلگر کئے گئے۔ اُس نے سب کو اپنی محبت سے مودہ لیا تھا۔ لیکن یہ صرف قدم جمانے کی بات تھی جبکہ ہاکن امریکہ سے فارغ انسٹی ٹیو ہو کر واپس آیا تو فرانس خاندان تباہ ہو چکا تھا۔ ہاں انفرانز طور پر سلویا اُس خاندان کے ایک مضبوط ترین فرد کی حیثیت سے موجود تھی۔ گو، وہ اب خوب سلویا فرگون کھلواتی تھی۔

ہنس مکھ ہاکن کو ہم سب نے دل سے قول کیا۔ لیکن جب خود میں نے مسٹر فرگون نے اُسے سلویا کی خواب گاہ میں اُن حقوق تک پایا جو صرف میرے والد کے لئے مخصوص تھے تو ہم چونک پڑے۔ میں تو اڑکی تھی، لیکن میرے والد نے سلویا سے گفتگو کی اور سلویا نے بے باکی سے کہہ دیا کہ کیا مسٹر فرگون ایک مرد کی حیثیت سے اتنے پرشش ہیں کہ کوئی نوجوان لڑکا اُن کے ساتھ مطمئن رہ سکے؟

”لیکن تمہاری تو خواہش تھی سلویا.....!“ میرے والد بولے۔
”صرف دولت کے حصول تک۔“
”اور خاندانی روایات کی کیا حیثیت ہے تمہاری نگاہ میں؟“
”میرا خاندان اپنا وقار کھو چکا ہے۔“
”میں اپنے خاندان کی بات کر رہا ہوں۔“

”میں اس کی روایات کو زندہ رکھنے کی پابند نہیں۔“ سلویا نے جواب دیا۔
”گویا تم مجھے ایک شوہر کی حیثیت سے قبول نہیں کرتی ہو؟“
”کرتی ہوں..... لیکن ایک حد تک۔“
”اوروہ حد کیا ہے.....؟“

”آپ میری ضرورت کی رقمات کے چیزوں پر دستخط کرتے رہیں۔ اس کے عوض آپ مجھے اپنی بیوی کہتے رہیں۔ بات صرف یہ نہیں ہے مسٹر فرگون! کہ میں آپ کی بیوی ہوں بلکہ بنیاد کچھ اور ہے۔“
والد صاحب خاموش ہو گئے۔ لیکن وہ اس صدمے سے اتنے ڈھھال ہوئے کہ پارہ گئے۔ اور اپنی اس عمر سے کئی گناہ آگے پہنچ گئے۔ لیکن سلویا پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ وہ تو اور فڑ ہو گئی تھی اور زیادہ مطمئن ہو گئی تھی۔ تب میرے والد کو میرا خیال آیا۔ میں اُن کی لفڑی خدوخال ایک دم بدیل گئے تھے۔

”ہاں سلویا.....! میرا بھی خیال ہے۔“ میرے والد نے کہا۔
”یہ تمہاری خوش نہیں ہے..... میں..... میں اب بھی سب کچھ کر سکتی ہوں۔“
”بایت دراصل یہ ہے سلویا! کہ جب تک حالات صرف میری ذات تک محدود تھے، میں خوف زدہ تھا۔ لیکن میں محسوس کر رہا ہوں کہ اب میری اس لغزش کا اثر، اینڈریا تک پہنچ رہا ہے۔ میں اپنی بیٹی کے لئے رسوایا ہو گا۔ اب مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے۔“
”لیکن میں تمہیں رسوائیں کروں گی ڈارنگ! یوں بھی اب تمہاری رسوائی، میری رسوائی ہے۔ کیونکہ میں تمہاری بیوی ہوں۔“

”اوہ..... پھر..... پھر تم کیا کرو گی.....؟“

”ہم! اس دولت کو نہیں چھوڑوں گی۔“ سلویا نے کہا۔

”لیکن اس پر اب میرا حق ہے، نتمہارا!“

”ایسا بھی کیا ڈارنگ! بہر حال! اب تم میرے کرتب دیکھو گے۔“ اُس نے کہا اور میرے والد فکر مند ہو گئے۔ اُن کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اب کیا چال چلے گی؟ وہ میرے لئے بہت پریشان تھے۔ پھر ایک شام سلویا، مسٹر فرگون کے ساتھ کہیں گئی ہوئی تھی کہ ہاکن آ گیا۔ میں تمہاری تھی۔ ہاکن کے بارے میں، میں بتا چکی ہوں کہ وہ ہنس مکھ انسان تھا اور اس وقت تک مجھے پسند تھا جب تک میں نے اُسے سلویا کی خواب گاہ میں نہیں دیکھا تھا۔ اب میں اُسے زیادہ پسند نہیں کرتی تھی۔ بہر حال! وہ حسب عادت بڑے تپاک سے ملا۔

”بیلو اینڈریا.....!“

”بیلو.....!“ میں نے کسی قدر سرد مہربی سے کہا اور وہ ہنستے ہنستے اُداس ہو گیا۔ اُس کے

”اینڈریا.....!“ اُس نے اُداس لبھ میں مجھے پکارا اور میں اُس جانب دیکھنے لگی
”سلویا کہاں ہے؟ اور تمہارے پاپا.....؟“

”دونوں کہیں گے ہوئے ہیں۔“ میں نے جواب دیا۔

”تم اگر اجازت دو تو میں تمہارے پاس بیٹھ جاؤں.....؟“

”بیٹھے مسٹر ہاکن.....!“

”شکریہ اینڈریا.....! جب میں یہاں آیا تھا تو تمہارا اور مسٹر فرگون کا رویہ میرے ساتھ
بہت اچھا تھا۔“

”ہاں..... تمہارا خیال درست ہے۔ ہم نے تمہیں سلویا کے کزان کی حیثیت سے قبول کیا
تھا۔“ میں نے صاف گوئی سے کہا۔

”اور اب.....؟“

”تم خود جانتے ہو کہ تم اُس کے کزان نہیں ہو۔“

”کیا تم اس بات پر یقین کر سکتی ہو اینڈریا! کہ بعض اوقات انسان وہ نہیں ہوتا جو نظر آتا
ہے۔“ اُس نے افسردگی سے کہا۔

”تم وہ نہیں ہو، جو میں نے دیکھا ہے۔“

”ہاں اینڈریا..... میں وہ نہیں ہوں۔“

”پھر کیا ہو.....؟“

”میں ایک ناکردار گناہ۔ فرانس خاندان کا ایک فرد، جسے اپنے خاندان سے پیار تھا اور جو
اُس کی بتابی پر ذکری تھا۔ لیکن جو اُس کے لئے پچھنیں کر سکتا تھا۔ تب میں سلویا کے پاس آ
گیا۔ لیکن وہ اس قدر بدل پچھی ہے، خود مجھے بھی نہیں معلوم تھا۔“ اُس نے اُداس لبھ میں
کہا۔

”خوب.....!“ میں نے دلچسپی سے اُسے دیکھا۔

”وہ اتنی تبدیل ہو گئی ہے کہ سوچ کر حیرت ہوتی ہے۔ خاندان کی بتابی سے تو دوسرے
افراد بھی متاثر ہوئے ہیں۔ لیکن اس حد تک کوئی بھی نہیں گیا۔

”میں سچھی نہیں مسٹر ہاکن؟“ میں نے اُس کی گفتگو میں دلچسپی لیتے ہوئے کہا۔

”میں اینڈریا! میں صاف گوئی کے لئے معافی چاہتا ہوں۔ مسٹر فرگون بلاشبہ ایک محترم
شخصیت ہیں۔ میں انہیں ایک باوقار شخصیت اور ایک قابل احترام انسان مانتا ہوں۔ لیکن

سلویا ہی آتش مزاج لڑکی نے اُن سے شادی، اُن کی ذات سے متاثر ہو کر نہیں بلکہ اُن کی
دولت سے متاثر ہو کر کی تھی۔ اُس نے اپنے سارے جذبات سلاادیئے تھے۔ کیا انسان اپنی
ذات کے لئے اپنے تمام احساسات سے جنگ کر سکتا ہے؟“

”شاید نہیں.....!“

”لیکن اُس نے کی۔ اُس نے دولت کو اپنے جذبات پر حاوی کر دیا۔“ ہاکن نے کہا اور
میں اُس شخص کے الفاظ پر غور کرنے لگی۔ ابتداء میں جب ہاکن آیا تھا تو مجھے بھی اچھا لگا تھا۔
اُس کی دلچسپی باقول اور پرکشش انداز گفتگو نے مجھے بھی متاثر کیا تھا۔ ممکن ہے، یہ تاثر اور
برہشت۔ لیکن میں نے اُس کی اصلی شکل دیکھ لی تھی اور اس کے بعد مجھے اُس سے کوئی دلچسپی
نہیں رہی تھی۔

لیکن آج..... آج اُس کی باتیں سن کر احساس ہو رہا تھا کہ ہاکن بذات خود اتنا برانہیں
ہے۔ نہ جانے کیوں..... نہ جانے کیوں وہ سلویا کے ہاتھوں مجبور ہے۔“

”تمہارے خیال میں اُس کی وجہ کیا ہو سکتی ہے مسٹر ہاکن.....؟“ میں نے پوچھا۔

”نفساتی بیجان!“ اُس نے جواب دیا۔ ”خاندان اچھے حالات میں نہیں تھا۔ سلویا اُس
کی بتابی کی گھنٹن برداشت نہ کر سکی اور اُس نے فرار حاصل کیا۔ اُس نے اپنی ذات کے لئے
ایسا ماحول پیدا کر لیا۔ لیکن اس کے لئے اُس نے اپنے جذبات کی قربانی دی۔“

”اس میں تو کسی کا قصور نہیں ہے۔“ میں نے کہا۔

”ہاں..... اس میں صرف سلویا کی سوچ کا قصور ہے۔ لیکن وہ اپنے جذبات کو سلانہیں
لگی۔ اپنا مقصد حاصل کرنے کے بعد اُس نے دوسرے راستے تلاش کر لئے۔ اور..... اور یہ
اچھی بات نہیں ہے۔“

”اوہ..... لیکن کیا آپ اُس کے مقاصد کی تکمیل میں معاون ہیں مسٹر ہاکن..... کیا آپ
اس بات سے انکار کریں گے؟“

”نہیں.....!“ اُس نے اداہی سے کہا۔ ”لیکن اس کی ایک وجہ ہے۔“

”کیا آپ مجھے بتائیں گے؟“

”آپ یقین کر لیں گی.....؟“ اُس نے بستور مضمحل انداز میں کہا۔

”کوشش کروں گی۔“ اُس نے کہا۔

”میں اس دوسرے خاندان کو بتابی سے بچانا چاہتا تھا۔“

”میں نہیں سمجھی..... دوسرا خاندان کون سا؟“

”فرگون خاندان.....!“ اُس نے کہا اور میں چند لمحات کے لئے خاموش رہ گئی۔
بات میری سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ جب میں ان الفاظ کی گہرائی پر اُتنے میں ناکام رہی تو
نے ایک اُبھی ہوئی سانس لے کر اُس کی طرف دیکھا۔

”براؤ کرم! کچھ اور وضاحت کریں میں نہیں سمجھی۔“

”میں اینڈریا! آپ جاتی ہیں، میں ایک الگ حیثیت کا انسان ہوں۔ آپ کو اپنا
باتوں سے متاثر کر کے کوئی مفاد نہیں حاصل کر سکتا۔ لیکن اپنی پوزیشن صاف کرنے کے لئے
اپنی وکالت ضرور کروں گا۔ میں سلویا سے بچپن سے بے تکلف تھا۔ میں نے اُس سے اس
شادی کے بارے میں پوچھا۔ پہلے تو وہ مسکرا کر ثالثی رہی۔ اور پھر ایک دن پھٹ پڑی۔ اُس
نے بتایا کہ وہ صرف دولت کے لئے یہاں تک پہنچنے لگی ہے۔ تب میں اُسے پر سکون کرتا ہا
اور پھر میں نے اُس سے پوچھا کہ وہ آئندہ زندگی کے لئے کیا ارادے رکھتی ہے؟ تب اُس
نے کہا کہ وہ اب کھل کر باہر کی دنیا میں آئے گی۔ دولت فرگون خاندان کی ہوگی اور عرش
کرنے والے مختلف لوگ میں اُس جنوں لڑکی سے واقف تھا۔ میں نے سوچا، یہ اس
خاندان کے وقار کو ضرور تباہ کر دے گی۔ پہلے میں نے اُسے اخلاقی اور اقدار کی باتی
سمجھانے کی کوشش کی۔ لیکن اُس کے احساسات طوفان کی مانند تھے۔ تب میں نے اس
طوفان کے آگے اپنی ذات کا بند باندھ دیا۔ میں نے اس خاندان کو تباہ ہونے سے بچا
کے لئے خود کو پیش کر دیا۔ اور میں اینڈریا! میں اپنی کوشش میں کافی حد تک کامیاب ہو گیا۔
ہاکن نے کہا اور تھکے تنکے انداز میں گردن جھکا۔

میں شدت حیرت سے گلگ رہ گئی تھی۔ اُس اجنبی شخص نے ہمارے خاندان کو زسواہیں
سے بچانے کے لئے کتنی بڑی قربانی دی تھی۔ میرے دل میں اچانک اُس کے لئے وقت
بڑھ گئی۔ میں بہت متاثر ہوئی تھی۔ اور پھر میں نے اپنی جگہ سے اٹھ کر اُس کے شانوں پر
ہاتھ رکھ دیے۔

”تم نے ہمارے لئے اتنی بڑی قربانی دی ہے ہاکن! آہ..... ہم کیسے ناپاس ہیں۔ الہا
کے باوجود تمہیں برائحت رہے۔“

”کوئی بھی اچھا نہیں سمجھ سکتا تھا۔ اس میں کسی کا کیا قصور ہے؟“ ہاکن نے افسر
لنج میں کہا۔

”لیکن اب میری آنکھیں کھل گئی ہیں ہاکن! کم از کم میں تمہیں برائحت سمجھتی۔“

”ٹھکریہ میں اینڈریا.....! یقین کریں! میرے دل سے ایک بو جھہٹ گیا ہے۔“

”میں کوشش کروں گی کہ پاپا کا دل بھی تمہاری طرف سے صاف کر دوں۔“

”اوہ..... میں اینڈریا! یہ ابھی مناسب نہیں ہو گا۔ میں خود پر بیثان ہوں اور سوچ رہا
ہوں کہ اس سلسلے میں کوئی بہتر ترکیب سوچ سکوں۔ ابھی تم یہ باقیں خود تک محدود رکھو! ہم

دنوں مل کر اس خاندان کو زسواہی سے بچانے کا کوئی حل تلاش کریں۔“

”تمہیں معلوم ہے ہاکن! کہ سلویا کے پاس پاپا کا کوئی خاص راز ہے۔“

”کیا مطلب..... کیسا راز.....؟“ ہاکن نے تجھ سے پوچھا۔

”آہ..... پاپا اسی وجہ سے تو مجبور ہو گئے تھے۔ ورنہ وہ دوسری شادی کے خواہش مند نہیں
تھے۔“

”اوہ، اینڈریا! یہ تو تم نے بڑے کام کی بات بتائی۔ میں تمہاری مدد کرنا چاہتا ہوں
اینڈریا! اور میں اپنے خلوص کا ثبوت اس طرح دوں گا کہ میں سلویا سے تمہارے پاپا کا وہ راز
حاصل کروں۔ اس کے لئے مجھے جس انداز میں کوشش کونا پڑے، تم اس پر توجہ نہ دیں۔“

”بھیک ہے ہاکن!“ میں نے کہا۔ میں اُس سے بہت متاثر ہو گئی تھی۔ اتنی متاثر کہ
چھپانے کی کوشش کے باوجود میں، پتا سے یہ راز نہ چھپا سکی۔ میں نے اپنے والد مسٹر فرگون
کو ساری تفصیل بتا دی۔ اور ان کے خیال میں ہاکن کی آخری پیشکش نے انہیں بہت متاثر کیا
تھا۔

”اگر وہ اس میں کامیاب ہو جائے تو پھر میں سلویا کو بتاؤں گا کہ میں کیا ہوں؟“ انہوں
نے دانت پیتے ہوئے کہا۔ اور اس کے بعد میں ہاکن سے ملتی رہی۔ اکثر جب کبھی سلویا گھر
پر نہ ہوتی، میں اور ہاکن سیر و تفریح کے لئے بھی نکل جاتے تھے۔ ہاکن بلاشبہ! ایک پر کشش
شخصیت کا مالک تھا۔ میرے والد بھی اُس پر اعتقاد کرنے لگے تھے۔ اس لئے وہ مجھے ہاکن
سے گھلنے ملنے سے نہیں روکتے تھے۔

لیکن ایک روز..... رات کا وقت تھا۔ ہاکن اور سلویا کہیں گئے ہوئے تھے۔ میرے والد،
میرے کمرے میں آگئے۔ ان کے چہرے پر مردی نچھائی ہوئی تھی۔ میں انہیں اس حال میں
دیکھ کر چونک پڑی اور سنبھل کر یہیئے گئی۔ وہ میرے سامنے آبیٹھے تھے۔

”اینڈریا!“ انہوں نے گھری اور گھمیبر آواز میں کہا۔

”کیا بات ہے پتا.....؟“
 ”اس ہاکن کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟“
 ”میں نہیں سمجھی پتا.....؟“
 ”کیا وہ تم سے مختص ہے.....؟“
 ”آپ خود بھی اندازہ لگا سکتے ہیں پتا.....!“ میں نے کہا۔
 ”میرا خیال ہے تم اُسے پسند کرنے لگی ہو۔“
 ”ایک اچھے انسان کی حیثیت ہے۔ جو کچھ ہمارے سامنے آیا ہے، اس سے ہمیں لا ہوتا ہے کہ وہ را آدمی نہیں ہے۔“
 ”اس کے علاوہ؟ میرا مطلب ہے، ایک نوجوان لڑکی کی حیثیت سے اُس کے بارے میں تمہارے کیا تاثرات ہیں؟ کیا تم اُس سے شادی کرنا پسند کرو گی؟“ میرے والدین اور میں کسی قدر حیران ہو گئی۔ ہاکن بلاشبہ ایک اچھا نوجوان تھا۔ ہمارا ہمدرد۔ اور اسی دن میں اُس سے مانوس تھی۔ لیکن اس بارے میں، میں نے کبھی نہیں سوچا تھا۔ لیکن اگر ایسا ہو جائے تو کوئی بری بات نہیں تھی۔ بہر حال! ہمدرد لوگ زندگی بھر کے ساتھی بھی بنے جائے ہیں۔ چنانچہ میں نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا۔
 ”میں نے اس بارے میں کبھی نہیں سوچا پتا! نہ ہی میں ذہنی طور پر اس انداز میں اسے متأثر ہوں۔ باقی باقی آپ بہتر طور سے سوچ سکتے ہیں۔“
 ”اوہ، اینڈریا! میں بس یہی معلوم کرنا چاہتا تھا، تم ذہنی طور پر اُس سے اس انداز میں متأثر نہیں ہو۔“ پتا نے سکون کی سانس لے کر کہا۔
 ”لیکن بات کیا ہے پتا.....؟“
 ”دراصل اینڈریا! بعض اوقات انسان اپنی زندگی میں کوئی ایسی غلطی کر بیٹھتا ہے کہ اس کی سزا بھگتا پڑتی ہے۔ میری ایک لغزش نے میری زندگی کا رخ ہی بلہ پوری زندگی اس کی سزا بھگتا پڑتی ہے۔ اگر مجھ سے وہ بھول نہ ہوئی ہوتی تو سلویا جیسی عورت میری زندگی میں نہ آتی۔“
 ”حد چالاک ہے۔ شیطان صفت عورت..... میں جانتا ہوں، وہ کبھی ہمدردی سے میرے بارے میں نہیں سوچ سکتی۔ اور اُس شیطان کے ساتھ ایک اور شیطان شامل ہو گیا ہے۔“
 ”ہمارا واسطہ دو شیطانوں سے ہے۔“
 ”دوسرا شیطان کون پتا.....؟“ میں نے تجھ سے پوچھا۔

”ہاکن.....!“ پتا نے جواب دیا اور میرا منہ تجھ سے کھل گیا۔
 ”کون پتا.....؟“ مجھے یقین نہیں آ رہا تھا۔
 ”میں ہاکن کی بات ہی کر رہا ہوں۔“
 ”لیکن پتا! ہاکن تو..... وہ تو..... مجھے اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔
 ”ہاں بیٹھی..... اس دنیا میں بہت کم لوگ ایسے ہیں جو جائز ذرا کچ سے کما کر دولت مند بننے کی خواہش رکھتے ہوں۔ بڑی تعداد اُن لوگوں کی ہے جو مجرمانہ عمل سے دوسروں کی قسم سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں۔ بدجنت ہاکن بھی انہی میں سے ایک ہے۔ میں نے اتفاق سے اُس کی اور سلویا کی گفتگوں لی ہے۔ اور یہ گفتگو میرے لئے کافی تشویش ناک ہے۔“
 ”کیسی گفتگو پتا.....؟“ میری سانس گھٹ رہی تھی۔
 ”میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ سلویا کو اس بات کا علم ہو گیا ہے کہ میں نے اپنی دولت تمہارے نام نقل کر دی ہے۔ اور وہ اس بات پر زخمی ناگن کی طرح بل کھارہی ہے۔“
 ”ہاں..... آپ نے مجھے بتایا ہے پتا.....!“
 ”اب اُس نے یہی چال سوچی ہے۔ ذیل ہاکن ایک پروگرام کے تحت ہمارا ہمدرد بنا ہوا ہے۔ اُس نے خود کو مظلوم بنا کر پیش کیا ہے۔ اور اُس کا مقصد..... اُس کا مقصد یہ ہے کہ تمہیں پوری طرح متاثر کرنے کے بعد وہ تم سے شادی کر لے۔ اور ہر حال! وہ سلویا کا عزیز اور اُس کا عاشق ہے۔ تم سے شادی کرنے کے بعد وہ تمہاری دولت کا مالک بن جائے گا۔ اور دولت پھر سلویا کی دسترس میں ہو گی۔“
 پتا نے تفصیل بتائی اور مجھے چکر آنے لگے۔ میں اس گھناؤنی سازش کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ میں ہر اساحنگا ہوں سے اپنے والد کی شکل دیکھتی رہی۔
 ”چنانچہ میں نے اسی لئے یہ سوال کیا تھا بیٹی! کہ کہیں تم اس حد تک تو نہیں پہنچ گئیں کہ وہ شیطان اپنی کوشش میں کامیاب ہو جائے۔“
 ”میں پتا.....! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ لیکن آپ نے یہ گفتگو کب سنی.....؟“
 ”چھپلی رات..... وہ حسب معمول اُس کے کمرے میں تھا۔
 ”اوہ..... پتا! اور کچھ؟“
 ”دراصل ہاکن نے ہم لوگوں کا مکمل اعتقاد حاصل کرنے کے لئے سلویا سے وہ راز معلوم

”

اس کوش میں کامیاب نہیں ہونے دوں گا۔“

”ہم کیا کر سکتے ہے پتا.....؟“ میں نے پوچھا۔

”میری بے بی پر مجھے سخت سمت کہنا اینڈریا! بس، انسان ہوں، غلطی ہو گئی۔ اور

اس کی سزا مجھے بھگتا پڑ رہی ہے۔“

”اوہ..... نہیں پتا! میں سمجھتی ہوں۔“ میں نے جواب دیا۔

”میں چاہتا ہوں، تو کچھ روز کے لئے یہاں سے چلی جا۔ اس دوران میں حالات پر

قابو پانے کی کوشش کروں گا۔“ پتا نے جواب دیا۔

”مگر میں کہاں چلی جاؤں پتا.....؟“ میں نے پوچھا۔

”چند ماہک کی سیاحت پر..... میں تجھے کہیں بھی بیٹھ سکتا ہوں۔ لیکن اپنے کسی شناسا

کے پاس نہیں۔ کیونکہ سلویا میرے شناساؤں کے بارے میں بھی بہت کچھ جانتی ہے۔“

”میں تیار ہوں پتا.....!“ میں نے جواب دیا۔ بس! اس دن پتا مجھے گلے لگا کر خوب

روئے۔ میرے بضط کے بندھن بھی ٹوٹ گئے۔ بہر حال! پتا نے دوسرے دن مجھے ایک ہوٹ

میں پہنچا دیا۔ انہوں نے دوسروں کو یہ بتایا تھا کہ میں اپنی کسی سہیلی کے ہاں گئی ہوں۔ اور پھر

انہوں نے نہایت تیزی سے میرا پاپسپورٹ اور دوسرے کاغذات تیار کرائے اور ایک رات

خاموشی سے مجھے پین کے لئے روانہ کر دیا۔

زندگی میں پہلی بار میں تہاں سیاحت پر نکلی تھی۔ لیکن میں نے کہیں بھی خود کو کمزور نہیں ظاہر

ہونے دیا۔ پھر اس کے بعد نہ جانے کیا ہوا..... نہ جانے کس طرح ان لوگوں کو میرے

بارے میں معلوم ہو گیا..... اور..... انجانے لوگ میرے تعاقب میں لگ گئے۔ پھر پین،

وہنیں، ڈنمارک، سویڈن کے نزدیکی علاقوں میں چکراتی رہی..... اور ان لوگوں نے ہر جگہ میرا

تعاقب کیا..... میں نے خوف کی وجہ سے اپنے پتا سے بھی رابطہ نہیں قائم کیا۔..... نہ جانے ان

کا کیا حال ہو گا.....“

اُس نے ایک سکلی لی اور خاموش ہو گئی۔ گویا اب وہ رونا بھی نہیں چاہتی تھی۔ میں

خاموشی سے اُس کی کہانی سن رہا تھا۔ دل نہیں چاہ رہا تھا کہ اُس پر اعتبار کرلوں۔ لیکن پھر کیا

کرتا؟ میں بالکل خاموش رہا۔ پھر اس نے ایک گہری سانس لی اور بولی۔ ”چنانچہ تم اگر مجھے

تالیل معافی نہیں سمجھتے تو ہم شاک ہوم چل رہے ہیں۔ وہاں مجھے سلویا کے حوالے کر دو۔“

”تھیں لیکن ہے، یہ تمہاری آخری کہانی ہے؟“

کر لیا تھا۔ اُس کی خواہش تھی کہ وہ راز ہمیں واپس کر دے۔ اس طرح ہم مکمل طور پر

کے جال میں پھنس جائیں گے۔“

”اوہ، وذر فل.....!“ میں نے خوش ہو کر کہا۔

”کیا.....؟“ پتا نے مجھے دیکھا۔

”اگر یہ بات ہے پتا! تو کل سے ہم اُس پر اور زیادہ اعتماد کا اظہار شروع کر دیں۔

تاکہ وہ آپ کا راز، آپ کو واپس کر دے۔ اور پھر ہم ان دونوں کو ذمیل کر کے یہاں

نکال دیں گے۔“

”نہیں بیٹے! وہ شیطان کی خالہ بہت چالاک ہے۔“ پتا مایوسی سے بولے۔

”آپ سلویا کی بات کر رہے ہیں؟“

”ہاں.....!“

”تو کیا وہ.....?“

”ہاں.....! وہ اس بات پر تیار نہیں ہوئی۔ بلکہ اُس نے ایک اور شیطانی تجویز پڑھا۔

اُس نے کہا کہ ہاکن اس چکر میں نہ پڑے۔ بلکہ وہ دوسرا ذریعہ اختیار کرے۔ مسٹر فرانز

یعنی مجھے وہ چکر دیتا رہے کہ وہ سلویا سے راز حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اور پڑھا

سے زیادہ اعتماد قائم کر لے۔ اس کے بعد ایک دن بہانے سے تمہیں کہیں لے جائے۔

تمہارے ساتھ مجرمانہ سلوک کر کے تمہیں مکمل طور سے اپنے جال میں پھانس لے۔ اس لہذا

وہ تھیں بلیک میل کر کے تم سے شادی کر لے۔ یوں ہمیشہ ہم، اُس کے چکل میں نہ

گے۔“

”اوہ..... اوہ.....!“ میں نے خوف زدہ انداز میں کہا۔

”اُس نے اُس ذمیل سے وعدہ کیا ہے کہ وہ یہ کام کر لے گا۔ وہ دونوں مل کر مکمل

سے ہمیں تباہ کرنے کا منصوبہ بنانے کے ہیں۔ صورت حال حد سے زیادہ تھیں ہے۔ ہاکن

خطرہ ظاہر کیا تھا کہ ممکن ہے، میں اُن کے خلاف کوئی کارروائی کروں۔ تو سلویا کہنے لگی کہ:

علاج اُس کے ہاتھ میں ہے۔ اگر کام گز بھی جائے گا تو وہ سنبھال لے گی۔“ میرے

پریشانی کی گہری گہری سانسیں لینے لگے۔

”پھر..... اب کیا ہو گا پتا.....?“

”میری بچی! میں اپنی عزت کی حفاظت ضرور چاہتا ہوں۔ لیکن میں ان لوگوں

”ہاں..... اس کے بعد میں تمہیں کوئی کہانی نہ سناؤں گی۔“

”سنولڑکی! میں بھی تمہیں آخری بار بتا رہا ہوں۔ میں زیادہ اچھا انسان نہیں ہو سکتا۔ میں خوف زدہ تھی۔ میں نے سوچا، وہ لوگ تمہارا تعاون نہ حاصل کر لیں۔ اس بلاشبہ! تم نے مجھ سے جھوٹ بول کر مجھ کو نقصان نہیں پہنچایا۔ لیکن کیا یہ احساس کم نہیں ہے؟“

کوئی دوست بن کر کسی کو بیوقوف بنانے کی کوشش کرے۔ چنانچہ سنو! اس وقت بھی تمہارے بعد پناہ عالی تھا۔ بس! تم اسے میرا خوف سمجھو۔“ اس نے جواب دیا۔

تم خود کو بچا کر صرف شاک ہوم پہنچانا چاہتی ہو؟ اگر یہ بات ہے تو میں وعدہ کر دیں گے!“

تمہارے دشمن خواہ کوئی بھی ہوں، میں تمہیں ان سے بچا کر تمہاری مطلوبہ جگہ پہنچانا چاہوں؟“

تم سے یہ نہیں پوچھوں گا کہ درحقیقت تم کون ہو؟ نہ تم سے کوئی معاوضہ طلب کر دیں گے!“

کام صرف دوستانہ طور پر ہو گا۔ اگر تمہاری یہ طویل کہانی بھی جھوٹی ہے تو میں خلوص ہوں گے!“

تمہیں معاف کر دوں گا اور مزید کوئی سوال نہیں کروں گا۔ لیکن اگر تم نے اس وقت تمہارے والد صاحب نے تمہیں یہ نہیں بتایا کہ وہ راز کیا تھا؟“

جھوٹ بول کر مجھے چکمہ دینے کی کوشش کی تو لڑکی! میں تمہیں لڑکی سے عورت ہوں گے!“

میں تمہارے بدن کو مسل ڈوں گا۔ اور جب تک دل چاہے گا، تمہیں اپنے پاس رکھوں گے!“

”ہوں..... تو اب تمہارا کیا پروگرام ہے؟“

تمہیں چیلنج کرتا ہوں کہ تم، میرے چنگل سے نہیں نکل سکوگی۔ اور اس وقت میرے اپنے شاک ہوم پہنچ کر کسی پوشیدہ مقام پر قیام کروں گی۔ میں اپنے پٹا کی خیریت معلوم اخلاقی ذمہ داری نہ ہو گی۔ اس وقت میں تمہاری ہر انتباہ کو نیا فریب سمجھوں گا۔“ بہرنا کرنے کے لئے بے چین ہوں۔“ اس نے جواب دیا اور میرے ذہن میں تانے بانے بننے کے حد خونخوار ہو گئی۔

لیکن اس کے چہرے پر سکون تھا۔ ”تم اس بار میرے اوپر یقین کرلو! اس کے بعد بات تھی۔ اچانک ہی مجھے کاروبار سوچ گیا تھا۔“

اختیار ہے۔“ اس نے جواب دیا۔

”ایڈریا!“ میں نے پر خیال انداز میں کہا۔ اروہہ میری طرف دیکھنے لگی۔ ”کیا شاک ہم تھیں میری مدد کی ضرورت نہیں ہو گی.....؟“

”میں نہیں سمجھتی.....؟“

”ہاں.....!“

”اور تمہاری یہ کہانی حق ہے؟“

”ہاں ماں! میں اب تم سے جھوٹ نہیں بول سکتی۔ تم نے میری عزت بھی بچالا۔“

”میں تھیں ان خطرات سے نکال لوں گا۔ میں، سلویا اور ہاکن کے خلاف کام کروں گا۔“

”آپر ارتمیہرا کام بن گیا تو تم سے کچھ معاوضہ لوں گا۔“

”ہاں.....! میں..... میں تمہیں معاوضہ دوں گی۔ ہاں! جو کچھ تم طلب کرو گے۔ اس کے بعد میں زندگی بھر تمہاری احسان مندر رہوں گی۔“

”لیکن ایک شرط ہے میں اینڈریا فرگوسن!“ میں نے کہا۔ ”اور شرط یہ ہے کہ آج سے پہلی دن بہت کا استعمال قطعی طور پر بند کر دیں۔ اور صرف میری ہدایات پر عمل کریں۔“

”میرے حالات سن چکے ہو تم۔“

”ہاں.....“ میں نے جواب دیا۔

مرف نہیں میل رہ گیا تھا۔ شاک ہوم پہنچنے تک ہمیں وہی سفر اختیار کرنا تھا۔ چنانچہ ہم نے ایک رات امپالا میں قیام کیا اور دوسرے دن ہم شاک ہوم جانے والی سڑک کی طرف چل پڑے۔ کافی دور تک پیدل سفر کیا تھا۔ یہاں پر بھی بہر صورت! انتظام ہو ہی گیا۔ یہ ایک ذہنی قارم کی دین تھی جس کے بوڑھے ڈرائیور نے ہمیں لفت دی اور اس نے ہمیں شاک ہوم کی ایک نواحی آبادی میں آثار دیا۔

نوشتر ہائی فلیٹوں کی درجنوں جدید اور بلند عمارتیں پھولوں کے حسین قطعات میں گھری ہیں۔ شاک ہوم جانے والی سڑک کے اوپرخے درخت، الہماۃ کھیت، نہایت فیض بہر صورت و کھائی دے رہے تھے۔ آبادی کے درمیان ایک بڑا پارک تھا۔ ابھی صرف تین بیچ خلکن سورج جیسے سوانیزے پر تھا۔ چاروں طرف چدھیا دینے والی ڈھونپ پھیلی ہوئی تھی۔ علاقہ سنان پڑا تھا۔ پارک بالکل خالی تھا۔ یہاں اُتر کر میں نے اینڈر ریا سے پوچھا۔

”اینڈر یا! جدید علاقہ یہاں سے کتنا دور ہے.....؟“

”زیادہ نہیں..... ہمیں تھوڑے فاصلے پر نیکسی مل جائے گی۔“

”ہاں..... شاک ہوم میرے لئے نئی جگہ ہے۔ اس لئے تم یہاں مجھے گائیڈ کرو گی۔“

”اوکے مسٹر ایکل! کیا آپ مجھے اپنا پروگرام نہیں تائیں گے؟“ اس نے پوچھا۔

”کیوں نہیں اینڈر ریا؟ میرے ذہن میں جو کچھ ہے، اس میں تم بہر صورت! میری حماون تھے ہو گی۔ اور خاص طور سے اس صورت میں جب کہ تم نے وعدہ کیا ہے کہ تم میرے ساتھ تقدیم کرو گی۔“

”تم دیکھو گے کہ میں کسی بھی سلسلے میں تم سے اخراج نہیں کروں گی۔“ اینڈر ریا نے جواب دیا۔

”تب پھر ہم سب سے پہلے کسی عمدہ سے ہوٹل میں قیام کریں گے۔ کچھ دیر آرام کرنے کے بعد میں تمہارے پتا کے بارے میں معلومات حاصل کروں گا۔ اور اس کے بعد ہم ان سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کریں گے۔ میرا خیال ہے، باقی تماں کام اس کے بعد ہی کئے جائیں تو ہبھر ہے۔ کیونکہ ہمیں پہلے ان کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہیں، اس کے بعد میں کوئی قدم اٹھایا جائے تو مناسب ہو گا۔“

”ٹھیک ہے.....!“ اینڈر ریا نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ اور پھر تھوڑے فاصلے پر ہمیں ایک نیکسی ملائی جس نے ہمیں شاک ہوم کے مرکزی علاقے میں آثار دیا۔

”خدا کی قسم مائیکل! وعدہ کرتی ہوں۔ تمہاری ہدایات کے خلاف ایک قدم نہیں اٹھا گی۔ میں نے جو کچھ کیا ہے، اُس پر بے حد شرمندہ ہوں۔ اور صرف اس لئے کرم ایک غرض انسان ہو اور اعلیٰ صلاحیتوں کے مالک۔ میں نے تم سے جو کچھ کہا ہے، اس میں جھوٹ نہیں ہے۔ درحقیقت! یہ میری سچی کہانی ہے۔ باقی تم خود اس سلسلے میں کوئی نظر لینا۔ یہ بات میں دعوے سے اس لئے نہیں کہتی کہ دو بار میں، تمہارے ساتھ فرب کر کے ہوں۔“

”ہوں..... ٹھیک ہے میں اینڈر ریا! میں اس بار جو کچھ کر رہا ہوں، آپ یوں سمجھ لیں! اس میں میرا منفاد بھی ہے۔ کیا مفاد ہے؟ اس بارے میں، میں آپ کو کچھ نہیں ہاں لے کر لیں! کہ میں نے آپ کو جو ہمکی دی ہے، اُس پر عمل کروں گا۔“

”میں تمہیں یقین دلاتی ہوں کہ میری اس بات میں کوئی فریب نہیں ہے۔“

بہر صورت! میں تمہارے احکامات سے انحراف نہیں کروں گی۔ میں تحکیجی ہوں۔“

”اگر کوئی میرا بوجھا اپنے کندھوں پر ڈال لے تو میں اس کی شکرگزار رہوں گی۔ میں نہ جانتی کہ شاک ہوم میں میرے پتا کا کیا حال ہے؟ اُن ذلیل آدمیوں نے اُن کے سامنے سلوک کیا ہے؟ پتا اُن سے غشت تو نہیں مان گئے؟ بہر صورت! میرا دل اُن کے لئے پریشان ہے۔“

میں نے اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ بہر صورت! سفر کے دوران ہم نے کالم لٹکی تھی۔ اور پھر ہم بوٹے برگ پہنچ گئے۔

یہاں جس طرح آنے کا پروگرام تھا، اس میں کافی تبدیلیاں ہوئی تھیں۔ بہر صورت! مجھے کوئی خاص فرق نہ پڑا تھا۔ مجھے تو شاک ہوم جانا ہی تھا۔ اور یہاں جانے کے بعد کرنے کا پروگرام بھی میرے ذہن میں تھا۔ بہت عرصہ ہو چکا تھا، میں نے ایسا کوئی کام کی حیثیت دے سکتا۔

بوٹے برگ میں ہم نے یہ کارچھوڑ دی۔ یہاں سے دوسرے ذرا لئے انتیار کرنے کے اور بہر صورت! کسی کی چیز اپنی تحویل میں رکھنا خطرناک بھی ہو سکتا تھا اور میں یہ نہیں پڑھ سکتا۔ کہ میں کوئی ایسا رسک لوں جو میرے لئے ڈشوار گزار ہو۔

بوٹے برگ سے امپالا تک ہم نے پھر ایک گاڑی میں لفت لی۔ اور اب یا کر

لے۔ ”بیرانا میں بیکل بون ہے۔ مس اینڈر ریا کا بہت پرانا دوست ہوں۔ طویل عرصے کے بغیر مالک کے دورے سے واپس آیا ہوں۔ براہ کرم! مس اینڈر ریا کو اطلاع دے بنا۔“

”سوری مسٹر ماہیکل! مس اینڈر ریا تو عرصے سے ملک سے باہر گئی ہوئی ہیں۔“

”ارے، اچھا؟ مجھے تو معلوم ہی نہیں تھا۔ کہاں گئی ہیں؟“

”لیکن ملکوں کا دورہ کر رہی ہیں۔ اس وقت کہاں ہیں، مجھے علم نہیں ہے۔“

”آپ کون بول رہی ہیں؟“

”بیرانا میں گئی ہے۔ ملازمہ ہوں۔“

”اچھا میں نیگی! کیا مسٹر فرگوں موجود ہیں؟“

”جی، وہ بھی نہیں ہیں۔“

”مسٹر فرگوں بھی نہیں ہیں؟“

”جی..... وہ ہیں۔“

”تب، براہ کرم! اُن سے بات کر دیں۔“ میں نے کہا۔

”ہولہ آن پلیز! میں اُن سے رابطہ قائم کرتی ہوں۔“ جواب ملا اور پھر تھوڑی دیر کے فون پر آواز سنائی دی۔

”بیلو.....!“

”مسٹر فرگوں؟“

”ہاں! میں بول رہی ہوں۔“

”مسٹر فرگوں! میں آپ سے انتہائی اہم گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ کیا آپ مجھے وقت دے سکتے ہیں؟“

”کون بول رہا ہے..... کیا ہمارا تعارف ہے؟“

”نہیں..... میں ڈنمارک سے آیا ہوں۔ اور آپ کو مس اینڈر ریا کے بارے میں ایک اہم لائی ورنیا چاہتا ہوں۔“

”اوہ، اینڈر ریا..... میری بچی..... وہ خیریت سے تو ہے؟“

”ہاں..... ابھی تک تو خیریت سے ہے۔ لیکن ممکن ہے، آئندہ خیریت سے نہ رہے۔“

شہر کا ایک خوبصورت ہوٹل آڈرے، ہماری قیام گاہ تھا۔ آڈرے کے عالیشان کمرے میں پہنچ کر میں نے گہری سانس میں اور ایک آرام کر سی پر نیم دراز ہو گیا۔ اینڈر ریا بھی خاموش ایک صوفے پر بیٹھ گئی تھی۔ میں نیم واں گھنٹوں سے اُس کی صورت دیکھتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ کیا واقعی اُس لڑکی نے سچ بولا ہے؟ اگر اب بھی اُس نے کوئی کہانی سنائی ہے تو پھر اُس کے ساتھ ہر زیادتی جائز ہو گی۔ وہ لوگ اُس کی زندگی کے درپے تھے لیکن میں انہیں بیزار کر دوں گا۔ اور اگر.....

”اینڈر ریا.....!“ دفعتہ مجھے ایک تجویز سوچ گئی۔

”ہوں.....!“ اُس نے چونک کر مجھے دیکھا۔

”تمہیں اپنے والد کے گھر اور دفتر کے فون نمبر تو معلوم ہی ہوں گے۔“

”ہاں..... مجھے یاد ہیں، بشرطیکہ نمبر بدلتے ہوئے ہوں۔“

”براہ کرم! مجھے بتانے کی زحمت کرو گی.....؟“ میں نے کہا اور اینڈر ریا نے دوفون نمبر ڈھرا دیے۔

”یہ ایسے نمبر ہیں جہاں سے تمہیں معلومات حاصل ہو سکتی ہیں۔ میں تاچکی ہوں کہ مزہ فرگوں کا کاروبار بہت بڑا ہے۔ ہمارے بہت سے دفاتر یہاں شاک ہاں میں بھی ہیں۔ اس لئے بہت سے فون نمبر ہیں۔ لیکن یہ نمبر ڈیڈی کے پرنسل ڈیپارٹمنٹ کا ہے۔ یہاں سے اُر وہ کہیں باہر بھی گئے ہوں تو اُن کا فون نمبر معلوم ہو سکتا ہے۔“

”اوہ..... ٹھیک ہے۔“ میں نے نمبر نوٹ کرتے ہوئے کہا۔ اور پھر میں اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ جو خیال میرے ذہن میں آیا تھا، میں اُس پروفوری عمل کے لئے تیار تھا۔ اینڈر ریا نے مجھ سے کوئی سوال نہیں کیا تھا۔ میں باہر نکل آیا۔ رہداری میں کمی کا لائق تھے۔ میں ایک کال بوچھ پر پہنچ گیا اور پھر میں نے پہلے اینڈر ریا کے گھر کے نمبر ڈائل کے دوسری طرف سے فوراً رسیور اٹھا لیا گیا تھا۔

”بیلو.....!“ رسیور میں آواز آئی۔

”میں اینڈر ریا پلیز.....!“ میں نے کہا۔

”جی.....؟“ آواز میں کسی قدر تعجب تھا۔

”کیا یہ مسٹر فرگوں کی رہائش گاہ نہیں ہے؟“

”وہی ہے جناب! لیکن آپ کون بول رہے ہیں؟“ دوسری طرف کی آواز میں ہمکاہ

”پہلے تمہاری ایک ملازمہ سے اور پھر مسز فرگون سے۔“

”خوب..... کوئی خاص بات ہوئی؟“

”ابھی نہیں..... میں ان سے ملنے جا رہا ہوں۔“

”کہاں..... ہماری کوئی پر.....؟“

”ہاں.....!“

”کیا انہوں نے تم سے ملنے کی خواہش ظاہر کی ہے؟“

”ہاں.....!“

”لیکن کیوں.....؟“

”یہ میں تمہیں واپس آنے کے بعد بتاؤں گا۔“ میں نے جواب دیا اور وہ خاموش ہو کر عجیب نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی۔ پھر اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

”ٹھیک ہے۔ مجھے تم پر اعتماد ہے۔ کتنی دیر میں جا رہے ہو؟“

”بس، ابھی۔ براہ کرم! مجھے کوئی کاپڑتے بتاؤ۔ ایک بات اور بھی۔“ میں نے اسے معنی خیز نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا اور وہ سوالیہ نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی۔ ”کیا میں امید کروں کہ وابسی میں تم مجھے میہین ملوگی؟“

یوں لگا جیسے اس سوال سے تکلیف پہنچی ہو۔ لیکن پھر اس نے خود کو سنبھالا اور آہستہ سے گردن جھکا کر کہا۔ ”ہاں.....!“

”اوکے..... تو پھر میں جا رہا ہوں۔“ میں نے کہا اور وہ مجھے پتہ سمجھانے لگی۔ اچھی طرح پتہ معلوم کرنے کے بعد میں ہوٹل سے باہر نکل آیا اور پھر ایک نیکی مجھے لے کر گیلا دیپا کے علاقے کی طرف چل پڑی، جہاں مسز فرگون کی کوئی تھی۔ کوئی ڈور سے ہی نظر آگئی تھی۔ میں ایک گھنٹے سے کچھ پہلے ہی پہنچ گیا۔

”مسز فرگون سے مانا چاہتا ہوں۔ کارڈ میرے پاس موجود نہیں ہے۔ بس! آپ بتا دیں کہ ماہیک، ملاقات کا خواہشمند ہے۔“ میں نے ایک ملازم قدم کے آدمی سے کہا اور اس نے گردن جھکا دی۔ مجھے اُسی جگہ کھڑا چھوڑ کر وہ اندر چلا گیا۔ اور واپس تباہ نہیں آیا تھا۔ اس کے ساتھ ایک گھنٹے ہوئے بدن کی خوبصورت عورت تھی۔ اور ایک دراز قامت نوجوان۔۔۔ جس کے بارے میں، میں نے اندازہ لگایا کہ وہ ہاکن ہو سکتا ہے۔ خاصا تیز و تنہ نوجوان معلوم ہوتا تھا۔ گہری نگاہ رکھنے والا اور جلد فیصلہ کرنے والا۔

”کیا مطلب..... میں کچھی نہیں۔“

”میں آپ کو اس کا ایک پیغام دینا چاہتا ہوں۔“

”اوہ، مسٹر..... براہ کرم! آپ فوراً مجھ سے ملاقات کریں۔ کتنی دیر میں آرہے

آپ؟ کیا آپ کو ہماری کوئی کاپڑتے معلوم ہے.....؟“

”جی ہاں..... میں پہنچ جاؤں گا۔“

”تو میں آپ کا انتظار کروں.....؟“

”جی ہاں..... میں ایک گھنٹے کے اندر اندر آپ کے پاس پہنچ رہا ہوں۔“

”آپ کا نام کیا ہے جناب؟“

”ماہیک بون۔“ میں نے جواب دیا۔

”پلیز..... میں نہایت بے چینی سے آپ کا انتظار کر رہی ہوں۔ دوسرا طرف سے گیا اور میں نے الوداعی الفاظ کے بعد فون بند کر دیا۔ فون بند کرنے کے بعد میں چند ساعت اسی جگہ کھڑا سوچتا رہا۔ اس طرح کم از کم ایک بات کا ثبوت مل گیا تھا کہ اینڈر ریا فرگون وجود تھے۔ تو کیا اُس لڑکی کی کہانی پر یقین کر لیا جائے بہر حال! اگر اس بار بھی وہ فرار ہو تو..... تو پھر میری پوری کوشش اُسے تلاش کرنے میں صرف ہوگی۔ اور میں اُس سے حساب چکالوں گا۔

میں واپس کرے میں آگیا۔ اینڈر ریا اطمینان سے بیٹھی ہوئی تھی۔ مجھے دیکھ کر جلدی کھڑی ہو گئی۔ ”کیا تم نے فون کیا تھا.....؟“ اُس نے بے اختیار پوچھا۔

”ہاں.....!“ میں نے جواب دیا۔

”پتا سے بات ہوئی تھی؟“ اُس کے انداز میں اشتیاق جھلک رہا تھا۔

”میں..... وہ آفس میں تھے۔ میں نے گھر فون کیا تھا۔“

”وہاں سے اطلاع ملی تھی کہ وہ آفس میں ہیں؟“

”ہاں.....!“

”اوہ..... اس کا مطلب ہے کہ وہ ٹھیک ہیں۔ خدا کا شکر ہے، مجھے اُن کی خیریت کے اطلاع تو ملی۔“ وہ سکون کی گہری گہری سانسیں لے کر بولی۔

”ہاں..... یقیناً! وہ خیریت سے ہیں۔“ میں نے جواب دیا۔

”تمہاری گفتگو کس سے ہوئی تھی؟“

”میرا خیال ہے جناب! آپ پہلیاں بھانے کی بجائے صاف گفتگو کریں۔ کافی سپن پیدا ہو چکا ہے۔“ ہاکن نے پہلی بار زبان کھولی۔ اُس کا لامبہ سرد تھا۔

”ہاں..... میں خخت پر پیشان ہو گئی ہوں۔ براہ کرم!“

میں نے ان دونوں کے لجھے اور انداز پر توجہ نہیں دی اور آہستہ سے کہا۔ ”درصل! وہ ایک ایسے گروہ کے چکر میں پھنس گئی ہیں جو بے حد خطرناک ہے۔ شاید آپ نے ”شگی“ کا نام سنائے ہو۔ اُس کے ارکان بے حد سفاک ہوتے ہیں۔ ابھی پچھلے دونوں انہوں نے اپنا مطالبہ پورا نہ ہونے پر بچوں کے ایک پورے سکول کو بارود سے اڑا دیا تھا۔“

”اوہ، تو..... تو..... لیکن اینڈریا.....“ میز فرگوں نے کہا۔

”ہاں..... گروہ کے ارکان نے انہیں ڈنمارک سے انغواہ کیا ہے۔“

”انغواہ کیا ہے..... کیوں؟ کیا چاہتے ہیں وہ لوگ.....؟“

”صرف دولا کھپ پونڈ.....!“ میں نے جواب دیا۔

”دولا کھپ پونڈ؟ میرے خدا.....!“ سلویا، یعنی میز فرگوں نے آنکھیں پھاڑتے ہوئے کہا۔ ”گویا وہ اُس کے عوض یہ رقم چاہتے ہیں؟“

”ہاں.....!“ میں نے جواب دیا۔

”اور تم اُن کا مطالبہ لے کر آئے ہو؟“ ہاکن نے خخت لجھے میں کہا۔

”یہی سمجھو لو.....!“ میں نے لاپرواہی سے جواب دیا۔

”تو پھر کیوں نہ تم سے میں نہٹ لیا جائے.....“ ہاکن اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا اور میں نے مضحكاً نہ انداز میں اُسے دیکھا۔

”جیسے تھا ریاضی“

”میں تمہیں پولیس کے حوالے کر دوں گا۔“ ہاکن غرایا۔

”خود نہیں کا ارادہ کیوں ملتی کر دیا میستر ہاکن؟“

”اوہ، ہاکن..... ہاکن.....! کیسی باتیں کر رہے ہو؟ تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ اینڈریا ان کی قدمیں ہے۔ وہ اُس کے ساتھ براسلوک کر سکتے ہیں۔“ میز فرگوں ہاکن کے شانے پر باخور رکھتی ہوئی طرف دیکھ کر بولی۔ ”ایکسکویزی میستر! میں آپ کے لئے کوئی بندوبست کروں..... کیا پسند کریں گے آپ.....؟“

”جو آپ پسند کریں میز فرگوں!“ میں نے خود اعتمادی سے کہا اور میز فرگوں، ہاکن کو

”ہیلو.....!“ عورت نے مجھے اوپر سے یچھے تک دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ ایک بیش قریب لباس میں تھی اور شاندار نظر آ رہی تھی۔

”ہیلو.....! غالباً میں میز فرگوں سے ہم کلام ہوں۔“ میں نے خوش اخلاقی سے کہا۔ نوجوان گہری نگاہوں سے میرا جائزہ لے رہا تھا۔

”آپ کا اندازہ درست ہے میستر مائیکل..... براہ کرم! تشریف لائیے۔“ اُس نے کپاڑ تھوڑی دیر کے بعد ہم سب ایک عالیشان ڈرائیگ رووم میں تھے۔ ”آپ مجھے اینڈریا کے

بارے میں بتانے والے تھے؟“

”جی.....!“

”کہاں ہے وہ..... کیسی ہے؟ ہم سب اُس کے لئے خخت پر پیشان ہیں۔“ میز فرگوں نے بے چینی سے کہا۔

”اوہ..... میز فرگوں! اگر میں آپ کو یہم ناک خبر ڈوں کہ میں اینڈریا اب اس دنیا میں نہیں ہیں تو.....؟“ میں نے افرادہ سی شکل بناتے ہوئے کہا اور میز فرگوں کا چہرہ ایک دم سرخ ہو گیا۔ اُس نے منہ پھاڑ کر دیکھا اور پھر اُس کے حلقوں سے ایک سریلی سی چین تکل گئی۔

وہ آنکھوں میں آنسو بھر لائی اور پھر گردن ہلاتی ہوئی بولی۔ ”نہیں، نہیں..... یہ جھوٹ ہے..... یہ غلط ہے۔ آہ..... یہ کیسے ممکن ہے..... کیا ہوا اُسے؟“ عورت شاندار اداکاری کر رہی تھی۔ میں نے ہاکن کی طرف دیکھا۔

”میں صرف آپ سے یا میز فرگوں سے گفتگو کرنا چاہتا تھا خاتون.....!“

”آو..... آہ! یہ کیسی خبر سنائی تم نے۔ ہاکن میرے کزن ہیں۔ ہمارے ہر راز کے شریک..... ہمارے بالکل اپنے..... ان کی فکر مت کرو۔“ اُس نے ناک سے شوں شوں کرتے ہوئے کہا۔

”ٹھیک ہے میز فرگوں! آپ یوں سمجھ لیں کہ میں اینڈریا بھی زندہ ہیں۔ لیکن اگر آپ لوگوں نے توجہ نہ دی تو وہ بہت جلد موت کا شکار ہو جائیں گی۔“

”زندہ ہے..... وہ زندہ ہے..... اوہ! خدا کا شکر ہے۔ پھر تم نے یہ منحوس الفاظ منہ کیوں نکالے تھے.....?“ میز فرگوں نے کہا۔

”میں نے کہانا! کہ وہ موت سے بہت نزدیک ہیں..... اگر آپ لوگوں نے نوٹس نہ لیا تو وہ موت کا شکار بھی ہو سکتی ہیں۔“ میں نے سمجھ دی گئی سے کہا۔

لے کر باہر نکل گئی۔ میں اطمینان سے بیخا رہا تھا۔

چند ساعت کے بعد وہ واپس آگئی۔ اُس کے ہوٹل پر مسکراہٹ تھی۔ ”سوری جتاب ہاکن بے حد جذباتی نوجوان ہے۔ آپ خیال نہ کریں۔“
”جی.....“ میں نے گردن ہلائی۔

”ویسے آپ بھی مجھے عجیب حسوس ہوتے ہیں۔“
”کیوں.....؟“

”ہم دونوں کے چلے جانے سے آپ کو تشویش بھی نہیں ہوئی۔ ہم پولیس کو اطلاع دیں بھی جاسکتے تھے۔“

”اوہ..... اس سے کوئی قرق نہ پڑتا محترم! بلکہ آپ خود نقصان میں رہتیں۔ شیگی کا گرد، چار افراد پر مشتمل تو ہے نہیں۔ اگر آپ ایسا کہتیں تو پھر اینڈر ریا کی زندگی کی صفات کو ان دیتا؟“ میں نے بھی مسکراتے ہوئے کہا۔

”اوہ، ہاں..... مجھے اپنی بچی کا احساس ہے۔ لیکن مسٹر مائیکل! کیا اس رقم میں کہا رعایت نہیں ہو سکتی؟“

”ہم لوگ، کم مایہ لوگوں کے ساتھ یہ سلوک نہیں کرتے۔ کیا مسٹر فرگون کے لئے یہ زیادہ ہے؟“ میں نے کہا۔

”وہ تو ٹھیک ہے۔ لیکن کیا تم نے مسٹر فرگون سے گفتگو کی؟“
”ابھی نہیں۔ لیکن اگر آپ.....“

”آہ، نہیں۔ میرے شوہر کا دل بے حد کمزور ہے۔ وہ بیمار ہو سکتے ہیں۔ براہ کرم! آپ ان سے اس موضوع پر کوئی گفتگو نہ کریں۔ رقم کا بندوبست میں کر دوں گی۔“

”شکریہ مسٹر فرگون.....! اس کے لئے کیا پروگرام ہے؟“
”آپ مجھے اپنا فون نمبر دیں گے!“

”جی نہیں! آپ مجھے وقت دے دیں۔ میں آپ کو خود فون کر لوں گا۔“ میں نے جواب دیا۔

”آج شام سات بجے، میں آپ کو بتاؤں گی کہ رقم کہاں ادا کرنی ہے۔ لیکن اس سے بعد میری بچی مجھے مل جائے گی نا؟“

”یقیناً! ہم صاف کاروبار کرتے ہیں۔“

”ٹھیک ہے۔ تو پھر سات بجے آپ مجھے رنگ کر لیں۔“ سلویا نے کہا اور اچانک میں اٹھ کر ماہوا ارے، ارے..... میں آپ کے لئے کافی منگوچکی ہوں۔“
”شکریہ مسٹر فرگون! میں یہاں کسی خیر سکالی کے مشن پر نہیں آیا۔ اس لئے میں کچھ نہیں پول گا۔“ میں نے کہا اور وہ منہ پھاڑ کر رہ گئی۔ میں باہر نکل آیا تھا۔ اور پھر میں نے پلٹ کر نہیں دیکھا۔

سڑک پر کچھ دور چلنے کے بعد مجھے ٹیکسی مل گئی تھی۔ میں نے ڈرائیور کو ایسے ہی ایک جگہ کا چڑھے دیا اور ٹیکسی چل پڑی۔ میرا اندازہ درست نکلا۔ ہاکن کو تعاقب کا سلیقہ نہیں تھا۔ حالانکہ میں اُس کی کار نہیں پیچا دیا تھا۔ لیکن اُس نے فاصلہ اتنا بھی نہ رکھا کہ میں اُس کی شکل نہ لیکھتا۔ میں نے ڈرائیور نگ سیٹ پر اُسے دیکھ لیا تھا۔

پھر انی مظلوہ جگہ پہنچ کر میں نے جیسے اچانک کچھ یاد کرتے ہوئے کہا۔ ”اوہ..... سوری ڈرائیور ایڈ سر نائٹ کمپ چلو! مجھے یہاں اپنے ایک دوست سے ملتا ہے۔“ ڈرائیور نے ٹیکسی کا زخم بدل دیا۔ ہاکن کی نیلی کار، بدستور ہمارے پیچھے آ رہی تھی۔ مسٹر نائٹ کمپ ایک جھیل کے کنارے واقع تھا۔ ایک روایتی جگہ، جو میرے اندازے کے مطابق تھی۔ خوشناجھیل اور اُس کے کنارے درختوں کے خوبصورت جھنڈ۔

”ڈرائیور.....!“ میں نے ڈرائیور کو پکارا۔

”لیں سر.....؟“ ڈرائیور، ادب سے بولا۔

”تم اس جگہ رک کر میرا انتظار کرو۔ میں واپس آتا ہوں۔“

”بہت بہتر جتاب!“ اُس نے کہا۔

”ٹیکسی کو اس طرح موڑ کر ڈور لے جانا، جیسے واپس جا رہے ہو۔ نیلی کار میں آنے والا میرا دوست ہے۔ ڈرائیور سے مذاق کرنا ہے، کوئی غلط بات نہیں ہے۔ تم بے فکر رہو!“

”ٹھیک ہے جتاب.....!“ ڈرائیور نے جواب دیا اور میں ٹیکسی سے اتر کر درختوں کے ایک جھنڈ کی طرف چل دیا۔ ایک درخت کی آڑ سے میں نے دیکھا کہ ہاکن نے اپنی کار ایک مناسب جگہ پارک کی تھی۔ اور پھر وہ تیزی سے دوڑتا ہوا اسی طرف آیا تھا، جدھر میں گیا تھا۔ غالباً وہ مجھے نگاہوں سے او جھل نہیں ہونے دیتا چاہتا تھا۔ میں نے پستول نکال لیا۔ یہ اپنے پستول تھا جو میں نے اُن لوگوں سے حاصل کیا تھا جو اینڈر ریا سے زیادتی کرنا چاہتے تھے۔

ہاکن کے دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں قریب آتی جا رہی تھیں۔ اور پھر روا کیا۔ غالباً وہ میرے بارے میں اندازہ لگانا چاہتا تھا۔ میں نے اپنی جگہ چوڑی اور درخ کے پیچھے ریٹکتا ہوا اُس کے قریب پہنچ گیا۔ وہ گردن اٹھا اٹھا کر ادھر اور دیکھ رہا تھا۔

تب میں نے پستول کی نال اُس کی گردن پر رکھ دی اور وہ اچھل پڑا۔

”غالباً تم مجھے تلاش کر رہے ہو مسٹر ہاکن.....!“ میں نے سرد لبجھ میں کہا۔

سانپ کی طرح پلتا۔ اُس کا ہاتھ کوٹ کے جیب کی طرف رینگ گیا۔ لیکن میں نے دباؤ کی گردن پر سخت کر دیا۔ میرے دوسرے ہاتھ نے اُس کی جیب خالی کر دی تھی اور اُس پستول میرے ہاتھ میں آ گیا۔ جسے میں نے پلتتے ہوئے کاٹنے کی کوشش کی تھی۔ ہاکن قدر بد حواس نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا۔

”کیا مسز فرگون نے بد عہدی نہیں کی.....؟“ میں نے سرد لبجھ میں کہا۔

”تم.....“ ہاکن، دانت پیس کر بولا۔

”میں خاموشی سے تمہاری لاش اس چھیل میں پھینک کر چلا جاؤں گا۔“ میں نے انہا سرد لبجھ میں کہا اور ہاکن کسی قدر رخوف زدہ ہو گیا۔

”لیکن میں.....“ وہ ہکلایا۔

”ہاں..... میں یہی جاننا چاہتا ہوں۔ تم نے میرا تعاقب کیوں کیا.....؟“

”فطری بات تھی.....!“ ہاکن نے جواب دیا۔

”کیا اس طرح تم نے ایڈریا کی زندگی خطرے میں نہیں ڈال دی.....؟“

”اوہ..... مجھے کسی کی زندگی کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔“

”ظاہر ہے، تم اُس کے کوئی نہیں ہو۔ لیکن کیا تم مسز فرگون کے ایماء پر میرے پیچھے آ ہو.....؟“

”نہیں.....!“

”پھر تم نے یہ زحمت کیوں کی.....؟“

”بس..... میں تمہارے بارے میں جاننا چاہتا تھا۔“

”فضول اور احتمالہ بات۔ بہر حال! میں تمہیں وارنگ دیتا ہوں کہ ایسی کوئی دبرنا حرکت نہ ہو۔ ورنہ اس کے بعد میں ہر اخلاقی معابدے سے آزاد ہوں گا۔“

”ایڈریا کہاں ہے؟“ اُس نے پوچھا۔

”وہاں، جہاں تم اسے تلاش نہیں کر سکتے۔ جاؤ! مسز فرگون سے کہو، حسب وعدہ رقم تیار کر لے۔ اور اگر اُس کی زندگی چاہتی ہے تو حسب وعدہ رقم مجھے دیدے۔ ورنہ پھر ایڈریا کی لاش تمہارے پاس بھیج دی جائے گی۔“

ہاکن نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ بے بُس ہو گیا تھا۔ میں اُس کے بارے میں فیصلے کر رہا تھا۔ پھر میں نے اچاکن رُخ بدلا اور پستول کا دستہ، ہاکن کے سر کے پیچھے حصے پر رسید کر دیا۔ ہاکن کے ہلق سے کراہ نکل گئی تھی۔ لیکن دوسرا دار پر وہ حواس کھو بیٹھا۔ میں نے اُسے آرام سے زمین پر لٹا دیا تھا۔ اور پھر میں اطمینان سے واپس چل پڑا۔ لیکن ڈرائیور، اطمینان سے پیٹھا سگھریٹ پی رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر مسکرا یا اور میں نے گردن ہلا دی۔

لیکن میں نے اپنے ہوٹل سے بالکل مختلف راستے پر چھوڑ دی تھی اور پھر ہوٹل تک کا سفر پیول ہی طے کیا۔ اس دوران بھی میں نے حالات پر نگاہ رکھی تھی۔

ہوٹل میں داخل ہوتے وقت ایڈریا میرے ذہن میں تھی۔ بے وقوف لڑکی نے کہیں ہوٹل چھوڑنے دیا ہو۔ لیکن جب میں کمرے میں داخل ہوا تو ایڈریا موجود تھی اور بے چینی سے پیر انتظار کر رہی تھی۔

”ہیلو ایڈریا.....!“

”ہیلو ماںیکل.....!“ وہ میری شکل دیکھنے لگی۔

”کیا وقت گزرا.....؟“

”نہایت بے چین۔“

”کیوں.....؟“

”میں تمہارا انتظار کر رہی تھی۔“

”کیا، کیا خیالات تھے ذہن میں.....؟“

”تم خود اندازہ کر سکتے ہو ماںیکل! اور میں اب بھی بے چین ہوں۔ براہ کرم! صرف ایک بار بتا دو۔“ اُس نے حاجت سے کہا۔

”کیا.....؟“

”میرے پتا کیسے ہیں.....؟“

”بالکل ٹھیک.....!“

”تمہاری ملاقات ہوئی تھی اُن سے.....؟“

”نہیں..... لیکن اُن کے بارے میں معلومات پوری مل گئی ہیں۔“
”اوہ..... تو تم ہماری کوئی نہیں گئے تھے.....؟“
”وہیں گیا تھا۔“
”کسی سے ملاقات ہوئی.....؟“
”ہاں..... تمہاری ماں سلویا سے، اور اُس کے عاشق ہاکن سے۔“
”اوہ..... ہاکن موجود ہے؟“
”ہاں..... وہ اس سونے کی چڑیا کو چھوڑ کر کہاں جائے گا.....؟“ میں نے جواب دیا
”ماں یکل! کیا تم مجھے تفصیل نہیں بتاؤ گے.....؟“ اُس نے پریشانی سے پوچھا اور میں
اُسے بلا کم و کاست سب کچھ بتا دیا۔ ہاکن کی درگت سے اینڈر ریا بہت خوش ہوئی تھی۔
منٹ تک خاموش کچھ سوچتی رہی۔ پھر بولی۔ ”لیکن تم کیا کرنا چاہتے ہو ماں یکل.....؟“
”پورا کھیل ختم کر دوں گا اینڈر ریا!“
”میں نہیں سمجھی.....؟“
”میں تمہارے پتا کی ہمیشہ کے لئے گلوخاسی کرا دوں گا اینڈر ریا! اور اس سلسلے میں،
تم سے معاوضہ وصول کروں گا جس کی پہلی قحط تمہاری سوتیلی ماں ادا کرے گی۔“
”اوہ..... ماں یکل! اگر تم ایسا کرو تو..... تو میں تمہیں نہیں بتا سکتی، یہ ہمارے اپر لکھا
احسان ہو گا۔“ اینڈر ریا نے کہا اور میں پر خیال انداز میں گردن ہلانے لگا۔ پھر میں
ایندھر ریا سے کہا۔
”ایندھر ریا! مجھے ایک چیز کی ضرورت ہے۔“
”کیا.....؟“
”ایک نھاسا مونوٹیپ..... اس کے ساتھ انلار جر بھی ہو۔“
”میرا خیال ہے، ہم اسے بازار سے خرید سکتے ہیں۔“
”کیا ایسی کوئی جگہ تمہارے علم میں ہے؟“
”ہاں.....! تم اسے مار با سٹریٹ پر تلاش کر سکتے ہو۔“ اینڈر ریا نے اجواب دیا اور میں
نے گردن ہلا دی۔ تھوڑی دیر کے بعد میں، دوبارہ ہوٹل سے نکل آیا۔ لیکنی سے مار با سٹریٹ
کیا اور وہاں سے الیکٹرونک سامان کے ایک شوروم سے اپنی مطلوبہ اشیاء خرید کر واپس آ
گیا۔ ونوٹیپ کا تجربہ میں نے خود اپنے کمرے میں باہر کے بوتوحے سے نیلی فون کر کے کیا تھا۔

"ہوں..... کہاں سے فون کر رہے ہو؟"

"پیلک کال بوٹھ سے۔ آپ میرے بارے میں کوئی معلومات نہیں حاصل کر سکتیں۔"
"میں ایسا کوئی ارادہ نہیں رکھتی۔ کیونکہ میں خود ہی تمہاری ضرورت مند ہوں۔"
فرگوں نے جواب دیا۔

"جی..... تو فرمائیے!"

"کیا تم صرف گروہ کے لئے کام کرتے ہو یا اپنے طور پر کچھ اور بھی کر لیتے ہو.....؟"
"میں نہیں سمجھا مسز فرگوں.....؟"

"میں ذاتی طور پر تم سے ایک کام لینا چاہتی ہوں۔ اور اس کا شاندار معاوضہ ملے گا۔"
"اوہ..... ہم تو خادم ہیں۔ فرمائیے.....؟"

"اچھا! ایک بات بتاؤ! اگر میں تمہیں یہ معاوضہ ادا کرنے سے انکار کر دوں تو.....؟"
"تو ہم آخری بار مسٹر فرگوں سے رابطہ قائم کریں گے اور اس کے بعد اینڈریا کی لا

آپ کے پاس بھیج دی جائے گی۔"

"اوہ..... میں چاہتی ہوں، تم مسٹر فرگوں سے رابطہ نہ قائم کرو۔"

"خوب..... لیکن معاوضہ؟"

"وہ میں تمہیں ادا کروں گی۔ دو لاکھ پونڈ اور اس کے علاوہ مزید ایک لاکھ پونڈ۔ اور رقم تمہیں تمہاری حسب خواہش ادا کر دی جائے گی۔"

آپ کام کیا ہے مسز فرگوں.....؟"

"رازداری شرط ہے۔"

"آپ مکمل اطمینان رکھیں۔"

"اینڈریا کو قتل کر دو۔ اور اس کی لاش خاموشی سے ٹھکانے لگا دو۔ کسی طور پر اس بارے میں کسی کو پتہ نہیں چلنا چاہئے۔ اس کا معاوضہ ایک لاکھ پونڈ ہو گا۔"

"اوہ..... میں ششد رہ گیا۔ چند ساعت کی خاموشی کے بعد میں نے پوچھا۔" مسز فرگوں! آپ..... آپ مذاق تو نہیں کر رہیں.....؟"

"نہیں..... بھاری آواز میں جواب ملا۔"

"آپ ایسا کیوں کرنا چاہتی ہیں.....؟"

"یہ نہیں بتایا جاسکتا۔"

"ہوں....." میں نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا۔ "اگر ہمارا معاوضہ مل جاتا ہے مز
زگوں! تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔ لیکن حریت ضرور ہے۔"
"معاوضہ تم جب چاہو، ادا کیا جاسکتا ہے۔"

"آج رات.....؟"

"نہیں..... کل کسی وقت۔" جواب ملا۔

"تب کل دس بجے، کیش.....!"

"ٹھیک ہے۔ تم جگہ بتاؤ! ہاکن تمہیں رقم پہنچا دے گا۔"

"اوکے ماڈام.....!" میں نے جواب دیا اور فون بند کر دیا۔ میرا دل شدت سے دھڑک رہا تھا۔ میں نے شیپ پر کئی بار مسز فرگوں کی آوازیں اور مطمئن ہو گیا۔ بہترین کام ہو گیا تھا۔ اینڈریا کا چہرہ ست گیا تھا۔ میں نے اُسے تسلی دی۔ اُس کی دل جوئی کرنے لگا۔ بہر حال! اب مجھے اس کہانی پر یقین آ گیا تھا۔

دوسرے دن پونے دس بجے میں نے مسز فرگوں کے گھر کے قریب ایک بوٹھ سے مز
زگوں کو فون کیا۔ اس سے قبل میں کوئی کا جائزہ لے چکا تھا۔ دوسری طرف سے فوراً فون
رسیو کیا گیا تھا۔

"ماں! کل بول رہا ہے مسز فرگوں.....!"

"سب کچھ تیار ہے ماں! کل! بتاؤ، کہاں بھیجوں.....؟"

"ماش! اسکو اُر کے دوسرے چورا ہے پر میں موجود ہوں۔ ہاکن کو اپنی کار میں تھا ہوں
چاہئے۔ کوئی سازش تمہارے لئے نہت نقصان دہ ہو گی۔"

"اوہ..... سازش کی بات نہ کرو۔ ہاکن اپنی کار میں پہنچ گا۔ تم اُسے پہچانتے ہو۔" مز
زگوں نے کہا۔

"ہاں..... اور اس سے کہہ دیں، ہر حالت میں ذہن قابو میں رکھے۔"

"تم بالکل فکر مت کرو۔ سب ٹھیک رہے گا۔ میں اُسے فوراً روانہ کر رہی ہوں۔"
"اوکے.....!" میں نے فون بند کر دیا۔ اوز پھر میں تقریباً دوڑتا ہوا مسٹر فرگوں کی کوئی کی
ٹھکانہ پہنچا تھا۔ مجھے ایک مشکل کام انجام دینا تھا۔ پوکہ ابھی تھوڑی دیر قبل میں کوئی کا
ٹھکانہ لے چکا تھا اس لئے اس میں دقت بھی نہیں ہوتی۔ ہاکن کی لمبی لمبی کار، بدستور پورچ
گھر کھڑی ہوئی تھی۔ میں اُس کے نزدیک پہنچ گیا۔ حتیٰ الامکان میں نے خود کو دوسروں کی

”ہوں گا مشرب ہاکن!“
 ”کہو..... کیا بات ہے؟“ ہاکن نے بھاری لمحے میں پوچھا۔
 ”براؤ کرم! آپ چاپی اکنیشن میں لگی چھوڑ کر یخچے اُتر جائیں۔ اور کار سے پچاس گز دور
 پل جائیں۔ میں آپ کی کار لے جا رہا ہوں۔ اسے کسی مناسب جگہ چھوڑ دوں گا۔ اور وہیں
 سے آپ اپنی کار لے لیں۔ فی الوقت میں اسے لئے جا رہا ہوں۔“ میں نے مسکراتے ہوئے
 کہا۔
 ”اوہ.....“ ہاکن نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔ لیکن بہر صورت! اُس نے میری ہدایت پر
 عمل کیا تھا۔ وہ شیئر نگ سے اُتر گیا۔ میں نے بریف کیس کھول کر اندر رکھے ہوئے نوٹوں کو
 دیکھا۔ بلاشبہ رقم پوری تھی اور نوٹ بریف کیس میں اوپر تک جتے ہوئے تھے۔ چنانچہ میں
 نے بریف کیس بند کر دیا اور اسے اگلی سیٹ پر رکھنے کے بعد پیچھے سے کوڈ کر آگے بڑھ گیا۔
 ہاکن میری ہدایت کے مطابق کافی دور چاگیا تھا۔ اور اس کے بعد میں نے نہایت پھرتی
 سے کار سٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔

کار کو مطلوبہ جگہ چھوڑنے کے بعد میں بریف کیس لے کر یخچے اُتر گیا۔ وہاں سے ایک
 ٹیکسی لے کر میں ایک اور جگہ گیا۔ اور پھر دوسرا ٹیکسی لے کر واپس اپنے ہوٹل چل پڑا۔ کافی
 بھی رقم کمائی تھی میں نے۔ اور اب مجھ پر فرض ہو گیا تھا کہ اینڈریا کے لئے بھر پور انداز میں
 کام کر دیں۔

ایندریا بھی خوش ہوئی تھی۔ لیکن اُس کی سمجھ میں یہ بات نہیں آئی تھی کہ میرا آئندہ قدم کیا
 ہو گا۔ اُس نے میری اس کوشش پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا تھا۔ ”مجھے بے حد حسرت
 ہے ماں! کتم نے اُن مجرمانہ ذہنیت رکھنے والوں کو بردست چوت دی ہے۔ لیکن آئندہ
 تم کیا کرو گے؟ اس سلسلے میں، میں ابھی ہوئی ہوں۔“

”اوہ، اینڈریا ڈارلینگ.....! میں! یوں سمجھ لو، تھوڑا سا بڑنس اور کروں گا اور تمہارے پیٹا کو
 اُن دونوں سے نجات دلا دوں گا۔ اگر اس سلسلے میں، میں تمہاری بے پناہ دولت میں سے
 پکوچا مصل کرلوں تو حمیں اعتراض تو نہ ہو گا.....؟“

تمہاری ان کوششوں کے نتیجے میں اگر ہمیں ایک پرسکون زندگی مل جائے تو اس سے زیادہ
 خوشی کی بات اور کیا ہو سکتی ہے؟“

نگاہوں سے چھپائے رکھا تھا۔ بہر حال! کار کا عقبی دروازہ تھوڑا سا کھول کر میں اندر ریکھ
 گیا۔ اور پھر کار کی چوڑی سیٹ کے نیچے سانے میں مجھے کوئی دقت نہیں ہوئی تھی۔ خڑک
 کام تھا، لیکن انجام دینا تھا اور اس میں کوئی کوتاہی ممکن نہیں تھی۔
 میں انتظار کرتا ہا۔ بڑے صبر آزم حالات کا سامنا تھا۔ یوں بھی کار کی چھپلی سیٹ پر پڑھ
 ٹگ جگہ تھی۔ اور بہر صورت! میں ایک تدرست آدمی ہوں۔ کافی دقت پیش آ رہی تھی۔ مگر
 جیسے تیسے کام تو انجام دینا ہی تھا۔ اور پھر جلد ہی میں نے قدموں کی چاپ سنی۔ اس کے بو
 دروازہ کھلا اور ایک چوڑا بریف کیس، کار کی چھپلی سیٹ پر اچھال دیا گیا۔ میں نے مزفر ہو
 کی آواز سنی۔

”ہاکن! میں آخری بار ہدایت کر رہی ہوں کہ اپنے سر کی اس چوت کو ڈھنے سے بکال
 دو۔“

”اوہ..... سلویا ڈارلینگ! تم فکر کیوں کرتی ہو؟ جو کچھ ہو رہا ہے، وہ تو نہایت مناب
 ہے۔ ہم تو اس تشویش میں مبتلا تھے کہ وہ کجھ نجات کہاں چلی گئی اور کس شکل میں نمودار ہو
 گی؟ میرا خیال ہے، یہ مسٹر گون پر آخری کاری ضرب ہوگی۔“ ہاکن نے کہا۔

”میں نے اُن کے یہ الفاظ بھی ثیپ کر لئے تھے۔ بہر صورت! میرا کام ختم نہیں ہوا تھا۔ لیکن
 انتہائی کامیابی سے جاری تھا۔ کار سٹارٹ کر دی گئی اور ابھی کوئی سے تقریباً ایک فرلانگ دا
 ڈور گئی ہو گی کہ میں آہستہ آہستہ پیچھے سے ابھرا اور میں نے جب خود کو پوزیشن میں کر لیا
 بریف کیس پر ہاتھ ڈالتے ہوئے ہاکن سے کہا۔

”شکر یہ مشرب ہاکن! کار روک دیں۔“ ہاکن کے ہاتھ بہک گئے۔ کار سڑک پر لہر لائا۔
 ہاکن نے فل بریک لگادیے۔ وہ بری طرح بولکھا گیا تھا۔ پھر اس نے منہ پھاڑ کر مجھے دیکھ
 کر میں نے مسکراتے ہوئے گردن خم کر دی۔

”تم..... تم..... تم یہاں..... کار میں.....؟“ ہاکن حیرت زدہ لمحے میں بولا۔
 ”ہاں مشرب ہاکن! ہم لوگوں کے کام کرنے کا انداز یہی ہوتا ہے۔ آپ اس کو محظی
 کریں۔ بہر حال! آپ نے اپنا کام پورا کر لیا ہے۔ کیا میں اطمینان کر لوں گا کہ اس بین
 کیس میں رقم ہو گی.....؟“

”ہاں.....!“ ہاکن نے سر دلچسپی میں کہا۔
 ”بس..... میں نے سوچا کہ آپ کو زیادہ تکلیف کیا ڈوں۔ ہاں تھوڑی سی تکلیف نہ۔“

”بس..... تو ٹھیک ہے۔ تم کھیل دیکھتی رہو“، میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور انہوں پر خیال بگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی۔ پھر ایک طویل سانس لے کر بولی۔

”ایک بات بتاؤ گے ماںِ یکل.....؟“

”ہوں.....!“

ایندر بار فرگون کسی غلط فہمی کا شکار ہو گئی تھی۔ ممکن ہے، اُس کا خیال ہو کہ میں اُس کی ”لت پر بچھ کر اُس سے شادی کر لوں گا۔“ بہر حال وہ مجھے ایک اچھا انسان سمجھتی تھی اور اپنے لئے ایک مضبوط محافظ۔ میرے لئے میہ دولت کیا حیثیت رکھتی تھی؟ وہ بے چاری برے بارے میں جانتی ہی کیا تھی؟ اُسے کیا علم تھا کہ میں یہ ساب ہوں اور کہیں قرار میرے لئے ممکن نہیں ہے۔

وہ نیم بازاں آنکھوں سے مجھے دیکھتی رہی۔ پھر بولی۔ ”تمہارا قرب مجھے بے حد سکون بخشتا ہے۔ اور میں محسوس کرتی ہوں کہ میں ایک مضبوط حصار میں ہوں۔۔۔ ایک ایسے حصار میں ایک! جسے کوئی نہیں توڑ سکتا۔“

”ہم دونوں دوست ہیں اینڈر یا! اس لئے اگر تم ایسے تاثرات رکھتی ہو تو کوئی انوکھی بات نہیں ہے۔“ میں نے بورہ کر کہا۔

”میں تو اس سے زیادہ بھی کچھ چاہتی ہوں۔“ اینڈر یا بے حد جذباتی ہو رہی تھی۔

”کیا.....؟“ میں نے پوچھا۔

”میں ساری زندگی کے لئے تمہارا سہارا چاہتی ہوں ماںِ یکل! میں تمہارے ساتھ قدم علانا چاہتی ہوں۔ زندگی کی ہر منزل پر تمہیں محسوس کرنا چاہتی ہوں۔ دل کی ایک بات تاکوں، یقین کرلو گے؟“

”کہو.....!“ میں نے جواب دیا۔

”تمہیں وہ وقت یاد ہے جب میں ان ذمیل لوگوں کے چنگل میں پھنس گئی تھی اور وہ اُس فرش کے ساتھ مل کر مجھے زندہ درگور کر دینا چاہتے تھے؟“

”ہاں..... یاد ہے۔“

”کیا اس وقت تمہارے سوا اور کوئی سہارا تھا؟ جانتے ہو ماںِ یکل! اُس لمحے میں، میں نے کیا چاہتا تھا؟“

”تم خود کیا ہو؟ بعض اوقات انسان کیسے کسے عجیب اتفاقات سے دوچار ہو جاتا ہے۔“ میں صرف اتفاقی طور پر ہی تمہارے کمرے میں جا گھسی تھی۔ لیکن تم کیا لکھے ماںِ یکل؟ میں نے تمہاری غیر موجودگی میں تمہارے بارے میں بہت کچھ سوچا ہے۔ لیکن تم میری سمجھ میں نہ آئے۔ تم بذاتِ خود کیا ہو؟ تمہارے بارے میں سوچتے ہوئے میں کھو جاتی ہوں۔ اور... اور نوہ کچھ کہتے کہتے خاموش ہو گئی۔

”ہاں، اور.....؟“ میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

”کچھ نہیں..... سوچتی ہوں کہ کیا تم جیسے مضبوط انسان کا سہارا، زندگی سے مارا پریشانیاں دور نہ کر دے گا؟“ اُس نے کہا اور گردن جھکا لی۔ میں نے ایک گہری سانس اپنی۔

☆.....☆.....☆

”کیا سوچا تھا.....؟“ میں نے بیزاری سے پوچھا۔

”بس..... یوں لگا تھا جیسے میری بے سہارا زندگی کو کوئی مضبوط سہارا مل گیا ہو۔ میں تمہاری آرزو کی تھی۔“

”اینڈریا! میں تم سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔“

”کہو ماں! میں تو نہ جانے کب سے تمہارے منہ سے کچھ سننے کے لئے بے پور ہوں۔“ اینڈریا بدستور جذباتی لمحے میں بولی۔

”میرے بارے میں تم زیادہ نہیں جانتی ہو اینڈریا! تم ایک طویل عرصے تک مجھے سے کرتی رہی ہو۔ لیکن میں نے بھی تمہارے بارے میں کسی جذباتی انداز میں نہیں ہوا۔ اینڈریا! میں ذرا دوسرا قسم کا انسان ہوں۔ کوئی عورت، میری زندگی کی منزل نہیں ہے۔ میں کسی بھی متاثر نہیں کرتی۔ میں تو اب بے حد دولت مند ہو۔ لیکن تمہاری یہ حیثیت مجھے تم سے ذرا بھی متاثر نہیں کرتی۔ میں تو اب منزل سے خوف کھاتا ہوں۔ وہ جو منزل کا تھیں کر لیتے ہیں، میرے خیال میں بڑا ہوں۔ منزل کیا ہے، تھکن کا دوسرا نام۔ تھکے ہوئے لوگوں کو منزل کی ملاش ہوتی ہے۔ اور میرے اعضاء میں کوئی تھکن نہیں ہے۔ ابھی تو میں نے اُڑنے کی تیاری کی ہے۔ اور میرے سامنے کوئی منزل لانا چاہتی ہو؟“

اینڈریا فرگوسن منہ پھاڑے مجھے دیکھ رہی تھی۔ اس کے انداز میں جیرت تھی۔ دیرک، خاموشی سے مجھے گھوڑتی رہی۔ اور پھر اس نے تھیرانہ انداز میں کہا۔ ”گویا تم..... تم مجھے رہے ہو۔“

”اگر تم محسوس کرو تو یہ ایک دوستانہ بات ہے۔ بجائے اس کے کہ میں تمہیں دھوکہ لے رکھتا، میں نے تم سے صاف صاف کہہ دیا۔ اس میں نہ تو تمہاری توہین ہے اور نہ ایسا کہا۔ بات ہے تم محسوس کرد۔“

”تم..... تم کیا ہو ماں!.....؟“

”کیوں.....؟“ میں نے اُسے بغور دیکھا۔

”میرا خیال تھا..... آہ! میرا خیال تھا کہ تم میری محبت کا اعتراف سن کر خوشی سے الجھ پڑو گے۔ اپنی لقتیر پر ناز کرو گے۔ لیکن تم نے میرے خیالات کے سارے محل سہارا دیئے۔“

”آپ کے ذہن میں یہ خیال کیوں تھا میں فرگوسن.....؟“

”اس لئے کہ میں بے اندازہ دولت کی مالک ہوں۔ اور کوئی بھی ایسا آوارہ گرفنو جوان، جس کا اپنا کوئی مقام نہ ہو، میری قربت اور میرا اتفاقات پسند کرے گا۔ وہ سوچے گا کہ اسے پوری زندگی کے لئے ایک بہترین سرمایہ اور عزت مل رہی ہے۔“

”اینڈریا! انسان کا اصل مقام اُس کی نگاہ میں ہوتا ہے۔ وہ لوگ جو کچھ نہیں ہوتے اور کسی طور، میرا مطلب ہے کسی اور ذریعے سے اپنا مستقبل بناتے ہیں، لوگ انہیں اعلیٰ انسان کی حیثیت سے جانتے ہیں۔ انہیں اونچے سے اونچے اعزازات سے پکارا جاتا ہے۔ لیکن کیا کبھی ان کے ذہنوں میں ان کی اصلاحیت نہ جاتی ہو گی؟ چنانچہ اگر کوئی مقام اپنی محنت سے ملے تو اس کی حیثیت دوسرا ہوتی ہے۔“

”تمہارے خیالات بہت اچھے ہیں۔“

”لیکن میرا کردار زیادہ اچھا نہیں ہے۔ اور میں کردار بنانا بھی نہیں چاہتا۔ ابھی تو مجھے زندگی کے بے شمار رُخ دیکھنے ہیں۔ میں خود کو کسی ایک کردار میں ڈھالنے کا خواہشند نہیں ہوں۔“

”تمہارے اس انکار سے مجھے زیادہ رنج نہیں ہوا۔ مائیکل! تم جیسے لوگوں کی اگر دوستی بھی مل جائے تو بڑی بات ہوتی ہے۔“

”شکریہ..... اگر تم فرسودہ قسم کی لاکیوں کی مانند اپنی محبت کی فکست پر آنسو بہاتیں تو مجھے بالکل اپھی نہ لگتیں۔“

اینڈریا چند ساعت خاموش رہی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو چکل آئے تھے۔ لیکن پھر

اُس نے آنسوؤں کو پی لی اور لجھے صاف کر کے بولی۔ ”اب تمہارا کیا ارادہ ہے مائیکل؟“

”ابھی میں یہ کام شروع کر چکا ہوں۔ اور بہت جلد تمہارے مسئلے کو نہیں دوں گا۔ تمہیں بے فکر رہنا چاہئے۔“

”تمہاری موجودگی میں مجھے کوئی فکر نہیں ہے۔ لیکن مائیکل! کیا ہم دوست بھی نہیں بن سکتے؟ مثلاً ایسے دوست، جو جدا ہونے کے بعد بھی ہمیشہ یاد رہتے ہیں۔“

”وضاحت کرو۔“

”میں تمہاری خیریت چاہتی ہوں مائیکل! میں تمہاری ذات کے نقوش کو اپنے احساسات میں جذب کر لینا چاہتی ہوں۔ میں زندگی میں کسی آلوگی کو پسند نہیں کرتی۔ میرا خیال تھا کہ خود کو اس شخص کے سامنے واضح کر دوں گی جو میری ساری زندگی کا ساتھی ہو۔ لیکن اب

گزاریں۔ مجھے اپنے مطلب کے لوگوں کی تلاش تھی۔ رینجو ڈنائیٹ کلب کی رقاصلہ ریگی نہیں مجھے اپنے کام کے لئے موزوں معلوم ہوئی۔ میں نے اُس کے ساتھ تین سیاہ فام بھی رکھے تھے۔ اس کے ساتھ ہی میں نے اندازہ لگایا کہ ریگی ایک ماہر شکاری ہے۔ چنانچہ تیرے دن میں نے دن بھر کچھ ضروری خریداری کی اور رات کو رین بو پکنچ گیا۔ ریگی کے یات خرچ جاری تھے۔ اور اُس کے پروانے اُسے داد دیتے رہے۔ اپنے حلقے میں وہ کافی مقبول تھی۔ اور پھر ایک آوارہ منش بوڑھا دولت مند اُس کے نزدیک پکنچ گیا۔ ریگی اور ٹھنچ ایک میز پر آبیٹھے اور میں اُس کے قریب پکنچ کر اُن دونوں کی گفتگو سننے لگا۔

ساری گفتگو میرے کام کی تھی۔ تقریباً ساڑھے بارہ بجے بوڑھا دولت مند اپنی خوبصورت پیٹاک میں ریگی کے ساتھ چل پڑا۔ انہوں نے رنگ کے سمندری علاقے کے ایک خوب صورت مکان میں رنگ رلیاں منانے کا پروگرام بنایا تھا۔ میں ایک کار میں اُن کے پیچھے تھا۔ یہ کار میں نے ایک کمپنی سے حاصل کی تھی۔ اُس مکان میں داخلہ میرے لئے مشکل ثابت نہ ہوا تھا۔ میرے سارے اندازے درست تھے۔ اس وقت جب بوڑھا اوپاش، شراب کے نش میں ڈوب کر ریگی کے بدن میں جذب ہو جانا چاہتا تھا، اچانک تین سیاہ فام نمودار ہوئے۔ ریگی نے خوف زدہ ہونے کی اداکاری کی تھی۔

”کون ہوتا.....؟“ اُس نے سہمے ہوئے انداز میں پوچھا اور ایک سیاہ فام نے اُس کے منڈپ اٹاٹا تھوڑا سید کر دیا۔ ساری کی ساری اداکاری تھی۔

”تم اس علاقے میں رنگ رلیاں منانے آئیں اور ہمیں بھول گئیں؟ چلو.....! ان دونوں لکھصوریں بناؤ!“ اُس نے دوسرے سیاہ فام سے کہا اور سیاہ فام اپنے کیسے سے اُن کی تصویریں بنانے لگا۔

”ٹھہر وو.....ٹھہر وو.....! یہ کیا کر رہے ہو؟ میں تمہیں جو مانگو گے، دے سکتا ہوں۔ اس کی کیا ضرورت ہے؟“ بوڑھے نے کہا۔

”جو کچھ تھمارے پاس ہے، وہ تو ہے ہی ہمارا۔ لیکن یہ تصویریں بعد میں کام آئیں گی۔ ناپابندیا نام کوں بیگن ہے۔ کوں برادرز کے پروپرائزٹر کوں بیگن۔ تم اچھی خاصی حیثیت کے مالک ہو۔“

”مم.....گر میں.....“ ریگی نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔ ”اگر تم نے گڑ بڑ کرنے کی کوشش کی تو میں تمہیں گولی مار دوں گا۔“ سیاہ فام نے پستول کا

میرے ذہن میں ایک تبدیلی پیدا ہو گئی ہے۔ کیا تم مجھے چند لمحات کے لئے بھی قول نہیں کر سکتے؟“

”تم اپنے اس کردار کو کیوں ختم کرنا چاہتی ہو.....؟“

”صاف صاف کہہ ڈوں.....؟“

”ہاں..... مجھے یقین ہے کہ تم، مجھے سے گفتگو میں کوئی کھوٹ نہیں رکھو گی۔“

”تم نے میرے پندار کو شکست دی ہے۔ اس کے بعد ممکن ہے، میں پوری زندگی کی مر کو اپنے قریب نہ آنے ڈوں۔ اگر مجھے میری حیثیت واپس مل گئی تو میرے پاس اتنی دولت ہے کہ زندگی بس رکھتی ہوں۔ میں اسے اپنا پہلا اور آخری مرد سمجھنا چاہتی ہوں جس نے مجھے نہایت بے رحمی سے ٹھکرایا ہے۔“ اُس کی آنکھیں پھر بھرا آئیں۔

”تم جذباتی ہو رہی ہو اینڈریا.....!“

”نہیں مائیکل! تمہیں علم ہے کہ میں بے کردار نہیں ہوں۔ میں اس وقت جان دیے کو تیار تھی جب وہ لوگ میرے درپے تھے۔ اگر تم میری مدد نہ کرتے تو دیکھتے کہ میں خود کو اپنی عزت کے لئے قربان کر دیتی۔ لیکن میرے احساس کو سمجھو! اگر میں تمہیں بھی نہ حاصل کر سکی تو پھر ہمیشہ کے لئے ایک داغ بن جاؤں گی۔“

”تمہارے پاس وقت ہے اینڈریا..... سوچ لو! ممکن ہے، جذبات کے بھروسے نہیں۔ آؤ۔ میں تمہاری مدد کرنا چاہتا ہوں۔“

”مان لٹکتے ہو تو میری اتنی سی خواہش مان لو۔ ورنہ تمہاری مرضی۔“ اینڈریا گھری سانس لے کر بولی اور میں نے شانے ہلا دیے۔ اُس کے دل میں اتنی شدت سے یہ خواہش بیدار ہوئی تھی تو میں کیا کر سکتا تھا؟ یا یہ ممکن ہے، اُس کے ذہن میں اور کوئی خیال ہو۔ ممکن ہے،“ سوچ رہی ہو کہ میں اُس کے بدن کے جال میں پھنس جاؤں اور اسے اپنا لوں۔

لیکن اگر اُس کی یہ سوچ تھی تو وہ اُس میں کامیاب نہ ہو سکی۔ میری زندگی کی کتاب کے اوراق پر اُس کا نام بھی لکھا گیا۔ اور پھر صفحہ اُٹھ گیا۔ اور کتاب عام طور سے ایک بار پڑھ لیا۔ بس! اس سے زیادہ کیا کرنا؟ اصل کام تو اُس کے مقصد کا حصول تھا۔ چنانچہ کچھ دریا آرام کے بعد میں نے اپنا کام دیا۔ شروع کر دیا۔

دو راتیں میں نے شاک ہوم کے مختلف ہولٹوں، نائٹ ٹکبوں اور قہوہ خانوں میں

رُخ ریگی کی طرف کر دیا اور وہ ہونٹوں پر زبان پھیرتی ہوئی خاموش ہو گئی۔ اور پھر پتوں کے اشارے پر بوڑھے کوں بیگن اور ریگی کی کئی تصویریں بنائی گئیں۔ اس کے بعد وہ لوگ بے چارے بوڑھے کی تمام چیزیں سیست کر چلے گئے۔ بوڑھے کی بروی حالت تھی۔ ریگی نے پھوٹ پھوٹ کر روری تھی۔

”اب کیا ہو گا مسٹر کول بیگن.....؟“ وہ روئی ہوئی بولی۔

”تمہارا کیا ہو گا..... بر باد تو میں ہو گیا۔“

”نبیں، نبیں..... میں بھی ایک باعزت لڑکی ہوں۔ رقص کرنا دوسرا بات ہے۔ لیکن اگر یہ تصویریں..... آہ، آہ! مجھے بھی بلیک میل کریں گے مسٹر کول بیگن.....!“

”سوری..... میں تمہاری کوئی مد نبیں کر سکتا۔ پھر ساری عزت خاک میں مل گئی۔“ پھر ریگی بہت کچھ کہتی رہی۔ لیکن کوں بیگن وہاں نہ رکا۔ اور پھر اس کی پوئیٹاک، برق رفتاری سے آگے بڑھ گئی۔ ریگی اپنے آپ کو درست کرنے لگی۔ اور پھر دروازے سے وہی تیوں سیاہ فام اندر داخل ہوئے۔ میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ سارے کام میری مرضی کے مطابق ہو رہے تھے۔ وہ لوگ کوں بیگن کی حرکتوں کا مذاق اڑا رہے تھے اور ریگی ان کے ساتھ قہقہے لگا رہی تھی۔ پھر جب وہ وہاں سے چلے گئے تو میں بھی اپنی جگہ سے نکل آیا۔

میرے پاس بھی بہت کچھ تھا۔ ان لوگوں کی ساری حرکات ابتداء سے انتہائی تک میرے الشرا اوائلت کسیرے میں محفوظ تھیں جسے تصویر یعنے کے لئے روشنی کا شہار اور کاروبار نبیں ہوتا۔ اور ان کی آوازیں ایک طاق توڑ پر یکارڈ کے ذریعے ریکارڈ ہو چکی تھیں۔ گویا میں نے بلیک میلروں کو بلیک میل کرنے کے سارے انتظامات مکمل کر لئے تھے۔

وہاں سے واپس میں اپنی قیام گاہ پر ہی آیا تھا۔ اینڈر ریا اپنے ذہن میں فیصلہ کر چکی تھی کہ اب میں کتنی ہی رسیاں تڑانے کی کوشش کروں، اس کے بدن کا جال کمزور ثابت نہ ہو گا۔ بالآخر ایک دن میں خود اعتراف کرلوں گا کہ اب میں اس سے نہیں بھاگ سکتا۔ اور میں موقع رہا تھا کہ بعض اوقات کسی فریق میں خصوصی اضافہ ہونے لگے تو یہ برسن میں کی خوش بختی ہے۔ اس نے کوئی بے ایمانی کا سودا نبیں کیا۔ چنانچہ اینڈر ریا اگر میرے نزدیک آگئی تو سرے سے اس سے انحراف نبیں کیا جا سکتا تھا۔ ہاں! مجھے اپنے چند کام کرنے تھے جنہیں میں نے بعد پر انہمار کھا تھا۔ اور جب اینڈر ریا نیند کی وادیوں میں کھو گئی تو میں اٹھ گیا۔ دو تین گھنٹے میں، میں اپنے کام سے فارغ ہو گیا۔ اور اب چونکہ اینڈر ریا کے ساتھ لکھا

نم ہو گیا تھا، اس لئے آرام سے اُس کے نرم و گداز بدن میں جذب ہو کر سو گیا..... اور نہ ہو گیا تھا، اس لئے آرام سے اُس کے نرم و گداز بدن میں جذب ہو کر سو گیا..... اور

”مرے دن، دیر تک ستارہا۔“ اینڈر ریا مطمئن تھی۔ صبح کے ناشتے پر وہ اسی طرح مجھے سرو کر رہی تھی جیسے ایک سلیقہ شعار ہی اپنے شہر کی خدمت کو اپنا نصب اُسیں سمجھتی ہے۔ اور اُس کا زیادہ سے زیادہ خیال رکھتی

”ماہیک! آج تمہاری دن بھر کیا مصروفیت رہے گی؟“

”کوئی خاص نہیں..... کیوں؟“

”بیں..... میں ذہنی طور پر عجیب سی کیفیت محسوس کر رہی ہوں۔ اس سے قبل میرے زہن میں ایک تردد رہتا تھا۔ میں اپنے مستقبل پر غور کرتی تھی تو بے حد مشکلات نظر آتی تھیں۔ لیکن اب صورتی حال دوسرا ہے۔ اب ایک سکون کا احساس ہوتا ہے۔“

”یہ تو جھی بات ہے۔“ میں نے کہا۔

”دل چاہ رہا تھا ماہیک! آج تمہارے ساتھ شاک ہوم کی جانی پہچانی سیر گا ہوں میں جاؤں اور خود کو مکمل طور پر آزاد سمجھوں۔“

”مناسب نہیں ہو گا ہتھی! ادھر تمہاری ماں اور اُس کا عاشق تمہاری تلاش میں سرگردان ہیں۔ اور میں کوئی ایسا قدام نہیں اٹھانا چاہتا جو میری پلانگ کے خلاف ہو۔“

”گویا یہ مناسب نہیں رہے گا.....؟“

”نہیں.....!“

”بہر حال! ایں یہی بہتر سمجھتی ہوں، جو تم۔ میں تو زندگی کے ہر لمحہ تم سے تعاون کرنے کی خواہش مند ہوں۔ تم جیسے مضبوط سہارے تقدیر سے ملتے ہیں۔“ اُس کے ان الفاظ پر میں نے خاموشی اختیار کی تھی۔ ظاہر ہے، میں اُس بے وقوف لڑکی کی باتوں کا کیا جواب دیتا؟ دوسرا دن میں اپنا کام مکمل کر چکا تھا۔ اور اب میں ریگی سے ایک ملاقات کرنے کے لئے تیار تھا۔ یہ ملاقات میں نے ایک عمدہ نیس زادے کی مانند اُس سے بليو مون میں کی تباہی اور اپنی ساری حشر سامانیوں کے ساتھ موجود تھی.....

میں بے تکلفی نے اُس کے نزدیک جا پہنچا تھا۔ ریگی نے بہت زیادہ تعجب کا اظہار نہیں کیا تھا۔ البتہ اُس نے گھری لگا ہوں سے مجھے دیکھا تھا۔ ”کیا ہم پہلے سے شناسا ہیں.....؟“ اُس نے بھنوں سیکوڑ کر پوچھا۔

"ہاں..... اچھی طرح سے۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"لیکن تم مجھے یاد نہیں ہو۔"

"یقیناً..... ایسا ہی ہو گا۔"

"ایسا کیوں ہے ذیر؟ اور پھر یقین کرو! مجھے ایسے شناساؤں سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی ہے۔ مجھے یاد نہ ہوں۔" ریگی نے پیکٹ سے سگریٹ نکالتے ہوئے کہا۔

"لیکن میں ان لوگوں کو بھی نہیں بھولتا جو نمایاں خصوصیات کے حامل ہوں، جیسے تم یقین کرو ڈیزیریگی! میں تمہارا اچھا دوست بھی ثابت ہو سکتا ہوں اور بدترین دشمن بھی۔" ریگی نے سگریٹ کے دو تین گھرے کش لئے۔ اس دوران اُس کی نگاہیں میرا جائزہ میں رہی تھیں۔ پھر اُس نے شانے اچکائے۔ "تم نہ جانے کیوں یاد نہیں آ رہے؟ اور مجھے اُس بات پر بھی تعجب ہے کہ میرے شناساؤں میں کبھی کوئی غیر معروف انسان نہیں رہا۔"

"تم اس کی وجہ مجھ سے پوچھ سکتی ہو۔"

"تو بتاؤ.....!" وہ گھری ساسی لے کر بولی۔

"وجہ صرف یہ ہے کہ میں تمہیں جانتا ہوں، تم مجھے نہیں جانتیں۔ مالی طور پر میں بھی کمزور نہیں ہوں۔ تمہیں بہت کچھ پیش کر سکتا ہوں۔"

"تمہارے رکھ رکھاؤ سے یہی اندازہ ہوتا ہے، اور یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ میرا تم سے شناسائی کیوں نہیں ہے۔ لیکن کیا چاہتے ہو.....؟"

"تہائی.....!" میں نے جواب دیا اور وہ مسکرا دی۔

"جو کوئی بھی ہو اور جو کچھ بھی ہو، اچھے ہو اور منفرد سے لکتے ہو۔ تمہاری گفتگو میں ایک آہنی اعتقاد ہے۔ اور مجھے ایسے لوگ پسند ہیں۔ میرا خیال ہے تم کل دن میں مجھ سے ملاقات کرو۔"

"اس وقت کیا مصروفیت ہے.....؟"

"بھی مجھے کچھ لوگوں کا انتظار ہے۔"

"لیکن میں یہ کیوں پسند کروں گا ڈیزیریگی! کہ تم کچھ دوسرے لوگوں کو مجھ پر ترجیح دے۔" اور میرا خیال ہے، تکلف کافی ہو گیا۔ اب تم یہاں سے اٹھ جاؤ!

"اوہ.....!" ریگی نے غور سے مجھے دیکھا۔ "تمہارے انداز میں حکم ہے۔"

"یہی سمجھو ڈیزیر! مجھے معلوم ہے کہ تمہارے تینوں کا لے ساتھی یہاں موجود ہیں۔ اس

کے باوجود، میں تمہیں حکم دے رہا ہوں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "ضرورت سے زیادہ واقع کار معلوم ہوتے ہو۔ آؤ، چلیں.....!" اُس نے چکلی بجا کر بیٹھ کو اشارہ کیا اور پھر پرس سے بل کی رقم نکالتی ہوئی بولی۔ "لیکن شرط یہ ہے کہ کچھ کر کے دکھاؤ....."

"آؤ، چلو..... جو کوہ گی، کروں گا۔ تم مجھے اتنی ہی پسند آئی ہو۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا

اور اٹھ کر رکھا ہوا۔ وہ بھی اٹھ آئی۔

"پوچھو گے بھی نہیں کہ میں کیا چاہتی ہوں.....؟"

"زارنگ! ضرورتیں پوری کرنے کے لئے سوچ چمار کیا معنی رکھتی ہے؟"

"بات دولت کی نہیں ہے۔" اُس نے میرے ساتھ باہر نکلتے ہوئے کہا۔

"میں جانتا ہوں۔ تمہارے ذرائع آمدی معمولی نہیں ہیں۔ اس لئے دولت کی تمہیں

زیادہ پرواہ نہیں ہو گی۔" میں نے جواب دیا اور اُس نے ایک بار پھر عجیب سی نگاہوں سے

نیچے دیکھا۔ پھر وہ خاموشی سے باہر نکل آئی۔ میں اُس کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔

"کار ہے تمہارے پاس.....؟" اُس نے پوچھا۔

"ہاں..... موجود ہے۔"

"کہاں چلو گے.....؟"

"تمہاری رہائش گاہ پر۔"

"یہ جانے کے باوجود کہ میرے تین سیاہ فام ساتھی، ہمارا تعاقب کریں گے.....؟"

"دہاں اور کتنے ہیں.....؟" میں نے پوچھا۔

"میری رہائش گاہ پر.....؟"

"ہاں.....!"

"بل! ادماغ درست کرنے والوں میں اُن کے علاوہ کوئی نہیں ہے۔ ویسے میری شرط یہ

کہ اگر تم میرا قرب چاہتے ہو تو اُن تینوں کو درست کر دو۔"

"میں نے کہانا، ہر شرط منظور ہے۔ لیکن کیا تم یہ ہنگامہ اپنی رہائش گاہ پر پسند کرو گی؟"

"کوئی حرج نہیں ہے۔ میرا مکان کافی وسیع ہے۔ لیکن اگر تم وہاں پہنچنے سے قبل ہی

خالے کو نشانا چاہو، تب بھی مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔"

"تب پھر آؤ! کسی سنان راستے کا انتخاب کریں۔" میں نے کہا اور کار شارٹ کر دی۔

”تمہارے آدمی ہمارا تعاقب کر رہے ہوں گے نا.....؟“

”ہاں بے فکر ہو!“ ریگی نے ہستے ہوئے کہا۔ میرے ذہن میں وہی حس بیدار ہوا تھا جاؤ اور زندگی دے دیا زندگی چھین لو۔ مقصد کچھ ہو یا نہ ہو۔

ڈرائیور نگ میں ہی کر رہا تھا۔ ریگی مجھے راستہ بتا رہی تھی۔ آگے ساحلی علاقے کی ایک وسیع و عریض سڑک تھی۔ ریگی نے ایک طرف اشارہ کر دیا۔ ”اس طرف اتار دو۔“

میں نے ایک جھٹکے سے کار سڑک سے اتار دی اور پھر اسے روک لیا۔ اس سفر کے دران میں نے ایک کار کی روشنیاں بدستور اپنے تعاقب پیس دیکھی تھیں۔ اور پھر وہ روشنیاں اُنی چلکے رک گئیں جہاں سے کار میں نے سڑک سے نیچے اتاری تھی۔

”ڈاکٹر کم آن!“ لڑکی نے چھتے ہوئے کہا اور تیوں سیاہ فام بر ق رفتاری سے نیچے پہنچ گئے۔ وہ قوی ہیکل تھے۔ تیوں لڑکی کے پاس آ کر کھڑے ہو گئے۔ ”مارو اسے بارا ہڈیاں توڑ دو.....!“ ریگی نفرت سے بولی اور وہ تیوں ایشیش میں آ گئے۔ ”تم پتوں نہیں استعمال کرو گے۔“ وہ بولی اور میری طرف دیکھنے لگی۔

میں نے کوٹ تک اتارنے کی رحمت نہیں کی تھی۔ بس! ایسا ہی مودھ تھا۔

تیوں سیاہ فام اس انداز میں آگے بڑھے جیسے مجھے پیس ڈالیں گے۔ میں نے کرب دوں ہاتھ رکھے اور پھر جھکائی دے کر گھوم گیا۔ ایک سیاہ فام کی پیڑی پر شوکر پیڑی اور وہی پاؤں دوسرے کی ٹھوڑی پر۔ ایک نیچے بیٹھ گیا اور دوسرا آٹک کر گرا۔ تیرے کو میں نے اچھل کر گردن سے پکڑ لیا۔ میں نے اسے جھکایا اور اچھل کر گھٹانا اُس کی ٹھوڑی پر مارا۔ اُس سے قارغ ہوا تو ایک لات اُس کے سر پر رسید کر دی جو پیڑی کی پکڑ کر بیٹھ گیا تھا۔ اور گھونا اُس کی ناک پر جمایا جو گرنے کے بعد اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

آن تیوں کو بیکار کرنے میں بمشکل ایک منٹ صرف ہوا۔ اور میں اطمینان سے کہا گیا۔ لڑکی دلچسپ نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے آن میں سے ایک ایک کے پاس جا کر انہیں دیکھا اور ما یوی سے ہونٹ سکیڑ لئے۔

”آؤ.....!“ اُس نے مجھے سے کہا اور میں گہری سانس لے کر اُس کے ساتھ چل پڑا۔ اطمینان سے میری کار میں آ کر بیٹھ گئی۔ ”چلو!“ وہ لا پرواہی سے بولی اور میں نے کہ شارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔

”اُن لوگوں کو.....“

”اوہ مجھے اب اُن سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔“ اُس نے میری بات پوری ہونے تھی، جو بعض اوقات ایک ممتاز فطرت کا مظہر ہوتی ہے۔ دل چاہتا تھا کہ خواہ خواہ کسی سے جاؤ اور زندگی دے دیا زندگی چھین لو۔ مقصد کچھ ہو یا نہ ہو۔

”اوہ کہا۔ اور میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ مجھے راستہ بتاتی رہی۔ تھوڑی دیر کے بعد پہلے کہا تھا کہ خوبصورت سی عمارت کے بڑے پھانک سے گزر کر پورچ میں رُک گئی۔

ہر ایک خوبصورت کی عمارت کے بڑے پھانک سے گزر کر پورچ میں رُک گئی۔

”اوہ کافی خوبصورت تھی۔ اور پھر اس قسم کی کاروباری عورت کا مکان اس قدر شاندار عمارت کافی خوبصورت تھی۔ لیکن میں اُس کے کاروبار کو بخوبی سمجھتا تھا۔ اس لئے نہیں کہو بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ لیکن میں اُس کے کاروبار کو بخوبی سمجھتا تھا۔ اس لئے نہیں کہو بھی نہیں ہوئی۔

”عمارت کے خوبصورت ڈرائیور زوم میں پہنچ کر وہ سنجیدگی سے بولی۔ ”اطمینان سے بچوں میں لباس تبدیل کر آؤ۔ کافی یوگے؟“

”نہیں، شکریہ!“ میں نے جواب دیا اور وہ چل گئی۔ میں نے گہری نگاہوں سے ڈرائیور زوم کا جائزہ لیا اور اُس کا انتظار کرتا رہا۔ اُس کے ناٹپ کو میں سمجھ گیا تھا۔ وہ اُن لکیوں میں سے تھی جو حرام کی دنیا میں مکمل ہو چکی ہوتی ہیں اور کسی شخص راستے پر سکون سے ہٹا ہیں۔ پہلے اُس کے بارے میں اس حد تک اندازہ نہیں لگایا تھا، ورنہ اسے اپنے پروگرام میں شامل نہ کرتا۔ مجھے اتنی ٹھوس اور اُوپنچے بیکانے کی کسی لڑکی کی ضرورت نہیں تھی۔ میرا کام نہ معمولی سماحتا ہے کوئی بھی لڑکی انجام دے سکتی تھی۔ لیکن میرے مقصد کے لئے وہ پوری طرح مکمل تھی۔ اس لئے اُس کی طرف توجہ دینی پڑی تھی۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ ایک خوبصورت لباس میں میرے سامنے تھی۔ اُس کے بدن سے بیکھنی خوبصورت تھی۔ لباس اس قسم کا تھا کہ طبیعت میں خواہ خواہ ایک ہیجان پیدا ہو۔ خالائقہ وہ بہت زیادہ حسین نہیں تھی، لیکن پرکش تھی۔ تاہم میں صرف ایک جذباتی انسان نہیں تھا۔ سیکرت پیلس کی تربیت میں ایسی ٹھوس طبیعت تشكیل پا چکی تھی کہ خطرناک ترین نالات میں بھی خود پر قابو پانا مشکل نہ ہو۔

”میرے نزدیک آ کر صوفے پر بیٹھ گئی۔“ کہیں باہر سے آئے ہو.....؟“

”کیوں کیسے اندازہ لگایا؟“

”تفاہی تو نہیں ہو، صورت سے ہی پتہ چلتا ہے۔“

”کیا بیباں غیر ملکی نہیں رہتے؟“ میں نے سوال کیا۔

”ہاں لیکن کارے کی گاڑیاں نہیں رکھتے۔ ایسی کاریں اُنہی لوگوں کے پاس ہوتی

ہیں جو تھوڑے عرصے کے لئے کہیں باہر سے آتے ہیں۔“

”اوہ..... گھری نگاہ رکھتی ہو۔“

”میرے بارے میں اتنی معلومات رکھنے کے باوجود یہ بات نہیں جانتے؟“ وہ لفڑی اس کی طرف متوجہ ہو گئی۔ میں نے اُسے اپنی ریکارڈ کی ہوئی پوری گفتگو سنائی اور پھر یہ انداز میں مسکرائی۔

”ہاں..... جانتا چاہئے۔ لیکن اب اس کا کیا، کیا جائے کہ میں صرف ایک حد تک کہیں تو جو دیتا ہوں۔ بس اتنی، جتنی ضرورت ہو۔“ میں نے جواب دیا۔

”میرے پیچے کہاں سے پڑ گئے؟ کیا قصور ہو گیا مجھ سے.....؟“ اُس نے محبا نماز ”نہیں!“ میں کہا۔

”تو پھر..... یہ سب کیا ہے؟“ اُس نے بے چینی سے پوچھا۔

”میری لائی ذرا مختلف ہے۔ اور تمہارے اندازے کے مطابق میں تمہارے شہر میں اپنی ہوں، اس لئے مجھے چند مقامی ہمدردوں کی ضرورت ہے۔“

”میں نے تمہارے لئے تھوڑی سی محنت کی ہے۔ دراصل مجھے تم جیسی ذہین لڑکی ضرورت تھی۔ پہلے تمہارے بارے میں میرا اندازہ تھا کہ تم ایک ذہین قسم کی ایسی لڑکی ہو جو عدہ زندگی گزارنے کی خواہش مند ہوتی ہے۔ چنانچہ میں نے اپنے کام کے لئے تھیں ایک نئی دوستی مدد، تمہارا تعاون حاصل کرنے کے لئے کی ہے۔ اس کے باوجود کہ یہ چیزیں معقول رقم دینے کا فیصلہ کیا تھا۔ لیکن پھر جب قریب سے تمہارے ذریعہ معاش کو دیکھاں تو میں تھیں معقول معاوضہ ادا کر سکتا ہوں۔“

”مجھے اپنا فیصلہ بدلا پڑا۔“

”قریب سے میرا ذریعہ معاش دیکھا؟“ لڑکی نے گھری نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے ”نہیں پر جیب کی جخالت ابھر آئی۔“ ”تو..... تو تم..... صرف مجھے.....“

”جنمیں میں تم سوچ رہی ہو، اُن میں نہیں، مجھے تمہارے اس خوبصورت لباس اور کہا۔“

”تم نہایت عمدگی سے بلیک میلنگ اسٹاف تیار کرتی ہو۔ اور ظاہر ہے، تم نے بہت سارے کام کے حسین ماحول سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔“ میں نے لا پرواہی سے کہا اور لڑکی مرغے پھانس رکھے ہوں گے۔“

”لڑکی کے چہرے کی غنگٹی غائب ہو گئی۔ اُس کے انداز میں خشونت کی آگئی تھی۔ کیا نام: سانکھ کمری ہوئی اور یوں۔“

”میں..... میں غلط فہمی کا شکار ہو گئی تھی۔ مجھے اجازت دو، لباس تبدیل کر آؤں۔“

”اوہ، نہیں ذار لنگ! اب ایسا بھی نہیں۔ تمہارے اس لباس سے ہمارے درمیان مزید پہنچی بیدار ہو سکتی ہے۔“

”اوہ کیا..... بلیک میلنگ کی کیا بکواس ہے؟“

”اوہ، ڈیزیر! یہ میری عادت ہے کہ جب میں کوئی بات کرتا ہوں تو اس کے لئے یہ شہوش بہوت رکھتا ہوں۔ یہ تصویریں پرسوں رات کی ہیں۔“ میں نے جیب سے کچھ تھوپیں نکال کر اُس کی طرف اچھال دیا۔

”اسے سنبھالو..... دلکھ لو! اس میں پوری آٹھ گولیاں موجود ہیں۔ مقصود یہ ہے کہ میں نکال کر اُس کے حوالے کر دیں اور وہ پریشان نگاہوں سے انہیں دیکھنے لگی۔ اُس کے انداز نکال نہیں سکتا۔“

”لیکن تمہیں میری ذات سے کیا دلچسپی ہے؟ تم تو اپنے کام کے لئے آئے تھے۔ تم من مجھے بیگ میل کر کے اپنا مقصد پورا کرنا چاہتے تھے.....؟“
 ”وہ ایک الگ بات تھی ڈارلنگ!“ میں نے کہا اور بخشش تمام میں اُسے راہ پر لاسکا۔
 ”ری اس بات پر بہت برا فروخت تھی کہ میں اُس کی شخصیت اور اُس کے حسن سے متاثر نہیں ہوا۔ بہر حال! میں نے محosoں کر لیا کہ جرام پیشہ ہونے کے باوجود وہ کسی حد تک جذباتی ہے۔ اگر عدہ ماحول میں وہ میرے لئے کام کرنے پر آمادہ ہو جائے تو زیادہ بہتر ہے۔“
 چنانچہ ایک عدہ ماحول مہیا کرنے کے لئے میں نے پوری پوری کوشش کی۔ اور رات کے آڑی پہر میں لڑکی پوری طرح میری ذات سے متاثر ہو گئی۔ جس کا ثبوت اُس کی حرکات ہے ملتا تھا۔ دوسری صبح اُس نے میرے لئے ناشستہ تیار کیا۔ رات کا تکدر اب دور ہو چکا تھا۔
 ”تمہارے وہ تین ساتھی رات کو نہیں آئے؟“

”نام نہ لو ان کا میرے سامنے۔ خود کو ناقابل تسبیح سمجھتے تھے۔“ اُس نے جملائے ہوئے لمحے میں کہا۔

”تو کیا بات تم انہیں چھوڑ دو گی؟“

”وہ جانتے ہیں کہ میں اُن سے کتنی ناراض ہوں۔ اس لئے وہ یہ تھی عشرے مجھے اپنی شکل نہیں دکھائیں گے۔ اور پھر بعد میں یہی بہانہ کرتے ہوئے آئیں گے کہ اتفاق سے وہ اُس رات زیادہ پل گئے تھے۔“

”خوب..... لیکن انہوں نے تمہاری خبر بھی نہیں لی۔ ممکن ہے، تم کسی مصیبت میں گرفتار ہو گئے ہوئے۔“

”اُس دور میں اتنا وفادار کوئی نہیں ہوتا۔ سب پہلے اپنے بارے میں سوچتے ہیں۔“ اُس نے لاپرواہی سے کہا۔ پھر بولی۔ ”کیا کام ہے تمہارا..... تم بتاؤ!“

”اُس کے لئے ایک شرط ہو گئی ریگی!“ میں نے کہا۔
 ”کیا.....؟“

”تم میرے کام پر آمادہ ہو یا نہ ہو، لیکن اسے راز رکھو گی۔“

”اگر میں آمادہ نہ ہوں تو میرے اور پرواہ ہو گا.....؟“

”قطعی نہیں۔ کیونکہ یہ کام دباو کا نہیں ہے۔ میں نے اسی لئے معاوضہ کی بات کی تھی۔“

”میں صرف لباس تبدیل کرنے جا رہی ہوں۔ اُس نے پستول ایک طرف اچھا اُس کے انداز میں جھنجھلا ہٹھی۔ نسوانیت کی شکست کی جھنجھلا ہٹھ۔ لیکن تم مجھے اسی میں ہی خوبصورت لگ رہی ہو۔“ میں نے کہا اور وہ جلتی ہوئی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی۔ ”ان فضول باتوں کی اب ضرورت نہیں ہے۔ مطلب کی بات کرو۔“

”کیا کام ہے؟“

”پند لوگوں کو تمہارے ذریعے یوقوف ہانا چاہتا ہوں۔ اس کے لئے ایک تو پروگرام ہے۔“

”کون لوگ ہیں..... اور مقصد کیا ہو گا؟“

”بہت معمولی سا۔“

”میری اصلاحیت سے واقف ہو کر وہ لوگ مجھے نقصان پہنچا سکتے ہیں۔“

”تم جیسی ذہین لڑکی کی اصلاحیت معلوم کرنا آسان کام نہیں۔ اس کے علاوہ تم ایک لڑکی کا کردار ادا کر دیگی۔“

”ہوں.....!“ وہ کچھ سوچنے لگی۔ پھر اُس نے گردن ہلائی۔ ”تمہارا کام ہونے کے اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ تم یہ چیزیں مجھے واپس کر دو گے.....؟“

”یہ صرف تمہیں تیار کرنے کی ایک کوشش تھی۔ ورنہ یہ چیزیں تمہیں کام ہونے سے بھی مل سکتی ہیں۔ اس کے علاوہ میں تمہیں ایک معقول معاوضے کی پیشش بھی کر سکتا ہوں۔“

”اب اس کی گنجائش ہے.....؟“ اُس نے ہونٹ سکوڑتے ہوئے کہا۔

”پوری پوری گنجائش ہے۔“

”نہیں..... مجھے کسی معاوضے کی ضرورت نہیں ہے۔ اب اپنا کام بتاؤ! رات زیادہ جا رہی ہے۔ میں آرام کر دوں گی۔“

”اور میرے لئے کیا حکم ہو گا.....؟“

”بس..... اب تم جاؤ یہاں سے۔“

”نہیں خالقان! آپ بھول رہی ہیں۔ اُن تینوں کی پیائی کا معاوضہ بھی تو در کار ہو گا۔“

”کیا مطلب.....؟“

”آپ نے ایک شرط رکھی تھی۔“

"پھر بلیک میلنگ کی کیا ضرورت پیش آگئی؟"

"صرف اس لئے کہ کام شروع کرنے کے بعد تم غداری پر آمادہ نہ ہو جاؤ۔"

"اس کا کیا سوال ہے؟ بہر حال! اب کام کے بارے میں بتاؤ۔" اس نے کہا اور میر نے اینڈریا فرگوسن کی کہانی تھوڑے سے رد و بدل کے ساتھ سنادی۔

"اوہ..... میں مسٹر فرگوسن کو جانتی ہوں۔"

"ہاں! وہ مشہور شخصیت ہے۔"

"لیکن انوکھی کہانی ہے۔ بہر حال! میں خلوصِ دل سے تیار ہوں۔ مجھے کیا کرنا ہوگا؟"

"فی الحال کچھ نہیں۔ لیکن جو پروگرام میرے ذہن میں ہے، اس کے تحت ممکن ہے جو تمہاری ضرورت پیش آجائے۔ اس وقت تمہیں اینڈریا کے میک اپ میں آنا ہوگا۔ ممکن ہے میں تمہیں سلویا فرانٹ کے سامنے پیش کر دوں۔ تم ایک مضبوط حیثیت سے اُس کا سامنا کر گی۔ جب کہ وہ بزدل لڑکی خوفزدہ رہے گی۔"

"اوہ..... یہ بات ہے۔" ریگی نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

"ہاں ڈیزیریگی! اور بہر صورت! ہمیں یہ کام انجام دینا ہی ہے۔"

"ٹھیک ہے..... میں تیار ہوں۔ لیکن سلویا فرانٹ کیا بہت خطرناک عورت ہے؟"

"ہاں..... اس کے ساتھ اُس کا ایک معاون ہے، جس کا نام ہاکن ہے۔ بہر صورت! وہ لوگ ضرورت سے زیادہ چالاک تو نہیں۔ لیکن ممکن ہے کہ ہاکن کے کچھ مددگار بھی ہوں گے۔ اور وہ تمہارے لئے خطرناک ثابت ہونے کی کوشش کریں۔ ایسی صورت میں تمہارا واسطہ کسی خطرناک گروہ سے نہیں پڑے گا۔ تاہم! تم ہوشیار، رہو گی۔"

"ٹھیک ہے..... میں تیار ہوں۔ جس وقت بھی تم مجھے اس کام کے لئے کہو گے، مجھے آمادہ پاؤ گے۔"

"بہت بہت شکر یہ ریگی! میرا خیال ہے، اب ہمارے ذہن سے ساری تمنیاں ڈھانی چاہئیں۔"

"میں تو ذہن سے فراموش کر چکی ہوں۔"

"میں تمہارا شکر گزار ہوں۔" میں نے چائے کا آخری گھونٹ حلق میں انڈلیے ہوئے کہا۔

"اب تم مجھے اپنے بارے میں بتاؤ!" ریگی نے بھاری لمحے میں کہا۔ یوں لگتا تھا، یہ۔

ب اس کی ناراضگی ذور ہوئی ہو۔

"اپنے بارے میں کیا بتاؤں ڈیزیر.....؟ بس! اتنا بتا چکا ہوں کہ ایک آوارہ گرد ہوں۔"

پندریا فرگوسن مل تھیں، انہوں نے ایک معقول معاوضے پر میری خدمات حاصل کیں اور میں ان کے لئے کام کرنے پر آمادہ ہو گیا۔ لیکن بعض کاموں کے لئے مددگاروں کی ضرورت بھی ہوتی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ جو معاوضہ میں، اینڈریا فرگوسن سے وصول کروں

ذرا اُس میں تھا را بھی کچھ حصہ ہو جائے تو کیا حرج ہے؟"

"یہ ب بعد کی باتیں ہیں۔ لیکن کیا اینڈریا فرگوسن سے تمہارا تعلق صرف اتنا سا ہی ہے؟"

"کیا مطلب.....؟" میں نے تجھ سے پوچھا۔ عورت کے اس سوال کو میں بخوبی سمجھتا تھا۔

"میری مراد ہے کہ کیا تم اُس سے کوئی جذباتی رشتہ بھی رکھتے ہو؟" ریگی نے عجیب سے انداز میں سوال کیا۔

"نہیں....." میں نے مھوس لمحے میں جواب دیا۔

"چ کہہ رہے ہو؟"

"ہاں.....!"

"کیا واقعی.....؟" ریگی کے لمحے میں حیرانی تھی۔

"ہاں..... اس میں جھوٹ کی کیا بات ہے؟"

"کیا وہ بھی تم سے متاثر نہیں ہے؟" ریگی نے سوال کیا۔

"ڈیزیریگی! بعض اوقات انسان کچھ ایسے لوگوں کے ساتھ بھی اچھا نباہ کرنے کو تیار ہو جاتا ہے جس سے اُن کا کوئی ذہنی یا قلبی تعلق نہیں ہوتا۔ اب اگر کوئی دوسرا تم سے متاثر ہو تو شروری نہیں ہے کہ تم اب اُس تاثر کے جواب میں وہی تاثر پیش کرو جو دوسروں کے لئے ہے، یا جس کا وہ طلب گار ہے....."

"بات اینڈریا فرگوسن کی ہو رہی تھی۔" ریگی نے بات درمیان سے کافی اور مجھے بھی کم کر دے یو تو فوٹو فوٹو لڑکی نہ جانے کیا سمجھ رہی تھی؟ بہر حال! میں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"اگر اینڈریا مجھے سے متاثر ہے تو اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ میرا اور اُس کا تعلق

صرف اتنا ہے کہ اُس نے کسی سلسلے میں میری خدمات حاصل کی ہیں۔ اور میرا نام ماٹھ ہے۔“ ان کے ساتھ رات گزارنا پڑی۔ معافی چاہتا ہوں۔“ میں نے اس طرح کہا جیسے کوئی سعادت مند شہر اپنی بیوی کے آگے بہانے تراشتا ہے۔ اور اینڈریا منہ بچلائے ہوئے مجھے بھتی رہی۔ حالانکہ اُس حق لڑکی کو میں صاف بتا چکا تھا کہ میں اُس کی منزل نہیں بن سکتا۔

لہناب بھی وہ بیویوں کی باتیں کرتی تو میں کیا کر سکتا تھا؟

”تم ناشتہ کرو اینڈریا! میں تھوڑی دیر آرام کرنا چاہتا ہوں۔“

”جائے رہے ہو گے ساری رات.....؟“

”ہاں.....!“ میں نے جواب دیا۔

”میں ناشتہ نہیں کروں گی۔“

”تمہاری مرضی.....!“ میں آہستہ سے بولا اور اپنے بستر پر پہنچ گیا۔ لباس وغیرہ تبدیل کر کے میں نے سونے کی تیاریاں کر لی تھیں۔

ایندریا، تھوڑی دیر تک مجھے دیکھتی رہی۔ لیکن میں نے کروٹ بدلتا۔ اب یہ لڑکی خداوند کے خزرے کرنے لگی ہے۔ اب خود اسے بھوک لگے تو ناشتہ کر لے گی۔ آخر میں کیوں اس کے خزرے اٹھاؤں؟ پتہ نہیں اتنا اکڑتی کیوں تھی؟ میں اُس کا جو کام کر رہا تھا، اُس میں مجھ کی بہت بڑے منافع کی توقع نہیں تھی۔ لیکن مسز فرگوسن سے جو کچھ وصول کر چکا تھا، وہ اتنا تھا کہ اس پورے کیس کو مننانے کے بعد بھی اپنے آپ کو گھائٹے میں محسوں نہ کرتا۔ میں نے ساری رقم محفوظ کر دی تھی۔ اور پھر میں دو پہر تک سوتا رہا۔

لنج کے وقت میری آنکھ خود بخود کھل گئی۔ میں نے اینڈریا فرگوسن کی طرف دیکھا، وہ موٹے پر دراز ایک میگزین کے مطالعے میں مصروف تھی۔ چہرہ سلگ رہا تھا۔ میں نے ویٹر کو بلا اور لنج کا آرڈر دے دیا۔ اس میں اینڈریا کے لئے بھی لنج تھا۔

”میں کھانا بھی نہیں کھاؤں گی۔“

”کیا مطلب..... کیا تم نے ناشتہ نہیں کیا؟“ میں نے سوال کیا۔

”نہیں.....!“ وہ جھکے دار لجھ میں بولی۔

”کیوں.....?“

”تم ناشتہ کر کے آئے تھے نا.....؟“

”ہاں.....!“

”میں تو پھر میں لنج بھی نہیں کروں گی۔“

”اوہ.....!“ ریگی آہستہ سے بولی۔ اُس کے چہرے پر نہ جانے کیوں سکون سا پیلے ہے۔“

”اوہ.....!“ ریگی آہستہ سے بولی۔ اُس نے اس سکون کو حیرت سے دیکھا۔

”لیکن ریگی! تم یہ سوالات کیوں کر رہی ہو؟“

”یہاں عوت کی فطرت کام کر رہی ہے۔“ ریگی نے عجیب سے انداز میں کہا۔

”مجھے سمجھاؤ.....!“

”پچھے نہیں..... میں صرف یہ معلوم کرنا چاہتی تھی کہ کوئی لڑکی، تمہیں مجھ سے زیاد ایک پریس کر سکی ہے؟ اگر کسی کی تینیت میرے برابر ہے تو اُس میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن وہ، جو مجھ سے بڑھ جائے، میں اُس کے بارے میں جانے کی خواہش مند تھی۔ اسی لئے میں نے تم سے اس کے بارے میں اتنے سوالات کئے۔“ ریگی نے مگرنا ہوئے کہا۔

”اُسکی کوئی بات نہیں ہے ریگی!“ میں نے کہا۔ پھر میں اُس سے اجازت لے کر اٹھ گیا۔ ریگی مجھے مکان کے دروازے تک چھوڑ نے آئی تھی۔

ساری رات، ریگی کے ساتھ گزارنے کے بعد اب اینڈریا کی خبر لینا بھی ضروری تھا چنانچہ میں اینڈریا کی طرف چل پڑا۔

ایندریا، میری منتظر تھی۔ مجھے دیکھ کر اُس نے عجیب سی شکل بنالی اور میرے ہونٹوں؛ مسکراہٹ پھیل گئی۔ خوب ہیں یہ لڑکیاں بھی۔ ہر کس و ناکس پر اپنا حق جانا لگتی ہیں۔“ اس قسم کی ادائیں دکھاتی ہیں کہ انسان اُن پر نہیں بغیر نہ رہ سکے۔

”ناشستہ کر لیا تم نے اینڈریا.....؟“

”نہیں.....!“ اُس نے بھاری لجھ میں جواب دیا۔

”کیا بات ہے..... تمہاری طبیعت کچھ خراب ہے کیا؟“

”نہیں.....!“ وہ پھر اسی انداز میں بولی اور مجھے ہنسی آگئی۔

”ناشستہ کیوں نہیں کیا.....؟“

”بس نہیں کیا..... تم ساری رات کہاں رہے؟“

”اوہ.....!“ میں نے مخترے انداز میں آنکھیں نچاتے ہوئے کہا۔ ”کچھ دوست ملے“

”لیکن کیوں.....؟“ میں نے ذرا سختی سے پوچھا۔

”بس.....میری مرضی۔“ اینڈریا نے جواب دیا اور میں اس کے نزدیک پہنچ گیا۔

”ایندھریا فرگون! کیا میرے اور تمہارے درمیان صاف گفتگو نہیں ہوئی؟“

”کیسی گفتگو.....؟“

”یہی کہ میں زندگی کی منازل میں کبھی تمہارا ساتھ نہیں دے سکوں گا۔ اور تم نے اب

بات کو خلوص دل سے تسلیم کر لیا تھا۔ پھر اس کے بعد ان باتوں کی کیا ضرورت ہے؟“

کیوں.....کیا دوستوں کے ایک دوسرے پر حقوق نہیں ہوتے؟“

”بالکل ہوتے ہیں۔“

”تو پھر.....؟“

”ایندھریا! سوچو۔۔۔ اگر مجھے، میرے کچھ دوست مل گئے، میں نے ان کے ساتھ ران گزاری تو اس میں کیا حرج تھا؟ یوں بھی آج کل میں کام میں مصروف ہوں۔ مسڑگوں کے سلسلے میں کچھ اقدامات کرنے ہیں۔ اس کے لئے مجھے کچھ ساتھیوں کی تلاش تھی، پناجھ میں مصروف رہا۔“

”اوہ..... تو گویا تم میرے ہی کام سے گئے تھے۔“ اینڈریا کے ماتھے کی شکنیں کچھ کم ہو گئی تھیں۔ اس نے اپنے آپ کو مطمئن کرنے کی کوشش کی تھی، یہ بات میں سمجھ گیا تھا۔ اس سے اس کی شخصیت کا ایک پہلو نمایاں ہو رہا تھا اور وہ محسوس کر رہی تھی کہ میں اس سے اتنا لگاؤ رکھتا ہوں کہ اس کے لئے کچھ نہ کچھ کرتا رہتا ہوں۔ بہر حال! یہ سوچ اگر اس کی تھی تو اس کی اپنی ہی تھی، میری نہیں۔ میں تو صرف وقت ٹالنا چاہتا تھا۔

میرے نے لفظ لگادیا تھا اور ہم کھانے میں مصروف ہو گئے۔ اینڈریا خاموش خاموش تھی۔

پھر اس نے خود ہی اُکتا کر پوچھا۔ ”تو پھر اب ڈیڈی کے سلسلے میں تم کیا کر رہے ہو؟“

”بس..... ان سارے معاملات کو فائل ٹیکھ دے رہا ہوں۔ تم یہی قلری سے کوشش کر

تمہارے لئے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ ہاں! میں فوری طور پر ایسی جگہ کا انتظام کرنے کی کوشش کر رہا ہوں، جہاں تم اٹھیناں سے رہ سکو۔ بشتر طیکہ تم اس ہوٹل سے اُکتا نہ گئی ہو۔“ میں نے کہا۔

”نہیں، نہیں..... میرا خیال ہے کہ ہوٹل زیادہ موزوں ہے۔ تھا جگہ میں، میں الجہاں

گی..... اور پھر یہاں مجھے کوئی پہچان بھی نہیں رہا ہے۔ لیکن تمہیں سخت ہوشیار رہنا ہوگا۔“

”ٹھیک ہے..... اگر تم مناسب محسوس کرتی ہو تو ٹھیک ہے۔ لیکن تمہیں پھر بھی اختبا کرنا

”بلکہ.....“ ”لکرنہ کرو مائیک! بالآخر میں ان لوگوں کو کافی عرصے تک چکر دیتی رہوں گی۔“

”ہاں..... میں جانتا ہوں۔ اور اسی لئے میں، تمہاری طرف سے زیادہ فکر مند نہیں

ہوں۔“ میں نے کہا اور پھر ہم کھانے میں مصروف ہو گئے۔

”ہاں..... میں نے ختم کیا گیا۔ اس کے بعد میں اینڈریا فرگون کو چھوڑ کر پھر باہر آگیا۔ ظاہر

خاموشی سے ختم کیا گیا۔ اس کے بعد میں اینڈریا فرگون کو چھوڑ کر پھر باہر آگیا۔ ظاہر

ہے، میں اس سے ان ساری باتوں کی اجازت تو نہیں دے سکتا تھا۔

اب مجھے کچھ اور کام کرنے تھے۔ اس سلسلے میں، میں ایک اشیٹ بروکر سے ملا۔ اور اس

کی عدم سامکان کرائے پر لینے کی فرمائش کی۔

”کتنے عرصے کے لئے مکان درکار ہے.....؟“

”قریباً ایک ماہ کے لئے۔“

”ایک مکان فوری طور پر ملتا ہے۔ بہت خوبصورت اور شاندار ہے۔ لیکن کرایہ بہت

زیادہ ہو گا۔“

”مجھے اس کی چابی درکار ہے۔“ میں نے جواب دیا اور تھوڑی دیر کے بعد میں بروکر کے

ساتھ مکان دیکھنے جا رہا تھا۔ مکان مجھے بہت پسند آیا اور میں نے اسے حاصل کر لیا۔ اس

کے بعد میں کافی دیر تک آوارہ گردی کرتا رہا۔ اور پھر میں نے سلویا فرائن کی طرف رخ کیا۔

اور تھوڑی دیر کے بعد میں اس تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ سلویا، مجھے دیکھ کر چوک پڑی

تھی۔

”تم.....؟“ اس نے بھاری لبچے میں کہا۔

”ہاں، مادام سلویا.....! آپ نے ایک کام میرے سپرد کیا تھا۔“

”ہاں.....!“

”آپ نے مجھ پر بھروسہ نہیں کیا۔ اس طرح ہمارے درمیان معاهدہ ختم ہو گیا۔“

”کیا مطلب.....؟“

”تاکن نے میرا تعاقب کیوں کیا تھا.....؟“

”اوہ.....تاکن گدھا ہے۔ وہ..... وہ اپنی مرضی سے ہر کام کر ڈالتا ہے۔ جبکہ میری

ٹرنس سے ایسی کوئی ہدایت نہیں تھی۔“

”لیکن آپ نے ایسے گدھے کیوں پال رکھے ہیں.....؟“

”بس..... وہ میرا عزیز ہے۔“

”لیکن میرا اس سے کوئی رشتہ نہیں ہے۔“

”کیا مطلب ہے.....؟“

”میں چاہتا ہوں، تم اسے قتل کر دو۔“

”کیا بکواس ہے.....؟“

”ہاں، مسز فرگون! میں یہی چاہتا ہوں۔“

”لیکن کیوں.....؟“

”بس..... یہ میری خواہش ہے۔ اور کسی خواہش کا بعض اوقات کوئی جواز نہیں ہوتا۔“

”کیا تم پاگل ہو گئے ہو.....؟“

”کیوں..... میں نے پاگل پن کی کون سی بات کہی ہے.....؟“ میں نے مکراتے ہوئے

پوچھا۔

”ہاکن مجھے دل سے عزیز ہے۔ میں اسے کس طرح قتل کر سکتی ہوں.....؟“

”کیا تمہیں اس کی زندگی خود سے زیادہ عزیز ہے.....؟“

”تم..... تم مجھے دھمکی دے رہے ہو.....؟“

”یہی سمجھ لیں مسز فرگون! بہر حال! آپ کو اسے قتل کرنا ہو گا۔“

”یہ ناممکن ہے۔ اور تم بکواس مت کرو۔ ورنہ میں تمہارے لئے بھی بندوبست کر کر ہوں۔ تم مجھے اتنا بے دست و پامت سمجھو۔“

”ہارلو کا پورا اگر وہ تمہارے پیچے پڑ جائے گا۔ اور میرا خیال ہے کہ تم ہارلو کے بارے میں پورے طور سے نہیں جانتیں۔“

”تم نے میرے کام کا کیا، کیا، جس کے لئے تم نے مجھ سے اتنی بڑی رقم دھول کی

ہے۔“ مسز فرگون نے جھنجلائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

”وہ بھی ہو جائے گا۔ لیکن پہلے اس سلسلے میں جواب دو۔“

”تم..... تم جاؤ یہاں سے۔ ورنہ اچھا نہیں ہو گا۔ جاؤ! چلے جاؤ..... ورنہ میں تمہیں گواہ مار دوں گی۔“

”مسز فرگون! یہ آپ کی آواز کا شیپ ہے، جس میں آپ نے مجھے ہدایت دی ہے کہ میں اینڈر ریا کو قتل کر دوں..... سن لیں!“ میں نے جیب سے تھا سائیپ ریکارڈر نکال کر شیپ:

”یا اور سلوپیا کا چہرہ ناریک ہو گیا۔“

خوبی دیکے بعد میں نے شیپ بند کر دیا اور مسز فرگون کی طرف دیکھنے لگا۔ مسز فرگون

نے سر پکڑ لیا تھا۔ پھر وہ تھہرے تھہرے لہجے میں بولی۔ ”تمہیں اس کی ضرورت کیوں پیش

نہیں کیا؟“

”بل..... میں اسی قسم کا آدمی ہوں مسز فرگون! بعض اوقات میرے ذہن پر جنون سوار

بوجاتا ہے۔ اب میری یہ خواہش ہے کہ تم ہاکن کو قتل کر دو۔ اور ہاکن کو میری اس خواہش کا

مل ہو تو تم دونوں کو زندگی بھر منہ چھپانے کی جگہ نہیں ملے گی۔“

”یہ تمہارا پاگل پن ہے۔“ وہ چیختی۔

”مجھے اس کا اختلاف ہے۔“ میں نے جواب دیا۔

”اوہ..... اوہ! کیسی باتیں کر رہے ہو؟ یہ کسی طور ممکن نہیں ہے۔“ اس کی حالت خراب

ہو رہی تھی۔

”میں جانتا ہوں مسز فرگون! بہت جلد تم سے فون پر رابطہ قائم کروں گا۔ اس وقت میری

آخری وارنٹ ہو گئی تمہارے لئے۔“

”سنوا وہ شیپ مجھے واپس کر دو۔ میں تمہیں اس کی منہ مانگی قیمت ادا کرنے کو تیار

ہوں۔“ اس نے انتباہ آمیز لہجے میں کہا۔

”یہی شیپ واپس مل جائے گا مسز فرگون! لیکن اس کے لئے شرط وہی ہے۔“ میں نے

کہا اور بھر میں وہاں سے باہر آگیا۔ مسز فرگون کے پیروں میں اتنی جان نہیں تھی کہ وہ انھوں

کریما تھا۔ میں نے چند ساعت زکر اس کے کسی اقدام کا انتظار کیا۔ لیکن

مسز فرگون بھی کچھی ہو گئی کہ میں چلا گیا ہوں۔ ہاکن اس وقت موجود نہیں تھا۔ چنانچہ میں

ٹھیکان سے مسز فرگون کے پاس پہنچ گیا۔ مسز فرگون کی حالت زیادہ بہتر نہیں تھی۔

”مسز فرگون! اگر مجھ سے سوالات کے بغیر آپ میرے ساتھ چلانا پسند کریں تو آپ

کے لئے بہتر ہو گا۔“

”کیا مطلب..... تم کون ہو؟“

”آپ کا ایک ہمدرد..... لیکن وقت ضائع نہ کریں۔ ورنہ زندگی بھر کف افسوس ملیں

گے۔“

”تم مجھے کہاں لے جاؤ گے.....؟“

پلان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ یوں سمجھو! میں تمہاری پریشانیوں کا خاتمہ کرنے کے لئے میدانِ عمل میں آیا ہوں۔ کیا تم ایک طرح سے ان کے قیدی نہیں تھے؟“
”کس کے؟“ فرگون نے کراہتے ہوئے پوچھا۔

”سلوپیا فرائن اور ہاکن کے۔“
”آہ..... آہ! ان باتوں سے تمہاری واقفیت مجھے اور پریشان کر رہی ہے۔ تم تو بہت کچھ

باتے ہوں،

”بہت کچھ نہیں، سب کچھ.....!“

”لیکن کس طرح.....؟“ بوڑھا خاموش نہیں ہوا تھا۔ میں اُس کی ذہنی کیفیت سمجھ رہا تھا اور میرا مودھ خراب نہیں ہوا تھا۔

”تم خود سوالات کے جار ہے ہو، میرے سوال کا تم نے ایک بار بھی جواب نہیں دیا۔“
”کون سے سوال کا.....؟“

”لیکن تم اُن کے قیدیوں کی مانند زندگی نہیں گزار رہے تھے؟“
”ہاں..... یہ حقیقت ہے۔ بظاہر میرے اور پرکوئی پابندی نہیں تھی۔ لیکن مجھے ہدایات تھیں کہ کسی سے میں کوئی گفتگو نہ کروں۔“

”اُن دونوں کی.....؟“

”ہاں.....!“ بوڑھا ایک مٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

”لیکن مسٹر فرگون! آپ نے اتنے چالاک لوگوں کے خلاف معمولی سی کارروائی کی تھی۔“
”اپ نے یہ نہیں سوچا کہ وہ اینڈریا کا تعاقب بھی کر سکتے تھے۔ اُسے تلاش بھی کر سکتے تھے۔“
”بعد میں مجھے اپنی حماقت کا احساس ہوا تھا۔ خدا کے لئے یہ تو بتا دو! کہ میری بچی خیریت سے تو ہے؟“

”ہاں..... اور میں اُس کے لئے کام کر رہا ہوں۔“ میں نے جواب دیا۔

”تم..... تم میری بچی نے محافظت ہو۔ آہ! میں کس دل سے تمہارا شکریہ ادا کروں..... وہ بالکل خیریت سے تو ہے نا.....؟“

”ہاں.....!“

”وہ ہے کہاں؟ کیا میں اُس سے ملاقات کر سکتا ہوں؟“ بوڑھے کا انداز بچوں جیسا تھا۔
”ہاں..... میں تمہیں اُس سے ملا دوں گا۔ تم مطمئن رہو!“ اور بوڑھا بہت خوش نظر آنے

”ایک ایسی جگہ، جہاں آپ کے کچھ ہمدرد موجود ہیں۔“

”میرے دوست! ساری دنیا میں میرا کوئی ہمدرد نہیں ہے، تم کون سے ہمدرد کی بات رہے ہو؟ اصل بات کہو! میں تم سے تعاون کروں گا۔“ مسٹر فرگون نے تلخ لمحہ میں کہا۔

”آخری ہڑتکہ رہا ہوں..... مسٹر فرگون! میرے ساتھ تعاون کریں۔“

”کیا تم اُس ہمدرد کا نام نہیں لو گے؟“

اور مسٹر فرگون کو جیسے کرنٹ لگا۔ وہ جلدی سے اٹھ گئے تھے۔
”اک..... کیا..... مطلب..... کیا مطلب.....؟ وہ..... وہ.....“

”صرف اٹھ سکنڈ باقی رہ گئے ہیں۔“

”مجھے سہارا دو، پلیز! میں کمزور آدمی ہوں..... میں تیار ہوں۔ مجھے لے چلو! مجھے ہا دو!“ مسٹر فرگون کی حالت عجیب ہو گئی تھی۔ بہرحال! میں نے اُنہیں سہارا دیا اور پھر انہیں باہر لے آیا۔ چند لمحات کے بعد میری کار، برق رفتاری سے دوڑ رہی تھی۔ اس وقت بہتر کامیابی نصیب ہوئی تھی۔

مسٹر فرگون کا بدن ہو لے کا نب رہا تھا۔ ”بتا دو.....! خدا کے لئے بتا دا کیا، حقیقت ہے؟“

”کون سی حقیقت کے بارے میں پوچھ رہے ہیں مسٹر فرگون.....؟“

”تم نے اینڈریا کا نام لیا تھا۔“

”ہاں..... اینڈریا فرگون ایک ٹھوس حقیقت ہے۔“ میں نے جواب دیا۔

”م..... میرا مطلب ہے کہ کیا وہ واپس آگئی ہے؟ اور تم..... تم اُسے کس طرح جانے ہو؟“

”ہوں.....!“ میں نے ایک گہری سانس لی۔ ”میں تو بہت کچھ جانتا ہوں مسٹر فرگون۔ لیکن آپ اتنے بے بس کیوں ہو گئے.....؟“

”کس سلسلے میں..... بتاؤ! کس سلسلے میں؟ تم ہر بار ایسی بات کہتے ہو کہ میں پہلے زیادہ اُلچھن میں گرفتار ہو جاتا ہوں۔“ فرگون نے جواب دیا۔ میں نے محضوں کیا کہ اُن کے انحصار درست نہیں ہیں۔ چنانچہ مجھے اُس بوڑھے پر حرم آ گیا۔

”میرا خیال ہے، کچھ دیر صبر کرو مسٹر فرگون! میں تمہیں سب کچھ بتا دوں گا۔“

لگ۔ اس کے بعد وہ خاموش ہو گیا۔ میں اُسے لے کر اُس مکان میں پہنچ گیا۔ بوڑھے آنکھوں میں امید کی جھلکیاں تھیں۔

”کیا وہ بھی تھیں ہے.....؟“

”نہیں..... وہ یہاں پہنچ جائے گی۔ لیکن میں تمہیں ایک ہدایت کرتا ہوں، اُس پر ان سے عمل کرنا۔“

”میں کروں گا..... میں وعدہ کرتا ہوں، ضرور کروں گا۔“

”تم اُس کے ساتھ یہاں بہت محتاط زندگی گزارنا۔ میں سلویا فران پر آخری ضرب لگانے جا رہا ہوں۔ وہ تمہیں اور تمہاری بیٹی کو شدت سے تلاش کرنے کی کوشش کریں گے۔ اُس وقت تمہاری ذرا سی لغزش، سارا کھیل بگاڑ دے گی۔“

”ہم پوری طرح مقاطرہ ہیں گے۔“

”سلویا کی دلی خواہش ہے کہ اینڈریا کو قتل کر دیا جائے۔ میں تمہیں اُس کی آذ سننا ہوں۔“ میں نے سلویا کا نیپ اُسے بھی سنادیا۔ بوڑھے کی آنکھیں پھٹ گئی تھیں۔

”یہ تو اُس کے خلاف بہت بڑا ثبوت ہے۔“

”کیا تم یہ ثبوت پولیس یا عدالت میں پیش کرنے کی ہمت رکھتے ہو؟“

”ایں.....“ بوڑھے نے سراسیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

”ظاہر ہے، تم اُس عورت کو عدالت میں نہیں لاسکتے۔ کیونکہ اُس وقت وہ تمہارا راز کھول سکتی ہے، جس کی وجہ سے وہ تمہاری پوری زندگی پر حادی ہو گئی۔“

”ہاں..... یہ درست ہے۔“

”تب پھر یہ ثبوت کم از کم تمہارے لئے بے مقصد ہے۔ صرف میں اس سے کام لے لتا ہوں۔“ بوڑھے نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ”اب تم یہاں آرام کرو! میں چلتا ہوں۔“

”کہاں.....؟“

”تمہاری بیٹی کو تمہارے پاس لے آؤ۔“

”جلدی جاؤ..... خدا کے لئے جلدی جاؤ!“ بوڑھے کا لبجہ، جذبات سے لرز رہا تھا۔ میں وہاں سے نکل آیا اور ایک بار پھر میرا رخ ہوٹل کی جانب تھا۔ اینڈریا، میری ہدایت کے مطابق زیادہ تر اپنے کمرے میں ہی رہتی تھی۔ اس وقت بھی وہ اسی طرح بیٹھی تھی۔ مجھے وہ کوئی کھڑی ہو گئی۔

”میں اب بہت اکتا گئی ہوں۔“ اُس نے کہا۔
”کیا چاہتی ہو.....؟“
”پچھلے نہیں..... بس! باہر نکلنا چاہتی ہوں۔“
”اپنے دشمنوں کو دعوت دینا چاہتی ہو؟“
”مرہی جاؤں تو بہتر ہے۔ خدا کے لئے! مجھے، میرے ڈیڈی سے تو ایک بار ملا دو۔“
اُن کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے۔

”آؤ!“ میں واپس پلٹ پڑا۔ وہ ٹھہک کر مجھے دیکھنے لگی۔ ”آؤ.....!“ میں نے پھر کہا۔
”اُنکے کہاں پلی رہے ہو.....؟“ اُس نے سوال کیا۔ لیکن میں دروازے سے نکل آیا۔ وہ بھی میرے پیچھے ہی آئی تھی۔
میں ہوٹل سے باہر آ گیا۔ اینڈریا کسی قدر خوفزدہ ہو گئی تھی۔ بہر حال! وہ میرے نزدیک کار میں آئی تھی اور میں نے کار سارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔

”سن، ماں!..... جا کہاں رہے ہو؟“
”تم اکتا گئی تھیں نا.....؟“

”ہاں..... یقین کرو! میں خود کو بے حد تباہ محسوس کر رہی تھی۔ جب تک تباہ تھی، خود پر بھروسہ کرتی تھی۔ لیکن جب سے تم ملے ہو، نہ جانے کیوں..... بس! یہ سمجھنے لگی ہوں کہ تمہیں ہر وقت میرے ساتھ رہنا چاہئے۔“

”میں نے بھی یہی فصلہ کیا ہے۔“

”کیا.....؟“ اُس کے انداز میں تندی لی پیدا ہو گئی۔

”تیکی کہ اب ہر وقت تمہارے ساتھ رہوں گا۔ اور اس کے لئے ایک ترکیب بھی میری سمجھ میں آگئی ہے۔“

”کیسی ترکیب.....؟“

”تمہیں اور اپنے آپ کو دشمنوں کے سپرد کر دوں، اور ان سے درخواست کروں کہ ہمیں ایک تباہ چکید کر دیں۔“ میں نے جواب دیا اور اس کے چہرے پر خوف ابھر آیا۔

”تم میری باتوں سے جھنجھلا گئے ہو شاید۔ میں معافی چاہتی ہوں۔ ایسی حماقت مت کرنا، سو! آئندہ میں ایسی بات کبھی نہیں کروں گی، وعدہ کرتی ہوں۔“ میں خاموشی سے اڑاکنے لگ کر تارہا۔ اور تھوڑی دیر کے بعد میں اُس مکان میں داخل ہو گیا۔

”جی نہیں.....!“
 ”کہاں ہوں گے وہ.....؟“
 ”وہ بھی مسٹر فرگون کے ساتھ گئے ہیں۔“
 ”کہاں.....؟“
 ”وہ دونوں سوٹر لینڈ گئے ہیں۔“ جواب ملا اور میں ہمچنانکارہ گیا۔ یہ میرے لئے تجھ
 خیالیخانی۔

”تم کون بول رہے ہو؟“ میں نے پوچھا۔
 ”میں ان کا ملازم آرٹھر ہوں جناب!“

”آرٹھر! میں مادام فرگون کا بہت ہی قریبی دوست بول رہا ہوں۔ میرے علم میں تو ایسی
 کلیبات نہیں ہے کہ مادام فرگون حال ہی میں کسی لبے دورے یا تفریجی دورے کا پروگرام
 کرنے ہوں۔ تمہیں یقین ہے کہ وہ سوٹر لینڈ گئی ہیں؟“
 ”جی ہاں جناب! ہم سے یہی کہا گیا ہے۔ خاصا سامان اپنے ساتھ لے گئی ہیں۔“ ملازم
 نے جواب دیا۔

”کیا اس دوران کوئی اور ان سے ملنے کے لئے آیا تھا؟“ میں نے آرٹھر سے سوال کیا۔
 ”جنی نہیں..... مسٹر ہاکن کے علاوہ، ان کے پاس کوئی بھی نہیں تھا۔ اور نہ ہی اس
 ”یا ان، ان دونوں سے کوئی ملنے آیا۔ مادام فرگون نے اطلاع دی ہے کہ کچھ لوگ یا اخباری
 پوروز ان سے ملاقات کرنے آئیں گے۔ انہیں یہی جواب دیا جائے کہ مسٹر فرگون ایک
 تریکی دورے پر سوٹر لینڈ گئی ہوئی ہیں۔“

”بہتر ہے.....!“ میں نے جواب دیا اور رسیور رکھ دیا۔ ایک لمحے کے لئے میرے منہ کا
 ”خواب ہو گیا تھا۔ اگر مسٹر فرگون نے شاک ہوم چھوڑ دیا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ
 یہ براں نے ایک اچھی چال چلی ہے۔ اُس کی غیر موجودگی میں بہت ساری مشکلات پیش
 آئیں گی۔“

اگر مسٹر فرگون غائب نہ ہو گئے ہوتے اور وہ اُن پر قابو پالیتی تو پھر یہاں سے نکلتا اُس
 شے لئے زیادہ بہتر تھا۔ لیکن اب مسٹر فرگون اس کوٹھی میں واپس آ کر اپنے لئے بہتر
 خوبیت کر سکتے تھے۔

”یہ کون سی جگہ ہے؟ سنو! ایسی کوئی بات.....“ وہ خاموش ہو گئی۔ دُور سے آئیں
 فرگون نظر آ رہا تھا۔ جو نبی کار رکی، وہ دوڑتا ہوا آیا۔ اور اس کے بعد مناظر جذبائی
 چنانچہ اُن کا تذکرہ بے مقصد ہے۔ سوائے اس کے کہ میں خود کو کافی دیر تک حق تصور کر
 رہا۔ بوڑھا، میرا بے حد شکر گزار نظر آتا تھا۔ دونوں میری توصیف کے گن گاتے رہے۔

”اب غور سے سنبھلے مسٹر فرگون! اپ کو اس لئے وہاں سے ہٹانا ضروری تھا کہ سلویا!
 پاکن آخری قدم کے طور پر تم سے کوئی وصیت لکھوا کر تمہیں حق کر دیتے۔ اُن کی دوسروں تا
 سیکیمیں فیل ہو گئی ہیں۔ چنانچہ آخری قدم وہ یہی اٹھاتے۔ میں نے اُن کی اس کوشش کو
 ناکام بنا دیا ہے۔ اور اب وہ بالکل مفلوج ہو چکے ہیں۔“

”پھر، اب تم کیا کرو گے ماںیکل.....؟“

”جو کچھ کروں گا، تمہارے سامنے بھی آ جائے گا۔ اس لئے فکر مند ہونے کی ضرور
 نہیں ہے۔ بس! یہاں تم اپنی بیٹی کی حفاظت کرو اور مجھے، میرا کام کرنے دو۔“

”اس طرف سے تم بے فکر رہو۔ ہاں..... ممکن ہو تو میرے لئے ایک پستول کا بندہ رہ
 کر دو۔“ مسٹر فرگون نے کہا اور میں نے اپنا پستول نکال کر اُس کے حوالے کر دیا
 کارتوسون کا ایک پیکٹ بھی دے دیا۔

”اوے کے.....!“ میں نے کہا اور باہر آ گیا۔

اس طرح اینڈر پا فرگون کی ذمہ داری میرے شانوں پر نہیں تھی۔ اور اب میں نا
 سکون سے کام کر سکتا تھا۔ چنانچہ میں واپس اپنے ہوٹل میں آیا۔ اور اب کچھ لاوت آتا
 لئے تھا۔ چنانچہ میں ہوٹل کی تفریحات میں مشغول ہو گیا۔ پورا دن گزارا، رات گزاری
 دوسرے دن بھی تقریباً دو پہر تک ہوٹل میں اینڈٹارہا۔ اُن دونوں کے پاس جانے کی مہلہ
 ضرورت ہی محسوس نہیں کی تھی۔

شام کو تقریباً پانچ بجے تیار ہو کر باہر نکلا اور تھوڑے فاصلے پر لگے ہوئے پلک ٹھانے
 بوٹھ سے میں نے سلویا فرگون کا میلی فون نمبر ڈائل کیا۔ چند ساعت خاموشی رہی، پھر دوڑا
 طرف سے رسیور اٹھایا گیا۔

”مجھے مادام فرگون سے ملتا ہے.....!“

”اوہ..... جناب! وہ موجود نہیں ہیں۔“

”مسٹر ہاکن ہیں.....؟“

بوربن کی چکیاں لیتے ہوئے میں نے اُسے آنکھیوں سے دیکھا۔ ”میرے بارے میں کیا
بوربن...؟“

”پہلے ہی کر لیا تھا۔“

”کام کرو گی میرے لئے...؟“

”خلوصِ دل سے۔ اس لئے نہیں کہ تم نے میری نس دبالی ہے۔ لیکن میرے ذہن میں

ب ارثیاں ہے۔“

”کیا...؟“ میں نے سوال کیا۔

”میں ان تینوں سے اکتا گئی ہوں۔ اور پھر ان تین تین سے تم بہت بہتر ہو۔ تمہارا کام بائے تو میں تم سے درخواست کروں گی کہ میرے ساتھ کام کرو۔ ہم دونوں مل کر آدمی دنیا بکھال کر سکتے ہیں۔“

”اوہ... یہ بات ہے؟“

”کیا قابل غور نہیں ہے...؟“ اُس نے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

”کیوں نہیں... عدہ خیال ہے۔ لیکن طریق کار میں تھوڑی سی تبدیلی کرنا ہو گی۔

”عال! وہ تو بعد کی باتیں ہیں۔“ میں نے اُسے اپنے ایک جملے میں پھانس لیا تھا اور پھر میں

ذہن آسانی اُسے اپنا منی اضسیر بتادیا تھا۔

”پورے خلوص سے تیار ہوں۔ تم فرگون کا کردار ادا کرو گے؟“

”ہاں... بوڑھے فرگون کی حالت زیادہ بہتر نہیں ہے۔ لیکن بہر حال! میں ایک مجھوں۔

ماں کی گھیت سے لوگوں سے مل تو سکتا ہوں۔“

”میک اپ کون کرے گا...؟“

”شک خود...“ میں نے جواب دیا۔

”جہنم اعتماد ہے...؟“

”کمل...“

”تب نمیک ہے۔ میری طرف سے مکمل تعاون پاؤ گے۔“ ریگی نے کہا اور میں نے

”آنکھ انداز میں گردن ہلا دی۔“ آج میرے ساتھ ہی رہو! میں سارے انظامات کر دوں

”ناسب...!“ میں نے جواب دیا۔ پھر دیریک ہم ہوٹل میں بیٹھے رہے۔ ریگی بہت

مسز فرگون کے ذہن میں یہی ہو گا کہ مسٹر فرگون خوفزدہ ہو کر اُس کے غافل کرنا کارروائی نہیں کریں گے۔ لیکن وہ میری جانب سے خوفزدہ تھی اور اس وقت اُس نے صریح تھے، یہ سے فرار مناسب سمجھا تھا۔ یہ بھی ممکن تھا کہ اُس نے سوتھر لینڈ کا صرف بہانہ کیا ہو وہ دونوں کہیں روپوش ہو گئے ہوں اور در پر دہمیں تلاش کرنے کے خواہش مند ہوں۔

یہ خیال میرے ذہن میں تقویت پکڑ گیا اور میں اپنی ذہانت پر خود ہی خوش ہونے لگا۔

یہ صرف اتفاقیہ بات تھی کہ میں نے ریگی سے رابطہ قائم کر لیا تھا اور میرے ذہن میں ریگی کے لئے ایک پروگرام تھا۔ لیکن یہ پروگرام، اس وقت جس انداز میں میرے ذہن میں آتا تھا، اُس نے مجھے خوش کر دیا۔ ممکن تھا، پہلی صورت میں ریگی کو استعمال کرنے کی ضرورت ہی پیش نہ آتی۔ لیکن اس وقت وہ ایک بہترین معاون ثابت ہو سکتی تھی۔ چنانچہ ہاکن اور

مسز فرگون کو منتظر عام پر لانے کے لئے میں نے ایک خوبصورت سا پروگرام بنایا اور اس کے مختلف پہلوؤں پر غور کرنے لگا۔ رات کو میں ریگی کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا اور وہ مجھے اُس ہوٹل میں مل گئی، جہاں میں نے اُسے پہلی بار دیکھا تھا۔

مجھے دیکھ کر اُس نے پر جوش انداز میں ہاتھ ہلا کیا تھا۔ اور میں اُس کے قریب پہنچ گیا۔

”پہلو، ماںکل...!“

”پہلو...!“

”یقین کرو! میں آج صرف تمہاری وجہ سے بیہاں آئی تھی۔“

”اور تم بھی یقین کرو، میں بھی تمہاری تلاش میں بیہاں آیا ہوں۔“

”لیکن میں آج کسی شکار کے لئے نہیں آئی ہوں، اور نہ ہی میرے تینوں ساتھی بیہاں ہیں۔“ میں نے کوئی جواب نہیں دیا اور کرسی گھیٹ کر اُس کے قریب بیٹھ گیا۔

”کیا ملکواؤں تمہارے لئے...؟“

”بوربن۔“ میں نے کہا اور اُس نے دیٹر کو بلا کر آرڈر دے دیا۔

زیادہ مخلص ہو گئی تھی۔ اُس کی ہر بات سے اپنا سیت نیک رہی تھی۔ اُس نے گھر آ کر پر لے ہر قسم کی سہولت فراہم کرنے کی کوشش کی اور رات کو وہ میرے سینے میں منہ چپا کر گئی۔

دوسرے دن میں نے ریگی کو تو ضروری سامان خریدنے بھیج دیا اور خود نیکی لے کر طرف چل پڑا جہاں وہ دونوں مقیم تھے۔ کار میں نے جان بوجھ کرنیں استعمال کی تھی اور ریگی کو پہاڑیت کی تھی کہ وہ کار، کمپنی کو واپس کر دے۔

بوڑھا فرگون، اپنی بیٹی کے پاس جا کر بہت خوش تھا۔ اینڈر ریا بھی بے حد مظہر تھی تب میں نے فرگون سے اپنے مطلب کی باتیں پوچھیں اور انہیں پوری طرح ذہن نہیں لیا۔ اب میں فرگون کا کردار بے آسانی ادا کر سکتا تھا۔

”لیکن تمہیں ان باتوں کی ضرورت کیوں پیش آ گئی؟“ بوڑھے فرگون نے سوال کیا ”اس لئے کہ میں تمہاری حیثیت سے، تمہاری کوئی بھی میں رہوں گا۔“

”اوہ..... اور سلویا.....؟“ بوڑھے نے پوچھا۔ ”سلویا.....“ میں نے ایک گھری سانس لی۔ ”نی الحال، وہ میدان چھوڑ کر بھاگ ہے۔“

”سگ..... کیا..... کیا مطلب.....؟“ ”مطلوب یہ کہ وہ ہاکن کے ساتھ سوئزر لینڈ چل گئی ہیں۔ اُس کے ملازموں نے جواب دیا ہے۔“

”اوہ..... اس کا مطلب ہے کہ وہ خوفزدہ ہو گئی ہے۔ وہ بے حد چالاک عورت ہے۔ اگر تم، مجھے وہاں سے نہ لے آتے تو یقینی طور پر اتنی خوفزدہ نہ ہوتی اور آخری قدم اندازی لیکن تمہاری ذہانت نے اُسے نہ کر دیا۔“

”کچھ بھی ہے، لیکن تمہارے لئے میزی بھایات وہی ہیں۔“ ۱ ”کیا.....؟“ ”تم یہاں پوری طرح منتظر ہو گے۔ ضروری نہیں ہے کہ وہ شاک ہوم سے باہر نہ ہو۔“

”اوہ..... اوہ! تو تمہارا مطلب ہے.....؟“ ”یہاں سے باہر جانے کا ایک جواز ضرور ہے۔ اور وہ صرف یہ کہ وہ جان بچا۔“

بھاگ جائے۔ لیکن تمہارے لئے اُس کے پاس ایک نجخ موجود ہے۔ اس لئے وہ تمہیں چھوڑ کر رہا مشکل ہی سے بھاگے گی۔ ممکن ہے، اُس نے سوچا ہو کہ سرگرمیاں بند ہونے کے بعد وہ پھر نمودار ہو جائے۔“

”ہاں..... ممکن ہے۔“ اُس نے گردن ہلائی۔

”اب مجھے تم سے کچھ ضروری معلومات حاصل کرنی ہیں۔ مجھے ان تمام واقعات کے بارے میں بتاؤ! تاکہ میں کسی معاملے میں الجھنے سکوں۔“ میں نے کہا اور بوڑھے نے خلوصے کے گردن ہلا دی۔ اور پھر اُس نے اپنی تمام تر یادداشت کے سلسلے میں مجھے وہ تمام ضروری باتیں بتادیں جو میری معاون ہو سکتی تھیں۔ اس کے علاوہ اُس نے ایک قانونی دستاویز بھی مجھے دی جس میں چند ناگزیر اور خطراک حالات سے نمٹنے کے لئے اُس نے مجھے اپنا رول ادا کرنے کی ہدایت دی تھی۔

گویا میں نے چاروں طرف سے خود کو مضبوط کر لیا تھا۔ اب اگر میں اُسے قتل کر دیتا تو آسانی سے اُس کی ساری دولت پر قابض ہو سکتا تھا۔ اُس نے میرے اوپر انہیں اعتماد کا انہار کیا تھا۔ لیکن میں ایسا ہرگز نہیں تھا۔ اس انداز کے دوسرا بہت سے کام کر سکتا تھا۔ پانچ ایسی کسی بات کو دل نہیں چاہا اور میں نے یہ احتمانہ خیال، ذہن سے نکال دیا۔

تو ہوڑی دیر کے بعد میں اُن لوگوں کے پاس سے چل دیا اور ریگی کے خصوصت مکان پر پہنچ گیا۔ ریگی واپس آ چکی تھی۔ ”ہیلو ریگی.....!“

”ہیلو.....!“ اُس نے کہا اور میں اُس کے سامنے بیٹھ گیا۔

”لیا سوچ رہی تھیں.....؟“

”آج کل تو میری سوچ کا محور صرف تم ہو۔ میں تمہیں اعلیٰ ترین صلاحیتوں کا بالک لمحوں کر رہی ہوں۔ اگر زندگی میں ایسے ساتھی مل جائیں تو زندگی کیا سے کیا ہو جائے۔“

”بزری زندگی بھی عجیب رہی ہے مائیک! میں تمہیں تفصیل بتاؤں گی۔“

”ہاں..... میں تمہارے بارے میں جانے کا خواہش مند ہوں۔ کبھیطمینان سے ہم یہاں ایک دوسرے کے سامنے کھلیں گے۔“

”ضرور..... اپنا کام کر آئے.....؟“

”ہاں..... اور تم؟“

”تمہاری حسب منش.....؟“ اُس نے مکراتے ہوئے کہا اور اپنے لائے ہوئے سامان سے پیکٹ نکال کر میرے سامنے رکھ دیئے۔

میں سامان دیکھنے لگا۔ پھر میں نے اطمینان کا اظہار کیا اور اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔ اس کھیل کو اب جلد از جلد ختم ہو جانا چاہئے تھا۔ چنانچہ دگھنے کی شدید محنت کے بعد میں نے میک آپ مکمل کر لیا۔ ریگی مجھے دیکھ کر جیران رہ گئی۔

”آہ، ماںیکل.....! خدا کی قسم، تم ایک بیمار بڑھے معلوم ہو رہے ہو۔ تمہاری آنکھوں میں بیماری کی یہ پیلا ہٹ کس طرح آگئی؟ چلو! باقی میک آپ کو تو میں مان لیتی ہوں۔“

”یعنی سی شیشی..... جس کا نام بلومیک ہے۔ روزانہ دو قطرے کافی ہوں گے۔“

”اوہ.....! اس کا مطلب ہے کہ میک آپ کے بارے میں تمہاری معلومات بہت دفعہ ہیں۔“ اُس نے کہا۔ میں نے اُس کے سوال کا کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ ”لیکن یہ آنکھوں کو کوئی نقصان تو نہیں پہنچائے گی؟“

”ذرابھی نہیں۔“

”تب تو ٹھیک ہے۔“

”آؤ..... اب چلیں۔“ میں نے کہا اور ہم دونوں چل پڑے۔ چند سوٹ کیسی بھی پروگرام کے مطابق ساتھ لے لئے گئے تھے۔ اور پھر ایک نیکی نے ہمیں فرگون کی خوبصورت کوٹھی میں پہنچا دیا۔ تمام ملازم ہماری طرف دوڑ پڑے۔ خاص طور سے وہ ریگی کو دیکھ کر خوشی کا اظہار کر رہے تھے۔ اور ریگی بڑے خلوص سے ایک ایک سے مل رہی تھی۔ میں نے اُسے تفصیل سے سب کچھ بتا دیا تھا۔

ایک ملازم ہمارے ساتھ اندر آیا تھا، باقی ہمارا سامان وغیرہ درست کرنے میں مصروف ہو گئے تھے۔

”بیگم صاحبہ کہاں ہیں.....؟“ میں نے ملازم سے پوچھا۔

”تین دن ہو گئے جتاب! مسٹر ہاکن کے ساتھ سوٹر لینڈگئی ہوئی ہیں۔“

”کیوں.....؟“

”اس بارے میں کسی کو معلوم نہیں ہے۔“

”سامان بھی لے گئی ہیں.....؟“

”بہت مختصر..... صرف دو سوٹ کیس۔“

”چاپیاں کس کے پاس ہیں.....؟“

”دیکھ کر کے پاس۔ اُسی کے پاس رہتی ہیں ہمیشہ۔“

”ہوں.....!“ میں نے گھری سانس لی اور پھر میں آرام کرنے لیٹ گیا۔ ظاہر ہے، یہاں

”تمہاری یہ بیماری صرف دن کو ہونی چاہئے۔ رات کو تم بالکل ٹھیک ہو گے۔“ ریگی نے شوخ نہ ہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

”ظاہر ہے، میں صرف دن کا بیمار ہوں۔“

”حالانکہ تم نے اپنا اور میرا رشتہ ایسا رکھا ہے کہ میں کوئی بات سوچتے ہوئے بھی اُبھر جھوٹی کرتی ہوں۔“ اُس نے جھینپی ہوئے انداز میں کہا۔

”بعض اوقات ایسے کاروباری رشتہ بھی بنانے پڑتے ہیں۔“

”اب کیا پروگرام ہے.....؟“

”انتخار..... میرا خیال ہے تمہارے ذہن میں کوئی بات اُبھی ہوئی نہیں ہے۔ تم سمجھتی ہو کہ تمہیں کیا کرتا ہے؟“

”ہاں..... ایسی مشکل بات بھی نہیں ہے۔“

”پتوں تو ہے تمہارے پاس.....؟“

”ہاں..... موجود ہے۔“

”کسی ضرورت پر تکلف کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ویسے اپنی طرف سے پوری طرح بوسیار رہو گی۔“ میں نے اُسے ہدایات دیں۔

”اوہ، ڈارلینگ! اس بارے میں تم بالکل فکر مند نہ ہوتا۔ وہ بے شمار لوگ مجھے قتل کرنے کے لئے خطرناک لوگوں کی خدمات حاصل کر چکے ہیں، جو میرے شکار تھے۔ ویسے میں اس

ثناڑت سے پوری طرح واقف ہونا چاہتی ہوں۔“

”میں اب کافی ٹھیک ہوں۔ میرا خیال ہے، قہوڑی دیر کے بعد میں تمہیں پوری کوٹھی کی نکر کراؤں گا۔“

”اوکے.....!“ ریگی نے کہا اور پھر شام ہوتے ہی ہم نے چائے طلب کی اور چائے پر میل، ملازموں سے باتیں کرنے لگی۔ کسی ملازم کو اس پر کوئی شبہ نہیں ہوا تھا۔ حالانکہ ریگی کی دواز میں تبدیلی تھی۔

میں پوچھا۔ ریگی اُس وقت میرے ساتھ ہی تھی۔ اُس نے مسکرا کر گردن ہلا دی اور ڈاکٹر گینگل کے سامنے آئے۔

میرے سامنے آئے۔

”میں..... میں مادام ریگی سے ملتا پاہتا ہوں۔“ اُس نے کہا۔

”جی ہاں، جی ہاں..... انہوں نے ہمیں آپ کے بارے میں بتایا تھا۔ تم جاؤ!“ ریگی نے ملازم سے کہا اور ملازم گردن ہلاتا ہوا باہر نکل گیا۔ ڈاکٹر گینگل، حیرت آیز انداز میں ہیں دیکھ رہا تھا۔

”کمال کی بات ہے ڈاکٹر گینگل! تم میری آواز بھی نہیں پہچانتے؟“ ریگی نے کہا اور گینگل چونکہ کر اُسے دیکھنے لگا۔

”اوہ، مس ریگی! لیکن آپ..... اور..... یہ مسٹر فرگوسن.....“ ڈاکٹر گینگل تجب ہم دونوں کو دیکھ رہا تھا۔

”بُر، بُس ڈاکٹر گینگل.....! دیکھ لی تمہاری دوستی۔ میں تو سمجھتی تھی کہ تم میری آواز سن کر مجھے پہچان لو گے۔“

”وہ تو ٹھیک فرمایا آپ نے مس ریگی! لیکن مسٹر فرگوسن.....؟“

”لبس! مسٹر فرگوسن بھی میرے گھرے دوست ہیں اور ان سے کسی بھی بات کا کوئی پردہ نہیں ہے۔“

”اوہ..... تمہارے چکر میری سمجھ میں نہیں آتے۔ بہر حال! حکم دو! مجھے کیا کرنا ہے۔“

ڈاکٹر گینگل نے ریگی سے سوال کیا۔

”مسٹر فرگوسن کو دیکھو! ان کا معافہ کرو۔ انہیں کسی بھی طور پر اثاثہ کرنے کی کوشش کرو۔ حالانکہ یہ اتنے طاقتور ہیں کہ تمہیں اٹھا کر یہاں سے تمہارے کلینک تک دوڑ لگا سکتے ہیں۔ لیکن بہر صورت! تم ایک ڈاکٹر کی حیثیت سے انہیں بیمار ثابت کرو اور ان کا علاج بھی کرو۔ ہاں! اسے لوگوں کو یہی پتہ چلنا چاہئے کہ تم ان کا بہترین علاج کر رہے ہو۔“

”اوہ.....“

”اور تکلف برطرف۔ اس کے لئے ہم تمہیں تین ہزار ڈالر معاوضہ پیش کریں گے۔“

”تمن ہزار ڈالر.....؟“ ڈاکٹر گینگل نے تجب سے پوچھا۔

”ہاں.....!“

”کیوں.....؟“

پھر میں نے اُسے پوری کوٹھی دکھا دی۔ ریگی کو یہ عمارت کافی پسند آئی تھی۔ رات کو ریگی میرے ہی کمرے میں آگئی تھی۔ ”کچھ بھی ہو، میں تھا نہیں سوؤں گی۔“

”ہاں..... لیکن ہمیں کافی اختیار رکھنا ہوگی۔“ میں نے کہا اور ریگی نے گردن ہلا دی۔

پھر میں نے ایک اور تجویز سوچی۔ ”ریگی میرا تو علاج ہو گا۔“

”کیا مطلب.....؟“

”ظاہر ہے، بیمار آدمی ہوں۔“

”ہاں..... ظاہر ہے۔“

”کیا تم کسی اپسے ڈاکٹر کا بندوبست کر سکتی ہو جو تمہارے زیر اثر ہو اور وہ میرا جھوٹا علاج کر دے.....؟“

”ڈاکٹر گینگل میرا دوست ہے۔ کمی بار میرے کام آپ کا ہے۔ اچھے ڈاکٹروں میں شمار ہوتا ہے۔“

”تمہیں یقین ہے کہ وہ ہمارا رازدار ہے گا؟“

”ہاں..... وہ ان لوگوں میں سے ہے، جو میرے شکار تھے، لیکن پھر میرے دوست بن گئے۔ یعنی میں نے انہیں معاف کر دیا۔ لیکن ان کا راز آج تک میرے ذہن میں محفوظ ہے۔“

”تب ٹھیک ہے۔ وہ کام کا آدمی ثابت ہو گا۔ لیکن تم اُس سے رابطہ کیسے قائم کرو گی؟“

”فون پر.....“

”پورا بھروسہ ہے تمہیں..... وہ چونکے گا تو نہیں؟“

”نہیں..... لیکن اس! وہ بھی سمجھے گا کہ میں نے کوئی چکر چلا یا ہے۔“

”کھبرائے گا بھی نہیں؟“

”نہیں! ہم اُسے تھوڑی سی رقم بھی دے دیں گے۔“

”بل..... پھر مناسب ہے۔“ میں نے کہا اور پھر ریگی سے میراثتے بدل گیا۔ اب

ایک عدمہ ساتھی تھی.....

دوسری صبح کو اُس نے ڈاکٹر گینگل سے رابطہ قائم کیا اور گینگل نے دو گھنٹے کے بعد پہنچنے کا وعدہ کیا۔

ملازم، ڈاکٹر گینگل کو لے کر میرے پاس آئے تھے۔ ڈاکٹر گینگل نے ریگی کے بارے

"تم اس کی وجہ جانتے ہو، اس لئے بننے کی کوشش مت کرو۔" ریگی نے کہا۔
"لیکن اس کے صلے میں مجھے کیا دینا ہو گا؟"
"اپنے بیانات۔ لیکن اس وقت جب کوئی تم سے سوالات کرے۔"
"ٹھیک ہے۔"

"تو کیا آپ تیار نیں.....؟" ریگی نے پوچھا۔

"جی ہاں..... لیکن اگر آپ معاوضے کا مسئلہ نہ اٹھائیں، تب مجھی کوئی حرج نہیں تھا
کیونکہ میں آپ سے بے حد مغلظ ہوں۔"

"مجھے یقین ہے ڈاکٹر گینگل! لیکن اگر کسی سلسلے میں ہم لوگ ایک دوسرے سے تعاو
کر سکتے ہیں تو اس میں کیا حرج ہے؟"

"ٹھیک ہے..... جیسے آپ کی مرضی۔ بہر صورت! یہ میرا مطالبہ نہیں ہے۔" ڈاکٹر گینگل
نے مسکراتے ہوئے کہا اور پھر میری جانب دیکھا۔ "ترشیف لائے جناب! میں آپ کا
از کم معافہ تو کر دیں توں.....!"

"ضرور..... ضرور.....!" میں نے بھی مسکرا کر کہا اور قریب پڑی ہوئی کا واقع پر لے
گیا۔ ڈاکٹر گینگل میرا چیک آپ کرتا رہا۔ اور پھر اس کے چہرے پر حیرت کے آثار پیدا
گئے۔

"غیر معمولی طور پر طاقت ور اور تندرست و توانا..... آپ کو پہنچا بات کرنا دنیا کے
بھی ڈاکٹر کے لئے مشکل کام ہے۔ حالانکہ آپ کی آنکھیں..... ان آنکھوں کے بارے
میں، میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ کسی بیمار شخص کی ہیں۔ بہر صورت! آپ لوگ اے
بارے میں بہت جانتے ہوں گے۔" تھوڑی دریںک ڈاکٹر گینگل بیٹھا رہا، پھر چلا گیا۔
اس شخص کی طرف سے مطمئن تھا۔ کافی قابل اعتماد آدمی معلوم ہوتا تھا۔

اور اس کے بعد وہی بے کاری..... جس سے میری طبیعت نالاں تھی۔ پہلا دن.....
دن اور پھر تیسرا دن..... سارے دن گزر گئے، بالکل بیزاری کے سے انداز میں۔ اب یہ
کسی قدر رکھراہت محسوس کرنے لگا تھا۔ اسی دوران میں نے مسٹر فرگون اور ان کی بیٹی۔
بھی رابطہ قائم کیا تھا۔ لیکن ان کے بارے میں کوئی خاص تشویش نہ ہوئی۔ کیونکہ وہ دونوں
اب نہایت مطمئن زندگی گزار رہے تھے۔ یوں بھی مسٹر فرگون نے سارے معاملات، میرا
سپرد کر دیے تھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہ شخص بھی سکون کے لحاظات گزار نے کامنی تھا۔ ڈاکٹر

آسے نے اپینان کا اظہار کیا۔ لیکن اب میں بے اطمینانی محسوس کر رہا تھا۔ ہاکن اور سلویا
زینان کا کچھ پہنچا تھا۔ اگر وہ واقعی ملک سے باہر نکل گئے تھے، تب تو بڑی مشکل بات تھی۔
مزین کب تک ان کا انتظار کر سکتا تھا؟ ممکن تھا کہ انہوں نے مجھے پریشان کرنے کا ہی
پڑا رام بنا یا ہو۔

لیکن پانچویں دن میرے لئے سکون کی ایک صورت نکل آئی۔ یعنی وہ خیال جس کے
نئے نئے سارا چکر چلا یا تھا، درست ثابت ہو گیا اور میں نے اطمینان کی ایک گہری
سنس لی۔

ہوا یوں کہ اس شام ایک ٹھیک ہماری کوئی کے پورچھ میں رکی اور اس سے سلویا فرائی
ازتی نظر آئی۔ میں نے اور ریگی نے دلچسپ نگاہوں سے اُسے دیکھا تھا۔ وہ اکیلی ہی تھی۔
"ریگی! یقین کرو، ان چار پانچ دنوں میں جو انگھن میرے ذہن میں تھی، اب وہ دُور
ہوئی ہے۔ یہی سلویا فرائی ہے۔ اور اسی کے لئے ہمیں وہ سب کچھ کرنا ہے، جو میں تمہیں
تلاپا کہوں۔"

"خوب..... حالانکہ مسٹر فرگون بوڑھے آدمی ہیں۔ لیکن یہ تو خاصی تندرست اور جوان
ہے۔"

"ہاں..... یہ زبردستی کی شادی ہے۔"

"ہوں..... تب مجھے کیا کرنا چاہئے؟"

"بس! تم اس کا استقبال کرو گی اور اس قسم کا اظہار کرو گی، جیسے تمہارے لئے بے شمار
پریشانیوں کا باعث وہی عورت ہے۔ تم نہایت سرد مہری سے پیش آؤ گی۔"

"ٹھیک ہے..... میں سمجھ گئی۔" ریگی نے کہا۔

سلویا فرائی اندر آئی۔ کافی دیر وہ ملازموں سے کچھ پوچھ گچھ کرتی رہی۔ پھر میرے
کرے میں آگئی۔ اس نے ریگی کو دیکھا جو کری پر ٹھیکی اخبار پڑھ رہی تھی۔ میں بستر پر
لٹک گیا۔ ریگی نے اس کی آمد پر کسی خاص توجہ کا اظہار نہ کیا۔ سلویا ہم دونوں کو توجہ سے
انکھیں رکھی۔ اس نے نگاہیں انھا کر مجھے دیکھا، لیکن میرے چہرے پر کسی خاص کیفیت کا
انکھارنا نہیں تھا۔ سلویا فرائی آہستہ آہستہ میرے نزدیک آگئی۔ اس نے میرے پاؤں جھوٹے
اور گیب سے لجھ میں بولی۔

"کیسے ہو فرگون.....؟"

"ٹھیک ہوں.....!" میں نے جواب دیا۔
"کہاں چلی گئی تھی.....؟"

"کیا بتاؤں میری بدختی مجھے نہ جانے کہاں کہاں لئے پھرتی ہے" سلویا نے
گردن جھکا لی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے تھے۔ پھر اس نے روہانے لجھے میں
کہا۔ "اور تمہاری بدختی کی وجہ میں ہی ہوں نا.....؟"

"کیا یہ سوال کرنے کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے سلویا؟" میں نے کپکپاتے لجھے میں کہا
اور سلویا دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر سکیاں لینے لگی۔ کافی دیر تک وہ اسی انداز میں
سکیاں لیتی رہی اور میں تجھ سے اُسے دیکھتا رہا۔ پھر اس نے گردن انٹھائی اور کہنے لگی۔

"فرگون! کیا تم مجھے ایک انسان سمجھ کر معاف نہیں کر سکتے.....؟"

"کیا مطلب.....؟" میں نے تجھ سے پوچھا۔

"ہاں فرگون.....!"

"کیا کہہ رہی ہو.....؟" میں اور زیادہ حیران ہو گیا تھا۔

"میں ٹھیک کہہ رہی ہوں فرگون! میں تم سے معاف چاہتی ہوں۔ تم مجھے معاف کر دو۔
پلیز، فرگون مجھے معاف کر دوا میں ہمیشہ کے لئے یہاں سے چلی جاؤں گی..... میں تم
سے کچھ طلب نہ کروں گی۔ میں جس لائق میں تمہیں اذپیش دیتی رہی ہوں، اس سے
دستبردار ہو جاؤں گی۔ اگر میں تم سے کچھ مانگوں فرگون! تو تم مجھے دھکے دے کر باہر نکال
دینا....." سلویا نے روتے ہوئے کہا۔

"سلویا..... سلویا! تمہیں کیا ہو گیا.....؟" میں نے تجھ آمیز انداز میں کہا اور انھے کی
کوشش کی۔

"لیئے رہو..... پلیز! لیئے رہو..... تم بیمار ہو۔"

"نہیں سلویا.....! اب میں کافی حد تک ٹھیک ہوں۔"

"مجھے بتاؤ فرگون! کیا تم مجھے معاف نہیں کر سکتے.....؟"

"جو کچھ تم کر چکی ہو سلویا، اس کے بعد معافی کا سوال کچھ عجیب سالتا ہے۔ لیکن اگر
مجھے یقین ہو جائے کہ یہ معافی تم پورے خلوص سے مانگ رہی ہو تو شاید میں خوشی سے
جاوں۔"

"نہیں فرگون..... تم زندہ رہو! اپنی بیٹی کے لئے۔ بے مقصد تو میری زندگی ہے۔ پوری

بنی گرد فریب میں گزاری۔ تم سے شادی کی صرف دولت کے لئے۔ لیکن ایک بات کہیں نہ
بپنی۔ یہ دولت صرف زندگی میں سہارا دے سکتی ہے، میری موت کا شریک کون ہو گا؟"
تم نے سلویا! میری پوری زندگی ڈکھوں کی نذر کر دی۔ دولت کے لئے میں نے تمہیں
کہاں روکا تھا.....؟"

"میں فریب کا شکار تھی فرگون! میں بدجنت ہاکن کے جاں میں پھنس گئی تھی۔ اور اُس
کے بشاروں پر ناق رہی تھی۔ یقین کرو! میں اس مخصوص لڑکی سے ٹگیں ملانے کے قابل بھی
ہیں ہوں ہے میری وجہ سے نہ جانے کہاں کہاں ٹھوکریں کھانی پڑیں۔ آہ! میں نے اس
نیب کو قتل کرنے کی کوشش بھی کی تھی۔"

سلویا، منہ چھپا کر رونے لگی اور میں تجھ سے اُسے دیکھنے لگا۔ لیکن کسی مجرمانہ ذہن کے
لیکھ کی حیثیت سے بھروسہ کرنا تو میں نے سیکھا ہی نہیں تھا۔ میں صرف یہ سوچ رہا تھا
کہ اب یہ کون سا جاں ہے؟

سلویا دیر تک روئی تھی۔ تب میں نے بھاری آواز میں کہا۔ "ٹھیک ہے سلویا! اگر تمہیں
پانی زیادی کا احساس ہو گیا ہے تو میں تمہیں معاف کرتا ہوں۔"

"میں اپنا سایا یہ کم پرمنہ ڈالوں گی فرگون! اب تم پر سکون زندگی گزارو۔"
"کہاں رہو گی.....؟"

"کہیں بھی۔ میں زندگی کی بقیہ ساعتیں اس احساس کے ساتھ گزاروں گی کہ میں نے
بلاتھخے انسان کی زندگی تلخ کر دی۔"

"میرے سلسلے میں کیا ہو گا سلویا.....؟"

"سب کچھ تمہیں واپس کر دوں گی۔ سلویا کو اب مردہ سمجھنا۔"

"ہاکن کہاں ہے.....؟"

"اُسے میں نے قتل کر دیا۔"

"اہ، کب.....؟"

"تم کوں ہو گئے۔ اُس کی لاش، مچھلیاں، ہضم کر چکی ہوں گی۔ ایسے غلیظ انسان کا مر جانا
ناہتر تھا۔ میں نے اُس سے اپنا انتقام لے لیا ہے فرگون! کاش..... میں ایک اچھی بیوی
نہ رکھنی گا ٹزوڑ سکتی۔"

"ہوں..... اگر یہ بات ہے سلویا! تو تم ایک بد لے ہوئے انسان کی۔"

گزار سکتی ہو۔“

”وہ کس طرح فرگون.....؟“

”یہاں رہو۔۔۔ اپنے سلوک سے ہمارے ذہنوں سے یہ نکال دو کہ تم ہماری ڈین رئی

ہو۔“ میں نے جواب دیا۔

”کیا یہ ممکن ہے.....؟“ اُس نے عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھا۔ اُن آنکھوں سے

حرست پک رہی تھی۔

”ہاں..... میں اور اینڈریا، تمہیں خلوصِ دل سے معاف کر دیں گے۔“

”کاش! یہ ممکن ہو۔۔۔ کاش! تم دونوں کے دل میری طرف سے صاف ہو جائیں۔“

”تمہیں کوئی اعتراض ہے اینڈریا.....؟“ میں نے پوچھا۔

”نہیں ڈیڑی.....!“ اینڈریا، یاریگی نے جواب دیا اور سلویا انھ کر ریگی سے لپٹ گئی۔

بہر حال! سلویا آگئی۔ ہاکن کا کوئی پتہ نہیں لگا۔ لیکن جس طرح وہ چالاک عورت دوبارہ گمرا

میں داخل ہو گئی تھی، وہ اُس کی ذہانت کا ایک اور ثبوت تھا۔ میں اور ریگی اُسے روک نہیں

سکے تھے اور اس طرح اُس نے ایک محفوظ مقام حاصل کر لیا تھا۔ جبکہ دوسرا کسی بھی ٹھل

میں یہ ممکن ہی نہیں تھا۔ ظاہر ہے، اُس کے دشمن ہم تھے، ماںکلن نہیں۔ اور جب ہم دشمن

کر دیں تو ماںکلن بے چارے کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے؟ لیکن اس طرح ہمارے کام میں

مشکلات پیش آگئی تھیں۔ میں گھری سوچ کا شکار تھا۔ اُس کی اس چال کو ناکام بنانے کے

لئے مجھے کافی محنت کرنا تھی۔ موقع ملا تو میں نے ریگی سے بات کی۔

”کیا خیال ہے ریگی.....؟“

”سارا کھیل ہی الٹ گیا ہے.....!“ ریگی تشویش بھرے لمحے میں بوی۔

”نہیں ریگی! تشویش کی بات نہیں ہے۔ میں اس کھیل کو درست کر دوں گا۔ تم بے کفر

رہو۔“ میں نے پر سکون لمحے میں کھما۔

”میرے لئے کوئی اور بدایت.....؟“

”بس! تم حالات پر نگاہ رکھو۔“

”میں پوری طرح چوکس ہوں۔ دیے راتیں کافی خطرناک ہیں۔ ہمیں راتوں کو زیادا ہوشیار رہنا چاہئے۔“

”ہاں..... یہ درست کہا تم نے۔“

”اُس کے علاوہ ایک بات اور بری لگتی ہے مجھے۔“

”کیا.....؟“

”دہرات کی تھائیوں میں تمہارے پاس رہتی ہے۔“

”اوہ، ڈیر ریگی! اس سلسلے میں تم مطمئن رہو۔ اول تو میں بوڑھا آدمی ہوں۔ اور پھر اربھی تو ہوں.....“ میں نے کہا اور ریگی ہنسنے لگی۔ پھر وہ خاموش ہو گئی۔ کیونکہ سلویا آگئی کا۔

”کیا باتیں ہو رہی ہیں تم دونوں میں.....؟“

”تم ہی سمجھاؤ سلویا! اینڈریا کسی طور شادی کے لئے تیار نہیں ہوتی۔ میری حالت ان لی، بہتر ہے۔ میں چاہتا ہوں، دوسرے سارے کاموں سے بھی فارغ ہو جاؤ۔“

”کون سے کاموں سے.....؟“ سلویا نے پوچھا۔

”میں نے فیصلہ کیا ہے کہ کلیوں کو بلاوں اور اپنی ساری جائیداد بھی اینڈریا کے نام کر لیں۔ اور پھر اس کی شادی کر دی جائے۔“

”نہایت عمدہ خیال ہے۔ اینڈریا کو کیا اعتراض ہے.....؟“

”میں اس بیماری کے عالم میں ڈیڑی کو نہیں چھوڑوں گی۔“ ریگی نے کہا۔

”لیکن اب تو مسٹر فرگون کی صحت پہلے سے کافی بہتر ہے۔“

”بالکل ٹھیک تو نہیں ہوئے۔“

”نہیں..... نئے ڈاکٹر کی دواؤں سے کافی افاقت ہے۔ شکل ہی بدل گئی ہے۔ میرا خیال چند روز میں یہ بالکل ٹھیک ہو جائیں گے۔“

”بل..... پھر میں غور کروں گی۔“

”کیا حرج ہے مسٹر فرگون؟ اگر ہماری بیٹی کی بیہی خواہش ہے تو ہمیں اس کی خواہشوں ازram کرنا چاہئے۔“

”جیسے تم لوگوں کی مرضی.....!“

”میں ڈاکٹر لینگل سے خود بات کروں گی۔ اور اُن سے تمہاری صحت کی روپرٹ طلب دال گی۔ وہ روزانہ نہیں آتے.....؟“

”نہیں..... پہلے آتے تھے۔ اب وہ خود بھی میری صحت کی طرف سے مطمئن ہیں۔“

”مال! شادی بعد میں ہو جائے گی، پہلے جائیداد اور دوسرے اتنا ٹوں کی منتقلی ہو جائے تو

کیا حرج ہے.....؟“ میں نے سلویا کے چہرے پر نگاہیں جما کر کہا۔

”ہاں..... کوئی حرج نہیں ہے۔“ لیکن اُس کے چہرے پر ایک نمایاں تغیر محسوس کیا گئی۔

میں نے۔ پھر اُس دن دوپہر کو لٹھ کے بعد سلویا کسی کام سے چلی گئی اور میں نے رنگی طلب کر لیا۔

”تم نے سلویا کے چہرے کے تاثرات نوٹ کئے تھے.....؟“ میں نے پوچھا۔

”اُس وقت، جب تم نے جائیداد کی منتقلی کی بات کی تھی.....؟“

”ہاں.....!“

”اُس کے چہرے کے تاثرات سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ اُسے صدمہ ہوا ہے اور“
اُبھن میں گرفتار ہو گئی ہے۔ لیکن صرف چند لمحات کے لئے۔ اس کے بعد اُس نے اپنے آپ کو سنبھال لیا تھا۔“

”ہاں..... اس سے اُس کی نیت کا اظہار ہوتا ہے۔ گویا ہم نے جو کچھ سوچا، وہ بالکل درست تھا۔“

”یقیناً.....!“

”لیکن ریگی! تم جانتی ہو، میں نے یہ چکر کیوں چلا�ا؟“

”نہیں..... میں نہیں جانتی۔“

”صرف اس لئے کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں، اس کا متیج فوراً ظاہر ہو جائے۔ اسے اب تشویش ہو گئی ہو گئی اور اب وہ اپنی تشویش ڈور کرنے کے لئے جو کچھ کرنا چاہتی ہے، فوری طور پر کرے گی۔“

”گویا مصروفیت کا وقت قریب آگیا ہے.....؟“

”ہاں.....!“ میں نے جواب دیا اور ریگی پر خیال انداز میں گردان ہلانے لگی۔ سلویا، شام کو تقریباً چھ بجے واپس آئی تھی۔ کہاں گئی تھی؟ اس کے بارے میں نہ تو میں نے پوچھا اور نہ ہی اُس نے کچھ بتانے کی ضرورت محسوس کی۔ بہر صورث! خاصی مطمئن نظر آرہی تھی اور ڈنر پر اُس نے ریگی سے بھی بڑی محبت کا اظہار کیا اور مجھ سے پوچھے گئی۔

”کیا خیال ہے تمہارا فرگوں..... اینڈریا کے لئے کوئی مناسب شوہر، تمہاری نگاہ میں ہے.....؟“

”نہیں.....!“ میں نے سرد لمحے میں جواب دیا۔ اس کے علاوہ میں نے ابھی اس

”میں کچھ نہیں سوچا۔ میری صحت نے مجھے اس کی مہلت ہی نہیں دی۔ اور پھر حالات نانداز کے تھے، اس میں دوسرے تھی مسائل، بہت زیادہ تھے۔“

”تم حالات کا ذکر کر کے اب مجھے شرمندہ نہ کیا کرو۔ میں جانتی ہوں کہ تمہارے ان سائل کی وجہ میں ہی تھی۔“

”بہر صورت! اب تو وہ بات نہیں رہی۔ اب اس میں شرمندگی کی کیا بات ہے؟“ میں ہے۔“ اُبھن میں گرفتار ہو گئی ہے۔ لیکن صرف چند لمحات کے لئے۔ اس کے بعد اُس نے اپنے آپ کو سنبھال لیا تھا۔“

”یقیناً..... میں نے یونہی اپنی چند دوستوں سے تذکرہ کیا تھا تو اس سلسلے میں میرے نہیں ڈیوک آف برنو کا نام اکھرتا ہے۔“

”ڈیوک آف برنو.....!“ میں نے پر خیال انداز میں کہا۔

”ہاں..... جیسی منتقلی ہے، تمہارے علم میں ہے۔“

”درست، سلویا! لیکن.....“

”لیکن کیا؟ تم اُن لوگوں کو جانتے ہو۔ بہت بڑا کاروبار ہے اُن کا۔ ڈیوک برنو کا بیٹا، ان اچھی صلاحیتوں کا مالک ہے اور خوبصورت نوجوان ہے۔ کیا تم نے کبھی اُسے دیکھا ابڑا رہا؟“ اُس نے ریگی سے سوال کیا۔

”نہیں.....!“ ریگی کسی حد تک خنک لبھ میں بوی اور سلویا، اثبات میں سر ہلانے لگی۔ ”بہر صورت! میں کسی وقت اُنہیں اپنے گھر بلاوں گی۔ ایک چھوٹی سی پارٹی کا لئے کر لیں گے۔ اس وقت تم اُسے دیکھ لینا۔ اور مجھے یقین ہے کہ وہ لوگ بھی ہم سے بول گے۔ باقی معاملات تمہاری مرضی پر ہیں۔ اگر تم پسند کرو گی تو ہم آگے بڑھیں انداز انکار کر دیں گے۔“

”میں آپ سے کہہ چکی ہوں گی! کہ میں اُس وقت تک شادی کا خیال بھی ڈھن میں ایسکی، جب تک کہ ڈیوک بالکل تدرست نہیں ہو جاتے۔“ ریگی نے بدستور خنک لبھ نہاد اسے جس انداز کی ایکٹنگ کرنے کو کہا گیا تھا، وہ اس سے سر موئیں ہٹ رہی

”خیال ہے، فرگوں کافی حد تک تدرست ہو چکے ہیں۔ آپ اس سلسلے میں کچھ نہیں سلویا نے کہا۔

کہ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ ڈاکٹر کے ہاتھوں کی انگلیاں خاصی ٹیڑھی میرھی تھیں۔
لیکن اس وقت اُس کی انگلیاں متوازن اور ہموار تھیں۔ سو میں نے کہا۔

”محظی آپ سے ایک انتہائی ضروری بات کرنی ہے مسٹر گینگل!“
”ضرور، ضرور..... فرمائیے!“

”میرا خیال ہے، دروازہ اندر سے بند کر دیں۔“ میں نے رازدارانہ لمحے میں کہا اور
لیکن اس کے لئے تیار ہو گیا۔

اُس نے مڑ کر دروازہ بند کر دیا اور کمرہ ساؤنڈ پروف ہو گیا۔ تب میں نے کہا۔
”رام میں چاہتا ہوں مسٹر گینگل! کہ اپنی جائیداد، اپنی بیٹی ایڈریا کے نام کر دوں۔
لیکن میز فرگوں ابھی تک میرے لئے شک و شبہ کا باعث بھی ہوئی ہیں۔ آپ تشریف
لئے!“ میں نے اپنے کہا اور ڈاکٹر گینگل بڑی دلچسپی سے میرے پاس ہی بیٹھ گیا۔

”کیوں..... میز فرگوں پر اب آپ کو کیا شہر ہے؟ کیا اب وہ آپ سے مخصوص نہیں ہو
گئی.....؟“ گینگل نے رازدارانہ لمحے میں پوچھا۔

”اُس عورت کے بارے میں کوئی حقیقی بات نہیں کہی جاسکتی۔ وہ زندگی کے کسی دور میں
لیکن نہیں ہوئی اب اُس نے مجھے بتایا ہے کہ اُس نے اپنے ساتھی، ہاکن کو قتل کر دیا ہے۔
لائقہ یہ ناممکن ہے۔“

”اوہ..... میز فرگوں قاتل بھی ہیں.....؟“

”اُس جیسی عورت، سب کچھ ہو سکتی ہے۔ لیکن یہ بات قرین قیاس نہیں ہے کہ اُس نے
کو قتل کر دیا ہو۔ ہر حال! دیکھوں گا۔ جیسے بھی حالات ہوئے، آپ اپنا کام کریں۔“
ڈاکٹر گینگل نے گردن ہلائی اور پھر اُس نے بیگ کھولا۔ بیگ میں بہت سی چیزیں تھیں۔
لیکن ایک سماجشنس نکالا اور اُسے تھوڑا کرسنچ میں کھینچنے لگا۔

”یہ کون سا سماجشنس ہے گینگل.....!“ میں نے پوچھا۔

”اعضا کو سکون دیتا ہے میز فرگوں! اُس کے بعد میں، آپ کا معائنہ عمدگی سے کر سکتا
ہو۔“ ڈاکٹر گینگل نے کہا اور مجھ پر جھک گیا۔ بس! اب انتظار بے کار تھا۔ میں نے لیٹئے
ہندو ردار گھونسہ اُس کے منہ پر مارا اور ڈاکٹر ایک تیز آواز کے ساتھ دوسری طرف اُٹ
کر میں نے اُسے موقع نہیں دیا اور اچھل کر اُس پر آیا۔ دوسرے ہی لمحے میں نے اُس
کا ہولہ سر سے پتوں کاکل لیا اور پیچھے ہٹ گیا۔

”اگر ایڈریا بھی اس کے لئے تیار نہیں ہے تو میں اسے مجبور نہیں کروں گا۔ لیکن جو ہمارے
میں کرنا چاہتا ہوں، وہ میرا خیال ہے کہ میں دو تین دن میں انجام دے دوں گا۔ اس طرح
میں، میں نے آج وکیلوں کو بلا یا ہے۔“

”اوہ..... گویا اس سلسلے میں تم نے کارروائی شروع کر دی ہے؟“

”ہاں، سلویا.....! ابھی میں نے انہیں یہ نہیں بتایا کہ میں نے کس مقصد کے تحت اُر
سے ملاقات کا فیصلہ کیا ہے؟ لیکن ہر حال! میں انہیں یہاں بلکہ اس بات کا تذکرہ کردا
گا۔ کیونکہ اس میں بھی کافی وقت لگ جائے گا۔“

”جیسے تمہاری مرضی.....!“ سلویا نے جواب دیا۔ اور پھر ڈر ز کے بعد وہ اٹھ کر جا
گئی۔ ”میں آرام کروں گی۔“ اُس نے کہا۔ اور میں نے ریگی کی جانب دیکھا۔

پھر چلتے وقت میں نے ریگی کو ہوشیار ہے کی تھیں کی۔ لیکن، رات پر سوون گزرن
دوسری صبح ہم ناشتے سے فارغ ہوئے تھے کہ ڈاکٹر گینگل اپنا بیگ اٹھائے ہوئے اندر آیا۔

”کیا بات ہے مسٹر گینگل! آج ضرورت سے زیادہ سنجیدہ نظر آ رہے ہیں۔“

”کوئی خاص بات نہیں ہے۔“ اُس نے بھاری آواز میں کہا۔ ”رات سے سخت نہ
شکار ہوں۔“

”اوہ..... تو پھر آرام کیوں نہیں کیا؟ آپ کی آواز بھی بدی ہوئی ہے۔“ میں نے
اور گینگل نے گردن ہلا دی۔

”بس..... یونہی آپ کا خیال ذہن میں آ گیا تھا۔ سوچا، معائنہ کر لوں۔ کیونکہ
اس طرف نہیں آیا تھا۔“ اُس نے جواب دیا اور مجھے اس کرے میں لے کر پہنچ گیا، جہا
وہ عموماً میرا معائنہ کیا کرتا تھا۔

”میرا خیال ہے، آپ کا مکمل چیک آپ کرلوں میز فرگوں!“ میں نے کہا۔ اور اُس اے
یہ بات میرے لئے کسی قدر تجوہ خیز تھی۔ کیونکہ ڈاکٹر گینگل جانتا تھا کہ میں ایک تدرست
توانا آدمی ہوں۔ اس کے بعد اسے مکمل معائنہ کرنے کی ضرورت کیوں پیش آگئی؟

بس! بیہیں سے میرے ذہن میں شک و شبہات نے جنم لیا۔ میں نے ڈاکٹر گینگل
بدی ہوئی آواز پر کوئی توجہ نہیں دی تھی۔ لیکن اب میں نے ڈاکٹر گینگل کی جامت بڑی
دی اور میرے ذہن میں چیزوں کی ریگنے لگیں۔

اب میں اتنا احمق بھی نہیں تھا کہ ڈاکٹر گینگل کی شخصیت میں کوئی نمایاں فرق ہوتا۔

”نہیں..... لیکن تم نے بڑی کامیاب ضرب لگائی تھی۔ ہم بوکھلا گئے اور پھر روپوش ہونے پر یا نافٹ سمجھی۔“ اُس نے جواب دیا۔

”لینگل کے بارے میں سلویانے ہی تمہیں اطلاع دی ہوگی؟“

”ہاں.....!“

”خود اُس کو ہمارے پورپور کوئی شبہ ہوا.....؟“

”نہیں..... وہ خوش تھی۔ اُس نے مجھے یہی بتایا کہ فرگوسن ضرورت سے زیادہ خود اعتمادی پھر ہو گیا ہے۔ ورنہ وہ سامنے نہ آتا۔“

”پروگرام کیا تھا.....؟“

”بلیں! یہی کتمہیں اور اینڈر ریا کو ختم کر دیا جائے۔“

”لینگل کامن نے کیا، کیا.....؟“

”اغوا کر کے قید کر دیا ہے۔ میں نے اُسے کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔ ظاہر ہے، غیر متعلق اُنہیں۔“

”ہوں.....! میں نے گھری سانس لی، پھر کہا۔“ اب تمہارا کیا خیال ہے ہاکن.....؟“

”بلیں..... میں تم سے تعاوون کرنا چاہتا ہوں۔“

”جو کچھ کہوں گا، مان لو گے.....؟“

”بشرطیکہ قبل قبول ہوا۔“

”تب خود کشی کرلو۔“ میں نے سکون سے کہا اور ہاکن، چونکہ پڑا۔

”کیا بکواس ہے.....؟“ وہ بڑی بڑی ایسا۔

”میری فطرت میں اذیت رسانی ہے۔ اور میرے ہاتھوں آنے والی موت بہت تکلیف ہوگی۔ اس لئے میرا تمہیں بہترین مشورہ ہے کہ خود کشی کرلو۔“

”اوہ، تو تم.....“

”ہاں! اگر تمہاری یہ بات مان لی جائے تو سوچو! میں اس دولت میں تمہیں حصے دار نہیں ہوں گے! بلکہ میں تمہیں آسانی سے قتل کر سکتا ہوں۔“

”انا آسان نہیں ہو گا میرے دوست!“ ہاکن نے کہا اور سامنے رکھی تپائی، بڑی صفائی کی پاؤں کے ذریعے میرے اوپر اچھال دی۔ مقصد میرے ہاتھ سے پستول نکالنا تھا۔ لیکن نہ تپائی، ہاتھ سے پکڑ کر ایک طرف رکھ دی اور مسکرا کر کہا۔

”کھڑے ہو جاؤ ہاکن! تمہارا کھلیل ختم ہو گیا۔“ اور لینگل، اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ بدھواس نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔

”تم..... تم فرگوسن تو نہیں ہو سکتے۔“ وہ سرسراتی آواز میں بولا۔

”اگر تم لینگل نہیں ہو تو میں بھی فرگوسن نہیں ہوں۔“ میں نے مسکراتے ہوئے ہاکن کا چہرہ عجیب ہو گیا۔

”چھر تم کون ہو.....؟“

”تم ہاکن ہونا.....؟“

”ہاں.....!“ اُس نے اعتراف کر لیا۔

”تب میں شیگی کے گروہ کا وہ آدمی ہو، جن کامن نے تعاقب کیا تھا۔“

”تمہارے چہرے پر میک آپ ہے.....؟“

”ظاہر ہے.....!“

”لیکن تمہیں مجھ پر شبہ کیسے ہو گیا؟ میرے میک آپ میں کوئی خای ہے.....؟“

”نہیں..... لیکن ظاہر ہے، میں فرگوسن نہیں ہوں۔ وہ بے چارہ اگر میری جگہ تمہارے اس الجکشن کا شکار ہو گیا ہوتا۔“

”تم بے حد چالاک ہو۔ لیکن میں ذاتی طور پر تم سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔“

”یہاں سکون ہے..... اطمینان سے کہو! کیا کہنا چاہتے ہو.....؟“

”کیا تم بھی دولت کے لائق میں ہی یہ سب کچھ نہیں کر رہے ہو؟“

”ہاں..... تمہارا خیال درست ہے۔“

”تب کیوں نہ ہم دونوں شراکت میں کام کریں؟ اگر تم، فرگوسن کی لڑکی سے شادو چاہتے ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ مجھے صرف ایک بڑی رقم درکار ہے۔ وہ دس میں یہاں سے چلا جاؤں گا۔“

”لیکن اب تمہاری حیثیت کیا رہ گئی ہے ہاکن! تم تو پچے ہوئے مہرے ہو۔“

”ہرگز نہیں..... تم مجھے آسانی سے زیر نہیں کر پاوے گے۔ عقل سے کام لو! میرے تعاون کر تو بہت سے سماں سے فتح جاؤ گے۔“

”ہوں..... سوچ سکتا ہوں اس پر..... لیکن کیا تم دونوں واقعی شاک ہوں ہے باہم کے تھے؟“ میں نے پہلو بدلا۔

”ہاں..... کر سکتا ہوں۔ لیکن ایک شرط پر۔“

”وہ کیا.....؟“ ہاکن جلدی سے بولا۔

”بھی کہ تم جلدی سے یہیں خود کشی کرلو۔ بولو! کیا تم تیار ہو؟“

”م..... میں..... میں زندہ رہنا چاہتا ہوں۔ جہاں تم کہو گے، چلا جاؤں گا۔ میں..... بس! مجھے جانے دو..... مجھے جانے دو!“ وہ دروازے کی جانب بڑھا۔ لیکن اب کیا سوال پیدا ہوتا تھا؟

دوسرے لمحے میرا ایک زودار گونہ اُس کے منہ پر پڑا اور وہ سر کے بل زمین پر گرا۔ وہ بی سے چاروں شانے چت پڑا ہوا تھا۔ اُس کے منہ سے خون بہہ رہا تھا۔ میں نے سوچا کہ کیوں نہ اُس کی مشکل حل کر دی جائے۔ ظاہر ہے، جو کچھ میرے ذہن میں تھا، اس پر عمل کئے بغیر اب کوئی چارہ کا رہیں تھا۔ چنانچہ میں آگے بڑھا اور میں نے اپنے جو تے کی ایڈی اُس کی گردن پر رکھ دی۔ میں اس ایڈی پر دباؤ ڈال رہا تھا اور ہاکن میرے پاؤں پکڑ کر زور لگا رہا تھا۔ لیکن میرے اندر وہ وحشیانہ قوت عود کر آئی تھی، جو شاید سیکرت پیلس کی تربیت سے حاصل ہو گئی تھی۔

پھر ہاکن کی زبان باہر نکل آئی اور آنکھیں اُبل پڑی تھیں۔ اور پھر چند ساعت کے بعد اُس نے دم توڑ دیا۔ میں نے سکون کی گھری سانس لی۔ اب میرے لئے کوئی پریشانی نہ تھی۔ ہاکن مر چکا تھا۔ سلویا کا سب سے بڑا میرہ پٹ چکا تھا۔ اُس نے جس مقصد کے تحت ہاکن کو یہاں بھیجا تھا، وہ پورا نہیں ہوا تھا۔ شاید سلویا کو بھی ہاکن کی طاقت کا پورا پورا اندازہ تھا۔ سلویا اچھی طرح جانتی تھی کہ فرگوں جیسا مجبول سا آدمی بھلا ہاکن جیسے زیریک اور طاقتوں شخص کا مقابلہ کیسے کر سکے گا؟ چنانچہ اُس کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ ہو گی کہ ہاکن کو کوئی خطرہ پیش آسکتا ہے۔

اب ہاکن کو ٹھکانے لگانے کی بات تھی۔ فرش پر کئی جگہ اُس کے خون کے دھبے پڑے ہوئے تھے۔ بہر صورت! یہ تو صاف کئے جاسکتے تھے اور اس میں وقت کی کوئی بات نہ تھی۔ چنانچہ میں نے اُس کی لاش کو انداختا اور با تحد زرم میں لے گیا۔ با تحد زرم کے بڑے شب میں، میں نے اُس کی لاش کو ڈالا اور اوپر سے پانچ کانل کھول دیا تاکہ خون وغیرہ صاف ہو جائے۔ ہاکن کی لاش، پانچ میں تیر رہی تھی۔ اور میرے ہنقوں پر ایک پر سکون مسکراہٹ تھی۔ اُس کے بعد میں نے ایک اور فیصلہ بھی کیا تھا۔ اس کے بعد میں نے باہر نکل کر خون

”پستول سے خوفزدہ ہو؟ لیکن میں اس نری سے قتل کرنے کا عادی نہیں ہوں۔“ میں نے پستول کے چیبیر، خالی کر دیئے۔ اس میں کوئی خاص جذبہ نہیں تھا۔ بس! میں پستول استعمال نہیں کرنا چاہتا تھا۔ کیونکہ ابھی مسز فرگوں باقی تھے۔ تب میں نے خالی پستول، ایک طرز اچھال دیا اور دوسرے ہی لمحے مجھے ایک خسارے سے دوچار ہونا پڑا۔

ہاکن نے چکھہ دے کر اپنے پاؤں پر بندھا ہوا پستول نکال لیا تھا۔ ”میں نے کہا ڈیڑ! کہ میں اتنا نرم چارہ نہیں ہوں۔“ اُس نے کہا۔ لیکن جملہ پورا ہونے سے قبل ہی میں نے اُسی کا داؤ استعمال کیا۔ وہی تپائی پوری قوت سے اُس کے ہاتھ پر پڑی اور وہ میری طرح اس دار کونہ بچا سکا۔ پستول اُس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ ظاہر ہے، چوتھی بھی لگی ہو گئی۔ اس کے ساتھ ہی میں نے چھلانگ لگائی اور ایک لات اُس کے منہ پر رسید کرتے ہوئے اُس کے سر سے گزر کر دوسری طرف جا گرا۔

ہاکن، سانپ کی طرح پلانا تھا۔ اور پھر اُس نے مجھ پر بھپٹ پڑنے کی کوشش کی۔ لیکن دوسرے لمحے اُسے اپنی پسلیاں پکڑ کر ڈھیر ہو جانا پڑا۔ میں بھی اُس کے لئے نرم چارہ نہیں تھا۔ لیکن اتنا اندازہ میں نے بھی لگایا کہ وہ بھی لڑنے مرنے والا آدمی ہے۔ چند نساعت کے بعد ہم دونوں ایک دوسرے کے مقابلہ تھے۔ ”میں نے غلط نہ کہا تھا ہاکن! اگر تم خود کر لیتے تو خسارے میں نہ رہتے.....“

”ابھی پتہ چل جائے گا.....!“ اُس نے مجھے جھکائی دی۔ اور دوسرے لمحے اُس نے گرے ہوئے پستول پر چھلانگ لگادی۔ لیکن میں غافل نہیں تھا۔ میں نے اُسے پستول پر گرنے دیا اور میری لات نے اُسے اٹھ دیا۔

پستول دوبارہ میرے ہاتھ میں آگیا تھا۔ لیکن ہاکن اس بار بڑی زور سے دیوار سے ٹکر کر تھا اور خود پر قابو نہ رکھ سکا اور زمین پر گر پڑا۔ میں نے یہ پستول بھی اُس کے سامنے خالی کر دیا۔ اب میں کھلی ختم کر دینا چاہتا تھا۔ چنانچہ میں آگے بڑھا اور میرے پاؤں کی ٹھوک اور کی پیشانی پر پڑی۔ اُس کی دھاڑ سے کمرہ گونج اٹھا تھا۔ میں نے گریان سے کپڑے کرنے اٹھایا۔

”ٹھہرو..... ٹھہرو..... رُک جاؤ!“ ہاکن نے دونوں ہاتھ آگے کی جانب پھیلا دیے۔ میں نے اُسے زور سے جھکا دیا۔

”کیا..... کیا تم مجھے معاف نہیں کر سکتے؟“ اُس نے بھی سے کہا۔

خواب گاہ کے زمانی ماحول میں بھی سلوویا کی کیفیت زیادہ درست نہیں تھی۔ اور پھر میری فربت اور گرموجوشی نے اُسے شدید حرمت میں ڈال دیا۔ فرگون! یہ..... یہ تمہیں کیا ہو گیا.....؟، وہ تجھ کے عالم میں بولی۔ ”تمہاری تو کاہی پلٹ گئی ہے۔ اوه..... فرگون! تم تو پھر سے جوان ہو گئے۔“ خود اُس کی حالت بگڑتی باری تھی۔ ”فرگون ڈارلنگ..... تم..... کیا ہو گیا تمہیں.....؟، وہ خواب کے عالم میں بدل رہی تھی۔ جب میں نے اُسے بازوؤں میں انخلایا۔ ”کہاں جا رہے ہو.....؟، اُس نے بڑھا لجھے میں پوچھا۔

”باتھر زوم میں.....؟،“ میں نے کہا۔ لیکن اُس نے میری بات پر توجہ ہی نہیں دی۔ ”تمہارا سینہ تو چٹان بن گیا ہے۔ تم..... تم تو کبھی ایسے نہ تھے فرگون.....؟،“ اُس نے زور سے مجھے کھینچ لیا۔ میں اُسے لئے ہوئے باتھر زوم میں داخل ہو گیا۔ ”فرگون..... فرگون! میں تو..... میں تو تمہارے لئے پاگل ہو گئی ہوں فرگون.....؟،“

اور میں نے اُسے پانی کے ٹب میں اچھاں دیا۔ سلوویا، نیلے انداز میں ہٹنے لگی تھی۔ اور پھر اُسے کوئی احساس ہوا۔ اُس نے پلٹ کر باتھر زوم کی ساری تیاں روشن کر دیں۔ باتھر زوم میں قیزروشی پھیل گئی۔ اور شب میں تیرتی بوئی ہاکن کی لاش صاف نظر آ رہی تھی۔ اُس کا چہرہ بے حد بھیانک ہو رہا تھا.....

لیکن سلوویا، جذبات کے خمار میں ڈوبی ہوئی تھی۔ میرے قرب اور مس نے اُسے دیوانہ کر دیا تھا۔ اُس کے ذہن میں یہ بات کبھی نہیں آ سکتی تھی کہ بوڑھا فرگون، جسمانی طور پر اتنا طاقتور بھی ہو سکتا ہے۔ تب اُس نے لاش کو چھو کر محروس کیا اور اچھل پڑی۔ اُس نے گردن انھا کر دیکھا اور باتھر زوم اُس کی وحشت ناک تھی سے گونخ اٹھا۔

سلوویا نے ٹب سے نکلنے کی کوشش کی، لیکن اُس کے ہاتھ پھسل گئے۔ میرے حلق سے ایک قبیلہ نکل گیا۔

”یہ..... یہ..... یہ.....“ اُس نے خوفزدہ لجھے میں ہاکن کی لاش کو دیکھا، جس کے چہرے سے میک اپ اتر چکا تھا۔ اور پھر وہ دوبارہ تھی پڑی۔ ”اوہ..... اوہ..... یہ لاش ہے۔ لل..... لاش.....“ وہ پاگلوں کی طرح تھی تھی۔ پھر اُس نے تیزی سے باٹھنگ ٹب سے نکلنے کی کوشش کی۔ لیکن جو نہیں وہ ٹب سے اُبھری میں نے اُسے اٹلا ہاتھ رسید کر دیا اور وہ ہاکن کی ایش پر جا پڑی۔ اب وہ مسلسل چیخے جا رہی تھی۔ باتھر زوم کا ماحول خاصاً پر اسرار ہو گیا تھا۔

کے دھبے بھی صاف کئے اور اس کے بعد کمرہ لاک کر کے باہر نکل آیا۔ ریگی اور سلوویا فرانس کو تلاش کرنے میں کوئی وقت پیش نہیں آئی۔ دونوں قریب قریب بیٹھیں۔ سلوویا اس وقت بھی ریگی کو بڑے پیار سے اپنے ساتھ لٹائے ہوئے تھی۔ میں اُس کرنے میں داخل ہوا تو سلوویا، دھشت سے اچھل پڑی۔ اُس نے خوفزدہ نگاہوں سے مجھے دیکھا۔ لیکن میرے چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا۔ اپنا میک اپ بھی میں آئینے کے سامنے درست کر چکا تھا۔ تب میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

”کیا ہو رہا ہے.....؟،“ میں نے دوستانہ انداز میں کہا۔

”اوہ..... کیا مسٹر گینگل چلے گئے.....؟،“ سلوویا نے پوچھا۔

”ہاں..... اچانک انہیں کوئی کام یاد آ گیا تھا۔“ میں نے جواب دیا۔ ”کہہ گئے کہ کل آ کر میرا معاونہ کریں گے۔“ سلوویا کی پیشانی پر ایک لمحے کے لئے پریشانی کی لکیریں نمودار ہوئی تھیں۔ لیکن پھر وہ پر سکون ہو گئی۔

”میں تمہاری صحت کی طرف سے فکر مندر ہنے لگی ہوں ڈارلنگ!“ اُس نے کہا۔

”میری فکر چھوڑو ڈیڑھ! اب میں تند رست ہوں۔ اینڈر یا! کیا تم ہمیں تھوڑی دیر کے لئے اجازت دو گی؟ آج کا دن ہم تباہ گزارنا چاہتے ہیں۔“ میں نے اچانک کہا اور ریگی جلدی سے کھڑی ہو گئی۔

”کیوں نہیں ڈیڑھی؟ میں اپنی کچھ دوستوں سے ملاقات کے لئے جا رہی ہوں۔“

”شام کو پانچ بجے سے پہلے واپس آ جانا۔“ میں نے کہا اور ریگی باہر نکل گئی۔ میں نے نیلی آنکھیں بنا کر سلوویا کو دیکھا تھا۔

”کیا بات ہے..... اُسے کیوں بھیج دیا؟“

”سلوویا ڈیڑھ! اب جبکہ ہماری پریشانیاں دور ہو گئی ہیں، کیا ہمیں ایک دوسرے سے اتنے دور رہنا چاہئے نہ جانے کیوں، آج میرے ذہن میں پرانی یادیں تازہ ہو رہی ہیں۔ کیا تم اس دن کو ایک خوبصورت دن بنانا پسند کرو گی.....؟،“

”کیا ہو گیا ہے تمہیں..... کیا تمہاری صحت اس قابل ہے؟“ سلوویا نے کہا۔

”ہاں..... کیوں نہیں؟ تمہاری وجہ سے پریشان تھا۔ تم تھیک ہو گئیں، میں بھی تھیک ہو گیا۔“ میں نے کہا اور سلوویا بینے گئی۔ میں نے اُس کی کمرہ میں باتھنے کا اور اسے خواب گاہ کی طرف لے گیا۔ اس وقت ڈاں بین اپنے اصلی روبرو میں آ گئا تھا۔

”سلویاڑیز! یہ تمہارا محبوب ہے ناہاکن..... میرا خیال ہے، ایک خوش نصیب محبوب کو اپنے محبوب کے ساتھ ہی جان دے دینی چاہئے۔“

”تم..... تم..... فرگون..... آہ..... تم مجھے..... مجھے معاف کر دو فرگون!“ وہ چیزیں۔

”ہاں، ہاں.....! میں تمہیں معاف کر چکا ہوں ڈارلنگ! دل و جان سے معاف کر چکا ہوں۔ اس لئے کہ اب تم صرف چند لمحات کے لئے دنیا میں مہمان ہو۔“

”آہ، فرگون..... مم..... میں..... مم..... مم..... میں زندہ رہنا چاہتی ہوں۔ مم..... مجھے..... معاف کر دو..... فرگون..... فرگون!“

”نہیں ڈارلنگ! تم نے وعدے کے مطابق ابھی تک مجھے، میرے کاغذات بھی واپس نہیں کئے۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ اس راز کو ہمیشہ کے لئے باٹھنگ ٹب میں دفن کر دوں۔“

میں آہستہ آہستہ آگے بڑھا۔ اور پھر میں نے سلویا کے بال پکڑ لئے۔ ”فرگون..... فرگون..... مم..... مجھے..... آہ..... معاف فا..... معاف فا..... فر..... گو..... س.....“ اُس نے کہا۔ پھر اُس کے منہ میں پانی بھر گیا۔ مگر میں نے اُس کے بالوں کو نہیں چھوڑا۔

سلویا، ہاتھ پاؤں مارتی رہی اور میں اُسے پانی میں دبائے رہا۔ وہ بری طرح ترپ رہی تھی، اور پانی اچھل کر باہر آ رہا تھا۔ آہستہ آہستہ اُس کی جدوجہد ڈھیلی پڑتی گئی۔ میں نفرت بھرے انداز سے اُسے دیکھ رہا تھا۔ اور چند ساعت کے بعد باٹھنگ ٹب میں دو لاشیں تیر رہی تھیں۔ دونوں ایک دوسرے کے محبوب تھے۔ تب میں نے ایک گہری سانس لی اور وہاں سے دوسرے کمرے میں آ گیا۔ باٹھ روم کو میں نے مقفل کر دیا تھا۔ پھر دوسرے کمرے میں آ کر میں نے اپنا لباس درست کیا اور باہر نکل آیا۔ ریگی ظاہر ہے، باہر نہیں کوئی تھی۔ بلکہ وہیں ایک کمرے میں موجود تھی۔ وہ دیکھنا چاہتی تھی کہ میں کیا کھیل، کھیل رہا ہوں۔ تب میں اُسے لئے ہوئے باٹھ روم میں واپس آیا اور ان دو لاشوں کو دیکھ کر ریگی بھی خود پر قابو نہیں پا سکی تھی۔

ہاکن اور سلویا فرانس کی لاشیں میں نے مسٹر فرگون کی مدد سے ٹھکانے لگائیں۔ گو، وہ ان لاشوں کو دیکھ کر لرز گئے تھے۔ لیکن بہر حال! ان کے چہروں سے خوشی بھی پھوٹ رہی تھی۔ دونوں میرے بے حد شکر گزار تھے۔

ریگی کو میں نے واپس اُس کے مکان پر پہنچا دیا تھا۔ اُس لے بہر حال! میری کافی مدد کی مسٹر فرگون کے اندر چند ہی روز میں بڑی تبدیلی آ گئی۔ وہ صحت یا ب ہوتے گئے۔

ایک شام دونوں نے مجھے طلب کیا اور بولے۔

”زیر ماں! تم نے میری ذات پر جواہر کیا ہے، اس کے صلے میں، میں تمہیں کچھ بنا چاہتا ہوں۔ کیا تم میری یہ پیش کش قبول کرو گے.....؟“

”میں خود ہی آپ سے اپنی محنت کا معاوضہ طلب کرنا چاہتا تھا مسٹر فرگون.....!“ میں نکل لجھے میں کہا اور مسٹر فرگون چوک کر مجھے دیکھنے لگے۔ ان کے محبت کے جذبات سرد گئے تھے۔ میں جانتا تھا کہ وہ مجھے کیا پیش کریں گے۔

”تم کیا چاہتے ہو.....؟“

”سات لاکھ پونڈ..... تین لاکھ پونڈ میں، سلویا فرگون سے حاصل کر چکا ہوں۔ اور اس ام کا اتنا ہی معاوضہ مقرر کیا تھا میں نے۔“

”اوہ.....“ مسٹر فرگون نے غمزدہ لجھے میں کہا۔ ”لیکن میں، تمہیں کچھ اور دینا چاہتا تھا۔“

”اپنے کام کا معاوضہ میں خود مقرر کرتا ہوں۔ نہ اس سے زیادہ کچھ چاہتا ہوں اور نہ اس کے کم.....!“ میں نے بدستور خنک لجھے میں کہا۔

”جب یا تم پسند کرو.....!“ مسٹر فرگون نے آہستہ سے کہا۔

میں نے مسٹر فرگون سے سات لاکھ پونڈ وصول کے جو ان کے لئے مشکل نہیں تھے۔

لیکن میں سے دو لاکھ پونڈ کے ڈرافٹ بناؤ کر میں نے ریگی کو روانہ کر دیئے اس کے ساتھ وہ مویریں اور شیپ بھی جو میں نے ریگی کو بلیک میل کرنے کے لئے حاصل کئے تھے۔ اور شکریہ ایک خط بھی، اس اطلاع کے ساتھ کہ میں آج ہی شاک ہوم چھوڑ رہا ہوں۔ اور رفاقت! میں نے اُسی وقت شاک ہوم چھوڑ دیا۔ میری طبیعت اس شہر سے بری طرح لگائی تھی۔



پانچ زوم سے بون کے موسم کے پارے میں بتایا جا رہا تھا۔ بون میں اس وقت پارش ہو رہی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد طیارہ، رن وے پر اتر گیا۔ سیڑھی لگ گئی اور مسافروں کو کشمکش تک لے جانے کے لئے خصوصی گاڑیوں کا بندوبست کر دیا گیا۔ میں بھی ایک گاڑی میں کشمکش باوس تک پہنچ گیا اور صحن کارروائی ہونے لگی۔ کشمکش باوس کے بڑے گیٹ سے نکلا تو اب خوبصورت عورت نے مکراتے ہوئے استقبال کیا۔ عمر اٹھائیں، تمیں سال کے درمیان بیوی۔ بیاس بھی بخیدہ پہننا ہوا تھا اور چہرے کے نقوش پر بھی ایک سنجیدگی چھائی ہوئی تھی۔

”ہیلو!... وہ آگے بڑھی۔

”ہیلو..... فرمائیے.....!

”میں اگر غلطی نہیں کر رہی تو تم فلیکس ہو؟ میرا نام ایریسا ہے۔“

”اور اگر میں کہوں کہ تم غلطی کر رہی ہو تو.....؟“ میں نے کسی قدر بے تکلفی سے کہا۔

”تو میں جواب دوں گی کہ تم مذاق کر رہے ہو۔“ اُس کے ہونٹوں پر خفیہ سی مکراہٹ پیاس گئی۔

”خوب..... اچھا! اگر میں فلیکس ہوں تو مجھے کیا کرنا چاہئے؟“

”سب سے پہلے میرے ساتھ چل کر ٹیک میں گرم گرم کافی پینی چاہئے۔ اور اس کے بعد میرے ساتھ گرفن چلنے کی تیاری.....“

”بڑی دلچسپی میں آپ محترمہ ایریسا! لیکن میری رائے ہے کہ آپ دوسرے مسافروں میں فلیکس کو تلاش کر لیں۔ اور اگر وہ نہ ملے تو پھر مجبوری ہے، میں تھوڑی دیر کے لئے فلیکس نہ جاؤں گا۔“

”فلیکس، پلیز.....! مذاق نہ کرو۔ میں بہت جلد نزوں ہو جاتی ہوں۔“

”جیسی آپ کی مرضی.....؟“ میں نے شانے ہلا دیئے اور اپنا مختصر سا ٹیک اٹھا کر اُس کے پشت پہل پڑا۔ دیے دل میں، میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر یہ خاتون بھی کسی مصیبت کا شکار نہیں تو میں، انہیں بتاؤں گا کہ میں گھوڑوں کا ذاکر ہوں، اس کے سوا کچھ نہیں۔ اس قسم کی خاتمن کے چکر میں پڑ کر کافی وقت خلائق کر چکا تھا۔

”آؤ.....!“ وہ ایئر پورٹ ٹیک میں داخل ہو گئی جو ایک خوبصورت جگہ تھی۔ موسم کے نہ سے نہ کھنک ڈھن رقص کر رہی تھی اور ماحول کے تقاضوں کو مد نظر رکھتے ہوئے دھیں دھیں بیکار جلا دی گئی تھیں۔

آوارہ یادیں، ذہن کو اجھنوں کے سوا کچھ نہیں دیتیں۔ گزرے ہوئے لمحات کو بھول جانے کا فن بے حد مشکل ہے اور میں اس مشکل دور سے گزر آیا تھا۔ شاک ہوم جلد بازی میں چھوڑا تھا۔ کوئی پروگرام ذہن میں نہیں تھا۔ ایئر پورٹ پہنچنے پر جو دماغ میں آیا، کیا۔ میں الاقوامی پاسپورٹ، میرے پاس موجود تھا۔ ایئر جنسی ویزا الگوانے میں کوئی وقت نہیں ہوتی۔ خاص طور سے سوئٹر لینڈ کے لئے..... ایک ایجنت نے آدھے گھنٹے میں میری یہ مشکل حل کر دی تھی۔ بہر حال! دیوپیکر طیارے کے پر سکون اور آرام دہ ماحول میں ذہن کو ترتیب دینے کا کام زیادہ دشوار گزرنہیں تھا۔ خاص طور سے اس شکل میں، جب کہ میرا ہم سفر ایک شم مردہ ٹھنڈھ تھا۔ شم مردہ اس لئے کہ طیارے کے فضا میں پہنچتے ہی اُس نے اونٹھا شروع کر دیا تھا۔ اور در حقیقت! یہ اُس کے اوگھٹے کی ہی عمر تھی۔ یہ دوسری بات ہے کہ اوگھٹے ہوئے لوگ مجھے نہ مردہ ہی لگتے ہیں۔ اور میں سوچتا ہوں کہ کسی بھی وقت یہ اوگھٹے اوگھٹے مر جائیں گے۔ اکثر ایسے لوگوں کی تربت مجھے کوفت میں بنتا کر دیتی ہے۔ لیکن اس وقت کسی ایسے آدمی کا ساتھ میرے لئے باعث سکون تھا اور میں اطمینان سے بیٹھا آئندہ کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

سکرٹ پیلس سے نکلنے کے بعد ابھی تک میں نے کوئی ڈھنگ کا کام نہیں کیا تھا۔ اتنا میں اینڈریا کا چکر پڑ گیا تھا۔ اس کے بعد مسٹر فرگون کا معاملہ آگیا تھا۔ لیکن ان معاملات سے ایک کام ضرور ہوا تھا۔ وہ یہ کہ مجھے خود کو جانچنے کا موقع مل گیا تھا۔ اور اندازہ ہو گیا تھا کہ میری فطرت، مجھے کن راستوں پر لے جاتی ہے۔ اب منلہ یہ تھا کہ میں اپنی جرام کی زندگی کا آغاز کہاں سے کروں؟ اور اس کا مقصد کیا ہو؟ ہر انسان کی زندگی کا ایک محو ہوتا ہے۔ اگر کوئی آوارہ منش اپنے محو سے بھٹک جائے اور اس کے سامنے کوئی منزل نہ ہو تو پھر اس کا سکون ہمیشہ کے لئے رخصت ہو جاتا ہے۔ مجھے کسی منزل کا تین ضرور کرنا پڑے گا۔ اور اس کے بعد ہی کچھ کرنے کا لطف آئے گا۔

جہاز، بون کے ہوائی اڈے پر پہنچا تو کم از کم! بڑی حد تک میں پر سکون ہو چکا تھا۔

بایہ، جانتے ہو کیا؟“

”نہیں!“ میں نے گردن ہلا دی۔

بھڑک بھڑکا۔ لیکن تم سخرے تو ہو، بھڑکیے کہیں سے نہیں نظر آتے؟“ اس بار اس انداز میں تھوڑی سی تبدیلی نظر آئی تھی۔

”میں کیا کہہ سکتا ہوں؟“ میں نے شانے ہلا دیے۔ کافی پینے کے بعد ہم اٹھ گئے اور پھر

پہنچ سے باہر نکل آئے۔ ایریانے ایک خوبصورت و بیشی سپورٹ کے پاس پہنچ کر دروازہ

بڑا اور میں اس کے نزدیک آبیٹھا۔ اُس نے کار شارٹ کر کے آگے بڑھا دی تھی۔

”إن ذؤول حالات بہت خراب ہیں۔“

”ایسا صورت حال ہے؟“

”کچھ کہا نہیں جا سکتا فلاںس..... بس! ایک عجیب سی گھن ہے۔ اہم ترین سرکاری حلقوں

ابد بے چینی پائی جاتی ہے۔ ہمارا تقریباً پورا مکہم ہی سوتھر لینڈ ٹرانسفر ہو گیا ہے۔ لیکن

اکا کے پاس کوئی خصوصی بہادیت نہیں ہے۔ ہم لوگ یہاں مختلف ناموں سے مقیم ہیں اور

اُمرے سے کوئی رابطہ بھی نہیں رکھتے۔ سخت ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔ میں یہی

تلکٹی ہے۔“

”نابِ اقدام ہے، لیکن.....“

”ہاں، کہو.....!“ اُس نے گردن موڑ کر میری جانب دیکھا۔

”اُس کے علاوہ بھی کچھ حالات خراب ہیں.....؟“

”ہاں فلاںس!“

”کیا بات ہے.....؟“

”خیال ہے کہ کوئی میں الاقوامی مسئلہ ہے۔ کئی ملکوں کے لوگوں کو دیکھا گیا ہے۔ ظاہر

بڑا علاقہ ہے اور نیہاں کاموں کی آسانی ہے۔“

”یا شہر.....!“ میں نے گردن ہلا دی۔

”مکر لیمو، تمہاری طرف سے بہت پر امید ہیں۔“

”تمہاری ہے اُن کی۔“ میں نے جواب دیا۔

”کیا خالی ہے فلاںس! کیوں نہ ہم آج یہیں قیام کریں؟ کل گرفن رو انہوں گے۔“

”آمیری میر بان ہو۔ جو تم فیصلہ کرو، مجھے اس سے انکار نہیں ہے۔ ویسے اس سلسلے

ایک پر سکون گوشے کی میز پر ہم دونوں بیٹھ گئے۔ خاتون، نٹو بنے والی نگاہوں سے بار مجھے دیکھنے لگتی تھیں۔ لیکن میں غلط فہمی کی شکار اس عورت سے مزید کیا کہہ سکتا تھا؟ اُر نے ویٹ کو بلا کر کافی کے لئے کہا اور پھر خاموشی سے کرسی پر نیک گئی۔

”میرے سینے پر نیک ہوئے زرد گلاب کو دیکھ کر بھی تم خاموش ہو.....؟“

”مگر گلاس مجھے ذرا بھی پسند نہیں۔“ میں نے جواب دیا۔

”مجھے بتایا گیا ہے کہ تم کافی شوخ فطرت کے مالک ہو۔ لہذا کیوں نہ ہم تھوڑی در سنجیدگی سے لفٹ گوکر لیں۔“

”باہر کا موسم کافی خوشنگوار ہے۔ اس خوبصورت موسم کے ساتھ، سنجیدگی ہم آہنگ نہیں ہو سکتی۔ اور میں محسوس کر رہا ہوں کہ آپ ضرورت ہے زیادہ سنجیدگی کا مظاہرہ کر رہی ہیں۔“

”ہاں..... میں طبعاً تمہارا ساتھ نہیں دے سکتی۔“

”مجھے افسوس ہے۔“

”خیر..... کافی بیو!“ اُس نے کہا اور میں بھی کافی کی پیالی کی طرف متوجہ ہو گیا۔ نہایت عمدہ کافی تھی جو موسم کے لحاظ سے بہت خوش ذائقہ محسوس ہو رہی تھی۔ ”شاک ہوم کا موسم کیسا ہے؟“

”خوشنگوار.....!“ میں نے چونک کر کہا۔

”در اصل! یہاں ضرورت سے زیادہ ہنگاے ہیں، اس لئے تمہا مجھے یہاں بھیجا گیا۔ ورنہ تمہارے استقبال کے لئے تو بہت سے لوگ آتے۔“

ایک لمحے میں ایک خیال میرے ذہن میں سراہیت کر گیا، کیوں نہ بون میں داخل ہوئے ہی خراج وصول کیا جائے؟ اگر اس کے ساتھ ایک خوشنگوار مدلت گزر جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ اور میں اپنے اس فیصلے سے مطمین ہو گیا۔ کوئی کچھ بھی کہے، دیکھا جائے گا۔ میرا کیا بگزیرے گا؟

”اب تم واقعی سنجیدہ نظر آرتے ہو۔“ وہ مسکرا اٹھی۔

”ہاں..... شاید کافی میں سنجیدگی کی دو اعلیٰ ہوئی تھی۔“ میں نے جواب دیا اور اس کے سفید دانت نمایاں ہو گئے۔ اُس کے انداز میں کسی قدر سکون نظر آ رہا تھا۔ چند ساعت وہ کافی کے گھونٹ لیتی رہی۔ اور پھر گہری سانس لے کر بولی۔

”مسٹر ولسیفو نے تمہارے بارے میں بہت کچھ بتایا تھا۔ انہوں نے تمہیں ایک نظاہ

میں کوئی خصوصی ہدایت تو نہیں ہے؟“

”نہیں..... مسٹر ولسیفو نے کہہ دیا ہے کہ تمہیں صاف سترہ اُن تک پہنچاؤں۔ اُرک خطرہ محسوس کروں تو یہیں قیام کروں۔ کیوں نہ اس رعایت سے فائدہ اٹھایا جائے؟“

”ٹھیک ہے..... میں کیا کہہ سکتا ہوں؟“

”ایک بات ضرور کہوں گی، تین افراد نے تم سے شناسائی کا اظہار کیا ہے۔ ایڈوارڈ مسٹر والٹ فیلیس اور کیپٹن شاکر۔ انہوں نے کہا ہے کہ وہ تم سے آشنا ہیں۔ لیکن سب یعنی تمہارے بارے میں یہی بتایا کہ تم فطرتاً بے حد خطرناک ہو، ضدی ہو۔ ہمیشہ دوسرے اختلاف کرتے ہو۔ لیکن میرے ساتھ تو ایسی بات نہیں ہے۔ اس وقت تو تم ایک مضمون کی مانند ہو، جو ہر بات پر گردن بلاد دیتا ہے۔“

”ہاں.....“ میں نے آہستہ سے کہا۔

”کیوں.....؟“

”بس..... تمہیں دیکھ کر دل چاہتا ہے کہ تمہاری بات مان لی جائے۔“

”ہوں.....“ اُس نے شیریں لجھے میں کہا۔

” بلاشبہ!“ میں نے کہا اور وہ مسکرا دی۔ سپورٹس کار، سڑکوں پر فرائی بھر رہی تھی۔ وہ اُس نے کار کی رفتار بکل کر دی۔

”فلیکس.....!“ اُس نے سر گوشی انداز میں کہا۔

”کیا بات ہے.....؟“

”وہ نیلی انڈیں دیکھ رہے ہو.....؟“ اُس نے عقیقی آئینے کی طرف اشارہ کیا۔

”ہاں.....“

”ایرپورٹ سے ہمارے پیچھے ہے۔“

”شبہ ہے.....؟“

”نظر انداز تو نہیں کریں جاسکتا۔“ اُس نے دھمکے لجھے میں جواب دیا۔

”دیکھ لیتے ہیں۔“

”کیا کروں.....؟“

”یہ کون سی جگہ ہے.....؟“

”آگے ٹاؤن ہاں ہے۔ اور یہ سڑک، برگ فورٹ کی طرف جاتی ہے۔ سنان میں۔“

”ای طرف چلو۔“ اس بار میں نے کسی قدر سخت لجھے میں کہا اور اُس نے رفتار تیز کر

پر اُس نے کمی بار عقب نما کی طرف دیکھا اور اتنی ہی دفعہ میری جانب، اور پھر مسکرا

”کیوں..... کیا بات ہے.....؟“ میں نے پوچھا۔

”اب کچھ کے بھیڑیے لگ رہے ہو۔“ وہ ایک گھری سانس لے کر بولی۔ میں نے

لہات کا کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ ایک عمارت نظر آئی، جس پر ٹورٹ آفس کا بورڈ لگا

اور اس کے بعد سربراہی کیتی شروع ہو گئے تھے۔ تھوڑی ڈور جا کر یہ سلسلہ بھی ختم ہو گیا

بٹولیں دعیض میدان نظر آ رہے تھے، جن کے انتظام پر برف پوش پہاڑیاں نظر آ

ئیں۔

”لیکن سڑک، گرفن کی طرف جاتی ہے۔“

”گرفن کیا ہے.....؟“

”اوہ..... اس علاقے سے ناواقف ہو.....؟“

”ہاں.....“

”ایک پیازی قصبه ہے۔“

”انہیں کیوں جارہی ہو.....؟“

”لیکن کوارٹ، دیہیں بنایا گیا ہے۔“ اُس نے جواب دیا اور میں نے اچانک اُس کے

”بہتر کر دیا۔“ ”کیوں.....؟“ وہ چونکہ پڑی۔

”اوہ دو.....!“

”اچک.....“ وہ آہستہ سے بولی اور پھر اُس نے اچانک کار کے بریک لگادیے۔

”لیکن کرو.....!“ میں نے کہا اور اُس نے میری اس دوسرا ہدایت پر بھی عمل کیا۔

”سڑک کے کنارے روک دی۔“ لیکن نیلی کار والوں نے بھی بہت زیادہ دلیری کا

”لٹکا۔“ ہمارے بالکل نزدیک آ کر رک گئی۔ اور پھر چار آدمی، بڑی تیزی سے باہر

نگر بک کے سب لمبے اور کوٹ پہنچے ہوئے تھے اور وہ سب برق رفتاری سے ہماری

طرف آئے۔ اور پھر انہوں نے پستول ہمارے سامنے کر دیئے۔ مجھے اس جلد بازی کی نہیں تھی۔ میں گاڑی میں بیٹھا اُبھیں دیکھتا رہا۔

”نیچے آنے کی زحمت کرو گے.....؟“ ان میں سے ایک نے کہا، جس کا منہ میڑ حادثہ تاک ضرورت سے زیادہ اُپر اٹھی ہوئی، جس سے اُس کے نتھنے اندر تک صاف نظر آتھے۔ نہ جانے کیوں میرا دل چاہا کہ میں اُس کے نتھنوں میں انگلیاں ڈال کر اُس کی اوپر تک چریڈوں۔

”بونٹ کھول دو.....!“ میں نے ایریا سے کہا اور اُس نے جلدی سے بونٹ لیدا۔ میں دروازہ کھول کر نیچے آتے آیا اور ان لوگوں کی طرف دیکھنے لگا۔ ”کیا بات ہے.....؟“

”یہاں کیوں رُکے ہو.....؟“ ”ابن خراب ہو گیا ہے۔“ میں نے جواب دیا اور ابن کی طرف جانے لگا۔ پھر میں بونٹ اٹھا دیا۔

”بندو کر دو اسے۔ ہم، تم دونوں کو اپنی کار میں چھوڑ دیں گے۔ کہاں جا رہے تھے؟“ ”خوب..... اور یہ پستول کیوں نکالے ہوئے ہیں تم نے.....؟“ ”ضرورتا..... ممکن ہے، تم ہماری بات نہ مانو۔“

”تم زبردستی لے جاؤ گے.....؟“ ”ہاں..... یہ ہم لوگوں کی عادت ہے۔ ہم اسی طرح دوستی کرتے ہیں۔ بس ارتنے کی کوڑا یا، اُسے ایک وقت کا کھانا کھایا اور چھوڑ دیا۔“ میڑ ہے منہ والے نے کہا۔ ”میری بھی ایک عادت ہے۔“ میں نے کہا اور ابن پر جھک گیا۔ میڑ ہے منہ والے نے زدیک آگیا تھا۔

”خوب..... تمہاری کیا عادت ہے.....؟“ اُس نے پوچھا اور اچاک میں سیدھا ہاڑا۔ میں نے برق رقاری سے اُس کے گریبان پر ہاتھ ڈالا اور اسے ابن پر ڈال کر بونٹ دیا۔ اُس کے پستول والا ہاتھ، باہر ہی نکلا رہ گیا تھا۔ میں نے اطمینان سے اُس کا پٹ نکلا۔ اس دوران، اُن میں سے ایک نے فائر کر دیا تھا اور گولی میرے کوت کو چھوٹی نکل گئی تھی۔ لیکن دوسرے لمحے، میرے پستول سے دو گولیاں نکلیں اور ان میں آدمیوں کے بھیجے اُڑ گئے۔ تیسرا کو ایریا نے اپنے پستول سے ہلاک کر دیا تھا۔ میں ان لوگوں کا جائزہ لیا اور پھر بونٹ اُپر اٹھا دیا۔ اُس آخری آدمی سے میں اُس کے

ہی معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا۔ لیکن اُس کی حالت بہت زیادہ خراب تھی۔ ابن کے پڑے اُس کے دماغ میں گھس گئے تھے اور وہ چیخ بھی نہیں سکتا تھا۔

”یہ بھی گیا۔“ میں نے افرادہ لبھجے میں کہا۔ ایریا، متعجبانہ انداز میں آنکھیں پھاڑے سے بھی گوری تھی۔ پھر وہ ایک گہری سانس لے کر بولی۔ ”اب کیا کریں؟“

”اپن..... میں نے جواب دیا۔

”کیوں نہ گرفن ہی چلیں.....؟“

”خوبزدہ ہو گئی ہو.....؟“

”ہاں..... اُس نے اعتراف کیا اور مجھے اُس کی یہ بات پسند آئی۔

”ابن نہیں چلیں گے۔ اب تو تم ثبوت بھی دے سکتی ہو کرم مصروف ہو گئی تھیں۔“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور وہ ہونتوں پر زبان پھیر کر رہ گئی۔ بہر حال! میری ہدایت پر اُس نے کار واپسی مودودی۔ راستے بھروسہ خاموش رہی۔ لیکن میں نے کئی بار محبوس کیا کہ اُس نے پورا گھوٹ سے مجھے دیکھا ہے۔ پھر ایک خوبصورت سے ہوٹل کے سامنے اُس نے کار روک دی۔ اور پھر اُس سے کیا ڈنڈ میں لے گئی۔ ہوٹل میں مسٹر اینڈ مزز جیبل کے نام سے کمرہ حاصل کیا گیا اور ہم اُس خوبصورت کرے میں آگئے۔

”ولیفو نے تمہارے بارے میں جھوٹ نہیں کہا تھا۔“ ایک مشروب کے سپ لیتے ہوئے ایریا نے کہا۔

”کیا مطلب.....؟“

”بھیزی یہ بھی اتنے خطرناک نہ ہوتے ہوں گے۔ خدا کی پناہ! چار انہوں کو بے دردی سے قتل کر دیا اور تمہارے چہرے پر شکن بھی نہیں ہے۔“

”میں نے انہیں قتل ہونے کی دعوت دی تھی؟“

”اُس کے باوجود.....“ ایریا نے گہری سانس لے کر کہا۔ ”لیکن اس سے ایک اندازہ ہوتا ہے کہ وہ لوگ، ہماری اتنی کوشش کے باوجود تمہاری آمد سے لامنہیں رہے۔“

”ہاں..... یہ تو ہے۔“

”کیا خیال ہے..... مسٹر ولیفو کو اطلاع دی جائے؟“

”چھوڑو..... کل تو جانا ہی ہے۔“ میں نے کہا اور وہ پر خیال انداز میں گردن ہلانے لگی۔ پھر میں پاٹھڑوں میں چلا گیا، بیاس وغیرہ تبدیل کیا اور باہر نکل آیا۔ ویسے دل ہی دل میں،

یا نہیں۔ اُس کی آنکھوں میں مسکراہیں جاگ رہی تھیں۔

”رفاقت! میں نے تم جیسا حرمت انگریز انسان کبھی نہیں دیکھا۔ تم بے حد مضبوط

تھاب کے مالک ہو فلیکس!“

”اب کیا پروگرام ہے ایریسا.....؟“

”گرافن ٹپس گے۔“

”ہیڈ کوارٹر.....؟“

”ہاں.....!“

”لیکن مسئلہ کیا ہے ایریسا..... مجھے تھوڑی سی تفصیل بتاؤ۔“

”بات میری حیثیت سے زیادہ ہے فلیکس! اور مجھے یقین ہے کہ تم، میری موت کے

نالہ نہ ہو گے۔“ ایریسا، لجاجت سے بولی۔

”اگر تم مجھے اس سلسلے میں بتاؤ گی تو تمہاری زندگی خطرے میں پڑ جائے گی؟“

”ہاں..... ولیفون، اصولوں کا پابند ہے۔“

”یہ نہیں بتاؤ گی کہ تمہارا تعلق کون سے ملک سے ہے؟“

”تمہیں نہیں معلوم.....؟“

”نہیں.....!“

”پسکے ملن کے.....؟“ وہ تجھ سے بولی۔

”ملن ہے ایریسا! اور میں تمہیں ایک مشورہ بھی دینا چاہتا ہوں۔“

”کیا.....؟“

”اپنے افروروں سے رابطہ قائم کر کے انہیں اطلاع دو کہ ان کا مطلوب شخص اس طیارے

”نہیں آیا۔“

”کیا..... کیا مطلب.....؟“ ایریسا کے پھر سے پردہشت پھیل گئی۔

”ہاں ایریسا! میں نے پہلے بھی تمہیں بتایا تھا کہ میں فلیکس نہیں ہوں۔ لیکن تم اپنی بات

”بھر جیں، بلزا میں خاموش ہو گیا۔“

”فلیکس پلیز! اتنا خوفناک مذاق مت کرو۔ میں زیادہ سخت دل نہیں ہوں۔ میں مر جھی

”لہوں۔“

”تمہیں، فلیکس کے بارے میں کیا بتایا گیا تھا؟ کیا تم اُس سے پہلے بھی مل چکی ہو؟“

میں ان واقعات کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ معاملات، دلچسپ معلوم ہوتے تھے۔ لیکن

جب انہیں معلوم ہو گا کہ کوئی غلط آدمی اُن کے ہاتھ لگ گیا ہے تو اُن کی کیا کیفیت ہو گی؟

لیکن ایک دلچسپ رات کے بعد میں ان لوگوں سے کوئی واسطہ نہیں رکھوں گا اور صبح

انہیں اس بارے میں بتاؤں گا۔ ایریسا کے حواس بحال نہیں تھے۔ میں اُس کا جائزہ لے رہا

تھا۔ وہ خود کو مذر ثابت کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ لیکن اُس کے چہرے پر خوف کی

پر چھایاں رقص کر رہی تھیں۔ پھر جب ہوٹل کے ریکریشن ہال میں، میں اُس کے ساتھ رقص

کر رہا تھا، تب بھی وہ زیادہ پر سکون نہیں تھی۔ رقص کے بعد اُس نے وہکی پینے کی خواہش

ظاہر کی۔

”میرا خیال ہے، تم براٹھی لے لو۔“

”نہیں..... میں ٹھیک ہوں۔“ اُس نے جواب دیا۔

”حالانکہ میں تمہارے اندر نہیں ایسا تبدیلی محسوس کر رہا ہوں۔“

”اس کی وجہ دوسری ہے۔“

”کیا.....؟“

”آخر ان لوگوں کو ہمارے بارے میں کس طرح معلوم ہو گیا.....؟ کیا مجھ سے کوئی ملٹی

ہوئی ہے؟ دراصل! تمہیں ان تک لے جانے کی مکمل ذمہ داری میرے اوپر تھی۔“

”ڈارلنگ! کیا تم اس گفتگو کو صحیح تک کے لئے ملتی نہیں کر سکتی ہو؟“

”میں، تمہاری طرح مضبوط نہیں ہوں۔“ وہ پھریکے انداز میں بولی۔

”لیکن اُن میں سے ایک کو تم نے ہلاک کیا ہے۔“

”وہ صرف ایک وقتی جذبہ تھا۔ میں نے بہت سوں کو زخمی کیا ہے، بلاک اسی کو نہیں کیا۔“

ایریسا نے جواب دیا۔

”ہر طرح کی مشق ہونی چاہئے۔“ میں نے جواب دیا اور وہ آنکھیں بند کر کے بنتے گئی۔

پھر اُس نے کافی شراب پی۔ میں نے بھی اُسے روکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اُس کے بعد میں

اُسے سہارا دے کر کمرے میں لا یا تھا۔ اور پھر اُس نے میرے بستر میں آنے میں ذرا بھی

بچکاہٹ کا ثبوت نہیں دیا اور حسین رات کی رنگینیوں میں پوری دلچسپی لیتی رہی۔ رات کے

آخری پھر وہ تھک کر سوگئی.....

دوسری صبح ناشستہ ہم دونوں نے تقریباً دس بجے کیا تھا۔ اب وہ کافی حد تک پر سکون نظر آ

”نمیں.....“ وہ سر ایسہ لمحے میں بولی۔

”پھر اس کی پیچان کیا تھی.....؟“

”میرے پاس تمہاری تصویر موجود ہے۔“

”مجھے دکھاؤ!“ میں نے کہا اور ایریسا کا چہرہ، سرخ ہو گیا۔ وہ چند ساعت پہلی پہنچنے والوں سے مجھے گھورتی رہی۔ اور پھر اپنی جگہ سے اٹھ کر اپنے مختصر سے سامان کے پاس پہنچ گئی۔ گو، اس کی پشت میری جانب تھی، لیکن میری عقابی نگاہیں اس کا جائزہ لے رہی تھیں۔ میرے ہونوں پر مسکراہٹ کی خفیہ سی لکیر کھینچ گئی۔

وہ تصویر لے کر میرے پاس آگئی۔ وہ خود بھی تصویر سے میرا چہرہ ملا رہی تھی۔ پھر، خوفزدہ سے انداز میں نہس پڑی۔ ”فلیکس..... پلیز! مذاق مت کرو۔“

”تصویر لاوا!“ میں نے کہا اور اس نے تصویر میرے سامنے کر دی۔ میں نے اس تصویر کو دیکھا اور میرے ہونٹ بھی پہنچ گئے۔ بلاشبہ! تصویر سو فیصد میری تھی۔ لیکن میں جانتا کہ یہ میں نہیں ہوں۔

”اب بولو.....!“

”میں نے اپنے کسی ایسے ہم شکل کا تصویر نہیں کیا تھا۔“

”میں آخری بار کہہ رہی ہوں فلیکس! کہ مذاق ختم کر دو۔ یہ میری بھی زندگی اور موت کا سوال ہے۔“

”اچھا..... یہ بتاؤ! جہاز کے سارے مسافروں کو دیکھا ہو گا تم نے.....؟“

”ہاں..... دیکھا تھا۔“

”میری شکل کا کوئی اور شخص تو نہیں اُرتا تھا.....؟“

”نمیں.....!“

”بس! تو تم کہہ سکتی ہوں کہ تم نے ایسے کسی آدمی کو دیکھا ہی نہیں۔ ظاہر ہے،“ اس جہاز سے نہیں آیا ہو گا۔“

”تم فلیکس نہیں ہو؟“ ایریسا کا چہرہ اچانک زرد ہو گیا۔

”ہاں..... میں فلیکس نہیں ہوں۔“

”پھر تم کون ہو.....؟“

”ڈن.....!“ میں نے جواب دیا۔

”تم نے ان لوگوں کو کیوں قتل کیا.....؟“
”اُس لئے کہ تم مجھے پسند آگئی تھیں۔“

”میں بے قصور ہوں۔ جو کچھ کر رہی ہوں، بحالت مجبوری۔ میں تمہارے اس سنجیدہ بن کی مثل نہیں ہو سکتی۔“ اُس نے کہا اور اچانک اُس کے لباس سے پستول نکل آیا۔ پھر نے گولی چلانے میں بھی تعرض نہیں کیا۔ لیکن ٹرچ کی دو آوازیں نکل کر رہ گئیں۔ ”مجھے یقین تھا ایریسا! کہ جب حقیقت حال کا اکشاف ہو جائے گا تو تمہارا عمل یہی ہے۔ اس لئے میں نے علیٰ لصیحِ اٹھ کر تمہارا پستول خالی کر دیا تھا۔ اس کے علاوہ ابھی جب تصویریں نکال رہی تھیں تو میں نے صاف دیکھا تھا کہ تم نے پستول نکال کر اپنے لباس پہنچایا ہے۔“ ایریسا کا چہرہ، اندر ورنی بیجان سے سرخ ہو گیا تھا۔ وہ بے بُکی کی تصویر بن لئی تھی۔ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ڈار لگ! جو کچھ میں نے کہا ہے، وہی کرو۔ اگر ہے چوک ہو گئی ہوتی تو ابھی میری لاش یہاں تر پہنچ رہی ہوتی۔ لیکن چونکہ میرے اصول لائق، تم بے قصور ہو۔ اس لئے میں، تمہیں معاف کرتا ہوں۔ اب مجھے اجازت دو۔“

”میں نے اپنے سامان کا بیگ آخایا، جسے میں تیار کر چکا تھا۔ اور پھر میں اُسے خدا حافظ لبر کر باہر نکل آیا۔ ایریسا کے بدن میں جیسے جان ہی نہیں رہ گئی تھی۔“

”میں ہوٹ سے باہر آ گیا۔ دراصل اب میں کسی کے معاملے میں بے مقصد پھنسنا نہیں لہتا تھا، اس لئے میں نے ایریسا پر حقیقت حال کا اکشاف کر دیا۔ ورنہ اگر میں چاہتا تو بہتر ہوں خود کو فلیکس پوز کر سکتا تھا۔“

”خوبی ڈور جا کر میں نے نیکسی پکڑی اور چل پڑا۔ لیکن ڈرائیور سے میں نے کسی پر فضا نہیں پرواقع ہوٹل چلنے کے لئے کہا تھا اور ڈرائیور نے مجھے کوپ کے، کے سامنے لاکھڑا کیا۔ ہن خوشیوں تو ہوٹل تھا، مجھے پسند آیا اور میں نے ڈرائیور کو کافی بڑی ٹپ دی۔ اور پھر ہوٹل نیک و سیع کرہ حاصل کرنے میں، مجھے کوئی دقت پیش نہیں آئی۔“

”کر سے میں آرام سے بیٹھ کر میں نے سوچا، پکڑ کیا ہے؟ فلیکس کون تھا؟ سب سے پہنچنے والات یہ تھی کہ وہ، میرا ہم شکل تھا۔ لیکن وہ کہاں گیا؟ اُس جہاز سے کیوں نہیں آیا؟“ نجائزے کیوں میرے ذہن میں تھس جاگ آئا۔ میں نے اس پہنچ کے سے بچنے کے لئے ایریسا کو نظر انداز کیا تھا۔ لیکن اب، جب کہ وہاں سے چلا آیا تھا تو میرے ذہن میں پہنچ جاگ گیا تھا کہ آخر معاملہ کیا ہے؟ خاص طور سے اپنے ہم شکل سے مجھے دلچسپی پیدا ہو۔

گئی تھی۔ پھر اب فی الحال کوئی اور معاملہ، ذہن میں نہیں ہے تو یہیں سہی۔ لیکن اس کے لئے ضروری تو نہیں کہ ایریسا کا سہارا لیا جائے۔ اپنے طور پر ہی کیوں نہ کچھ کیا جائے؟ اور یہ فیصلہ کر کے مجھے اٹھیا ہو گیا۔ مقامی کرنی، کیش کرانے کے لئے میں نے مہر کو طلب کیا اور ایک ٹریول چیک اُسے دے دیا۔ مثیل، بھاری رقم کا چیک لے کر چلا گیا۔ اس طرح میں ایک کام سے فارغ ہو گیا۔ پھر شام کی ضرورتیں مجھے ہوں گے کہ ڈائیگ ہال میں آئیں۔ حسین شہر کے حسین لوگ، پورے ہال میں بکھرے ہوئے تھے۔ بہت سے غیر ملکی بھی تھے۔ میں اپنی میز پر جایختا اور شکاری نظروں سے ہال کا جائزہ لینے لگا۔

شکار، پورے ہال میں بکھرا ہوا تھا۔ کمی میزوں پر..... کاؤنٹر پر..... بار کارز پر..... اور میں نے ان میں سے ایک کا انتخاب کر لیا۔ تعارف حاصل کرنے میں کوئی وقت نہیں ہوئی۔ اس کا نام شاریا تھا۔ مقامی لڑکی تھی۔ اس نے شام اور رات میرے ساتھ گزارنے کا فیصلہ کر لیا۔ اور دلوں وقت کی بہترین ساتھی ثابت ہوئی۔

کوپ کے، کا حسین کرہ، سوئزر لینڈ کا حسین ماحول اور پھر ہر رات بدلنے والے حسین ساتھی..... اس سے زیادہ کیا چاہتے تھا؟ مسٹر فرگون سے اتنی دولت وصول کی تھی کہ سالوں عیش کر سکتا تھا۔ گو، میری فطرت کو قرار ممکن نہیں تھا۔ لیکن جب تک بھی ہو..... اور اس کے بعد ایریسا کا کھیل..... وہ کھیل، دوسرا تفریح کے لئے مناسب ہو گا۔

چنانچہ میں نے کچھ روز پر سکون گزارنے کا فیصلہ کر لیا۔ صبح کو لڑکی اپنا معاوضہ وصول کر کے چل گئی اور میں بیاس تبدیل کر کے لیٹ گیا۔ شام سے کچھ دری قبل جا گا، کھانا کھانے کے بعد تیار ہو گیا اور پھر بون کی سیر کی خانی۔ خوبصورت تراث کے سوت میں بلوٹ ہو کر میں ہوٹل سے باہر آ گیا اور پھر ایک ٹیکسی لے کر چل پڑا۔ بون کی مشہور سڑک، مارک گاے، جہاں دور تک ہوٹل اور قہوہ خانے بکھرے پڑے ہیں، میری توجہ کامر کر بن گئی۔ اور میں بیاس اُتر گیا۔ طرح طرح کے کھیل تماشے تھے۔ کمی چھوٹے چھوٹے کلب بھی تھے، جن کے سامنے رقصاؤں کی تھا ایریگی بھوئی تھیں۔

میں نے شام ایک رستوران میں گزاری۔ اور پھر رات کے لئے ایک نایٹ کلب تھا۔ کرایا۔ نایٹ کلب میں، میں آٹھ بجے داخل ہوا تھا۔ ابھی ہال خاص روشن نہیں تھی۔ سازش رہے تھے اور رفتہ رفتہ روشنی بڑھتی جا رہی تھی۔ شکاری عورتیں وہاں بھی موجود تھیں۔ اور میں انہی میں سے ایک کا شکار بن گیا۔ میری پسند کی عورت تھی۔ پھر میں اپنی پسند ہی

”ہوں.....!“
”تم کچھ کھوئے سے لگ رہے ہو، مجھ سے بات بھی نہیں کر رہے ہو۔ کوئی خاص بات ہے کیا؟“

”خاص بات کیا ہو سکتی ہے ہنی.....! ویسے کیا تمہیں شراب پسند نہیں آ رہی؟“
”اوہ، نہیں..... یہ تو بہت عمدہ ہے۔ لیکن مجھ سے باقی بھی تو کرو۔“

”ہاں..... کیوں نہیں؟ تم کافی خوبصورت ہو۔“
”اوہ نہ..... یہ گھسا پا جملہ ہے۔ کوئی نئی بات کرو۔“
”تب، تم ایک دم فلوق ہو۔“

”فلوق..... یہ کیا ہوتا ہے.....؟“ وہ مسکراتی۔

”یہ تو مجھے بھی نہیں معلوم۔“ میں نے ہنس کر کہا اور وہ بھی ہنس پڑی۔ اور پھر اُسی وقت میں نے ان میں سے ایک کو اٹھتھے ہوئے دیکھا۔ وہ میری طرف ہی آ رہا تھا۔ وہ، میرے نزدیک پہنچ کر بڑے ادب سے بولا۔

”آپ جیسے انہاں سے فضول پاتیں کرنا ہے مقصد ہے مژٹلیکس! ہمارا تعلق فرانس سے اور ہمیں بھی آپ سے اتنی بھی دلچسپی ہے، جتنی کہ دوسروں کو۔“
”کافی معلومات حاصل کر رکھی ہیں آپ نے میرے بارے میں۔“ میں نے کسی قدر نرم بیس کہا۔
”ہاں..... یہی سمجھ لیں! کیا آپ ہماری ایک درخواست قبول کر لیں گے.....؟“

”فرمائیے....!“
”پورے خلوص سے ایک پیشکش کرتا ہوں کہ ہم سے گفتگو کریں، ہمارے ساتھ ایک نے زاریں۔ ممکن ہے، کوئی بہتر بات ہو سکے۔ اگر آپ، ہم سے مطمئن نہ ہو سکے تو ہم، پر آپ کی مرضی کے مطابق، جہاں آپ پسند کریں گے، پہنچا دیں گے۔“
”لیکن میں آپ کو کس نام سے مخاطب کروں مژٹر.....؟“

”اگر یعنی.....، بھاری جڑوں والے نے جواب دیا۔

”شکریہ..... تو مژٹر اگر یعنی! میں آپ بے کب اور کہاں ملاقات کروں.....؟“
”کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ آپ اسی وقت ہمارے ساتھ چلیں.....؟“
”کیا میری ساتھی آپ کو اتنی ہی بد شکل نظر آتی ہے؟“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔
”بیں..... میں اتنا ہی کہوں گا کہ آج کے لئے اس سے مذکورت کر لیں۔ لیکن ایک سین رات، ہماری طرف سے..... کل آپ چاہیں تو اسے طلب کر سکتے ہیں۔“

”ٹھیک ہے..... میں چند منٹ میں آتا ہوں۔“ میں نے جواب دیا اور پھر میں واپس نیا میر پر آ گیا۔ میرا ذہن بہت تیزی سے کام کر رہا تھا۔ یہ اندازہ تو ہو گیا تھا کہ وہ بھی اس نالے سے تعلق رکھتے ہیں اور یقیناً ان کا تعلق ایریا سے نہیں تھا۔ چنانچہ اگر ان لوگوں سے کوئی معلومات حاصل ہو جائیں تو کیا حرج ہے؟ باقی انہیں باتوں میں گھما یا جا سکتا ہے۔ اس سے پہلے میں نے کسی انٹریشنل گروپ کے بارے میں نہیں سن تھا۔ لیکن بہر حال! اتنا تو علمون ہو گیا تھا کہ فلکیس کا تعلق کسی انٹریشنل گروپ سے تھا۔

”میری ساتھی لڑکی، اطمینان سے پی رہی تھی۔ میں اس کے نزدیک بیٹھ گیا۔“ ہتھی.....!
”میں نے اسے پکارا۔

”لکھ، ڈارلینگ.....!“ اس نے بھکی ہوئی آواز میں کہا۔
”گرے کی چابی تمہارے پاس ہے.....؟“

””نہایت ہی گستاخی ہے جناب! لیکن ہمیں آپ سے ایک ضروری کام ہے۔ کیا آپ ہمارے ساتھ کچھ بینا پسند کریں گے؟“

”کیا ہم شناسا ہیں.....؟“ میں نے پوچھا۔

”اوہ..... نہیں! لیکن میں نے گستاخی کی پہلے ہی معافی مانگ لی ہے۔“ وہ بلا جستے بولا۔

”آپ دلکھر ہے ہیں مژٹر..... میرے ساتھ، میری دوست.....“

”صرف تجویزی دیر کے لئے.....“ اس کے انداز میں اتنی عاجزی تھی کہ میں اٹھ کرہا۔ اپنی ساتھی سے مذکورت کئے بغیر میں اس کے ساتھ چل پڑا۔ ہاں! میں نے مُرکب لڑکی سے کہا تھا۔

”تم اپنے لئے اور مٹگوا لینا ہیں!“

”اوکے..... اوکے!“ میری ساتھی لڑکی نے کہا اور میں ان دونوں کے قریب پہنچ گیا، جو مجھے دیکھ کر مودباداہ انداز میں کھڑے ہو گئے تھے۔ انہوں نے میرے لئے کری گھٹیں اور میں بیٹھ گیا۔

”بہت بہت شکریہ مژٹلیکس! آپ نے ہماری درخواست قبول کر لی۔“ ان میں سے ایک شخص نے کہا۔ اس کے جڑے بھاری تھے اور صورت سے وہ کافی سخت گیر معلوم ہوتا تھا۔ میں نے دل میں ایک گہری سانس لی..... تو یہاں بھی وہی معاملہ ہے۔

”آپ نے میرے نام کا تعین بھی کر لیا.....؟“

”ہاں..... اس لئے کہ آپ کوئی غیر معروف شخصیت نہیں ہیں۔“

”خوب..... کیا آپ، مجھے میرے بارے میں بتانا پسند کریں گے.....؟“ میں نے دلکشا کہا۔

””مژٹر فلکیس..... انٹریشنل گروپ۔“

”ہوں.....!“ تو فرمائیے! آپ میرا تعاقب کیوں کر رہے تھے؟“ میں نے کہا۔
”وہ تینوں چوکے پڑے۔ پھر بھاری جڑوں والا مسکرا کر بولا۔“ تمہارا کیا خیال تھا..... کہا۔
””فلکیس کی نگاہوں سے روپوش رہ سکتے تھے.....؟“ اس نے اپنے ساتھی سے کہا۔

”حالانکہ ہم نے کافی احتیاط کی تھی۔“

”میرے سوال کا جواب نہیں ملا۔“ میں نے کسی قدر خٹک لجھ میں کہا۔

”ہاں..... میرے پاس ہی ہے۔“
 ”یہاں سے فارغ ہو کر میرے کمرے میں پہنچ جانا اور بیڈ پر لیٹ کر میرا انتظار کرنا۔“
 ”تم کہاں جا رہے ہو ظیر.....؟“
 ”میرے چند دوست مل گئے ہیں۔ تھوڑی دیر کے لئے ان کے ساتھ جانا ہے۔“ مل
 نے کہا اور لڑکی کا نشا ایک دم اتر گیا۔
 ”کب تک واپس آؤ گے، ڈارلنگ! میں بھی چلوں.....؟“
 ”نہیں..... تمہارا چلنا مناسب نہیں ہے۔“
 ”لیکن مل کون دے گا.....؟“ اُس نے کہا اور میں نے جلدی سے کچھ نوٹ ٹھال کر اس
 کے ہاتھ میں تھما دیئے۔ اُس نے نوٹ دیکھے اور اُسے دوبارہ نشہ ہو گیا۔ ”اوے ڈیبر..... اُت
 جاؤ۔ دوستوں کو بھی تو نہیں چھوڑا جا سکتا۔“ اُس نے لہرا کر کہا اور میں واپس ان لوگوں کے
 نزدیک پہنچ گیا۔ وہ بے حد خوش نظر آ رہے تھے۔
 ”چلیں جناب.....؟“ گری芬 نے پوچھا۔
 ”چلے.....!“ میں نے گھری سانس لے کر جواب دیا اور وہ تیوں مل کی رقم پلیٹ میں
 ڈال کر انہی کھڑے ہوئے اور میں ان کے ساتھ کار میں بیٹھ کر چل دیا۔
 میری جگہ کوئی دوسرا شخص ہوتا تو اتنی آسانی سے ان کی بات نہ مانتا۔ لیکن میں تو ایے
 کھیل، کھیلنے کا عادی تھا۔ چنانچہ میں اطمینان سے ان کے درمیان بیٹھ گیا۔
 ”ہمیں حیرت ہے مسٹر فلائیکس! آپ اتنے اطمینان سے گھوم رہے ہیں۔ کیا آپ کو معلوم
 ہے کہ بہت سے لوگ، یہاں آپ کی آمد کے منتظر ہیں.....؟“
 ”ہاں..... مجھے علم ہے۔“ میں نے جواب دیا۔
 ”کوئی بھی آپ کو نہیں پاس کا.....؟“
 ”کیا آپ نے ایسٹ پورٹ پر مجھے تلاش کرنے کی کوشش کی تھی.....؟“
 ”ہاں.....!“
 ”آپ کیوں نہیں پاس کے.....؟“
 ”میرا خیال ہے، آپ نے اپنے پہنچنے کی اطلاع غلط دی تھی۔ آپ کسی اور فلاٹ سے
 آئے ہوں گے۔“
 ”کچھ ایسی ہی بات ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ میں آزاد رہنا چاہتا تھا۔“

”ہم نے اسی انداز میں سوچا تھا۔“ گری芬 بنٹنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد کار ایک
 خوبصورت کوئی میں داخل ہو گئی۔ یہاں بھی میرا احترام برقرار رکھا گیا تھا۔ وہ لوگ مجھے لئے
 ہوئے ایک خوبصورت کمرے میں پہنچ گئے اور مجھے بنٹنے کی پیشکش کی گئی۔ گری芬 میرے
 ساتھ بیٹھ گیا۔ باقی دونوں آدمی باہر چلے گئے تھے۔
 تھوڑی دیر کے بعد ایک مازمہ، شراب کی ٹولی اور حکیمتی ہوئی اندر لے آئی۔ اُس نے ٹولی
 ہارے نزدیک کھڑی کر دی اور واپس چلی گئی۔ اُس کے بعد دو خوبصورت لڑکیاں اور دو مرد
 اندر آئے۔ یہ دونوں نئے آدمی تھے اور گری芬 کے ہم وطن ہی معلوم ہوتے تھے۔
 گری芬 نے ان کا تعارف کرایا۔ سیاہ آنکھوں والی لڑکی ٹیلیا تھی۔ دوسری مجھے پسند
 نہیں تھی اس لئے میں نے اُس کی طرف توجہ ہی نہیں دی۔ اُسی دوسری لڑکی نے شراب بنائی
 اور میں پیش کی۔
 ”یہ تم اہم لوگ ہیں مسٹر فلائیکس! تمہارا کیا خیال ہے، کوئی کام کی بات ہو جائے؟“
 ”اس سے پہلے میں یہ جاننا چاہوں گا مسٹر گریفن! کہ آپ کی معلومات کہاں تک ہیں؟
 مجھے امید ہے کہ آپ بھی پوری طرح تعاون کریں گے۔“ میں نے سمجھ دیا۔
 ”بان..... ایک طرح سے یہ اہم بات ہے۔ بہر حال! فصیل کچھ یوں ہے کہ انٹرنشنل
 گروپ کے مسٹر گریفن، ایک جہاز سے سفر کر رہے تھے۔ کچھ پراسرار لوگوں کو معلوم ہو گیا
 کہ ان میں ایک شخص ایسا ضرور ہے، جو ان کے ایک اہم راز سے واقف ہو گیا ہے۔ چنانچہ
 نفاہیں طیارے اڑا کر انہوں نے اُس جہاز کو راکٹوں کا نشانہ بنایا۔ بیشتر لوگ پیرا شوت
 سے پیچ کو گئے۔ باقی جو عام لوگ تھے، وہ جہاز کے ساتھ تباہ ہو گئے۔ پیچ کو دنے والے
 افراد کے بارے میں بھی بھی خیال تھا کہ ان میں سے وہ شخص زندہ نہ گیا ہے جو ان کے راز
 سے واقف تھا۔

چنانچہ زمین پر بے شمار افراد کو گرفتار کر لیا گیا۔ اور یہ وہی تھے جو پیرا شوت سے کو دے
 تھے۔ اور پھر ان تمام لوگوں کو ایک دیر میں ایک کیپ میں رکھا گیا۔ یہاں ان سے
 معلومات حاصل کی گئیں اور یہ اندازہ لگانے کی کوشش کی گئی کہ ان میں سے کوئی ہے جو ان
 پراسرار لوگوں کے راز سے واقف ہو گیا ہے؟ لیکن ظاہر ہے، کوئی بھی شخص یہ بات نہیں قبول
 کر سکتا تھا۔ چنانچہ انہیں تید رکھا گیا۔ انہیں بے تحاشہ اذیتیں دی گئیں اور ان کے ماضی کے
 بارے میں معلومات حاصل کی گئیں۔

”شکر یہ مسٹر گریفشن! لیکن کیا آپ کو علم ہے کہ فلکیس اس سلسلے میں کیا کرنا چاہتا ہے؟“
”سید ہی سی بات ہے مسٹر فلکیس! آپ اُس راز کو فروخت کریں گے اور ہم بھی اس کے
گاؤں میں شامل ہیں۔“

میں چند ساعت خاموش ہو کر کچھ سوچتا رہا۔ میرے ذہن میں یہ خیال تھا کہ اگر یہ بات
بے تو صرف ایریسا ہی مجھے ایسے پورٹ پریسو کرنے کے لئے کیوں پہنچی تھی؟ اُس کے انداز
انکلوں سے پتہ چلتا تھا کہ وہ کسی طور اس بات کی متوقع ہے کہ میں کبھی خصوصی طور پر اُس کی
جان بوجہ دوں گا..... میں، یعنی فلکیس کی حیثیت سے..... بہر صورت! یہ بڑی دلچسپ بات
مجھے انتہائی اہم معلومات حاصل ہو گئی تھیں۔

رفعت ہی میری دلچسپیاں بڑھ گئی تھیں۔ بلاشبہ یہ کیس میرے شایان شان تھا۔ اب تک
میں جو کچھ کرتا رہا تھا، اُس میں بلاشبہ میرا واسطہ بے حد خطرناک لوگوں سے پڑتا رہا تھا۔ اور
مجھے ان کے خلاف کامیابی بھی نصیب ہوئی۔ لیکن کسی بھی کیس کی نوعیت اتنی اہم نہیں تھی،
جتنی کہ میں چاہتا تھا۔ یہ معاملہ ایک میں الاقوامی حیثیت رکھتا تھا۔ اور یہ بہت ہی دلچسپ
بات تھی کہ بے شمار ملکوں کے جاؤں اور اہم ترین لوگ اس سلسلے میں اس حد تک دلچسپی لے
رہے تھے۔ چنانچہ اگر میری نائب بھی اس میں پہنس جاتی تو مجھے بے حد منزلہ آتا۔ مجھے خود کو
آزادی کا موقع ملتا۔ ابھی صورت حال یہ تھی کہ وہ راز کیا ہے؟ اور اصل فلکیس کہاں گیا؟ تو
یہاں لوگوں کا کام تھا، میرا نہیں۔ اس کے علاوہ مجھے یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ ایریسا کا تعلق کون
سے ملک سے ہے؟ اور وہ کیا کام کر رہی ہے؟ لیکن ظاہر ہے، ابھی تک میرے پاس ان تمام
باتوں کا کوئی جواب نہیں تھا۔

”تو مسٹر فلکیس! کیا آپ اس بارے میں کوئی فیصلہ کر پچھے ہیں..... آپ نے کسی ملک کا
انتساب کر لیا ہے؟ اگر یہ بات ہے، تب بھی ہمیں آپ سے اختلاف نہ ہوگا۔ صرف ہم، آپ
سے تعاون چاہیں گے۔“

”وہ تعاون کیا ہو گا مسٹر گریفشن.....؟“ میں نے پوچھا۔

”ہم صرف یہ معلوم کرنا چاہیں گے کہ آپ نے وہ راز کس ملک کے ہاتھ فروخت کیا؟“
”ہوں..... لیکن مسٹر گریفشن! میری، آپ سے ابھی ملاقات ہوئی ہے۔ اور آپ یقین
نہیں کہ اس سلسلے میں ابھی تک میری کسی اور کے ساتھ کوئی بات نہیں ہوئی۔ جیسا کہ میں
آن آپ کو بتایا کہ میں نے اپنی آمد کی اطلاع ضرور دی تھی۔ لیکن اپنے آنے کے وقت اور

پھر جب وہ لوگ اس میں بھی ناکام رہے تو انہوں نے ان تمام لوگوں کو، جنہیں قید کیا
گیا تھا، گولیوں کا ناشانہ بنادیا۔ لیکن دو ہی ماہ کے بعد پولینڈ میں ایک ایسا شخص پہنچا جو ایک
ہاتھ اور ایک پاؤں سے مغذور ہو گیا تھا۔ اور نجاتے کس طرح ایک طویل فاصلہ طے کر کے
وہاں تک پہنچ گیا تھا۔ یہ مغذور شخص، فلکیس تھا۔ اور فلکیس نے جان کنی کے عالم میں پولینڈ
کے ایک ڈاکٹر کو بتایا کہ وہ ایک اہم راز جانتا ہے۔ ایک ایسا راز جو ساری دنیا کے لئے بہت
بڑی اہمیت رکھتا ہے..... اور اگر وہ مر جائے تو یہ راز امریکہ پہنچا دیا جائے۔

اس کے بعد فلکیس بے ہوش ہو گیا۔ پولینڈ کے اُس ڈاکٹر نے اپنے کچھ ساتھیوں کے
سامنے کرائے ہو شہر میں لانے کی شدید کوشش کی، لیکن تین دن تک وہ ہوش میں نہیں
آیا..... ہاں! تین دن کے بعد جب وہ ہوش میں آیا تو ڈاکٹر زکی شدید محنت سے انتہائی بہتر
حالت میں تھا۔ اور اس کے بعد وہ شخص ٹھیک ہوتا چلا گیا۔ اس کے ٹھیک ہو جانے کے بعد
ڈاکٹروں کے ایک بورڈ نے اُس سے اس راز کے بارے میں معلوم کیا۔ لیکن بھلا دہراز یوں
کسی کو کیوں بتا سکتا تھا؟ اور یہ تو میں تمہیں بتا ہی چکا ہوں کہ وہ فلکیس تھا۔ پھر ایک رات وہ
ہسپتال سے غائب ہو گیا۔ اسٹینیشن گروپ کے لوگوں کا خیال تھا کہ فلکیس خود روپش ہوا
ہے۔ اس کے بعد سے بے شمار لوگ اس کی تلاش میں تھے۔

تو یہ ہیں ہماری معلومات مسٹر فلکیس! اور اس کے بعد کے حالات سے آپ لاعلم نہ ہوں
گے۔ ساری دنیا میں بے چینی کی ایک لہر پائی جاتی ہے۔ پیشتر مالک کا خیال ہے کہ کچھ
ہونے والا ہے۔ اور یہ خیال کچھ پر اسرار لوگوں کی پر اسرار سرگرمیوں سے پیدا ہوا ہے۔ وہ
لوگ کون ہیں اور کیا کرنا چاہتے ہیں؟ میرا خیال ہے، یہ بات ابھی بہت سارے ممالک کے
ذہین ترین لوگوں کو بھی معلوم نہ ہوگی۔ چنانچہ بے شمار لوگ اس کوشش میں مصروف ہیں کہ کسی
طرح مسٹر فلکیس سے رابطہ قائم کر کے اُن سے اس راز کے بارے میں معلوم کریں۔ اس
کے بعد مسٹر فلکیس کا خفیہ تیغام نشر ہوا کہ فلکیس، سو سٹر لینڈ پہنچ رہا ہے اور وہاں وہ اس راز کا
سودا کرے گا۔ ہر ملک، سب سے پہلے وہ راز پالیتا جا چکا ہے۔ اور وہ پر اسرار بے چینی، جو ہر
جگہ پھیلی ہوئی ہے، اسے ختم کرنا چاہتا ہے۔ تو مسٹر فلکیس! یہ ہے آپ کی خصیت۔ اور اب
آپ کو کوئی تردید نہ رہا ہو گا۔ اور میں بڑے خلوص سے آپ کو یہ بتا چکا ہوں کہ میرا تعلق
فرانس سے ہے اور میں بھی دوسرے لوگوں کی مانند، یہاں آپ ہی کی تلاش اور جستجو میں آیا
ہوں۔“

”ٹھیک ہے..... عمدہ خیال ہے اور قابل قبول بھی۔ لیکن اس کے لئے آپ مجھے کچھ وقت
نہ دیں گے۔“
”مثلاً.....؟“ گریفن نے پوچھا۔
”ایک یادو دن۔“
”ہمیں اعتراض نہیں ہے۔ لیکن یہ دو دن آپ ہمارے ساتھ ہی گزاریں گے۔“
”یعنی میں یہاں سے جانہیں سکتا.....؟“

”یہ بات نہیں۔ پہلے آپ، ہم سے اپنی ضرورت بیان کر دیں۔ اگر ہمارا سودا، آپ کی
رضی کے مطابق ہو جائے تو آپ کو کیا ضرورت پڑی ہے۔ دراصل! ہم آپ کو کسی دوسرے
کے ہاتھ نہیں لگنے دینا چاہتے۔“

”ہوں.....!“ میں نے پر خیال انداز میں گردن پڑائی۔ صاف ظاہر تھا کہ آپ وہ لوگ
ان دو تک مجھے چھوڑنے کے روا دار نہیں تھے جب تک معاملات، اُن کے علم میں نہ آ
جائے۔ دلچسپ صورت حال تھی۔ میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ تفریح ہی تھی، بھرپور
کیلئے کی جائے۔ چنانچہ میں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ ”اوہ میرا میزبان کون ہو گا؟“
”خاتون ٹھیلیا.....!“ چالاک لوگوں نے میری دلچسپی کا اندازہ لگا لیا تھا۔ ٹھیلیا نے
گراتے ہوئے گردن خم کر دی۔

”تب مجھے آرام کی اجازت دیں۔ ان کی میزبانی کون ناپسند کرے گا.....؟“ میں نے
گراتے ہوئے کہا اور وہ لوگ خوش دلی نے مسکرا دیئے۔ پھر سب کھڑے ہو گئے۔

”اور مادام! آپ جانتی ہیں کہ آپ کے مہمان کی کیا حیثیت ہے؟“ گریفن نے کہا اور
ٹھیلیا نے گردن ہلا دی۔ تب ہم اس بڑے کمرے سے نکل آئے۔ ٹھیلیا میرے ساتھ تھی
اور لڑکی کی چال بے حد لکھ تھی۔ یوں بھی جسمانی طور پر وہ مناسب ترین لڑکی تھی۔
”وہ مجھے لے کر ایک خوبصورت خواب گاہ میں آگئی۔ یہ خواب گاہ، خوابوں کی جنت ہی
لڑکی جیں کہ آدمی مچل جائے.....“

”بعض لوگ کیا تقدیر یہ لے کر پیدا ہوتے ہیں.....؟“ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔
”میں نہیں سمجھا.....!“

”آپ کے بارے میں کہہ رہی ہوں۔“

”میری تقدیر کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے.....؟“

ذریعہ سفر کو صینہ راز میں رکھا۔ اس طرح کوئی مجھ تک نہیں پہنچ سکا۔ آپ لوگ پہلے ہیں جو یہ
تک پہنچے ہیں اور مجھ سے ملاقات کی ہے۔ ایسی صورت میں کیا آپ مجھے اجازت دیں گے
کہ میں دوسرے لوگوں سے بھی رابطے قائم کروں اور اس کے بعد فیصلہ کروں کہ مجھے کس
ملک کے ساتھ تعاون کرنا چاہئے؟“

”مسٹر فلیکس! یہ بات آپ کے ذہن میں بھی ہونی چاہئے کہ جو بھی آپ سے ملاقات
کرے گا، اُس کی انتہائی کوشش یہ ہوگی کہ وہ اپنے طور پر آپ سے یہ راز معلوم کرے۔ اور
میں سمجھتا ہوں کہ آپ کو ہر جگہ اس کی منہ مانگی قیمت ملتے گی۔ چنانچہ ہمیں یہ خدشہ توہنائی
چاہئے کہ اگر آپ، کسی اور کے ہاتھ پک گئے تو ہمیں کچھ نہ ملے گا۔“

”ہا..... آپ کا نیا خیال درست ہے۔ لیکن اس سلسلے میں آپ، راز کی قیمت کا کیا قیمت
کرتے ہیں؟“

”مسٹر فلیکس! اس کا تعین آپ کریں گے۔ ہمیں ہر قیمت پر وہ راز، درکار ہے۔ آپ جو
بھی قیمت تعین کریں گے، وہ آپ جس بھی شکل میں، جو آپ پسند کریں، دے دی جائے
گی۔ یہ ہماری خوش بختی ہے کہ آپ سب سے پہلے ہم سے آٹے۔“

”ٹھیک ہے۔ لیکن اس کے علاوہ بھی تو کچھ سوچا جاسکتا ہے مسٹر گریفن!“ میں نے کہا۔
”وہ کیا.....؟“

”میں آپ کو وہ راز بتاؤں۔ اور اس کے بعد میں دوسرے کچھ لوگوں سے بھی رابطہ قائم
کرلوں۔ اور اُن سے دولت وصول کرلوں۔ میرا خیال ہے، ایسی صورت میں وہ راز آپ
کے لئے بے مقصد ہو جائے گا۔“

”ہا..... لیکن پہلے آپ قیمت کا تعین کر لیں۔ آپ کو اجازت بے کہ جہاں تک آپ کا
پہنچ ہو، آسیے ہے۔ تک قیمت وصول کر لیں۔ بات طے ہونے کے بعد ہمیں آپ پر کچھ
اختیارات حاصل ہو جائیں گے۔ آپ کو آپ کی مرضی کے خلاف مجبور نہیں کیا جائے گا۔ لیکن
کچھ ذمہ داریاں آپ پر ضرور عائد ہو جائیں گی، جن کی رو سے ہمیں یہ خطرہ نہ رہے کہ آپ
دوسروں کے لئے بھی کار آمد ہو سکیں گے۔“

”ان ذمہ داریوں کی کیا صورت ہو گی.....؟“
”مثلاً یہ کہ آپ کو پیرس بیچ دیا جائے۔ اور ایک مختصر وقت کے لئے آپ، تمام آسائشوں
کے ساتھ نظر بند رہیں۔ آپ کو کسی کی کا احساس نہ ہو، اور ہماری بھی تلی رہے۔“

”ممکن ہے، لیکن آسان نہیں۔ انہوں نے سخت ترین پہرہ لگا رکھا ہو گا۔ تم جانتے ہو، تم ان کے لئے کس قدر قیمتی ہو۔“

”ہاں..... مجھے اندازہ ہے۔ لیکن پھر تم کس طرح کہہ رہی ہو کہ ممکن ہے؟“
”ہم اس سلسلے میں کوشش کر سکتے ہیں۔“

”ہم سے تمہاری کیا مراد ہے.....؟“
”میں تمہارا ساتھ دوں گی۔“

”تم..... ٹیلی.....؟“
”ہاں.....!“

”لیکن اپنے کام تمہارے ذہن میں یہ تبدیلی کس طرح پیدا ہوئی؟ تم تو.....“
”دل سے نہیں فلیکس! میں نسلا فریخ ہوں۔ لیکن میرا باپ ہالینڈ کا باشندہ تھا۔ اس نے اُس ہی میں زندگی گزاری۔ بہر حال! ان باتوں کے قطع نظر میں اپنے لئے بھی کچھ کرنا تھی ہوں۔“

”تو کیا تم.....؟“

”ہاں..... میں ان لوگوں کی وفادار نہیں ہوں۔“
”تم ہالینڈ کے لئے کام کر رہی ہو.....؟“

”نہیں..... ہالینڈ کے لوگوں نے مجھ سے رابطہ قائم کر رکھا ہے۔ اور میں کبھی کبھی ان کے کام کرتی ہوں۔ انہوں نے احتیاطاً مجھ سے کہا بھی تھا کہ اگر فلیکس کسی طرح گرفیں، ہاتھ لگ جائے تو انہیں اطلاع دی جائے۔ اس کے علاوہ وہ ان لوگوں کی کوششوں سے باخبر رہتا چاہتے تھے۔ اور میں یہ فرض بخوبی انجام دے رہی ہوں۔“

”اوہ..... تو تم میرا معاملہ ہالینڈ سے کرنا چاہتی ہو.....؟“
”فرض کرو، میں ہاں کہوں تو.....؟“

”لیکن سوال یہی پیدا ہوتا ہے ٹیلی! کہ کیا ہالینڈ والے بھی اس انداز میں نہیں سوچیں؟“
”میں نے لڑکی کو اعتماد میں لینے کے لئے رازدارانہ انداز اختیار کیا۔“

”لیکن ہم ان کے لئے بھی کام نہیں کریں گے۔“
”بجھے اعتراض نہیں۔ لیکن سوال وہی.....؟“

”سو نے کے قلم سے لکھی گئی ہے.....“ وہ بنس پڑی۔
”آخر کیوں.....؟“

”اس وقت یورپ کے تمام ممالک آپ کی توجہ کے طالب ہیں اور آپ پر خزانوں کے منہ کھول دینا چاہتے ہیں۔ کیا آپ دنیا کے امیر ترین انسان نہیں ہیں.....؟“

”ابھی تو میں ایک قیدی ہوں۔“ میں نے اٹھیاں سے ایک آرام کری پر دراز ہوتے ہوئے کہا اور ٹیلیا مسکراتے گلی۔

”اس میں بھی کوئی شک نہیں ہے۔ نہ جانے آپ کس طرح اس آسانی سے ان لوگوں کے ساتھ آگئے؟ میرا خیال ہے یہاں آپ سے غلطی ہوئی ہے۔“

”ہاں..... اب محسوس ہوتا ہے۔“

”بہر حال! حرج ہی کیا ہے؟ آپ کو اُس راز کی قیمت ہی وصول کرنی ہے۔ اور قیمت بھی محدود نہیں ہے۔ میرا خیال ہے، وہ آپ کو آپ کی مرضی کے مطابق قیمت ادا کریں گے۔“

”کیا کہا جا سکتا ہے ٹیلیا.....؟“ میں نے کہا۔

”کیوں.....؟“

”اس کے بعد جو پابندیاں میرے اور عائد کی جائیں گی، ان کے تحت میں ان کے لئے میں رہوں گا۔ اور ظاہر ہے، میں اس پورے ملک سے جنگ نہیں کر سکتا۔“

”اوہ..... نہیں! جو کچھ آپ سے کہا گیا ہے، اس کی پابندی کی جائے گی۔“

”خیر..... چھوڑیں ان باتوں کو۔ اس سلسلے میں تو میرے ذہن میں کچھ اور ہی ہے۔“
”کیا.....؟“ اس نے دلچسپی سے پوچھا۔ وہ بڑی بے تکلفی سے میرے زدیک صونے پر بیٹھ گئی تھی۔ اس کے انداز میں مکمل خود پر ڈگی تھی۔

”تمہارے خیال میں وہ مجھے کیا دے سکتے ہیں.....؟“
”میں تو کہتی ہوں، آپ ان سے پیرس کا کوئی بڑا علاقہ بھی طلب کریں گے تو وہ انکار نہیں کریں گے۔“

”اس لئے کہ انہیں دینا پڑے گا.....؟“

”نہیں..... تم اس قدر بد دل کیوں ہو؟“

”حالات کو جانتا ہوں ٹیلیا! اور میں نے انہیں نکست دینے کے بارے میں سوچا۔“

”نہیں۔ یہ سوال مختلف ہو جاتا ہے۔ ہم کسی ایک ملک کے وفادار نہیں ہیں گے۔ پہلا خود کو مضبوط کریں گے، اس انداز میں کہ ہم کسی ملک کے تابع نہ رہیں۔ سو ما تو ایمانداری سے کریں گے، لیکن خود کو مضبوط کرنے کے لئے۔“

”اور وہ مضبوطی کیا ہوگی.....؟“

”بہت سے طریقے سوچے جاسکتے ہیں فلیکس! مثلاً ہم اس کو ریکارڈ کر کے ایک ایسی جگہ محفوظ کر دیں جہاں سے ہمارے کارکن کسی مخصوص عرصے میں نشر کر دیں۔ ہم ان لوگوں کو یہ حتمکی دے سکتے ہیں۔ اگر یہ پہلو کمزور ہوا تو ایسی ہی دوسری چیزیں۔“

”ہاں..... عمدہ سوچ ہے۔ لیکن سب سے اہم مسئلہ تو ہے ہی جاتا ہے۔“

”کیا.....؟“ اُس نے دلچسپی سے پوچھا۔

”یہاں سے نکلنے کا۔“

”اس کے لئے میں بندوں سے کروں گی۔“

”اوہ..... کوئی خیریہ راستہ.....؟“

”نہیں..... اگر تم اجازت دو تو میں کوشش کر سکتی ہوں۔“

”سوچ کیوں رہی ہو.....؟“

”اس سے پہلے تم سے کچھ گفتگو کرنا چاہتی ہوں۔“

”کرو.....!“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”میرے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟“

”ذہانت اور حسن اگر کیجا ہو جائیں تو انہیں ہر شخص پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ مہنتہائی حسین ہونے کے ساتھ ساتھ انہیٰ ذہین بھی ہو۔ اور میرا خیال ہے، میرے جیسا شخص اس سے زیادہ کوئی چیز پسند نہیں کر سکتا۔“

”کیا میں اس قابل ہوں فلیکس! کہ تم مجھے اپنی زندگی میں شریک کرلو.....؟“ اُرکی نے پوچھا۔

”ہاں.....!“ میں نے جواب دیا۔ ”لیکن ٹریلیا! کیا ایسے فیصلے تمہارے خیال میں چھ لمحات میں ہو جاتے ہیں؟“

”مسٹر فلیکس! جہاں تک میرا خیال ہے، فیصلے تو چند لمحات ہی میں ہوتے ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ بعض معاملات پر بہت زیادہ غور کرنا پڑتا ہے۔ لیکن جو، جذباتی معاملے ہوئے

ہیں، وہ غور و خوض سے میرا ہوتے ہیں۔ اگر تمہارے دل میں میرے لئے گنجائش نکل سکتی ہے تو ایک لمحے میں۔ اور اگر تم اس سلسلے میں سوچتے ہو تو اس کا مقصد ہے کہ گنجائش کا پہلو باتی نہیں رہتا بلکہ نفع و تقصیان سامنے آ جاتا ہے۔“

”ٹھیک تجویز ہے..... لیکن ٹریلیا! ہماری ملاقات کو تو ابھی زیادہ عرصہ بھی نہیں گزرا۔“

”ٹھیک ہے۔ میں نے کہا تا! اگر تمہارا ذہن اس چیز کو قبول کرتا ہے تو تم مجھے اپنے فیصلے سے آگاہ کر دو۔ نہیں تو میں تمہیں بجور نہیں کروں گی۔“

”غرض کرو! میں اس بات کو قبول کر لیتا ہوں، تب.....؟“

”تو پھر بہت سارے معاملات مشترک ہو جاتے ہیں۔“

”مثلاً.....؟“ میں نے پوچھا۔

”مثلاً میں یہ نہیں سوچوں گی کہ مجھے تم سے سودے بازی کرنی چاہئے۔ ظاہر ہے، جب تم بڑی زندگی کے ساتھی ہو گے تو پھر ہمارے مفاداً مشترک ہو جائیں گے۔“

”کیوں نہ ہم دوسرے پہلو کو بھی ذہن میں رکھیں.....؟“ میں نے بلا وجہ جھٹ کی۔ حالانکہ جو کچھ میں تھا، میں جانتا ہی تھا۔

”مثلاً.....؟“ ٹریلیا نے پوچھا۔

”مثلاً یہ کہ اگر میں تمہیں اپنی زندگی میں شامل نہ کروں تو پھر ہمارے معاملات کس طرح ٹلیں گے؟“

”فلیکس! اس راز کی قیمت جس قدر تمہیں ملے گی، وہ دولت اتنی ہو گی کہ تم اپنی کئی ہٹوں کے ساتھ عیش و آرام کی زندگی بر کر سکو گے۔ تب پھر اس میں سے ایک چھوٹا سا حصہ نجھے بھی دے دیتا۔ میں جانتی ہوں کہ وہ اتنا ہو گا کہ میری زندگی بھی بہتر طور سے گزر جائے گا۔ دراصل میں ان لوگوں میں زیادہ خوش نہیں ہوں۔ جو کچھ کر رہی ہوں، وہ صرف مجبوری ہے۔ چنانچہ میں چاہتی ہوں کہ اپنی زندگی کو کسی پر سکون نظرے پر لے آؤں۔“

”اگر یہ بات ہے ٹریلیا! تو پھر ٹھیک ہے۔ نہیں صرف کام کرنا چاہئے۔ میں تمہارے ان لوگوں میں سے ایک مطالیہ ضرور تسلیم کروں گا۔“

”فلیکس! برانہ ماں تو ایک بات کہوں.....؟“ ٹریلیا نے لاجت بھرے نجھے میں کہا۔

”ہاں، ہاں..... کہو؟“

”مجھے اس سلسلے میں کسی مایوسی کا سامنا تو نہیں کرنا پڑے گا.....؟“

”میں اپنے ان ساتھیوں سے کام لینا چاہتی ہوں، جو یہ سمجھتے ہیں کہ میں گریفن کے گروہ
میں شامل ہونے کے باوجود ان کے لئے کار آمد ہوں۔“
”یعنی ہالینڈ کے ایجنت.....؟“ میں نے پوچھا۔
”ہاں..... ان کا چیف مارکو ہے۔ اور مارکو، جو کچھ ہے، اس کے بارے میں تم اندازہ
نہیں لگاسکتے۔ بے حد خطرناک شخص ہے۔“
”ٹھیک ہے..... لیکن ان سے رابطہ کیسے قائم کرو گی؟“
”ابن! ابھی کرتی ہوں۔“ ٹھیلیا نے کہا اور پھر وہ بیڈ سے نیچے اتر گئی۔ اُس نے اپنے
بن کے گرد چادر پیٹ لی تھی۔ بیڈ کے ساتھ ہی اُس کے سینڈل رکھے ہوئے تھے۔ چنانچہ
ٹھیلیا نے اپنا ایک سینڈل اٹھا لیا۔ دائبے پیر کے اس سینڈل کی ہیل کافی انوچی تھی۔ ٹھیلیا
اے گھمانے لگی اور ہیل کی چوڑیاں کھانے لگیں۔ جب ہیل علیحدہ ہو گئی تو ٹھیلیا نے سینڈل کو
اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اس میں ٹرانسمیٹر کی ایک مشین نصب تھی۔ ٹھیلیا نے نمبر سیٹ کیا اور
رُوٹی کے انداز میں بوی۔

”پیلو..... پیلو..... مسٹر مارکو..... پیلو..... پیلو.....“

چند ساعت، بیٹھیوں کی سی آوازیں اُبھرتی رہیں۔ اور پھر ایک باریک سی آواز نکلی۔
”یلو..... نمبر تین، مارکو بول رہا ہے۔“

”اوہ..... جناب! بہت ہی ضروری پیغام ہے۔“

”ہاں، ہاں..... کہو، کیا بات ہے؟“

”وہ یہاں پہنچ گیا ہے۔“

”کیا؟“ دوسرا طرف سے آنے والی آواز، تحریر سے بھر پور تھی۔

”ہاں..... وہ پہنچ چکا ہے۔“

”کب کیسے؟ کیا تمہیں یقین ہے....؟“

”بہت اچھی طرح۔“

”کیا ہو....؟“

”میں آپ کو اپنی رہائش گاہ کے بارے میں بتا چکی ہوں۔“

”ہاں..... میرے پاس نوٹ ہے۔ تم پھر بھی بتا دو!“ دوسرا طرف سے آواز آئی اور
ٹھیلیا نے اپنے اس پتے کے بارے میں تفصیل بتانا شروع کر دی۔

”تمہاری مراد ہے کہ میں تمہیں دھوکہ دوں گا.....؟“

”ہاں..... میں میرا مقصد ہے۔ مجھے معاف کرنا!“ ٹھیلیا نے کہا۔

”نہیں ٹھیلی! تم خود سوچو، وہ دولت اتنی بڑی ہو گی کہ اُس میں سے تمہیں ایک حصہ دینا
میرے لئے زیادہ مشکل نہ ہو گا۔ چنانچہ اس انداز میں مت سوچو۔ ہاں! اگر کسی قسم کا ہائل
اطمینان چاہتی ہو، تب بھی مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔“

”نہیں..... ایسا اطمینان تو کیا ہو گا۔ ظاہر ہے، ہم جو کام کر رہے ہیں، وہ ایسا نہیں ہے
جس کے لئے ہم باقاعدہ شرائط رکھیں۔ تم بھی غیر یقینی حالات میں ہو اور میں بھی۔“ ٹھیلیا
نے کہا۔

”بس! تو پھر بھروسہ رکھو! اور یقین کرو، کہ ہمارے تمہارے درمیان جو معاملات ہوں
گے، بخیر و خوبی انجام پا جائیں گے۔“ میں نے کہا اور ٹھیلیا خاموش ہو گئی۔ چند ساعت خاموشی
رہی۔ پھر اُس نے کہا۔

”تو فلکیس! سب سے پہلے ہم یہاں سے نکلنے کا بندوبست کریں گے۔ لیکن ۱۲
لئے ہمیں جدو چہد کرنا ہو گی۔“

”ہاں، ہاں..... کیوں نہیں؟“ میں نے جواب دیا۔

”کیا تم سمجھتے ہو..... کیا اس کمرے سے باہر بے شمار لوگ تعینات نہ ہوں گے۔
کمرے کے باہر اور قرب و جوار میں ہی کافی لوگ ہوں گے۔ اور میں تو سمجھتی ہوں کہ
کونے کونے میں آدمی پھیلے ہوں گے اور پچنکہ تم ان کے لئے نعمت بے بہا کی حیثیت
ہو، لہذا وہ ہر قیمت پر تمہاری پوری پوری ٹگرانی کریں گے اور تمہیں کسی بھی طور پر
ہونے دیں گے۔“

”یقیناً..... ان حالات میں مجھے اس بات کا اعتراف ہے۔“

”اگر میں چاہوں تو میں بھی اس کمرے سے نکل کر تمہارے نئے فرار کا بندوبست
سکتی۔ کیونکہ بھروسہ! میں تمہاری خلوٹ میں ہوں۔ اور گریفن بے حد جالاک آؤں
وہ ماہر نفسیات بھی ہے۔ اور اچھی طرح جانتا ہے کہ عورت اور مرد اگر خلوٹ میں رہے
پھر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اُن کا تاثر ایک دوسرے کے لئے کیا ہو گا؟“ ٹھیلیا نے کہا
۔ مسکراتی رنگا ہوں سے اُسے دیکھنے لگا۔ کافی بولنے والی بڑی تھی۔

”تو پھر تمہارا ارادہ کیا ہے؟“

”ٹھیک ہے... ٹھیک ہے... مجھے اندازہ ہو گیا ہے۔ لیکن ٹیلیا! کیا تمہیں یقین ہے کہ
وہ فلیکس ہی ہے؟“

”جی ہاں جتاب.....!“

”لیکن وہ اس وقت کہاں ہے.....؟“

”میرے ساتھ کمرے میں موجود ہے۔ ان لوگوں نے اس سے گفتگو بھی کی ہے۔“

”کیا نتیجہ تھا اس گفتگو کا؟ اور کیا تم اس گفتگو میں شریک تھیں.....؟“

”بھی ہاں.....!“

”تو پھر نتیجہ کیا رہا.....؟“

”وہ ابھی کوئی فصلہ نہیں کر سکا ہے۔“

”لیکن وہ اُن کے ہاتھ کیسے لگ گیا ہے؟“

”ایک نائٹ کلب سے جتاب۔“ ٹیلیا نے جواب دیا۔

”ٹیلیا! تم نے اہم ترین خبر سنائی ہے۔ تمہیں یقین ہے کہ اس سلسلے میں تمہیں کوئی دھوکہ تو نہیں ہوا ہے؟“

”بالکل بے فکر ہو!“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”کیا چاہتی ہو.....؟“

”میرا خیال ہے، آپ اس عمارت پر ایک بھرپور یہ کریں۔ اور اس طرح اسے حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ میں اسے اپنے طور پر روکوں گی اور آپ کے آدمیوں کی رہنمائی کروں گی۔“

”ٹھیک ہے ٹیلیا! وہاں کتنے آدمی ہیں؟“

”قریباً سیمیں..... اس سے زیادہ کام امکان نہیں ہے۔ ہاں! کم ہو سکتے ہیں۔“

”اور وہ لوگ جدید ترین اسکے سے لیس ہوں گے.....؟“

”ہاں..... ظاہر ہے۔“

”ٹھیک ہے ٹیلی! ہم اب سے آدھے گھنٹے کے بعد پہنچ رہے ہیں۔ تم کوشش کرنا کہ ہمیں کوئی سننل دے سکو۔“

”بہتر ہے.....!“ ٹیلیا نے جواب دیا اور ٹرانسیور بند کر دیا۔

میں دلچسپ نگاہوں سے اُس لڑکی کو دیکھ رہا تھا، جونہ صرف حسین تھی بلکہ ذہین بھی تھی۔ اُپنی انہی خصوصیات کی بنا پر کار آمد بھی تھی۔ لیکن اتنی بھی نہیں تھی کہ میں اُسے سر پر نگاہ لیتا۔ اور یوں بھی ان حالات میں اُسے اپنائے کا کوئی جواز ہی نہیں تھا۔ چنانچہ میں نے صرف مسکراتی نیا دل پر کام کر رہی تھی، یہاں تو ان کا سلسلہ ہی نہیں تھا۔ چنانچہ میں نے صرف مسکراتی نگاہوں سے اُسے دیکھنے پر اکتفا کیا۔ ٹیلیا، گھری گھری سانسیں لے رہی تھی۔ تب اُس نے اپنا بس اٹھا کر پہنچنا شروع کر دیا۔

”تم بھی تیار ہو جاؤ فلیکس! ہمیں کیا کرنا ہے، کیا تم اس کے بارے میں اندازہ لگا سکے؟“

”بالکل بے فکر ہو!“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ٹیلیا بھی مسکرانے لگی، پھر بولی۔ ”تم مجھے یہاں نہ چھوڑ دینا۔ ورنہ میرے ساتھ برا برا دکھل ہو گا۔“

”ٹھیک ہے۔“ میں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا اور پھر میں بھی بس وغیرہ پہن کر تیار ہو یا۔

اب ہم انتظار کر رہے تھے۔ لمحات، خاموشی سے گزر رہے تھے۔ ٹیلیا میری شکل دیکھ رہی تھی۔ اُس کی آنکھوں میں عجیب سے تاثرات تھے۔ اور پھر آدھا گھنٹہ گزر گیا۔ اور اُس کے انہی کی خوف ناک دھماکے سنائی دیئے۔ یہ دھماکے یقیناً پینڈگرینڈ کے تھے۔ اور پھر ”ال طرف بھلڈر چمگتی۔ اور اس کے بعد بے تحاشا گولیاں چلنے لگیں۔ چند آدمی ہمارے اسے کے دروازے تک آئے۔ اور پھر دروازہ کھول دیا گیا۔ یہ سب گری芬 کے آدمی غیر

”کیا بات ہے؟“ میں نے پہنچتے ہوئے پوچھا۔

”شاید..... شاید کوئی گڑ بڑا ہو گئی ہے۔ آپ لوگ، یہیں رہیں۔“ اُس شخص نے کہا جواندر

تک آیا تھا۔

لیکن اب میرا زکرنا مناسب نہیں تھا۔ چنانچہ جو نبی وہ پلٹا کہ دروازہ بند کرے، میں نے پیچھے سے اُس کی گردان پکڑ لی۔

وہ ہاتھ پاؤں مار رہا تھا، لیکن اُس کی گردان، میرے ایک بازو اور کلاپی میں بری طرح پھنس ہوئی تھی۔ میں نے اُسے زمین سے اوپر آٹھا لیا تھا۔ چند ساعت کے بعد جب اُس کی آنکھیں، حلقوں سے باہر نکل آئیں تو میں نے اُسے دیں زمین پر لٹا دیا اور خود ڈیلیا کا ہاتھ پکڑ کر باہر نکل آیا۔

”تم اُس عمارت کی چھوٹیش سے تو واقف ہی ہو؟“ میں نے تیز دوڑتے ہوئے اُس سے سوال کیا۔

”ہاں..... میں تمہیں با آسانی نکال کر لے جاسکتی ہوں۔“

چند ساعت کے بعد ڈیلیا ایک کمرے تک پہنچ کر رُک گئی۔ اُس نے اُس کمرے کا دروازہ کھوا! اور عمارت کے عقب میں نکل آئی۔ لیکن یہ جگہ بھی محفوظ نہیں تھی۔ ہمیں زمین پر یہ کریں گا! گولیاں سننا تی ہوئی ہمارے سروں کے اوپر سے گزر رہی تھیں اور ہم اگر ذرا بھی اونچا ہونے کی کوشش کرتے تو کوئی گولی ہمیں چاٹ سکتی تھی۔ بہر صورت! عجیب سامنہ تھا کسی کی بھی کوئی تفصیل نہیں تھی کہ کون کیا ہے؟ بس! اندر ہاؤ! ہند فائزگ ہو رہی تھی۔ بالکل جنگ کا سامنہ تھا۔ لیکن ڈیلیا جس جانب رینگ رہی تھی، وہ یقیناً اُس کی جانی پہچانی جگہ تھی پھر ہم ایک اور دروازے تک پہنچ گئے۔ ڈیلیا نے جلدی سے دروازہ کھول دیا۔ اور دوسرا۔ لمحہ ہم دروازے کے باہر تھے۔ سامنے ایک طویل میدان پڑا ہوا تھا، لیکن اس میں جلد ہما درخت نظر آ رہے تھے۔ اور یہ درخت آڑ لینے کے لئے بہترین ثابت ہوئے۔ ہم میدان دوسرے سرے تک پہنچ گئے۔ جہاں مکانات کا سلسہ پھیلا ہوا تھا۔ لیکن اب ان مکانات میں روشنیاں پھیلتی بارہی تھیں۔ گولیاں چلنے کی آوازیں سن کر قرب و جوار کے لوگ سر ایسہ گئے تھے۔ بہر صورت! ہم نے کوشش یہی کی کہ ہمیں نہ دیکھا جاسکے۔ اور یوں مکانوں کی آیتے ہوئے ہم کافی ڈور نکل آئے۔ ہماری حالت زیادہ اچھی نہیں تھی، خاص طور سے ڈیلی۔

”میں تھک گئی.....!“

”اتی جلدی.....؟“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”ہاں فلیکس..... بہر حال! عورت ہوں۔“

”لیکن عام عورتوں سے مختلف۔ بلاشبہ! جو ترکیب تم نے سوچی، وہی کار آمد تھی۔ ورنہ یہاں سے نکنا آسان کام نہ ہوتا۔“

”آؤ..... اس سڑک سے ہمیں نیکسی مل جائے گی۔“ ڈیلیا نے کہا۔ اور پھر میرے ساتھ ہل پڑی۔ ”ہمیں کسی غیر معروف ہوٹل میں قیام کرنا چاہئے فلیکس! اب ہمیں پوری طرح ہوشیار ہنا ہو گا۔“

”ہاں..... میں نے گردن ہلا دی۔ اور پھر ہم ایک سڑک پر نکل آئے۔ ڈیلیا نے ایک نیکی روکی اور پھر اس میں بیٹھ کر چل پڑے۔ نیکسی کو دوڑ رہی چھوڑ دیا گیا تھا اور ہم دونوں پول اُس ہوٹل کی جانب چل دیئے، جس کا ہم نے انتخاب کیا تھا۔

ہوٹل میں کمرہ حاصل کرنے کے بعد ہم اُس میں مقیم ہو گئے۔ ڈیلیا ایک کری پر گر کر گھری گھری سانسیں لینے لگی تھی۔ ”ایسی ضرب لگی ہے گریفن پر کہ تملما کر رہ جائے گا۔ لیکن ہماری پوزیشن کافی عرصے تک محفوظ رہے گی۔“ اُس نے کہا۔

”کس طرح.....؟“

”مار کو سمجھے گا کہ گریفن نے ہمیں غائب کر دیا ہے۔ اور گریفن سمجھے گا کہ مار کو، ہم یوں کو لے گیا۔“

”تمہرہ سوچ ہے تمہاری۔“ میں نے تعریف کی۔

”بُل..... تم دیکھتے رہو فلیکس! تمہیں اندازہ ہو گا کہ میں بھی کوئی معمولی حیثیت کی حامل نہیں ہوں۔ گرین رینک کی مالک ہوں۔ اور ایک طرح سے عہدے میں گریفن سے کہ نہیں بُل۔ بُل! میرے پاس کوئی باقاعدہ شعبہ نہیں ہے۔ اور اس سلسلے میں گریفن کو انچارج بنا کر بھجا گیا تھا۔ لیکن وہ مجھے حکم نہیں دے سکتا تھا۔“

”ظاہر ہے..... اگر ایسا ہوتا تو اس ملاقات میں تم شریک نہ ہوتیں، جس میں سو دے کی نٹکوکی گئی تھی۔“ میں نے کہا۔

”میں تھک گئی ہوں فلیکس! اب آرام کرنے کی اجازت دو۔“

”میں بھی تھکن محبوس کر رہا ہوں۔“ میں نے کہا اور ہم دونوں بستر پر آگئے۔ ڈیلیا واقعی نگر گئی تھی، کیونکہ وہ لیٹتے ہی سو گئی۔ دیے یہ بھی ہمت کی بات تھی کہ ان ٹکنیں حادثات سے اُڑنے کے باوجود اُسے نیند آگئی۔

انہے پانے میں ناکام رہی۔
ہوٹل سے باہر آ کر میں نے ایک ٹیکسی لی اور چل پڑا۔ اب میرا رُخ کوپ کے، کی طرف
خدا۔ اور فی الوقت میں سکون کی نیند لینا چاہتا تھا۔ کوپ کے، میں داخل ہوا تو صبح کے سات
نے رہے تھے۔

جیزی کے رس کا ایک گلاس پینے کے بعد میں نے اپنے رُوم ائینڈنٹ سے کہا کہ مجھے اس
وقت تک ڈسٹریب نہ کیا جائے، جب تک میں کسی کو طلب نہ کروں۔ میرے نام آئیا لے ہر
پیشان کو صرف نوٹ کر لیا جائے۔ اس کے بعد میں کہہ بند کر کے گھری نیند سو گیا۔ گھری اور
پر سکون نیند..... کیونکہ اب میں نے زندگی کا ایک مقصد پالیا تھا۔
خوب سویاپ اور جب آنکھ کھلی تو سورج چھپ چکا تھا۔ گھرے بادل چھائے ہوئے تھے
اور فضا میں نبی کچھ زیادہ تھی۔ جی بھر کرسونے سے طبیعت کافی ہلکی ہو گئی تھی۔ باتحر رُوم جا کر
گرم پانی سے غسل کیا اور لباس وغیرہ پہن کر تیار ہو گیا۔

اب زندگی بے مقصد نہیں تھی۔ بلکہ ایک پہاڑ جیسا عزم تھا، جو ناقابلِ تحریر نظر آتا تھا۔
لیکن فطرت تھی کہ اس پہاڑ کو ڈھانے پر آمادہ تھی۔ میں ایک پر گرور فاتح کی مانند اپنے
کرے سے نکلا اور ہوٹل کے ڈائینگ ہال کی طرف جانے کے لئے چل پڑا۔

نہ جانتے کیوں، ڈائینگ ہال میں زیادہ رونق نہیں تھی۔ ماحول خاموش خاموش ساتھا۔
لگن ہے، لوگ موسم کی وجہ سے نہ آئے ہوں۔ گھری کھرپنے کا خدشہ تھا۔ ممکن ہے،
بوفاری بھی ہو جائے۔ بہر حال! میں ڈائینگ ہال سے بھی نکل آیا۔ اور اب میں سورج رہا تھا
کہ کسی عمدہ سی جگہ کا رُخ کروں اور اس رات کو ٹککن بناؤں۔

میری نگاہیں، ٹیکسی کی تلاش میں بھٹک رہی تھیں۔ پھر دوسرے ایک ٹیکسی آتی نظر آئی
لیکن میں نے اسے اشارہ بھی نہیں کیا تھا کہ ایک دوسرے آدمی نے جو مجھ سے تھوڑے فاصلے
پر کھڑا تھا، ٹیکسی روک لی اور اس میں بیٹھ کر چل پڑا۔

ٹیکسی میرے نزدیک سے ہی گزری تھی۔ اور اتفاقی طور پر ہی میری نگاہ اس میں بیٹھے
ہوئے شخص پر پڑ گئی۔ میرا بدن اس طرح اچھلا جیسے بڑے زور سے کرنٹ لگا ہو..... ذہن
میں طرح جھنجھننا گیا تھا۔ ٹیکسی میں بیٹھا شخص، سو فیصدی میرا ہم شکل تھا..... اتنا مشاہدہ کہ کوئی
تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ ایک شاندار اور سمارٹ آدمی۔ اور یہ شخص..... یہ شخص فلیکس کے
علاوہ اور کون ہو سکتا تھا؟

میں البتہ جاگ رہا تھا اور سوچ رہا تھا۔ میرے ذہن کی مشین تیزی سے کام کر رہی تھی۔
اب اس بڑی کے ساتھ کچھ وقت گزار جائے یا نہیں؟ لیکن اسے مزید احمق بنانے سے کیا
فائدہ؟ ظاہر ہے، جس موقع پر وہ میرے ساتھ آئی تھی، اُن میں سے کوئی پوری نہیں ہو سکتی
تھی۔ نہ تو میں فلیکس تھا اور نہ اس سے شادی کر سکتا تھا۔ رہی میری بات، تو میرا مقصود پورا
ہو چکا تھا۔ یعنی میں اس پراسرار شخصیت کے بارے میں معلوم کر چکا تھا کہ وہ ان لوگوں کے
لئے بعثتِ دلچسپی کیوں تھی؟ یہ بھی پتہ چل جا کا تھا۔

اور میرے ذہن میں کچھ نہ رایں کھل گئیں۔ ایک عمدہ خیال میرے ذہن میں آیا۔ اور
بلایہ! یہ کیمن فیملی کے پورے پاضی سے بڑی بات تھی۔ اگر میں ایک شریفانہ زندگی اختیار کر
لوں تو.....؟ ہاں! یہ میری زندگی کا ایک اہم مرحلہ ہو گا۔ میں کہیں بھی رہوں، کچھ بھی کروں،
ایک پراسرار نام..... میرے ذہن میں بے شمار شکوفے پھوٹ نکلے۔ وہ سب کچھ اچاک
ذہن میں آگیا تھا، جو تصورات سے بھی بالا تھا۔ ہاں! ایک خواہش تھی، جسے میں خود بھی
نہیں سمجھ سکتا تھا۔ لیکن اس وقت، اس درمیانے درجے کے ہوٹل کے ایک کمرے میں ٹھیک
چند لمحات کی ساتھی بڑی کے ساتھ لیئے ہوئے زندگی کا اتنا بڑا معہم حل ہو گیا تھا اور میرے
بدن میں سنسنی دوڑ رہی تھی۔ میں نے ایک مقصد پالیا تھا۔ وہ مقصد جو زندگی کے راستوں
میں ایک اہم مقام کی حیثیت رکھتا ہے۔

نہ جانے کب تک میں خیالات کے تالوں بانوں میں الجھا رہا۔ لیکن ہر گز رہتا ہوا مجھے
جگہ رہا تھا۔ میرے اندر کی وہ کیفیتِ ختم ہو گئی تھی جو جو شناک ہوم سے واپس آتے ہوئے مجھ پر
طاری ہو گئی تھی۔ اور اب میں ایک چاق و چوبندا ناسان تھا۔

چنانچہ اب ڈن کیمن ایک دوسرا شخصیت اختیار کر چکا تھا۔ انسان کے سامنے اگر کوئی
مقصد نہ ہو تو وہ کتنا ناکمل ہوتا ہے..... اُس کی ہر جدو جہد اُس کا مذاق اُزاتی ہے اور وہ خود کو
کس طرح ڈانو ڈول پاتا ہے۔

کمرے کے ایک روشن داں سے سورج کی پہلی کرن نے اندر جھانکا تو میں جلدی سے
اٹھ کھڑا ہوا۔ ابھی ٹیلیا جاگ جائے گی اور اس کے بعد پورا دن اُس کی نذر ہو جائے گا۔
لمحات کیوں ضائع کئے جائیں؟ اور میں خاموشی سے دروازہ کھول کر نکل آیا۔
ٹیلیا چالاک ہے، اپنی پوزیشن بحال کر لے گی۔ بہت سے بہانے بنا سکتی ہے۔ یہ بھی
کہ سکتی ہے کہ ہنگامے سے فائدہ اٹھا کر وہ چالاک آدمی نکل گیا۔ اُس نے تعاقب کیا، لیکن

میں بری طرح تملکیا تھا۔ کاش! اس وقت میرے پاس کار ہوتی۔ میں نے بے چین لگا ہوں سے چاروں طرف دیکھا۔ کوئی لیکسی دور دُر تک نہیں تھی۔ بہت بڑا نقصان ہو گیا تھا۔ اس وقت اگر میرے پاس کار ہوتی تو اس وقت یہ شخص میرے ہاتھ سے نہیں نکل سکتا تھا۔ میں کف افسوس ملتا رہ گیا۔ دوسرے لمحے میں نے فیصلہ کر لیا کہ اب یہاں قیام کرنے کے لئے ایک مکان اور کار خریدنا ضروری ہے۔ اور بہر حال! یہ کام میرے لئے مشکل نہیں تھا۔

طبعیت پر ایسا بوجھ سوار ہوا کہ میں نے کہیں جانے کا ارادہ ملتی کر دیا اور واپس ہوئیں داخل ہو گیا۔ پارکنگ پر کاروں کی تعداد کسی قدر بڑھ گئی تھی۔ لیکن میں ڈائنگ ہال میں بھی نہیں رکا اور لافت کی طرف چل پڑا۔ اب میں اپنے کمرے میں جانا چاہتا تھا۔

لفٹ سے اتر کر راہداری میں مردابی تھا کہ چند آدمی نظر آئے۔ خوشنا کپڑوں میں ملبوس چار افراد تھے، جن میں ایک عورت بھی تھی۔ لیکن سارے محیر العقول واقعات بیکجا ہو گئے تھے۔ عورت کو دیکھ کر میں بری طرح ٹھنڈک گیا..... یہ ایریسا تھی۔

وہ لوگ صورت سے کچھ پریشان نظر آ رہے تھے۔ لیکن جو نی اُن کی نگاہ مجھ پر پڑی، وہ چونک پڑے۔ اور پھر ان کے چہرے ہکل گئے تھے۔ اور واقعات میری سمجھ میں آ رہے تھے۔ ایریسا پھر دھوکہ کھائی تھی۔ ممکن ہے، فلیکس نے ان سے رابطہ قائم کر کے انہیں بھجا ہو۔ اور ممکن ہے، وہ بھی اسی ہوٹل میں مقیم ہو۔

بڑی دلچسپ صورت حال تھی۔ لیکن اب کیا کرو؟ بہت سے خیالات ذہن میں گذرا ہو کر رہ گئے تھے۔ فلیکس کے بارے میں پتہ چل گیا تھا کہ وہ اسی ہوٹل میں مقیم ہے۔ اور اس کے بعد ممکن تھا کہ میری اور اُس کی ملاقات کچھ اور گل کھلاتی۔ لیکن یہ لوگ آگے تھے۔ اب ان سے کیسے پیچھا چھڑایا جائے.....؟ یہ سارے خیالات تھے جو چند ہی ساعت میں میرے ذہن میں آئے۔ لیکن بہر صورت! میں تو اس کا قائل تھا کہ وقت جو کچھ طلب کرے، اُسے ادا کر دیا جائے۔ اس طرح وقت اپنے اندر گنجائش نکال لیتا ہے۔

فلیکس کو مس کرنے کا پہلے بھی مجھے افسوس تھا۔ اور ممکن تھا کہ اُس سے دوبارہ رابطہ قائم کرنے میں مجھے اچھی خاصی وقت پیش آتی۔ لیکن ان لوگوں کو نظر انداز کرنا مناسب نہیں تھا۔ چنانچہ دوسرے لمحے میں نے ایریسا کی طرف مصافی کے لئے ہاتھ آگے بڑھا دیا۔

”اوہ..... مس ایریسا!“

”ہاں..... آؤ۔ فلیکس! میرا خیال ہے کہ تمہارے کمرے میں چلنے کی بجائے ہم اپنی رہائش گاہ میں چلتے ہیں۔ اور ہاں! اس دوران تو بڑے عجیب و غریب واقعات پیش آچکے ہیں، جن کے بارے میں، میں تمہیں تفصیل سے بتاؤں گی۔“

”اوکے.....!“ میں نے جواب دیا۔ اور پھر میں واپس ایریسا کے ساتھ چل پڑا۔ اور بہتر بھی ہی تھا۔ کیونکہ نہ تو فلیکس کے کمرے کا نمبر معلوم تھا اور نہ ہی اُس کا فون نمبر معلوم تھا۔ اور اگر کسی طرح میں اُس کے کمرے کا نمبر بھی معلوم کر لیتا، تب بھی چابی تو فلیکس ہی کے پاس ہو گی۔ چنانچہ میں اُن لوگوں کے ساتھ باہر نکل آیا۔

وہ سب بے تحاشہ خوش نظر آ رہے تھے۔ چند ساعت کے بعد ہم ایک لمبی کار میں بیٹھ کر جا رہے تھے۔ ایریسا میرے زد پک ہی بیٹھی تھی، اور کافی خاموش تھی۔

”آپ کو حیرت ہو گئی مسٹر فلیکس!“ چند ساعت کے بعد اُس شخص نے، کہا جو ڈرائیور نے کر رہا تھا۔ ”کہ ہم ایک اور فلیکس سے بھی ملاقات کر چکے ہیں۔ اور تعجب کی بات تو یہ ہے کہ وہ فلیکس، ہو، ہو آپ کی دوسری کاپی ہے۔“

”اوہ..... کیا؟ میں سمجھا نہیں۔“ میں نے متھیرانہ انداز اختیار کیا۔

”تفصیل رہائش گاہ پر چل کر بتائی جائے گی۔ بہر صورت! آپ کی تلاش میں ہمیں کافی پاپڑیتے پڑنے ہیں۔“ ایریسا نے ہستے ہوئے کہا اور میں بھی ہنسنے لگا۔

پھر گھر پہنچنے تک خاموشی ہی رہی۔ اس دوران مجھے سوچنے کا موقع مل گیا تھا۔ پھر میں نے فیصلہ کر لیا کہ تھوڑی دیر کے بعد اُن لوگوں سے معدودت چاہوں گا اور واپس آ کر فلیکس سے ضرور ملاقات کروں گا۔ اس طرح دونوں کام بن سکتے تھے۔ چنانچہ اس فیصلے کے بعد میں کافی حد تک پر سکون ہو گیا۔ پھر ایک اور خوشناکوٹی میں داخل ہونا پڑا۔

یہ کوٹی وہ نہیں تھی، جہاں ایریسا مجھے پہلی بار لے گئی تھی۔ بلکہ یہ اُس سے کہیں زیادہ خوبصورت تھی۔ اس میں کافی زیادہ لوگ نظر آ رہے تھے۔ پھر میرا بہترین استقبال کیا گیا اور نجھے ایک کمرے میں لے جایا گیا۔

ایریسا اور اُس کے دوسرے ساتھی، میرے سامنے بچھے جا رہے تھے۔ اور میں بھی اُن سے اس طرح پیش آ رہا تھا جیسے کہ میں اُن کے مخلص دوستوں میں سے ہوں۔

تھوڑی دیر کے بعد ایک بڑے کمرے میں نشت ہوئی۔ مشرب کے بتن سامنے آ گئے۔ اور ایریسا نے اپنی خوش بختی اور میری صحبت کا جام تجویز کرتے ہوئے مشروب کا جام،

میری طرف بڑھا یا.....

”خوش بختی کیوں؟“ میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

”اس لئے کہ خاصی مشکلات کے بعد آپ دستیاب ہوئے مسٹر فلیکس!“ ایریسا نے ہتھے ہوئے کہا۔ اور پھر کہنے لگی۔ ”چند ساعت کے بعد ہمارے چیف مسٹر شافٹ پکنچے والے ہوں گے، جو ولیسوں کے بعد اس کیس کی سربراہی کمپنی کے دوسرے رکن ہیں۔ ان کے آتے ہی گفتگو کا آغاز ہو جائے گا۔“

”لیکن وہ معاملات کیا تھے مس ایریسا! جن کے بارے میں آپ راستے میں بتا رہی تھیں؟“ میں نے سوال کیا۔

”اوہ مسٹر فلیکس! سب سے پہلی بات تو یہ کہ اس دوران آپ کن حالات کا شکار رہے؟“

”سخت انجمنوں میں پھنس گیا تھا۔ اس طیارے سے نہیں آ سکا، جس سے آنے کا ارادہ تھا۔“

”ہاں آپ نے اطلاع دی تھی۔ اور ہمیں آپ کی اطلاع موصول ہو گئی تھی۔“ ایریسا نے بتایا، اور میں نے سکون کی گہری سانس لی۔

میں بات چا گیا تھا۔ حالانکہ میں بھی یہی کہنا چاہتا تھا کہ میں اس طیارے سے نہیں آ سکا، جس طیارے سے آنے کی اطلاع میں نے آپ کو دی تھی۔ لیکن میں نے سوچا کہ ممکن ہے، ایسی کوئی اطلاع فلیکس نے نہیں تھی ہو۔ چنانچہ میں نے بات کو دوسرا رخ دے دیا تھا۔ لیکن اب یہ بات کفرم ہو گئی تھی کہ فلیکس نے اپنے آنے کی اطلاع اُن لوگوں کو دی تھی۔

”میں حسب پروگرام ایریز پورٹ پر پہنچ گئی تھی۔ اور سب سے حریت انگیز بات یہ کہ میں نے جہاز سے آپ کو اترتے دیکھا۔

”مجھے؟“ میں نے تجھ کا اظہار کیا۔

”ہاں مسٹر فلیکس! آپ یقین کریں کہ آپ کو خوبی بھی احساس نہ ہو گا کہ اس دنیا میں آپ کا کوئی دوسرا ہم شکل بھی موجود ہے، جس کا قدر و قامت، جامت اور آواز تک آپ سے لمبی جاتی ہے۔ اتنی ملتی جاتی کہ شاید آپ خود یہ سوچنے پر مجبور ہو جائیں کہ کیا آپ، آپ ہی ہیں با وہ؟“ ایریسا نے ہتھے ہوئے کہا۔

”واقعی مجھے تجھ ہے۔ تو مس ایریسا! پھر کیا ہوا؟“ میں نے بے چینی کا اظہار

کرتے ہوئے کہا۔

”ظاہر ہے، مجھے دھوکہ کھانا ہی تھا۔ چنانچہ میں اُس شخص کے قریب پہنچ گئی اور میں نے فلیکس کہہ کر مخاطب کیا۔“

”اوہ!“ میں نے ہونٹ سکوڑ کر کہا۔

”اور پھر میں اُسے اپنے ساتھ لے کر آگئی۔

”کہاں؟“

”یہ عجیب رہا مسٹر فلیکس! میں آپ کی ڈبلیکیٹ کو لے کر بجائے ہیڈ کوارٹر آنے کے، ہوں گلی میں پہنچ گئی۔ اور اس قیام کے دوران ہی یہ بات کھل گئی کہ وہ فلیکس نہیں ہے۔“

”تب پھر آپ نے کیا، کیا؟“

”بس! جب مجھے یہ احساس ہوا کہ میں کسی غلط آدمی سے ٹکرائی گئی ہوں، تب میں نے پالاکی سے کام لیا۔ میں نے اُسے بتایا کہ میں ایک کاروباری لڑکی ہوں اور اس طرح دھوکہ دے کر لوگوں کو اپنا مہمان بناتی ہوں۔ حالانکہ یہ کوئی خاص دھوکہ نہیں ہے، بلکہ میرے خیال کے مطابق اس طرح میں اپنے اندر جاذبیت اور شخصیت میں دلچسپی پیدا کر لیتی ہوں۔ چنانچہ اس طرح میں نے اُس شخص کو احمق بنا دیا اور اس سے کچھ معاوضہ لے کر اُسے رخصت کر دیا۔“ ایریسا نے ہتھے ہوئے کہا اور میں بھی نہیں پڑا۔

میری نہیں معنی خیز تھی۔ کیونکہ میں جانتا تھا کہ ایریسا، جو کچھ کہہ رہی ہے، غلط ہے۔ اُس نے اپنے ساتھیوں پر صرف اس بات کا اظہار کیا تھا کہ وہ فلیکس کے کسی ہم شکل سے ملی ہے۔ لیکن اُس نے یہ نہیں بتایا کہ اُس نے اُسے کس طرح سے بے وقوف بنایا۔

”گویا اس طرح آپ نے معاطلے کو ناٹال دیا۔“ میں نے کہا۔

”ہاں!“ وہ ہتھے ہوئے بولی۔

”اس سلسلے میں کوئی اُبھن تو پیش نہیں آئی؟“

”نہیں لیکن مجھے خوف بہت محروس ہوا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ دوسرے لوگ بھی اُس فلیکس کی صورت دیکھ کر اسی طرح دھوکہ کھائیں گے۔ اور یہ اچھی بات ہی تھی مسٹر فلیکس! اُن اوقات ایسے معاملات بڑے دلچسپ معلوم ہوتے ہیں۔ ہاں! اگر وہ دوبارہ ہمارے انہیں جائے تو ہم اُسے آپ کی ڈمی بنا کر دوسرے لوگوں کو بے وقوف بنائیں گے۔“

”ٹھیک ہے!“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”واقعی! میں بھی اُسے دیکھنے کا متنبھی

ہوں۔ اگر وہ آپ کوں جائے تو پلیز! مجھ سے ضرور ملائیں۔“ میں نے معنی خیز لہجے میں ہیز ہوئے کہا۔

”یقیناً، یقیناً..... آپ کے لئے بھی وہ قابل حیرت شخصیت ہوگی۔“ ایریسا نے مکراتے ہوئے کہا۔

تھوڑی دیر کے بعد ایک شخص اندر داخل ہوا اور اس نے آہستہ سے ایریسا کے کان میں کچھ کہا۔ ایریسا نے پر خیال انداز میں گردن ہلائی تھی۔ پھر وہ میری طرف دیکھ کر کہنے لگا۔ ”سوری مسٹر فلیکس! چیف یہاں نہیں پہنچ سکتے۔“

”کیا مطلب.....؟“

”ہاں! مسٹر شافٹ بے پناہ مصروف ہیں۔“

”کوئی خاص مصروفیت.....؟“ میں نے سوال کیا۔

”در اصل یہاں کے حالات کچھ اس قدر خراب ہو گئے میں کہ کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ نجاں نے نکیوں اس قدر بے چینی پھیلی ہوئی ہے؟ اور بہت سارے ممالک، اس جگہ جمع ہو گئے ہیں۔ بہر حال! مسٹر شافٹ نے کہلوایا ہے کہ میں آپ کو لے کر گرافن پہنچ جاؤں۔“

”ابھی.....؟“ میں نے سوال کیا۔

”نہیں..... ضروری نہیں۔ یہ کام، کل بھی کیا جا سکتا ہے۔“ ایریسا نے کہا۔

”یہی مناسب بھی ہے مس ایریسا..... در اصل! اس وقت میں سفر کرنا پسند نہیں کروں گا۔ کیونکہ مجھے کچھ کام بھی ہے۔“

”اوہ..... کیا کام ہے آپ کو؟“

”ہاں! میرے اپنے معاملات ہیں میں ایریسا..... افسوس! کہ میں آپ کو ان کے بارے میں نہیں بتا سکتا۔“

”کوئی حرج نہیں ہے۔“ ایک شخص نے مدخلت کی اور چند لمحات کے لئے خاموشی طاری ہو گئی۔ سب ہی اپنی سوچ میں گم ہو گئے تھے۔ خود میں بھی خیالات میں ڈوبا ہوا تھا۔

میں سوچ رہا تھا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہئے؟ ایریسا کے ساتھ گرافن تک جاؤں یا نہ جاؤں؟“

لیکن اس میں کوئی حرج بھی نہیں ہے۔ اگر مسٹر فلیکس مجھے مل جاتا اور کوئی کام کی بات بن جائے تو پھر یہ مناسب ہو سکتا تھا کہ میں آگے کی سوچتا۔ لیکن اگر اس سے ملاقات نہ ہے

ہے، تب بھی میں ایریسا کے ساتھ گرافن ضرور چلا جاؤں گا۔ میں نے دل میں سوچا۔ دیے یہ بات تو طے تھی کہ فلیکس کے ان لوگوں سے خصوصی تعلقات تھے۔ اور میں نے مسٹر شافٹ کو اپنے آنے کی اطلاع دی تھی۔ گویا یہ پارٹی ایسی تھی، جس کے بارے میں ادھارات تھے کہ فلیکس اپنے اس قیمتی راز کو انہیں بتا دے گا۔ چنانچہ اس کے قریب رہنا بہتر تھا۔

”بڑی خاموشی ہو گئی۔ کیا بات ہے؟“ انہی میں سے ایک شخص نے کہا۔ ”اور ہاں، مسٹر فلیکس! کیا آپ ہمیں یہ نہیں بتائیں گے کہ آپ اس دوران کہاں رہے؟ اور کیا کرتے رہے؟“

”آپ کی مراد اُن دنوں سے ہے، جب میں یہاں پہنچنے والا تھا اور نہ پہنچ سکا؟“

”ہاں.....!“

”بس! ظاہر ہے، میں جن واقعات سے گزر چکا ہوں، ان کا علم تو آپ لوگوں کو بھی نہ ہے۔“

”بھی ہاں..... وہ پراسرار لوگ، جنہوں نے طیارے کو تباہ کرنے کی کوشش کی تھی، اب بھی ان کے پیچے لگے ہوئے ہیں، جو طیارے کے حادثے سے نقش گئے تھے۔ میرا خیال ہے، ابھی انکے انہیں یہ مکمل طور سے یقین نہیں ہو سکا کہ وہ شخص کون تما جن کے پاس ان کا کوئی اہم لازمی پہنچ گیا تھا۔ لیکن بہر صورت! وہ ان میں سے کسی ایک کو بھی زندہ نہیں چھوڑنا چاہتے۔ اور نئے میں وقت پر یہ اطلاع دی گئی۔ میرا مطلب ہے، میرے ان ساتھیوں نے اطلاع دی جو بہر اصل حیثیت سے واقع ہیں کہ طیارے پر کچھ لوگوں کی ٹگرانی ہو رہی ہے۔ میں نے اوری طور پر سفر کا ارادہ ملتے کر دیا اور اس کے بعد فوراً ہی دوسرے طیارے سے میں یہاں پہنچ گیا۔ یہاں پہنچنے کے بعد مجھے علم ہوا کہ بہت ساری پارٹیاں، میری تاک میں ہیں۔ پہنچ میں نے خود کو روپوش رکھا۔ اور جب مناسب موقع دیکھا تو میں نے آپ کو اس سلسلے کا اطلاع دے دی۔“

”اوہ..... واقعی! صورت حال بے حد خطرناک ہے۔ مسٹر شافٹ بھی اس خطرناک لہوتے حال سے خاصے اٹھ گئے ہیں۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ آپ، ہمیں مل گئے مسٹر اس! اہم آپ کے لئے بے حد پریشان تھے۔“

” بلاشہ! مجھے آپ کی پریشانی کا احساس ہے۔“

”تقریباً دس بجے کے بعد“ میں نے جواب دیا اور دوسری طرف متوجہ ہو گیا۔ کھانے کے بعد میں اپنے کمرے میں آ گیا، لباس وغیرہ تبدیل کیا اور کار لے کر چل پڑا۔ میں بون کی سڑکوں پر ڈرائیور نگ کر رہا تھا اور میری ساری توجہ، تعاقب پر مرکوز تھی۔ لیکن ان لوگوں نے خاصی ذہانت سے کام لیا تھا۔ وہ مجھے چڑھانا نہیں چاہتے تھے، اس لئے مرتعاقب نہیں کیا گیا۔

وتفی برا دلچسپ مرحلہ تھا۔ ایک بار پھر میں ایریسا کے ہاتھ لگ گیا تھا۔ اور یوں وہ اصل فلیکس کو گم کر بیٹھے تھے۔ دیے مجھے یقین تھا کہ اگر انہیں اصل فلیکس کے بارے میں پتہ چل جائے تو وہ مجھے کبھی بھی زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ لیکن وہ زندگی ہی کیا، جس میں خطرات نہ ہوں؟

اب صورت حال صرف یہ تھی کہ اصل فلیکس کسی طرح میرے ہاتھ لگ جائے۔ لیکن اس کے لئے مجھے تھوڑی سی تیاریاں اور بھی کرنا تھیں۔

چنانچہ ایک بھرے پرے بازار میں، میں نے کار روکی۔ ایک سٹور میری نگاہ میں آ گیا تھا۔ سٹور میں داخل ہو کر میں نے چند چیزیں خریدیں۔ ان میں سب سے نمایاں چیز، میک اپ کا سامان تھا..... تب کار میں بیٹھ کر میں نے کار، شارٹ کر دی۔ پھر ایک ایسی جگہ کار روکی، جہاں آمد و رفت نہ ہونے کے برابر تھی۔ اور میں نے اپنے اپنے چہرے پر گھنی موچھوں کا اضافہ کر کے چشمہ چڑھا لیا۔ اس میک اپ سے میری شخصیت ہی بدلتی تھی۔ چنانچہ اس سیر اڑخ کوب کے، کی جانب تھا۔

کوب کے، میں داخل ہو کر میں سب سے پہلے لفٹ کے ذریعے اور پہنچا۔ راہداری میں کوئی موجود نہیں تھا۔ چنانچہ میں نے اپنے کمرے کا دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گیا۔ مجھے صرف یہ اندازہ لگانا تھا کہ فلیکس، کون سے کمرے میں رہتا ہے؟ وہ لوگ اسی منزل پر آئے تھے۔ اکام کا مطلب تھا کہ فلیکس نے انہیں بیہیں کہیں قریب کا نمبر بتایا تھا۔

میں اپنے کمرے میں دروازے کے بالکل نزدیک کری ڈال کر بیٹھ گیا اور دروازے کی بلکل سی جھری سے دیکھنے لگا تقریباً پونے گیارہ بجے میں نے راہداری میں تمدموں کی آوازیں شنیں اور گردانِ نکال کر باہر دیکھا۔

آنے والا فلیکس ہی تھا۔ بلاشبہ! وہ میرا ہم شکل ہی تھا اور کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ، میں نہیں ہوں، یا ہم دو ہیں..... میں اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔ میں سوچ رہا تھا کہ فلیکس سے

”تو پھر میرا خیال ہے، مسٹر شافٹ کی آمد تو ملتی ہو چکی ہے۔ تو پھر کیوں نہ اس میں لگ کر بھیج، ملتے ہی کہا جائے؟“

”ایسیا! مسٹر فلکیس کے آرام کا بندوبست آپ کریں۔“ ایک شخص نے کہا۔
”وہ تمام شے گا۔“ اسے از جان دادا نہ سست، رخاست ہو گئی۔

ایریسا مجھے لے کر اسی عمارت کے ایک خوب صورت اور وسیع بیڈ روم میں آگئی تھی۔ اس مکان کا نام کالائی سینما تھا۔

”ہوئے کے“ آپ تصور نہیں کر سکتے مسٹر فلیکس! کہ آپ کے مل جانے سے مجھے بلکہ ہمیں کس قدر خوشی لے سڑا لے ہوئے میری جانب دیکھا اور نبیب بی لہا، ہوں گے تے دیے ہوئے بولی۔

”یقیناً..... مجھے احساس ہے۔“ میں نے جواب دیا۔

”بہر صورت! آپ کو کس وقت جانا ہے، اور کہاں جانا ہے.....؟“

”تقریباً ساڑھے دس بجے میں یہاں سے روانہ ہو جاؤ گا مُس ایسا! کیا آپ
میر لئے کار کا سندھ وست کر سکتا ہیں.....؟“

”کیوں نہیں..... آپ کی آسائش کے لئے یہاں ہر چیز مہیا کر دی جائے گی۔ اگر آپ اونکے تین ملکوں کے لئے تھے؟“

”کے ۳ کام نہیں نگلائیں کہ نالا ہم تو ہیں؟“

”نه نہ“ کا اک نالہ بھی میں : ”الحمد لله“

۱۱۔ ملائکہ کو نہیں سمجھتے۔ ”میرے نجیگانے“ کے لئے بھی اسی طرح میں کہا

”بہر جا! اپنی ووی صرورت میں ہے۔ میں سے سوت بجے ”س پاہا۔“
”ٹھیک ہے..... جیسا آپ کہیں گے، ویسا ہی ہو گا۔ دراصل! ہم سب، آپ سے بے حد
محبت کرتے ہیں۔ اور اسی لئے میں نے آپ کو آفر کی تھی۔ ویسے میرے لاٹن کوئی خدمت ہو۔
تھی تاکہ ”

”نہیں..... شکریہ اپنی وقت آپ صرف میرے لئے ایک کارکا بندوبست کر دیں۔“ میں نے کہا۔

رہا اور ایریسا نے ردن پڑ دی۔
رات کا کھانا تقریباً ساڑھے نو بجے کھایا گیا۔ اس میں کافی لوگ شریک تھے۔
بہر صورت! مجھ سے کوئی خاص گفتگو نہیں کی گئی۔ حالانکہ کھانا میرے ہی اعزاز میں تھا۔ ایریسا
کھائی کے دوران میرے پاس آئی اور بولی۔ ”مستر فلیکس! آپ یہاں سے کس وقت
روانہ ہوں گے؟“

ملقات کا کون سا طریقہ کار اختیار کیا جائے؟ بہر صورت! پہلے تو اُس کے کمرے کا نمبر دیکھنا زیادہ بہتر تھا۔ لیکن فلیکس ابھی ایک کمرے کے دروازے پر رکھا ہی تھا کہ دفعہ مختلف جگہوں سے پانچ چھ آدمی نکل آئے اور ان میں سے ایک نے فلیکس کی کمرے پستول لگادیا۔

”مسٹر فلیکس..... براہ کرم! واپس مُر جائیے۔ ورنہ آپ کی زندگی ہمیں اس قدر عزیز نہیں ہے۔“ اُس شخص نے کہا۔

لیکن فلیکس، بلا کا بھرپور تھا۔ وہ تیزی سے گھوما اور اُس کی لات، اُس شخص کے چہرے پر پڑی۔ ایک فائر ہوا اور دھماکے کی آواز دُور تک پھیل گئی۔ اُس کے بعد اُس نے یکے بعد دیگرے کئی فائر کئے۔ لیکن فلیکس، بجلی کی طرح اچھل اچھل کرنشا نے خالی دے رہا تھا۔ پھر اُس نے اپنے پستول سے بھی دو گولیاں چلا میں۔ پوری راہداری میں ہنگامہ ہو گیا۔ میں نے جلدی سے دروازہ بند کر دیا۔

جو صورت حال تھی، مجھے اُس کا اندازہ ہو گیا تھا۔ فلیکس بلاشبہ! ان لوگوں کے زخم سے نکل گیا۔ میری بدی ہوئی شکل تھی، اس وجہ سے یہ لوگ مجھے نہیں پہچان سکے تھے۔ راہداری میں دو لاشیں بھی پڑی ہوئی تھیں۔ ہاں! فلیکس فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

میراڑہن کی قدر جھلائی کا شکار ہو گیا۔ یہ یقیناً جاسوسوں کی کوئی دوسری پارٹی ہو گی، جس نے کسی طرح اس شخص کا پتہ چلا لیا تھا اور اب اُسے اخواہ کرنے کے لئے اُس پر حملہ آور ہوئی تھی۔ لیکن اتفاق ہی تھا کہ میں نئے گیا۔ اگر میں اصلی شکل میں ہوتا تو فلیکس کی بجائے میں ان کا شکار بن گیا ہوتا۔

لیکن فلیکس نکل گیا تھا اور ان کے دو آدمیوں کو ختم کر گیا تھا۔ چنانچہ اب اُس کی ملاش مشکل تھی۔ بڑی مشکل سے اُس کی شکل نظر آئی تھی۔ مجھے تھوڑا سا افسوس بھی ہوا تھا۔ لیکن مجبوری..... کیا، کیا جا سکتا تھا؟

البتہ ایک خیال میرے ذہن میں جنم گیا تھا۔ فلیکس کا ان لوگوں سے خصوصی رابطہ ہے اور وہ دوبارہ ان تک پہنچنے کی کوشش کرے گا۔ چنانچہ ایریسا کے پاس واپس جانے میں کوئی حرج نہیں تھا۔ یہاں سے مایوس ہو کر میں واپس چل پڑا۔ اب یہاں کون تھا، جو میں رکتا تھا؟ لیکن ایک خیال کے تحت میں پھوپٹ پڑا۔ یوں بھی ابھی ہوٹل سے نہیں نکلا تھا۔

لاشوں کو تحول میں لے لیا گیا تھا۔ اور لوگ چے میگوئیاں کر رہے تھے۔ لیکن لاشوں کو دیکھنے میں کوئی وقت نہیں ہوئی۔ میں نے غور سے آئیں دیکھا اور مجھے اندازہ ہو گیا کہ وہ

لوگ یقیناً روس سے تعلق رکھتے تھے۔

گویا زدی بھی..... میں نے گھری سانس لی اور پھر ہوٹل سے باہر آ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد میری کار واپس جا رہی تھی۔ وہ راستہ میں نے اچھی طرح ذہن نشین کر لیا تھا، جہاں ایریسا مجھے لے گئی تھی۔

راستے میں، میں نے میک آپ آثار لیا اور سامان باہر پھینک دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں کوئی میں واپس پہنچ گیا۔ کار کی آواز سنتے ہی ایریسا نکل آئی۔ اُس نے ہوتوں پر مسکراہٹ جائے میرا استقبال کیا۔

”بھیو فلیکس.....!“

”بھیو.....!“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”کام ہو گیا.....؟“

”ہاں ہنی!“ میں نے جواب دیا۔ اور پھر میں اُس کے ساتھ کوئی میں داخل ہو گیا۔ ”تم ابھی تک جاگ رہی ہو؟“

”تمہارا انتظار کر رہی تھی۔“

”کیوں.....؟“

”میں، تمہاری میزبان ہوں۔ ویسے میں تمہارے لئے پریشان تھی۔“

”اوہ..... کیوں.....؟“

”ان خطرناک حالات میں تم ہمارے لئے بے حد قیمتی ہو مسٹر فلیکس! اور میں اسے تمہاری مہربانی ہی کہوں گی کہ تم نے دوسرے تمام لوگوں کو نظر انداز کر کے ہمیں اتنی اہمیت دی۔“

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ عمارت میں خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ بلازم بھی نظر نہیں آ رہے تھے۔ ہم اُسی خواب گاہ میں پہنچ گئے۔ ایریسا بھی میرے ساتھ ہی اندر آگئی۔ اُس نے میرا کوٹ اٹارنے میں مدد دی۔ اور پھر میں نے لباس تبدیل کیا۔ ایریسا، اس دوران کرے میں رہی تھی۔ وہ بغور میرا جائزہ لے رہی تھی اور اُس کے پھرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔

میں لباس وغیرہ سے فارغ ہو کر اُس کی طرف پلتا اور میرے ہوتوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ ”کیا بات ہے ایریسا.....؟“

”بڑی انوکھی بات ہے مسٹر فلیکس.....!“

”کیا.....؟“

”کیا آپ یقین کریں گے مسٹر فلیکس! کہ اُس شخص کی عادات و خصائص بھی آپ سے ملتے جلتے تھے۔ اُس کا لباس پہننے کا انداز..... اور..... اور بہت سی عادات۔“ ایریسا نے عجیب سے لمحے میں کہا۔

”میرے ہم شغل کی بات کر رہی ہیں؟“

”ہاں.....!“

”معلوم ہوتا ہے، آپ اُس کے بہت نزدیک رہی تھیں؟“

”ہاں..... آپ کے دھوکے میں۔ اور اُس کمخت نے ساری رات مجھے کچھ نہیں بتایا۔“ ایریسا نے کہا۔

”لیکن میں ایریسا! ایک بات پر مجھے تجہب ہے۔“

”کون کی بات پر؟“

”کیا ضروری تھا کہ ایسے شخص کے ساتھ آپ رات گزارتیں؟“ میرے انداز میں کسی قدر تلخی تھی۔

”اوہ..... وہ..... دراصل مسٹر فلیکس! میں ہر طرح آپ کو اپنا دوست بنانا چاہتی تھی۔“ ایریسا کے انداز میں کسی قدر بوکھلا ہٹ تھی۔

”معاف کیجئے.....!“ میں نے آہتہ سے کہا۔ ویسے میری کوشش کامیاب رہی۔ اس کے بعد ایریسا کو وہاں رکنے کی جرات نہیں ہوئی۔ وہ مجھے شب بخیر کہہ کر چلی گئی۔ اور میں آرام سے بستر پر لیٹ گیا۔

اُس رات میں سوچتا چاہتا تھا۔ حالات اس قدر تیزی سے بدلتے تھے کہ سوچنے کا موقع ہی نہیں مل رہا تھا۔ اور اس وقت بہت سچھ سوچتا تھا۔ گرفن جانے سے قبل میں اپنے ہر قدم پر غور کر لینا چاہتا تھا۔

لوگ، فلیکس کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ فی الوقت تو وہ مصیبت میں پھنسا ہوا ہے۔ لیکن اس بات سے میں کیوں نہ فائدہ اٹھاؤں؟ اور اس سلسلے کی آخری صورت بھی معلوم کر لوں۔ چنانچہ آخر میں، میں نے یہی فصلہ کیا کہ ایریسا کے ساتھ گرفن تک کاسفر کر لیا جائے، کوئی رجح نہیں تھا۔

دوسری صبح، ناشتے کی میز پر کئی افراد موجود تھے۔ ایریسا کے رنگ پیکنے نظر آ رہے تھے۔

”وہ کچھ بھی ہوئی تھی۔“

ناشترے سے فارغ ہو کر مجھے ایک کمرے میں لا یا گیا۔ ساؤنڈ پروف کمرہ تھا۔ اُس کے دروازے بند کر دیے تھے۔ کمرے میں نوآدمی موجود تھے۔ جن میں ایریسا بھی تھی۔ تب مسٹر ڈیگار سے نے بھاری لمحے میں کہا۔

”مسٹر فلیکس! جس طرح آپ نے ہم سے تعاون کیا ہے، اس کے بارے میں شکریے کے الفاظ غیر موثر رہیں گے۔ آپ نے ہم پر احسان کیا ہے۔ اور ہم، آپ کے احسان مند ہیں۔ رات کو تقریباً چار بجے مسٹر شافٹ کا ایک اور پیغام موصول ہوا ہے۔“

”کیا پیغام ہے.....؟“

”وہ گرفن کے قبے میں آپ کے منتظر ہیں۔ اور انہوں نے آپ کے تعاون کا شکریہ ادا کیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے ایک درخواست بھی کی ہے۔“

”وہ کیا.....؟“

”مسٹر شافٹ، آپ کے گرفن پہنچنے سے قبل ٹیلی کام پر آپ سے گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔“

”کیا حرج ہے.....؟“ میں نے جواب دیا۔

”آپ تیار ہیں.....؟“

”بالکل.....!“

”آپ کا مزید شکریہ۔“ ڈیگار سے نے کہا اور پھر ایریسا سے بولا۔ ”میں ایریسا! بندوبست کریں.....!“

ایریسا نے دوسرے آدمیوں کو اشارہ کیا۔ چند ساعت کے بعد ایک عجیب ساخت کی مشین لا کر میز پر رکھ دی گئی۔ تھوڑی دیر بعد مشین میں ایک خانہ روشن ہو گیا۔ اُس میں سے ہوا کی آوازیں اُبھر رہی تھیں۔ پھر ایک بھاری آواز اُبھری۔

”ایریسا.....!“

”بول رہی ہوں چیف!“

”مسٹر فلیکس موجود ہیں.....؟“

”جی ہاں، جناب!“

”براہ کرم! ان سے کہو کہ وہ مجھ سے بات کریں۔“

”میں موجود ہوں مسٹر شافٹ!“ میں نے پر سکون لمحے میں کہا۔

”اوہ..... گڈ مارنگ، مسٹر فلیکس!“

”مارنگ!“ میں نے جواب دیا۔

”میں، آپ کے تعاون کا دل سے شکر گزار ہوں مسٹر فلیکس! ہماری، آپ کی تفصیل گھستو تو بیہاں آ کر ہو گی۔ لیکن کچھ ایسی یچیدگیاں پیدا ہو گئی ہیں کہ مجھے، آپ کو یہ تکلیف دینی پڑی۔“

”کوئی حرج نہیں ہے مسٹر شافٹ! فرمائیے...“

”ایریسا، میری ہوشیار کا رکن ہے۔ اُس نے مجھے ایک واقعہ سنایا ہے۔ کیا آپ کو اُس کا علم ہو چکا ہے؟“

”کون سا واقعہ مس ایریسا....؟“ میں بنے ایریسا سے پوچھا۔

”آپ کے ہم شکل والا،“ ایریسا نے جواب دیا۔

”ہاں..... ٹھیک ہے مسٹر شافٹ! میں نے وہ واقعہ سنایا ہے۔“

”صورت حال کتنی خطرناک ہے، کیا آپ اس کا اندازہ لگاتے ہیں مسٹر فلیکس....؟“

”ہاں! مجھے خود بھی حیرت ہے۔ ممکن ہے، کوئی ایسا شخص، جسے بہنک مل گئی ہو۔ ممکن ہے، اُس کے چہرے پر میرا میک آپ ہو۔“

”ہاں..... یہی میرا خیال ہے۔ اس لئے میں، آپ سے معدودت کے انداز میں ایک درخواست کرنا چاہتا ہوں۔“

”فرمائیے....؟“ میں نے اُسی سکون سے کہا۔

”میرے ساتھی، آپ کے چہرے پر میک آپ کا جائزہ لیں گے۔ اس کے علاوہ میں آپ سے کچھ پوشیدہ سوالات کروں گا۔ آپ ان کے جواب دیں گے۔“

”میں تیار ہوں..... فرمائیے؟“

”سوالات اشاروں میں ہوں گے۔“

”کوئی حرج نہیں ہے۔“

”تو شروع کروں.....؟“

”جی.....!“

”شخصیت.....؟“

”ایجنس.....?“

”گروپ.....؟“

”انٹرنیشنل.....!“ میں فوراً بولا۔

”بنیاد.....؟“

”جہاز.....“

”کیفیت.....؟“

”زمم ہی زخم.....!“ میں بولا اور شافٹ نے گفتگو ختم کر دی۔

”بہت بہت شکر یہ مسٹر فلیکس! ایریسا کو بلادیں۔“

”میں موجود ہوں چیف.....!“ ایریسا آگے بڑھ کر بولی۔

”اس کے بعد میک آپ کے جانچ پڑتاں کی ضرورت نہیں ہے ایریسا! میرا خیال ہے کہ تم فرما مسٹر فلیکس کو لے کر آ جاؤ۔ لیکن تھوڑی کی احتیاط ضروری ہے۔ مجھے ایک اطلاع ملی ہے۔“ شافٹ نے کہا۔

”کیا اطلاع ملی ہے جناب.....؟“

”گستاف گروپ کو اس بات کی اطلاع ہو گئی ہے کہ مسٹر فلیکس نے کسی طرح ہم سے رابطہ قائم کر لیا ہے۔ اور وہ ہماری تاک میں ہے۔“

”ہوں..... یہی یہ حقیقت ہے جناب؟“

”ایریسا.....!“ شافٹ کی آواز کچھ اور بھاری ہو گئی۔ ”کیا اس سوال کی گنجائش ہے؟“

”سوری جناب.....!“

”اس اطلاع کا مقصد یہ ہے کہ گرافن تک کا سفر نہایت ہوشیاری سے کیا جائے۔ کیا اس کے لئے تم نے کوئی لائچہ عمل مرتب کیا ہے؟“

”خیال یہ تھا، جناب کے.....“

”نہیں، نہیں..... پروگرام میں کوئی تبدیلی کرو۔ لیکن میرا خیال ہے، یہ کام مسٹر فلیکس کے پرداز کر دو۔ اُن سے پوچھو! کیا وہ یہ ذمہ داری اٹھانے کے لئے تیار ہیں؟“

”ٹھیک ہے..... آپ مسٹر شافٹ سے کہہ دیں کہ میں خیریت سے پہنچ جاؤں گا۔“ میں نے جواب دیا۔

”میں نے کن لیا ہے مسٹر فلیکس! اور اب مجھے یقین ہے کہ یہ کام بہتر طور پر ہو جائیں گے۔“ شافٹ کی آواز سنائی دی۔ اور پھر اُس نے شکریے کے ساتھ ٹیلی کام بند کر دیا۔

بی سڑک، ناگن کی طرح بل کھاتی جا رہی تھی۔
پھر واپسیوں کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ اور اب ہمارے دامیں ہاتھ پر عظیم پہاڑوں کا سلسلہ
شروع ہو گیا تھا جن کی چوٹیاں ڈھند میں ڈوبی ہوتی تھیں۔ دوسری جانب کھیت بکھرے
ہوئے تھے۔

ایریسا، عقیل سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی اور خود کو ایک غزردہ بیوہ ظاہر کر رہی تھی۔ دیر تک
ہمارے درمیان کوئی گفتگو نہیں ہوئی۔ پھر ایریسا ہی نے کہا۔ ”آپ، مجھ سے بات بھی نہیں
کریں گے مسٹر فلیکس؟“

”اوہ..... ایسی کیا بات ہے مس ایریسا.....؟“
”میں محوس کر رہی ہوں، جیسے آپ مجھے ناپسند کرتے ہیں۔ لیکن بعض معاملات میں
ہمیں باس کے احکامات کی تعییں کرنا ہوتی ہے۔ میری خواہش ہے مسٹر فلیکس! کہ آپ اتنا برا
تصور نہ کریں۔“

”آپ.....“ میں نے کہنا چاہا۔ لیکن پھر خاموش بیٹھنا پڑا۔ پتلی سڑک آگے جا کر دو
ٹیلوں کے درمیان تنگ ہو گئی تھی اور اُس تنگ راستے کو کٹیوں اور خالی ڈرمون سے بند کر دیا
گیا تھا۔ آگے ہی ایک لینڈ روور سڑک پر آڑی کھڑی تھی اور اُس کے نزدیک ہی بھوری
وردی پہنچے ہوئے اور ہاتھوں میں شین کٹیں لئے کھڑے چند لوگ پھرہ دے رہے تھے۔

”مس ایریسا.....!“ میں نے آہستہ سے پکارا۔

”میں دیکھ چکی ہوں مسٹر فلیکس! ہوشیار..... یہ..... یہ روئی معلوم ہوتے ہیں۔“ ایریسا
نے سرگوشی انداز میں کہا اور میں نے کار کی رفتارست کر دی۔ روئی، ہماری جانب ہی دیکھ
رہے تھے اور پوری طرح ہوشیار تھے۔

☆.....☆

تمام لوگوں کے چہروں پر سکون نظر آ رہا تھا۔ ایریسا بھی تک مجھ سے نگاہیں نہیں ملا پا رہی
تھی۔ وہ سخت شرمندہ معلوم ہوتی تھی۔

”ہم کب چلیں گے مس ایریسا.....؟“ میں نے سوال کیا۔
”بس..... اب سے تھوڑی دیر کے بعد۔ گرفتار زیادہ ڈور نہیں ہے۔“ اُس نے جواب
دیا۔

”میک آپ کا سامان مل جائے گا.....؟“

”یقیناً..... فراہم کیا جائے؟“ ڈیگار سے نے پوچھا۔

”ہاں..... اور میرا خیال ہے، ہمارے ساتھ زیادہ لوگوں کو جانے کی ضرورت نہیں ہے۔
آپ لوگوں کو اگر ضرورت ہے تو بعد میں اپنے ذراائع سے آ جائیں۔ میں صرف مس ایریسا
کے ساتھ جاؤں گا۔“

”جیسا آپ مناسب سمجھیں مسٹر فلیکس! ظاہر ہے، باس نے آپ سے تعاون کرنے کی
ہدایت کر دی ہے۔“ ڈیگار سے نے جواب دیا۔ اور تھوڑی دیر کے بعد مجھے میری مطاوبہ اشیاء
فرماہم کر دی گئیں۔ میں نے ایک معمولی سامیک آپ کیا تھا۔ میرے جسم پر ڈرائیور کا لباس
تھا۔ میری درخواست پر ایریسا نے ایک سیاہ ماتھی لباس پہننا تھا۔ اور میں نے اسے تفصیل بتا
دی تھی۔ اسے ایک غمزدہ بیوہ کی حیثیت اختیار کرنی تھی، جو اپنے شوہر کے حادثے کی خبر ان
کر جا رہی تھی۔ میں نے اُس کے چہرے پر بھی میک آپ کے چند ٹھویے تھے۔ وہ لوگ
میری کار کر دگی پر دنگ رہ گئے تھے۔

پھر انہوں نے ہمیں رخصت کر دیا۔ ”ہمارے لئے تو آپ ایک مثالی حیثیت اختیار کر
گئے ہیں مسٹر فلیکس!“ ڈیگار سے نے چلتے ہوئے کہا تھا۔ میں نے مسکرا کر کار شارٹ کر دی۔

”آپ راستوں سے واقف ہیں مسٹر فلیکس؟“ راستے میں ایریسا نے پوچھا۔

”بالکل نہیں مس ایریسا! سوٹر لینڈ پہلی بار آیا ہوں۔ راستے آپ کو بتانا پڑے گا۔“

”ضرور.....!“ ایریسا نے کہا۔ اور پھر وہ مجھے ایک مخصوص سڑک کے بارے میں بتانے
لگی۔ یہ راستے میں خوبی بھی جانتا تھا۔ کیونکہ پہلے بھی میں، ایریسا کے ساتھ اس طرف آپ کا تھا۔
لیکن اب دوسری حیثیت تھی۔

اور پھر ہم اُسی سڑک پر آگئے جو آپس میں گھرے ہوئے خوبصورت دیہاتوں اور برف
کے تدوں تک جاتی ہے۔ دونوں جانب حسین وادیاں بکھری پڑی تھیں اور ان کے درمیان

لے کیا، کوئی عام آدمی بھی اُس کو اہل زیان قبول نہ کرتا۔ لیکن ایریسا کی آنکھوں میں ایک پیارا ہوئی۔ اُس نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

”اوہ..... یہ بات ہے۔ مجھے معاف کرنا! میں اپنے میگنیٹر کی قبر پر جا رہی ہوں۔“

”کہاں ہے وہ قبر؟“

”برفانی والوں میں۔ یہاں سے چند میل کے فاصلے پر ایک گاؤں تھا۔ میرا میگنیٹر اُس بزردیک ایک سڑک کی تعمیر میں حصہ لے رہا تھا۔ وہ رات کو گاؤں میں ہی قیام کرتا تھا۔ پر روز برف کے ایک عظیم الشان تو دے نے پورے گاؤں کو اپنی پیٹ میں لے لیا اور پر میگنیٹر کی قبر بھی اُن لوگوں کے ساتھ ہی بن گئی۔“ ایریسا کی آواز، آنسوؤں میں ڈوب پا در پھر وہ باقاعدہ سکیاں لینے لگی۔ اُس کی آنکھوں سے آنسو بیک رہے تھے۔

زدی بوكھلانے ہوئے انداز میں پیچھے ہٹ گیا۔ ”اوہ..... سوری! مجھے افسوس ہے۔ اہل ایسے موسم بہار ہے۔ اور اس موسم میں یہاں تو دے پھلتے ہیں اس لئے سڑک کافی حد تک نظرناک ہو جاتی ہے۔ ہماری ڈیوٹی ہے کہ لوگوں کو اس خطرے سے آگاہ کریں۔ آپ کو اپنے احتیاط سے سفر کرنا ہے۔“ وہ راستے سے ہٹ گیا۔

”زرا یور.....!“ ایریسا نے غمزدہ آواز میں مجھے مخاطب کیا۔

”لیں مادام.....؟“ میں نے کہا۔

”آگے بڑھو.....!“

”لیں مادام.....!“ میں نے ایک خبیث آدمی کے سے انداز میں گردن ہلائی اور کار آگے بڑھی۔

”ایک منٹ جناب!“ ایک دوسرا رُوی ایک عجیب ساخت کا کیمرہ لے کر آگے بڑھ ”تم آپ کی تصویر بنائیں گے۔“

”کیوں.....؟“ ایریسا نے بے چینی سے پوچھا۔

(اُس موسم میں سڑک سے گزرنے والوں کا ریکارڈ رکھنا ہوتا ہے۔) ”رُوی نے جواب دیا۔ انکی اجازت کا انتظار کئے بغیر کئی تصویریں بنالیں، اور پھر وہ راستے سے ہٹ گیا۔ میں آگے بڑھا دی تھی۔ پھر میں نے عقب نما آئینے میں دیکھا، ایریسا کے چہرے پر نگاری دیتک خاموشی رہی۔ پھر وہ سرسراتی ہوئی آواز میں یوں۔ ”مرٹلیکس.....!“

میں نے کار، روکنے کی کوشش نہیں کی اور اُن کے قریب ہی جا رکا۔ وہ چند لوگ آگے بڑھ گئے تھے۔ دیے نزدیک سے میں نے بھی پہچان لیا تھا۔ وہ رُوی ہی تھے۔ توی ہیکل اور خطرناک شکلوں والے.....

”کیا بات ہے جناب! سڑک کیوں بند ہے؟“ میں نے مقامی زبان میں پوچھا۔ لیکن میری بات کا کوئی جواب نہیں ملا۔ دو آذنی کار کے نزدیک آئے اور جھانک کر اندر دیکھا۔ ایریسا کی آنکھوں میں آنسو بُدھا آئے تھے۔ اور اُس کے ہاتھ میں رُو ماں تھا۔

”سڑک کیوں بند ہے؟“ اُس نے رُو ماں سے ناک رگڑتے ہوئے پوچھا۔

”کہاں جا رہے ہو تم لوگ.....؟“ اُن میں سے ایک نے بگڑی ہوئی زبان میں پوچھا۔

”گرافن سے کچھ آگے..... کیوں، کوئی خاص بات ہے؟“ ایریسا نے خود کو سنبھالتے ہوئے پوچھا۔ اچانک اُس کے چہرے پر کچھ تبدیلیاں رونما ہوئی تھیں، جنہیں دیکھ کر میں بھی حیران رہ گیا تھا۔ راستے میں وہ خوش و خرم تھی اور نہ بس کرمجھ سے گفتگو کرتی آئی تھی۔ لیکن اس وقت یوں لگ رہا تھا جیسے اُس سے زیادہ غمزدہ لڑکی، رُوئے زمین پر نہ ہو۔ اُس کی آنکھوں کے نیپوٹے بھی جھک آئے تھے اور یہ اداکاری کی عدمہ مثال تھی۔

”گرافن کیوں جا رہے ہو؟“ رُوی، بدستور سوالات کر رہا تھا۔

”اپنے پچھرے ہوئے عزیزوں سے ملنے۔“ ایریسا کی آواز، غم و اندوہ میں ڈوبی ہوئی تھی۔

”محترم..... براہ کرم! صاف صاف جواب دیں۔ آگے بڑھنے سے قبل یہ ضروری ہے۔“ اس بار رُوی نے نرم لہجہ اختیار کیا تھا۔

”آخر کیوں..... اور آپ لوگ کون ہیں.....؟“

”سپاہی..... ہمیں اس سڑک کی گرانی کا حکم ملا ہے۔“ رُوی نے جواب دیا۔ اپنی دانت میں وہ مقامی زبان کو خوش اسلوبی سے بولنے کی کوشش کر رہا تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ اُم

”میں نے انہیں جو کہانی سنائی ہے، وہ جھوٹ نہیں ہے۔ برف کے تودے کا حادثہ ابھی ہر سے قبل ہی ہوا ہے۔ مجھے اس علاقے سے خاص دلچسپی ہے۔ اس لئے اس کے بارے معلومات حاصل کرتی رہی ہوں۔ پچھلے زمانے میں ان علاقوں کے لکمیں، وادی کے پار بیرون کو ایک خاص طریقے سے پیغام رسانی کرتے تھے۔ لکڑی کے بننے ہوئے لبے بنی کو زور سے پھونکا جاتا تھا اور میلوں دُور تک خوفناک آوازیں پھیل جاتی تھیں۔“
ذلیک زیرِ وہم سے پیغامات کا اندازہ ہو جاتا تھا۔ یہ اقدام شدید برف باری کے بعد پہنچتا۔ کیونکہ آمد و رفت کے وسائل ختم ہو جاتے تھے۔ اس طریقے کو یوڈنگ کہا جاتا ہے۔

”جی.....؟“ میں نے کہا۔

”یہ تو اچھا نہیں ہوا۔“

”کیا مطلب مس ایریا.....؟“

”آپ نے اندازہ لگایا؟ یہ روئی تھے۔“

”جی ہاں.....جنوبی۔“

”ظاہر ہے، ان کا مقامی انتظامیہ سے کیا تعلق؟“

”بلاشہ!“

”پھر یہ روئی مکمل خفیہ کے لوگ ہی ہو سکتے ہیں۔ نہ جانے کس طرح انہیں اس راستے کی“

”تو ہے کا حادثہ کتنے روز قبل ہوا تھا؟“

”بہنک مل گئی؟ کوئی بات ضرور ہے۔ ورنہ یہ بہاں تک کیسے پہنچتے؟“

”میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔“

”اب انہیں ہمارے گرفن آنے کی اطلاع ملی ہو گی۔ لیکن کس طرح؟ نہایت جامنیں.....بس!“ میں نے سوال کیا۔

”اب انہیں ہمارے گرفن آنے کی اطلاع ملی ہو گی۔ لیکن کس طرح؟ نہایت جامنیں.....بس!“ اس علاقے سے میری دلچسپی کام آگئی۔ اس نے مکراتے ہوئے اطلاع ہے، ورنہ اتنی پھرستی سے کام نہ ہوتا۔

”ہوں.....!“ میں نے پر خیال انداز میں گردن ہلائی۔ ”اس کا مطلب تو یہ ہوا مس پلے! یہ بھر ہوا۔ لیکن اب کیا پروگرام ہے؟“

”ایسا! انہیں معلوم ہے کہ مسٹر شافٹ، اسی علاقے میں موجود ہیں۔“

”ہاں..... گہری تشویش ہو گئی ہے۔ اور اس سے یہ بات بھی منتظر عام پر آگئی ہے کہ اگر آپ کو اعتراض نہ ہو تو پہلے اس کلیسا میں چلا جائے، جہاں مرنے والوں کی روسی حکومت براہ راست ان معاملات میں دلچسپی لے رہی ہے۔“

”ٹھیک ہے، مس ایریا! جہاں دوسرے لوگ ہیں، وہاں یہ بھی سمجھی۔ کیا فرق پڑتا ہے؟“ ”مسٹر شافٹ کو تردد تو نہیں ہو گا؟“

”آپ براہ کرم! جلدی سے اس معاملے کا تفصیل کر لیں۔ تاکہ معاملہ ہی ختم ہو جائے۔ ہو گا۔ لیکن احتیاط کا دامن کسی طور نہیں چھوڑا جا سکتا۔ دراصل بندیوں غلطی ہو گئی۔“

اور ہم بہاں سے نکل جائیں۔“

”ہاں..... میں کوشش کروں گا۔“ میں نے کہا اور خاموش ہو گیا۔ ایریا بھی کسی گیری نہ جانے کیوں، اس ملاقات کے لئے سوتھر لینڈ ہی کا انتخاب کیا گیا۔ یہ معاملات تو اس بھی طے ہو سکتے تھے۔“

”سوچ میں ڈوب گئی تھی۔ پھر وہ گردن اٹھا کر بولی۔“

”تو..... شاید آپ کو تفصیل نہیں معلوم۔“ میں نے مکراتے ہوئے کہا۔

”تھوڑی سی مزید احتیاط کرنا ہو گی۔“

”کیا.....؟“ میں نے سوال کیا۔

”میں نے ان لوگوں سے جو کچھ کہا ہے، وہی کرنا ہو گا۔ یہ روئی بڑے چالاک ہوتے ہو اش تو میری ہے۔“ میں نے اپنی معلومات کے سہارے کہا۔

”مطلب.....؟“ ایریا، تجب سے بولی۔

”ہیں۔ بظاہر زرم اور مخاص نظر آنے والے، لیکن درپرده بے حد کینہ پرور اور خطرناک۔“

”لیکن اس سلسلے میں آپ کیا کریں گی؟“

دنیا کے پیشتر ممالک کو اس کی اہمیت کا پورا پورا احساس ہو گیا ہے۔ اس لئے میں نے سب کو دعوت دی ہے کہ یہاں آ کر مجھ سے سودے بازی کریں۔ اور جو زیادہ رقم دے..... وہی تھی۔

”اوہ.....“ ایریسا کی آنکھیں تعجب سے پھیل گئیں۔ ”لیکن اس کے باوجود آپ سے شافت کو کیوں ترجیح دے رہے ہیں؟“

”اس لئے کہ اس سے میری شناسائی ہے۔ اور پھر شافت نے کہا ہے کہ پہلے اس سے بات کی جائے، اس کے بعد اگر معاملہ نہ بنے تو دوسروں سے رجوع کیا جائے۔ لیکن یہاں کھیل ہی بدل گیا۔ ان لوگوں نے مجھے نرم چارہ سمجھ کر ہڑپ کرنے کی کوشش کر دی۔“

ایریسا دیر تک حیرت کا شکار رہی۔ اس کی آنکھوں میں تدilیاں ہوتی رہیں۔ اور پھر وہ ”میں شرمند ہوں مسٹر فلیکس!“ ایریسانے کلیسا کی جانب بڑھتے ہوئے کہا۔ ”کیوں.....؟“

ایک گہری سانس لے کر بولی۔ ”اس طرح تو آپ بہت بڑے آدمی ہوئے مسٹر فلیکس!“ نافٹ کا ہے۔“

”کیوں..... اس میں بڑائی کی کیا بات ہے؟“

”ظاہر ہے، وہ لوگ آپ کو منہ مانگی قیمت ادا کریں گے۔ اور ایسا کوئی راز، جس میں اونہ کیا ہے۔“ میں نے جواب دیا۔ ہم دونوں کلیسا کے دروازے سے برف ہٹا کر اندر چلے

پوری دنیا کی حکومتیں دلچسپی لے رہی ہوں، معمولی قیمت تو نہ رکھتا ہو گا۔“ لے۔ دیوار کی لکڑی سے بنا ہوا کلیسا، اندر سے بالکل تاریک اور سنسان تھا۔ لکڑی کی

”ہاں..... اس کی قیمت میں اپنی مرضی سے وصول کروں گا۔“ میں نے کہا اور ایریسا اریبوں اور پینچوں سے ایک ناگواری باآٹھ رہی تھی۔ سامنے دیوار پر حضرت عیسیٰ کا مجسمہ خاموش ہو گئی۔ کار ایک چھوٹی سی پہاڑی بستی کے قریب سیکوری اور ایک پرانے اور کالی گئے نب تھا۔ اس کے میں نیچے حادثے میں ہلاک ہونے والوں کے نام کندہ تھے۔

کلیسا کی دیواروں کے ساتھ مڑ کر ایک سڑک پر پہنچ گئی۔ بستی کے دوسری طرف پہاڑوں پر ایریسانے میز پر پڑے ہوئے موم بیتوں کے بندل سے ایک موم بستی ٹھاکل کر روشن کر بے پناہ برف تھی۔ ٹھکلنے والی برف کا پانی، سڑک پر بہہ رہا تھا۔“ میں اس دوران بے تعلق کھڑا رہا۔

”کیا آپ اس کلیسا کے راستے سے واقف ہیں جہاں برف کے حادثے میں مرنے تھوڑی دیر کے بعد ایریسا، فارغ ہو گئی۔ اس نے مسکراتے ہوئے میری جانب دیکھا اور والوں کی قبروں کو تعمیر کیا گیا ہے.....؟“ میں نے ایریسا سے پوچھا۔

”ہاں..... میں پہلے بھی اسے دیکھ چکی ہوں۔“

”یہ ٹھیک ہے۔“ میں نے گردان ہلا دی۔

”کیا آپ اس بات سے متفق ہیں مسٹر فلیکس؟ کہ ہمیں کچھ وقت احتیاط کرنے میلانے میلانے میں مرنے تھوڑی دیر کے بعد ایریسا، فارغ ہو گئی۔ اس نے مسکراتے ہوئے میری جانب دیکھا اور صرف کرنا چاہئے۔ ہم انہیں اپنے پیچھے لے کر تو نہیں لے جاسکتے۔“

”ہوں..... مسٹر شافت سے ملاقات سے قبل میں احتیاط ضروری سمجھتا ہوں۔“ زیادہ میں میرا خیال ہے، بنیادی احتیاطی تدبیر اختیار نہیں کی گئیں۔“

”شکریہ.....! آگے ایک دو شاخہ سڑک نظر آئے گی۔ ہمیں باسیں مت مرتا ہے۔ زیادہ میں نہیں سمجھی.....؟“

”اوکے.....!“ میں نے کہا اور کار، اس کے بتائے ہوئے راستے پر ڈال دی۔ یہ سڑک کیا گاڑی میں ضرورت کے مطابق عمده اسلحہ موجود ہے؟ میرے پاس تو پتوں بھی نہیں

"احتیاطاً.....تاکہ استعمال کے وقت دیر نہ ہو جائے۔" اُس نے کہا۔

"تم بہت خوفزدہ معلوم ہوتی ہو مس ایریسا.....!"

"اگر کوئی ضرورت پیش آگئی تو آپ مجھے بزرگ نہیں پائیں گے۔ بس! تھوڑی سی احتیاط ہی قائل ہوں۔" ایریسا نے مکراتے ہوئے کہا اور میں خاموش ہو گیا۔ وسیع اور سربرز میدان ہادنگاہ پھیلا ہوا تھا۔ اُس کے بے شمار قطعات سے برف کے درمیان پھول سر ابھارے بھانک رہے تھے۔ ایک جانب سوتھر لینڈ کی سب سے بلند پہاڑی چوٹی "میسر ہارن" نظر آ ری تھی، جو ایک نوکیلے سینگ کی مانند ڈھنڈ اور بالوں میں دھنی ہوئی تھی اور بے حد بیت ہاں محسوس ہوتی تھی۔

ہم میدان عبور کرتے رہے۔ چند ساعت کے بعد ایریسا نے پھر مجھے مخاطب کیا۔ "رفتار ان سے زیادہ تیز نہیں کی جاسکتی مسٹر فلیکس؟"

"میرا خیال ہے کہ برف سے ڈھکے میدان کے ایک ایک حصے سے واقعیت مشکل ہے اور خاص طور سے میں تو اسے پہلی بار دیکھ رہا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے..... میں خود بھی بہت زیادہ واقعیت کا اظہار نہیں کر سکتی۔ لیکن ڈھنڈ نیچے اتر ممکن ہے۔ وہ دوسرے ذراائع سے ہمارا تعاقب کر رہے ہوں۔ اور ہمارے پیچھے لگ کر مسٹر شافت تک پہنچنے کی کوشش کریں۔"

"ہاں..... ممکن ہے۔ گو، بظاہر ایسے آثار نظر نہیں آتے۔" ایریسا پر خیال انداز میں یوں ہی تھی۔

"یہ روسی بہت چالاک نظر آتے ہیں مسٹر فلیکس! آپ کا تھوڑا سا قیمتی وقت تو بر باد ہو گا۔ لیکن اگر ہم تھوڑی سی مزید احتیاط کر لیں تو کوئی حرج نہیں ہے۔"

"جیسی آپ کی مرضی۔ اور میرا خیال ہے، آپ سارے کام اپنی مرضی کے مطابق ہتا جا رہا تھا۔ پھر بلکل ہلکی بارش شروع ہو گئی۔ بارش کی وجہ سے سردی بڑھ گئی تھی اور فضائیں ٹھرلن پیدا ہو گئی تھی۔ میں نے رفتار تھوڑی سی بڑھا دی تھی۔ خوب چکولے لگ رہے تھے۔"

"بہت، بہت شکریہ! تب ہمیں کار واپس سڑک پر لے جانے کی بجائے تھوڑی ڈورنک میں بہر حال! کار مضبوط تھی۔ ایریسا میری طرف دیکھ رہی تھی اور اُس کی آنکھوں میں نہ اس میدان میں چلانی چاہئے۔ سڑک بھی کافی خطرناک ہے۔ اور خاص طور سے اس موقع ہانے کوں کی کہانیاں تھیں؟ میں نے محسوس کیا جیسے وہ، مجھ سے کچھ کہنا چاہتی ہو۔

میں۔ میدان کے دوسرے سرے پر ہم، اسی سڑک پر پہنچ جائیں گے۔" ("ہوں.....!")

"آپ کی زندگی میں دوسری دلچسپیاں بھی تو ہوں گی۔"

"پوری طرح..... ڈرائیور نگہ میں کوئی وقت نہیں ہو گی۔" "مثلاً.....؟" میں نے پوچھا۔

"ٹھیک ہے.....!" میں نے کار کا رخ میدان کی طرف کر دیا۔ ایریسا پھر عقبی یہتھی سے کار چلاتا رہا۔ تب اُس "انسان میشن" تو نہیں ہوتا۔ ہر شخص، خواہ اُس کا تعلق زندگی کے کسی شعبے سے ہو، اپنی بیٹھنگی تھی۔ وہ کچھ کرنے لگی تھی، میں نے توجہ نہیں دی اور خاموشی سے کار چلاتا رہا۔ تب اُس نے اس کے لئے بھی تو کچھ ہوتا ہے۔"

"ہاں..... کیوں نہیں؟"

"اوہ..... اس کی پرواہ نہ کریں مسٹر فلیکس! گاڑی، اسلجہ خانہ ہے۔"

"کیا مطلب.....؟"

"سیٹوں کے نیچے خفیہ خانے میں شین گنیں اور دستی بم موجود ہیں۔"

"تب ٹھیک ہے۔ بے فکر ہو جاؤ۔" میں نے کہا اور ایریسا پر محبت لگا ہوں سے مجھے دیکھنے لگی۔ پھر وہ، میرے ساتھ کار میں آگئی اور میں نے کار شارٹ کر دی۔

"آپ کا کیا خیال ہے مسٹر فلیکس! کیا ہم ان لوگوں کو نظر انداز کر دیں؟"

"زوں سیوں کو.....؟"

"ہاں بظاہر ہم انہیں کامیاب چکر دے کر نکل آئے ہیں۔ لیکن جو لوگ اتنی عمرہ معلومات رکھتے ہوں کہ ہمارے راستے میں پہنچ جائیں، اُن سے کچھ بعدینہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے..... کیا چاہتی ہوں؟"

"ممکن ہے، وہ دوسرے ذراائع سے ہمارا تعاقب کر رہے ہوں۔ اور ہمارے پیچھے لگ کر مسٹر شافت تک پہنچنے کی کوشش کریں۔"

"ہاں..... ممکن ہے۔ گو، بظاہر ایسے آثار نظر نہیں آتے۔"

"یہ روسی بہت چالاک نظر آتے ہیں مسٹر فلیکس! آپ کا تھوڑا سا قیمتی وقت تو بر باد ہو گا۔ لیکن اگر ہم تھوڑی سی مزید احتیاط کر لیں تو کوئی حرج نہیں ہے۔"

"جیسی آپ کی مرضی۔ اور میرا خیال ہے، آپ سارے کام اپنی مرضی کے مطابق ہتا جا رہا تھا۔ پھر بلکل ہلکی بارش شروع ہو گئی۔ بارش کی وجہ سے سردی بڑھ گئی تھی اور فضائیں ٹھرلن پیدا ہو گئی تھی۔ میں نے رفتار تھوڑی سی بڑھا دی تھی۔ خوب چکولے لگ رہے تھے۔"

"کریں۔ مجھے کسی پر اعتراض نہیں ہے۔"

"بہت، بہت شکریہ! تب ہمیں کار واپس سڑک پر لے جانے کی بجائے تھوڑی ڈورنک میں بہر حال! کار مضبوط تھی۔ ایریسا میری طرف دیکھ رہی تھی اور اُس کی آنکھوں میں نہ اس میدان میں چلانی چاہئے۔ سڑک بھی کافی خطرناک ہے۔ اور خاص طور سے اس موقع ہانے کوں کی کہانیاں تھیں؟ میں نے محسوس کیا جیسے وہ، مجھ سے کچھ کہنا چاہتی ہو۔

"میدان، ہموار ہے.....؟"

"پوری طرح..... ڈرائیور نگہ میں کوئی وقت نہیں ہو گی۔"

"ٹھیک ہے.....!" میں نے کار کا رخ میدان کی طرف کر دیا۔ ایریسا پھر عقبی یہتھی سے کار چلاتا رہا۔ تب اُس "انسان میشن" تو نہیں ہوتا۔ ہر شخص، خواہ اُس کا تعلق زندگی کے کسی شعبے سے ہو، اپنی بیٹھنگی تھی۔ وہ کچھ کرنے لگی تھی، میں نے توجہ نہیں دی اور خاموشی سے کار چلاتا رہا۔ تب اُس نے اس کے لئے بھی تو کچھ ہوتا ہے۔"

میرے قریب ہی رکھ دیئے تھے۔

ہوتا ہے۔” ایریسا نے سامنے دیکھتے ہوئے کہا۔
 بڑی خطرناک سڑک تھی۔ ایک طرف پہاڑیاں بلند ہوتی گئی تھیں، جن پر برف ہی برف
 نظر آ رہی تھی۔ دوسری جانب درختوں کی قطار تھی جن کی دوسری سمت گھری ہوتی جا رہی تھی۔
 ہم برف کی موٹی تر پرست رفتاری سے سفر کرتے رہے اور کافی ڈور نکل آئے۔ لیکن اب
 آگے کا سفر بے حد مشکل ہو گیا تھا، کیونکہ ڈھنڈ نے تاریکی پھیلا دی تھی۔ اور اب چند فٹ
 دوڑ کی چیز بھی صاف نظر نہیں آ رہی تھی۔

ایریسا کے چہرے پر تشویش کے آثار پھیلتے جا رہے تھے۔ میں نے روشنیاں جلا دیں۔
 لیکن بے حد تیز روشنیاں بھی کوئی خاص تیر نہیں مار سکی تھیں۔

”میرا خیال ہے، سفر جاری نہیں رہ سکتا میں ایریسا!“ بالآخر میں نے کارروکتے ہوئے
 کہا۔

”ہاں..... موسم اچانک خراب ہو گیا ہے۔“ ایریسا تشویش زدہ لبھجے میں بولی۔
 ”بھر..... کیا ارادہ ہے.....؟“

”یہاں تو قیام بھی ممکن نہیں۔“

”لیکن کار کو آگے لے جانا کافی خطرناک ہو سکتا ہے۔ ممکن ہے، سڑک آگے چل کر کسی
 طرف ٹرک جائے اور ہم سیدھے کسی کھائی میں جا گریں۔“
 ”پچھے ہٹنا بھی یے مقصد ہے۔“

”اس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں ہے کہ یہیں رات گزاری جائے۔“

”لیکن یہ نیچ سڑک.....“

”مجبوڑی ہے۔“ میں نے شانے ہلانے اور ایریسا میری طرف دیکھنے لگی۔ پھر اچانک ہی
 میں نے اس کے چہرے پر تغیر محسوس کیا۔

”تو حرج بھی کیا ہے؟ ہم تہبا تو نہیں ہیں۔ میں، تمہارے ساتھ ہوں اور تم، میرے
 ساتھ..... اور اس خطرناک موسم میں کوئی دوسرا یوقوف ایسا نہیں ہو گا، جو ہماری طرح سفر
 کرے۔ اس لئے کسی گاڑی کے آنکرانے کا خوف بھی نہیں ہے۔ پھر بھی احتیاطاً ہم عقبی
 روشنیاں جلانے رکھیں گے۔“

”کب تک.....؟“ میں نے سوال کیا۔

”پوری رات.....!“ وہ بہس پڑی۔

”عورت کا کیا مقام ہے آپ کے ہاں؟“

”عورت، میری نگاہ میں بھی عورت ہی ہے۔“

”وہ تو ہو گی۔ میرا مطلب ہے، کوئی عورت آپ کی مطلوب نہیں بنی؟“

”ابھی تک کوئی ایسا موقع نہیں آیا۔“

”خواہش محسوس کرتے ہیں.....؟“

”ہاں..... عورت، دلش ہوتی ہے۔ اور تھکن کے لمحات کی بہترین ساتھی۔“

”کوئی عورت آپ کی زندگی میں نہیں آئی.....؟“

”کسی مخصوص حیثیت سے نہیں۔ دیے یہ بھی نہیں کہ میں اس سے آشنا ہی نہ ہوں۔“

”اس بارے میں آپ کے خیالات کیا ہیں؟ میرا مطلب ہے کہ بعض اوقات لا ابالی اور

خطرناک فطرت رکھنے والے لوگ یہ سوچتے ہیں کہ کوئی عورت ان کی پوری زندگی پر مسلط نہ

ہو۔ اور بس! جہاں چاہیں، عورت حاصل کر لیں۔ لیکن بعض لوگ اپنی زندگی کسی سے وابستہ
 کر لیتے ہیں۔“

میرے ہونٹوں پر سکراہٹ پھیل گئی۔ پھر میں نے کہا۔ ”بُقْتَی سے مس ایریسا میں نے

زندگی میں ان ساری باتوں پر غور نہیں کیا۔ کیا تم، میری مدد کر سکتی ہو؟“

”میں.....؟“ وہ چوک کر مجھے دیکھنے لگی۔

”ہاں..... زندگی کو کس انداز میں ترتیب دینا چاہئے؟“

”مسٹر فلیکس! انسان ساری زندگی کچھ بھی کر لے، لیکن ایک وقت ایسا آتا ہے، جب

اُسے کسی مخلص اور ہمدرد انسان کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ اور ایسے موقع پر ساری زندگی کا

”رفیق ہی سچا منس ثابت ہوتا ہے۔“

”اس کا مطلب ہے، کسی کو زندگی کا ساتھی بنالینا چاہئے؟“

”ہاں..... اس کا انتخاب ضروری ہے۔ مثلاً جیسے آپ۔ اگر آپ کو کوئی ایسا ساتھی مل

جائے، جو آپ کی اس وقت کی مصروفیات میں آپ کا معاون ثابت ہو تو آپ کی زندگی زیادہ خوشنگوار ثابت ہو گی۔“

”ٹھیک ہے مس ایریسا! کسی مناسب وقت پر اس بارے میں سوچوں گا۔ میرا خیال ہے
 کہ ہم سڑک تک آگے ہوں گے۔ برف میں اس کی تیز مشکل ہے۔“

”ہاں..... سڑک، برف سے ڈھکی ہوئی ہے۔ لیکن درختوں کی قطاروں سے اس کا تعین

کہا۔ اُس کی آنکھوں سے خمار جھانک رہا تھا۔ میں اُس کے لئے ابھی تھا۔ لیکن ایریسا،
میرے لئے ابھی نہیں تھی۔ گزری ہوئی ایک رات مجھے یاد تھی۔
”نیند آ رہی ہے؟“ میں نے پوچھا۔

”ڈور، ڈور تک آنکھوں میں نیند کا شائبہ نہیں ہے۔ میں بزدل نہیں ہوں۔ اگر تم جیسے
اُن ان کے ساتھ نہ ہوتی تو شاید یہ رات سکون سے نہ گزار سکتی۔“
”کیوں.....؟“

”قرب و جوار کا ماحول، بے حد بھی تک ہے۔“ اُس نے شیشوں کے باہر جھانکا۔ اور
اسی وقت ایک خوفناک دھماکہ ہوا۔ گازی اچھل گئی تھی۔ ایریسا کے طبق سے چیخ نکل گئی اور وہ
بے اختیار ہو کر مجھ سے آ لپٹی۔ چند ساعت وہ گہری گہری سانس لیتی رہی، پھر ایک طویل
سانس لے کر بولی۔ ”شاید کہیں تو وہ گرا ہے۔“

”شاید.....“

”فلیکس! جس جگہ ہم کھڑے ہیں، یہ بھی تو محفوظ نہیں ہے۔“ ایریسا کی آواز لرز ری
تھی۔

”کیوں.....؟“

”اس طرف بھی بر قافی تو دے موجود ہیں۔“

”اوہ..... تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے ایریسا؟ اگر ہماری قبر کسی تو دے کے نیچے ہی نہیں
ہے تو یہ موت بری تو نہ ہوگی۔ برفت کچلنے پر ہماری لاشیں جوں کی توں دستیاب ہوں گی۔“
میں نے بُش کر کہا اور ایریسا بھی بُشنے لگی۔

وہ بدستور مجھ سے چھٹی ہوئی تھی۔ دفعتہ اُسے اس بات کا احساس ہوا اور اُس نے بلکل ہی
جھنگ کے ساتھ، مجھ سے عیحدہ ہونے کی کوشش کی۔ لیکن میں نے اُس کے گرد اپنی گرفت
گنگ کر لی اور ایریسا کی دونوں بانیہیں، میری گروہن میں آگئیں۔

ایک طویل یو سے نے ساری جھنگ کو رکر دی۔ اور پھر کار کے اندر کے ماحول میں
گری پیدا ہو گئی۔ اتنی گرمی کہ بس، بوجھ معلوم ہونے لگے اور آہستہ آہستہ ہم دونوں نے
سارے بوجھ اتار پھینکے۔ تو دونوں کے گئی دھماکے ہوئے تھے۔ لیکن اب کوئی دھماکہ نہیں
تھا۔ نہیں کہ رہا تھا اور ہم ساری باتوں سے بے نیاز ہو گئے تھے۔

رات کے آخری پہر ہم، مورس میں واپس آگئے۔ باہر کا ماحول اتنا خوفناک تھا کہ چند گز

”صح کو یہری اس قابل نہیں ہوگی کہ سیف اٹھا سکے۔“

”صح کی بات، صح دیکھی جائے گی۔ جھوڑا اب ان پریشان کن خیالات کو۔ انہن بذر
دو!“ اُس نے کہا اور میں نے گازی، حتی الامکان سائیڈ میں لگا دی۔ نیچے اُتر کر میں نے
جائے وقوع کا جائزہ لیا اور اطمینان کر لیا کہ دوسرا سمت کوئی گہری کھائی نہیں ہے۔

گازی کے ششے پہلے ہی بند تھے۔ ایریسا، کافی وغیرہ نکالنے لگی جو اُس نے سفر کے لئے
ساتھ لی تھی۔ اور جسے ابھی تک استعمال نہیں کیا گیا تھا۔ ہم نے سینڈوچ اور کافی کا ایک ایک
کپ پیا، جو اس وقت کافی لذیذ معلوم ہوا تھا۔

ڈھنڈنے اب ہر چیز چھپا لی تھی۔ یوں بھی شام ہو چکی تھی اور ساڑھے چھنگ رہے تھے۔
ایریسا نے کار کی دونوں اگلی سیٹیں کھول لیں اور ہم اُن پر دراز ہو گئے۔ ”زندگی میں بعض
لحاظات بے حد عجیب ہوتے ہیں۔“ ایریسا، گہری سانس لے کر بولی۔

”کس طرح.....؟“

”جیسے یہ۔ ہم دونوں کس قدر ابھی ہیں۔ لیکن اس سے زیادہ قربت کا تصور بھی نہیں کیا جا
سکتا۔ میں تمہارے ساتھ کتنی مطمئن ہوں، بتا بھی نہیں سکتی۔ اس کے علاوہ مسٹر فلیکس! آپ
جیسے انسان کا سہارا، اگر کسی کو مل جائے تو پھر اسے کسی چیز کی تمنانہ رہے۔“

”آپ اپنی زندگی میں کس سے متابڑ ہوئی ہیں مس ایریسا.....؟“

”اس سے قل نہیں ہوئی تھی۔“ اُس نے جواب دیا۔

”اس سے قل، سے کیا مراد ہے؟“

”آپ براہن محسوس کریں تو میں یہ کہنے میں حرج نہیں سمجھتی مسٹر فلیکس! کہ میں زندگی میں
سب سے زیادہ آپ سے متابڑ ہوئی ہوں۔ اور آپ کے قرب نے مجھے ایک حرست میں بیٹھا
کر دیا ہے۔“

”لیکن حرست.....؟“

”کاش! ہم ضرف اس چھوٹے سے کاروبار میں بکھانہ رہتے۔ ہمیں زندگی کا طویل دور
ایک ساتھ گزارنے کو ملتا۔“ ایریسا نے پُر محبت لہجے میں کہا۔

”بہت سے کام کوشش کرنے سے بھی ہو جاتے ہیں۔“ میں نے ایک حسین رات کے
تصور کو ذہن میں جگہ دے کر کہا اور وہ چونک کر مجھے دیکھنے لگی۔

”میں تو بس! دعا ہی کر سکتی ہوں۔“ چند ساعت کے بعد اُس نے گہری سانس لے کر

کی چیز نہیں نظر آ رہی تھی۔ ابھی ہم لباس درست کر کے بیٹھے ہی تھے کہ کوئی سفیدی چیز نظر آئی اور ہم چونک پڑے۔

روشنیاں ہیں شاید.....” ایریسا نے کہا۔

”ہاں.....لیکن اس وقت ایریسا..... اس وقت کون دیوانہ ہے جو سفر کر رہا ہے.....؟“

”اوہ، ہاں! واقعی..... تو کیا..... تو کیا.....؟“

”تم احتیاط کی قائل ہونا.....؟“

”ہاں! مگر کیوں پوچھ رہے ہو؟“

”تب پھر بچے اُتر آؤ! گو، ہم زیادہ ڈوب رہے تو نہیں جاسکیں گے۔ لیکن کار کے اندر رہنا بھی مناسب نہیں ہے۔ دیکھ لیں گے۔ اگر ہمارے مقابل نہ ہوئے تو واپس آ کر کار میں بیٹھ جائیں گے۔ لیکن تھوڑی سی تکلیف اٹھانی پڑے گی۔“

”کوئی حرج نہیں ہے۔ آؤ!“ ایریسا نے کہا۔ اس وقت اس گرم ماحول کو چھوڑ کر سردی میں نکلا سخت مشکل کام تھا۔ بہر حال! ہم دونوں کار سے اُتر کر سڑک کے کنارے بچنے کے۔ ڈھند میں نظر نہیں آ رہا تھا کہ دوسری طرف کیا ہے؟ ہم سڑک سے تھوڑا سا نیچے اُتر کر ایک بڑے سے پتھر کی آڑ میں بچنے لگے، جہاں سے ہم سڑک پر نگاہ رکھ سکتے تھے۔

سفید روشنیاں، انہائی طاقتور تھیں۔ اس لئے اس شدید ڈھند میں کامیاب ہو رہی تھیں۔ ورنہ معمولی روشنیاں تو کچھ نہیں بگاڑ سکتی تھیں۔ بالآخر وہ قریب بچنے لگیں۔ لیکن وہ ایک گاڑی نہیں تھی۔ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر تین گاڑیاں تھیں اور خاص ہی تسمیہ تھیں۔ اب ہماری کار، ان روشنیوں کی زد میں تھی۔

..... پتھر کے کپڑوں میں ملبوس، بہت سے لوگ گاڑیوں سے اُتر آئے اور ہماری کار کے نزدیک بچنے لگے۔ انہوں نے تیز روشنی والی تارچیں روشن کیں اور پتھر کار کے چاروں طرف ڈالنے لگے۔

”ایریسا.....!“ میں نے اُسے آواز دی۔

”ہوں.....!“ ایریسا کی سرگوشی اُبھری۔

”کیا خیال ہے..... کیا یہ ہمارے آدمی ہو سکتے ہیں؟“

”سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔“

”ہمارے نگران.....؟“

”ممکن ہے.....!“
 ”کافی انتظامات کے ساتھ آئے ہیں۔“
 ”ہاں..... اور ہم سے ایک غلطی ہو گئی ہے۔“
 ”وہ کیا.....؟“
 ”جلدی میں شین گنیں چھوڑ آئے ہیں۔“
 ”لو..... سنجالو!“ میں نے ایک شین گن، اُس کی طرف بڑھا دی اور ایریسا، خوشی سے اچل پڑی۔

”ارے..... تم..... تم اسے اٹھا لے.....؟“
 ”ہاں..... یہ دو بھی ہیں۔ دو میرے پاس موجود ہیں۔ جلدی میں یہی ہاتھ لگے۔“
 ”کمال ہے۔ میں محض بھی نہیں کر سکی تھی۔“
 ”تم اسکے کا استعمال کرنا جانتی ہو نا؟“
 ”اچھی طرح..... اس سلسلے میں تم بے فکر ہو۔ لیکن.....“
 ”ہاں..... لیکن کیا..... کہو؟“
 ”کیا اسکا استعمال کرنا ضروری ہے؟“
 ”اُس وقت تک نہیں، جب تک وہ نہیں دیکھ نہ لیں۔“
 ”ٹھیک ہے۔“ ایریسا نے کہا اور پتھر ہم دونوں خاموش ہو گئے۔
 اُن لوگوں کی سرگرمیوں سے اُن بارے میں اندازہ ہو رہا تھا۔ وہ بڑی شدود مدد سے نہیں تلاش کر رہے تھے۔ تارچوں کی بُجی زبانیں چاروں طرف لپک رہی تھیں۔ اُن کی تعداد کے بارے میں صرف تارچوں سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا۔ بہر حال! تارچیں بھی چھ سات نئی۔ نہ جانے کون لوگ تھے، اور کیا چاہتے تھے؟
 پھر اُن میں سے چند افراد، سڑک کے اُس کنارے کی طرف آئے۔ اور اب ہمارا اُن کی بُجیوں سے پچنا مشکل تھا۔ پچانچہ ہم تیار ہو گئے۔ اگر اس جگہ سے واقفیت ہوتی تو ہم اُن کی بُجیوں سے بچنے کی کوشش کرتے۔ لیکن مجبوری تھی۔

چنانچہ جیسے ہی تارچوں کی روشنیاں ہم پر پڑیں، میں نے فائر کھول دیا۔ ویران ماحول نہیں گن کی آواز کی گناہ بڑھ گئی تھی۔ سارے پہاڑ بچنے پڑے تھے۔ اور ان چیزوں میں شامل چیزوں بھی شامل تھیں۔ جلتی ہوئی تارچیں، ہاتھوں سے گر پڑی تھیں۔ میرے ساتھ

ایریسا نے بھی فائز کئے۔ دوسری طرف بہت سی آوازیں اُبھری تھیں اور وہ لوگ ادھر اُبھر دوڑنے لگے تھے..... اور پھر ستوں کے کئی ہوائی فائر ہوئے اور ہوا میں چینے لگیں۔

میں جانتا تھا کہ وہ اس فوری حملے سے بولکلا گئے تھے۔ ان کی آوازیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔ لیکن تھوڑی دیر کے بعد وہ منظم ہو چکیں گے اور اس کے بعد یہ جگہ ان کی نگاہوں سے دور نہ رہے گی۔ اور ہم مارے جائیں گے۔

”مرے فلکیں....!“ ایریسا کی سرگوشی اُبھری۔

”ہوں.....؟“

”آپ ان کی آوازیں سن رہے ہیں؟“

”ہاں.....!“ میں نے مختصر اکہا۔

”روئی زبان ہے.....؟“ اس نے کہا اور میں چونک پڑا۔ میں نے غور نہیں کیا تھا۔ اور یہ بڑی بات تھی کہ ایریسا نے ان حالات میں بھی ذہانت کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا تھا اور ان کی زبان پر غور کیا تھا۔

”تمہارا خیال درست ہے۔“ میں نے کہا۔

”اب کیا کریں.....؟“

”میرا خیال ہے، ان میں سے کئی لڑھک گئے ہیں۔“

”ہاں! چیزوں سے یہی اندازہ ہوتا ہے۔“

”اور ان کی تعداد کافی ہے۔“

”کیا کہنا چاہتے ہو؟“

”صرف چند لمحات..... اس کے بعد ہم، ان کی نگاہوں میں آ جائیں گے۔“

”جگہ بدل دو!“

”تم انتظار کرو۔“ میں نے اس کا شانہ دباتے ہوئے کہا۔ اور پھر میں اوپر کی جانب بڑھ گیا۔ ان کے کسی اقدام سے قبل، میں کوئی قدم اٹھا لیتا چاہتا تھا۔ اور یہی میری تربیت تھی۔ صورت حال سراسر ہمارے خلاف تھی۔ اگر ہم کسی اور طرح سے پھوٹش پر قابو پا سکتے تو پھر ان کے اقدام کا انتظار مناسب تھا۔ لیکن اگر ان کی پوزیشن مستحکم ہو تو پھر اپنی طرف سے کوئی کوشش کرنے میں پبل ضروری ہے۔

چنانچہ ترکیب، میری سمجھ میں آگئی..... اور میں سانپ کی طرح اوپر کی جانب رینگنے لگا۔

گاڑی، سڑک سے زیادہ ڈور نہیں تھی۔ میں نے اپنی گاڑی کا تعین کر کے ایک گرینیڈ کا سیفیٹ پن ہٹایا اور اسے اپنی گاڑی کی جانب اچھاں دیا۔ ایک خوفناک دھماکہ ہوا اور اس کے ساتھ بے شمار چیزوں سنائی دیں۔

لیکن وہ نہیں ہوا، جو میں چاہتا تھا۔ چنانچہ میں نے دوسرا گرینیڈ بھی اچھاں دیا اور میری کوشش، کار آمد ہوئی۔ اس بار ہونے والا دھماکہ، پہلے دھماکے سے کہیں زیادہ خوفناک تھا۔ اور پھر پہ درپے دھماکے ہونے لگے۔ برف کا طوفان، فضائیں بلند ہو گیا تھا۔ اور یہی میری سکیم تھی۔

اپنی گاڑی کے بارے میں مجھے معلوم تھا کہ وہ اسلخ خانہ ہے۔ چنانچہ میں نے دونوں گرینیڈ اس پر اچھا لے تھے۔ اور بالآخر یہ اسلخ خانہ، دھماکے سے اُڑ گیا تھا۔ اور اب رو سیوں کا جو حشر ہوا ہو گا، اُس کا تصور کیا جا سکتا تھا۔ ان کی گاڑیاں قریب ہی کھڑی ہوئی تھیں۔ برف کا ڈھوان فضائیں کافی بلندی پر چھا گیا تھا اور میرا کام ختم ہو گیا تھا۔ میں نے ان لوگوں کو بدترین شکست دی تھی۔ میں واپس نیچے کی جانب چل دیا اور اندازے سے اُس جگہ پہنچ گیا، جہاں ایریسا موجود تھی۔

”ایریسا!“ میں نے اُسے آواز دی۔ لیکن ایریسا کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا۔ ”ایریسا.....!“ اس بار میری آواز، پہلے سے زیادہ بلند تھی۔ میری آواز دیر تک گوئی رہی۔ لیکن کوئی جواب نہیں ملا۔

اب مجھے تشویش ہو گئی۔ میں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھا۔ ایریسا کسی حداثے کا شکار تو نہیں ہو گئی؟ میں آگے بڑھا۔ ممکن ہے، اُس نے جگہ تبدیل کر لی ہو۔ چنانچہ میں نے کچھ اور نیچے اترنے کا فیصلہ کیا اور احتیاط سے نیچے اترنے لگا۔ لیکن ابھی چند گز نیچے اترنا تھا کہ اچانک برف پھیل گئی..... میں نے فوراً لیٹ کر خود کو جمانے کی کوشش کی، لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ میرا جسم بے شہارا ہو گیا تھا۔ قرب و جوار میں کوئی روک نہ تھی۔ میں کن بھی میرے ہاتھ سے نکل گئی اور میں کسی پھر کی طرح نیچے گرنے لگا.....

پھر ایک جگہ برف، میرے جسم سے نکل آئی اور میں نے ہاتھ پاؤں مارے۔ لیکن بے سود۔ یوں لگتا تھا، جیسے تحت اثری کی گہرائیوں میں جا رہا ہوں۔ میرا جسم جگہ جگہ گکھ رہا تھا۔ لیکن کرنے کی رفتار اتنی تیز تھی کہ کوئی تدبیر کار گر نہیں ہو رہی تھی۔ بالآخر میری قوت برداشت جواب دے گئی اور میرا ذہن سونے لگا۔ اس کے بعد کچھ ہوش نہ رہا۔

نہ جانے کتنا وقت گزرا..... نہ جانے کیا کیا میتی؟ کچھ یاد نہیں تھا۔ ہاں! آنکھ کھلی تو بے حد تکلیف کا احساس ہوا۔ اتنی شدید اذیت کہ دوبارہ بے ہوش ہونے کو جی چاہئے لگا۔ لیکن دوبارہ بے ہوش ہونا، میرے بس سے باہر تھا۔

میری آنکھیں بند تھیں۔ لیکن تکلیف کا احساس، ذہن کو چھبھوڑ رہا تھا۔ میں اپنی حالت پر غور کرنے لگا۔ اور پھر میں نے قوتِ ارادی کو مجتمع کر کے آنکھیں کھول دیں۔ روشنی پہلی چکلی تھی۔ دن تک آیا تھا۔ پہلی چھوڑ جو نظر آئی، برف تھی۔ پہلی چیز جو حسوس کی، برف تھی۔

محمد ذہن، برف کی مانند پکھلنے لگا۔ واقعات یاد آئے۔ اور احساسِ ذہن داری نے آنکھیں کھول دیں۔ دوسرے حالات کا جائزہ لینے سے قبل اپنا تجربہ کرنا ضروری تھا۔ چنانچہ پہلے تو یہ اندازہ لگایا کہ جسم کے کون سے حصہ پر تکلیف زیادہ ہے؟ مقصود یہ تھا کہ کوئی عضو تو نہ تو نہیں ہے؟

پھر آہستہ آہستہ بدن کو جنمیں دی۔ اور چند ساعت کے بعد اس بات سے مطمئن ہو گیا کہ بدن صحیح سلامت ہے۔ برف کی دبیز تھوں نے میری حفاظت کی تھی اور ٹوٹ پھوٹ نہیں ہونے دی تھی۔ پھر بدن کی کیفیت تھی، وہ چھوٹے چھوٹے زخموں کی وجہ سے ہی ہو سکتی تھی جو برف کی رگڑ کی وجہ سے لگے ہوں گے۔ اور پھر بخستہ ہواوں نے جسم کو مجدد کر دیا تھا۔ اس کے علاوہ اور کوئی بات نہیں تھی۔ چنانچہ میں نے اس کیفیت کو زائل کرنے کا عمل شروع کر دیا۔ سانس روک کر میں نے اعضاء کی حرکت روک دی اور بدن کی تکلیف زائل ہونے لگی۔

یہ ایک عمده عمل ہے۔ اعضاء کی حرکت رُک جائے تو تکلیف کا احساس کم ہو جاتا ہے۔ اور میں اس وقت تک سانس روکے رہا، جب تک روک سکا۔ اور اس سلسلے میں، مجھے کافی مشت تھی۔ پھر جب میں نے اپنے جسم کو کافی حد تک پُرسکون پایا تو ایک دم اچھل کر کھرا ہو گیا۔ گو، ابھی جسم اتنا تو انہیں ہوا تھا۔ لیکن اس حالت کو درست کرنے کے لئے ساری قوتوں کا استعمال ضروری تھا۔ چنانچہ میراڑخ جس طرف تھا، میں نے اسی سمت میں بھاگنا شروع کر دیا۔ رفتارست تھی۔ لیکن میں دوڑ رہا تھا اور اس کے لئے میں نے ایک راستے کا انتخاب کر لیا تھا۔ کیونکہ برقانی چھوٹش کا مجھے احساس نہیں تھا۔

دیر تک میں دوڑتا رہا اور خون کی روائی بحال ہو گئی۔ میں نے اپنی پوزیشن کافی حد تک سنپھال لی تھی۔ اور اب بدن خوب گرم ہو گیا تھا۔ چنانچہ میں رُک گیا اور اس کے بعد میں

نے حالات کا جائزہ لیا۔

ناحدنگاہ برف ہی برف تھی۔ کہیں کہیں برف زدہ درخت نظر آرہے تھے۔ اور پھر میں نے بلندیوں کی طرف دیکھا۔ خدا کی پناہ! اتنی بلندی سے گرنے کے بعد زندگی کا تصور بھی ہاں تھا۔ برف اور اتفاقات دونوں یکجا نہ ہوتے تو زندگی محال تھی۔

لیکن ایریسا کہاں گئی؟ میں نے سوچا اور میری نگاہیں چاروں طرف بھکنکنے لگیں۔ ایریسا بچھے زیادہ دوڑنے لگی تھی۔ جہاں سے میں گرا تھا، وہاں سے ایریسا بھی گری تھی۔ لیکن وہ ابھی نکل بے ہوش تھی۔

میں اس کے قریب پہنچ کر اسے ہوش میں لانے کی کوشش کرنے لگا۔ اور تھوڑی دیر کے بعد ایریسا کے کراہنے کی آوازیں آنے لگیں۔ میں اس کے بدن کو مل کر اس کے خون کی رانی بحال کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ ایریسا، ہوش میں آگئی تھی۔ لیکن اس کی حالت خراب فی۔ رفتہ رفتہ وہ درست ہونے لگی۔ دیسے اس کے بدن پر زخم نہیں تھے۔ اس کی بہ نسبت بیان زیادہ رنجی تھا۔

پھر ایریسا اٹھ گئی۔ وہ گہری گہری سانسیں لے رہی تھی۔ ”تم نہیک ہو فلیکس.....؟“ اس نے کنڈر آواز میں پوچھا۔

”ہاں..... ایریسا! تمہارا کیا حال ہے؟“

”اب نہیک ہوں۔“

”آؤ..... اٹھ کر تھوڑی سی چہل قدمی کرو۔ بدن گرم ہو جائے گا۔“ میں نے کہا اور وہ اٹھ گئی۔ بہر حال! غیر معمولی لڑکی تھی، اس نے ذرا سی دیر میں خود کو پوری طرح درست کر لیا۔ پھر بلندیوں کی طرف دیکھ کر بولی۔

”خدا کی پناہ! میں اتنی بلندی سے گری تھی؟“

”ہاں..... لیکن برف نے تمہاری بھی مدد کی۔ ورنہ شاید ہماری بڑیوں کا بھی پتہ نہ چلتا۔“

”کیا تم، میری تلاش میں نیچے آئے تھے؟“

”یہی سمجھو.....!“ میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

”سمجھو سے کیا مراد ہے؟“

”میں بھی گر پڑا تھا۔“ میں نے کہا اور وہ چوک کر مجھے دیکھنے لگی۔ پھر ہمدردی سے نہ سے زد دیک آئی اور میرے بدن کو چھوٹے ہوئے کہنے لگی۔

ٹھنڈے پانی میں دفن ہو سکتے تھے۔ لیکن کیا بھی کیا جا سکتا تھا؟ میں ابھی تک پر سکون تھا۔
لیکن ایریسا کی وجہ سے سفر کی رفتار بے حدست تھی۔ بالآخر وہ آہستہ سے بولی۔ ”فلیکس!
خوازی دیریز کو گئے نہیں؟“

”ضفروں..... آؤ! برف کے اُس کوہاں تک چلتے ہیں۔ اُس کے کنارے پر درخت بھی
ہیں۔“ میں نے ایک طرف اشارہ کیا اور ایریسا بھاری بھاری قدم انھاتی ہوئی اُس کوہاں تک
نہیں گئی۔

”آہ..... فلیکس! میری ہمت تو اب جواب دے رہی ہے۔“

”کیوں ایریسا.....؟“

”مجھے بھی سخت لگ رہی ہے۔“ اُس نے کہا اور میں تھوک نگل کر رہ گیا۔ اس سلسلے
میں، میں اُس کی کیا مدد کر سکتا تھا؟ بھوک تو مجھے بھی لگ رہی تھی۔ لیکن یہاں کسی خوراک کا
غور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔

”اس کے علاوہ بدن سرد ہو رہا ہے..... ناگہ میں بے جان ہوتی جا رہی ہیں..... خود تمہاری
لایا کیفیت ہے؟“

”میرے جسم پر بہت سے زخم ہیں ایریسا! لیکن میں اپنی قوتِ ارادی سے سب کچھ بھول
لیا ہوں۔ میں ضرور باہر نکلنے کی جگہ تلاش کرلوں گا۔“

”کاش! میں بھی تمہاری مانند ہوتی۔“

”قلک مت کرو ایریسا! میں تمہیں یہاں سے بچا کر لے جاؤں گا۔ اب تم، میرے کندھوں
ہنڑ کرو گی۔ مایوس مت ہونا۔“

”فلیکس! ایک بات بتاؤ؟“ ایریسا نے عجیب سے لمحہ میں پوچھا۔

”ہاں.....!“

”کیا میرے لئے تم یہ تکلیف صرف اس لئے اٹھا رہے ہو کہ تمہیں، میرے ذریعے کچھ
ابوباری اموال طے کرنے ہیں؟“

”میں اس سوال کی گہرائی پر غور کرنے لگا۔ اس وقت، اس سوال میں ایک عجیب احساس
نکلہ تھا۔ ایریسا کے لئے میں یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ مجھ پر دل و جان سے مر منی ہے۔
حال! مجھے، اس سے غرض نہیں تھی۔ میں یہ بات اچھی طرح سمجھ گیا تھا کہ وہ یہ بات جان
نا ہے کہ میرا مستقبل بہت شاندار ہے۔ وہ اس شاندار مستقبل میں، میری شریک ہونا چاہتی
تھی۔“

”زخمی تو نہیں ہوئے.....؟“

”معمولی سا۔۔۔ بہر حال! خوش ہے کہ تم ٹھیک ہو۔“

”اُن لوگوں کا کیا ہوا؟“

”کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ویسے میرا خیال ہے کہ اُن کی زندگی بھی مشکل ہی ہے۔“

”دھماکے کیسے تھے.....؟“

”میں نے اسلحہ خانہ تباہ کر دیا تھا، یعنی تمہاری گاڑی..... اور اُن کے پرچے اڑ گئے تھے۔“

”ورنہ اُن کی تعداد کافی تھی۔“

”ایریسا، مجھے دیکھتی رہی۔ اور پھر ایک گہری سانس لے کر بولی۔“ عمدہ ترکیب تھی۔ ورنہ

”ہم، اُن کے ہاتھ آ جاتے۔“ میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اور پھر ایریسا ہی بولی۔ ”لیکن

اب اوپر کس طرح پہنچیں گے؟ یہ بلندیوں کی دیوار تو تاحفہ نگاہ ہے۔“

”طویل سفر کرنا پڑے گا۔ برف کی ان ڈھلوانوں پر چڑھنا مشکل ہے۔“

”طویل سفر سے کیا مراد ہے؟“

”ایسی جگہ کی تلاش میں، جہاں سے اوپر پہنچا جاسکے۔“

”لیکن فلیکس! برف پر اتنا طویل سفر ہم کس طرح کریں گے؟ اور پھر راستے کے بارے

میں بھی کچھ نہیں معلوم۔ نہ جانے کس جگہ گڑھے ہوں اور ہم برف کے غاروں میں دفن ہو
جائیں۔“ ایریسا خوفزدہ لمحہ میں بولی۔

”بہر حال! کچھ نہ پچھو تو کرنا پڑے گا ایریسا! یہاں سے تو بلندیوں پر چڑھنا ناممکن

ہے۔“ میں نے جواب دیا اور ایریسا خاموش ہو گئی۔ خوازی دیریک ہم اپنی قوتیں بحال کرتے

رہے، پھر ایک سمت کا تعین کر کے پل پڑے۔

برف پکھل رہی تھی اور ہمارے جسموں پر بس بھی ایسے نہیں تھے کہ ہم سرد اور ناخبستہ

ہواؤں کو برداشت کر سکیں۔ یہی شکر تھا کہ ابھی ہوا میں چلانا شروع نہیں ہوئی تھیں، ورنہ جم کر

رہ جاتے۔

بہر حال! یہ بھی ان سفر، میری زندگی کا یادگار سفر تھا۔ اتنے خوفناک حالات سے اس سے

قبل سا بیتھنے پڑا تھا۔ میں نے قوتِ ارادی سے کام لیا تھا۔ لیکن ایریسا اپنی اعصابی

قوت کھو بیٹھی تھی اور ہولے ہولے کراہ رہی تھی۔ ابھی تک برف کی چادر مونی تھی۔ لیکن کئی

جگہوں سے ٹوٹی ہوئی برف کے درمیان پانی نظر آ رہا تھا جس کا مطلب تھا کہ کسی بھی جگہ میں

تھی۔ اور اس دولت سے عیش کرنا چاہتی تھی جو اس راز کی قیمت کے طور پر حاصل ہو گی۔ لیکن اس وقت، اس کی بہت بحال کرنے کے لئے اُسے دلسا دینا ضروری تھا۔ چنانچہ میں نے لبھے میں محبت پیدا کی اور بولا۔

”تمہارے خیال میں زندگی کی بازی صرف دولت کے لئے ہی لگائی جاسکتی ہے؟“
”تو پھر.....؟“ ایریسا کے لبھے میں اشتیاق پیدا ہو گیا تھا۔

”ہمارے، تمہارے درمیان ذہنی رشتے بھی تو ہو گئے ہیں ایریسا!“
”کیا واقعی.....؟“ ایریسا بے خود ہو گئی۔

”تم خود محسوس نہیں کر سکتی ہوا ایریسا؟“
”میں تو..... میں تو اپنی زندگی، تمہارے لئے مٹانے کو تیار ہوں فلیکس! میں تو نہ جانے کیا خواب دیکھنے لگی ہوں؟“

”مثلاً.....؟“ میں نے پوچھا۔

”میں نے تو ساری زندگی، تمہارے ساتھ گزارنے کے خواب دیکھنا شروع کر دیئے ہیں فلیکس! کیا تم مجھے یہ موقع دو گے؟“

”میں تغیر کے راستے میں ہوں ایریسا! ابھی ہمیں منزل پر پہنچا ہے۔ تم، میرے ساتھ ہو۔ ہم مستقبل کے فیض کی وقت بھی کر سکتے ہیں۔“

”اوہ..... بس! یہی کافی ہے فلیکس! تمہارے مضبوط سہارے کے ساتھ تو میں ساری دنیا کا سفر بہ آسانی کر سکتی ہوں۔ فلیکس! یقین کرو، میں اپنے اندر ایک نمایاں تبدیلی پاریں ہوں۔ میں اب سفر کرنے کے قابل ہوں۔ آؤ! چلیں.....“

اور پھر اس نے چلنا شروع کر دیا۔ راستے میں بے شمار خوفناک مراحل آئے۔ ایک بار برف کے درمیان ایک جھیل نے ہمارا راستہ روک لیا اور ہم پریشان ہو گئے۔ اس جھیل میں اُڑتانا، موت کو دعوت دینے کے متراون تھا۔ اسلئے ہم اس کے سرے کی تلاش میں چل پڑے۔ اور کافی دور چل کر ہمیں کنارہ مل سکا۔ لیکن اس دوران ہم برف کی دیوار سے زیادہ ڈور نہیں گئے تھے۔ برف کا ایک عظیم الشان دیرانہ تھا اور ہم دو تھا مسافر..... منزل کا کوئی نشان نہیں تھا.....

پھر شام ہو گئی اور ہوا میں چلنا شروع ہو گئیں۔ برف کے اُس دیرانے میں چلنے والی ہوا میں ہماری سانسوں کے لئے آخری ضرب ثابت ہو گئیں۔ میں، اُن سے بچنے کے لئے کوئی

تدبیر سوچنے لگا۔ بھوک کے مارے برا حال تھا۔ ہاں! بیاس کا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ کی بارہم نے برف انداخ کر پکھلائی اور اُس سے طلق تر کیا تھا۔

میری نگاہیں چاروں طرف بھٹک رہی تھیں۔ پھر ہمیں برف کا ایک کوہاں نظر آیا اور میں اُس کی جانب چل پڑا۔ میں نے بڑی شدود مدد سے برف کو کریدنا شروع کیا۔ برف زیادہ مضبوط نہیں تھی۔ بالآخر چنان نکل آئی اور اُس کے نیچے اتنی جگہ ہو گئی کہ ہم دونوں بیٹھے سکتے۔ میں نے یہی ناکمل پناہ گاہ مناسب سمجھی اور ہم دونوں وہاں بیٹھے گئے۔ ڈھنڈ تیزی سے نیچے اُتر رہی تھی۔ اور پھر گہر اندر چلیں گیا۔ ہواں کی خوفناک آوازیں سفر کر رہی تھیں۔ سردی تھی کہ بڑیوں میں اُترتی جا رہی تھی۔ میں نے ایریسا کو خود میں پیوست کر لیا تھا اور ہم دونوں ایک دوسرے کے بدن کی گری حاصل کرتے رہے۔

”فلیکس.....!“ ایریسا کی مٹھاں آواز اُبھری۔

”بُولو.....!“

”کیا ہم دونوں بیٹھیں مر جائیں گے.....؟“

”کیا برا ہے ایریسا؟ ہر انسان، عارضی طور پر دنیا میں آتا ہے۔ اُسے زندگی اور موت، دونوں سے مخلاص ہونا چاہئے۔“

”وہ کس طرح.....؟“

”زندہ رہو تو زندگی کے لوازمات حاصل کرنے کے لئے جدوجہد جاری رکھو۔ جتنے لمحات تمہیں دیے گئے ہیں، انہیں مایوں کا شکار نہ بناؤ۔ جو کچھ حاصل ہو جائے، اُسے پا کر خوش ہو جاؤ۔ اور مزید حاصل کرنے کے لئے کوشش رہو۔ اور جب موت پکارے، ہستے ہوئے اُس کی جانب بڑھ جاؤ۔ یہی زندگی کا اصول ہے۔“

”ہر انسان، تمہاری طرح نذر تو نہیں ہوتا۔“ ایریسا، پچھلے انداز میں مسکراتی ہوئی بولی۔

اور پھر میری آنکھوں کو چوم کر کہنے لگی۔ ”بہر حال! تمہاری معیت میں موت بھی خوبصورت ہے۔ تم جیسے باہت انسان کے ساتھ موت کا خوف دل سے نکل جاتا ہے۔“

”واقعی.....!“ تب پھر تم مایوس کن خیالات ذہن سے نکال دو۔ ہمیں تکلیف کا تھوڑا سا وقت گزارنا ہے۔ اس کے بعد ہم کسی منزل پر پہنچ جائیں گے۔“

”ٹھیک ہے۔ تم میری فکر مت کرو۔ میں ٹھیک ہوں۔“ اُس نے کہا اور پھر خاموشی چھا گئی۔ سونے کا تو خیر سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ بس! غنوڈیگی سی طاری تھی جو ناقہت کا نتیجہ ہوا میں ہماری سانسوں کے لئے آخری ضرب ثابت ہو گئیں۔ میں، اُن سے بچنے کے لئے کوئی

بھی ہو سکتی تھی۔

ایریسا بھی خاموش تھی۔ اور میں نے اُسے چھیرنے کی کوشش بھی نہیں کی تھی۔ لکن طویل رات تھی۔ باہر سرد ہوا میں چل رہی تھیں۔ لیکن لفظ باہر صرف دل بہلانے کے لئے تھا۔ ہم کون سے پوشیدہ تھے؟ ہوا میں براہ راست ہمارے جسموں سے ٹکرائی تھیں..... اور ہمارے جسم، برف کی طرح سرد ہو گئے تھے۔

خدا خدا کر کے روشنی کی پہلی کرن چکی۔ آسمان سے سفیدی جملئے گی۔ لیکن شریانوں میں خون جم گیا تھا..... جسم اس طرح اکڑ گیا تھا کہ سیدھا کرنا مشکل تھا۔ نہ جانے حواس کس طرح قائم تھے؟

ڈھنڈھپٹ گئی تھی۔ لیکن پورے طور سے نہیں۔ اب بھی ہلکی ہلکی ڈھنڈ، فضا میں پھیلی ہوئی تھی۔ میں نے ایریسا کو دیکھا۔ اُس کی آنکھیں بند تھیں۔ تب میں نے ایریسا کو چھنجھوڑا۔ لیکن دفعہ مجھے احساس ہوا کہ اُس کی سانسیں بے ترتیب ہیں..... میں چونک پڑا۔ ایریسا مت کی جانب بڑھ رہی تھی.....

چند لمحات کے لئے میرا ذہن، افسوس میں ڈوب گیا۔ اس لڑکی کا اس طرح مر جانا، مجھے پسند نہیں آیا تھا۔ بہر حال! میں اُسے بازوں پر اٹھائے برف پر چل پڑا۔ اس سے قبل میں نے کسی شے سے اتنی ہمدردی محسوس نہیں کی تھی۔ ایریسا بے ہوش تھی۔ میں نے اُس کا لباس برابر کیا، وہ دونوں گرنیڈ نکل کر اُس کے لیاس سے گر پڑے جو میں اُس کار سے لایا تھا۔ میں نے ابھی تک اُن کی موجودگی محسوس نہیں کی تھی۔ نہ جانے کس طرح وہ ایریسا کے لباس میں رہ گئے تھے؟ بہر حال! اب تو بے مقصد تھے۔ میں نے انہیں وہیں پڑے رہنے دیا اور آگے بڑھ گیا۔ اگر انہیاںی مشقت نے فولاد نہ بنادیا ہوتا تو اس وقت ایک قدم چلانا بھی مشکل تھا۔ میرا جسم زخمی تھا۔ ان زخموں میں سردی، تیر کی طرح چھپ رہی تھی۔ لیکن ہمت ہارنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ ہاں! سفر میں تیزی نہیں تھی۔ میں چلتا گیا..... اور پھر نہ جانے یہ ساعت کا دھوکہ تھا یا کوئی اندر وونی خواہش..... میرے کانوں نے ہیلی کا پتھر کی آواز سنی تھی۔

میں رُک گیا۔ اگر کوئی ہیلی کا پتھر ہے تو..... تو..... میں نے آواز کی سست میں کان لگا دیئے..... نہ تو میری ساعت دھوکہ دے رہی تھی اور نہ کوئی احساس آواز بن کر جلوہ گر ہوا تھا۔ بلکہ آواز، ہیلی کا پتھر کی ہی تھی۔

میں پوری توجہ سے اُس آواز کوں رہا تھا۔ اور میں نے اندازہ لگایا کہ ہیلی کا پتھر، وادی کی

دیواروں سے بلند نہیں ہے۔ گویا وہ وادی میں ہی پرواز کر رہا تھا۔ ممکن ہے، ہماری تلاش میں۔

اگر وہ رُوئی ہیں، تب بھی اس وقت اُن کے قبضے میں آ جانا بہتر ہے۔ لیکن وہ ڈھنڈ میں ہیں نہ کیکے سکتیں گے۔ کیا کروں؟ کیسے انہیں متوجہ کروں؟ ہیلی کا پتھر ہمارے سر پر سے گزر گیا۔ میں زور زور سے چینجا تھا۔ لیکن وہ ڈور نکل گیا..... اور میں ہاتھ ماتمارہ گیا۔

لیکن میرے کان اُس کی آواز پر ہی لگے ہوئے تھے۔ اور ایک بار پھر میں نے محسوس کیا کہ ہیلی کا پتھر واپس آ رہا ہے۔ اور دوسرے لمحے میرے ذہن میں ایک خاص خیال آیا۔ میں نے ایریسا کو برف پر لٹا دیا اور دوسرے لمحے میں پوری قوت سے اُس طرف دوڑا، جدھر سے آیا تھا۔

میرے ذہن میں ایک ہی خیال تھا۔ ہیلی کا پتھر میں کوئی بھی ہو، کسی طریقے سے انہیں اپنے بارے میں اطلاع دے دی جائے۔

اندازے سے میں اُسی جگہ پہنچا، جہاں سے چلا تھا۔ دونوں دستی بزم، برف پر پڑے ہوئے تھے۔ میں نے چھپ کر دونوں بزم اٹھا لئے۔ ہیلی کا پتھر کی آواز سر پر ہی تھی۔ دوسرے لمحے میں نے پن ہٹایا اور اُسے تھوڑے فاصلے پر برف پر دے مارا۔ خطره تھا کہ کہیں بزم خراب نہ ہو گیا ہو۔ لیکن ہماری خوش بختی تھی کہ ایسا نہیں ہوا تھا۔ ایک دھماکہ ہوا۔ اور اس کے ساتھ ہی میں نے دوسرے بزم بھی اسی طرح دے مارا۔

لس! اس کے علاوہ اور کوئی ترکیب نہیں تھی۔ میں آہستہ آہستہ چلتا ہوا، ایریسا کے پاس پہنچ گیا اور انتظار کرنے لگا۔ اور پھر میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ ہیلی کا پتھر نیچے اُزرا لبا تھا۔ اب وہ ڈھنڈ سے نیچے آ گیا تھا۔ میں کھڑا ہو کر دونوں ہاتھ ہلانے لگا۔ اتنی معنوی بلندی سے دیکھ لیا جانا، آسان بات تھی۔

ا ہیلی کا پتھر، ہمارے سروں پر پہنچ کر اور پھر صورت حال کا اندازہ لگانے کے بعد نیچے ہی اڑ آیا۔ ہیلی کا پتھر سے تین آدمی اُترے۔ اُن میں ایک دراز قامت شخص تھا۔ درمیانے بدن کا لیکن ایک پُر وقار خصیت کا مالک.....

”مرٹر فلکس! مجھے شافٹ کہتے ہیں۔“ اُس نے مکراتے ہوئے کہا اور میں، اُس کی باند بڑھ گیا۔

دوسرے دونوں آدمی، ایریسا کو اٹھا کر ہیلی کا پتھر میں لے جا رہے تھے۔ اور پھر میں بھی

شافٹ کے ساتھ ہیلی کا پڑ میں جا بیٹھا۔ مجھے بھی ایک اونی کمبل میں لپیٹ دیا گیا تھا اور اب میرے اعصاب پر بھی تھکن طاری ہونے لگی تھی۔

”مجھے افسوس ہے کہ ہمیں، آپ کی تلاش میں نکلنے میں دیر ہو گئی۔“ ہیلی کا پڑ بلند ہوا تو شافٹ نے کہا۔

”ظاہر ہے، آپ کو دیر ہی سے ہمارے بارے میں اطلاع ملی ہو گی۔“

”ہاں پہلے تو میں آپ لوگوں کا انتظار کرتا رہا۔ موسم کی خرابی کی اطلاع مجھے مل چکی تھی۔ بہر صورت! ایریسا ایک اچھی ڈرائیور ہے اور ان راستوں سے اچھی طرح واقف۔ اسی لئے مجھے اُس پر بھروسہ تھا۔ لیکن جب آدمی رات تک آپ لوگ نہ پہنچ اور وہ وقت ختم ہو گیا، جس وقت میں آپ لوگوں کو پہنچانا تھا تو مجھے تشویش ہوئی اور میں نے اپنے آدمیوں کو آپ کی تلاش میں بھیجا۔ اور اُس وقت وہ لوگ وہاں پہنچے، جب آپ کا رُوسیوں سے مقابلہ ہو رہا تھا۔“

”اوہ اس کا مطلب ہے، آپ کے آدمیوں نے وہ ہنگامہ دیکھ لیا تھا۔

”ہاں لیکن اس بات سے ناواقف تھے کہ جھپڑ کس کے درمیان ہو رہی ہے۔ انہوں نے اُس وقت بذاتِ خود اس جھپڑ میں حصہ نہیں لیا۔ بلکہ واپس آ کر مجھے اطلاع دی۔ اور ظاہر ہے، میری تشویش لازمی تھی۔ چنانچہ میں یہاں پہنچ گیا۔ لیکن یہاں صورت حال اور تھی۔ میں نے دیکھا کہ دو گاڑیاں بالکل تباہ پڑی ہیں۔ اُن کے نزدیک تقریباً چودہ رُوسیوں کی لاشیں پڑی ہوئی ہیں۔ میں تو مسٹر فلکس! حیران رہ گیا تھا۔ بات میری سمجھ میں آہنیں رہی تھی۔ لیکن پھر میں نے سازی صورت حال کو سمجھ لیا۔ غالباً آپ نے اُس کار کو خصوصی طور پر تباہ کیا تھا، جس میں اسلحہ تھا۔

”ہاں! اُن لوگوں کی تعداد کو دیکھتے ہوئے اُن سے براہ راست مقابلہ تو مشکل ہی تھا۔

لیکن انہیں شدید نقصان پہنچانا بھی ضروری تھا۔ ورنہ وہ، ہم پر قابو پایتے۔“

”یقیناً، یقیناً مسٹر فلکس! لیکن بہر صورت! جو کچھ ہم نے دیکھا، اُس نے ہمیں شدید حیران کر دیا تھا۔ اس کے بعد ہم قرب و جوار کا جائزہ لیتے رہے کہ رُوسی یہاں موجود ترین ہیں ہیں؟ لیکن اندازہ یہ ہوا کہ اُن میں سے جو باقی پچے تھے، وہ واپس چلے گئے اور اتنے بدھوں ہو کر گئے کہ اپنے ساتھیوں کی لاشیں بھی نہ لے جاسکے۔ یا پھر یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اُن میں سے کوئی زندہ ہی نہ بچا ہو۔ میں نے اُن لاشوں کی تلاشی لی اور اُن کے لباس سے جو چیزیں

برآمد ہوئیں، اُن سے اُن کی حیثیت کا پتہ چلتا ہے کہ وہ رُوسی محکمہ خاص کے اچھے خاصے سر برآورده لوگ تھے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ اب سوئزر لینڈ میں رُوسی مشن کے کتنے لوگ باقی رہ گئے ہیں؟ بہر حال! میں آپ کے اس تعاون کا دلی طور پر شکر گزار ہوں مسٹر فلکس! کہ آپ نے ہمیں دوسروں پر ترجیح دی۔ اور میں یہی کوشش کروں گا کہ میرے اور آپ کے درمیان کے سارے معاملات، خوش اسلوبی سے طے ہو جائیں۔ میں اس تعاون کا دلی طور پر شکر گزار ہوں۔ اور میں نے آپ سے درخواست بھی کی تھی کہ سوئزر لینڈ آ کر آپ سب سے پہلے مجھ سے ملاقات کریں۔ گو، اس سے پہلے ہماری ملاقات تو نہیں ہوئی، لیکن ہمارا تھوڑا اسا رابطہ تو ہے۔“

میں نے تھکے تھکے انداز میں گردن ہلا دی تھی۔ شافٹ، چند ساعت خاموش رہا۔ پھر اُس نے چوک کر اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا اور ایک چھپی سی شیشی نکال کر میری جانب بڑھا دی۔

”سوری! میں بھول گیا تھا۔ لیکن کیا ایریسا کی حالت نازک ہے؟“

”ہاں میرا خیال ہے کہ وہ شدید سردی کا شکار ہوئی ہے۔“

”ہوا کیا تھا.....؟“ اُس نے پوچھا۔ میں نے شیشی اُس کے ہاتھ سے لے لی تھی۔ اور پھر آدمی شیشی حلق سے اُنٹھیں کے بعد میں نے کارک لگا کر اُس کے ہوا لے کر دی۔ شافٹ سوالیہ نکال ہوں سے میری جانب دیکھ رہا تھا۔ تب میں نے اُسے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

”میں اس علاقے سے ناواقف تھا۔ مجھے نہیں معلوم تھا، خاص طور سے رات کی تاریکی اور ڈھنڈ میں سڑک کے دوسری جانب کیا ہے؟ ایک جانب تو اُبھری ہوئی چوٹیاں تھیں، جن پر سے بر قافی تودے، زمین پر گرنے کے لئے تیار تھے اور دوسری جانب گھر ایا۔ لیکن ان گھر ایوں کا تعین تونہ میں نے کیا تھا، نہ ایریسانے۔ پھر جب ہم نے رُوسیوں کو دیتی بھوں اور شین گنوں کی گولیوں سے ہلاک کیا تو اُن کی طرف سے بھی کسی کارروائی کا خدشہ ہوا۔ ایریسا اور میں، دونوں نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ اور پھر ہم گھر ایوں میں اترتے چلے گئے۔ آپ اندازہ لگائیں کہ سڑک سے گھر ایوں تک کا فاصلہ طے کرنے میں کتنا لطف آیا ہوگا۔ اور میں محسوس کر رہا ہوں کہ میری حالت بہت خراب ہے۔“

”آپ بالکل بے فکر ہیں مسٹر فلکس! میں، آپ کا بہترین علاج کراؤں گا۔ آپ اپنی طرف سے بالکل مطمئن رہیں۔ ہمارے پاس بہترین ڈاکٹروں کا انتظام ہے۔“ شافٹ نے

سفید وردی میں ملبوس ایک نرسریے نزدیک بیٹھی ہوئی غالباً میری صورت دیکھ رہی تھی۔ جب میں نے آنکھیں کھولیں تو اُس کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ بڑا ہی پاکیزہ چہرہ تھا۔ نجانے کہاں سے تعلق رکھتی تھی؟ شاید سوئں ہی ہو۔
”ہیلو.....!“ میں نے خفیہ سی مسکراہٹ سے اُسے مخاطب کیا۔

”ہیلو، سر! کیسے ہیں آپ.....؟“
”اب ٹھیک ہوں نرسری.....!“

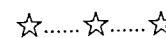
”میں ڈاکٹر کو آپ کے بارے میں اطلاع دے دوں.....؟“
”دے دیں۔ لیکن کیا ضروری ہے؟“ میں نے لاپرواہی سے کہا۔
”صرف چند ساعت، پلیز.....!“ اُس نے کہا اور انہیں کہا باہر چلی گئی۔ اور پھر دو ڈاکٹر میرے نزدیک آئے۔ انہوں نے میرا معاشرہ کیا۔ پھر ان میں سے ایک نے میرا شانہ چھپھاتے ہوئے کہا۔

”مبارک ہو مسٹر فلکس! اپ آپ تندروست ہیں۔ ویسے بلاشبہ! آپ کے اندر جوش دیدی تو ت مدافعت ہے، اُس کی مثال بہت کم ملتی ہے۔“ ڈاکٹر نے کہا اور میں نے گردن خم کر دی۔

”ائزیا کا کیا حال ہے.....؟“ میں نے پوچھا۔
”وہ بھی ٹھیک ہیں۔ آپ کی بنت وہ کم متاثر ہوئی ہیں۔ بہر صورت! ہم انہیں بھی ہوش میں لانے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ نرسری! مسٹر فلکس کو ہلکی سی غذا دینے کا بندوبست کرو۔“ ڈاکٹر کے ان الفاظ کے ساتھ میں نے محسوس کیا کہ میں بے حد بھوکا ہوں۔ نرسری، گردن ہلا کر باہر چلی گئی۔ اور پھر وہ خوبصورت برتوں میں اعلیٰ درجے کا سوپ لے کر اندر آ گئی۔ دونوں ڈاکٹر مجھے آرام کرنے کا مشورہ دے کر چلے گئے تھے۔ میں نے اُنھیں کی کوشش کی، لیکن نرسری نے میرے سینے پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

مجھے دلساہ دیتے ہوئے کہا۔ اور پھر اُس نے شیشی دوبارہ میری جانب بڑھا دی۔ ”آپ اسے پی لیں۔ میرے پاس اور موجود ہے۔“

”اوہ..... شکریہ!“ میں نے کہا اور پچھی ہوئی شراب، حلق میں اُنڈیل لی۔ بہر صورت! میں اپنی قوتِ ارادی سے کام لے کر اس وقت تک ہوش میں رہا، جب تک کہ ہلکی کا پڑر زمین پر نہ اُتر گیا۔ لیکن ذہن ساتھ چھوڑ رہا تھا۔ اور آہستہ آہستہ مجھ پر غشی طاری ہو رہی تھی۔۔۔ پھر یہ اندازہ ہی نہ ہو سکا کہ مجھے ہلکی کا پڑر سے کس طرح اُتارا گیا تھا؟ ہاں! جب ہوش دھواں قابو میں آئے تو میں نے محسوس کیا کہ میں ایک گرم بستر پر دراز ہوں۔



”پلیز! لیئے رہے میں آپ کو سوپ پلاوں گی۔“
 ”اوہ..... اس قدر تکلیف کی بھی کیا ضرورت ہے؟“
 ”نہیں جناب پلیز!“ نر نے لجاجت سے کہا اور میں نے مسکراتے ہوئے گردان
 ہلاوی۔ اُس نے میری پشت کے پچھے تکیر کھدا دیا اور پھر چچے سے مجھے سوپ پلانے لگی۔
 ”یوں لگ رہا ہے نر! جیسے میں کئی دن سے بھوکا ہوں۔“
 ”تو اس میں شک بھی کیا ہے جناب.....؟“
 ”کیا مطلب.....؟“
 ”آپ کوتیرے دن تو ہوش آیا ہے۔“
 ”کیا مطلب.....؟“ ایک بار پھر میں اچھل پڑا۔
 ”جی ہاں پورے تین دن تک آپ شدید بے ہوش رہے ہیں۔ اور ڈاکٹر آپ کو ہوش
 میں لانے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔“

”خدا کی پناہ.....!“ میں نے چکلی سے پیشانی مسلتے ہوئے کہا۔ میں، سوچ بھی نہیں سکتا
 تھا کہ میری حالت اس قدر خراب ہو جائے گی۔ بہر صورت! جس شدید سردی کا مقابلہ میں
 نے اور ایریسا نے کیا تھا، اُس کے تحت تو ہمیں مرہی جانا چاہئے تھا۔ تجب کی بات یہ تھی کہ
 ایریسا اب بھی زندہ تھی۔ کافی دیر تک میں حیرت کا شکار رہا۔ نر بار بار سوپ کا چچہ میرے
 منہ میں دیتی رہی اور پھر میں نے پورا سوپ پی لیا۔
 ”مجھے شدید حیرت ہے نر! واقعی، مجھے اندازہ بھی نہ ہو سکا تھا کہ اتنے دن تک بے
 ہوش رہا ہوں۔“

”آپ پر شدید سردی کا حملہ ہوا تھا۔ بہر صورت! اب آپ بالکل تدرست ہیں۔“
 ”ایریسا بھی ٹھیک ہے نا؟“
 ”جی ہاں جناب! وہ بھی بالکل ٹھیک ہے۔“ نر نے مسکراتے ہوئے کہا۔ وہ مقی خیز
 انداز میں مسکرا رہی تھی۔

”کیوں اس انداز میں کیوں مسکرا رہی ہو؟“
 ”اوہ..... نہیں، نہیں سوری!“ نر بوكلا کر بولی۔
 ”بوکلانے کی کیا بات ہے؟ میں تم سے ہرف بھی تو پوچھ رہا ہوں، کیا تمہارے ذہن
 میں کوئی خاص بات آئی ہے؟“

”کچھ نہیں جناب! میرا خیال ہے، آپ میں ایریسا سے بہت متاثر ہیں۔“
 ”اوہ..... نیہ بات ہے۔ ہاں! چلو یہ ٹھیک ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اُس بچاری نے
 میرے ساتھ شدید ترین لحاظ میں کچھ وقت گزارا ہے۔“
 ”بس.....؟“ نر نے شرارت آمیز لمحے میں پوچھا۔
 ”ہاں..... لس! یوں تو میں تمہارے لئے بھی پریشان ہو سکتا ہوں۔“
 ”وہ کیوں جناب؟“ نر بوكلا گئی۔
 ”بھی صرف اس لئے کہ تم، مجھ سے پُر اخلاق انداز میں گفتگو کر رہی ہو۔“ میں نے کہا
 اور اُس کی آنکھیں جھک گئیں۔ عجیب لڑکی تھی۔ کسی مغربی ملک کی لڑکی معلوم ہی نہیں ہوتی
 تھی۔ دیر تک میں اُس کی باقتوں سے لطف انداز ہوتا رہا۔ وہ اپنی ہرادا سے مشرقی لڑکی محسوس
 ہو رہی تھی۔
 تھوڑی دیر بھی نہ گزری تھی کہ ڈاکٹر آگئے۔ انہوں نے مجھے دو نجاشن دیئے اور سو جانے
 کا مشورہ دیا۔
 مزید دو روز تک مجھے آرام کرنا پڑا۔ حالانکہ اب میں خود کو بالکل تدرست محسوس کر رہا تھا
 اور ایسی کوئی بات نہیں تھی، جس سے مجھے کسی تقاضہ وغیرہ کا احساس ہوتا۔ اس دوران
 شافت بھی مجھ سے ملنے آیا تھا۔
 بڑا ہی سور سا آدمی تھا۔ مجھے بے حد پسند آیا تھا۔ ہمیشہ بالیقہ گفتگو کرتا تھا۔ اُس کے
 انداز میں بڑی نرمی اور ملائمت ہوتی تھی۔ اُس نے مجھ سے یہی کہا تھا کہ پہلے میں تدرست
 ہو جاؤں، اس کے بعد معاملے کی گفتگو ہو گی۔ لیکن اس دوران میں یہ سوچتا رہا تھا کہ اُسے کیا
 بتاؤں گا کہ میں وہ نہیں ہوں، جس کی اُسے تلاش تھی؟ یہ ساری گفتگو سننے کے بعد شافت کا
 رو یہ مجھ سے درست نہیں رہ سکتا تھا۔ اور بہر صورت! مجھے اس سلسلے میں کچھ نہ کچھ کرنا ہی تھا۔
 اور میں سوچ رہا تھا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے؟
 بالآخر چھٹے دن ڈاکٹروں نے مجھے بالکل تدرست قرار دے دیا۔ اور میں چہل قدمی کے
 لئے کافی دو رنگل گیا۔ اس علاقے کے بازے میں مجھے معلومات نہیں تھیں۔ لیکن میں نے
 پوچھنے کی کوشش بھی نہیں کی۔ بہر حال! گرافن کے قرب و جوار کا علاقہ ہی ہو سکتا تھا۔ کیونکہ
 ایریسا مجھے اسی طرف لا رہی تھی۔
 اُسی روز میں ایریسا سے بھی ملا۔ اُسے بستر سے اٹھنے کی اجازت نہیں دی گئی تھی۔ مجھے

دیکھ کر وہ پیار بھرے انداز میں مسکرائی۔
”افسوں فلیکس! میں نہیں دیکھنے نہ آسکی۔“
”بھی افسوس مجھے بھی ہے۔“

”تم نے جو کچھ کیا، اُسے ہم لوگ بھی نہیں بھول سکیں گے۔ تمہاری کارکردگی بے مثال ہے۔ میں نے سنا ہے کہ تم نے بم مار کر ہیلی کا پڑ کو متوجہ کیا تھا۔“
”ہاں.....! وہ دو بم، جو تمہارے لباس میں رکھے ہوئے تھے۔“
”بڑی ذہانت کی بات ہے۔ سرافٹ بھی تمہاری ذہانت کے قائل ہیں۔ وہ تو کہہ رہے تھے کہ تم جیسے آدمی کو اور ساتھی بھی ملا چاہئے۔“
میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ البتہ دل ہی دل میں، میں ہنس پڑا تھا۔ اگر میں حققت بتا دوں تو خود ایریا کی کیا حالت ہو؟

”اب بالکل ٹھیک ہونا.....؟“ اُس نے مجھ سے پوچھا۔
”ہاں ایریا!“ میں نے جواب دیا۔

”مجھے ابھی ڈاکٹروں نے اٹھنے کی اجازت نہیں دی۔ بہر حال! چند روز بعد ملیں گے۔ ٹھیک ہو کرتھیں اطراف کی سیر کراؤ گی۔ یہ علاقے بے حد خوبصورت ہیں۔“
”ضرور.....!“ میں نے کہا۔ اور تھوڑی دریتک گفتگو کرنے کے بعد میں، اُس کے پاس سے چلا آیا۔ جس عمارت میں ہمارا قیام تھا، وہ بے حد خوبصورت تھی۔ اور میری رہائش گاہ بھی اعلیٰ قسم کے فرنچیز سے آ راست تھی۔ ہر چیز سے نفاست کا اظہار ہوتا تھا۔ اُس شام چاۓ کی میز پر شرافٹ نے مجھ سے ملاقات کی اور بولا۔

”ہر انسان اپنے طور پر تھوڑا سا خود غرض ہوتا ہے مسٹر فلیکس! حلالکہ ابھی آپ کو ایک ہفتہ اور آرام کرنا چاہئے۔ اور اس دوران ہم تیری ہے کہ آپ کے ذہن پر کوئی بوجھ نہ ہو۔“
”لیکن حقیقت حال عرض کر دوں، کہ یہ ایک ہفتہ مجھے شاک گز رے گا۔“
”میں نہیں سمجھا مسٹر شرافٹ.....؟“

”میں اپنے ذہن کا بوجھ ہلکا کرنا چاہتا ہوں۔“
”اوہ.....سودے کی بات کر کے.....؟“
”ہاں.....میری حکومت کی طرف سے میرے اُپر دباؤ ہے۔ شاید آپ کو یقین آجائے کہ اس وقت دنیا کی تقریباً تمام بڑی حکومتیں ذہنی خلفشار کا شکار ہیں۔ کوئی نہیں جانتا کہ وہ

راز جو آپ کے سینے میں پوشیدہ ہے، کس کس کے لئے خطرناک ثابت ہو؟ اور کون اس کا شکار ہو جائے؟ اس لئے انہوں نے ایک دوسرے سے تعاون نہیں کیا۔ بلکہ اپنے طور پر کارروائی شروع کر دی۔ حالانکہ ہم میں سے کوئی، کسی کا شکار نہیں ہے۔ یہ صرف ایک سیاسی انجمن ہے۔ لیکن اس کے لئے جو کچھ ہو رہا ہے، وہ آپ کے سامنے ہے۔ روئی اس سلسلے میں سب سے زیادہ سرگرم ہیں۔ وہ خیال کرتے ہیں کہ ان کے ہاتھ سے کوئی ایسی اہم چیز نکل گئی ہے، جس کے لئے وہ خوفزدہ ہیں۔ اپنے کام میں سب لوگ سخت ہیں، لیکن سب سے زیادہ جاریت روئی کر رہے ہیں۔“

”ہاں..... مجھے اندازہ ہو چکا ہے۔“

”ایک گزارش کر دوں مسٹر فلیکس! ممکن ہے، کسی حکومت سے آپ کو کوئی اتنی بڑی پیشکش ہو جائے کہ آپ اُس سے زیادہ کا تصور بھی نہ کر سکیں۔ لیکن عین ممکن ہے کہ اس پیشکش میں خلوص کی بجائے دھوکہ دہی ہو۔ آپ سمجھ رہے ہیں نا؟“

”جی ہاں.....!“

”وہ آپ سے کوئی نیا وعدہ کر لیں۔ اور اس کے بعد وعدے پر پورے نہ اتریں، بعد میں آپ کو دھوکہ دینے کی کوشش کریں۔“

”آپ کا خیال درست ہے۔“

”میں، آپ کو یقین دلانے کا کوئی موثر ذریعہ تو نہیں رکھتا۔ لیکن صرف دوستانتہ طور پر کہہ سکتا ہوں کہ میرے اُپر اعتماد کریں۔ اور آپ کو دعوت دیتا ہوں کہ اس راز کی جتنی قیمت آپ طلب کریں، اس کے حصول کے لئے کوئی ایسا سانحٹ ذریعہ اختیار کریں، جس سے آپ کو اطمینان ہو جائے۔ ہم آپ سے تعاون کریں گے۔“

”آپ کے الفاظ میں خلوص ہے۔“

”اور آپ یقین کریں! یہ خلوص برقرار رہے گا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ آپ نے ہمارے ساتھ بھر پور تعاون کیا ہے اور ہمیں دوسروں پر ترجیح دی ہے۔“

”آپ کیا چاہتے ہیں مسٹر شرافٹ.....؟“

”در اصل اس بارے میں گفتگو کرنے کے لئے اور آپ کو اپنے ساتھ یونیکمل تعاون جاری رکھنے کے لئے ایک پورا پیٹل بنادیا گیا ہے۔ اس میں میرا نمبر تیریسا ہے۔ ہمارے دو ائم افران، فائل گفتگو کے لئے کل ہی یہاں پہنچے ہیں۔ میں نے انہیں اطلاع دی تھی کہ

آپ کے ساتھ رابطہ قائم ہو چکا ہے۔
”وہ لوگ آگئے ہیں.....؟“

”ہاں..... مسٹر ہربرٹ اور مسٹر جانس۔ دونوں ہمارے مجھے کے افسر اعلیٰ ہیں۔ اور انہیں پورے پورے اختیارات حاصل ہیں۔ میرا خیال ہے، معاملے کی گفتگو کر لی جائے۔ اور اس کے بعد آپ جتنا وقت طلب کریں گے، ہمیں اعتراض نہ ہو گا۔“

”ٹھیک ہے..... آپ کب یہ گفتگو کرنا چاہتے ہیں.....؟“
”اگر ممکن ہو سکے تو آج ہی رات۔ تاکہ کل وہ دونوں واپس چلے جائیں۔“

”مجھے اعتراض نہیں ہے۔“

”بہت بہت شکریہ! تب آج رات دس بجے ہم کسی مناسب مقام پر گفتگو کے لئے نشست رکھیں گے۔ میں اختیاڑ کرنا چاہتا ہوں۔“

”میں تیار ہوں.....!“ میں نے جواب دیا اور شافت میرا شکریہ ادا کر کے اٹھ گیا۔ میں اپنی رہائش گاہ پر پہنچ گیا۔ لیکن اب میرے لئے لمحہ فکر یہ تھا۔ یہاں تک تو تفریحی سلسلہ شروع تھا۔ لیکن اس کے بعد کیا کرنا چاہئے؟ اذول تو یہ کہ میرے پاس ایسا کوئی راز نہیں تھا۔ دوم یہ کہ اگر میں انہیں بے وقوف بنانے کی کوشش بھی کروں تو کب تک؟ ظاہر ہے، کوئی حکومت اس طرح تو فریب میں نہیں آسکتی۔ مجھے ادا یتگی کرنے سے پہلے وہ پوری تفہیش تو کر لیں گے۔ اور پھر ایسا راز کیا ہو سکتا ہے جس میں ساری کی حکومتیں اس طرح دیکھی گیں؟

اس کے بعد میں نے ایک فیصلہ کیا کہ ان سے گفتگو کروں گا۔ معاوضے کا اندازہ بھی گاؤں گا۔ لیکن اس گفتگو میں راز کی تفصیل نہیں بتاؤں گا اور نہ اس کے لئے معاوضہ طلب کروں گا۔ ویسے یہ زیادہ ٹھوں بات نہیں تھی۔ کیونکہ بات ایسی ہوئی چاہئے تھی، جس سے ان کی بچپن اسی حد تک ہو، جس حد تک وہ چاہتے ہیں۔ بلکہ ممکن ہے، انہیں اندازہ بھی ہو۔ میرا ذہن طویل انجمن کا شکار رہا۔ پھر میں نے خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دیا، جو ہو گا، دیکھا جائے گا.....

رات کو تقریباً ساڑھے نوبجے جبکہ میں ان کے فراہم کردہ گرم کپڑوں میں ملبوس ہو کر تیار ہو گیا تھا، شافت میرے پاس آگیا۔ ”آپ تیار ہیں مسٹر فلکیس.....؟“

”جی.....!“ میں نے جواب دیا۔

”ہم، ہمیں کاپڑ سے چلیں گے۔ گفتگو کے لئے شہر کے نواح میں ایک عمارت کا انتخاب

بیا گیا ہے، جو مناسب ترین ہے۔“
”ٹھیک ہے۔“

”تو پھر چلیں.....؟“ شافت نے پوچھا اور میں نے گردن ہلا دی۔
ہم دونوں باہر نکل آئے۔ ہیلی کاپڑ، عمارت کے لان پر کھڑا تھا اور اس کے نزدیک نکٹ اور چند دوسرے افراد موجود تھے۔ شافت نے مجھے سہارا دے کر ہیلی کاپڑ میں سوار کرایا، پھر خود میرے نزدیک بیٹھ گیا اور پائلٹ نے اپنی سیٹ سنپھال لی۔ ٹھوڑی دیر کے بعد ہیلی کاپڑ اور پائلٹ نے لگا۔ اور پھر وہ سیدھا ہو کر ایک طرف پل پڑا۔

میرے ذہن میں بے شمار خیالات تھے۔ اس وقت مجھے نہایت ذہانت سے اپنا کام انجام بنا تھا۔ شافت بھی میرے نزدیک خاموش بیٹھا ہوا تھا۔ وہ بھی کسی گہری سوچ میں تھا اور ہیلی کاپڑ، فضا میں سیدھا اڑتا چلا جا رہا تھا۔ نجما نے منزل لکنی ڈور تھی؟

یقچے دھندا اور تاریکی کی چادر پھیلی ہوئی تھی۔ یہ منتظر میں بخوبی دیکھ رہا تھا۔ دیر تک ہم سفر کرتے رہے۔ غالباً کافی فاصلہ طے کر لیا گیا تھا۔ کچھ دیر کے بعد ہیلی کاپڑ نے یقچے روشنی کے سکلن دینے شروع کر دیئے۔ یقچے سے اُس سنگل کا جواب مل گیا تھا اور ہیلی کاپڑ یقچے ترے لگا۔ پائلٹ خاصاً ہوشیار معلوم ہوتا تھا۔ ورنہ اس دھندا اور تاریکی میں صحیح جگہ کا لئین کرنا اچھا خاصاً مشکل کام تھا۔

ٹھوڑی دیر کے بعد ہیلی کاپڑ ایک عمارت میں اتر گیا اور شافت، دروازہ کھول کر یقچے اُتر لیا۔ اُس کے پیچھے پیچھے میں اتر آیا تھا۔ اور ہم دونوں اُس سفید عمارت کی طرف پل پڑے اُسی پہاڑی پر واقع تھی۔

مارت خاصی خوب صورت تھی۔ باہر بے پناہ سردی تھی۔ ہم اندر داخل ہو کر سکون کی گئی گہری سانسیں لینے لگے اور شافت نے مسکرا کر میری جانب دیکھا۔

”کیا محسوس کر رہے ہیں مسٹر فلکیس.....؟“

”پچھنہیں..... نارمل ہوں۔“ میں نے جواب دیا۔

”میں تو بڑا تجسس محسوس کر رہا ہوں۔ بہر صورت! آپ کو میرے اعلیٰ افسران کے ساتھ ناکرداری خوشی ہو گی۔“ شافت نے کہا اور ہم دونوں بالآخر ایک ایئر کنڈی یعنی ہاں میں داخل ہائے۔

یہ ہاں خاصے خوبصورت فرنچس سے آ راستہ تھا۔ اور دہاں پر چند افراد بیٹھے ہوئے تھے۔

ہیں کہ پایا تھا کہ اچانک یہ سب کچھ کیسے ہو گیا تھا؟ ذہن سوچنے سے قاصر تھا۔ کاہلوں کی زخم بستر پر پڑا رہا۔ جو ہو گا، دیکھا جائے گا۔ ظاہر ہے کہ کوئی نہ کوئی تو آئے گا۔ اور اس نے بعد سارے راز مجھ پر منکشf ہو جائیں گے۔ لیکن بے چارہ شافت قتل کر دیا گیا تھا۔ بڑا بنا آدمی تھا اور مجھے پسند آیا تھا۔ خاص طور سے اُس کی سبجدیگی میرے لئے پسندیدہ تھی۔ لیکن یہ کیا ہوا تھا..... کیا ہوا تھا؟ کوئی بات سمجھ میں نہیں آئی تھی۔

شاید میرے اوپر نگاہ رکھی جا رہی تھی۔ کیونکہ چند ساعت بعد دروازہ کھلا اور دوآدمی سوت نے ہوئے اندر داخل ہوئے۔ شکل و صورت سے روئی معلوم ہوتے تھے۔ میں نے گھری اسی لی اور انہیں دیکھنے لگا۔ ”آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہے مسٹر فلکیس.....؟“
”ہاں.....!“ میری رگ طرافت جاگ آئی۔
”فرمائیے!“

”مجھے آزادی چاہئے.....!“

”زندگی سے.....؟“ اُن میں سے ایک نے ترکی بہتر کی کہا۔

”جیسے بھی مل جائے۔ تم لوگوں کے گدھے پن سے میں نگ آ گیا ہوں۔ نہ جانے کن وال نے تمہیں یہ ذمہ داریاں سونپ دی ہیں.....؟“

”وہ احمد جلد آپ سے ملاقات کریں گے مسٹر فلکیس! بہر حال! اگر آپ کو کسی چیز کی انتہیں ہے تو ہم جا رہے ہیں۔“

”سنو.....! تمہارے ہاں کھانے پینے کا رواج ہے.....؟“ میں نے پوچھا۔
”کیوں نہیں.....؟“

”تو مجھے بھوک لگ رہی ہے۔ کیا وقت ہو گیا.....؟“
”میں کے دل نج رہے ہیں۔“

”وقت ہے تم پر۔ اور اس کے بعد تم پوچھ رہے ہو کہ مجھے کسی شے کی ضرورت تو نہیں ہے؟“ میں نے دانت پیک کر کہا۔

”تم نہایت بد تمریز انسان ہو۔ لیکن بہر حال! ہمارے مہمان ہو، اس لئے تمہارے ساتھ ملاسکوں نہیں کیا جاسکتا۔“

”اٹاشت تو دیا جا سکتا ہے۔“ میں نے کہا اور وہ دونوں باہر نکل گئے۔ دروازہ، باہر سے بند گیا تھا۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد ناشستہ آ گیا اور میں نے اطمینان سے ناشستہ کیا۔ ایک

شاٹ نے ادب سے انہیں سلام کیا اور پھر مسٹر ہر برٹ اور مسٹر جانس سے میرا تعارف کر لیا۔ دونوں اعلیٰ افران نے میرا خیر مقدم کیا تھا۔ ان کے ساتھ بیٹھے ہوئے لوگ اپنی جگہ سے اٹٹھ کر باہر نکل گئے۔ اب کمرے میں شافت، ہر برٹ، جانس اور میں تھا۔

چند ساعت کے بعد ایک شخص اندر آیا اور اُس نے اندر آ کر مسٹر ہر برٹ سے کہا۔ ”مسٹر ہر برٹ! سارے معاملات درست ہیں۔ اور میں باہر دروازے پر تعینات ہوں۔“

”بہتر.....!“ ہر برٹ نے جواب دیا۔ مجھے بیٹھنے کی پیشکش کی گئی اور پھر ہمارے سامنے شراب کے جگ آ گئے۔ ہم لوگوں نے شراب کے گھونٹ لئے اور ہر برٹ نے میری جانب دیکھ کر کہا۔

”مسٹر فلکیس! ہم زیادہ تفصیلات میں نہیں جائیں گے۔ جو کچھ ہمیں معلوم ہو چکا ہے، وہی کافی ہے۔ میرا خیال ہے، اب ہمیں کام کی گفتگو شروع کر دینی چاہئے۔“

”ٹھیک ہے جناب! مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟“ میں نے جواب دیا اور ہر برٹ نے جانس کی طرف دیکھا۔ جانس نے کوٹ کی جیب سے ایک سگار بکس نکالا اور اُس کے ساتھ ہی لاٹر بھی۔ پھر اُس نے لاٹر سیدھا کیا اور دوسرے لمحے لاٹر سے ٹھیک کی ایک آواز بلند ہوئی۔ شافت کی پیشانی میں سوراخ ہو گیا تھا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ایک لمحے میں یہ کیا تبدیلی رونما ہوئی ہے۔ شافت کے دونوں ہاتھ میز پر تھے اور اُس کا سر، میز سے جا لگا۔ دوسرے لمحے ہر برٹ اور جانس اٹٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ ہر برٹ نے لاٹر کا رونخ میری جانب کر کے بھاری لجھے میں کہا۔

”اگر اپنی جگہ سے جنپش کی یا اگر حلق سے کوئی آواز نکالنے کی کوشش کی تو یہی حرث تمہارا بھی ہو گا.....“ درحقیقت! میں ششد رہ گیا تھا۔ جو کچھ بھی ہوا تھا، خلافِ موقع ہوا تھا۔

دوسرے لمحے، ہر برٹ میری جانب بڑھا اور اُس نے میرے منہ پر ایک زوال رکھ دیا۔ میرا ذہن تاریکیوں میں گم ہو رہا تھا۔ البتہ اتنا میں نے ضرور محضوں کیا کہ ہر برٹ نے باہر رُخ کر کے کسی کو آواز دی اور میں ہوش و حواس کھو بیٹھا۔

ہوش تو آنا ہی تھا۔ اور میں جس کمرے میں موجود تھا، وہاں صرف ایک میز رکھا ہوا تھا۔ باقی کمرہ خالی تھا۔ میری کیفیت زیادہ خراب نہیں تھی۔ بس! کلوروفارم کی بو سے ذہن پر ایک اٹر طاری تھا۔ چند ساعت کچھ سوچتا رہا، پھر چونک کر اٹٹھ بیٹھا۔

جو کچھ ہوا تھا، وہ اتنا غیر متوقع تھا کہ شاید کوئی بھی نہ سوچ سکتا ہو۔ میں بھی ابھی یہ فیصلہ

”تم دونوں اس میک آپ میں کیسے آگئے.....؟“
 ”نہایت آسانی سے..... ہم نے ان دونوں افراد کو اپنے قابو میں کر لیا تھا، جو تم سے
 بات چیت کے لئے آئے تھے۔ اور ان کے میک آپ اختیار کرنے۔“
 ناشتے سے فارغ ہو کر میں آرام سے بیٹھ گیا۔ اور زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ دروازہ پھر
 سے کھلا۔ اور اس بار اندر داخل ہونے والے جانسن اور ہربرٹ تھے۔ دونوں مسکراہے
 تھے۔
 ”اور اس کے بعد تم نے ان لوگوں کا میک آپ کیا اور وہاں بیٹھ گئے۔“
 ”ہاں..... یہی ہوا تھا۔“ جانسن نے جواب دیا۔
 ”ٹھیک ہے..... اب کیا چاہتے ہو.....؟“
 ”شاپایر.....!“ جانسن نے کہا اور ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ ”لیکن تم جھبھلانے ہوئے کیوں
 ہو؟“
 لیکن ہمارا سوال تھا ہے۔ تم نے جب تمام ملکوں کو اس سلسلے میں دعوت دی تھی تو پھر شافٹ
 کی گود میں بیٹھنے کی کیا ضرورت تھی؟“

”اس لئے کہ نہ تو میں نے کسی کو دعوت دی اور نہ ہی کسی کی گود میں بیٹھنے کی کوشش کی۔
 کیا مطلب.....؟“
 ”مطلوب یہ ہے میرے دوستو! کہ تم لوگ واقعی گدھ ہے ہو۔ اور ایک چالاک آدمی، تم
 سب کو حقیقی بنانے کی کوشش کر رہا ہے۔“

”کیا کواس ہے.....؟“ ہر برٹ اپ پھر تم
 ”تم نے اگر تمام ممالک کو اس راز کی خریداری کے لئے دعوت دی تھی فلیکس! تو پھر تم
 شافٹ ہی کی گود میں کیوں بیٹھے.....؟“
 ”باکل درست کواس ہے۔ اور جب تمہیں حقیقت کا علم ہو گا تو تم اپنا سر پیو گے۔“
 ”لیکن مسٹر فلیکس! ہم ان لوگوں میں سے نہیں ہیں جو تمہاری ناز برداریاں کریں گے۔
 ہر راز ہمارے لئے سب سے زیادہ دلچسپی اور اہمیت کا حامل ہے، جس کے حصول کے لئے
 ہم کوشش ہیں۔ اور جب سیدھی انگلیوں سے کھی نہ لکھے تو ہم ٹیڑھی انگلیوں سے کھی نکانا
 جائتے ہیں۔ تم اس تصور کو ذہن سے نکال دو! کہ ہم، تم سے کوئی سودے بازی کریں گے، اور
 اس راز کی کوئی قیمت بھی ادا کریں گے۔ ہاں! یہ دوسری بات ہے کہ رُوسی حکومت اس راز
 سے واقف ہونے کے بعد خود اس کی کوئی قیمت لگائے اور تمہیں پکھ دے دلا دیا جائے۔“

”اس کا جواب دینے سے قبل کچھ اور سوالات کروں گا۔“
 ”کرو..... ضرور کرو! ہمیں کافی فرصت ہے۔“ ہر برٹ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ میں ”خوب..... خوب! لیکن تم کون سے راز کی بات کر رہے ہو ا حق دوستو.....؟“

”بننے کی کوشش نہیں کروں گا، بلکہ میں ہوں ہی چالاک، اور تم لوگ بنے تو قوف۔ سنو!
 کر رہا تھا، جو پہلے تھے۔“

آدمی، اس دوران میرے قریب ہی رہا تھا۔ میں نے اس سے مزید کافی طلب کی اور وہ
 دوبارہ باہر جا کر کافی لے آیا۔

”تم دونوں مجھے کسی سرکس کے مخترے معلوم ہوتے ہو۔“
 ”شاید.....!“ جانسن نے کہا اور ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ ”لیکن تم جھبھلانے ہوئے کیوں
 ہو؟“
 ”تمہارے بارے میں جانتا چاہتا ہوں۔“

”ظاہر ہے، ہم اسی لئے آئے ہیں۔“ ان دونوں نے اپنے اپنے چہرے سے ماسک
 اٹھا دیئے۔ اندر سے دوسرے چہرے نکل آئے۔ اور یہ دونوں روئی تھے۔
 ”اوہ..... تو تم نے شافٹ کو دھوکہ دیا تھا.....؟“
 ”ہاں..... یہی سمجھو! لیکن ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی.....؟“

”کیا.....؟“
 ”اس کے جواب میں صرف ایک بات کہوں گا۔ اور وہ یہ کہ تم سب گدھ ہے ہو۔ ایک
 شافٹ ہی کی گود میں کیوں بیٹھے.....؟“
 ”گدھا وہ تھا، جو تمہارے ہاتھوں مارا گیا۔“

”کون..... شافٹ؟“ جانسن نے پوچھا۔
 ”ہاں..... اُسی کی بات کر رہا ہوں۔“
 ”لیکن کیوں..... وہ گدھا کیوں تھا؟“

”اس کا جواب دینے سے قبل کچھ اور سوالات کروں گا۔“
 ”کرو..... ضرور کرو! ہمیں کافی فرصت ہے۔“ ہر برٹ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ میں ”خوب..... خوب! لیکن تم کون سے راز کی بات کر رہے ہو ا حق دوستو.....؟“

”بننے کی کوشش نہیں کروں گا، بلکہ میں ہوں ہی چالاک، اور تم لوگ بنے تو قوف۔ سنو!
 کر رہا تھا، جو پہلے تھے۔“

اب سے کچھ عرصے پہلے کی بات ہے کہ میں پین میں تھا۔ پین میں میری ملاقات، فلیکس نامی شخص سے ہوئی اور وہ ہوبہ میرا ہم شکل تھا۔ اُس نے مجھے میں ہزار پاؤنڈیش کئے اور کہا کہ میں اُس کی حیثیت سے کچھ کام انجام دوں۔ میں فن لینڈ کا باشندہ ہوں۔ اس دوران پین میں غیر قانونی زندگی گزار رہا تھا اور جھوٹے موٹے جام کرتا تھا۔ چنانچہ میں ہزار پاؤنڈ مجھے بے حد قیمتی محسوس ہوئے۔ تب اُس نے مجھے سوٹر لینڈ بھیجا اور کہا کہ مجھے اُس کا کردار انجام دینا ہے اور ایک ایسے راز کی پبلیکیشن کرنی ہے، جسے وہ فروخت کرنا چاہتا ہے۔ چنانچہ میں اُس کی حیثیت سے یہاں پہنچ گیا اور ایئرپورٹ سے ایریانا می ایک لڑکی نے مجھے انغوائے کر لیا جو سٹریٹ فٹ کی کارکن تھی۔ اُس لڑکی نے ایک ہوٹل میں قیام کرنے کی مجھے دعوت دی اور وہ رات میرے ساتھ گزاری۔ لیکن دوسری صبح میں نے بڑے خلوص سے اُسے کہہ دیا کہ میں وہ نہیں ہوں، جو وہ سمجھ رہی ہے۔ اور اس کے بعد میں وہاں سے چلا آیا اور میں نے ہوٹل کو پکے، میں قیام کیا۔

کوپ کے، ہی میں چند لوگوں نے ایک بار پھر مجھ پر قابو پانے کی کوشش کی اور مجھے گرفتار کر کے لے آئے۔ یہ بھی شافت ہی کے آدمی تھے۔ اس دوران ایک دوسری پارٹی نے بھی مجھ سے رابطہ قائم کیا جس کا تعلق شاید ہالینڈ سے تھا۔

اُس پارٹی نے بھی مجھ سے اس راز کی خریداری کے بارے میں گفتگو کی۔ اور اب میں فلیکس کی چالاکی کو سمجھا۔ مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ فلیکس کوئی ایسا راز فروخت کرنا چاہتا ہے۔ لیکن اس راز میں چونکہ بہت سارے لوگ دلچسپی لے رہے تھے، اس لئے اُس نے یہ کھڑاگ پھیلایا ہے۔ بہر صورت! میں ہزار پاؤنڈ میرے لئے کافی تھے۔ اس کے علاوہ فلیکس نے مجھ سے یہ وعدہ بھی کیا تھا کہ اگر اُس کا کام ہو گیا تو وہ مجھے مزید بہتر رقم کرے گا۔ چنانچہ مجھے کیا اعتراض ہو سکتا تھا؟ جب مجھے شافت کے آدمیوں نے انغوائے کا پاس گرفن پھیجنے کا پروگرام وہ مجھے اپنے پاس لے آئے۔ پھر ان لوگوں نے مجھے شافت کے پاس گرفن پھیجنے کا پروگرام ترتیب دیا اور میں وہاں سے چل پڑا۔

ایریانا ایک عورت اور صاف لڑکی تھی۔ وہ ایک بار پھر دھونکے میں آگئی تھی۔ اور سمجھ پہنچی تھی کہ میں اصلی فلیکس ہوں۔ چنانچہ وہ میرے ساتھ دوستانہ انداز میں سفر کر رہی تھی اور شاید اس وقت تم لوگوں نے ایک بار پھر مجھ پر حملہ کیا اور میں نے ان تمام لوگوں کو ہلاک کر دیا جو مجھے ہلاک کرنا چاہتے تھے، کیونکہ مجھے اپنی زندگی بچانا مقصود تھی۔ تو میرے عزیزو! میں فلیکس

نہیں ہوں۔ اور جس راز کی تم بات کر رہے ہو، مجھے اُس کی کوئی بھنک بھی نہیں مل سکی ہے۔ تلاش کر سکتے ہو تو اصل فلیکس کو تلاش کرو۔ وہ وہیں موجود ہے۔ اُس نے سوٹر لینڈ میں ایک بار مجھ سے رابطہ قائم کیا تھا اور مجھے، میری کارکردگی پر مبارکباد دی۔ مجھے اُمید ہے، تم اسے میری دروغ گوئی نہ سمجھو گے۔“

دونوں رُوئی مجھے خونخوار نگاہوں سے گھور رہے تھے۔ ایک نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ”دیکھو مسٹر! ہمیں تم سے کوئی ہمدردی نہیں ہے۔ اور ہم یہ بات بھی جانتے ہیں کہ تم نے ہمارے بیس قیمتی آدمیوں کو قتل کیا ہے۔ لیکن ہم پھر بھی تمہیں موقع دیتے ہیں کہ وہ راز ہمارے حوالے کر دو اور چالاک بننے کی کوشش مت کرو۔“

”تمہارے خیال میں، میں جھوٹ بول رہا ہوں؟“
”سو فیصد.....!“

”ٹھیک ہے۔ تم اپنی کوششوں کے لئے آزاد ہو۔“ میں نے لاپرواہی سے کہا اور وہ غور بے مجھے دیکھنے لگے۔

”اگر یہ بات ہے تو ٹھیک ہے..... ہم آج ہی تمہیں یہاں سے لے جانے کا بندوبست کریں گے۔ اور اس کے بعد دیکھیں گے کہ تم کس قدر قوت برداشت رکھتے ہو۔“ دونوں کھڑے ہو گئے۔

”سن و دستو! میں تم سے پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ تم اپنی کوششوں کیلئے آزاد ہو۔ لیکن اگر کسی بڑے خارے سے دوچار نہیں ہونا چاہتے اور اس راز کو حاصل کرنا ہی چاہتے ہو تو اس فلیکس کو بھی تلاش کرنے کی کوشش کرتے رہنا۔“
”یکواں مبت کرو.....!“ البرٹ دھاڑا۔

”تمہاری مرضی ہے۔“ میں نے شانے ہلانے اور وہ دونوں باہر نکل گئے۔ میں اطمینان سے کری پا آبیٹھا۔

اُن لوگوں کے انداز سے یہ پتہ چلتا تھا کہ وہ کافی جھنجھلانے ہوئے ہیں۔ اور چونکہ اُن کے بیس آدمی ہلاک ہو گئے تھے۔ اس لئے واقعی اُن کی جھنجھلانہ بھاٹھی۔ اور وہ مجھے چھوڑنے والے نہ تھے۔ لیکن بہر حال! میری بات نے اُن کے ذہن میں خلش پیدا کر دی تھی۔ اور اب وہ اس خیال سے پیچھا نہیں چھڑا سکتے تھے۔

لیکن اُن کی قید سے نکلنے کیا ترکیب کی جائے؟ ویسے وہ تشدید بھی ضرور کریں گے۔ اور

”ہاں.....“ میں اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ اور پھر میں نے لڑکی کے شانے پکڑ کر اُسے بھی انھا لیا اور اس کے بعد میں نے اُس کے ہونٹوں کو اپنے ہونٹوں کی گرفت میں لے لیا۔ میرا خیال تھا کہ لڑکی خوفزدہ ہو جائے گی۔ لیکن اُس نے اس بوسے میں گرم جوشی کا ثبوت دیا اور میں نے بوکھلا کر اُسے چھوڑ دیا۔ لڑکی گرتے گرتے بچی تھی۔

”کیا بلا ہوت.....؟“ میں نے جھنجھلا کر کہا۔

”دل..... لی گوش ہوں۔“ اُس نے بدستور سادگی سے کہا۔

”لی گوش ڈارنگ! ایک بات تاؤ۔“

”جی.....؟“

”میرے بارے میں تمہیں کیا ہدایات دی تھی ہیں؟ دیکھو! سچ سچ بتانا۔ جھوٹ بولنے والے کی میں گروں دبادیتا ہوں۔“

”نہیں..... میں سچ بولوں گی۔ مجھ سے کہا گیا ہے کہ میں تمہیں سچ بولنے پر مجبور کروں۔ تمہیں پیار سے سمجھاؤں کہ وہ لوگ بے حد خطرناک ہیں۔ اور اگر آپ نے سچ نہ بولا تو وہ آپ کو اذیتیں دے دے کر ہلاک کر دیں گے۔“

”تو پھر آپ مجھے پیار سے سمجھائیے مس لی گوش.....!“ میں نے پیار بھرے لبھ میں کہا۔ لڑکی واقعی پیاری تھی۔ معصوم اور خوبصورت.....

”مگر کیسے..... مجھے تو آتا ہی نہیں۔“ اُس نے خود سے کہا، پھر میری طرف دیکھ کر بولی۔

”تو آپ بتا کیوں نہیں دیتے.....؟“

”کیا بتاؤں جان من.....؟“

”یعنی کہ وہ راز..... وہ راز کیا ہے؟..... اوز..... اور کس سے تعلق رکھتا ہے؟“ لڑکی فرورت سے زیادہ بے وقوف معلوم ہوتی تھی اور مجھے ایسی لڑکیاں پسند تھیں۔

”ڈارنگ! میں نے انہیں بتایا ہے کہ مجھے اس راز کے بارے میں کچھ نہیں معلوم۔ اور نہیں میں، وہ شخص ہوں جس کی انہیں حللاش ہے۔“

”میرے باس کا خیال ہے کہ آپ جھوٹ بول رہے ہیں۔“

”اب یہ تمہارے باس کی بے وقوفی ہے۔ میں اس سلسلے میں کیا کر سکتا ہوں؟“

”دیکھو..... مان جاؤ! میں نہیں چاہتی کہ تمہیں کوئی تکلیف پہنچے۔“

”تم واقعی نہیں چاہتیں چاہتیں.....؟“

اب مجھے اُن کے تشدید کا نشانہ بننے کے لئے خود کو تیار کرنا چاہئے۔

فی الحال میری یہ ساری کوششیں بے مقصد ہی تھیں۔ اور ان سے کوئی خاص فائدہ نہیں سکتا ہوں۔ لیکن اگر میں کامیاب ہو گیا تو سیکرٹ پلیس سے نکلنے کے بعد اسے اپنا پہلا بڑا کام سمجھ سکتا ہوں۔

لیکن اب، جب چنس گیا تھا تو پریشان ہونے سے کیا فائدہ؟ چنانچہ میں پُر سکون ہو گیا۔ دوپھر کے کھانے میں ایک لڑکی بھی مدعا تھی۔ چھوٹے قد کی گول مٹولی گڑیا۔ جو کھانے کی

ٹڑالی کے ساتھ آئی تھی اور سیاہ روشن آنکھوں سے مجھے گورہ ہی تھی۔ سے

کھانا لانے والے چلے گئے، لیکن لڑکی بیٹھی رہی۔ اُس کے انداز میں حماقت تھی۔ میں

نے کھانے کی قابیں کھولیں اور لڑکی کی طرف دیکھ کر بولا۔ ”کھانا کھاؤ گی.....؟“

”اگر تم پسند کرو تو.....؟“

”کیا تم بھی کھانے میں شامل ہو.....؟“

”ہاں.....!“ وہ سادگی سے بوٹی۔

”لیکن میں تمہیں کس طرح کھاؤں گا.....؟“

”کیا مطلب.....؟“

”ویسے خاصی لذیذ ڈش ثابت ہو گی۔ کیا نام ہے تمہارا؟“

”لی گوش.....!“ اُس نے جواب دیا۔

”آؤ! کھانا کھاؤ۔“ میں نے کہا اور وہ بڑی سادگی سے کھانے میں شریک ہو گئی۔ کھانے

سے فارغ ہو کر میں آرام کر سی میں دراز ہو گیا اور لڑکی بیوقوفوں کی طرح میرے سامنے آبیٹھی۔

”محترمہ! کیا چاہتی ہیں آپ.....؟“ میں نے منہ بناتے ہوئے پوچھا۔

”میں..... میں تمہیں سمجھانے آئی ہوں۔“ اُس نے جواب دیا۔

”خوب..... تو سمجھائیے!“ میں گھری سانس لے کر بولا۔ ویسے لڑکی کی آواز نے مجھے اور شگفتہ کر دیا تھا۔ میرے دل میں کسی خوف کا شانہ بھی نہیں تھا۔

”آپ..... آپ مشرتوں سے تعاون کریں.....!“

”یہ مشرتوں کون ہیں.....؟“ میں صرف آپ سے تعاون کرنا چاہتا ہوں۔“

”مجھ سے.....؟“

”وو.....!“ اُس نے بُدستور سادہ سے انداز میں کہا۔
 ”تم، اس مجھے کو چھوڑ دو۔“
 ”کیوں.....؟“ اُس نے پوچھا۔
 ”اس مجھے میں عام طور سے برے لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ اور تم اتنی اچھی ہو کہ
 تمہیں برے لوگوں کے درمیان جانا ہی نہیں چاہئے۔“
 ”نہیں، نہیں..... اب تو میری سروں بھی کافی پرانی ہو گئی ہے۔ اور میں اس مجھے کو چھوڑ
 نہیں سکتی۔ لیکن تم، مجھے بتاؤ! کہ کیا تم واقعی فلیکس نہیں ہو؟“
 ”ہاں..... اگر تم سمجھا سکتی ہو ان لوگوں کو تو یہی سمجھاؤ! کہ میں اصلی فلیکس نہیں ہوں۔“
 اصلی فلیکس کوئی دوسرا ہے جو سو شر لینڈ ہی میں موجود ہے۔“ میں نے اُسی مخصوصیت سے
 اُسے جواب دیا۔
 ”اچھا.....“ اُس نے پریشان لمحے میں کہا۔ اور پھر کئی منٹ تک سوچتی رہی۔ پھر اٹھتے
 ہوئے کہنے لگی۔ ”تو..... میں انہیں سمجھا دوں گی۔“
 ”ہاں..... بالکل۔ تم انہیں یہ بات اچھی طرح سمجھا دینا۔“
 ”جاوں.....؟“ اُس نے پوچھا۔

”ہاں، جاؤ!“ میں نے پیار بھرے انداز میں اُس کا گال تپتچپایا اور وہ باہر چل گئی۔
 میرے حلق سے قہقهہ آزاد ہو گیا تھا۔ واقعی بے دوف لوگ تھے۔ سمجھانے کو سمجھا تھا ایک
 مخصوص لڑکی کو۔ میں دیر تک بیٹھا اُسی کی سادگی پر ہستا رہا۔ سیدھی سادھی لڑکی تھی۔ سمجھانے کی
 بجائے سمجھ کر چلی گئی۔ اور اگر وہ بار بار مجھے سمجھانے آتی رہتی تو اس میں کیا حرخ تھا؟ میں
 نے سوچا اور آنکھیں بند کر کے اُسی کری پر دراز ہو گیا۔

نجانے کب تک میں اسی طرح بیٹھا رہا۔ کوئی بھی میرے پاس نہیں آیا تھا۔ اور نہ ہی وہ
 سمجھانے والی آئی تھی، جس کا میں انتظار کر رہا تھا۔ البتہ شام کی چائے ضرور آگئی۔ اور شام
 کی چائے بھی میں نے اُسی رغبت سے پی۔ چائے لانے والے سے میں نے لی گوش کے
 بارے میں پوچھا تھا۔ لیکن اُس نے خاموشی اختیار کی۔ شاید وہ انگریزی زبان نہیں سمجھتا تھا۔
 میں دیر تک بیٹھا چائے سے شغل کرتا رہا۔ اور اس کے بعد وہ شخص ٹرالی لے کر چلا گیا۔
 دفعتہ ہی مجھے محسوں ہوا کہ کوئی گڑ بڑ ہو گئی ہے..... یہ گڑ بڑ میری آنکھوں سے جھانک رہی
 تھی۔ یعنی پلکیں جھکی جا رہی تھیں..... اور آخری خیال میرے ذہن میں یہ تھا کہ اُن لوگوں

”نہیں..... میں نہیں چاہتی۔“
 ”کیوں.....؟“
 ”مجھے کسی پر ٹلم ہوتے دیکھ کر افسوس ہوتا ہے۔“
 ”ویسے ایک بات بتاؤ گی.....؟“
 ”ہاں..... پوچھو؟“
 ”تم یہاں کس حیثیت سے ہو؟“
 ”میں، اپنے مجھے میں ایک رُکن کی حیثیت سے کام کرتی ہوں۔“
 ”سوئزر لینڈ کب آئیں؟“
 ”تھوڑے دن پہلے۔“
 ”اُس سے پہلے کیا کرتی تھیں.....؟“
 ”بس..... آفس میں کام کرتی تھی۔“
 ”گویا تمہیں ان معاملات کا بالکل تجربہ نہیں ہے.....؟“
 ”نہیں..... بالکل نہیں ہے۔“
 ”گویا تم پہلی بار اپنے ملک سے نکلی ہو.....؟“
 ”ہاں.....“
 ”تب، تم ہی بتاؤ! مجھے پیار سے کیسے سمجھا سکو گی؟“
 ”میں..... میں کیا کروں؟ تم ہی بتاؤ!“ وہ دونوں ہاتھ ملنے لگی اور میں نے اُسے اپنے
 نزدیک گھیث لیا۔
 لڑکی نے کوئی ترفض نہیں کیا تھا۔ اُس کا نرم و گداز بدن، میرے ہاتھوں میں آگیا۔ اس
 سلسلے میں وہ واقعی تعاون کر رہی تھی اور میں بھی اپنی تمام ذہنی آنکھوں کو مٹا دینا چاہتا تھا۔
 چنانچہ اس موقع پر لڑکی نے میرا پورا پورا ساتھ دیا۔۔۔۔۔ اور تھوڑی دیر کے بعد میں طبیعت میں
 ایک فرحت سی محسوں کر رہا تھا۔ لی گوش بھی میری آغوش میں پُر سکون نظر آ رہی تھی۔ اُس کے
 چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے، جیسے وہ اس تجربے سے پہلی بار روشنیں ہوئی ہو۔
 ”لی گوش! میں تمہیں ایک مشورہ دوں؟“
 ”مجھے.....؟“ وہ چونک کر مجھے دیکھنے لگی۔
 ”ہاں..... تمہیں۔“

”لیکن..... میں تین دن تک بے ہوش کس طرح رہا؟“ میں نے ہمارا سنتے ہوئے کہا۔
 ”بس..... تمہیں انجکشن دیتے جاتے رہے۔“
 ”بے ہوشی کے انجکشن.....؟“
 ”ہاں.....!“
 ”لیکن..... آخر کیوں؟“
 ”آن کا خیال تھا کہ سفر کے دوران تمہیں ایک بار بھی ہوش میں نہیں آنا چاہئے۔“
 ”سفر کے دوران.....؟“ میں ایک بار پھر اچھل پڑا۔
 ”ہاں..... اور کیا؟“
 ”اور یہ سفر کتنا طویل تھا.....؟“
 ”ہم نے دو دن تک سفر کیا ہے۔ بارہ گھنٹے ہوائی جہاز اور اُس کے بعد سمندری جہاز سے۔“
 ”تو ہم اس وقت کہاں ہیں.....؟“
 ”یہ نہیں بتایا جاسکتا۔“
 ”کیوں.....؟“
 ”انہوں نے منع کر دیا ہے۔“
 ”لیکن اگر میں تمہاری گردن دباوں تو.....؟ کیا تم زبان کھولنے کی بجائے مرن پسند کرو گی؟“ میں نے خونخوار لمحے میں کہا۔
 ”ایک ہی بات ہے۔ وہ سنکون سے بولی۔“
 ”کیا ایک ہی بات ہے؟“
 ”نہ بتانے پر تم مارڈا لوگے اور بتانے پر وہ ہلاک کر دیں گے۔ اب ہم، مسٹر جو شیوف کی تحویل میں دے دیجے گئے ہیں۔ اور مسٹر جو شیوف کا نام ہی موت کی علامت ہے۔ ایک نادیدہ موت کی علامت..... اور اُس کے احکامات، پتھر کی طرح اٹل ہوتے ہیں۔“
 ”یہ جو شیوف کون ہے.....؟“
 ”بس..... اس سے زیادہ اور کوئی اُس کے بارے میں نہیں جانتا کہ وہ ہمارے لمحے کا ایک افسر اعلیٰ ہے۔“
 ”لیکن لڑکی! تم مجھے یہ ضرور بتاؤ گی کہ یہ کون ہی جگہ ہے؟“

نے شاید چائے میں بے ہوشی کی دو امدادی ہے۔ لیکن کیوں.....“ اور اس کیوں کا جواب میرا ذہن نہ دے سکا اور تاریکیوں میں جا سویا۔
 ☆.....☆
 جس طرح میں ان لوگوں کے جاں میں پھنسا تھا، اگر میری جگہ کوئی اور ہوتا تو سخت بد دل ہو گیا ہوتا۔ خاص طور سے اس شکل میں کہ کوئی منافع بخش بات بھی سامنے نہیں تھی اور ابھی تک صرف اندر ہیرے میں تیر پھل رہے ہے۔
 تیری بار جب آنکھ کھلی تو میری طبیعت میں خاصی جھنگلاہٹ تھی۔ میں خاموشی سے اپے بستر پر پڑا رہا۔ اور پھر پہلی شکل مجھے لی گوش کی ہی نظر آئی تھی۔ وہ چوروں کی طرح میرے پاس آئی تھی۔ شاید اُس نے میری کھلی ہوئی آنکھیں نہیں دیکھی تھیں۔
 ”آؤ.....!“ میں نے غرائی ہوئی آواز میں کہا اور وہ کئی فٹ اوپر جھل گئی۔ اُس نے خوفزدہ نگاہوں سے مجھے دیکھا تھا۔ ”تم پھر مجھے سمجھانے آئی ہوگی.....؟“ میں نے ناخنگوار لمحے میں کہا۔
 ”آپ جاگ رہے ہیں مسٹر فلیکس.....؟“
 ”ہاں، لیکن.....؟“
 ”لیکن کیا.....؟“ اُس نے سوال کیا۔
 ”آئندہ مجھے کیم کے نام سے مخاطب کرنا۔“
 ”کیوں.....؟“
 ”اس لئے کہ میرا یہی نام ہے۔“
 ”اوہ فلیکس.....؟“ اُس نے سوالیہ انداز میں کہا۔
 ”جهنم میں گیا وہ سور کا بچہ۔ تم یہ بتاؤ! میں کتنی دیر تک بے ہوش رہا.....؟“
 ”تین دن.....؟“ اُس نے سادگی سے کہا اور میں اچھل پڑا۔
 ”کتنے دن.....؟“ میری آواز میں غراہٹ تھی۔
 ”تین دن..... وہ ٹھوک نکل کر بولی۔“
 ”کس طرح؟ تم جھوٹ بول رہی ہو۔“
 ”ہرگز نہیں..... وہ غصیلے لمحے میں بولی۔“ میں تین دن سے تمہاری تیمارداری کر رہی ہوں۔ تمہارے معدے میں نکلی کے ذریعے گلوکوز پہنچاتی رہی ہوں۔“

"سنو..... بتادینے سے بھی کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ سوائے اس کے کہ میری زندگی خطرے میں پڑ جائے گی۔ اور میرا خیال ہے کہ میں، اُن لوگوں کی ساتھی ضرور ہوں۔ لیکن کسی طور پر بھی آپ کے لئے تکلیف دہ نہیں۔ چنانچہ میرا خیال ہے کہ تم کسی بھی طور، میری زندگی سے کہیں کی کوشش نہ کرو۔" لی گوش نے جواب دیا اور میں خاموش ہو کر اسے دیکھنے لگا۔

دیسے مجھے اس بات پر حرمت تھی کہ میں تین دن تک بے ہوش رہا ہوں۔ اور اتنا طویل سفر کیا ہے۔ ظاہر ہے، یہ لڑکی جھوٹ تو نہیں بول سکتی تھی۔ جس طرح سے وہ کہہ رہی تھی کہ وہ تین دنوں سے میری تیارداری کرتی رہی ہے، اُسے جھوٹ نہیں سمجھا جا سکتا تھا۔ لیکن آخر یہ لوگ، مجھے کہاں لے آئے؟ اس بات پر مجھے شدید جھنجھلا ہٹ ہو رہی تھی۔ بلا وجہ اُن کے پھنسنے میں پھنس کر رہ گیا تھا۔

"اب کیوں آئی ہو.....؟" تھوڑی دیر کے بعد میں نے لی گوش سے پوچھا۔

"آخری بار تم سے یہ کہنے کہ انہیں اُس راز کے بارے میں بتا دو۔ اس کے بعد میرا کام ختم ہو جائے گا۔"

"اور اگر میں تمہارا کام میں ختم کر دوں تو.....؟" میں نے اُسے گھوڑتے ہوئے کہا۔
"تو کر دونا! اس میں پوچھنے کیا ضرورت ہے؟ میں توبے موت ہی ماری جاؤں گی۔"
اُس نے اس معصومیت سے کہا کہ مجھے بے اختیار بھی آگئی۔ میں نے اُس کا شانہ تھپٹھپاتے ہوئے کہا۔

"جاو..... لی گوش! واپس چلی جاؤ۔ میں ایک بار کہہ چکا ہوں کہ میرا نام کیں ہے۔ اگر تم چاہو تو انہیں بتا دینا۔ میں فلیکس نہیں ہوں۔ ورنہ ہی مجھے کسی راز کے بارے میں معلوم ہے۔ اس کے باوجود اگر وہ لوگ مجھے قید رکھنا چاہتے ہیں تو مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔
میں دیکھوں گا کہ وہ لوگ کیا کر سکتے ہیں؟"

لی گوش، چند ساعت کھڑی مجھے گھوڑتی رہی۔ پھر خاموشی سے گردن جھکا کر وہاں سے اچل گئی۔

میں کسی زخمی سانپ کی مانند بل کھا رہا تھا۔ یہاں رکنا تو حماقت کی بات تھی۔ چنانچہ کچھ نہ کچھ کرنا ہی چاہئے۔ میں نے سوچا اور اپنے ذہن میں پروگرام ترتیب دینے لگا کہ اب میں کیا کروں؟ ظاہری بات تھی کہ مجھے سوئزر لینڈ سے کافی دور لے آیا گیا تھا۔ کس علاقے میں.....؟ میں پہنچ کہہ سکتا تھا مگنے ہے کہ یہ روں ہی کا علاقہ ہو۔ اور وہ لوگ مجھے اس

لئے اٹھا لے ہوں کہ وہ راز اگر میں اُن تک نہیں پہنچا سکا تو کسی اور تک بھی نہ پہنچا سکوں۔ دروازہ باہر سے بند تھا اور میں خاموشی سے لیٹا اپنے آئندہ پروگرام کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ پھر میں نے فیصلہ کر لیا کہ اب کوئی نہیں قدم اٹھانا ہی ہو گا۔

تقریباً دو گھنٹے کے بعد ایک بار پھر چند افراد میرے کمرے میں آئے اور انہوں نے مجھے، اپنے ساتھ چلنے کے لئے کہا۔ میں خاموشی سے اُن کے ساتھ چل پڑا۔ فیصلہ یہ کیا تھا کہ دیکھوں تو سہی! یہ لوگ، مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟ میں اُن سے صاف گفتگو کرنے کے موڑ میں تھا۔ اور صاف صاف بتا دینا چاہتا تھا کہ اس کے بعد میرے اور اُن کے درمیان ایک جنگ کا سماں ہوں گا۔ اور پھر میں جو کچھ کر سکوں گا، کروں گا۔ ورنہ وہ تسلیم کر لیں اور اس بات کو جان لیں کہ میں فلیکس نہیں ہوں۔

مجھے ایک بڑے ہال میں پیش کیا گیا تھا، جس کے ایک حصے میں ایک لمبی، یہم دائرہ نما میز پڑی ہوئی تھی اور اُس کے پیچھے چوڑے شانوں والا ایک روپی، خوبصورت تراش کا سوت پہنچنے ہوئے بیٹھا تھا۔ اُس کی آنکھوں پر تاریک شیشوں کا چشمہ لگا ہوا تھا۔ چہرہ اس طرح سے تاریکی میں تھا کہ صاف نظر نہیں آ رہا تھا۔ البتہ اُس کی سرخ ناک، دُور ہی سے دیکھی جاسکتی تھی۔ مجھے اُس کے سامنے لے جا کر کھڑا کر دیا گیا۔ مجھے لانے والے آئٹھ تھے، جو دو حصوں میں بٹ گئے۔

"میرا نام جو شیوف ہے.....؟" اُس شخص نے بھاری لمحے میں کہا۔

"اور مجھے کہتے ہیں مسٹر جو شیوف؟"

"کوئی تم اب بھی تسلیم نہیں کرو گے کہ تم فلیکس ہو.....؟"

"میں اگر فلیکس ہوتا تو تسلیم کر لیتا۔ لیکن میں صورتحال بتا چکا ہوں مسٹر جو شیوف! اور اس امید کے ساتھ آپ کے سامنے آیا ہوں کہ آپ، دوسرا لوگوں کی مانند حماقت کا ثبوت نہیں دیں گے۔ میرا مشورہ ہے کہ آپ، اصلی فلیکس کو تلاش کیجئے۔ مجھے ہے یہ سب کچھ معلوم کرنا حماقت کے سوا کچھ نہیں ہے۔"

میرے لمحے پر جو شیوف کو شاید حرمت ہوئی تھی۔ وہ سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ اس خطرناک وقت میں، میں اتنی بہادری سے بول سکتا ہوں۔ وہ چند ساعت مجھے گھوڑتا رہا۔ پھر اُس نے نہایت زم لمحے میں کہا۔

"اگر یہ بات ہے تو ہم فلیکس کو تلاش کرنے کی کوشش کریں گے۔ لیکن تمہیں، ایک

آخری بات بتا دی جاتی ہے کہ اگر فلکس ہمیں نہ مل سکا، یا ہمیں اس بات کی تصدیق نہ ہو سکی کرتم اصل فلکس نہیں ہوتا ہم، تمہیں نہایت بے دردی سے قتل کر دیں گے۔ اگر وہ راز ہمیں معلوم نہ ہو سکا تو ہم پسند نہیں کریں گے کہ وہ کسی اور کوئی معلوم ہو۔ اس کے بعد جو صورتحال ہوگی، وہ سامنے ہی آجائے گی۔ چنانچہ تم اس چیز کو ذہن میں رکھنا۔

"مجھے منظور ہے سڑھشیوف!"

"ٹھیک ہے..... میں تمہیں اس بات کے لئے مجبور نہیں کروں گا۔ لیکن یہ میرا آخری فیصلہ ہے کہ اگر مجھے، تمہارے بارے میں تصدیق ہو گئی کہ تم فلکس ہو اور تمہارا اصلی نام کیمیں نہیں ہے تو میں، تمہیں کسی صفائی کا موقع نہیں دوں گا۔ ہاں! اگر ہمیں اصلی فلکس مل گیا تو پھر تمہیں یہاں سے باعزت نکال دیا جائے گا۔ لے جاؤ اسے! اور کمرے میں بند کر دو....."

اس نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھ کر نرم لبجھ میں کہا اور آٹھوں آدمیوں نے گرد نیں جھکا دیں۔ انہوں نے میرے شانے پکڑے اور مجھے لے کر باہر آگئے۔

اس بار مجھے اس عمارت میں نہیں رکھا گیا تھا۔ البتہ عمارت سے نکلنے سے قبل میری آنکھوں پر سیاہ رنگ کی پٹی باندھ دی گئی تھی۔ جس سے مجھے کچھ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ پھر شاید کسی بند وین میں مجھے سفر کرنا پڑا۔ وین کافی دریتک ہموار راستے پر دوڑتی رہی۔ اس کے بعد کسی نا، ہموار راستے پر دوڑنے لگی۔ اس سے پتہ چلتا تھا کہ وہ جس راستے پر دوڑ رہی ہے، وہ برقانی ہے۔

وین کا سفر تقریباً دو گھنٹے تک جاری رہا۔ نا، ہموار سڑک پر سفر لرنے سے میرا پورا وجود میں کر رہ گیا تھا۔ ویسے بھی بدن گونا گون ہنگاموں کی وجہ سے کچھ کمزور ہو گیا تھا۔ خاص طور سے اس لئے کہ مناسب غذا نہیں مل سکی تھی۔ بالآخر کسی جگہ وین رُک گئی۔ اور مجھے بازوؤں سے پکڑ کر اٹھا لیا گیا۔

"اب تو میری آنکھوں کی پٹی کھول دو.....!" میں نے کہا۔ لیکن شاید میں گونگے اور بہرے لوگوں کے درمیان تھا۔ میری بات کا کوئی جواب نہیں ملا تھا۔

لیکن ایک مخصوص جگہ پر بیٹھ کر میری آنکھوں سے پٹی کھول دی گئی۔ میرے سامنے بھوکے رنگ کی ایک چیزان میں ترشی ہوئی بوسیدہ سیرھیاں تھیں جن کے کنارے ٹوٹے پھوٹے تھے۔

"اوپر چلو.....!" کسی نے پھٹی پھٹی آواز میں کہا۔ لہجہ روی تھا اور زبان انگریزی۔ میں

نے پلٹ کر دیکھا۔ تقریباً پدرہ افراد میری پشت پر موجود تھے۔ سب کے سب مسلح اور خونخوار۔ کوئی چارہ کار نہیں تھا۔ چنانچہ میں سیرھیاں طے کرنے لگا۔ اور پھر ایک بلند و بالا چبوترے پر بیٹھ گیا جس کے کنارے پر بیلگ نہیں تھی۔ لیکن اُس کے تین اطراف سمندر کا نظارہ صاف کیا جاسکتا تھا۔

..... تو یہ کوئی سمندری علاقہ ہے۔ شاید پرانے زمانے کا کوئی قلعہ جو سمندر کے کنارے واقع تھا۔ چبوترے کے ایک طرف بلند و بالا مینار نظر آ رہا تھا جو کافی چوڑا اور سرخ اینٹوں سے بنा ہوا تھا۔ مینار کے نیچے ایک دروازہ نظر آ رہا تھا۔ وہ لوگ مجھے لئے ہوئے اُس دروازے کی طرف بڑھ رہے تھے۔

ایک بار پھر مجھے سیرھیاں طے کرنی پڑیں۔ مینار کی منزلہ تھا۔ اور ہر منزل میں دروازے تھے۔ بالآخر ہم پانچوں اور آخری منزل پر بیٹھ گئے۔ یہ ایک وسیع اور گول کرہ تھا جس میں ایک بوسیدہ سی چار پائی پڑی ہوئی تھی۔ ایک گول میز بھی تھی، جو سمندر کی نمکین ہواوں سے اپنا رنگ کھو چکی تھی۔ اور ساتھ ہی ایک بیت الخلاء اور بس۔..... باقی کرہ سادہ تھا۔ اور یہی میرا قید خانہ تھا۔

مجھے لانے والوں نے یہاں چھوڑ دیا۔ اور پھر وہ افسر جو انگریزی زبان بول سکتا تھا، کہنے لگا۔ "تمہیں یہاں رہنا ہے۔ اور یہاں سے فرار کا تصور بھی اگر تمہارے ذہن میں آئے تو سوچ لینا کہ موت بالآخر تم تک پہنچ گئی۔"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ پلٹ کر واپس چلا گیا۔ اور میں نے اس انوکھے قید خانے میں گھری سانس لی۔ میں نہیں جانتا تھا، یہاں میری خواراں کا کیا بندوبست تھا؟ اور میں کتنے دن یہاں رہ سکتا تھا؟ لیکن اس سلسلے میں سوال بھی کس سے کرتا؟ میں نے اُس کرے کا جائزہ لیا۔ تین کھڑکیاں بھی تھیں۔ لیکن انسانی قد سے بلند۔ میز پر چڑھ کر ہی ان سے باہر دیکھا جاسکتا تھا۔

میں، میز پر چڑھ گیا۔ میز کافی مضبوط تھی۔ یہاں سے سمندر کے مناظر صاف نظر آتے تھے۔ چھوٹے چھوٹے سفید پرندے فھما میں پرواز کر رہے تھے۔ ویسے یہاں کے ماحول میں گھنٹن نہیں تھی۔

میں ایک گھری سانس لے کر میز سے اتر آیا اور پھر بیلگ پر لیٹ گیا۔ یوں قید خانے میں میرا پہلا دن گزر گیا۔ اُس دن مجھے کھانے کو کچھ نہیں دیا گیا۔

میں رات کو بھی بے سکون رہا اور شدید غصے سے کوئی تارہا۔ یہ تو اچھی بات نہیں ہوئی تھی۔ شاید کہیں کوئی حماقت ہو گئی تھی۔ لیکن کیا حماقت ہوئی تھی؟ میں سوچتا رہا۔ اگر ان لوگوں نے اس کے بعد میری خبر نہ لی تو بڑی مشکل ہو گی۔ خاص طور سے بھوک، پیاس کا مسئلہ۔ رات بھی گزر گئی تا ارباب واقعی نقاہت محسوس ہو رہی تھی۔ دوسرے دن، دوپہر کو نیچے کی منزلوں میں کچھ آوازیں پیدا ہوئیں اور میں انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دری کے بعد دو آدمی نظر آئے جو شین گنوں سے مسلح اور پوری طرح چونا تھے۔ ان کے پیچے دو اور آدمی تھے، جن کے ہاتھوں میں کچھ برتن تھے۔ پانچ ماں آدمی وہی افسر تھا، جو انگریزی بول سکتا تھا۔ ”یہ تمہاری خواراک ہے۔ کم از کم تین دن تک تمہیں یہ خواراک چلانی ہو گی۔ یہاں ہم، تمہارے لئے روزانہ تازہ خواراک مہیا نہیں کر سکتے۔ یہ پانی ہے، جسے تم پینے کے لئے استعمال کرو گے۔ اور یہ کاغذ اور قلم ہے۔ اگر تمہارے ذہن میں آبائے کہ تم غلط راستے پر ہو تو اس پر لکھ کر اس کھڑکی سے نیچے پھینک دینا۔ ہمیں مل جائے گا۔“ اُس نے کہا اور میں نے گرد بن ہلا دی۔

”لیکن ان باتوں سے فائدہ.....؟“ میں نے سوال کیا۔
”فائدہ اور نقصان صرف مسٹر جوشیوف جانتے ہیں۔“
”میں، مسٹر جوشیوف سے ملتا چاہتا ہوں۔“

”تین دن کے بعد..... وہ یہاں موجود نہیں ہیں۔“
”اوہ..... لیکن میں تیس دن یہاں نہیں گزار سکتا۔“
”تب ان دیواروں سے عکرا کر خود کشی کرلو۔“ اُس نے بے رحمی سے کہا اور میں تملک کر رہا گیا۔ لیکن اس وقت کچھ کرنے کے قابل نہیں تھا۔ افرانے والی کا اشارہ کیا اور تمام لوگ واپس چل پڑے۔ درندہ پھر قید کر لیا گیا تھا۔ میں سخت بھوکا تھا اس لئے دوسری باتوں کو بھول کر کھانے میں مشغول ہو گیا تھا۔ نہایت گھٹیا کھانا تھا۔ لیکن بھوک میں سب ٹھیک تھا۔

پانی پینے کے بعد ہاتھ پاؤں میں سستا ہٹ ہونے لگی اور میں لیٹ گیا۔ پھر نینڈ آگئی اور نہ جانے کب تک سویا۔ اس وقت شاید آدمی رات گز بھی تھی جب آنکھ تھلی۔ چاند، آسان کی بلندیوں میں تھا، کیونکہ ایک کھڑکی سے تیز روشنی اندر آ رہی تھی اور چاند، بادلوں کی اوث میں کروٹیں بدل رہا تھا۔ محل کی خاموشی، پانی کے شور سے محروم ہو رہی تھی اور میرے

اندر اکتا ہٹ کا سمندر موجزن تھا۔

تین دن یہاں گزارنے ہیں..... پورے تین دن..... نہ جانے کس طرح..... اس کے بعد میں جوشیوف سے گفتگو کروں گا اور اسے دس روز کے لئے سوٹر لینڈ نے جاؤں گا۔ یہ لوگ بھی کیا دکریں گے۔

اور پھر اس اکتا دینے والی قید کے تین دن پورے ہو گئے۔ جس طرح پورے ہوئے تھے، میں جانتا تھا۔ یہ مختصر عرصہ میری زندگی کا بدترین عرصہ تھا۔ تیرے دن میں نے انہیں یاد دہانی کرائی کہ میں، مسٹر جوشیوف سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں اور انہیں کچھ ضروری معلومات فراہم کرنا چاہتا ہوں۔

یہ خواہش میں نے کاغذ پر تحریر کر کے نیچے گردی۔ اور پھر شدید بے چینی سے جواب کا انتظار کرنے لگا۔ پھر رات ہوئی تو بینار میں کچھ روشنیاں نظر آئیں اور سلح لوگ، میرے کمرے میں پہنچ گئے۔

”چلو.....!“ اُسی افسر نے مجھ سے کہا اور میں نے سکون کی سانس لی۔ اب اس منحوم قید خانے میں واپس آنے سے بہتر ہے کہ دس بیس کو مار کے مر جایا جائے۔ میں اسی خیال کو لے کر ان کے ساتھ اترتا تھا۔

بہر حال! ضرورت سے پہلے کوئی کارروائی کرنا مناسب نہ سمجھی۔ دیکھوں، اگر اسے بے دوقوف بنانے میں کامیاب ہو گیا تو ٹھیک ہے۔ ورنہ پھر دیکھا جائے گا۔

وہ لوگ، اُس چھوٹرے پر آئے۔ اور پھر مجھے اس قلعہ نما عمارت کے ایک اور حصے میں لے گئے جہاں بوسیدہ اور اکھڑے ہوئے پلاسٹر والی دیواروں کا ایک ہال تھا۔ اُس ہال میں چند کریساں پڑی ہوئی تھیں۔ بیڑی لیسپ روشن تھا اور ایک کری پر جوشیوف بیٹھا مسکرا رہا تھا۔ میں اُس کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ مسلح افراد میرے ساتھ چلی رہے تھے اور میں اُن کی تیز آنکھوں سے واقف تھا۔ وہ مجھے کسی کوش کا موقع نہیں دینا چاہتے تھے۔

”بیلودیز!“ جوشیوف نے بگڑے ہوئے بجھ میں کہا۔ ”کیا حال ہے.....؟“

”ٹھیک ہوں.....!“

”..... م..... ا..... ا.....“

”میں نے فیصلہ کیا ہے مسٹر جوشیوف! کہ میں آپ کی بات مان لوں۔ چنانچہ میں معاملات کو طے کرنا بچا ہتا ہوں۔“

”اوہ.....“ جوشیوف نے معنی خیر انداز میں گردن ہلائی۔ ”میں آپ کو اس فیصلے پر مبارکباد دیتا ہوں مسٹر..... لیکن اس کے لئے آپ کی کچھ شرائط ہوں گی.....؟“

”ہاں.....!“

”بیان کریں۔“

”میں، روس کی شہریت طلب کروں گا اور ایک ایسی زندگی، جو مطمئن انداز میں بسر کی جائے۔“

”کیا آپ کسی روئی لڑکی سے شادی کرنا بھی پنڈ کریں گے؟“

”ہاں..... اگر کوئی اچھی لڑکی مجھے متاثر کر سکی تو۔“

”کیا وہ راز آپ کے پاس موجود ہے؟“

”نہیں..... اس کے لئے آپ کو میرے ساتھ سوتھر لینڈ چلا ہو گا۔“

”یہاں بات نہیں بن سکتی.....؟“

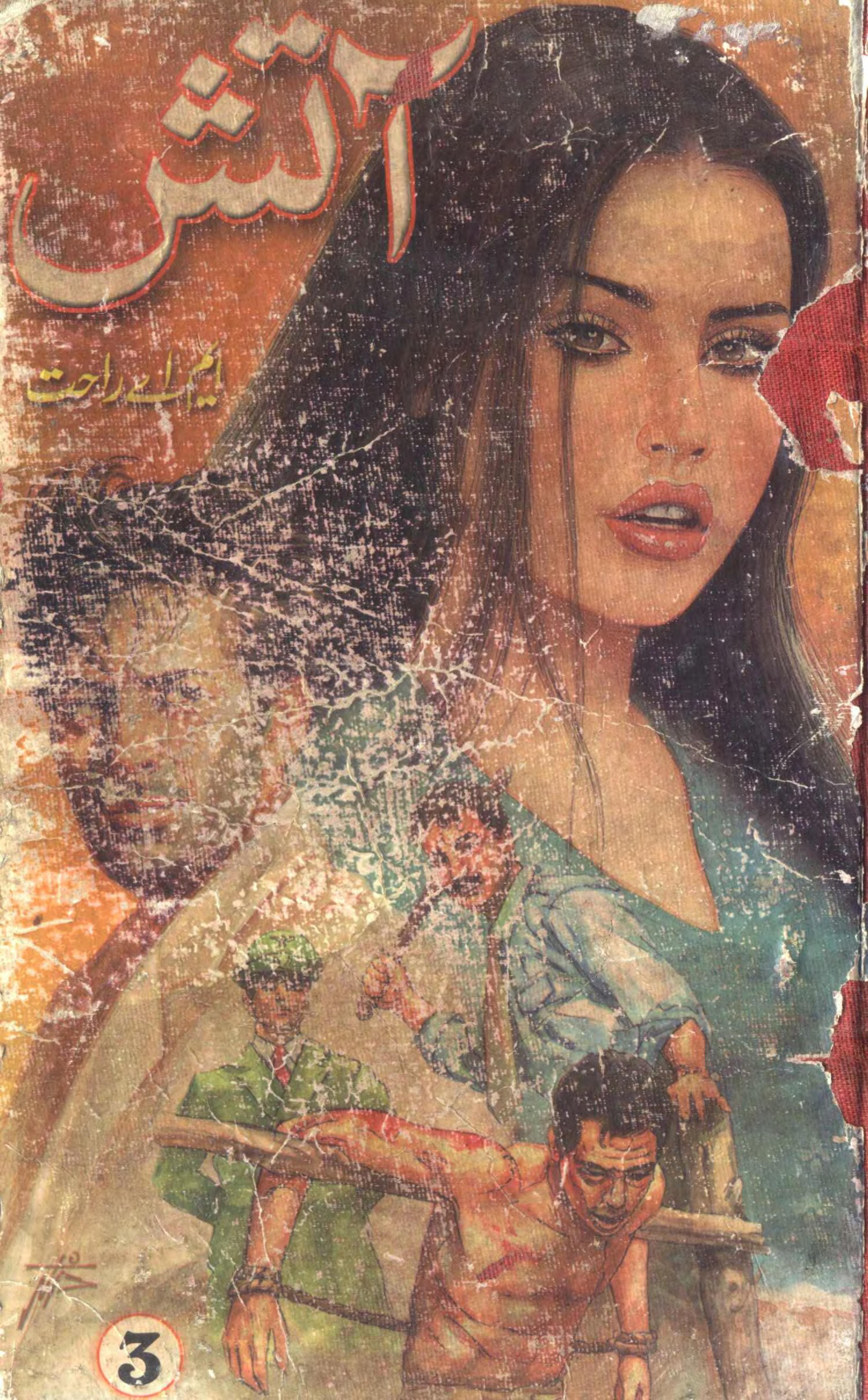
”نہیں.....“ میں نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

”تب تو بڑی دقتیں پیش آئیں گی مسٹر! اور ہمیں یہ شرط منظور نہیں ہے۔“ جوشیوف نے جواب دیا۔

”کیا آپ کو اب وہ راز درکار نہیں ہے؟“

”یہی سمجھ لیں مسٹر..... ہاں! لی گوش نے آپ کا نام کیں بتایا تھا۔ تو مسٹر کیں! ہمیں افسوس ہے کہ اب ہمیں، آپ کی ضرورت نہیں رہ گئی۔ کیونکہ.....“ جوشیوف نے اپنے عقب میں دیکھا۔ اور ایک ہاتھ انھا کر اشارہ کیا۔ چند افراد، تاریکی سے نکل آئے۔ ان کے قبھے میں ایک شخص تھا جو اپنے قدموں سے چل کر ہی آگے آ رہا تھا۔ اور روشنی میں اس کا چہرہ دیکھ کر میں ششد رہ گیا..... یہ میرا ہم شکل تھا.....“ کیونکہ میرا خیال ہے، ہمیں مسٹر فلیکس مل گئے ہیں.....“ جوشیوف۔ نے اپنا جملہ پورا کر دیا۔

کی بلند یوں میں ہوا، یونکہ ایک ہڑتی سے تیز روئی اندر آ رہی ہی اور چاند، بالوں کی“ میں کروٹھن بدل رہا تھا۔ ماحول کی خاموشی، پانی کے شور سے مجروح ہو رہی تھی اور میرے



أيام العدالة

زندگی میں چند لمحات ایسے مسلسلی خیز ہوتے ہیں کہ انسان، خواہ وہ ذہنی طور پر کتنا ہی برتر ہو، خود کو عظیم الحق تصور کرتا ہے۔ اس وقت میری بھی یہی کیفیت تھی۔ فلیکس، میرے سامنے کھڑا تھا۔ وہ بھی اسی انداز میں مجھے دیکھ رہا تھا۔ اُس کی آنکھوں میں بھی حیرت تھی اور جوشیوف کے ہونٹوں پر مصلحہ خیز مسکراہٹ تھی.....

”اب آپ دونوں ہی فیصلہ کریں کہ وہ راز کس کے پاس ہے؟ اور آپ دونوں میں سے کون اصل فلیکس ہے؟ بقیتی سے مسٹر کین ہے بھی اب تسلیم کیا ہے کہ وہ فلیکس ہیں۔ اور وہ راز ہمارے حوالے کرنے پر آمادہ ہیں۔ وہ بھی اُن آسان شرائط پر کہ انہیں صرف روی شہریت دے دی جائے اور مناسب زندگی۔ واہ! کتنی معمولی سی خواہش ہے۔“ جوشیوف، قہقهہ لگا کر بہس پڑا۔

میں نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری تھی۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب میں کیا کروں؟ بہر حال! اگر وہ اصلی فلیکس ہے تو برا اُن کے ہاتھ لگا۔ دفعۃ میں نے ایک ترکیب سوچ لی اور دوسرے لمحے میں ڈچ زبان میں بولا۔ میرا الجہ سرگوشی کا انداز لئے ہوئے تھا۔ ”اگر تم ڈچ زبان سے واقف ہو تو سنو! خود کو فلیکس تسلیم نہ کرو۔ تم کہو؟ کہ ایک شخص تھا، جو تمہارا ہم شکل تھا، تمہیں کچھ رقم دے کر صرف اس بات پر آمادہ کیا ہے کہ تم خود کو فلیکس ظاہر کرو۔ بس! اس سے زیادہ کچھ مت بتانا۔ سمجھے.....؟“

یہ الفاظ میں نے بڑی بڑی نکال کے انداز میں کہے تھے۔ جوشیوف سمجھ گیا کہ میں نے اُس سے کچھ کہا ہے۔ چنانچہ اُس نے بھنویں اٹھا کر پوچھا۔ ”کیا کہا تم نے.....؟“ ”میں میں کہہ چکا ہوں مسٹر جوشیوف! کہ اصلی فلیکس میں ہوں۔ اور راز میرے پاس موجود ہے۔“ میں نے اس انداز میں کہا، جیسے پہلے بولا تھا۔ لیکن اس بار میرے الفاظ واضح تھے۔ میں خود کو خوفزدہ ظاہر کر رہا تھا۔

”اور اس راز کے حصول کے لئے ہمیں تمہارے ساتھ سو سائز لینڈ چلانا ہو گا، کیوں؟“

"ہاں.....!" میں نے بھرائی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

"اور تم کیا کہتے ہو؟ اب کیا تم بھی خود کو فلیکس تسلیم نہیں کرو گے؟"

"آپ جو کوئی بھی ہیں جناب! یقین کریں، میں فلیکس نہیں ہوں۔ میں تو ایک غریب آدمی ہوں۔ ایک مفلس شخص ہے تھوڑی سی رقم دے کر فلیکس بننے کی ہدایت کی گئی تھی۔ میں نے صرف پیٹ بھرنے کے لئے یہ بات تسلیم کی تھی۔" میرے ہم شکل نے کہا اور میں نے سکون کی سانس لی۔ اس کا مطلب تھا کہ یہ شخص ڈچ زبان سمجھتا تھا۔

اُس کے جواب پر جوشیوف کا چہرہ، گہرا سرخ ہو گیا۔ وہ خونوار انداز میں کھڑا ہو گیا اور ہمیں خونی نگاہوں سے دیکھتا ہوا آگے بڑھا۔ "سنو، کتو! اگر تم فلیکس نہیں ہو تو، تمہیں کتنے کی موت مر جانا چاہئے۔ ہمیں تمہاری زندگی سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ کیا تم دونوں مجھے حق سمجھتے ہو؟ تمہاری زندگی کے لئے صرف میں گھنٹے دینے جاتے ہیں۔ اب سے میں گھنٹے کے اندر اندر تم دونوں فیصلہ کرلو! کہ اصل فلیکس کون ہے؟ اور کون مجھے وہ راز دے رہا ہے؟ اگر تم دونوں یہ فیصلہ نہ کر سکے تو میں تم دونوں کو گولی مار کر سمندر میں پھینک دوں گا۔ اور اس کے بعد اصل فلیکس کو تلاش کروں گا۔" جوشیوف کی آواز، برف کی طرح سرد تھی۔ پھر اس نے اپنے ساتھیوں کی طرف رُخ کر کے کہا۔

"انہیں صرف میں گھنٹے کی مہلت دی جا رہی ہے۔ اس کے بعد اگر یہ اپنے آپ کو فلیکس تسلیم نہ کریں تو انہیں گولی مار دینا۔" اُن لوگوں نے ایڑیاں بجائی تھیں اور جوشیوف وہاں سے چلا گیا۔

ہمارے چاروں طرف میں گھنٹے تی ہوئی تھیں۔ اس لئے ہم جنبش بھی نہیں کر سکتے تھے۔ انہیں کے اشارے پر ہم دونوں کو واپس مینار میں لا یا گیا۔ ایک بار پھر میں مینار کا قیدی بن گیا تھا۔ لیکن اس بار تنہائیں تھا۔ میرے ساتھ فلیکس بھی تھا۔ میرا ہم شکل..... انتہائی حیرت انگیز مشاہبہت تھی ہم دونوں میں۔

ہم دونوں ہی ایک دوسرے کی شکلیں دیکھ کر حیران ضرور ہوئے تھے۔ لیکن ابھی تک ہمارا لئے درمیان کوئی خاص گفتگو نہیں ہوئی تھی۔ میرا ہم شکل، میری ہی مانند اس مینار نما قید خانے کی کھڑکیوں سے باہر جاتا تھا۔ اس نے بھی اُسی میز کا سہارا لیا تھا، جس پر چڑھ کر میں نے پہلی بار سمندر دیکھا تھا۔

میں نے اس جائزے کے دوران ایک بار بھی اُسے نہیں ٹوکا، اور پوری طرح اطمینان کر

لینے دیا۔ پھر وہ ایک طویل سانس لے کر گردن ہلاتا ہوا میرے پاس آیا اور ایک بار پھر مجھے دیکھ کر چونک پڑا۔

"تم کون ہو....؟" اُس نے کسی قدر تیکھے انداز میں پوچھا۔ میں خاموشی سے اُس کی شکل دیکھ رہا تھا۔ "کیا تم انگلش نہیں جانتے؟" وہ دوبارہ بولا۔

"جانتا ہوں.....!" میں نے گھری سانس لی۔

"تو پھر میرے سوال کا جواب کیوں نہیں دیا؟"

"سوچ رہا ہوں، کیا جواب دوں؟ میں کون ہوں، اس بارے میں فیصلہ کرنا تو ذرا مشکل ہے۔"

"میک اپ ہے چہرے پر.....؟" اُس نے دوسرا سوال کیا۔

"نہیں..... اب تم اتنے حسین بھی نہیں ہو۔ نہ ہی میرے خوابوں میں آتے رہے ہو کہ میں تمہاری شکل اپنانے کی کوشش کروں۔" میں نے بے باکانہ انداز میں کہا اور وہ، میرے الفاظ پر غور کرنے لگا تھا۔ پھر یک بیک مسکرانے لگا اور ایک آنکھ دبا کر بولا۔

"اس کا مطلب ہے کہ اصلی ہو۔"

"اصلی فلیکس ہرگز نہیں ہوں۔" میں نے جلدی سے کہا اور وہ نہیں پڑا۔

"اصلی فلیکس میں ہوں۔ لیکن مجال ہے، یہ روزی گدھے اسے ثابت کرنے یا کرانے میں کامیاب ہو جائیں؟" اُس نے سینے پر ہاتھ مار کر کہا اور میں گھری نگاہوں سے اُسے دیکھنے لگا آدمی باہم معلوم ہوتا تھا۔

"لیکن وہ لوگ، میں گھنٹے کی وارنگ دے گئے ہیں۔" میں نے کہا۔

"حماقت کا اس سے بڑا بثوت اور کیا ہو سکتا ہے؟ ان گھوٹوں سے پوچھو! کہ یہ میں گھنٹے کس خوشی میں دیے گئے ہیں؟ راز ہی معلوم کرنا تھا! ہمیں کسی سے مشورہ کرنے جانا تھا کیا؟ دیکھو دوست! عمل وہی ہوتا ہے جو فوری اور بروقت کیا جائے۔ جہاں کاہلی اور تسالیں کا شکار ہوئے، مارے گئے۔ اور وہی ناکام لوگ ہوتے ہیں۔"

"خوب....." میں نے دلچسپی سے کہا۔ بہر حال! پتے کی بات کہی تھی اُس نے۔ اور میں نے دل سے سرہا تھا۔ اور جس کی کوئی بات میں تسلیم کرلوں، اُس میں مجھے ایک خاص دلچسپی پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ ایک انوکھی انسیت تھی، جواب میں نے اُس شخص کے لئے محبوں کی تھی۔ یوں بھی ذرا مختلف قسم کا آدمی تھا۔

”کیا خیال ہے تمہارا..... کیا انہوں نے جماعت نہیں کی ہے؟“
”تمہارے الفاظ کی روشنی میں تو کی ہے۔“ میں نے اعتراض کیا۔
”خود تمہارا کیا خیال ہے؟“

”مجھے، یہاں قید ہوئے کافی وقت گزر چکا ہے اور میں فرار کا راستہ بھی نہیں تلاش کر سکا۔
اس لئے میں کوئی ٹھووس بات نہیں کہہ سکتا۔“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”اوہ..... تمہاری بات بھی معمول ہے۔ مگر یا! تم کون ہو؟ اور ان کے بھتے کیسے چڑھے گئے؟ ویسے ایک ترکیب تم نے مدد بتائی تھی اور تمہارا انداز بھی خوب تھا۔ میں نے اسی وقت جان لیا تھا کہ آدمی تم بھی معمولی نہیں ہو۔“

”یہ بھی شکر ہے کہ تمہیں ڈچ زبان آتی ہے۔“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”میں یورپ کی ترقیاتاً تمام زبانیں جانتا ہوں۔ ویسے کیا تم ہالینڈ کے باشدے ہو؟“
”نہیں..... میرا تعلق فن لینڈ سے ہے۔“

”ہاں..... شکل و صورت سے کسی قدر اندازہ ہوتا ہے۔“ اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ ”نام کیا ہے؟“
”کین.....!“

”اوہ، ہاں! جوشیوف نے تمہیں اسی نام سے مخاطب کیا تھا۔“

”خود تم کہاں کے باشدے ہو فلیکس؟“

”مادولت تو انگلیش ہیں۔ پیدا افریقہ میں ہوئے، پروش انگلینڈ میں پائی، تعلیم فرانس میں حاصل کی۔ پہلا قتل کر کے آسٹریلیا بھاگ گئے، پہلا عشق ناروے میں کیا اور شادی ہاگ کانگ جا کر کی، یہوی بچے ایک حادثے کا شکار ہو گئے تو جاپان چلے گئے۔ اور اس کے علاوہ نہ جانے کہاں کہاں۔“ اس نے کہا اور میں بس پڑا۔

”بہر حال! ایک تجربہ ہوا۔ قید میں بھی اگر کوئی دلچسپ اور باہم ساتھی مل جائے تو وقت اتنا برلنہیں لگتا۔“ میں نے کہا۔

”اور مزے کی بات یہ کہ ہم شکل بھی ہو۔“ اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

”ہاں..... یہ اضافی حیثیت ہے۔“

”واقعی، میک آپ نہیں ہے؟“ اس نے میری طرف جھک کر پوچھا۔

”یقین کرلو!“ میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

”تب جیرت انگیز مشاہدہ ہے۔ اُن بے چاروں نے غلط دھوکہ نہیں کھایا۔
”اس شکل کی وجہ سے تو میں بڑی انجمنوں کا شکار ہو گیا۔“ میں نے اُسے ٹوٹنے کی مہم کا آغاز کیا۔

”ہاں..... یقیناً! ان لوگوں نے تمہیں کہاں سے پکڑا؟“

”سوئٹر لینڈ سے۔“ میں نے جواب دیا اور اُس نے بے تحاشہ تقدیر کیا۔

”اوہ، تم بھی وہیں سے پھنسے ہو۔ مگر بھائی! کیسے جا پھنسے تھے؟“

”دب! اقتدار لے اگئی تھی۔ پہنچا تھا سیر و سیاحت کی غرض سے۔ ایسپورٹ پر اُڑا تو ایک خاتون سر ہو گئیں۔ وہ مجھے رسیو کرنے آئی تھیں۔ عورت پرست تھا، اس لئے اُن کا حسن دیکھ کر، اُن کے اس خیال کی تردید نہ کر سکا کہ فلیکس نہیں ہوں۔ ایک حسین رات، اُن کے ساتھ گزار کر صحیح کو میں نے حقیقت حال گوش گزار کر دی۔ سخت چراغ پا ہو گئیں۔ لیکن قصور میرا تو نہیں تھا۔ بہر حال! انہوں نے نکال دیا۔ پھر ایک دوسری پارٹی نے اغا کر لیا۔ انہوں نے بھی مجھے فلیکس سمجھا تھا۔ چنانچہ مجھ سے وہ جرم راز طلب کیا گیا جو ایک طیارے کے حادثے میں میرے ہاتھ لگا تھا۔ یہاں بھی ایک خاتون موجود تھیں جنہوں نے ایک رات میرے ساتھ گزار کر پیشکش کی کہ راز کی فروخت میں انہیں شریک کر لون۔ اور پھر انہوں نے مجھے یہاں سے بھی فرار کر دیا۔ اس کے بعد میں نے کوپ کے، میں رہا۔ اختیار کی۔ اور ایک بار پھر پہلی خاتون پہنچ گئیں۔“

”اوہ..... کیا وہ ایریسا تھی؟“ دفعۂ فلیکس بول اٹھا۔

”ہاں..... بھی نام تھا اُن خاتون کا۔“

”اوہ..... اوہ..... تو تم میرے نام پر عیش کرتے رہے ہو۔ لعنت ہے تم پر.....“ اس نے ہتھیلی پر گھونسہ مارتے ہوئے کہا۔

”محبوري تھی میرے دوست! میں نے ایک بار پھر کسی سے نہیں کہا تھا کہ میں.....“

”ہاں، ہاں..... میں جانتا ہوں۔ میں بھی تو کوپ کے، میں مقیم تھا۔ اور وہیں، میں نے اُن لوگوں کو بلا یا تھا۔ لیکن رُوی پارٹی وہاں پہنچ گئی اور مجھے فرار ہونا پڑا۔“

”خوب..... بہر حال! میں دوبارہ اُن لوگوں کے ہاتھ لگ گیا اور ایک بار پھر وہ مجھے لے گئے۔ اور پھر مجھے مسٹر شافت سے ملانے کے لئے لا یا گیا۔ لیکن گرافن کے راستے میں رُوسیوں نے ہمیں روک لیا۔ شرافت کی حد تک تو ٹھیک تھا۔ لیکن جب وہ گڑ بڑ پر آمادہ ہوئے

تھی۔ لیکن بہر حال! میں نے اُسے ترجیح دی اور پہلے اُس سے بات چیت کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ لیکن اُس کے ساتھ ہی میں نے دوسرے لوگوں کو بھی دعوت دی تھی۔ کیونکہ بہر حال! میں اس راز کی اہمیت سے واقف تھا اور اپنی منہ مالگی قیمت حاصل کرنا چاہتا تھا۔ لیکن یہ اندازہ نہیں تھا کہ وہ لوگ غیر قانونی راستے اختیار کریں گے اور ان کے درمیان اس قدر چیقلش چل جائے گی۔

”خوب.....؟“ میں نے گھری سانس لے کر کہا۔ وہ میرے بستر پر بیٹھ گیا تھا۔ کافی دیر خاموش رہنے کے بعد وہ میری طرف دیکھ کر بولا۔

”تم نے فرار کی کوئی کوشش کی؟“

”جن راستوں سے تم گزر کر آئے ہو، ان میں فرار کی گنجائش پاتے ہو؟“

”弗ار کے لئے باقاعدہ راستے تو نہیں اختیار کئے جاتے۔“

”افسوں! یہاں کوئی بے قاعدہ راستہ بھی نہیں ہے۔“

”بینار کے یہ سوراخ.....؟“

”ان میں سے دو نیچے سینکڑوں فٹ گھرے سمندر کی طرف لے جاتے ہیں۔“

”اور ایک.....؟“ اُس نے پوچھا۔

”یہ اُس چھوٹے کی طرف، جو اتنی گھرائی میں ہے کہ اگر اوپر سے کوئی کوشش کی جائے تو جنم، گوشت کے لوحڑے کے سوا کچھ نہیں رہ جائیگا۔“

”ہوں.....!“ اُس نے پُر خیال انداز میں گردن ہلائی۔ پھر عجیب سی لگا ہوں سے میری جانب دیکھنے لگا اور آہستہ سے بولا۔ ”کچھ اور کھلو گے؟“

”کیا مطلب.....؟“

”اندر سے کیا ہو.....؟“

”مشین نہیں ہوں..... تم دیکھ سکتے ہو۔“

”کرتے کیا ہو؟ زندگی گزارنے کے ذرائع کیا ہیں؟ میں رو سیوں کو بے دردی سے قتل کر دینے والا کوئی معمولی انسان تو نہیں ہو سکتا۔“

”بس..... جائز ذرائع آدمی نہیں ہیں۔ کچھ نہ کچھ کر لیتا ہوں۔ اور سیاحت کرتا رہتا ہوں۔“ میں نے جواب دیا۔

”اچھی زندگی ہے، لیکن خوس نہیں۔ میں نے جرام کی زندگی نہیں گزاری۔ بلکہ ایک

تو میں نے بیس رو سیوں کو قتل کر دیا۔“ میں نے کہا اور فلمیکس آچھل پڑا۔

”کتنے رو سیوں کو.....؟“ اُس نے شدید حیرت سے پوچھا۔

”میں رو سیوں کو۔“

”کچھ کم نہیں کر سکتے؟ میں بہت زیادہ ہیں۔“ اُس نے ہنستے ہوئے کہا۔

”میرے ہاں، ایک ہی حساب ہوتا ہے۔ اس لئے غافل باقوں سے پرہیز کرو۔“ میں نے خشک لبجھ میں کہا۔

”واقع.....؟ اگر یقین کر لوں تو سخت حیرت ہوتی ہے۔ اس طرح تو تم نے انہیں ناقابل تلافی نقصان پہنچایا ہے۔ تم میرے ہم شکل ہونے کے علاوہ اتنے دلیر بھی ہو، اس بات کی خوشی ہوئی۔ خیر! پھر کیا ہوا؟“ اُس نے پوچھا۔

”ان لوگوں سے چھکارہ پالیا۔ لیکن میں اور ایریسا، برف کی وادی میں گرد پڑے۔ جہاں سے شافت، ہمیں ہیلی کا پتھر کے ذریعے نکال کر لایا۔ لیکن پھر شافت کی رہائش گاہ پر رو سیوں نے حملہ کیا۔ شافت کو قتل کر دیا اور یہاں سے میں ان کے ہاتھ لگا۔“

”ہاں..... شافت کی موت کی اطلاع مجھے مل گئی تھی۔ لیکن تفصیل معلوم نہیں ہوئی تھی۔“

”اُسے میرے سامنے گولی ماری گئی تھی۔“

”اُس کے بعد وہ تمہیں یہاں لے آئے؟“

”ہاں..... اور میں نے انہیں بتا دیا کہ میں کون ہوں؟ البتہ اپنی جان بچانے کے لئے میں نے ایک کہانی گھڑلی۔ اور وہی کہانی، میں نے تمہیں ذہرانے کے لئے کہا تھا۔“

”خوب..... ویسے ذہین انسان ہو۔ عمدہ کہانی تھی۔ اُس وقت میرے ذہن میں نہیں آئی تھی۔ لیکن میں نے فوراً اس کی افادیت کو محسوس کر لیا تھا۔ تم بھی خوب انسان ہو کیں! میرے ہم شکل ہونے کے علاوہ ذہین اور ہوشیار۔ اس لئے آؤ! دوستی کر لیں۔“

”ہمارے درمیان صورت کا رشتہ پہلے ہی موجود ہے۔ اس لئے ہم دوست ہی ہیں۔“ میں نے اُس سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ اُس کے ہاتھ میں بے پناہ بختی تھی۔ تھوڑی دیر تک ہم خاموش رہے تھے۔ میں نے کہا۔ ”لیکن تمہارے بارے میں تو مجھے کچھ بھی نہیں معلوم۔“

”تھوڑی سی تفصیل بتا چکا ہوں۔ باقی ضروری نہیں، سوائے اس کے کہ ایک جسم راز میرے ہاتھ لگ گیا تھا۔ بقیہ زندگی، سکون سے گزارنے کے لئے میں نے اُس کی قیمت دصول کرنے کا فیصلہ کیا۔ شافت سے ایک طرح کی شناسائی تھی۔ گو، بھی ملاقات نہیں ہوئی

”تمہارا کیا مودہ ہے؟“

”فرار میں بھی ہونا چاہتا ہوں۔ دیسے ان لوگوں نے زیادتی کی ہے۔ تمہارے مل جانے کے بعد انہیں، مجھے رہا کر دینا چاہئے تھا۔“
”اب تو تم بھی مجھ سے الگ نہیں رہے۔ سنو! ایک پیشکش ہے۔ اور اس کے خلوص پر شک نہ کرنا، ورنہ مزہ نہیں آئے گا۔“
”کہو.....؟“

”میں نے اپنی کمزوریوں کا تم سے ذکر کیا ہے۔ بعض جگہوں پر میں زیادہ پھر تیلا ثابت نہیں ہو سکوں گا۔ وہاں، تم میری مدد کرو گے۔ ہم دونوں یہاں سے فرار کے بعد اس راز کو فروخت کرنے کی کوشش کریں گے۔ اور اس سلسلے میں تم پوری طرح میرے معاون ہو گے۔ راز کی فروخت کے بعد ہم اُس کے تین حصے کریں گے۔ دو حصے میرے، ایک تمہارا..... اور یقین کرو! وہ ایک حصہ اتنی بڑی دولت ہو گی کہ تم ساری زندگی شہزادوں کی مانند بسر کر سکو گے۔“

”ہوں.....ٹھیک ہے۔ لیکن فرار کے لئے کیا ذرا لئے استعمال کرو گے؟“

”پہلے ایک معاملہ طے کرو!“

”چلو.....ٹھیک ہے۔ مجھے منتظر ہے۔“

”مجھے کمزور سمجھ کر فراڈ کرنے کی کوشش تو نہیں کرو گے؟“

”ہرگز نہیں..... لیکن تمہاری کمزوری، میری سمجھ میں نہیں آئی۔“ میں نے اُپر سے تیچ تک گھورتے ہوئے کہا۔

”سب سمجھ جاؤ گے۔ معاملہ طے ہو گیا ہے اب، یا کوئی اور تیچ ہے؟“

”نہیں بھائی نہیں! تم کافی وہی آدمی معلوم ہوتے ہو۔“

”اچھا.....ٹھیک ہے۔ یوں بھی زندگی دوسراے ادھام سے زیادہ قیمتی ہوتی ہے۔“ اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا اور پھر اپنا کوٹ اٹار لیا۔ اس کے بعد قیص کی آستین اُپنی کرنے لگا۔ اس نے اپنا بازو تک برہمنہ کر دیا تھا۔ اور پھر اس نے اپنی ایک انگلی پر دوسرے ہاتھ سے قوت صرف کی اور انگلی اکٹھ کر ہاتھ میں آئی۔

میں حیرت سے اچھل پڑا۔ اس نے انگلی پر سے کھال سی اٹاری تو اندر سے سفید سیل کا ایک سیدھا پاپک نکل آیا جس کے سرے پر چوڑیاں بنی ہوئی تھیں۔ اس نے منکرا کر میری

شریف آدمی رہا ہوں۔ لیکن میرا ایک نظریہ ہے کہ لمبا ہاتھ مارو، اس کے بعد سکون سے بیٹھ کر عیش کرو۔“

”لفظ سکون پر مجھے اعتراض ہے۔ سکون، موت کا نشان ہے۔“ میں نے کہا۔

”ہاں..... لیکن بعض حالات میں۔“ اس نے کسی قدر بد ولی سے کہا اور پھر انھوں کھڑا ہوا۔ اب وہ میری طرف دیکھ رہا تھا۔ پھر ایک عجیب سے انداز میں بولا۔ ”جس راز کے تم تذکرے سن چکے ہو، اُس کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟“

”تھوڑا سا سیرت زدہ ہوں۔“

”کیوں.....؟“

”بات صرف اتنی سی نہیں ہو سکتی کہ کسی نے حکومتوں کو اطلاع دی کہ میرے پاس ایک راز ہے اور حکومتیں دیوانی ہو گئیں۔“

”اوہ..... پھر، اور کیا بات ہو سکتی ہے؟“

”دوڑنے والوں کو خود بھی اس راز کی اہمیت کا اندازہ ہے۔ بلکہ یہ کہا جائے تو بے جانہ ہو گا کہ اُن سب کو اُس راز کے بارے میں بھکل مل گئی ہے۔ بس! تفصیل کے لئے اندر رہے ہیں۔“ میں نے جواب دیا اور وہ خوشی سے اچھل پڑا۔ چند ساعت تعریفی لگا ہوں سے مجھے دیکھتا رہا، پھر بولا۔

”درحقیقت! تم نے خود کو میرے خیال کا اہل ثابت کر دیا ہے۔“

”کون سے خیال کا؟“

”ابھی تم نے سکون سے انحراف کیا تھا۔“ وہ بولا۔

”ہاں..... کیا تھا۔“

”پچھے عرصے قبل میں بھی سکون سے مخرف تھا۔ لیکن میرے اندر پچھے کمزوریاں پیدا ہو گئیں۔ اور اب میں وہ نہیں رہا، جو عام لوگ ہوتے ہیں۔ اس لئے میں ایک آخری کوشش کر سکوں لینا چاہتا ہوں۔“

”ظاہر تو تمہارے اندر کوئی کمزوری نہیں نظر آ رہی۔ اچھے خاصے تدرست و توانا ہو۔“

”ظاہر کی بات ہے نا!“ اس نے مایوسی سے کہا۔ ”میں گھنٹوں کا ایک ایک لمحہ قیمتی ہے۔“

”ہاں..... کچھ کرنا چاہتے ہو تو اس وقت کو فراموش مت کرو!“

طرف دیکھا اور پھر دوسری انگلی اکھاڑ لی۔ میں متھیرانہ انداز میں اُس کی انوکھی کارروائی دیکھ رہا تھا۔ ایک ایک کر کے اُس نے پانچوں انگلیاں اکھاڑ لیں۔ اور ان پر سے کھال کا خول کاوش کس طرح کام آئی ہے۔“
پاؤں میں کیا کیا ہے تم نے؟“ میں نے پوچھا۔

”آؤ! ادھر آؤ..... دیکھو!“ اُس نے اپنی پتلون کا پانچہ اوپر کر لیا۔ اس کے ساتھ ہی اُس نے جوتا اٹار لیا تھا۔ لیکن مجھے صحیح و سالم پاؤں کے علاوہ کچھ نہیں نظر آیا تھا۔ ”اسے یہاں سے پکڑ کر کھینچو!“ اُس نے پاؤں آگے کر دیا۔
میں نے دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر اُس کا پنجہ کھینچا، لیکن کوئی خاص بات نہ محسوس ہوئی۔ ”اوہ..... ذرا قوت صرف کرو!“ اُس نے کہا اور میں نے زیادہ قوت سے اُسے کھینچا تو پاؤں علیحدہ ہو گیا۔ لیکن جو نہیں میرا ہاتھ ڈھیلا ہوا، وہ دوبارہ اپنی جگہ جا لگا۔ یہ ایک انتہائی مضبوط پرنسپ ہے۔ اور اس کی لمبائی چار سو فٹ ہے۔“ اُس نے انکشاف کیا۔
”پرنسپ ہے..... اور اس کی لمبائی چار سو فٹ ہے.....؟“ میں نے سحر زدہ سی آواز میں کہا۔

”ہاں..... یوں سمجھو! کہ پرنسپ کو پنڈلی کے ڈیزائن میں تیار کیا گیا ہے۔ اور یہ تین مرطلوں میں کھلے گا۔ اور رہا پنجے کا سوال تو.....“ اُس نے اپنے ایک ہاتھ سے پنجے پر سے کھال ہٹا دی اور اُس کی جگہ ایک نوک دار بک نظر آنے لگا۔

”کمال ہے۔ واقعی تم مجھے کسی اور دنیا کے انسان معلوم ہوتے ہو۔ یوں لگتا ہے، جیسے تمہیں اس پیویشن کی پہلے سے امید تھی۔“

”بعض اوقات، ہم ایسے ہی کارنا سے سرانجام دیتے ہیں۔ بلکہ یوں سمجھو! کہ تقدیر اسی انداز میں ہماری رہنمائی کرتی ہے۔ لیکن کیا اب تمہارے ذہن میں فرار کا منصوبہ مکمل نہیں ہو گیا؟“

”افسوس! ابھی مجھے تمہاری رہنمائی کی ضرورت ہے۔“ میں نے کہا۔ ”دراصل تمہاری اس انوکھی حیثیت نے میرے اعصاب بlad دیئے ہیں۔“

”خود کو قابو میں رکھو میرے دوست! حواس، سب سے بڑا ہتھیار ہوتے ہیں۔ لیکن اب ایک آخری اور انسانی ہمدردی کی بات کہوں گا۔ میں ایک اپاچ اور بے بس انسان ہوں۔ نہ تو جرام کی زندگی سے واقفیت رکھتا ہوں اور نہ جرم کرنے کی صلاحیت۔ اگر مالی حیثیت سے

میری حیرت کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ پھر اُس نے کلامی کے پاس سے ہتھیلی کا جوڑ اکھاڑ لیا اور اُس پر سے کھال اٹارنے لگا۔ میں نے اب حیرت ترک کر دی تھی اور دلچسپی سے اُس کی کارروائی دیکھ رہا تھا۔ ایک ہلکا ٹائیگر کپ نمودار ہوا تھا۔ اُس نے دونوں پیروں میں پھنسا کر کنال کی چڑیاں اُس میں کس دیں اور پھر اُس کا ہاتھ سمنے جہاں تلاش کرنے لگا۔ اس بار اُس نے بازو ہی اکھاڑ لیا تھا۔ اور اب اُس کا بازو، کندھے کے پاس سے غائب تھا۔ اُس نے بازو کے خول کو جھکا دیا اور اُس میں سے شین گن کا میگزین نکل آیا..... تین سیٹ تھے، جنہیں اُس نے احتیاط سے رکھ دیا۔ اور پھر بازو سے بھی جھلی اٹار دی۔ آخری جوڑ لگانے کے بعد شین گن تیار تھی۔ اُس نے میگزین لگایا اور مسکراتے ہوئے شین گن، میری طرف بڑھا دی۔

”میری طرف سے تمہارے لئے..... وہ بولا۔

”اوہ..... کیا میں تمہاری دونوں ٹانگیں اکھاڑ کر تو پہ بنا سکتا ہوں.....؟“ میں نے متھیرانہ انداز میں پوچھا۔

”نہیں..... صرف ایک ٹانگ۔“ اُس نے جواب دیا۔

”میںک بنا نے کی کیا ترکیب ہے؟“ میں نے پوچھا اور اُس نے ایک قہقهہ لگایا۔

”میں اسلجہ خانہ نہیں ہوں۔ کیا سمجھے؟ میں نے تمہیں، اپنی اس کمزوری کے بارے میں بتایا تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ میں نے اپنے جسم کے ناکارہ حصوں کو بھی کارآمد بنالیا ہے۔“

”میں تمہاری اس عظیم کوشش کو سراہتا ہوں۔“ میں نے خلوص دل سے کہا۔

”شکریہ! تو اب تمہارے پاس اسلجہ موجود ہے۔ اور اب نیچے اترنے کی بات ہے تو اس کا انظام بھی موجود ہے۔ تمہیں جہاز کے حادثے کے بارے میں معلوم ہے ہی پکا ہے۔“

”ہاں.....“
”میرا ایک ہاتھ، ایک پاؤں، اسی حادثے میں ضائع ہو گیا تھا۔ لیکن اس کے بارے

محروم ہو جاؤں تو صرف بھیک ہی مانگ سکتا ہوں۔ اگر تمہارے دل میں بدی آئے تو میرا بے بی پر ترس کھا لینا۔ اور یہ سوچنا کہ تم نیزے ہم شکل ہو۔ میری جگہ بھی ہو سکتے ہو۔“
”میں نہیں سمجھا مسٹر فلیکس؟“

”تم ساری زندگی دولت سیٹو گے۔ لیکن یہ راز، میری بھلی اور آخری پونچی ہے۔ میں اس کے سہارے اپنی اپاچی زندگی گزار سکتا ہوں۔“

”ٹھیک ہے۔“ میں نے جواب دیا۔ اُس کی باتوں سے میرا دل پیچ گیا تھا۔

”چنانچہ کسی مرحلے پر صرف دولت کے بارے میں مت سوچنا۔ مجھے بھی اس عیش کی زندگی کا شریک بنالینا۔ میں تمہارا احسان مندر ہوں گا۔ میں اب بھی پر عزم ہوں اور میں نے تقدیر ہے تو نکست نہیں مانی ہے۔ لیکن اگر تمہارے دل میں، میرے لئے ہمدردی کا کوئی جذبہ نہ رہے تو مجھے قتل ضرور کر دینا۔ نمکن ہے، خود کشی کے مرحلے پر زندگی کی محبت غالب آجائے۔ اور اگر یہ محبت غالب آگئی تو پھر بڑی بے بی کی زندگی گزارنی پڑے گی۔“

”میں اُس کا مقصد سمجھ گیا تھا۔ چنانچہ میں نے اُس کا شانہ تھپھایا۔ اب ہمیں کیا کرنا ہے دوست.....؟“

”اس کے بعد میں تو تمہارے لئے ایک بوجھ ہی ثابت ہوں گا۔ تمہیں میری وجہ سے کافی وقت اٹھانی پڑے گی۔ بہر حال! اس بک کو کسی مناسب جگہ پھنسادو۔ مجھے اپنی پشت ہے لادلو اور پھر اس سوراخ سے باہر چھلانگ لگا دو، جو چبوترے تک لے جاتا ہے۔ اور اس کے بعد صورت حال سنبھالنا تمہاری ذمہ داری ہے۔“

”اوہ.....“ میں نے سوراخ کی طرف دیکھا۔ ہم دونوں بیک وقت نہیں نکل سکتے تھے۔ اس کے لئے سخت ہوشماری سے کام لینا تھا۔ بڑا دلچسپ اور بڑا ہی سنسنی خیز تجربہ تھا۔

”ایک بات بتاؤ فلیکس.....!“

”ہوں.....؟“

”کیا سپرنگ، ہم دونوں کا وزن سنبھال سکے گا؟“

”بہ آسانی.....!“

”کیا بعد میں یہ پھر وہی شکل اختیار کر سکتا ہے، جو تمہاری پنڈلی کی تھی؟“

”ہاں..... لیکن مشکل ہو گا۔ پنج توبہاں اٹک جائے گا۔“

”اوہ، ہاں..... پھر؟“

”میں نے کہانا، کہ میں تمہارے لئے بوجھ بن جاؤں گا۔“ اُس نے پھیکے انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

”دُقُر مرت کرو میرے دوست! پہلے یہ بوجھ، اُس کے بعد میں خود۔ وعدہ کرتا ہوں۔“
میں نے صدقی دل سے کہا۔ اور اُس کے چہرے پر خون دوڑنے لگا۔

پھر ہم زندگی کے اس بھیماںک ترین تجربے کے لئے تیار ہو گئے۔ میں میز پر چڑھ کر سوراخ تک پہنچا اور سوراخ پکڑ کر لٹک گیا۔ میرا لپک دار جسم، سوراخ سے دوسری طرف نکل گیا۔ میں نے گہرائیوں میں جھانکا، کافی پنجے چبوترے کی زمین نظر آ رہی تھی۔ دُور ڈور تک کسی محافظہ کا پتہ نہیں تھا۔ اگر ہوں گے بھی تو بینار کی کسی منزل میں ہوں گے۔ کون سوچ سکتا ہے کہ ان بلندیوں سے فرار کی کوشش کی جا سکتی ہے؟

”کیا صورت حال ہے.....؟“

”ٹھیک ہے.....!“ میں نے جواب دیا۔

”تب پھر تم مجھے پہلے اس سوراخ سے دوسری طرف نکال دو۔ پھر بک، اس سوراخ میں پھنسادینا اور اس کے بعد تم، مجھے پکڑ لینا۔“

”اوے.....!“ میں نے کہا۔ خوف کا ایک ہلاکا سا احساس، جو میرے ذہن میں ان گہرائیوں کو دیکھ کر پیدا ہوا تھا، اب زائل ہو گیا تھا۔ چنانچہ میں نے اُسے سہارا دیا اور آہستہ آہستہ، اختیاط کے ساتھ سوراخ سے دوسری طرف نکال دیا۔ پنجے کے بک کو میں نے سوراخ میں پھنسادیا اور پھر میں بھی کارنس پر نکل آیا۔

اتنی مختصری جگہ دو آدمیوں کے لئے ناکافی تھی۔ لیکن کارنس کافی مضبوط تھی۔ البتہ اس پر پاؤں جمانا مشکل تھا۔ کیونکہ بوتوں کی بیٹت سے پھسل ہو رہی تھی۔ تاہم ایک لمحہ ضائع کئے بغیر میں نے فلیکس کو دبوچ لیا۔ اور اس کے ساتھ ہی فلیکس کا پاؤں پھسل گیا.....

خلا کا خوفناک سفر، آئین واحد میں ط ہو گیا۔ لیکن دماغ بھک سے اڑ گیا تھا۔ پر گنگ کے پہلے مرحلے پر ایک جھٹکا لگا تھا اور فلیکس کے حلق سے کراہ نکل گئی۔ دوسرا جھٹکا اُس سے زیادہ شدید تھا۔ اور تیسرا سب سے زیادہ شدید تھا۔ لیکن ان جھٹکوں نے گرنے کی رفتار، معتدل کر دی تھی اور نہ جانے کس طرح ہم، مختدی زمین پر آئے۔

عقل جیرا تھا۔ اس طرح سفر کرنے کے بارے میں کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ لیکن تکلیف کی شدت سے فلیکس کی حالت خراب تھی۔

"کیا.....ڈیر کین.....جلدی کرو! سپرنگ کا یہ بک نکال دو۔ ورنہ میں مر جاؤں گا۔" وہ گھٹی گھٹی آواز میں بولا اور میں شین گن رکھ کر اس کا بک ٹھونے لگا۔ اگر میں اسے کھونے کا طریقہ پہلے ہی دریافت کر لیتا تو بہتر ہے۔ اس وقت بڑی دقت ہو، ہی تھی اور بک کسی طور نہیں کھل رہا تھا۔

چنانچہ اب ایک ہی ترکیب رہ جاتی تھی۔ میں نے اس پر عمل کیا اور سپرنگ پر نال رکھ کر ٹرائیگر دبادیا۔ سپرنگ ٹوٹ کر کسی خوفناک پرندے کی مانند فضا میں پرواز کر گیا اور اتنی قوت سے واپس جا کر کارنس پر لگا کہ وہ کارنس، جو ہمارے وزن سے نہیں ٹوٹا تھا، ٹوٹ کر نیچے آ رہا۔

اس کے گرنے کی آواز بھی کافی زور دار تھی۔ لیکن اس سے قبل فائر کی آواز بھی کافی تھی۔ مینار کے نچلے دروازے سے دو محافظ نکل آئے۔ لیکن شین گن میرے ہاتھ میں تھی۔ چنانچہ ایک معمولی سی جنگ سے دونوں وہیں ڈھیر ہو گئے۔

فلیکس، تکلیف سے کراہ رہا تھا۔ لیکن میں پہلے قرب و جوار سے مطمئن ہو جانا چاہتا تھا۔ چنانچہ چند ہی ساعت بعد یکے بعد دیگر سے چار آدمی باہر آئے۔ انہوں نے متیرانہ انداز میں دروازے پر پڑی لاشوں کو دیکھا تھا۔ لیکن اس بات سے ناقف تھے کہ چند ہی لمحات میں اُن کی حالت بھی دوسروں سے مختلف نہ ہو گی۔

میں نے اُنہیں بھی بھون کر رکھ دیا تھا..... اور شاید ان چھ افراد کے علاوہ بیباں اور کوئی موجود نہیں تھا۔ فلیکس، بے بسی سے زمین پر پڑا تھا۔ پھر اس نے اپنے الکوتے ہاتھ کے سہارے اُٹھنے کی کوشش کی۔ باہم تھنچ تھا، اُٹھ کر بیٹھ گیا۔

"کیا خیال ہے کیم؟ اگر اور کوئی ہوتا تو اس طرف ضرور آتا۔" اس نے کہا۔

"تمہاری تکلیف کیسی ہے.....؟" میں نے ہمدردی سے پوچھا۔

"اوہ.....ٹھیک ہوں۔ وزن پڑا تھا نا! پچھی کچھی ناگ نگ خاصی تکلیف میں بہے۔ لیکن وقت بات ہے۔ کوئی زخم تو ہے نہیں۔"

"تب تم، اس دیوار کے سہارے بیٹھو! میں ذرا جائزہ لے لوں۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی بیباں موجود ہو اور ہمارے آگے کے سفر کے لئے الجھن بن جائے۔"

"اوے.....!" فلیکس نے کہا اور میں نے اسے اٹھا کر دیوار کے سہارے بٹھا دیا۔ ایک ہاتھ اور ایک پاؤں کا فلیکس بے حد عجیب لگ رہا تھا۔ لیکن شکر تھا کہ وہ ایک ہی طرف سے

پوری طرح ناکارہ نہیں ہوا تھا۔ یعنی اُس کا دیاں پاؤں بیکار تھا اور بایاں ہاتھ۔ فلیکس کو دیوار کے سہارے بٹھا کر میں تیزی سے دوڑتا ہوا بینا میں آیا۔ یہ احساس تہبہ خونگوار تھا کہ میں آزاد ہوں۔ مینار کی نیچے سے اُپر تک کی منزلیں دیکھ آیا، لیکن کوئی موجود نہیں تھا۔ سب سے نیچے کی منزل میں سور تھا۔ اور میں نے اُس کی تلاشی لے ڈالی۔ پانی کا ذخیرہ اور خوراک، وافر مقدار میں موجود تھی۔ پانی کا بندوبست تو کہیں سے بھی ہو سکتا تھا۔ چنانچہ میں نے خوراک کے ڈبے زیادہ سے زیادہ مقدار میں پیک کر لئے اور انہیں پشت پر باندھ کر تھوڑا اس اپنی بھی لے لیا۔ پھر باہر نکل آیا۔ اب میرا رُخ فلیکس کی طرف تھا۔ فلیکس، بے بسی کی تصوری نظر آ رہا تھا۔

مجھے دیکھ کر اُس کی آنکھوں میں زندگی دوڑ گئی۔ ممکن ہے، اُس نے سوچا ہو کہ میں، اسے وہیں چھوڑ کر نکل جاؤں گا۔ کون، کسی کا بوجھ سن جاتا ہے؟ دولت کے لئے زندگی خطرے میں تو نہیں ڈالی جاسکتی۔ لیکن مجھے آتا دیکھ کر ایک بار پھر اُس کی رگوں میں زندگی دوڑ گئی تھی۔

"ہیلو ڈیر! سب ٹھیک ہے۔"

"ان چھ افراد کے سوا بیباں اور کوئی موجود نہیں تھا۔" میں نے خوش دلی سے کہا۔

"یہ تمہاری پشت پر کیا ہے.....؟"

"خوراک کا ذخیرہ، جو ہمارے پدرہ میں دنوں تک کام آ سکتا ہے۔ ظاہر ہے، ہماری نکل، حکومت سے ہے۔ اور فرار زیادہ عرصے تک چھپا نہیں رہے گا۔ چنانچہ ہم سفر کے ایسے راستے اختیار کریں گے کہ ہم حکومت کی نگاہ میں نہ آ سکیں۔"

"تم ذہین بھی ہو اور پھر تیل بھی۔ میرا خیال ہے، تم بہتر طور پر سوچ سکتے ہو۔"

"فی الحال! ہمیں بیباں سے چلانا چاہئے۔" میں نے کہا اور فلیکس دیوار کے سہارا لے کر اُٹھنے لگا۔ لیکن دوسرے لمحے میں نے جھک کر اسے شانوں پر اٹھا لیا۔ فلیکس نے کچھ نہیں کہا تھا۔ میں اسے لئے ہوئے باہر جانے والے راستے پر چل پڑا۔

"فلیکس! میں نے اسے آواز دی۔"

"ہوں.....!"

"یہ گن، تم سنبھال لو! جہاں ضرورت پیش آئے، تم اسے استعمال کرنا۔ یہ زیادہ بہتر رہے گا۔" میں نے کہا اور گن، فلیکس کے ہاتھ میں تھا دی۔ "تمہیں دقت تو بہت ہو گی۔ لیکن

”ہاں! یہ تو درست ہے۔ لیکن.....“ فلیکس کے لبھ سے گلرمندی عیاں تھی۔“

”لیکن کیا.....؟“

”یہ بلندیاں، دُشوار گزار ہوں گی۔ اور ہم یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ ان کے دوسری طرف کیا ہے؟“ فلیکس نے جواب دیا۔

”اوہ..... ڈیر فلیکس! اس کی پروادہ مت کروا جو ہو گا، دیکھا جائے گا۔“ میں نے بے قدری سے کہا۔ وحیقت! اس قید سے آزادی کے بعد اب مجھے کوئی فکر نہیں تھی۔ فلیکس یوں بھی مجھے مطلوب تھا۔ لیکن اب تو اس کے لئے دل میں ہمدردی بھی پیدا ہو گئی تھی۔ راز کا کچھ بھی بنے، میں اُسے زندگی کی وادیوں میں لے جانا چاہتا تھا۔ چنانچہ میں برق کی طرح چڑھائی چڑھنے لگا۔ فلیکس بہر حال! ایک تنومند انسان تھا اور اُس کا وزن بھی کافی تھا۔ لیکن میرے اندر ایک جذبہ کام کر رہا تھا۔ وحیقت! جذبے نہ جانے کون کون سی قوتوں کو جنم دیتے ہیں۔

ان بے پناہ بلندیوں نے مجھے نہیں تھکایا۔ یہاں تک کہ خود فلیکس میرے کندھوں پر بیٹھا بیٹھا تھک گیا۔ اور پھر اُس کی پیشام آواز سنائی دی۔ ”کیم ڈیر!“

”فلیکس ڈیر!“ میں نے اس کے لبھ کی نقل اُتاری۔

”کافی دیر ہو گئی ہمیں سفر کرتے ہوئے۔ میرا خیال ہے، اب تھوڑی دیر آرام کر لینا چاہئے۔“

”ابھی نہیں فلیکس! ہم بلندیوں کے اس طرف ہیں۔ قلعے پر سے ہمیں دیکھا جا سکتا ہے۔ میں چوٹی کے دوسری طرف پہنچ کر ہی دم لوں گا۔ تاکہ ہم اُن کی نگاہوں سے اوچھل ہو جائیں۔“

”اوہ..... لیکن چوٹی ابھی بہت دور ہے۔“

”میں اس جدو جہد کو کوئی تحفظ دے کر ہی دم لینا چاہتا ہوں۔“ میں نے کہا اور ففتر تیز کر دی۔ فلیکس، خاموش ہو گیا تھا۔

”تم جسمانی طور پر غیر معمولی صلاحیتوں کے مالک ہو۔“ تھوڑی دپر کے بعد اُس نے کہا۔ میں نے اس کی آواز میں کپکاپہٹ محسوس کر لی تھی۔

”تھمیں شاید سردی لگ رہی ہے؟“ میں نے پوچھا۔

”ہاں..... کیا تمہیں اس ٹھہرنا کا احساس نہیں ہو رہا؟“

یہ میں نے اس لئے کیا ہے کہ میں تمہیں ایک باتھ سے بہت سے کام کرتے دیکھ چکا ہوں۔“

”ہاں..... میں یہ آسانی سے کر لوں گا۔“ فلیکس نے کہا۔

بالآخر میں اُسے سنبھالے ہوئے عمارت سے باہر آ گیا۔ عجیب بات تھی۔ یہاں ان لوگوں کے علاوہ اور کوئی تھا، ہی نہیں۔ ضرورت ہی نہیں سمجھ گئی ہو گی۔ یوں بھی چاروں طرف برف کے دیرانے نظر آ رہے تھے۔ اس قلعے کے علاوہ اور کوئی عمارت نہیں تھی۔ اور نہ ہی ایسے نشانات پائے جاتے تھے۔ براپر ہوں منظر تھا۔ باقی تین اطراف، سمندرِ موجیں مار رہا تھا۔

”کاش! ہمارے پاس سمندری سفر کا کوئی بندوبست ہوتا۔“ میں نے کہا۔

”میں بھی یہی سوچ رہا تھا۔“

”بہر حال! کوئی حرج نہیں ہے۔ پوری زندگی ہی جدو جہد ہے۔ ہم ضرور یہاں نے نکل جائیں گے۔ تم ماہیں تو نہیں ہو؟“

”ماہیں نہیں، شرمندہ ہوں۔ کاش! میں، تمہارے کندھوں کا بوجھمنہ ہوتا۔“

”اس سلسلے کی یہ ہماری آخری گفتگو ہوئی چاہئے فلیکس! میں اسے اپنے خلوص کی تو ہیں گردانتا ہوں۔“ میں نے خشک لبھ میں کہا۔

”اوہ..... اچھا، اچھا! میں خیال رکھوں گا۔“ فلیکس جلدی سے بولا۔ پھر میں نے ایک سمت اختیار کر لی۔ میری نگاہیں، برف پر جھی ہوئی تھیں۔ اور میں یہ اندازہ لگا رہا تھا کہ یہاں آمد و رفت کے لئے کون سارا ستہ استعمال ہوتا ہے؟ اس راستے سے پچنا ضروری تھا۔ کسی حد تک اندازہ ہو گیا تھا۔ گو، برف نے نشانات مٹا دیئے تھے۔ بہر حال! میں نے اس راستے کو چھوڑ دیا اور ایک بلندی کی جانب بڑھنے لگا جس کے ڈھلوان برف ہی کے تھے۔

”کیا تم نے راستے کا کوئی خاص تعین کیا ہے کیم؟“ فلیکس نے کہا۔

”نہیں..... لیکن کیا تم اس بارے میں کوئی مدد کر سکتے ہو؟“

”افسوں، نہیں! مجھے ایک بندگاڑی میں یہاں لاایا گیا تھا۔“

”پکھا ایسی ہی کیفیت میری تھی۔“

”پھر تم نے ان بلندیوں کا راز کیوں کیا ہے؟“

”حفظ ماقدم کے طور پر..... دوسرا راستہ اُن کی گزر گا ہے۔ اور رُوئی بڑے سخت گیر ہوتے ہیں۔ اگر ہم دیکھ لئے گے تو پھر وہ ہم سے کوئی سوال نہیں کریں گے۔“

”نہیں..... اس کی وجہ یہ ہے کہ تم ساکت ہو، جب کہ میں چل رہا ہوں۔ مشقت نے میرے جسم میں گرمی پیدا کر دی ہے۔“

”ساکت ہونے کے بعد تمہیں سخت خفاظت کی ضرورت ہے۔ ورنہ سردی لگ جائے گی۔“ فلیکس نے فکر منداش مشق انداز میں کہا اور میں مسکرانے لگا۔

برف کی بلندیاں طے ہوتی رہیں..... اور پھر دفعہ نمبر فلیکس بڑھا لیا۔ ”کین! کیا تم بادلوں کے اس غول کو دیکھ رہے ہو، جو اپنے اندر سیاہی سمیئے اور چڑھ رہا ہے؟“

”نہیں.....“ میں نے رُک کر کہا اور اسے سہارا دے کر گردان اٹھائی۔ سیاہ ہمیں بادلوں کے ذل کے دل جمع ہو رہے تھے۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے کہیں خوفناک آگ لگ گئی ہو اور دھوئیں کے پھاڑ بن رہے ہوں۔

”یہ بادل خطرناک بھی ثابت ہو سکتے ہیں۔“ میں نے پرتوش انداز میں کہا۔

”ہاں! اگر بارش ہو گئی تو کہیں پناہ نہیں ملے گی۔“ فلیکس پریشانی سے بولا۔ بہر حال! میں رُک کا نہیں۔ البتہ اب میں نے رفتار کافی تیز کر دی تھی۔ بلندیاں دشوار گزار تو نہیں تھیں لیکن بہر حال! چوٹیاں کافی بلند تھیں۔ اور میں اس کا آدھا سفر طے کر چکا تھا۔ اتنے وزن کو لے کر یکساں رفتار سے چڑھتے رہنا معمولی بات نہیں تھی۔

بادلوں کی سیاہ فوج نے پھاڑوں کی طرف کوچ کرنا شروع کر دیا۔ اور خطرہ، سر پر آتا گیا۔ اور پھر اچانک بجلی بھی چمٹنے لگی۔ رُک ایسی خوفناک تھی کہ بر قافی تو دے بھی جگہ چھوڑنے لگے۔ سرد ہوا میں، طوفان کی شکل اختیار کر چکی تھیں اور ان کے تھیڑے، ہمارے جسموں پر کوڑوں کی طرح پڑ رہے تھے۔

..... اور پھر بارش شروع ہو گئی..... ایسی طوفانی بارش تھی کہ بس! انداز نہیں کیا جاسکتا تھا۔ ابتدائی چھینٹوں میں ہی ہمارے کپڑے شرابوں ہو گئے اور میرے کندھوں پر بیٹھا ہوا فلیکس، سردی کی شدت سے کاپنے لگا۔

”کین ڈیر!“ اس نے مخصوص انداز میں کہا۔ ”بہتر ہے کہ مجھے اُتار دو۔ ورنہ میں گر پڑوں گا۔“

”لیکن ہم قیام کہاں کریں گے؟“ میں نے چیخ کر کہا۔ بارش اور ہواوں کے شور سے کان پر ڈی آواز نہیں سنائی دیتی تھی۔

”یہیں رُک جانا بہتر ہو گا کین! تار کی پھیلتی جا رہی ہے۔ ہر قدم خطرناک ثابت ہو گا۔“

”ہم نے کوہ پیتاں کے جو تے بھی نہیں پہن رکھے ہیں۔“ فلیکس نے کہا۔

لیکن فلیکس کی بات مجھے ہضم نہیں ہو رہی تھی۔ اس طرح کھلے علاقے میں بیٹھ جانا سخت خطرناک تھا۔ بھلا ہم بارش سے کس طرح مقابلہ کر سکتے تھے؟ میں کسی پناہ گاہ کی تلاش میں تھا۔ ممکن ہے، آگے بڑھنے پر کوئی پناہ مل جائے۔ فلیکس کو اُتار نے کا مطلب یہ تھا کہ ہمیں بیہیں رکنا پڑے گا۔ چنانچہ میں بڑھتا گیا۔

چوٹی پر بارش کی شدت اور بڑھنے لگی۔ بادل گر جتے تو پھاڑیاں ہل جاتیں اور قدم جمانے مشکل ہو جاتے۔ آوازیں اس قدر بھیانک ہو گئیں کہ کان سائیں سائیں کرنے لگے۔ ہر لمحہ پہلے لمحے سے زیادہ خطرناک ہوتا جا رہا تھا۔

”کین! رُک جاؤ۔۔۔ بیہیں کہیں پناہ لے لو۔“ فلیکس کی آواز مشکل سے نکل رہی تھی۔ ”ہم اب ڈھلوانوں پر ہیں فلیکس! ممکن ہے کوئی ٹیلہ مل جائے۔ کھلے علاقے میں پناہ لینا بھی تو.....“ اچانک میں خاموش ہو گیا۔ مجھے یوں محض ہوا تھا، جیسے آگے کچھ ہو۔ بارش کی تیزی اُول تو آگھیں ہی نہیں کھولنے دے رہی تھی۔ پھر آگھیں کھلتیں بھی تو کچھ نظر آنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔

چنانچہ میں نے دونوں ہاتھوں سے ٹولا اور میرے ہاتھ کسی چیز سے ٹکرائے۔ آہ! کوئی ٹیلہ۔ تھا۔ میں نے چیخ کر فلیکس سے کہا۔ ”کچھ دیکھ رہے ہو فلیکس؟“ ”کیا..... کچھ بھی تو نظر نہیں آ رہا۔“ اس نے کہا۔ تب میں نے فلیکس کو بھر پور سہارا دے کر نیچے اُتارا۔ میرے شانے جم گئے تھے۔ جنم جس پوزیشن میں تھا، اکڑ کر رہ گیا تھا۔ اور پر سے بھیگا ہو ابدن اور سرد ہوا میں.....

لیکن اس تمام مشقت کا پھل بھی مل گیا۔ یہ ایک ایسی محفوظ چیز تھی جو تین طرف سے ڈھکی ہوئی تھی اور اندر سے کھوکھلی تھی۔ اس وقت اس سے بہتر پناہ گاہ نہیں تھی۔ میں مزید انتظار کئے بغیر غڑاپ سے اندر چلا گیا۔ اور اندر کاطمیناں کر کے میں نے فلیکس کو بھی اندر کھینچ لیا۔

”ارے..... ارے..... یہ.....“ فلیکس متھیرانہ انداز میں بولا۔ ”یہ کیا ہے؟ یہ جگہ کہاں سے مل گئی؟“

”یہ سب بعد میں سوچنے کی باتیں ہیں فلیکس!“ میں نے تھکے تھکے لجھے میں کہا اور فلیکس، گھری گھری سائیں لینے لگا۔

”خدا کی پناہ! بارش ہے کہ قیامت..... اور پھر ہواؤں کے جھٹڑ۔ آہ..... میرے دوست!

تمہاری کیا حالت ہے؟ بلاشبہ! میں تمہیں دنیا کا طاقتور ترین آدمی کہہ سکتا ہوں۔ تم نے اپنے پشت پر اتنا بوجھلا د کرتی بلند یوں تک سفر کیا ہے؛ یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ اور پھر بوجھ بھی انسانی بوجھ۔ ایک زندہ انسان کا بوجھ انھا کس قدر مشکل کام ہے؟ مجھے اس کا پورا پورا احساس ہے۔“ فلیکس نے کہا۔

”اوہ، ڈیر فلیکس! مجھے خوشی ہے کہ تمہاری مدد کر سکا۔ ورنہ تمہیں خاصی مشکلات پیش آتیں۔ ہر حال! چھوڑو ان یا توں کو۔ یہ بتاؤ! کچھ سکون محسوس کر رہے ہو یا نہیں؟“

”سکون..... بے پناہ بخت طوفانی ہواؤں کے تھیڑوں اور بارش سے تو نجات مل گئی لیکن کیا، ہمارا یہ ٹھکانہ دیر پا ہے؟“ فلیکس نے سوال کیا۔ اور میں دونوں ہاتھ پھیلا کر اس پہاڑ گاہ کو ٹوٹ لئے لگا۔

مضبوط چٹان تھی۔ چھت بھی خاصی مضبوط تھی اور نیچے بھی نہ جانے کتنی برف، دفن تھی۔ چنانچہ میں نے اطمینان کی گہری سانس لے کر کہا۔ ”ہاں فلیکس! اور یہ صرف اتفاق ہے کہ ہمیں اتنی عدمہ جگہ مل گئی ہے۔ کیوں..... ہے نا؟“

”ضرور میرے دوست! تب پھر ہم یہاں پر خاصا وقت گزاریں گے اور کل دن کی روشنی میں ہم یہاں سے نیچے جانے کی کوشش کریں گے۔“

”ٹھیک ہے۔ لیکن میرا خیال ہے، یہ جگہ ہمارے لئے خاصی خطرناک ثابت ہو سکتی ہے۔ اگر ہم، رات بھراں ویران اور خطرناک مقام پر رکے رہے تو کل صبح ہماری لاشیں ہی نظر آئیں گی۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ ہماری لاشوں کا یہاں کوئی پتہ ہی نہ چل سکے اور تلاش کرنے والے یہاں تک نہ پہنچ سکیں۔“ میں نے سکراتے ہوئے کہا۔

”تو پھر.....؟“ فلیکس نے متیرانہ انداز میں پوچھا۔

”بارش رُک جانے والیکس! ابھی کافی وقت ہے۔ ہم سفر کریں گے۔“

”اوہ..... لیکن میرے پیارے دوست! کیا تم مزید سفر کر سکتے ہو؟“ فلیکس نے حیرت سے سوال کیا۔

”کیوں.....؟ مجھے کیا ہوا؟“ میں نے پوچھا اور فلیکس عجیب سے انداز میں مجھے تکنے لگا۔

”تب میں، تمہاری بے پناہ قوت کی داد دیتا ہوں۔ حالانکہ جتنا سفر تم نے مجھے لاد کر کیا

ہے، وہ معمولی بات نہیں ہے۔“

”وہ چڑھائی تھی فلیکس! اور اب ہم ڈھلان پر ہیں۔ میرا خیال ہے، اُترنے میں زیادہ وقت صرف نہیں ہو گا۔“

”بہر صورت! میں اس بات کو یاد رکھوں گا کیا! کہ تم نے میری زندگی بچانے کے لئے کتنی شدید محنت کی ہے۔ اور اگر میں بھی تمہیں دے سکا تو تمہاری اس شدید محنت اور محبت کا صلد دینے کی کوشش کروں گا۔“

”ہمیں ڈیر فلیکس! میں تمہیں ایک بات بتاؤں۔“

”ضرور میرے عزیز دوست!“ فلیکس نے پرمخت لمحہ میں کہا۔

”میری اس کاوش کی سب سے بڑی توہین ہو گئی کہ اگر تم دل میں یہ سوچو کہ میں تمہارے اس راز کی وجہ سے تمہارے اس بوجھ کو اٹھانے اٹھائے پھر رہا ہوں۔ میں تمہیں خبردار کرتا ہوں فلیکس! کہ اپنے اس راز کے بارے میں تم، مجھے کبھی بھی نہ بتانا۔ اور نہ ہی مجھے اس میں کوئی حصہ چاہئے۔ تمہیں کسی مناسب مقام پر پہنچانے کے بعد میں، تم سے جدا ہو جاؤں گا۔“

”اوہ.....“ فلیکس کی آواز میں براتاڑ تھا۔ اور پھر دیر تک خاموشی رہی۔ صرف ہواؤں کا شور اور بارش کی آواز باقی رہ گئی تھی۔ یہ شور، اس قدر شدید تھا اور اس چٹان کی دیواروں سے اس طرح ٹکر رہا تھا کہ کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔

ہم اس نیچے بستہ اور طوفانی ماحول میں خاموشی سے وقت گزارنے لگے۔ اور جب یہ خاموشی، ناگوار محسوس ہونے لگی تو فلیکس ہی نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے پکارا اور میں چونک پڑا۔

”کیں.....؟“

”ہاں، فلیکس.....!“ میں نے اس کی جانب دیکھا۔

”کیا خیال ہے، کیوں نہ کچھ کھایا بیا جائے؟ کم از کم سردی کا احساس ہی کچھ کم ہو گا۔“

”اوہ..... ہاں! میں تو بھول ہی گیا تھا۔“ میں نے کہا۔ اور پھر میں پشت سے وہ تھیلا کھونے کی کوشش کرنے لگا جس میں کھانے پینے کی چیزیں باندھ لایا تھا۔ بے چارہ فلیکس اپنے اکٹوٹے ہاتھ سے میری مدد کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے اس کے احساس کو محسوس کیا اور مجھے اس پر حرم آنے لگا۔

میں نے اسے منع نہیں کیا تھا۔ چنانچہ میں دلجوئی کے انداز میں اس کی مدد لیتا رہا۔ پھر

میں نے کھانے پینے کی چیزیں نکال لیں۔
بھی چیخت اور سنساتی ہوئی گزر رہی تھیں۔ ہمارے بس بھی ہوئے تھے۔ اگر ہم غیر معمولی
اُس وقت، اُس پُر ہول ماحول میں کھانے پینے کا تصور ہی مصلحہ خیز تھا۔ لیکن ہم دونوں قوت برداشت کے مالک نہ ہوتے تو سردی ہمیں کسی خطرناک حادثے سے دوچار ضرور کر
بڑے اطمینان سے کھا رہے تھے۔ اور اس خوفناک اور دل دھلا دینے والے ماحول سے محفوظ رہا۔ لیکن جسمانی قوت اُس کی بھی بزی
بھی نہیں تھے۔

چونکہ اس تاریک ماحول میں ہماری آنکھیں دیکھنے کی عادی ہو گئی تھیں، اس لئے ہم ایک نہیں تھیں۔ بس! بے چارہ برق رفتاری سے سفر طہیں کر سکتا تھا۔ میں نے باہر کا منظر دیکھا
دوسرے کوئی حد تک دیکھ بھی سکتے تھے۔ گو، چہروں کے رنگ کا پتہ چلانا مشکل کام تھا لیکن اور پھر فلیکس کی طرف۔
میں نے فلیکس کے چہرے پر اطمینان کے آثار دیکھے تھے۔ ہم، دیتک کھاتے رہے اور پھر
”کیا خیال ہے فلیکس.....؟“ ”کس بارے میں کیں.....؟“ فلیکس نے میری طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔
سیر ہو گئے۔

”چلیں.....؟“ ”چلو.....!“ فلیکس نے آہستہ سے کہا۔ اس وقت میں تباہ سے کام نہیں لے سکتا تھا۔
کیونکہ یہاں سے نکلنا از حد ضروری تھا۔ چند ساعت کے بعد ہم باہر آگئے۔ اور کسی سمت کا
تعین کئے بغیر ڈھلانوں سے اترنے لگے۔

فلیکس حسب سابق میرے کندھوں پر تھا اور شرمندہ شرمندہ سامحسوس ہو رہا تھا۔ لیکن
میرا جو خیال تھا، وہ غلط ثابت ہو رہا تھا۔ میں سوچ رہا تھا، ڈھلانوں پر اترنا کافی آسان
ثابت ہو گا۔ لیکن بارش کی وجہ سے ڈھلان پر پھسلن ہو رہی تھی۔ اور اب قدم جما کر اترنا بے
حد مشکل کام تھا۔ چنانچہ میں کسی حد تک پریشان ہو گیا تھا۔ اس وقت مجھے توازن قائم رکھنے
میں سخت وقت کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔

فلیکس نے بھی شاید اس صورت حال کو محسوس کر لیا تھا۔ چنانچہ اُس نے آہستہ سے کہا۔
”میرا خیال ہے کیا! ان حالات میں سفر مناسب نہیں ہے۔ ڈھلانوں پر شدید پھسلن ہے۔
اگر ذرا بھی توازن بگزگی تو زندگی کی کوئی ضامن نہ ہوگی۔“

”لیکن یہاں رُک کر موت کا انتظار بھی تو حماقت ہے۔“
”کیا تمہارے خیال میں، میں موت سے خوفزدہ ہوں کیا؟“ ”فوقیہ فلیکس نے پوچھا۔
”ہرگز نہیں۔ تم اس قسم کے انسان نہیں ہو۔ میرے ذہن میں بھول کر بھی یہ خیال نہیں
آیا۔“

”یقین کرو دوست! میں زندگی کو بے مقصد ختم کرنے کا بھی شائق نہیں ہوں۔ تم اگر مجھے
مایوس انسان سمجھو تو یہ بھی غلط بات ہے کیونکہ دولت کے حصول کے بعد ہاتھ پاؤں کی غیر

”واہ..... یہ کام، تم نے لا جواب کیا تھا کیا!“ فلیکس نے ایک ڈکار لیتے ہوئے کہا۔
”مجھے کیا معلوم تھا فلیکس؟ کہ فرار کا سفر اتنا خطرناک ثابت ہو گا۔ تب میں کچھ اور
انظام بھی کرتا۔ بہر صورت! اس اتفاق نے ہماری بڑی مدد کی ہے۔“

”بالکل درست!“ فلیکس نے میری یہاں میں ہاں ملاتے ہوئے جواب دیا۔
اس کے علاوہ بارش کا ہونا بھی بہت اچھا رہا۔ ہم اسے بے مقصد نہیں کہہ سکتے۔ اس کی
وجہ یہ ہے کہ ممکن ہے، روئی اُس قلعے تک اُسی وقت پہنچ گئے ہوں اور انہیں ہمارے فرار کی
اطلاع مل گئی ہو۔ ہو سکتا ہے، وہ ہمارا تعاقب کرنے کی کوشش کریں۔ اسی لئے میں سفر کا
ارادہ بھی رکھتا ہوں۔“

”لیکن کیا یہ ضروری ہے کہ وہ، ہماری فرار کی سمت کا اندازہ کر لیں؟“ فلیکس نے سوال
کیا۔

”ہاں..... ضروری تو نہیں ہے۔ لیکن ممکن ہے کہ کچھ لوگ یہاں بھی نکل آئیں۔ میرے
دوست! تم اُن کے لئے جس قدر اہم ہو، اس کو دیکھتے ہوئے اس بات کی پیشگوئی کی جاگہ تی
ہے کہ وہ پوری قوت سے تمہیں تلاش کرنے کی کوشش کریں گے۔“ میں نے کہا اور فلیکس
پر خیال انداز میں گردن ہلانے لگا۔ باہر بارش آہستہ آہستہ کم ہوتی جا رہی تھی۔ یوں بھی دن
بہت زیادہ باقی تھا اس لئے ہمیں، رات ہونے سے قبل جس قدر زیادہ سے زیادہ سفر
کرنے کا موقع مل جاتا۔ بہتر تھا۔ اور پھر پہاڑ کی اس چوٹی سے اترنا تو بے حد ضروری تھا۔
کیونکہ ممکن تھا، ڈھلانوں پر ہمیں کوئی ایسی جگہ مل جاتی، جسے ہم بہتر طور پر استعمال کر سکتے۔
بارش اب کسی قدر کم ہوتی جا رہی تھی۔ اور پھر آہستہ آہستہ وہ بند ہو گئی۔ لیکن ہوائیں اب

موجودگی کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ خاص طور سے اس لئے بھی کہ میں نے مصنوعی اعضا، اصلی اعضا کی مانند کام لینے کا گریکے لیا ہے۔ لیکن اگر کوئی بات مجھے چھوڑی ہے تو وہ، ”جب تم غیر معمولی اعصاب کے انسان ہو،“ فلیکس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ پھر تمہاری تکلیف۔ تم غیر معمولی شریف آدمی ہو، جو میرے بوجہ کو انھائے انھائے پھر لالا۔ ”یقین کرو! میں کسی حد تک مایوس تھا۔“

”ہمارے درمیان معاهدہ ہو گیا تھا فلیکس! کہا تم اس بارے میں گنتگو نہیں کرو گے“ ”تمہارے تعاون سے۔“ ”کس بات سے.....؟“ ”اوہ..... کیا سوچ رہے تھے؟“

”اوہ، سوری..... سوری ڈیزیر کین!“ فلیکس جلدی سے بولا۔ ”بھی کہ شاید تم، میری معدودی برداشت نہ کر سکو۔ اس دنیا میں کوئی انسان، کسی قیمت ڈھلانوں پر نہایت اختیاط سے اُترنے لگا۔ اور پھر شام جھک آئی۔ اندھیرا اتنا ہوا گیا کہ صرف اپنے احساسات کا تذکرہ کر رہا ہوں۔ میں جانتا ہوں میرے دوست! کہ اس راز سے چند فٹ دُور کی چیزیں بھی نہ دیکھ سکتے تھے۔ میں رُک گیا۔“ ”اصل ہونے والی دولت تمہیں اس قدر مشقت پر آمادہ نہیں کر سکتی۔ یہ صرف میری تقدیر ہے! ہم جہاں بھرے ہیں، وہیں قیام کریں گے۔“ میں نے اُس کی جانب دیکھے۔ اور یہ بات میں تمہیں خوش کرنے کے لئے نہیں کہہ رہا ہوں۔ یہ میرے دل کی آواز ہوئے کہا۔

بارش اب پوری طرح کھنچی تھی اور آسمان صاف ہو گیا تھا۔ لیکن پہاڑی اور خاص! ”تمہارا شکر یہ فلیکس! بھی حقیقت بھی ہے۔“ میں نے کہا۔ سے برقانی موسم کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا۔ جس جگہ ہم میٹھے تھے، وہاں! ”میری ایک بات سنو گے کیں؟“ دفعہ فلیکس بولا۔

چاروں طرف برف بکھری ہوئی تھی۔ تاحدنگاہ برف کی سفید چادر کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔ ”ہوں.....!“ ہم دونوں آرام سے پاؤں پھیلایا کر بیٹھ گئے۔ خود میرے جسم میں کچھی دوڑ رہی تھی۔ کپڑ۔ ”ماحوال بے حد خطرناک ہے۔ ہم دونوں میں سے کوئی نہیں کہہ سکتا کہ ہم بغیریت کسی ہوا سے خشک ہوتے چاہ رہے تھے۔ لیکن اُن کے توجہ کا پتہ بھی نہیں چلتا تھا۔ ہوا میں اس سب جگہ پہنچ جائیں گے۔ ممکن ہے، ہم میں سے کوئی ایک مر جائے۔“ ہڈیوں میں لگھی جا رہی تھیں۔

”نیندا نے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا فلیکس! کچھ باتیں کرو۔“ میں نے کہا۔ ”ہاں..... ضرور!“ فلیکس خوش دلی سے بولا۔

”اوہ اگر تم نجک جاؤ اور میں مرجاؤں تو یہ راز میری طرف سے تمہاری نذر..... باقی اگر ہم تم ایک فوجی آدمی ہو۔ تمہاری زندگی تو خطرناک واقعات سے پُر رہی ہو گی۔“ ”نہیں زندہ نجک گئے تو پھر ہم دونوں ہی عیش کریں گے۔ چنانچہ میرے دوست! یہ دیکھو۔“ ”ہاں..... میں نے ساری زندگی سخت مشقت کی ہے۔ اور یقین کرو کیں! میں فوئری ناک بھی مصنوعی ہے۔ ناک بھی اس حادثے کا شکار ہو گئی تھی۔ چنانچہ میں نے یہ انتہائی سخت جان انسان سمجھتا تھا۔ لیکن میرے دوست! جو کچھ میں نے چہرے پر فٹ کر لی۔ میرا خیال ہے، تمہیں شبہ بھی نہ ہوا ہو گا۔“

”ہوئے اب اپنی سوچ پر شرمende ہوں۔ کیا تم مجھے اپنے بارے میں بتاؤ گے؟“ فلیکس نے اپنی ناک اکٹھا لی۔ اُس کے چہرے میں ایک غار نمودار ہو گیا۔ ناک کے

”مخفیاً بتا چکا ہوں کہ میری زندگی بھی اب تھے ما حول میں بسر نہیں ہوئی۔ زیادہ تر خطرناک پلاسٹک کا ایک روپ تھا۔ اُس نے وہ روپ میرے حوالے کر دیا۔ اس روپ کے اندر ایک حالات سے دوچار رہا ہوں۔ لیکن یہ میری زندگی کا سب سے کٹھن سفر ہے۔“ ”ٹھیک..... فلیکس! اسے رکھلو!“ میں نے مٹھنڈے لجھے میں کہا۔

”ہاں! اسے میرے پاس ہی محفوظ رہنے دو۔ میں نے صرف اس لئے تمہیں بتایا
ممکن ہے، کوئی ضرورت پیش آجائے۔“

”کیا تم اس راز سے واقف ہو فلیکس؟“ میں نے پوچھا۔

”ہاں میرے دوست! کسی حد تک میں نے اس فلم کو ایک پروجیکٹر پر دیکھا ہے!
اس میں جو اشاراتی زبان تحریر کی گئی ہے، وہ پوری طرح میری سمجھ میں نہیں آئی۔ حالانکہ
نے اسے سمجھنے کی پوری کوشش کی تھی۔“

”جو کچھ سمجھ میں آیا ہے، مجھے بتاؤ فلیکس!“

”پچھلے چند سالوں سے نازی جرمی، ساری دنیا سے کٹ گیا ہے۔ ہتلر کی تشدید
ذہنیت سے سمجھی واقف ہیں۔ اُس نے جرمی اور دنیا کے درمیان ایک آہنی پرده حائل
ہے۔ اور اس آہنی پرڈے کے پیچھے سے کوئی اطلاع، کوئی خبر باہر نہیں آتی۔ جرمی سے
تمام غیر ملکیوں کا انخلا کر دیا گیا ہے، جو وہاں موجود تھے۔ ان تمام باتوں کو تشویش کی گئی
دیکھا جاتا رہا ہے۔ دنیا کے بیشتر ممالک یہ سونپنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ آخر جرمی میں
رہا ہے؟ بہت سے ملکوں کے جاسوسوں نے جرمی میں داخل ہو کر وہاں کا راز حاصل کر
کوشش کی ہے۔ لیکن ان میں صرف چند ایک ہی ایسے تھے جو تھوڑی بہت اطلاعات
کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ ورنہ عام طور پر مارے گئے یا جمنوں کے سمجھے چڑھے گے۔
جن لوگوں نے اطلاعات بھم پہنچائیں، وہ بھی اتنی نامکمل تھیں، جن کا کوئی فائدہ ہی نہ تھا۔
فلم ساری دنیا اور جرمی کے درمیان حائل پرڈے کو چاک کرتی ہے۔ اس کے تحت یہ
ہوتا ہے کہ پورا جرمی اس وقت ایک اسلحہ فیکٹری بنتا ہوا ہے..... اور اس خطرناک فیکٹری
خطرناک تین ہتھیار تیار ہو رہے ہیں۔ جرمی کی آدھی آبادی، اسلحہ سازی میں مصروف
اور اس کے سارے سائنس دان بلکہ وہ سائنس دان بھی، جو دنیا کے مختلف حصوں سے
ہوتے ہیں، جرمی میں اسلحہ سازی میں مصروف ہیں۔ اس طرح کم از کم ہتلر کی خطرناک
ذہنیت کا اظہار ہوتا ہے کہ وہ کیا سوچ رہا ہے؟ کیا کرنا چاہتا ہے.....؟

”ممکن ہے، اُس کے کچھ راز، اس فلم میں پوشیدہ ہوں۔ بہر صورت! اس سلسلے
بیرونی دنیا کو جو کچھ سمجھی معلوم ہو سکا ہے، اُس کے تحت وہ ہتلر کی۔ س کارروائی کو تشویش کر
سے دیکھتی ہے اور یہ معلوم کرنا چاہتی ہے کہ آخر ہتلر کیا کر رہا ہے؟ تو میرے دوست
خیال ہے کہ اب اس فلم کی افادیت تم پر واضح ہو گئی ہو گی۔“

میری آنکھیں متاخر انداز میں پھیلی ہوئی تھیں اور میں تعجب سے فلیکس کی شکل دیکھ رہا
تھا۔ ”تو پر از ہے، جس کے لئے اتنا ہگامہ ہو رہا ہے۔ اور بلاشبہ! درست بھی ہے۔ دنیا کے
لئے جرمی کی یہ کارروائیاں بے حد تشویش ناک ہوئی ہی چاہتیں۔“ میں نے کہا۔

”بلاشبہ.....!“ فلیکس نے جواب دیا۔

”سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ہر ملک، اس تجسس میں بتلا ہے کہ جرمی کس کے خلاف
کام کر رہے ہیں؟“

”یقیناً..... یقیناً.....!“

”اور اسی لئے تمام ممالک، اس راز کی طلب میں دوڑ پڑے ہیں۔“

”بے شک.....“ فلیکس نے گردن ہلائی۔ دراصل! یہ احساس اتنا منسنا خیز تھا کہ سردی
کی شدت بھی تھوڑی دیر کے لئے ذہن سے محبوگی اور میں بھی اس الجھن میں پڑ گیا تھا کہ
آخر جرمی کس ملک کے خلاف، کیا کام کر رہا ہے؟ ہتلر کے منصوبے کیا ہیں؟ وہ کیا چاہتا
ہے؟ اور دنیا پر کون سی جانی نازل ہونے والی ہے.....؟“

فلیکس نے فلم، ناک میں رکھ کر ناک دوبارہ اپنے چہرے پر فٹ کر لی تھی اور وہ مسکراتی
نگاہوں سے میری جانب دیکھ رہا تھا۔ ”تم کس سوچ میں گم ہو گئے کیم.....؟“ اُس نے
سوال کیا۔

”بڑا ہم راز ہے۔ میں اسی کی گہرائیوں پر غور کر رہا ہوں۔“ میں نے جواب دیا۔

”اوہ بہا! چھوڑو..... نہیں ان گہرائیوں میں ڈوبنے کی کیا ضرورت ہے؟ یہ حکومتوں کے
کام ہیں۔ انہیں حکومتیں ہی جانیں۔ ہاں! البتہ ہمیں اس راز کو فروخت کرنے کے لئے بہتر
ذرائع سونپنے چاہتیں۔ اور اپنے آپ کو یہ تسلی بھی دینی چاہئے کہ ہم روں کی سرحدوں سے
نکل جائیں گے۔ اور کسی ایسے علاقے میں پہنچ جائیں گے جہاں ہم اس راز کی فروخت کے
لئے بہتر انداز میں کام کر رہیں۔“

مطلع بالکل صاف ہو گیا تھا اور آسمان سے چاند جھانکنے لگا تھا۔

”حالانکہ روں کے علاقے میں چاند کم ہی نظر آتا ہے۔ لیکن خدا کی شان ہے کہ ہم چاند
دیکھ رہے ہیں۔“ فلیکس نے کہا۔

”میں، اس سے قبل اس طرف نہیں آیا۔“

”اوہ..... وہ دیکھو کیم! ڈھلانوں کے اختتام پر سیاہی کی کیسی بکھری ہوئی ہے؟“

لیکن ابھی خطرہ ڈور نہیں ہوا تھا اور ہیلی کا پڑک و اپس بھی آتا تھا۔ میں اسے دیکھتا رہا۔ میں نے اپنی جگہ سے جبکہ نہیں کی تھی اور پوری طرح ہوشیار تھا۔ اگر ہم نے درست ہی اندازہ لگایا تھا اور ڈھلانوں کے اختتام پر جنگل ہی تھا تو پھر ہیلی کا پڑک، جلد ہی و اپس آئے گا۔ کیونکہ جنگل میں کسی کا دیکھ لیا جانا، ناممکن ہی تھا۔ اور اس کی تصدیق تھوڑی دیر کے بعد ہی ہو گئی۔

ہیلی کا پڑک آواز پھر سنائی دی تھی۔ وہ اسی طرف آرہا تھا اور روشنی اس سے بار بار خارج ہو رہی تھی۔ پھر وہ ہمارے سروں پر سے گزر کر آگے بڑھ گیا۔ لیکن اتفاق ہی کی بات تھی کہ اس نے ہم سے چند گز ڈور جا کر دوبارہ روشنی پھینکتی تھی۔ ایک لمحے کے لئے تو مجھے خطرہ محسوس ہوا تھا کہ شاید اب دیکھ لیا جاؤ۔ لیکن ہیلی کا پڑک ایک سیدھ میں آگے بڑھ گیا تھا۔ میں دل ہی دل میں عجیب سے احساسات کا شکار تھا۔ اگر انہوں نے ہمیں نہیں دیکھا تھا تو پھر یہ تقدیر کی خوبی ہی ہو سکتی تھی۔ لیکن میرا خیال غلط تھا۔ اس میں تقدیر کی کوئی خوبی نہیں تھی۔ کیونکہ چند ہی ساعت کے بعد ہیلی کا پڑک نیچے پلنا تھا..... اس باروہ خاصا نیچے جھک آیا تھا۔ اور اس کی وجہ یہی تھی کہ ہمیں دیکھ لیا گیا تھا۔ میری انگلیاں، شین گن کے ٹرائیگر پر مستعد ہو گئیں۔

ہیلی کا پڑو اے شاید ابھی تذبذب ہی میں تھے اور اس بات کی تصدیق نہ کر سکے تھے کہ ہم یہاں موجود ہیں یا انہیں کوئی شبہ ہوا ہے۔ ورنہ وہ اس طرح دھوکہ نہ کھاتے۔ وہ صرف جائزہ لینا چاہتے تھے کہ کیا اُن کا اندازہ درست ہے؟ لیکن اس جائزے میں وہ مار کھا گئے۔ انہیں ہیلی کا پڑک کو نیچے نہیں لانا چاہئے تھا.....

جونی ہیلی کا پڑک اور نیچے ہوا، میں نے فائر کھول دیا اور بے تباشہ گولیاں بر سانے لگا۔ ہیلی کا پڑک ایک جھنکا سالک اور اس کے انجن کی آواز بے ترتیب ہی ہو گئی۔ البتہ وہ ہمارے سروں سے آگے بڑھ گیا تھا۔ اور چند ہی گز ڈور جانے کے بعد اس پر سے گولیوں کی بوچھاڑ ہوئی تھی لیکن شاید وہ لوگ اپنا توازن برقرار رہ رکھ سکے تھے۔ شاید کوئی گولی، انجن میں جا پھنسنی تھی۔ کیونکہ ہیلی کا پڑک سے بھورا بھورا ڈھوانی نکلتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ اور پھر وہ سیدھا زمین پر آئے لگا۔ میں نے اپنے کان بند کر لئے تھے۔

بیچارے فلیکس کو معلوم نہیں، اس صورت حال کا صحیح اندازہ ہو سکا تھا یا نہیں؟ وہ کان بھی بند کرتا تو ظاہر ہے، ایک ہی کان بند کر سکتا تھا۔ کیونکہ اس کا صرف ایک ہی ہاتھ تھا۔

”شاید جنگل ہے۔“ تھوڑی دیر تک اس طرف نگاہیں جمانے کے بعد میں نے کہا۔

”اگر ہم کی طرح اس جنگل تک پہنچ جائیں تو کم از کم سردی کی شدت تو ڈور ہو ہی کوئی ہے۔ لیکن ٹھہرو! کیا اُن کے سامان میں تمہیں ماچس بھی ملی تھی؟“

”ہاں..... اور وہ اس تھیلے میں بند ہے۔ میں نے خاص طور سے اسے دیکھا تھا کہ کہیں وہ بارش سے متاثر تو نہیں ہوتی؟ لیکن تھیلہ، واٹر پروف ہے۔ پانی اندر نہیں جاسکا۔“

”تمہاری ذہانت اور ڈور ری کی تعریف کرتے کرتے اب میری زبان تھک گئی ہے۔“ فلیکس ہنستا ہوا بولا۔ اور پھر ہم خاموش ہو گئے۔ لیکن خاموش ہونے سے سردی کی شدت میں اضافہ ہو جاتا تھا اور ہمارے جسم کا عنین لگتے تھے۔ لیکن اب زیادہ باتیں کرنے کو بھی دل نہیں چاہ رہا تھا۔ دفعتہ فضا میں ایک آواز اُبھری اور ہم دونوں چونک پڑے۔۔۔۔۔ فلیکس!“ میں نے سرگوشی کی۔

”ہیلی کا پڑک آواز ہے۔“

”اس کا مطلب ہے، ہماری تلاش شروع ہو گئی۔“ میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”ہاں..... اور انہیں اس سمت کا شبہ بھی ہو گا۔“

”امکانات ہیں۔ لیکن اب کیا، کیا جائے؟“ اسی وقت میں نے ہیلی کا پڑک کے نیچلے حصے سے روشنی پھوٹی دیکھی۔ روشنی بہت تیز تھی۔ لیکن ہیلی کا پڑک کافی بلندی پر تھا۔

”ہاںک درست..... ہمیں تلاش کیا جا رہا ہے۔“ فلیکس نے کہا۔

”فلیکس! کیا ہیلی کا پڑک، شین گن کی ریخ میں ہے؟“ میں نے پوچھا۔

”نہیں..... بلندی کچھ زیادہ ہے۔“ فلیکس، مایوس سے بولا۔

”اچھا..... یہاں ٹھہرو! میں کچھ اوپر چلا جاتا ہوں۔“ میں نے جلدی سے تھیلے میں سے شین گن نکالی اور بر قرداری سے فلیکس سے ڈور ہوتا چلا گیا۔ اس جگہ برف کا ایک میلہ میسا تھا۔ میں میلے پر چت لیٹ گیا۔ شین گن میں نے چیک کر لی تھی۔

ہیلی کا پڑک، ہمارے سروں پر پہنچ گیا۔ فلیکس بھی میری مانند لیٹ گیا تھا۔ ہیلی کا پڑک ڈور نکل گیا اور پھر تھوڑی ڈور جا کر روشنی پھینکی گئی۔ میں نے گہری سانس لی تھی۔ اتنے فاصلے سے دیکھا جانا مشکل تھا۔ گو، ہم روشنی کی زد میں تھے اور ہیلی کا پڑک کے ڈور نکل جانے سے اس خیال کو تقویت پہنچی۔

ہیلی کا پتھر، برف سے نکرایا اور ایک خوفناک دھماکے کے ساتھ برف پر شعلے پھیل گئے۔ میں نے خوشی سے قلقاری ماری تھی۔ دوسری طرف سے فلیکس کی آواز آئی۔ ”ونڈرفل کیا! ونڈرفل.....!“ وہ کہنی کے بل برف پر گھستنے لگا۔ ہیلی کا پتھر گو، خاصی ذور تھا لیکن میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اسے دیکھ رہا تھا کہ کہیں کسی کے زندہ بچنے کا امکان ہے یا نہیں؟ میں کھلکھلتا ہوا فلیکس کے پاس پہنچ گیا اور فلیکس نے اپنے اکلوتے ہاتھ سے مجھے لپٹا لیا۔

”کین! تم مانو یا نہ مانو، لیکن میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ تم ایک عظیم آدمی ہو۔ تم ایک ایسی شخصیت ہو، جس کا اکشاف ابھی دنیا پر نہیں ہوا۔“ اُس نے جوشِ محبت سے کہا۔

”شاید.....!“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور فلیکس دیر تک مجھے پہنچ رہا۔

”یقیناً! ان لوگوں نے ہمیں دیکھ لیا تھا۔ اور اب ہمارے خلاف کوئی کارروائی ہونے والی تھی۔“ فلیکس نے کہا۔

”یقیناً، فلیکس!“

”اور تم نے اس سے سلسلے ہی انہیں مار گرایا۔“

”کیا خیال ہے تمہارا فلیکس؟ کیا ان میں سے کسی کے زندہ بچ جانے کا امکان ہے؟“

”سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کین! ہیلی کا پتھر کے پرچے اڑ کے ہیں۔“ فلیکس نے خوشنام سے بھر پور لجھے میں کہا۔

”گویا، اب کم از کم صبح تک کے لئے خطرہ مل گیا ہے؟“

”یہ تو نہیں کہا جاسکتا۔“

”کیوں.....؟“ میں نے سوال کیا۔

”ممکن ہے، قلعے میں کچھ اور لوگ بھی ہوں اور بھاری تلاش کے سلسلے میں کسی اور گروپ کو بھی بھیجا جاسکتا ہے۔“

”جو ہوگا، دیکھا جائے گا فلیکس! فکر کرنے سے کیا فائدہ؟“ میں نے لاپرواہی سے کہا۔

”واقعی! اب تو ہر مشکل بیچ معلوم ہوتی ہے۔ تم نے میری بے بی بھی ختم کر دی ہے۔“

فلیکس نے جواب دیا۔ ”البتہ میں نے ایک کام کیا ہے۔“

”کیا.....؟“ میں نے پوچھا۔

”ہیلی کا پتھر سے جتنی بار وہشی ڈالی گئی، میں نے اس سے قرب و جوار کے ماحول کا جائزہ لے لیا ہے۔ ڈھلان صاف سترھے ہیں اور ان انداز کے معلوم ہوتے ہیں، جیسے برف پر

پھسلنے والے شاہقین کے لئے بنائے جاتے ہیں۔“

”اوہ..... اس کا مطلب ہے کہ سفر اسی وقت شروع کیا جا سکتا ہے اور.....“

”ار..... رے..... نہیں! میرا یہ مطلب نہیں ہے۔ دیے ہم سفر صبح کو ہی شروع کریں

گے،“ فلیکس نے جلدی سے کہا۔

”دنیں فلیکس! اس طرح جسم میں گری پیدا ہو گی۔ تم بے فکر رہو۔ یوں بھی اس برف پر

ساری رات پرے رہنے سے کیا فائدہ؟“

فلیکس کے بارے میں، میں جانتا تھا کہ وہ بے چارہ صرف میری وجہ سے پریشان ہے۔

ورنہ اسے سفر میں کیا عار ہو سکتی تھی؟ لیکن میں واقعی خود کو چاق و چوبند رکھنا چاہتا تھا۔ سخت

تھک گیا تھا۔ لیکن اگر زک جاتا تو تھکن اعضاء کو جکڑ لیتی اور اس کے بعد کیا ہوتا؟ یہ نہیں کہا

جا سکتا تھا۔

”تو پھر چلیں فلیکس.....؟“

”جیسی تمہاری مرضی،“ فلیکس نے پڑ مردہ آواز میں کہا اور میں نے اسے دوبارہ

کندھے پر لا دیا۔ خنک ہواوں کی وجہ سے برف پر پھسلن ختم ہونے لگی تھی اور اب اترنے

میں اتنی دقت نہیں ہو رہی تھی، جتنی تھوڑی دیر پہلے ہو رہی تھی۔



”کیا.....؟“ میں نے پوچھا۔
 ”کیون نہ درخت سے ایک لکڑی حاصل کر کے میں اسے ٹانگ کی جگہ استعمال کروں؟
 کوشش کر لیتے ہیں۔ ناکام رہے تو دیکھا جائے گا۔“
 ”یہ کسی طور مناسب نہیں ہو گا ذیرا!“
 ”کیوں.....؟“
 ”میرا خیال ہے۔ اوپر سے کوڈتے وقت سپر ٹنگ کے تاروں سے تمہارے زخم آگیا ہے۔
 اب اس زخم پر تم لکڑی کی ٹانگ باندھو گے۔“
 ”کوئی حرج نہیں ہے..... برداشت کرلوں گا۔“
 ”ایسی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں تھک جاؤں گا تو تمہیں بتا دوں گا۔ میں وعدہ کرتا ہوں۔ اور پھر اس طرح ہماری رفتار متاثر ہو گی۔“
 ”اوہ..... ہاں! یہ بات تو ہے۔ ایک اور مصیبت بن جائے گی۔“ فلیکس بے چارگی سے بولا۔

میں بیٹھ گیا اور بے چارہ فلیکس احساسِ ندامت کے ساتھ میرے شانے پر آ گیا۔ میں نے اسے اٹھا کر چلا شروع کر دیا۔ درحقیقت! بدن میرا بھی جواب دیتا جا رہا تھا۔ لیکن قوتِ ارادی کو ابھی تک شکست نہیں ہوئی تھی اور میں کسی منزل کو پانے کے لئے پر عزم تھا۔ ہم سفر کرتے رہے۔ گھنے جنگلوں میں سفر کرنا بھی خاصاً مشکل کام ہے۔ جگہ جگہ درختوں کے جھنڈ راستے روک رہے تھے۔ لیکن ہمارے عزم کے سامنے بے بس ہو جاتے تھے۔ بہر حال! یہی شکر تھا کہ بادل ہونے کے باوجود بارش نہیں ہوئی تھی۔ اگر بارش شروع ہو جاتی تو سفر بے حد مشکل ہوتا۔

جنگل، کافی طویل تھا اور اسے عبور کرنے میں ہمیں کئی گھنٹے لگے۔ بہر حال! جنگل کے سرے پر تینچھتے پینچھتے ہم کافی تھک گئے تھے۔ اس کے آگے پھر بر قافی میدان تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے برف کا یہ سلسہ کبھی ختم نہ ہو گا۔ اسے دیکھ کر ہم پرانکا ہٹ سوار ہونے لگی تھی۔ ”کین! میرا خیال ہے اب ہم اُس علاقے سے کافی دور نکل آئے ہیں۔“ فلیکس نے کہا۔

”ہاں، کیوں.....؟“ میں نے کہا۔
 ”دیکھو! آگے جنگلوں کا سلسہ ختم ہو گیا ہے۔ اس کے بعد پھر وہی سرد میدان ہو گا۔

وہ جنگل اتنے قریب نہیں نکلے، جتنا ہم سمجھ رہے تھے۔ چاند کے سفر کے ساتھ ساتھ میں بھی سفر کرتا رہا۔ اور پھر جب چاند، اپنی کافی منزل طے کر چکا، تب ہم جنگل میں پہنچ۔ ایک سائے دار درخت کے نیچے میں نے فلیکس کو بھٹا دیا اور خود بھی ڈھم سے اُس کے قریب ہی بیٹھ گیا۔

”بری طرح تھک گئے ہو گے؟“ فلیکس عجیب سے لبخے میں بولا۔
 ”اوہ، فلیکس! تھکن کیا چیز ہوتی ہے؟ بدن کتنا ہی تھک جائے، جب تک ذہن اس تھکن کو قبول نہ کرے، انسان کا کچھ نہیں بگزتا۔“

فلیکس خاموش ہو گیا تھا۔ بہر حال! برف کے اُس دیرانے سے درختوں کی یہ چھاؤں بے حد پُر سکون تھی۔ پھر بقیہ رات، ہم نے اسی درخت کے نیچے گزار دی۔ صبح کی روشنی پھوٹ رہی تھی۔ لیکن موسم کے تیور ٹھیک نہیں تھے۔ بادلوں کے پرے، پھر سے آسان پر جمع ہونے لگے تھے۔ فلیکس کے چہرے پر تشویش کے آثار نمودار ہو گئے تھے۔ ویسے سردی سے اُس کی حالت مجھ سے زیادہ خراب تھی۔ ہونٹ، نیلے پڑے گئے تھے اور چہرہ بھی اتر ہوا تھا۔

میں نے کمر سے تھیلا کھول کر خوارا ک کڈے نکالے اور ان میں سے غذا نکال کر میں نے فلیکس کو دی۔ وہ تھکنے تھکنے انداز میں کھانے لگا۔ ”فلکر مت کرو فلیکس! ہم تھوڑی دیر اور سفر کریں گے۔ اس کے بعد کوئی مناسب پناہ گاہ تلاش کر لیں گے اور پھر آرام کریں گے۔ اس وقت تک، جب تک ہماری تھکن نہ دور ہو جائے۔“

”میں فکر مند نہیں ہوں۔“

”نظر تو آ رہے ہو۔“

”بس! تو اسے تھکن کہہ سکتے ہو۔“

”تو پھر تیار ہو؟“

”میری تیاریاں کیا؟ میں تو بلاوجہ..... سنو کیں! ایک ترکیب ذہن میں آئی ہے۔“

چنانچہ کیوں نہ بارات میں گزار دیں؟ آگ روشن کر لیں گے۔“

میں سوچنے لگا۔ تجویز درست تھی۔ اگر یہاں سے آگے کے حالات پھر خراب ہوتے تو بڑی پریشانی ہوتی۔ ممکن ہے، اعضاء جواب دے جائیں۔ لیکن صرف ایک تباہت تھی۔ درست تھا کہ ہم کافی ڈور نکل آئے تھے۔ لیکن اگر وہ لوگ یہاں تک پہنچ گئے تو.....؟ میں نے اپنی تشویش کاظہار فلیکس سے کرہی دیا۔

”فلیکس! کیا تم خود کو رو سیوں کی پہنچ سے ڈور سمجھتے ہو؟“

”کیا مطلب.....؟“

”اب بھی تلاش کرنے والے رو سیوں کے خیال کو ہن سے نہیں نکالا جاسکتا۔“

”وہ تو ٹھیک ہے۔ لیکن دوسری شکل میں بھی تو موت کا خطرہ ہے۔“

”ہاں..... یہ بھی درست ہے۔“

”میری بات مان لو کین! اب مجھ میں سفر کی بہت نہیں ہے۔ اگر ہم یہ خطرہ مولے لیں تو صحیح کوتا زادہ دم ہوں گے۔“

”جیسی تہماری مرضی۔“ میں نے شانے ہلائے۔ نیند اور تھکن نے میرا بھی بر حال کر دیا تھا۔ لیکن بس! ایک خیال ہن میں تھا کہ کسی مناسب جگہ پہنچ جایا جائے۔ تاکہ زندگی کی امید بندھ جائے۔ چنانچہ میں نے اپنے دوست کو ایک درخت کے نیچے بھا دیا اور خشک لکڑیوں کی تلاش میں سرگردان ہو گیا۔

برف کے بھیکے بھیکے درختوں میں خشک لکڑیوں کی تلاش بھی ایک مسئلہ تھی۔ لیکن میں نے طے کر لیا تھا کہ اب ہر مسئلے کو حل کرنا میری ذمہ داری ہے۔ چنانچہ بے شمار درختوں کی چھان بیں کے بعد میں ان میں اُبھی ہوئی بے جان خشک لکڑیوں کا ایک ذخیرہ جمع کرنے میں کامیاب ہوئی گیا۔ اور پھر تھیلے میں سے ماچس نکال کر میں نے بڑی محنت سے ان لکڑیوں کو روشن کر لیا۔ ہمارے جسم سردی سے اس قدر متاثر ہو گئے تھے کہ آگ روشن ہوتے ہی ہمارا دل چاہا کہ اس میں گھس جائیں۔ جس قدر ممکن ہو سکتا تھا، ہم نے خود کو آگ کے قریب کر لیا اور آگ ہمارے جسموں میں زندگی دوڑانے لگی۔

”مشترکین.....!“ فلیکس تھوڑی دیر کے بعد بولا۔

”ہوں.....؟“

”کیا محسوس کر رہے ہو؟“

”اس وقت ایک عجیب خیال میرے ذہن میں آیا ہے مژہ فلیکس!“

”کیا.....؟“

”دور قدیم کا انسان درحقیقت، حقیقی زندگی گزارتا تھا۔ جان بچانے کے لئے شدید جدوجہد کرنی پڑتی تھی۔ یہ لمحات، جو ہم آج کل گزار رہے ہیں، ان کی روزمرہ کی زندگی کے معمول تھے۔ وہ ان سے روز ہی غمٹتا تھا۔ پر آسائش زندگی نے انسان کو نیم مردہ کر دیا ہے۔ اور اگر وہ مشکلات میں پھنس جاتا ہے تو زندگی کو تکنی ڈور سمجھنے لگتا ہے۔“

”یہ حقیقت ہے کہن! حادثات تو زندگی کی علامت ہوتے ہیں۔“

”بے شک..... اور زندگی کا قرض بھی۔“

”اور تم زندگی کا قرض چکار ہے ہو؟“ فلیکس مسکرا یا۔

”ہاں..... میں خود کو دور قدیم میں محسوس کر رہا ہوں۔“

”بلاشبہ! تم پھر کے دور کے انسان لگ رہے ہو۔ آہ! آگ کس قدر دلکش ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے بدن میں زندگی دوڑ رہی ہو۔ لیکن کیم! ایک احساس جاں گزین ہے۔“

”وہ کیا.....؟“

”ہمیں کسی سمت کا تعین نہیں ہے۔“

”اس انداز میں سوچنا ہی چھوڑ دو فلیکس!“ میں نے کہا۔

”میں نہیں سمجھا؟“ فلیکس نے سوالیہ انداز میں کہا۔

”وراصل دور قدیم کے انسان کی بات ہو رہی ہے۔ اُس کے سامنے زندگی کا کوئی محور نہیں تھا، کوئی منزل نہیں تھی۔ بس! وہ زندہ رہنا چاہتا تھا اور اپنی زندگی کی بقاء کے لئے با عمل رہتا تھا۔ اُس کے ذہن میں اپنی رہائش کا احساس ضرور ہوتا تھا لیکن اس کے لئے وہ اتنا بے چیزوں نہیں تھا۔ پہاڑوں اور غاروں کی زندگی ہوتی تھی۔ جو پہاڑ، جو غار میں جاتا تھا، وہی اُس کی منزل ہوتی تھی۔ ہمارے ذہنوں میں منزل کا ایک تعین ہوتا ہے کہ وہیں پہنچیں گے تو زندہ رہ سکیں گے۔“

”یہ بات نہیں ہے۔ اگر ہم ساری زندگی ہی ان بر قافی میدانوں میں بھکتے رہیں تو کیا حرج ہے؟ زندگی تو گزارنی ہی ہے۔ ہاں! اگر کبھی تقدیر ہمیں کسی آبادی میں لے گئی اور وہ آبادی ہمارے خلاف نہ ہوئی تو ظاہر ہے، ہم اسے اپنی خوش بختی سمجھیں گے۔ لیکن فی الواقع زندگی کو مطمئن کرنے کے لئے یہی ضروری ہے کہ ہم خود کو اس وقت، برف کا باشدہ سمجھیں۔“

زندگی کی بقاء کے لئے ضروری ہے کہ انسان بعض اوقات اُن حالات اور اُن لمحات سے بچتے۔ سمجھوتہ کر لے جو بہر صورت! اُس کے لئے اچھے نہ ہوں۔ لیکن زندگی گزارنے کے لئے سمجھوتہ بہت ہی ضروری ہے۔“ میں نے کہا۔

”اوہ.....ہاں! خود کو سکون دینے کے لئے یہ خیال اچھا ہے۔“

”اور خود کو سکون دینا اس وقت بے حد ضروری ہے۔“ میں نے کہا اور فلیکس نے مجھ سے اتفاق کیا تھا۔

آگ اب خوب بھڑک چکی تھی اور قرب و جوار کا علاقہ گرم ہونے لگا تھا۔ گرمی پاتے ہی ہماری آنکھیں نیند کے بوجھ سے دب گئیں اور تھوڑی دیر کے لئے ہم غافل ہو گئے۔ آگ ہم سے کچھ فاصلے پر روشن تھی اور ہم سکون کی گھری نیند سور ہے تھے۔ اس ویرانے میں، جہاں انسان چند لمحات کے لئے صرف سانس لینے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔.....نہ جانے کتنا وقت گزرنا، نہ جانے کیا کیا تغیرات ہوئے؟ لیکن میری آنکھ فلیکس کی خوفزدہ آواز کے ساتھ کھلی تھی۔ وہ ڈرے ڈرے انداز میں مجھے پکار رہا تھا۔ میں ہڑ بڑا کر اٹھ بیٹھا۔

”کین.....کین.....پلیز.....کین!“، فلیکس گھٹی گھٹی آواز میں جیخ رہا تھا۔

میں نے قرب و جوار کے ماحول پر ایک نگاہ ڈالی۔ آگ کی قد رجھ پکی تھی۔ اور ہمارے نزدیک تقریباً چھ سات بر فانی بھیڑیے کھڑے اپنی خوفناک آنکھوں سے ہمیں گھور رہے تھے۔ سفید رنگ کے بڑے بڑے بھیڑیے، جن کے چہرے دیکھ کر ہی خوف سے خون رگوں میں مخدود ہونے لگتا تھا۔ لیکن نہ جانے کیوں وہ قریب آنے سے کترار ہے تھے۔ شاید اس کی قریب جا بیٹھا۔

”نہیں.....بالکل نہیں!“ میں نے جواب دیا۔

”بس! اب میں تمہاری توصیف میں کچھ بھی نہیں کہوں گا۔ تم بلاشبہ! دور قدیم کے انسان ہو۔“

”میں نے کہا نا فلیکس! کہ دور قدیم کا انسان، اُن حادثات کو زیادہ اہمیت نہیں دیتا تھا۔ لیکن کیا تمہیں نیند نہیں آئی تھی؟“ میں نے پوچھا۔

”میں سو گیا تھا۔ اور دیکھو! شاید اُسی بھیڑیے نے میرے بازو پر حملہ کیا تھا۔“ فلیکس نے اپنا باتھ دکھایا، جس سے خون بپک رہا تھا۔

”اوہ..... تو تم اس وجہ سے جا گے تھے؟“ میں نے اُس کے بازو کے زخم کو دیکھتے ہوئے کہا جو زیادہ گہرا نہیں تھا۔

”ہاں.....!“ فلیکس نے کہا۔

میں نے جلدی جلدی اُس کے لباس سے اُس کے زخم کو کوس دیا اور سردی کی وجہ سے

سمجھوتہ کر لے جو بہر صورت! اُس کے لئے اچھے نہ ہوں۔ لیکن زندگی گزارنے کے لئے سمجھوتہ بہت ہی ضروری ہے۔“ میں نے کہا۔

آگ اب خوب بھڑک چکی تھی اور قرب و جوار کا علاقہ گرم ہونے لگا تھا۔ گرمی پاتے ہی ہماری آنکھیں نیند کے بوجھ سے دب گئیں اور تھوڑی دیر کے لئے ہم غافل ہو گئے۔ آگ ہم سے کچھ فاصلے پر روشن تھی اور ہم سکون کی گھری نیند سور ہے تھے۔ اس ویرانے میں، جہاں انسان چند لمحات کے لئے صرف سانس لینے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔.....نہ جانے کتنا وقت گزرنا، نہ جانے کیا کیا تغیرات ہوئے؟ لیکن میری آنکھ فلیکس کی خوفزدہ آواز کے ساتھ کھلی تھی۔ وہ ڈرے ڈرے انداز میں مجھے پکار رہا تھا۔ میں ہڑ بڑا کر اٹھ بیٹھا۔

”کین.....کین.....پلیز.....کین!“، فلیکس گھٹی گھٹی آواز میں جیخ رہا تھا۔

میں نے قرب و جوار کے ماحول پر ایک نگاہ ڈالی۔ آگ کی قد رجھ پکی تھی۔ اور ہمارے نزدیک تقریباً چھ سات بر فانی بھیڑیے کھڑے اپنی خوفناک آنکھوں سے ہمیں گھور رہے تھے۔ سفید رنگ کے بڑے بڑے بھیڑیے، جن کے چہرے دیکھ کر ہی خوف سے خون رگوں میں مخدود ہونے لگتا تھا۔ لیکن نہ جانے کیوں وہ قریب آنے سے کترار ہے تھے۔ شاید اس کی قریب جا بیٹھا۔

میراڑ، ہن ایک لمحے کے لئے کچھ نہ سمجھ سکا۔ میں گن بھی تھوڑے فاصلے پر رکھی ہوئی تھی۔ میں چاہتا تو اسے اٹھا سکتا تھا۔ لیکن جو نہیں میں نے حرکت کی، ایک بھیڑیے نے غرا کر مجھ پر حملہ کر دیا۔ غالباً وہ اسی تاک میں تھے کہ ہمارے بدن جنبش کریں تو وہ ہم پر حملہ آور ہوں۔

بھیڑیا، تیر کی طرح میرے اوپر آیا تھا۔ حالانکہ میراڑ، ہن ابھی نیند کے خمار سے آزاد نہیں ہوا تھا۔ لیکن بہر حال! اب میں اتنا بد حواس بھی نہیں تھا کہ اپنے بچاؤ کی کوشش نہ کرتا۔ چنانچہ میں نے انسانی داؤ کے تحت ہی جھکائی دے کر بھیڑیے کو اپنے اوپر سے گزر جانے کا موقع دیا۔ اور بلاشبہ! میں اس میں کامیاب رہا۔ بھیڑیا، کافی دُور جا پڑا تھا۔ لیکن اُس کی بد قسمتی تھی کہ اُس کے دونوں پچھلے پاؤں، آگ میں جا پڑے اور وہ تیر کی طرح سیدھا آگے ہی لکھتا چلا

خون رُک گیا۔

”مجھے افسوس ہے فلیکس! تم زخمی ہو گئے۔“ میں نے کہا۔

”میں بھی دورِ قدیم کا اپانج انسان ہوں۔ اس لئے اب مجھے، ان چھوٹے موٹے زخم برف کا حادثاتی سفر طے ہوتا رہا۔“ فلیکس، میری نہ تھکنے والی فطرت پر جس قدر جیان کی پرواد نہیں ہے۔“ فلیکس نے جواب دیا۔

”گدھ..... یہ پسٹ ہمیں زندہ رکھے گی۔ بہر حال! میرا خیال ہے، بھیریوں نے ہمیں بچانے کا جون سوار ہو گیا تھا۔“ ہوشیار کر دیا ہے۔ اب بیہاں سے آگے بڑھیں۔“

”جبیسی تمہاری مرضی!“ فلیکس نے جواب دیا اور میں سفر کی تیاریاں کرنے لگا۔ فلیکس ”کیا.....؟“ میں نے نگاہیں دوڑائیں۔ میں کسی قدر نشیب میں تھا اور فلیکس بلندی پر اب میرا مطیع ہو گیا تھا۔ اور میں نے بھی فیصلہ کر لیا تھا کہ زندگی رہی تو فلیکس بھی میر۔ اس لئے میں اس چیز کو نہیں دیکھ سکا۔

ساتھ ہی زندہ رہے گا۔ اسے چھوڑوں گا نہیں۔ حالانکہ اس پر صعوبت سفر میں خود اپنا یوہ ”نظر آیا.....؟“ بخاری تھا، نہ کسی اپانج کو کندھے پر اٹھائے پھرنا۔

اور پھر سفر شروع ہو گیا۔ فلیکس، میرے کندھوں پر تھا اور سامنے برف کا طویل صحراء۔ لیکن ایک عزم سفر کر لیا تھا، منزل کے تعین کے بغیر۔

”شاید کسی تباہ شدہ چہاز کا ڈھانچہ ہے۔“ فلیکس نے جواب دیا اور میں نے رفتار تیز کر دی۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے بھی اس ڈھانچے کو دیکھ لیا تھا۔ سامنے کی طرف سے برف ”ویسے ایک بات کا اطمینان ہو گیا ہے فلیکس!“ میں نے ست رفتاری سے چلتے ہوئے میں دفن وہ کوئی مسافر بردار جہاز ہی تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں، ڈھانچے کے قریب پہنچ گیا۔ بے شمار چیزیں دُور دُور تک بکھری پڑی تھیں۔ آگ لگنے کے اثرات بھی نمایاں تھے۔

”کیا.....؟“ ”کیا.....؟“ میں نے فلیکس کو نیچے آتا دیا۔

”روسو اب ہمارا پیچھا نہیں کریں گے۔“ ”ہاں..... میرا خیال ہے، وہ ہماری سمت کا تعین نہیں کر سکتے۔“

”ویسے اس راز کے لئے انہوں نے جس قدر جدوجہد کی تھی، اس کے تحت انہیں ہمارا گمشدگی پر کافی جدوجہد کرنی چاہئے تھی۔“ ”یقیناً.....!“

”لیکن نہ جانے کیوں؟ بہر حال! ان باتوں پر زیادہ غور کرنا ذہن کو تھکانا ہے۔ اگر“ اب بھی ہمارا تعاقب کریں تو کیا ہو گا؟“

”ہم، ان سے جنگ کریں گے۔“ میں نے جواب دیا اور فلیکس کی گہری سانس کی آواز سنائی دی۔

”تم جیرت انگیز انسان ہو۔ میں نے کسی ایسے انسان کے بارے میں کبھی نہیں سوچا۔“ میں نے فلیکس کی اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اب میں اُسے کیا تفصیل بتاتا کہ ڈن کیں

کیا ہے؟ ایک اعلیٰ نسل کا نوجوان، جس سے اُس کا اقتدار چھین لیا گیا تھا اور اب وہ دنیا سے جنگ کرنے لکھا تھا۔

برف کا حادثاتی سفر طے ہوتا رہا۔ فلیکس، میری نہ تھکنے والی فطرت پر جس قدر جیان کی پرواد نہیں ہے۔“ فلیکس نے جواب دیا۔

”گدھ..... یہ پسٹ ہمیں زندہ رکھے گی۔ بہر حال! میرا خیال ہے، بھیریوں نے ہمیں بچانے کا جون سوار ہو گیا تھا۔“ ہوشیار کر دیا ہے۔ اب بیہاں سے آگے بڑھیں۔“

”جبیسی تمہاری مرضی!“ فلیکس نے جواب دیا اور میں سفر کی تیاریاں کرنے لگا۔ فلیکس ”کیا.....؟“ میں نے نگاہیں دوڑائیں۔ میں کسی قدر نشیب میں تھا اور فلیکس بلندی پر ساتھ ہی زندہ رہے گا۔ اسے چھوڑوں گا نہیں۔ حالانکہ اس پر صعوبت سفر میں خود اپنا یوہ ”نظر آیا.....؟“

بخاری تھا، نہ کسی اپانج کو کندھے پر اٹھائے پھرنا۔ اور پھر سفر شروع ہو گیا۔ فلیکس، میرے کندھوں پر تھا اور سامنے برف کا طویل صحراء۔ لیکن ایک عزم سفر کر لیا تھا، منزل کے تعین کے بغیر۔

”ویسے ایک بات کا اطمینان ہو گیا ہے فلیکس!“ میں نے ست رفتاری سے چلتے ہوئے میں دفن وہ کوئی مسافر بردار جہاز ہی تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں، ڈھانچے کے قریب پہنچ کھا۔

تھا، میں دھانچے کے قریب پہنچ کھا۔ لیکن اس کے بعد میں نے بھی اس ڈھانچے کو دیکھ لیا تھا۔ سامنے کی طرف سے برف دی۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے بھی اس ڈھانچے کو دیکھ لیا تھا۔ سامنے کی طرف سے برف

”کیا.....؟“ ”کیا.....؟“ میں نے اس کا تعین کرو۔“ ”ہاں..... میرا خیال ہے، وہ ہماری سمت کا تعین نہیں کر سکتے۔“ ”ہاں.....!“ فلیکس گھٹے گھٹے لجھے میں بولا۔

”کیا خیال ہے..... میں اس کا جائزہ لوں.....؟“ ”کیا خیال ہے..... میں اس کا جائزہ لوں.....؟“ ”کیا خیال ہے..... میں اس کا جائزہ لوں.....؟“

”مجھے بھی اندر لے چلو کین! وہاں سردی سے حفاظت رہا جا سکتا ہے۔“ فلیکس نے اب تجاویز کی۔

”ٹھہر و..... میں پہلے اس کے دروازے کا جائزہ لے لوں۔“ میں نے کہا اور جہاز کے قریب پہنچ گیا۔ جہاز کا دروازہ، برف میں دفن تھا۔ میں اس کے کناروں سے برف ہٹانے میں مشغول ہو گیا۔ فلیکس بے چارہ، میری مدد کرنے سے قاصر تھا۔ بہر حال! میں دیر تک

مصروف رہا اور بالآخر دروازے کے کناروں سے برف صاف کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

لیکن اندر کوئی چیز ایکلی ہوئی تھی جس سے دروازہ، باہر کی طرف نہیں کھل سکتا تھا۔ تھوڑی

دیر تک میں کوشش کرتا رہا، لیکن کامیاب نہیں ہوئی۔ پھر میں نے میں گن اٹھائی اور دروازہ کے رخنے پر فارنگ کر دی۔ فلیکس، میری کارروائی کو بغور دیکھ رہا تھا۔ اس کے بعد میں، دیا۔ فلیکس بھی اندر کا منظر دیکھ کر ششدہ رہ گیا تھا۔ دروازے پر زور آزمائی کی اور دروازہ کھل گیا۔

لیکن اس کے ساتھ ہی کچھ افراد باہر کو دیئے۔ میں اچھل کر پیچھے ہٹ گیا تھا۔ فلیکس ”اوس..... بے چارے حادثے کا شکار ہو گئے۔“ اُس نے افسوس ناک لپجھے میں کہا۔ کے منہ سے بھی جیرت کی آواز نکل گئی۔ ہمارے وہم و مگان میں بھی نہیں تھا کہ جہاز کے جہاز کے ان نہیں گز اڑنا چاہئے۔ جہاں تک ممکن ہو سکے، جدو جہد کرو۔ اور زندگی کو بہتر سے بہتر بنانے کوئی زندہ شخص موجود ہو سکتا ہے۔

لیکن دوسرے لمحے، تھون کی ایک لہر اٹھی۔ اس کے علاوہ برف پر گرنے والوں میں بھی ”ٹھیک..... بالکل ٹھیک۔ میرا خود بھی یہی نظریہ ہے۔ بہرحال! ہم ان مرنے والوں کوئی تحریک نہیں ہوئی تھی۔ تب حقیقت کھلی۔ وہ مردہ تھے۔ شاید وہ لوگ، جہاز کے حادثے سے صرف ہمدردی کر سکتے ہیں، ان کے لئے کچھ اور نہیں کر سکتے۔ کیا تم انہیں دن کرنا پسند کی کوشش کرو۔“ میں نے کہا اور فلیکس گردہ ہلاتا ہوا بولا۔

کے بعد بھی زندگی نے ہمارے ہاتھ کو کھو لئے۔ میں نے کہا اور فلیکس کرو گے؟“ دروازہ کھولنے میں ناکام رہے اور وہیں اُن کی موت واقع ہو گئی۔

دیر تک ہم اس خوفناک منظر کے زیر اثر رہے۔ اندر موجود لاشیں، سڑپکھی تھیں اور جہاں دیکھنے لگا۔

”ٹھیک ہے..... تو اب تمہیں اس سے کوئی فائدہ اٹھانا مقصود ہے؟“ میں بدبو پھیلی ہوئی تھی۔ پھر آہستہ آہستہ اندر کی فضا صاف ہوتی جا رہی تھی۔ میں انتظار کر رہا۔ اور جب فضا، صاف ہو گئی تو میں نے دروازے میں قدم رکھا۔ اندر کا منظر واضح اور روشن تھا۔ جہاز کے دوسرے رُخ پر لگے ہوئے شیشوں سے روشنی اندر آ رہی تھی۔ بلاشبہ!

ایک مسافر بردار جہاز تھا جس میں کم از کم ڈیڑھ سو مسافر سوار تھے۔ اور ان میں سے کوئی بھی زندہ نہیں نجک سکا تھا۔ اگلا حصہ آگ سے بری طرح متاثر ہوا تھا۔ شیشیں تک جلی ہوا تھیں۔ البتہ پچھا حصہ محفوظ تھا۔ اسی وجہ سے وہ لوگ، آگ سے نجک گئے تھے۔ لیکن بھوک!

”ظاہر ہے، یہ لاشیں سڑپکھی ہیں۔ کیا تم تھون محسوس نہیں کر رہے؟“ میں نے فلیکس سے پیاس اور اندر کی گیس نے اُن کی زندگیاں چھین لی تھیں۔ کتنی کمپرسی سے اُن کی موت والی پوچھا۔ ”بلاشبہ!“

جہاز میں عورتیں بھی موجود تھیں، مرد اور بچے بھی۔ لیکن کوئی بھی زندہ نہیں تھا۔ ”البتہ، ہم لاشوں سے اُن کے لباس اُدھار لے سکتے ہیں۔“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا در دنارک منظر دیکھ کر چند ساعت کے لئے توڑا ہیں پڑرا گیا۔ اور پھر میں نے فلیکس کو آواز اور فلیکس بھی مسکرانے لگا۔ تو جم نے ایسے لوگوں کی تلاش شروع کر دی، جس کے لباس دی۔ فلیکس بے چارہ اپنے جسم کو حرکت دینے کی کوشش میں لڑاک کر رہا تھا۔ پھر وہ سنبل کر ہمارے لئے کاراًمد ہوں۔ بہت سے گرم سوت اور ایسی بہت سی چیزیں ہمیں مل گئیں، جو بیٹھ گیا اور کھیلانے انداز میں مسکرانے لگا۔ ”کیا کیفیت ہے.....؟“

”مسافر بردار جہاز ہے فلیکس! کیا تم اندر کا منظر برداشت کر سکو گے؟“ ”یقیناً کر سکوں گا۔ براو کرم! مجھے سہارا دو۔“ فلیکس نے کہا اور میں دروازے سے باہر ہو گئی تھی۔ فلیکس بھی کسی قدر مطمئن نظر آ رہا تھا۔ اس کام سے فارغ ہونے کے بعد میں کو آیا۔ پھر میں، فلیکس کو بھی اٹھا کر اندر لے گیا اور میں نے اُسے ایک خالی سیٹ پر بٹھانے اُس سے کہا کہ آیا وہ جہاز میں لاشوں کے پاس ٹھہرنا پسند کرے گا یا نہیں؟

”میرا خیال ہے، ہم ان کا تھون برداشت نہیں کر سکتے۔ یوں بھی یہ جہاز ہمارے لئے

نے بقیہ کام دوسرے دن پر ملتوي کر دیا۔ رات کو ہم جہاز کے اٹھے ہوئے سرے کے نیچے پہنچ گئے اور اپنے لئے ایک عدہ پناہ گاہ بنائی۔ جلانے کے لئے بہت سی چیزیں مل گئی تھیں۔ چنانچہ خوب تیز آگ روشن ہو گئی اور ہم نے انہائی پر سکون رات گزاری۔

دوسری صبح یوں لگ رہا تھا جیسے ہم تازہ دم ہوں۔ صبح کو فلیکس نے کہا۔ ”کین! ایک بات مجھے مل گئی۔ اور میرا ذہن ایک نئے منصوبے پر عمل کرنے لگا۔“

”خوراک کے بارے میں کیا خیال ہے.....؟“

”کیا مطلب.....؟“

”ہم نے ایک پہلو پر غور ہی نہیں کیا۔“

”کیا.....؟“

”خوراک کے ایئر ثابت ڈبے بھی تو ہوں گے۔“

”اوہ..... واقعی بڑی موٹی سی بات ہے۔“ میں اچھل پڑا۔ نہ جانے یہ معمولی سی بات نظر آ رہے تھے۔ معمولی کام نہیں تھا۔ لیکن جدوجہد کے آگے ہر کام معمولی ہو جاتا۔ چنانچہ میں جہاز کے دو پیٹے کھولنے میں مصروف ہو گیا اور تقریباً تین گھنٹے کی کوشش کے طرف زندگانی اور اندر گھس گیا۔

..... اور اگر میں کچن کو نظر انداز کر کے نکل جاتا تو اس سے بڑی حمافت اور کوئی نہ ہوتی۔ یہاں کچن میں بہت کچھ تھا۔ خوراک کے بند ڈبے، تیار شدہ کافی کے ٹن، سگریٹ، ماچس اور

نہ جانے کیا کیا.....

میں نے ان تمام چیزوں کا مناسب ذخیرہ اکٹھا کیا۔ ایک آدھ برتن بھی ساتھ لیا۔ دو بڑے تھے۔ لیکن بہر صورت! میرے لئے کار آمد تھے۔ فلیکس، متعجبانہ انداز میں میری کوشش کو دیکھ رہا تھا۔ اس دوران اس نے میری کارروائی پر کوئی تبصرہ نہیں کیا تھا۔ لیکن،

کر خوشی سے اچھل پڑا تھا۔

”اوہ..... اس خوراک کے سہارے تو ہم اس برف پر کافی وقت گزار سکتے ہیں۔“ اس نے خوشی کے عالم میں کہا۔

”ہاں..... رات کو میں نے اسے نظر انداز کر دیا تھا۔“

”اس طرف خیال بھی نہیں گیا۔“

”لو میرے دوست! میری طرف سے تھفتا.....!“ میں نے جیب سے براعذی کی ایک بوتل نکال کر فلیکس کو دی اور فلیکس کے منہ سے خوشی کی چیز نکل گئی۔ اس نے تو میرے گاڑی بہت خوب تھی۔ میں نے اس کی چھت بھی تعمیر کی اور پھر جب رات ہو گئی

ناکارہ ہے۔“

”تو پھر سفر شروع کیا جائے؟“ میں نے پوچھا۔

”ہاں، یقیناً.....“

”تب تم باہر ٹھہرو فلیکس! میں یہاں اپنی ضرورت کی چند چیزیں تلاش کر لوں۔“ فلیکس کو باہر چبوڑ گیا اور اس کے بعد میں جہاز کی تلاشی لینے لگا۔ بہت ساری کار آمد چیز کہوں؟“

چنانچہ میں نے جلطے ہوئے انجن روم میں جا کر سب سے پہلے انجینئرز کی بن دیکھا

وہاں مجھے اپنی پسند کی کئی چیزیں مل گئیں۔ یہ بہت سارے ٹولز تھے۔ اس کے علاوہ رسید

کے بڑے بڑے لچکے، جو ناگوں کی مضبوط ڈوریوں سے بندھے ہوئے تھے۔ پیراشوت۔

کچھ چیزیں میں نے جہاز سے نکال لیں۔ پھر میں نے ٹولز سے دو سیٹیں کھولیں اور انہیں پھینک دیا۔ فلیکس میری کارروائی کو دیکھی سے دیکھ رہا تھا۔

اس کے بعد جہاز کے پچھلے حصے میں پہنچ گیا جو اور پر اٹھا ہوا تھا اور جہاز کے پیٹے علا

نظر آ رہے تھے۔ معمولی کام نہیں تھا۔ لیکن جدوجہد کے آگے ہر کام معمولی ہو جاتا۔

چنانچہ میں جہاز کے دو پیٹے کھولنے میں مصروف ہو گیا اور تقریباً تین گھنٹے کی کوشش کے

دو نوں سیٹوں کو جوڑا! اور ایک سڑپچر ساتر ترتیب دے لیا۔

سڑپچر کے نچلے حصے میں، میں نے بڑی مہارت سے دونوں ٹاٹر فٹ کئے۔ یہ ٹاٹر نہ جانے کیا کیا.....

برڑے تھے۔ لیکن بہر صورت! میرے لئے کار آمد تھے۔ فلیکس، متعجبانہ انداز میں میری

کوشش کو دیکھ رہا تھا۔ اس دوران اس نے میری کارروائی پر کوئی تبصرہ نہیں کیا تھا۔ لیکن،

قدر میرے قریب آ گیا تھا۔

”کچھ نہیں کہوں گا، کچھ نہیں کہوں گا.....“ اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا اور مسکرا

لگ۔ میں نے بھی مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور خاموشی سے اپنے کام میں مصروف ہوئا

لگ۔ میں نے بھی مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور خاموشی سے اپنے کام میں مصروف ہوئا

لگ۔ میں نے بھی مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور خاموشی سے اپنے کام میں مصروف ہوئا

لگ۔ میں نے بھی مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور خاموشی سے اپنے کام میں مصروف ہوئا

لگ۔ میں نے بھی مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور خاموشی سے اپنے کام میں مصروف ہوئا

لگ۔ میں نے بھی مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور خاموشی سے اپنے کام میں مصروف ہوئا

لگ۔ میں نے بھی مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور خاموشی سے اپنے کام میں مصروف ہوئا

ہاتھ سے جھپٹ لی اور پھر اس کا کاک دانتوں سے کھول کر آدمی چڑھا گیا۔ پھر باقی اس سفر آسانی سے طے کر لیں گے۔

”خوب..... قدرت نے ایک انسان میں نہ جانے کیا کیا منع کر دیا ہے۔“ فلیکس نے کہا..... اور پھر اطمینان سے سفر شروع ہو گیا۔

گاڑی اتنی روائی کہ اس کے دھکلیے میں مجھے کوئی وقت نہیں ہو رہی تھی۔ ہاں! صرف یہ خیال تھا کہ اگر کہیں برف زیادہ نرم ہوئی تو وزنی پہنچ دھنس جائیں گے۔ بہرحال! یہ ہماری کوشش تھی اور نتیجہ حالات کے باخوبی میں تھا اور حالات ہمارے موافق تھے۔ اس وقت ہم نے جتنا سفر کیا، اس میں کوئی قابل ذکر دشواری پیش نہیں آئی۔ بالآخر جب گہری تاریکی چھا گئی تو میں نے گاڑی روک دی۔

خوراک تیار کی، کافی بنا کر پی اور گاڑی کے ہڈ کو چاروں طرف سے کس لیا اور ہم دونوں اس میں چھپ کر سو گئے۔

دوسری صبح ضروریات سے فارغ ہو کر پھر سفر شروع کر دیا۔ اب ہمیں تھوڑی سی بلندی کی طرف سفر کرنا تھا۔ چنانچہ یہاں گاڑی دھکلیے میں کافی محنت کرنی پڑی۔ سخت سردی کے باوجود میرا جسم پیسنے پینے ہو گیا۔ لیکن بالآخر میں چڑھائی کی انہاتک پہنچنے میں کامیاب ہو ہی گیا۔ اور اس کے بعد ایک طویل ڈھلان تھی، جسے دیکھ کر فلیکس خوشی سے اچھل پڑا۔

”کین..... آ جاؤ! گاڑی پر آ جاؤ!“

”یقیناً..... لیکن افسوس! اس کا شیئر نہیں ہے۔“

”نہ تی بریک۔“ فلیکس بولا۔

”بہرحال! ہمیں بریکوں کی ضرورت بھی کیا ہے؟“ میں نے ہنس کر کہا اور گاڑی کو ڈھلان پر چھوڑ کر خود بھی اچھل کر اس میں سوار ہو گیا۔ سفر کافی تیز رفتاری سے طے ہونے لگا۔ کوئی رکاوٹ نہیں تھی اور گاڑی خوب تیز رفتاری سے ڈھلانوں پر سفر کر رہی تھی۔ اگر ہم ڈھلانوں کو پیدل طے کرنے کی کوشش کرتے تو شاید دو دن لگ جاتے۔ لیکن یہ دو دن کا سفر ہم نے چند گھنٹوں میں طے کر لیا اور ڈھلان کے سرے پہنچ گئے۔ سامنے ہی تھوڑی سی چڑھائی تھی اور اس کے بعد ویسی ہی طویل ڈھلان۔ چنانچہ میں چڑھائی پر گاڑی دھکلینے لگا۔ اس بار بھی خاصی مشقت اٹھائی پڑی تھی اور فلیکس بے چارہ بار بارگھوم کر میری شکل دیکھنے لگتا تھا۔ ہمیں اس چڑھائی پر کافی طویل وقت لگا۔ بلندی پر پہنچ کر میں نے گاڑی روکی اور اسی

بوتوں میری طرف بڑھاتا ہوا بولا۔

”یہ تمہاری.....!“

”ہمیں..... میرے پاس اور ہے۔“

”کیا اس کا بھی ذخیرہ تھا؟“

”ہاں..... میں نے کافی حاصل کر لی ہے۔“

”مزہ آ گیا۔ خدا ان مرحومین کو جنت میں جگہ دے۔ ان کی موت نے ہمیں نئی زندگی دے دی ہے۔“ وہ برانڈی کی چھوٹی چھوٹی چسکیاں لیتے ہوئے بولا۔ ہم دونوں نے غریب قہقہے لگائے۔ مایوسی کا احساس ڈھن سے ڈور ہو گیا تھا۔ جس قدر ہم مذہبی ہو چکے تھے، اسی قدر چاق و چوبنڈ نظر آ رہے تھے۔ پھر میں نے آگ روشن کر کے عدہ خوراک حاصل اور ہم دونوں نے سیر ہو کر کھایا پیا۔

دوپھر کے بارہ نجح رہے تھے، تب میں نے فلیکس سے کہا۔ ”اب یہاں سے آگے جائے۔“

”بلاشہ.....!“

”تب پھر آ جاؤ!“ میں نے اُسے گاڑی میں آنے کا اشارہ کیا اور فلیکس ایک دم آزاد ہو گیا۔

”اور تم اس گاڑی کو کھینچو گے؟“

”ہاں..... تو اور کیا؟“

”کاش! ہم باری باری ایک دم سرے کو کھینچتے۔“

”دیکھو فلیکس! اس خیال کو ڈھن سے نکال دو۔ یہ سوچو! آسانی کتنی ہو گئی ہے؟ بڑھائی پر محنت کرنا ہو گی۔ لیکن میں نے اس کا بھی انتظام کر لیا ہے۔“

”کیا.....؟“

”یہ دیکھو! اس راڑ کو میں نے اس جگہ فٹ کیا ہے۔“

”ہاں.....!“

”جانتے ہو کس لئے.....؟“

”ہمیں.....!“

وقت فلیکس چلا اٹھا۔.....

”اوہ! کین! کین!.....! پلیز کین! گاڑی کو تھوڑا پیچھے کرو.....کین! جلدی کرو، پلیز!“
”کیوں خیریت؟“ میں نے پوچھا۔ اور اس بات کو جانے بغیر کہ اس کا مقصد کیا
ہے، گاڑی کو تھوڑا سا پیچھے ہٹا کر راڑ لگا دی۔ ”کیا بات ہے فلیکس؟“

”میرا خیال ہے..... میرا خیال ہے..... پچھے.....“ فلیکس نے سامنے کی طرف اشارہ کیا
اور میں احتیاط سے بلندی پر پہنچ گیا۔ لیکن دوسری طرف کوئی ایسی خطرناک چیز یا کوئی خوفناک
گڑھا وغیرہ بھی نہیں تھا..... بلکہ سامنے بے شمار فوجی خیے نظر آ رہے تھے۔ اور یہ خیے بلاشبہ
روسیوں کے تھے۔ روئی جھنڈا بھی صاف نظر آ رہا تھا۔ لیکن یہاں ان کی موجودگی تعجب خیز
تھی۔ ممکن ہے، کسی دوسری طرف سے ان کا یہ سلسلہ جا کر ملتا ہو اور یہ کوئی سرحدی چھاؤں
ہو۔ لیکن بہر صورت! اس کا مطلب تھا کہ ہم کسی روئی سرحد پر میں“

اب صورتحال یہ تھی کہ زوئی ہمارے سامنے تھے اور ہمیں ان کے سامنے سے گزرتا تھا۔
خیے تھوڑی تھوڑی ٹکڑیوں میں دُور دُور تک پھیلے ہوئے تھے، اس لئے اگر ہم اپنے دائیں!
بائیں طرف ہٹ کر ڈھلان کا سفر کرتے، تب بھی دیکھ لئے جانے کا خطرہ بدستور موجود تھا
ہاں! البتہ ایک بات ضرور ذہن میں آتی تھی، وہ یہ کہ برف کی یہ ڈھلان اتنی طویل تھی کہ
جہاں روئی خیے نظر آ رہے تھے، اس سے آگے بھی بے پناہ ڈھلان تھی۔

اگر گاڑی کو اس ڈھلان پر چھوڑ دیا جاتا تو یہ طویل فاصلہ طے کر کے زوئی خیموں کے
درمیان سے آرام سے نکلنے تھی۔ لیکن یہ ایک خطرناک مرحلہ تھا اور میں اس پر کافی غور
خوض کر رہا تھا۔ اگر ہم اس انداز میں نکلنے کی کوشش کرتے تو بہر صورت! روسیوں کو اپنے
پیچھے لگا لیتے۔ لیکن اس کے علاوہ کوئی دوسرا استثنیہ نہیں تھا۔ چنانچہ میں نے فلیکس سے کہا۔
”فلیکس! اب کیا خیال ہے؟“

”میں بھی یہی سوچ رہا ہوں کیم! کہ کیا، کیا جائے؟ بہر صورت! یہ اندازہ تو ہو گیا!
کہ یہ زوئی سرحد ہے اور سرحد کے دوسری جانب کوئی دوسرا ملک ہو گا۔ کاش! ہم کسی طریقے
آس دوسرے ملک کی سرحد پار کر جائیں۔ اس کے بعد جو کچھ بھی ہوگا، دیکھا جائے گا۔“

”ہاں! یہ تو حقیقت ہے۔ مگر اب کرنا کیا چاہئے؟ اگر ہم سفر کرنے کے لئے کسی سے
کٹنے کی کوشش کرتے ہیں تو ضرور دُور نکشیں گے۔ برف کے اس میدان میں دیکھ لئے جانا
ایک لازمی امر ہے۔ اس کے علاوہ دائیں اور بائیں سمت تم دیکھ رہے ہو کہ پہاڑی دیواری۔“

ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ ہم برف کے اس وسیع و عریض میدان میں اتنی دُور تک نہیں جا
سکتے کہ کسی کی نگاہوں میں نہ آ سکیں کیونکہ کچھ فاصلے پر یہ برقانی پہاڑ پھیلے ہوئے ہیں۔ اور
ان پہاڑوں میں سفر کرنا تو حماقت ہی ہو گی۔ یوں سمجھو لو! کہ ایک طرح سے ہم خود کو دوبارہ
ہلاکت میں ڈال لیں گے۔“

”یقیناً..... تو پھر کیا، کیا جائے کیم؟“ فلیکس نے پریشانی سے کہا۔

”ویکھو فلیکس! پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ جو کچھ کر سکے، ضرور کریں گے۔ اور
مسئلہ صرف یہی ہے کہ ہمیں یہ خطرہ مول لینا چاہئے یا نہیں؟“ میں نے پڑھا نظر وہ سے
فلیکس کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

”خطرہ تو مول لینا یعنی پڑھے گا۔“ فلیکس نے کہا۔

”بس..... تو پھر تیار ہو جاؤ۔“

”کیا مطلب...؟“

”بس، تیار ہو جاؤ!“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور ایک ناقابل یقین کارنامہ انجام
دینے کے لئے تیار ہو گیا۔

سب سے پہلے میں نے شین گن کے بٹ لگائے۔ اور اس کو پوری تیار کر لیا۔ اس کا بعد
کاڑھ کسی خاص سمت میں نہیں تھا بلکہ میں اسے اپنے قبضے میں رکھنا چاہتا۔ اس کے بعد
میں نے فلیکس سے اونڈھا لیٹ جانے کے لئے کہا۔ فلیکس، گاڑی کی سیٹ پر اونڈھا لیٹ
گیا۔ میں نے فلیکس کو روسیوں سے مضبوط باندھ دیا۔ فلیکس، متوجہ انداز میں میری اس
کارروائی کو دیکھ رہا تھا۔

بہر صورت! وہ اس بات کا قائل ہو ہی چکا تھا کہ میں جو کچھ بھی کرتا ہوں، اس میں کوئی
نہ کوئی حکمت ضرور ہوتی ہے۔ اس کے بعد میں نے خود کو بھی مضبوطی سے روپیوں میں لپیٹ
لیا۔ ہاں البتہ میں چت لیٹا تھا۔ اور اس انداز میں لیٹا تھا کہ اپنا اوپری بدن جس طرف
چاہوں، گھما سکوں۔ چت لیٹنے کے بعد میں نے شین گن، فلیکس کے اکلوتے ہاتھ کے نیچے
دبائی اور گاڑی کے پہبوں کو پوری قوت سے دھکلینے لگا۔

گاڑی تھوڑی سی کھکھی۔ بس! چند اچھے کی ضرورت تھی۔ اس کے بعد وہ ڈھلان پر دوڑ
جائی۔ چند ساعت کے بعد میں اپنی کوشش میں کامیاب ہو گیا۔ گاڑی تیزی سے ڈھلان پر
دوڑنے لگی۔ موت کا خوفناک سفر شروع ہو گیا۔۔۔۔۔ گاڑی، تیزی سے اپنا سفر طے کر رہی تھی۔۔۔۔۔

تیزی سے قریب سے قریب تر آئی جا رہی تھیں۔ میں نے شین گن اٹھائی، چوما اور تیار ہو گیا۔ رُوی موزس سائیکلیں قریب سے قریب تر ہوتی جا رہی تھیں۔

اور پھر ان پر سے فائرنگ ہونے لگی۔ انہوں نے ناروں کو نشانہ بنایا تھا۔ لیکن خوش بختی تھی کہ چہاز کے نار تھے۔ گولی پڑی بھی ہو گئی تو اچٹ گئی ہو گئی۔

”فلیکس!“ میں نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ”میں شروع کرنے جا رہا ہوں۔“ ”اوکے.....!“ فلیکس بھی خوش دلی سے بولا۔ وہ ذرا بھی زروں نہیں تھا۔ تب میں نے

گردن اٹھائی اور دوسرے لمحے، شین گن سے فائرنگ شروع ہو گئی۔ موزس سائیکل سوار اچھل اچھل کر نیچے گرے۔ لیکن ان کے پیچھے دوسرے بھی تھے۔ وہ ابھی اس صورتحال سے واقف نہیں تھے۔ لیکن گاڑی کے نزدیک پہنچنے والوں کا حشر دیکھ کر سنبھل گئے تھے۔ اور پھر دوسری طرف سے بھی شین گن سے گولیاں برنسے گئیں اور پیچھے والوں کی رفتار بھی خاصی تیز ہو گئی۔

میں بڑی احتیاط سے گولیاں خرچ کر رہا تھا۔ میں نے تاک کر ایک سوار کو نشانہ بنایا۔ پھر دوسرے کو..... لیکن اس کے ساتھ ہی گاڑی کے قریب ایک دستی بم پہنچا اور گاڑی اچھل گئی۔

لیکن شکر ہے، اُس کا رُخ نہیں بدلا۔ ورنہ وہ رُک جاتی۔ اب میں نے آدھا جسم اٹھا کر زبردست فائرنگ شروع کر دی اور موزس سائیکل سوار پھیل گئے۔ لیکن میں تاک کر انہیں نشانہ بنانے لگا۔ میری یہ کوشش رائیگاں نہیں گئی۔ میں نے بے شمار سواروں کو لٹا دیا۔ اور پھر سخت جدوجہد کے بعد ان کے آخری آدمی کو بھی ہلاک کر دیا۔

اب دُور دُور تک کوئی نظر نہیں آ رہا تھا اور گاڑی کی رفتار خطرناک حد تک تیز ہو گئی تھی۔ کیونکہ ڈھلان بہت گہرے تھے۔ اب کسی کا نشان نہیں تھا اور ہم دونوں قبیلے لگا رہے تھے۔

”دیکھا فلیکس! اس بیرونی اور پیروں کی گاڑی کو؟“

”بہت ہی عمدہ! اب اگر یہ ہمیں کسی گہرے کھڈ میں بھی لے جائے تو کوئی پرواہ نہیں۔“

فلیکس نے قبیلہ لگا کر کہا۔

”موت، ہم سے خوفزدہ ہے فلیکس! اس لئے گاڑی کسی کھڈ میں نہیں گرے گی۔“ میں نے کہا۔

”ہاں..... نہیں گرے گی۔“ فلیکس بولا اور براہمی کی ایک بوتل کا، کاک کھول کر اسے میری طرف بڑھا دیا۔

میں پائیں کروٹ ہو گیا تھا بذریعہ سے خیموں پر بھی نگاہ رکھ سکتا تھا اور سامنے بھی دیکھ سکتا تھا۔

گردن اٹھائے میں سامنے کی طرف دیکھ رہا تھا۔

رُوی اپنے خیموں میں آ، جا رہے تھے..... اور پھر ہمیں دیکھ لیا گیا۔ رُوی جیران کن نگاہوں سے مجھے دیکھ رہے تھے۔ اور پھر چند فوجی ہاتھ اٹھا کر چیخنے لگے۔ میری بھج میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں؟ لیکن بہر صورت! گاڑی کی رفتار بہت تیز تھی اور فوجی شاید اس کے بارے میں جان نہیں پائے تھے کہ وہ کیا چیز ہے؟ البتہ وہ ہمیں رُنکے کا اشارہ کر رہے تھے۔ لیکن رُنکے کا کیا سوال؟ گاڑی، تیزی سے رُوی فوجیوں کے خیموں کی جانب بڑھ رہی تھی.....

ڈھلان کے اس سفر کو میں اپنی زندگی کا خوفناک ترین سفر کہوں گا۔ رُوی اگر سنبھل گئے اور حیرت کے اثرات سے آزاد ہو گئے تو ہماری راہ میں رُکاوث کھڑی کر کے با آسانی ہمیں روک سکتے تھے۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ وہ اس عجیب و غریب گاڑی کی چھان بین میں ہی مصروف رہیں اور ہم ان کے درمیان سے نکل جائیں۔ یا پھر اگر راستے میں کوئی بر قافی تودہ آ گیا تو گاڑی اُس سے نکلا کر اُنکا بھی سکتی ہے۔ لیکن ان دونوں تو کوئی خطہ، خطہ ہی نہیں تھا۔ جو ہو گا، دیکھا جائے گا۔ البتہ گاڑی کی رفتار، تیز سے تیز تر ہوتی جا رہی تھی۔

اب رُوسیوں کی آوازیں صاف سنائی دینے لگی تھیں۔ وہ چیخ چیخ کر گاڑی رُنکے کے لئے کہہ رہے تھے۔ لیکن ان بے دوقوف کو نہیں معلوم تھا کہ یہ کوئی بر قافی مشین نہیں ہے بلکہ زندگی اور موت کا کھیل ہے۔

میں شین گن لئے تیار تھا۔ اگر مغلت کی کوشش کی لگتی تو پھر کارروائی کروں گا۔ لیکن اگر ان کے درمیان سے گزر گیا تو پھر کوئی بات نہیں ہے۔ اور اس خیال کے تحت میں نے شین گن ایک سمت کر لی تاکہ اُنہیں نظر نہ آئے۔ البتہ اپنے ہاتھ میں نے آزاد کر لئے اور پھر ایک رُوی جملہ میرے ذہن میں آ گیا۔

جو نہیں میں ان کے قریب پہنچا، میں نے ایک زور دار آواز لگائی۔ ”ہائے، سرخ سفر!“ اور گاڑی ان کے درمیان سے نکل گئی۔ لیکن رُوسیوں نے شاید سرخ سفر پر کوئی توجہ نہیں دی تھی۔ کیونکہ چند ساعتوں کے بعد موزس سائیکلوں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔

رُوی ہمارے پیچھے دوڑ پڑے تھے اور ان کی رفتار کافی تیز تھی۔ گاڑی کی رفتار قدر تی تھی اور موزس سائیکلوں کی رفتار، رُوی سواروں کی تجربہ کاری کی رہیں ملت..... چنانچہ موزس سائیکلوں

”اوہ.....شکریہ!“ میں نے بوتل منہ سے لگائی اور اسے آدھا خالی کر کے فلیکس کے منہ سے لگا دیا۔ فلیکس نے بھی وحشیانہ انداز میں بوتل خالی کر دی۔ ہم دونوں بہت خوش تھے۔ اور یہ خوشی کی خوش آئند وقت کا پیش خیمه تھی۔

گاڑی کی رفتارست ہوتی جا رہی تھی۔ اور ہم نے بہت جلد اس بات کو محسوس کر لیا۔ میں نے گردن اٹھائی اور ایک لمحے کے لئے میرے ذہن میں سفناہت دوڑگئی۔ جس سمت میں نے بھاگنا تھا، اس طرف انتہائی گہرا یاں تھیں اور ان گہرا یوں میں بے شمار خیسے نظر آ رہے تھے..... اگر گاڑی کا رخ ذرا سابل جاتا تو وہ ان گہرا یوں میں جاسکتی تھی جو بالکل سیدھی تھیں۔ اور گاڑی اُن کے کنارے کنارے دوڑ رہی تھی۔

لیکن وہ خیسے..... کیا کوئی اور رُوی چھاؤنی؟ خیموں پر فلیگ بھی لگا ہوا تھا۔ لیکن یہ فلیگ..... فلیگ روی نہیں تھا۔ میں نے غور کیا اور بمشکل سرست دبای۔ یہ ترکی کا جھنڈا اتھا۔

گویا ہم روی سرحد سے نکل آئے تھے اور ترک سرحدوں میں داخل ہو گئے تھے ایک خوفناک خطرہ مل گیا تھا اور ہماری زندگی کا یہ بھی انک تین سفر ختم ہو گیا تھا۔ میں نے جلدی جلدی اپنے جسم کی رسیاں ڈھیلی کرنا شروع کر دیں۔

”یہ..... کیا کر رہے ہو؟ ابھی گاڑی کی رفتار بہت تیز ہے۔“ فلیکس نے کہا۔ ”فلیکس! کیا تم ترکی زبان سے واقف ہو؟“ اُس کی دافنت میں، میں نے ایک بے شکا سوال کر دیا۔

”ایں.....؟“ وہ تجھ سے بولا۔

”کیا تم ترکی زبان سے واقف ہو؟“

”بخوبی..... لیکن کیوں؟“

”بھم، ترکی میں داخل ہو گئے ہیں۔“

”کیا.....؟“ فلیکس کی آواز میں کپکپاہت تھی۔

”ہاں فلیکس! ہم روس کی سرحدوں سے نکل آئے ہیں۔“

”شمہیں کس طرح معلوم؟“

”بس! معلوم ہو گیا۔ تم خوش ہو جاؤ۔“ اور فلیکس پر سناٹا چھا گیا۔ کافی دیر تک اُس کی زبان ہی نہ کھل سکی۔ پھر وہ بڑی مشکل سے بولا۔

”کیا تم درست کہہ رہے ہو میرے دوست؟“

”سو فیصدی.....!“

”آہ..... بالآخر ہم زندگی کی طرف لوٹ ہی آئے۔“

”ہاں.....!“ میں نے کہا اور رسیاں کھول کر آزاد ہو گیا۔ گاڑی کی رفتار اب بہت ست ہو گئی تھی۔ اور پھر وہ رُک گئی۔ میں اچھل کر نیچے آ گیا۔ اور پھر میں نے فلیکس کو بھی آزاد کر دیا۔

”اب بتاؤ.....“ اُس نے کہا اور خاموش ہو گیا۔ اُس کی نگاہ ایک طرف اٹھ گئی تھی۔ میں بھی اُسی جانب دیکھنے لگا۔ ایک ترکستانی سرحدی بستی تھی۔ تھوڑے ہی فاصلے پر مویشیوں کا ایک گلہ نظر آ رہا تھا اور اُس کا نگہبان ترکستانی لباس میں نظر آ رہا تھا۔ فلیکس کی آنکھیں نمانک ہو گئیں..... ”ہاں..... ہم واقعی ترکی میں داخل ہو گئے ہیں۔“

”کیا خیال ہے؟ زندگی، موت کی آغوش میں جاسکتی ہے۔“

”جب تک وقت پورا نہ ہو، ممکن نہیں۔“ فلیکس نے جواب دیا۔

”چلو! پھر تیار.....“ میں نے کہا اور گاڑی کو دھکینے لگا۔ رُخ اُسی چواہے کی طرف تھا جو ہم سے بے خبر اپنی دھن میں مست اپنے مویشیوں کو چرا رہا تھا۔ جب ہم اُس کے قریب پہنچتے تو اُسے آہٹ محسوس ہوئی تھی۔ تب اُس نے مُڑ کر ہمیں دیکھا اور اُس کی نگاہوں میں تجھ کے آثار پیدا ہو گئے۔

وہ بھی داڑھی والا سرخ و سفید ترک آدمی تھا جس کا جسم خاصاً چوڑا چکلا تھا۔ چند ساعت وہ ہمیں گھوڑتا رہا۔ پھر آگے بڑھا اور اُس نے ہمیں اپنی زبان میں سلام کیا۔ میں نے ترکی زبان ہی میں اُسے جواب دیا اور وہ بے پناہ خوش نظر آنے لگا۔ تب اُس نے سوال کیا۔

”یہ انوکھی چیز کیا ہے تمہارے پاس؟ اور تم کہاں سے آ رہے ہو؟“

”بس! ایسے ہی گھومنے پھرنے والے سیاح ہیں۔ یہ گاڑی ہم نے خود بنائی ہے اور اس پر سیر کو نکلے ہیں۔“

”واہ..... انوکھی گاڑی ہے۔ اس میں نہ تو انجن ہے اور نہ ہی اسے چلانے کی کوئی دوسری چیز۔ تم اسے چلاتے کس طرح ہو؟“ چواہے نے ہماری گاڑی کے نزدیک آ کر غور سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”بس! کبھی اسے دھکیلنا پڑتا ہے اور کبھی یہ ڈھلانوں پر خود دوڑتی ہے۔“ میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

میں، فلیکس کو سہارا دیئے ہوئے تھا اور فلیکس کا چہرہ، خوشی سے سرخ نظر آ رہا تھا۔ وہ سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ اس معدود ری کے عالم میں بھی کوئی شخص اسے اتنا طویل سفر کرنے کے لئے تیار ہو جائے گا۔ بہر صورت! اُس کی آنکھوں میں ممنونیت کے آثار تھے۔ اور مجھے خوشی تھی کہ اُس کی زندگی بچانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

چروائے نے ہمیں ایک چھوٹے سے کیبن نما کمرے میں بھرایا۔ یہاں اُس نے ہمارے لئے تمام آسانٹوں کا بندوبست کرنے کی کوشش کی تھی۔ بھیڑوں کا عمدہ ڈودھ ہمیں پینے کے لئے دیا گیا جس کے بعد ہم نے خود میں کافی تو انائی مجبوس کی۔ تب چروائے نے کہا۔ ”معزز مہمانو! مجھے تھوڑی دیر کے لئے اجازت دو۔ تاکہ میں مویشی اُن کے مالکان کے حوالے کر آؤں۔ اس کے بعد آ کر تم سے تمہارے دلچسپ سفر کے بارے میں گفتگو ہو گی۔“ میں نے چروائے کو اجازت دے دی اور وہ چلا گیا۔

فلیکس نے کھال کے بنے ہوئے بستر میں لیٹ کر آنکھیں بند کر لی تھیں۔ دیر تک خاموشی رہی۔ پھر وہ ایک گہری سانس لے کر بولا۔ ”انسان کے عزم کے سامنے کوئی چیز مشکل نہیں ہے۔“

”میں نے تم سے کہا تھا نا فلیکس!“

”تم.....“ فلیکس نے مجھے عجیب سی نگاہوں سے دیکھا۔ ”تم ایک قابل تحقیق انسان ہو۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ تم عزم کی کون سی تصویر ہو؟ تم نے کسی جگہ بھی حالات سے شکست قبول نہیں کی بلکہ سخت ترین حالات میں بھی ناقابل تغیر نظر آئے۔ یقین کرو کیں! اگر تمہاری جگہ میں ہوتا اور صحیح و سالم ہوتا، تب بھی شاید تمہارے ساتھ یہ سلوک نہ کر سکتا۔“

”چھوڑو..... جانے دو فلیکس! میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ زندگی ملی تو ہم دونوں کو بلے گی اور اگر موت آئی تو پہلے میں مر دوں گا۔“

”تب، ڈیز کیں..... آو! ایک اور فیصلہ کر لیں۔ جب تک زندگی ہے، ساتھ ہی جیں گے اور موت کو بھی ساتھ ہی گلے لگائیں گے۔“ فلیکس نے میری طرف ہاتھ بھیلا�ا اور میں اسے دیکھنے لگا۔ بے شمار خیالات، میرے ذہن میں رقصان تھے۔ ”یقین کرو کیں! مجھے ذرا ساموقع مل جائے تو میں اپنا ہاتھ اور پاؤں بالکل درست کر لوں گا۔ تم دیکھ پکھے ہو، وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ بھی تمہارے اور یو جنہیں بون گا۔“

”یہ بات نہیں ہے فلیکس! بلکہ میری زندگی کا ایک مشن ہے۔ میں اسے پورا کرنا چاہتا

پھر اچانک اُس کی نگاہ فلیکس پر پڑی اور وہ چوک اٹھا۔ ”اوہو..... یہ معدود آدمی.....“ معدود آدمی۔“ اُس نے تاسف انگیز لمحے میں کہا۔ ”ہاں..... میرا دوست حادثے کا شکار ہو گیا ہے۔“ میں نے اُسے جواب دیا اور اُس کی نگاہوں سے ڈکھ جھائکنے لگا۔

”بردا فوس ہوا۔ لیکن تم جا کہاں رہے ہو؟“ بوزھے نے دلچسپی سے پوچھا۔ ”تمہاری بستی میں۔۔۔ تمہارے مہمان بننا چاہتے ہیں۔“ میں نے جواب دیا اور بوزھا مسکرا نے لگا۔

”سر آنکھوں پر..... دل و جان سے.....“ اُس نے سینے پر ہاتھ رکھ کر جھکتے ہوئے کہا۔ ان لوگوں کی مہمان نوازی کے بارے میں میری کچھ معلومات نہیں تھیں۔ لیکن فلیکس جانا تھا۔ مجھے ترکی زبان بولتے دیکھ کر فلیکس نے تجھ کا اظہار کیا۔

”تم تو اچھی خاصی ترکی بول لیتے ہو کیں!“ اُس نے مسکراتے ہوئے کہا اور میں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

”ہاں..... میں کئی زبانوں سے واقف ہوں فلیکس!“

چروائے اپنی بھیڑوں کو سینئے میں مصروف ہو گیا تھا اور اپنے منہ سے عجیب و غریب آوازیں نکال رہا تھا اور جیرت کی بات یہ تھی کہ تمام مویشی اکٹھے ہوتے جا رہے تھے۔ چروائے ہماری آمد سے بہت خوش تھا۔ تب وہ ہمارے نزدیک آ کر بولا۔ ”معزز مہمانو! میں تمہیں اپنی بستی میں خوش آمدید کہوں گا۔ آؤ..... میرے ساتھ آؤ!“ چروائے نے کہا اور ہم، اُس کے ساتھ چل پڑے۔ اُس کی اس مہمان نوازی سے ہم بڑے ہی خوش تھے۔

بستی کے مکان زیادہ تر لکڑیوں اور گھاس پھونس کے بنے ہوئے تھے۔ یقین طور پر یہاں زلزلے بھی آتے ہوں گے۔ کیونکہ یہ پہاڑی علاقہ تھا اور اسی لئے یہ مکانات اس انداز کے بنائے گئے تھے کہ زلزلوں سے متاثر نہ ہوں۔

ایسے ہی ایک چھوٹے سے مکان کے نزدیک چروائے کا ڈرامہ رُک گیا۔ اُس نے چند ساعت ہمیں باہر ہی ٹھہرنا کے لئے کہا۔ ہم نے اپنی گاڑی، اس گار کے احاطے میں کھڑی کر دی۔ چروائے اندر چلا گیا اور چند ساعت کے بعد واپس آگیا۔ ”معزز مہمانوں کو اپنے چھوٹے سے مکان میں خوش آمدید کہتا ہوں۔“ اُس نے کہا اور ہم اُس کے ساتھ اس کے مکان میں داخل ہی گئے۔

ہوں۔” میں نے بھاری آواز میں کہا۔

”میں، تمہارا ہم شکل ہوں کیون! اس مشن کو دو افراد میں تقسیم کر دو۔ مجھے اپنا بہتر ساتھی پاؤ گے۔“ اس نے پڑھلوں لجھے میں کہا۔ اور میرا ہاتھ آہستہ اُس کی طرف ہر گیا۔ اور ہم دونوں نے مضبوطی سے ایک دوسرے کے ہاتھ تھام لئے.....

☆.....☆.....☆

فلیکس کی آنکھوں میں خوشی ناج رہی تھی۔ ہم دونوں مضبوطی سے ایک دوسرے کا ہاتھ لٹائے ہوئے تھے۔ پھر چروایا، واپس آگیا۔ ”کہو دوستو! کیسے ہو؟ کسی چیز کی ضرورت تو

نہیں ہے؟“ اس نے چکتے ہوئے لجھے میں پوچھا۔

”تمہارا شکریہ دوست..... بیٹھو! تمہارا نام کیا ہے؟“

”خاتوف مسلم!“ اس نے جواب دیا۔

”اور تمہاری اس بستی کا کیا نام ہے؟“

”البلا!“ اس نے جواب دیا۔

”استنبول یہاں سے کتنی دور ہے؟“

”نو سو کلومیٹر۔“

”خوب..... تمہیں ہمارے یہاں آنے سے کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی؟“

”تم نے دوسری بار یہ سوال کیا ہے۔ یہ سوال ہمارے لئے ایک گالی ہے۔ برا و کرم! بار بار یہ گالی مت دو۔“ چروایے نے کہا۔

”تمہارا شکریہ خاتوف! ہم دراصل برف کے طوفان میں پھنس گئے تھے۔ بڑی مشکل

سے نکل پائے ہیں۔ ہمیں چند چیزوں کی ضرورت پڑے گی۔ کیا تمہاری بستی میں کوئی بڑھتی

موجود ہے؟“

”بڑھتی..... ہاں، ہے۔ ارسنوف، ہر قسم کا فرنیچر بناتا ہے اور باہر لے جا کر بیچ دیتا ہے۔“

”کیا استنبول جا کر؟“

”نہیں..... استنبول تو بہت دور ہے۔ وہ عدالت جاتا ہے۔“

”کیا اُس کے پاس سواری کا بندوبست ہے؟“

”ہاں..... تمین گھوڑوں کی گاڑی۔ جس میں وہ آتا جاتا ہے۔“

”ہماری اس انوکھی گاڑی کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ کیا یہ کسی کے کام آسکتی

ہے؟“ میں نے پوچھا۔

”میں نہیں جانتا..... لیکن تم یہ سوال کیوں کر رہے ہو؟“

”کوئی خاص بات نہیں سے۔ تم براۓ کرم! تکلیف کر کے ہمیں ارسنوف سے بائی ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ وہ تمہارے کس کام آسکتی ہے؟ ہم چاہتے ہیں کہ معاوضے میں تم وہ

ہمیں اُس سے کچھ کام ہے۔“ فلیکس نے کہا۔

”میں اُسے دیکھ لوں گا۔ اگر وہ عداہ نہیں گیا ہے تو آ جائے گا۔“ خاتوف نے لرنے ہوں گے۔

”معاویہ کی بات چھوڑو۔ کیونکہ تم، ہمارے مہمان ہو۔ اور ہماری روایات کے مطابق دیا۔

”بس، ہا با خاتوف! اس کے علاوہ ہمیں اور کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔ میں ہمان ہمارے لئے بہت بڑی حیثیت رکھتے ہیں۔ پہلے یہ بتاؤ! کہ میں تمہاری کیا خدمت کر

اور بوڑھا تھوڑی دیر ہمارے پاس بیٹھ کر چلا گیا۔ ہم دونوں آرام کرنے لگے۔ ممکن ہوں؟“

دوسرا دن صبح بوڑھے خاتوف نے ہمیں بناشہ پیش کیا جو بہت عمدہ اور تازہ چیز تھی اور ایک نانگ، اس کے سائز کے عین مطابق بنادو۔ اور اس کے بعد عداہ تک چھوڑ دو۔

مشتعل تھا۔ ناشتے پر ہی اُس نے بتایا کہ اُس کی ملاقات ارسنوف سے ہو گئی ہے۔ ایڈمہ داری ہم، تمہارے اوپر ڈالنا چاہتے ہیں۔“

نے مہمانوں کا بیجام اُسے دے دیا ہے۔

”کب آئے گا وہ.....؟“

”میں نے اُسے کہہ دیا تھا کہ سورج چڑھے آئے۔ ممکن ہے، مہمان دیر سے جائے ہمارا دینے کے لئے کیا بیساکھی مناسب نہیں ہو گی؟“

عادی ہیں۔ ہاں! اگر تم کہوتے میں جا کر اُسے بلا لاؤ۔ اس کے بعد میں اپنی بھیڑیں۔“ یہ اندازہ نہیں ہونا چاہئے کہ پاؤں مصنوعی ہے۔ میرا دوست مصنوعی پاؤں کے

چلا جاؤں گا۔“

”ٹھیک ہے بیبا! تم یہ تکلیف کرو۔“ میں نے کہا اور خاتوف ناشتے کے بعد چاہیا۔

”تھوڑی دیر بعد وہ ایک گھنٹے ہوئے جسم کے سادہ لوح شخص کے ساتھ واپس آیا تھا۔“ ”ہوں..... یہ بات ہے۔ اچھا! تو کیا میں کئے ہوئے پاؤں کو آخری حصے سے دیکھ سکتا

”یہ ارسنوف ہے..... اور اب مجھے اجازت دیں، ورنہ دیر ہو جائے گی۔ اس نہیں؟“ ارسنوف نے پوچھا۔

”ہاں..... کیوں نہیں؟“ فلیکس نے کہا۔ پھر اُس نے اپنا لباس اٹھا کر کٹا ہوا پاؤں

”یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے خاتوف! تم جاؤ۔“ ارسنوف نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اور اس کے بعد ہاتھ بھی۔ ارسنوف نے بغور دونوں چیزوں کو دیکھا اور سوچتا رہا۔ پھر

خاتوف کے جانے کے بعد ہم سے بولا۔ ”ہاں تو معزز لوگو! میں تمہارے کس کام اُس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

”ٹھیک ہے..... دونوں چیزیں تیار ہو جائیں گی۔ بہتر ہے کہ تم، مجھے اسی وقت ناپ لینے کی اجازت دے دو۔“

”ضرور، ارسنوف! ہماری خواہش بھی یہی ہے کہ تم جلد از جلد ہمارا یہ کام کر دو۔“

”تب میں ابھی تھوڑی دیر میں واپس آتا ہوں۔“ اُس نے کہا اور پھر ہم سے اجازت

”تم لکڑی کا کیا کام کر لیتے ہو ارسنوف؟“ فلیکس نے پوچھا۔

”لکڑی سے جو جو کام ہوتا ہے، وہ میں کر لیتا ہوں۔“

”گویا تم اپنے کام کے ماہر ہو۔“ فلیکس مسکرا یا۔

”ہاں جناب! لوگوں کا یہی خیال ہے۔ آپ کو مجھ سے کیا کام ہے؟“

لے کر چلا گیا۔

اُس کے جانے کے بعد ہم دونوں خاموش کچھ سوچتے رہے تھے۔ ارسنوف کے ہم نے اتفاق سے کوئی گفتگو نہیں کی۔ ارسنوف، ناپ لینے کی چیزیں لے کر آیا تھا۔ نے مجھ سے کہا کہ میں اپنے دوست کو اپنے سہارے سے کھڑا کرلوں۔ میں نے ایسا ارسنوف نے کھڑے ہوئے فلیکس کا ناپ لیا اور اُس کے پاؤں کی موٹائی، یخچ کی غرض ہر چیز کو ناپ۔ پھر ہاتھ کی باری آئی۔ اس کے بعد اُس نے اُس کا ناپ "دوفعہ ناپ لینے کی ضرورت کیوں پیش آئی ارسنوف؟" میں نے پوچھا۔

"کھڑے ہونے سے پاؤں پر دباؤ پڑتا ہے۔ دیکھنا چاہتا ہوں کہ اس دباؤ کا باہر ہے؟ اور کھڑے ہونے سے پاؤں کتنا چھوٹا ہوتا ہے؟ اور گوشت، لتنا دیتا ہے؟" "یوں لگتا ہے، جیسے تم واقعی اپنے کام کے ماہر ہو۔" میں نے مسکراتے ہوئے ارسنوف نے کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر پہنچ ساعت کے بعد بولا۔

"اب تم مجھے وہ برف کی گاڑی دکھا دو۔ مجھے چندال، اس معاوضے کی ضرورت ہے، جس کا تذکرہ تم نے کیا ہے۔ میں تو صرف یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ ممکن ہے، پاہنچتیاری کے سلسلے میں اس میں سے کوئی ایسی چیز مل جائے جو کام کی ہو۔"

"اوہ..... ضرور ارسنوف! اس کے لئے تمہیں، میرے ساتھ چلانا ہو گا۔" میں نے ارسنوف تیار ہو گیا۔ پھر میں، فلیکس سے اجازت لے کر ارسنوف کے ساتھ باہر آ گیا۔ ساق اصلہ طے کر کے ہم، اُس انوکھی گاڑی تک پہنچ گئے جو سب کے لئے حیرت ناک ارسنوف نے بھی تعجب سے اُس گاڑی کو دیکھا تھا۔

"خوب چیز ہے۔ تمام کی تمام قیمتی چیزوں سے آراستہ..... اور جس چیز کی مجھے ہے، وہ اس میں موجود ہے۔"

"تمہیں کس چیز کی تلاش تھی ارسنوف؟" میں نے پوچھا۔ "کسی ایسی نرم چیز کی، جو گوشت اور لکڑی کے درمیان کی جگہ کوچک دار بنادے اس کی سیٹوں میں ایسا ربوڑ موجود ہے۔ ویسے میں تمہیں مشورہ دوں کہ اس قیمتی گاڑی کی باری کے ہاتھ فروخت کر دو۔ وہ تمہیں اس کی اتنی قیمت دے گا کہ تم مطمئن ہو جاؤ۔ ارسنوف نے کہا۔

"ہم اسے فروخت نہیں کرنا چاہتے ارسنوف! بس..... تم، ہمارا کام کر دو۔ اور اس کے بعد سب کچھ دیکھ لیں گے۔" وہ خاموش ہو گیا۔ شام کو بابا خاتوف واپس آ گیا۔ ادا کیا کہ اُس نے ہر طرح ہمارا خیال رکھا۔ ارسنوف کے بارے میں پوچھا اور ہم نے اُس کا شکریہ

بعد یہ گاڑی تمہاری ملکیت ہو گی۔"

"میں نے کہا نا، تم بار بار کیوں اس کی تلقین کر رہے ہو کہ میں، مہماںوں سے معاوضہ وصول کروں؟ میں تم سے یہ گاڑی خرید لیتا، کیونکہ اس میں بے شمار چیزیں ایسی ہیں جو میرے کام آئیں گی۔ لیکن میں اس کی صحیح قیمت ادا نہیں کر سکتا۔ میرے پاس تو ایک معمولی سی رقم پڑی ہوئی ہے جس کے عوض یہ مجھے جاتی تو میں اس سے کافی فائدہ اٹھا سکتا تھا۔ لیکن وہ اتنی معمولی ہے کہ میں، تمہیں گاڑی کے عوض دیتے ہوئے شرمندگی محسوس کروں گا اور سوچوں گا کہ بالآخر میں نے تمہاری پیشکش قول کر لی۔"

"غیر..... یہ ساری باتیں بعد کی ہیں ارسنوف۔ بس! تم اپنا کام شروع کر دو۔" میں نے کہا اور اُس نے گردن جھکا دی۔

پھر اُس نے میری اجازت سے اُس گاڑی میں سے چند چیزیں نکال لیں اور واپس چلا گیا۔

واپس آ کر میں نے فلیکس کو اس بارے میں بتایا اور فلیکس کہنے لگا۔ "یوں لگتا ہے، جیسے شخص واقعی اپنے کام کا ماہر ہو۔"

"ہا۔..... باٹوں سے تو یہی پتہ چلتا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ وہ جو کچھ کر کے لاتا ہے، وہ کیا ہے؟" "جیشت رکھتا ہے؟"

"ٹھیک ہے..... خدا کرے! یہ جلد اپنا کام مکمل کر لے۔" فلیکس نے کہا اور مسکراتے ہوئے میری جانب دیکھنے لگا۔ پھر آہستہ سے بولا۔ "بہر صورت کیں، میرے دوست! تم نے میری بہت مدد کی ہے۔ میں زندگی میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ مجھے کوئی اتنا اچھا ساتھی مل سکتا ہے جو خود تین مرحل میں میرا ساتھ دے سکتا ہے۔"

"یہ باتیں اب پرانی ہو گئی ہیں فلیکس! چنانچہ اب ہمیں نے موضوع تلاش کرنے چاہئے۔ سوچنا یہ ہے کہ استنبول سے ہم کہاں جائیں؟ اور اس کے بعد کس انداز میں اپنا کام شروع کریں؟"

"یہ تو زیادہ مشکل بات نہیں ہے ڈییر کیں! بس..... ابتدائی مرحل طے ہو جانے دو۔ اس کے بعد سب کچھ دیکھ لیں گے۔" وہ خاموش ہو گیا۔ شام کو بابا خاتوف واپس آ گیا۔ بابا خاتوف نے ہم سے ہماری ضروریات کے بارے میں پوچھا اور ہم نے اُس کا شکریہ ادا کیا کہ اُس نے ہر طرح ہمارا خیال رکھا۔ ارسنوف کے بارے میں اُس نے پوچھا تو میں

نے اُسے بتایا کہ ہم نے اُسے جس کام کے لئے بھیجا ہے، وہ اُسے بتا دیا گیا ہے۔ اب کھڑا ہو گیا۔

”اُسے بے جھک پلٹے دیکھ کر ارسنوف نے کہا۔ ”میں نے بلاشبہ! لکڑی کی ایک نانگ بنائی ہے۔ لیکن مجھے یاد ہے کہ میں نے اس کے اندر کوئی ملکیزم فٹ نہیں کیا تھا۔ اس کی کارکردگی حیرت انگیز ہے۔“

میں یوں حیرت نہ کر سکا۔ میں پہلے بھی فلیکس کو دیکھ چکا تھا۔ اور وہ اتنی مہارت سے پرنس کی نانگ سے چلتا تھا کہ یہ اندازہ قطعی نہیں ہوتا تھا کہ اُس کی نانگ مصنوعی ہے۔

چنانچہ اب پھر وہ اپنی اصل حالت میں تھا۔

”تمہیں حیرت ہو گئی کیم! کہ میں اپنے ہاتھ کو بھی ایک مخصوص انداز میں جنبش دے سکتا ہوں۔ فلیکس نے اپنا ہاتھ ہلا کر دکھایا۔ ”اور اگر اس ہاتھ میں تھوڑی سی تبدیلی کر دی جائے یعنی اس کو بھی کے پاس سے موڑا جائے اور کچھ ایسے سپرنس لگا دیے جائیں جو مضبوط اور طاقتور ہوں، اس کے علاوہ اس کی انگلیوں میں بھی وہی سپرنس استعمال کئے گئے ہوں تو میں اس ہاتھ کو اپنے پنجھے کے انداز میں جنبش دے سکتا ہوں۔ مگر یہ سب بعد کی باتیں ہیں۔ ہاں! اگر کبھی مجھے بہتر زندگی کے موقع ملے تو میں اپنے ان اعضاء کو مکمل کروں گا۔“

”کیوں نہیں فلیکس؟ ہمیں یہ موقع جلد ہی حاصل ہونے والے ہیں۔ بہر صورت! اپنے دوست، ارسنوف کا شکریہ تو ادا کرو۔ اس نے ہماری جو مشکل حل کر دی ہے، اس کا تو کوئی جواب نہیں ہے۔

”بے شک..... بے شک! اور میرے دوست ارسنوف! میں واقعی تمہیں تھہاری اس مہارت کا معاوضہ ادا نہیں کر سکوں گا۔ لیکن ہم نے جس گاڑی کا تذکرہ کیا ہے، وہ اب تمہاری ملکیت ہے۔ اور ہمیں یقین ہے کہ تم اسے قبول کرنے سے انکار نہیں کرو گے۔“

”صرف ایک صورت میں.....“ ارسنوف نے جواب دیا۔

”کوئی صورت نہیں..... بس! وہ تمہاری ملکیت ہے۔“

”نہیں میرے دوست! اگر یہ بات ہماری روایات کے خلاف نہ ہوتی تو مجھے اعتراض نہ ہوتا۔“

”تم کہنا کیا چاہتے ہو؟“ میں نے سوال کیا۔

”یہی کہ میں اسے بلا معاوضہ قبول نہیں کروں گا۔“

یہ ہے کہ وہ، ہمارا کام کیس حد تک انجام دیتا ہے؟“

”اگر تھہارا کام، بڑھی کے کام سے مختلف ہے تو یقین کرو! ارسنوف سے عمدہ بڑھی بستی میں موجود نہیں ہے۔ اس بستی کے علاوہ استنبول تک اُس کا فرنپیچر پنڈ کیا جاتا ہے خاتوف نے کہا۔

”بلاشبہ! ایسا ہی ہو گا۔“ اس نے کہا۔ پھر رات ہو گئی اور بوڑھا خاتوف ہمیں علاقے کے تھے نانے لگا۔

تین دن صرف ہوئے تھے ارسنوف کو اپنا کام مکمل کرنے میں۔ اور اس وقت، جب فلیکس بیٹھے اُس نقش کو ترتیب دے رہے تھے، جس کے مطابق ہمیں سفر کرنا تھا ارسنوف نے باہر سے آواز دے کر اندر آنے کی اجازت طلب کی۔

”آ جاؤ ارسنوف!“ میں نے جواب دیا اور ارسنوف اندر آ گیا۔ کپڑے میں لا چزیں، اُس کے پاس تھیں جنہیں اُس نے ہمارے سامنے کھول دیا۔ اور بلاشبہ! یہ اپنا اعضاء کی حیرت انگیز نقل تھی۔ انہیں دیکھنے کے بعد یہ بات تسلیم کرنی پڑتی تھی کہ ارسنوف اپنے کام میں بے حد مشاق ہے۔ خاص طور سے اُس نے ان چیزوں کو جسم میں فٹ کرنا کے لئے جو کمانی بنائی تھی، وہ قابل تعریف تھی۔ دونوں چیزوں پر فلیکس کی کھال کے رنگ کا نظر رکھتے ہوئے رنگ کیا گیا تھا۔ اور ایک نگاہ میں کوئی بھی نہیں پہچان سکتا تھا کہ ان میں کوئی چیز مصنوعی ہے۔

”اگر کبھی میں اپنی زندگی میں سیٹ ہو گیا ارسنوف! تو تمہیں اپنے پاس بلا لوں گا۔“ انسانی اعضاء تیار کرنے والی ایک فرم کھولوں گا، جس میں تربیتی شبکہ تمہارے حوالے ہو۔ بلاشبہ! تم اپنے کام کے ماہر ہو۔“

”گویا تم، میرے کام سے مطمئن ہو؟“

”آہ..... تم نے اس میں جو، رہا استعمال کیا ہے اس نے میری ایک بڑی مشکل حل دی ہے۔ لکڑی یا لوہے کے استعمال سے میرے گوشت میں چبٹن ہوتی تھی، جس سے تکہنہ ہوتا۔“ کے علاوہ میری چال میں بلکی س لٹنڑا نہ آ جاتی تھی۔ میرا خیال ہے، اب یہ نفس بھی ڈر گیا۔

”لااؤ! میں اسے فٹ کر دوں۔“ ارسنوف نے کہا اور پھر وہ اپنے کام میں مصروف

”کل تک تو..... صبح تک تو..... ہمارے دوست کی یہ کیفیت نہیں تھی۔ اس کی یہ ثانگ تو موجود نہ تھی۔ بھلا نالگیں بھی کہیں اُگتی ہیں؟“ خاتوف سے سادگی اور حیرت سے کہا۔

”ہاں! اور اب اس کے یہ ثانگ اُگ آئی ہے۔ اور اس کی ذمہ داری ہمارے دوست ارسنوف پر ہے۔“

”ارسنوف پر..... اوہ..... ارسنوف!..... تو کیا..... یہ ثانگ لکڑی کی ہے؟“ خاتوف نے حیرت سے پوچھا۔ پھر وہ عجیب انداز میں ہنس پڑا اور کہنے لگا۔ ”ثانگ تو لکڑی کی پہلی بھی دیکھی ہے۔ لیکن وہ عجیب نی ہوتی ہے۔ اس پر دو چھپیاں لگی ہوتی ہیں اور سب سے اوپر غفل میں ٹکانے کی جگہ..... لیکن یہ ثانگ، بدن میں کیسے پہنچ گئی؟ یہ بڑی عجیب بات ہے۔ کیا تم چل سکتے ہو؟“ خاتوف اس سارے معاملے سے بہت متاثر نظر آ رہا تھا۔ فلکیس نے اُسے چل کر اور اپنے ہاتھ کو جب نش دے کر دکھایا اور خاتوف کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ بہت دیر تک وہ تعجب کا اظہار کرتا رہا۔ پھر اس نے مسروں لمحے میں کہا۔ ”واہ، میرے دوست ارسنوف! مجھے کیا پتہ تھا کہ تم لکڑی کے جادوگر ہو۔ میں نے آج تمہارے جادو کو دل و جان سے قبول کر لیا ہے۔“

”اور ہم دونوں نے تمہاری محبت کے جادو کو۔“ بابا خاتوف! تم نے اور تمہارے دوست ارسنوف نے جو بہترین سلوک ہمارے ساتھ کیا ہے، ہم اسے تازندگی نہیں بھولیں گے۔ اب چونکہ ہماری ضرورت پوری ہو چکی ہے، اس لئے ہمیں اجازت دو۔ کیونکہ کچھ دوسرے کام بھی ہیں۔ ہمارے اپنے ساتھی، ہماری موت کا لیقین کر چکے ہوں گے۔“

”اوہ..... اگر نیز بات ہے تو میں، تمہیں نہیں روکوں گا۔“

”بات اب پھر ارسنوف پر آتی ہے۔ کیا ہمارا دوست، عدانہ روائی کے لئے تیار ہے؟“ ”میں تو اپنا کام تقریباً مکمل کر چکا تھا۔ عدانہ کے ایک ریکیں آدمی نے صندل کی لکڑی کا پکھ فرنچی ہونا یا تھا، جو میں نے تیار کر لیا ہے۔ اس بار دوسرا کوئی چیز فروخت کے لئے موجود نہیں ہے۔ اس لئے میں فرنچی لے جانے کے لئے تیار ہوں۔“

”تو پھر، ہم کب روانہ ہو رہے ہیں؟“

”کل..... علی ارضیج، اگر برف باری نہ ہوئی تو.....“

”ٹھیک ہے۔ شکریہ ارسنوف! ہم بستی البا کو عرصے تک نہیں بھول سکیں گے۔ اس بستی نے ہمیں نہ صرف زندگی کا پیغام دیا، بلکہ ایسے دوست بھی جنہوں نے خلوصی دل سے ہماری

”اوفہ..... جب ہم تمہیں دینا چاہتے ہیں اور ہمیں کسی معاوضہ کی ضرورت بھی نہیں تو پھر تمہیں کیوں انکار ہے؟“

”اس لئے کہ یہ میری مہمان داری کے خلاف ہو گا۔ میں نے اپنے مہمان کی ہے سے تمہارا یہ چھوٹا سا کام کر دیا ہے۔ اگر تم یہ گاڑی میرے حوالے کر دیتے ہے بلاشبہ! میرے لئے بڑی قیمتی اور بڑی کارآمد ہے تو یہ میری محنت کا معاوضہ ہو جائے گا۔ مہماںوں سے معاوضہ وصول کرنا میرے لئے گالی کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور مجھے یقین ہے میری اس خدمت کے صلے میں تم، مجھے گالی نہ دو گے۔“ ارسنوف نے کہا اور میں نے لفڑی کی جانب دیکھا۔

”بجکہ ارسنوف نے کہا ہے کہ یہ گاڑی اس کے لئے بے حد کارآمد اور قیمتی ثابت ہے اور اس کے کئی کاموں میں آ سکے گی..... لیکن وہ اس کے لئے تیار بھی نہیں ہے کہ وہ گاڑی کو ہم سے بلا قیمت حاصل کرے۔ چنانچہ اس سے کیوں نہ قیمت حاصل کر لی جائے جس کا ارسنوف نے تذکرہ کیا ہے؟“

”ہاں..... اگر یہ اسے گالی سمجھتا ہے تو ٹھیک ہے۔ ہم صورت! ہم اسے کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت نہیں کریں گے۔ کیونکہ یہ ہمارے عزیز دوست کی ضرورت ہے۔“

تب میں نے ارسنوف کی طرف دیکھا۔ ”ٹھیک ہے ارسنوف! جو رقم، تمہارے پالے وہ تم اس گاڑی کو خریدنے میں صرف کردو۔ ہم اسے بیچنے کے لئے تیار ہیں۔“

”میں تمہارا بے حد شکر گزار ہوں میرے دوست! لیکن تم سوچ لینا، اگر تمہیں یہ نہ محسوس ہو تو پھر میں، اسے کباڑی کے ہاتھ فروخت کرائے دیتا ہوں اور اس سے ضروریات کی وہ چیزیں خرید لوں گا، جو میرے لئے ضروری ہیں۔“

”ہرگز نہیں..... ہرگز نہیں! اب اس معاملے کو ختم کردو۔ دیکھو! ہمارا دوست خاتون ہے۔“

بُوڑھے خاتوف نے زمین پر کھڑے ہوئے فلکیس کو دیکھ کر شدید حیرت کا اظہار کیا۔ متعجبانہ انداز میں آگے بڑھا۔ اور پھر اس نے فلکیس کی ثانگ پر سے کپڑا اہٹایا اور جیلا گیا۔

”ناممکن..... بخدا، ناممکن.....!“ اس نے بڑھاتے ہوئے کہا۔

”کیا ناممکن ہے خاتوف؟“ میں نے پوچھا۔

”ہاں..... یہ میرا معمول ہے۔“

”بس..... تو ٹھیک ہے۔ تم اپنے معمول پر عمل کرتے رہو۔“ میں نے کہا اور ارسنوف نے گھوڑے کو کول دیئے۔ گھوڑوں کو گھاس وغیرہ ڈالنے کے بعد وہ اپنے کھانے پینے کی چیزیں نکالتے تھے۔

تحوڑی دیر کے بعد ہم لہانے سے فارغ ہو کر آرام کرنے لیت گئے۔ فلیکس بھی آرام کر رہا تھا۔ بھی کبھی وہ میری طرف دیکھنے لگتا۔ ایک بار میں نے اُسے اپنی طرف متوجہ پایا تو میرے ہونتوں پر مسکراہٹ پھنس گئی۔

”بار بار میری طرف کیوں دیکھنے لگتے ہو فلیکس؟“ میں نے سوال کیا اور وہ آہستہ سے ہس پڑا۔

”بس..... یوں سمجھو! ایک بچکانہ سوچ ہے۔“ فلیکس نے کہا۔

”کیا سوچ ہے..... مجھے بھی بتاؤ!“

”حالانکہ ہم لوگ عمل کی اس دنیا میں ہیں اور اس جگہ ہیں، جہاں ہمیں کسی طرح بچپنے کا شکار نہیں ہونا چاہئے۔ اور نہ ہی لوگ ہمارے بارے میں یہ توقع کر سکتے ہیں۔ لیکن چالاک سے چالاک انسان بھی ٹھوڑا بہت مخصوص ضرور ہوتا ہے۔ اور بعض اوقات مخصوصیت کی کوئی سوچ اُس کے ذہن میں ضرور اپنہتی ہے۔“

”ہاں..... اس میں کوئی مشکل نہیں ہے۔“

”میں سوچتا ہوں کیون! کہ کیا ہم لوگ ایک ڈرامائی حیثیت نہیں رکھتے؟“ فلیکس نے میری جانب دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

”ڈرامائی حیثیت سے تمہاری کیا مراد ہے؟“

”مثلاً یہ کیم! کہ میرے بارے میں تم کافی حد تک جان چکے ہو۔“

”بالکل درست!“

”کیم! میری فطرت بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ میں عادتاً مجرم نہیں تھا۔ ایک شریف اور ذمہ دار آدمی کی حیثیت سے میں نے ایک طویل وقت گزارا ہے۔ لیکن بالآخر ایک وقت ایسا آگیا کہ میری وہ زندگی ختم ہو گئی جو ایک ذمہ دار شخص کی تھی۔ دولت کے حصول کا نشہ، میرے ذہن میں بھی سراتیت کر گیا اور میں نے اس کے لئے ایک راستہ بھی تلاش کر لیا۔ میں نے جس قدر محنت کی ہے کیم! تم بھی اس کے بارے میں کسی حد تک اندازہ لگا سکتے ہو۔ اور جو

”یہ ہماری روایت ہے۔ اسے یاد رکھنا۔ یہی ہماری محبت کا صلہ ہے۔“ خاتوف نے کہا۔ ”اور پھر رات کوئی بار اٹھ کر میں نے آسمان دیکھا۔ مطلع صاف تھا۔ گویا برف باری کے امکانات نہیں تھے۔ اس علاقے میں سفر کرنے کے لئے یہ بھی ضروری تھا۔ میں تو خیر پرو نہیں تھی۔ لیکن یہاں کے لوگوں کی یہی روایت تھی کہ وہ برف باری میں سفر نہیں کرتے تھے۔ صح بھوئی تو آسمان چمک دار تھا۔ دھوپ بھی نکل آئی تھی۔ چنانچہ ارسنوف اپنی تیز گھوڑوں والی گاڑی کے ساتھ آموجوہ ہوا۔ خوبصورت اور آرام دہ گاڑی تھی، جس کے عین حصے میں خوبصورت ارکٹری کا فرنچیپر لدا ہوا تھا۔ اس کے علاوہ کھانے پینے کی چیزیں اور پانی کے برتن..... لیکن سب سے پہلے ارسنوف نے وہ رقم، ہمیں پیش کی جس کے بارے میں اُس نے تذکرہ کیا تھا۔

”تم ہمیں شرمندہ ہی کرنے پر تسلی ہوئے ہو ارسنوف! تو ٹھیک ہے۔“ میں نے وہ رقم قبول کر لی۔ بہر حال! تھوڑی بہت رقم ضروری بھی تھی۔ عدانہ کے بارے میں ہمیں کچھ معلومات نہیں تھیں۔ ممکن ہے، وہاں رقم کے حصول میں وقت پیش آتی۔ اس لئے یہ تھوڑی تیز رقم بھی کار آمد تھی۔

”شرمندگی کی کیا بات ہے جتاب؟ جو تیقیتی چیز، آپ نے مجھے دی ہے، اس سے تو میرا کار و بار چمک اٹھے گا۔ میں اس سے ہزار گناہ کا نہ حاصل کر دوں گا۔ اب ہمیں چلتا چاہئے۔“ ہم دونوں، خاتوف نے رخصت ہو کر گاڑی میں سوار ہو گئے اور گاڑی پیچی سڑک پر دوڑنے لگی۔

ارسنوف، ہمیں اس علاقے کے بارے میں بتانے لگا۔ ہماری توجہ اس کی جانب نہیں تھی۔ کیونکہ ہم اپنے طور پر کچھ سوچ رہے تھے۔ بڑا طویل سفر تھا۔ گھوڑے خاصی تیز رفتاری سے دوڑ رہے تھے۔ تاحدنگا، سفید برف سے ڈھکی پہاڑیاں بکھری ہوئی تھیں۔

تقریباً چھ گھنٹے تک دوڑنے کے بعد ارسنوف نے گھوڑے روک لئے اور نیچے اتر آیا۔ ”میرا خیال ہے جتاب! اب ہمیں آرام کرنا چاہئے۔ گھوڑے بھی تھک گئے ہیں۔ تقریباً چھ گھنٹے آرام کرنے کے بعد ہم مزید دو گھنٹے سفر کریں گے اور عدانہ پہنچ جائیں گے۔ رات وہاں گزاریں گے اور پھر کل صبح سفر کریں گے۔“

”ٹھیک ہے ارسنوف! تم تو کاشٹ آتے جاتے ہو۔“

پچھے میرے ساتھ بیتی، ہبھر صورت! وہ میری ذات کے لئے الیہ ہے۔ انسان اپنے اعضا، سے محروم ہونے کے بعد دنیا کی بہت سی نعمتوں سے لطف اندو زندگیں ہو سکتا۔ لیکن زندگہ رہنے کی خواہش اتنی پرکشش ہوتی ہے کہ ہم بعض اوقات اپنی محرومیوں کو بھی بھول بیٹھتے ہیں۔ چنانچہ میں نے خود کو ان حالات میں اسی چیز کے لئے تیار کیا کہ ہبھر صورت! میں ایک بہتر زندگی گزاروں۔ ان سارے ہنگاموں میں کیم! میری زندگی میں کوئی ایسا شخص نہیں آیا اور میں ایسا بھائیا۔ بھن بھائیوں کا وہ ورشہ یا ترک مجھے ملا، جو ہر انسان کا حق ہوتا ہے اور جو انہیں بلا معاوضہ مل جاتا ہے۔ میں ان ساری چیزوں سے محروم ایک آدمی تھا۔ لیکن کبھی کبھی ان تھائیوں میں، جن میں، میں اپنی اصل حیثیت سے جھلکتا تھا، مجھے محسوس ہوتا تھا کہ اگر کوئی میرا ہوتا تو مجھے برانہ لگتا۔ لیکن کسی کی تلاش میرے بس کی بات نہیں تھی۔ اور نہ ہی میں یہ فطرت یا یہ عادت رکھتا تھا۔ ہاں! اگر کوئی قربی شخص ہوتا تو شاید میں اُس کا بہترین دوست یا ساتھی ہوتا۔ کیونکہ فطرت میں انسان پسند ہوں، انسان بیزار نہیں۔ ان حالات میں اتفاق مجھے تمہارے نزدیک لے آیا اور یوں لگتا ہے، وہ اتفاق ایک ڈرامائی پبلور کھڑتا ہے۔ تم میرے ہم شکل ہو۔ ان حالات میں بھی اگر تم، میرے نزدیک نہ ہوتے اور میں تمہیں دیکھتا تو یقیناً تمہارا قرب حاصل کرنے کی کوشش کرتا۔ کیونکہ تمہارے اندر ایک انوکھی کشش پاتا ہوں۔ یوں بھی کوئی اپنے ہم شکل کو دیکھ کر اُسے نظر انداز نہیں کر سکتا۔ لیکن تم اتفاق دیکھو! اور یہ بھی دیکھو، کتم لکنے اعلیٰ کردار کے مالک نکلے..... اور اگر یہ کردار نہ رکھتے تو میرے لئے اس سے بڑا الیہ کون سا ہو سکتا تھا؟ یعنی میں اُسی شخص کے ہاتھوں مارا جاتا، جو میرا ہم شکل تھا۔ اور مجھے پسند تھا۔ بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں کیم! جو سخت ترین حالات میں اور ایسی صورت میں، جب کہ انہیں ان کا تقصید حاصل ہو جائے، کسی کے لئے اپنی زندگی خطرے میں ڈالتے ہیں۔ حالانکہ تم مجھے بار بار کہہ چکے ہو کہ میں ان گزرے ہوئے ایام کا تذکرہ نہ کروں۔ اور تم بار بار منع کر چکے ہو کہ میں ان حالات کا خیال نہ کروں جو تمہارے، میرے اوپر احسان ہیں۔ لیکن اس وقت میں دوسرے پیرائے میں گفتگو کر رہا ہوں۔ اب ساری چیزیں، اس محبت کے سامنے بیچ ہیں کیم! جو میرے اور تمہارے درمیان پیدا ہو گئی ہے۔ ہمیں اس راز کی قیمت مل جائے گی، جو میرے پاس محفوظ ہے۔ لیکن کوئی اس کے بعد ہماری اس محبت کی قیمت ادا نہیں کر سکتا، جو ہمارے درمیان ہے۔ فلیکس نے کہا۔

”کہتے رہو.....!“ میں مسکرا کر بولا۔

”پھر.....؟“ اس نے سوالیہ انداز میں مجھے دیکھا۔

”ہاں..... جس طرح میں نے ماضی کی کتاب، تمہارے سامنے کھوں دی ہے، اسی طرح تم، میرے سامنے عیاں نہیں ہو۔“

”اوہ.....!“ میں نے ایک گھری سانس لی۔ ”اس میں بے اعتباری کو کوئی دخل نہیں ہے فلیکس!“

”پھر.....؟“ اس نے سوالیہ انداز میں مجھے دیکھا۔

”اگر تم، ان الفاظ کی روشنی میں مجھے احتیق قرار دو گے، تب بھی میں خلوصِ دل سے اس خطاب کو قبول کر لوں گا۔ کیونکہ یہ وہ آواز ہے جو میرے سینے سے نکل جانا چاہتی ہے۔“

”میں تو ہیں نہیں کر رہا کیم!“

”پھر یہ سب کچھ کیوں کر رہے ہے؟“

”اس لئے کہ اب تک تمہارا بھرپور اعتماد حاصل نہیں کر سکا۔“

”اعتماد.....؟“ میں نے اُسے دیکھا۔

”ہاں..... میں غلط تو نہیں کہہ رہا کیم!“

”تم نے کہاں یہ بات محسوس کی فلیکس؟“

”دیکھو میرے دوست! اگر میں کہیں غلط بول جاؤں تو سزادے لینا، نظر انداز مت کرنا یا ناراض میں ہونا۔ میں مذہبی آدمی نہیں ہوں۔ کیم! جو چیز تمہیں میرے الفاظ کا یقین دلا دے، مجھے بتاؤ! میں اس کا حوالہ دوں۔“ نہ جائے کیوں فلیکس جذباتی ہو رہا تھا؟ میں نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا اور اُس نے اپنا اکلوتا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے دیا۔ میں نے مضبوطی سے اُس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ فلیکس نے بھی اپنے فولادی پنجے کی گرفت مضبوط کر دی۔

”ہمارے درمیان یہ اعتماد سب سے بڑی قسم ہے۔“ میں نے کہا۔

”اسی اعتماد کی قسم کیم! اگر کوئی ساری دنیا کی پادشاہت بھی میرے حوالے کر دے تو میں، تمہارے مفاد کے خلاف کچھ کرنے کو تیار نہیں ہوں گا،“

”اسی اعتماد کی قسم مجھے اعتبار ہے۔“

”پھر میں تم سے ناواقف کیوں ہوں؟“

”ناواقف.....؟“

”بس! میری کچھ ذہنی کیفیات ہیں۔“

”کیا تمہیں ماضی ذہراتے ہوئے تکلیف ہو گی؟“

”ایسی بات بھی نہیں ہے۔ میں حقیقت سے آنکھیں بند کرنے کا قائل نہیں ہوں۔“ میں نے جواب دیا۔

”پھر مجھے بتاؤ کیں! مجھے، تمہاری دوستی پر اعتماد ہے۔ میں تمہارے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لئے اتنا بے چین نہ ہوتا، لیکن.....“

”لیکن کیا.....؟“ میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

”تمہاری شخصیت مجھے جسم را نظر آتی ہے۔ میں صرف اس راز کو کھولنا چاہتا ہوں۔ میں جانتا چاہتا ہوں کہ میرا ہم شکل، اس قدر اعلیٰ صلاحیتوں کا مالک کیوں ہے؟ اس کی اپنی حیثیت کیا ہے؟ اور میں، اس دلچسپ انسان سے پوری طرح لطف انداز ہونا چاہتا ہوں۔ اس کے علاوہ اس بات سے دل میں اعتماد بھی پیدا ہوتا ہے۔“ فلیکس نے کہا۔

لیکن میرا چہرہ سخت ہو گیا تھا۔ ایک احساس میرے ذہن کو گرم کر رہا تھا..... اور پھر جب میں بولا تو اپنی آواز کی تیجی میں نے خود محسوس کی تھی۔

”زندگی کے آئندہ راستے منتخب کرتے ہوئے میں نے فیصلہ کیا تھا فلیکس! کہ دنیا کی کسی شخصیت کو خود سے اس قدر قریب نہیں کروں گا کہ بھی اس سے کسی ذہنی کوفت کا شکار بنوں۔ تم بھی فلیکس! میرے لئے صرف اس حد تک قابل قدر تھے کہ تم مذدور تھے۔ اگر تم صحیح و سالم انسان ہوتے تو خدا کی قسم! میں تمہیں ڈاچ دے کر تمہارا راز لے کر نکل بھاگتا۔ لیکن پھر تمہارے لئے میرے دل میں ہمدردی پیدا ہوئی اور اس کے بعد تمہاری شخصیت نے مجھے مبتاثر کر لیا۔“

”میں جانتا ہوں۔ دلیر انسان بھی کسی کمزور کو دھوکہ نہیں دیتا۔ اس لئے کہ میں خود بھی دلیر ہوں۔ دولت اتنی بڑی چیز نہیں ہے کہ اس کے لئے ضمیر کو قتل کر دیا جائے۔ بہر حال! اب تو تم نے اعتراف کر لیا ہے کہ تم خود بھی مجھ میں دلچسپی رکھتے ہو۔“

”ہاں..... اس سے انکار نہیں کروں گا۔“

”گویا، اب میں اس قابل ہوں کہ تمہاری کمزوری بن سکوں؟“ فلیکس کی آنکھوں میں خوشی کی چک تھی۔ اور میں یہ چمک، پھین نہیں سکتا تھا۔ چنانچہ میں نے آنکھیں بند کر کے ایک گہری سانس لی۔

”ہاں! تم میری کمزوری بن گئے ہو فلیکس!“

”بے مجھے اپنے بارے میں بتاؤ!“

”تم، مجھ سے سوال کرو۔ میں کوئی دردناک آپ بیٹی نہیں سناؤں گا۔“ میں نے کہا۔ میں اس وقت کچھ عجیب کی کیفیت کا شکار ہو گیا تھا۔

”اوہ، ہاں..... ضرورا!“ فلیکس مکرا پڑا۔ ارسنوف نے ہمیں کافی کے کچھ تھما دیئے۔ بہترین کافی تھی۔ ہم نے اُس کا شکریہ ادا کیا۔ ارسنوف، اپنے گھوڑوں کی ماش میں مصروف ہو گیا تھا۔

”میں ابتداء سے سوالات کروں گا کیم! اور اس کی حیثیت ایک انتزدیو کی سی ہو گی۔“ فلیکس نے بچکانہ انداز میں کہا اور اُس کے اس انداز پر مجھے بٹی آگئی۔

”ٹھیک ہے.....“ میں نے گردان ہلا دی۔

”تمہارا پورا نام.....؟“

”ڈن کین!“ میں نے جواب دیا۔

”اور تمہارا تعلق فن لینڈ سے ہے؟“

”ہاں.....!“

”ڈنر، ڈن کین..... کین، تمہارے والد کا نام تھا؟ ویسے میں فن لینڈ کی ایک کین فیملی کے بارے میں بھی جانتا ہوں، جو دنیا میں شہرت رکھتی ہے۔“

”میں اُسی کین فیملی کا ایک مجرم ہوں۔“

”اوہ، کیا واقعی.....؟ گویا تمہارا نام، ڈن کین ہے۔ اور تمہارا تعلق، کین فیملی سے ہے؟“

”ہاں.....!“

”یہ فیملی تو بہت مشہور ہے۔ میرا خیال ہے، اس کا آخری سربراہ آئن کین تھا۔ آئن کین سے تمہارا کیا رشتہ ہے؟“

”وہ میرے والد ہیں۔“

”میرے خدا! اس طرح تو تم کین فیملی کے ہونے والے سربراہ تھے۔“

”ہاں.....!“

”پھر تم نے فن لینڈ کیوں چھوڑ دیا؟“

”اُس لئے کہ یہ فیملی، تنزلی کا شکار ہو گئی تھی۔ حالانکہ اُس کی روایت تھی کہ اُس کا سربراہ،“

اس فیملی کے اصولوں پر عمل کرتے ہوئے اُس کے خزانے میں اپنی طرف سے اضافہ کر رہے۔ اور ایک مضبوط حیثیت سے اُسے دوسرا سربراہ کے حوالے کر دے۔ لیکن میرے والدائر فیملی کی نیک نامی کے لئے داغ بن گئے۔ انہوں نے اُسے تاریک راستوں پر ڈال دیا۔ اور

بالآخر اس فیملی کا وقار ختم کرنے کا باعث بن گئے۔ صرف روایات رہ گئیں اور لوگ، اُر روایات کا تذکرہ کر کے مکرانے لگے۔ ڈن کو ایک ٹکڑک کی حیثیت حاصل ہو گئی۔ لیکن اُر ”جرام کی زندگی میں تم نے کوئی خاص پروگرام ترتیب دیا ہے، تمہاری

نے یہ بدنامی قبول نہیں کی اور فن لینڈ چھوڑ دیا۔ اُس نے باپ کے کھونے ہوئے وقار، کوئی خاص لائے ہے؟“

حاصل کرنے کے لئے جرام کی زندگی اپنائی۔ اور جب اُس نے دوبارہ دولت جمع کر کے ”نہیں..... ابھی تک تحریکی ادوار میں ہوں۔ جو کچھ کیا ہے، اس میں زیادہ تو انتقامی جذبے رہے ہیں۔ اُن کے ساتھ ہی کچھ دولت حاصل کی، جس سے اپنی فیملی کا وقار بحال

کیا۔“ کیوں، ڈن.....؟“ اُس کی پیشانی کا داغ سمجھنے لگا تھا۔

”کیوں غلط خیال تھا۔“

”کیوں غلط تھا؟“

”اس لئے کہ اب وہ خود کو اس فیملی کی پیشانی کا داغ سمجھنے لگا تھا۔“

”یہ تو غلط خیال تھا۔“

”اس لئے کہ سب جانتے ہوں گے کہ اس سریشم کو زندہ کرنے والا ڈن ہے۔“

”ہاں..... لیکن ڈن نے کسی کو یہ بتانا ضروری نہیں سمجھا تھا۔“

”اوہ..... دوسرا لوگوں نے ڈن کو رکنے کی بھی ضرورت نہیں سمجھی؟“

”ڈن نے خود کو ان کے سامنے ظاہر نہیں کیا۔“

”اوہ!“ فیملیکس نے گھری سانس لی۔ اور پھر پھیکے انداز میں مکرانے لگا۔ ”ظرف، خلا۔“ خود پر فخر کر رہا ہوں۔“ فیملیکس نے کہا۔ اس کے بعد ہم دونوں خاموش ہو گئے۔ کا عظیم بھی ہوتا ہے کین! عام لوگ اگر کسی وقت جذبے سے متاثر بھی ہو جائیں تو اپنے اندر۔“ ہیرے ذہن میں ماخنی کی آنہ دھیاں چل رہی تھیں اور ہوڑی دیر کے لئے ذہن ایک خافشار کا شکار ہو گیا تھا۔ فیملیکس بھی شاید میرے ہی بارے میں سوچ رہا تھا۔ پھر ہم دونوں ارسنوف کی طرف متوجہ ہو گئے، جو گھوڑوں کو تیار کر کے دوبارہ گاڑی میں جوت رہا تھا۔

”اوہ کوئی سوال باقی ہے؟“ میں نے مسکرا کر پوچھا۔

”ہاں.....!“ فیملیکس، بنس پڑا۔

”پوچھو یار.....!“

”میرے کیس میں کیسے الجھے؟ کیا کہیں سے بھنک پا گئے تھے؟“

”میں تمہیں بتا چکا ہوں، اتفاقی طور پر سوٹزر لینڈ پکنچ گیا تھا۔ وہاں اُن لوگوں کا شہر۔“ نہیں محسوس کی گئی تھی۔ فیملیکس، چلنے کی مشق کر رہا تھا۔ اُس کی کوشش دیکھ کر میں نے اُسے دل بس کی بات نہیں تھی۔“

اُس کے جسم میں لکڑی کی کوئی ناگ بھی لگی ہوئی ہے۔

”میرا خیال ہے فلیکس! اگر تمہارے ان ضائع شدہ اعضاء کے بد لے میں جدید ریز سالے سے بننے ہوئے ہاتھ پاؤں نصب ہو جائیں تو شاید تم بھی اس بات کو محسوس نہ کرے ہے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔“
تمہارے اعضاء نقلي ہیں۔“

”اوہ، ڈیگر کین! تھوڑی سی مہلت مل جانے دو۔ تم دیکھو گے کہ میں نے کیا، کیا ہے؟“ اور بہترین تیارداری کی۔“
”کیسی مہلت.....؟“

”تم خود اندازہ کر چکے ہو۔ یعنی جب میں قید ہو کر تمہارے سامنے آیا تھا تو کیا تم رخصت ہوا۔ ہم دونوں آگے بڑھے۔ فلیکس، میرے ساتھ چل رہا تھا۔ پھر ہم ایک بھرے محسوس کیا تھا کہ میرے اعضاء نقلي ہیں؟“
”قطعاً نہیں.....!“

”اب جبکہ ہم ایک بار پھر مہذب اور آزاد دنیا شیخچ گئے ہیں، تو ہمیں زندگی کی دوسری ضروریات کی بھی فکر کرنی ہوگی۔“

”میں بھی یہی کہنا چاہتا ہوں کہ میں کسی ایسی جگہ پہنچ جاؤں، جہاں مجھے میرے مطلب چیزیں مل جائیں۔ اس کے بعد میں اپنے اعضاء کو اس انداز میں ترتیب دوں گا، جو دیکھ کے قابل ہوگی۔“

”یعنی جدید ترین چیزوں سے؟“
”ہاں..... اور یہ اعضاء صرف میرے جسم کا سہارا ہی نہیں ہوں گے بلکہ کوئی ایسی کاراٹ چیز ہوگی جو بوقت ضرورت کام آسکے۔“

”خوب.....!“
”بلکہ اس بار میں نے اس کے لئے کچھ اور عمدہ باقیں سوچی ہیں۔“

”مشان.....؟“ میں نے پوچھا۔
”اب بھی تو ایک احتمانہ خیال ہے۔ اس وقت تک کچھ نہیں کہوں گا جب تک عمل مکمل نہ ہو۔ اور یہی بتاؤ! کہ ابھی تھوڑی دیر کے بعد تمہارا ملازم، تمہارا سامان لے کر آنے والا ہے۔ یہ جگہ قرکھ کلو!“ میں نے جیب سے رقم نکال کر فلیکس کو دے دی۔

”خیر! میں بھی اصرار نہیں کروں گا۔ دیے ارسنوف کے پروگرام عمدہ ہوتے ہیں۔“ میں نے کہا اور پھر دونوں، ارسنوف کی کارروائیاں دیکھتے رہے۔ رات آرام سے گزری۔

دوسرے دن صبح، ہم ناشتے کے بعد پھر چل پڑے اور دن کو تقریباً بارہ بجے عدائد پہنچے۔ عدائد کے بارے میں ہماری معلومات ناکمل تھیں۔ لیکن یہاں پہنچ کر جریت ہوئی۔

یہ تو جدید ترین شہر تھا۔ شہر میں داخل ہو کر ارسنوف نے گاڑی روک دی اور ہم دونوں

نیچے اتر آئے۔ ”تمہارا شکر یہ ارسنوف! اب ہمیں اجازت دو۔“

”مرٹر ہاکن..... میں تمہارا کمرہ نمبر معلوم کروں گا۔“ میں نے جواب دیا اور فلیکس نے

گردن ہلا دی۔ ویسے میں نے اُس کی آنکھوں میں تفکر کی پر چھائیاں دیکھی تھیں اور اُس کا ثبوت تھا۔ وہ میرے لئے فکر مند تھا۔ حالانکہ اُسے جان لینا چاہئے تھا کہ چھوٹے معاملات، میرے لئے کیا ابھیت رکھتے ہیں۔

بہر حال! میں، وہاں سے چل پڑا۔ ابھی تک میرے ذہن میں کوئی خیال نہیں تھا رقم حاصل کرنے کے لئے اتنی زیادہ پریشانی کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ میں سڑک پر چلتا رہا۔ یہ سڑک آگے جا کر دو طرف درختوں کے درمیان گھرگئی تھی اور مناظر حسینی تر ہوتے جا رہے تھے۔ آگے جا کر مجھے ایک چوراہا نظر آیا، جس پر ایک سیدھی تختی تھی۔

”از ہر..... بارہ سو کلو میٹر۔“ گویا یہ سڑک، شہر سے باہر جاتی تھی۔ سامنے کے زر

میں ایک پولیس پڑوں کا راتی نظر آئی اور میرے ذہن نے فوراً ہی ایک پروگرام دے لیا۔ میں نے ایک نگاہ، سڑک کے کنارے ڈالی۔ لمبی گھاس والے کھیت ڈورنک ہوئے تھے۔ ان کھیتوں میں انسانی جسم، با آسانی چھپ سکتا تھا۔ چنانچہ میں نے اس سے مطمئن ہو کر سڑک کا رُخ کیا اور زور زور سے ہاتھ ہلانے لگا۔ پڑوں کا رکی رفتہ ہو گئی تھی۔ حالانکہ وہ خاصی تیز رفتاری سے آ رہی تھی۔ بہر حال! وہ میرے نزدیک آ کر گئی۔ سامنے کی سیٹ پر دو افراد بیٹھے ہوئے تھے۔ انیں میں شاید ایک ڈرائیور تھا۔ دوسرے کا کوئی افسر معلوم ہوتا تھا۔ کار کا پچھلا حصہ بالکل خالی تھا اور یہ بات تھی۔ کار میرے نزدیک آ کر رُخ گئی۔ افسر کا رُخ میری ہی جانب تھا۔ چنانچہ میں نے چہرے پر خوف کے تاثرات پیدا کرتے ہوئے کہا۔

”لاش..... جناب! لاش.....!“

”لاش.....؟“ پولیس افسر چونک پڑا۔

”ہاں.....!“

”کہاں.....؟“ اُس نے سوال کیا۔

”اُن کھیتوں کے درمیان پڑی ہوئی ہے۔ اُس کا سر اور جسم کے دوسرے اعضاء دیے گئے ہیں۔ میں نے ابھی ابھی اُسے دیکھا ہے۔“

”ہوں.....!“ پولیس افسر نے جلدی بے دروازہ کوولا اور نیچے اتر آیا۔ ”آؤ.....“ نے ڈرائیور کو بھی اشارہ کیا۔

ڈرائیور نے کار، جلدی سے سڑک کے کنارے روک دی اور دوسری طرف سے اتر آیا۔ ”کس طرف ہے.....؟“ پولیس افسر نے مجھ سے پوچھا۔ اور میں نے تھوڑے سے فاصلے پر لمبی گھاس والے کھیتوں کی طرف اشارہ کر دیا۔ پولیس افسر اُسی جانب دیکھنے لگا۔

اس دوران میں، میں اُن دونوں کا بغور جائزہ بھی لیتا رہا تھا۔

”میرے ساتھ آؤ!“ پولیس افسر نے تھیمناں لجھ میں کہا اور میں آگے آگے چل کر اُن کی رہنمائی کرنے لگا۔ میں نے پولیس افسر اور ڈرائیور کا بخوبی جائزہ لے لیا تھا۔ اچھے خاصے تند رست و توانا لوگ تھے۔ بہر حال! میں اُنہیں لئے ہوئے سڑک سے اتر آیا۔ اب میرے ذہن میں صرف ایک ہی بات تھی کہ کوئی اور کار یا کچھ اور لوگ اس طرف نہ آئیں۔ حالانکہ ظہراں کا کوئی امکان نہیں تھا۔ کیونکہ ڈورڈور تک سڑک صاف نظر آ رہی تھی۔

”تم اس طرف کس کام سے آئے تھے؟“ اُس نے سوال کیا۔

”بل جناب! اتفاقی طور پر۔ میں آپ کو پوری تفصیل سناؤں گا۔ پہلے آپ یہ دیکھیں کہ کس قدر خوفناک منظر ہے۔ کسی نے اُس غریب شخص کو بری طرح قتل کیا ہے۔ یہ دیکھیں۔ اس جگہ.....“ میں نے ایک جانب اشارہ کیا اور پولیس افسر نے گردن ڈیرھی کی۔

بس! یہ لمحہ میرے لئے کافی تھا۔ میرا بھر پور ہاتھ، پولیس افسر کی گردن پر پڑا اور اُس کے حلق سے ایک عجیب سی آواز نکل گئی۔ دوسرے لمحے ڈرائیور میری جانب گھوما۔ خاصا تو یہ کل آدمی تھا۔ اُس نے سامنے کے رُخ سے میری جانب حملہ کر دیا اور یہ بڑی عمدہ بات تھی۔ اتنی جلدی پچھوشن کا اندازہ کر کے اُس پر عمل کرنا بہر صورت! اُس کی ذہانت اور پھر تی کا عمدہ ثبوت تھا۔ لیکن میرا ذہن تو ایک سوچ سمجھے منصوبے پر عمل کر رہا تھا۔ میں نے سامنے سے اُس کے حملے کو روکا اور دوسرے لمحے خود بھی اُس پر حملہ کر دیا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ جدو جدد میں زیادہ وقت ضائع ہو۔ اس لئے میں نے کرانے کا ایک خوبصورت ہاتھ، سڑک سامنے کے رُخ پر مارا اور اُس کا دماغ بھنا گیا۔ دوسرے لمحے میں نے اُس کی پشت پر ایک ضرب لگائی اور ڈرائیور، کئے ہوئے شہمیر کی طرح زمین پر آ رہا۔

”سوری فرینڈز.....!“ میں نے مددت آمیز انداز میں اُن دونوں سے کہا اور دونوں کو سمجھنے کر برابر بر ایجادیا۔

پھر میں نے اطمینان سے جھک کر پولیس افسر کا پستول، اُس کے ہولہ سے نکال لیا۔ فالتوں میگرین کی بیلٹ بھی میں نے کھول لی تھی۔ ان چیزوں کو اپنے لباس کے نیچے چھانے

کے بعد میں نے اُن دونوں کی غلاشی کی۔ پولیس افسر کی جیب سے مجھے اچھی خاصی کمزیری تھی۔ میں نے شکریہ کے ساتھ اس کرنی کو اپنی جیب میں ڈال لیا۔ پھر میں پلان۔ لیکن اپنے میرے ذہن میں ایک اور خیال آیا۔

میں نے پلٹ کر پولیس افسر کی طرف دیکھا۔ معمولی سافر ق تھا۔ بہت ہی معمولی ممکن ہے، محسوس بھی نہ ہو۔ میں نے اندازہ لگایا اور چند ساعت کے بعد میں اس فیضاً عملدرآمد کے لئے تیار ہو گیا۔

”معاف کرنا دوست! میں تمہارے ساتھ بڑی زیادتی کر رہا ہوں۔ یقیناً عدانہ میں ہے۔ آمد تمہارے لئے ناخوشگوار ثابت ہوئی ہے۔ لیکن دیکھو! مجبوریاں بھی ہوتی ہیں۔“ میں رپہلے اُس کی کیپ آناری اور پھر کوٹ اور پھر پتلون اور قیص وغیرہ بھی۔ گویا اب وہ صبر ایک اندر ویز میں رہ گیا تھا۔ اپنا لباس میں اُس کے حوالے نہیں کر سکتا تھا ورنہ میں اُن برہنہ نہ چھوڑتا۔ ہوش میں آنے کے بعد بیچارے کو اپنے ڈرائیور کے سامنے شرمندگی لانہ پڑے گی۔ لیکن مجبوری..... چنانچہ میں نے لباس لیا اور بڑے اطمینان سے سیٹی بجاتا۔ پڑول کار کی جانب چل پڑا۔

اپنے لباس کی میں نے ایک چھوٹی سی گھڑی بنالی تھی۔ اس گھڑی کو کچھی سیٹوں کے درمیان ڈال کر میں نے سٹرینگ سنہجال لیا اور پڑول کار شارت کر کے آگے بڑھا دی۔ از کار رخ چونکہ شہر کی جانب تھا اس لئے میں نے زخم بدلتے کی کوشش نہیں کی۔

کار، شہر میں داخل ہو گئی اور میں، اسے سڑکوں پر دوڑانے لگا۔ رفتار بہت ست تھی۔ کسی چیز کی تلاش تھی۔ یعنی اپنے مطلب کی جگہ..... کنی بینکوں پر میرنی نظر پڑی۔ میں پولیس افسر کی گھڑی میں وقت دیکھا اور مطمئن انداز میں گردن ہلا دی۔ یعنی ابھی وقت ہے۔ اگر اپنی پسند کی جگہ کی تلاش جاری رکھی جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

میں ملحقہ بازاروں میں آوارہ گردی کرتا رہا۔ پڑول کار بھی خطرناک ثابت ہو گئی۔ لیکن میرے اندازے کے مطابق اتنی جلدی نہیں۔ پھر مجھے ایک بینک کی ایک براخ نظر آؤ اور میں نے کار کو بریک لگا دیئے۔ کار، سڑک سے تھوڑے فاصلے پر روک کر میں نیچے اترنے اور پھر اطمینان سے بینک کی طرف بڑھا۔ ایک پولیس افسر کو بینک میں داخل ہوتے دیکھ کر کوئی تعجب نہیں ہوا تھا۔

میں نے چاروں طرف دیکھا اور کیش کا دنیک پہنچ کر رُز ک گیا۔ ایک شخص، کیش لے لے گیا۔ اور سڑک پر پہنچتے ہی میں نے اُسے بر ق رفتاری سے آگے بڑھا دیا۔

تھا۔ ایک لمحے میں، میں نے کارروائی کے لئے پروگرام ترتیب دے دیا۔ چانچہ جو نبی وہ شخص، کیش لے کر باہر گیا، میں نے پستول نکال کر اُس شخص کے سامنے کر لیا جو کیش کا دنیک پہنچا تھا۔

”زندگی بہت قیمتی ہے دوست! تم خاموشی سے کیش نکال کر اس تھیلے میں ڈال دو، جو تمہارے سامنے رکھا ہوا ہے۔“ میں نے سفاک لجھے میں کہا۔ ایک لمحے کے لئے تو کیش نے میری بات کو توجہ اور اخلاق سے نہ۔ لیکن جب مفہوم اُس کی سمجھ میں آیا تو وہ خوف سے پاگل ہو گیا۔

”آ..... ہا۔..... تم نادانی کا ثبوت دے رہے ہو۔ دوسرے لوگ، اپنے کاموں میں مصروف ہیں۔ کوئی تمہاری مدد نہیں کر سکے گا۔ جلدی کرو!“ میری آواز اس قدر ڈراونی تھی کہ کیش کا پسند چھوٹ گیا۔ اُس کا جسم نمایاں طور پر کانپ رہا تھا۔ اُس نے ایک نگاہ ادھر اور میری انگلی، ٹرائیگر پر پہنچ گئی۔

”بس! کوئی جنمیں نہ ہو۔ کسی کو احساس دلانے کی کوشش بھی مت کرو۔ آخری بار کہہ رہا ہوں۔“ میں نے کہا اور کیش نے لرختے ہاتھوں سے نوٹوں کے بندل نکالنے شروع کر دیئے۔ پھر اُس نے وہ بندل، پلاسٹک کے اس تھیلے میں بھرنے شروع کر دیئے جو کسی کمپنی کا پیٹنی ہے تھا۔

میری نگاہیں، چاروں طرف کا جائزہ لے رہی تھیں۔ کیش نے بیگ بھر کر میری طرف بڑھا دیا اور میں نے اطمینان سے بیگ اُس کے ہاتھ سے لے لیا۔ ”اب تمہارے چاؤ کے لئے میں کیا کروں؟“ میں نے پوچھا۔ لیکن خوف سے کیش کی آواز بند ہو گئی تھی۔ ”اگر تم کچھ کہنا چاہتے ہو تو کہو! میں چاہتا ہوں کہ تم پر بھی آنچ نہ آئے۔“ لیکن میرے ذہن میں کوئی ترکیب نہیں ہے۔ ”میں نے پھر نرم لجھے میں کہا۔ لیکن وہ بے وقوف بہت ہی اچھا انسان تھا۔ اس بد بھی وہ اُسی طرح بیٹھا تھا۔ ”بس دوست! اب میں چلتا ہوں۔ لیکن اُس وقت تک خاموش رہتا جب تک میرے پستول کی ریش میں ہو۔ نوکری اور مل سکتی ہے، مگر زندگی نہیں۔“ میں نے اُس سے کہا اور مناسب رفتار سے پلٹ پڑا اور چند ساعت کے بعد میں بینک سے باہر تھا۔

میں بر ق رفتاری سے پڑول کار کے نزدیک پہنچا اور اُسے شارت کر کے ڈور تک ریورس میں لے گیا۔ اور سڑک پر پہنچتے ہی میں نے اُسے بر ق رفتاری سے آگے بڑھا دیا۔

یہ سارے کام اس طرح ہوئے تھے، جینے میں پورے پروگرام کے تحت لکا ہوں۔ اور اب اپنا کام کر کے واپس خارہا ہوں۔ لیکن ہوٹل میں داخل ہوتے ہوئے ایک بات میرے ذہن میں آئی تھی۔ میں اور فلیکس، ہم شکل تھے اور ہم شکل ہونا دوسروں کی نگاہوں میں آ جاتا تھا۔ یعنی لوگ خاص طور سے متوجہ ہوتے تھے۔ اس لئے تھوڑی سی شکل بدلا ضروری تھی۔ میک اپ کا سامان فوری طور پر حاصل کرنا بھی تو آسان کام نہ تھا۔

بہر حال! وقت طور پر اس کے لئے بھی ترکیب سوچ لی۔ اور جب میں نے کاؤنٹر کس سے مسٹر ہاکن کا کمرہ نمبر معلوم کیا تو میری شکل عجیب انداز میں ٹیڈھی بنی ہوئی تھی۔

”مسٹر ہاکن..... جو ابھی تھوڑی دیر قل آئے ہیں؟“

”ہاں.....“ میں نے ایک تیش زدہ شخص کی مانند جواب دیا۔

”روم نمبر میں..... تم ان کے سروvent ہونا؟“

”جی ہاں.....!“

”آنہوں نے پیدائیت کی تھی۔ ٹھہردا! میں تمہارے ساتھ آدمی بھیجا ہوں۔“ کلرک بولا اور میرا مجھے بے کر چل پڑو۔

کبرہ نمبر میں کے سامنے وہ رک گیا۔ میں نے چال میں لٹکراہٹ پیدا کر لی تھی۔ فلیکس نے مجھے تعجب سے دیکھا۔ بہر حال! اندر آنے کی اجازت دے دی اور میرے اندر آنے کے بعد اس نے دروازہ بند کر لیا۔

”دوسرا بار میری شکل دیکھ کر وہ چونک پڑا۔“ اربے.....!

”کیوں..... کیا بات ہے؟“

”ابھی ابھی تمہارے چہرے پر میک اپ تھا۔“

”اوہ..... کیا واقعی؟“

”بیس..... مجھے تماو! اتنی جلدی میک اپ کیسے اتر گیا؟“

ایک ہاتھ سے سٹیئر گگ سنبھال کر پہلے میں نے اپنا کوٹ اٹا را۔ پھر کیپ بھی اٹا رک طرف ڈال دی اور جھک کر اپنے کپڑوں کی گھٹڑی اٹھا لی۔ گاڑی اب جس قدر جلد چھوڑ جائے، بہتر ہے۔ کیونکہ اب وہ خطرناک ہو چکی تھی۔ تھوڑی دور جانے کے بعد مجھ پارک نظر آیا اور میں نے کار پارک کر کے دوسری طرف چھوڑ دی۔ اب میں اُسے واسطہ نہیں رکھنا چاہتا تھا۔ چنانچہ میں نے اُن جگہوں کو کپڑے سے صاف کر دیا جہاں اُنگلیوں کے نشانات، زیادہ جگہوں پر نہ پڑنے پائیں۔

اور پھر میں کار چھوڑ کر پارک میں داخل ہو گیا۔ پارک میں کوئی سنسان گوشہ تلاش زیادہ مشکل نہ تھا اور یہ کام ہی کتنا تھا؟ صرف اتنا کہ لباس بدلتا جائے۔ لباس بتانا کرنے کے بعد میں نے نوٹوں کے بندل اپنے لباس میں چھپائے اور پارک کے دروازے سے باہر آ گیا۔ تھوڑے ہی فاصلے پر ٹیکسی مل گئی اور میں اُس میں بیٹھ کر چل پڑا۔ راستے میں، میں نے ایک بازار کا نام پڑھ لیا تھا۔ چنانچہ اطمینان سے ڈرائیور کا بازار کا حوالہ دے دیا۔ پھر میں اپنی منزل پر پہنچ کر اتر گیا۔ اب میرے پاس ایک ہلا موجود تھی۔ چنانچہ ایک بڑے ڈیپارٹمنٹل سٹور میں پہنچ کر میں نے خریداری شروع کر دی۔ بڑے سوٹ کیس، ایک بر لیف کیس اور اس کے بعد استعمال کی بے شمار اشیاء جو ہمارے ضروری ہو سکتی تھیں۔

تمام چیزیں پیک ہو گئیں تو میں نے بل ادا کیا۔ اٹینڈنٹ نے میرا سامان اٹھا لا۔ تھوڑی دیر بعد میں ٹیکسی میں بیٹھا ”مونا کو“ کی طرف جا رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

”میرے خدا! تم تو واقعی کسی محبت کرنے والے شوہر کی مانند ہو۔ اور یہ معمولی بات نہیں
ہے کہ ضروریات کا اس طرح خیال زکھا جائے۔“ فلیکس مسکراتا ہوا بولا۔

”بہر صورت! میرا خیال ہے کہ یہ تمام چیزیں ہی ہماری ضرورت تھیں۔ اور پھر میں تو
تمہارا ملازم ہوں۔ یہ ساری چیزیں مہیا کرنا میرا ہی کام تھا۔“ میں نے جواب دیا۔

”دیکھو بھائی کیون! یہ ملازم وغیرہ کا مسئلہ اگر کسی کے سامنے چلانا چاہو تو میں مجبور آسے
برداشت کر لون گا۔ لیکن تمہائی میں ان ساری باتوں کی ریہرسل مناسب نہیں ہے۔“ فلیکس
نے کہا اور میں مسکرانے لگا۔

”بہر صورت..... لباس پہن کر دیکھو! میرا خیال ہے، تمہارے بدک پرفٹ ہوں گے۔“
میں نے کہا۔

”یقیناً، ٹھیک ہوں گے۔ تمہارے اور میرے جسم میں فرق بھی تو نہیں ہے۔“ فلیکس
بولا۔

”پھر پہن کر دیکھو! اگر کسی رزو دبل کی ضرورت ہوئی تو ہم لوگ کر لیں گے۔“

”ہاں..... ان میں کوئی حرخ نہیں ہے۔“ فلیکس نے جواب دیا۔ اور پھر وہ لباس لے کر
با تھر زوم میں چلا گیا۔ با تھر زوم میں جا کر اس نے لباس پہنا اور مجھے دکھانے کے لئے باہر آ
گیا۔

”کمال کی بات ہے..... سر مرد فرق نہیں ہے۔ دیکھو! یہ میرے بدک پر بالکل فٹ ہے۔“

”بس! ٹھیک ہوں۔ میں بھی یہی چاہتا ہوں۔ گویا اب ہم معزز لوگوں کی حیثیت اختیار
کر گئے ہیں۔ یعنی ہمارے پاس ساز و سامان بھی ہے۔ بلاشبہ! تم ایک امیر آدمی ہو، جو عمدہ
ساز و سامان کے ساتھ ایک عمدہ قسم کا ملازم بھی رکھتا ہے۔“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور
فلیکس بھی ہنسنے لگا۔

”لیکن اب پروگرام کیا ہے؟“ فلیکس نے پوچھا۔

”بس! پروگرام پڑھنے ہے کہ عادت سے اسٹنبول چلیں گے۔ میرا خیال ہے، اس کے لئے
بہت جلد ہمیں سازی کا روا یاں کمکل کر لینا ہوں گی۔ تم اطمینان سے اس ہوٹ میں قیام کرو!
میں ان سارے کاموں کا ماہر ہوں۔“ میں نے جواب دیا۔

”بات یہ ہے منزہ کیں! کہ اب فلیکس وہ معدنbor آدمی نہیں رہا جسے تم کندھے پر لادے
لادے پھرستے رہنے تھے۔ میری خواہش ہے کہ تمہارے کام میں کچھ باتھ ٹھاؤ۔“

”کیا میرے چہرے میں واقعی ایسی تبدیلی میں تھی؟“

”ہاں..... اتنی کہ عام لوگ نہیں پہچان سکتے تھے۔“ فلیکس نے جواب دیا۔

”خوب..... بہر جا! میں نے تھوڑی سی شکل ٹیڑھی کر لی تھی۔ اس کے علاوہ اور کوئی
تبذیل نہیں کی تھی۔ لیکن منک اپ کا سامان ضروری ہے۔“

”میک اپ آتا ہے؟“ فلیکس نے پوچھا۔

”کیا نہیں آتا فلیکس؟“ میں نے سکاتے ہوئے کہا۔ اور پھر جیب سے نوٹوں کے
بنڈل نکال کر اس کے سامنے ڈھیر کر دیے۔ فلیکس کی آنکھیں، تعجب سے پھیل گئیں۔

”خدا کی پناہ! کیا لوگ کرنی لئے تمہارا انتظار کر رہے تھے؟“

”ہاں..... یہی سمجھو!“

”اور ان سوٹ کیسوں میں کیا ہے.....؟“

”ہماری ضروریات کا سامان۔“

”لیکن کیون! یہ دولت کہاں سے آئی.....؟“

”جہاں سے ہم لوگوں کے پاس آسکتی ہے۔“

”نیکی کی بینک کو لوٹ لیا ہے.....؟“

”ہاں..... صحیح اندازہ ہے۔“

”نوٹوں کی گلڈیوں سے پتہ چلتا ہے کہ بینک سے آئی ہیں۔“

”یہ قبضہ بات یہ ہے۔ تب پھر ان گلڈیوں کو کھوں کر بریف کیس میں سیٹ کر لواہاں
نشانات میں مٹا چکا ہوں۔“ میں نے کہا اور فلیکس ایک جگہ بینچ کر میری ہدایات پر عمل کرنے
گا۔ پھر اس نے متوجہ نہ لبھے میں کہا۔

”خاصی رقم ہے کیمن..... اتنی جلدی، بغیر کسی پروگرام کے..... بات سمجھ میں نہیں آتی۔“

”بہت سی باتیں ابھی ذرا دیر سے سمجھ میں آئیں گی۔ فکر مند مت ہونا!“

”ان سوٹ کیسوں میں کیا کیا ہے.....؟“

”دیکھ لو!“ میں نے کبھی فکر مند شوہر کی طرح تمہاری ساری ضروریات پوری کرنے کا
کوشش کی ہے۔“ میں نے کہا اور بیس، مسکراتے ہوئے۔ پھر اس نے سوٹ کیس دیکھئے اور اس
کے ہونت، یہی سمجھانے والے انداز میں سکڑ گئے۔

”میرے خدا! تم تو واقعی کسی محبت کرنے والے شوہر کی مانند ہو۔ اور یہ معمولی بات نہیں
ہے کہ ضروریات کا اس طرح خیال زکھا جائے۔“ فلیکس مسکراتا ہوا بولا۔

”بہر صورت! میرا خیال ہے کہ یہ تمام چیزیں ہی ہماری ضرورت تھیں۔ اور پھر میں تو
تمہارا ملازم ہوں۔ یہ ساری چیزیں مہیا کرنا میرا ہی کام تھا۔“ میں نے جواب دیا۔

”دیکھو بھائی کیون! یہ ملازم وغیرہ کا مسئلہ اگر کسی کے سامنے چلانا چاہو تو میں مجبور آسے
برداشت کر لون گا۔ لیکن تمہائی میں ان ساری باتوں کی ریہرسل مناسب نہیں ہے۔“ فلیکس
نے کہا اور میں مسکرانے لگا۔

”بہر صورت..... لباس پہن کر دیکھو! میرا خیال ہے، تمہارے بدک پرفٹ ہوں گے۔“
میں نے کہا۔

”یقیناً، ٹھیک ہوں گے۔ تمہارے اور میرے جسم میں فرق بھی تو نہیں ہے۔“ فلیکس
بولا۔

”پھر پہن کر دیکھو! اگر کسی رزو دبل کی ضرورت ہوئی تو ہم لوگ کر لیں گے۔“

”ہاں..... ان میں کوئی حرخ نہیں ہے۔“ فلیکس نے جواب دیا۔ اور پھر وہ لباس لے کر
با تھر زوم میں چلا گیا۔ با تھر زوم میں جا کر اس نے لباس پہنا اور مجھے دکھانے کے لئے باہر آ
گیا۔

”کمال کی بات ہے..... سر مرد فرق نہیں ہے۔ دیکھو! یہ میرے بدک پر بالکل فٹ ہے۔“

”بس! ٹھیک ہوں۔ میں بھی یہی چاہتا ہوں۔ گویا اب ہم معزز لوگوں کی حیثیت اختیار
کر گئے ہیں۔ یعنی ہمارے پاس ساز و سامان بھی ہے۔ بلاشبہ! تم ایک امیر آدمی ہو، جو عمدہ
ساز و سامان کے ساتھ ایک عمدہ قسم کا ملازم بھی رکھتا ہے۔“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور
فلیکس بھی ہنسنے لگا۔

”لیکن اب پروگرام کیا ہے؟“ فلیکس نے پوچھا۔

”بس! پروگرام پڑھنے ہے کہ عادت سے اسٹنبول چلیں گے۔ میرا خیال ہے، اس کے لئے
بہت جلد ہمیں سازی کا روا یاں کمکل کر لینا ہوں گی۔ تم اطمینان سے اس ہوٹ میں قیام کرو!
میں ان سارے کاموں کا ماہر ہوں۔“ میں نے جواب دیا۔

”بات یہ ہے منزیر کیں! کہ اب فلیکس وہ معدنbor آدمی نہیں رہا جسے تم کندھے پر لادے
لادے پھرستے رہنے تھے۔ میری خواہش ہے کہ تمہارے کام میں کچھ باتھ بٹاؤ۔“

”کیا میرے چہرے میں واقعی ایسی تبدیلی میں تھی؟“

”ہاں..... اتنی کہ عام لوگ نہیں پہچان سکتے تھے۔“ فلیکس نے جواب دیا۔

”خوب..... بہر جا! میں نے تھوڑی سی شکل ٹیڑھی کر لی تھی۔ اس کے علاوہ اور کوئی
تبذیل نہیں کی تھی۔ لیکن منک اپ کا سامان ضروری ہے۔“

”میک اپ آتا ہے؟“ فلیکس نے پوچھا۔

”کیا نہیں آتا فلیکس؟“ میں نے سکاتے ہوئے کہا۔ اور پھر جیب سے نوٹوں کے
بنڈل نکال کر اس کے سامنے ڈھیر کر دیے۔ فلیکس کی آنکھیں، تعجب سے پھیل گئیں۔

”خدا کی پناہ! کیا لوگ کرنی لئے تمہارا انتظار کر رہے تھے؟“

”ہاں..... یہی سمجھو!“

”اور ان سوٹ کیسوں میں کیا ہے.....؟“

”ہماری ضروریات کا سامان۔“

”لیکن کیون! یہ دولت کہاں سے آئی.....؟“

”جہاں سے ہم لوگوں کے پاس آسکتی ہے۔“

”نیکی کی بینک کو لوٹ لیا ہے.....؟“

”ہاں..... صحیح اندازہ ہے۔“

”نوٹوں کی گلڈیوں سے پتہ چلتا ہے کہ بینک سے آئی ہیں۔“

”یہ قبضہ بات یہ ہے۔ تب پھر ان گلڈیوں کو کھوں کر بریف کیس میں سیٹ کر لواہاں
نشانات میں منتظر کا ہوں۔“ میں نے کہا اور فلیکس ایک جگہ بینچ کر میری ہدایات پر عمل کرنے
گا۔ پھر اس نے متوجہ نہ لبھے میں کہا۔

”خاصی رقم ہے کیون..... اتنی جلدی، بغیر کسی پروگرام کے..... بات سمجھ میں نہیں آتی۔“

”بہت سی باتیں ابھی ذرا دیر سے سمجھ میں آئیں گی۔ فکر مند مت ہونا!“

”ان سوٹ کیسوں میں کیا کیا ہے.....؟“

”دیکھ لو!“ میں نے کبھی فکر مند شوہر کی طرح تمہاری ساری ضروریات پوری کرنے کا
کوشش کی ہے۔“ میں نے کہا اور بس، مسکراتے ہوئے۔ پھر اس نے سوٹ کیس دیکھئے اور اس
کے ہونت، یہی سمجھانے والے انداز میں سکڑ گئے۔

لے تو میں تمہیں نہیں پہچان سکتا تھا۔ اور یہ تو بڑی بات ہے کہ صرف ذرا سی کوشش سے چہروں کے نقش اور زاویے اس طرح بدلتے ہیں کہ شکل ہی بدلتے ہیں۔ میرا خیال ہے، کم از کم آج تم اسی طرح کام چلاو۔ اس کے بعد میک آپ کا سامان خرید لینا اور کل ہی میک آپ بھی کر لینا۔“

”ہاں..... اب تو یہی کرنا پڑے گا۔ لیکن مجھے صرف ایک بات سے تکلیف ہو گی۔“ میں نے کہا۔

”وہ کیا.....؟“ فلیکس نے پوچھا۔

”کل جب میں اپنے چہرے پر میک آپ کروں گا تو مجھے ان ٹیڈھے میٹھے نقشوں کا خیال رکھنا ہو گا، جو میں نے ویٹر کے سامنے اپنائے تھے۔ اور انہی نقشوں کے ساتھ مجھے باقی وقت بھی گزارنا پڑے گا۔ یہ صحیح ہے کہ میری حیثیت ملازم کی ہے، لیکن کیا ملازم خوبصورت نہیں ہوتے؟ اگر میں اپنے چہرے پر بہتر میک آپ کر سکتا تو ملازم ہونے کے باوجود مجھے اتنی بول کے حسن سے محروم نہ ہونا پڑتا۔“ میں نے کہا اور فلیکس مکرنا نے لگا۔ پھر اس نے گھم گیر لبھے میں کہا۔

”ہاں میرے دوست! اس موضوع پر تو ہماری بات ہی نہیں ہوئی۔“
”کس موضوع پر نہیں؟“

”میرا مطلب ہے، حسن و عشق کے سلسلے میں..... ڈن کین کی پوری کہانی تو میں سن ہی چکا ہوں۔ لیکن اس کہانی میں مجھے کہیں بھی یہ پتہ نہیں چل سکا کہ فن لینڈ کی کسی حینہ نے یا اس سے باہر کی کسی لڑکی نے اس شیر دل انسان کو بھی متاثر کیا یا نہیں، جو اپنے آگے کسی کی کوئی حقیقت و حیثیت نہیں سمجھتا۔“

”حسن و عشق کے جھگڑوں سے کون محفوظ ہے فلیکس؟ یہی سوال میں تم سے بھی کر سکتا ہوں۔“

”اپنی بات نہ پوچھو بھائی! دراصل شروع ہی سے ایسی زندگی گزاری کہ کسی خاص چہرے کو مرکز نہ کاہنیں بنائے۔ فوجی زندگی میں تو یوں بھی یہ بات ممکن نہیں۔ ایک دوڑکیاں قریب آئی تھیں۔ لیکن شریف لاکیاں تھیں۔ اس لئے میں نے انہیں دھوکہ دیتا مناسب نہیں سمجھا۔ البتہ باقی سلسلے یوں کہا رہے۔ میری مراد ہے کہ باقی خوبی آیا اور جس نے مسٹر فلیکس کے دل کو ٹوٹ لئی کوشش کی تجویز میں فلیکس نے اپنے وجود کی ساری کھڑکیاں کھول دیں اور اسے اندر

”اگر مجھے ضرورت پیش آئی نہیں! تو میں ضرور تمہیں تکلیف دوں گا۔ لیکن میری خواہش ہے کہ اس وقت تک، جب تک تم اپنے ان مصنوعی اعضاء کو اپنی مرضی کے مطابق نہ بنالو، آرام ہی کرو تو بہتر ہے۔“

”ہاں، ہاں..... میں کوئی مشقت کا کام تو نہیں کر رہا۔ میں تو صرف یہ چاہتا ہوں کہ وہ کام، جنہیں میں بھی کر سکتا ہوں، میرے حوالے کر دیئے جائیں تاکہ میں یہ محسوس نہ کروں کہ میں کسی طور پر کمزور یا بیمار ہوں۔ دراصل اعضاء کی اس کمی نے مجھے تھوڑا سا ذہنی مرض بھی بنادیا ہے۔ اور بعض اوقات تو جھنجھلاہٹ میں ایسے ایسے کام کر جاتا ہوں، جن کی وجہ سے مجھے خاصی پریشانی اٹھانی پڑتی ہے۔ اور جو بلاشبہ! ایک ایسے آدمی کے بس کی بات نہیں ہوتی، جن کا ایک ہاتھ اور ایک ٹانگ ہو۔“ فلیکس نے کہا۔

”لیکن ڈیڑھ فلیکس! اب تم کوئی ایسے انسان نہیں ہو، بھس کا ایک ہاتھ اور ایک ٹانگ ہو۔ بلکہ دوسروں سے کچھ زیادہ ہی ہو۔ یعنی ہمارے قین ہاتھ اور قین پاؤں ہیں۔“ میں نے کہا اور فلیکس کی آنکھوں میں ممنونیت کے آثار اپھر آئے۔ چند ساعت وہ کچھ سوچتا رہا۔ اور پھر بولا۔

”تمہاری باتیں میرا سینہ پھڑا کر دیتی ہیں۔ یقین کرو! میرا دل اتنا بڑھ جاتا ہے کہ میں خود نہیں سمجھ پاتا کہ اپنی مسزت کا اظہار کس طرح کروں؟“

”بس، بس..... اب ان باتوں کو چھوڑو! اب تو کافی وقت گزر گیا ہے۔ میرا خیال ہے، یہ رات ہم پرسنگون انداز میں گزاریں۔ اور اس کے بعد ہماری کارروائیوں کا آغاز کل صبح سے ہو جانا چاہئے۔“

”اوکے سر.....!“ فلیکس نے مکراتے ہوئے کہا۔
”البته ایک چیز کی کمی رہ گئی ہے۔“
”وہ کیا.....؟“ فلیکس نے پوچھا۔

”میں سوچ رہا تھا، اگر آج ہی اپنے چہرنے کی مرمت بھی کر لیتا تو پھر کوئی مشکل پیش نہ آتی۔ اب اگر ہم یچھے جانے کی کوشش کریں یا ہوٹل کا کوئی ویٹر ہی یہاں آگیا تو مجھے بڑی وقت پیش آئے گی۔“ میں نے جواب دیا۔

”اوہ..... ہاں! تم شکل میں فوری تبدیلیاں کرنا جانتے ہو۔ لیکن میرے دوست! جس شکل میں تم، اس شخص کے ساتھ اندر آئے تھے، وہ بھی کیا بری تھی؟ یقین کرو! ایک لمحے کے

آنے کا راستہ دے دیا۔ لیکن اسے دل کے دروازے ہیں۔ ایک آنے کا، دوسرا جانے کا سیدھے آؤ، سیدھے چلے جاؤ۔ ”فلیکس مسکراتا ہوا بولا اور میں ہنسنے لگا۔

”سب سے بہترین طریقہ یہی ہے فلیکس!“ میں نے جواب دیا۔

”اوہ! تو اس کا مطلب ہے، تم بھی اس چکر کے قائل نہیں ہو؟“ فلیکس نے سوال کیا۔

”ہاں..... ویسے میں نے زندگی میں، میرا مطلب ہے جرام کی زندگی میں آنے کے لئے پچھلے کیاں میرے قریب آئیں۔ اور انہی میں سے چند نے ایسے سبق دیجے کہ اگر بھی اس

راستے پر پھسلنا بھی تھا، تو اب نہیں پھسلوں گا۔“

”خوب، خوب..... گویا اس سبق نے تمہیں محتاج کر دیا ہے؟“

”نہ صرف محتاج بلکہ یوں کہو! کہ ہمیشہ کے لئے محتاج کر دیا ہے۔“

”تبت تو ٹھیک ہے۔ دونوں کی طبعیت تو تقریباً یکساں ہیں۔ لیکن پچھا اور سوالات بھی ہیں۔“ فلیکس نے بدستور مسکراتے ہوئے کہا۔

”وہ کیا.....؟“ میں نے پوچھا۔

”شکار خود کرتے ہو یا شکار ہونا پسند کرتے ہو؟“

”یہ تو حالات پر محض ہے۔“

”آؤ! تو پھر باہر چل کر حالات کا جائزہ لیں۔“

”ایسے ہی.....؟“ میں نے اس کے لباس کی طرف اشارہ کیا۔

”نہیں..... بدلتے ہیں۔“ فلیکس نے کہا اور ایک لباس نکال کر باٹھ روم کی جانب چلا گیا۔ لیکن میرے ذہن میں ایک انجمن تھی۔ یہاں اگر مجھے میک اپ میں رہنا تھا تو اس طرح فلیکس کے ساتھ جانا مناسب نہیں تھا۔ لیکن پھر میں نے سوچا کہ عدالت میں مجھے کتنے دن رہنا ہے؟ صرف چند روز..... اگر یہاں کوئی نہیں دیکھتا بھی ہے تو کیا اندازہ لگ سکے گا؟ اور اس سے نہیں کیا نقصان پہنچ سکتا ہے؟ اس احساس سے مجھے خاصی تقویت ملی تھی۔ اور پھر میں نے بھی اپنے لئے ایک لباس نکال لیا۔ جو پچھہ ہو گا، دیکھا جائے گا۔

تحوڑی دیز بعد ہم لباس پہن کر پیچے آگئے۔ ہوٹل موناکو، کے خوبصورت ماحول میں ہنگامے رقصان تھے۔ مقامی لوگ زیادہ تعداد میں نظر آ رہے تھے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ عدالت باہر کے لوگوں کے لئے زیادہ دلچسپ جگہ نہیں ہے۔ ہاں! مقامی لوگ، جو نظر آ رہے تھے، وہ زیادہ تر کار و باری تھے۔ یوں بھی مقامی لوگوں کی مالی حالت زیادہ بری معلوم نہیں

بھی تھی۔ ہم لوگ ڈائینگ ہال میں آ کر بیٹھ گئے۔ ہر قسم کی تفریحات جاری تھیں۔ فلیکس، زندگی

سے بھر پور نظر آ رہا تھا اور مجھے اُس شخص کی حالت پر تجھ بھی ہوتا تھا۔ حالانکہ جن محرومیوں کا دو شکار تھا، اگر کوئی اور شخص ہوتا تو ان کے تحت گوشہ شیشیں ہونا ہی پسند کرتا۔ لیکن اس وقت تو مجھے اور جیرت ہوئی جب ایک لڑکی نے فلیکس سے رقص کی درخواست کی۔ اور پھر ہم دونوں کی شکلیں دیکھ کر چونکہ پڑی.....

”اوہ..... تجھ..... تجھ.....“ اُس نے متھیرا نہ لمحے میں کہا۔ زبان انگریزی ہی تھی۔ لیکن، لجھہ ترکی تھا۔

”کیوں..... کس بات پر تجھب ہے؟“

”تم دونوں..... تم دونوں..... میرا مطلب ہے کہ کیا تم دونوں جڑواں بھائی ہو؟“ اُس نے متھیرا انداز میں ہم دونوں کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”ہاں..... ہم دونوں جڑواں ہیں۔“ فلیکس نے جواب دیا۔ وہ زندگی سے بھر پور نظر آ رہا تھا۔

”بڑی جیرت انگریز ممالکت ہے تم دونوں کے درمیان۔“ لڑکی نے کہا۔

”ٹھیک ہے۔ لیکن تم کیا کہنا چاہتی ہو؟“ ”لوکی، فلیکس سے بولی۔

”میں تم سے رقص کی درخواست کرنا چاہتی تھی۔“ ”لوکی، فلیکس سے بولی۔

”تو کرو!“ فلیکس نے شانے اچکائے۔

”لیکن اب سوچ رہی ہوں کہ کیوں نہ تم دونوں سے رقص کی درخواست کروں.....؟“

”دونوں کے ساتھ رقص کر سکو گی.....؟“

”کیوں نہیں کر سکوں گی؟“

”تو پھر ٹھیک ہے۔“ فلیکس کھڑا ہو گیا۔

میں نے ہستے ہوئے اُس کا شابہ تھپٹھایا۔ ”بہتر یہی ہے فلیکس! کہ تم ہی ان خاتون کے ساتھ رقص کرو۔“

”ٹھیک ہے..... اگر تم اجازت دیتے ہو تو.....“ فلیکس نے زندہ دلی سے کہا اور کری سے اٹھ گیا۔ مجھے جیرت تھی کہ فلیکس، رقص کرنے پر تیاز ہو گیا تھا۔ اگر وہ اس مصنوعی ناگ کے چل

ہی لیتا ہے تو بڑی بات ہے۔ کیونکہ یہ ناگ ابھی پوری طرح اُس کے لئے کار آمد نہیں تھی وہ اُس میں کچھ تبدیلیاں کرنا چاہتا تھا۔ لیکن یہ دیکھ کر مجھے شدید حیرت ہوئی کہ فلیکس بیکس کی کمرتے لگادیا اور پھر چیخ کر بولا۔ ”رقص روکو..... آر کشرا بند کرو..... بند کرو!“ آسانی اُس بڑی کے ساتھ رقص کر رہا تھا۔

میرا خیال تھا کہ اب فلیکس پوری طرح رقص میں مصروف ہو جائے گا۔ چنانچہ مجھے اپنے سوری بنٹلینیں! میں ایک پولیس افسر ہوں۔ اتفاقی طور پر ایک ایسا مجرم ہاتھ لگ گیا ہے، طور پر کچھ اور بندوبست بھی کرنا تھا۔ لیکن نہ جانے کیوں، طبیعت کچھ بھسی گئی۔ اور میں سے آج دن میں ایک خطرناک واردات کی ہے۔ میں، آپ کی تفریخ میں مداخلت کے صرف رقص دیکھنے والوں ہی میں شامل رہا۔ کئی لڑکوں نے مجھ سے رقص کی درخواست کی لئے معافی چاہتا ہوں۔ امید ہے، آپ لوگ پولیس سے تعاون کریں گے۔

تھی، لیکن میں نے اُن سے مذہرات کر لی۔ فلیکس رقص کرتا رہا۔ اور پھر جب رقص کا راواڑہ ہوئی کے عملے کے لئے کے لوگ اُن کے قریب پہنچ گئے۔ فلیکس متوجہ کھڑا ہوا تھا۔ میں نے ختم ہوا تو وہ میرے پاس پہنچ گیا۔ میغیر شاید پولیس افسر سے

”تم رقص کیوں نہیں کر رہے ہو؟“ وہ بھٹائے ہوئے لجھ میں بولا۔

”یار! کوئی خاص وجہ نہیں ہے۔ بس! میرا دل نہیں چاہا۔ رقص کرنے سے زیادہ رقص“ ”جی ہاں..... ایک خطرناک مجرم، جس نے صحیح ایک پولیس پڑول کا رچ رائی اور پھر ایک دیکھنے میں لطف آ رہا ہے۔ واقعی..... تم اپنی تفریحات جاری رکھو، میں بالکل بور نہیں ہو رہا۔“ بک میں ڈاکنڈا۔“

”ہرگز نہیں.....!“، فلیکس غرایا۔ ”آفیسر.....! میں غیر ملکی ہوں۔ تمہیں میری توہین کی قیمت ادا کرنی ہو گی۔“ فلیکس

”اچھا، صدی آدنی.....! میں دوسرا راؤ نہ ناق لیوں گا۔ دیکھو! موسیقی شروع ہو گئی ہے۔“ اس سے قبل کہ وہ کسی دوسرے کو پارٹی بنالے، تم جاؤ!“ ”کیا تم، مجھے انداھا سمجھتے ہو؟ تم جانتے ہو کہ میں، تمہیں کتنی اچھی طرح پہچان سکتا ہوں؟“ افرانے سخت لجھ میں کہا۔

”ہاں..... میں کروں گا۔“ میں نے کہا اور فلیکس ہستا ہوا اٹھ گیا۔ وہ پھر اپنی ہم رقص کے پاس پہنچ گیا تھا۔ میں اُسے دیکھتا رہا۔ اور پھر اچانک ہی میری نگاہ اُس کے قریب رقص کرتے ہوئے ایک شخص پر پڑی۔ میری یادداشت اتنی کمزور بھی نہیں تھی کہ میں اُسے نہ پہچان سکتا۔ یہ وہ پولیس آفیسر تھا، جس سے میں نے پڑول کا رچھنی تھی۔

پولس افریاں خوبصورت عورت کے ساتھ رقص کر رہا تھا۔ وہ سول بیس میں تھا۔ لیکن میں نے اُسے پہچان لیا تھا۔ ایک لمحے میں مجھے خطرے کا احساس ہو گیا اور میں پچھوشن پر غور کرنے لگا۔ ”جما کر دیکھیے..... میری ایک ناگ، لکڑی کی ہے۔“ فلیکس نے کہا اور میغیر کی بجائے یہ ام خود پولیس افسر نے انجام دیا تھا۔ اُس کے چہرے پر حیرت کے نقوش اُبھرائے تھے۔ اس کے علاوہ میرا ایک ہاتھ بھی لکڑی کا ہے۔“ فلیکس نے کہا اور ان دونوں چیزوں کا ازجوہ لینے کے بعد پولیس افسر بھی تحریر نظر آنے لگا تھا۔

میں نے سوچا۔ اوز پھر میں برق رفتاری سے اپنی سیٹ سے اٹھ گیا۔ دوسرے لمحے میں، میں ایک گوشے میں پہنچ گیا، جہاں سے کوئی مجھے نہ دیکھ سکے۔

پولیس افسر نے فوری کارروائی کی تھی۔ اُس کے پاس ریوال رہا، جسے اُس نے نکال کر ”میں، اُس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہوں گا۔“ فلیکس نے غراتے ہوئے کہا۔

میرے ذہن میں ایک ترکیب آئی۔ میں نے اپنا چہرہ درست کر لیا اور تھوڑا کھلک کیا۔ پولیس افسر کا سروں ریو اور ابھی تک میرے پاس تھا۔ ظاہر ہے، اس کام میں پھیک نہیں سکتا تھا۔ چنانچہ میں نے ایک خوبصورت عورت کوتاکا اور دوسرا نے عورت کی گردن سے اُس کا قیمتی ہار کھینچ لیا۔ عورت کے منہ سے دخراش چیز نکل گئی۔ مجھ سے معافی مانگتا رہا۔ اُس نے اپنائی شرمندگی کا اظہار کیا اور کہا کہ شکل ملنے کی ایک بار پھر سب چونک پڑے۔ میں نے اپنے خدوخال درست کرنے تھے۔ وجہ سے غلط نہیں ہو گئی تھی۔ بہر صورت! اب وہ میری طرف سے بالکل مشتبہ نہیں ہے۔ لیکن ہار..... میز اہار..... ”عورت چیز پڑی۔ اور سب اُس طرف متوجہ ہو گئے۔ تب میں نے تمہیں خوب سمجھی۔ ہاں! یہ پولیس افسر کا کیا قصہ تھا؟“ کو تابو میں کر لیا اور اسے لے کر پیچھے کھکنے لگا۔

”یعنی پولیس پڑوں کا۔.....؟“ فلیکس نے پوچھا۔

”ہاں..... اُس وقت یہی نظر آئی تھی۔“

”کمال کی بات ہے۔ اور خود اس پولیس افسر کا تم نے کیا، کیا تھا؟“

”بے ہوش کر کے کھیتوں میں ڈال دیا تھا۔“ میں نے جواب دیا۔

”جب ہی تو..... ظاہر ہے، اُس کے ساتھ یہ سلوک ہوا تھا۔ وہ اسے کیسے بھول سکتا تھا؟“

”ہاں..... بس! اذ راسی غلطی ہو گئی۔“

”وہ کیا.....؟“ فلیکس نے پوچھا۔

”بس! میں محبوں کر رہا ہوں..... ویسے میرا خیال ہے کہ ہمیں یہاں زیادہ عرصہ نہیں رکنا کام مکمل کرنا چکا تھا۔ اور اس کے بعد وہاں رُکنے کی ضرورت نہیں تھی۔ چنانچہ میں نے اپنے.....“

”مونا کو میں.....؟“

”ہاں.....؟“

”کیوں.....؟“

”اس لئے کہ ممکن ہے، تمہاری پاہنچڑ کی کسی طرح پولیس کے ہاتھ لگ جائے۔“

”اوہ، ہاں! اوہ، جو میرے ساتھ رقص کر رہی تھی؟“

”ہاں.....!“ میں نے جواب دیا۔

”لیکن وہ کیا کر سکتی ہے کیم؟“

”بات کرنے، کرانے کی نہیں ہے فلیکس! دراصل اس نے ہم دونوں کو یکجا بھی دیکھا ہے۔“

”ہاں..... بات تو قادرے کی ہے۔“

”تو پھر.....؟“

”بے دوقوف پولیس افسر! تم اس لٹنگز کو بننے کھڑے رہو! میں تمہارے سامنے ایک واردات کر کے جا رہا ہوں۔ اور میرا معاون، تمہارا یہ سروں ریو اور ہے۔“ میں نے ریواں ہمراہ ہوئے کہا اور پولیس افسر نے بے اختیار آگے بڑھنے کی کوشش کی۔

”خبردار! اگر تم نے جنبش کی تو پہلے یہ شریف عورت مرے گی اور اس کے بعد ہو۔“

”یہاں ہو گا، اس کے ذمہ دار تم ہو گے۔“ میں نے عورت کے گرد گرفت مضبوط کرتے ہو کہا اور پھر میں پیچھے کھکنے لگا۔

چند ساعت کے بعد میں دروازے سے باہر تھا۔ خوبصورت عورت کو میں نے دروازے کے باہر سے دوبارہ اندر دھکیل دیا اور وہ ایک چینچ مار کر دروازے کے قریب گر گئی۔ میں کام مکمل کرنا چکا تھا۔ اور اس کے بعد وہاں رُکنے کی ضرورت نہیں تھی۔ چنانچہ میں نے اپنے.....“

رفتاری سے ایک طرف چھلانگ لگائی اور تیزی سے دوڑتا چلا گیا۔ ایک لمبا چکر کاٹنے کے میں واپس پلٹ پڑا اور خدوخال ٹیز ہے کرنے کے بعد دوبارہ سیر ہیوں کے نزدیک بیٹھا گا اور اب میں دوبارہ اپنے کمرے کی جانب جا رہا تھا۔

کمرے میں داخل ہو کر میں نے آرام سے اپنا بس اٹارا، دوسرا بس پہننا اور فلیکس انتظار کرنے لگا۔ تقریباً پون گھنٹے کے بعد فلیکس کی آہٹ سنائی دی۔ اور پھر وہ کہا۔

”دروازہ دھکیل کر اندر آ گیا۔ اُس کے ہونٹوں پر بڑی پُرسکون مسکراہٹ پھیل ہوئی تھی۔“

”نے اُس کی جانب دیکھا اور وہ ہنسنے لگا۔“

”خبریت.....؟“ میں نے سوال کیا۔

”خدا کی قسم کیم! تم بے پناہ ڈھین ہو۔“

”خبریت، سناؤ فلیکس!“ میں نے کہا۔

”میں کیا کہوں کیں؟ تم ہی بتاؤ!“ فلیکس نے کہا۔

”بس! سامان اٹھا کر بیہاں سے نکل جاؤ..... اظہار اس بات کا کرو! کہ اب تم میں ایک لمحے کے لئے بھی نہیں رُک سکتے۔“

”مناسب بات ہے۔ اور تم.....؟“

”اوپر تو میں تھا را ملازم ہوں۔ یہ دیکھو!“ میں نے اپنے چہرے کے نقوش لئے اور فلیکس آنکھیں بند کر کے گردن ہلانے لگا۔

” بلاشبہ، کیں! تمہارا یہ فن میری سمجھے سے باہر ہے۔“ اُس نے کہا۔

”مشکر یہ دوست!“ میں نے جواب دیا۔

”حیرت کی بات یہ ہے کیں! کہ تم بالکل تبدیل ہو جاتے ہو۔ اور درحقیقت انوکھا کارنامہ ہے۔ ورنہ خدو خال کو اس طرح سے بغیر کسی بیرونی مدد کے تبدیل کرنا بات نہیں ہے۔“

”بہر صورت! میں یہ کہہ رہا تھا کہ میں تو تمہارا ملازم ہوں۔ میں پہلے چلا جائیں تاکہ لوگوں کو کسی قسم کا شکر نہ ہو۔“

”تب پھر میرا خیال ہے کیں! تم ایک کام کرو،“ فلیکس نے کہا۔

”ہاں، ہاں! کہو..... وہ کیا؟“

”میرا مطلب ہے کہ تم سب سے پہلے بیہاں سے جا کر کوئی مناسب ہوٹل میں کی کوشش کرو۔ اور اس کے بعد میں وہاں پہنچ جاؤں گا۔“

”مناسب.....!“ میں نے جواب دیا۔ اور پھر چند ساعت کے بعد میں دہلا تبدیل کر رہا تھا۔ اس وقت میں نے وہ لباس نہیں پہنا، جو تھوڑی دیر قبل پہننا ہوا تھا۔ پھر میں اپنے خدو خال ٹیڑھے کر کے باہر آ گیا۔ جب تک میک اپ کے سامنے بندوبست نہ ہو جاتا، مجھے اسی انداز میں کام چلانا تھا۔ بہر صورت! میک اپ کرنا ہمیں تھا، ورنہ ہم نقصان اٹھاسکتے تھے۔

ہوٹل سے باہر آ کر میں نے ایک میکسی لی اور پھر چل پڑا۔ پھر ایک بھرے پیس میں اُتر گیا۔ اور وہاں پیدل چلنے لگا۔ کافی دور جا گز میں نے دوبارہ ایک میکسی لیا۔ ڈرائیور سے کہا کہ مجھے کسی عمدہ سے ہوٹل میں لے چلے۔ میں نے ٹیڑھے میڑھے ان اگریزی بولنے کی کوشش کی تھی، جس سے ڈرائیور کو یہ اندازہ ہوا کہ میں مقابی نہیں ہوں۔

ڈرائیور نے مجھے ایک ہوٹل پلائی وڈ کے سامنے لے جا کر کھڑا کر دیا۔ پلائی وڈ کی عمارت خاصی حسین تھی اور یہ ہوٹل مونا کو، کی نسبت زیادہ حسین معلوم ہوتا تھا۔ اس ہوٹل میں کمرہ حاصل کر لینا میرے لئے زیادہ مشکل بات نہیں تھی۔

کشادہ کر کے میں پہنچ کر میں نے اُس کا جائزہ لیا اور اسے پسند کیا۔ جب تک ہم عدالت میں تھے، یہ جگہ خاصی عمدہ ثابت ہو سکتی تھی۔ چنانچہ تمام کاموں سے فارغ ہو کر میں نے مونا کو، کا نمبر ڈائل کیا اور آپریٹر سے کہا کہ وہ میری بات، میرے دوست سے کرادے۔“ تھوڑی دیر بعد فلیکس کا فون نمبر گیا۔ ”اوہ، ڈیزیر! میں تمہارا بہت پرانا دوست بول رہا ہوں۔ کیا تم مجھ سے ملاقات کے لئے آنا پسند کرو گے؟“

”گذ..... کہاں ڈیزیر؟“ فلیکس نے سوال کیا۔

”اس ہوٹل کا نام پلائی وڈ ہے۔ میرا خیال ہے، میکسی ڈرائیور بہ آسانی تمہیں وہاں تک پہنچا دے گا۔“

”روم نمبر.....؟“ فلیکس نے پوچھا۔

”تیرہ.....!“

”میک ہے..... میں پہنچ رہا ہوں۔“

”کب.....؟“

”اُبھی تھوڑی دیر میں۔“ فلیکس نے جواب دیا اور میں نے خدا حافظ کہہ کر فون بند کر دیا۔

تقریباً پہنچ منٹ کے بعد فلیکس میرے پاس پہنچ گیا۔ اُس نے بھی اس ہوٹل کو کافی پسند کیا اور کہنے لگا۔ ”کیں! یہ ہوٹل مونا کو، سے بہتر ہے۔“

”ہاں، فلیکس..... بہر صورت! ہمیں کوئی طویل قیام تو یہاں کرنا نہیں ہے۔ سب سے پہلے میک اپ کا سامان تلاش کروں گا۔ اس کا ملنا ضروری ہے۔ ورنہ بڑی وقتیں پیش آئیں گی۔ میرا خیال ہے تم اپنی شکل بھی تبدیل کر، ہی لوٹو بہتر ہے۔“ میں نے کہا۔

”لیکن کیوں.....؟“

”بس! بھی الوقت، ہم اس شکل میں یہاں نہیں رہ سکتے۔ ورنہ الجھنوں کا شکار ہو جائیں گے۔ اور بھی الوقت میں کسی انجمن میں پڑنا نہیں چاہتا۔“

”میک ہے کیں! جیسا تم مناسب سمجھو۔ خدا کرے! میک اپ کا سامان مل جائے۔“

فیلیکس نے کہا۔ اور پھر رات ہم نے پڑسکون انداز میں گزاری۔
خش، جو بیٹھنے سہاروں کے نہ چل سکے۔ اور اُسے ایک اتنا مضبوط سہارا میں جائے جو اُس کی زندگی میں بہت بڑی حیثیت رکھتا ہو۔

جن تفریحات کا ارادہ کر کے ہم، مونا کو، کے ریپورٹ میں لگے تھے، وہ تو حاصل ہو سکی تھیں۔ ہم اُن کے بہت زیادہ خواہشمند بھی نہیں تھے۔

”تم پھر انہی باتوں پر آتے آئے...؟“

”دیکھو، دیکھو...! میری نیت پر شک نہ کرو میرے دوست! میں جو وعدہ کر چکا ہوں،

ہم نے ناشہ کیا۔ اور پھر میں نے فلیکس سے کہا۔ ”فلیکس! اب میں چلتا ہوں۔ میں اُس پر کاربینر ہوں گا۔ لیکن بعض اوقات جذبات اُبھر آتے ہیں۔ اور اس سلسلے میں تمہیں،

اپنی شکل بدل لوں گا۔ اور تمہارے لئے بھی پکھنہ کچھ لے آؤں گا۔“

”لیکن پھر وہی سوال پیدا ہوتا ہے۔“ فلیکس مسکرا یا۔

”کیا...؟“ میں نے پوچھا۔

”اگر ہم میک اپ کر لیں گے تو پھر اس ہوٹل میں یا اس کمرے میں قیام نہیں کرے گے۔“

”ہاں کیا حرج ہے؟ ہمیں اتنا زیادہ محتاج بھی نہیں ہونا چاہئے۔“ میں نے جواب دیا اور

فلیکس نے شانے بلادیے۔

”اوہ..... دیکھا جائے گا فلیکس! یہ کون سی بڑی بات ہے؟ اور بھی کام کرنے ہیں۔“

تحوڑی دیر کے بعد ہم نیچے آتے آئے۔ ہمیں اب دو مختلف سمتوں کے لئے نیکسی کی ہے، ہم عادنہ میں کسی طویل قام کے لئے تو نہیں آئے۔ جس قدر جلد ہو سکا، ہم اپنا کام کر لیں گے۔“ میں نے کہا اور فلیکس نے گردن ہلا دی۔

”تو میں نہیں ہوٹل میں رہوں.....؟“

”نہیں، تمہاری مرضی ہے۔ اگر تم چاہو تو عادنہ میں گھوم پھر سکتے ہو۔“

”ہاں بھی! اجازت دو۔ دراصل! میں اس گوشہ نشینی سے ننگ آ گیا ہوں۔“ فلیکس۔

کہا اور میں نے گردن ہلا دی۔

”ٹھیک نہیں فلیکس! تمہارے پاس پروف تو موجود ہے ہی۔ تمہارا یہ مذدوہ جسم اسے ثبوت کے طور پر پیش کر سکتے ہو۔ لیکن ایسی صورت میں، اگر پولیس والے تمہارا رہ روکنے کی کوشش کریں۔“

”ٹھیک ہے یا! اب میں اتنا گیا گزرابھی نہیں ہوں۔“ فلیکس نے ہنتے ہوئے کہا۔

”ایسے ہیں؟ یہ شہر، ترکی کی سرحد پر ہے۔ اور اس کے بعد ڈروس کا علاقہ شروع ہوتا تھا۔“

”جسے معلوم ہے۔ ویسے تم نیکسی ڈرامیو کے علاوہ ایک عمدہ گائیڈ بھی ہو۔“

”ہاں..... میں ایک تعلیم یافتہ آدمی ہوں۔ اور اگر کوئی شخص، ترکی کی سیر کرنا چاہئے تو تو پر اٹھا اٹھا کر اور سہارا دے دے کر گزر ادا ہے، وہ بہت پیچھے رہ گیا ہے۔ اور کہنیں! اگر انسان، ما یوسیوں کی گھاٹیوں سے نکل آئے تو اُسے جتنی خوشی ہوتی ہے، اس کا اندازہ میری کیفیت سے لگا!“ میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ میں ایک نوزائدہ پچھتا۔ یا پھر ایک

نے عداہ بے جانے کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔ عداہ سے از ہر جانا پڑتا تھا۔ پھر
دہاں سے لائچ کے ذریعے اتنبول..... اور باقی وقت میں نے ان معلومات ہی میں صرف کیا
اور پھر شام کو چھ بجے کے قریب واپس ہوٹل پہنچ گیا۔

ہمارے کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ میں نے دروازے کے پٹ دیکھے اور اندر داخل ہو
گیا۔ فلیکس ایک آرام کری میں دراز، اخبار دیکھ رہا تھا۔ میری آہٹ پر اس نے نظریں
لھائیں۔ اور پھرخت نگاہوں سے مجھے گھورنے لگا۔ اُس کے انداز میں بڑا اعتاد تھا۔

”اوہ..... شاید میں غلط کمرے میں آگیا۔“ میں نے آواز بدلت کر کہا۔

”اس کے باوجود وہ، اپ کھڑے ہوئے ہیں۔“ فلیکس کی آواز کھر دری تھی۔

”میں، آپ سے کچھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔“

”میرا خیال ہے، تم کوئی چور ہو اور دروازہ کھلا دیکھ کر اندر گھس آئے ہو۔ اور اب
باتیں بنا کر یہاں سے نکل جانے کے خواہش مند ہو۔“ فلیکس نے اخبار رکھ دیا۔

”آپ کوئی جاؤں ہیں جناب.....؟“ میں آگے بڑھ آیا اور فلیکس کے ہونتوں پر
مسکراہٹ پھیل گئی۔

”یہ بات نہیں ہے۔ آؤ!“ اُس نے کہا اور اپنے سامنے پڑی ہوئی کری کی طرف اشارہ
کیا۔ میںطمینان سے بیٹھ گیا۔ ”بات یہ ہے کہ میں خود بھی چور ہوں اور یہی کام کرتا ہوں جو
تم۔“ اُس نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور ایک نفخا سا پستول نکال لیا۔

”یہ..... کیا.....؟“

”بیٹھو جسم کو حرکت نہ دینا، ورنہ اس پستول میں سے صرف روشنی نہیں نکلتی۔“
فلیکس ”درachi! میں روئی سیکرٹ سروس سے تعلق رکھتا ہوں مسٹر فلیکس!“ میں نے کہا اور
سائز لے کر پستول جیب میں ڈال لیا۔

”اگر یہ بات ہے تو پھر ٹھیک ہے۔ روسوں سے میری کافی گہری دوستی ہے۔ اور اس کا
تم سے بڑا گواہ کون ہو سکتا ہے مسٹر کین!“ اُس نے کہا اور میں بنس پڑا۔ فلیکس بھی ہنئے گا
تمہارا میک اپ..... میں اسے دنیا کا بہترین میک اپ کہہ سکتا ہوں۔“

”لیکن میں، تمہاری بات تسلیم نہیں کرتا۔“ میں نے جواب دیا۔

”کیوں.....؟“

”بس جناب! شوق سمجھ لیں۔“ ڈرانجور نے جواب دیا۔ پھر اس نے مجھے ایک پرے بازار میں اتار دیا۔ جہاں بے شمار ڈکانیں بکھری ہوئی تھیں۔ بالآخر ایک ڈکان
ہی گئی، جہاں میرے مطلب کی چیزیں موجود تھیں۔

میں نے سیلز میں سے وہ چیزیں طلب کیں۔ اس وقت بھی میں نے اپنے نہ
ٹیکرے کئے ہوئے تھے۔ یعنی میرا نچلا ہونٹ لٹکا ہوا تھا۔ آنکھیں اوپر کوکھنی ہوئی تھیں۔
وغیرہ۔

”کیا تمہارا تعلق کسی تھیڑی یا ڈرائیکٹ کمپنی سے ہے۔“ سور کیپر نے میرا مطلوبہ
میرے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

”اوہ..... کیا تم مجھے پہچانتے ہو؟“ میں نے جلدی سے پوچھا۔

”میرا خیال درست ہے نا؟“ وہ مسکرا کر بولا۔

”ہاں..... لیکن کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ بے شمار لوگ، مجھے بحیثیت اداکار بہ
ہیں۔“ میں نے جواب دیا۔

”لیکن میں نے تمہیں اس سامان کی وجہ سے پہچانا ہے۔ ظاہر ہے، یہ سامان عام
استعمال نہیں کرتے۔ ذیسے مجھے، ڈراموں میں کام کرنے کا بہت شوق ہے۔ کیا تم، مجھے
کام دلا سکتے ہو؟ میں بہترین اداکاری کر سکتا ہوں۔ دیکھو! یہ ایک رومانی نظر کی پہاڑ
ہے۔“ اُس نے چہرے پر، نقوش کے سے آثار پیدا کر لئے۔ اور اُسی وقت میتھے
بجائی۔ اداکار، دانت پیتا ہوا سیدھا ہو گیا۔

میں، میک اپ کے سامان کا بل ادا کر کے باہر آ گیا۔ اور پھر تھوڑی دیر کے بعد
ہوٹل پہنچ گیا۔ اپنے کمرے میں داخل ہو کر میں نے دروازہ بند کر لیا تھا۔ اور پھر میں
اپ میں مصروف ہو گیا۔

میں نے ایک خوبصورت نوجوان کا میک اپ کیا تھا، جس کے خدوخال کسی جرم نہ
کے سے تھے۔ اور اس سلسلے میں، میں نے کافی مہارت سے کام لیا تھا۔ اس کی وجہ
میرا دوست فلیکس بھی رنگی مزاج تھا۔ اور زندگی کی تفریحات میں تھوڑی سی دلچسپی
شامل رہیں تو کیا حرج ہے؟ میک اپ کرنے کے بعد میں نے اپنا سوت پہننا اور تیار
اور پھر وہاں سے باہر آ گیا۔

اب میں کم از کم! اس بات سے مطمئن تھا کہ مجھے پہچانا نہیں جا سکتا۔ اس کے بعد

”پھر.....؟“ میں نے پوچھا۔
 ”میرا خیال ہے، سفر کے بارے میں معلومات حاصل کر لی جائیں۔“
 ”بیس کر چکا ہوں۔“
 ”خوب..... میک اپ تم نے نیس آ کر کیا تھا نا؟“
 ”ہاں.....!“
 ”میرے لئے بھی تم اپنے جیسا ہی کوئی خوبصورت چہرہ تلاش کرنا۔ تمہارے ہونوں کا یہ حسین ابھار بہت سے ذہنوں کا سکون چھین لے گا۔ ابھی تک کوئی مقامی لڑکی، تمہاری طرف نہیں دوڑی؟“ فلیکس نے پوچھا۔
 ”مقامی لڑکیاں کافی بد دوق معلوم ہوتی ہیں۔“ میں نے میک اپ بکس نکال کر فلیکس کے پھرے کی مرمت شروع کر دی۔ ایک گھنٹے میں، میں اس کام سے فارغ ہو گیا۔ اور پھر نہم دوسرا باتوں میں صرف ہو گئے۔ یہ رات، ہم نے سکون سے گزاری تھی۔
 اور پھر دوسرے دن ہم رو انگی کے لئے تیار تھے۔ عدانہ سے ازہر۔۔۔ اور پھر وہاں سے اسٹبلوں۔ سارا بغر، خوشگوار تھا۔ اور کسی حادثے یا قابل ذکر واقعے سے محفوظ۔ بہر حال! ہم اسٹبلوں میں داخل ہو گئے۔ اونچے اونچے میناروں والی مسجدوں کا شہر، جو قدیم اور جدید کا بہترین امتزاج تھا۔
 بیان کے ہوٹل بہت خوبصورت تھے۔ چونکہ ہم دونوں میک اپ میں تھے، اس لئے ہمیں آوارہ گردی کی کوئی ٹکر نہیں تھی۔ چنانچہ فلیکس میں ہم نے کئی ہوٹل دیکھے۔ اور پھر ایک عمدہ ہوٹل کا انتخاب کر لیا۔ بیان رہ کر چونکہ کچھ زیادہ کام کرنا تھا۔ اس لئے کافی دن ٹھہر نے کا پروگرام تھا۔ ہم نے دو کمرے حاصل کئے تھے۔ اس کی تجویز بھی فلیکس نے پیش کی تھی۔
 دونوں کمرے برابر تھے۔ اس لئے کوئی وقت بھی نہیں تھی۔ ہم اپنے کمروں میں مقیم ہو گئے۔ کرنی کی کوئی کمی نہیں تھی۔ تھوڑی دیر ہم نے آرام کیا۔ اور پھر میں اپنے کمرے سے نکل کر پروگرام کے مطابق، فلیکس کے کمرے میں پہنچ گیا۔
 ”میں خود تمہیں بلانے والا تھا۔ کافی منگوائی ہے۔“ فلیکس نے کہا اور میں نے گردن بلا ہی۔

”اے، پروگرام مٹے ہو جائے۔“ میں نے کہا۔
 ”ہاں..... میرا خیال ہے، ہم کافی انتظار کر چکے ہیں۔“

”تم نے مجھے پہچان لیا۔“
 ”صرف ایک لفظ سے۔“
 ”کون سے لفظ سے.....؟“
 ”تم، فلیکس ایک مخصوص انداز میں کہتے ہو۔ یقین کرو! تمہیں پہچان لینے میں صرف یہ ایک لفظ معاون ثابت ہوا ہے۔“
 ”ہوں..... میں نے گہری سانس لی۔ فلیکس بھی مجھے گہری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے مسکراتے ہوئے گردن بلائی۔“
 ”بہت خوبصورت میک اپ ہے۔ اب مجھے بدلت دو۔“
 ”جلدی کیا ہے میری جان! کہاں کہاں گھوئے.....؟“
 ”اس حسین شہر کے نواح میں گھومتا رہا۔ اور کوئی خاص کام نہیں کیا۔“
 ”میرا خیال ہے، کیا ہے۔“
 ”کیا.....؟ میں نہیں سمجھا۔“ فلیکس نے پوچھا۔
 ”تمہارے پاس میں نے پستول دیکھا تھا۔“
 ”اوہ، ہاں..... بہت عمدہ چیز ہے۔ میں نے تھوڑی سی خریداری بھی کی ہے۔ یہ تمہارے لئے لے لیا ہے۔“ اس نے دوسرا پستول نکال کر میری طرف اچھال دیا۔ ”بہت ہلاکا اور بہت چھوٹا پستول ہے۔ کار کر دیگی بنکے لحاظ سے مکمل اور بھر پور.....“ فلیکس بولا۔
 ”ہاں! عمدہ چیز ہے۔ اب میں اس پولیس افسر کے ریوالوں سے نجات پا لوں گا۔“ میں نے پستول، جیب میں ڈال لیا۔
 ”اور اب یہ اخبار دیکھو! اس میں تمہارے کار ناموں کی تفصیل ہے۔“
 ”اوہ! میں صح سے اخبار دیکھی ہی نہیں سکا۔“ میں نے کہا اور اخبار اٹھایا۔ کار ناموں کا تفصیل، توڑ مرور کر پیش کی گئی تھی۔ یعنی اس پولیس آفسر نے بتایا تھا کہ پڑوں کار چوری کی گئی تھی اور بھرم بیک کے قریب بھی دیکھا گیا تھا۔
 اخبار پڑھ کر میں نے گہری سانس لی۔ پھر فلیکس کی طرف دیکھ کر بولا۔ ”چلو ٹھیک ہے۔“
 بیچارے نے اپنی پوزیشن محفوظ کر لی۔ ہمیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟ بہر حال! اب عدانہ دلت ضائع کرنے سے کیا فائدہ؟“
 ”ہاں..... میں بھی سبی کہنے والا تھا۔“

”سب سے پہلے فلیکس! تم یہ بتاؤ کہ پہلے تم اپنے اعضاء کی طرف سے مطمئن ہوئے چاہتے ہو یا کام شروع کرنے کا رادہ رکھتے ہو؟“
”میں نہیں سمجھا مسٹر کین.....؟“ اُس نے کہا۔

بہتے ہو یا کام ترویج کرنے کا ارادہ رہتے ہو؟“
”میں نہیں سمجھا مسٹر کین.....؟“ اُس نے کہا۔

”میرا مطلب ہے میں! اگر تم چاہو تو ہم سارے کام روک کر پہلے یہ کام کر لیتے ہیں۔ تاکہ ایک طرف سے اطمینان ہو جائے۔ اگر تم اس طرف سے الجھن کا شکار رہے تو کام کرنے میں لطف نہیں آئے گا۔“

”لیکن ڈیر کین! تم نے کہیں مجھے کمزور یا کسی ابھجھن کا شکار محسوس کیا ہے؟“

”بالکل بیس.....م حیرت انیز جا رہے ہو۔ اور میں تمہاری اس انوٹی صلاحیت سے بے حد متاثر ہوں۔ لیکن میری خواہش ہے میرے دوست! کہ ہم کام شروع کرنے سے پہلے اس طرح چاق و چوبند ہو جائیں کہ پھر کوئی دُشواری محسوس نہ کریں۔ میرا مطلب ہے، اگر ہم اس سلسلے میں قدم آگے بڑھائیں گے تو پھر ممکن ہے، ہمیں انہی حالات سے دوبارہ گزرنا پڑے، جن سے ہم گزر بکھے ہیں۔“

”بالکل ٹھیک کہا تم نے ڈیر کیں! لیکن بھروسہ کرو، کہ اب تم، مجھے کسی طور مغذو رہ جاؤں نہیں کرو گے۔ بات یہ ہے کہ ہاتھ اور پاؤں ضائع ہونے کے بعد میں نے شدید مشقت کر کے اپنے آپ کو ایک عجیب زنگ میں ڈھالا ہے۔ لکڑی کے ایک سیدھے لکڑے کو اپنی ٹانگ میں نصب کر کے اس سے بھی ایسا ہی کام لے سکتا ہوں جیسا کہ اصلی پاؤں سے۔ اس کے بر عکس ٹرکش بڑھنی نے جو پاؤں تیار کیا ہے، وہ تو اتنا آرام دہ ہے کہ مجھے ذرا بھی دفت جاؤں نہیں ہوتی۔ میں نے فیصلہ کیا ہے کہیں! کہ اس سلسلے کو اختتام تک پہنچانے کے بعد امریکہ جاؤں گا اور نہ بال جدید ترین ذرا رکھ سے اپنی یہ کمی پوری کرنے کی کوشش کروں گا۔ امریکہ میں مصنوعی اغصاء کی تیاری خاصی ترقی پر پہنچ گئی ہے۔ اور اپنے مقصد کی چیز تیار کرنے میں مجھے کوئی دفت نہیں ہوگی۔“

”اس کا مطلب ہے، تم مطمئن ہو.....؟“

”ہاں..... بالکل! اب تم جو کچھ بھی کرنا چاہتے ہو، کھلے دل سے کرو۔ میں پہلے بھی تھیں پہ بات بتایکا ہوں۔“

”بُس! تو ٹھیک ہے۔ انتہوں میں ہمیں اس وقت تک زکنا پڑے گا، جب تک ہم پورا جانے کے لئے پاسپورٹ اور ویزے کا بندوبست نہ کر لیں۔ میرا خیال ہے، میں اس طبق

میں آج یہی نے کارروائی شروع کر دیتا ہوں۔ اور ہم جس وقت تک اس میں کامیابی حاصل کر لے گے، پھر رہن گے۔ اور اس کے بعد بیہاں سے آگے روانہ ہو جائیں گے۔“

”مناب!“ فلیکس نے کہا۔ ہم دونوں دیر تک اس سلسلے میں گفتگو کرتے رہے۔
”زیگ، کافی نئے کے بعد میں نے فلیکس سے اجازت مانگی۔

کی ای بے پا فلیکس! اور اب اپنا کام کرنے کے بعد ہی آؤں گا۔ ہاں! اس دب میں چلا ہوں ڈیر تجھے پیش کرو، کوئی کوشش کر۔ رقت مرا خدا۔

دُورانِ اپنے اس بیوی کی ووئی سیئرے میں پہنچے تو وہ رکے دیر سیاں ہے، میں اپنے دیگر دیش
کرنا چاہئے، ”میں نے کہا اور فلیکس، آنکھیں بند کر کے منکرا دیا۔

پھر میں باہر آگیا۔ استنبول، میرے سامنے پھیلنا ہوا تھا۔ صوفیہ کی قدیم دیوار کے سامنے میں مٹتے ہوئے وہاں سے تقریباً سو گز کے فاصلے پر کھیلوں کے وسیع میدان پھیلے ہوئے تھے۔ آباصوفیہ کی عمارت کے سامنے مخالف سمت میں سلطان احمد مسجد کا دالان نظر آ رہا تھا..... اور درمیانی میدان میں پرانے قسطنطینیہ کی یادگاریں، آسمان کی بلند بیوں کو چھوڑتی تھیں.....

اس کا نام روی شہنشاہ کانٹھنطائن کے نام پر قسطنطینیہ رکھ دیا گیا۔ اس وقت یہ شہر، معمولی تینیت کا جامل تھا۔ لیکن پھر اس میں روی تہذیب شامل ہو گئی۔ اس کی سات پہاڑیوں پر روی طرز کی جیسیں ترین عمارتیں تعمیر ہوتیں۔ اور ان ساتوں پہاڑیوں پر سنگ مرمر کے چار سو مکالات تعمیر کئے گئے۔ اس طرح اسے نئے روم کی حیثیت دے دی گئی۔

کانی دیر تک میں، استنبول کی سیر کرتا رہا۔ میں نے پیدل ہی سفر اختیار کیا تھا۔ فوراً ہی تمام کام نہیں کر لئے تھے۔ چنانچہ جب تھک جاتا تو نیکسی لے کر ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچ جاتا۔ اور اس کے بعد ہوشی پہنچ کر میں نے پاسپورٹ ڈیپارٹمنٹ کے بارے میں معلومات حاصل کیں اور نیکسی ڈرائیور نے مجھے وہاں پہنچا دیا۔ میرا اندازہ تھا کہ یہاں بھی عام ملکوں کی سفری یا لوگوں کی کمی نہیں ہوگی، جو مناسب رقمات لے کر ان لوگوں کے کام آتے ہیں، جو غیر قانونی طور پر پاسپورٹ وغیرہ تیار کرتے ہیں۔ تب میری نگاہ ایک بوڑھے امریکی پر پڑی، جو متمامی بس میں نظر آ رہا تھا۔ حالانکہ یہ بس اُس کی شخصیت سے قطعی مختلف تھا۔ میں یوز ہے کے قریب پہنچ گیا۔

بُگر بوجو ہو گئے! ”میں نے اُسے مخاطب کیا اور بوڑھا میری طرف متوجہ ہو گیا۔ ”تمہاری اس وجہ بنا تباہ چاہتا ہوں۔“

”اگر تمہارا تعلق پولیس سے ہے تو مجھے پرواہ نہیں ہے۔ کیونکہ میں جو کچھ بھی کرمائی قانونی طور پر کرتا ہوں۔ اور اگر تم کوئی عام شخص ہو تو میں تمہیں بتاتا ہوں کہ میں کسی پولیس پر سپورٹ اور ویراہمیا کر سکتا ہوں۔ اتنی جلدی کہ تم صورتی بھی نہیں کر سکتے۔“

”مجھے بھی ایک ایسے ہی شخص کی تلاش تھی۔“
”خوب..... تو کہو! کیا کام ہے؟“

”دو پاسپورٹ، یورپین ممالک کے لئے۔ ویراہمی۔“

”تفصیلات.....؟“ بوڑھے نے پوچھا اور میں نے اُسے ضروری باتیں نوٹ کر دیں
”بس! تصویریں دے دو..... اور اس کے ساتھ ہی اپنا پتہ بھی۔“ بوڑھے نے کہا اور
نے اُسے اپنائیڈریں دے دیا۔ اُس نے اپنا نام آڈیل بتایا تھا۔
اور یہ بوڑھا آڈیل تو بڑے کام کا ثابت ہوا تھا۔ اُس کی گفتگو سے مجھے یہ احساس ہی
تھا کہ کہیں وہ نیم پاگل شخص نہ ہو اور اُس نے جو بکواس کی ہے، وہ بھن بکواس ہی نہ
چنانچہ میں نے اُس سے کہا۔ ”لیکن مسٹر آڈیل! آپ سے ملاقات کا آسان ترین ذریبہ
ہے؟“

”میرا ایڈریஸ لکھ لیجھ۔“

”فرمانئے.....!“

”بینار سوزیڈہ کے سامنے ایڈوں بلڈنگ موجود ہے۔ اس کی دوسری منزل پر فلیٹ
سات، آڈیل کا ہے۔ یہ میرا کارڈ رکھ لیجھ۔“ اُس نے کہا اور میں نے دلچسپی سے اُس کا
لے کر دیکھا۔ آڈیل کا بیان درست ہی معلوم ہوتا تھا۔ چنانچہ میں نے اُس کا کارڈ جیب
رکھ لیا اور پھر کسی قدر مطمئن انداز میں وہاں سے واپس آگیا۔ گویا جس کام کے لئے میں
تھا اور جس کے بارے میں میرا خیال تھا کہ مشکل سے انجام پائے گا، وہ بڑی آسانی
گیا تھا۔ اس کے بعد فرست ہی فرست تھی۔

چنانچہ میں نے سوچا کہ کانسطنٹائن کا آبی محل دیکھ لوں۔ ایک بچہ شال پر پہنچ کر میں
استبول کا نقشہ طلب کیا اور چھ لیرے میں مجھے وہ نقشہ مل گیا۔ ایک جگہ پہنچ کر میں نے
بکھول دیا اور کانسطنٹائن کا آبی محل تلاش کرنے لگا۔ مجھے اندازہ تھا کہ یہ محل، بینار سوزیڈہ
ساتھ ہی ہے اور بوڑھے نے بھی اسی علاقے کا پتہ بتایا تھا۔
ایک ٹیکسی روک کر میں نے ڈرائیور نے بینار سوزیڈہ چلنے کے لئے کہا اور ٹیکسی ڈرائیور

نے چند ساعت کے بعد ہی مجھے وہاں پہنچا دیا۔
لیکن یہ جگہ تو بڑی عجیب سی تھی۔ آبی محل کہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔ چنانچہ میں نے سامنے
چیل قدمی بائزے والی دوڑکیوں کو اپنارہبر بنانے کا فیصلہ کیا اور ان کے قریب پہنچ گیا۔ میں
ان کی قدمی بائزے کے بارے میں کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا تھا۔ لیکن بعد میں پتہ چلا کہ ڈنمارک کی
رہنے والی ہیں۔ میں نے ان سے آبی محل کے بارے میں نعمومات حاصل کیں اور وہ مکرا
پڑیں۔

”ہم بھی وہیں چل رہے ہیں۔ کیا آپ، ہمارے ساتھی بننا پسند کریں گے؟“ ان میں
سے ایک لڑکی نے کہا اور دوسرے لمحے میرے ذہن میں دلچسپیاں ابھر آئیں۔
فرست..... استبول..... لڑکی..... تین الفاظ میرے ذہن میں یکے بعد دیگر گوئے تھے۔
چنانچہ میں نے پرکشش انداز میں گردن ہلاتے ہوئے ان کی یہ پیشکش قبول کر لی۔
لڑکیاں بار بار میرے چہرے کی جانب دیکھ رہی تھیں۔ پھر ہم سب نے ایک دوسرے
سے تعارف حاصل کیا۔ میں نے اپنا نام ڈیبل میل بتایا تھا۔ ان میں سے ایک لڑکی، کورا، تھی اور
دوسری لڑکی شین تھی۔

وہ آپس میں خاصی بے تکلف معلوم ہوتی تھیں۔ ہم تینوں بینار سوزیڈہ کے ساتھ بی ہوئی
جو ہونپڑی تک پہنچ گئے۔ جھونپڑی کے دروازے کے ساتھ لکٹ کی کھڑکی تھی، جس کے پیچے
نیلی وردی میں ملبوس ایک بوڑھا اوگھر رہا تھا۔ میں نے کھڑکی کے اندر ہاتھ ڈال کر اُس کی
آنکھوں کے سامنے انگلیاں نچائیں تو وہ چونک پڑا۔

”دو لیرے..... دو لیرے.....“ اُس نے میری بات سنے بغیر ہانک لگائی، اور میں نے
چھ لیرے نکال کر اُس کے سامنے ڈال دیئے۔ بوڑھے نے تین لکٹ ہمارے حوالے کر
 دیئے۔

”دروازے کے ساتھ ہی لکڑی کی سیڑھیاں نیچے جاتی تھیں۔ ہم ان سیڑھیوں سے نیچے
اترے اور ہمارے سامنے کا نسطاطائن کا زیریز میں آبی محل تھا۔“

تین سو چھپیں مرریں یونانی ستون، جو کمر تک گھرے سبز پانی میں ڈوبے ہوئے تھے،
ہمارے سامنے موجود تھے۔ محل کی چھت سے پانی کی بودیں، ستونوں کے تالاب میں گر رہی
تھیں۔ سیڑھیوں کے قریب چند ستون پر بجلی کے بلب لگے ہوئے تھے۔ لیکن یہاں کافی روشنی
پورے حصے کو روشن کرنے میں ناکام تھی۔ یوں لگتا تھا، جیسے کسی پڑا اسرار جھیل میں سینکڑوں

ستون، اگر آئے ہوں۔ جھیل میں مچھلیاں تیر رہی تھیں اور ان کے غوطے لگانے کی آواز، دنوں بڑیاں تیار ہو گئیں۔ عجیب لگ رہی تھیں۔

"میرے خدا! کسی انوکھی جگہ ہے....." شین، مہین آواز میں بولی۔ لیکن اُس کی آواز، "بکمل طور پر نہیں..... لیکن آج کی تفریغ ختم۔ آج تو ہم بہت تحک گئے ہیں۔" شین چاروں طرف سے نائی دی تھی۔ شین چونک کر چاروں طرف دیکھنے لگی اور کورا ہنس پر لگا۔ نے کہا اور میں، ان بڑیوں کے بارے میں اندازہ لگانے لگا۔ ڈنمارک کی یہ سیاح لڑکیاں، اُس کی بہی بھی چاروں طرف بکھر گئی تھیں۔

"بیہاں تو کوئی بات بھی کی جائے تو گویا چاروں طرف نشر ہو جائے۔" بلاشبہ انہوں نے اس کے لئے کچھ نہ کچھ وسائل ضرور تلاش کئے ہوں گے اور ایک جدید ملک کی پاٹندہ لڑکیاں، جو بہترین وسائل رکھ سکتی ہیں، وہ ان کی جوانی اور ان کا حسن ہی ہو سکتا ہے۔

"بیاں..... انوکھی جگہ ہے۔"

"آپ بالکل خاموش ہیں مسٹر ڈینفل.....؟"

"آپ لوگوں کی آواز کی نغمگی پر غور کر رہا ہوں۔"

"اوہ.....!" شین بنس پڑی۔ "آئیے! اب باہر چلیں۔ آوازوں کا یہ جزیرہ، بے حد داخل ہوا، فلیکس وہاں موجود نہیں تھا۔ اُس کے کمرے کے دروازے کا تالا بند تھا۔ چنانچہ میں نے اپنے کمرے کا دروازہ کھولا اور ہم اندر آگئے۔" ظاہر ہے، اس ہوٹ میں قیام کرنے والا، معمولی حیثیت کا آدمی تو نہیں ہو سکتا۔" شین نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"آپ لوگ، حیثیت کے بارے میں اس تدریپریشان کیوں ہیں؟" میں نے پوچھا۔ "نہیں، نہیں..... پریشانی کی بات نہیں ہے۔ ہم بتا پکے ہیں نا! کہ ہمارے مالی وسائل زیادہ اچھے نہیں ہیں۔" کورا نے معنی خیز انداز میں کہا۔

"آپ بے گلریہیں۔" میں نے جواب دیا۔ لیکن کورا کے اس کاروباری انداز کو میں نے زیادہ پسند نہیں کیا تھا۔ ہمیں بیٹھے ہوئے زیادہ دری نہیں گزری تھی کہ فلیکس وہاں آگیا۔ گھرے کمرے کا دروازہ کھلا دیکھ کر اُس نے آہستہ سے دستک دی اور اندر آگیا، لیکن بڑیوں کو دیکھ کر وہ ٹھہر گیا۔

"اوہ، سوری! اگر آپ مصروف ہوں تو میں واپس چلا جاؤں گا۔" اُس نے کہا۔

"میں فلیکس! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ آؤ!" میں نے اُسے آواز دے لی۔

"مشکر یہ میرے دوست۔ لیکن یہ خواتین، مسٹر.....؟"

"ڈینفل.....!" میں نے جواب دیا اور فلیکس گردن ہلانے لگا۔

"مشکر یہ مسٹر ڈینفل! تو ان لوگوں سے تعارف نہیں ہوا؟" فلیکس نے سوال کیا۔

"بڑی خوشی ہوئی آپ لوگوں سے مل کر۔" میں نے جواب دیا۔

"آپ نے اپنے بارے میں کچھ نہیں بتایا مسٹر ڈینفل.....!"

"میں بھی سیاح ہوں، فن لینڈ سے آیا ہوں۔"

"اوہ، خوب! کیا بیہاں کیمپنگ میں قیام ہے؟"

"نہیں..... ایک ہوٹ میں مقیم ہوں۔"

"خوب..... گویا مالی طور پر مضبوط ہیں۔"

"ویسے فن لینڈ کے لوگ خوبصورت تو ہوتے ہیں۔ لیکن یوں لگتا ہے، آپ کو حسن نام طور سے بخشنگ کیا ہے۔" کورا نے بے تکلفی سے کہا۔

"مشکر یہ کے علاوہ اور کیا کہہ سکتا ہوں؟ ویسے آپ لوگوں کا قیام کہاں ہے؟"

"ہم تو یوں سمجھیں! کہ مالی طور پر فلاش ہی ہیں۔ جہاں بھی جاتے ہیں، کیمپنگ ہاکر لیتے ہیں۔"

"بڑی خوشی ہوئی آپ لوگوں سے ملکر۔ اگر آپ پسند کریں تو کچھ وقت ہمارے ساتھ ہی گزاریں۔" میں نے پیشکش کی۔

"ہم تو یوں ایک دوسرا کی ساتھی ہیں، اور بیہاں صرف ایک اجنبی۔ اگر آپ ہمارا

قربت سے بور نہ ہوں تو ہمیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟"

"بنٹھیک ہے۔ آج کا دن اور رات، آپ ہمارے ساتھ گزاریں۔" میں نے کہا۔

”مشکر یہ..... ویسے کیا آپ کا تعلق بھی فن لینڈ ہی سے ہے؟“ کورا، نے سوال کیا۔ ”بھی ہاں، بھی ہاں.....!“ فلیکس نے جواب دیا۔

”تب تو پھر یہی کہنا پڑے گا کہ فن لینڈ کے لوگوں سے ہماری زیادہ واقفیت نہیں ہے۔“ ”کیوں.....؟“ میں نے پوچھا۔

”بس! خواہ خواہ مرد بنتی ہیں۔ نسوائیت نام کو بھی نہیں ہوتی ان لڑکیوں میں۔“ ”مطلب یہ ہے کہ ہم نے فن لینڈ کے لوگوں کے بارے میں یہ اندرازہ نہیں لگایا۔“ تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے ذیر یہس؟ تم تھوڑی دیر کے لئے خود کو عورت بھی سمجھ دہاں کے نوجوان اتنے حسین ہوتے ہیں۔ یہی کہا جا سکتا ہے کہ اس سے پہلے فن لینڈ کے تھے ہو۔“ باشندہ، ہماری نظر ہی میں نہ پڑا ہو۔ کورا، نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”ویسے یہ خواتین، ہمارے ساتھ مکمل وقت گزارنے پر آمادہ ہو گئی ہیں۔ سیاح ہیں۔“ اسی وقت میرے کمرے کے دروازے پر دستک ہوئی اور میں یہی سمجھا کہ شاید ویژہ آیا یہاں کچھ پیس قیام پذیر ہیں۔“ ”اوہ..... فضول باتیں۔“ فلیکس نے کہا اور ہم دونوں خاصی دیر تک ہنستے رہے۔

”اوہ..... بہت خوب!“ فلیکس مسکراتا ہوا بولا۔ اور پھر میری طرف دیکھ کر فرنگیاں ٹھیک کر میں جیرت سے چونک پڑا۔ آڈیل مسکراتا ہوا اندر آ گیا تھا۔ میں کہنے لگا۔ ”یعنی وہ کام، جو میں تین گھنٹے کی مسلسل بھاگ دوڑ سے نہیں کر سکا، تم را۔“ ”اوہ، مسٹر ڈینفل! بالآخر میں، آپ کو تلاش کرتا ہوا پہنچ ہی گیا۔“ ”دکھایا۔“

”خوب..... خوب..... میرے دوست آڈیل سے ملو، ہار پر! یہ ہمارے لئے پاسپورٹ دغیرہ کا بندو بست کریں گے۔“ ”کیوں.....؟“ ”یہ دولڑکیاں.....“

”اوہ!“ فلیکس نے گھری سانس لے کر کہا۔ ”آپ لوگوں نے تصویریں تیار کرالیں؟“ ”ہاں..... ظاہر ہے، مجھے تمہارا خیال تو رکھنا ہی تھا۔“ ”ہر جگہ میرا خیال رکھو گے میرے دوست.....؟“ فلیکس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔ ”سوری ڈیزیر آڈیل! دراصل میں کافی دیر سے واپس آیا تھا۔ اور اس کے بعد میں اور میرا بہر صورت! اب یہ بتاؤ، تمہیں ان میں سے کون پسند ہے؟“ ”بس..... کوئی ایک۔ دونوں ہی خوبصورت ہیں۔“

”پھر بھی.....“ میں نے اصرار کیا اور فلیکس نے شین کی طرف اشارہ کر دیا۔ میں ایک فوٹوگراف سے ارجمند تصویریں حاصل کر لوں گا۔“ فراغدی سے شین اُسے بخش دی۔

دونوں لڑکیوں کے ساتھ ایک خوبصورت رات گزارنے کے بعد ہم نے صبح ان، ”بالکل ٹھیک ہے۔“ میں نے جواب دیا۔ یوں بھی اس کام میں تعریض کرنے کا کوئی ساتھ ناشستہ کیا۔ اور اس کے بعد انہیں اچھی خاصی رقم دے کر رخصت کر دیا۔ فلیکس کچھ دوڑ کر اس کے ساتھ ہو کر اس سے باہر آ گئے۔ خوش نظر نہیں آ رہا تھا۔

”کیوں فلیکس! کیا بات ہے.....؟ کچھ بجھے بجھے سے ہو۔“ ”نہیں..... ایسی کوئی بات نہیں ہے۔“ ”پھر بھی.....“ میں نے اصرار کیا۔

کا۔ ”آڈیل نے کہا اور ہم سے اجازت لے کر چلا گیا۔

”اے کہاں سے کپڑا تھا.....؟“، فلیکس نے پوچھا۔

”بس، فلیکس! کل جس کام کے لئے نکلا تھا، اُسی کام کے لئے یہ بوڑھا امر نہ
بہترین معاون ثابت ہوا۔

”گویا یہ مارے پا پسورد وغیرہ.....؟“، فلیکس نے پوچھا۔

”ہاں.....کہنا تو اس کا بھی ہے۔ اب بہر صورت! دیکھ لیتے ہیں۔ ورنہ اس کے
اور سوچیں گے۔“

”اوکے.....!“، فلیکس نے کہا اور اس کے بعد ہم لوگ استنبول کے مختلف علاوہ
چھان بین کرنے لگے۔ شکاری لڑکیاں ہر جگہ موجود تھیں۔ لیکن فلیکس، ان کی بازاں
نہیں ہوا۔ اُس کے خیال میں یہ لڑکیاں قابل توجہ نہیں تھیں۔ تین دن مزید ہمیں اسی پر
قیام کرنا پڑا۔ اور بالآخر بوڑھے آڈیل نے جو کچھ کہا تھا، کر دکھایا۔ اُس نے پاہ
ہمارے حوالے کر دیئے تھے۔ ”ویزے کے بارے میں آپ نے نہیں بتایا تھا کہ کہاں
ہے؟ اس نے اپنے طور پر میں نے وہیں کا ویزہ الگا دیا ہے۔“

”تم جیرت انگیز ہو آڈیل! یہ رہا تمہارا معاوضہ۔“ میں نے طے شدہ معادلے
زیادہ، اُس کے حوالے کر دیا۔ آڈیل نے ہمارا شکریہ ادا کیا اور بولا۔

”اس کے علاوہ، اگر کچھ اور خدمات درکار ہوں تو.....؟“

”نہیں، بس..... شکریہ!“ اور آڈیل چلا گیا۔

”ہم کل وہیں چل رہے ہیں فلیکس!“ میں نے فیصلہ کن لمحے میں کہا۔

”اس کے بعد.....؟“، فلیکس نے پوچھا۔

”سویڈن..... جہاں سے ہم اپنے کام کا آغاز کریں گے۔“ میں نے کہا اور فلیکس
پہنانے لگا۔

☆.....☆.....☆

خوبصورت وہیں ہماری نگاہوں کے سامنے تھا۔ ایک سو پندرہ جزیروں کا وطن..... جنہیں
ایک سو ساٹھ نہیں اور چار سو محربابی پل آپس میں ملاتے تھے۔ پلازہ ڈیل کے نزدیک ہوٹل
ہارکو، ہماری رہائش گاہ تھا۔ میں نے اور فلیکس نے برابر کے دو کمرے حاصل کئے تھے اور اس
کے لئے ہم نے پہلے ہی آپس میں طے کر لیا تھا۔

”اس طویل اور جدوجہد سے پُرسنر کے بعد وہیں، ہمارے لئے سکون کا گھر ثابت ہو گا
اور یہاں ہم اپنی تھکان ڈور کریں گے۔ تاکہ اس کے بعد اپنی کارروائی شروع کر سکیں۔“ میں
فلیکس سے کہا۔

”میں، تم سے متفق ہو ڈن! اور اگر تم اجازت دو گے تو میں یہاں اپنی ضروریات بھی
پوری کروں گا۔ اب میں اس قابل تو ہوں کہ خود پل کراپی ضروریات پوری کر لوں۔“

”میں بھی ہر طرح تمہاری مدد کروں گا فلیکس! ظاہر ہے، ہم یہاں کسی خاص کام میں
مصروف نہیں ہیں۔ تھوڑے دن سکون سے گزریں گے۔ اور اس کے بعد بھرپور طریقے سے
اپنے کام میں مصروف ہو جائیں گے۔“ میں نے کہا۔

”میں بھی یہیں چاہتا ہوں ڈن! تفریحات کا یہ وقت منحصر ترین ہوتا چاہئے۔ ورنہ ہم ایک
بہت بڑے خسارے سے دوچار ہو جائیں گے۔“

”خسارہ.....؟“ میں نے سوالیہ نگاہوں سے فلیکس کو دیکھا۔ اُس کی آنکھیں سوچ میں
ڈوبی ہوئی تھیں۔

”بالا! تم بھی سوچو، جو راز ہمارے پاس محفوظ ہے، ابھی تک اُس کی حیثیت ہے۔ لیکن
یہ بھی ممکن ہے کہ کچھ عرصے کے بعد وہ کسی دوسرے طریقے سے عیاں ہو جائے۔ اُس کے
بعد ہماری جدوجہد کی کیا قیمت رہ جائے گی؟“

میں نے پڑیاں انداز میں گرون بلائی۔ بے شک فلیکس کا یہ خدشہ درست تھا۔ تھوڑی
دیر کی سوچ کے بعد میں نے اُس سے اتفاق کر لیا۔ اور پھر ہم نے وہیں میں قیام کی مدت کا

س! کی ساتھی کی مثالی تھی۔ بہر حال! عجیب امتحانہ انداز میں وہ پچھے ہٹ گئی۔ میں نے پھر لuent پیش دی۔“

“اے کے علاوہ اور کچھ؟” میں نے بدستور مسکراتے ہوئے پوچھا۔

دیں۔ بس! میں تو زیادہ تر اپنے کام میں معروف رہا ہوں۔ ویسے تم بھی خاصے اکتا ہے، سماں تام اپنے لئے کوئی سماں تلاش کر سکے؟“

پیپ اون رکری ا پریمیم بھی بہت زیادہ ان چکروں میں نہیں رہتا۔ لیکن ونیس کی حسین فضا میں
زندگی والی رنگین تتمیاں بھلا کہاں کسی کو چھوڑتی ہیں؟ میرا خیال ہے، اس سے زیادہ اور پچھے
کہا، حاجات ہی ہوگی۔ تم سمجھ گئے ہو گے۔“

”ہاں.....ہاں!“ فلیکس، مسکراتا ہوا بولا۔ اور اس کے بعد ہم دونوں کافی دیر تک گفتگو کرتے رہے۔

”تو پھر اب کیا پروگرام ہے ڈن؟“ تھوڑی دیر کے بعد فلیکس نے پوچھا۔

”بس! اُس وقت تک کوئی خاص پروگرام نہیں ہے، جب تک تم اپنی اس ضرورت سے
ارغ نہیں ہو جاتے۔“ میں نے جواب دیا۔

”میں نے کوشش کی تھی کہ وہ لوگ، ایک ہفتے سے پہلے یہ کام مکمل کر لیں۔ لیکن میرا خیال ہے، مشکل ہے۔ بھروسہ! ایک ہفتہ اور سبی۔ اور اس دوران تم، وہیں کے آپی باغوں میں میں تسلیوں کا شکار کرتے رہو،“ فلیکس نے کہا اور میں نے گردن بلادی۔

اور بلاشبہ! بیہی ہوا۔ مارکو پولو کے اس حسین علاقے میں اُٹنے والی تتمیاں، ذہنوں کے لرفت میں لیئے کی ماہر تھیں۔ مجھ جیسا آدمی بھی ان سے محفوظ نہ رہ سکا..... اور کچھ دنوں کے بعد میں بالکل ایک عام سا آدمی ہو گیا۔ میں اپنی حیثیت بھول گیا اور ہرشام کی نہ کسی حسین رکی کے ساتھ وہ نہ کے آبی باخوں میں گزرتی اور رات اپنے ہوٹل کے خوبصورت کمرے میں، جہاں فلکیس، مجھے ڈسٹریب نہیں کرتا تھا۔ پھر ایک دن، فلکیس واپس آیا اور میں نے مان محسوس کیا کہ اُس کی چال میں پھرتی اور جھرمے ریشاشت سے۔

”میں، کہیں اپنا کام مکمل ہونے کا خوشخبرہ کیا سنا تاہوں اے“ اُس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”خوب..... تو کب تک یہ مسئلہ حل ہو جائے گا؟“

”ہو جائے گا نہیں، ہو گیا۔“ فلیکس نے جواب دیا۔

یامطلب.....؟“ میں نے اسے بغور دیکھتے ہوئے کہا۔ اور پھر اُس کی چستی اور پھر تی

تعین کر لیا۔ لیکن ان دنوں کے قیام میں ہم نے خود کو آزاد چھوڑ دیا۔ میری اور فلکس مصروفیات مختلف تھیں۔ وہ اپنے طور پر مصروف رہتا تھا۔ اور میں اپنی تفریحات میں بگزیر شام کو ہم ضرور مل لیتے تھے۔ فلکس مجھے اپنی مصروفیات کی روپورٹ دیتا تھا اور میں اسے ”میں نے کچھ ایسے لوگوں سے رابطہ قائم کیا ہے، جو مصنوعی اعضاء کا کاروبار کر رہیں۔ انہوں نے میرا پورا ناپ قول کر لیا ہے۔ اور اپنے بنائے ہوئے جن اعضاء نمونے، انہوں نے مجھے دکھائے ہیں، میں ان سے بہت مطمئن ہوں۔“

”خوب..... یہ کام کب تک ہو جائے گا فلکس؟“، میں نے سوال کیا۔
 ”میرا خیال ہے، زیادہ وقت نہیں لگے گا۔ زیادہ سے زیادہ ایک بھنٹے۔“ فلکس
 جواب دیا۔ اور پھر مسکرا کر بولا۔ ”وینس واقعی حسین ہے۔ کسی آبرو باختہ حسین کی مانند
 جس میں کشش تو بے پناہ ہے۔ لیکن یہ احساس بھی رہتا ہے کہ وہ کوئی اچھی عورت نہ
 ہے۔“

”انوکھی بات کی ہے تم نے..... ایسا کیوں محسوس ہوتا ہے تمہیں؟“
 ”اس لئے کہ یہاں کے رہنے والے کوئی روایت نہیں رکھتے۔ اگر ہم اسے سیاہولہ سر زمین کہیں تو غلط نہ ہوگا۔ اس زمین کی آغوش، ہر دولت مند سیاح کے لئے کھلی ہوئی ہے۔ جس کا دل جائے، یہاں آئے اور اس کی آغوش میں سما جائے۔“

”خاصی گھری نگاہ سے دیکھا ہے تم نے اس سرز میں کو۔“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔
 ”ہاں..... آنکھیں بند تو نہیں کی جاسکتیں۔“
 ”ولے شہر کے حد خوبصورت ہے۔“

”میں کہہ چکا ہوں کہ اس میں شک نہیں ہے۔“
 ”بہر حال! چھوڑو ان باتوں کو، اور کوئی تغیرت تجھ کی بات کرو۔ وہیں کی کسی حسین ریکارڈ
 نہیں۔“

”یہاں کے ایک علاقے ”ڈاچ پلیس“ میں ایک لڑکی سے ملاقات ہوئی تھی۔ آپ پر مل تھی۔ اُس نے خود ہی مجھے مخاطب کیا اور تھوڑی دیر میں گھل مل گئی۔ کافی دیر تک میر

ساتھ رہی، اور پھر یہ جان لرمد ہوئی کہ میں ادھار مصنوعی انسان ہوں۔

وہ پیشہ دریں می؟

کی وجہ میری بھجھ میں آگئی۔

”مجھے دھاوا فلکیس! میرا خیال ہے کہ تم اپنے اعضاء لگو اکرہی آرہے ہو۔“

”ہاں.....!“ فلکیس نے مجھے اپنا مصنوعی پاؤں اور ہاتھ دھاتے ہوئے کہا۔ ”بلڑ لوگ اچھے کارمگر تھے۔ انہوں نے ان تمام ضروریات کا خیال رکھا ہے، جن کی میر انہیں ہدایت کر دی تھی۔ اور میں بے حد مطمئن ہوں مسٹر ڈن! میرا خیال ہے کہ تم میرے اندر کوئی خاص کی نہیں محسوس کرو گے۔“

”میں، تمہیں اس کامیابی پر مبارکباد دیتا ہوں مسٹر فلکیس! ہبھ صورت، میں تم سے کہہ ہوں کہ صرف تمہارے ہی انتظار میں وقت گزاری ہو رہی تھی۔ اب جیسا تم پسند کرو۔“ مطلب ہے کہ وہیں کی فضاؤں کو چھوڑ کر ہم سویڈن کی جانب چل پڑیں تو بہتر ہے۔“

”میں پوری طرح تیار ہوں۔ اور ہونا یہ چاہئے کہ کل سے ہم تفریحات کا سلسلہ رکرا کے سویڈن روائی کے انتظامات کر لیں۔ میرا خیال ہے، اس میں زیادہ پریشانی نہیں ہوگی۔“ ”بالکل.....!“ میں نے جواب دیا۔ اس کے بعد میری تازہ ترین محبوب، میرے ہاڑ گئی۔ فلکیس کو دیکھ کر اُس نے شدید حیرت کا اظہار کیا تھا۔ میں اور فلکیس اپنی اصل شکار میں تھے۔ اُس لڑکی کا نام، ڈونا تھا۔ وہ خاصی خوبصورت اور اپنے فن میں ماہر تھی۔ اُس باری باری ہم دونوں کو دیکھا، اور تھیرا نہ انداز میں ہونٹ سکیز کر بولی۔ یہ اُس کی مخصوص تھی۔

”ماں گاڑ.....! یہ سب کیا ہے؟ پہلے تو تم تنہا تھے، یہ دو کیسے ہو گئے؟“ اُس کے ادا میں شوخی تھی۔

”ہم، آپ دونوں میں سے ایک کا انتخاب کریں اور اُسے پہچانیں، جو آپ کا دوسرا ہے۔“ فلکیس نے مسکراتے ہونے کےہا اور ڈونا کی آنکھوں میں شرارت کے آثار پھیل گئے۔ ”مجھ سے مخاطب ہونے والا ہی میرا دوست ہو سکتا ہے۔“ اُس نے اپنی دانت بڑی ذہانت کا خوبست دیا تھا، اور فلکیس بس پڑا۔

”لو بھی! تمہاری محبوبہ تو تم سے الگ ہو گئی۔“ اُس نے کہا اور میں ہٹنے لگا۔ ”ڈونوں کو متوجہ نہ انداز میں دیکھنے لگی۔ اور پھر ہمارے ساتھ نہیں میں شریک ہو گئی۔“

”اس کا مطلب ہے کہ میں نے صحیح فیصلہ نہیں کیا، کیوں؟“ اُس نے میری جانب دیکھ کر ہوئے کہا۔

”میں کیا کہہ سکتا ہوں ڈونا؟ یہ تو تمہاری مرضی پر مختصر ہے۔“

”اوہ..... مجھے افسوس ہے۔ اور اب میں یہ بات کہنے میں کوئی جھگٹ نہیں محسوس کرتی کہ میرے دوست تم ہو۔ کیونکہ تم نے مجھے، میرے نام سے مخاطب کیا ہے۔ ورنہ ان صاحب سے تو میرا تعارف بھی نہیں ہوا۔“

”ڈین ہو۔“ فلکیس نے ہنٹے ہوئے کہا اور پھر اٹھ گیا۔ ”اچھا بھتی! میں تو چلتا ہوں۔ تم اپنی محبوبہ کے ساتھ وقت گزارو۔“

جب وہ چلا گیا تو ڈونا نے میری جانب دیکھا اور گہری سانس لے کر مسکرانے لگی۔ ”یہ کون تھا؟ اور تم نے مجھے، اس کے بارے میں پہلے کیوں نہیں بتایا؟“ اُس نے پوچھا۔

”تم نے پوچھا ہی نہیں ڈونا!“ ”لیکن تمہارا ہم شکل، بالکل تمہاری مانند ہے۔ کیا یہ تمہارا بھائی ہے؟“ ”ہاں..... ہم دونوں بھائی ہیں۔“

”تعجب کی بات ہے۔ میں نے ہم شکلوں کے باے میں صرف سنا تھا۔ لیکن دو آدمی اس قدر ہم شکل ہو سکتے ہیں، بھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ تم دونوں واقعی حریت انگیز ہو۔“

”اس کا خیال چھوڑو، ڈونا! بہر حال، ہم دونوں آپس میں بہت بے تکلف ہیں۔“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور ڈونا نے اس کا خیال چھوڑ دیا اور میری جانب متوجہ ہو گئی۔

”دوسری صبح جب ڈونا چل گئی تو فلکیس، میرے کمرے میں آ گیا۔ اُس کے ہونٹوں پر مسکرا ہٹت تھی۔ اُس نے شرارت آمیز لمحے میں کہا۔“ ”تمہاری دوست واقعی خوبصورت تھی۔

اب اس سے دوستی کی نوعیت کیا ہے؟ یہ تو میں نہیں جانتا، البتہ مجھے معلوم ہے کہ تم کسی سے متأثر ہونے والے آدمی نہیں ہو۔ کیا خیال ہے، ناشیتہ منگوالیا جائے؟“

”ہاں فلکیس! اگر تم نہ آتے تو میں ابھی تمہارے کمرے میں بیٹھنے ہی والا تھا۔ اور ناشیتے کے بعد ہم سویڈن روائی کی تیاریاں شروع کر دیں گے۔“

سویڈن روائی کے لئے جو کچھ بھی ضروری انتظامات کرنے تھے، ان میں کوئی وقت پیش نہیں آئی۔ اور شام تک ہم اپنا کام مکمل کر چکے تھے۔

”وسرے دن، صبح تقریباً ساڑھے نو بجے ہم ایئر پورٹ پہنچ گئے، جہاں ٹاک ہوم جانے کے لئے طیارہ موجود تھا۔ ہم نے اسی طیارے سے روانہ ہونا تھا۔ اور بالآخر ہمارا طیارہ، ٹاک ہوم کے جدید ترین ایئر پورٹ پر اُتر گیا۔“

میں سب سے پہلا سوال یہ ہے کہ کس ملک کا انتخاب کیا جائے؟، فلیکس نے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”امریکہ.....!“ میں نے بڑے اعتماد سے کہا۔ فلیکس ایک بار پھر مسکراہٹ اتھا۔ ”یا تو تم یہ کہو گے ڈن! کہ میں، تھہاری باتوں کی نقل کر رہا ہوں۔ یا پھر تم میری یہ بات مان ہی لو! کہ میں بھی اسی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اس کی وجہ میں تمہیں تادوں، جب ہم مالی منافع ہی حاصل کرنے کی کوشش میں کوشش ہیں تو پھر کیوں نہ کسی ایسے ملک سے رابطہ قائم کیا جائے، جو ہمیں زیادہ سے زیادہ ادائیگی کر سکتا ہو؟ البتہ اس بات کو ڈن نہیں کرنا ہو گا کہ وہ لوگ بھی اپنے طور پر ہمارے خلاف سازشیں کر سکتے ہیں۔ یعنی کسی ایسے انداز میں، جو ہمارے لئے خطرناک ثابت ہو۔“

”ہاں، ڈیڑھ فلیکس! اس سلسلے میں بھی ہمیں کچھ ضروری تیاریاں کرنا ہوں گی۔ مثلاً یہ کہ تم اپنے چہرے میں کوئی ہلکی ہی تبدیلی پیدا کرو۔ میں اپنے پاس کوئی اس قسم کا ہلکا چھلکا میک اپ تیار رکھوں، جسے ہم چند ساعت میں اپنے چہرے کو بدلتے کے لئے استعمال کر سکتے ہوں۔ ہمیں انتہائی ذہانت اور ہوشیاری سے اپنا یہ کام انجام دینا ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ اس بات کا خیال رکھنا ہے کہ کوئی ہم پر حادی نہ ہونے پائے۔“

”بالکل ٹھیک.....! میں تم سے متفق ہوں۔“ فلیکس نے کہا۔

”بہر صورت! اس کا انتظام تو با آسانی ہو جائے گا۔ تو یہ بات طے پائی کہ ہم صرف امریکہ سے اس بارے میں بات کریں گے۔ میرے خیال میں امریکی سفارت خانے سے رابطہ قائم کیا جائے۔ اور اس کے لئے بہتر ذریعہ میلی فون ہی رہے گا۔“

”بے شک! لیکن میلی فون، اس ہوٹل سے نہیں ہونا چاہئے۔“ فلیکس نے کہا۔

”بالکل نہیں.....! ہم بالکل چلیں گے اور ستاک ہوم کی کسی تفریق گاہ سے امریکی سفارتخانے سے میلی فون پر رابطہ قائم کریں گے۔“

”مناسب.....!“ فلیکس نے کہا اور اسی وقت ویٹر، چائے کی ٹرالی دھکلیتا ہوا اندر آگیا۔ اس کے جانے کے بعد فلیکس نے ڈرائی فرودٹ کی پلیٹ میرے سامنے سرکاتے ہوئے کہا۔

”یہ عجیب بات ہے کہ چائے آنے سے پہلے ہی ہم اس بات پر متفق ہو گئے، جس کے لئے میں چائے کے دوران گفتگو کرنی تھی۔“ اس کے ہوٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

اور میں بھی مسکرا دیا۔ ”ہاں! اس کی وجہ بھی ہو سکتی ہے فلیکس! کہ بہر صورت، ہم کام

ایئر پورٹ پر ہی ہمیں ہوٹلوں کے نمائندے مل گئے اور ہم نے شاک ہوم کے ایک بورزو ہوٹل کا انتخاب کر لیا۔ نمائندوں کے پاس ہوٹلوں کے بارے میں ساری تفصیلات موجود تھیں۔ بورزو میں بھی ہم نے دو الگ الگ کمرے بک کرائے تھے۔ اور پھر ان کروں میں منتقل ہو گئے۔ جان بوجھ کر کروں کا کچھ فاصلہ رکھا گیا۔ اور کروں میں آنے کے بعد ہم دونوں تقریباً الیک گھنٹے تک اپنے اپنے مشاغل میں مصروف رہے تھے۔ اس کے بعد فلیکس، میرے کمرے میں آگیا۔ اُس کے ہوٹوں پر ایک عجیب سی مسکراہٹ تھی۔

”میں نے چائے کے لئے کہہ دیا ہے۔ میرا خیال ہے، ہم چائے کے دوران اپنے آنکھ پروگرام کے بارے میں گفتگو کریں گے۔“

”بے شک.....!“ میں نے جواب دیا۔ ”ونص میں ہم لوگ، کافی آرام اور سیر و فرز کر چکے ہیں۔ لیکن اب، یہاں ہمارا مشن شروع ہو جانا چاہئے۔“ میں نے کہا اور فلیکس، گردن پلانے لگا۔ تھوڑی دیر تک ہم دونوں خاموش رہے، پھر فلیکس بولا۔

”تو مسٹر ڈن! اس سلسلے میں کام کا آغاز، کہاں سے کیا جائے گا؟“

”سب سے پہلی بات جو میرے ذہن میں آتی ہے مسٹر فلیکس! وہ یہ ہے کہ ہمیں بذات خود جرمون کے اس راز سے کوئی لچکی نہیں ہے۔ نہ ہی ہمیں جرمی سے کوئی محبت ہے۔ یہاں صرف کاروباری مسئلہ ہے۔ اور یہ اس مسئلے کو حل کرنے کے لئے بجائے اس کے کام مختلف ممالک کے چکر میں پڑیں، ہمیں کسی ایک ملک کا انتخاب کر لینا چاہئے۔“ میں نے کہا اور فلیکس کے چہرے پر ایسے آثار نمودار ہوئے: جیسے میں نے اس کے دل کی بات کہہ دی ہو۔ اُس نے مسکراتے ہوئے گردن ہلائی اور بولا۔

”لف کی بات تو یہی ہے میرے دوست! کہ میرے اور تمہارے سوچنے کے انداز میں بڑی یکساںیت ہے۔ میں نے اپنے اس مشن کے بارے میں جب بھی سوچا، میرا مطلب ہے کہ ان حادثات سے فارغ ہونے کے بعد، تو مجھے اپنی کوششوں میں بندی خاتی ہیں جوں ہوئی ہوئی کہ میں نے اس راز کی قیمت لگانے کے لئے بہت سارے ممالک کو متوجہ کر لیا تھا۔“ سب ہی اسے حاصل کرنے کے چکر میں مصروف ہو گئے۔ اور میں الجھ کر رہ گیا۔ زیادہ بہتر ہوتا کہ میں کسی ایک ملک کا انتخاب کرتا، اور اس سے معاملہ طے کر لیتا جگہ اسی ختم ہو گا۔ ہوتا۔ یوں سمجھو! کہ میں نے خود ہی اتنے سارے لوگوں کو پیچھے لگایا ہے۔ لیکن حالات نے مجھے ایک موقع دیا ہے تو پھر میں اپنی اس ہماقت کا اعادہ نہیں کرنا چاہتا۔ چنانچہ اب اس سلسلے

کے بارے میں ایک ایسا فیصلہ کر چکے ہیں، جس کے تحت ہمیں خاصی جلدی عمل کرنا ہو گا۔“
میں نے جواب دیا اور اس کے بعد ہم خاموشی سے چائے پیتے رہے۔
شام بھک آئی تھی۔ ہم بورنے کے ڈائنسنگ ہال میں آگئے۔ اور یہاں بہت سی لگائیں
ہماری جانب اٹھ گئیں۔ غالباً اس کی وجہ ہم دونوں کا ہم شکل ہونا تھا۔ لیکن فلیکس کو اس پیز
کی پروادا نہیں تھی۔

دوسرا دن، ہم نے احتیاطی تدبیر کے انتظامات میں گزارا۔ یعنی شاک ہوم کے چڑ
ہوٹلوں میں اپنے لئے کمرے بکرا لئے۔ ان کی ادائیگی بھی کر دی گئی۔ اور اس کے لئے
ہم نے کچھ لوگوں کا سہارا لیا تھا۔ گویا، اب ہم اپنے کام کی ابتداء کرنے کے لئے پوری طرح
تیار تھے۔ وہ رات بھی مختلف ہلکی چکلی تفریحات میں گزر گئی۔ ہم کوئی ایسا کام نہیں کرنا چاہتے
تھے، جو ہمارے لئے کسی طور تکلیف دہ بن جائے۔ چنانچہ اپنی تفریحات، ہم نے محدودی
رکھیں۔

دوسرے دن میں اور فلیکس، ہوٹل سے نکلے۔ شاک ہوم کے خوبصورت بازاروں سے
گزرتے ہوئے بالآخر ہم ایک ایسی جگہ پہنچ گئے جو ہمارے لئے مناسب تھی۔ یہ ایک ترقیتی
پارک تھا، جس میں مچھلیاں پکڑنے کے لئے ایک بڑی بھیل بنی ہوئی تھی۔ اس پارک میں ٹیکی
فون بوچھ تلاش کرنے میں ہمیں کوئی وقت پیش نہیں آئی، اور ہم ایک انتہائی اہم کام کے لئے
اس جگہ کا انتخاب کرنے میں حق بجا باندھ تھے۔

تب ہم دونوں ہی ٹیکی فون بوچھ میں داخل ہو گئے۔ اور میں نے امریکی سفارت خانے کا
نمبر ڈائل کیا۔ چند ساعت کے بعد آپریٹر کی آواز سنائی دی اور میں نے اس سے کہا۔
”خاتون! میں اپنا نام نہیں بتاؤں گا۔ لیکن میں، آپ کے سفارت خانے کے کسی ایسے سرکردہ
شخص سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں، جو آپ کے ملک کے لئے خاصی بڑی اہمیت کا حامل ہو۔ اس
سلسلے میں، میں آپ سے ایک عرض کر دوں، کہ یہ گفتگو آپ کے ملک کے لئے بے حد مفید
ہے۔ اور آپ اس فون کاں کو مذاق نہ سمجھیں تو بہتر ہے۔“

”آپ، اپنا نام کیوں نہیں بتاتے؟“ دوسری جانب سے پوچھا گیا۔
”اس لئے کہ میرے نزدیک یہ مناسب نہیں ہے۔ ہاں! اگر میرے مطلوبہ شخص نے مجھ
میں دلچسپی کا اظہار نہیں کیا تو میں، آپ سے شرمende ہوں گا۔“
”نہیں..... ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ لیکن آپ جانتے ہیں کہ اعلیٰ افران سے گفتگو

کرنے کے لئے وقت کا تین ضروری ہے۔“
”جی ہاں! میں جانتا ہوں۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ آپ، انہیں اطلاع دے دیں۔ اور میری
بات کے بارے میں بھی بتا دیں۔ بعض اوقات کسی ضروری سلسلے میں ہمیں اس قسم کے
انظامات بھی کرنا پڑتے ہیں۔ چنانچہ اگر آپ، یہ خطرہ مول لے لیں گی تو میرا خیال ہے،
اپ کے کوئی باز پس نہیں کی جائے گی۔“

آپریٹر، میری گفتگوں کو چند ساعت سوچتی رہی۔ اور پھر اس نے کہا۔ ”بہتر..... میں،
آپ کے سفارت خانے کے فرست سیکرٹری مسٹر ہام سے متعارف کر دیتی ہوں۔ براہ کرم!
پہنچ انتظار کریں۔“ میں نے آپریٹر کا شکریہ ادا کیا۔
”خوزی دیر تک وہ دوسری طرف گفتگو کرتی رہی۔ اور پھر اس کے بعد ایک بھاری آواز
تالی دی۔ ”ہیلو! میں ہام بول رہا ہوں۔“

”شکریہ، مسٹر ہام! میں ایک ایسے شخص کا نمائندہ بول رہا ہوں، جو کچھ حصے قبل نہ صرف
آپ کے ملک، بلکہ بے شمار ملکوں کے لئے دلچسپی کا حامل بنا رہا ہے۔ اور اس شخص کا نام ہے
فلیکس..... ممکن ہے، آپ نے اس کے بارے میں سنا ہو۔ اور ممکن ہے، یہ بات بھی آپ
کے علم میں ہو کہ فلیکس نامی ایک شخص نے سوئٹر لینڈ میں کچھ لوگوں کو، بلکہ کچھ ملکوں کو دعوت
دی تھی کہ وہ اس سے ایک اہم راز کا سودا کریں۔ لیکن اس کے بعد حالات کچھ اس قسم کے
ہو گئے کہ بہت سے ملکوں کے نمائندے، سوئٹر لینڈ پہنچ گئے اور وہاں انہوں نے اس شخص پر
تایار پانے کی کوششیں شروع کر دیں۔ جس کے نتیجے میں اسے وہاں سے غائب ہونا پڑا۔ تو
سب سے پہلے مسٹر ہام! میں یہ جانتا چاہوں گا کہ آپ نے اس شخص کا نام سنا ہے؟“

”کیوں نہیں..... کیوں نہیں مسٹر! لیکن آپ کہاں سے بول رہے ہیں؟“ ہام کی آواز
میں، مضطرب تھا۔ اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

”یوں لگتا ہے مسٹر ہام! جیسے آپ، اس معاملے میں خاصی دلچسپی لیتے رہے ہیں۔ آپ
کی آواز کا اضطراب بھی بتاتا ہے۔“

”آپ کا خیال درست ہے مسٹر! لیکن میرا خیال ہے کہ ایسی اہم گفتگو، ٹیکی فون پر کرنا
مناسب نہیں ہے۔ آپ، اس بات سے تو واقع ہوں گے کہ بعض اوقات ٹیکی فون، میپ بھی
کئے جاتے ہیں۔“

”جی ہاں..... لیکن مسٹر فلیکس کے ساتھ سوئٹر لینڈ میں جو کچھ ہوا، اس کے پیش نظر یہ
”

احتیاط ضروری تھی۔“

”آپ، بالکل درست کہتے ہیں۔ براہ کرم! ایک بات بتائیے، کہ کیا آپ خود ہمارے فلیکس ہیں؟“ ہامن نے سوال کیا۔

”میں نے عرض کیا نا! کہ میں ان کا ایک نمائندہ ہوں لیکن آپ نے میری بارے جواب نہیں دیا کہ کیا آپ خود اس معاملے سے متعلق رہ چکے ہیں؟“ میں نے پوچھا۔

”جی ہاں سوٹزر لینڈ میں ہمارے ملک کے نمائندوں کی حیثیت سے جواز اور ادا کرنے کے لئے میں شریک تھا۔ باقی تفصیلات تو میرا خیال ہے، کسی مناسب جگہ پر میاں جزا چاہیں۔ اب مختصر الفاظ میں آپ، مجھے بتا دیجیے! کہ میں، آپ سے یا مسٹر فلیکس سے کہاں ملاقات کر سکتا ہوں؟ اس کے علاوہ میں امریکی سفیر سے بھی آپ کے متعلق بات کروں گا۔ ہم لوگ، فوری طور پر آپ سے ملنے کے خواہش مند ہیں۔ یہ بات میں اپنے طور پر کہہتا ہوں۔“

”مناسب تو اس کے لئے جگہ کا انتخاب، آپ ہی فرمادیں۔“ میں نے کہا۔

”براہ کرم! آپ آج شام ٹھیک چھ بجے مجھے اسی نمبر پر رنگ کر لیں۔ اس کے بعد ہم لوگ تفصیلی گفتگو کریں گے۔ رنگ کرنے کے لئے آپ، جس جگہ کا انتخاب فرمائیں، اس کا طرف سے آپ کا خود مطمئن ہونا بھی ضروری ہے۔“

”آپ بالکل بے فکر ہیں۔ وہ کوئی پیک مقام ہی ہو گا۔“ میں نے جواب دیا۔

”تو پھر شام کو چھ بجے“ دوسرا طرف سے کہا گیا۔
”جی ہاں ٹھیک چھ بجے۔“ میں نے جواب دیا اور ٹیلی فون بند کر دیا۔ فلیکس، میرے نزدیک ہی کھڑا، میری گفتگو سے محظوظ ہو رہا تھا۔ پھر اس نے مطمئن انداز میں گردن ہلاکا اور ہم دونوں بوتحہ سے نکل آئے۔

”تھوڑی دُور چل کر میں نے فلیکس سے پوچھا۔“ کیا خیال ہے فلیکس! کیا تم اس گفتگو سے پوری طرح مطمئن ہو؟“

”پوری طرح سے بھی کچھ زیادہ۔ لیکن کیا وہ شخص، جس نے تم سے گفتگو کی تھی، ہم ملاقات کے لئے بے چین تھا؟“

”بری طرح۔ بہر حال! ہم، شام کو اسے رنگ کریں گے۔ اور اس وقت صحیح اندازہ سکے گا۔ آؤ! اب چلیں۔“ میں نے جواب دیا اور فلیکس نے گردن ہلاکی۔

شام کو ٹھیک چھ بجے، ہم دونوں نے پھر ایک جگہ کا انتخاب کر لیا۔ یہ ایک ریلوے ٹیشن ہاوس پر کافی گھما گھنی تھی۔ یہاں بے شمار ٹیلی فون بوتحہ تھے، جن میں سے ایک ڈور دراز ٹیلی فون بوتحہ کا ہم نے انتخاب کر لیا۔ پھر میں اور فلیکس، بوتحہ میں داخل ہو گئے۔ چھ بجئے میں میں سیکھ تھے۔ میں نے مسٹر ہام کا دیا ہوا نمبر ڈائل کیا اور ریسیور کان سے لگا لیا۔

دوسری طرف جیسے ہمارے فون کا شدت سے انتظار کیا جا رہا تھا۔ فوراً ہی فون ریسیور کیا گیا۔ اور مسٹر ہام کی آواز سنائی دی۔ ”ہامن بول رہا ہے۔“

”چھ بجے ہیں جناب!“ میں نے کہا۔

”اوه..... میرے نامعلوم دوست! ہم، تمہارے فون کا انتظار ہی کر رہے تھے۔“

”شکریہ..... میرا خیال ہے کہ ہمیں کسی تمہید کے بغیر گفتگو شروع کر دینی چاہئے۔“

”ہاں بنے شک۔ لیکن اس گفتگو کے لئے ہمیں کسی مناسب جگہ کا انتخاب کرنا ضروری ہے۔ میری ایک پیشکش ہے آپ کے لئے۔“

”جی.....؟“ میں نے کہا۔

”آپ نے سوٹزر لینڈ کے جس مسئلے کے بارے میں اشارہ کیا تھا، اس میں بھی بنیادی خالی بھی رہ گئی تھی کہ آپ نے کسی پر اعتماد نہیں کیا۔ میرا خیال ہے، اس بارا پنی حفاظت کے ضروری اقدامات کرنے کے بعد آپ کو ہم پر اعتماد بھی کرنا چاہئے۔“

”آپ کا خیال غلط نہیں ہے۔“

”بہتر یہ ہے کہ ہم لوگ، بال مشافہ گفتگو کریں۔ ہم، ہر وہ ہمانت دینے کے لئے تیار ہیں،“

جو آپ طلب کریں۔ آپ ایک بار ہم پر اعتماد ضرور کریں۔“

”ضرور مسٹر ہام! ہم بھی یہی چاہتے ہیں۔ تو پھر، آپ سے ملاقات کہاں کی جائے؟“

”میرا خیال ہے، اپنی پسند کی جگہ کا انتخاب خود کر لیں۔“

”بات اعتماد کی ہے، تو یہ انتخاب آپ پر۔“ میں نے جواب دیا۔

”تب پھر کافی سفر ہاں کے عقب میں امریکی سفیر کی رہائش گاہ مناسب ترین جگہ ہے۔“

”بڑا شکر آپ پسند کریں۔“

”مجھے اعتراض نہیں ہے۔ ہاں! کیا آپ نے مسٹر آئن ڈونالڈ سے اس بارے میں گفتگو کی ہے؟“ میں نے امریکی سفیر کے بارے میں پوچھا۔

”میں ہاں مسٹر ڈونالڈ بھی آپ سے ملاقات کے لئے بے چین ہیں۔“

”کس وقت ملاقات پسند کریں گے آپ لوگ؟“

”ہماری طرف سے تو اجازت ہے۔ اگر آپ، ابھی تشریف لانا چاہیں تو ہم، آپ کو ہم نہیں سمجھتے۔“ فلیکس نے جواب دیا۔ اس کے بعد دیر تک ہم دونوں وہیں بیٹھے اس آمدید کہیں گے۔ لیکن وقت کا تعین آپ ہی کر دیں تو بہتر ہے۔“

”ٹھیک آٹھ بجے میں، آپ سے ملاقات کروں گا۔“ میں نے کہا۔
”ہم، چشم برہیں گے۔ جگہ آپ نے سمجھ لی ہے.....؟“
”بھی ہاں.....!“

”بہت بہتر..... آپ پورے اعتناد کے ساتھ پورا تعالیٰ نی۔ امریکی لیکن، اس عمارت پر ہمارا تھا۔ عمارت کے دروازے پر دو امریکی فوجی، پھرہ کیا جائے گا۔“ مسٹر ہامن نے کہا اور میں نے شکریہ ادا کر کے فون بند کر دیا۔ اور اس کے بعد میں نے ہٹلر کے سامنے پہنچ گیا۔ لیکن مجھے ان سے کوئی ٹھنڈوں نہیں کرنی پڑی۔
ہم نے جگہ چھوڑ دی۔ ٹھیشن کے سامنے والی سڑک عبور کر کے ہم سینٹرل پل پر آگئے۔ انخلیکہ مانے ہیں چوڑے شانوں اور پستہ قد والا ایک شخص سوت پہنچ ہوئے کھڑا تھا، جو فوراً
حصے سے شاک ہوم کے ناؤں ہال کو سیڑھیاں اُرتی تھیں۔ شاک ہوم کا شہر بھی وہیں کافی رہ یا کہا گے بڑھ آیا۔

طرح جزیروں کا جمود ہے، جنہیں اطالوی طرز کے پل آپس میں ملاتے ہیں۔ ناؤں ہال ”محیٰ یقین ہے کہ آپ ہمارے مہمان ہیں۔“ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔
سے گزر کر پھر شہر کی مشہور سڑک کنگز گاٹن پر آگئے۔ اور پھر اس سڑک کے ایک اپناء میں ”اور مجھے یقین ہے کہ آپ مسٹر ہامن ہیں۔“ میں نے بھی مسکرا کر کہا۔
ریسٹوران میں آبیٹھے۔ ایک مشروب طلب کر کے اس کی چسکیاں لیتے ہوئے میں نے ”تشریف لایے!“ ہامن نے دوستانہ انداز میں کہا اور پھر آگے بڑھ کر مجھ سے مصافحہ کیا۔
فلیکس کی طرف دیکھا۔
”خاموش ہو فلیکس؟“

”تمہاری طرح.....!“ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔
”میرے اس اقدام پر تمہیں اعتراض ہے؟“ میں نے پوچھا۔

”بالکل نہیں..... لیکن پروگرام کے بارے میں جانا چاہتا ہوں۔“
”ہاں..... میں خود بھی تمہیں بتانے کا خواہش مند تھا۔ میں، امریکی سفیر کی رہائش گاہ، ناوارثی مردم تین افراد نے کیا۔ ان میں گنجے سر کا ایک طویل القامت اور پر رعب شخص جاؤں گا اور ان لوگوں سے ملاقات کروں گا۔ اس دوران تم میک آپ میں کسی دوسرے ہول۔ ایک خوبصورت عورت، جس کی عمر اٹھائیں کے لگ بھگ ہو گی۔ اور ایک نوجوان شخص میں قیام کر دے گے۔ اول تو میں سمجھتا ہوں کہ اس مرحلے پر ہمیں کسی بد دیانتی کا خطہ نہیں ہے۔ اس سر وال امریکی سفیر تھا یعنی مسٹر ڈونالڈ۔ اور دوسرا اس کا اتنا تھا۔ عورت کا نام آری لیکن اگر کچھ محسوس کرو تو دوبارہ مسٹر ہامن سے رابطہ قائم کرنا۔ اور اس بات کی دھمکی دینا کہم۔ ان تمام لوگوں نے دوستانہ انداز میں مجھ سے مصافحہ کیا۔
یہ راز، جرمنوں کو واپس کر دے گے۔“

”مناسب!“ فلیکس نے خوش ہو کر کہا۔
”کیا خیال ہے اس تجویز کے بارے میں؟“
”میرا خیال ہے، بالکل مناسب ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی آسان طریقہ تو ہم میں نے بھی مسکراتے ہوئے جواب دیا۔“

”ٹھیک ہے..... ناموں میں کیا رکھا ہے؟ ہمیں تو کام زیادہ عزیز ہے۔ تشریف
مشڑوناللہ نے کہا اور میں ان کے ساتھ بیٹھ گیا۔

مشڑ و نالڈ نے لہا اور میں ان کے ساتھ بیٹھ لیا۔
”جی..... وہ کیا؟“

تھے مسر فلکیس! ملا شر، آب کا رہ خال درست تھا کہ وہاں، جو آب کور از کا قیام کرے، وہ اپنے دل کے قریب، وہ راز خرد نے کے لئے تمار ہیں۔

کرے، آپ وہ راز سے فروخت کر دیں۔ لیکن ہمیں، اس سے تھوڑا سا اختلاف تھا۔ ”بھیجے آپ سے ایک تحریر درکار ہوگی۔ اس تحریر میں فلیکس کی زندگی کی صفائت ہوگی“ وہ کیا جتنا ب؟“

"بہتر یہ ہوتا کہ آپ اس راز کی قیمت کا تعین کر لیتے۔ ہم سے زیادہ اداگی درست نہیں۔ میری، جہاں وہ جانا چاہے، بھیجنے کے پابند ہوں گے۔"

تحا؟.....کیا تو سی.....؟ ہرگز نہیں.....! اور آپ یہ بات جانتے ہیں۔“

”گزری ہوئی باتوں کا جھوننا ہی بہتر ہے مسٹر ڈونالڈ!“

”ہاں.....آپ نے درست کہا۔ ہم، آج سے ابتداء کرتے ہیں۔“
”یہی مناسب ہے۔“

”پچھلے بھربات کی بناء پر ہی آپ کے ملک کا انتخاب کیا گیا ہے۔ اور اس پار ”قریر مجھے کب تک مل جائے گی.....؟“

حال وہ بیسیں ہے، جو پہلے ہی۔“ میں نے کہا۔

ہے کہ آپ کم از کم اس وقت تک ہمارے اوپر اعتماد کریں، جب تک ہماری طرف: ”آپ امریکی ملکہ خاص کے ایک رکن کی حیثیت سے حلف اٹھائیں گے۔ اور خود کو ایک گڈ بڑھنے ہو۔ دراصل! ہماری حکومت کو مدلت سے آپ کی تلاش تھی۔ اور اس سلطنت میڈراز کامیں تعلیم کریں گے، جو ہماری ملکیت ہو گا۔ یعنی آپ اس وقت تک یہ راز کسی اور کو دنیا کے سفارت خانوں کو ہدایات دی گئی ہیں کہ جہاں بھی آپ سے رابطہ ناپُور دیں گے، جب تک آپ کو ہم سے سودے میں نقصان نہ ہو جائے۔ اس کے علاوہ آپ، اس راز کو فروخت کرنے کے بعد ایک مخصوص عرصے تک ہمارے سامنے رہیں گے۔ یہ جائے۔“ سفیر نے کہا۔

”خوب..... بہر حال! ہم، آپ سے سودا کرنے کے لئے تیار ہیں۔“ صرف اس لئے ہو گا کہ جب تک ہم اس راز سے فائدہ نہ اٹھا لیں، کوئی دوسرا اس سے ”میری درخواست ہے مسٹر فلائیکس! کہ اس سلسلے میں دیرینہ کی جائے۔ ایسا نہ ہو کہ لاٹنگ نہ ہو سکے۔“

راز سے کوئی فائدہ اٹھانے کے قابل ہی نہ رہیں۔“

"میں خود بھی بھی چاہتا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"تب میری رائے ہے کہ آپ فوری طور پر واخشن کے سفر کی تیاریاں ریکارڈ کیں جائیں گے۔ ہمہ دن بھروسے کام کرنے کا آئے سے کوئی انتہا نہیں۔"

طرف سے چند افراد، آپ کے ساتھ جائیں گے۔ میں پہلے ہی عرض لرچا ہوں۔ ”بھائی آپ نے فائدے کیے ہیں؟“

لے مخلصانہ سودا کرنا چاہتے ہیں۔ اور ہر وہ خنثان، آپ کو فراہم کر سکتے ہیں، ”میرا خانلے، کا کا اسی چھ بھ کھ کے کے کے کے“ تند

"میں تاریخوا..... میں آئے کہ ساتھ سفر کروں گا۔ لیکن اس کے لئے چھوڑ بے؟" "بے؟" یہاں ہے، مل لی ملاقات ہی یہیں رہی جائے۔ آپ کو، کوئی اعتراض تو ہیں کریں۔"

125

”جی نہیں..... میں پوری طرح مطمئن ہوں۔“

”بس! میری رائے میں اب کاروباری معاملات ختم۔“ ڈونالڈ نے کہا۔ اور رکی باتیں شروع ہو گئیں۔ اور پھر میں نے رخصت کی اجازت طلب کی۔ مرنہاں گاہ سے نکل کر میں رات کو گیارہ بجے تک شاک ہوم کے مختلف علاقوں میں مقصد یہی تھا کہ کسی تعاقب کا اندازہ کر سکوں۔ لیکن پوری کوشش کے بعد میں ہم باں نہ تلاش کر سکا۔ تب میں نے ایک تاریک علاقے میں جا کر میک آپ ختم کیے کے ہوٹل چل پڑا۔

فلیکس اپنے کمرے ہی میں تھا اور بے چینی سے میرا منتظر تھا۔ مجھے دیکھ کر اس کی سانس لی اور مسکراتا ہوا بولا۔ ”انتظار، دنیا کی شدید ترین اذیت ہے۔“

”ہاں، شاید! ویسے میرا اس سے واسطہ نہیں پڑا۔ اب تم، مجھے عمدہ سی کافی پڑا۔“ بعد میں تمہیں اپنی کارروائی کے بارے میں بتاؤں گا۔“

”ابھی لو!“ فلیکس نے کہا اور پھر کافی منگوانے کی تیاریاں کرنے لگا۔ ہمارا وقت تک خاموش رہے جب تک کافی نہ آگئی۔ ویٹر کے جانے کے بعد فلیکس نے کیا اور متجسس انداز میں مجھے دیکھتا ہوا، میرے سامنے آیا۔

میں نے اپنی کافی کی پیالی سے چند گھونٹ لئے اور پھر فلیکس کو ان لوگوں سے تفصیل بتانے لگا۔ میں نے کوئی بات اُس سے نہیں چھپائی تھی۔ ساری تفصیل خلیکس، کسی سوچ میں ڈوب گیا۔ اور پھر شانے ہلاتا ہوا بولا۔ ”بظاہر تو مجھے اس میں کوئی خامی نظر نہیں آتی۔ یوں لگتا ہے، جیسے وہ لوگ واقعی مخلص ہوں۔ لیکن دنگا بات ذرا پر بیشان کن نظر آتی ہے۔“

”کیوں میرے دوست.....؟“ میں نے سوال کیا۔

”اس لئے کہ واشنگٹن میں ہم بہر صورت! امریکی حکومت کے زیر اثر ہوں گے۔“ ہم پر ہر طرح کا دباو ڈال سکتے ہیں۔“

”اس کا مسئلہ اس تحریر سے حل ہو جاتا ہے۔“ میں نے کہا۔

”ہاں..... یہ تو ٹھیک ہے۔ لیکن اس تحریر کو تم دنیا کی کون سی عدالت میں پڑھا۔“ امریکہ میں داخل ہونے کے بعد کیا ہم لوگ، ان کے ہاتھوں قید نہیں ہو جائیں گے۔

”اوہ، نہیں میرے دوست فلیکس! ہمیں اس سلسلے میں بھی اپنے پروگرام ترتیب“

گے۔“ کیسے پروگرام؟ میں یہی تو جانتا چاہتا ہوں کہ خود تمہاری کیا رائے ہے؟“

”میں، ان کے ساتھ واشنگٹن جانے کو تیار ہوں۔“ میں نے جواب دیا۔

”بہت خوب..... اور میں نے جن خطرات کی نشاندہی کی ہے، ان کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟“ فلیکس نے سوال کیا۔

”ڈیور فلیکس! آخر تم کس مرض کی دوا ہو؟“

”کیا مطلب؟“ فلیکس نے تحریر انداز میں پوچھا۔

”یا تمہارے خیال میں ہم دونوں ایک ساتھ، میرا مطلب ہے، ان لوگوں کے ساتھ یکجا ہو کر جائیں گے؟“

”نہیں..... میں یہی تو سب کچھ معلوم کرنا چاہتا ہوں۔“ فلیکس نے کہا۔

”تو سنو، میرے دوست! میں ان لوگوں سے مکمل تعاون کروں گا۔ یعنی ان کے ساتھ جاؤں گا۔ میں اپنی تحریر اُنہیں دے دوں گا اور ان کی تحریر میں تمہارے حوالے کر دوں گا۔

اس کے بعد فلیکس! تم در پر دھارا تعاقب کرو گے۔ اول تو میں، ان لوگوں کے کسی فریب میں نہیں آؤں گا۔ اور ان کے چکر میں نہیں پھنسوں گا۔ لیکن اگر میں نے کبھی حالات خراب دیکھ تو میں تم سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کروں گا۔ ورنہ تم ڈورڈور سے تماشہ دیکھتے رہنا۔

جب سارے معاملات طے ہو جائیں گے، تب میں تمہیں اطلاع دوں گا۔ اور اس وقت میں، انہیں یہ بھی بتاؤں گا کہ میں اصلی فلیکس نہیں ہوں۔ یا پھر کیا ضروری ہے کہ ہم، ان پر یہ بات واضح کریں کہ ہم دو ہم شکل ہیں، اور اس طرح کام کرتے ہیں؟ بہتر یہی ہے کہ اگر

ہمارا پروگرام، مکمل طور پر کامیاب ہو جائے تو ہم دونوں، خود کو الگ الگ ظاہر نہیں کریں گے، بلکہ مختلف ضروریات کے لئے ایک کو پوشیدہ رکھا جائے۔“

”بالکل ٹھیک.....!“ فلیکس نے کہا۔

”تو میں کہہ رہا تھا کہ اگر ہمارے سارے معاملات بخیر و خوبی انجام پا جاتے ہیں تو پھر میں، تم سے رابطہ قائم کر کے یہ راز ان کے حوالے کر دوں گا۔“

”اوہ..... میرا خیال ہے، یہ میں تم اپنے پاس رکھو!“ فلیکس نے کہا اور میرے ہم دونوں پر گراہت پھیل گئی۔

”عصوم آدمی ہو فلیکس! بعض اوقات بہت معصوم باتوں پر اُتر آتے ہو۔ تمہارے خیال

میں، میں تھا ری نیت پر شبہ کروں گا؟“
”ہرگز نہیں..... ہمارے دلوں سے شبہ نکل گیا ہے ڈن! اس لفظ کو درمیان میان
کرو۔“

میں، جس لائن میں تھا، اس میں ان ساری چیزوں کا خوف بے معنی تھا۔ چنانچہ وقت مقررہ پر
میں، امریکی سفر کی رہائش گاہ پر پہنچ گیا۔ حسب معمول، ہامُم نے میرا استقبال کیا۔ اُس کے
چہرے پر مپتاک مسکراہٹ تھی۔

ایک بار پھر مجھے اُسی نشست گاہ میں لے جایا گیا، جس میں، میں پہلی بیٹھا تھا۔ دوسرا سے
لوگوں کے ساتھ آری گینی بھی موجود تھی۔ وہ عورت، ظاہر ایک عام سی عورت لگتی تھی۔ لیکن
مجھے اُس کے چہرے پر ایک خاص بات محسوس ہوئی۔ ایک ایسا احساس جسے میں الفاظ میں
یا انہیں کر سکتا۔

امریکی سفر ڈنالڈ نے مجھ سے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے کہا۔ ”آپ نے یقیناً اس
وران میں بہت سی باتیں سوچی ہوں گی مسٹر فلیکس! میرا خیال ہے، ایک مناسب وقت، ہم
دُنوں کو مل گیا ہے۔ کیا آپ، ہماری پیش کردہ تجویز سے متفق ہیں؟“

”جی ہاں..... مجھے کوئی اعتراض تو نہیں ہے۔“

”خوب..... گویا آپ، ہمارے ساتھ داشٹن چلنے کو تیار ہیں؟“

”جی..... میں نہ کہنا! کہ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔“

”بن! تو پھر آپ، ہماری طرف سے بھی یہی خوشخبری سنیں۔ چند مخصوص ذرائع سے
لکھوت امریکہ سے رابطہ قائم کیا گیا ہے۔ اور آپ کے بارے میں مکمل اطلاع دے کر یہ
اجازت لے لی گئی ہے کہ ہم، آپ کے ساتھ وہاں تک پہنچ جائیں۔ وہاں ہمارا استقبال کیا
جائے گا۔“

”ٹھیک ہے جناب! میں نے آپ پر مکمل اعتماد کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اور اس کی
اجازت مجھے، مسٹر فلیکس نے دے دی ہے۔“ میں نے کہا اور امریکی سفر کے ہونتوں پر
مگر کہاں بھیں گئی۔

”یہ تمام کر لینے میں کیا حرج ہے کہ آپ ہی مسٹر فلیکس ہیں.....؟“ اُس نے مسکراتے
ہوئے کہا۔

میں چند ساعت خاموش رہا۔ پھر میں ایک گہری سانس لے کر بولا۔ ”میں نے دراصل!
آپ کے الفاظ کی تدوید کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اور اس سلسلے میں کسی شدت کا مظاہرہ نہیں
کیا۔ اس لئے کہ اس کی ضرورت نہیں تھی۔ مسٹر فلیکس نے مجھے مکمل اختیارات دے کر آپ
کے پاس بیجا ہے۔ اپنے طور پر میں ہر بات کا فیصلہ بھی کر سکتا ہوں۔ ان حالات میں اگر
بظاہر اس پروگرام میں کوئی خامی نہیں تھی۔ اور اگر کچھ غلط حالات پیش بھی آئے
سے نہیں میں کوئی خاص وقت نہیں ہوگی۔ زندگی اور موت کا کھیل تو قدم قدم پر موجود ہے۔“

”ٹھیک ہے..... بہر حال! اس پروگرام میں کوئی خامی ہوتا مجھے بتاؤ؟“

”قطیعی نہیں..... سوائے اس کے کہ داشٹن روانگی کے لئے تم، مجھے کتنا وقت“
کوئی خاص چکر چلانا پڑے گا؟ ورنہ روانگی کے انتظامات آسان نہیں ہوں گے۔“

”میں جانتا ہوں۔ بہر حال! میں کم از کم تین چار دن تک انہیں ٹالوں گا۔ اس“
ظاہر ہے، اُن کا ہم سے رابطہ تور ہے گا۔ اگر میں مصروف ہو جاؤں، تب بھی تمہیں اس با
میں رنگ کروں گا۔ اور مجھے اس میں وقت بھی نہیں ہوگی۔ ہاں! میں تمہیں مسٹر ایکس کا
خاطب کروں گا۔“

”میں نہیں سمجھتا.....؟“

”میں نے اُن لوگوں کو اپنے بارے میں تو یہی بتایا ہے کہ میں، مسٹر فلیکس کا نام
ہوں۔ گو، وہ اس بات کو تسلیم نہیں کرتے۔ اس لئے اگر میں، تمہیں رنگ کروں گا تو کوئی بُری
کی بات نہیں ہوگی۔“

”ہاں..... یہ تو ٹھیک ہے۔“

”اس کے باوجود فلیکس! اگر اس پوری کہانی میں تمہیں کوئی جھوٹ نظر آ رہا ہو تو کبھی
کبھی ضرورت نہیں ہے۔“

”نہیں ڈن! واقعی، خلوص سے کہہ رہا ہوں۔ جتنی آسانی سے تم نے حالات پر قبضہ
کیے، وہ تجھب خیز ہے۔ بہر حال! تم تو ہمیشہ ہی تجھب خیز ثابت ہوئے ہو۔“

فلیکس سے ضروری گفتگو ختم ہو گئی۔ اور پھر میں نے اس کے پاس ٹھہرنا مناسب
سمجھا۔ ہاں! رات کو اپنے لئے پارٹنرلاش کرنا نہیں بھولا تھا۔.....
دوسرے دن فلیکس سے فون پر گفتگو ہوئی تھی۔ میں نے اُس سے کہا کہ میں پورا دن
سے ملاقات نہیں کروں گا۔ وہ اپنی تیاریاں شروع کر دے۔ اور فلیکس نے کہا کہ“

ہوٹل سے نکل رہا ہے۔ فون بند کر کے میں آج کے پروگرام پر غور کرنے لگا۔

بظاہر اس پروگرام میں کوئی خامی نہیں تھی۔ اور اگر کچھ غلط حالات پیش بھی آئے
سے نہیں میں کوئی خاص وقت نہیں ہوگی۔ زندگی اور موت کا کھیل تو قدم قدم پر موجود ہے۔“

”بات دراصل یہ ہے مسٹر کین! کہ اب تو میں نے اپنی حکومت کو بھی اس بارے میں اطلاع دے دی ہے۔ اور میری حکومت، شدت سے آپ کی آمد کی منتظر ہے۔ ان حالات میں اگر آپ کی اور کے ہاتھ لگ گئے تو نہ صرف میری حکومت کو مایوسی ہو گی بلکہ اس سے خود میری پوزیشن بھی خراب ہو جاتی ہے۔ اس لئے میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ ہم مکمل طور پر صرف آپ کی حفاظت کریں۔“

”ٹھیک ہے۔ اگر آپ یہ چاہتے ہیں تو میں اس سلسلے میں مسٹر فلیکس سے بھی اظہار کر دوں گا۔ مجھے امید ہے کہ وہ مجھے اس بات سے منع نہیں کریں گے۔“

”ہمیں بڑی خوشی ہو گی۔“ مسٹر ڈونالڈ نے دوستانہ انداز میں کہا۔ اور پھر خاموشی چھا گئی۔ چند ساعت ہم دونوں ہی خاموش رہے۔ دوسرے لوگ بھی ہماری وجہ سے خاموش تھے۔ پھر ڈونالڈ نے ان تحریروں کا ذکر کیا جن کا تبادلہ ہونا تھا۔ پھر انہوں نے خود ہی پیشگش کر دی کہ چند ساعت کے بعد مجھے وہ دونوں تحریریں پیش کر دیں گے۔ ایک پر مجھے دستخط کرنا ہوں گے اور دوسرا پر اپنے دستخط کرنے کے بعد وہ میرے حوالے کر دیں گے۔ میں نے اس بات پر خوشی کا اظہار کیا اور مسٹر ڈونالڈ نے اپنے ساتھیوں کو ہدایات دے دیں۔ چنانچہ ہم دونوں میں تحریروں کا تبادلہ ہو گیا۔ اور اس کے بعد ہلکی سی ضیافت ہوئی اور پھر میں نے اجازت چاہی۔

”میں اب جاؤں گا۔ صبح تقریباً گیارہ بجے میں اپنی عمارت میں آپ کا خیر مقدم کروں گا۔“ مسٹر ڈونالڈ نے کہا۔

”بہتر ہے۔۔۔ میں پہنچ جاؤں گا۔“ میں نے جواب دیا اور امریکی سفیر مطمئن ہو گیا۔ لیکن بہر صورت! وہاں سے روگلی کے وقت میں اس قدر مطمئن نہیں ہوا تھا کہ تعاقب کے خیال کو نظر انداز ہی کر دیتا۔ لیکن کسی نے میرا تعاقب نہیں کیا اور میں خیریت سے فلیکس تک پہنچ گیا۔

فلیکس بھی شاید ابھی کہیں سے واپس آیا تھا۔ پھر وہ ہنستے ہوئے کہنے لگا۔ ”تو مسٹر ڈن آن کا دن تو بڑا ہی خوٹگوار اور بڑا ہی کار آمد ثابت ہوا ہے۔“

”خوب۔۔۔!“ میں نے مسکرا کر کری پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ ”کیا کر لیا تم نے فلیکس؟“ میں نے سوال کیا۔

”پہلے تم تباو۔۔۔!“ فلیکس کے انداز میں بجکانہ سی شوخی تھی۔ پھر میں نے وہ تحریر پنکال کر

آپ، مجھے فلیکس سمجھنے پر مصروف ہیں تو میں ذوستانہ انداز میں آپ سے عرض کر دوں گے فلیکس نہیں ہوں۔“

”اچھا۔۔۔!“ امریکی سفیر نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ ”بہر صورت! ہمیں اس سے خاص غرض نہیں ہے۔ البتہ ایک سوال آپ سے ضرور کیا جا سکتا ہے مسٹر۔۔۔ افسوس! اگر آپ کا نام بھی نہیں لے سکتے۔“

”آپ مجھے کیم کے نام سے پکار سکتے ہیں۔“

”خوب۔۔۔ تو مسٹر کین! جو بات، ہم آپ سے پوچھنا چاہتے تھے، وہ یہ ہے کہ وہاں جس کی جو بھی شکل ہو، ہمیں فی الوقت اس نے کوئی غرض نہیں ہے۔ یعنی پوچھنا یہ ہے کہ ہمارے معاملات طے ہو جاتے ہیں تو کیا وہ راز آپ ہی کے ذریعے سے ہمیں ملتا ہے؟“ ”جی ہاں۔۔۔ یقیناً! اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مسٹر فلیکس اور ان کے ساتھیوں سے ہر رابطہ بدستور قائم ہے اور رہے گا۔ چنانچہ جس وقت بھی ہم لوگ، اس معاملے کی تکمیل کر لیں گے، فوری طور پر وہ راز آپ کے حوالے کیا جا سکتا ہے۔“

امریکی چند ساعت تک سوچتا رہا۔ پھر گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ”میرا مقصد یہی ہے کہ یہاں بد دینا تی کی کوئی صورت نہیں ہے۔ ہم آپ سے بہتر شرائط پر معاملات طے کریں گے اس کے بعد وہ راز آپ سے خرید لیں گے۔ چنانچہ جو بھی صورت حال ہو، اس نے ایسا کو غرض نہیں ہے۔ ہاں! تو چلنے کا پروگرام کب تک ہے؟“

”اس سلسلے میں آپ کا کیا ارادہ ہے؟“ میں نے سوال کیا۔

”بھی ہماری طرف سے تو مکمل آزادی ہے۔ میں خود تو جانہیں سکتا۔ البتہ چنان آپ کے ساتھ جائیں گے۔ اور میرا خیال ہے، جس قدر جلد ہو سکے، یہاں سے مناسب ہے۔ چونکہ وہاں آپ کا انتظار ہو رہا ہو گا۔“

”مجھے چند روز کی مہلت درکار ہو گی۔“

”ہاں، ہاں۔۔۔ یقیناً! اس بات سے تو بھی واقف ہیں۔ ظاہر ہے، آپ کو بھی تیاریاں کرنا ہوں گی۔ ہمیں اس پر اعتراض نہیں ہے۔ لیکن ایک درخواست ضرور ہے۔“

”وہ کیا جناب۔۔۔؟“ میں نے پوچھا اور امریکی سفیر چند ساعت تک سوچتا رہا۔ کے چہرے پر ایک عجیب ساتاڑ جھکلنے لگا تھا۔ پھر اس نے میری آنکھوں میں دیکھے کہ

اس کے سامنے رکھ دی جو مجھے ڈونالڈ نے دی تھی۔ وہ تحریر کا مطالعہ کرتا رہا۔ اور پھر اس نے آنکھوں میں سرست کے آثار پھیل گئے۔

”یہ تو اقتنی بڑی عمدہ تحریر ہے۔“ اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

”ہاں! اور اب ہم جلد از جلد روائی ہو جائیں گے۔“

”میں وہی خوبخبری تمہیں سنانے جا رہا تھا ڈیزیر کین! بات یہ ہے کہ میں نے اپنے طور پر بھی کچھ کیا ہے۔ آج میں نے خاصا دوڑ و سوچ میں وقت گزارا ہے۔ چنانچہ میں نے ایک ایسا آدمی تلاش کر لیا جو مجھے واشنگٹن روائی کر سکتا ہے۔ گو، اُس کے ذرائع غیر قانونی ہیں۔ لیکن کام بالکل قانونی طور پر ہو گا۔“

”واقتنی خوبخبری ہے۔ میرا خیال ہے، میں ان لوگوں سے روائی کے بارے میں کہ دوں۔“ میں نے کہا۔

”ابھی کچھ دیر ڑک جاؤ۔ میرا خیال ہے، میں کام ہونے کے بعد تمہیں اطلاع دے دوں گا۔ لیکن ایک بڑی ابھن کی بات ہے۔ وہ یہ کہ تم تو مجھے رینگ کر سکتے ہو۔ لیکن میں تم کیسے رابطہ قائم کروں گا؟“

”واہ! اس میں پریشانی کی کیا بات ہے؟ میرا خیال ہے، میں امریکی سفیر کی کوئی پر فیلم کروں گا۔ اگر میرے لئے کسی دوسرا ہرہائش گاہ کا بھی بندوبست کیا گیا تو اس کا میلی فون نہ رہا میں تمہیں دے دوں گا۔ تم مجھے آسانی یونگ کر سکتے ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے لا لوگوں سے کہہ دیا ہے کہ میں فلیکس نہیں ہوں۔ اور مسٹر فلیکس بہر صورت! میہاں اپنے ساتھ موجود ہیں۔ میں نے انہیں یہ بھی بتا دیا ہے کہ مسٹر فلیکس، واشنگٹن میکہ سفر ہمارے ساتھ ہی کریں گے۔ اور جس وقت بھی ہمارے معاملات طے ہو گئے، وہ ازانہ کے حوالے کر دیا جائے گا۔“

دوسرے ہی دن میں فلیکس سے رخصت ہو کر اپنے ہوٹل آگیا۔ میں نے اپنا فلم سامان لیا اور پھر وقت مقررہ پر سفیر کی کوئی پریشانی نہیں کیا تھا اور نہ ہی مسٹر ہام موجود تھے۔ البتہ آرسی گینی اپنے ہونتوں پر استقبالیہ مٹکا رہا۔ سجائے موجود تھی۔ وہ پر ٹپاک انداز میں آگے بڑھی اور گردان خم کرنے ہوئے بولی۔ کیں! پلیز، اندر آ جائیے۔“ اور میں اس کے ساتھ اندر داخل ہو گیا۔ ”دونوں ہمراہ مصروف تھے۔ انہوں نے میرے پرستی خدمت کی کہ میں یہاں آپ کے قیام کا بندوبست

کروں۔ اور ہر طرح آپ کا خیال رکھوں۔ اور مجھے امید ہے کہ میں یہاں آپ کو کوئی تکلیف نہیں ہونے دوں گی۔ اور مجھے یقین ہے کہ آپ خود اپنے طور پر ایک بے تکلف دوست ہونے کا ثبوت دیں گے۔“

”شکریہ میں گینی! بہر صورت، مجھے یقین ہے کہ آپ کے ساتھ میرا وقت بہت اچھا گز رے گا۔“ آرسی گینی مجھے اس رہائش گاہ تک لے گئی جو میرے لئے درست کی گئی تھی۔

اور جہاں مجھے چند روز اُن کے ساتھ قیام کرنا تھا۔ بہت ہی پر سکون اور آرام دہ بیڈ روم تھا۔

ہر قسم کی ضروریاتِ زندگی سے آ راستہ۔ یہاں ہر چیز موجود تھی۔ میں نے اس بیڈ روم کے لئے پندیدگی کا انہصار کیا اور آرسی گینی نے مسکراتے ہوئے شکریہ ادا گیا۔ تھوڑی دیر میرے پاس

بینچہ کروہ چلی گئی۔ ملازم میرا سامان اندر لے آیا تھا۔ اور اُس نے میرے لباس، الماری میں

سجادیے۔ یوں لگتا تھا جیسے میں یہاں ایک طویل قیام کے لئے آیا ہوں، ایک معزز مہمان کی

حیثیت سے۔ اور یہ سوچ کر میرے ہونتوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ آرسی گینی تھوڑی دیر بعد واپس آگئی۔ اُس نے میرے لئے ناشتے کا مندوبست کیا تھا۔ حالانکہ اس وقت اس کی

حادثتِ محبوس نہیں ہو رہی تھی۔ لیکن یہ ایک استقبالیہ چائے تھی۔ پھر وہ میرے سامنے ہی پیٹھ

گئی اور مجھ سے میرے بارے میں گفتگو کرنے لگی۔ اُس کے انداز میں کوئی ایسی بات نہیں

تھی، جس سے یہ ظاہر ہوتا کہ وہ میرے بارے میں کریدیا چھان میں کر رہی ہے۔ بلکہ یہ

ایک دوستانہ سی گفتگو تھی۔ تھوڑا بہت اپنے بارے میں بھی بتائی گئی۔ وہ امریکی محلہ خارجہ کی

ملازمتھی اور تھوڑے عرصے کے لئے واشنگٹن سے یہاں آئی ہوئی تھی۔ اُس نے بتایا کہ وہ

اب واپس جا رہی ہے۔ اور اپنے وطن ہی میں اپنے فرانس انجام دے گی۔

”اوہ..... تو میرا خیال ہے میں گینی! کہ آپ شاید میرے ساتھ ہی واپس چلیں گی؟“

”جی ہاں..... مسٹر ڈونالڈ نے مجھ سے یہی کہا تھا کہ میں، آپ کے ساتھ ہی واپس چلی جاؤں۔“

”یہ تو اچھی بات ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہاں بھی آپ سے ملاقات رہے گی۔“

”کیوں نہیں؟ میرا تعلق ہی اس محکمہ سے ہے، جس سے آپ کا واسطہ پڑے گا۔“

”بہت خوب تو گو کیا، وہاں سب سے قریبی انسان آپ ہی رہیں گی میرے لئے۔“

”ہاں، مسٹر کیں! کچھ ایسی ہی بات ہے۔“ اُس نے کہا اور میں بھی مسکرانے لگا۔ اس

کے بعد رکی گفتگو ہوتی رہی۔ ویسے گینی کی گفتگو بڑی خوبصورت ہوتی تھی۔ باتیں کرنے میں

وہ بڑی مہارت رکھتی تھی۔ گو، اُس کے پھرے کے تاثرات میں پہلے مجھے بلکل ای تھی جو
ہوتی تھی، جو اُس کی گفتگو کے بعد معدوم ہوتی جا رہی تھی۔

مُسڑڈونالڈ سے رات کے لامبے پر ملاقات ہوئی۔ ہائی موجود نہیں تھا۔ مُسڑڈونالڈ
ایک معزز مہمان کی حیثیت سے مجھے خوش آمدید کہا اور پھر کہنے لگے کہ کار و باری باقاعدہ
جگہ۔ لیکن بحیثیت ایک مہمان کے وہ میرے یہاں آنے سے بے حد خوش ہیں۔ ظاہر
گفتگو میں کوئی کھوٹ وغیرہ نظر نہیں آتی تھی۔ اسی لئے میں نے بھی ایک بے تکلف مہماں
حیثیت سے یہ بات چیت کی۔ اور پھر دریتک ہم لوگ مختلف موضوعات پر گفتگو کرتے رہے
جس میں امریکی سیاست بھی زیر بحث رہی۔ میں نے مُسڑڈونالڈ کو اُس راز کے باوجود
کوئی ہوانیں لگانے دی تھی۔ پھر میں بھی کوئی کیا انسان تو نہیں تھا۔ نہ ہی مُسڑڈونالڈ نے فرمایا
طور سے اس سلسلے میں کچھ پوچھنے کی کوشش کی تھی۔ پھر ہم سونے کے لئے چلے گئے۔ میں
خواب گاہ میں پہنچ کر اس گفتگو پر غور کرنے لگا۔ میں خیالات کی دنیا میں ڈوب گیا اور اُس
کے بعد گہری نیند سو گیا۔

دوسرے دن صبح کوناشتہ مُسڑڈونالڈ کے ساتھ کیا۔ پھر مُسڑڈونالڈ کہنے لگے۔ ”مُسکنہ
میں نہیں جانتا کہ آج آپ کی مصروفیات کیا ہوں گی؟ لیکن بہر صورت! آپ جس طرز
دن گزر اتنا چاہیں، وہ آپ پر منحصر ہو گا۔ میں تو صرف آپ کی روائی کے بارے میں ارادہ
کا انتظار کر رہا ہوں۔ آپ جب بھی مجھے اس سلسلے میں اطلاع دیں گے، چند گھنٹوں کے
انتظامات ہو جائیں گے۔“

”میں آپ سے عرض کر چکا ہوں مُسڑڈونالڈ! کہ اس سلسلے میں مجھے ہدایات، مُسکنہ
سے ملیں گی۔ مُسڑڈونالڈ مجھے بتائیں گے کہ وہ کب واشنگٹن جانے کے لئے تیار ہیں؟“
خیال ہے، اس میں زیادہ وقت نہیں لگے گا۔“

”ٹھیک ہے..... مجھے اعتراض نہیں ہے۔ میں نے اپنی حکومت کو اطلاع دے دیا ہے
ہم، کسی بھی وقت واشنگٹن پہنچ جائیں گے۔ بہر صورت! مجھے تو آپ اجازت دیجئے، لیا۔
آپ جس طرح گزاریں۔ آرسی گینی کسی کی دن اگر آپ کی ساتھی بننا چاہیں تو یہ ان کی ہمی
قسمتی ہو گی اور ہماری بھی۔ یا پھر اگر، آپ کی کوئی اور مصروفیت ہو تو یہ ضروری نہیں
جیسی کہ بہت آپ چاہیں، ہم مہیا کر سکتے ہیں۔“

”میں اپنے طور پر آزاد ہوں۔ کوئی خاص مصروفیت تو ہے نہیں۔ میں گینی کے ساتھ
گئے ہوں۔“

کوئی تفریحی پروگرام بنایا جا سکتا ہے۔“ میں نے مسکرا کر گینی کی جانب دیکھا اور گینی بھی
مکرانتے ہوئے تپاک سے بولی۔

”ضرور، ضرور جتاب! یوں بھی آج جون کی نیشنل تاریخ ہے۔ اور موسم گرم کا نصف سفر
کامل ہو چکا ہے۔ نصف گرمیوں کی شب سویڈن کا شفافیتی تہوار ہے۔ جسے اس کے باشندے
کرس سے بھی زیادہ ڈھوم دھام سے مناتے ہیں۔ چنانچہ ہم بھی اس پروگرام سے لطف
اندوں ہوں گے۔“

”اوہ، ہاں! بہت عمدہ..... واقعی بہت عمدہ..... اگر مسٹر کین! آپ نے کبھی سویڈن میں
ڈسٹریکٹ نہیں دیکھی تو آج دیکھئے۔ دیکھنے کی چیز ہے۔“ مُسڑڈونالڈ نے کہا۔

”ضرور.....!“ میں نے جواب دیا۔ جن دنوں میں فن لینڈ میں رہتا تھا، تو میں نے
سویڈن کی ڈسٹریکٹ کے بارے میں بہت کچھ سنا تھا۔

یہ بات طے ہو گئی۔ مُسڑڈونالڈ تو ہم سے رخصت ہو گئے۔ لیکن گینی میرے ساتھ رہی
اور مجھ سے حسب دستور گفتگو کرتی رہی۔ سویڈن کے بارے میں، یہاں کی شفافیت کے
بارے میں۔ اور نہ جانے کہاں کہاں کی باتیں..... باتیں کرنے کے معاملے میں وہ صرف
عورت تھی۔ لیکن میں اس کی گفتگو سے محفوظ ہوتا رہا تھا۔

پھر شام ہو گئی اور گینی اُس جھیل کے کنارے جانے کی تیاریاں کرنے لگی جس کے قریب
ایک کھلی فضا میں ڈسٹریکٹ منائی جانی تھی۔ وقت مقررہ پر گینی ایک خوبصورت لباس میں
میرے ساتھ نکل آئی۔ اور پھر اپنی آسمانی رنگ کی خوبصورت کار میں بیٹھ گئی۔ میں اُس کے
نزویک بیٹھ گیا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد ہم شاک ہوم کی نواحی بستیوں سے گزر رہے تھے۔ چھوٹے چھوٹے
خوبصورت قبیلے گزرنے لگے۔ اور پھر بڑی شاہراہ سے گزر کر ہم ایک پگڈی ڈی پر آگئے جس
کے دونوں جانب صور بر کے گھنے جنگل تھے۔ جنگل ختم ہوا تو وہ اپنے پر ایک جھیل نظر آئے
گئی۔ اور تھوڑی دیر کے بعد ہم اُس جگہ پہنچ گئے جہاں بے شمار لوگ سویڈن کے روایتی لباس
میں لبوک اپنی اپنی تفریحیات میں مشغول تھے۔

اُس کے بعد ساری رات لوگ جشن مناتے رہے..... مرد اور عورتیں دائروں میں رقص
کرتے رہے۔ میں بھی گینی کے ساتھ رقص کر رہا تھا۔ شراب کے دور چل رہے تھے۔ رات
گئے تک یہ ہنگامہ برپا رہا۔ اور اس کے بعد آہستہ آہستہ ہنگامے میں کمی آنے لگی۔ اور لوگ

”ہاں گئی! اولیے کیا مسٹر ڈونالڈ کو یہ بات معلوم ہو گی کہ ہم رات یہاں قیام کریں گے؟“
”ہاں..... مدرس نائٹ کے بارے میں مسٹر ڈونالڈ بھی جانتے ہیں۔ اور ہم کیا کہہ سکتے ہیں؟ ممکن ہے، انہوں نے بھی جھیل کے کنارے کسی گوشے میں رہا تگزاری ہو۔“ گینی نے ہنس کر کہا اور میں نے ہونٹ سکوڑ لئے۔
”واقعی..... کیا یہ ممکن ہے؟“

”آپ کیا سمجھتے ہیں مسٹر کین..... مسٹر ڈونالڈ زیادہ بوڑھے آدمی نہیں ہیں۔“ گینی نے بدستور مکرانتے ہوئے کہا اور ہم واپسی کی تیاریاں کرنے لگے۔ چند ساعت کے بعد ہماری ہکروپاں جا رہی تھی اور تھوڑی دیر کے بعد ہم امریکن سفیر کی رہائش گاہ پر پہنچ گئے۔
مسٹر ڈونالڈ موجود نہیں تھے، جا چکے تھے۔ چنانچہ گینی نے مجھے آرام کرنے کے لئے کہا ”تو یقینی بات ہے کہ بیڈ رومن سے باہر کوئی بھی رات، خواہ کسی بھی انداز میں گزرے، تھکا دینے والی ہوتی ہے۔ چنانچہ آپ کچھ دیر آرام کرنا پسند کریں گے مسٹر کین؟“
”خواہ آپ کا کیا خیال ہے؟“ میں نے پوچھا اور گینی نے ایک بار پھر مجھ سے لگا ہیں چرا لیں۔

”اگر آپ سوئیں گے تو میں بھی سو جاؤں گی۔“ اُس نے جواب دیا۔
”میک ہے..... تو پھر تھوڑی دیر آرام کر لیا جائے۔“ میں نے کہا اور گینی مجھے خدا حافظ کہہ کر چل گئی۔

اپنے لبتر پر لیٹ کر میں گزری ہوئی رات کے بارے میں سوچنے لگا۔ واقعی زوردار رات تھی..... بڑی خونگوار..... ایسی رات کے بعد تھکن کا احساس نہیں رہتا تھا۔ تب مجھے فلیکس کا خیال آیا۔ میرے کمرے میں میلی فون موجود تھا۔

چند ساعت تو تذبذب میں گزرے۔ یہاں سے بے دھڑک فون کرنا مناسب ہے یا نہیں؟ ممکن ہے، ان لوگوں نے فون ٹیپ کرنے کا بندوبست کر رکھا ہو۔ لیکن پھر میں نے ایک ریکیب سوچی اور فون کے قریب پہنچ گیا۔ پہلے میں نے تقریباً چھ دفعہ مختلف فون نمبر ڈائل کئے اور یہ اندازہ لگاتا رہا کہ کوئی آواز سنائی دے جائے۔ لیکن ایسا کوئی احساس نہیں ہوا۔ تب میں نے فلیکس کے فون نمبر ڈائل کئے۔ اور چند ساعت کے بعد آپ زیر نے اُس سے رابطہ قائم کر دیا۔

تھک کر وہیں پڑ کر سورہ ہے۔ گینی میرے ساتھ تھی۔ مجھ پر بھی غنوڈگی سی طاری ہو رہی تھی۔ چنانچہ میں بھی وہیں گھاس پر لیٹ گیا گینی بھی مجھ سے کچھ فاصلے پر لیٹ گئی تھی۔ اور اسی صبح کو جب آنکھ کھلی تو سورج نکل آیا تھا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی جسم پر ایک بڑی احساس بھی ہوا۔ گینی بڑے یہجان خیز انداز میں مجھ سے پیٹی سورہ تھی۔ میں نے پوکلہ ہوئے انداز میں قرب و جوار کے ماحول کو دیکھا۔

جھیل کی سطح خوب چمک رہی تھی۔ کچھ لوگ اب بھی رقص کر رہے تھے۔ اور زیادہ تو ایسے لوگوں کی تھی جو گھاس پر سورہ ہے تھے۔ ہماری مانند۔۔۔ اپنا بیڈ رومن سمجھ کر ۔۔۔ چنانچہ کوئی بات نہیں تھی۔

میں نے دوبارہ گینی کو دیکھا۔ تکلف کے تمام مرحلے ہو گئے تھے۔ اب کوئی کمزورگی تھی۔ لیکن اُسے بھی تو اس کا یہ انداز دیکھنے دیا جائے۔ چنانچہ میں سوتا بن گیا۔ مجھے یہ تھا کہ چمکدار سورج کی تیز کرنیں کسی کو زیادہ در نہیں سونے دیں گی۔ اور وہی ہوا۔۔۔ مگر آنکھ کھل گئی۔ اُس نے اس ماحول کو دیکھا، خود کو محسوس کیا اور ایک دم اٹھ گئی۔ میں نے نہ نہیں کی تھی۔ اُس نے آہستہ سے خود کو مجھ سے علیحدہ کیا۔

کچھ دیر خاموشی رہی۔ پھر اُس نے مجھے جگایا۔ ”مسٹر کین..... اُٹھنے! سورج نہیں ہے۔“

میں جاگ گیا۔ میں نے چند ساعت ادا کاری کی۔ اور پھر گہری سانس لے کر ”اوہ..... کیا میں واقعی سوگیا تھا میں گینی؟“

”گہری نہیں.....“

”اور آپ.....؟“

”اتفاق سے میں بھی سوگئی تھی۔ ابھی جاگی ہوں۔“ گینی نے کہا۔ لیکن اُس نے دوسری طرف کر لیا تھا۔ اور میں اُس کی وجہ سمجھ رہا تھا۔ لیکن میں نے اپنے ہونڈ مسکراہٹ روک لی تھی۔ میں گینی پر نہیں ظاہر ہونے دینا چاہتا تھا کہ میں اُسے اس، دیکھ چکا ہوں۔ البتہ گینی کے انداز میں جھینپا جھینپا ہیں موجود تھا۔ اور نہ جانے کیوں؟ مجھے دلکش محسوس ہوئی تھی۔

”کیا خیال ہے مسٹر کین..... اب چلا جائے؟“ اُس نے پوچھا۔

”کوئی خاص بات نہیں فلیکس! لیکن بہر صورت! ممکن ہے کہ میں اس کے بعد تم سے رابطہ قائم نہ کر سکوں۔ یہ ذمہ داری اب تم پر عائد ہوتی ہے کہ مجھے مس نہ کرنا۔ جیسے بھی ممکن ہو، پوری ذمہ داری کے ساتھ مجھ سے رابطہ قائم رکھنا۔ ورنہ تمہیں تلاش کرنا میرے لئے آسان نہ ہوگا۔“

”میں جانتا ہوں۔ لیکن تم، مجھے ایک بات بتاؤ! جب تم نے ان لوگوں پر یہ بات واضح کر دی ہے کہ تم فلیکس نہیں ہو اور فلیکس اور اس کے ساتھی تھہاری پشت پر ہیں تو پھر تم مجھے ان سے اتنا کیوں چھپاتے ہو؟ مطلب یہ ہے کہ تم کھلمن کھلا مجھ سے رابطہ قائم کر سکتے ہو۔“

”بالکل ٹھیک ہے فلیکس! لیکن بن..... میں نہیں چاہتا ہوں کہ اگر ان کے ذہن میں بد دیناتی آئے تو کسی طور وہ تم تک پہنچ سکیں۔ میں نے جب بھی تم تک آنے کی کوشش کی ہے، نہ جانے کتنے پھر لگائے ہیں اور نہ جانے کہاں کہاں سے ہوتا ہوا تم تک پہنچا ہوں۔ مقصد یہی تھا کہ تعاقب کا اندازہ ہو جائے اور یہ بات معلوم ہو جائے کہ ان کی نیت خراب تو نہیں ہے؟“

”خیرا یہ تو بڑی ذہانت کی بات ہے۔ اور یقیناً ایسا ہی ہونا چاہئے تھا۔ لیکن کیا اس دوران تم نے کوئی ایسی حرکت پائی، میرا مطلب ہے تعاقب وغیرہ ہوا؟“

”نہیں..... قطعی نہیں۔ اس بات سے دو چیزیں ظاہر ہوتی ہیں۔ اول تو یہ کہ ہم ان کے ارادے کے بارے میں جان سکتے ہیں۔ یعنی وہ بد دیناتی پر آمادہ نہیں ہیں۔ اور دوسرا بات یہ بھی سوچی جاسکتی ہے کہ ممکن ہے، وہ بہت ہی گہرائی میں پہنچنا چاہتے ہوں۔ لیکن کوئی فکری بات نہیں ہے۔ کوئی بھی صورت حال پیش آئے، ہم پوری طرح تیار ہیں۔“

”یقیناً.....!“، فلیکس نے جواب دیا۔

”بہر صورت! تھہاری جوڑیوٹی ہے، وہ میں نے تھہارے سپرد کر دی ہے۔ اور اب ہم کسی بھی وقت دو انشہ ہو سکتے ہیں۔ میرا خیال ہے تم، ہم پر نگاہ رکھو یا پھر روانہ ہونے سے قبل میں تمہیں فون کروں۔“

”بہت بہتر.....!“، فلیکس نے جواب دیا۔ کچھ مزید گفتگو کے بعد میں نے فون بند کر دیا۔ پھر میں اطمینان سے اپنے بستر پر لیٹ کر ان تمام معاملات کے بارے میں غور کرنے لگا۔

☆.....☆.....☆

”کیون بول رہا ہے۔“

”فلیکس.....؟“

”کیسے ہیں مرٹل فلیکس.....؟“
”بالکل ٹھیک۔“

”کوئی خاص بات.....؟“

”کل کھلیل مکمل ہو جائے گا..... بالکل مکمل..... اس کے بعد باقی تھہاری اٹا فلیکس نے جواب دیا۔

”خوب..... واقعی! جلدی کام ہو گیا۔ تم مطمئن ہو؟“
”پوری طرح۔“

”اور کوئی خاص بات.....؟“ میں نے پوچھا۔
”وہ کون تھی.....؟“، فلیکس کی آواز میں شوختی تھی۔

”کیا مطلب..... کس کی بات کر رہے ہو؟“
”جو ڈسٹرناٹ میں تھہاری ساتھی تھی۔“

”واہ..... خوشی ہوئی فلیکس! تم بھی موجود تھے؟“
”ہاں..... لیکن یہ امید نہیں تھی کہ تم بھی وہاں مل جاؤ گے۔“

”تھا تھے.....؟“ میں نے پوچھا۔

”نہیں..... اپنی ہم رقص کے ساتھ۔ تم سے تھوڑے فاصلے پر۔ لیکن اسی دائرہ جس میں تم اس امریکہ دویزہ کے ساتھ رقص کر رہے تھے۔“

”واقعی..... تجھب ہوا۔“ میں نے ہستے ہوئے کہا۔
”کون تھی وہ.....؟“

”گینی..... امریکی ملکہ خاص کی ایک زکن۔ میرے ساتھ ہی جائے گی۔“
”عدمہ تھی..... بہر حال! کوئی اُبھسن؟“

”ابھی تک بالکل نہیں۔“
”فون کہاں سے کر رہے ہو.....؟“

”یہیں سے..... لیکن صورت حال ٹھیک ہے۔“
”اس کے علاوہ کوئی خاص بات؟“، فلیکس نے پوچھا۔

”مزید آدمی بھی تھے جن کا تعارف، گینی نے مجھ سے کرایا تھا۔ اب تک وہ میرے لئے زیادہ ہے تدبیں تھے اور نہ ہی میں نے اُن کی جانب توجہ دی۔ گینی میرے ساتھ تھی اور قدم تقدم پر بھی راہ نہما۔ اُس لئے مجھے کسی اور کی فکر بھی نہیں تھی۔ راستے میں دو جگہ قیام کیا گیا۔ اس دران سے بڑی اپناستت کا شوت دیا تھا۔ یعنی دوسرے قیام کے دران ہم لوگوں کو دو دران سے بڑی اپناستت کا شوت دیا تھا۔ گینی نے ہوٹل میں دوڑوم بک کرائے۔

اب تک صورت حال میں کوئی پریشان کن کیفیت نہیں تھی۔ سارے معاملات میں اُس کے دوسرا ساتھ تھے اور دوسرے میں وہ میرے ساتھ تھی۔ میں نے طور پر چل رہے تھے۔ فلیکس نے اپنے انتظام کرہی لئے تھے اس لئے وقت کی کوئی بادی موجود کیا کہ گینی کے اُن ساتھیوں نے گینی کے میرے ساتھ قیام کو اچھی نگاہ سے نہیں تھی۔ اور یوں لگتا تھا جیسے یہ معاملات اب پر سکون طور پر انجام پا جائیں گے۔

”بیکھاتا۔ لیکن گینی نے کسی چیز کی پرواہ نہیں کی۔ وہ نہایت اپناستت کے ساتھ مجھ سے گفتگو دوسرے دن میں نے مسٹر ڈونالڈ سے روائی کے بارے میں آمادگی کا اظہار کردا۔ کرنی تھی۔ اور ہر لمحے میرے ساتھ رہی تھی۔ یہاں تک کہ ہم واشنگٹن پہنچ گئے۔۔۔۔۔ مسٹر ڈونالڈ بہت خوش ہوئے تھے۔ پھر انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”میرا نیلا۔ اس دران، میں اپنے مضبوط اعصاب سے کام لے کر ہر قسم کے انتشار سے دور رہا تھا۔ آپ کی گفتگو مسٹر فلیکس سے ہو چکی ہے۔“

”جی ہاں مسٹر ڈونالڈ! اس دران مسٹر فلیکس اور اُن کے ساتھی واشنگٹن رواں اپنی بھارت سے میرا تعاقب کر رہا تھا تو ذرا سکون ہو جاتا۔ لیکن اس پورے سفر کے تیاریوں میں مصروف ہیں۔ میرا خیال ہے، اُن کی تیاریاں مکمل ہو چکی ہیں۔ اپنہاں دران مجھے فلیکس کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں مل تھی۔“

اپنے کچھ نمائندے واشنگٹن روانہ کردیے ہیں۔ یہ لوگ وہ ہوں گے، جو ہمارا تعاقب واشنگٹن ایز پورٹ پر جیسا کہ مسٹر ڈونالڈ نے بتایا تھا، ہمارا استقبال ایک پوری ٹیم نے کیا۔ اس ٹیم میں نہایت ہی اہم ترین لوگ تھے۔ اور سب ہی نے پر ٹپاک انداز میں میرا خیر گے۔“

”اوہ..... بہت ہی ذہانت سے کام ہو رہا ہے۔ مجھے اس میں کوئی اعتراض نہیں ہے۔ قدم کیا تھا۔ پھر ہمیں ایک لمبی کار میں بٹھا کر سر کاری مہمان خانے میں لے جایا گیا۔ گویا اب، جب آپ نے آمادگی کا اظہار کر دیا ہے تو پرسوں تک میں بھی آپ کی روائی کے۔ انہوں نے مجھے پورے پورے اعزاز کے ساتھ اپنے ملک میں خوش آمدید کہا تھا۔ اور یہاں تیاریاں مکمل کر دوں گا۔ حکومت امریکہ کو آپ کی آمد کی اطلاع پہلے ہی دے دیں گے۔ کم کم صورت حال ٹھیک تھی۔ گینی سے چونکہ میں بہت زیادہ بے تکلف ہو گیا تھا۔ اور شاید اور آپ کا وہاں بہترین استقبال ہوگا۔“

میں نے مسٹر ڈونالڈ کا شکریہ ادا کیا۔ اور باقی دن حسب معمول گینی کے ساتھ لگانے کا کام کیا تھا۔ اور میری قیام گاہ میں جو کہ ایک انتہائی خوبصورت کرے پر مشتمل تھی، گینی اُس رات کے بعد سے زیادہ ہی بے تکلف ہو گئی تھی۔ اور بہر صورت! مجھے اُس کی بھرپوری میرے سامنے آگئی۔

گراں ٹھیں گزرتی تھی۔ بہترین ساتھی تھی۔ عده باتیں کر لیا کرتی تھی۔ اس کی اپنی بارے میں بتاؤ۔“ تو یہیں کہیں..... اُس نے میرے سامنے بیٹھتے ہوئے کہا۔ ”تم مجھے اپنی ذہنی حالت یہ ہے کہ ذہین تھی اور دنیا کے ہر موضوع پر با آسانی بات کر لیا کرتی تھی۔ اس کی اپنی بارے میں بتاؤ۔“

”کام طلب گئی.....؟“ میں نے سوال کیا۔

”کام طلب کیا.....؟“ میں اس کے بارے میں نہ میں نے معلوم کیا، نہ اُس نے مجھے بتانے کی کوشش۔“

”کام طلب کیا.....؟“ میں نے سوال کیا۔

”کام طلب کیا.....؟“ میں اس کے لئے بے چین تھا۔

”کام طلب کیا.....؟“ میں نے سوال کیا۔

”کام طلب کیا.....؟“ میں اس کے ساتھ نہیں بہ جاتی، جتنی میرے اور تمہارے درمیان پیدا ہو گئی ہے۔ میری خوش قسمتی ہے کہ سارے معاملات طے پا گئے اور ہم نے امریکہ کا سفر شروع کر دیا۔ میرے ساتھ نہیں بہ جاتی، جتنی میرے اور تمہارے درمیان پیدا ہو گئی ہے۔ میری خوش قسمتی ہے کہ

یہاں بھی میں تمہاری میزبان ہوں۔ اور اس کی درخواست میں نے ہی ان سے کی تھی: کی مجھے اجازت مل گئی۔ چنانچہ تم میری کسی بات کو مشتبہ مت سمجھنا۔ بلکہ اسے صرف دوستہ انداز سمجھنا۔“

”لٹھیک ہے گئی! بہتر یہ ہے کہم اس سلسلے میں میری معاونت کرو۔ اور جس قدر جلد

ملکن ہو سکے، سو دے کی بات چیت کا اہتمام کرلو۔“

”لیتھیا..... یقیناً.....“ گئی نے کہا۔ اور چند ساعت وہ مجھے عجیب سی نگاہوں سے دیکھتی رہی۔ ان نگاہوں کا مفہوم فی الوقت میری سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ لیکن دوسرے لمحے، گئی سنبلہ لگا۔ ”لٹھیک ہے کیم! میں فوری طور پر اس کے لئے اعلیٰ افسران سے گفتگو کروں گی۔ اب تمہاری قیمت کرو۔ ظاہر ہے، ایک مہماں کی حیثیت سے تمہاری ساری ضروریات کا خیال رکھا تریاں قیمت کرو۔ میں بھی چونکہ تمہاری میزبان ہوں۔ اس لئے تھوڑی دیر کے لئے اگر کہیں چلی جائیں تو چلی جاؤں۔ ورنہ عام طور پر تمہارے ساتھ رہوں گی۔ اجازت.....؟“ اس نے کہا اور میں نے گردہ ہلا دی۔

”لیتھی چلی گئی تھی۔ اُس کے جانے کے بعد میں نے اپنی رہائش گاہ کا جائزہ لیا۔ بلاشبہ! ایک سین ترین جگہ تھی۔ عمارت کا اور پری حصہ جہاں سے دور دور تک کے خوبصورت مناظر زیادتی نہ ہو۔ ظاہر ہے، یہ تمہارا طعن ہے۔ میں تمہارے خلاف کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ لیکن جیسے لوگ جب کوئی کارروائی کرنے کے لئے میدان میں آتے ہیں تو پھر اس کے لئے طرح سے اپنے آپ کو تیار کر لیتے ہیں۔ اس کے باوجود ہم اگر کہیں فیل ہو جائیں تو انہیں کوئی اور ترکیب نہیں کی جاسکتی۔ ہمیں تمہارے ہاتھ ایک اہم راز فروخت کرنا ہے۔ ہمارا سودا ہو جاتا ہے اور ان شرائط پر ہو جاتا ہے: جو تمہارے لئے تکلیف ہے نہ ہوں گے، تمہیں بھی اس سے کیا فائدہ ہو گا کہ ہمارے خلاف سازشیں کرو۔ اگر ہمارا سونامی ہے، تمہیں بھی اس سے کیا فائدہ ہو گا کہ ہمارے خلاف سازشیں کرو۔“

”دو بہر کو تقریباً بارہ بجے ٹیلی فون کی گھنٹی بجی اور میں نے چوک کر ٹیلی فون کی جانب نکلا۔ میکن ہے، یہ فون کسی اور کے لئے ہو۔ لیکن دیکھنا تو چاہئے..... میں نے ریسیور اٹھا لیا۔

”یہلو!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔
”لیتھی!“

”مسٹر کیم بول رہے ہیں.....؟“ آواز مردانہ تھی۔

”میں بال..... میں کیم بول رہا ہوں۔“

”ٹھیک ہے گئی! میں جانتا ہوں۔“ میں نے اعتماد کے ساتھ کہا۔

”کیا تم اس سلسلے میں اُبھے ہوئے نہیں ہو؟ کیا تمہارے ذہن میں یہ خیالات نہیں کیں! کہ ہم لوگ تمہارے ساتھ بد دیانتی بھی کر سکتے ہیں۔ اور پھر یہ امر یکہ ہے۔ ملک..... ہمارا طعن۔ یہاں ہم ہر طرح سے ہر قسم کی کارروائی کرنے کے لئے آزاد ہیں۔ پھر پلیز! مجھے بتاؤ کہ تمہارے ذہن میں کوئی ایسا خیال تو نہیں ہے کہ ہم تمہارے ساتھ سازش یا کوئی ایسا سلوک کریں گے، جو بظاہر تمہارے لئے ناپسندیدہ ہو؟“

”لیتھی کے اس سوال پر میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ میں نے نہایت زم لہی کہا۔ ”لیتھی! بلاشبہ، ہر انسان کے ذہن میں یہ احساس ایک فطری حیثیت رکھتا ہے۔ میں خوف زدہ ہوں اور یہ تصور میرے ذہن میں ہے کہ میرے ساتھ کوئی ایسا سلوک نہیں زیادتی نہ ہو۔ ظاہر ہے، یہ تمہارا طعن ہے۔ میں تمہارے خلاف کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ لیکن جیسے لوگ جب کوئی کارروائی کرنے کے لئے میدان میں آتے ہیں تو پھر اس کے لئے لئے کوئی اور ترکیب نہیں کی جاسکتی۔ ہمیں تمہارے ہاتھ ایک اہم راز فروخت کرنا ہے۔ ہمارا سودا ہو جاتا ہے اور ان شرائط پر ہو جاتا ہے: جو تمہارے لئے تکلیف ہے نہ ہوں گے، تمہیں بھی اس سے کیا فائدہ ہو گا کہ ہمارے خلاف سازشیں کرو۔ اگر ہمارا سونامی ہے، تمہیں بھی اس سے کیا فائدہ ہو گا کہ ہمارے خلاف سازشیں کرو۔“

”اوہ سازش ہوتی ہے تب بھی تم ہمیں اتنا کمزور نہ سمجھو! کہ ہم کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ یہ بدنیا بات ہے کہ کم از کم تم وہ راز نہیں حاصل کر سکتیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہ تم مجھے جیل ملدا دو گی۔ لیکن میرے تمام ساتھیوں کے ساتھ یہ سلوک نہیں ہو سکتا۔ تم بھروسہوت! اپنی.....“

”میں ناکام رہو گی۔ دیکھو! میں بے تکلفی سے یہ گفتگو کر رہا ہوں۔ اس سے کوئی برائی کرنا۔“ میں نے کہا۔

”لیتھی مسکرانے لگی۔ پھر بولی۔“ سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ ظاہر ہے، میں بھی تم سے اچھا سوال کر رہی ہوں؟ اپنے وطن میں لا کر میں تھمہیں ایسے ہمکی آمیز الفاظ سناری.....“

”مگر میر صرف یہ کہنا چاہتی ہوں کہ تم یقین کرو! ایک مخصوص دوست کی حیثیت سے“

”براؤ کرم! مسٹر فلیکس سے لگنگو بکھجئے۔“ آپ پیر نے کہا اور میرے بدن میں سرخ رنگ بیٹھا۔ پہنچدہ ہمارے لوگوں کا خیال تھا کہ تم خود ہی فلیکس ہو،“ گینی نے کہا اور میں مسکرانے دوڑ گئی۔ فلیکس نے نہایت دلیری اور ذہانت سے کام لیا تھا۔ بہر صورت! میں خوش بھروسہ تھا۔ آپ کہاں میں کام کر رہا تھا۔“ میں نے کہا اور گینی اور دوسرے لمحے فلیکس کی آواز سنائی دی۔

”آم از کم! میں، تم سے جھوٹ نہیں بولوں گا لینی! یہ میرا وعدہ ہے۔“ میں نے کہا اور لینی
نہیں بولوں سے مجھے دیکھنے لگی جو میں نے ایک بار پہلے بھی محسوس کی تھیں۔ لیکن اس نے
کہ نہیں کہا تھا۔

اُن سے زیادہ پڑھیں۔
 رات کو نو بجے پھر فلیکس کا فون ملا۔ اور میں نے اُسے مختصر اسپ کچھ بتا دیا۔ میں نے اُن سے کہا کہ شاید آج رات گفتگو ہو۔ فلیکس نے مجھ سے دوبارہ فون کا وقت طے کر لیا تھا۔ اور اُس رات ڈریبل پر تقریباً آٹھ افراد موجود تھے اور انہوں نے میرے اعزاز ہی میں یہ بڑی تباہی سب کے سب مختلف امریکی حکوموں سے تعقیل رکھتے تھے۔ اور یہ محکمے مخصوص تھے۔ اور جو لوگ اس میں شامل تھے، وہ ایسے تھے، جنہیں مجھ سے اس سلسلے میں گفتگو کرنا تھی۔ اور گفتگو کا تین تو میں فلیکس سے کہی چکا تھا۔ چنانچہ ڈزر کے بعد ہم اُس کمرے میں پہنچ گئے، جہاں وونے کی گفتگو کا آغاز ہونا تھا۔ پھر ان میں سے ایک شخص نے مجھ سے اپنا تعارف کرتے ہوئے کہا کہ میں اس مینٹگ میں سربراہ کی حیثیت رکھتا ہوں۔ اور ہم لوگ جو گفتگو کریں گے، میں اسی آواز میں اُنیٰ حکومت کی یورپی نمائندگی کروں گا۔“

”بہتر جا ب..... میں آپ کی اس حیثیت کو تسلیم کرتا ہوں۔“ میں نے جواب دیا۔
 ”تو سب سے پہلے مسٹر کین! میری طرف سے جو سوال ہے، وہ یہ ہے کہ آپ یعنی مسٹر
 نلکیکس کے نمائندے کی حیثیت سے کیا اس راز کی نوعیت اور اہمیت سے واقف ہیں جسے آپ
 فروخت کرنا چاہتے ہیں.....؟“
 ”تم ہاں..... مکمل طور پر۔“
 ”خوب..... تو براو کرم! کیا آپ ان لوگوں کی تعداد بتائیں گے جو اس راز میں شریک
 ہیں؟“

”جی نہیں.....ابھی نہیں۔“ میں نے جواب دیا۔
 ”تھا سبلیکن کیا مسٹر کہیں! آپ اس ذمہ داری کو تسلیم کریں گے کہ اگر ہمارا اور
 اپنا ہوا بوجائے تو اس کے بعد آپ ہمیں ان تمام لوگوں سے روشناس کراؤ گے جو
 ارزاز کو جانتے ہیں۔ آپ یوں بھی سمجھ لجئے! کہ اس سوال میں ہماری ایک خاص اُبھمن
 پانی پڑھوئے۔“

”براہ کرم! مسٹر فلیکس سے گفتگو کیجئے۔“ آپ پریٹر
دوڑ گئی۔ فلیکس نے نہایت دلیری اور ذہانت سے کام
اور دوسرے لمحے فلیکس کی آواز سنائی دی۔
”ہملا کیں.....!“

”ہیلو فلیکس! میں کیم بول رہا ہوں۔ کے ہو؟“

”الکٹاٹھک..... تمہاری آواز کرنے کے بعد خوش ہوئے۔“ فلیکس - نرکما

”کا خیال تھا تمہارا؟“

”ونڈرفل..... تم واقعی ذہن آدمی ہو فلیکس! کسی قسم کی دقت تو نہیں ہوئی.....؟“

وَنَهْرٌ وَنَالٌ وَبَحْرٌ امْلَأَ بِذَاهِنِكَ لِكَافِي عَصْتِكَ نَنْجُوكَ كَنْجَاتِكَ اسْمَ

یہ..... ہر ہے س. یہ دیا یہں مارے

بلا سبہ میں کے ہے ہوئے جواب دیا۔
فلم

اور پھر ہم لوک رئی لبٹنول رتے رہے۔ میں

ع ہو رہی ہیں تو میں نے جواب دیا کہ شاید

وں گا۔

”میں تمہیں آج چارت کونو سچھ فراز کر دا لگا تم مس انتظار کرنا۔“

”میر کے فلکیسے لائق اتنے کنال اس سے“

ھیک ہے۔ اس! بائی بایں ہمابے عواد یں

" بلاشبہ بلاشبہ " یس لے ہستے ہو

میں بھی ریسیور رکھ کر دوبارہ اپنی جگہ آگئا۔ اور

پہنچ گئی۔ اُس نے لباس تبدیل کر لیا تھا۔

و تمہر عجس سا محسوس ہو رہا ہو گا۔ لیکن میر

عمر بن عبد الله

رجبی ہوں۔ یہ سے ہمارا سعد اور ہمارا بیانیں

لہ ساید ان، ہی رات اس متنے میں مسٹو ہوئی۔

”میں تمہارا سلسلہ لزار ہوں یعنی! دراصل میں بھی

کے بعد سکون سے وقت گزارا جائے۔“ میں ۔

گینی خاموش ہو گئی۔ پھر چونک کر اُس نے یوج

”..... تمہیر معلوم ہو گیا ہو گا۔“

”اے آنڈھی نتھا تھا انہوں نے

لے اور جزیرے پر اپنی کارروائیاں عمل میں لانے کے لئے ہمیں کچھ رقم بھی درکار ہوگی۔ اور تم اتنی بھوگی کہ ہم اس جزیرے کو اپنی مرضی کے مطابق تیار کر سکیں۔ ہم جزیرے پر غیر ملکی لوگوں کو نہیں لائیں گے۔ یا اگر ہم کسی کو یہاں تک لائے تو اس کے لئے آپ کی حکومت کی باقاعدہ اجازت ضروری ہوگی۔ کسی بھی شخص کو اگر آپ کی حکومت ناپسند کرے گی تو ہم اس شخص کو اس جزیرے پر رکھنے کے مجاز نہیں ہوں گے۔ ان ساری باتوں کا اب لباب یہ ہے کہ یہ جزیرہ کسی طور آپ کی حکومت کے لئے تکمیل وہ نہیں ہو گا۔ اور ہم اپنے طور پر حکومت کے ہر تعاون کریں گے۔

میری اس گفتگو پر سناتا چھا گیا تھا۔ تمام لوگ تھیرانہ نظروں سے مجھے دیکھ رہے تھے۔ اتنی بڑی سودے بے بازی کا انہیں وہم و مگان بھی نہیں تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں کئے تھے کہ کسی راز کی اتنی بھی قیمت ہو سکتی ہے۔ ساری آنکھیں تجуб سے سکڑی ہوئی تھیں۔ اور میں مطمئن نگاہوں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔

”کیا آپ کو احساس ہے جناب! کہ دنیا میں کوئی فوجی یا غیر فوجی راز اتنی عظیم شرائط پر خریدایا فروخت کیا گیا ہو؟“

”جی ہاں..... مجھے علم ہے کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ لیکن یہ راز، جس سے میں واقف ہوں، اتنا یہ قسمی اور اہم ہے کہ اس کے آگے یہ قیمت کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔“

”بہر صورت! ہمیں اجازت دی گئی تو آپ اس سلسلے میں جو بھی طلب کریں، آپ سے وعدہ کر لیا جائے گا۔ اور آپ کو پوری طرح مطمئن کر دیا جائے گا۔ لیکن جو کچھ آپ نے طلب کیا ہے جناب! وہ تو شاید ہمارے حکام کے تصور میں بھی نہیں تھا۔ چنانچہ اس میمنگ میں، میں یہ قیمت طے نہ کر سکوں گا۔ میں اس سلسلے میں وزیر داخلہ سے بات چیت کروں گا اور دوسری نشست، آپ کی وزیر داخلہ کے ساتھ ہی رہے گی۔ اس کے لئے ہمیں کل کا دن اور غایبت فرمائیں۔“

”جیسا آپ مناسب سمجھیں۔“ میں نے جواب دیا اور اس کے ساتھ ہی یہ کارروائی ختم ہو گئی۔

نشست برخاست ہونے کے بعد وہ لوگ بھی چلے گئے۔ اور میں اپنی رہائش گاہ میں واپس آگیا۔ یہاں گئنی ایک کری پیٹھی کسی کتاب کی ورق گردانی میں مصروف تھی۔ اس کے جنم پر ایک حسین لباس تھا اور جس انداز میں وہ بیٹھی ہوئی تھی، پچھے زیادہ ہی حسین لگ رہی

”میں سمجھ رہا ہوں جناب! اور میرا خیال ہے، سارے معاملات خوش اسلوب سے ہونے کے بعد میں اس سلسلے میں آپ سے کوئی بات نہیں چھپاؤں گا۔“

”شکر یہ..... ہم یہی چاہتے ہیں۔ دراصل! آپ یوں سمجھیں! کہ ہم اس راز کی قیمت پر خریدیں گے، یعنی ہر وہ قیمت جو آپ طلب کریں گے۔ تو پھر ہم یہ بات غرضے کے کم از کم! اس وقت تک، جب تک ہم اس سے خود روشناس نہ ہو جائیں،“

ہماری نگاہوں سے اوچھل نہ ہوں۔ تاکہ ہم اس خطرے کو ہن سے ہٹا سکیں کہ پہلا دوسرے کو بھی معلوم ہو جائے گا۔“

”میں، آپ کو اس بات کا یقین دلاتا ہوں کہ ہم لوگ یعنی میں اور میرے راجح طرح آپ سے تعاون کریں گے اور کسی موقع پر یہ احساس آپ کو نہیں ہونے دیں۔“

ہماری طرف سے عدم تعاون ہوا۔ ”میں نے کہا۔

”بہت بہت شکر یہ مشرکین! یہ سب سے پہلا اور اہم سوال تھا۔ اس کے بعد کوئی ایسی نہیں رہ جاتی، جس میں آپ کے اور ہمارے درمیان اختلاف پیدا ہو۔“ سربراہ اور پھر ایک دوسرا شخص کہنے لگا۔ ”آپ اس سلسلے میں قیمت کا کیا یقین رکھتے ہیں؟“

میں نے چند ساعت سوچا۔ اور پھر بھاری لمحے میں کہا۔ ”بات دراصل! یہ یہ ہے کہ میں، میرے ساتھی اور مشرکین اور ہمارے دوسرے ساتھی کسی ایک ملک سے ثبوت رکھتے۔ یہ راز جو ہم نے حاصل کیا ہے، بے شک ہماری زندگی میں ایک سانگ میں کیا ہے۔ اور ہم یہیں سے اپنے مشتمل کا آغاز کرنا چاہتے ہیں۔ ہم کیا کریں گے، الیکٹریسیٹی اور اگر آپ نے ہم سے تعاون کیا تو ہم، آپ کو علم نہیں دے گے۔ لیکن اس راز کی قیمت کے طور پر ہم، آپ سے آپ کے ملک میں کوئی ایک بدلہ کرتے ہیں، جہاں ہماری حیثیت مطلق العنان کی ہی ہو۔ اور ہم اپنے طور پر دہاں سے کرنے کے لئے آزاد ہوں۔ کم از کم اس کے لئے ہمیں ایک طویل رقبہ درکار ہو گا، جو جزیرے پر مشتمل ہو تو بہتر ہے۔ ہم اس جزیرے پر کوئی ایسی کارروائی نہیں کریں گے۔

پر آپ کی حکومت کو اعتراض ہو۔ اور اس کے لئے ہم، ہر وقت آپ کی حکومت کو جواب دے گے۔ یعنی اگر کبھی آپ کی حکومت کو احساس ہو کہ ہماری کوئی کارروائی، اس کے لئے تو وہ فوری طور پر اس کارروائی کو ختم کرنے کا حق رکھتی ہے۔ اور ہم حکومت کے لوگوں کو کسی بھی وقت داخل ہونے سے نہیں روکیں گے۔ اس کے علاوہ زندگی لزار

ہے آپ کا کیا تعلق؟ ہاں! یہ بتائیے، کیا گفتگو ہوئی آپ کی؟ ”اس نے عجیب سے انداز میں ستراتے ہوئے کہا۔ اس دوران اس نے اپنے چہرے اور انداز میں تبدیلی پیدا کرنے کی کوشش کی۔ لیکن میں اس کی کیفیت پر غور کر رہا تھا۔

تب میں اس کے نزدیک پہنچ کر بولا۔ ”آپ بات کوٹالے کی کوشش کر رہی ہیں مسٹر کین!

”میں کھڑی ہو گئی۔ ”نبیس کیا! خود کوٹال رہی ہوں۔“ وہ پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ دیل۔ اور پھر میرے ہاتھوں کی بلکل سی گرفت پر میرے سینے سے آگئی۔ ”ہر انسان زندگی میں یک بار ضرور ہار جاتا ہے۔“ وہ میرے سینے سے گئی گئی بولی۔ اور یہ کھلا ہوا اظہارِ عشق تھا۔ لیکن میں عشق کے اس انداز سے متاثر تو نہیں ہو سکتا تھا، جس کی وہ خواہش مند تھی۔ بہر صورت! میں نے اس کی پذیری اُنی کی اور اُسے اپنے سینے سے پہنچ لیا۔ ”اگر یہ بات ہے گئی تو پھر آپ، میری مدد کریں۔“ میں نے اس کے بالوں کو سہلاتے ہوئے کہا۔

”کیسی مدد؟“ وہ میرے سینے میں چورہ چھپائے چھپائے بولی۔

”میں نے ان لوگوں سے جو کچھ طلب کیا ہے، اس سے کم پر میں ان لوگوں سے سودا کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ اور اگر ان لوگوں نے یہ بات قبول نہیں کی تو پھر مجھے یہاں سے فرار ہونا پڑے گا۔“

”کیا مانگا ہے تم نے ان سے؟“

”امریکی شہریت، ایک ذور دراز علاقے میں جزیرہ اور اس جزیرے کو انسانی رہائش اور اپنی ضروریات کے لئے تیار کرنے کے لئے دولت۔ ایک بہت بڑی رقم۔“ میں نے جواب دیا اور گئی نے اپنا سر، میرے سینے سے ہٹالیا۔ اس نے متھر انگلیوں سے مجھے دیکھا اور پھر عجیب سے لبھے میں بولی۔

”اوہ..... اتنا بڑا معاوضہ کیا! کیا دنیا کی تاریخ میں کسی چھوٹے سے راز کا اتنا بڑا معاوضہ طلب کیا گیا ہے؟“

”شاہید نہیں گئی! لیکن میں اس راز کی قیمت جانتا ہوں۔ اور اگر امریکی شہریت اس راز کو خریدنے پر آمادہ ہو جائے تو ٹھیک ہے۔ ورنہ پھر ہمارے اور ان کے درمیان تعلقات اچھے نہیں رہیں گے۔ ظاہر ہے، وہ مجھ سے ہر قیمت پر یہ راز حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔ اور میں اپنے طور پر اپنا دفاع کروں گا۔“

تھی۔ میں دروازے میں ٹھہر کر اسے دیکھنے لگا۔ اُسے میری آمد کی خبر نہیں ہوئی تھی۔ لیکن جب میں آگے بڑھا تو اس نے شاید میرے قدموں کی چاپ سن لی اور مسکراتی ہوئی کھڑی ہو گئی۔

”اوہ..... آئیے مسٹر کین! میں آپ کی غیر موجودگی میں آپ کے کمرے میں آگئی۔ آپ کونا گوارتو نہیں گزارا؟“

”خوب..... اس کا مطلب ہے کہ اتنی بے تکلفی ہونے کے باوجود آپ، اپنے ذہن میں تکلفات رکھتی ہیں۔“

”نبیس..... نہیں..... یہ بات نہیں۔ بس! میں کسی قدر بے چین تھی۔“ گئی نے جواب دیا۔

”کیوں.....؟“ میں نے سوال یہ نظر دو سے اُسے دیکھا۔

”بل..... یونہی مسٹر کین! نہ جانے کیوں، آج طبیعت پر کچھ اضحمال سا ہے۔ یعنی اوقات آدمی عجیب سی کیفیات کا شکار ہو جاتا ہے۔ حالانکہ میں عملی زندگی میں بولی اور ایک طویل عرصہ گزار پکی ہوں۔ اس دوران نہ جانے کیا کچھ کرنا پڑا ہے؟ اور کیا کیا کرتی رہی ہوں؟ لیکن پہلی بار میرا ذہن پَخاً ایسکی اجھنوں کا شکار ہوا ہے، جنہوں نے مجھ پر اضحمال طاری کر دیا ہے۔“

”تشریف رکھنے میں گئی! اگر آپ پسند کریں تو ایک دوست کی حیثیت سے مجھ بتائیں۔ کیا اجھوں ہے آپ کو؟“ میں نے کہا اور گئی عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی، پھر بولی۔ ”مسٹر کین! یہ سوداً مکمل ہو جائے گا۔ اور آپ یہاں سے چلے جائیں گے۔ ظاہر ہے، آپ تو اسی مقصد کے تحت یہاں آئے ہیں۔ اور پھر کون کہہ سکتا ہے کہ زندگی کے کسی حصے میں ہماری اور آپ کی ملاقات ہو یا نہیں؟“ وہ بکھرے بکھرے لبھے میں بولی اور میں اُسے بخور دیکھنے لگا۔ میرے ہوتوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

”میں گئی! آپ کیا چاہتی ہیں؟ کیا آپ کو میری رفاقت پسند آئی ہے؟“ میں نے پوچھا۔

”بڑا بکا سوال کیا ہے آپ نے۔ جہاں دل اُداس ہو جائیں، وہاں صرف اس معمولی کی پسند کی بات کرتے ہیں آپ۔ میں خود اس کیفیت سے شرمند ہوں۔ اس سے پہلے میں نے بھی اس انداز میں نہیں سوچا تھا۔ بہرحال! جانے دیں ان باتوں کو۔ میری حماقت ہے، ان-

”خدا کرے، اس کی نوبت ن آئے۔ لیکن تم..... تم اس جزیرے کا کیا کرو گے؟“، گینی
نے پوچھا۔
ہے انھیل ہو جانے والوں کا شناختی نشان ہوتی تھی۔ یہ لڑکی سیکرٹ پیلس کے عظیم ترین
ہر کوئی کی گرفتاری میں تربیت پا چکی تھی۔ اور ایک ایسی لڑکی کو بلاشبہ! جس قدر اعلیٰ صلاحیتوں
پر کوئی کہا جائے کم ہے۔ لیکن اب میں اس کی طرف سے مشکوک ہو گیا تھا۔

ہم الک کہا جائے کم ہے۔ اور اس قربت کا انھما اور یہ گزری ہوئی رات، کسی سازش کا نتیجہ ہے؟ وہ کیا چاہتی
کیا اس قربت کا انھما اور بھی سوچی جاسکتی تھی۔ ممکن ہے، وہ ابتداء ہی سے حکومت امریکہ کی
بے اچھا ایک اور بات بھی سوچی جاسکتی تھی۔ ممکن ہے، وہ ابتداء ہی سے کو شش کر رہی ہو۔ دوسرا بات یہ
کہنے سے میرے پچھے ہوا اور فلیکس کا پتہ معلوم کرنے کی کوشش کر رہی ہو۔ دوسرا بات یہ
کہنے پر کوئی تھی کہ وہ دولت، جو اس راز کے بدالے مجھے حاصل ہو گی، ممکن ہے وہ گینی کے لئے
کچھ بچپنی ہو۔ میں خود، جو کچھ تھا، گینی کسی بھی طور مجھے سے کم نہیں تھی۔

باعث دچھپنی ہے! ہم لوگ اپنے انداز میں رہائش اختیار کریں گے۔ اور یہ ساری باتیں تو
سیکرت پیلس میں تربیت پانے والے کسی بھی شخص کے بارے میں اگر کوئی شخص یہ دعویٰ
کرے کہ وہ اس کی تمام نظرت اور خصیت سے واقف ہے تو اس سے زیادہ حماقت کی بات
اور کوئی نہیں ہو سکتی تھی۔ چنانچہ میں فوراً احتیاط ہو گیا۔ گینی پر بھروسہ کرنا سب سے بڑی بے
بھروسہ تھا! جہاں تک تم نے مدد کی بات کی ہے، میں ہر ممکن کوشش کروں گی کہ حکومت
امریکہ کے سرکردہ لوگوں کو اس بات کے لئے تیار کر سکوں کہ وہ تم سے معاملہ طے کر لیں۔“
”ٹھیک ہے گینی! یہ تو سب بعد کی باتیں ہیں۔ میں نے اپنی تجویز اور طلب اُن کے
سامنے پیش کر دی۔ اور انہوں نے کل جواب دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ تم میٹھو! باتیں کریں
گے۔“

”میٹھو گینی.....!“ میں نے بھی مسکراتے ہوئے کہا اور وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ اُس نے
”اُنہیں باخھ میرے سینے پر رکھے اور بیخوں کے بل اچک کر میری پیشانی چوم لی۔ میں نے بھی
اُس کی کمر میں دونوں ہاتھ ڈال دیئے۔ چند ساعت کے بعد میں نے اپنا لباس درست کر لیا۔ اور اس وقت میں نہیں تھا
بُجھنی کی آنکھ کھلی۔ باخھ زوم سے باہر آیا تو گینی میرا انتظار کر رہی تھی۔ مجھے دیکھ کر اُس کی
آنکھوں میں ایک محبت ہھری مسکراہٹ پھیل گئی۔

”میٹھو! گینی.....!“

”میٹھو گینی.....!“ میں نے بھی مسکراتے ہوئے پر رکھے اور بیخوں کے بل اچک کر میری پیشانی چوم لی۔ میں نے بھی
اُس کی کمر میں دونوں ہاتھ ڈال دیئے۔ چند ساعت کے بعد گینی مجھ سے جدا ہو کر باخھ
زوم میں طلائی کی اور لباس پہن کر نکل آئی۔

”میرا خانیل ہے کین! میں ناشتہ دیکھ لیوں۔ میں ابھی آئی۔“ گینی باہر چل گئی۔ میں اس
ٹھیک دغدغہ اتفاق پر جیران تھا۔ بار بار گینی کی شکل، میری نگاہوں میں آجائی۔ وہ ایک
خوبصورت لڑکی تھی۔ مگر اُس کے چہرے پر وہ مخصوص انداز موجود تھا، جس کی بناء
پر ابتداء ہی میں نے اُسے ایک تیز اور چالاک لڑکی سمجھا تھا۔ لیکن بعد میں اُس کی
خوبصورت میں ایک دم تبدیلی سی پیدا ہو گئی تھی۔ اور اس کے تحت میں نے سوچا تھا کہ عورت
اُن تینیں کیوں نہ ہو، عورت ہی رہتی ہے۔ لیکن اب یہ عورت جو اس قدر معصوم نظر
اُن تینیں، جو کچھ تاثبات ہوئی تھی، اس پر میں جیران رہ گیا تھا۔ ویریکٹ میں ایک صونے پر دراز

”خدا کرے، اس کی نوبت ن آئے۔ لیکن تم..... تم اس جزیرے کا کیا کرو گے؟“، گینی

کی امانت ہے۔ اور اس راز کی اس قیمت کا تعین خود فلیکس نے ہی کیا ہے۔ فلیکس آپ
لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ ہے۔ اور میں دعویٰ کرتا ہوں کہ آپ کسی بھی صورت اس پر
ہاتھ نہیں ڈال سکتے۔“

”میری بات درمیان میں مت کرو کین! میں تو خود اب ایک فریق بن کر رہ گئی ہوں۔ تم
یہ بتاؤ! کہ اس جزیرے پر کیا ہو گا؟ تمہارا اس سلسلے میں کیا پروگرام ہے؟“ گینی نے پوچھا۔

”کچھ نہیں گینی! ہم لوگ اپنے انداز میں رہائش اختیار کریں گے۔ اور یہ ساری باتیں تو
جزیرہ میں پر ہی طے ہوں گی گی کہ اس جزیرے کی نوعیت کیا ہو گی؟“

”اوہ..... گینی نے گردن جھکاتے ہوئے کہا۔ ”واقعی بڑا ہی عجیب و غریب معاملہ ہے۔
بھروسہ! جہاں تک تم نے مدد کی بات کی ہے، میں ہر ممکن کوشش کروں گی کہ حکومت

امریکہ کے سرکردہ لوگوں کو اس بات کے لئے تیار کر سکوں کہ وہ تم سے معاملہ طے کر لیں۔“

”ٹھیک ہے گینی! یہ تو سب بعد کی باتیں ہیں۔ میں نے اپنی تجویز اور طلب اُن کے
سامنے پیش کر دی۔ اور انہوں نے کل جواب دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ تم میٹھو! باتیں کریں
گے۔“

اور پھر ہم دونوں نہ جانے کہاں کہاں کی باتیں کرتے رہے۔ گینی جس قدر کھل گئی تھی،
اس کے بعد یہ اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ وہ ہر لحاظ سے میری قربت کی خواہش مند ہے۔ اور
میں نے اُس کی طور مابیوس نہیں کیا۔ وہ رات گینی نے میرے ساتھ ہی گزاری۔ اور ہم
دونوں ایک دوسرے پر کھل گئے.....

گینی کا گدگ از قرب، رات کا حسن بڑا ہارہا تھا..... اور پھر سورج کی پہلی کرن نے اس
پیکر کو میرے سامنے نمایاں کر دیا۔ وہ سورجی تھی اور میں جاگ گیا تھا۔ لیکن سورج کی اسی
کرن نے جو چیز میرے سامنے آ جاگ کی، اُسے دیکھ کر میں جیرت سے اُچھل پڑا تھا۔
میرے ذہن میں لا تعداد دھماکے ہوئے تھے۔ جو کچھ میں نے دیکھا تھا، وہ ناقابل یقین تھا۔
اور سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیسے ممکن ہے..... یہ کیسے ممکن ہے.....؟“

گینی کے بدن پر سیکرٹ پیلس کی وہ ممبر ثابت تھی، جو سیکرٹ پیلس کے تربیت یافت اور

”آپ کے آنے کے دوسرے ہی دن مسٹر ڈونالڈ کو کچھ دھمکی آمیز فون موصول ہوئے۔ اور ان سے کہا گیا کہ وہ فوری طور پر مسٹر فلیکس کے بارے میں تمام تفصیلات مہیا کریں۔ ورنہ انہیں سخت اذیتوں سے دوچار ہونا پڑے گا۔ پہلی بار تو مسٹر ڈونالڈ نے کوئی توجہ نہیں دی۔ لیکن دوسرے دن ان کی رہائش گاہ پر وستی بم پھیلکے گئے۔ اور دوبارہ ٹیلی فون پر وہی دھمکیاں دی گئیں کہ مسٹر ڈونالڈ کے تمام اہل خاندان کو تباہ و بر باد کر دیا جائے گا، اگر مسٹر فلیکس کا پتہ تایا گیا۔ اور مسٹر کین، مسٹر ڈونالڈ کے اندازے کے مطابق دھمکیاں دینے والے روئی معلوم ہوتے تھے۔“

”اوہ.....“ میرے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے۔ یہ اطلاع بہر حال! دلچسپ تھی۔

”تمسٹر ہام! آپ نے اپنے اعلیٰ حکام سے ملاقات کی.....؟“ میں نے پوچھا۔ ”جی ہاں..... آج، آپ سے آخری گفتگو کرنے کی تیاریاں جاری ہیں۔ اور یہ کام بہت جلد ہی انجام دینے کا فیصلہ کر لیا گیا ہے۔“ مسٹر ہام نے جواب دیا۔ ”اس کا مطلب ہے مسٹر ہام! کہ آپ، آنے کے بعد کافی کارروائی کر چکے ہیں۔“ میں نے کہا۔

”ہاں مسٹر کین! جو معاملات اچانک پیش آئے ہیں، ان کے تحت یہ کارروائی ضروری تھی۔ مجھے علم ہو گیا ہے کہ آپ نے حکومت امریکہ سے کیا طلب کیا ہے؟ بہر صورت! یہ آپ کا ذاتی مسئلہ ہے۔ میں اس پر کوئی تبصرہ نہیں کر سکتا۔ لیکن میری خواہش ہے کہ آپ بھی کچھ کم یا زیادہ پر یہ سودا مکمل کر لیں۔ کیونکہ خطرات بڑھتے ہی جاری ہے ہیں۔“ ہام نے کہا اور ہم دریک اس مسئلے پر بات چیت کرتے رہے۔

لیکن دوپہر کے بعد بھی واپس نہیں آئی تھی۔ شام کی چائے بھی میں نے مسٹر ہام کے ساتھی ہی۔ اس دوران کوئی خاص واقعہ پیش نہیں آیا تھا۔ پھر رات کو مجھے مینٹگ کے لئے طلب کیا گیا۔ مینٹگ اسی کرے میں تھی۔ لیکن آج وزیر داخلہ بھی اس مینٹگ میں شریک تھا اور ان لوگوں کی تعداد بھی کم تھی جو کل موجود تھے۔ چند افراد ان میں سے ضرور تھے، لیکن بال غائب تھے۔ میرا تعارف، امریکی وزیر خارجہ سے کرایا گیا۔ اور اس کے بعد وزیر خارجہ نے مجھ سے گفتگو کا آغاز کر دیا۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ میں اس جزیرے پر کیا کرنا پہنچا ہوں؟ چنانچہ میں نے وہی گھسا پڑا جواب دیا۔ اور انہیں بتایا کہ میں وہاں صرف ایک

اُس کے بارے میں سوچتا رہا۔ اور پھر گئی واپس آگئی۔ ”اگر تم چاہو کیم! تو اپنے طور پر سیر و تفریح کے لئے جا سکتے ہو۔ میں دوپہر تک مرد رہوں گی۔ اور شاید دوپہر کا کھانا بھی تمہارے ساتھ نہ کھا سکوں۔ بہر صورت! دوپہر تک آکر تمہیں اطلاع ڈوں گی کہ ان لوگوں نے اس سلسلے میں کیا فیصلہ کیا؟“ میں نے کہا۔ دی تھی۔

لیکن چلی گئی تو میں بھی تیار ہو کر باہر نکل گیا۔ میرے استعمال کے لئے ایک کارپیچر گئی۔ باہر کچھ لوگ موجود تھے۔ لیکن میں نے مسکراتے ہوئے شکریہ ادا کیا اور کہا ”میں پیڑا تدمی کروں گا۔ اگر گاڑی کی ضرورت پیش آئی تو میکسی لے لوں گا۔“ پھر میں باہر نکل اپنے میرا ہم مختلف خیالات کی آجائگاہ بنا ہوا تھا۔ انہی خیالات میں ڈوبا ہوا میں واٹکن کے حسین ترین مقامات کی سیر کرتا رہا۔ اس دوران میں نے اندازہ لگانے کی کوشش کی کہ یہ آکر کوئی تعاقب کا سلسلہ شروع تو نہیں ہو گیا؟ لیکن یہاں بھی ایسی کوئی بات نہیں ظراہر تھی۔ نہ جانے کب تک میں مارا مارا پھر ترا رہا۔ دوپہر کا کھانا بھی میں نے باہر کے ہی ایک ریٹورنٹ میں کھایا تھا۔ اس کے بعد میں میکسی لے کر واپس اس جگہ پہنچ گیا جس کے باہم میں نے چلتے وقت ہی اندازہ لگا لیا تھا۔ ٹھوڑی دیر کے بعد میں واپس اپنی رہائش کی میں داخل ہو گیا تھا۔ لیکن یہاں آنے کے بعد میری ملاقات، مسٹر ہام سے ہوئی۔ مسٹر ہام اچانک ہی نظر آئے تھے۔ اور میں ٹھہک پڑا تھا۔ لیکن مسٹر ہام، مسکراتے ہوئے میری باب بڑھے اور قریب آ کر بولے۔

”ہیلو کین! مجھے تمہاری وجہ سے اتنی جلد آنا پڑا۔“ ”اوہ، مسٹر ہام!... کوئی خاص بات ہے؟“ ”نہیں..... کوئی خاص بات نہیں ہے۔ مسٹر ڈونالڈ کا خیال تھا کہ کہیں کسی بنا پر سوچ بازی میں وقت پیدا نہ ہو۔ چنانچہ انہوں نے مجھے اپنا نامانندہ بنا کر یہاں بیٹھا۔ اور میرا ہاتھ حکومت کے لئے یہ پیغام بھی بیٹھا کہ حکومت ہر قیمت پر مجھ سے یہ سودا کرے۔“ ”میں مسٹر ڈونالڈ کا شکر گزار ہوں۔ لیکن یہ خیال، اُن کے ذہن میں کیسے آیا؟“ ”ایک عجیب اتفاق کی وجہ سے مسٹر کین!“ ہام نے میرے ساتھ چلتے ہوئے پڑا۔ ”میں سمجھا نہیں.....؟“ میں نے کہا۔

پڑ سکون انسان کی حیثیت سے زندگی بس کرنے کا خواہش مند ہوں۔ تب وزیر داخلہ نے کہا
”مشرکین! امریکی حکومت نے خصوصی طور پر آپ کو یہ آسانیاں فراہم کرنے کا فیصلہ
لیا ہے۔ ہم انتہائی جلد بازی میں اور ہنگامی بینادوں پر اس بات پر متفق ہو گئے ہیں کہ آپ کو
خواہش کے مطابق آپ کو ایک جزیرہ دے دیا جائے۔ لیکن چند باتوں کی وضاحت ضرور
ہے، جن کی بینادوں پر آخری فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔“

”بینادوں پر آخری فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔“
”میں جانتا چاہتا ہوں۔“ میں نے کہا۔

”آپ اس جزیرے پر اپنے طور پر قیام کریں گے۔ جس طرح چاہیں گے، آپ اسے ہائے تھے۔ اس لئے وہ کاغذات اور ساری چیزیں میرے سامنے رکھ دیں گے، جو میری
سکتے ہیں اور اس سلسلے میں حکومت آپ کو ساری آسانیاں مہیا کرے گی۔ لیکن وہاں ایسا کوئی
غیر قانونی کام نہیں ہوگا، جس پر حکومت کو کوئی اعتراض ہو۔ کسی بھی شبے پر وہاں فوج اتاری
جاسکتی ہے اور جزیرے کی تلاشی لی جاسکتی ہے۔ اس کے علاوہ جزیرے پر کوئی سانسی
لیبارٹری قائم نہیں ہوگی۔ آپ جو کچھ کریں گے، اس کے پارے میں سالانہ پورٹ آپ کو
حکومت امریکہ کو دینا ہوگی۔ اس کے علاوہ آپ جزیرہ لینے کے بعد جو ذرائع آمدی اختیار
کریں گے، اس سے بھی آپ حکومت کو مطلع کرتے رہیں گے۔ خصوصی باتیں یہ ہے مشرکین!
کہ اگر آپ نے حکومت سے تعاون کیا تو حکومت ضروری معاملات میں آپ سے مدد طلب
کر سکتی ہے۔ اور اس کے لئے آپ کو بہتر شہریت کے وسائل فراہم کئے جائیں گے۔ آپ
کے لئے باقاعدہ حکومت کی طرف سے وظیفہ بھی جاری کیا جا سکتا ہے۔ لیکن یہ صرف آپ
کے رویے کے بعد طے کیا جا سکتا ہے۔ کیا آپ ان شرائط پر متفق ہیں؟“

”جناب! جیسا کہ آپ کو علم ہے کہ یہ راز جرمی سے تعلق رکتا ہے۔ نازی جرمی نے
پہلے کوئی پردے کے پیچھے چھپا لیا ہے۔ لیکن دنیا بھر میں ہونے والی چند کارروائیوں
کو یہ چلتا ہے کہ ہلکا اپنے ذہن میں کوئی خاص منصوبہ رکھتا ہے، اس لئے کچھ تیار یوں
نمکاف ہے۔ اس کا منصوبہ کیا ہے؟ ہمارے پاس موجود فلمیں اور دستاویزیں اسی بات کی
کوئی توثیقی نہیں۔“ میں نے جواب دیا اور امریکی وزیر داخلہ کے چہرے پر سرخی پھیل گئی۔

”آپ کا خیال درست ہے مشرکین! یہ بات طویل عرصے سے حکومت امریکہ کے لئے
میں لینا پسند کریں گے؟ اس سلسلے میں آپ کی کوئی پسند ہوگی یا ہماری مرضی کے مطابق۔...؟“
”میرے خیال میں جناب! یہ بعد کی بات ہے۔ بہرحال! ہم لوگ اس بات پر متفق ہیں۔ اب
”جناب!“ میں نے موعد بانہ انداز اختیار کیا۔

”بالکل ٹھیک....!“

”مشرکین! ہماری ایک نمائندہ ہے، جس کا نام آری گینی ہے۔ آری گینی کا تمدن سے نہیں ہے۔ لیکن امریکہ میں وہ انتہائی معتبر اور قابلِ اعتماد شخصیت کمیجی جاتی ہے۔“ مکمل اعتقاد دیا جائے۔ اور آپ کو وہ سب کچھ مہیا کیا جائے، جس کے آپ عہدہ بڑا ہے۔ اور امریکہ کے لئے اہم ترین کام اُس کے سپرد کے جاتے تھے، اُنکے لئے بڑا ہے۔ صرف ان بنیادوں پر آپ سے بات کر لی جائے کہ جو کچھ یہاں کریں گے، کی وجہ آپ جانتے ہیں، کیا ہے؟“

”جی نہیں.....!“ میں نے جواب دیا۔ میرا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔ ”لیکن حکومت کے مفادات بھی زخی نہیں ہونے چاہئیں۔ باقی آپ جو کچھ کریں اس کی بے پناہ صلاحیتیں..... اور خاص بات یہ ہے کہ وہ ایک انتہائی اہم ادارے میں اس پر اعتراض نہیں ہو گا۔ البتہ ایک امریکی شہری کی حیثیت سے آپ کو حکومت تربیت یافتہ لاٹکی ہے۔ اس ادارے کا نام سیکرٹریٹیلیس ہے۔ اور اُس کے نمائندہ نہیں ہے، بلکہ فدار بھی رہنا ہو گا۔ یعنی اگر ہمیں کمیجی آپ کی ضرورت پیش آئے تو ہمارے لئے کہاں کہاں اور کون کون سی جگہوں پر پہلی ہوئے ہیں۔ ان کی ذہانت بے مثال ہے۔ پہلوہ کام انجام دینے کے لئے تیار ہوں گے، جو آپ انجام دے سکتے ہیں۔ اور اس کی کارکردگی ناقابلِ یقین..... میں بذاتِ خود بھی اس ادارے کے چند لوگوں سے تعلق رکھنے والے آپ کو انتہائی معقول معاوضہ دیا جائے گا۔ یہ ہماری خواہش ہے۔“

چکا ہوں۔ اور میں نے ان کا بھرپور تجزیہ کیا ہے۔ جس شخص کے جسم پر اس ادارے ”ذہب والا! کیا یہ خواہش ایک شرط کی حیثیت رکھتی ہے؟“ میں نے سوال کیا۔ ہو، اُس کی حیثیت کو تسلیم نہ کرنا بہت بڑی حماقت ہوتی ہے۔ اور اب میں آپ سے اس ”ذہبائی..... اسے شرط ہی کمکھ لیا جائے تو بہتر ہے۔ کیونکہ دوسری صورت میں آپ جیسا کو زیادہ انجھے ہوئے انداز میں نہیں کروں گا۔ آری گینی نے مجھے روپرٹ دی ہے کہ اُنکا امریکہ میں خطرناک بھی ثابت ہو سکتا ہے اور ہمیں نقصانات بھی پہنچ سکتے ہیں۔“ وزیر تعلق بھی اسی ادارے سے ہے۔“ وزیر داخلہ نے کہا اور میرے ذہن میں ٹکرایا اندھے صاف لمحے میں کہا۔ میں سوچ میں ڈوب گیا۔

چھوٹے لگیں..... گویا آری گینی نے بھی مجھے دیکھ لیا تھا۔ چند ساعت تو میں خاموش ہو چکا ہو چکے بعد میں نے کہا۔ ”ٹھیک ہے جناب! جب میں اس ملک میں رہائش کے بعد میرے ہوتوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ وزیر داخلہ، میری شکل دیکھ رہے تھے کہ اُنکا چاہتا ہوں تو ایک شہری کی حیثیت سے اور اپنے لئے آسانیاں فراہم کرنے کے انہوں نے سمجھیدہ لمحے میں کہا۔ ”کیا آپ اس بات سے انکار کریں گے مشرکین؟“ ”نمیں آپ کی یہ شرط مان لوں گا۔ لیکن کوئی بھی کام ہو، اسے انجام دینے سے پہلے میں خود ”جی نہیں.....“ جب آپ کو یہ بات معلوم ہو گئی ہے تو میں انکار نہیں کروں گا۔ اور کسی کام کی انجام دہی کے لئے میری مصروفیات اگر آپ یقین کریں مشرکین! کہ ہماری حکومت کو اس سلسلے میں یعنی جو کچھ آپ اٹھاتے ہیں گلی، تب میں تیار ہوں گا۔ ہاں! یہ دوسری بات ہے کہ معاوضہ معقول اور میری راز کی قیمت کے طور پر طلب کیا ہے، اعتراض ہو سکتا تھا۔ اور ممکن تھا کہ اس سلسلہ میں کوئی مطالبہ ہو تو پھر مجھے اعتراض نہ ہو گا۔ کیونکہ میری مصروفیات اپنے آپ کو بہتر بنانے سے کچھ گفت و شنید کی جاتی۔ لیکن جس وقت میں گینی نے اس حقیقت کا اکشاف کیا تو اسے بول گی۔“

بھی سیکرٹریٹیلیس کے تربیت یافتہ ہیں تو ہماری پوری سوچ میں تبدیلی پیدا ہو گئی۔ ”ٹھیک ہے۔ اس پر حکومت کو کوئی اعتراض نہ ہو گا۔“ وزیر داخلہ نے جواب دیا۔ میرے بنیادوں پر یہ فیصلہ کیا گیا کہ آپ کے مطالبات مان لئے جائیں۔ اور اس نے اپنے اظہار کے درمیان گتگلوں، انتہائی صاف اور دوستانہ ماحول میں ہوئی تھی۔ ہم نے بے حکومت کی ایک غرض چھپی ہوئی ہے جس کا اظہار میں، آپ سے مناسب سمجھتا ہوں۔ امورات پر متعلق وغیرہ ہوئے اور وزیر داخلہ میرے ساتھ رہے۔ بہت سے ”جی.....؟“ میں نے سوالیہ انداز میں کہا اور پہلو بدلت کر پیٹھے گیا۔ یہ لفڑوں اپنے اظہار کے درمیان گتگلوں، امورات پر متعلق وغیرہ ہوئے اور وزیر داخلہ نے مجھے ایک امریکی شہری ہونے کی مبارکباد تھی۔ جو کچھ ہو گیا تھا، اس کے بارے میں درحقیقت! میں خود بھی نہیں سوچ سکتا۔ ”میرے احتمال میں اُن تھی، جو مشکوک ہو۔ رخصت ہونے سے قبل میں نے وزیر داخلہ سے ”حکومت کی غرض یہ ہے مشرکین! اور حکومت کی خواہش یہ ہے کہ آپ کو کوئی احتیاط کرنے کی کمی کر راز ان کے حوالے کرنے کے لئے مجھے اڑتا لیں گئے درکار ہوں گے۔“

“کھیل ختم ہونے کے قریب ہے۔”
 ”اوہ..... کیا مطلب.....؟“ فلیکس کی آواز میں اضطراب تھا۔
 ”تمام بات چیت کامل ہو چکی ہے مسٹر فلیکس! امریکی حکام نے مجھے یہ شین دلایا ہے کہ
 ہماری خواہشات، ہماری مرضی کے مطابق پوری کی جائیں گی۔“
 ”بزریرے کے بارے میں بات چیت ہوئی.....؟“
 ”ہاں..... اس کے لئے مقامی وزارتِ اعلیٰ نے سارے کاغذات کامل کر کے میرے
 حوالے کر دیئے ہیں۔“ میں نے جواب دیا۔
 ”یا کارروائی کب ہوئی تھی.....؟“ فلیکس نے پوچھا۔
 ”بچھل رات..... اور جو کاغذ، میرے حوالے کئے گئے ہیں، ان کے تحت حکومت امریکہ
 ہمیں خانست دے چکی ہے۔“
 ”بہت خوب..... تم پوری طرح مطمئن ہو کیں.....؟“
 ”ہاں، ذیر فلیکس! اب تم یہاں آجائو۔“
 ”ہاں..... میں تم سے ملتا چاہتا ہوں۔“ فلیکس نے کہا اور پھر میں نے اُسے ضروری
 مطالب دے کر ٹیلی فون بند کر دیا۔ میں واقعی مطمئن تھا۔ وزیر داخلہ کی شخصیت معمولی نہیں
 تھی۔ ایک راز کی خریداری کے لئے اتنا بڑا آدمی سامنے آیا تھا۔ حکومت امریکہ اتنے اعلیٰ
 یکانے پر اپنی سی بات کے لئے فریب نہیں کر سکتی تھی۔ اور پھر میری شخصیت اُن کی نگاہ میں آ
 پنچھی تھی۔
 فلیکس تو تھے۔ لیکن اُن سے نمٹا جا سکتا تھا۔ یہی زندگی تھی۔ تقریباً ایک گھنٹے کے بعد
 فلیکس، میرے پاس پہنچ گیا۔ وہ بلکل سے میک اُپ میں تھا۔ مجھ سے مل کر بہت خوش ہوا۔
 ”یادِ زندگی پہنچ کی ہو گئی تھی، تم سے ذورہ کر۔“ اُس نے میرے سینے سے لپٹتے ہوئے
 کہا۔ میں نے پہر جوش انداز میں اُسے اپنالیا تھا۔ عدہ دوست تھا۔
 اُس کے بعد میں نے اُسے وہ تمام کاغذات دکھائے اور فلیکس کی آنکھیں سمرت سے
 پہنچ لیں۔ ”اس سے زیادہ اور کیا چاہتے ہو.....؟“ اُس نے کہا۔
 ”تم مطمئن ہو فلیکس.....؟“
 ”بالا یا.....! مطمئن نہ ہوں گے تو اور کیا کریں گے؟ میرا خیال ہے، اب ہمیں خود کو
 تباش کے دھارے پر چھوڑ دینا چاہئے۔ بہتر یہی ہو گا۔“ بہت دیر تک ہم گفتگو کرتے

تکہ میں اپنے ساتھیوں سے مزید مشورہ کر لوں۔ اور جہاں تک اس راز کی فراز
 ہے، وہ تو مکمل ہو چکا ہے اور اس میں کوئی ترمیم نہیں ہو گی۔ وزیر داخلہ نے اس پر
 اتفاق کیا۔ اور اس کے بعد چلے گئے۔
 اس کے بعد آرس گئی، میرے پاس نہیں آئی تھی۔ لیکن دیر تک میں اُس کے باہر
 سوچتا رہا تھا۔ آرس گئی نے حکومت کو میرے بارے میں مطلع کر دیا تھا۔ اس سے
 ہوتا تھا، اس کے بارے میں کوئی فصلہ کرنا مجھے دشوار ہو رہا تھا۔ میں یہ تو نہیں کہا۔
 میرے لئے نقصان دہ ثابت ہوئی ہے۔ البتہ اس نے اظہار محبت کا جوانہ ازاں
 اس میں تھوڑی سی چالاکی ضرور پوچھ دی۔ اگر وہ مجھ سے مخلص ہوئی تو پہلے مجھ سے
 سے آگاہ کرتی کہ وہ مجھے پہچان چکی ہے۔ اس کے بعد اگر وہ حکومت کو میرا جاؤ
 مشورے سے دیتی تو زیادہ بہتر ہوتا۔ لیکن پہلے اُس نے اپنے فرائض کی ادائیگی کرنے
 اس کے بعد یہ سوچنا کہ وہ پورے طور پر مجھ سے متاثر ہے، حماقت کے علاوہ اور کچھ
 بہر حال! میں یہ بات بھی جانتا تھا کہ آرس گئی کا یہ اکشاف میرے لئے نقصان
 ثابت ہوا۔ اور اس سلسلے میں کوئی قباحت نہیں ہوئی کہ اگر اس ملک میں رہا جائے
 اس کے مفادات کے لئے کام نہیں کیا جائے۔ دنیا کے کسی بھی حصے میں نہیں ہو کر
 جس ملک کے سینے پر رہوں، اُس کے مفادات کا خیال نہ رکھوں۔ بہت دیر تک
 معاملات کے بارے میں سوچتا رہا۔ پھر سونے کی تیاریاں کرنے لگا۔ مجھے انہلہ
 انہلیان سے نیندا آگئی۔
 دوسرے دن بھی صبح کو ناشتے کی میز پر گئی سے ملاقات نہیں ہوئی۔ تقریباً دل
 فلیکس کا فون موصول ہوا۔ آپ میرے مجھے اس ٹیلی فون کی اطلاع دی اور میاں
 اٹھالیا۔

”بیلو..... میں کین بول رہا ہوں۔“
 ”ڈیزر کین..... میں فلیکس بول رہا ہوں۔“
 ”کیسے ہو فلیکس.....؟“
 ”بانکل ٹھیک..... تم اپنی مصروفیات کے بارے میں بتاؤ!“ فلیکس کی آواز
 ”جو کام، تم نے میرے سپرد کیا ہے، اس کی ادائیگی میں مصروف ہوں۔“
 ”اب کیا پوزیشن ہے؟“

”ایسا یہ سچھ اس طرح ہو جائے گا، جس طرح ہم نے کہا ہے؟“ وہ تجب کے لمحے

رہے۔ پھر مسٹر ہائم آگئے۔ اطلاع ملنے پر میں نے انہیں بلوالیا۔

”مجھے آپ کے کسی دوست کے آنے کی اطلاع ملی تھی۔“ ہائم نے مسکراتے ہوئے کہا۔
”مسٹر فلیکس سے ملاقات کریں مسٹر ہائم!“ میں نے ان دونوں کا تعارف کر لایا۔
ہائم نے پڑ جوش انداز میں فلیکس سے مصافحہ کیا۔
”چھ بات تو یہ ہے کہ آپ سے ملاقات سے قبل نہ صرف میں بلکہ میرے تمام رہنماء
مسٹر کین ہی کو فلیکس سمجھتے تھے۔“ ہائم نے بہتے ہوئے کہا۔
”حالانکہ میں ابتداء ہی سے کہہ رہا تھا کہ میں فلیکس نہیں ہوں۔“ میں نے کہا۔
”بہر حال! غلط فہمی ڈور ہو گئی۔“ مسٹر ہائم کے ساتھ بکلی شراب کا ایک دور چلا۔ اور
مسٹر ہائم نے ہمیں سیر کی پیشکش کی۔ پورا دن بے حد خوشنگوار گزارا تھا۔ رات کو پھر ملاقات
تیاریاں کی گئیں۔

”اب، بس! فلیکس! اب ان ساری باتوں کو چھوڑو! میں تو پوری طرح یقین رکھتا ہوں کہ
خواست امریکہ، ہم سے کئے ہوئے وعدے پورے کرے گی۔ چنانچہ تم اس بارے میں سوچو!

کہاں میں کیا کرنا چاہئے؟“
فلیکس نے سوال کیا۔

”بجزیرے کا صورت ہمارے ذہن میں کیوں ابھرا تھا ذاں.....؟“ فلیکس نے سوال کیا۔
”تمہرا میں تمہیں بتا پکا ہوں فلیکس! امریکی حکومت نے ہم پر کچھ شرعاً عائد کی ہیں۔

اجازت پا کر اپنی ناک اکھاڑی
بیباہ موجود تمام لوگ ششدر رہ گئے تھے فلیکس کی صورت انتہائی بھیاں کی نظر آ

گئی تھی۔ اس نے فلمیں وزیر داخلہ کے پرد کر دیں اور وزیر داخلہ نے انہیں وزارت نا
کے فرست سیکری کو پیش کر دیا۔

”ایک بار پھر ایک پڑھوں دوستی کی پیشکش کی جاتی ہے مسٹر کین!“ اگر
حکومت امریکہ سے وفادار رہے تو ایک بہترین زندگی کے مالک بنیں گے۔ ہماری طرز
سے دوستی کی مبارکباد قول فرمائیں۔ آپ کے کیس کی فائل متعلقہ محکے کو دے دی گئی۔

جلد ہی آپ کی پسند کی جگہ کے انتخاب کی تیاریاں کر لی جائیں گی۔ اور اس وقت تک
حکومت امریکہ کے ایک معزز دوست کی حیثیت سے قیام کریں گے۔“

”بہت خوب.....“ میں نے جواب دیا۔ اور اس کے بعد میں نگ ختم ہو گئی۔ رات کی
نیزے کرے کرے میں سونا پسند کیا تھا۔ اور کافی رات گئے، ہم دونوں اس منمنہاً

کرتے رہے۔ فلیکس، عجیب سی کیفیت کا شکار تھا۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب
گیا۔

بھرت کے کاغذات پیش کر دیئے گئے۔ ان کاغذات کے علاوہ ایک خطیر رقم کا چیک بھی پیش کیا گیا اور وزیر داخلہ نے اپنائی دوستانہ انداز میں کہا تھا۔

”امریکہ اب آپ کا طن ہے مسٹر فلیکس! حکومت آپ سے ہر طرح تعاون کرنے گی۔ مغلقہ مکھے کو آپ کے لئے آپ کی پسند کے جزیرے کا انتخاب کر کے رپورٹ پیش کرنے کی ہدایت کرو گئی ہے۔ اس دوران آپ اپنی پسند کی رہائش اختیار کر سکتے ہیں۔“

آپ امریکہ کے کسی بھی حصے میں جاسکتے ہیں۔ اور یہ ہمارا اعتقاد ہے۔“

”وہ دونوں حکومت کے شکرگزار ہیں۔“ میں نے جواب دیا۔ اور پھر ہم وہاں سے باہر نکل آئے۔ واشنگٹن کا جسمیں شہر، ہمیں استقبال کرتا ہوا نظر آتا تھا۔ ویسے ہم اس عمارت میں رہنا بھی نہیں چاہتے تھے۔ کیونکہ وہ سرکاری نوعیت کی عمارت تھی۔ چنانچہ سب سے پہلے ایک بینک سے رابطہ قائم کیا گیا اور اتنا بڑا اکاؤنٹ کھلونے کی وجہ سے بینک کے سارے افسران ہماری طرف متوجہ ہو گئے۔ ہمیں یہ سہولت فراہم کرنے کی پیشکش کی گئی۔ یوں ڈن کین، کی ایک نئی زندگی کا آغاز ہو گیا۔.....

لیکن زندگی ابھی تک بہت سرت رفتار تھی۔ اور اس فی وجہ تھا یوں میں پرورش پانے والے دھیلات تھے جو کہ سکون نہ پاسکے تھے۔ آئندہ زندگی کیا ہو گی؟ شہر کی تفریحات سے بے پنا محبت گو، ابھی ہم نے ان تفریحات کو محدود کر لیا تھا۔ وقت طور پر ہم نے ایک اعلیٰ ”جے کے ہوٹل میں قیام کیا تھا اور وزارت داخلہ کو ہوٹل کی اس رہائش گاہ سے آگاہ کر دیا گیا تھا۔

تمباں دن تک کوئی خاص بات نہیں ہوئی۔ لیکن چوتھے دن ہمیں اطلاع دی گئی کہ ہم سفر کے لئے تیار ہو جائیں۔ ہمیں، ہماری پسند کی جگہ کے انتخاب کے لئے لے جایا جائے گا۔ ہم نے ملکے کو اپنی تیاریوں سے آگاہ کر دیا تھا۔

چنانچہ پانچویں دن ایک ہیلی کا پڑھمیں لے کر روانہ ہو گیا۔ اور تقریباً دس دن کی دوڑ ”کھپ“ کے بعد بالآخر میں اور فلیکس خلیج الاسکا میں جزاں کوئین شارٹ کے ایک ڈور دراز جزیرے کے انتخاب پر متفق ہو گئے۔

ہمیں یہاں سے زیادہ ڈور نہیں تھا۔ جس تک ہوتے ہوئے پھر لاس اینجلز، سالٹ میکٹ اور، پریما رٹن۔ یہ جزیرہ طویل سفر کے ذریعے ہمیں کنیڈا تک بھی پہنچا سکتا تھا۔ اور جزیرہ نیو دوڈیاں سے زیادہ ڈور نہیں تھا۔ جس تک ہوتے ہوئے پھر لاس اینجلز، سالٹ میکٹ اور،

جس کی تم تکمیل چاہتے ہو.....؟“

”ڈیزیر فلیکس! اپنے بارے میں، میں تمہیں خاصی تفصیل بتا چکا ہوں۔ جو تمہرے میں نے پورا کر لیا ہے۔ اب تو میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ پوری زندگی جدو جہد اور ترجیحات کے مطابق ہنگامہ خیزی میں بسر ہو۔ بس! اس سے زیادہ اور کوئی خواہزہ ذہن میں نہیں ہے۔ ہاں! سوال تمہارا خاصاً ڈچپ ہتا۔ اور یہی سوال میں، تم سے ہوں۔“ میں نے مکراتے ہوئے کہا۔

”مجھ سے.....؟“ فلیکس نے پیچکی ای مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

”ہاں فلیکس! تمہارا سینہ ابھی تک کھل نہیں سکا ہے۔“ میں نے کہا اور فلیکس میں ڈوب گیا۔ پھر اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

”نہیں ڈن! تمہارا یہ خیال غلط ہے۔ میں نے جہاں تک ممکن ہو سکا ہے، اپنی کھوں کر تمہارے سامنے رکھ دیا ہے۔ بدختی سے اس دنیا میں میرا کوئی نہیں ہے۔ جو خواہ ضرور ہے دل میں۔“

”کیا.....؟“ میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

”بس! یہ کہ لوگوں کے لئے کچھ کروں۔ میں اپنی حیثیت دنیا سے منواوں۔ اور احساس اس وقت سے پیدا ہوا ہے، جب سے میں مخدور ہوا ہوں۔ میں نہیں چاہتا مجھ پر جرم کھائیں۔ میری خواہش ہے کہ میری برتری تسلیم کر لی جائے اور میں ہاٹو والے انسانوں سے زیادہ چست و چالاک نظر آؤں۔“

میں نے گھری سانس لی۔ فلیکس کی خواہش معلوم تھی۔ انسان کیسی کیسی عجیب خصیہ مالک ہوتا ہے؟ خود میری زندگی تھی، بظاہر بے مقصد تھی۔ اپنے خاندان کو اس کا مقام کے بعد میری زندگی کا کوئی مقصد نہیں رہ گیا تھا۔ پھر زندگی کے لئے اس قدر جدوجہد ہے؟ میں کہیں گوشہ نہیں کیوں نہیں ہو جاتا؟ لیکن گوشہ نہیں کے جراشیم، میرے ذہن میں نہیں تھے۔ میں تو سیما ب تھا۔ ہر لمحہ اور روایا رہنے کا خواہش مند۔

حسب معمول سوئے۔ صح ہوئی اور زندگی جاگ اٹھی۔ جس طرح ہم نے وہ را اعتماد کے ساتھ امریکی حکومت کے حوالے کر دیا تھا، اسی طرح اور اسی جذبے کے تحت طرف بھی کام ہو رہا تھا۔ اسی دن، دو پہر کو ہمیں وزارت داخلہ میں طلب کیا گیا اور

اور یکیٹ لوں تک پہنچ سکتے تھے۔

ہیلی کاپڑ، جزیرے پر اُتر گیا۔ اور قدرتی حسن سے مالا مال یہ جزیرہ ہیں محسوس ہو رہا تھا۔ اور بالآخر ضروری کارروائیوں کے بعد یہ جزیرہ ہماری تحول میں اس کے مالک قرار دے دیئے گئے.....

☆.....☆.....☆

امریکی حکومت کے بھروسہ تعاون سے ہمارے سارے کام بخیر و خوبی انجام پا رہے تھے۔
فلیکس نے اپنی محبت اور عقیدت کا ثبوت یوں دیا تھا کہ اس نے جزیرے کا نام ”کین شون“ رکھ دیا تھا۔ بہرحال! ہماری مصروفیات بے پناہ تھیں۔ حکومت امریکہ نے ہمیں ہر طرح نوازا تھا۔ جزیرے کی تیمرات زور و شور سے جاری تھیں۔ سارے نقشے ہمارے فراہم کر رہے تھے۔ اور ان پر کوئی اعتراض نہیں کیا گیا تھا۔ یہاں تک کہ ”کین شون“ کی وہ صورت کل آئی جو ہم چاہتے تھے۔ اب یہ ایک مطلق العنان جزیرہ تھا۔ جہاں حکومت امریکہ پر اور است کوئی دخل اندازی نہیں کرتی تھی۔ لیکن اس شرط کے ساتھ کہ جزیرے پر امریکہ کے غافل کوئی کام نہیں ہونا چاہتے۔ میں نے حکومت کو اپنے اقدامات کے سلسلے میں تعمیلات مہیا کر دی تھیں۔ اور اعلیٰ حکام نے فراخ دلی سے کام لیتے ہوئے مجھے اس کی اجازت دے دی تھی ابھی تک میرے ذہن میں کوئی واضح بات نہیں تھی۔ بس! کچھ خاکے تھے، جن کے بارے میں، میں نے فلیکس سے بات کی۔

”فلیکس! کیا تم موجودہ صورتِ حال سے مطمئن ہو.....؟“

”میں..... میں نہیں سمجھا مسٹر کین.....؟“، فلیکس نے کہا۔

”میرا مطلب ہے فلیکس! اس جزیرے کے کو ہم جو شکل دینا چاہتے تھے، وہ تو دے دی گئی۔ اب اس سلسلے میں یہ سوچنا ہے کہ آئندہ کیا، کیا جائے؟“

”کیا مطلب.....؟ میں اب بھی نہیں سمجھا۔“، فلیکس نے جواب دیا۔

”میرا مطلب ہے کہ ہم نے جس مقصد کے لئے اس جزیرے کو حاصل کیا ہے۔ اس میں.....“

”اس پر ڈگرام میں کوئی تبدیلی کرنا چاہتے ہیں آپ؟“، فلیکس نے سوال کیا۔

”میں..... یہ بات نہیں۔ کوئی تبدیلی نہیں چاہتا۔ لیکن اب کوئی ایسا سلسلہ ہونا چاہتے، جو ہمارے لئے آئندہ را میں معین کرے۔ ورنہ اس تھا جزیرے پر رہ کر ہم کیا حاصل کریں۔“

گے؟"

"اوہ..... مسٹر کین! آپ کا خیال تو درست ہے۔ لیکن میں اس سلسلے میں آپ کی کیا
بہتر رائے چاہتا ہوں۔" فلیکس نے کہا۔

"نا، بات بوجا ہوگ، ہم سے ملاقات کے لئے آئے ہیں۔" فلیکس نے کہا۔
"نایا ہیں، یقیناً..... آو! ان کا استقبال کریں۔" میں نے جواب دیا اور ہم دونوں
درالص فلیکس! مقصود تو ایک ہی ہے۔ زیادہ سے زیادہ دولت اکٹھی کی جائے۔

ٹال کی جانب بڑھ گئے، جہاں لانچ کو لٹکر انداز ہو گئی تھی۔

ٹانگے اُڑنے والے چار افراد تھے اور چاروں عمدہ شخصیت کے مالک نظر آتے تھے۔

امن پر جوش انداز میں اُن کا استقبال کیا۔ تب اُن میں سے درمیانی عمر کے ایک شخص نے

یا انی لاس میں تھا، اپنا کارڈ نکال کر مجھے پیش کرتے ہوئے کہا۔ "مسٹر کین! حکومت

"جی ہاں..... آپ کے اس سوال کی روشنی میں، میرے ذہن میں بھی کچھ سوالات

ریکی جانب سے ہم، آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔" میں نے پڑ جوش انداز میں
"تریف لایے! آپ سے مل کر مجھے خوش ہوئی ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"مثلاً.....؟؟" میں نے پوچھا۔

"مثلاً یہ مسٹر کین! کہ ہمارے پاس اب اتنی دولت ہے کہ اگر ہم تھا ایک پڑ آسائش

زندگی گزارنا چاہیں تو با آسانی گزار سکتے ہیں۔ لیکن آخر ہماری زندگی کا کوئی مقصود تو ہوا

چاہیے۔" اور پھر ہم، انہیں لئے ہوئے اپنی رہائشی عمارت میں پہنچ گئے، جہاں ایک وسیع

روزگاری رہائشی ڈرائیور میں انہیں پیش کی پیشکش کی گئی۔ میں اُن کے لئے کچھ خاطر

دادات کا انتظام کر کے خود بھی اُن کے سامنے آبیٹھا۔

"لڑایے مسٹر ڈیوڈ! کیسے تکلیف کی؟" میں نے سوال کیا۔

"میں جانتا ہوں مسٹر کین! کہ آپ سے گفتگو کرنے کے لئے کوئی خصوصی احتیاط منظر

نہیں کریں جائی۔ اور آپ کے دوست فلیکس کے بارے میں بھی مجھے مکمل معلومات

خالی تھیں۔ میں جانتا ہوں کہ آپ دونوں ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزم ہیں۔ چنانچہ

مرد پر اکتشکوں کا آغاز کرنے میں دریغیں کرنا چاہتا۔"

"لڑایا، یقیناً..... اس جزیرے پر فی الحال ہم دو ہی آدمی ہیں۔ لیکن بہت جلد ہم چند

ٹال کی اخاذ کرنے والے ہیں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"لایا! آپ دونوں تھا یہاں نہیں رہ سکتے۔ مجھے تو تعجب ہے کہ اتنا وقت، آپ نے

یا چھٹا را؟" ڈیوڈ نے جواب دیا اور ہم دونوں مسکرانے لگے۔

کوئی عزم ڈیوڈ اصل موضوع پر آگئے۔ "درالص! آپ نے جو معلومات، حکومت امریکہ کو

کیا ہے، ان کے تحت حکومت میں کھلبی بچ گئی ہے۔ میرے علم میں یہ بات لائی گئی ہے

"میرے سامنے کوئی ایسا مقصود نہیں ہے فلیکس! میں نے جواب دیا۔

"تب پھر دولت کمانے کی خواہش میری سمجھ میں نہیں آئی۔" فلیکس بولا۔ اور واقعی میں

اُبھی گیا۔ پھر میں نے گردون ہلاتے ہوئے کہا۔

"اگر میں تم سے یہ کہوں فلیکس! کہ میں کیم فیملی کو پھیلانا چاہتا ہوں تو کیا تم اس بات پر

مطمئن ہو جاؤ گے؟" کیوں نہیں..... بات وتنی مقصود کی آجائی ہے۔ خود، میرے سامنے بھی کوئی مقصود نہیں

ہے۔"

"ٹھیک ہے..... ابھی تو ہمیں اتنی دولت اکٹھی کرنی چاہئے کہ ہم دنیا بھر میں اپنے لئے

کوئی مقام حاصل کر سکیں۔" میں نے کہا۔

"اس سلسلے میں، میں آپ کا ساتھی ہوں مسٹر کین!،" فلیکس نے جواب دیا اور میں انجھے

ہوئے انداز میں سوچتا رہ گیا۔ لیکن میری اس مشکل کا ایک حل حکومت امریکہ نے کیا

دریافت کر لیا۔

ایک چمکدار دوپہر کو ایک بڑی لانچ، جزیرے کے نزدیک نظر آئی۔ اس پر حکومت کا

”پہلے اپنی آمادگی کا اظہار..... اس کے بعد اپنی شرائط۔“

”مسٹر ڈیوڈ! حکومت امریکہ نے جس طرح ہمارے ساتھ تعاون کیا ہے، اس کے تحت میں اس کے شکر گزار ہیں۔ چنانچہ شراط اور معاوضے کے تعین میں کوئی اختلاف پیدا نہیں ہو سکتا۔ اور اب رہا آمادگی کا اظہار، تو حکومت امریکہ کے لئے کام کر کے مجھے خوشی ہو گی۔“
”اوہ..... بہت بہت شکریہ مسٹر کیم! ہمارے حکام کا خیال تھا کہ آپ آنسانی سے اس کام پر آمادہ نہ ہوں گے۔ لیکن آپ کے اس پر خلوص روئیے کو ریکارڈ میں رکھا جائے گا۔“
”مسٹر ڈیوڈ نے کہا۔
پھر اس کے بعد کی گفتگو انتہائی دوستانہ فضایا میں ہوئی۔ ہم نے مسٹر ڈیوڈ کی خاطر مدارت کی اور پھر انہیں لائچ سماں تک رخصت کرنے آئے۔

”میں، آپ کو بہت جلد فون پر اطلاع ڈول گا کہ کس وقت، آپ کو فوجیہ حکام کے سامنے بنا ہے۔“

”میں انتظار کروں گا۔“ میں نے جواب دیا اور وہ لوگ چلے گئے۔
فلیکس، میرے ساتھ تھا۔ اور دفعتہ بھجے احساس ہوا کہ اس دورانِ فلیکس کی حیثیت متاثر ہوئی ہے۔ اسے کوئی اہمیت نہیں مل سکی۔ چنانچہ عمارت کی طرف بڑھتے ہوئے میں نے پوچھا۔

”آپ کا اس گفتگو کے بارے میں کیا خیال ہے مسٹر فلیکس.....؟“
”نہایت مناسب اور قابل فخر۔“ فلیکس کی پر خلوص آواز اُبھری۔ بلاشبہ! وہ ایک مغلص است اور بہترین ساتھی تھا۔

اچانک ہی ایک خیال میرے ذہن میں اُبھرا۔ ”فلیکس! میں نے سوچا تھا کہ کہیں تمہیں ہمیں اس گفتگو سے اختلاف نہ ہو۔“

”پوری گفتگو میں اگر اختلاف کی کوئی بات ہوتی تو میں بے تکلفی سے بول پڑتا۔ حکومت امریکہ نے ہمیں جو اعزاز بخشنا ہے، وہ قابل فخر ہے۔ اور پھر اس سلسلے میں میرا ایک اور خیال تھا۔ مسٹر کیم!“ آخر میں فلیکس مسکرانے لگا۔

”کیا؟“ میں نے دلچسپی سے پوچھا۔
”آپ محسوس تو نہیں کریں گے.....؟“ فلیکس بولا۔
”تو چھپنی نہیں.....؟“

کہ آپ خود بھی ان معلومات سے آگاہ تھے۔ چنانچہ میں نہیں سمجھتا کہ مجھے اس سلسلے میں سے کچھ کہنے کے لئے اُبھن محسوس کرنی چاہئے۔

”جو، راز آپ نے حکومت کو پیش کیا، وہ جرمونوں کا فوجی راز تھا۔ اور اس سے ہمیں ہوا کہ نازی جرمنی، ایک عالمگیر جنگ چھیڑنے کا خواہشمند ہے۔ ہتلر کے خوفناک منصوبے ایک نلک کے لئے نہیں، بلکہ بے شمار ممالک کے خلاف ہیں۔ اور وہ عالمی بیانے پر ہم تیاریاں کر رہا ہے۔ یہ راز جس وقت ہم تک پہنچا، میرا خیال ہے، کافی دیر ہو چکی تھی اپنے ہی ہمیں مل جاتا تو ہم اس سے خاطر خواہ فائدہ اٹھاسکتے تھے۔ لیکن اندازے کے مطابق ہمیں بہت کم وقت ملا ہے۔ اور اس مختصر وقت میں ہمیں ہتلر کے خلاف تیاریاں مکمل کر سکتے ہیں۔“

”مسٹر کیم! خود حکومت امریکہ کو اس بارے میں شبہ تھا۔ نازی جرمنی نے اپنے آپا ایک آہنی خول میں چھپا لیا تھا۔ اور اس خول کے اندر کیا ہو رہا ہے؟ یہ معلوم کرنا آساناً کا نہیں تھا۔ لیکن ہمارے خفیہ اجنبیت بہر صورت! کام کر رہے تھے۔ وہ تفصیل سے تو یہ بات نہیں معلوم کر سکے۔ لیکن جو بھی معلومات انہیوں نے ہمیں بھیجنیں، ان سے آپ کی بیانات ہوئی تفصیلات کی قدر یقین ہو جاتی ہے۔ اس طرح ہماری نگاہوں میں آپ کی پوزیشن مضمون گئی ہے۔ اور ہم، آپ کو قابل اعتماد سمجھتے ہیں۔ بہر حال، مسٹر کیم! امریکی مشینری حرکت میں آپکی ہے۔ ہتلر نے ابھی جنگ نہیں شروع کی۔ لیکن اندازہ ہے کہ وہ تھوڑے ہی عرصے میں اپنا کام شروع کر دے گا۔ اور اس کی تیاریوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ دنیا کے لئے ایک عظیم خطرہ ثابت ہو گا۔ حکومت اپنے بہترین ذرائع، اس کام میں استعمال کرنا چاہتی ہے کہ پوری دنیا میں حکومت امریکہ کے مفادات کی نگرانی کی جائے۔ اور انہی ذرائع میں آپ کو کوئی شمار کیا گیا ہے۔“

”میں، امریکی حکام کا شکر گزار ہوں۔“

”جزل آئزناں ہاونے بے نفس نہیں آپ کا فائل طلب کیا تھا، اور سنارش کی گئی ہے کہ آپ کو ہر قیمت پر حکومت کے لئے کام کرنے پر آمادہ کیا جائے۔“

”کیا اس کام کی ابتداء کے لئے کوئی لاچر عمل تیار کیا گیا ہے؟“

”ہاں..... اس کی تفصیل ہمیں فوجی ہیڈ کوارٹرز سے موصول ہو گی۔“

”پھر..... اب مجھے کیا کرنا ہے؟“

"اس پروگرام کی فوری منظوری دے دینے میں آپ کی اپنی فطرت کو بھی دل ہے مگر کیا! فطری طور پر آپ ہم جو ہیں۔ اور اسی جزیرے پر مدد و نیبیں رہ سکتے۔ آپ کو کچھ زکر کرنا تھا۔ اس لئے آپ نے جلدی سے یہ پروگرام منظور کر لیا۔"

"اوہ..... میرے دوست! شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" میں نے اعتراض کر دن ہلا۔ ہوئے کہا۔ اور ہم عمارت میں داخل ہو گئے۔ فلیکس نے جام میں شراب انٹریل میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"میں بھی آپ کو موجود کا شکار نہیں دیکھ سکتا مسٹر کین! آپ کی ہنگامی زندگی اور ہنگامی فطرت مجھے بھی پسند ہے۔"

"شکریہ فلیکس! مجھے تمہاری دستی پر پورا اعتماد ہے۔" میں نے گردن ہلاتے ہوئے اور فلیکس مسکرا دیا۔

تحوڑی دیر تک ہم دونوں خاموش رہے۔ پھر میں نے شراب کی ایک چکلی لیتے ہوئے کہا۔ "بہر صورت، فلیکس! تمہاری طرف سے بھی منظوری مل گئی۔ اب ہمیں کچھ اور چیزوں کی تعین کرنا ہے۔"

"مثلاً.....؟" فلیکس نے پوچھا۔

"درصل میرا خیال ہے کہ جزیرے پر ابتدائی طور پر ہم جو کچھ کرنا چاہتے تھے، وہ کچھ ہیں۔ اس کے بعد کسی باقاعدہ کام کا آغاز تو ذرا تفصیل سے ہی ہو گا۔"

"بیفنا.....!" فلیکس نے جواب دیا۔

"میں، یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ اگر میرے اور حکومت امریکہ کے درمیان معاملات طے ہو گئے، جس میں بظاہر کسی رخنہ اندازی کا کوئی امکان نہیں ہے تو تم اس سلسلے میں کیا کرے؟"

"آپ کی ہدایت کے مطابق مسٹر کین!"

"میرا مطلب نہیں سمجھے فلیکس! میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا تم بذاتِ خود اس کام کے انجام دہی میں میرے ساتھ حصہ لو گے؟" میں نے پوچھا۔

"میں نے کہانا! کہ آپ کی ہدایت کے مطابق۔"

"تب، پھر میری ایک رائے ہے۔ وہ یہ کہ جزیرے پر جو منصوبے نامکمل رہ گئے ہیں انہیں آپ بیہاں رہ کر تکمیل تک پہنچائیں۔ میں اس سلسلے میں کام کروں گا۔"

فلیکس کے ہوتوں پر مسکرا ہٹ پھیل گئی۔ "براہ کرم! مجھے ان منصوبوں کی تفصیلات سے خود آگاہ کر دیں۔"

"ہاں، ہاں..... کیوں نہیں؟ میرا خیال ہے، آپ بیہاں پر سکون رہ کر اپنا کام انجام دیجیں۔ اور میں حکومت امریکہ کے لئے وفاداری کا ثبوت دوں۔"

"میں عمل طور پر تیار ہوں۔ اب آپ دوسری بات سوچیں۔" فلیکس نے جواب دیا۔ "بل، مجھے اُن کے ٹیلی فون کا انتظار ہے۔ جس وقت بھی وہ مجھے طلب کریں گے، روانہ بیجاں گا۔" میں نے کہا۔

پونک کاں مجھے دوسرے دن گیارہ بجے ملی۔ جس میں کہا گیا تھا کہ میں نیو یارک پہنچ پونک کاں کاں مجھے دوسرے دن گیارہ بجے ملی۔ جس میں کہا گیا تھا کہ میں نیو یارک پہنچ پہنچنا تھا۔ کہا گیا تھا کہ پہنچنا تھا۔ مجھے نیو یارک میں اس جگہ سے بھی آگاہ کر دیا گیا، جہاں مجھے پہنچنا تھا۔ لہذا مجھے اس سلسلے میں پہنچنا تھا، میرا استقبال کریں گے، جن میں مسٹر ڈیوڈ بھی ہوں گے۔ لہذا مجھے اس سلسلے میں کل اوقت نہیں ہو گی۔

"وہرے دن صبح میں اپنے سینٹر سے ساحل تک پہنچ گیا۔ فلیکس مجھے چھوڑنے آیا تھا۔ اور ہر اُن نے مجھے نیک خواہشات کے ساتھ الوداع کرتے ہوئے پوچھا۔ "مسٹر کین! کیا

"اُنہوں نے سپلے آپ اس جزیرے پر آئیں گے یا وہیں سے ہی چلے جائیں گے؟"

"اس سلسلے میں ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا ڈیزیر! ممکن ہے، مجھے وہیں سے چلا جانا پڑے۔ لیکن اُر کوئی بات آپ کے لئے پریشانی کا باعث بنے تو آپ مجھے رنگ کر سکتے ہیں۔

ہم درود! آپ کو جانے کی اطلاع ضرور ہوں گا۔" میں نے کہا۔

"بہتر ہے،" فلیکس نے جواب دیا اور میں خشکی پر اُتر کر آگے بڑھ گیا۔

نیو یارک میں اس مقام پر، جہاں مجھے چند لوگوں سے ملاقات کرنی تھی، مسٹر ڈیوڈ کے ملبوس چار افراد اور نظر آئے۔ انہوں نے بڑی گرم جوشی سے مجھے خوش آمدید کہا۔ پھر میں ایک کنارہ میں اُن کے ساتھ بیٹھ کر چل پڑا۔ جس عمارت میں مجھے لے جایا گیا تھا، وہ نیو یارک سے کوئی ملاحتے میں تھی۔ اور کافی خوبصورت عمارت تھی، جس میں تا حد تک خاردار تاروں نما بارگی بھوپلی تھی۔ اور ایک طویل حصے کا احاطہ کیا گیا تھا۔ عمارت کے صدر دروازے پر کچھ فوجیں اُنہیں بجا گئیں۔ کار اُن کے درمیان سے گزر کر آگے بڑھ گئی۔ تحوڑی دیر اس لئے ہم، اصل عمارت میں داخل ہو گئے۔ بیہاں پر بڑے اعلیٰ فوجی افسروں نے میرا استقبال کیا۔ مسٹر ڈیوڈ نے اُن سے میرا تعارف کرایا اور پھر مجھ سے نیک خواہشات کا اظہار

کر کے وہاں سے چلے گئے۔ جس شخص سے میری ملاقات ہوئی تھی، اُس کا نام ہیڈلک تھا۔ مسٹر ہیڈ مجھے ایک کمرے میں لے گئے۔ جو شاید کافرنس روم کے طور پر استعمال ہے تھا۔ یہاں چند افراد دوسرے افراد بھی موجود تھے۔ جنہوں نے کھڑے ہو کر میرا مقابلہ میں خاص طور سے آپ کا تعارف مسٹر اینٹ فرینک سے کراؤں گا مسٹر کین! ہیڈلک نے کہا اور ایک شخص نے آگے بڑھ کر گردون جھکا دی۔

یہ طویل القامت اور انہائی تیز آنکھوں والا ایک نوجوان شخص تھا۔ اُس نے بڑی گروپ سے ہاتھ ملایا اور میں نے بھی اُس سے پر تکلف کلمات کہے۔

اس کے بعد چند دوسرے افراد سے میرا تعارف کرایا گیا۔ اور پھر میں کافرنس نیبل کر گرد پڑی ہوئی ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ تب ہیڈلک نے کھانا شروع کیا۔

”جیسا کہ ہمیں اطلاع ملی تھی مسٹر کین! اور جیسا کہ مسٹر ڈیوڈ نے بتایا تھا کہ آپ پر خلوص کے ساتھ حکومت امریکہ کے لئے کام کرنے پر تیار ہو گئے ہیں، ہم نے آپ کے لار خلوص کو اپنے سینے میں محسوس کیا ہے۔ اور اس بات پر یقین کر لیا ہے کہ آپ بلاشبہ حکومت امریکہ کے وفادار اور اس کے لئے خلوص سے کام کرنے پر تیار ہیں۔ چنانچہ آپ آپ کے“
ہمارے درمیان تکلف کی کوئی دیوار باقی نہیں ہے۔ آپ کے فراہم کردہ نقصوں سے ہمارے منصوبوں کا پتہ چلتا ہے۔ گو، ابھی اُس نے اس جنگ کا آغاز نہیں کیا ہے جو اُس کے ذمہ میں پروش پا رہی ہے۔ لیکن ہتلر جیسی شخصیت کے بارے میں اس بات کا اندازہ کر لیا مسئلک نہیں ہے کہ وہ جنگ شروع کرنے میں کوئی عار نہیں محسوس کرے گا۔ ان حالات کو ملزم رکھتے ہوئے حکومت امریکہ نے کسی ایسے شخص کے انتخاب کا فیصلہ کیا جو ہتلر کے تمام منصوبوں کو ہم تک پہنچائے۔ اور ایسے ذہین شخص ہماری زندگی میں صرف آپ تھے۔“

”میں اس اعتماد کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔“ میں نے کہا۔

”ہم نے بھی اسی اعتماد سے آپ کو طلب کیا ہے کہ آپ یقیناً وہ کام کر لیں گے، جو ہمارا ضرورت ہے۔“

”میرے لئے کیا حکم ہے.....؟“ میں نے سوال کیا۔

”ہم چاہتے ہیں کہ آپ، نازی جرمی کے آہنی پرے کو توڑ دیں۔“

”وہ کس طرح.....؟“ میں نے سوال کیا۔

”اس طرح کہ آپ، برلن میں داخل ہو جائیں اور جمنوں کی تیاریوں کو آنکھوں سے دیکھ

رہیں ان کے احوال سے آگاہ کریں۔“ ہیڈلک نے کہا۔
چند ساعت میں سوچتا رہا۔ پھر بولا۔ ”امریکہ کے لئے کام کرنے میں مجھے ذرا بھی عار نہیں ہے۔ لیکن میں اس سلسلے میں مزید تفصیلات کا خواہ مند ہوں۔“

”تمہیک ہے مسٹر کین! برلن میں داخلے تک ہم، آپ کی بھرپور مدد کریں گے۔“
”اوہ..... اگر یہ بات ہے تو باقی کوئی مشکل ہی نہیں رہ جاتی۔ برلن میں داخل ہو کر میں ہاہب اندامات کر سکوں گا۔“ میں نے جواب دیا اور ہیڈلک نے مسکراتے ہوئے گردن بلی۔

پھر وہ اینٹ فرینک کی طرف دیکھ کر بولا۔ ”میں نے مسٹر اینٹ سے آپ کا تعارف کرایا ہے۔ اینٹ ہمارے محلہ خصوصی کے خاص لوگوں میں شامل ہیں۔ ان کی ذات سے حکومت امریکہ نے بڑی امیدیں وابستہ کر رکھی ہیں۔ اور اس سلسلے میں طے یہ کیا گیا ہے کہ مسٹر اینٹ، آپ کو اسٹر کریں گے۔“

”انتے بڑے شخص کو آپ نے میرے تحت دے کر میرا خیال ہے کہ مجھے ابھن میں ڈال بیا ہے۔“

”جی نہیں..... یہ کام اتنا ہی اہم ہے کہ اس کے لئے آپ کا انتخاب کیا گیا..... اور جس کام کے لئے جس شخص کا انتخاب کیا جاتا ہے، اس کی صلاحیتوں کا پہلے اعتراف کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد وہ کام اُس کے سپرد کیا جاتا ہے۔ چنانچہ مسٹر اینٹ بخوبی آپ کو اسٹر کرنے پر تیار ہیں۔“

”ٹھیک ہے جناب! اگر یہ بات ہے تو مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟“ میں نے جواب دیا۔

”اس سلسلے میں ہمیں معلوم ہوا ہے کہ آپ نے حکومت کو اپنی شرائط سے آگاہ نہیں کیا ہے۔“ ہیڈلک بولا۔

”کیا مسٹر اینٹ نے آگاہ کر دیا ہے؟“ میں نے سوال کیا۔

”ہیڈلک کے چہرے پر محبت مسکراہٹ پھیل گئی۔“ ”جی نہیں.....“ اُس نے جواب دیا۔
”تاب براہ کرم! مجھے اس بات کا حساس نہ دلائیں کہ میں اس ملک میں نوادرد ہوں یا نیا ناہم ہوں۔“

”ہم، آپ کے جذبات کی قدر کرتے ہیں۔ تو طے یہ کیا گیا ہے مسٹر کین! کہ آپ کو

باقاعدگی کے ساتھ ایک اتنی سری رسم ہر ماہ ادا کی جائے، جسے آپ کی کاوشوں کا بدل سکے۔ اور اس سلسلے میں تعین کا منسلک حکومت پر چھوڑ دیجئے۔ باقی رہا آپ کا مسئلہ برلن تک کیسے پہنچیا جائے، تو اس سلسلے میں ساری ذمہ داریاں مشرائیں فریک کے آپ کی روائی اگر کسی وجہ سے لیٹ ہو جائے تو ہم تعرض نہیں کریں گے۔ لیکن ہمارے سے ساری تیاریاں مکمل ہیں۔“

”ٹھیک ہے..... میں بھی روائی کے لئے تیار ہوں۔ لیکن مجھے کس راستے سے ہو گا؟“ میں نے سوال کیا۔

”یہاں سے پہلے آپ ہالینڈ جائیں گے۔ اس کے بعد آپ کا سفر سویڈن کے لئے اور سویڈن میں مشرائیں، آپ کو آخری بکار روائی سے آگاہ کر دیں گے۔“ اُس نے دیا۔

”ٹھیک ہے..... تو روائی کے انتظامات کب تک مکمل ہو جائیں گے؟“ میں نے کیا۔

”اگر آپ چاہیں تو فوری طور پر۔“ مشری ہیڈلک نے جواب دیا اور میں نے انداز میں گردان ہلا دی۔

”ٹھیک ہے۔ اگر زیادہ جلدی ہو تو میں جزیرے پر والپس جانا بھی ضروری نہیں تھا۔“ اس سے عمدہ اور کوئی بات نہیں ہو سکتی مشریکین! میرا خیال ہے، آپ کے ارادہ درمیان سارے معاملات طے ہو چکے ہیں۔ فوری طور پر آپ کی رہائش کا بندوبست ایک فلیٹ میں کیا جا رہا ہے۔“ ہیڈلک نے کہا اور میں نے آمادگی ظاہر کر دی۔ دو دن میں نیو یارک رہا۔ اور اس کے بعد ایک پوری ٹیم کے ساتھ خصوصی طیارہ ہالینڈ روائی ہو گیا۔ اینٹ فریک میرے ساتھ تھا۔ ہالینڈ میں تین روزہ قیام کے بعد اس سویڈن روائی ہو گئے۔

امریکی حکومت کے اثر و رسوخ کے بارے میں کچھ کہنا فضول ہے۔ سویڈن میں لئے ایک خوبصورت رہائش گاہ کا بندوبست کر دیا گیا۔ اینٹ اور دسرے سامنی، اس میں نہیں ٹھہرے تھے۔ یہاں میرے لئے ہر شے فراہم کر دی گئی تھی۔ اور ہر جگہ پھرنے کی آزادی تھی۔ اسی دوران میں نے جرمی کے حالات معلوم کئے۔ لیکن اس وقت کوئی نہیں کہتا

جرمنی میں کیا ہو رہا ہے؟ جرمنوں نے واقعی اپنے گرد ایک آئنی دیوار قائم کر لی تھی۔ ان ذہنیں کیا ہو رہا ہے؟ جرمنوں میں مانگے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ لیکن امریکیں ملکے خفیہ کی کارکردگی قابل تعریف تھی۔ انہوں نے کوئی ترکیب سوچ لی تھی۔

ایک شب، جب میں اپنی رہائش گاہ میں آرام کری پر دراز، اخبار پڑھ رہا تھا تو ایسٹ زیک، اپنے دوساریوں کے ساتھ میرے پاس پہنچ گیا۔ میں نے اُسے دیکھ کر انخبار کھدیا۔ انتظامات تکمیل ہو چکے ہیں مشریکین.....!“ اُس نے مسکراتے ہوئے اطلاع دی۔

”خوب..... تو تم نے کوئی ذریعہ تلاش کر ہی یا.....؟“

”اپنہانی محنت کرنی پڑی ہے۔“ اینٹ فریک نے جواب دیا اور بے تکلفی سے میرے مانگے پڑی ہوئی کرتی پر بیٹھ گیا۔ بقیہ دو افراد نے بیٹھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ ہم سے کچھ اصل پر کھڑے رہے۔

”لیکن انتظام کیا گیا ہے؟“

”جرمنی کی خفیہ تنظیم کا ایک افسر ہمارے ہاتھ لگ گیا۔ وہ ان دونوں روپیوں کی قید میں ہے۔ اور ہم نے شدید محنت کر کے اس کے بارے میں معلومات فراہم کی ہیں۔“

”خوب..... کیا نام ہے اس کا؟“

”شاپیلاک.....؟“

”میں نے یہ نام اس سے قبل نہیں سنا۔ بہر حال! اس شخص سے تم کیا فائدہ اٹھانا چاہتے ہو؟“

”ہم اُسے روپیوں کی قید سے فرار کرنے کا منصوبہ بنانے چکے ہیں۔“ اینٹ فریک مسکرا کر لالا۔

”وہ کس طرح.....؟“

”یہ ہمارا کام ہو گا..... اور یقین کرو مشریکین! یہ کام زیادہ مشکل بھی نہیں ہے۔“

”لیکن اس کے فرار سے ہمیں کیا فائدہ ہو گا؟“ میں نے پوچھا اور اینٹ فریک نے لاکاروں کے سے انداز میں آنکھیں بھیجنیں اور مسکرا دیا۔

”درحقیقت شاپیلاک، روپیوں کی قید سے فرار نہیں ہو سکے گا۔ لیکن اس کی جگہ تم ناٹیاک بن کر برلن جاؤ گے۔“ اینٹ فریک نے کہا اور میں چونکہ کر سیدھا ہو گیا۔ پلان ہست غمہ تھا اور سننی خیز بھی..... میں اس پر غور کرتا رہا۔ اور اینٹ، میری شکل دیکھتا رہا۔ پھر

”جیت نہ کریں مسٹر کین! بڑی جھتوکے بعد اس شخص کو تلاش کیا گیا ہے۔ اس کے ندوال، آپ سے ملتے جلتے ہیں اور معمولی میک آپ، آپ کو اس کی شکل میں تبدیل کر سکتا ہے۔“ ایس نے جواب دیا۔

”اس کے بعد میں، وہ فائل دیکھتا رہا۔ پھر مطمئن ہو کر کہا۔ ”ٹھیک ہے مسٹر فرینک! میرا ذمیل ہے، میں اس شخص کا روول آسانی سے کر سکتا ہوں۔ لیکن اس کے لئے بھی کچھ وقت برکار ہو گا۔“

”ظاہر ہے، آپ کو آپ کی ضرورت کے مطابق وقت دیا جائے گا۔“

”فیلمیں اور فائلیں میں رکھوں گا۔“

”یہ آپ کی ملکیت ہیں۔“ فرینک نے کہا اور ساری چیزیں میرے حوالے کر دیں۔ اس کے بعد، میں اپنی رہائش گاہ پر واپس آگیا۔ پروجیکٹر اور فیلمیں میں نے کمرے میں رکھ دیں۔ اور پھر یہ میرا محبوب مشغلوں بن گیا کہ میں، شایلیاک کی فلم دیکھتا ہوں۔

میں نے اس کے انداز کی نقل کرنے میں بڑی محنت کی اور اپنے طور پر مطمئن ہو گیا۔ اس کے علاوہ میں نے ایک اور کوشش بھی کی تھی۔ سکرٹ پیلس کی تربیت معمولی نہیں تھی۔ میں نے چند خاص نکات نوٹ کئے تھے اور اُن پر عمل بھی شروع کر دیا۔ اس عمارت کے ایک الام کو میں نے ایک کام کے لئے تیار کر لیا۔ لیکن کام کی نویعت نے ملازم کو حیران کر دیا۔ دیر تک وہ سرکجا تارہا، اور پھر تیار ہو گیا۔ لیکن عمل کے وقت اُس کی حالت قابل دیدھی۔

میں نہیں بڑھ کر اتحاد اور ملازم کے ہاتھ میں کوڑا تھا۔ ”مارو.....!“ میں نے اس سے کہا۔

”صاحب..... وہ..... وہ.....“ ملازم ڈری ڈری سی آواز میں بولا۔

”مارو.....!“ میں دھماڑ اور میں نے کمرے کا دروازہ بند کر دیا۔

ملازم نے ڈرتے ڈرتے کوڑا، میری پیٹھ پر مارا اور میں نے اس کے منہ پر اُنہاں ہاتھ رسید کر دیا۔ ”یہ کوڑا مارا ہے تم نے ادھر لاو!“ میں نے ہاتھ بڑھایا اور اُس نے چڑی کے ہاتھ میں جسم سے حوالے کر دیا۔ دوسرا لمحے اُس کی دھماڑ، کمرے میں گونج آئی۔ میں نے اس کے رسید کر دیا تھا۔

”اس طرح مارا جاتا ہے..... اگر اب تمہارا کوئی ہاتھ، ہلاک پڑا تو میں تمہارے بدن کی نعل انہار دوں گا۔“ میں نے کہا۔ ملازم کی ھٹھی بندھی ہوئی تھی۔ لیکن اب وہ پوری قوت ستمبر سے بدن پر کوڑے برسا رہا تھا اور میری پشت کی نکھال ادھر رہی تھی۔ کئی کوڑے

مسکرا کر بولا۔ ”مجھے یقین ہے کہ تم اس پروگرام کو بند کرو گے مسٹر کین؟“

”ہاں..... پروگرام واقعی شاندار ہے۔“ میں نے اعتراض کیا۔

”تو پھر طے.....؟“ اُس نے پوچھا۔

” بلاشبہ..... لیکن دیگر کوائف؟“

”میں پوری تیاریاں کر کے ہی تمہارے پاس آیا ہوں۔ اور اُن کی تفصیل یوں ہے۔“ ایک، شایلیاک کے بارے میں ایک تفصیلی فلم رپورٹ موجود ہے جس میں اُس کی آواز اُن کے چلنے کا انداز، اُس کی مخصوص عادت وغیرہ شامل ہے۔ نمبر دو، ایک فائل، جس میں اُر کے حالات زندگی ہیں۔ اُس کے عزیز و اقارب کے بارے میں تفصیل ہے۔ خاص بات ہے کہ ہم نے اپنے طور پر اُس کی ایک مجبورہ کاپی چلایا ہے جو اس وقت فرائیں میں ہے۔“ وہاں جرمی کے لئے جاؤ کر رہی ہے۔“ ایس نے فرینک نے کہا اور میں ششدہ رہ گیا۔

”گویا آپ میری کارکردگی پر اطمینان کا اظہار کرتے ہیں؟“ اُس نے پوچھا۔

”حیرت کا بھی۔“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”وہ کیوں.....؟“

”اس نے ڈیر ایسٹ! کہ اتنی شاندار صلاحیتوں کا مالک ہوتے ہوئے بھی اس ہم بنا کے لئے تمہارا انتخاب کیوں نہیں کیا گیا؟“

”اوہ..... میں، آپ کو اپنی حکومت کی توہین کی اجازت نہیں دوں گا مسٹر کین!“ ایس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”کیسی توہین؟“

”ظاہر ہے، میری حکومت کا انتخاب غلط نہیں ہو سکتا۔ اُس نے یقیناً کچھ سوچ کر ہی تھیں اس اہم کام کے لئے منتخب کیا ہو گا۔“ ایس نے فرینک نے جواب دیا۔

”پھر میری ابتدائی تربیت کب شروع ہو رہی ہے؟“

”آپ تیار ہوں تو چلیں.....؟“ ایس نے فرینک نے کہا اور میں کھڑا ہو گیا۔

ایس، مجھے جس عمارت میں لایا تھا، وہ بھی بہت خوبصورت تھی۔ اسی عمارت کے الک پرو جیکشن ہاں میں مجھے شایلیاک کے بارے میں فلم دکھائی گئی۔ انتخاب، لا جواب تھا۔ شایلیاک کی جسامت اور خدوخال مجھ سے بہت ملتے تھے۔ گویا معمولی تبدیلیوں کے ساتھ میرا تیسرا ہم شکل موجود تھا، جس پر میں نے حیرت کا اظہار کیا۔

کھانے کے بعد، میں نے اُسے روک دیا۔ پھر اسے لے جا کر ایک کمرے میں بند کر دیا۔ ”اگر تم نے چینخے یا یہاں سے نکلنے کی کوشش کی تو میں تمہاری گردان دماڑوں گز بھی نے اُسے وارنگ دی۔ ملازم کی بری حالت تھی۔ اگر چند روز مزید وہ میرے ساتھ رہتا تو شاید اپنا زندگی تو ان کھو بیٹھتا۔ اُسے کام ہی ایسے کرنے پڑتے تھے۔ اُس کی خدمت میں یہ ڈیوبی شال قبضہ کوڑے لگانا، سگریٹ سے جگہ جگہ میرا بدن جلانا۔ کئی چھوٹے چھوٹے زخم بھی لکھے! تھے..... اور پھر جب اُس کا کام ختم ہوا تو وہ مذہبی تھا۔ اُس شام اینٹ فریک، چائے پر موجود تھا۔ میں نے اعلان کیا۔ ”میں فرانس جانے لئے تیار ہوں۔“

”وری گذ..... تو پھر کب روائی ہوگی.....؟“

”یہ تم پر محصر ہے۔“

”میری بات نہ کرو! آج رات ہی خصوصی طیارہ شہیں لے کر فرانس روانہ ہو سکتا ہے۔“

”تو پھر ہم آج ہی چلیں گے۔“

”وری گذ..... تب مجھے اجازت دو! آخری تیاریاں مکمل کرلوں۔ تھوڑی دیر کے! میک اپ میں تمہارے پاس آئے گا۔“

”میرا خیال ہے کہ اس کی ضرورت نہیں فریک!“

”کیوں؟ میرا مطلب ہے، تھوڑی سی تبدیلی تو ضروری ہے۔“

”وہ میں خود کرلوں گا۔“

”اوہ..... تو کیا تم میک اپ کے فن سے واقف ہو.....؟“

”پوری طرح..... میں نے اپنے جسم پر میک اپ کیا ہے۔“

”کیا واقعی.....؟“ اُس نے سوال کیا اور میں نے اپنی تیص اُتار دی۔ فریک مجھے کہا۔

”اچھل پڑا۔“ میرے خدا.....! یہ میک اپ ہے؟“

”ہاں..... کیسا ہے؟“

”بے مثال..... لیکن یہ..... لیکن یہ..... نہیں..... یہ میک اپ نہیں ہے۔“

کے چہرے پر تاسف کے آثار نظر آنے لگے۔

”آؤ! میں تمہیں میک اپ میں سے ملاوں۔“ میں نے کہا اور اُسے اُس کرے:

”مجھے اندازہ ہے فریک! بہر حال، تم نے میری کافی مدد کی ہے۔ میں اس کے لئے تمہارا

لے آیا جہاں ملازم موجود تھا۔ خوف کا شکار شخص..... یہ میک اپ اس نے کیا ہے۔“ میں نے کہا اور ملازم چلتے پڑا۔

”میرا کوئی قصور نہیں ہے..... انہوں نے مجھے مجبور کیا تھا..... مجھے جانے دو..... مجھے آزاد کر دو! میں مر جاؤں گا.....“

”نکرت کرو! تمہارا کچھ نہیں بگزے گا۔“ فریک نے حالات کو سمجھتے ہوئے اُسے تسلی دی اور میرے ساتھ باہر آ گیا۔

”کیم..... یہ کیوں.....؟ یہ کیوں مسٹر کین.....؟ اوہ! تم نے تو اپنے پورے جسم کو داغدار کر لیا ہے۔“

”میک اپ سے کام نہیں چل سکتا تھا فریک! میرا خیال ہے کہ اس پوزیشن میں کسی شکر دشی کی چیختش نہیں رہے گی۔ میں نے چہرے کے میک اپ کے لئے بھی تمہیں اس لئے منع کیا ہے کہ میں اپنے چہرے پر بھی چدر ختم لگاؤں گا۔ کچھ میرے خدو خال، میری مدد کریں گے۔ بھڑکاہی ختم ہو جائے گا۔“

اینٹ فریک کے چہرے پر عجیب سے تاثرات نظر آ رہے تھے۔ وہ بے حد سنجیدہ ہو گیا تھا۔ بہر اس نے بھاری لمحے میں کہا۔ ”اور یہ سب کچھ تم نے حکومت امریکہ کے مفاد میں کیا ہے؟“

”بے شک..... کیا یہ بہتر نہیں ہے؟“ میں نے پوچھا۔

”تم نے ہماری پلانگ کو حقیقی شکل دے دی ہے۔ میں اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہوں گا۔“

”خیر..... اب تم چلو فریک! ہمیں آج رات روانہ ہو جانا چاہئے۔ اور ہاں! اُس ملازم کو ماحصلیتے جاؤ۔ لیکن اس کی زبان بند رہنی چاہئے۔“

”ٹھیک ہے.....“ اُس نے کہا اور ملازم کو ساتھ لے کر چلا گیا۔



ٹیارہ، پیرس ایز پورٹ پر اُتر گیا۔ اینٹ فریک اور دوسرا لوگ باہر آ گئے۔ ایئر پورٹ کی عمارت سے باہر آ کر اینٹ فریک نے مجھ سے آخری ملاقات کی۔ ”بس میرے است! اب میں چلتا ہوں۔ اور ظاہر ہے، اب میں تمہارے قریب نہیں رہ سکوں گا۔“

”مجھے اندازہ ہے فریک! بہر حال، تم نے میری کافی مدد کی ہے۔ میں اس کے لئے تمہارا

شکرگزار ہوں۔

”میں نے اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ اور پھر تم رخصت ہو گئے

اب تک میں نے اپنے طور پر آرام کیا تھا۔ جو کچھ کر رہا تھا، اینٹ فریک ہی کر رہا تھا لیکن اب میرا کام شروع ہو چکا تھا۔ میرے جسم کے مختلف حصوں میں درد کی شیئیں اٹھ رہی تھیں۔ اور بعض اوقات میں ان کی وجہ سے پریشان ہو جاتا تھا۔ لیکن ابتدائی طرف پر وہ ضروری تھا۔

ایرپورٹ سے میں نے ٹیکسی لی اور ایک ہوٹل کی طرف چل پڑا۔ آرام دہ اور خوبصورت ہوٹل کے کمرے میں بیچھ کر میں نے ایک پرسکون رات گزاری۔ اور دوسرا صبح اپنے کام سے نکل پڑا۔ پریشان، ایک شور میں سیلز گرل تھی۔ اور میرے پاس اس شور کے بارے میں پوری معلومات موجود تھیں۔

دن کو تقریباً پونے بارہ بجے، میں اس شور کے سامنے سے گزرا۔ میں نے پہلی نگاہ میں پریشان کو پیچان لیا تھا۔ اور پھر میں اس طرح شور کی طرف بڑھا جیسے کوئی چیز خریدنا پڑتا ہوں۔

شور میں داخل ہو کر میں نے ادھر ادھر دیکھا اور پھر اس طرح پریشان کی طرف بڑھا جیسے اس سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔

”خاتون! میں کسی کم قیمت.....“ اور پھر میں نے پریشان کی طرف دیکھ کر بہت عمدہ ادا کاری کی۔ پریشان پہلی نگاہ میں مجھے نہ پیچان سکی تھی۔ لیکن دوسرے لمحے اس پر بھی حیرت کا شدید دورہ پڑا اور وہ ساکت ہو گئی۔ وہ پہنچی پہنچی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ چند لمحات اسی طرح گزرے۔ پھر پریشان، کی سرسراتی ہوئی آواز اُبھری۔

”آپ کو کیا چاہئے جناب.....؟“

”میں کوئی انتہائی کم قیمت لباس چاہتا ہوں مس پریشان!“ میں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

”اوہ..... تو یہ میرا شبہ نہیں تھا..... یہ تم ہوشایلا ک؟“ پریشان، کے جسم کی کپکاہٹ نہایا تھی۔ وہ فرط مسمرت و حیرت سے کپکارا ہی تھی۔

”پیچان لیا تم نے مجھے پریشان؟“ میں نے اُداس مسکراہٹ سے کہا۔

”تمہیں نہیں پیچانوں گی شایلا ک! اپنی زندگی کو، اپنی روح کو.....“ وہ بولی۔ ”تھا“

”بام کہاں ہے شائی؟“

”البران میں..... روم نمبر گیارہ۔“

”اوہ..... وہ نفرت انگیز ہوٹل، جو کسی عربی کا ہے۔“ پریشان نے کہا۔

”میری حالت بہت خراب ہے پریشا! تم تصور بھی نہیں کر سکتیں۔“

”سب ٹھیک ہو جائے گا ڈارلنگ..... سب ٹھیک ہو جائے گا۔ تم، یہاں سے اپنے ہوٹل باہر میں تھوڑی دیر میں پہنچ رہی ہوں۔ اس کے بعد باقی گھنگو ہو گی۔“

”ٹھیک ہے پریشا! تمہارا فرانس میں مل جانا، میرے لئے واقعی حیرت انگیز بات ہے۔ اس وقت مجھے کسی سہارے کی شدید ضرورت تھی۔ میری جو حالت ہے پریشا! جب تم ہوٹل آؤ گی، بت معلوم ہو سکے گی۔“

”مجھے اور آزمائش میں مت ڈالو شایلا ک..... بس! میں پہنچ رہی ہوں۔“ پریشان نے

”تلکن لجھ میں کہا اور میں پلٹ پڑا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ عقب سے مجھے دیکھ رہی ہو گی۔“

”تھوڑی دیر بعد میں اپنے ہوٹل میں تھا۔ ہوٹل البران کے بارے میں پریشا، نے جس نفرت کا انہصار کیا تھا، درحقیقت! وہ اتنا نفرت انگیز بھی نہیں تھا۔ صاف تھرے چھوٹے چھوٹے کرے تھے۔ اور اس کے اخراجات شاید فرانس میں سب سے کم تھے۔ ورنہ پیرس

میں شہر میں ہوٹلوں کا کرایہ اتنا ہوتا ہے کہ عام آدمی، ان میں قیام کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔“

میں نے باقاعدہ پروگرام کے تحت ہی اس ہوٹل میں قیام کیا تھا تاکہ میری حیثیت برقرار رہے۔ اور اب میں پریشان کا انتظار کر رہا تھا۔ تقریباً پون گھنٹہ انتظار کرنا پڑا۔ پھر دروازے پر دلکش سنائی دی۔

”آ جاؤ پریشا!“ میں نے پورے وثوق سے کہا۔ ظاہر ہے، پیرس میں میرے پاس اور کون آسکتا تھا؟ دروازہ کھول کر پریشا اندر آ گئی اور پھر اس نے بڑے جذباتی انداز میں دروازہ بند کیا تھا۔ اس کے بعد دوڑتی ہوئی آئی اور مجھ سے پلت گئی۔ اس کی سکیاں گونج ری تھیں اور اس کا انداز بڑا بیجان خیز تھا۔ مگر میرے حلقو سے کئی باری، یہی کی آواز نکل گئی۔

پریشا! اس آواز سے بے خبر مجھ سے لپٹی ہوئی مجھے بھیختی رہی۔ وہ مجھے بری طرح چوم رہی تھی۔ اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہرہ رہے تھے۔ تب میں نے اس کے دونوں رُخسار اپنے آنکھوں میں لئے اور اس کا چہرہ اپنے چہرے سے قریب کر لیا۔ میں بھی اسے بڑی محبت پھری

تھی۔ اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہرہ رہے تھے۔ تب میں نے اس کے دونوں رُخسار اپنے آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔

پیشا کا چہرہ آنسوؤں سے تر ہو رہا تھا۔ میں نے ہاتھوں سے اُس کے آنسو پر چھپے پہلی بار اُس کی نگاہ میری تھیں یوں پڑی۔ اُس نے جلدی سے میرے ہاتھ، اپنی انکر کے سامنے کئے اور اُس کے منہ سے ہلکی سی جیخ نکل گئی۔

”یہ..... یہ کیا ہے شانی..... یہ کیا ہے؟“

”تمہیں معلوم ہے پیشا! کہ میں رو سیوں کی قید میں تھا۔“ میں نے جواب دیا۔

”ہاں..... مجھے معلوم ہے۔“

”تو پھر تم کیا سمجھتی ہو..... کیا رو سیوں نے مجھے ایک محزمہ مہمان کی حیثیت سے رکھا ہے؟“ نہیں پیشا! انہوں نے مجھے جاؤں سمجھ کر پکڑا تھا اور ایک جاؤں سے رازِ الگوانے کے لئے جو کچھ کوششیں کی جاسکتی ہیں، یقیناً انہوں نے کی ہوں گی۔ میرا پورا بدن زخموں سے چڑھے پیشا! میں نے تم سے کہا تھا! کہ میری حالت خراب ہے۔“ میں کراہتی ہوئی آواز میں بولا۔ اُس نے مضطربانہ انداز میں میری قمیض کے بننے کھلوں دینے اور پھر میری قمیض کو انداز دیکھا تو جسم واقعی زخموں سے چور تھا۔ وہ انہیں دیکھ کر رونے لگی۔ پھر اُس نے عجیب سے انداز میں کہا۔ ”آہ..... شانی! تم نے مجھے پہلے کیوں انہیں بتایا تھا۔“ تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا؟“

”اتی مختصری ملاقات میں تمہیں کیا بتاتا پیشا.....؟“

”آہ..... میں کیا کروں؟ کسی ڈاکٹر سے بھی رابطہ قائم نہیں کیا جاسکتا۔ اُس کے ذمہ نم تجسس پیدا ہو گا۔ میں زیرِ میں ڈیپارٹمنٹ کے کسی ڈاکٹر کو طلب کرتی ہوں۔“

”زیرِ میں ڈیپارٹمنٹ کے.....؟“ میں نے سوالیہ نگاہوں سے اُس کی طرف دیکھا۔

”ہاں..... ہمارا یونیٹ یہاں کام کر رہا ہے۔“ پیشا، نے بتایا۔

”اوہ..... تو تم اسی سلسلے میں یہاں نظر آ رہی ہو؟“

”ہاں..... تو اور کیا؟ ٹھہر وہ! میں فون کرتی ہوں۔“ وہ اٹھنے لگی۔ لیکن میں نے اُس کا ہدایا۔

”نہیں پیشا! یہ مناسب نہیں ہو گا۔ اگر تم اتنی ہی مضطرب ہو تو پھر ایسا کرو! کہ بازار کر ایک فرسٹ ایڈ بکس لے آؤ۔ میں تو اب ان زخموں کا عادی ہو گیا ہوں۔ تمہیں کیا مفہوم میری پشت پر کئنے زخم خشک ہوئے ہیں؟ اور ان خشک زخموں پر کتنے نئے زخم لگائے ہیں؟“ مناسب بھی ہے کہ تم خود ہی ان زخموں کا علاج کرو۔ کسی ڈاکٹر کو بلانا خطرناک ہو سکتا۔

ذاع طور سے اس صورت میں جب کہ تمہارا یونیٹ یہاں کام کر رہا ہے۔“
”آہ..... کاش! تم اسی وقت مجھے کوئی إشارہ کر دیتے۔ میں وہیں سے کوئی بندوبست کر کے آتی۔ دیکھو! اس بندول میں تمہارے لئے کچھ کپڑے ہیں۔ میں نے تمہارے لباس سے اندازہ کیا تھا کہ تمہیں ان کی ضرورت ہے۔ لیکن باقی باقیں، بعد میں ہوں گی۔ پہلے میں خوبی دیر کے لئے تم سے اجازت چاہوں گی۔ تاکہ میں تمہارے ان زخموں کے لئے کوئی

بندوبست کر لوں، جو مجھے اپنے بینے پر لگے ہوئے معلوم ہو رہے ہیں۔“ پیشا، نے کہا۔

ظاہر ہے، میں اس محبت بھری لڑکی کو کیسے روک سکتا تھا؟ پھٹا نچوہ باہر چل گئی۔ اب تک میں نے جو اداکاری کی تھی، اُس سے مطمئن تھا۔ اور محسوس کر رہا تھا کہ آئندہ اس اداکاری کو کچھ اور جاندار بنا دوں گا تو یقیناً اس سلسلے میں بھی مجھے کامیابی نصیب ہو گی۔

تحوڑی دیر کے بعد بیشا وابس آگئی۔ دروازہ بند کر کے اُس نے میرا پورا الیاس اُتر وا دیا۔ وہ مجھ سے جس قدر بے تکلف تھی، اس کے بارے میں تو مجھے معلومات پہلے سے تھیں۔ بہر صورت! اُس نے میرے زخموں پر دوائیں لگائیں، چند شیپ میرے چہرے پر بھی چکائے۔ ان تمام زخموں کی ڈرینگ سے فارغ ہو کر اُس نے بلیک کافی مغلوقی۔ ایک بیانی ہاکر مجھے پیش کی اور دوسری خود لے کر میرے سامنے بیٹھ گئی۔

”ہاں شایلاک..... میری جان! اب مجھے بتاؤ، تم رو سیوں کی قید سے کس طرح آزاد ہوئے؟“ اُس نے پوچھا۔

”زوہی معلوم کرنا چاہتے تھے کہ جرمی کے اندر ورنی حالات کیا ہیں؟ لیکن میں نے خود کو ہر من تعلیم کرنے سے ہی انکار کر دیا۔ جرمن زبان سے اپنی ناواقفیت کا اظہار کرتے ہوئے میں نے انہیں بتایا کہ میں ڈنمارک کا باشندہ ہوں۔ جرمی سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔ بس! دیویو ف اسی سلسلے میں کوشش کرتے رہے اور میرے جسم کو مختلف طریقوں سے داغدار بناتے رہے۔ پھر مجھے ایک موقع مل گیا اور شدید جدوجہد کے بعد رہوں کی سرحدیں پار کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ میں نے یہ جدوجہد زندگی کی بازی لگائی تھی پیشا! اور بالآخر زندگی جیت گئی۔“

”آہ..... شایلاک! تمہارے پیچھے، میری جو ذہنی حالت تھی، اُسے میں بیان نہیں کر سکتی۔ بس! یوں سمجھو، کہ زندہ تھی لیکن مردوں کی ماں۔ اپنے بطن کے لئے کام کرنے کی لگن

نہ ہوتی تو شاید میں خود کشی ہی کر لیتی۔ کافی عرصے سے فرانس میں ہوں اور یہاں زیرِ ڈیپارٹمنٹ کی ایک اہم رکن ہوں۔ ہم لوگ یہاں سے بہت ساری معلومات حاصل کر جرمی رو انہ کر چکے ہیں۔ اور ابھی چند روز پہلے ہی اطلاع ملی ہے کہ مجھے واپس جرمنی یا انہ رہا ہے۔ لیکن شایلک! میرا خیال ہے، بلکہ مجھے یقین ہے کہ ابھی ہمارے ڈیپارٹمنٹ تھہاری رہائی کی خبر نہیں ملی ہوگی۔ ورنہ اس سلسلے میں کوئی بات ضرور ہوتی۔“

”ہاں..... ظاہر ہے پیشا! ابھی تو اطلاع ملنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میں بہت ہی عجیب خبریں سنی ہیں۔ مختلف ممالک کا خیال ہے کہ جرمی نے اپنی سرحدوں پر انہیں پردے ڈال رکھے ہیں۔ اُن کے پیچھے کوئی خاص کام ہو رہا ہے؟“

”ارے ہاں..... اُس شور میں تم کس حیثیت سے ملازم ہو؟“ میں نے پوچھا۔

”سیزئر لہوں۔“ پیشا، نے جواب دیا۔

”کیا وہ شور بھی.....؟“

”نہیں..... وہ خالصتاً مقامی لوگوں کا ہے۔“

”ٹھیک ہے..... دیسے یہاں انڈر گراونڈ ڈیپارٹمنٹ بہتر طور پر کام کر رہا ہے۔ میرا مطلب ہے کہ اُبھن یا پریشانی کا شکار تو نہیں ہے؟“

”نہیں..... فرانس میں یہ ڈیپارٹمنٹ بہت مضبوط ہے۔ بلکہ یوں سمجھو! کہ گشاپو کا یہ ڈیپارٹمنٹ، جرمی کے لئے بہترین اطلاعات فراہم کر رہا ہے اور ہم نے فرانس کے ایک ایک پیپر پنشن لگا دیا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ جب ہماری فوجیں فرانس کی جانب بڑھیں گی تو نہیں زیادہ دقتون کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔“

”بہت خوب..... اچھا! پھر ٹھیک ہے۔ اب تم جاؤ۔“ میں نے کہا اور پیشا میرے کی لئے کرچلی گئی۔

شام کو تقریباً پانچ بجے پیشا، تین افراد کے ساتھ آئی۔ ”چلو شایلک! ساری تیاریاں کمل ہو چکی ہیں۔ مسٹر ہیگ نیچے ہوٹل کا بل او کر دیں گے۔ تم ہمارے ساتھ آؤ!“

پیشا، نے اُن لوگوں سے میرا کوئی تعارف نہیں کرایا تھا۔ غالباً وہ انہیں میرے بارے پوری سیل تاچل تھی اور وہ لوگ یقینی طور پر شایلک سے ناواقف نہیں تھے۔ چنانچہ ایک لمبی پوری کے لئے کرچل پڑی۔ کار کی منزل ایک انتہائی خوبصورت اور کشادہ عمارت تھی۔

انہاں کو بوا تمہارے افراد میری تیارداری میں لگ گئے تھے۔ فوری طور پر ایک ڈاکٹر آیا

”نہ ہوتی تو شاید میں خود کشی ہی کر لیتی۔ کافی عرصے سے فرانس میں ہوں اور یہاں زیرِ ڈیپارٹمنٹ کی ایک اہم رکن ہوں۔ ہم لوگ یہاں سے بہت ساری معلومات حاصل کر جرمی رو انہ کر چکے ہیں۔ اور ابھی چند روز پہلے ہی اطلاع ملی ہے کہ مجھے واپس جرمنی یا انہ رہا ہے۔ لیکن شایلک! میرا خیال ہے، بلکہ مجھے یقین ہے کہ ابھی ہمارے ڈیپارٹمنٹ تھہاری رہائی کی خبر نہیں ملی ہوگی۔ ورنہ اس سلسلے میں کوئی بات ضرور ہوتی۔“

”ہاں..... ظاہر ہے پیشا! ابھی تو اطلاع ملنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میں بہت ہی عجیب خبریں سنی ہیں۔ مختلف ممالک کا خیال ہے کہ جرمی نے اپنی سرحدوں پر انہیں پردے ڈال رکھے ہیں۔ اُن کے پیچھے کوئی خاص کام ہو رہا ہے؟“

”ہاں..... ظاہر ہے۔ دوسرے ممالک بھی تو اتنے احتیاط نہیں ہیں کہ بالکل ہی علم بھول گے۔ لیکن وہ خاص کام کیا ہے؟ اُن کے وہم و گمان میں بھی نہ ہوگا۔ اور ابھی تک میں اس کے بارے میں کوئی افادہ بھی نہیں سنی ہے۔ بہر صورت! تم آگئے ہو۔ میں یہاں سے واپسی پر سب سے پہلے انڈر گراونڈ ڈیپارٹمنٹ سے رابطہ قائم کر کے تھہاری آمد کی اطلاع دوں گی۔ تاکہ وہ تھہارے لئے ہدایات وصول کر لے۔“

”میری خوش قسمتی ہے پیشا! کہ میری عزیز ترین محبوبہ مجھے اس طرح مل گئی۔ اگر تم نہ ملتی تو بلاشبہ! مجھے بے شمار پریشانیوں سے دوچار ہونا پڑتا۔ نہ تو میرے پاس کرنی تھی اور نہ ہی کوئی اور ذریعہ کہ میں اپنے آپ کو کسی مخصوص راستے پر لے جاتا۔ اب میں تھکن محسوس کر رہا ہوں پیشا! شدید تھکن.....“

”میں تھہارا سہارا ہوں ڈیز! فکر کیوں کرتے ہو؟“ پیشا، نے بھر پور بچہ میں کہا۔ ”آج میں پسند کرو تو میں فوری طور پر تھہارے لئے کسی اچھے ہوٹل کا بندوبست کر دوں؟ یہ چند بیانات موجود ہیں۔ لیکن اگر تم تھوڑا سا وقت یہاں گزار لو تو میں آنڈر گراونڈ ہیڈ کوارٹرز کو تھہارے لئے سب سے پہلے روائی کا بندوبست کرنے کے لئے کہہ دوں؟“

”جیسا تم مناسب سمجھو! میرا خیال ہے کہ فی الحال! مجھے یہیں رہنے دو۔“

”پسند گھنٹوں کی بات ہے ڈیز! میرا خیال ہے، میں شام تک یہ بندوبست کر لوں گی۔“

”ٹھیک ہے..... تم لخ کرنے کے بعد یہاں سے چل جانا۔“

”یقیناً..... آہ! ایک طویل عرصے کے بعد تھہارے ساتھ لخ کروں گی۔ جانتے ہوئے، لوگ ایک دوسرے کے بغیر کھانا بھی نہیں کھاتے تھے؟“

”میں نے اندر گراوٹہ ہیڈ کوارٹرز کے سربراہ کو تفصیلات مہیا کر دی ہیں۔ میرا خیال ہے بہم اُنی معمولی شخصیت نہیں ہو کہ تمہاری آمد کے سلسلے میں کسی لا پرواہی کا ثبوت دیا ہے۔“ پیشا، نے مسکراتے ہوئے کہا اور پھر وہ مجھ سے اجازت لے کر چل گئی۔

شام پانچ بجے تک کا وقت میں نے تھا گزارا۔ البتہ اس دوران میری ضروریات کا پورا پانچ دن کا اکثر بھی مجھے چیک کر کے جا چکا تھا اور اُس نے میری حالت برداشت کر کھا گیا۔ اس دوران ڈاکٹر بھی مجھے چیک کر کے جا چکا تھا اور اُس نے میری حالت برداشت کر کھا گیا۔ اسی قرار دیا تھا۔ میرے خدوخال پر اُن لوگوں کو حیرت نہیں ہوئی تھی اور اس کی وجہ وہ اپنی بخش قرار دیا تھا۔ میرے خدوخال پر اُن لوگوں کو حیرت نہیں ہوئی تھی اس طرح میں اپنے کام کا بہترین آغاز رکھتا تھا۔

جزیرے پر قیام کے بعد امریکی حکومت کی وفاداری کا ثبوت دیتے ہوئے میں نے اپنے پانچ دن کا آغاز کیا تھا اور اس میں مکمل طور پر مجھے کامیابی نصیب ہوئی تھی۔ گو، ابھی کچھ راہ باقی تھے۔ لیکن مجھے یقین تھا کہ میں ان مرحلے سے بھی کامیابی سے گزر جاؤں گا۔ پانچ بجے پیشا واپس آگئی۔ اور پھر وہی تفریحات شروع ہو گئیں۔ اس طرح پیرس میں کچھ پانچ روز گزارنے پڑے۔ ان پانچ روز میں میری حالت کافی بہتر ہو گئی تھی۔ زخم بھی ہلی دمکٹ ٹھیک ہو گئے تھے۔ چھٹی رات کو اچانک پیشا کو ایک پیغام ملا اور وہ مسکراتی ہوئی بڑے پاس پہنچ گئی۔

”مبارک ہو شایلاک! ہم وطن چل رہے ہیں۔ تمہیں فوری طور پر طلب کیا گیا ہے۔“ اکانے کہا اور میں نے اپنے جسم میں ہلکی سی سختی محسوس کی۔ بہر حال! پیشا سے میں نے کرت کا اظہار کیا۔ اس کے بعد پیشا، نے مجھ سے اجازت مانگی۔

”میرا خیال ہے ہمیں آج رات ہی کسی وقت رو انہ ہونا پڑے گا۔ اس لئے میں ضروری انتقال کر کروں۔“

”ٹھیک ہے پیشا!“ میں نے جواب دیا۔ پیشا چل گئی اور میرے جسم میں پھر وہی کیفیتیں اگر اُمیں۔ میں جرمی کے آہنی پردے کے پیچھے جا رہا تھا۔ جس کا علم پوری دنیا میں کسی کو نہیں تھا کہ اس پردے کے پیچھے کیا ہو رہا ہے؟ اور مجھے اس پردے کے پیچھے کی باتیں نہیں تھیں۔ امریکہ کو پہنچانا تھیں۔

پیشا کے ساتھ میرا سفر بڑا پر اسرار اور عجیب و غریب تھا۔ سب سے پہلے ہمیں ایک جہاز سے نزک رکنا پڑا تھا۔ جہاز خصوصی قسم کا تھا اور اس میں صرف سولہ افراد سفر کر رہے تھے جو

اور اُس نے پوری طرح میرے زخموں کا معائنہ کیا اور پھر ان زخموں کا علاج شروع کر اور مجھے مکمل آرام کا مشورہ دیا گیا۔

”مجھے آرام کی قطعی ضرورت نہیں ڈاکٹر!“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”یقین کر!“ پوری طرح تند رست ہوں۔ یہ زخم اتنے معمولی ہیں کہ مجھے ان کا احساس بھی نہیں ہے۔ تو ایک طرح سے ان زخموں کا عادی ہو چکا ہوں۔“ میں نے کہا۔

ڈاکٹر تاثر بھری نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا۔ پھر اُس نے دانت پیٹتے ہوئے کہا ”میں ہے مسٹر شایلاک! روسیوں نے جو کچھ آپ کے ساتھ کیا ہے، اس کا پورا پورا انقاوم لایا جا گا۔“

”اوہ، شکریہ میرے دوست! بہر صورت، میں تمہاری ہدایات پر عمل کروں گا۔ میں اب مجھے کوئی خاص کام نہیں ہے۔ میں اپنوں میں ہوں۔“ میں نے کہا۔

تحوڑی دیر بعد تمام لوگ وہاں سے چلے گئے۔ صرف پیشا میرے پاس رہی تھی۔“ تک مجھ سے باتیں کرتی رہی۔ میں ان سارے معاملات کے بارے میں اس قدر مطلع چکا تھا کہ مجھے کوئی ڈُشوار کی پیش نہیں آ رہی تھی۔ اتنے سکون سے میں پیشا، سے اپنے دل بات چیت کر رہا تھا جیسے میں اپنے بچپن سے اب تک کا حصہ جرمی ہی میں گزارنا آیا۔ پھر پیشا، سے کچھ اہم گفتگو بھی ہوئی جو ہتل کے منصوبے سے متعلق تھی۔

میں نے ان پر اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا اور کافی دیر تک پیشا مجھے اس بارے تفصیلات بتائی رہی۔ رات کو کبھی وہ میرے ساتھ رہی رہی۔ البتہ صبح ناشتے کے بعد اُس مسکراتے ہوئے کہا۔ ”شایلاک ڈارلگ! مجھے اب اپنی ڈیوٹی پر جانا ہے۔ گو، جتنی تجوہ اُس سٹور سے ملتی ہے، اتنی میں یہاں کے بھکاریوں کو دے دیتی ہوں۔ اس کے بعد ملازمت میرے لئے بے حد تھی۔ کیا تم مجھے شام پانچ بجے تک اجازت دے سکتے؟“

”کیوں نہیں پیشا! ظاہر ہے، تمہاری یہ ذمہ داری بھی اہم ہے۔“

”حالانکہ تمہیں ایک لمحے کے لئے بھی چھوڑنے کو جو نہیں چاہتا۔ لیکن زندہ رہنے لئے بھی بہت سی باتیں ضروری ہیں۔ ویسے اندر گراوٹہ ہیڈ کوارٹرز یہاں کام کرنا رہے اور ہم دونوں برلن پہنچ جائیں گے۔“

”ٹھیک ہے۔ میں اس وقت کا انتظار کروں گا۔ اور ہاں! کیا میرے بارے اطلاعات، جرمی بھجوادی گئی ہیں؟“

دورانِ سفر ایک دوسرے سے قطعی لاتعلق رہے۔ جس ایئر پورٹ پر ہمیں آتا را گیا، الہ بارے میں بھی میری معلومات محدود رہیں۔ وہاں سے ایک فوجی ٹرک ہمیں لے کر چلے اور اس فوجی ٹرک کا سفر انہائی تکلیف دہ تھا۔ وہ ان علاقوں میں سفر کر رہا تھا جو سڑکے نہیں تھے۔ پھر ایک مخصوص جگہ ہمیں ایک ہیلی کا پڑھلا۔ اُس ہیلی کا پڑھ میں صرف میں پیشنا، ہی تھے۔ اور تیسرا فرد ہیلی کا پڑھ کا ہوا باز تھا۔ پھر ہیلی کا پڑھ ایک خوبصورت علاقہ ایک عمارت کے سچن میں اُترا اور پیشنا، نے مجھے بتایا کہ ہم برلن میں داخل ہو چکے ہیں۔ ہمارے ہی وطن کی ایک عمارت ہے۔“ پیشنا نے کہا۔ عمارت کے صدر دروازے پر ڈھوندیں نے میرا استقبال کیا۔ مجھے انہائی پر تپاک انداز میں خوش آمدید کہا گیا۔ ان میں ہر شخص نے مجھے گلے لگایا اور مجھے میری سلامتی کی مبارکباد دی۔

ابتدائی ایک ہفتہ میں نے ایک اعلیٰ ہسپتال میں گزار۔ اس عمارت سے مجھے ہپتال جایا گیا تھا۔ میرے نگران چند فوجی ڈاکٹر تھے اور میرا دوست کرٹل کا رب عمدہ میرے بے رہتا تھا۔ کا رب نیڑا جگری دوست تھا۔ خوش مزاج اور اعلیٰ صلاحیتوں کا مالک۔ اُر تعلق بھی گشاپو ہی سے تھا۔ مجھے جو معلومات حاصل ہوئی تھیں، ان میں گشاپو کے بارے میں زیادہ تفصیلات نہیں تھیں۔ لیکن کرٹل کا رب سے گفتگو کے دوران میں نے اپنی ذہانت استعمال زیادہ کیا تھا اور باتوں ہی باتوں میں اُس سے گشاپو کے متعلق اتنی معلومات ہے کہ لی تھیں کہ مجھے مزید معلومات کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ دوران گفتگو میں نے اُس کا رب سے موجودہ حالت کے متعلق کافی معلومات حاصل کر لی تھیں۔ جن کی تفصیلات یوں تھیں کہ ہتلر اپنی تمام جنگی تیاریاں مکمل کر چکا تھا اور زیادہ سے زیادہ تمبرک وہ جگ آغاز کر دینا چاہتا تھا۔ یہ اگست کام ہمیشہ تھا اور تمبر شروع ہونے میں صرف دل بیا گیا رہا۔

”لیں چاہتا ہوں کہ مجھے اب ایک صحت مند انسان قرار دیا جائے۔ تاک میں اپنی مقصد نہ ہوتا۔ چنانچہ ابتدائی کوشش کے طور پر میں نے چشم دید باتوں کی تفصیل میں جانے لیا۔“ ایسا شروع کر سکوں۔ اگر میں کسی قسم کی کمزوری محسوس کرتا تو شاید یہ بات کبھی نہیں بجائے یہی، بہتر سمجھا کہ کا رب سے حاصل کردہ معلومات فوری طور پر اپنے دوستوں کو واہے کر دوں۔ لیکن اس کے لئے بھی انتظامات کی ضرورت تھی۔ میرے رزم ٹھیک ہوئے اور کسی کو یہ شہر کرنے کا موقع نہیں ملا تھا کہ یہ رزم، خود ساختہ ہیں۔ گوا آہنی پر پیچھے آنے کے بعد سے ابھی تک مجھے کسی دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔

بینا کرو! کہ اگر مجھے دلن سے محبت نہ ہوتی تو تمہاری جدائی مجھے خود کشی پر مجبور کر دیتی۔“
”میں جانتا ہوں پیشا! لیکن ہمارا مشن، ہماری محبت سے زیادہ قیمتی ہے۔ ہٹلر نے جو
ہمیشہ مطمئن رکھتا۔ بلکہ بہتر تو مبھی تھا کہ دورانی جنگ بھی میں امریکی حکومت کے لئے اے
کار آمد مہرہ بنارتہا اور اسے ہٹلر کے جنگی منصوبوں سے آگاہ کرتا رہتا۔ اور میں اسی پر بکار
رہنا چاہتا تھا۔“

کے مطابق مجھے یہ سب کچھ کرنے میں وقت نہ ہوتی۔ کیونکہ میں ان لوگوں کو اپنی ذاں
ہمیشہ مطمئن رکھتا۔ بلکہ بہتر تو مبھی تھا کہ دورانی جنگ بھی میں امریکی حکومت کے لئے اے
کار آمد مہرہ بنارتہا اور اسے ہٹلر کے جنگی منصوبوں سے آگاہ کرتا رہتا۔ اور میں اسی پر بکار
رہنا چاہتا تھا۔“
”اسی روز شام کو پیشا مسکراتی ہوئی میرے پاس پہنچ گئی۔ اس نے مجھے صحت کی مبارکہ
دی تھی۔“

”شکریہ پیشا! لیکن اب میں اس ہپنال سے نکلا چاہتا ہوں۔“

”میرا خیال ہے، ڈاکٹر نے تمہیں ابھی تک چھٹی نہیں دی۔“ پیشا نے کہا اور میں
گردون ہلا دی۔

”بُدا معمومنہ سوال ہے۔ اگر چھٹی مل جاتی تو ظاہر ہے میں بیہاں نہ ہوتا۔“

”نہیں، نہیں..... میرا مطلب یہ نہیں ہے۔ بلکہ مجھے ہدایت ملی ہے کہ ہپنال۔
تمہارے ساتھ گھر پہنچوں اور وہاں تمہاری مدد کروں۔ وہ لوگ جانتے ہیں کہ میرا تم سے
رابطہ ہے۔“ پیشا، نے مسکراتے ہوئے کہا اور میرے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی۔

”تو یہ بات ہے..... اس لئے آئی ہو تم؟“

”ہاں.....“ پیشا نے کہا۔ اور اسی وقت ڈاکٹروں کا ایک یونٹ میرے پاس پہنچا گیا
آخری معافہ کیا گیا اور پھر ڈاکٹر نے میرا شانہ تھپتھپتے ہوئے کہا۔ ”میں آپ کو ہماں
دیتا ہوں مسٹر شائیلاک! اب آپ بالکل تدرست ہیں۔ اور اپنے کام کا آغاز کر سکتے ہیں۔“
”بہت بہت شکریہ ڈاکٹر!“ میں پھرتی سے کھڑا ہو گیا۔ اور پھر ڈاکٹروں سے
مصادف کر کے پیشا، کے ساتھ باہر آ گیا۔

پیشا، کی خوبصورت کار مجھے لے کر چل پڑی اور میں اپنی رہائش گاہ پر پہنچا گیا
خوبصورت رہائش گاہ میری اپنی تھی۔ جہاں میرے ملاز میں اس کی گمراہی کرنے کی
بات تو مجھے پہلے ہی معلوم تھی کہ میں ایک تباہ انسان ہوں اور میرے ساتھ کوئی بھی مسئلہ
ہے۔ یہ ساری چیزیں میرے مفاد میں تھیں۔ اس سے کم از کم مجھے یہ آسانی ہو گئی کہ
سے لوگوں کے سامنے اپنے آپ کو پوز کرنے سے بچ گیا۔ پیشا البتہ میرے سامنے
میری گھر واپسی پر بڑی جذباتی نظر آ رہی تھی۔

”اوہ، ڈارلنگ شائیلاک! بھی سوچا بھی نہیں تھا کہ دوبارہ تم سے اسی جگہ ملا جاتا۔“

پیشا کی آنکھیں فرط جذبات سے بھیگ گئیں۔ اس نے کہا۔ ”بے شک ہمیں اپنی محبت
اک دن تک تک کرنا ہو گی جب تک ہم اپنا مشن شہ پورا کر لیں۔ تواب تمہارا کیا ارادہ ہے
بلکہ ایسا کیا؟“

”بُد، پیشا! میں نہیں جانتا کہ میرے سپرد کیا خدمت کی جائے گی؟ میں صرف انتظار
کر دیں گا۔“ میں نے جواب دیا۔ پیشا میرے ساتھ ہی رہی۔ پھر وہ دوسرے دن چلی گئی۔
ترپیاں بجے مجھے گٹاپو ہیڈ کوارٹر سے بلاوا آ گیا
گٹاپو کے سربراہ نے مجھ سے ملاقات کر کے مجھے میری صحت اور تندرستی پر مبارکباد دی
اور کہا کہ وہ شدید ترین مصروفیات کے باعث مجھ سے ملنے نہ آ سکا۔ پھر اس نے مجھ سے
حوالی کیا کہ آیا اب میں اپنے فرائض انجام دینے کے لئے تیار ہوں؟ میں نے آمادگی ظاہر کر
بلکہ

کوئی نہیں جانتا تھا کہ میں ایک اعلیٰ پائے کام لکھن کبھی ہوں اور باریک سے باریک
شمیزی میں نہایاں تبدیلی پیدا کر سکتا ہوں۔ چنانچہ اس فریکوئنسی پر میں نے ایک ایسی آبرق
کا پیٹ چڑھائی جس کے تحت اس کا رابطہ مقامی فریکوئنسی سے منقطع ہو جاتا تھا۔ یہ پیٹ
لکھنے کی خود روت نکالی بھی جا سکتی تھی۔ سلسلہ منقطع کرنے کے بعد اب میں اس کا رروائی پر عمل
کر سکتا تھا جو امریکی حکومت نے میرے سپرد کی تھی۔

چنانچہ ایک شام وھر کتے دل کے ساتھ میں نے عمارت کے کشادہ اور کھلے حصے میں بیٹھ
اپنے ہڈی کو کسی کو شوٹ کیا۔ امریکی حکام کی جانب سے میرے لئے تین برائی ہیڈ کوارٹر
نئے لئے تھے جن میں سے ایک ہالینڈ میں تھا، دوسرا یلچیئم میں اور تیسرا فرانس میں۔ یہ
نئے ہڈی کوارٹر بنانے کے بعد مجھے ان کے نمبروں کے بارے میں اطلاع دے دی گئی تھی۔

”بیں امزید ضرورت ہوئی تو دوبارہ آپ سے رابطہ قائم کروں گا۔“

”میں ایک بار پھر اس کامیابی پر آپ کو مبارکباد پیش کرتا ہوں مسٹر شایلیاک! دوبارہ

جب آپ ہم سے رابطہ قائم کریں گے تو ممکن ہے، مسٹر فرینک سے آپ کی ملاقات ہو
جائے۔ اس کے لئے کسی وقت کا تعین کر لیجئے۔“

”.....میں دوبارہ رابطے کے لئے کسی وقت کا تعین نہیں کر سکتا۔ مجھے کام کرنے دیا
جائے۔ اور اگر ضرورت محسوس ہوئی تو میں خود ہی آپ سے رابطہ قائم کروں گا۔ رہی بات

میں ایٹھ فرینک کی، تو ضروری نہیں ہے کہ ان سے ملاقات ہو۔ البتہ انہیں میرا سلام ضرور

پہنچا دیا جائے۔“

”بہت بہتر!... اولیے کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ انداز آپ کب تک دوبارہ رابطہ قائم
کریں گے؟ وقت کا تعین نہ کیں، لیکن.....“

”سوری مسٹر! میں یہ بھی نہیں بتا سکتا۔“ میں نے کہا اور ثانی سعیہ بند کر دیا۔ میں اس پہلی

کامیاب کوش پر بہت خوش تھا اور بڑا سکون محسوس کر رہا تھا۔

پھر میری سرگرمیاں شدید سے شدید تر ہوتی گئیں۔ میں بازیک بینی سے تمام معلومات

حاصل کر رہا تھا اور امر یکہ پہنچا رہا تھا۔

جزئی میں میری کارکردگی کی قدر کی جا رہی تھی۔ مجھے ایک ذمہ دار شخص کی حیثیت سے

تلگی کارروائیوں سے آگاہ رکھا جاتا تھا اور اس بات کا تعین کر لیا گیا تھا کہ دورانِ جنگ

گاؤں کو کون سے اہم کام انجام دینے ہیں؟

بالآخر میری فراہم کردہ اطلاعات کے مطابق ستمبر 1939ء کو ہٹلر نے جملے کا آغاز کر

لیا۔ اور وہ خوفناک جدو جہد شروع ہو گئی جو چھ سال تک جاری رہی تھی.....

تلگی ابتدائی جنگی کارروائیاں جس انداز میں شروع ہوئی ہیں، اُسے دیکھتے ہوئے اس

بات کا پورا پورا امکان پیدا ہو گیا تھا کہ اس کے یہ خوفناک منصوبے اتحادی دنیا کے لئے

انجنیئریں کو نثارت ہوں گے۔

اُس نے یہ وقت کئی ممالک پر حملہ کیا تھا جس میں بہت سے ممالک شامل تھے۔ اُس

کے انوکھے تھیں اور طریقہ جنگ سے بینلیجیہم، بالینڈ، فرانس، ناروے اور سویڈن جیسی

مکانوں کو شدید ترین نقصان پہنچ چکا تھا۔ اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ ہٹلر اپنی جنگی کوششوں

میں شدید تر کامیابی حاصل کر چکا ہے۔ یوں لگتا تھا جیسے اُس کی طوفانی فوجوں کے سامنے یہ

اور کہا گیا تھا کہ یہ بعد میگرے ان سب سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کروں گے۔
رابطہ قائم کرنے کی کوشش دے دوں۔“

ہالینڈ فرینک نے میں میرا یہ ثانی سعیہ کامیاب نہیں ہو سکا۔ دوسری کوشش میں
فرانس کے لئے کی تھی..... اور تھوڑی دیر کے بعد مجھے جواب مل گیا۔ تمام کو ڈوڈزاں
تابدے کے بعد میں نے ان کے سامنے اپنا نام پیش کر دیا۔

”میں شایلیاک بول رہا ہوں.....!“ میں نے کہا اور دوسری طرف تھوڑی دیر کے
ستانا چھا گیا۔

”براؤ کرم! اپنے کوڈز پھر دہرائے!“ دوسری طرف شاید اس بات پر یقین نہیں کیا اہ
کہ میں اتنی آسانی سے ان لوگوں سے رابطہ قائم کرنے میں کامیاب ہو سکتا ہوں۔ میں
اس بات پر کسی برہمنی کا اظہار کئے بغیر اپنے کوڈز پھر دہرا دیئے جس پر مجھے میری کامیاب
مبارکباد پیش کی گئی۔ دوسری طرف بولنے والا شخص مسٹر ڈیکر تھا۔ مسٹر ڈیکر نے مجھے ہے
خیریت پوچھی اور سوال کیا کہ میں کسی انجمن کا شکار تو نہیں ہوا؟

”ٹھکریہ مسٹر ڈیکر! میری حکومت کو میرے اس پیغام سے آگاہ کر دیں کہ میں نا
تک اپنے تمام معاملات نمایاں کامیابی سے انجام دیتے ہیں۔“

”میں مسٹر فرینک کو اطلاع دے دوں گا۔ وہ اس وقت یہاں موجود نہیں ہیں۔“

”ٹھیک ہے..... تو اب آپ مقامی حالات نوٹ کر لیجئے۔ ممکن ہے، مجھے دوبارہ
موقع نہ ملتے۔“

”ہمارا پورا محکمہ تیار ہے۔“ دوسری طرف سے جواب دیا گیا اور میں نے جو تھا۔
اندر ونی حالات، جو ساری دنیا کی نگاہوں سے پوشیدہ تھے، لکھوانا شروع کر دیئے۔ میں

انہائی برق رفتاری سے مختصر ترین لفظوں کا سہارا لیتے ہوئے ان لوگوں کو یہاں کہے
کارروائیوں سے آگاہ کر دیا۔

تب مجھ سے گفتگو کرنے والے نے انہائی سُنْنی خیز لمحے میں پوچھا۔ ”کیا آپ کہے
ہے مسٹر شایلیاک! کہ آپ کی اطلاعات بالکل درست ہیں؟“

”براؤ کرم! آپ اس قسم کے سوالات کر کے میرا وقت ضائع نہ کریں۔ میں آپ
اطلاعات فراہم کر رہا ہوں، ان میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔“

”اوہ..... سوری! ٹھیک ہے۔ اس کے علاوہ اور کچھ.....؟“

بڑا! میں نے اپنی آمادگی کا پورا پورا اظہار کر دیا تھا۔ جزل لائی بوس مجھے اس بارے میں
بڑا! میں نے اگا۔ اس کے بعد بارہ افراد کے یونٹ کے ساتھ میں نے برلن چھوڑ دیا۔

نیچلات ہتھے لگا۔ ایک خصوصی ٹرانسپورٹ طیارہ ہمیں لے کر مقبوضہ علاقے کی جانب روانہ ہو گیا، جہاں
یہ ہم ذمیں پہنچی تھیں۔ محاڑ جنگ سے تھوڑے فاصلے پر ایک عارضی رن وے پر ہمیں
نہ رہا گیا۔ وہاں سے فوجی گاڑیاں ہمیں لے کر محاڑ جنگ کی طرف روانہ ہو گئیں۔ ہم سب
ہر لام کے لئے تیار تھے۔

گٹاپا کا یہ خصوصی یونٹ وہاں پر جزل ٹیرس سے ملا اور جزل ٹیرس نے ہمیں تفصیلات
ہاتھے ہوئے کہ جرمن طیارے پوری شدت سے فرانس کے کچھ علاقوں پر بمباری کر رہے
ہیں۔ لیکن عقلي علاقے ابھی تک خالی ہیں۔ اگر ہم جزار کارسیکا تک پہنچ جائیں اور وہاں سے
فرانس کا سفر کریں تو وہ زیادہ بہتر طریقہ ہو گا۔

میں نے جزل ٹیرس سے اس سلسلے میں خاصی طویل گفتگو کی اور وہ مجھے تفصیلات بتاتا
ہے۔ ”جزار کارسیکا تک پہنچنے کے لئے ہمیں ایک ایسے طیارے سے کام لینا تھا جو ہمیں پیرا
ٹولی کے ذریعے وہاں آتا رہے۔ جزل نے بتایا کہ اتحادیوں کو اس بات کا گمان بھی نہیں
ہوا کہ کوئی جرمن طیارہ، جزار کارسیکا تک بھی پہنچ سکتا ہے۔ چونکہ اس طرف کا علاقہ قطبی طور
میں محفوظ ہے۔ خصوصی مشن کے لئے ہم اپنے ایک طیارے کو فوری طور پر حاصل کر سکتے ہیں۔
میں ہمارے ذہنوں میں یہ خیال قطبی نہیں تھا کہ ہم سمندری علاقوں کو عبور کر کے کارسیکا تک
پہنچنے کی کوشش کریں۔ چونکہ اس دربار ان ہمیں ہیوڑز اور دیانا سے گزرنا پڑتا ہے۔ لیکن اگر ہم
کیاں سے کارسیکا تک پہنچ گئے تو پھر وہاں سے آپ لوگوں کا فرانس میں داخلہ مشکل نہیں ہو
گا۔“

”مجھے لیکن ہے جزل! کہ آپ نے جو پروگرام ترتیب دیا ہے، وہ بھرپور ہو گا۔ خطرہ
منہ یہ ہے کہ دیانا اور ہیوڑز سے گزرتے ہوئے ہمارے طیارے کو کوئی نقصان نہ پہنچایا
جائے۔“

”وارصل! یہ مشن انتہائی خطرناک قرار دیا گیا ہے۔ لیکن اگر آپ جیسا ذہین شخص فرانس
کی داشت ہو گیا تو ہمارے لئے بے شمار آسمانیاں پیدا ہو جائیں گی۔“

”لیکن ہے جزل! ہم تیار ہیں۔“ میں نے جواب دیا۔ اس خطرناک سفر کا سفر کا جو پروگرام
تیہہ دیا گیا تھا، بالاشہ! اس میں جگہ جگہ موت سے ہمکار ہونے کے امکانات موجود تھے۔

حکومتیں ذرا بھی نہ جنم سکی ہوں۔ ہٹلر نے ان کے شہروں اور فوجوں کو تھس نہیں کر کے رکھا
تھا۔

ابھی تک حکومت امریکہ نے اس جنگ سے خود کو لا تعلق رکھا تھا۔ لیکن صحیح معنوں میں
تعلق تو حکومت امریکہ ہی سے تھا۔

پھر ایک شام مجھے گٹاپا ہیڈ کوارٹرز میں طلب کر لیا گیا۔ میرا عہدہ کرٹل کا تھا۔ ہیڈ کوارٹرز
میں میری ملاقات جزل لائی بوس سے ہوئی۔ جزل لائی بوس نے پر تپاک انداز میں میرا
استقبال کیا۔ اس نے کہا۔ ”مسٹر شایلاک! میں ایک اہم منصوبہ بنا چکا ہوں۔ اس کے
مجھے گٹاپا کا ایک یونٹ درکار ہے۔“

”میرے لئے کیا خدمت ہے جناب؟“
”وہ یونٹ، جو میں نے ترتیب دیا ہے، وہ بارہ افراد پر مشتمل ہے اور کرٹل میں نے
تمہیں اس کا سربراہ بنایا ہے۔“

”میں، آپ کا شکر گزار ہوں جناب!“
”آپ کے یونٹ کی کارکردگی، ہمارے پیش نظر ہے۔ چنانچہ میں ابتدائی طور پر آپ کو
فرانس پہنچنا چاہتا ہوں۔ فرانس کے ایک خصوصی علاقے پر قبضہ کرنے کے بعد ہم لندن کی
جانب پیش قدمی کر سکتے ہیں جو ہمارے منصوبوں میں ایک اہم منصوبہ ہے۔“

”جی..... میں تیار ہوں۔“
”آپ اس یونٹ کے ساتھ فرانس روانہ ہو جائیے۔ راستہ کھول دیا جائے گا..... اور آپ
کو روائی میں وقت نہیں ہو گی۔ البتہ اس کے بعد آپ کو فرانس کے ان علاقوں میں باہ
پڑے گا جو مضبوط ترین فوجی مرکز ہوں گے۔ وہاں سے آپ ہمیں فرانس کی فوجی قوت کے
بارے میں تفصیلات مہیا کریں گے تاکہ ہم، اُن پر کاری ضرب لگا سکیں۔“

”بہت بہتر جزل!“ میں نے جواب دیا۔
پھر مجھے اس سلسلے میں طریقہ کار بتایا جانے لگا۔ بڑی دلچسپ صورت حال تھی۔ میں امریکہ
کے لئے جاسوسی کر رہا تھا اور اب مجھے جرمی کی طرف سے فرانس کے خلاف جاسوسی کے
بھیجا جا رہا تھا۔

اس سلسلے میں بھی مجھے کوئی نہ کوئی کارکردگی توکھانا ہی تھی۔ ورنہ میں اپنی حیثیت بڑی
نہیں رکھ سکتا تھا۔ ابھی تک تو حالات میرے موافق تھے اور کسی قسم کا کوئی شبہ نہیں ہو سکتا۔

اس کے علاوہ میں نے مناسب نہیں سمجھا تھا کہ اپنے برا جھی ہیڈ کوارٹرز کو اس نئے پروگرام
بارے میں آگاہ کروں۔ یوں بھی برلن میں رہنا اب زیادہ سودمند نہیں تھا۔ ہتلر کے منظہ
چاراٹھ تھیں زمین تک لے آئے۔ بلاشبہ! یہ زمین سبزہ زار سے مالا مال تھی۔ میرے
ساتھی بھی بخیریت زمین تک پہنچ گئے اور پھر ہم نے اپنے پیرا شوٹ جمع کرنے شروع
ہرے ساتھی بھی بخیریت کے مقابل سارے پیرا شوٹ ایک جگہ جمع کر کے نذر آتش کر
رہے۔ پھر میری پداشت کے طبق سارے پیرا شوٹ ایک جگہ جمع کر کے نذر آتش کر
رہے گے۔ اس کے بعد ہم ایک راستہ فتح کر کے چل پڑے۔ رات بھر کے سفر کے بعد
از ہم ایک آبادی تک پہنچ گئے۔ اور یہاں پہنچ کر ہم منتشر ہو گئے۔

اب ہم سب کو بندرگاہ پر اکٹھا ہوتا تھا۔ کارسیکا ایک عام جزیرہ تھا۔ یہاں کے رہنے
لے زیادہ تر نک کی صنعت سے ملک تھے اور اس سلسلے میں نک کے سوداگر یہاں آتے
ہتھے۔

ہیری فانکونا نی نک کی ایک فرم کے مالک مسٹر نہیں سے میں نے نک کے ایک تاجر کی
شیت سے ملاقات کی اور خالص فرانسیسی لمحے میں کہا۔ ”میں، آپ کو مشورہ دیتا ہوں مسٹر
نیں! کہ بڑی سپالائی روک دیں۔ کیونکہ جنگ طویل معلوم ہوتی ہے۔ اور خریداری بڑھ
ائے گی۔ صنقوں پر گہرا اثر پڑے گا۔ ان حالات میں آپ نک کو سونا بنا سکتے ہیں۔“
”وہ کیسے.....؟“ یہودی نژاد نہیں نے سرخ چہرے اور چمکتی ہوئی آنکھوں کے ساتھ
وہ کیسے.....؟“ یہودی نژاد نہیں نے بچھا کر تھا۔

بچھا۔

”جھ سے معابدہ کر لیں..... آپ کی فرم جس قدر نک تیار کرے، آپ کسی اور کو فروخت
نکریں۔ فوری طور پر میں، آپ سے ایک ہزار ٹن نک خریدنے کو تیار ہوں۔ اور اس شرط پر
آپ کو ایک عدم پیشکش کرتا ہوں کہ آپ میرے علاوہ کسی اور کو اپنا مال سپالائی نہ کریں۔ یہ
اعداد ہے کہ آپ جتنا مال تیار کریں گے، میں خریدوں گا۔ اور آپ کو منڈی کے بڑھتے ہوئے
بماواہ کی قیمت پیش کروں گا۔ فی الحال میں آپ کوچیں فیصد زیادہ پیش کرنے کے لئے تیار
ہوں۔“

یہودی کا مندرجہ سے پہلی گیا۔ اس کے خیال میں تو نک کی مارکیٹ بالکل ڈاؤن ہو
پڑا۔ فوراً معابدہ ہو گیا۔ اور اس کی ساری محبت اور ہمدردیاں میرے ساتھ ہو گئیں۔ اس
سے مجھے دنیا بھر کی سہولتیں فراہم کر دی تھیں۔ ادا لیگی نقد کی گئی تھی اس لئے اس نے چارے
لوگوں شہریں ہو سکا تھا۔ اور پھر نک کو فرانس کے ساحل تک پہنچانے کی ذمہ داری بھی اس
سے تجویں کی اور سارے انتظامات تکمل کر لئے گئے۔

اس کے علاوہ میں نے مناسب نہیں سمجھا تھا کہ اپنے برا جھی ہیڈ کوارٹرز کو اس نئے پروگرام
باہرے میں آگاہ کروں۔ یوں بھی برلن میں رہنا اب زیادہ سودمند نہیں تھا۔ ہتلر کے منظہ
اب اس جگہ سے شروع ہوتے تھے جہاں وہ پہنچ چکا تھا۔ چنانچہ کسی نہ کسی طرح جرمنی سے
ہی بہتر تھا۔ مجھے یہ عمدہ موقع ملا تھا۔ اس میں دُہرا فائدہ تھا۔ جرمنی کا اعتماد بھی بحال رہا
مجھے آزاد رہ کر کام کرنے کا بھی موقع ملتا۔

طیارے کا خوفناک سفر شروع ہو گیا۔ یہ انتہائی جدید قسم کا طیارہ تھا جو بلند ترین پرواز
سلکتا تھا۔ ویانا، ہیوٹرز..... اور اس کے بعد کارسیکا..... گو، یہ سارا سفر سمندر کے راستے پر
تھا۔ سمندر کے اس طویل حصے کو طے کرتے ہوئے ہم آخر جزا رکارسیکا تک پہنچ گئے۔
سلسلے میں جو نقشہ ترتیب دیا گیا تھا، ہوا باز اس سے پوری طرح واقع تھا۔ جزا رکارسیکا
عظیم الشان صحرائیں اس نے طیارے کو پہنچ جھکایا اور بولا۔ ”کیا تمام افراد تیار ہیں؟“
”ہاں..... میرا یونٹ پوری طرح تیار ہے۔“ میں نے جواب دیا۔

”تب میں طیارے کو پہنچ لے جا رہا ہوں۔“ اس نے کہا اور پھر وہ طیارے کو اتی بلند
پر لے آیا، جہاں سے پیرا شوٹ آسانی سے پہنچ اتر سکیں۔ اس کے بعد ہم نے طیارہ چکا
ویا.....

پہنچ کے جغرافیہ کے بارے میں ہمیں زیادہ معلومات نہیں تھیں۔ جو معلومات ائم
فراء ہم کی گئی تھیں، ان کے تحت ہمیں سربراہ میدانوں میں اُترنا تھا۔ اور اس کے بعد تھواہ
فاصلہ طے کر کے بالآخر ہم کارسیکا تک پہنچ سکتے تھے۔ پیرا شوٹ پہنچ جا رہے تھے اور میرا
ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی.....

میری زندگی کا یہ انداز کافی دلچسپ تھا۔ امریکہ میں ایک مطلق العنان جزیرے کا اہل
ہونا، معمولی بات نہیں تھی۔ اپنے وسائل سے میں کوئی صنعت کار یا اور کوئی شخصیت اتفاق
سلکتا تھا اور اس میں مجھے کوئی وقت نہ ہوتی۔ میں بھی ہنری فورڈ، اونا سی یا کسی اور بہ
آدمی کی حیثیت سے دنیا بھر میں مشہور ہو سکتا تھا۔ لیکن جو زندگی میرے والدین نے دی تھی
اب وہ میری عادت بن گئی تھی۔

ان ساری چیزوں کے باوجود مجھے اپنے بے وقعت ہونے کا احساس تھا۔ میں نے
فیلی کو زندہ کر دیا تھا۔ لیکن اب خود کو اس کا کوئی رُکن نہیں کہہ سکتا تھا۔
بہرحال! مجھے بھی سب کچھ پسند تھا، جو کچھ میں کر رہا تھا۔ میری شخصیت الجھنی تھا۔

یوں فرانسی تاجر مشریعہ نہیں، نمک کا ایک ذخیرہ لے کر ایک بڑی سینٹر لائچ کرنے
اپنے بارہ ساتھیوں کے ساتھ فرانس میں داخل ہو گئے۔ جس حیثیت سے ہم فرانس میں
ہوئے تھے، اُس پر کوئی شبہ نہیں کیا گیا۔ البتہ ایک بات ضرور آنہوں نے نظر انداز کر دی تھی۔
وہ یہ کہ نمک جیسی بے حقیقت چیز کے لئے اتنی بڑی رقم ضائع کی گئی تھی۔

کئی ٹرک نمک کا یہ ذخیرہ لے کر ہم بیرس میں داخل ہو گئے۔ اور اس ذخیرے کو کارہ
کے ایک گودام میں منتقل کر دیا گیا اور یہاں سارے کاموں سے فراغت ہو گئی تھی۔
مقامی طور پر گشائپو کے انڈر گراؤنڈ کوارٹر زمکن پہنچنے کے لئے ہمیں کافی تک دو کرزا
پڑی تھی۔ کیونکہ اب حالات تنگیں ہو چکے تھے اور ہیڈ کوارٹر زاب زیادہ محتاط ہو گیا تھا۔ لہر
یہاں وہ تمام لوگ موجود تھے جو مجھے پیش کے ساتھ دیکھ چکے تھے اور میری حیثیت سے اتنی
تھے۔ چنانچہ مشریعہ بیاس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”روسیوں کی قید میں چھنسے ہوئے شایلاک کو ہم لوگ بھول تو نہیں سکتے تھے۔ لیکن ہم
ضرور کر چکے تھے۔ حالانکہ ہم سب جانتے تھے کہ وہ ہمارا بہترین دماغ ہے۔ اور آج آپ
پھر جرمی کے لئے کام کرتے دیکھ کر جس قدر مسرت ہو رہی ہے مشریعہ شایلاک! میں اسے
بیان نہیں کر سکتا۔“

”شکریہ مشریعہ بیاس! اب آپ کی کارکردگی کیا ہے؟“

”حملہ شروع ہونے کے بعد مقامی انتظامیہ خاص طور سے مستعد ہو گئی ہے۔ انہوں نے
اس شے کو نظر انداز نہیں کیا ہے کہ جرمن جاسوس، فرانس میں پھیلے ہوئے ہیں۔ جگہ جگہ
کارروائیاں ہو رہی ہیں۔ گو وہ لوگ ابھی ہم نمک نہیں پہنچ سکے ہیں۔ لیکن ہمیں محتاط ہونا
گیا ہے۔“

”بالکل ٹھیک..... ہونا بھی چاہئے۔ میرے ساتھ بارہ افراد کا یونٹ ہے۔ اور کچھ حصوں
کام میرے پر دکھنے گے ہیں۔ چند روز کے بعد میں اس علاقے کی طرف روانہ ہو جاؤں!
جهاں ہماری فوجیں کارروائیاں کر رہی ہیں۔ چنانچہ مجھے ان لوگوں کے بارے میں بہت تا
تفصیلات مہیا کرنی ہیں۔“

”ہمارے لئے جو بھی احکامات ہوں، آپ بے تکلفی سے فرمادیں۔“

”نہیں..... فی الوقت کچھ نہیں۔ لیکن میں ایک مقامی تاجر کی حیثیت سے بازاروں میں
جاوں گا۔ مجھے بہت سے ایسے کام کرنے ہیں، جنہیں میں آپ کو نہیں بتا سکتا مشریعہ بیاس!“

میں نے کہا اور ڈیلاس مکرانے لگا۔
”میں، آپ کی حیثیت سے واقف ہوں مشریعہ شایلاک! چنانچہ بھی آپ سے یہ سوال نہیں
کر دیں گا کہ آپ کیا کر رہے ہیں؟“

”شکریہ.....!“ میں نے جواب دیا اور پھر میں اپنی قیام گاہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ مجھے
بیان اداز میں یہ ساری کامیابیاں نصیب ہوئی تھیں، بعض اوقات تو یہ احساس ہوتا تھا کہ ان
ساری کامیابیوں میں کوئی اور قوت کا رفرما ہے۔ لیکن بہر صورت! حکومت امریکہ کے لئے
میں نے جس کام کا آغاز کیا تھا، میں خوب بھی اس میں غیر مخلص نہیں تھا۔ اور چونکہ یہ لوگ میری
بہریں پذیرائی کر رہے تھے۔ اس لئے میں یہ کام کرنے میں ان کے ساتھ مخلص تھا۔

سب سے پہلے چند روز تک میں نے پیرس کے مختلف حصوں میں گھوم پھر کر یہ ادازہ لگایا
کہ کہیں میرا تعاقب تو نہیں کیا جا رہا۔۔۔ اور جب مجھے یقین ہو گیا کہ یہ لوگ مجھ سے مطمئن
ہیں اور گشاپو کے مقامی لوگ بھی میرے بارے میں کسی شک و شبے کا شکار نہیں۔ تو میں نے
اپنے ہیڈ کوارٹر ز سے رابطہ قائم کیا۔ اس بار میں نے پیرس ہی میں ان لوگوں سے رابطہ قائم کیا
تھا، جہاں میری ملاقات ایک ذمہ دار شخص سے ہوئی تھی۔

”اوہ..... اس سے پہلے بھی آپ کا ایک پیغام ہمارے ایک کارکن کو مل چکا ہے جسے ڈی
کوڈ کر دیا گیا ہے۔ حکومت امریکہ کی جانب سے آپ کے لئے بہترین خواہشات کے
پیغامات ہیں مشرکین!“ اُس نے کہا۔ ”فرمائیے! کوئی خاص بات.....؟“

”ہاں..... خاص بات ہے۔“ میں نے کہا۔

”تی فرمائیے.....!“

”مشریعہ فریبک کہاں ہیں؟“

”فرانس میں موجود ہیں۔“ اُس شخص نے جواب دیا۔

”کیا اس وقت ان سے ملاقات ہو سکتی ہے.....؟“

”جی، اس وقت تو نہیں۔ لیکن آپ جب بھی دوبارہ رابطہ قائم کریں گے تو میں انہیں آگاہ
رکھوں گا۔ کیا آپ مجھے وقت دے سکتے ہیں؟“

”ہاں..... اُن سے کہہ دو کہ ہیڈ کوارٹر ز کی عمارت میں آج شام ٹھیک سات بجے موجود
رہیں۔“

”آج شام سات بجے.....؟“ اُس شخص نے ذہر ایسا۔

میں نے تائید کر دی۔

"بہت بہتر..... انہیں آپ کے حکم سے آگاہ کر دیا جائے گا۔" اُس نے کہا اور میں از
سلسلہ منقطع کر دیا۔

میں ٹھیک سات بجے امریکی محلہ خفیہ کی عمارت میں داخل ہوا۔ اور وہاں پر موجود ایک
زکن سے مژرا بینٹ فریک سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی۔
اُس شخص نے مجھے نگاہوں سے مجھے دیکھا اور بولا۔ "آپ کون صاحب ہیں؟ اور میں
اینٹ فریک سے آپ کو کیا کام ہے؟"

"وہ میرے دیرینہ دوست ہیں۔ تم اُن سے کہو کہ ڈن کین آپ سے ملاقات کا خواہش
مند ہے۔" میں نے کہا۔ اُس نے اسٹرکام پر یہ اطلاع فریک کو دی اور فریک کی آواز میں
نہ بھی سنی۔

اُس نے پرسکون لجھے میں کہا۔ "اوہ..... کیا مسٹر کین، تمہارے پاس موجود ہیں.....؟"
"جب ہاں جتاب.....!"

"اُن سے کہو، میں آرہا ہوں۔"

"اوکے سر.....!" اُس نے جواب دیا۔ زیادہ دیرینہں گزری تھی کہ مجھے اینٹ فریک نظر
آیا۔ اُس کے ساتھ چارافردا اور بھی تھے۔

"اوہ..... میرے دوست کین! کیسے ہوتا؟" اُس نے پڑ جوش انداز میں کہا اور دونوں
ہاتھ پھیلا کر میری جانب بڑھا۔ میں نے بھی اُس سے مصافحہ کرنے کے لئے ہاتھ بڑھا۔
لیکن دوسرے ہی لمحے، فریک نے انتہائی پھرتی کے ساتھ میرے دونوں ہاتھ پکڑے اور گھم
کر میری پشت پر پہنچ گیا..... "ہری آپ.....!" اُس نے غرائی ہوئی آواز میں کہا اور اُس
کے چاروں ساتھی مجھے پر ٹوٹ پڑے۔

میری جیب سے ایک ایک چیز نکال لی گئی۔ انہوں نے اس احتیاط کے تحت میرا کوٹ بھی
اتار لیا تھا کہ کہیں اس میں کوئی ہتھیار پوشیدہ نہ ہو۔

تب فریک نے میرے ہاتھ چھوڑ دیئے اور خونخوار انداز میں مجھے دیکھتا ہوا میرے
سامنے آگیا۔ میں، اس کارروائی کا مقصد بخوبی سمجھ رہا تھا۔ فریک کے وہم و گمان میں بھی ہے
بات نہ ہوگی کہ جرمی سے نکلو کرنے والا، سات بجے اُس کے پاس بھی پہنچ سکتا ہے۔ پہنچا
وہ مجھے کوئی فرانسیسی جاوس ہی سمجھ رہا تھا۔

"اب بتاؤ میرے دوست! تم کون ہو؟" وہ سانپ کی طرح پھنکا را۔

"کہیں..... ڈن کین۔"

"اصل بات بتاؤ.....!"

"وہ تم خود معلوم کرلو۔"

"میک آپ....." فریک نے کہا اور اُس کے ساتھیوں نے کارروائی شروع کر دی۔

بڑے چہرے پر جھلی تلاش کی گئی۔ میری گردن اور پال نوچے گئے۔ اس کے بعد طرح طرح
کے ایڈنڈرے پر جھرے پر آزمائے گئے۔ تب فریک کی آنکھوں میں حیرت کے نقوش اُہر

نے۔ "تم نلکیں تو نہیں ہو.....؟"

"لبی ڈیز! اب میرے لئے کافی کا بندوبست کرو۔ میری خاطر مدارت تو اچھی طرح ہو
گئی۔"

فریک کے چہرے پر حیرت کے تاثرات تھے۔ پھر وہ ہیجان خیز لجھے میں بولا۔
ایکن..... لیکن یہ کیسے ممکن ہے.....؟"

"کیا ساری گفتگو یہیں کر لو گے؟" میں نے مسکرا کر کہا۔

"ایک منٹ.....!" فریک بولا۔ پھر اُس نے میری قیص اُتر وا دی۔ وہ زخم اُس کے
امنے ہی لگائے گئے تھے اس لئے وہ انہیں پہچان گیا۔ "خدا کی پناہ! تو یہ تم ہی ہو کین....."

"ہاں بھائی! یہ میں ہی ہوں۔"

"اٹھو! تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا؟ سوری کین! میں نے تو تمہارے ساتھ بہت بہت
بلکہ کیا ہے۔ لیکن میں قابل معافی ہوں۔ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ یہ تم ہو سکتے ہو..... آہ!

اُک آئے؟ اٹھو..... آؤ میرے ساتھا!" وہ مجھے لے کر عمارت کے اندر ونی حصے کی جانب
ٹھپپا۔ "تم خاموش کیوں رہے؟ اُف! مجھے کتنی شرمندگی ہو رہی ہے؟"

کوئی بات نہیں ہے فریک! میں خود بھی یہی چاہتا تھا کہ تم کسی قسم کا شبہ اپنے دل میں
نہ بخڑو۔ میرے پارے میں تمہاری تصدیق ایک لا ازا جی چیز تھی، جو تمہیں کرنی ہی چاہئے
گئی۔ میں نے اُسے تسلی دیتے ہوئے کہا اور وہ جھینپئے ہوئے انداز میں مسکرانے لگا۔

"اُس کے باوجود مجھے شرمندگی ہے۔" اُس نے کہا اور مجھے لئے ہوئے اپنی مخصوص
باشگاہوں داخل ہو گیا، جہاں اُس نے مجھے بیٹھنے کی پیشکش کی اور میرے لئے کافی وغیرہ
انہوں برس کرنے کے بعد خود بھی میرے سامنے آ بیٹھا۔ اُس کی نگاہیں بار بار میرا جائزہ

لینے لگتی تھیں۔ اور پھر اس نے تحریر انداز میں کہا۔ ”لیکن میرے دوست! کیا بایہ
قابل یقین بات نہیں ہے کہ تم میرے سامنے موجود ہو.....؟“

”ہاں..... ایک طرح سے تم اسے ناقابل یقین کہہ سکتے ہو۔“

”مجھے بتاؤ! میرے ذہن میں بڑا تجسس ہے۔ مجھے بتاؤ! کہ تم جرمی سے کب یا
آئے؟“

”ایک دن قبل۔“ میں نے جواب دیا۔

”لیکن کیسے..... کس طرح.....؟“ فرینک نے پوچھا۔

”میں، تمہیں اس بارے میں پوری تفصیل بتاؤں گا فرینک! پہلے کافی پرواو!“ میں
کہا۔

تحوڑی دیریک میں اس کی حیرت سے لطف انداز ہوتا رہا۔ پھر کافی آگئی۔ اور کافی پیٹ
ہوئے میں نے اسے اپنی داستان سائی۔ ”تمہارے پاس سے رخصت ہو کر میں اپنی پیٹ
پیشہ کے پاس پہنچ گیا اور اس سے اس انداز میں ملاقات کی کہ وہ مجھے دیکھ کر ششدہ رہ گئی۔

اس نے مجھے واپس بھیجا اور تھوڑی دیر بعد وہ خود ہوٹل پہنچ گئی۔ اس کے بعد اپنے اندر گذا
ڈیپارٹمنٹ لے گئی۔ جہاں جرمن جاسوس، فرانس کے خلاف جاسوسی کرو رہے ہیں۔ پکا بان
تو یہ ہے فرینک! کہ میرے جسم پر لگے ہوئے زخموں نے انہیں سوچنے سے مدد نہیں
دیا۔ اگر یہ غم حقیقی نہ ہوتے تو وہ میرے جاں میں آسانی سے نہ چلتے۔“

”ہاں..... میں نے ان زخموں کو دیکھتے ہی فیصلہ کر لیا تھا کہ بلاشبہ! یہ تمہارے لہذا
معاون ثابت ہوں گے۔“

”بہر صورت! پیشہ نے میرے زخموں کا علاج کرایا اور پھر ایک خصوصی سفر کے ذریعے
میں برلن پہنچ گیا۔ وہاں مکمل طور پر صحت مند ہونے کے بعد رُوسی قید کے بارے میں باہم
پکھ کی گئی اور چند روز بعد میں نے اپنا عہدہ سنبھال لیا تو تمہیں پہلی بار برلن کے اندر
رازوں سے آگاہ کیا۔ کیا میرا یہ بیغام بر وقت نہیں تھا؟“ میں نے سوال کیا۔

”بلاشبہ! تم نے اختیائی مناسب وقت پر ہمیں آگاہ کیا تھا۔“ فرینک نے اعتراض کیا۔
”اس کے بعد میں نے باقاعدگی سے اپنا کام شروع کر دیا اور بہت جلد شہابیاں۔“

اصل حیثیت سے پوری طرح مضبوط ہو گیا۔ تب نازی جرمن افرانے ایک منصوبہ
سامنے پیش کیا۔ یہ منصوبہ فرانس کے بارے میں جاسوسی کا تھا۔“ میں نے بتایا۔

زیک کے چہرے پر سنسنی کے آثار پیدا ہونے لگے۔ ”اچھا..... پھر؟“ اس نے بے
ہے پوچھا۔

”محظی فرانس کے خلاف جاسوسی کے لئے بارہ افراد کے یونٹ کے ساتھ یہاں بھیجا گیا
جس کا انچارج میں ہوں۔ یہ یونٹ یہاں پہنچ گیا ہے اور اس نے بڑی خاموشی کے
باپنا کام شروع کر دیا ہے۔“

”خدا کی پناہ! تم نے واقعی جس انداز میں کام کیا ہے، وہ قابل تحسین ہے ڈیزِ کین! کیا
بل پورا طہیناں ہے کہ یہاں آتے ہوئے تمہارا تعاقب نہیں کیا گیا؟“

”تم ان باتوں کی پرواہ نہ کرو فرینک! یہ ساری ذمہ داری میری ہے۔ میری حیثیت اتنی
ورنہ ہے کہ وہ لوگ مجھ پر کسی قسم کا شکر کریں۔ یعنی جو لوگ یہاں موجود ہیں، وہ مجھ
کے ہمراہ کے ہیں اور میرا عہدہ کرٹل کا ہے۔“ میں نے کہا اور فرینک مسکرانے لگا۔

”کیوں نہ میں ایک جرمن کرٹل کو رنگے ہاتھوں بکڑلوں؟“ اس نے پڑھا۔ میں نے پڑھا۔
لہا اور میں ہنسنے لگا۔

”میرا خیال ہے، فرانسیسیوں کے لئے میری گرفتاری خاصا مشکل کام ہو گا۔“ میں نے
بڑا۔ اور پھر سجدہ لہجہ اختیار کرتے ہوئے پوچھا۔ ”حکومت کی کیا پوزیشن ہے؟“
”کس بارے میں؟“

”میرا مطلب ہے، ابھی امریکہ براہ راست اس جنگ میں ملوث نہیں ہوا ہے۔“
”اور نہ ہونے کا ارادہ رکھتا ہے۔“

”کیوں؟“

”اگر جائزہ لیا جا رہا تھا۔ اور جس وقت امریکی مفادات کو خطرہ ہو گا، امریکہ بھی میداں
میں کو دو پڑے گا۔ ویسے جس پیمانے پر تیاریاں کی جا رہی ہیں، اس سے اندازہ ہوتا ہے
کہ کیفیتی اس جنگ میں پورا پورا حصہ لے گا۔“

”میں اب مجھے کیا کرنا چاہئے فرینک؟“ میں نے سوال کیا۔

”بہاہ تو تم بہتر سمجھتے ہو میرے دوست! لیکن میرا ایک مشورہ ہے۔“

”وہ کیا؟“

”زخموں پر پوری طرح اپنا اعتقاد قائم رکھنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ تم اُن کے مفاد
کا کام کرو۔ اور انہیں وہ معلومات بھیم پہنچاؤ، جو وہ تم سے چاہتے ہیں۔“ فرینک نے

کہا۔

"اس کا مطلب ہے کہ میں فرانسیسیوں کے خلاف کام کروں.....؟"

"ہاں.....امریکی مفاد کی خاطر تمہیں یہ کام کرنا ہی ہو گا۔"

"تمہارا خیال درست ہے دوست! بہر صورت، میں نے تمہیں اپنی آمد کی اطلاعات دی۔ اور میں نہیں کہہ سکتا کہ اب ہماری ملاقات کہاں ہو؟ لیکن آپ میری طرف نے خود

امریکہ کو یقین دلا دیں کہ میں اس کے مفادات کے لئے جو کچھ کر سکتا ہوں، کرتا ہوں یہ

یہ ہیڈ کوارٹر قائم رہنے دیے جائیں۔ میں وقاً وقوتاً اپنی اطلاعات انہیں پہنچا تارہوں گا۔"

یہ بات طے ہو گئی تھی کہ اب مجھے جرمی کے مفاد میں بھی کام کرنا تھا۔ فرانسیسی خود

بھی پوری طرح مستعد تھی اور جاسوسوں کی خلاش تیزی سے جاری تھی۔ لیکن مجھے بہر حال!

کام سرانجام دینا تھا۔ البتہ فرینک نے ایک بات کہی تھی کہ اگر میں کبھی فرانسیسی حکومت

ہتھے چڑھ گیا تو مجھے با آسانی آزاد کرا لیا جائے گا۔ میں زیادہ تر ذمہ کروں۔ خاص طور

اس وقت، جب تک میں فرانس میں ہوں۔

اینٹ فرینک سے رخصت ہو کر میں چل پڑا۔ اب میرا ذہن کافی مطمئن تھا۔ فرانس

فووجی تیاریوں کے بارے میں اس کے مضبوط فوجی ٹھکانوں کی نشاندہی کرتے ہوئے میرا

ڈکھتا تھا۔ لیکن عظیم امریکی مفاد کے لئے تو مجھے یہ کام بہر حال! کرنا پڑ رہا تھا۔ میں نے

ایسے کارنا سے سرانجام دیئے جو میری ذات یعنی شایلاں سے متوقع کئے جاسکتے تھے۔

فرانس میں چار ماہ گزارنے کے بعد مجھے پولینڈ بھیج دیا گیا۔ وہاں سے ناروے۔

پھر بہت سی جگہوں پر میں نے جرمنوں کے لئے اہم ترین کارنا مے انجام دیئے۔ جگہ

آگ بھڑکتی ہی جا رہی تھی۔ کچھ عرصے کے بعد امریکہ بھی اس جگہ میں براہ راست

ہو گیا۔.....

اس دوران میں نے جرمنوں کے لئے جو خدمات انجام دی تھیں، ان سے حکم

امریکہ پوری طرح باخبر تھی۔ لیکن پھر میری ذمہ داریوں کا انداز بدل گیا۔ میں اب کی بنیاد

کا سربراہ تھا اور میرے یونٹ جگہ جگہ پھیلے ہوئے تھے۔ لیکن امریکہ جب اس جگہ میں کیا

اُس نے گویا اتحادی ملکوں کی کمان سنپھال لی تھی۔

اب گشاپو کی کارروائیوں کو مدد و دکرنا تھا اور اس کے لئے ضروری تھا کہ میں ان پہنچ

کی نشاندہی کر دیتا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی مجھے اپنی پوزیشن بھی برقرار رکھتی تھی۔ پہنچ

ہن کارروائیوں کا انداز بدل گیا تھا۔ ایک طرف میں جرمی کے مفاد میں کوئی کام کرتا اور
نکی اطلاع ہیڈ کوارٹر کو مل جاتی۔ لیکن اس سے فائدہ اٹھانے سے قبل ہی میں حکومت
مریکہ کو آگاہ کر دیتا اور امریکی فوجیں، جرم مخصوص بولوں کو خاک میں ملا دیتیں۔ میری اس دو
نیچا ہنسی سے جرم فوجوں کو ناقابل تلافی نقصان پہنچ رہا تھا۔ لیکن وہ حقیقت حال سے بے
یقین اور خود پر بیشان تھے۔ میری پوزیشن اُسی طرح مستحکم تھی اور ابھی تک میری ذات پر
نیچا ہنسیں آئی تھی۔

میری زندگی اس وقت شدید ہنگاموں سے دوچار تھی۔ قدم قدم پر موت سامنے آتی تھی
رزندگی کی حفاظت کے لئے شدید جدوجہد کرنا ہوتی تھی۔ یہ بھی ممکن تھا کہ کسی وقت اس
روجہ میں زندگی ہی کو نکست ہو جاتی۔

البتہ اس دوران امریکہ کے لئے میں نے ناقابل یقین خدمات انجام دی تھیں۔ ان
وں میں مشرقي و سطی میں جزل رو میں کے پاس تھا۔ جنگ کے کئی رُخ بد لے تھے۔ ابتداء
نی جرمنوں کا پلے بھاری رہا تھا۔ لیکن اتحادی آہستہ آہستہ سنبھل رہے تھے۔ جنگ میں امریکہ
لشکریوں نے اتحادیوں کی رگوں میں زندگی کی تی لہر دوڑا دی تھی۔ اور اب وہ کئی جگہ جم
لکھ تھے۔ چنانچہ مختلف علاقوں میں مختلف پوزیشنیں تھیں۔ کہیں جرم بھاری پڑ رہے تھے تو
ایں اتحادیوں نے انہیں ناقابل یقین نقصان پہنچایا تھا۔

بہر حال! میں اس وقت میری بوزی میں مقیم تھا کہ ایک شام گشاپو کے افسر اعلیٰ کا پیغام ملا۔

لیکن میں مجھے اٹلی میں طلب کیا گیا تھا۔ ایسے پیغامات میرے لئے کوئی تجھ بخیز حیثیت
نہیں کرتے تھے۔ مجھے مختلف ممالک میں طلب کیا جاتا رہا تھا۔ میں نے آمادگی کا اظہار کر دیا
اور میرجہڑو نیک کے ساتھ اٹلی روائی ہو گیا۔ خلیج سلانتو پر جنگ ہو رہی تھی۔ جزل ملنگری نے فینا
کے اندر خاموشی سے اپنے دو ڈویژن داخل کر دیئے تھے۔ یہ اٹلی کے دامن کو پھاڑنے کے
لئے پہلا قدم تھا۔ وہ نیپلڈ پر قدم جانا چاہتے تھے۔ لیکن اُن کا یہ منصوبہ کسی طرح سے پوشیدہ
نہ ہوا کا اور جزل کیر لٹک اٹھا رہا ڈویژنوں کے ساتھ وہاں آم موجود ہوا۔ اٹلی کی فوجیں پہلے
نہ تھیں اور ڈال پکھی تھیں۔

بہر حال! ان معاملات سے میرا کوئی ذاتی تعلق نہیں تھا۔ میں فوراً اٹلی پہنچ گیا اور میرے
اوسمی اور اطلاع دے دی گئی۔

جنگ کے ماحول میں دن اور رات کا تو کوئی خاص تصور نہیں تھا۔ چاروں طرف تاریکی

پھیل ہوئی تھی۔ میری قیام گاہ ایک عارضی عمارت میں بنائی گئی تھی۔ یہ عمارت معمولی کوئی گرجا گھر تھا۔ لیکن اب بیہاں فوجی پڑاؤ تھا اور گرجا کے مختلف کمروں کو مختلف مقامات پر لئے استعمال کیا جا رہا تھا۔

بیان، ہیں.....!“ میں نے جواب دیا۔

پشاں شخص کی جانب متوجہ ہو کر بولی۔ ”تو میرے پیارے ساتھی! یہ ہیں مسٹر بیان، بیہوں نے بلا مبالغہ نازی جنمی کے لئے ایسے ایسے بیش بہا کارنا مے انجمام دیئے ہیں۔

بیہوت ہوتی ہے۔ ان سے ملاقات اب آپ خود کر لیں۔ ”

بزر کے پیچے بیٹھا ہوا شخص گھری نگاہوں سے میرا جائزہ لے رہا تھا۔ اس کا چہہ سپاٹ میں نے مکراتے ہوئے گردن خم کی اور اس کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی۔

”اپ کیا سوچ رہے ہیں جناب؟“ بیٹھا نے اس شخص کی جانب دیکھ کر سوال کیا۔

”میں، مسٹر شایلاک کے خدو خال دیکھ رہا ہوں۔ کیا یہ میک آپ میں ہیں؟“

”ہرگز نہیں..... یہ ان کی اصلی حکمل ہے۔“ بیٹھا بول پڑی۔

”تب تو واقعی حیرت انگیز بات ہے۔“ اس نے معنی خیز انداز میں کہا۔ اور ایک با پھر اچھی صبح سمجھے شدید خطرے کا احساس دلانے لگی۔ لیکن میں اس خطرے کو تلاش نہیں کر سکتا۔ میرا ذہن اس شخص کی جانب متوجہ تھا۔

تب میں نے پڑا تو تار لجھ میں کہا۔ ”بڑی عجیب بات ہے جناب! کہ میری اور آپ کی تے کے درمیان ایک ڈرامائی کیفیت موجود ہے۔ میرا خیال ہے کہ ہم مصروف لوگوں کو توں سے پہبڑ کرنا چاہئے۔ آپ اپنا تعارف کرائیں۔ بلاشبہ! آپ کا عہدہ مجھ سے بڑا۔ لیکن ضروری ہے کہ پہلے ہم ایک دوسرا سے متعارف ہو جائیں۔“

اک کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ ”میں نے آپ سے میک آپ کے بارے میں کیا تھا تو اس کا مطلب یہ تھا کہ میں خود بھی میک آپ کا بہت بڑا ماہر ہوں۔ اپنے چہروں پر ٹوپی کر لینا آسان کی بات ہے۔ لیکن بعض چہرے ایسے سامنے آ جاتے ہیں، جن پر آپ کا شکر کرنے کے باوجود اس شبے کی تقدیق نہیں ہوتی۔ جیسے آپ.....“

”میں نہیں سمجھا.....؟“ میں نے دانت بھینچتے ہوئے کہا۔ میرا ذہن جیخ پیچ کر کہہ رہا تھا۔

”نا، نا، نا!“ بڑا ہو گئی ہے۔ اس بارہ مجھے کسی ہم پر نہیں بھیجا جا رہا۔ بلکہ شاید..... شاید.....“

”میں، آپ کو بتا رہا تھا کہ میں خود بھی میک آپ میں ہوں۔ آپ یہ دیکھئے! اس میک کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟“ اس نے کہا اور اپنے کانوں کے نزویک ٹوٹ کر تماں چہرے پر سے کھینچ لی۔ اسے دیکھ کر میرا غون، رگوں میں تیزی نے گردش کرنے پر لامعاڑت کے لئے مجھ پر بیجانی کیفیت طاری ہو گئی۔ لیکن میں اپنی کیفیات پر قابو مسکراتے ہوئے پوچھا۔

پھیل ہوئی تھی۔ اس وقت رات کے تقریباً پونے گیارہ بجے تھے جب ایک سمجھ، دو فوجی افسروں کے ساتھ میرے پاس آیا۔ اس نے مجھے بر گیڈیزیر ہینڈرک کا پیغام دیا اور کہا کہ بر گیڈیزیر سے ملاقات کرنا چاہتا ہے۔

بر گیڈیزیر ہینڈرک کے بارے میں مجھے کچھ معلومات نہیں تھیں۔ مجھے ایک وسیع کمر میں لے جایا گیا، جسے خاص طور پر ساؤنڈ پروف بنا یا گیا تھا اور اس قسم کے انتظامات کے لئے کہ روشنی، کمرے سے باہر نہ جاسکے۔ اسی لئے اس وقت وہ کرہ خاصاروشن تھا۔

اندر بڑا صاف سترہ اماحول تھا۔ وسیع و عریض کمرے کے درمیان ایک میز پڑی ہوئی تھی۔ اس میز کے پیچے ایک چست و چالاک بدن کا مالک شخص بیٹھا ہوا تھا، جس کے مرکز بال سفید تھے۔ اس کے جسم پر بر گیڈیزیر کی وردی تھی۔ لیکن اس کے زدیک جو شخصیت پیش ہوئی تھی، اُسے دیکھ کر میں حیران رہ گیا۔ یہ پیش اتھی۔

پیش اتھے دیکھ کر بڑے جاندار انداز میں مسکرائی۔ لیکن نہ جانے کیوں میری چھٹی میں نے میرے ذہن پر ضربیں لگانا شروع کر دیں۔ پیش اتھی کی اس جاندار مسکراہٹ کے باوجود اس کے انداز میں وہ اپنائیت نہیں تھی جو اس سے پہلے میں نے شایلاک کے لئے محسوس کی تھی۔

بہر صورت اچند ساعت کے بعد اس نے پڑا تپاک لجھ میں کہا۔ ”ڈیزیر شایلاک آؤ۔“ میں تمہیں ایک عظیم دوست سے ملواؤں۔ میں تمہیں ان کا نام نہیں بتاؤں گی۔ کیونکہ ہذا تعارف خود ہی کرائیں گے۔ لیکن تم یہ سمجھو! کہ گٹاپو کی ایسی شخصیت، جو طویل عرصے سے روپوش تھی، تمہارے سامنے موجود ہے۔“

”بہت خوب پیشنا! مجھے واقعی حیرت ہوئی ہے۔ کیونکہ گٹاپو کی جتنی مقندر شخصیتیں ہیں، اُن کے بارے میں بخوبی جانتا ہوں۔ مجھے کسی ایسی شخصیت کا تو آج تک علم نہیں ہوا کہ میری لگاہ سے روپوش ہو۔“

”اس لحاظ سے میرے دوست کیا ایک دلچسپ شخصیت کے مالک نہیں ہیں؟“ پیش اتھی مسکراتے ہوئے پوچھا۔

”مونیٹر.....“ میں نے جواب دیا۔
”کہاں کے باشندے ہیں؟“

”بیبرگ سے تعقیل رکھتا ہوں اور شروع ہی سے ہٹلر کے پرستاروں میں رہا ہوں۔“
”لیکن آپ نے میری حیثیت کیوں اختیار کی.....؟“ شایلیاک نے سوال کیا۔

”ایک طویل داستان ہے مسٹر شایلیاک! اگر آپ کے پاس کچھ وقت ہوتا سن لیں! رہ باتی معاملات آپ کے ہاتھ میں ہیں.....“ میں نے لاپرواہی سے جواب دیا۔ پیشاوا کی نگلوں میں عجیب سے تاثرات نظر آرہے تھے اور اب میں اپنے آپ پر پوری طرح قابو پا گا تھا۔

”میں سننا پسند کروں گا۔“ شایلیاک نے جواب دیا اور میں اطینان سے کری کی پشت سے ٹک گیا۔ تب میں نے پڑھیاں انداز میں کہنا شروع کیا۔

”بیبرگ کے ایک چھوٹے سے قبیلے میں، میں نے جنم لیا۔ شروع ہی سے مجھے فوجی نگی پسند تھی۔ لیکن جوں جوں میں بڑا ہوتا گیا، میرے ذہن میں کچھ تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ لے اپنے آپ کو اعلیٰ کارکردگی کا مالک ایک شخص سمجھتا تھا۔ لیکن میرے وسائل محدود تھے۔ ہرے اپنے قرب و جوار کے لوگ، جن سے میں نے فوج میں داخل ہونے کا مشورہ مانگا، وہ تھے ہمیشہ دیتے تھے کہ میں فوج میں بھرتی ہو جاؤں اور ترقی کر کے اپنا مقام پیدا کروں۔ لیکن میں پہلی بیڑھی سے چڑھنا پسند نہیں کرتا تھا۔ کیونکہ میں جانتا تھا کہ پہلی بیڑھی سے لے کر اُس بلندی تک کا سفر بہت عرصے میں طے کروں گا۔ چنانچہ مسٹر شایلیاک! میں وجہا رہا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے؟ چھان بین کے نتیجے میں مجھے آپ کے بارے میں معلوم ہوا۔ مجھے پتہ چلا کہ آپ رزویوں کی قید میں ہیں اور بظاہر آپ کی واپسی کا کوئی امکان نہیں ہے۔ چنانچہ مسٹر شایلیاک! میں ایک پروگرام کے تحت فرانس میں مس پیشاوا میں ہوں۔ مس پیشاوا کے بارے میں مجھے مکمل معلومات حاصل ہو چکی تھیں۔ اور اس کے بعد وہی ہوا، جو میری خواہ تھی۔ لیکن اب آپ واپس آگئے ہیں تو میں آپ کے نام کو استعمال کرنا ترک کر دیتا ہوں۔“

شایلیاک، ان بھی ہوئی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ اُس کا تو خیال تھا کہ اصلیت کھلتے کیا میں بولھا جاؤں گا، پریشان ہو جاؤں گا اور اُٹھی سیدھی حرکتیں کرنے لگوں گا۔
”درستک دونوں ہی خاموش رہے۔ پھر شایلیاک نے بھاری آواز میں کہا۔“ آپ نے

پانے میں ماہر تھا اور اُس شخص کا چہرہ دیکھ کر مرعوب نہیں ہوا تھا۔۔۔ یہ اصلی شایلیاک تھے۔ اُس کے خدوخال، مجھ سے پوری طرح ملتے جلتے تھے۔ البتہ معمولی ہی تبدیلی تھی: نے اپنے ڈھنی ہونے کے سلسلے میں چھپا رکھی تھی۔ اُس کے ہونتوں پر ایک کامران بھر تھی۔

”کیا خیال ہے آپ کا اس میک آپ کے بارے میں؟“

”بہت عمدہ.....!“ میں نے جواب دیا۔ میرا ذہن، تمیزی سے سوچ رہا تھا کہ حال پر کیسے قابو پایا جائے؟

”ویسے میں محسوس کر رہا ہوں کہ میرے اور آپ کے خدوخال میں کافی مماٹک ایسا کیوں ہے مسٹر شایلیاک؟“

”میں نہیں کہہ سکتا۔ لیکن بہر صورت! میرے لئے بڑی سودمند ہے۔“

”کیا مطلب؟“

”میں وہ سب کچھ کرنے میں کامیاب ہو گیا، جو میری دلی خواہش تھی۔“ میرے ذہن نے فوری طور پر ایک کہانی سوچ لی تھی۔ اب اُس کی کامیابی یا ناکامی کے بارے کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا۔ معلوم نہیں، ان لوگوں کا رو یہ کیا ہو؟
بہر صورت! میرے ان الفاظ سے اصلی شایلیاک کی پیشانی پر ایک شکن انہر آئی۔

”آپ کا شوق؟“ اُس نے سوال کیا۔
”جی ہاں..... میری دیرینہ خواہش..... میری آرزو..... میرا شوق.....“ میں نے

انبساط سے کہا۔

”کیا خواہش تھی آپ کی؟“

”یہ کہ کسی نمایاں مقام پر اپنے آپ کو جمنی کا وفادار ثابت کر سکوں اور اپنی پیشہ سکوں مسٹر شایلیاک!“ میں نے اس بار اسے اُس کے نام سے ہی مخاطب کیا اور پڑھ مسکراہٹ کا فور ہو گئی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ شایلیاک تسلیم نہیں کروں گا۔
آپ کو ہی شایلیاک منوانے کی کوشش کروں گا۔ میرے اس اعتراف سے وہ دیگر اور اُس کی ذہنی کیفیت بھی کسی حد تک بدلتی گئی تھی۔ لیکن شایلیاک کے لمحے میں اب

گئی تھی۔ اُس نے مجھے گھورتے ہوئے پوچھا۔

”آپ کا اصلی نام کیا ہے؟“

”تمہارا اصلی نام کیا ہے.....؟“

”موئیٹر.....!“ میں نے جواب دیا۔

”کہاں سے تعقیل رکھتے ہو.....؟“

”بیہبرگ سے.....!“ میں نے جواب دیا۔

”بیہبرگ میں تمہاری فیملی کے بارے میں کوئی تفصیلات نہیں معلوم ہو سکیں۔ تم نے جو دا لے دیئے تھے، ان کے مطابق وہاں کوئی ایسی فیملی نہیں رہتی جسے تم اپنی فیملی قرار دے سکو۔“

”میں نے یہ بھی بتایا تھا جناب! کہ یہ پرانی بات ہے۔ اور پھر میری فیملی معروف بھی نہیں تھی۔ میرے جو خیالات تھے، وہ میری بساط سے کہیں آگے کے تھے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ میری فیملی مجھے ان بلندیوں تک نہیں پہنچا سکتی تھی جس کا میں خواہ شند تھا۔ میرا باپ کا رینٹر تھا۔ اور اتنی معمولی سی زندگی نزارہ رہا تھا جس کا تذکرہ بھی جمات ہے۔ اُس کی موت کے بعد میری ماں کا بھی انتقال ہو گیا اور میں تمہارہ گیا۔ ہم لوگ اتنے غیر معروف تھے کہ ہمارے بارے میں عام لوگوں کا جاننا بھی ناممکن سا ہے۔“

”اس کے باوجود بیہبرگ آبادی کے کاغذات میں تمہارے نشانات نہیں ملتے۔“

”اس میں میرا کیا صور ہے.....؟“

”نہیں مسٹر موئیٹر! یا جو کوئی بھی تم ہو۔ تمہاری یہ بات ہمیں مطمئن نہیں کر سکتی۔ تمہارے بارے میں اگر تھوڑی سی تفصیلات بھی مل جاتی تو ہم اس تصور کے ساتھ انہیں قبول کر لیتے کہ تم نے گشاپوک کے لئے بہترین خدمات انجام دی ہیں۔ لیکن مسٹر موئیٹر! کچھ اور باقیں بھی ہمارے علم میں آئی ہیں۔ ہم ابھی انہیں تصدیق شدہ نہیں کہیں گے۔ لیکن شہبے کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔“

”وہ کیا باتیں ہیں جناب.....؟“ میں نے سوال کیا۔

”ایک خصوص وقت تک تمہاری کارروائیاں جرمی حکومت کے لئے بہت ہی منافع بخش رہی ہیں۔ لیکن اس کے بعد اس وقت جب امریکہ اس جنگ میں شریک ہوا، کچھ تبدیلیاں ہمارے علم میں آئیں۔ مثلاً یہ کہ جو کام، تم نے انجام دیا، وہ بظاہر تو انجام تک پہنچ گیا۔ لیکن اس میں کوئی ایسی رختہ اندازی ہو گئی جس کی وجہ سے ہمارا وہ مشن فیل ہو گیا۔ گویا تمہاری جیشیت بھی محفوظ رہی اور ہم نے وہاں نقضان اٹھایا۔ اس لکٹے پر خاص طور سے غور کیا جا رہا۔“

”جرمی کے لئے جو کارنا مے انجام دیئے ہیں، وہ میرے علم میں ہیں۔ میں آپ کو ایک ذمہ انسان کہہ سکتا ہوں۔ لیکن آپ کے پیچھے کیا ہے؟ یہ بات تو ہمیں دیکھنا ہی ہوگی۔“

”اپنے بارے میں مکمل تحقیقات کا اختیار میں، آپ کو دیتا ہوں مسٹر شایلاک۔ البتہ بعد اگر میری نیت پر کوئی شہر ہو تو آپ میری سفارش کریں۔“ میں نے زم اور دوستاخانے میں کہا۔

”جب تک میں آپ کے بارے میں مطمئن نہ ہو جاؤں، تب تک آپ کو نظر بند رہنا پڑے گا۔“

”میں حاضر ہوں.....!“ میں نے جواب دیا اور شایلاک گردن ہلانے لگا۔ پھر اس نے چند افسروں کو بلا کر مجھے اُن کے حوالے کر دیا اور بالآخر مجھے ایک عمارت میں قید کر دیا گیا۔

یہ انوکھے واقعات جس طرح اچانک پیش آئے تھے، اُن کے تحت میں تھوڑا سا بوکا گیا۔ شایلاک کو دیکھ کر اپنے اعصاب پر قابو رکھنا میرے جیسے ہی کسی انسان کا کام تھا۔ لیکن اس کے بعد، میں فوری طور پر ایسی کوئی ترکیب نہیں سوچ سکا تھا جس سے میری اپنی شیخہ برق رارہتی اور شایلاک فنا ہو جاتا۔ چنانچہ جو کچھ ذہن میں آیا، کر گزرا تھا۔ اور اب حالات کا منتظر تھا۔

چنانچہ اپنے اس قید خانے میں، میں نے خود کو پر سکون کر لیا۔ موجودہ حالات کی باء پر میں جانتا تھا کہ یہ لوگ فوری طور پر تو فیصلے نہیں کر پائیں گے۔ ممکن ہے، اس قید خانے میں مجھے کچھ زیادہ ہی وقت لگ جائے۔ اور میرا یہ خیال غلط تکلا۔ مجھے صرف دو دن بیہاں گزارنے پڑے۔ اور ان دو دنوں میں مجھے وہ تمام مراعات حاصل تھیں جو کسی فوجی افسر کو حاصل ہو سکتی ہیں۔ گویا ابھی مجھے جرم فوج کا باغی نہیں قرار دیا گیا تھا اور میرے خلاف تحقیقات کامل نہیں ہوئی تھیں۔ لیکن تیرسری رات مجھے طلب کر لیا گیا۔ فوجی افسران مجھے ایک جیب میں بٹھا کر اس عمارت سے دور لے گئے۔ ایک اور عمارت ہماری منزل تھی۔ جس کے ایک بڑے کمرے میں چند افراد سر جھکائے بیٹھے ہوئے تھے۔ سب کے سب جرم من درپول میں مبوس تھے اور خاصے بڑے بڑے عہدوں کے مالک تھے۔

مجھے تیز روشنیوں میں کھڑا کر دیا گیا۔ بہت ساری روشنیاں میرے چہرے پر پڑتی تھیں اور میری آنکھیں کسی حد تک بند ہو گئی تھیں۔ گویا میں اُن لوگوں کو نہیں دیکھ سکتا تھا جو میر سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ تب ایک آواز اُبھری۔

انوں کی بات یہ تھی کہ میں اینٹ فریک سے بھی رابط نہیں قائم کر سکتا تھا۔ اگر کسی طرح اپنی میری اس کیفیت کا علم ہو جاتا تو میں جانتا تھا کہ حکومت امریکہ کے لئے اب میں اتنی بیشی اختیار کر چکا ہوں کہ وہ لوگ اپنائی وقت صرف کر کے بھی میری آزادی پسند کریں گے۔ لیکن افسوس! میں ان سے اتنی دُور اٹلی میں تھا کہ وہ اس بات کو سوچ بھی نہیں سمجھ سکتا۔ بھی پر کوئی ایسا برا وقت آ پڑا ہے۔ بہر صورت! سیکرٹ پیلس کی تربیت میں ہاروں کا کوئی وجود نہیں تھا۔ جو کچھ کرنا ہوتا، اپنے طور پر ہی کرنا ہوتا تھا۔ چنانچہ یہاں بھی بھی اپنے لئے سب کچھ خود ہی کرنا تھا۔

اب جو کچھ بھی کرنا ہے، اپنے ہی مل بونتے پر کرنا ہے۔ اور اس کے لئے ہوا اس انتظار ہاں ہے۔ یہ انتظار مجھے مزید تین روز تک کرنا پڑا۔ اس کے بعد ایک دن مجھے اس قید نالے سے بھی نکال لیا گیا اور ایک بند گاڑی میں کہیں لے جایا گیا۔ جس جگہ میں اُڑا، وہ ایک باریک ایئر پورٹ تھا۔ روشنیوں کا نام و نشان تک نہیں تھا۔ اور یقیناً ہونا بھی نہیں چاہئے تھا۔ کیونکہ جنگی حالات تھے۔ اندر ہے ہی میں مجھے ایک طیارے تک لے جایا گیا اور یہ زانپورٹ طیارہ مجھے لے کر ایک نامعلوم ست چل پڑا۔ طیارے میں میرے ساتھ سفر کرنے والے میں بھی آدمی تھے جو سب سب سمجھدہ چیزوں اور ایک طرح سے منحوس فطرت کے مالک تھے۔ کسی نے دورانِ سفر مجھ سے کوئی گفتگو نہیں کی۔ البتہ میرے ہاتھ پشت کی طرف کر کے ان میں ہٹکڑیاں ڈال دی گئی تھیں جس کا مطلب یہی تھا کہ بہر صورت، میری بات پر غور نہیں کیا گیا۔ یا غور کیا گیا ہے تو مجھے مجرم ہی قرار دیا گیا ہے۔ کافی دری تک ہم سفر کرتے رہے۔ اور اس کے بعد طیارہ شاید کہیں اُترنے کے لئے تیار ہو گیا۔ ایک فوجی نے ہمراہ بدن سے بھی بیٹھ باندھ دی۔ اور تھوڑی دیر کے بعد طیارے نے رن وے کو چھو لیا۔ اسی خاموشی کے ساتھ مجھے نیچے آتا رہا۔ اور جب وہ لوگ مجھے ایئر پورٹ کے ایک تھوڑی حصے کی سمت لے جانے لگے تو میں نے اُن سے سوال کیا۔

”آخر مجھے کہاں لے جایا جا رہا ہے؟ معلومات بھی تو ہونی چاہیں۔“ لیکن میرے ماننے پڑے والے گویا پتھر کے آدمی تھے۔ میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا گیا۔ یہاں سے پڑھنے ایک گاڑی میں بٹھایا گیا اور کسی ایسے راستے پر لے جایا جانے لگا جو کچا اور ناہموار تھا۔ پھر کچھ کھنے کا مسلسل سفر خاصاً تکلیف دھ تھا۔ اور اس کے بعد گاڑی رُک گئی۔ مجھے نیچے آتا رہا اور لانے والوں نے مجھے چند افراد کے حوالے کر دیا۔ یہاں میرے ساتھ کچھ اور

نہ ہے۔ ہم یہ الزام نہیں لگاتے کہ تم نے در پردہ کوئی ایسی کارروائی شروع کر دی تھی جس کا تحت یہ نقصانات ہمیں اٹھا چکے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود ہم اس لکھتے کو اس صورت میں فظر انداز نہیں کر سکتے کہ تم شایلاں کنہیں ہو۔“

”اگر جو منی کے لئے خدمات انجام دینے والے کے ساتھ یہی سلوک بہتر ہے جتاب اُن میں اس پر کوئی احتیاج نہیں کروں گا.....“ میں نے کسی قدر تلخ لمحہ میں کہا۔

”بہر صورت! تمہیں ایک مخصوص وقت قیدیوں کی حیثیت سے گزارنا ہو گا۔ ہم کو خوش کریں گے کہ تمہارے بارے میں جو شبہ ہے، اس کی تصدیق یا تردید ہو جائے۔ اس کے بعد ہی تمہارے لئے فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔“

”کیا مجھے جنگی کارروائیوں میں حصہ لینے کی اجازت بھی نہیں ملے گی.....؟“ میں نے پوچھا۔

”نہیں..... ہم کوئی رُسک نہیں لے سکتے۔“

”تب مجھے افسوس ہے کہ میں نے جن بلندیوں پر اپنی محنت سے قدم رکھے تھے، آپ لوگوں نے وہ مجھ سے چھین لیں۔“ میں نے تلخ لمحہ میں کہا اور میرے ان الفاظ کا کوئی جواب نہیں ملا۔

تھوڑی دیر تک مجھے وہاں رکھا گیا، طرح طرح کے سوالات کے جاتے رہے، جن میں اب میں کوئی دلچسپی نہیں لے رہا تھا۔ اس کے بعد میرے لئے حکم نافذ کر دیا گیا کہ مجھے کہ نمبر بائیکس میں پہنچا دیا جائے۔

کیمپ نمبر بائیکس کے بارے میں میری معلومات محدود تھیں۔ گٹاپو کے جتنے اپنے معاملات تھے، ان کے سلسلے میں تو میں نے تفصیلات معلوم کر لی تھیں۔ لیکن بہت سارے امریکے کے لئے کوئی خاص دلچسپی کا سامان تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد مجھے وہاں سے واپس آیا گیا۔ مجھے جس عمارت میں قید کیا گیا تھا، وہ خاصی تنگ و تاریک تھی۔ قید کے دوران جو مراعات مجھے پہلے دی گئی تھیں، اب وہ واپس لے لی گئی تھیں۔ گوا جس کوٹھری میں، میں تھا اس میں ضرورت کے سارے سامان مہیا نہیں تھے۔ زمین پر ایک کمبل بچا ہوا تھا۔ ایک کمبل اوڑھنے کے لئے تھا۔ اس کے علاوہ ساری دیواریں تنگی تھیں۔ اور روشنی کا بھی مناسب بندوبست نہیں تھا۔ گویا میرے لئے خطرناک لمحات کی ابتداء ہو چکی تھی۔

انصاف کیا گیا۔ یعنی میرے پیروں میں لوہے کی بیڑیاں بھی ڈال دی گئیں اور ان کے ان
اقدام سے اس بات کا احساس ہوتا تھا کہ میرے بارے میں ہدایات کافی خخت یہاں۔ اب
کچھ پوچھنا فضول تھا۔ چنانچہ میں نے خاموشی اختیار کر لی۔

چاروں طرف گہری تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ جنکی حالات کی وجہ سے روشنیوں کا سوال ع
پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اور اس کے بعد پھر مجھے ایک قید خانے میں ڈال دیا گیا۔ اُس قید خانے
میں، میں تھا نہیں تھا، دس بارہ افراد اور بھی نظر آ رہے تھے۔ یہ سب کے سب کمل بچائے
زمیں پر موجود تھے۔ مجھے بھی ایک کمل بچانے کے لئے اور ایک اوڑھنے کے لئے دیا گا اور
جو لوگ مجھے لائے تھے، ان میں سے ایک نے کرخت لجھ میں کہا۔
”خاموشی سے یہاں آرام کرو! تم جانتے ہو، کوئی بھی حرکت تمہارے لئے موت کا پیغام
بن سکتی ہے۔“

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ زبان جرم استعمال کی گئی تھی جسے میں بخوبی سمجھتا تھا۔
بہر صورت! قید خانے کا دروازہ بند ہو گیا اور وہ چلے گئے۔

وہ مجھے امریکی جاسوس ہی قرار دے رہے تھے۔ اور یہ بہت بڑی بات تھی۔ کسی ایسے شخص
کے بارے میں، جو ایک اہم عہدے پر ایک طویل عرصے تک کام کر چکا ہو اور آسانیاں فراہم
کر چکا ہو، یہ فیصلہ کر لینا کہ بالآخر وہ کسی اور ملک کا ایجنت ہے، بڑی ذہانت کی بات تھی۔
گویا انہوں نے حقیقت تلاش کر لی تھی۔ لیکن اب اس کے بعد میرے ساتھ کیا ہو گا؟ میں
سوچتا رہا۔ کمل پر لیٹے لیٹئے نہ جانے مجھے کب نیند آ گئی؟ لیکن جب آنکھ کھلی تو سورج خاما
تیر ہو چکا تھا۔ چاروں طرف روشنی پھیلی ہوئی تھی اور اس روشنی میں میرے اس قید خانے کے
دوسرے لوگ اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ کوئی، سوئی سے اپنا پہشا ہوا الباس کی رہا
تھا، کوئی شیو بنارہا تھا۔ شاید ان لوگوں کو شیو بنانے کا سامان مہیا کر دیا جاتا تھا ویسے یہاں
جتنے افراد بھی موجود تھے، ان میں سے بیڑیاں کسی کے پیروں میں نہیں تھیں۔ ہاتھ بھی کھلے
ہوئے تھے۔ صرف میں تھا، جس کے ہاتھوں میں چھکڑیاں اور پیروں میں بیڑیاں تھیں۔ اور
شاید میں ان لوگوں کے لئے باعث حیرت بھی تھا۔ چنانچہ ایک قیدی میرے نزدیک آ گیا۔
یہ صورت سے خاصا شریف آدمی معلوم ہوتا تھا۔ اس کی دارصی بڑھی ہوئی تھی شاید اس نے
شیو بنانے کی کوشش نہیں کی تھی۔

”میرا نام ایراد ہے۔ اور میں بھی تمہاری طرح ایک قیدی ہوں۔ کیا میں تم سے تمہارے

”بے میں معلوم کر سکتا ہوں.....؟“
”کیا مسٹر ایراد.....؟“ میں نے سوال کیا۔
”تمہارا نام کیا ہے؟ ویسے یہ سب کچھ تعارف کے طور پر ہو رہا ہے۔“
”مونٹر.....!“ میں نے جواب دیا۔
”نوب..... اپنا نام تو میں تمہیں بتا ہی چکا ہوں۔ لیکن ڈیزِ مونٹر! تم یہاں جس انداز
میں موجود ہو، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ لوگ تمہاری جانب سے خاصے خوفزدہ ہیں۔“
”لیکن ہے..... ویسے تمہارا تعاقیل کہاں سے ہے مسٹر ایراد؟“
”میں گرین لینڈ کا باشندہ ہوں۔“
”اوہ.....!“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔
”اُرمن.....؟“
”بن ایراد اعلیٰ ہیم برگ سے ہے۔“ میں یہاں بھی محتاط رہا۔
”گویا تم جرم ہو.....“ ایراد کے انداز میں ایک بلکل سی نفرت پیدا ہو گئی۔
”ہاں مسٹر ایراد.....!“
”لیکن تجھ کی بات ہے ڈیزِ مونٹر! کہ جرم کے باوجود تم جرم قید میں ہو۔“
”ہاں..... بعض اوقات ایسے اتفاقات ہو جاتے ہیں۔ لیکن تمہاری کیا پوزیشن ہے؟“
”میں تو جنکی قیدی ہوں۔“
”میں تو جنکی قیدی ہوں۔ مجھے فرانس سے گرفتار کیا گیا تھا اور اس کیمپ میں رکھا گیا
ہے۔“
”تو گویا کوئی فوجی کیمپ ہے.....؟“
”ہاں..... یہ ایک فوجی کیمپ ہے۔“ ایراد نے جواب دیا اور مجھے یہ سن کر تجھ ہوا۔ میں
نہ بوچا کہ شاید یہ لوگ اب میری قومیت کے بارے میں بھی مشکوک ہیں اور اس کیمپ میں
رکھنا کوئی خاص مقصد بھی ہو سکتا ہے۔ مثلاً یہ کہ یہاں ممکن ہے، کوئی میرا ہم وطن موجود ہو
اور میں اس سے کھل جاؤں۔ پھر یہ لوگ اُس سے معلومات حاصل کر سکتے ہیں۔ تب میں
اسی تصور کے ساتھ ایراد سے پوچھا۔
”لیکن کیا تم ان باقی لوگوں سے متعارف ہو مسٹر ایراد.....؟“
”تمہاری مراد ان قیدیوں سے ہے.....؟“

"ہاں.....!"

"یہ سب میرے ساتھ ہی گرفتار ہوئے ہیں۔ اور میرے ہی وطن سے تعلق رکھتے ہیں۔
میری مراد اتحادی فوجوں سے....."

"کیا ان میں کوئی امریکن بھی ہے.....؟" میں نے سوال کیا۔

"ہاں..... وہ مسٹر گریٹ۔ جو اس کونے میں بیٹھے شیو بنار ہے ہیں، ان کا تعلق امریک
سے ہے۔"

"خوب، خوب....." میں نے دلچسپی سے سوچا۔ اور پھر فیصلہ کیا کہ صرف اس شخص سے
دشمنی کھلی جائے تاکہ وہ کسی حادثے کا شکار نہ ہو۔ اگر میں نے اس سے دوستی قائم کی تو یقینی
طور پر جو من اس سے میرے بارے میں معلومات حاصل کریں گے اور وہ یہ پھرہ مفت میں
مارا جائے گا۔ چنانچہ بہتر یہ ہے کہ اس سے دوستی کی بجائے دشمنی کا آغاز کیا جائے۔ تاکہ اس
کی زندگی نجح سکے۔

بہر حال! اب تو ایک تکلیف دہ زندگی کا آغاز ہو گیا تھا۔ نہ جانے اس آغاز کا انجام کیا
ہو.....؟

☆.....☆.....☆

یہیں فوٹی یکپ کے قید خانے میں میرا پہلا دن کسی خاص واقعے کا حامل نہیں تھا۔ یہاں
بیداریوں سے میری جان پہچان ہو گئی تھی۔ لیکن امریکی قیدی گریٹ کو میں نے جان
پر راٹ نہیں دی، بلکہ اس کی توہین کی۔ جس کی وجہ سے وہ مجھ سے بدظن ہو گیا۔ بات
ہمیں یہ تھی کہ میں اس کی قربت نہیں چاہتا تھا۔ ممکن ہے، کوئی ایسی بات زبان سے نکل
نا ہو میرے اور اس کے لئے مصیبت بن جاتی۔ اس لئے اس سے ڈوری ہی بہتر تھی۔
اکو دل چاہتا تھا کہ اس سے بہت سی باتیں کی جائیں۔ نہ جانے کیوں میں ذہنی طور پر خود
امریکی مفادات سے نزدیک ترجیح نہیں کیا تھا۔ حکومت امریکہ کا جو روایہ میرے ساتھ تھا، اس
لائیٹ نظر یہ بات میرے لئے فطری تھی۔ انہوں نے مجھے ہر سہولت فراہم کی تھی۔ اور اب
نے یہ بھی بری نہیں لگتی تھی۔ اس کی وجہ صرف یہی تھی کہ میں خود کو حکومت امریکہ کا وفادار
لئتا تھا اور اس قید سے یہ احساس ذہن میں اُبھرتا تھا کہ یہ سب کچھ میں نے اپنا فرض ترجیح
کیا ہے۔

مگر صورت حال وہی تھی۔ یہاں صرف چند لوگ تھے جن سے تباہ لہ خیال ہوتا تھا۔ ابھی
نہ ہمارے پر دکوئی ایسا کام نہیں کیا گیا تھا جو ہمارے لئے پریشانی کا باعث بنتا۔ میں اکثر
الگ قیدی گریٹ کا مذاق اڑا تا رہتا تھا۔ وہ بے چارہ بس! خونخوار نظروں سے مجھے گھورنے
لگتا رہتا۔

مگر ایک دن وہ میرے مقابل آئی گیا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ شائیلاک نے میری
بجٹ جاننے کے لئے کیا کچھ کیا ہے؟ ویسے مجھے یہاں موجود ایک قیدی پر شبہ تھا کہ وہ
لیکن لکھ شاید جو کن جاؤں ہے جو کسی خاص بنیاد پر یہاں قید کیا گیا ہے۔ یا پھر یہ بھی
کہا ہے کہ صرف میری ہی وجہ سے۔ اس شبہ کی وجہ یہ تھی کہ یہاں موجود سیاسی قیدیوں کے
خونخوار نیز اپنی بھی ہو جاتی تھی۔ لیکن وہ ایک آزاد فطرت اور ایک آزاد انسان کی حیثیت
سے نہیں سمجھ رہا تھا۔

”بندنہ آرہی ہو تو آؤ! گفتگو کریں۔“
”اہ..... مجھے نیند نہیں آ رہی۔“

”بمرے ذہن میں بار بار ایک خیال پھلتا ہے۔“ اُس نے کہا اور میں تاریکی میں اُس کی
تباخی کی کوشش کرنے لگا۔
”کیا خیال.....؟“ میں نے پوچھا۔

”تمہاری قید واقعی عجیب و غریب ہے۔ اس قید خانے میں عام لوگوں کو نہیں رکھا جاتا۔
بانا چاہتا ہوں کہ جرمن ہونے کے باوجود جرمن افسر، تم سے بذلن کیوں ہیں.....؟“
برے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ میرے شہبے کی کسی حد تک تقدیم ہو رہی تھی۔
ورت ابھا میں اس شخص کے چکر میں آ سکتا تھا۔ چنانچہ میں نے ایک سختی سانس بھری
لے لیا۔ ”بدستی ہی کی بات ہے میرے دوست!“
”کیوں.....؟“

”میں نے اپنی اڑاں کی کوشش کی تھی اور جرمن افواج میں ایسے کارنا سے انعام دینا
انعام سے میرا نام روشن ہو جائے۔ لیکن بدستی سے ایک غلطی کر گیا۔“
”کسی غلطی.....؟“

”میں ایک ایسے کردار کا انتخاب کیا جو زو سیوں کی قید میں تھا۔ میرا مطلب ہے، مشر
الل۔“ میں نے کہا اور وہ تجب سے میری شکل دیکھنے لگا۔

”میں نہیں سمجھا۔“ اُس نے بھاری لبجھ میں کہا اور میں نے اُسے پوری کہانی سنادی۔ وہ
نہ میری کہانی پر غور کرتا رہا، پھر بولا۔ ”لیکن تجب کی بات ہے مشر مونیٹر! جرمن
المن کو تمہارے بارے میں تفصیلات معلوم کرنی چاہئے تھیں۔ اور تمہیں تمہارا صحیح مقام
ہے۔“

”اہ..... لیکن افسوس! میں کس سے کہوں؟ میرے ہم وطن ہی میرے دشمن ہو گئے
کیا!“ میں تمہارے لئے کچھ کر سکتا۔“ اُس نے ہمدردی سے کہا اور میں مسکرا کر
لاؤ گیا۔

”کیا رات کے تیرے پھر تک جا گئتا رہا اور یہ سوچنے کی کوشش کرتا رہا کہ کیا یہ شخص
بلند درکارے گا؟ ممکن ہے، یہ اطلاع دے کہ میں واقعی درست آدمی ہوں۔“ چنانچہ اس

میں خاص طور سے اُس سے محتاط رہتا تھا۔ ویسے میں نے اُس سے دوستی بھی کر لائی تھی
تب ایک دن اُس نے میرے سامنے ایک منصوبہ پیش کیا۔ امریکی قیدی گریٹ کے بارے
میں گفتگو ہو رہی تھی اور گریٹ ہم سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا۔ میں نے امریکیوں کا فائز
اڑاتے ہوئے کہا کہ امریکیوں کو دوسری جنگ میں حصہ نہیں لیا تھا۔ کیونکہ دوسری
قابل نہیں ہیں۔ اور گریٹ میرے سامنے آ گیا۔

”کیا سمجھتے ہو تم خود..... کیا بگاڑ لو گے؟ تم لکھ لینا اس بات کو کہ ایک دن امریکے
جرمنوں کا قبرستان ترتیب دے گا۔“

”بکواس مت کرو!“ میں خونخوار انداز میں کھڑا ہو گیا۔ گریٹ بھی شدید غصے میں تھا
نوبت ہاتھ پاپی تک پہنچ جاتی۔ لیکن دوسرے لوگوں نے تیچ بچاؤ کر دیا۔ لیکن گریٹ قابو سے
باہر ہو گیا تھا۔

”اس سے کہو! اپنی زبان بند رکھا کرے۔“ گریٹ نے خونخوار نگاہوں سے مجھ دیکھ
ہوئے کہا۔

”میں اپنی زبان کیوں بند رکھوں؟ میں تو فاتح قوم کا فرد ہوں۔“ میں نے جواب دیا۔

”ہند، فاتح قوم.....“ گریٹ نے کہا اور میں گھونسہ تان کر اُس کی طرف لپکا۔ لیکن لوگ
پھر درمیان میں آ گئے۔

”دیکھو! اگر تم نے لڑنے کی کوشش کی تو سب کو سزا ملے گی۔ ہم تمہیں کسی قیمت پر نہیں
لڑنے دیں گے۔“ چند قیدیوں نے مجھے اور گریٹ دونوں کو سمجھایا اور گریٹ ایک مسکراہٹ
کے ساتھ پیچھے ہٹ گیا۔

”تم جرمن قوم..... یعنی فاتح قوم کے فرد ہو۔ اور اس کے باوجود اس قید خانے میں
پڑے ہوئے ہو۔“ میں نے تیچ لبجھ میں کہا اور میں خاموشی اختیار کر گیا۔ ویسے میں نے اس
قسم کا اظہار کیا تھا جیسے اس بات سے مجھے تکلیف پہنچی ہو۔ اور اُسی رات اُس شخص نے مجھ
سے گفتگو کی، جس کے بارے میں میرا خیال تھا کہ وہ جرمن جاسوس ہے۔

رات کا وقت تھا، وہ میرے نزدیک ہی زمین پر لیٹا ہوا تھا۔ نہ وہ سوکا تھا، نہ میں۔
اُس نے میرے بازو پر ہاتھ رکھ کر پکارا۔

”کیا سو گئے مشر مونیٹر.....؟“

”نہیں..... کیا بات ہے؟“

سے دوستی ہی مناسب ہے۔
دوسری صبح ایک چھوٹا سا واقعہ پیش آیا۔ اور بعد میں یہ واقعہ خاصی لمحیں نو عیت اتنا کیا۔

ایک جرمن افسر قید خانے کا جائزہ لینے آیا تھا۔ اُس نے تمام قیدیوں سے طرح طرح
کے سوال کئے اور پھر میرے سامنے پہنچ گیا۔ ”تمہارا کیا نام ہے.....؟“

”موئیٹر۔“ میں نے جواب دیا۔
”اوہ..... تم وہ شخص ہو، جو جرمن ہونے کے باوجود جرمنوں سے غداری کرتا رہا ہے۔“
جرمن افسر نے کہا۔

”کیا بکواس ہے.....؟“ میں نے غصیلے لمحے میں کہا اور افسر غصے سے سرخ ہو گیا۔
”میں افسر ہوں۔ سمجھے؟ تمیز سے بات کرو! ورنہ زبان باہر نکلا لوں گا۔“ اُس نے غصے
سے بل کھاتے ہوئے کہا۔

”میں بھی اپنی اصل حیثیت سے کم تر، بہت سے لوگوں کی زبانیں باہر نکلاں گے۔
لیکن افسوس! اس جرمن قوم نے میرے لئے کچھ نہیں کیا..... اور اب..... اب مجھے اس سے
نفرت ہے۔“

دوسرے لمحے افسر کا تھپٹ میرے منہ پر پڑا تھا۔ اور بھلا میں اس تھپٹ کو کیسے برداشت کر
جاتا؟ میں نے جرمن افسر کی گردن دبوچ لی اور دوسرے ہی لمحے اسے اٹھا کر زمین پر لٹا
دیا۔

ایک ہنگامہ ہو گیا..... بہت سے سپاہیوں نے مجھے پکڑ لیا۔ اور پھر وہ مجھے قید خانے سے
باہر لے گئے۔ اس بار مجھے تہما کوٹھری میں رکھا گیا تھا۔ شاید وہ مجھے یہاں رکھ کر کوئی سزا دیا
چاہتے تھے۔

میں انتظار کرتا رہا۔ دودن اور دو راتیں مجھے اس کوٹھری میں رکھا گیا اور اس دو ران میں
بھوک اور پیاس کی سزا دی گئی۔ اس کے علاوہ وہ شاید کوئی اور سزا میرے لئے تجویز نہیں کر
سکتے تھے۔ بلاشبہ! ایک تھا قید خانے میں دودن اور دو راتیں بھوک کے پیاسے گزارنا تھا کام
تھا۔ لیکن میں اس کھنڈن مرحلے سے بھی گزر گیا۔ البتہ میں نے یہ سوچا تھا کہ اگر ان لوگوں نے
مجھے بھوکا پیاسا رکھ کر ہی مارنے پر کمر باندھ لی تو مجھے کیا کرنا ہو گا؟

کوٹھری کے دروازے کی مضبوطی کا میں نے بخوبی اندازہ لگالیا تھا۔ اُسے تو زندگانی

بیہم تھا۔ لیکن میں یہ کام اس وقت کرنا چاہتا تھا، جب میں بالکل ہی تنگ آ جاتا۔
لیکن تبری صبح جب سورج کی کرنیں کوٹھری کے رخنوں سے اندر آ گئیں تو دروازہ کھلا
”پاہیزہ لئے کھانا وغیرہ لے کر اندر آ گئے۔“
”فوب.....!“ میں نے انہیں دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔ ”تمہاری قوت برداشت
ب دے گئی باپھر میری قوت برداشت کا اندازہ لگانے کے لئے آئے ہو؟“
”میں کچھ نہیں معلوم۔“ ان میں سے ایک سپاہی نے سادگی سے کہا۔
”کیا مطلب.....؟“

”طلب یہ کہ تم نے جو کچھ کہا، اس کے بارے میں ہمیں کچھ بھی نہیں معلوم۔ کھانا کھا
روں کے بعد تیار ہو جاؤ۔“

”کیون..... کیا مجھے گولی ماری جائے گی؟“
”ہم تو یہ بھی نہیں جانتے۔“ سپاہیوں نے جواب دیا۔

”لیکن ہے۔ تم کچھ بھی نہیں جانتے تو جاؤ! میں کھانا کھا لوں گا۔ تھوڑی دیر کے بعد
اکر تین لے جانا۔“ میں نے کہا اور وہ دونوں سپاہی بڑی سعادت مندی سے باہر نکل

لگی سعادت مندی پر مجھے بنی بھی آئی تھی۔ بہر صورت! دودن کا بھوکا تھا۔ لیکن اس
تھوڑا تاکھایا کہ بالکل ہی ڈل نہ ہو جاؤ۔ انہوں نے مجھے کہیں لے جانے کی بات
امن جانے کہا۔.....؟

پرانا اس کا جواب ملنے میں بھی زیادہ دیر نہ لگی۔ ایک بار پھر میرے قید خانے کا دروازہ
اکالی بار سپاہیوں کا پورا دستہ اندر گھس آیا۔ مجھے پھر سے کس دیا گیا۔ میرے ہاتھ،
سے باندھ دیئے گئے۔ بیرون میں بیڑیاں ڈال دی گئیں۔ اور وہ لوگ میری آنکھوں پر
اُس کا ایک پتی باندھ کر باہر لے آئے۔ سہارا دے کر مجھے شاید کسی ٹرک پر سوار کیا
تھا۔ لیکن میں اس کھنڈن مرحلے سے بھی گزر گیا۔ البتہ میں نے یہ سوچا تھا کہ اگر ان لوگوں نے
بے احتیاط پیال بندھی ہوئی تھیں۔ وہ سب اس سلسلے میں گفتگو کر رہے تھے اور ان کی
نگاہوں میں ابھر رہی تھی۔ سب ایک دوسرے سے ناواقف تھے۔

ٹھاکر اڑک کا سفر شروع ہو گیا۔ بڑا ہی تکلیف دہ سفر تھا۔ ہم لوگ کسی ایسے ناہموار
ہمارا ہے تھے جو یقینی طور پر کسی باقاعدہ سڑک کی حیثیت نہیں رکھتا تھا۔ چنانچہ ٹرک

میں بڑے جھٹکے لگ رہے تھے۔ ہم ایک دوسرے پر گر پڑتے اور پھر منجل جاتے رہئے۔ ایک دوسرے کو گالیاں بھی دینے لگتے تھے۔ لیکن دوسرے قیدی بڑی بے چارگی سے منجھے سے کچھ عرصہ یہاں رہوں۔ اور اس کے بعد پھر وہی مسلکہ یعنی فرار کی کوشش..... اس کا اظہار کرتے اور یہ سمجھاتے کہ وہ بھی تو ان کی مانند یکہ نہیں سکتے۔

بہت ساتھ چھوڑتی جا رہی تھی۔ مگر سفرابھی جا رہی تھا۔ حواس جواب دیتے جا رہے تھے۔ بہت سارے قیدی تو چیخنے چلانے لگے تھے۔ اور کہنے لگے تھے کہ ان کی پیالاں کھولنے پر میں بھی بھی باز نہیں رہ سکتا تھا۔

وہرے دن سے ہمیں کام پر لگادیا گیا۔ کام وہی تھا، یعنی چنانیں توڑنا۔ بازو دی سرنگیں پہنچائیں اور دھماکے کئے جاتے تھے۔ ان کے علاوہ قیدیوں کو بڑے بڑے ہتھوڑے بے لگتے جن سے انہیں اپنا کام انجام دینا تھا۔

بالآخر کچھ گھنٹوں کے بعد یہ خوفناک سفر ختم ہوا اور ٹرک رُک گیا۔ ہمیں نیچے آتا راگہ جب ہماری آنکھوں سے پیالاں کھولی گئیں تو ہم سب انڈھوں کی طرح آنکھیں پھانڈے تھے۔ پینائی جیسے جاتی رہی ہو۔ یوں بھی چمکدار سورج، سر پر تھا اور آنکھوں کے نیچے تار کی پچیل گئی تھی۔

بہت دیر تک ہم سرپکڑے ڈھوپ میں بیٹھے رہے۔ صرف میری ہی نہیں، سب کا حالت تھی۔ بمشکل تمام ہماری آنکھوں میں پینائی آسکی تھی۔ پینائی آنے کے بعد میں اردو گرد کے ماحول کو دیکھا۔ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ بیگار کیمپ تھا۔ شاید کوئی ٹرک تیرا رہی تھی۔ یا پھر مکن ہے، کوئی اور کام کیا جا رہا ہو۔ بہر صورت! سامنے ہی چھوٹے چھوٹے خاردار تاروں سے گھرے ہوئے چند نیچے لگے تھے، جن کے سامنے ایک احاطہ تھا۔ ایک لالا نوں میں ہی گرفتار کر لیا گیا تھا اور وہ اب تک جرمونوں کی قید میں کافی صعبتیں اٹھ کر چکا تھا۔ میں اس کے قریب ہو گیا۔ ہم دونوں پتھروٹ رہے تھے۔ میں نے اس نکل کر اپنے مرا خیال ہے، تم امریکی ہو۔“

نکل کر اپنے ایک لمحے کے لئے اپنا ہتھوڑے والا ہاتھ روک کر میری طرف دیکھا۔ ”لالا... ہاں... میں امریکی ہوں۔ اور تم؟“ ”اس نے سوال کیا۔“ ”میں بھی امریکی ہوں۔“

”اووو...“ جوڑی کے پھٹے ہوئے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ پھر وہ دھمی آواز میں لاحق ہو۔

میں اس جگہ کو دیکھ کر سمجھ گیا کہ اب مجھے بھی ان مشقت کرنے والے قیدیوں میں کر دیا گیا ہے، جن سے ہر وہ کام لیا جاتا ہے، جس میں کسی بھی لمحے ان کی موت کے بعد صورت حال کے بگڑنے کا احساس کر لینا زیادہ مشکل کام نہیں تھا۔ میں بھی۔“

ویسے یوں لگتا تھا جیسے اُن لوگوں نے میرے بارجے میں یہ فیصلہ کر لیا ہو کہ یہ میں ایک غلط انسان ہوں۔ اور میری زندگی یا موت کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ اس حد تک کے بعد صورت حال کے بگڑنے کا احساس کر لینا زیادہ مشکل کام نہیں تھا۔

قیدیوں کے ساتھ اُسی احاطے میں پہنچ گیا جس کے چاروں طرف جمن سپاہیوں کا ہے تھا۔ اب کسی سے کوئی فریاد کرنا حماقت کی بات تھی۔ اپنی حیثیت بتانا اور جمن جسے

”لما، ہاپن! بھی بجھ لو،“
”لما سے مخاذ پر تھے....؟“
”کر، جس مخاذ پر تھا، اس کے بارے میں تمہیں تفصیل بتانا بے مقصد ہو گا۔“ میں نے

کہا۔

"کیا مطلب.....؟"

"امریکی محکمہ جاسوسی کے لئے کام کر رہا تھا۔"

"اوہ..... گذ! تم سے مل کر خوشی ہوئی۔ کیا نام ہے تمہارا؟"

"یہاں تو مجھے موئیٹر کے نام سے پکارتے ہیں۔ ویسے میرا اصل نام کیا ہے۔"

"خوب، خوب..... تم سے مل کر واقعی خوشی ہوئی ہے مژکین! لیکن براہ کرم، اپنے اپنے حرکت دیتے رہو۔ ورنہ محافظت کرنے فوراً ہی سر پر پیش جائیں گے اور ہماری کھال انداز گے۔" اُس نے گردن سے ایک طرف اشارہ کیا اور میں نے تیزی سے تھوڑا اچلا ناشران دیا۔ ظاہر ہے، اس سلسلے میں کوتاہی کر کے فضول سے لوگوں سے کوڑے کھانا میرے غلامانہیں تھا۔ ان لوگوں سے الجھنا تو بالکل ہی بے مقصدی بات تھی۔ چنانچہ ہم دونوں کو شستہ رہے اور باتیں کرتے رہے۔

"کیا تم نے کبھی یہاں سے فرار کی کوشش نہیں کی جوڑی.....؟" میں نے پوچھا۔

"弗ار.....؟" جوڑی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ "وراصل دوست! یہ اگلے، فرار کے امکانات سے بھی پوری طرح واقف ہیں۔ چنانچہ پورا پورا خیال رکھتے ہیں۔" اس کے باوجود جوڑی! یہ تو کسی طور مناسب نہیں کہ ہم زندگی کی تحریکوں سے مدد سنجیدگی سے کسی کام میں مصروف ہو جائیں۔ فرار کی کوشش تو جاری رکھنی چاہئے۔

"تم کتنے عرصے سے ان کے قیدی ہو؟" جوڑی نے پوچھا۔

"زیادہ عرصہ نہیں ہوا۔"

"تو اس دوران تم نے فرار ہونے کی کوشش نہیں کی؟"

"کئی بار.....!"

"کیا مطلب.....؟" جوڑی ایک لمحے کے لئے زکا اور پھر ہٹھڑے سے پتھر کئے۔

"میں نے کئی بار کوشش کی ہے جوڑی! اور ناکام رہا ہوں۔"

"اوہ..... ہو..... ناکام کوشش۔" وہ پھر مسکرا پڑا اور بولا۔ "رات کو کیمپ میں ہو گی۔ اس وقت تک تم اپنے کام میں مشغول رہو۔ میرے بدن پر اتنے زخم ہیں کہ نہ کھانے کی تاب نہیں رکھتا۔" اس نے کہا اور میں نے بھی گردن ہلا دی۔

سورج ہمارے سروں پر سے گزر کر مغرب میں غروب ہو گیا۔ ہر قیدی نے خنک

جاں تھی۔ جس کے بعد ان کے جسموں میں اتنی سکت نہ رہتی تھی کہ وہ کسی اور مشغلوں میں لے جائیں۔ سوائے اس کے کھانا کھائیں اور سو جائیں۔

لیکن میں نے اور جوڑی نے قریب قریب جگہوں کا انتخاب کیا تھا۔ سونے کے لئے کوئی بڑے تھا نہیں۔ وہی کھدری زمین، جسے چھوٹے چھوٹے کنکروں سے پاک کر دیا گیا تھا۔ ہر قیدیوں کو لینے میں دشواری نہ ہو۔ اور اسی کھدری زمین پر ہم دونوں نزدیک نزدیک یک یک گئے۔ تب جوڑی آہستہ سے بولا۔

"ہاں ڈیزیر کیں! اب سناؤ۔ کیا، کیا تم نے ملکہ جاسوسی کے لئے؟"

"بہت کچھ جوڑی! تفصیل بیکار ہے۔ اگر کبھی امریکہ میں ملاقات ہوئی تو ہم ایک سرے کو اپنے کارنا نے نہیں گے۔" میں نے کہا اور جوڑی تعجب سے مجھے دیکھنے لگا۔

"بڑے پر امید ہو.....؟" اس نے کہا۔

"ہاں..... کیا خیال ہے، کیا یہیں اس قید میں دم توڑنا ہو گا؟"

"نہیں..... میں یہ تو نہیں کہتا۔ میں خود بھی اتنا مایوس نہیں ہوں۔ ممکن ہے، اونٹ کسی کوٹ بیٹھ جائے۔ لیکن اگر فرار کے ارادے سے یہ ساری باتیں سوچ رہے ہو میرے دست! تو میرا خیال ہے، کہیں تمہیں مایوس نہ ہو۔"

"اوہ..... جوڑی! میں کتنی بار ناکام ہو چکا ہوں۔ لیکن مایوسی، میرے قریب بھی نہیں پہنچا۔ میرا خیال ہے، اس بار تم میرا ساتھ دو۔"

"میں.....؟" جوڑی کے چہرے پر ہلکے سے خوف کے تاثرات اُبھرے۔

"ہاں..... تم تدرست و تو انا آدمی ہو۔ ویسے میں تمہیں مجبور نہیں کروں گا۔ ہاں! اگر تم تاب سمجھو تو ٹھیک ہے۔" جوڑی میرے کہنے پر کسی سوچ میں ڈوب گیا تھا۔ پھر اس نے اُردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"دل تو میرا بھی چاہتا ہے دوست! لیکن سوچ لو۔ ہم تو اس علاقے کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ مجھے تو یہ بھی نہیں معلوم کہ میں کس جگہ ہوں؟ ان حالات میں سمت کا تینیں سبعد مشکل کام ہو گا۔ اور پھر یہ لوگ اتنے مقصوم بھی نہیں ہیں کہ ہمیں آسانی سے فرار ہونے کر سکتے۔" لیکن یہاں کے مخالفوں کے دائرہ اختیار بے حد و سعی ہیں۔ وہ کسی کو مارنے میں درینہیں کرتے۔

"جوڑی..... میرے دوست! کوئی کام اتنی آسانی سے تو نہیں ہوتا۔ یقیناً، ہمیں کچھ

دن کی روشنی میں گو، یہ بے حد مشکل تھا۔ لیکن میرے عزم کے آگے مشکل کا کیا سوال
نہ؟ حالانکہ عقب سے مخالفتوں کی گولیوں کی باڑھ ہمیں ڈھیر کر سکتی تھی۔ لیکن اس کی کون
بڑا کرنا؟ کافی فاسطے پر ایک پہاڑی نالہ شورچاتا ہوا گزرتا تھا اور ہماری کوشش یہی تھی کہ ہم
نہ اس نالے تک پہنچ جائیں۔ اس مسئلے میں بھی میں نے جوڑی سے بات کی تھی اور طے کر
پا تھا کہ جب بھی فرار ہونے کا موقع ملے، اس نالے سے مدد لیں گے۔ بات بس! نالے
میں پہنچنے کی تھی۔

میں اور جوڑی جان توڑ کر بھاگ رہے تھے۔ اور ایک بار بھی ہم نے پلٹ کر دیکھنے کی
کوشش نہیں کی تھی۔ جوں جوں نالہ قریب آتا جا رہا تھا، ہمارے دلوں کی دھڑکن بڑھتی جا رہی
تھی۔ یہاں تک کہ ہم نالے کے نزدیک پہنچ گئے۔ یہاں ہم نے ٹک کر پہلی بار پہنچے دیکھا
اور پوچھ پڑے..... چند محافظ ہمارے پیچھے دوڑ رہے تھے۔ ہمیں دیکھ لیا گیا تھا.....
”جوڑی.....!“ میں نے اپنے ساتھی کو پکارا۔

”مسٹر کین.....“

”اس کے علاوہ اور کوئی ترکیب نہیں ہے کہ ہم خود کو اس نالے کے حوالے کر دیں۔“

”ارے مسٹر کین! لیکن اس کا بہاؤ بہت تیز ہے۔“ جوڑی بولا۔

”پچھے بھی ہو جوڑی..... بس! اب جلدی کرو۔ نہ جانے ان گدھوں نے اب تک گولیاں
کیوں نہیں چلائیں.....؟“

”خدا حافظ مسٹر کین!“ جوڑی نے کہا اور ہم دونوں نے بیک وقت نالے میں چھلانگ
لگادی۔ نالہ کافی گھرا تھا اور اس کی چوڑائی پندرہ میں فٹ سے کم نہیں تھی۔ لیکن اس کے بہنے
کی رفتار اس قدر تیز تھی کہ پانی دھواں ہی دھواں نظر آتا تھا۔

ایک لمحے کے لئے تو ہمارے حواس، ساتھ چھوڑ گئے۔ پھر بندوق سے نکلی ہوئی گولی کی
انٹر آگے بڑھے تھے۔

”میں نے دانت بھیج کر آکھیں بند کر لیں اور خود کو بہاؤ پر چھوڑ دیا..... صرف ایک خطرہ تھا
کہ میں چنانوں کا سامنا نہ ہو جائے۔“ ورنہ ہمارے چیتھرے اڑ سکتے تھے۔ بر ق رفتار پانی
سے نہ جانے کتنی جلدی ہمیں کہاں سے کہاں پہنچا دیا؟ پانی کے چیتھرے اتنے زوردار تھے کہ
کافی بار لوگوں لگا جیسے ہاتھ پاؤں ٹوٹ گئے ہوں۔ اس عالم میں بھی مجھے کئی بار جوڑی کا خیال
ایسا۔ لیکن آنکھیں کھولنے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اور ہم بہاؤ میں بہت رہے۔ خدا کی

مشکلات کا سامنا تو کرنا ہی پڑے گا۔ ان مشکلات کے عوض اگر ہمیں آزادی مل جائے تو
وہ مشکلات کوئی اہمیت رکھتی ہیں؟“

”تمہارا کہنا بالکل درست ہے۔ لیکن میرے دوست! بہر صورت، میں آمادہ ہوں۔
کچھ ہو گا، دیکھا جائے گا۔“ جوڑی نے کہا اور مجھے تھوڑی سی خوشی ہوئی۔

اس بار فرار کے لئے میں نے کچھ تبدیلیاں کی تھیں اور کسی مناسب موقع کا منتظر تھا
جوڑی سے بات مکمل ہو چکی تھی اور یہ بات طے پا چکی تھی کہ میں جس وقت بھی اس سے چاہے
کے لئے کہوں گا، وہ تیار ہو جائے گا۔

عموماً ایسی کام کے لئے رات کے وقت کا انتخاب کیا جاتا ہے۔ لیکن خاردار تاروڑ
کے اس کمپ میں رات کو بڑی سخت نگرانی کی جاتی ہے۔ اور رات کو ایسی کوئی کوشش، جماڑ
کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو سکتی تھی۔ یوں بھی سرچ ناور پر ہر وقت روشنیاں رہتی تھیں۔ اور مستو
محافظ چاروں طرف نگاہ رکھتے تھے۔

میں نے اور جوڑی نے اس مسئلے پر بھی سوچا تھا۔ اور یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ رات کو نہ
ہونے کی کوشش بالکل بے مقصد ہوگی۔ ظاہر ہے اس کے بعد دن کا انتخاب ہی مناسب تھا
اور کمپ میں کام کرتے ہوئے ایسے کسی وقت کی تلاش زیادہ مشکل نہیں تھی۔ چنانچہ ایک
دوپھر کو جب میں اور جوڑی قریب قریب ہی اپنے ہاتھوں میں دبے ہوئے ہقتوں سے
پھر توڑ رہے تھے، اچانک شور و غل کی آوازیں بلند ہوئیں۔ اس کے ساتھ ہی ایک دھاکہ
اور ہم دونوں چونک گئے۔

پہتہ یہ چلا کہ کسی چنان کے نیچے بارو دکا ذخیرہ پھٹ گیا ہے۔ اور دلچسپ بات یہ تھی کہ اس
حدادی میں چار قیدیوں کے علاوہ دو محافظ بھی دب کر ہلاک ہو گئے تھے۔ چنانچہ چاروں
طرف سے محافظ اکٹھے ہو کر اس جگہ پہنچ گئے۔

میں نے جوڑی کی جانب دیکھا اور جوڑی نے میری طرف..... ہم نے زبان سے کوئی
بات نہیں کی تھی۔ لیکن نگاہوں سے ایک دوسرے سے تبادلہ خیال کیا۔
”اس طرف.....“ میں نے جوڑی کو اشارہ کیا۔

”ٹھیک ہے.....“ وہ خلک ہوتوں پر زبان پھیر کر بولا۔ اور ہم دونوں اٹھ کھڑے
ہوئے۔ جائے حدادی پر بے شمار لوگ جمع ہو گئے تھے اور طرح طرح کی آوازیں بلند ہو رہی
تھیں۔ ہم دونوں ایک طرف دوڑیزے۔

ہمال کیا۔
”بھی تو میں اپنے بارے میں سوچ رہا ہوں ڈیر کیں! کہ میں زندہ ہوں یا مر گیا ہوں۔“
”ہم دونوں ہی ایک دوسرے کے متعلق سوچ رہے تھے جوڑی! لیکن دلچسپ بات یہ ہے
کہ ہم دونوں زندہ ہیں۔“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔
”لیکن میرے دوست! مجھے حیرت ہے کہ تم اپنے پیروں پر اتنی آسانی سے کھڑے
ہوئے ہوئے۔“

”کیوں..... تمہاری کیا کیفیت ہے؟“
”مجھے یقین ہے مسٹر کیں! کہ اب میں ساری زندگی اپنے طور پیروں پر کھڑا نہ ہو سکوں
گا۔“

”نہیں جوڑی! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد تمہارے ہاتھ پاؤں کی
مناہش بھی ڈور ہو جائے گی۔ یہ برق رفتار پانی کے چھپڑوں کا نتیجہ ہے۔ تم کیا سمجھتے ہو،
پانی میں اتنی قوت ہوتی ہے۔“

”بے پناہ.....!“ جوڑی نے جواب دیا۔ پھر میں جھک کر اسے سہارا دینے لگا۔ میں نے
خوبیں کیا کہ جوڑی واقعی ہاتھ پاؤں بھی نہیں ہلا سکتا۔ تب میں نے ادھر ادھر نگاہیں
”ڑائیں۔ نالے کا چوڑا پاٹ جو آب ایک ہلکی گلگتائی ندی میں تبدیل ہو گیا تھا، کافی وسیع
تھا۔ اور اس پاٹ کے دونوں کناروں پر خاصاً گھا جنگل نظر آ رہا تھا۔ یہ ہمارے لئے نیک
ٹھوں تھا۔ اس جنگل میں ہم محفوظ رہ سکتے تھے۔ کم از کم اس وقت تک، جب تک کہ وہ کسی
اٹلی یا نے پر ہماری گرفتاری کے لئے کوشش نہ کریں۔ میں نے انہیلی قوت اور خود ارادی
سے کام لیتے ہوئے جوڑی کو اٹھا کر اپنے کندھوں پر ڈال لیا..... اور ایک سمت کا انتخاب کر
کاں طرف پل پڑا۔ گو، میرے قدم خود بھی بوچل تھے۔ مجھے سے چلا بھی نہیں جا رہا تھا۔
لیکن بھروسہ! جوڑی کو اٹھا کر لے جانا بہت ضروری تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد ہم دونوں ایک ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں نرم بھوری ریت ہماری منتظر
تھی۔ میں نے جوڑی کو اس نرم ریت پر لٹا دیا۔ اور خود بھی اس کے نزدیک ہی لیٹ گیا۔ اور
لٹنے والے لکھنی دیر تک ہم اسی طرح چت لیئے رہے۔

لٹنے والا ایک گھنٹے تک ہم دونوں نرم ریت پر لیئے اپنے حوال بحال کرنے کی کوشش کرتے
ہیں۔ جوڑی اپنے ہاتھ پاؤں ہلا ہلا کر دیکھ رہا تھا۔ اور جب اس نے اپنے ہاتھ اور پیروں

پناہ! نہ جانے اس سفر کو کیا کہا جائے؟ پانی کی دھار پر اتنا تیز رفتار سفر کسی ذی روح نے
ہوا۔ وقت کا تو کوئی تینیں بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔

بہر حال! ایک وقت ایسا بھی آیا جب مجھے اپنی رفتار ہلکی ہوتی معلوم ہوئی۔ یہاں نا
پاٹ چوڑا ہونے لگا تھا۔ اور پھر یہ رفتار لمحہ بے لمحہ ہونے لگی اور اس کے ساتھ ہمیں ادھر
ہوا کہ اب نالے کی گہرائی بھی کم ہوتی جا رہی ہے۔ پھر میں بالکل سست ہو گیا۔ اور اب وہ
آگیا تھا کہ اپنا جائزہ لوں..... تب میں نے قدم جمانے کی کوشش کی، لیکن کیسے قدم ہے؟
پاؤں تو اس طرح شل تھے جیسے اُن کا وجود ہی ختم ہو گیا ہو۔ میں نے انہیں جمانے کی کوشش
کی لیکن ناکام رہا۔ اور پھر میری رفتار بالکل ختم ہو گئی..... اب میں پانی میں کسی تردہ مجھلی
طرح پڑا تھا۔ کوئی تیز ریلا آکر مجھے میری جگہ سے چند قدم آگے کھکھا دیتا تھا اور اس کے
پانی پھر جاتا تھا۔ یہاں بڑے بڑے پتھر بھی تھے۔ وہ تو خیر ہوئی کہ نوک دار پتھر نہیں تھے۔
بالآخر میں ایک پتھر سے جاگا اور اس انداز میں بے سدھ لیٹ گیا جیسے بدن میں جا
ہی نہ ہو۔ اتنی بہت بھی نہیں پڑ رہی تھی کہ گردن اٹھا کر جوڑی کو دیکھنے کی ہی کوشش کروں
نہ جانے کتنی دیر تک میں اسی طرح پڑا رہا؟ ذہن میں سیکندروں خیالات تھے۔ یہ اندازہ کو
مشکل تھا کہ کتنی ڈور نکل آیا ہوں؟ بھروسہ! اتنا تو یقینی طور پر سوچ سکتا تھا کہ فاصلہ کم نہ
ہے۔ اور اس تیز رفتار کا مقابلہ کرنے کے لئے انہیں صرف ہیلی کا پیٹ استعمال کرنا پڑے؟
جو میرے خیال میں اس کیمپ میں موجود نہیں تھا۔

دیر تک میں اسی طرح پڑا، ٹھنڈے پانی سے لطف اندوڑ ہوتا ہوا سوچتا رہا۔ جسم پر کسی
وغیرہ کا تو کوئی احساس نہیں تھا۔ کافی دیر گزر گئی تو میں نے گردن ہلانے کی کوشش کی۔
اب ہاتھ پاؤں کی وہ سنسنی ختم ہو گئی تھی جس کی وجہ سے میں انہیں ہلا بھی نہیں سکتا تھا۔ چنان
میں نے ہاتھ نکال کر خود کو اٹھانے کی کوشش کی اور اپنی اس کوشش میں کامیاب بھی ہو گیا۔
پھر یہ دیکھ کر مجھے انہتے سے زیادہ خوشی ہوئی کہ جوڑی، مجھے سے بہت زیادہ ڈور نہیں تھا۔ اُن
بھی میری ہی مانند پتھر کا سہارا لیا ہوا تھا۔ مجھے اس وقت جوڑی کی موجودگی سے بے حد خوشی
ہوئی۔

”مسٹر جوڑی..... کیا تم زندہ ہو؟“ میں نے چلا کر کہا۔
”اوہ، تم..... تم موجود ہو؟“ جوڑی نے پچوں کی طرح تقاضا کی۔
”ہاں..... میں زندہ ہوں۔ تم کیا سوچ رہے تھے جوڑی! کیا میں مر گیا.....؟“ میں

میں تو اتنا میں کی تو وہ خوشی سے چلانے لگا۔

”اوہ.....ڈیر کین! تمہارا خیال درست تھا۔ میرے ہاتھ پاؤں ہمیشہ کے لئے منظر نہیں ہوئے تھے۔“ میں نے صرف مسکراتے پر اکتفا کیا تھا۔ پھر جوڑی بھی بیٹھ گیا۔ تب یہ نے پڑھا۔ انداز میں جوڑی کی طرف دیکھ کر کہا۔

”لیکا خیال ہے جوڑی! کیا تم خود کو بہتر محسوس کر رہے ہو؟“

”بہت زیادہ مسٹر کین!“

”تو پھر میرا خیال ہے، ہمیں ان جنگلوں میں آگے بڑھنا چاہئے۔ نالے کے کبار ہمارے لئے بہت خطرناک ہیں۔ ممکن ہے، وہ اس کے سہارے کسی نہ کسی طور سفر کریں۔ طرح ہم کسی بھی مشکل کا شکار ہو سکتے ہیں۔“

”ٹھیک ہے مسٹر کین! میں تیار ہوں۔ ویسے بھی ہمیں ان جنگلوں میں تلاش کرنا آسا کام نہ ہوگا۔“

”تم ایک بات بھول رہے ہو جوڑی!“ میں نے کہا۔

”کیا.....؟“ جوڑی نے سوالیہ لگا ہوں سے میری طرف دیکھا۔

”کیپ میں چند محافظتی کے پاس خطرناک کے موجود ہیں۔ اگر وہ کتنے لے کر جنگلوں میں ٹھس آئے تو کتنے ہمیں نہ چھوڑیں گے۔“

”اوہ.....ہاں! تمہارا خیال درست ہے۔“

”چنانچہ جتنی جلد ممکن ہو سکے، ہم جنگلوں میں ڈورنک نکل جائیں۔“

”چلو.....!“ جوڑی نے کہا اور ہم دونوں جبل پڑے۔ جنگل کافی گھنے تھے۔ یوں گلا جیسے وہ کسی بلند پہاڑی سلسلے پر ہوں۔ میں نے فوراً ہمیں یہ بات محسوس کر لی تھی۔ لیکن جوڑی اس معاملے میں زیادہ تجربہ نہیں رکھتا تھا۔

دفعۃ ہمارے اوپر پانی کے چند قطرے پڑے اور میں نے چونک کر اور پردیکھا۔ جوڑی بھی رُک گیا تھا۔ ”اوہ.....شايد بارش شروع ہو گئی ہے۔“

”ہاں.....یہی لگتا ہے۔“

”یہ بارش ہمارے لئے فائدہ مند ہو سکتی ہے۔“

”وہ کس طرح.....؟“

”محافظوں کو جنگلوں میں داخل ہونے میں ڈشواری پیش آئے گی۔ اور وہ ہماری مالا۔“

”بازیادہ سرگرمی نہیں دکھائیں گے۔“

”اوہ..... تم بہت ڈور کی بات سوچتے ہو کیں!“ جوڑی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ہم ہوں آگے بڑھتے رہے۔ جنگل میں بے پناہ سکوت تھا۔ پرندے بھی بارش کی وجہ سے جنگلوں میں چھپے بیٹھے تھے۔ ہم آگے بڑھتے رہے۔

بارش تیز سے تیز تھی جاری تھی۔ اور اس کا اندازہ ہمیں بھی بخوبی ہو گیا تھا۔ حالانکہ بارش درختوں کی وجہ سے بارش کی شدت نہیں محسوس ہو رہی تھی۔ لیکن بہر حال! پھر بھی کافی نہیں آگیا تھا۔

ہم آگے بڑھتے رہے۔ اور پھر نہ جانے کتنی دیر کے بعد ہم نے وہ جنگل عبور کر لیا۔ جنگل یہ آخری سرے سے چکنی ڈھلوان شروع ہو جاتی تھی۔ عجیب علاقہ تھا۔ حالانکہ ہم نے ہمارے سوں پر سفر کیا تھا۔ لیکن یہاں آکر یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اب تک ہم کسی بلندو بالا پہاڑ پلٹے رہے ہوں۔ بارش کی خوفناک رفتار کا اندازہ درختوں کے دوسری طرف نکلنے کے بعد اتنا جوڑی کی ہمت جواب دے گئی اور وہ رُک گیا۔

”کیم!“ اُس نے سہی ہوئی آواز میں کہا۔

”ہوں.....!“

”کیا تم سفر جاری رکھو گے.....؟“

”تم بتاؤ جوڑی!“

”میرا خیال ہے، اب رُک جاؤ!“

”سوچ لو!“ میں نے کہا۔

”بارش ہو رہی ہے کیم! اور یہ ڈھلان..... خدا کی پناہ! کیا اس سے اُتنا انسانی کام ہو؟“

”انسانی تو نہیں ہے۔“

”چھر.....؟“

”جو تھاری مرضی ہو۔“

”میرا خیال ہے، ہمیں یہاں قیام کرنا چاہئے۔ کھلے علاقوں میں بارش کی رفتار، یکساں

”وہاں وہ اب ہم تک نہیں پہنچ سکیں گے۔“

”ٹھیک ہے..... ہم جنگلوں میں رُک کر بارش ختم ہونے کا انتظار کریں گے۔ اور پھر کل

سچ ان ڈھلوانوں کو عبور کریں گے۔” میں نے کہا اور جوڑی نے گردان ہلا دی۔ وہ میر ساتھ نکل تو آیا تھا لیکن ان صعوبتوں سے کافی خوفزدہ نظر آ رہا تھا۔ ہم دونوں نے ایک مرے پر ہی ایک گھنٹا درخت تلاش کر لیا اور اُس کے نیچے گھاس پھونس بچا کر آرام کرنے کے لئے لیٹ گئے۔ گو، نا ہموار جگہ تھی۔ لیکن اتنے تھک چکے تھے کہ چینے والی چیزوں کا کوئی احساس نہیں تھا۔ دیر تک ہم گھری گھری سانسیں لیتے رہے۔ پھر جوڑی نے لیٹے لیئے ہی کہا۔

”مشرکین! کیا آپ کو بھوک نہیں لگ رہی؟“ میں نہ پڑا۔ ”کیوں..... اس میں بنی کیا بات ہے؟“ جوڑی پھر بولا۔

جوڑی ایک عام آدمی تھا۔ اُس کے اندر سوائے ایک مضبوط جسم کے اور کوئی خوبی نہیں۔ مضبوط دل اور مضبوط ذہن کا انسان ہوتا تو کم از کم اتنی جلدی ہمت نہ ہارتا۔ جب اُس نے میرے ساتھ سفر کیا تھا تو اُسے دیکھ کر میں نے یہ سوچا تھا کہ بہر صورت! وہ مضبوط انسان ہے۔ لیکن یہاں آ کر مجھے اُس کے ان الفاظ سے بڑی مایوسی ہوئی تھی۔

ہمارے پاس کیا کام ہے؟ ہم نے جو کچھ کیا ہے، اس کے تیج میں ہمیں صرف تکالیف کا منتہ ہونا چاہئے۔ آسانشوں کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔“

”وہ تو ٹھیک ہے مشرکین! لیکن کیا ہم اس حالت میں آگے بڑھ سکیں گے؟“

”ہاں..... بڑھنا ہوگا۔ ظاہر ہے، ہمیں یہاں سہولتیں مہیا کرنے والا تو کوئی نہیں ہے۔“

”لیکن مشرکین! مجھے ان مشکلات کا اندازہ نہیں تھا۔ میں نے تو یہ سوچا تھا کہ شاید کچپ سے نکلنے کے بعد ہم با آسانی اپنے علاقے تک پہنچ سکیں گے۔“

”واہ..... کیا خوب بات سوپی آپ نے مشرکین! ذرا غور تو کریں۔ کیا ہم اپنے علاقے میں ہیں؟ اور کیا ہم بے شار و شم نہیں رکھتے؟ ہمیں اپنی جان بچانے کے لئے جان کی بازی لگانا ہوگی مشرکین! اور نہ آپ کو اسی کیمپ میں دم توڑنا پڑتا۔“

”وہ تو ٹھیک ہے..... لیکن کیمپ میں کم از کم! یہ آسانی تو تھی کہ اگر انسان امن والان سے رہے تو اُسے زندگی کا خطرہ نہیں رہتا۔ جبکہ یہاں قدم پر موت ہمارے سامنے کھڑی ہے۔ میں تو ان ڈھلوانوں سے اُترنے کے تصور سے ہی خوفزدہ ہوں۔“

”افسوس مشرکین! میں اس سلسلے میں آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ آپ جانتے ہیں کہ آپ کے فرار سے میرا کوئی ذاتی مفاد وابستہ نہیں تھا۔ اور اگر آپ نے اس فرار کے بعد آسانیوں کے بارے میں سوچا تھا تو اس سلسلے میں، میں کیا کہہ سکتا ہوں؟ سوائے اس کے کہ یہ آپ کی حماقت تھی۔ کاش! پہلے ہی آپ سے اس مسئلے پر گفتگو ہو جاتی تو زیادہ بہتر تھا۔ حالانکہ مشرکین! میں فرار کی کمی کو ششیں کر چکا ہوں اور ان کو ششوں میں ناکام رہا ہوں۔ لیکن اس کے باوجود میں نے کبھی ہمت نہیں ہاری۔ مشرکین! آپ ایک فوجی ہیں اور کیا

”میرا اور پری بدن سیل سے بنا ہوا ہے۔ اور تالگیں رہیں ہیں۔ مجھ پر موسم زیادہ اثر رہیں ہوتا۔“ میں نے نہیں کہا۔

”کاش! میں بھی تمہاری طرح مضبوط اعصاب کا مالک ہوتا۔“ اُس نے پچھلی سی راہش کے ساتھ کہا اور میں نے خاموشی اختیار کر لی۔

”بُر رات گھری ہو گئی۔ اور رات ہی کے کسی حصے میں باڑش ڑک گئی۔ میں نے محسوس کیا جو ہمیں کی آنکھ لگ گئی ہے۔ لیکن بارش کا رُکنا اور خطرناک ثابت ہوا۔ جنگل میں زندگی آئی تھی۔ جنگلی درندوں کی آوازیں ایک دم ابھری تھیں۔ یقیناً وہ بھوکے ہوں گے..... اب بھوک جمال تشویش ناک تھی۔ میں نے اپنا ہتھیار لیعنی ہتھوڑا سنجھال لیا تھا۔ کسی بھی ناخدا رات پیش آئتی تھی۔ ان آوازوں سے جوڑی بھی جاگ گیا۔ پھر قریب ہی کسی پر اپاروہ مسلسل جیخ رہا تھا۔ میں نے لپک کر اُسے دبوچ لیا۔ وہ خطرے کو آواز دے رہا

اور میری نشاندہی کر دو گے۔ کیوں.....؟“ میں نے غرا کر کہا۔ اب مجھے غصہ آگیا تھا۔
”اے! کر دوں گا.....کر دوں گا۔ بس! مجھے جانے دو۔“

”اے! کروٹنی میں جاؤ گے یا اسی وقت.....جب کچھ جانور بے فکری سے پھر رہے
ہیں نے کہا اور میری اس بات پر جوڑی سوچ میں ڈوب گیا۔ اُس کا چہرہ خوف و
تباہی کی تصور یہ نظر آ رہا تھا۔ اور میں محسوس کر رہا تھا کہ وہ ذہنی توازن کھوتا جا رہا ہے۔ اس
کی خطرے کا منتظر بھی تھا۔ لیکن تقدیر اچھی تھی کہ تیندوے کی آواز پھر نہ سنائی دی۔ ورنہ
اس بارہ نہ جانے کیا ہوتا؟ بڑی مشکل سے جوڑی کو قرار آیا۔
”کیا حال ہے تھہرا۔۔۔ اب تو موت نہیں آ رہی؟“

”نہیں کہیں! میں اس قابل نہیں ہوں۔۔۔ میں اس قابل نہیں ہوں کہ تمہارا ساتھ در
ہب تھا۔ کم از کم اپنی مرضی کی موت تو نصیب ہو۔

لیکن میرنے اور جوڑی کے سوچنے میں بڑا فرق تھا۔ وہ متوجہ نگاہوں سے مجھے دیکھتا
سکوں۔۔۔ یقین کرو کیں! میں خوف سے مر جاؤں گا۔“

”تم پاگل ہو جوڑی! تم نے موت کو خود پر مسلط کر لیا ہے۔ کہاں کہاں جان پچاؤ گے۔۔۔“

بچہ اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ مجھے اُس
کا بڑی پر بے حد غصہ آ رہا تھا۔ کیسا فوجی جوان تھا؟ جسامت اور توانائی میں کوئی کمی
نہ تھی۔ لیکن سینے میں دل زیادہ مضبوط نہیں تھا۔ نہ جانے کون کون نے مصائب نے اُسے

کلیدکن پہنچا دیا تھا؟“

”تم نہیں مر دے گے جوڑی! بے فکر ہو۔ مصائب کے بعد ہی آرام ملتا ہے۔ ہم آسانی کے
نکل جائیں گے۔“

”لیکن..... میں.....“

”کچھ نہیں..... سو جاؤ!“

”آہ..... اب تو تیندوے بھی نہیں آئے گی۔“

”پھر کیا چاہتے ہو؟“ میں نے پوچھا۔

”بس..... میں آگے نہیں جاؤں گا۔“

”پھر کیا کرو گے..... واپس یکپ بیس میں جاؤ گے؟“

”ہاں..... بس! آگے نہیں جاؤں گا۔ کسی قیمت پر بھی نہیں۔ ان ڈھلانوں پر اتنا
کے تصور ہی سے میری روح فنا ہو رہی ہے۔ بارش کی وجہ سے ان پر پھسلن ہو رہی ہو گئی۔“

”میں بھی تمہارے ساتھ ہوں گا جوڑی..... سوچو! واپس کس طرح جاؤ گے؟ بیکار
خظرناک ہے۔ اور پھر اس بارہ تھا نالے میں سفر بھی نہ کر سکو گے۔“

”وہ ہماری تلاش میں ضرور آئیں گے۔ اور میں خود کو ان کے حوالے کر دوں گا۔“

”اُس کے سر پر کیا اور تیندوے کی کھوپڑی کی ہڈی چھ گئی۔ لیکن بے حد مضبوط جانور تھا۔ وہ

تھا۔

”جوڑی..... جوڑی! ہوش میں آؤ۔“

”وہ..... وہ..... جنگلی جانور.....“ وہ رُکا۔ اسی وقت تیندوے کی آواز پھر سنائی دیکھا۔

بار میں نے اُس کے منہ پر مضبوطی سے ہاتھ رکھ دیا تھا۔ جوڑی باقاعدہ قوت آزمائی کرنا

لگا۔ لیکن میری گرفت سے نکنا اُس کے لئے آسان کام نہیں تھا۔ میں اُسے دبوجے ہوئے

اور کسی خطرے کا منتظر بھی تھا۔ لیکن تقدیر اچھی تھی کہ تیندوے کی آواز پھر نہ سنائی دی۔ ورنہ

اس بارہ نہ جانے کیا ہوتا؟ بڑی مشکل سے جوڑی کو قرار آیا۔

”کیا حال ہے تھہرا۔۔۔ اب تو موت نہیں آ رہی؟“

”نہیں کہیں! میں اس قابل نہیں ہوں۔۔۔ میں اس قابل نہیں ہوں کہ تمہارا ساتھ در

ہب تھا۔ کم از کم اپنی مرضی کی موت تو نصیب ہو۔

”تم پاگل ہو جوڑی! تم نے موت کو خود پر مسلط کر لیا ہے۔ کہاں کہاں جان پچاؤ گے۔۔۔“

”جوڑی؟ موت تو ہر قدم پر موجود ہے۔ حوصلہ رکھو!“

”کاش..... کاش! میں بھی تمہاری طرح مضبوط ہوتا۔“

”تم نہیں مر دے گے جوڑی! بے فکر ہو۔ مصائب کے بعد ہی آرام ملتا ہے۔ ہم آسانی کے
نکل جائیں گے۔“

”لیکن..... میں.....“

”کچھ نہیں..... سو جاؤ!“

”آہ..... اب تو تیندوے بھی نہیں آئے گی۔“

”پھر کیا چاہتے ہو؟“ میں نے پوچھا۔

”بس..... میں آگے نہیں جاؤں گا۔“

”پھر کیا کرو گے..... واپس یکپ بیس میں جاؤ گے؟“

”ہاں..... بس! آگے نہیں جاؤں گا۔ کسی قیمت پر بھی نہیں۔ ان ڈھلانوں پر اتنا
کے تصور ہی سے میری روح فنا ہو رہی ہے۔ بارش کی وجہ سے ان پر پھسلن ہو رہی ہو گئی۔“

”میں بھی تمہارے ساتھ ہوں گا جوڑی..... سوچو! واپس کس طرح جاؤ گے؟ بیکار
خظرناک ہے۔ اور پھر اس بارہ تھا نالے میں سفر بھی نہ کر سکو گے۔“

”وہ ہماری تلاش میں ضرور آئیں گے۔ اور میں خود کو ان کے حوالے کر دوں گا۔“

بڑی بڑی چنانوں کی آڑ میں کھڑے ہوئے جمن فوجی تھے..... جن کی گنوں کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔

بے انتیار ایک تھیہ ابل پڑا۔ ”پہنچ گئے تم لوگ؟ چلو! ٹھیک ہے۔
پڑپر کوشش کروں گا۔“ میں نے خاموشی سے خود کو ان کے حوالے کر دیا۔ پھر بعد میں معلوم یہ ہمارے فرار کی خبر، قرب و جوار کی ساری چھاؤشیوں کو دے دی گئی تھی۔ اور ہر ممکن جگہ ملاش شروع کر دی گئی تھی۔ اگر اس وقت وہ لوگ میرے ہاتھوں میں ٹھکرایاں اور ایں پہنچیاں نہ بھی ڈال لئے تو میں فرار ہونے کی کوشش نہ کرتا۔

بہر حال! مجھے واپس اُسی کیمپ میں نہیں پہنچایا گیا تھا۔ بلکہ ایک ٹرک مجھے لے کر جل پڑا
یہی دیر کے بعد مجھے چھاؤنی کی ایک بیرک میں قید کر دیا گیا تھا اور میرے گرد سخت پہرہ
اپنی تھی۔ لیکن تجھ کی بات تھی کہ اس چھاؤنی میں میرے ساتھ برا سلوک نہیں کیا گیا
الان لوگوں کو بھی دیا گیا تھا اور آرام کرنے کے لئے بھی عمدہ بستر مہیا کیا گیا تھا۔
من دون اسی عالم میں گزر گئے۔ میری حالت زیادہ بہتر نہیں تھی۔ بالآخر ایک دن میں
یک لفظیں سے گنتگو کا۔

”ایام لوگ مجھے یہاں رکھ کر بھول گئے ہو.....؟“
 ”کیوں.....؟“ لیفٹینٹ نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔
 ”اُن..... مجھے محسوس ہو رہا ہے۔“
 ”تمہارا احراہ آج چھ فتحت کے ۱۱۰۷“

”اے جس اسی میں مردیا جائے گا۔“
”آن.....؟“
”اہ..... تمہارے لئے ایک خصوصی عدالت ترتیب دی گئی ہے۔“ لفظیں نہ پڑھ سارے ذکر کوں کامدا کر دے گی۔ شاید تمہیں گولی ہتھی مار دی جائے۔ کیونکہ تم ان افراد کا ناک میں دم کر رکھا ہے۔“

تربیت میرے بارے میں کافی معلومات حاصل ہیں تمہیں۔“ میں نے کہا اور افسر سے مجھے دیکھنے لگا۔ اس اطلاع کے بعد شاید اُس کا خیال تھا کہ میں خوف سے سوکھ نہ کاہا۔ اور تمہرے منہ سے کوئی لفظ نہیں نکلے گا۔ اس کے بعد جوں یقینیت نے مجھ سے اپنے ٹکونوں کی اور چلا کیا۔

اپنے افراد مجھے لے کر چل پڑے۔ مجھے اطلاع دی گئی تھی:

ز میں پر گرائیکن فوراً ہی اٹھ کھڑا ہوا۔ گو، اُس کا حملہ اب کسی نتیجے کا حامل نہیں تھا۔ کیونکہ اُز کی کھوپڑی کی ضرب نے اُس کے حواس خراب کر دیئے تھے۔ بہر حال! میں نے پر اور دوسرا حملہ اُس کے شانے پر کیا اور تیندوے کے حلق سے ایک خوفناک دھماڑکی جو جو چیختا ہوا ایک طرف بھاگ لکلا۔

”جوڈی جوڈی!“ میں نے اسے آوازیں دیں۔ لیکن جواب میں جوڈی کو دخراش چیخ میری ساعت سے نکلائی۔ یقیناً وہ ڈھلانوں تک پہنچ گیا تھا اور وہ دہال اپناؤں زبرد برقرار رہیں رکھ سکتا تھا۔ وہری مصیبت تھی۔ تیندوا اب بھی غراغرا کر کروٹیں بدلتا تھا زمین پر پہنچے مار رہا تھا۔ لیکن میں یہ اندازہ کر چکا تھا کہ میری پہلی ضرب ہی اُس پر اتنی کاری پڑے کہ اب اُس کا جانبر ہونا مشکل ہے۔

تیندا کوش کے باوجود دوبارہ نہ اٹھ سکا۔ لیکن جوڑی کی چیز اب تک میرے کافرا میں گونج رہی تھی۔ دوسرے لمحے میں ڈھلوانوں کی طرف بھاگا۔ لیکن بے سود..... سب سو دھماکا۔ بالآخر اس کوموت نے اپنا لیا تھا..... موت کے بھی انک سائے، جوڑی کو گل پکھ تھے۔

میں چند ساعت ڈھلانوں پر کھڑا، تاریک گہرائیوں میں نگاہیں دوڑاتا رہا۔ اور پھر ایک گہری سانس لے کر واپس چل پڑا۔ تینداوا، ترپ ترپ کردم توڑ چکا تھا۔ لیکن میں بے خوف تھا۔ جوڑی کی موت کا افسوس ضرور ہوا تھا۔ لیکن اُس نے خود اپنی موت کو آزادی تھی، کہ کیا کرتا؟ اور اچھا ہی ہوا۔ وہ میرے لئے مصیبت بنتا ہوا تھا۔

وہ بھے..... بروں نہیں ہے بیس سے سرت بے ہوت میرے۔ میں تے انتخاب کیا تھا۔ بہر حال! بقیر رات میں نے سوکر گزاری۔ مجھے کیا پڑی تھی کہ جاگتا؟ صحیح اور وقت جاگا، جب سورج سر پر چک رہا تھا۔ بھوک، پیاس اور تھکن بے معنی کی چیزیں تھیں۔ نالے کے سفر نے جو حالت کی تھی، وہی ناقابل برداشت تھی۔ پورا جسم جگہ جگہ سے پھٹ کا تھا اور اس سے خون ریس رہا تھا۔ لیکن مجھے کسی چیز کی پرواہ نہیں تھی۔

پھر میں نے ڈھلانوں کا سفر شروع کر دیا۔ جوڑی کی لاش، تلاش کے باوجود نظر بیش از تھی۔ نہ جانے کس طرف گرا تھا؟ بہر حال! ڈھلانوں کا سفر میں نے خواب کی سی حالت میں طے کیا تھا۔ میں نے یہ کام اپنے اعضاء کے سپرد کر دیا تھا اور خود ذہنی طور پر سوکیا تھا۔ اب اس وقت جا گا، جب نیچے پہنچ گیا۔ اور میں نے ان میدانوں میں جو سب سے پہلی پنج

ہے ہوں۔ اس لئے میں بتاؤں کہ ہٹلر کے فوجی مخصوصوں کی تکمیل کے لئے میرے بھی بذات تھے جو تمہارے۔ تم فوج میں باقاعدہ داخل ہوئے لیکن میں نے دوسرا راستہ پیدا۔ پہاں تک پہنچنے کے لئے مجھے ایک طویل عرصہ درکار تھا۔ بس! یہی میرا جرم ہے۔ میں نے نازی مخصوصوں کے لئے کیا، اس کی تفصیل فوجی ہیڈ کوارٹرز سے معلوم کی جا سکے۔ اس کے بعد اُسی شخص کے جذبات کو رووندا جائے جس نے ہمیشہ اپنے دلن سے لے چکا۔ اسی وجہ سے میں چھنپلاہست کا شکار ہوا ہوں۔ میرے کارنا موں کو سراہنے کی تجھی قید خانے میں ڈال دیا گیا۔ اور جو کچھ میرے ساتھ ہوا، وہ تمہارے سامنے ہے۔ تو بہتر ہے کہ مجھے گولی مار دی جائے۔“

برے الفاظ نے جرم افسر کو کسی تدریج متناہر کر دیا۔ کیونکہ اُس کی پیشانی سے وہ لکریں ہو گئی تھیں جو اُس کی فطری تندی کا پتہ دیتی تھیں۔ مجھے غور سے دیکھتے ہوئے وہ اپنے لرف بر جان ان ایک جرم من افسر کی طرف جھکا اور دھیمی آواز میں اُس سے کچھ گفتگو، لگا۔ تھوڑی دیر بعد وہ دوبارہ میری طرف متوجہ ہوا۔

نہیں اس لئے پہاں تک لا یا گیا تھا کہ تمہیں سزاۓ موت دی جائے۔ لیکن فال میں کارنا موں کی جو تفصیل ہے، وہ مجھے اس بات سے روک رہی ہے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ نہیں، تمہارا ماضی نہیں مل سکا۔ اور جو کچھ تم نے مجھے بتایا تھا، اس کی تصدیق دیگی۔ چنانچہ مجھے افسوس ہے مسٹر مونیٹر! کہ میں، تمہیں آزادی تو نہیں دے سکتا۔ البتہ اپنے فصوصی اختیارات سے کام لے کر چند روز کی زندگی ضرور ڈال گا۔ تاکہ میں خود اسے بارے میں تحقیقات کر سکوں۔“

مانے کوئی جواب نہیں دیا اور خاموش کھڑا رہا۔

جن افسر نے مجھے قید خانے میں واپس جانے کا حکم دیا اور ہدایت کی کہ جب تک فیصلہ ہائے، مجھے وہ تمام سہولتیں فراہم کی جائیں، جن کی ایک آدمی کو ضرورت ہوتی ہے۔

ٹریئیں جتاب!“ میں نے چلتے چلتے کہا۔ ”مجھے برسے سلوک نے بغادت پر آمادہ کیا شے ان کمپوں میں رکھا گیا، جہاں اتحادی قیدی رکھے جاتے تھے۔ اور یہ بات ایک لڑکے لئے جس قدر تکلیف دہ ہو سکتی ہے، اس کا اندازہ آپ خود لگجھے۔“

وہ سچا اور بتا ہوں کہ مسٹر مونیٹر کو اتحادی کمپ سے ڈور فوجی بیرک میں رکھا جائے۔ ان نے یا جائے۔ پندرہ دن کے بعد جب میں انہیں دیکھوں تو یہ مجھے تدرست حالت میں

میں پیش کیا جائے گا۔ کمرہ عدالت میں چند کرخت چہروں والے فوجی افسروں نے مجھے بھی اپنے تھے اُن کی آنکھوں میں کہیں بھی رحم کی جھلک نہیں تھی۔ میری حالت ایسی نہیں تھی کہ مجھ پر کام اڑا جاتا۔ پے در پے مصائب نے مجھے نہ ہمال کر دیا تھا۔ میرا جسم جگہ جگہ سے پھٹا ہوا تھا اور فونک کے دھبے میرے لباس پر نہیاں تھے۔ زخموں سے خون رس رہا تھا۔ لیکن میں اپنی اسی حالت سے بالکل متاثر نہیں تھا۔ اگر اب بھی مجھے موقع مل جاتا تو میں اُن سب کو قتل کر کے بیوال سے نکل جاتا۔۔۔۔۔ لیکن میں اپنی حالت سے یہ ظاہر کر رہا تھا کہ میرے سارے کسی بیوال گئے ہیں اور میں اپنی ناگلوں پر سیدھا کھڑا بھی نہیں رہ سکتا۔

کمرہ عدالت میں بیٹھے ہوئے فوجی افسروں نے کرخت نگاہوں سے مجھے دیکھا اور مجھے لانے والوں میں سے ایک نے میری فال میں بڑے افسر کے حوالے کر دیا ہے میرا تقدیر کا فیصلہ کرنا تھا۔ افسر نے خاموشی سے فال کھول لی اور اُس کی ورق گردانی کرنے لگا۔ پھر وہ خنک اور بے رحم نگاہوں سے مجھے گھوڑتا ہوا بولا۔ ”تو تم ہومو نیٹر! ایک بدنام تریز آدمی۔ جس نے نازی کمپوں کے استحکام کا مذاق اڑایا اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ ہماری بندشیں بے جان ہیں۔ کیا تم نے ان بندشوں کو واقعی بے جان پایا؟“

”نہیں جتاب!“ میرے پھٹے ہوئے ہونٹوں پر مسکراہٹ اُبھری اور سمت گئی۔ کیونکہ ہونٹوں کے زخم اس مسکراہٹ کو پھینکنے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔

”اس کے باوجود تم فرار ہونے کی مسلسل کوشش کرتے رہے۔“ فوجی افسر نے مھٹا اڑانے والے انداز میں کہا۔

” بلاشبہ.....“ میں نے بھاری آواز میں کہا۔

”اور اسی سلسلے میں تم نے کچھ قتل بھی کئے ہیں.....؟“

”ہاں..... میں نے ان لوگوں کو قتل کر دیا جو میری راہ میں رُکاوٹ تھے۔ اور بھرہ۔“

مجھے نازی ازم سے نفرت ہو گئی۔“ میں نے جواب دیا۔

”اس کی وجہ.....؟“ جرم افسر نے پوچھا۔

”وجہ اس فال میں درج ہو گئی۔“

”میں تم سے پوچھتا چاہتا ہوں۔“ جرم افسر نے کرخت لجھے میں کہا۔ اُس کی ہونٹیں

گئیں۔

”بہتر ہے.....“ میں نے کہا۔ ”ممکن ہے، میرے بارے میں تفصیلات اس فال میں

نظر آنے چاہئیں۔ اور مسٹر موینٹر! آپ سے بھی درخواست ہے کہ ہر بدسلوکی کو بجول کرنے سے تعاون کریں اور فرار کی کوئی کوشش نہ کریں۔“

”آپ مطمئن رہیں جناب!“ میں نے اُسے اطمینان دلایا۔

افسر نے مجھے وابس لے جانے کی اجازت دے دی۔ میرے جسم کی خلاف، مجھے اتحادی قیدیوں کے کمپ کے مقابلہ میں اُن پیر کوں کی طرف لے چلے جہاں اب مجھے رہنا تھا۔ اور یہ میرے لئے ایک نیک فال تھی۔ گویا بہت جلد مجھے فرار کا ایک اور مرحلہ تھا۔

بس یہ رہا۔ میں مجھے رکھا گیا تھا، وہ خاصی طویل اور کشادہ تھی۔ میرے دونوں طرف نوجوانوں کی رہائش گاہیں تھیں، جہاں سے اُن کے باتیں کرنے کی آوازیں اور قہقہے سنائی دیتے تھے۔ یہ رہا کا دروازہ مضبوط لکڑی کا بیانا ہوا تھا اور فرش پختہ تھا۔ عقب میں بڑی کھڑکی تھی۔ لیکن اُس کھڑکی میں لو ہے کی اتنی موئی موئی سلانگیں لگی ہوئی تھیں، لیکن کاشتے یا توڑنے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ میں فرار کے کام میں اتنا ماہر ہو گیا تھا کہ باریک لگا ہیں اپنے مطلب کے مقامات پر جائزہ لے چکی تھیں۔ آتش دان کے اوپر مل پہنچنی، مجھے اپنے مقصد کے لئے کار آمد معلوم ہوئی۔ میں اطمینان سے اُس آرام وہ پڑیں گیا جو مجھے فرائم کیا گیا تھا۔

میں چند لمحوں تک لیٹا ذہن کو پر سکون کرتا رہا۔ پھر میں اپنے قید خانے کا تفصیلی جائزہ کے ارادے سے اٹھ کھڑا ہوا۔ رائٹنگ نیبل پر بیڈ اور قلم موجود تھا۔ غسل کے لئے ہر چیز تھی۔ اور ایک الماری کے نچلے خانے میں شیوکا سامان بھی موجود تھا۔ اس سامان میں ”ایک اسٹریا“ میرے لئے پڑ کش تھا۔ میں نے یہ اسٹریا اور اُسے آہنی پانپ میں ڈال کر کی کی تگاہ اُس پر نہ پڑ سکے۔ اور کوئی چیز قابل ذکر نہیں تھی۔ اس لئے میں دوبارہ بیڈ پر لیا اور سونے کے لئے آنکھیں بند کر لیں۔

شُجھانے والا ایک او ہیز عرصہ کا آدمی تھا۔ ”چائے حاضر ہے مسٹر موینٹر۔“ اور کچھ دیر بعد اکثر، معائنے کے لئے آنے والا ہے۔“

”میرے۔۔۔“ میں نے کہا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

”اٹھا۔۔۔“ ایک چھوٹی میز پر رکھ کر چلا گیا۔ اور میں اطمینان سے پلیٹیں صاف کرنے میں شہ بو گیا۔ اور اس کے بعد کتیلی میں بختی چائے تھی، سب پی گیا۔ تقریباً انصف گھنٹے کے پانچ ماہیں یہ رہا۔ میں آئے اور مجھے ڈاکٹری معائنے کے لئے ساتھ لے گئے۔ ڈاکٹر کا کمرہ اس کی ہر چیز سے لیس تھا۔ ڈاکٹر بوڑھا تھا اور خاصا تجریب کا رناظر آ رہا تھا۔ اس نے گہری

بڑی پاری تھی۔ اور میں اسی وقت کا منتظر تھا۔ چنانچہ میں بیرک کی چھت سے اُتر آیا اور تیری سے ایک طرف دوڑنے لگا۔ مجھے علم تھا کہ بیرک کے اطراف میں خاردار تاروں کی بازگلی ہوئی ہے۔ اور اس باڑ سے نکلا سب سے پہلا اور اہم کام تھا۔

چنانچہ میں باڑ کے قریب پہنچ کر رُک گیا۔ اس باڑ کے درمیان اتنی جگہ نہیں تھی کہ ایک آدمی اس میں سے گزر سکے۔ میں اس باڑ کو کاٹ تو نہیں سکتا تھا۔ لیکن انہائی احتیاط سے میں نے سب سے نچلی تار، اتنی اوپری کر لی کہ زمین سے چپک کر اس کے نیچے سے گزر سکوں۔ بہر حال! اندر ہیرے اور جلدی میں میرے جسم پر چند خراشیں بھی آئیں۔ لیکن میں ہاروں کے دوسرا طرف نکل گیا۔ اس نئے یکمپ کے بارے میں مجھے زیادہ معلومات نہیں تھیں۔ لیکن مجھے اس کی ذرہ بھر پرواہ نہیں تھی۔ کیونکہ میں تو فرار کا عادی ہو چکا تھا۔ اور دوسری کوششوں کی طرح یہ بھی ایک بھر پور کوشش تھی۔ اب دیکھنا یہ تھا کہ میں کس حد تک کامیاب ہوتا تھا؟ چنانچہ میں نے ایک طرف دوڑ گا دی۔

انہی ایسے کرافٹ گنوں کے شیل، ناکارہ ہو کر نیچے گر رہے تھے اور کسی بھی لمحے کوئی ناکارہ شیل مجھ پر گر سکتا تھا، جس سے میں شدید زخم ہو سکتا تھا۔ لیکن یوں بھی کون سازندگی کی طرف جا رہا تھا جو مجھے اس خطے کی پرواہ ہوتی؟ میں دوڑتا ہوا بھی تو اس احساس سے بے پناز تھا کہ کس طرف جا رہا ہوں؟

تحوڑی دیر کے بعد مجھے احساس ہوا کہ میں اب کسی ڈھلان پر ہوں۔ چنانچہ میں نے دوڑنے کی رفتارست کر دی۔ سب سے پریشان کن بات یہ تھی کہ میں اس نئے یکمپ کے جائے قوع سے ناواقف تھا۔ اور یہ اندازہ بھی نہیں تھا کہ یہ ڈھلان کتنے گہرے ہیں۔ رات کی گہری تاریکی میں ہاتھ کو ہاتھ بھائی نہیں دیتا تھا۔

میں نے اتحادی بمباروں کا شکریہ ادا کیا۔ کیونکہ انہوں نے ہی مجھے اس معمر کے میں مدد یافتی اور اتنی دیر تک ان لوگوں کو الجھائے رکھا تھا کہ مجھے کافی دوڑ نکل آنے کا وقت مل گیا۔ ڈھلان ختم ہو گئے اور اب کسی قدر ہموار زمین تھی۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ایک آواز بھی نہ سے کافنوں میں گونج رہی تھی..... اور یہ پانی گرنے کی آواز تھی۔ یقیناً میں کسی آبشار کے نزدیک تھا۔ چنانچہ میں تیزی سے آبشار کی سمت چل پڑا۔ پانی کی آواز میری معاون تھی۔ اور چلوگوں کے بعد تاریکی میں پانی کی سفید موٹی دھار، نظر آئے گی۔ پانی کے قریب پہنچ کر میں نہیں کو دیکھا اور نہ جانے کیوں خندے پانی میں دوڑنے کو دل چاہا۔

نگاہ سے مجھے دیکھا اور بھاری آواز میں یولا۔ ”کپڑے اُتار دنو جوان!“

میں نے قدرے پچکچاہت سے خود کو بے لباس کیا اور ڈاکٹر میرے جسم پر موجود غسلوں کے معاشرہ کرنے لگا۔ ”تمہارے جسم پر جا بجا خزم ہیں۔ لیکن کوئی خطرناک رخ نہیں ہے۔ بہر حال میں مرہم پٹی کر دیتا ہوں۔ ساتھ میں یہ دوا بھی استعمال کرتے رہنا۔ جلد ہی رخ بھر جائیں گے۔“

مرہم پٹی کے بعد میں جرم فوجیوں کی گلگرانی میں واپس آگیا۔ جوشق میری ضروریاں کی دیکھ بھال کے لئے متعین تھا، میں نے اس سے شیو کا سامان طلب کیا۔

”سامان تو موجود ہے۔“ اس نے کہا۔

”کہاں ہے.....؟“ میں نے اُسے گھوڑتے ہوئے کہا۔

وہ، الماری کی طرف بڑھ گیا، اور اس کے نچلے خانے سے اس نے شیو گل کر کی، بڑی اور پانی کا برلن نکلا۔ پھر شاید اسٹرالیا تلاش کرنے لگا۔ اورہ..... معاف کرنا! اسٹرالیا موجود نہیں ہے۔ میں ابھی لاتا ہوں۔“ چند ساعت کے بعد اس نے مجھے نیا اسٹرالا دیا اور میں شیو کرنے کے ارادے سے بیٹھ گیا۔ اب میرے پاس ایک اسٹرالیا حفظ ہو گیا تھا۔

پانچ دن میں نے انہائی سکون سے گزاری۔ اور پھر چھٹی رات مجھے موقع مل گیا۔ ان پانچ دنوں میں اتحادیوں کی طرف سے کوئی حملہ نہیں ہوا تھا۔ فضا، پرسکون تھی۔ لیکن اُن رات خطرے کے سارے نج اُٹھے..... اور مجھے اسی بات کا انتظار تھا۔

چاروں طرف تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ پھر نیچے سے شینگ شروع ہو گئی اور فنا میں ارتعاش پیدا ہو گیا..... میرے قید خانے کے دروازے سختی سے بند تھے اور بظاہر فرار کی کوئی صورت نہیں تھی۔ لیکن فوجی افسر نے مجھے جو مریعات دی تھیں، میں ان سے پورا پورا نامہ اٹھانا چاہتا تھا۔ چنانچہ لوہے کے پاپ سے اسٹرالیا نکال کر جیب میں رکھ لیا اور پھر لے شدہ پروگرام کے مطابق اس کارنس پر چڑھ گیا جس کی مدد سے چمنی تک پہنچا جا سکتا تھا۔ اور میں اس کی مشق بھی کر چکا تھا۔ چمنی کے اوپری حصے سے چند کپڑیں ہنا کر با آسانی نکلا جاتا تھا۔ اور میں نے یہی کیا۔

اب میں بیرک کی چھت پر تھا۔ اور اس سے اس طرح چپکا ہوا تھا کہ کوئی مجھے دیکھے سکے۔ میں چھتوں ہی چھتوں پر زیادہ سفر بھی نہیں کرنا چاہتا تھا، کیونکہ اس میں خطرہ تھا۔ اس وقت یکمپ کے تمام فوجی یا تو مورچوں پر تھے یا خندقوں میں۔ اتحادی بمباروں

کافی بلند جگہ تھی۔ اور حیرت کی بات یہ تھی کہ ندی اس بلند جگہ سے گزرتی تھی۔ میں آگے بڑھا تو تھوڑے فاصلے پر ڈھلان میں مجھے کوئی سفیدی شے نظر آئی۔ روشنی نہیں تھی۔ لیکن اس کے بارے میں، میں نے اندازہ کر لیا کہ وہ کوئی عمارت ہے۔ چند لمحات تک تو میں سوچتا رہا، پھر میں نے عمارت کی طرف بڑھنے کا فیصلہ کر لیا۔

تھوڑی دیر کے بعد میں عمارت کے قریب تھا۔ عمارت کا آہنی گیٹ خالی پڑا تھا۔ ایک چٹا گل، مجھے اندر لے گئی۔ اس بار میرے پاس اس اُسترے کے علاوہ اور کوئی شے موجود نہیں تھی۔ اس لئے میں نے سوچا کہ ممکن ہے، اس خالی عمارت میں کوئی کام کی چیزیں گائے۔ اور اسی خیال کے تحت میں اندر گیا تھا۔ لیکن تاریک اور انجان عمارت کی ایک راپاری مُرنے کے بعد مجھے ٹھٹھک جانا پڑا۔ مجھے اندازہ ہوا تھا کہ عمارت خالی نہیں ہے۔ ایک کمرے کے دروازے کے نیچے سے روشنی جھاٹک رہی تھی۔ کوئی اندر موجود تھا۔ میں بیلی کی طرح دبے پاؤں کمرے کے قریب پہنچ گیا اور پھر میں نے دروازے سے کان لگادیے۔ کیونکہ اندر سے باتوں کی آواز آتی محسوس ہو رہی تھی۔

”تم ایک خطرناک آدمی کی دشمنی مول لو گے.....؟“

”تمہارے لئے تو ساری دنیا سے دشمنی مول لی جاسکتی ہے۔“

”سوچ لو.....!“

”سوچ لیا.....!“

”کیا تم اس کا انتظار کر رہی تھیں.....؟“

”ہاں.....میں! وہ پہنچنے والا ہو گا۔“ یہ آواز، عورت کی تھی۔

”ہونا تو یہ چاہئے تھا ذاریگ! کہ پہلے میں اس کا انتظار کرتا۔ اور اُسے تمہاری آنکھوں کے سامنے قتل کر کے پھر عیش کرتا۔ لیکن تم اتنی خوبصورت ہو کہ میں انتظار نہیں کر سکتا۔“

”ذلیل.....چھوڑ دے مجھے.....چھوڑ.....“ عورت کی آواز اپھری اور پھر کوئی دروازے سے گل کرایا۔ میں اچھل کر پیچھے ہٹ گیا۔ لیکن دوسرے لمحے دروازہ کھل گیا اور خاصی تیز روشنی باہر بیک آئی۔

عورت، باہر لگی تھی۔ لیکن عقب سے کسی نے اس کے بال پکڑ لئے اور عورت کی چین اپھری۔ اسے پھر اندر گھیٹ لیا گیا تھا۔ لیکن اس سے قبل کہ دروازہ بند ہوتا، میں اندر داخل ہو گیا۔ میری موجودگی فوراً محسوس کر لی گئی تھی۔ جو شخص، عورت کے ساتھ دست درازی کر رہا

میں نیچے اتر گیا۔ ندی زیادہ گہری نہیں تھی۔ لیکن پانی کی رفتار خاصی تیز تھی۔ بڑی مشکل سے قدم جائے تھے۔ میں پانی کی گہرائی کا اندازہ کرتا رہا اور آہستہ آہستہ آگے ہی آگے بڑھتا رہا۔ پھر میں نے یہی فیصلہ کیا کہ اس ندی کے کنارے کنارے چلتا رہوں۔ دیکھنا یقیناً کہ صبح کی روشنی کہاں پہنچاتی ہے؟

خوش قسمتی تھی کہ جرمن فوجی، بمباری میں اُلٹھ کر باقی ساری باتوں کو بھول پکھے تھے۔ لیکن ہے، صبح تک میرے فرار کا علم کسی کو نہ ہو سکے۔ حالانکہ ان لوگوں کو یہ اندازہ ہونا چاہئے تھا کہ میں فرار ہونے کا ماہر ہوں اور یقینی طور پر پہلی ہی فرصت میں فرار ہونے کی کوشش کروں گا۔ اس سلسلے میں وہ لوگ مجھے مفرور کے نام سے پکارنے لگے تھے۔ اور مصلحہ اُزاتے ہوئے کہتے تھے کہ میں جہاں کہیں بھی ہوں، فرار ہونے کی بلوش تو ضرور کروں گا۔

رات کے آخری حصے تک میں چلتا رہا۔ تھکن سے بدن چور چور ہو گیا تھا۔ جسم پر زخم تو تھے ہی، تکلیف بھی ہونا لازمی امر تھا۔ وہ تو میں اپنی انتہائی قوتوں سے کام لے کر آگے بڑھتا رہا تھا۔ لیکن بہر صورت! ایک نہ ایک وقت تو ایسا آنا ہی تھا جب یہ زخم مجھے آگے بڑھنے سے روک دیتے۔

میں ندی کے کنارے ایک طرف رُک گیا۔ لیکن جس جگہ میں رُکا تھا، وہاں پانی میں ایک خاص چیز دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی۔ یہ ایک ڈوگنی تھی۔ ایک چھوٹی سی کشتی۔ جو عام طور سے ماہی گیری کے کام آتی ہے۔ میں حیرت سے اُچھل پڑا تھا۔

یہ کشتی ممکن ہے، مجھے کچھ مدد دے سکے۔ چنانچہ میں نے یہاں رُکنے کی بجائے کشتی کو کنڑوں کی جھاڑیوں سے کھولا اور اُس میں لیٹ گیا۔ کشتی میں پتوار کھے ہوئے تھے۔ لیکن میں نے اس وقت پتواروں پر قوت صرف کرنے کی کوشش نہیں کی اور کشتی کو پانی کے رُخ پر بہنے دیا۔ اب میں کسی حد تک مطمئن تھا۔ بُن! ضرورت اس بات کی تھی کہ کشتی کی حادثہ کا شکار نہ ہو جائے۔ کیونکہ مجھے علم نہیں تھا کہ یہ چھوٹی سی ندی آگے جا کر کیا رُخ اختیار کر لیتی ہے؟ بہر صورت! کشتی، پانی کے بہاؤ پر بہتی رہی اور میں پانی کے چھینٹے مار مار کر جائے کی کوشش کرتا رہا۔

پھر اچاک کشتی رُک گئی۔ غالباً یہ کوئی کھاڑی تھی۔ لیکن رات بھی تاریک تھی اور میں کوئی صحیح اندازہ نہیں لگا سکتا تھا۔ اس لئے کشتی کو کسی اور رُخ پر موڑنا میرے لئے سخت مشکل کام تھا۔ میں نے وہیں اُترنا مناسب سمجھا اور کشتی سے زمین پر کو گیا۔

تم کون ہو.....؟
یا کرو.....کیونکہ میں نے تمہیں پیچان لیا ہے۔
لیا بکواس ہے.....؟
”بیکٹ پیلس کا یہ نیشن میرے ہاتھ پر بھی موجود ہے مسٹر جرکن!“ میں نے کلائی کھول اور ایک بار پھر آچھل پڑا۔
”تم کیمین.....؟
”میرے ہے.....پیچان تو گئے۔“
”اچھی طرح.....لیکن تم یہاں.....؟
”ہاں.....!
”تم تو فن لینڈ سے تعلق رکھتے ہو۔“
”اس سے میں اخراج نہیں کروں گا۔“
”اوہ.....میں سمجھ گیا۔ اتحادی جاسوس.....یقیناً تم اتحادی جاسوس کی حیثیت سے یہاں ہو گے۔ کیسی دلچسپ بات ہے۔“ وہ مسکرا یا۔
”ہاں.....اور تم.....؟
”جرمن گٹاپا کا ایک افسر۔“
”خوب..... تو پھر کیا، کیا جائے.....؟“
”میں اپنے وطن کے مفادوں سے اخراج نہیں کر سکتا۔ اس وقت میں صرف تمہاری وجہ اسی لڑکی کو چھوڑ رہا ہوں۔ لیکن تم خود کو گرفتاری کے لئے پیش کر دو۔“
”واہ..... کیا یہ دوستانہ مشورہ ہے؟“
”ہاں..... درمنہ میں تمہیں قتل کر دوں گا۔“ جرمن نے کہا۔
”آؤ..... یہ فیصلہ کر لیتے ہیں۔ میرے خیال میں تمہاری مشق زیادہ نہیں ہے۔ جبکہ میں لارہا ہوں۔“
”لیکھ ہے.....“ جرمن افسر نے کوٹ ایک طرف ڈال دیا اور ہم دونوں سامنے آگئے۔ ایک کونے میں سمت گئی۔ اس کے لئے پہ رات تقریباً چھرتوں کی رات ہو گی۔ اور پھر اسیک دوسرے پر جملہ کر دیا۔

تھا، وہ جرمی وردی میں ملبوس کوئی فوجی تھا۔ روشنی میں ہم دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر تھے۔ اچانک میرے ذہن کے بے شمار اور اقل اٹک گئے۔ میری آنکھیں دھوکہ نہیں کھا کر تھیں۔ سیکرٹ پیلس میں دورانِ تربیت ایک جرمن نوجوان میرا دوست بن گیا تھا اور اتفاق سے میں نے اس کی شکل دیکھ لی تھی۔ آج وہی نوجوان بدلتی ہوئی شکل میں میرے سامنے کردا تھا۔ لیکن وہ مجھے نہیں پیچان سکا۔
”تو تم آگئے.....“ اس نے کہا۔
”ہاں.....“ میں نے جواب دیا۔
”یہ لڑکی تمہاری کون ہے.....؟“
”یہ.....“ میں نے مسکرا کر لڑکی کی طرف دیکھا۔ لڑکی آنکھیں چھاڑے مجھے دیکھ رہی تھی۔ ”کیوں..... تم میری کون ہو؟“
”ذائق کر رہے ہو..... مجھے نہیں جانتے؟“ جرمن دھاڑا۔
”اتنا جانتا ہوں کہ تم سوچ بھی نہیں سکتے۔“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ لیکن جرمن افسر نے میں تھا اور غصے میں بھی۔ اس لئے اس نے میری بات پر کوئی توجہ نہیں دی اور بدستور غراتے ہوئے بولا۔ ”تو پھر بھاگ جاؤ! یہ مجھے پسند آئی ہے۔“
”پسند تو یہ مجھے بھی ہے آفیسرا!“ میں نے اس کے قریب ہوتے ہوئے کہا اور آفیسر نے جھاکرا پنے پستول پر ہاتھ ڈال لیا۔
لیکن میں اس کے قریب اس لئے ہوا تھا کہ مجھے یقین تھا کہ اب اس کا دوسرا قدم ہیتا ہو گا۔ چنانچہ جو نہیں اس کا پستول، ہولٹر سے باہر آیا، میں نے چھلانگ لگائی اور میری ٹوکر اس کے پستول والے ہاتھ پر پڑی۔ پستول اس کے ہاتھ سے نکل کر ڈور جا گرا۔ اور میں نے اس پر ایک مزید ٹوکر ماری۔
جرمن ہنگابنگا رہ گیا تھا۔ اور پھر اس نے خونوار انداز میں اپنا کوٹ اٹا رہا۔ غالباً اسے بھی طیش آگیا تھا۔ پھر وہ سر، جھنک کر کھڑا ہو گیا۔
”بانک.....!“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور وہ جلدی سے سیدھا کھڑا ہو گیا۔
”کیا مطلب.....؟“
”بدشستی سے ہمارے درمیان ایک رشتہ بھی ہے۔“ میں نے گھری سانس لے کر کہا۔

سیکرت پلیس کی تربیت میں اس بات کی بھی سخت ہدایت تھی کہ نشے کے عالم میں جگہ سے گریز کرو۔ اور اس وقت اگر جنگ اس کے اصولوں پر ہو رہی ہوتی تو یقیناً جرک کرن کو برقرار کی دوسرے مرحلے پر ختم کر لینا چاہئے تھا۔

لیکن وہ مقابلہ پر آمادہ تھا اور مار کھانا ضروری تھا۔ پہلے ہی مرحلے پر میں نے اسے زمین چڑا دی۔ لیکن وہ پھر ہمت سے کھرا ہو گیا۔ البتہ اس کی ناگلوں میں وہ جان نہیں تھی جو متفرق تھی۔ میں نے اسے پیشی دی اور وہ پھر چلت ہو گیا۔ لیکن اس نے اٹک کر میری گردان میں پیچی ڈال دی۔ خطرناک داد تھا۔ اس طرح وہ میری گردان توڑ سکتا تھا۔ اب مرقت کا ایسا ہوا تھا؟ میں! میں پیش گیا اور پھر میں نے ایک دستی قلا بازی کھائی۔ ایسے موقع پر وہ خود کو ہاتھوں کی مدد سے بچا سکتا تھا۔ لیکن وہی نشد۔ اس کی آخری چیخ بھی نہیں نکل سکی تھی۔ پھر میں سیدھا کھرا ہو گیا۔ لڑکی آگے بڑھ آئی تھی۔ ”مر گیا۔۔۔؟“ اس نے کہی ہوئی آواز میں پوچھا۔

”آپ کا کیا خیال ہے محترمہ۔۔۔؟“ میں نے تمثیرانہ انداز میں پوچھا۔

”میرا خیال ہے، مر گیا۔“ لڑکی بے وقوف سے بولی۔

”ہا۔۔۔ اگر کسی آدمی کا سر، کئی ٹکڑوں میں تقسیم ہو جائے تو میرے خیال سے پھر اسے مرحی جانا چاہئے۔“

”اوہ۔۔۔ تمہارا شکریہ!“ لڑکی بولی۔

”کوئی بات نہیں۔۔۔ یہ تو میرا فرض تھا۔“ میں نے مخنزے پن سے کہا۔ لڑکی، متخلص ٹکڑوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ پھر وہ چونک کر بولی۔

”لیکن تم۔۔۔؟“

”وہ نہیں ہوں، حس کا تمہیں انتظار تھا۔“ میں نے مسکرا کر کہا۔

”ہا۔۔۔ میرا ساتھی آتا ہو گا۔ لیکن تم۔۔۔؟“

”بس! اتفاق سے ادھر آنکا۔“

”لیکن کیسے۔۔۔؟ یہاں تو کوئی نہیں آ سکتا۔“

”میں یہ بات نہیں مانتا۔“ میں نے اطمینان سے ایک کرسی سے نکلتے ہوئے کہا اور لڑکی کا چہرہ خنک ہو گیا۔

”کیوں۔۔۔؟“ چند ساعت کے بعد اس نے سوال کیا۔

”ویکھو! تم یہاں موجود ہو۔ یہ افسر یہاں آگیا تھا۔ بس! پھر میں پہنچ گیا۔ اور تمہارا نہیں یہاں آنے والا ہے۔ پھر تم کس طرح یہ بات کہہ سکتی ہو کہ یہاں کوئی نہیں آ سکتا؟“

”لیکن اب تم کیا چاہتے ہو؟“

”میرا مطلب ہے تمہارا؟“

”م۔۔۔ میرا مطلب ہے کیا تم بھی۔۔۔ تم بھی اب مجھے پریشان کرو گے۔۔۔ میری مراد ہے کہ۔۔۔“

”یہاں۔۔۔ وہ تو ہے۔۔۔ میں نے مسکرا کر کہا۔“

”نہیں۔۔۔ براہ کرم! نہیں۔۔۔ وہ پریشان لجھے میں بولی۔“

”بڑی سنگدل معلوم ہوتی ہیں آپ محترمہ۔۔۔“

”دیکھو۔۔۔ وہ میرا محبوب ہے۔۔۔ ہم دونوں ایک دوسرے سے شادی کرنے والے ہیں۔“

”رہیں۔۔۔ میں کسی طور پر۔۔۔“

”تو محترمہ! اپنی شادی کی خوشی میں پلا دیجئے۔۔۔“

”لگ کیا۔۔۔؟“

”کافی۔۔۔ صرف ایک کپ کافی۔۔۔ بس! اس سے زیادہ تم کو کوئی اور تکلیف نہیں دوں گا

نیک دل خاتون!“ میں نے کہا اور وہ بڑی طرح چونک پڑی۔ پھر اس کے ہونوں پر بلکل اسی

گراہٹ نمودار ہوئی۔

”اوہ۔۔۔ تمہارا شکریہ! اگر تم مجھے پریشان نہ کرو تو میں تمہاری بے حد شکر گزار ہوں گی۔“

”یعنی تمہیں ابھی تک یقین نہیں آیا؟ اچھا، ٹھیک ہے۔۔۔ میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔“

”نہیں، نہیں۔۔۔ بیٹھو! پلیز۔۔۔ میں تمہیں کافی پلا ڈوں گی۔ لیکن تم کہیں مجھ سے مذاق تو

نہیں کر رہے؟“

”بھی کمال کی بات ہے۔۔۔ اب تک جو کچھ کرتا رہا ہوں، مذاق کرتا رہا ہوں۔۔۔ اب اتنی

گلی سنگدلی کا اظہار مرت کریں! اگر وہ نہیں میں نہ ہوتا تو مقابلہ خاصا سخت ہو جاتا۔ اور آپ

التساری باتوں کو مذاق کہہ رہی ہیں۔۔۔“

”بیٹھو! میں تمہارے لئے کافی بناتی ہوں۔۔۔“ لڑکی نے کہا۔ لیکن اسی وقت دروازہ کھول

کر ایک تندرست و توانا آدمی اندر رکھس آیا۔ وہ کمر پر دونوں ہاتھ رکھے اندر کے ماحول کو دیکھ

رہا تھا۔ پھر اس نے کہا۔
”میں نے تمہاری گفتگوں لی ہے جیں!“

”اوہ.....ڈیڑ بڑی! تم آگئے۔ بڑی دیر سے آئے ہو۔ تم نے مجھے جن مصیبتوں کا شکر کر دیا تھا، تم سوچ بھی نہیں سکتے۔“

”تم دونوں کی تھوڑی بہت گفتگوں چکا ہوں۔ لیکن سمجھنے سے قاصر ہوں۔“ بڑی نے مسکراتے ہوئے کہا اور پھر میری طرف بڑھتا ہوا بولا۔ ”میرا خیال ہے میرے دوست ام نے جیں کی مدد کی ہے۔ اور ہاں! یہ کون ہے..... شاید کوئی جرم ان افر۔ یہ جرم ہوتے ہیں کہتے ہیں۔ مگر جیں! یہ جرم یہاں کھس کیسے آیا؟“

”انتے سارے سوالات ایک ساتھ کر دیجئے تم نے۔ کہاں سے کھس آیا کیا؟ کیا نہیں دیکھتے ہو کہ میں کس مصیبت سے دوچار ہوئی ہوں؟ اگر یہ شخص میری مدد نہ کرتا تو پھر..... تو پھر تمہارا آنا بے کار تھا بڑی!“ لڑکی نے سرد لبجھ میں کہا۔

”بہت افسوس ہے مجھے ڈارنگ..... بس! کیا کروں، کام میں کچھ دیر ہو گئی۔ لیکن اس کے بعد جس حد تک ہو سکا، جلد سے جلد پہنچا ہوں۔ ہاں! تم کب سے میرا انتظار کر رہی تھیں؟“ بڑی نے پوچھا۔

”بس، بس..... مجھ سے بات نہ کرو۔“

”بھائی مشر! کیا نام ہے آپ کا؟ آپ ہی میری مدد کریں۔ زندگی ہوئی محبوہ کو منانا با مشکل کام ہوتا ہے۔ کیا آپ کو اس سلسلے میں کوئی تحریر ہے؟“

”نہیں مشر بڑی! مجھے جس قدر تحریر ہے، وہ آپ کے سامنے موجود ہے۔“ میں نے کہا۔ ”ارے ہاں..... کیا یہ بالکل ہی مر گیا؟“ بڑی اس انداز میں جرم ان افر کی طرف متوجہ ہوا، جیسے اُس کی موت، اُس کے لئے کوئی حیثیت نہ رکھتی ہو۔ میں گھری نگاہوں سے اُس کا جائزہ لے رہا تھا۔ خاصا تند رست و توانا آدمی تھا۔ لیکن شکل و صورت سے جرم معلوم نہیں ہوتا تھا۔ بڑی حریت کی بات تھی ان دونوں کی یہاں موجودگی۔ نہ جانے کیا تھا؟

”اچھا..... تم رُکو! میں کافی بنا کر لاتی ہوں۔ میرے مہمان بلکہ میرے محض نے مجھے کافی طلب کی ہے۔“

”ہاں، ہاں..... میں سن چکا ہوں۔ لیکن جب تک تم کافی نہیں بناؤ گی، میری تسلی نہیں گی۔“

کام کے بارے میں بتایا تھا، مجھے اس کی کوئی اہمیت نہ ہو۔
 ”ہاں یا ر! بڑی بوریت ہوتی ہے۔ اگر کوئی اور کام کر سکتا تو یقیناً اسے انجا اندھا رہے۔
 مجبوری ہے۔ مگر اب تم اپنے بارے میں تو پتاو۔“
 ”کیا بتاؤں ڈیزیرٹی؟“
 ”تم کون ہو؟ اگر جرم من نہیں ہو تو ان کے درمیان کس طرح ہو؟ اوہ.....! میں کچھ
 نہیں بتائیں ہی ہو۔“
 ”کون.....؟“ میں نے گھری لگا ہوں سے اُسے دیکھا۔
 ”اتحادی جاسوس۔ جاسوئی کر رہے ہو گے۔“ اُس نے پھر اسی انداز میں کہا جیسا
 کے نزدیک اس بات کی بھی کوئی اہمیت نہ ہو۔“
 ”نہیں برٹی! میں جاسوس نہیں ہوں۔“
 ”پھر کون ہو بھائی!“ برٹی نے بازو پھیلاتے ہوئے پوچھا۔
 ”میں قیدی ہوں۔“
 ”فرار ہوئے ہو.....؟“
 ”ہاں.....!“
 ”چلوٹھیک ہے..... بھاگ جاؤ! ایسے کسی کی قید میں رہنا بھی کوئی زندگی ہے؟ ہونہ۔
 اُس نے اس انداز میں کہا جیسے سارے قیدی اپنی مرضی سے قید ہونے آئے ہوں۔
 عجیب آدمی تھا۔ میں نے اُس کی خصیت کا تجزیہ کیا۔ ہر چیز سے بیزار بیزار۔ یوں لگا
 جیسے دنیا کے اس ماحول کے بارے میں وہ کچھ بھی نہ جانتا ہو اور صرف کوئاں کرنے کا عاد
 ہو۔ باہر جانے کے لئے اُس نے اس طرح کہا تھا جیسے باہر جانا بہت ہی آسان ہو۔ ہر جا
 وہ کافی دریتک بولتا رہا۔
 ”خوبصورت! اب میں تھمارے طلب کرنے کے لئے آپسے مدد کر دیں گے۔“
 ”میرے لئے آسان ہے۔“ برٹی نے جواب دیا اور گرم گرم کافی حلتوں میں اٹھ لینے لگا۔
 ”اوک طرح.....؟“
 ”لکھ معمولی کی بات ہے۔ تم نے یہ نہیں پوچھا کہ میں اس جرم افسر کا کیا کروں گا؟“
 ”نہیں برٹی! اب میں تھمارے طلب کرنے پر اس طرح یہاں نہیں آؤں گا۔“
 ”جیسے سامنے ہی پڑی ہوئی تھی۔ خون بہہ کر صاف فرش کو داغدار کر رہا تھا اور اب

جنے لگا تھا۔ لیکن وہ اس طرح لاپرواہ تھے جیسے یہ بات کوئی حیثیت، ہی نہ رکھتی ہو۔
”ہاں.....بس! تمہاری اس لاپرواہی سے جیران ہوں۔“

”جیران ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں لاشیں ڈھوتا ہوں۔ صبح بھی بہت کی اٹھڑی
ٹرک پر ڈال کر لے جانی ہیں۔ اس کی صورت تو پہلے ہی بگڑ چکی ہے۔ بس! پکھ اور فراہم
ذوں گا۔ کسی اتحادی قیدی کی وردی پہناؤں گا اور اس کے بعد ٹرک میں.....کیا سمجھے؟“

”واہ.....“ میں نے خوشی سے کہا۔
”تمہیں بھی اسی انداز میں سفر کرنا ہوگا۔“

”ہاں..... میں سمجھ رہا ہوں۔“

”پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ جہاں لاشیں پھیلنی جاتی ہیں، وہ جگہ بالا
انکا نے جرم افسر کا خون میرے باس پر جگہ جگہ لگا دیا۔ میری شکل، بھیانک ہو گئی۔ میری
سننان ہے۔ تم تھوڑا سا فاصلہ طے کر کے جنگلوں میں روپوش ہو سکتے ہو۔ اور اس کے
آنکھ پر اس نے ایک جھلکی سی چپکا تھی۔ غرض مجھے ایک مضبوط انسان بنانے میں اس نے
کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔ پھر جرم افسر کا پستول اور ایک یونیشن اس نے نہایت احتیاط سے

”ٹھیک ہے..... تم مجھے وہاں تک تو پہنچاؤ مسٹر برٹی!“ میں نے گہری سانس لے کر
برے بدنا پر سجادیئے۔ جرم افسر کو پھر اس نے ایک بوسیدہ وردی پہنادی تھی۔ پھر اس
نے اپنی جبوپہ کو الوداع کہا اور میرے ساتھ باہر نکل آیا۔ جرم افسر کی لاش اس نے کندھے
اور برٹی گردن پلانے لگا۔

کافی دیر تک میں اس کے ساتھ بیٹھا رہا۔ پھر اس نے خود ہی کہا۔ ”اس وقت بارہ بجہ
پڑال لی تھی۔ باہر اس کی جیپ کھڑی ہوئی تھی۔“

ہیں۔ تم چار بجے تک آرام کرو۔ اس دوران میں اپنی محبوبہ کے ساتھ رہوں گا۔ چار بجے
”کیم! تم اسی وقت سے خود کو مردہ تصور کر لو،“ اس نے کہا اور میں نے سوالیہ نگاہوں
تمہاری وجہ سے اٹھوں گا۔ کیونکہ تمہیں لاش کی شکل میں ترتیب دینا ہے۔ پانچ بجے تک
لاشیں، لوڈ ہو جائیں گی۔ اور اسی وقت میں تمہیں بھی..... کیا سمجھے؟ لاشوں میں تم اپر
کے۔ اگر دب گئے تو مصیبت کا شکار ہو جاؤ گے۔“

”اوکے برٹی.....“ میں نے کہا اور برٹی مجھے عمارت کے ایک کمرے میں چھوڑ گیا۔
تجربہ بھی زندگی کا بھیانک تجربہ ہو گا۔ صبح کو مجھے لاشوں کے ساتھ سفر کرنا ہو گا۔

رات بھر نیند نہیں آئی۔ چار بجے برٹی نے دروازے پر دستک دی۔ ”جاگ جاؤ مدد
کیں!“

”میں جاگ رہا ہوں مسٹر برٹی!“ میں نے کہا اور کمرے سے نکل آیا۔
برٹی نے تھوڑہ لگایا تھا۔ ”میں جانتا تھا۔“

”کیا جانتے تھے.....؟“
”یہی کہ تم جاگ رہے ہو گے۔“

”ان دونوں کو بھی ڈال دو!“ برٹی کی آواز ابھری۔ اور پھر جس طرح ہمیں ٹرک میں

”کیوں.....؟“
”برٹی ہوئی لاشوں کے ساتھ سفر کرنا انسان کا کام تو نہیں ہے کیم! یقین کرو میرے
یہ، اس کے علاوہ اور کوئی ترکیب نہیں ہے۔“

”اوہ.....ٹھیک ہے مسٹر برٹی! لیکن تمہیں ایک اور احسان کرنا ہوگا۔“
”ہاں، ہاں.....کہو!“

”بزم افسر کا پستول تھبہاری کر میں موجود ہے۔ اس کا ایک یونیشن اور پستول مجھے دے
 مجھے اس کی ضرورت پیش آئے گی۔“

”غلوٹی دل سے۔ مجھے اس کا کیا کرنا ہے؟“ برٹی نے کہا اور پھر اس گندے اور سنگدل
”پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ جہاں لاشیں پھیلنی جاتی ہیں، وہ جگہ بالا
انکا نے ایک جھلکی سی چپکا تھی۔ غرض مجھے ایک مضبوط انسان بنانے میں اس نے
سب کچھ تمہیں خود کرنا ہو گا۔“

”ٹھیک ہے..... تم مجھے وہاں تک تو پہنچاؤ مسٹر برٹی!“ میں نے گہری سانس لے کر
برے بدنا پر سجادیئے۔ جرم افسر کو پھر اس نے ایک بوسیدہ وردی پہنادی تھی۔ پھر اس
نے اپنی جبوپہ کو الوداع کہا اور میرے ساتھ باہر نکل آیا۔ جرم افسر کی لاش اس نے کندھے
اور برٹی گردن پلانے لگا۔

کافی دیر تک میں اس کے ساتھ بیٹھا رہا۔ پھر اس نے خود ہی کہا۔ ”اس وقت بارہ بجہ
پڑال لی تھی۔ باہر اس کی جیپ کھڑی ہوئی تھی۔“

ہیں۔ تم چار بجے تک آرام کرو۔ اس دوران میں اپنی محبوبہ کے ساتھ رہوں گا۔ چار بجے
”کیم! تم اسی وقت سے خود کو مردہ تصور کر لو،“ اس نے کہا اور میں نے سوالیہ نگاہوں
تمہاری وجہ سے اٹھوں گا۔ کیونکہ تمہیں لاش کی شکل میں ترتیب دینا ہے۔ پانچ بجے تک
لاشیں، لوڈ ہو جائیں گی۔ اور اسی وقت میں تمہیں بھی..... کیا سمجھے؟ لاشوں میں تم اپر
کے۔ اگر دب گئے تو مصیبت کا شکار ہو جاؤ گے۔“

”ٹھیک ہے.....“ میں نے کہا اور برٹی مجھے عمارت کے ایک کمرے میں چھوڑ گیا۔
تجربہ بھی زندگی کا بھیانک تجربہ ہو گا۔ صبح کو مجھے لاشوں کے ساتھ سفر کرنا ہو گا۔

رات بھر نیند نہیں آئی۔ چار بجے برٹی نے دروازے پر دستک دی۔ ”جاگ جاؤ مدد
کیں!“

”اوکے برٹی.....“ میں نے کہا اور برٹی مجھے عمارت کے ایک کمرے میں چھوڑ گیا۔
تجربہ بھی زندگی کا بھیانک تجربہ ہو گا۔ صبح کو مجھے لاشوں کے ساتھ سفر کرنا ہو گا۔

رات بھر نیند نہیں آئی۔ چار بجے برٹی نے دروازے پر دستک دی۔ ”جاگ جاؤ مدد
کیں!“

”اوکے برٹی.....“ میں نے کہا اور برٹی مجھے عمارت کے ایک کمرے میں چھوڑ گیا۔
تجربہ بھی زندگی کا بھیانک تجربہ ہو گا۔ صبح کو مجھے لاشوں کے ساتھ سفر کرنا ہو گا۔

رات بھر نیند نہیں آئی۔ چار بجے برٹی نے دروازے پر دستک دی۔ ”جاگ جاؤ مدد
کیں!“

”اوکے برٹی.....“ میں نے کہا اور برٹی مجھے عمارت کے ایک کمرے میں چھوڑ گیا۔
تجربہ بھی زندگی کا بھیانک تجربہ ہو گا۔ صبح کو مجھے لاشوں کے ساتھ سفر کرنا ہو گا۔

رات بھر نیند نہیں آئی۔ چار بجے برٹی نے دروازے پر دستک دی۔ ”جاگ جاؤ مدد
کیں!“

ڈالا گیا، وہ بھی ایک عبرت ناک متنظر تھا۔ تلکیں اور ہاتھ جھلا کر پہلے جرم ان افرک کی لاش کو اور پھر مجھے دوسروں لاشوں پر پھینک دیا گیا۔

اور پھر ٹرک چل پڑا۔ ناقابل برداشت بدبو تھی۔ دنیا کی تمام اذیتوں سے زیادہ اذیت ناک..... مجھے انسانی بدن چھوڑ رہے تھے۔ میں نے اُن کی جانب دیکھنے کی بہت نیس کی اور جہاں پڑا تھا، پڑا رہا۔ سفر، میرے اندازے کے مطابق ایک گھنٹے تک جاری رہا۔ اس دوران چیک پوسٹ پر چینگ بھی ہوتی تھی۔ لیکن اور کوئی قابل ذکر واقعہ پیش نہیں آیا۔ البتہ میرا ذہن اور بھی کچھ سوچ رہا تھا۔

لاشوں کو کہاں ٹھکانے لگایا جاتا ہوگا؟ برٹی نے کس جنگل کے بارے میں بتایا تھا؟ لیکن کیا لاشیں یوں ہی پھینک دی جاتی ہوں گی.....؟“ چند لمحات، میں سوچتا رہا۔ اور پھر جو نی ٹرک رُکا، میں ہوشیار ہو گیا اور گردن گھما کر اُس جگہ کو دیکھا۔

ٹرک جہاں کھڑا ہوا تھا، وہاں ایک گہرا گڑھا تھا۔ اور اُس عظیم الشان گڑھے میں لا تقدار انسانی اعضاء نظر آ رہے تھے۔ لیکن حیرت کی بات یہ تھی کہ یہاں وہ بدبو نہیں تھی جو ہونی چاہئے تھی۔ حالانکہ اس گڑھے میں پڑی ہوئی لاشوں کو نہ جانے کتاب عرصہ بیت کیا ہوگا؟ لیکن بدبو کا کوئی نام و نشان نہیں تھا۔ نہ جانے کیوں؟ جبکہ ٹرک کے اندر پڑے ہوئے بے شمار انسانی جسموں سے تھن اٹھ رہا تھا اور اس تھن نے مجھے ذاتی طور پر تقریباً معطل کر دیا تھا۔ ٹرک کا انجن بند کر دیا گیا۔ اور دونوں طرف کے دروازوں سے دو آدمی یعنی آڑ آئے۔ ”چلو..... خالی کرو۔“ اُن میں سے کسی نے جرم من زبان میں کہا اور یہی وقت میری کارکردگی کا تھا۔

میں تیزی سے ٹرک کے اُس حصے پر چڑھ گیا جس حصے پر انجن تھا۔ اور میں نے آواز پیدا نہیں ہونے دی تھی۔ وہ دونوں ٹرک کی پچھلی سمت کی جانب گئے۔ انہوں نے کسی ذریعے سے ٹرک کے ایک حصے کو کھول دیا۔ ٹرک کا ایک حصہ اُپر اٹھ گیا اور لاشیں اُس سے گر کر گڑھے میں جانے لگیں..... انسانی اجسام، گہرا بیوں میں گر رہے تھے۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے نہ جانے کیسی کیسی زندگیاں گزاری ہوں گی؟ لیکن اس وقت کس کمپری سے اپنے آخری سفر پر روانہ ہو رہے تھے۔ اور یہ متنظر قبل عبرت تھا۔ پھر ایک خیال میرے ذہن میں کوندا..... کیوں نہ اب یہ ٹرک میرے استعمال میں رہے؟ برٹی نے جو کچھ کیا تھا، اس کی پورا کون کرنے اگر ٹرک پاس ہوگا تو ممکن ہے، کوئی بات بن سکے۔ چنانچہ میں نے اپنا پتوں

ہالیا۔
دونوں آدمی، کام سے فارغ ہونے کے بعد ٹرک کے پچھلے حصے کو ہموار کرنے لگے۔ اور ان کے بعد انہوں نے عجیب سی تلکیاں اٹھائیں اور ان کا رخ گڑھے کی طرف کر کے کوئی بن بدا دیا۔ کسی سیال کی دھار نکل کر اُن لاشوں پر پڑنے لگی۔ اور مجھے علم ہو گیا کہ لاشوں کے تھن کیوں نہیں اٹھ رہا؟ وہ لوگ کسی کیمیکل کے ذریعے اُن لاشوں کو گلا دیتے تھے۔ پھر جب وہ اپنے آخری کام سے فارغ ہوئے تو میں پتوں لے کر اُن کے سامنے پہنچا۔ مجھے دیکھ کر اُن کی جو حالت ہوئی، وہ ناقابل بیان ہے۔ وہ چیختے ہوئے ایک دوسرے کے پٹ گئے تھے اور مسلسل چیخ رہے تھے۔

”سیدھے کھڑے ہو جاؤ!“ میں نے گرج کر کہا۔
”تتم..... تتم..... کک کون ہو.....؟“
”یہ راستہ کس طرف جاتا ہے.....؟“
”سمباوا..... سمبادا.....؟“
”اُنھر کوئی جرم نہ چوکی ہے.....؟“
”نہیں..... کوئی نہیں ہے۔“
”آخری جرم کچل کیا ہے.....؟“
”سمباوا میں.....؟“
”تمہارے پاس کیا ہے.....؟“
”کک..... کچنہیں۔“

”کھانے پینے کی کوئی چیز ہے.....؟“
”نہیں.....!“
”تھیمار.....؟“
”وہ بھی نہیں ہیں۔ ہمارے پاس تھیماروں کا کیا کام؟“
”اے..... تم چلو۔ اس کی تلاشی لو۔“ میں نے دوسرے سے کہا اور اُس نے با دل انہارت میری ہدایت پر عمل کیا۔ دوسرے لمحے اُس کے لباس سے نکلا ہوا سامان زمین پر پڑا۔ تھری پھر میں نے دوسرے کو بھی ہدایت کر دی اور دونوں کی جیسیں خالی ہو گئیں۔
”اب تم اپنے لباس بھی اٹار دو.....!“

”نہیں، نہیں، ہم..... ہمیں جانے دو۔“

”جلدی کرو.....!“ میں نے ڈاٹ کر کھا اور چند ساعت کے بعد وہ دونوں بڑھے تھے۔ اور اب تم بھی لاشوں کے اس گڑھے میں چھلانگ لگا دو!“
”مم..... مر جائیں گے۔ اس میں گلا دینے والا کیمیکل ہے۔“ دونوں خوفزدہ انداز میں چھیٹ۔

”جرمن ہو.....؟“ میں نے زم لجھے میں سوال کیا۔
”ہاں.....!“

”کتنے دن سے یہ کام کر رہے ہو.....؟“

”تین سال سے.....“

”ہوں..... اب بہت جی لئے۔ جلدی کرو!“

”نہیں، نہیں..... ہمیں معاف کر دو۔ ہم اس گڑھے میں نہیں کو دیں گے۔“

”میں صرف تین تک گئتی گنوں گا۔“

”نہیں..... وہ دونوں چھیٹ۔“

”ایک.....!“ میں نے گئتی شروع کی اور دوسرے لمحے ان دونوں نے چھلانگ لگا دی۔ وہ بڑی طرح بھاگے تھے۔ تب میں نے دو فارے کے اور وہ زمیں پر گر کر ترنے لگے۔ نہ جانے کیوں بس! انہیں ہلاک کرنے کو جی چاہا تھا۔ بس! درندگی کی طرف طبیعت مائل تھی۔ چانپ میں نے کچھ اور بھی کیا۔ یعنی ان دونوں کی لاشوں کو اٹھا کر اسی گڑھے میں اچھال دیا۔ پھر ان میں سے ایک کا لباس پہنا اور اس کے کاغذات، جیب میں رکھ کر ٹرک کی طرف بڑھا۔ ٹرک شارٹ کر کے میں نے ایک سمت کا تعین کیا اور ٹرک آگے بڑھ گیا۔ میرے ذہن میں سینکڑوں خیالات تھے۔ آگے کا سفر نا معلوم تھا۔

یقین سے نہیں کہہ سکتا تھا کہ کہاں تک پہنچوں؟ بہر صورت! جن جنگلوں کے بارے میں برٹی نے بتایا تھا، وہ بھی سامنے ہی موجود تھے۔ لیکن میں نے جنگلوں کی سمت اختیار نہیں کی اور کچھ راستے پر ہی ٹرک کو آگے بڑھاتا رہا۔ میں اسی ٹرک کی تلاش میں تھا جس سے گر کر ہم لوگ یہاں آئے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد میں ٹرک کے نزدیک پہنچ گیا۔ لیکن اس بازمیں نے رُخ بدلتا رہا۔ میں اس طرف سے جا رہا تھا جس طرف سے ہم لوگ نہیں آئے تھے۔ ٹرک، برق رفتاری سے سفر کرتا رہا۔ میرے ذہن میں کوئی منصوبہ نہیں تھا۔ لیکن!

”..... اتنی ڈور نکل جانا چاہتا تھا کہ آئندہ پروگرام بنانے میں ہمیں آسانی ہو۔ بین تدریجی بھی مجھے آزادی دلانے کی روادر نہیں تھی۔ بہت زیادہ سفر نہیں کیا تھا کہ ڈور بی طیارے کی گرج سنائی دی۔ اور میں پلٹ کر دیکھنے لگا۔ میں نے گردن نکال کر باہر طیارہ اسی جانب آ رہا تھا۔

”مکن نہیں تھا کہ میری تلاش میں آیا ہو۔ سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا کہ اتنی جلدی یہاں فتح جائے گا۔ لیکن پھر بھی میرے ذہن میں ایک ہاکسا احساس تھا کہ کوئی خطرہ نہ پیش آ اور اس خطرے کے پیش نگاہ میں نے تیاریاں کر لی تھیں۔

”..... ہوا جس کا خدشہ تھا۔ طیارے کی مشین گنوں سے ایک برسٹ مارا گیا اور گولیاں اُن بناقی ہوئی ٹرٹک کے نزدیک پیوست ہو گئیں اور میرا ذہن چھبھنا اُٹھا۔ نظرے.....“ میرے ذہن نے نفرہ لگایا اور دوسرے ہی لمحے میں نے ٹرک سے چھلانگ ٹڑک، برق رفتاری سے آگے بڑھ گیا تھا۔ طیارہ گھوم کر پھر واپس آیا۔ اور اس پار اس ل پر ایک بم چھوڑ دیا تھا۔

”..... ل کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ڈور ڈور تک بکھر گئے اور میں نے بخوبی دیکھ لیا کہ وہ مالیارہ تھا۔ آہ..... کاش! کسی طرح اُسے میرے بارے میں علم ہو جاتا..... میں نے نے سوچا۔

”..... بس! اس بے آب و گیاہ چوڑے میدان میں ایک تھا درخت کی مانند تھا اور سوچ رہا اب ان جنگلوں تک پہنچنا بھی مکن نہیں ہے جن کے بارے میں برٹی نے کہا تھا۔ کاش! نانگلوں میں داخل ہو جاتا۔ کم از کم اتنی خوفناک صورتحال سے تو واسطہ نہ پڑتا۔ سورج، طریقہ بندہ ہو گیا تھا اور میں سورج کی وحشت گردی سے پوری طرح واقف تھا۔ بڑی اٹھ آئی تھی۔ سرچھپانے کو کوئی جگہ نہیں تھی۔ چنانچہ میں، ماہیوں آگے بڑھنے لگا۔

”..... مانئے تھا چھوٹے چھوٹے پہاڑی میلے نظر آ رہے تھے۔ میں نے سوچا کہ وہیں تک چلا رہ گئن ہے، کوئی غار یا کوئی ایسی جگہ نظر آ جائے جہاں اس دھوپ سے پناہ لی جاسکے۔ میں اس طرف بڑھ گیا۔ لیکن ٹیلوں کا فالصلہ جتنا زیادہ تھا، اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ سرچھپا بھی آسان کام نہیں ہے۔ تاہم! میں آگے بڑھتا رہا۔

”..... بہر چند جنگلوں کے بعد ایک بار پھر میرے کافنوں نے کچھ آوازیں سنیں..... یہ ہیلی تاریک آوازیں تھیں اور میں ان آوازوں کو بخوبی پیچاں سکتا تھا۔ ہیلی کا پیڑ، بجائے کس

مچھے نہیں معلوم۔“

سمجھا۔ اس طویل صحرائیں مرنے سے بہتر تھا کہ ایک بار پھر ان لوگوں کے شکنجه میں پڑے جاؤں۔

بڑمن لجھے میں کہا۔

کون آسٹریلین سور.....؟“

س کا اس نے حوالہ دیا ہے۔ اس کے سپرد یہی کام کیا ہے۔ ٹھیک ہے، اسے بھالو!

لیکن تم تو.....؟“

بدمیں بھوادیں گے کسی ذریعے سے۔ انسے یہاں تو نہیں چھوڑ سکتے۔ مر جائے گا۔

لے کہا۔

ہوں..... چلو! ٹھیک ہے۔“ دوسرا افسر بھی راضی ہو گیا۔ میرا دل خون ہورتا تھا۔ ایک

میں ان کے زخمے میں جا رہا تھا۔ لیکن مجبوری تھی۔ البتہ ایک چیز بڑی خطرناک تھی۔

اپاں فوجی روپا لور تھا اور ایک یونیشن بھی۔ یہ روپا لور میرے لئے موت کا سامان بن سکتا

ہے۔ اسی جب تک میں نے ہیلی کا پھر میں سفر کیا، خوف کا شکار رہا کہ کہیں ان میں سے کسی

نئے ہونے کا خیال نہ آجائے۔

حال! ایسا کوئی واقعہ نہیں پیش آیا اور ہم ایک چھاؤنی میں پہنچ گئے، جہاں ہیلی کا پھر،

بڑپاڑتے گے۔ میرے لئے ایک جگہ کا بندوست کر لیا گیا۔ عارضی بیرک تھے، جہاں

بام پذیر تھے۔ میں انہی بیروں میں سے ایک میں پہنچ گیا۔ دوپھر کو کھانے کے لئے

یک میکس میں جانا پڑا۔ اور یہیں گڑ بڑ ہو گئی۔.....

بلیکھر، میکس کا معافانہ کرنے آیا تھا۔ وہ میرے سامنے سے بھی گزرا۔ اُس کی نگاہیں

پڑی تھیں۔ پھر وہ آگے بڑھ گیا۔ لیکن چند ہی ساعت کے بعد وہ واپس آیا اور میرے

اُنکر کھڑا ہو گیا۔ جب وہ مجھے گھری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا، تب اُس کی آنکھوں میں

اس کے آنمار تھے۔ پھر اُس نے خاتر سے ایک إشارہ کیا۔ مطلب یہ تھا کہ میں آگے

ولے میں نے آگے بڑھ کر اُسے سلیوٹ کیا۔

”کون ہو.....؟“ اُس نے سوال کیا اور میں نے پھر ایک سلیوٹ مار دیا۔

”کون ہو.....؟“ اُس نے سخت لجھے میں پوچھا۔

”لذجوڑ“ میں نے جواب دیا۔

اسے میرے پاس لے آوا!“ جرمیں میختر نے کہا اور آگے بڑھ گیا۔ میں نے کھانا بھی

طرف جا رہے تھے؟ چھپنے کی کوئی جگہ بھی نہیں تھی۔ لیکن اب میں نے چھپنا مناسب تھا۔

جاوں۔ چنانچہ میں اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔ ہیلی کا پھر خاصی پیچی پرواز کر رہے تھے اور جرمیں پڑے۔

شاید اُن پر سے مجھے دیکھ لیا گیا۔.....

اب وہ نیچے اترنے لگے۔ اور چند ساعت کے بعد وہ ہیلی کا پھر میرے بالکل نزدیک آزما

گئے۔ چار آدمی نیچے اتر آئے تھے۔ سب کے سب فوجی افسر تھے اور جرمیں تھے جس:

اندازہ اُن کے لباس سے ہوتا تھا۔

”کون ہو تم.....؟“ اُن میں سے ایک افسر نے سوال کیا۔

”میرا نام بردار ہے جناب!“

”کون ہو.....؟“

”لاشیں ڈھونئے کا کام کرتا ہوں۔“ میں نے جرمیں زبان میں جواب دیا۔ میرے لئے پر کوئی شبہ نہیں کر سکتا تھا۔

”کیا تم نے کسی اتحادی طیارے کو اس طرف دیکھا؟“

”اُس نے میراڑک تباہ کر دیا ہے جناب!“

”کس طرف گیا.....؟“

”اُدھر.....؟“ میں نے آسان کی ایک سمت اشارہ کیا۔

”لیکن تم اس وقت کہاں جا رہے تھے.....؟“

”واپس اپنے ٹھکانے پر۔“

”اس طرف.....؟“ افسر نے شبے کی نگاہوں سے مجھے دیکھا۔

”تو کیا میرا اندازہ درست تھا؟“

”کیا مطلب.....؟“

”مجھے شبے تھا جناب! کہ میں راستہ بھلک گیا ہوں۔“

”لیکن کیا تم اکثر یہاں نہیں آتے؟“

”نہیں جناب! آج پہلی بار مسٹر برٹی نے مجھے اس طرف بھجا تھا۔ انہوں نے مجھے صرف پتہ بتایا تھا۔“

”دوسرے لوگ جو یہ کام کرتے ہیں، کہاں گئے؟“

نہیں کھایا تھا۔ لیکن میرے قریبی لوگوں نے میرے ساتھ مہربانی کی۔ وہ مجھے کھانے کے پاس نہیں لے گئے۔ دیے پہلی فرصت میں، میں نے اُس پتوں سے چینکارا پاڑا تھا۔ اور یہ بہتر ہی ہوا تھا۔ ورنہ اسی وقت دھر لئے جانے کے امکانات تھے۔ لیکن اُس کجھت میجر کو کیا ہوا؟

کھانے کے بعد مجھے میجر کے پاس لے جایا گیا۔ وہ اپنے دفتر میں بیٹھا ایک فائل دیکھ رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر اُس نے گزدن اٹھائی اور پھر بغور دیکھتا رہا۔ اس کے بعد اُس نے فائل بند کر کے ایک طرف سر کا دی، اور اُس کے چہرے پر خوشگوار تاثرات پھیل گئے۔ ”ٹھیک ہے..... تم جاؤ!“ اُس نے دوسروں سے کہا اور مجھے لانے والے واپس پڑے۔ ”بیٹھو برو جو!“ اُس نے ایک طرف اشادہ کیا اور میں جھکنے لگا۔

”بیٹھ جاؤ دوست! جھکنے کی ضرورت نہیں۔“ میجر نے نرم لبجھ میں کہا اور میں جھکتا ہو اُس کے سامنے بیٹھ گیا۔ میجر نے کرسی سے بیک کر آنکھیں بند کر لی تھیں۔ پھر وہ شتبث بھی بولا۔ ”اب سے دوسال قبل کی بات ہے۔ میں فرانس میں تھا۔ میری کمپنی سخت مشکلات میں گھر گئی تھی۔ یہاں تک کہ میں اُن سے پھر گیا اور جنگلوں میں بھکنے لگا۔ تب ایک ایسے شخص نے میری مدد کی، جو جمن نہیں تھا۔ لیکن اُس نے میرے لئے اپنی جان دے دی۔ اور جانتے ہو مسٹر برو جو! وہ شخص تمہارا ہم شکل تھا۔ تم نے اتنا ملتا تھا کہ مجھے بال برابر بھی اُس میں اور تم میں کوئی فرق محسوس نہیں ہوا۔“

”اوہ.....“ میں نے بلا وجہ دانت نکال دیئے۔

”تمہیں دیکھ کر میرے ذہن میں اُس کی یاد تازہ ہو گئی تھی۔ اور اپاٹک مجھے یوں لکھا جیسے میرا دوست، ڈین میرے سامنے ہو۔“ میجر نے سرد آہ بھر کر کہا۔

”جی ہاں جتاب! بعض مشکلیں ایک دوسرے سے بڑی ملتی جاتی ہیں۔“

”تمہیں جیرانی ہو گی مسٹر برو جو! کہ ڈین کی صورت تم سے اتنی ملتی جاتی ہے کہ میں تمہیں بھلا نہیں پا رہا۔ میرے دل میں اُس کے لئے بڑی عزت اور بڑی قدر ہے۔ لیکن تم کون ہو؟ اپنی کہانی تو سناؤ۔“

”بس جتاب! جرم فوج میں ایک خدمت سرانجام دیتا ہوں۔ اپنا ٹرک لے کر کھانا کی ایک اتحادی طیارے نے بمباری کر کے اُسے تباہ کر دیا۔ اور پھر جمن یہی کاپڑے مجھے پہاں لے آئے۔ مجھے واپس پہنچنا ہے۔“

”کیا کام کرتے ہو؟“ میجر نے پوچھا۔

”الشیں ڈھوتا ہوں۔“

”کسی کیپ کی صفائی پر معین ہو.....؟“

”جی ہاں جتاب!“

”ٹھیک ہے..... تمہیں واپس پہنچا دیا جائے گا۔ بلکہ میں تمہارے بارے میں اطلاع ڈول گا۔ اگر تم مناسب سمجھو تو چند روز میرے ساتھ قیام کرو۔ تم سے مل کر بڑی خوشی ہے۔“ میجر نے اپنا تھا آگے بڑھا دیا اور میں نے اُس سے مصافحہ کیا۔ میجر کی لمحے میرا ہوئے تھیں میں لے کر کسی سوچ میں ڈوبا رہا تھا۔ پھر اُس نے ہونٹ بھیجن کر گردن ہلائی۔ واپس ہوئیں کوئی تکلیف تو نہیں ہے؟ آرام کے ساتھ قیام کرو!“

”شکریہ جتاب! میری خوش نسبتی کی مجھے عزت حاصل ہوئی۔“

”میں پھر کسی وقت تم سے تفصیلی ملاقات کروں گا۔ اس وقت آرام کرو۔“ میجر نے پڑھا۔ ”میں بھل لجھ میں کہا اور میں اٹھ گیا۔ اُس نے گھٹھی بجا کر اپنے اردوی کو بلایا اور کہا۔ ”مسٹر میرے دوست ہیں۔ میری رہائش گاہ میں انہیں پہنچا دو۔ اور ان کے آرام کا بھی خیال بھائے۔“

”مل سزا!“ اردوی نے جواب دیا۔ ”تشریف لائیے جتاب!“ اُس نے کہا اور میں اُس نامانہ باہر نکل گیا۔ پھر مجھے میجر کی عرضی رہائش گاہ پر پہنچا دیا گیا۔

اُس لمحے گھبرا کر میں نے گھری گھری سانسیں لیں۔۔۔ میری چھٹی جس یہ کہہ رہی تھی کہ وہ نہ ہے، جو ہورہا ہے۔ کوئی گڑ بڑ ہے۔۔۔ پھر وہ کوئی گڑ بڑ ہے۔۔۔ میجر جھوٹ بول رہا ہے۔۔۔ اس خیال کے تحت تقریباً ایک گھنٹے کے بعد میں نے اس رہائش گاہ سے نکلنے کی کوشش بیکار بخخت پھرہ تھا۔

”اپ بارہ نہیں جا سکتے جتاب!“ ایک افسرنے کہا۔

”کیوں.....؟“

”کہاں کامات ہیں۔“

”میں میں، میجر کا دوست ہوں۔“

”کمی انجی کا ہے۔“

”کوئی.....“ میں نے ہونٹ سکوڑے۔ گویا میرا شہر درست نکلا تھا۔ میجر نے چالاکی سے

”بہت بہتر جناب! میں سرور ہوں کہ میں یہ خدمت انجام دے سکا۔“ میجر نے کہا اور پلاک گردن ہلانے لگا۔

”لیکن اس بار..... اس بار مسٹر موئیر! میں آپ کو نہیں چھوڑوں گا۔ آپ کے بارے میں کسی شہر کا کوئی امکان نہیں ہے۔ یہ آپ کی ذہانت اور اعلیٰ کارکردگی کا ثبوت ہے کہ ہم لیکن آپ کی اہمیت نہیں معلوم کر سکے۔ آپ روائی کا بندوق بست کریں مسٹر گیٹ!“ اُس نال بار میجر کو مخاطب کر کے کہا تھا۔

”میں سر!“ میجر نے کہا اور انٹھ کر باہر نکل گیا۔ شایلاک ڈچی نے مجھے دیکھ رہا تھا۔ ناس باروہ کچھ بولا نہیں۔ میجر واپس آگیا۔ ”روائی کی تیاریاں مکمل ہیں جناب!“

”اوکے..... اس کے پیروں میں بیڑیاں ڈال دو!“ شایلاک نے کہا۔ اور تھوڑی دیر بعد مجھے بڑے اعزاز کے ساتھ ہیلی کا پٹر تک لے جایا گیا۔ ایک ہیلی کا پڑ میں شایلاک رے پنڈ لوگوں کے ساتھ بیٹھا تھا۔ دوسرے ہیلی کا پڑ میں، میں، دو افسر اور پانٹ تھے۔ پر دونوں ہیلی کا پڑ فضا میں پرواز کر گئے..... میں خاموش بیٹھا تھا۔ اور پھر ہم کافی ڈور نکلے۔ وہی صحراء تھا، جہاں سے مجھے لے جایا گیا تھا۔ دفعتہ پانٹ نے اُن دونوں افسروں کی فریکھا اور گردن ہلائی۔ اور پھر یہاں کاپڑ بلند ہونے لگا۔ اب وہ دوسرے ہیلی پر کے اوپر تھا۔ پھر اُن میں سے ایک افسر نے ہاتھ میں دبی ہوئی شین گن سے دوسرے ناکاپڑ پر فائر گ شروع کر دی..... اور میری آنکھیں حرمت سے پھیل گئیں.....

”سراہیلی کاپڑ، بھی انک حادثے کا شکار ہوا تھا۔ دوسرے لمحے اُس میں آگ لگ گئی۔ اب وہ شعلوں میں گھراز میں کی طرف جا رہا تھا۔ نیچے گر کر اُس کے پر پچے اڑ گئے۔ یقیناً پلاک بھی ہلاک ہو گیا ہو گا.....

☆.....☆.....☆

کام لیا تھا۔ اور میں اس چوہے داں میں آپھسا تھا۔ میں واپس آگیا۔ ٹھیک ہے ڈیز کیں! اگر اس بار تمہاری شامت آہی گئی ہے تو کون روک سکتا ہے؟ میں نے دل ہی دل میں کہا اور واپس اس کیمین گاہ میں آگیا جو قربانی کے بکرے کے لئے تھی۔

مجھے اس کا موقع بھی نہیں ملا تھا۔ شام کو تقریباً پانچ بجے ایک پورا دستہ مجھے لینے کے لئے میجر کی رہائش گاہ پر پہنچ گیا۔ دستے کے افسر نے مجھے تاہر نکلنے کے لئے کہا۔ اور جو نہیں میں باہر نکلا، اُس نے میرے ہاتھوں میں ہٹکڑیاں ڈال دیں..... میں نے کوئی تعریض نہیں کیا تھا۔ کیونکہ میں اپنی پوزیشن کو اچھی طرح سمجھ چکا تھا۔ اور اس کے بعد کوئی احتفاظہ حرکت بے سور تھی۔ مجھے اس عارضی کمپ کے ایک مخصوص حصے میں لے جایا گیا اور یہاں میں نے دو نیل کاپڑ بھی کھڑے دیکھے۔

ہیلی کاپڑوں کی موجودگی کوئی تعجب خیز بات نہیں تھی۔ لیکن بہر صورت! میں نے انہیں غور سے دیکھا تھا۔ اور جس بڑے کمپ میں مجھے پہنچایا گیا، وہاں سخت پہرہ لگا ہوا تھا۔ اور اندر جس شخص پر میری پہلی نظر پڑی، وہ گٹاپو کا اہم ترین فرد شایلاک تھا..... میرا بیارا دوست.....

”بے شک..... بے شک..... بھلا یہ شخص موئیر کے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے جو فرار ہونے میں کسی شیطان کی طرح بدنام تھا۔ بہر صورت مسٹر موئیر! آپ کے اور ہمارے ستارے غالباً ایک ہی ہیں۔ شکلیں تو ملتی جلتی ہیں لیکن ستاروں کا مل جانا کتنا جیت انگیز ہوتا ہے؟ اور غالباً یہ ستارے ہی آپ کو ہم سے ڈور کرنا نہیں چاہتے۔“ شایلاک نے بڑے بیار بھرے انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

”ایسا ہی لگتا ہے مسٹر شایلاک!“ میں نے بھی مسکراتے ہوئے کہا۔ اُس میجر کی آنکھیں پھیل گئیں، جس نے مجھے اپنا مہمان بنایا تھا۔

”گویا میرا خدشہ درست نکلا تھا جناب!“ اُس نے دبی زبان میں کہا۔ ”ہاں میجر! اگر یہ کہا جائے تو بے جانہ ہو گا کہ تم نے بھی دوسرے لوگوں کی طرح ایک کار نامہ انجام دیا ہے۔ اگر مسٹر موئیر کی تقدیر میں ہمیشہ گرفتار ہونا نہ ہوتا تو یقینی طور پر انہوں نے جو کچھ کیا ہے، اس کے تحت یہ کبھی کے نکل گئے ہوتے۔ لیکن ہم بھی کچھ گولیاں نہیں کھلی.....“

ہرگز ہو کر وہ میری بیٹیوں کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اور تھوڑی سی کوشش کے بعد وہ انہیں بھی بہرے پیروں سے نکالنے میں کامیاب ہو گیا۔ میں نے ان کا شکر یہ ادا کیا۔ لیکن یہ مسٹر بلیک جبکہ میں نہیں آیا تھا۔ ممکن ہے، کوئی امریکی ایجنت ہو۔ اور اسے میرے بارے میں معلوم ہو گیا ہو۔ بڑے خوفناک حالات سے دوچار ہوا تھا۔ اس وقت کچھ تھکن کی محسوس ہو رہی تھی اور زبان بلانے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔

پھر خاموشی چھا گئی۔ جس علاقے پر ہم پرواز کر رہے تھے، وہ پوری طرح جرم کنٹرول میں تھا۔ اور یہ ہیلی کا پڑ بھی جرم تھا۔ اس لئے کوئی دقت نہیں آئی۔ البتہ پائلٹ کو یہ خطرہ تھا کہ دوسرے ہیلی کا پڑ کی تباہی کا راز نہ کھل جائے۔ یا پھر ان سے اُس کے بارے میں نہ بچپن لیا جائے۔

”ہمارا سفر کتنا طویل ہے؟“ میں نے پوچھا۔

”بلیں جناب! ہم پاؤ ائٹ فور پر پہنچ پکے ہیں۔ وہ کیبین شاید آپ کو نظر آ رہا ہو۔ یہ اعلیٰ ایک اطلائی چوکی ہے۔ لیکن.....“ وہ خاموش ہو گیا۔ میں نے بھی اُس سے زیادہ تفصیل نہیں پوچھی۔

تھوڑی دیر کے بعد ہیلی کا پڑ اترتے لگا۔ پھر اس کا انجن بند ہو گیا اور ہم ہیلی کا پڑ سے اتر آئے۔ قرب و جوار میں سنا تھا اور کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔

ہم کیبین کی طرف بڑھنے لگے۔ اور پھر کیبین کے نزدیک پہنچ کر ہم ٹھٹھک گئے۔ کیبین کے واڑے میں ایک لیفٹینٹ کھڑا ہوا تھا، جو یقیناً جرم تھا۔

”کیا یہ مسٹر بلیک ہے؟“ میں نے پوچھا۔

”نہیں جناب! کوئی گزر بڑا ہو گئی..... اور وہ ٹرک..... پہلے یہ ٹرک یہاں موجود نہیں تھا۔“

”ہرے ایک ساتھی نے سرگوشی میں کہا۔“

”کیا مطلب.....؟“ میں نے اپنی رفتارست کرتے ہوئے پوچھا۔

”یہاں چار فوجی موجود تھے۔ مسٹر بلیک کے اشارے پر ہم نے انہیں ختم کر دیا تھا۔ اور ہیلی مرف مسٹر بلیک رہ گئے تھے۔ انہوں نے کہا تھا کہ ہم اپنے مشن کی تکمیل کے بعد یہاں

”انہیں بخسید۔ وہ میرا انتظار کریں گے۔ لیکن اس کی موجودگی.....“

”چلتے رہو..... تم اُس سے جرم کن زبان میں گفتگو کرو گے۔ میرا تعلق گشاپو سے ہے۔“

”کہا تو مجھے لمحہ میں کہا۔“

اُس وقت میری عقل و ذہانت میرا ساتھ چھوڑ گئی تھی۔ یہ سارے واقعات ایک خواب معلوم ہو رہے تھے۔ شاید ایک جیسا خط ناک انسان، اس طرح مر جائے، یہ کیسے ممکن تھا؟ لیکن یہ لوگ..... یہ لوگ میرے ہمدرد تھے یاد سن؟

حیرت کچھ اس طرح حملہ آور ہوئی تھی کہ میں کچھ بول بھی نہیں سکا تھا۔ ہیلی کا پڑ میں موجود دوسرے لوگوں نے بھی کوئی گفتگو نہیں کی۔ وہ شاید میرے بولنے کے منتظر تھے۔ جب کافی دیر ہو گئی تو اچانک اُن میں سے ایک کو خیال آیا اور وہ جلدی سے دوسرے افسر سے بولا۔

”ہم تھکریاں اور بیڑیاں نکال دو! انہیں تکلیف ہو رہی ہو گی۔“ زبان انگریزی تھی اور اسے امریکن..... میں اچھل پڑا۔ میں نے حیرت سے بولنے والے کی طرف دیکھا۔

”تم..... تم امریکن ہو؟“

”جی ہاں جناب.....!“

”لیکن..... لیکن کون ہو؟“

”ہمارا تعلق امریکی تنظیم ایڈ لاڑ سے ہے۔ وہ تنظیم، جسے اس جنگ میں جاسوسی کے لئے ترتیب دیا گیا ہے۔“

”اوہ..... لیکن میں نے اس تنظیم کے بارے میں کبھی نہیں سنا۔“ میں نے اپنی سوت دباتے ہوئے کہا۔ اس اچانک امداد پر میں دل ہی دل میں مسرور ہوئے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

”جی ہاں..... فوری طور پر اس کی ترتیب ہوئی ہے۔ اور اس میں شامل ہونے والے غیر فوجی لیکن تربیت یافتہ لوگ ہیں۔“

”لیکن تم لوگ یہاں تک کیسے پہنچ گے.....؟“

”ہم یہیں مقیم تھے۔ اور ہمیں بدایات ملی تھیں کہ ہم ایک شخص مسٹر بلیک کے ادکامات کے تحت کام کریں۔“ اس شخص نے جواب دیا جواب میری ہم تھکریاں کھول رہا تھا۔ اس کام

ہم کیبین کے دروازے پر پہنچ گئے۔ لیفٹینٹ نے ایڑیاں بجائی تھیں۔ ”کیا بات ہے لیفٹینٹ.....؟“ میں نے پوچھا۔ ان لوگوں کے لجے میں لکنت ہو سکتی تھی۔ لیکن میں جوں لجے پر قادر تھا۔

”سر..... یہاں ہمارے چار آدمی تعینات تھے۔ لیکن ایک اتحادی جاسوس نے یہاں داخل ہو کر انہیں قتل کر دیا..... شاید وہ ہمارے پیغامات نوٹ کرنا چاہتا تھا۔ اتفاق سے ہم پہنچ گئے۔ وہ لاشوں کو ابھی چھپا نہیں پایا تھا کہ ہم نے اُسے گرفتار کر لیا۔“

”اوہ..... تو تم نے اُسے قتل تو نہیں کر دیا؟“ میں نے تشویش سے پوچھا۔

”نہیں جناب! ٹرانسیور میں کچھ خرابی واقع ہو گئی ہے۔ ہمارے آدمی اُسے درست کر رہے ہیں۔ ہمارا خیال تھا کہ ہم زندگی چھاؤنی کو اطلاع دے دیں۔ تاکہ وہ اس جاسوس کے بارے میں کوئی فیصلہ کر سکیں۔“

”کہاں ہے وہ.....؟“

”ہم نے اُسے باندھ کر ڈال دیا ہے۔“ لیفٹینٹ نے جواب دیا اور میں تیزی سے اندر پہنچ گیا۔ وہ لوگ مجھ سے مرعوب ہو گئے تھے۔

کیبین کے ایک کونے میں ایک شخص بندھا ڈا تھا۔ وہ بے ہوش تھا اور اُس کے سر کی پشت سے خون بہر کر اُس کے کارکور نگین کر رہا تھا۔ ان لوگوں نے عقب سے حملہ کر کے اُسے رخچی کیا تھا۔ دوسری طرف ریڈ یوٹرانسیور پر دو آدمی بیٹھے ہوئے تھے اور اُسے درست کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ میں نے بے ہوش شخص کا کارکر پکڑ کر اُسے سیدھا کر دیا۔“ سرخ چہرے والا صحت مند آدمی تھا۔ لیکن اُس کی صورت میرے لئے اجنبی تھی۔ لیفٹینٹ میرے عقب میں آ کھڑا ہوا۔

”کیا ریڈ یوٹرانسیور درست ہوا؟“ میں نے پوچھا۔

”نہیں جناب! نہ جانے کیا خرابی پیدا ہو گئی ہے؟ کام ہی نہیں کر رہا،“ ان دونوں مٹ سے ایک نے جواب دیا، جو ٹرانسیور درست کر رہے تھے۔

”چھوڑو..... ان فضول کاموں میں وقت ضائع نہ کرو۔ میجر!“ میں نے اپنے امریکی ساتھی کو آواز دی اور وہ میرے سامنے آ کر مستعد ہو گیا۔

”اُسے ہیلی کاپڑ میں پہنچاؤ۔“ میں نے بے ہوش شخص کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ”اوہ نام کافذات اپنے قبضے میں کر لئے۔ میں نے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کرتے ہوئے کہا۔“

لوگ چلو! یہاں رکنا خطرناک ہے۔ لیفٹینٹ اتمہارے ساتھ کتنے آدمی ہیں؟“

”وس جناب!“

”چلو..... ٹرک میں بیٹھو، اور چھاؤنی چلو۔“ میں نے حکم دیا۔

”میں سر.....“ لیفٹینٹ نے جواب دیا اور تیزی سے کیبین سے نکل گیا۔ دوسرے ”زیں آدمی بھی اُس کے پیچھے ہی لپکے تھے۔ تب میں نے اپنے ساتھی سے کہا۔

”یہ لوگ ٹرک کے پاس جمع ہوں تو انہیں اڑا دو..... ایک شین گن مجھے درکار ہے۔“

”اوہ، جناب! میں نے مرنے والوں کے قریب ایک شین گن دیکھی تھی۔“

”پائلٹ..... کیا تمہارے پاس.....؟“

”میں غیر مسلح ہوں جناب! لیکن ان دونوں کی شین گن میرے بھی کام آئے گی۔“ پائلٹ نے جواب دیا۔

لیفٹینٹ نے چاروں طرف پھیلے ہوئے لوگوں کو جمع کر لیا۔ دوسری طرف بے ہوش مژہ بیک کوہرے دونوں سلح ساتھی اٹھا کر باہر لے آئے اور اُسے ہیلی کاپڑ میں ڈال دیا۔ میں، سلسل سوچ رہا تھا۔ تب میں نے آن سے کہا۔ ”سنو! میرا خیال ہے ہمیں باقی سفر ٹرک کے ذریعہ کرنا چاہئے۔ ہیلی کاپڑ ان لوگوں کی نظر وہ میں مشکوک ہو گیا ہو گا۔ ممکن ہے، طیارے اس کی تلاش میں نکل پڑیں۔“

”اوہ..... بالکل درست خیال ہے جناب!“ میرے ساتھی نے جواب دیا۔ پائلٹ کو اور مجھے شین گن فراہم کر دی گئی اور ہم ہیلی کاپڑ کی طرف بڑھ گئے۔ ہیلی کاپڑ کے زندگی پہنچ کر ہم ڑک گئے۔ وہ لوگ ہماری طرف پشت کے ٹرک کی طرف جا رہے تھے۔ جب یکجا ہو گئے تو ہم نے شین گنوں سے گولیاں بر سانی شروع کر دیں۔

ہیلی ہی باڑا تھی زبردست تھی کہ وہ لوگ پلت بھی نہ سکے اور وہیں ڈھیر ہو گئے۔ ہمیں ٹرک ایک خطرہ تھا کہ کہیں ان میں سے کوئی زندہ نہ رہ گیا ہو۔ چنانچہ چند ساعت ہم انتظار کرتے رہے۔ یونچ گرنے والے ترپ ترپ کر سر دہون گئے تھے۔ اور جب ہمیں اطمینان ہو گیا کہ ان میں سے کوئی زندہ نہیں رہا تو ہم ٹرک نی جانب بڑھ گئے۔

ہم نے بغور ان لاشوں کو دیکھا۔ ہر ایک کے چہرے پر اڑاٹت کے آثار تھے۔ لیکن چند لپکنے تھے جو ابھی تک سانس لے رہے تھے۔ تب ہم نے آن کے بیچر وغیرہ نوچ لئے اور نام کافذات اپنے قبضے میں کر لئے۔ میں نے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کرتے ہوئے کہا۔“

”میرا خیال ہے، ان لاشوں کو ایسی جگہ ڈال دو! جہاں سے انہیں کم از کم ہوائی جہاز سے

نہ دیکھا جاسکے۔

میں نے اُس کی گردن کے جوڑ کو ٹوٹا۔ اور چند ساعت کے بعد باریک سی جھلی کا ایک سرا برے اپنہ آگیا۔ تب میں نے انہیانی غافست سے بنا ہوا وہ پتے سے رہ کا ماسک اُتار دیا جائیں۔ شخص کے چہرے پر چڑھا ہوا تھا۔ اور جب اُس شخص کا چہرہ سامنے آیا تو میں حیرت ہے۔ کچھیں پھاڑ کر رہ گیا۔۔۔ میرے دہم دمکان میں بھی یہ بات نہیں آئی تھی کہ میرا دوست بس اس طرح میرے سامنے آئے گا۔

میرے دوسرے ساتھیوں میں سے کسی نے ابھی میرے اس فعل کی طرف توجہ نہیں دی تھی، اور پہنیں دیکھ کر سکے تھے کہ مسٹر بلیک کی شکل بدلتی ہے۔ لیکن میری ذہنی کیفیت عجیب تھی۔ میں تحریر نگاہوں سے فلیکس کو دیکھ رہا تھا۔

کیا درحقیقت! یہ میرا دوست فلیکس ہی ہے۔۔۔ لیکن یہ کیسے ممکن ہے کہ فلیکس، اتنا طویل رکے یہاں پہنچ گیا؟ اُسے کیا کیا دشواریاں اٹھانی پڑی ہوں گی۔۔۔ لیکن۔۔۔ لیکن۔۔۔ اس کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

بے شمار خیالات میرے ذہن میں رقصان تھے۔ اور تھوڑی دیر کے لئے میں گرد و پیش، احوال سے بے خبر ہو گیا تھا۔۔۔ مجھے یاد ہیں رہا تھا کہ میں دشمن کے علاقے میں خطرناک اسات سے دوچار ہوں۔ اور اس وقت نہ صرف میری بلکہ میری وجہ سے دوسرے افراد کی بھی خطرے میں ہے۔۔۔ اور اب مجھے، اُن کی ذمہ داری بھی سنبھالنی ہے۔

خود کو مطمئن کرنے کے لئے میں نے فلیکس کے بازو اور ناگ کو ٹوٹا۔۔۔ آہ! وہ میرا تھا۔ جس نے نہ جانے کیا کیا تکلیفیں اٹھا کر مجھے تلاش کیا تھا؟

میں اسے ہوش میں لانے کی کوشش کرنے لگا۔ اب اُس کوشش میں زیادہ بے چینی تھی۔ اس اس بے چینی کو دوسروں نے بھی محسوس کر لیا۔ پائلٹ اور ایک امریکن افسر جو میرے مار گئے تھے، میری طرف متوجہ ہو گئے۔ اُن کی نگاہ جیسے ہی مسٹر بلیک پر پڑی، وہ بڑی پیچونک پڑے۔

اُرے۔۔۔ ارے۔۔۔ یہ۔۔۔ یہ۔۔۔ پہلے تو نہیں بے ہوش شخص کی بدلتی ہوئی شکل پر تبدیل۔۔۔ اور حیرت کا دوسرا حملہ میری شکل دیکھ کر ہوا۔

مسٹر۔۔۔ مسٹر۔۔۔! یہ۔۔۔ یہ کون ہے؟“
مسٹر بلیک۔۔۔!“ میں نے مسکرا کر کہا۔
”یہ تو۔۔۔ یہ تو۔۔۔“

”بہت بہتر جناب!“ میرے ساتھی مستعدی سے بولے۔ اور پھر وہ اس کام میں مصروف ہو گئے۔ انہیں یقین ہو گیا تھا کہ جو شخص اُن کے ساتھ ہے، وہ حیرت انگیز صلاحیتوں کا مالک ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم اس کام سے فارغ ہو گئے۔ اور پھر میرے ہی اشارے پر نہیں دی جاتی تھی۔

میں نے لیفٹینٹ کی وردی پہنی اور میرے ساتھیوں نے باقی فوجیوں کی۔۔۔ اس طرز ہمارے جلیے بدلتے گے۔ مسٹر بلیک، سوں ڈریس میں تھا۔ چنانچہ اُس کا لباس بھی اُتار کر اسے ایک فوجی افسر کی وردی پہننا دی۔ گویا اب ہم میں سے ایک افسر تھا، ایک لیفٹینٹ اور دو غلام فوجی۔

اس جلیے میں آنے کے بعد ہم نے مسٹر بلیک کو ہیلی کاپڑ سے اُتار کر ٹک میں اختیارات لٹا دیا۔ میں اُس شخص سے قطعی طور پر ناواقف تھا اور میں سوچ رہا تھا کہ یقینی طور پر وہ امریکہ فوج میں کوئی نمایاں مقام رکھتا ہو گا۔

اس کے بعد ہم ٹرک میں سوار ہو گئے۔ اور پھر آخری کام رہ گیا، یعنی ہیلی کاپڑ کو بتا کرنا۔ چنانچہ اُس پر گولیوں کی پاڑ ماری گئی اور چند ساعت کے بعد ہیلی کاپڑ کے پر پنچ اڑ گئے۔

اب گویا ہم تمام کاموں سے فارغ تھے۔ چنانچہ ہم نے ٹرک شارٹ کر کے آگے بڑھا دیا۔ اپنے کاغذات وغیرہ چیک کرنے کے بعد ہم نے اُن چیزوں سے چھکارا حاصل کر لیا جو ہماری نشاندہی کر سکتی تھیں۔ اور ہم چل پڑے۔

ٹرک نامعلوم سمت کی جانب جا رہا تھا۔ ہم میں سے کسی کو اندازہ نہیں تھا کہ ہمیں کون سا رُخ اختیار کرنا ہے؟ بس! چلے جا رہے تھے۔ میں پوری طرح مسٹر بلیک کی جانب متوجہ ہو گیا۔ دفعتہ مجھے احساس ہوا کہ اُس کی گردن کے نیچے ایک عجیب سا جوڑ نظر آ رہا تھا۔ ایک ایسا جوڑ، جو میک آپ کا نتیجہ ہی ہو سکتا تھا۔ اور یہ جوڑ، میرے لئے دلچسپی کا باعث بن گیا۔ میں نے سوچا کہ اس شخص کو اس کی اصل شکل میں نمایاں کروں۔ میں خود بھی جاننا چاہتا تھا کہ وہ کون ہے؟ اور اگر ہمیں یہاں سے نکلنے کے لئے کچھ وقت صرف کرنا تھا تو یہ طے شدہ امر خا کہ مسٹر بلیک کو روشنی میں آنا ہی تھا۔

”رنا رکر لیا تھا۔“
 ”ہاں..... تو کیا آپ لوگوں نے..... میرا مطلب ہے.....“ فلیکس کے ہونتوں پر خوشی
 ایک لکیر نمودار ہوئی۔
 ”جی ہاں..... ہم نے انہیں ہلاک کر دیا۔ ان کے ٹرک پر قبضہ کیا اور آپ کو لے کر چل
 ۔۔۔۔۔“
 ”اوہ، میرے خدا! میں واقعی دھوکہ کھا گیا تھا..... جس کے لئے میں سخت شرمندہ ہوں۔“
 س نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ اور پھر میری جانب دیکھ کر بولا۔ ”آپ، مشرکین
 ہاں؟“
 ”جی ہاں..... میں بنے کہا اور اپنی مسکراہٹ پر قابو پانے کی کوشش کی۔
 ”کیا مطلب.....؟ میں سمجھا نہیں.....“
 ”میرا خیال ہے اس میں نہ سمجھنے کی تو کوئی بات نہیں ہے۔ میں کین ہی ہوں۔ لیکن کیا
 پاپنا تعارف نہیں کرائیں گے مشربیک؟“
 ”لیں..... میں امریکی محققہ خفیہ سے تعلق رکھتا ہوں۔ اور جیسا کہ آپ کو علم ہے، میرا نام
 ہے۔“
 ”جنہیں..... مجھے علم نہیں ہے کہ آپ کا نام بلکہ ہے۔“
 ”کیا مطلب.....؟“ فلیکس نے تجب سے کہا۔
 ”میرے علم میں کوئی اور ہی بات لائی گئی ہے۔“
 ”وہ کیا.....؟“ فلیکس نے پوچھا۔
 ”یہ کہ آپ مشربیک ہیں۔“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور فلیکس چونکہ مجھے دیکھنے
 اس کی آنکھوں میں حریت کے آثار تھے۔ تب میں نے وہ ماسک، جو فلیکس کے چہرے
 اُنہاری تھی، اس کی آنکھوں کے سامنے لہراتے ہوئے کہا۔ ”مشربیک تو میرے ہاتھ میں
 ہے۔“ اور فلیکس کے ہونتوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔
 ”میں جانتا تھا کہ ساری دنیا سے چھپ سکتا ہوں، لیکن تم سے نہیں۔“ اس نے صرور
 بُخُش کہا اور میرا بازو پکڑ لیا۔ ”خدا کا شکر ہے کہ تم، مجھمل گئے۔“
 ”لیکن میں جناب والا! آپ یہاں تشریف کیسے لے آئے.....؟“
 ”برگ، یار! تمہارے بارے میں عجیب و غریب اطلاعات موصول ہو رہی تھیں۔ میں نے

”ہاں..... یہ اس کی ماسک ہے۔“
 ”کیا آپ انہیں پہچانتے ہیں؟“ ایک افسر نے پوچھا اور ایک لمحے کے ہزاروںیں وجہ
 میں، میں نے سوچا کہ کہیں یہ لوگ بذریعہ نہ ہو جائیں، ان کا مطمئن ہونا ضروری ہے۔
 ”ہاں..... امریکی مسکراہٹ کا مایہ نازابینٹ مسٹر فلیکس ہے۔“
 ”تو یہ میک آپ میں تھے.....؟“
 ”ہاں.....!“
 ”لیکن کیا اب یا اپنی اصلی شکل میں ہیں؟“ افسر نے تجب کے ساتھ پوچھا۔
 ”ہاں..... کیوں، تمہیں شبہ ہے؟“
 ”تب پھر یہ بات دشوق سے کہی جاسکتی ہے کہ یہ آپ کے بھائی ہیں۔“
 ”وہ کیوں.....؟“ میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔
 ”اس لئے کہ آپ دونوں کی صورتوں میں سرموفر قریب نہیں ہے۔“
 ”اتفاق سے دوست! ہم دونوں میں ایسا کوئی رشتہ نہیں ہے۔ لیکن یہ مشاہدہ ہم دونوں
 کو ایک دوسرے کے اتنا قریب لے آئی ہے کہ اب ہم ایک دوسرے کے گویا عزیز ہیں۔“
 ”واقعی..... یہ مشاہدہ، تجب خیز ہے۔“ ایک افسر نے کہا۔ پھر چونکہ کہا۔ ”اوہ۔“
 مسٹر فلیکس شاید ہوش میں آرہے ہیں۔“
 میں بھی چونکہ فلیکس کی طرف متوجہ ہو گیا۔ چند ساعت کے بعد فلیکس نے آکھ
 کھول دیں۔ کچھ دریتک وہ ما حل کا جائزہ لیتا رہا۔ پھر اس کی نگاہ مجھ پر پڑی اور وہ پوچھا
 پڑا۔ اب اس کے حواس بیدار ہونے لگے۔۔۔۔۔
 ”کیا..... کیا تم بھی کوئی قیدی ہو؟“ اس نے آواز بدل کر پوچھا۔
 ”قیدی تو تم بھی نہیں ہو ڈیڑا!“ میں نے مسکرا کر کہا۔
 ”کیا مطلب.....؟“ اس نے ایک دم اٹھنے کی کوشش کی اور میں نے اس کی مدد کا
 دیے اس بات پر میرے ہونتوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی کہ فلیکس، آواز بدل کر بولنے
 کو شکر رہا تھا۔
 ”مطلوب یہ کہ آپ بھی قیدی نہیں ہیں مشربیک!“
 ”اوہ..... لیکن اُس کی بنی میں..... میرا مطلب ہے اُس کی بنی میں.....“
 ”جی ہاں جناب! اُس کی بنی میں جرم فوجیوں کا ایک دستہ کس آیا تھا اور اس نے

خخت ترتیب دیئے گئے تھے۔ سوائے اس کے کہ اس میں تمہاری آزادی شامل ہے۔“ میں
نے جواب دیا۔

”بہر حال! تم مل گئے کیم!“

”لیکن اب کیا پروگرام ہے فلیکس؟“

”پروگرام تو کافی طویل ہے۔ ہمیں ابھی کافی محنت کرنی ہے۔“

”لیکن.....؟“

”ایک طویل سفر کر کے ہمیں ایک مخصوص مقام پر پہنچنا ہے۔ میں ایک مکمل پروگرام کے
نعت آیا ہوں۔ ہمیں، میڈلن لائن تک جانا ہے، جہاں سے ایک سب میرین ہمیں لے جائے
گی۔ سب میرین کا پروگرام بیس روزہ ہے۔“

”کیا مطلب.....؟“

”اگر بیس روز کے اندر اندر میں تمہیں لے کر میڈلن لائن تک پہنچ سکا تو میرے مشن کو فیل
کھجا جائے گا۔ آبوز اس سے زیادہ وہاں اپنے آپ کو محفوظ نہیں رکھ سکتی۔“

”اب تک کتنے دن گزر چکے ہیں.....؟“

”آج سولہ تاریخ ہے نا.....؟“

”ہاں، شاید.....؟“

”ابھی صرف نو دن گزرے ہیں۔“

”ابھی کافی وقت ہے۔ لیکن افسوس! کہ میں اس علاقے سے بھی واقف نہیں ہوں۔“

”میں تمہیں تفصیل بتاؤں گا۔ لیکن پہلے یہ یقین ہو جانا چاہئے کہ ہم، کون سے رُخ پر
نکر رہے ہیں؟“

”یہاں پہنچ کر ہمیں کس طرف چلتا تھا جتاب؟“ ڈرائیور پال نے پوچھا۔

”بائیں سمت..... اُس ٹیلے کی جانب، جہاں ہمارے کچھ اور مدگار بھی موجود ہیں۔ اُس
ٹیلے کی پہنچان یہ ہے کہ ڈور سے تین سر نظر آتے ہیں۔“

”تب تو ہم بالکل صحیح سمت میں چل رہے ہیں۔ وہ دیکھئے! اسامنے تین سروں والے ٹیلے
ٹھرا رہے ہیں۔“ پال نے جواب دیا۔

”لکھ..... خوب اتفاق ہے۔“

”اور کوئی زخم تو نہیں ہے فلیکس؟“ میں نے پوچھا۔

ستا تھا کہ تمہیں ایک انہائی خفیہ اور اہم مشن پر بھیجا گیا ہے۔ تم نے اس مشن کی میکمل تور کریں
لیکن اس کے بعد خود بھنس گئے۔ خود حکومت امریکہ تمہارے بارے میں خخت تشویش میں ہوا
ہے۔ بے شمار لوگوں کو صرف تمہاری تلاش پر مامور کیا گیا ہے۔ اور ان تھک کوشش کر رہے
ہیں کہ کسی نہ کسی طرح تمہیں حاصل کر لیں۔ حکومت امریکہ نے اعلان کیا ہے کہ تمہارے
لئے اگر سینکڑوں لوگوں کو بھی قربان کرنا پڑے تو دریغ نہ کیا جائے۔ کیونکہ تمہاری زندگی بے
حد قیمتی ہے۔ اور تم نہیں جانتے مسٹر کین! کہ تمہاری تلاش میں کس قدر منظم اور مکمل طریقے پر
کام کیا جا رہا ہے۔ ایک پورا مکمل ترتیب دیا گیا ہے، جو صرف تمہاری تلاش پر مامور ہے۔ اور
اس میں انہائی خطرناک لوگوں کو شامل کیا گیا ہے، تاکہ وہ تمہیں ہر قیمت پر تلاش کریں۔“

”خوب..... اس کا مطلب ہے کہ حکومت میرے ساتھ بہترین تعاون کر رہی ہے۔“
”بہر صورت! مجھے خوشی ہے کہ تم مجھے مل گئے۔“ فلیکس نے ایک طویل سانس لے کر
کہا۔ اور پھر دوسرے لوگوں کی جانب دیکھنے لگا۔ ”مجھے خوشی ہے کہ آپ نے اپنا کام بخوبی
انجام دیا۔“

”شکریہ جتاب! لیکن اب ہم، آپ کو کس نام سے پکاریں؟“

”جو، آپ کا دل چاہے۔“ فلیکس نے جواب دیا
”مسٹر بیک، اب مسٹر فلیکس بن چکے ہیں۔“ میں نے کہا۔ اور یہ قطعی اتفاق ہے کہ میں
لوگ ابھی تک ایک دوسرے کے ناموں سے واقف نہیں ہیں۔“ میں نے مسکرا کر دوسرے
لوگوں سے کہا۔

”کیا مطلب.....؟“ فلیکس نے پوچھا۔

”ابھی تک فرصت ہی نہیں مل سکی کہ ہم ایک دوسرے سے متعارف ہوتے..... اب تمہیں
خدمت انجام دو!“ میں نے فلیکس سے کہا اور فلیکس اُن کا تعارف کرانے لگا۔ اُن میں
پاکٹ کا نام جو گز تھا، دوسرے دونوں افسر پال اور ایڈن تھے۔ تینوں کا تعلق اُسی ملکے سے
تھا، جس کے بارے میں انہوں نے مجھے بتایا تھا۔

پھر فلیکس، مجھے سے اب تک کے حالات پوچھتا رہا، جب سے اُن لوگوں نے مجھے اپنا
تحویل میں لیا تھا۔ ”مجھے یقین ہے کہ شروع سے اب تک کے واقعات اتنے طویل ہوں گے
کہ ہم اس مختصر سے وقت میں انہیں نہیں سن سکتے۔“

”ہاں..... ظاہر ہے۔ بہر حال! مختصر وقت کے واقعات سو یصدی وہی ہیں جو پروگرام۔“

کام رکھا ہے۔ یعنی اگر میں اس وردی میں بھی جاؤں گا تو میری جانب خصوصی توجہ نہیں
لی جائے گی۔ ہاں! البتہ کاغذات کا مسئلہ ہے۔

”کاغذات، تمہاری جیب میں موجود ہیں۔“ میں نے جواب دیا اور فلیکس نے وہ
کاغذات نکال کر دیکھے۔ پھر مطمئن انداز میں بولا۔

”بہت خوب..... بہت عمدہ..... میرا خیال ہے، یہ کاغذات شناخت کے لئے بھی کافی
ہیں۔ اور ان سے کوئی تصویری مسئلہ بھی نہیں پیدا ہوتا۔ کیا تم لوگوں کے پاس بھی اطمینان بخش
ہیں؟“ میں نے سوال کیا۔

”ہاں، بالکل..... بے فکر ہو!“

”خیر! تمہارے مل جانے کے بعد تو میں بے فکر ہی ہو گیا ہوں۔“ فلیکس نے مسکراتے
ہوئے کہا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم ٹیلے کے نزدیک پہنچ گئے، جہاں سے خیے نظر آرہے تھے۔
ہم تھاٹ ہو گئے۔

”وہاں لکھی فوج ہے.....؟“ میں نے پوچھا۔

”ایک کمپنی ہے۔ یہاں سے تھوڑی ڈور کے فاصلے پر سمندر ہے۔ میرا خیال ہے، یہ کمپنی
پہاں سے سمندری سفر کا براہ رکھتی ہے۔ ہمیں بھی اس کے ساتھ ہی سفر کرنا ہے۔ اور اس
کے بعد ہم اس مخصوص جگہ تک پہنچ جائیں گے جہاں سے ہمیں آبوزمل جائے گی۔“

”نہایت جامع پروگرام ہے۔“

”اب تک تو معاملہ ٹھیک ہی ہے۔“ فلیکس نے جواب دیا۔ اب ہم ایک عارضی چیک
پاس پر پہنچ گئے تھے۔ جہاں ہمارے کاغذات چیک کئے گئے تھے۔ اور پھر ہم چھاؤنی میں
واٹل ہو گئے۔ یہاں ایک میجر کے سامنے پیش ہو کر ہم نے اُسے تفصیل بتائی۔ یہ تفصیل اس
قد کمل تھی کہ میر کو شہر نہ ہوسکا۔

”تم میں سے کوئی زخم تو نہیں ہے؟“ میں نے پوچھا۔

”سیس سر..... ایڈی فورس کا سر زخمی ہے۔ لیکن ہم نے ان کی بینڈنگ کر دی ہے۔“

میجر نے اپنے ساتھیوں کو ہمارے لئے تھیوں کا بندوبست کرنے کی ہدایت کی۔ گویا وقتی
ٹول پر ہم محفوظ ہو گئے تھے۔ ہمیں تین خیے دیے گئے، جن میں سے ایک میں نے اپنے اور
فلیکس کے لئے مخصوص کر لیا۔ جو سو لیس یہاں دوسروں کو مہیا تھیں، وہی ہمیں بھی فراہم کی
گئی۔ رات کو فلیکس کا بستر، میرے بستر کے قریب ہی تھا۔

”نہیں پا رہا! ویسے وہ لوگ بے حد چالا کی سے آئے تھے۔ معلوم نہیں، انہیں کوئی شہر ہو گی
تھا یا کیا بات تھی؟ مجھے اندازہ نہیں ہو سکا کہ کوئی میرے قریب پہنچ گیا ہے۔ ٹرک کو بھی میں
نے کافی ڈور کھڑا کیا تھا تاکہ اُس کی آواز کوئی نہ سن سکے۔ لیکن نہ جانے کہاں سے انہوں
نے میری پشت پر حملہ کر دیا۔ مجھے تو کچھ ہوش ہی نہ رہا تھا۔“

”خدا کا شکر ہے کہ تم صرف زخمی ہی ہوئے، تمہیں اور کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ ورنہ تم یقین
طور پر ان سے الجھ پڑتے اور اس کوشش میں زیادہ زخمی ہو سکتے تھے۔“ میں نے کہا۔

”ہاں.....“ اُس نے سر کو ٹوٹ لئے ہوئے کہا۔

”میرا خیال ہے، خون رُک چکا ہے۔ فرست ایڈ بکس ہم ساتھ لے آئے ہیں۔ لاڈا پبلے
میں تمہاری بینڈنگ کر دوں۔“ میں نے کہا اور ٹرک میں موجود فرست ایڈ بکس اٹھا کر اپنے
سامنے رکھ لیا۔

”ہاں! جلدی سے کر دو۔ اس کے بعد یہ ما سک مجھے پہننا دو! ورنہ میرے ساتھی بھی مجھے
پہنچان نہ سکیں گے۔ اور ممکن ہے کہ ہم دونوں کو ہم شکل دیکھ کر اُن لوگوں کو بھی شہر ہو جائے۔
دو ہم شکلوں پر یوں بھی خصوصی توجہ دی جاتی ہے۔“ فلیکس نے کہا اور میں نے فرست ایڈ
بکس کھول کر بینڈنگ کا سامان نکالتے ہوئے کہا۔

”تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔“ اور پھر اس کے زخم پر سے خون صاف کر کے بینڈنگ کر دی۔
فلیکس نے ما سک پہن لیا۔ لیکن زخم کی جگہ کوکھا چھوڑ دیا گیا۔

”میک اپ تم نے خود تیار کیا تھا؟“ میں نے پوچھا۔

”ہاں.....“ فلیکس نے جواب دیا۔

”خیر! تمہاری ذہانت کا تو میں پہلے ہی سے قائل ہوں۔“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا
اور فلیکس بھی مسکرانے لگا۔

”ٹیلے کے قریب کیا کوئی جرم چھاؤنی ہے.....؟“

”ہاں.....“

”تو ہمارے لوگ وہیں رُک کے ہوئے ہیں؟“

”ہاں..... ظاہر ہے، مجھے کسی نہ کسی جگہ کا انتخاب کر کے ہی آگے بڑھنا تھا۔“

”ویسے تمہاری پوزیشن.....؟“

”جرمنوں کی نگاہوں میں کوئی خاص اہمیت اختیار نہیں کی ہے میں نے۔ بس! اپنے کام

"مجھے یقین ہے کہ تم میرے بارے میں جانے کے لئے بے چن ہو گے۔" میں نے کہا۔

"قدرتی بات ہے۔" فلیکس نے جواب دیا۔

"داستان واقعی طولی ہے فلیکس! لیکن مختصر یہ ہے کہ میں نے جس شخص کے میک اپ میں کام شروع کیا تھا، اُس کے آجائے کے بعد کھیل بگر گیا۔"

"اس سے قبل تو تم نے خوب ہنگامے کئے تھے۔"

"تمہیں تفصیل معلوم ہے.....؟"

"مکمل..... میں نے حکومت کے خفیہ مکاموں سے رابطہ قائم رکھا تھا۔ ظاہر ہے، میں بھی پرسکون نہیں رہ سکتا تھا۔ بہر حال! تمہارے کارنا موں کو نہایت فخر کے ساتھ سنایا جاتا تھا۔ مجھے علم ہوا کہ تم نے جرمن گستاپ کے ایک افسر، شایلاک کے روپ میں حکومت کی خوب مدد کی اور تمہاری ذہانت نے پیش بہا کارنا میں انجام دیئے۔ اور اس کے بعد یا کیک تم روپیش ہو گئے۔"

"بس! شایلاک کے پیغام جانے سے کام بگر گیا۔"

"یہ بات طولی عرصے تک معلوم نہیں ہو سکی تھی۔ لیکن جب حکومت کو اطلاع میں تو اُس نے سخت اقدامات کئے۔ سب سے پہلے میں نے خود کو پیش کر دیا..... اور تم یقین کرو کیں! کہ شدید ہنگاموں کے بعد میں تمہارا سراغ پانے میں کامیاب ہو سکا۔"

"لیکن میں خوش نہیں ہوں فلیکس!؟"

"کیا مطلب.....؟" فلیکس تعجب سے بولا۔

"کچھ بھی ہو جاتا، لیکن تمہیں اس قدر تکلیف....."

"فضل بات ہے۔ تمہیں کچھ ہو جاتا تو یہ زندگی میرے لئے کتنی کھن ہو جاتی؟" فلیکس نے کہا۔

"اوہ، ڈیٹر فلیکس! تم جذباتی ہو رہے ہو۔" میں نے کہا۔

"ہاں..... میں جذباتی ہو رہا ہوں۔ لیکن یقین کرو! کہ اس سے پہلے میں کسی کے لئے جذباتی نہیں ہوں۔ بہر حال! چھوڑو ان باتوں کو۔ تم اب یہ بتاؤ! کہ تمہارا اگلا پروگرام کیا ہے؟"

"کیا مطلب.....؟" میں نے پوچھا۔

"میرا مطلب ہے کہ ہم کسی نہ کسی طرح تو آبدوز تک پہنچ ہی جائیں گے۔ اور اس کے بعد ہیں آزادی بھی مل جائے گی۔ لیکن کیا تم اس کے بعد بھی امریکی مفادات کے لئے سورکام کرتے رہو گے؟ میرا مطلب ہے، جنگ میں....."

"ہاں..... ارادہ تو یہی ہے فلیکس! تمہارا کیا خیال ہے؟"

"میں چاہتا ہوں کہ اب تم یہ ذمہ داریاں ختم کر دو۔ تم جو کچھ کر سکے ہو، وہی کافی ہے۔ حکومت اس کا اعتراف بھی کر سکی ہے۔ ہم ان ذرا رائے سے دولت کمانے کے خواہش مند ہیں ہیں۔ حالانکہ حکومت امریکہ نے ہمیں وہ مراعات دے رکھی ہیں، جو بیہاں کے ان ہم لوگوں کو بھی حاصل نہیں ہیں جو وہاں کے رو سما اور امراء میں شمار کئے جاتے ہیں۔ لیکن ان کے باوجود میں نہیں چاہتا کہ تم مزید اجھنوں کا شکار ہو۔ یہ حکومتوں کی جنگیں ہیں۔ اور اب تو قریباً تمام دنیا اس کی لپیٹ میں آچکی ہے۔"

"ہاں..... ذرا جنگ کی صورت حال تو بتاؤ!" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

اُس نے بتایا کہ اب جنگ ایک لامدد و دائرے میں پھیل گئی ہے۔ جاپان بھی جنگ میں شامل ہو گیا ہے۔ اور جاپان کے شامل ہو جانے سے امریکہ کو ایشیاء میں سخت تکالیف کا سامنا کرنے کا انداز میں کہا۔

"تو ڈیٹر فلیکس! یہی موقع ہے، جب ہم اپنی حشیثت مزید کچھ بڑھا سکتے ہیں۔"

"دیکھو کیں! اب تم جو بھی کرو گے، میری شمولیت کے بغیر نہیں کر سکتے۔" اُس نے فیصلہ کیا۔

"اوہ..... نہیں فلیکس! میں تمہیں زیادہ اجھنوں میں نہیں پھنسانا چاہتا۔"

"کیوں.....؟ میں تم سے الگ تو نہیں ہوں کیں؟" فلیکس نے کہا۔

"نہیں..... اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ میں تمہیں خود سے الگ سمجھتا ہوں۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اگر تم جسمانی طور پر فتح ہوتے تو یقینی طور پر ہم دونوں مل کر کام کرتے۔ اب تم اگر جسم کے دو حصے سمجھا ہو گئے ہیں۔ تم دماغ ہو اور میں جسم..... تم سوچتے ہو اور میں لے کر تاہوں..... اور اب تمہارا کام صرف یہ ہے کہ اپنے جزیرے کی ترقی کے بارے میں پتھر رہو۔"

"برگز نہیں..... ہرگز نہیں کیں! میں اس وقت تک جزیرے کا رخ نہیں کروں گا، جب کنم تم میرے ساتھ نہیں ہو گے۔" فلیکس نے سخت لمحے میں کہا۔ میرے ہونتوں پر مسکراہٹ

پھیل گئی۔ فلیکس کی ضد میں جو خلوص تھا، میں اس سے انکار نہیں کر سکتا تھا۔
دیر تک ہم آپس میں لفڑکو کرتے رہے، اور پھر سو گئے۔

یہ رات سکون سے گزرا۔ ہمیں یہاں کوئی خاص وقت پیش نہیں آئی تھی۔ اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ کاغذات میں ہماری نظاہری کیفیت نے ان لوگوں کو مطمئن کر دیا تھا۔ ہماری جرمی زبان سے واقعیت بھی یہاں لئے بہتر ثابت ہوئی تھی۔ یقین طور پر ایسے لوگوں کو یہاں بھیجا گیا ہوا گا، جو جرمی زبان پر پوری طرح عبور رکھتے تھے۔ حالانکہ وہ اچھی طرح جرمی زبان پر قادر نہیں تھے۔ لیکن پھر بھی ان کی زبان اتنی عمدہ تھی کہ ان پر شک نہیں کیا جا سکتا تھا۔

تین روز اسی طرح گزر گئے۔ فلیکس آج کسی حد تک بے چین تھا۔ میں نے اُس کی بے چینی کی وجہ پوچھی تو وہ بولا۔ ”نظاہر ہمارے لئے کوئی وقت نہیں ہے۔ لیکن ایک ایک لمحہ تھی ہے۔ ابھی تو یہاں سے رواگی کے خاص آثار نہیں ہیں۔ نہیں میں سے صرف آٹھ روڑ رہے گے ہیں۔ اور ہم نہیں کہہ سکتے کہ جہاز ہماری منزل مقصود پر کب تک پہنچ گا؟ ابھی تو وہ آیا ہی نہیں ہے۔“

”ہاں! یہ تو ہے..... لیکن یہ بات اتنی پریشان کن بھی نہیں ہے۔“
”کیوں.....؟“

”یعنی یہاں تک پہنچ گئے ہیں تو آگے بھی کچھ نہ کچھ ہو جائے گا۔“

”اگر ہم آبدوز تک مقررہ وقت پر نہ پہنچ سکے تو پھر کیا ہو گا؟“ فلیکس نے پوچھا۔
”کوئی اور ذریعہ تلاش کریں گے۔ کیا اس سے قبل، ہم دوسروں پر ہی تکمیل کرتے رہے ہیں؟“

”اوہ! نہیں، نہیں..... میں جانتا ہوں، ڈن کیں کیا ہے۔ یا تمہارے جیسی ہمت بڑی مشکل سے کسی کو نصیب ہوتی ہے۔ میں نے بہت کوشش کی، بلکہ خود کو تمہارا ہم پل نہیں پالا۔“
فلیکس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”ارے نہیں..... اب کسر نفسی سے کام مت لو۔ مجھے تلاش کرنا اور پوری جرمی قوم کو دھوکہ دینا آسان کام تو نہیں تھا۔“

”یوں تو تم ہمیشہ ہی میرا دل بڑھاتے ہو۔ اور یقین کرو! تمہاری اس ہمت افرائی میرے اندر نئی زندگی پیدا ہو جاتی ہے۔“

”ہم اسی طرح ایک دوسرے کا دل بڑھاتے رہیں گے فلیکس! چلو، اب سو جاؤ۔“ میں نے کہا اور ہم سونے کے لئے لیٹ گئے۔ لیکن صح ہونے سے پہلے ہی ہمیں جا گنا پڑا۔ ایک بڑوگی سی بھی ہوئی تھی۔“

”عملہ.....؟“ فلیکس نے سوالیہ انداز میں میری طرف دیکھا اور میں باہر کی آوازیں اخن لگا۔ لیکن میرے تجربے کارکنوں نے بتا دیا کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ بہر حال! ہم بھی بیوں سے باہر آگئے۔ اور پھر وجہ بھی معلوم ہو گئی۔ جو جہاز ہمیں لینے کے لئے آنے والا تھا، اُنکا تھا۔

فلیکس نے گرجوشی سے میرا شانہ دبایا۔ ”کاش! ہم مقررہ وقت پر پہنچ جائیں۔“ اُس نے انشے سے کہا۔

یہ اعلان کیا گیا کہ فوجی خیمنے اکھاڑ لیں اور تیاریاں مکمل کر لیں۔ سورج نکلنے تک جہاز میں بیٹھا ہے۔ گویا جہاز ساحل سے لگ گیا تھا۔

”رات کو تو آثار نہیں تھے۔“ فلیکس نے پر خیال انداز میں کہا۔

”آؤ! تیاری کریں۔“ میں نے کہا۔ اور تیاریاں ہی کیا کرنی تھیں؟ خیمنے اکھاڑ لئے گئے اور اپنا سامان پیک کر لیا گیا۔ اس کام سے ہم آدھے گھنٹے میں فارغ ہو گئے۔ پھر ساحل کی اُن مارچ کا حکم ملا اور ہم سب ترتیب سے چل پڑے۔

”فوجی ترتیب حاصل کرنی پڑی ہو گی کیں.....؟“

”یہ تو بہت پرانی بات ہے۔“ میں مسکرا کر بولا اور فلیکس نے گردن ہلا دی۔ فوجی کمپنی اہل ملک پہنچ گئی جہاں سفید رنگ کے چھوٹے چھوٹے ٹب ساحل سے لگے ہوئے تھے۔ ان کے سامنے کی دیوار گری ہوئی تھی اور فوجی آہنی پل سے گزر کر بیب میں جا رہے تھے۔ جو شب اُن جا تا، وہ دُور کھڑے ہوئے جہاز کی طرف روانہ ہو جاتا۔

ہم سب کوشش کر کے ایک ہی ٹب میں سوار ہو گئے۔ اور تھوڑی دیر کے بعد ہمارا بھی جہاز سے جا لگا۔ جہاز سے لمبی لمبی سیر ہیاں لکھی ہوئی تھیں۔ دوسرے فوجیوں کی طرح ہم بھی ناچکیں اپنے ایک جہاز پر پہنچ گئے جس پر بے شمار فوجی لدے ہوئے تھے۔

لٹکا جہاز تھا۔ اسلئے لیس..... اور اس کا نام پیرا ڈو تھا۔ جو جرمی زبان میں بڑے نام تھا۔ اس کو کھا ہوا تھا۔ فوجی، جہاز کے کیوں میں موجود تھے۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ الارقت فوجیوں کے لئے پسخ جہاز کا کام کر رہا تھا۔

نے سوار ہونیوالے فوجیوں کے بارے میں کوئی چھان بین نہیں کی گئی۔ وہ ٹرک دیں

چھوڑ دیا گیا جو ہم لائے تھے۔ بہرحال! پروگرام کے مطابق جہاز نے ٹھیک دس بجے لنگرا آئنا لیا۔ ہم لوگوں کو ایک پُرسکون گوشے میں پناہ مل گئی۔ ویسے یہاں بھی ہم ساتھ ساتھ تھے۔

سورج بلند ہونے لگا۔ فوجیوں کو چائے پیش کی گئی۔ ضرورت کی دوسری چیزیں بھی فراہم کرو گئیں۔ بظاہر ہم لوگ مطمئن تھے۔ کوئی ایسی ابھن نہیں تھی جو جہاز پر آنے کے بعد ہمیں پیش آئی ہو۔ ذرا سا اگر کوئی احسان تھا تو یہ کہ جہاز پر بھی ہمارے کاغذات چیک کر جائیں گے۔ گو، کاغذات میں کوئی گزبر نہیں تھی۔ لیکن اس کے باوجود یہ احساس ضرور تھا کہ ممکن ہے، کوئی ذہین افسر، ان کاغذات میں کوئی کمی تلاش کر لے۔

لیکن اُن بے شمار فوجیوں کو کسی خاص جگہ پہنچانے کا معاملہ معلوم ہوتا تھا۔ اسی وجہ سے جہاز پر زیادہ چھان بین نہیں کی جا رہی تھی۔

جس حصے میں ہم لوگ تھے، وہ سورج کی پیش سے محفوظ نہیں تھا۔ کیونکہ جہاز پر نئے آئنے والوں کے لئے کسی نے اتنی تکلیف نہیں کی تھی کہ وہ اپنی پُرسکون جگہ کو چھوڑ دیتا۔ ویسے یہ بات ضرور تھی کہ جگہ مل گئی تھی۔ یوں بھی فوجیوں کے لئے دھوپ اور اسی قسم کی تکالیف کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتیں۔ اس لئے اس طرف کوئی توجہ نہیں دی جاتی۔ ہاں! خاص بات یہ تھی کہ ہم عام فوجیوں میں شامل تھے۔ یعنی ہمارے لئے کوئی خصوصی انتظام نہیں کیا گیا تھا۔

فلیکس، میں، پال اور ہمارے دوسرے ساتھی اطمینان سے دراز تھے۔ دوپہر کے کھانے کا وقت ہوا تو کھانا فراہم کر دیا گیا۔ کھانا کھانے کے بعد ہم دوبارہ اپنی اپنی جگہ پر دراز ہو گئے۔ فلیکس کے ہونٹوں پر بڑی عجیب سی مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔

”میں جانتا ہوں ڈیر کین! کہ اس دوران تم نے بے شمار مصالب اٹھانے ہوں گے۔ بعض اوقات انسان کی زندگی کتنے عجیب و غریب حالات کا شکار ہو جاتی ہے؟ رو سیوں کی قید میں جہاں ہماری پہلی ملاقات ہوئی تھی، تم نے آزادی کے لئے جو مصالب برداشت کئے تھے، بلاشبہ اور اذان قوت سے باہر تھے۔ خاص طور پر اس شکل میں کہ تم نے میرا بوجھ بھی اپنے کندھوں پر آخایا ہوا تھا۔“

”کیا کہنا چاہتے ہو فلیکس؟“ میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

”میں یہی کہنا چاہتا ہوں ڈیر کین! کہ مشقت کی زندگی کیا ہر شخص کے لئے مناسب نہیں ہوتی؟ زندگی میں خواہ کتنی ہی آسائیں کیوں نہ ہوں..... اس کے باوجود انسان کو اس قدر

ہیں کا عادی ہونا چاہئے کہ وہ کسی بھی وقت خود کو بے بس قصور نہ کرے۔“

”ہاں! مشقت تو انسانی زندگی کے لئے بے حد ہم ہے۔ حالات چونکہ عموماً موافق نہیں

ہیں لئے ہمیں ہر قسم کے مشکل حالات سے نہیں کے لئے خود کو تیار رکھنا چاہئے اور اس

کے ضروری ہے کہ انسان مشقت کا عادی ہو۔“

”وہی میں کہہ رہا تھا۔“ فلیکس بولا۔ پال اور جو گزروغیرہ بھی ہماری گفتگو میں شامل ہو

۔ ہم آہستہ آہستہ باتیں کر رہے تھے اور زبان انگریزی ہی استعمال کی جا رہی تھی۔ لیکن

بات سے ہوشیار تھے کہ جب کوئی جمن ہمارے نزدیک سے گزرے تو ہماری زبان

ہیں ہو۔ اور اس سلسلے میں بھی مستعد تھے۔

”میری تو اس وقت ایک ہی خواہش ہے۔“ فلیکس نے کہا۔

”آبدوز.....؟“ میں نے مسٹرا کر اسے دیکھا اور فلیکس نے آنکھیں بند کر کے گردن ہلا

۔

”ہاں..... بس! ایک بار تمہیں یہاں سے لے جانا چاہتا ہوں۔ اس سے مجھے ڈھرا فائدہ

۔“ فلیکس نے مسکراتے ہوئے کہا اور میں اُسے بغور دیکھنے لگا۔

”ڈھرا فائدہ کس طرح.....؟“

”میرے مشن کے دو مقاصد ہیں۔ اول تو تمہاری حفاظت اور رفاقت۔ جزیرے پر میں

شاہوں کی سی زندگی بس رکر رہا تھا۔ لیکن شہنشاہوں کی سی زندگی گزارنے کے لئے بھی

اپنی علاش ضروری تھی۔“

”نبرد.....؟“ میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

”نبرد یہ کہ تم نے حکومت امریکہ کے لئے کئی اہم کارناٹے انجام دے کر امریکیوں

اصل بیٹت لئے ہیں۔ میں بھی اپنا ایک الگ مقام حاصل کرنے کے چکر میں ہوں۔ اور

اصل نے تمہیں صحیح و سالم امریکیوں کے حوالے کر دیا تو پھر میں بھی ایک نمایاں مقام کا

لہوں گا۔“

”خوب.....“ میں ہنس پڑا۔

”کیوں..... کیا تم نے میری بات پر یقین نہیں کیا؟“

”ہاں، فلیکس..... اس لئے کہ میں، تمہاری شخصیت سے واقع ہوں۔ تمہیں کسی نمایاں

کا ضرورت نہیں ہے۔“

"اب ایک اور خاص بات ہے کین!، فلیکس نے پڑخیال انداز میں کہا۔

"وہ کیا.....؟"

"خدا کی پناہ! یوں لگتا تھا جیسے ہم سب جلس کر ختم ہو جائیں گے۔" جو گزر پھر بول پڑا۔
پھر تھوڑی دیر بعد ہم کھڑے ہو گئے۔ شام کی چائے مل رہی تھی۔

"یا! اس شدید گرمی میں گرم چائے کچھ عجیب سالگ رہا ہے۔ حالانکہ ہونا یہ چاہئے
کہ کچھ ٹھنڈے مشروبات ویئے جاتے۔" فلیکس بولا اور جو گمراہ پال اُس کی تائید میں سر
نکلنے لگے۔

"اپنی خواہش کا اظہار کر دو۔" میں نے طنزیہ لہجہ اختیار کیا۔

"پاگ! ہوں کیا، خواہ خواہ مخواہ مصیبت کا شکار ہو جاؤ؟" فلیکس جلدی سے بولا اور میں
نکلنے لگا۔

شام واقعی خوشگوار تھی۔ دن بھر جھلتے ہوئے فوجی اب پرسکون ہو گئے تھے اور ایک
ہرے سے نہ بول رہے تھے۔ جہاز کوں سے سفر کر رہا تھا۔ جانے یہ کون سا علاقہ تھا؟
بے ہوشیں اب کافی نبی پیدا ہو گئی تھی۔

نہ جانے ہم کون سے راستے سے گزر رہے تھے؟ اس کے بارے میں ہم نے کوئی رائے
نہیں کی۔ لیکن گلیشیر ز قدم پر جہاز کے راستے میں حائل ہو رہے تھے۔

جس موسم میں ہم سفر کر رہے تھے، اس موسم میں گلیشیر ز کی موجودگی جیت ناک تھی۔
ٹینٹایڈ فاصلہ کافی تیز رفتاری سے طے ہوا تھا اور جہاز اتنی ڈورنکل آیا تھا کہ موسم ہی بدل
باتھا۔

رات بھی نہیں ہوئی تھی کہ تیز ہوا کیں چلنے لگیں۔ اور سمندری لہریں بلند سے بلند ہو نے
گئی۔ فوجی ٹولہ ایک بار پھر گھبرا گیا تھا۔ دن بھر تپتی ہوئی دھوپ میں نہ آرام کر سکے تھے اور
نماگون پاسکے تھے کہ اب رات کو بھی سمندری طوفان سے پالا پڑ گیا تھا۔

"یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔" فلیکس نے کہا۔

"کیا!.....؟" میں نے منکراتے ہوئے پوچھا۔

"یا! یہ سمندری طوفان اور پھر یہ گلیشیر ز میرا خیال ہے کہ ہم دنیا کے شامی حصے
نکر رہے ہیں۔" فلیکس نے پڑخیال انداز میں کہا اور ہم سب خاموش رہے۔ کوئی بھی
ٹینٹایڈ کا شکار نہیں کر سکتا تھا۔ "میرا خیال ہے کہ اب فوجی تھوڑی تھوڑی پی کر مست ہو
نگاہ کے۔ ان میں سے کسی کو دوست بنا کر اصل بات اگلوائی جا سکتی ہے۔"
نگاہ ہے یہ کوشش تم کرو گے؟"

"جہاز کی منزل تو ہمیں معلوم ہے۔ گو، جہاز ہماری مطلوبہ جگہ ہی جائے گا۔ لیکن اس کے
باوجود"

"ہوں میرا خیال ہے کہ چند فوجیوں سے گفتگو کر کے یہ بات معلوم ہو سکتی ہے۔ اور
کسی سے دوستی کر لینا کون سا مشکل کام ہے؟"

"لیکن میں محسوس کر رہا ہوں کہ جوں جوں سورج چڑھتا جا رہا ہے، یہ لوگ بدوں
ہوتے جا رہے ہیں۔ ویسے دھوپ واقعی تیز ہے۔"

"شام کو سکی۔" میں نے جواب دیا اور فلیکس خاموش ہو گیا۔ سورج اب سروں پر بلند ہو
گیا تھا۔ اور اب اس نے اپنی تمام تر حشر سامنیوں کے ساتھ آگ برسانی شروع کر دی تھی۔
فوجی، ہر چھاؤں کی جگہ پر پناہ لینے لگے تھے۔ عرشہ طرح طرح کے سامنیوں سے ڈھک گیا
تھا۔ نیچے کے حصے کھپا کھپا بھر گئے تھے۔ لوگوں نے اپنی وردیاں تک آتا رک سامنے بنا لئے
تھے۔ اور ہم بھی اُن میں شامل تھے۔ اپنے مختصر سامنیوں کے نیچے جنم کا جو حصہ چھپا سکتے
تھے، چھپا لیا۔ بڑا تکلیف دہ سفر تھا۔

پھر جب سورج نے اپنی کامرانی کے جھنڈے گاڑ دینے اور کمزور انسانوں کی بے بی سے
پوری طرح لطف اندازو ہو چکا تو اُس نے آگے بڑھنے کا فیصلہ کر لیا، اور دھوپ کی تمازت کم
ہوتی گئی۔ فوجی، زبانیں نکالے کتوں کی طرح ہانپ رہے تھے۔

سورج کی گرمی کم ہوئی تو جہاز پر نئے سرے سے زندگی کا آغاز ہوا۔ "درصل! اتنی
تکلیف نہ اٹھانی پڑتی۔ لیکن جہاز میں گنجائش سے زیادہ فوجیوں کو ٹھوٹیں دیا گیا ہے۔" پال
نے اپنا جھلتہ ہوا بدن کھجاتے ہوئے کہا۔

"خدا کی پناہ! یوں لگتا ہے جیسے ہم آگ کے سمندر میں سفر کر رہے ہوں۔" جو گزر گہرا
گہری سانسیں لے کر بولا۔ دوسرے لوگوں نے اس بات پر کوئی تبصرہ نہیں کیا تھا۔ سب کے
سب گرمی کا شکار تھے۔ سچ بات تو یہ تھی کہ بولنے کو بھی دل نہیں چاہ رہا تھا۔ میں اور فلیکس بھی
خاموش تھے۔ گرمی کی شدت نے ہم سب کو ٹھنڈا کر دیا تھا۔ اور یہ کیفیت صرف ہماری ہی
نہیں، بلکہ جہاز پر جتنے بھی افراد موجود تھے، سب ہی اس حالت کا شکار تھے۔ حتیٰ کہ نام
ہونے لگی۔ دھوپ کم ہو گئی تھی۔ اور اب ٹھنڈی ہوائیں چنان شروع ہو گئی تھیں۔

"ہاں..... کیا حرج ہے؟"

"تب پھر ٹھک ہے۔ کرو!"

"اچھا....." فلیکس نے کہا اور آگے بڑھ گیا۔ پھر کافی دیر تک فلیکس والپس نہیں آیا۔ میں بھی عرش پر دوسری تفریحات میں مشغول ہو گیا تھا۔ یہ تفریحات، سمندر کو دیکھنے اور ایک دوسرے سے گفتگو کرنے پر مشتمل تھیں۔ لیکن میں نے اس دوران کسی کو اپنا دوست بنانے کی کوشش نہیں کی اور جہاز کے دوسرے حصوں میں گھومتا رہا۔

کافی دیر کے بعد فلیکس سے میری ملاقات ہوئی۔ وہ مجھے تلاش کرتا پھر رہا تھا۔ ویسے فلیکس پر جب بھی میری گاہ پڑتی، ایک عجیب سماحت میرے ذہن میں جاگزیں ہو جاتی۔ فلیکس کی اپنی نائگ نہیں تھیں۔ لیکن لکڑی کی نائگ پر چلنے کا اتنا بڑا ماہر تھا کہ اسے دیکھ کر سخت حیرت ہوتی تھی۔ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ ایک معمور انسان ہو گا۔

میں نے اس کے چہرے پر سرست کے آثار دیکھے تھے۔ "وقت مہربان ہے۔" اس نے قریب پہنچ کر کہا۔

"شاؤ....." میں نے مسکرا کر کہا۔

"جہاز، ویو آئی لینڈ کی طرف ہی جا رہا ہے۔"

"اور وہی تمہاری مطلوبہ جگہ ہے؟"

"ہاں.....!"، فلیکس نے خوشی کے عالم میں کہا۔

"خوب..... بہر حال! میں خوش ہوں کہ تمہاری خواہش پوری ہو گئی۔" میں خوش ہوں کہ تمہاری خواہش پوری ہو گئی۔

'یوں تو پورا پروگرام ہی معلومات کے تحت ترتیب دیا گیا تھا، لیکن کوئی کام جب تک مکمل نہ ہو جائے، ہم کیا کہہ سکتے ہیں؟'"

"کسی سے دوستی ہوئی.....؟"

"ہاں..... اس کا نام ڈین برگ تھا۔ سب لیفٹینٹ..... اس نے مجھے سکریٹ کا ایک نیک بھائی دیا ہے۔" فلیکس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ویسے میرے سلسلے میں کسی امریکی افسر نے تمہاری مدد کی تھی.....؟"

"سب نے کیم! یقین کرو، تم تصور بھی نہیں کر سکتے کہ امریکیوں کے دلوں میں تمہارے شما تھا۔ رات کے تقریباً ایک بجے کپتان کی طرف سے اعلان ہوا کہ فوجی ہوشیار رہیں۔ لئے کیا جذبات ہیں؟" میں نے ان میں سے ہر شخص کو تمہارا منون اور خیر خواہ پایا۔"

فلیکس نے کہا اور میں خاموش ہو گیا۔

"ویسے موسم حیرت انگیز طور پر بدلتا گیا ہے۔ اور یہ موسم خطرناک بھی ثابت ہو سکتا ہے۔" فلیکس نے آسمان کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

"اگر ہم ویو آئی لینڈ کی طرف جا رہے ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ سارے دنیا سے ہم گزر سکتے ہیں۔ دونوں سمندروں میں موسم کی تبدیلی تو ضروری ہے۔"

"لیکن اس قدر تبدیلی.....؟"

"ہاں..... دنیا عجائبات سے پڑتے ہے۔ ویسے جہاز کی رفتار بھی خاصی تیز ہے۔ میرا خیال ہے تھا کہ مقرہ وقت تک ہم، ویو آئی لینڈ پہنچ جائیں گے۔"

"امکاں، اسی بات کا ہے۔" فلیکس نے مطمئن لمحے میں کہا۔ اُس کے چہرے پر اب تک دب چکی چھائی ہوئی تھی، وہ مست رہی تھی اور وہ کافی حد تک سرور نظر آ رہا تھا۔ ہم کافی دیر سخت حیرت ہوتی تھی۔ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ ایک معمور انسان ہو گا۔

میں نے اس کے چہرے پر سرست کے آثار دیکھے تھے۔ "وقت مہربان ہے۔" اس نے بکان کی طرف چلے گئے۔

جہاز کے سفر کے چوتھے دن موسم باانکل بدلتا گیا تھا۔ آج تو پورا دن آسمان پر بادل الجائے رہے تھے اور جمن فوجی خوشی سے عرش پر ہنگامے برپا کر رہے تھے۔ ہم صرف ناشاید میں شامل تھے اور اُن لوگوں کی حرکتوں سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔

سمندر میں اب بڑے بڑے گلیشیر نظر آنے لگے تھے۔ بعض اوقات تو یوں لگتا تھا جیسے الٰہی الشان پہاڑ، جہاز کے راستے میں حائل ہو۔ ایسے موقع پر کپتانوں کو بڑی مہارت

عکام لینا پڑتا تھا۔ کئی بار جہاز کا رُخ بدلتا پڑا تھا۔ بعض اوقات تو خطرے کی گھٹیاں بھی بچ نہ ہو جائے، ہم کیا کہہ سکتے ہیں؟"

"کسی سے دوستی ہوئی.....؟"

"ہاں..... اس کا نام ڈین برگ تھا۔ سب لیفٹینٹ..... اس نے مجھے سکریٹ کا ایک نیک بھائی دیا ہے۔" فلیکس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ویسے میرے سلسلے میں کسی امریکی افسر نے تمہاری مدد کی تھی.....؟"

"سب نے کیم! یقین کرو، تم تصور بھی نہیں کر سکتے کہ امریکیوں کے دلوں میں تمہارے شما تھا۔ رات کے تقریباً ایک بجے کپتان کی طرف سے اعلان ہوا کہ فوجی ہوشیار رہیں۔

لبے حد خراب ہو گیا ہے۔ اور دھنڈ کی وجہ سے راستہ نظر نہیں آ رہا۔ کوئی حادثہ پیش آ

”کیا ہوا تھا۔ پانی سے دوسری جانب دیکھنا ناممکن تھا۔ تاہم میں اور فلیکس، اندر ہیرے اور نہیں آنکھیں پھاڑے دیکھنے کی کوشش کرتے رہے۔ پھر میں نے ایک بھاگتے ہوئے رُزو کا اور زم لجھ میں پوچھا۔

”کیا بات ہے جناب.....؟“

”جہاز کے نیچے اتحادی فوجوں کی آبوزیں پہنچ گئی ہیں۔“ جہاز کے افسر نے بتایا اور ”ہا ہا ایک طرف نکل گیا۔ ہم لوگوں نے معنی خیز انداز میں ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

”یہ ہوا.....؟“ فلیکس نے پریشانی سے پوچھا۔

”گو یہ بات بھی تمہارے لئے پریشانی کا باعث ہے؟“ میں نے ہستے ہوئے کہا۔

”تم تو مفت میں مجھے پریشان کرنے لگ جاتے ہو۔“ فلیکس کی جھلاہٹ بہت پر لطف نہیں کرے لئے اسی وقت تمام آفات کا نازل ہونا ضروری تھا کیمیں؟“

”فلیکس.....!“ میں نے اس کا بازو تھپتھپتھاتے ہوئے کہا۔ ”اتحادی آبوزوں کو یہ نہیں علم ہو گا کہ اس جہاز پر وہ لوگ بھی سفر کر رہے ہیں، جن کے لئے مشن ترک کیا جا سکتا ہے۔“

”تو میں اور کیا بکواس کر رہا ہوں؟“ فلیکس بولا۔

”تو اس وقت مصلحت کا تقاضا کیا ہے؟“ میں نے بھاری لجھ میں پوچھا۔

”کیا یہ سوال پوچھنے کا وقت ہے؟“ فلیکس نے کہا۔ اس کی جھلاہٹ کو میں بخوبی سمجھ رہا ہوں۔

”آؤ.....!“ میں نے اسے اشارہ کیا اور ہم سب ایک طرف بڑھنے لگے۔ چند ساعت بعد ہم لوگ ایک لانگ بوٹ کے نزدیک پہنچ گئے۔ اس وقت تمام جرم فوجوں کا مفاد نہیں شیش نظر نہیں تھا۔ ورنہ یہ لانگ بوٹ بہت سے لوگوں کی زندگی بچانے کے کام آئکی تھی۔ فلیکس شاید میرا مقصود سمجھ گیا تھا۔ وہ خوشی سے اچھل پڑا۔

”یہا تو میں چاہتا تھا کہ تم میرا مذاق اڑانے کی بجائے کچھ سوچو۔“

”افروں! کہ اس افرانفری کے عالم میں ہم کوئی اور بندوبست نہیں کر سکتے۔“

”شلا.....؟“ فلیکس نے پوچھا۔

”پچھا لیے انتظامات جو کسی نئے ہنگامے کی صورت میں مدد دے سکتے۔“

”اوہ.....ٹھہرہ، میں.....“ فلیکس تیزی سے پلٹا۔

”کیا حادثہ ضروری ہے؟“ فلیکس نے دانت پیتے ہوئے کہا۔ اور میں اس کی جھلاہٹ پر نہ پڑا۔

”کیا موسم سے بھی جنگ کرو گے؟“

”تمہارا کیا خیال ہے..... کیا میں خوفزدہ ہوں؟ میں کہتا ہوں، جہاز طوفان میں گر جائے، غرق ہو جائے۔ لیکن میں تمہیں کسی نہ کسی طرح محفوظ کر لوں۔“

”کیا اعتماد نہیں کیا ہے؟“ میں نہ پڑا اور فلیکس دانت پیس کر آسمان کی طرف دیکھنے لگا۔ اس نے بارش میں کئی مکہ بھرائے تھے۔ لیکن بارش رُنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ جہاز کے بے شمار حصوں میں پانی بھر گیا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد کپتان کی طرف سے اعلان ہوا کہ فوجی اپنی جگہوں سے پانی نکالیں۔ اور بے شمار فوجی اس کام میں مصروف ہو گئے۔

وہ پانی نکال کر سمندر میں پھینک رہے تھے۔ لیکن بارش کا پانی تھا کہ بھرتا ہی جارہا تھا۔ اور پھر اچانک ایک خوفناک شور بلند ہوا..... ہم سب چونک پڑے تھے۔

پورے جہاز کے سائز چیخ اٹھے تھے۔ فوجی، بدحواس ہو کر ادھر ادھر بھاگنے لگے۔ بارش ابھی تک ہو رہی تھی۔ لیکن خطرے کے سائز، بارش کی وجہ سے نہیں بجے تھے۔

یوں بھی بارش اتنی خوفناک نہیں تھی کہ جہاز کو اس قسم کے خطرے سے دوچار ہونا نہ تھا۔ ہاں! ہم نے عرش سے سمندر میں جو گلیشیر دیکھے تھے، وہ ضرور خطرناک ہو سکتے تھے۔ مگر ہے، جہاز کسی گلیشیر کے قریب پہنچ گیا ہو۔ اور اب اسی کی جانب بڑھ رہا ہو۔

فلیکس، میں اور ہمارے تمام ساتھی اٹھ کھڑے ہوئے۔ میں نے فلیکس سے کہا۔ ”یہی فلیکس! جہاں بھی رہو، ساتھی ہی رہنا۔ اپنے ساتھیوں کو بھی یہی ہدایت کر دو۔ کی وقت ہر جہاز کو کوئی حادثہ پیش آ سکتا ہے۔ اس لئے ہمیں اکٹھے رہنا ہو گا۔“

”بابل.....“ فلیکس نے کہا اور اپنے ساتھیوں کو ہدایت دینے لگا۔

”ٹھیک ہے جناب! ہم جہاں بھی رہیں گے، اکٹھے ہی رہیں گے۔ لیکن یہ سائز کیسے رہے ہیں؟“ ایک فوجی نے پوچھا۔

”ممکن ہے، جہاز کسی بڑے گلیشیر کی زد میں آ گیا ہو۔“ میں نے کہا۔

”آؤ.....! عرش سے دیکھیں۔“ فلیکس نے کہا اور ہم سب دوڑتے ہوئے عرش طرف بڑھ گئے۔ ہم عرش کے اس حصے میں تھے جو اس وقت پانی کی خطرناک بوجا

لیکن میں نے لپک کر اس کا بازو پکڑ لیا۔ ”نبیں فلیکس..... ہرگز نہیں!“
”یقین کرو! میں بہت جلدی واپس آ جاؤں گا۔“ فلیکس نے بازو جھٹانے کی کوشش
کرتے ہوئے کہا۔
”فلیکس..... ہرگز نہیں۔“ میں نے سخت لمحے میں کہا تو فلیکس رُک گیا۔ ”اس انقام
کے کہیں ضروری ہے کہ ہم سمجھا رہیں۔“

”اوے سر.....!“ فلیکس نے ہتھیار ڈال دیے۔
”چلو! ان لوگوں کے ساتھ لاگ بوث میں پہنچ جاؤ۔ سب لوگ افرافری کا شکار ہیں۔
اس وقت کوئی اس طرف توجہ نہیں دے گا۔ لاگ بوث پر قبضہ کرنا ضروری ہے۔ ورنہ اگر
جہاز کو حادثہ پیش آ گیا تو پھر جو ہنگامہ ہو گا، اس کا تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔“
”ٹھیک ہے..... لیکن بک پر کون جائے گا؟“

”میں..... اور ضرورت کے وقت بک کھول کر بوث میں کوڈ پڑوں گا۔“ میں نے کہا۔
”اوہ، جناب! تھوڑی سی خدمت ہمارے سپرد بھی کر دیں۔“ پال نے کہا۔
”نبیں..... بک پر میں چلا جاتا ہوں۔“ ایڈن، جو بہت کم گوتھا، بولا۔
”ٹھیک یہ دوست! لیکن یہ ذمہ داری میں نے اپنے سری ہے..... بڑا کرم! میری ہدایات
پر عمل کرو۔“ اور بالآخر وہ مجبور ہو گئے۔ میں نے انہیں بوث میں بٹھا دیا اور خود اپر چڑھنے
لگا۔ اس وقت اگر کوئی میری جانب متوجہ ہو جاتا تو ہم سب کی شامت آ جاتی۔ جسم کی طور
ہمیں معاف نہ کرتے۔ کیونکہ یہ جہاز کے قانون کی خلاف ورزی تھی۔

☆.....☆.....☆

میں لاگ بوث کے بک تک پہنچ گیا۔ اور اسی وقت جگ شروع ہو گئی..... جہاز سے
یہ وقت کئی فائر کئے گئے تھے۔ لیکن نیچے سے کوئی کارروائی نہیں ہوئی تھی۔ ہم انتظار کرتے
رہے۔ ویسے میں نے لاگ بوث ہینگر چیک کر لیا تھا۔ ضرور پڑنے پر لاگ بوث فوراً سمندر
میں پہنچ سکتی تھی۔ سب کچھ ٹھیک تھا۔ میں آنکھیں چھاڑ کر دوڑتے ہوئے لوگوں کو دیکھتا رہا۔
اور پھر اس ہنگامے کے تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد ایک قیامت خیز دھماکہ ہوا اور پورا جہاز لرز
اٹھا۔.....

میں بڑی طرح ہینگر پول سے ٹکرایا تھا۔ دوسرا جانب بوث میں فلیکس اور ہمارے
”دوسرا ساتھیوں کی چیزیں بھی سنائی دی تھیں..... وہ لوگ بھی شاید بوث سے ٹکرائے تھے۔
یوں لگتا تھا جیسے جہاز کی ہرشے الٹ پلٹ ہو گئی ہو۔ جہاز، تنکے کی مانند روز رہا تھا۔
اور پھر دوسرا خوفناک دھماکہ ہوا، اور وہ کچھ ہو گیا جو موقع تھا..... یقینی طور پر ابدوز سے
تاریڈ فائر کئے گئے تھے۔ اور یہ فاپ بارکل نشانے ہی پر لگے تھے۔

جہاز کا پچھلا حصہ بیٹھنے لگا۔ اذل تو بارش ہی کی بناء پر جہاز میں پانی پھرا ہوا تھا۔ دوسرا
طرف سمندر کا پانی، جہاز کے عقبی حصے میں اتنی تیزی سے داخل ہوا کہ عقبی سمت بیٹھے ہوئے
لوگوں کو سنجھنے کا موقع بھی نہ مل سکا۔ کپتان اپنے کیپن سے نکل آیا اور ملاحوں کے سور و غل
سے ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔ جہاز، نیچے کی جانب جھک رہا تھا۔ چنانچہ کپتان نے جہاز کی
ٹانکی کا اعلان کرتے ہوئے حکم دیا کہ بوس سنبھال لی جائیں۔

اس کے بعد جو افرافری چی تو خدا کی پناہ! بے شمار لوگ اس لاگ بوث کی جانب بھی
بھاگے، جس میں صرف چند افراد موجود تھے۔ میں نے برق رفتاری سے لاگ بوث کا
کنٹرول یور دبادیا اور بوث تیز رفتاری سے جہاز سے نکل کر سمندر میں پہنچ گئی۔ وہ زنجیر، جو
بوٹ سے بندھی ہوئی تھی، اس وقت میرے لئے بے حد کارامد تھی۔ میں نے زنجیر پکڑ لی اور
انی پھرتی سے نیچے اترتا کہ اگر ذرا بھی کہیں ہاتھ بہک جاتا تو میں سمندر میں ہوتا۔ میں،

بب ہیں اطیناں ہو گیا کہ ہم کافی دُور نکل آئے ہیں تو ہم نے دوسری طرف توجہ دی۔ اس وقت ان تھک مختت ہی ہماری زندگی بچا سکتی تھی۔

ہم سب کشتی سے پانی نکالنے میں مصروف ہو گئے۔ اور جو نبی ہم نے ابتداء کی، اچانک فلیکس کے طلق سے عجیب سی آواز لگی۔

”کیا بات ہے فلیکس.....؟“ میں نے چیخ کر پوچھا۔
”حق کیوں پھاڑ رہے ہو پیارے بھائی؟“ فلیکس خوشی سے بولا۔
”کیوں یہ خوشی کا کون سام موقع ہے؟“

”یہ دیکھو.....“ فلیکس نے پانی میں سے ایک ڈبہ نکال لیا۔ یہ غذا کا سر بھر ڈبہ تھا۔ ”یقیناً س میں غذا کا ذخیرہ موجود ہے۔“

”اوہ..... لانگ بوٹ مکمل ہو گئی۔ دوسروں کو ہدایت کر دو فلیکس! کہیں وہ یہ ڈبے پانی میں دوبارہ نہ پھینک دیں۔“ میں نے کہا اور فلیکس چیخ چیخ کر انہیں ہدایات دینے لگا۔

”ادھر خواراک اور پانی کا ذخیرہ موجود ہے۔ گو، بہت تھوڑا ہے۔ لیکن ہم نے اسے سنبھال لیا ہے۔“ پال کی آواز اُبھری۔

صحن تک ہم بوٹ سے پانی نکالتے رہے۔ بے چارہ جو گزرنی ہونے کے باوجود ساتھ دے رہا تھا۔ رات کے آخری پھر بارش بند ہو چکی تھی۔ صحن کی پہلی کرن نمودار ہوئی تو ہم، نٹھال ہو کر بوٹ کے تختوں پر لیٹ گئے۔

پھر دن پوری طرح نکل آیا۔ لیکن سورج نہیں نکلا تھا۔ آسمان پر ابر چھایا ہوا تھا۔ حالانکہ دھوپ، اس وقت ہمارے لئے زندگی کی پیغام بر ہوتی کیونکہ سردی شدید تھی۔ اور ہمیں حرارت کی اشد ضرورت تھی۔

دن کافی چڑھ گیا تو فضائے خلکی کسی قدر کرم ہو گئی۔ پھر میں نے بلکی سی آہٹ سنی۔ فلیکس کھک کر میرے نزدیک ہو گیا تھا۔ میں نے دیکھا کہ اس کے چہرے کے تاثرات اتھنے نہیں تھے۔ ”اب کس پر بیچ و تاب کھار ہے ہو فلیکس؟“

”ساری دنیا پر..... کیا یہی وقت رہ گیا تھا، جہاڑ کو تباہ کرنے گا؟ ابھے خاصے دیوآئی لینڈ پہنچ جاتے۔“

”بڑے خود غرض ہو یار! اتحادی آبدوزوں میں موجود لوگوں سے پوچھو! جو اپنے اس کارناٹے پر بہت خوش ہوں گے۔“

لانگ بوٹ میں پہنچا تو فلیکس نے جلدی سے زنجیر لانگ بوٹ سے الگ کر دی اور بوٹ، جہاز سے دُور ہونے لگی..... پانی کا گرداب، کشتی پر مسلسل دباؤ ڈال رہا تھا۔ ہم سب نے چپو سنگھال لئے اور اسے گرداب سے نکالنے کی کوشش کرنے لگے۔ جہاز پر قیامت برپا تھی۔ لوگ بربی طرح چیخ رہے تھے۔ ہر سو افرافری کا عالم تھا۔ لوگ اپنی جان بچانے کی خاطر دوسروں کو نظر انداز کر رہے تھے۔

ہم سب کی حالت بھی بہت خراب تھی۔ جو گزرا سر، لانگ بوٹ کی سائیڈ سے نکلا کر پھٹ گیا اور اس سے خون بہر رہا تھا۔ لیکن اب اس خون کو پانی نے خود مخدر و ک دیا تھا۔ ہم لوگ بارش کی وجہ سے ایک دوسرے کی شکلیں بھی نہیں دیکھ سکتے تھے۔

پانی کے تھیرے اور ڈوبتے ہوئے جہاز سے پیدا ہونے والا گرداب، بوٹ کو ڈبوئے دے رہا تھا۔ چنانچہ پانی نکالنا بھی مقصود تھا اور بوٹ کو جہاز سے دُور لے جانا بھی..... ہم پانچوں آدمی اسی کوشش میں مصروف تھے کہ کشتی کو جہاز سے بچنی دُور ہو سکے، لے جائیں۔ دوسری طرف جہاز کے مناظر بھی بے حد خوفناک تھے۔ گو، دھندرے نظر آ رہے تھے۔ لیکن آوازیں صاف سنی جا رہی تھیں۔ اور دیکھا بھی جا سکتا تھا۔ بے شمار لوگ، جہاز سے کو دو کر جانیں بچانے میں مصروف تھے۔ حالانکہ یہ ایک احتمانہ کوشش تھی۔ اس بیکار سمندر میں اُن کی حیثیت کیا تھی کہ وہ جان بچا سکتے؟

آخری بار پانی کا جو ریلا آیا، اُس نے بوٹ کو اچھال کر بہت دُور پھینک دیا۔ ہم لوگوں نے بکشل متمام توازن قائم رکھا۔ چوٹیں تو گلی تھیں لیکن کشتی میں بھرے ہوئے پانی کی وجہ سے یہ چوٹیں شدید نہ تھیں۔ پانی نے ہمیں بہت سہارا دیا تھا۔ البتہ اب اس بات کا اندازہ کرنے میں کوئی دقت نہیں ہوئی کہ جہاز، ڈوب چکا ہے۔ گویا، آبدوزیں اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئی تھیں۔ ہم میں سے ہر ایک کا پھرہ زرد تھا۔ دانتوں کے بجھنے کی آوازیں اور خوف کی گھری گھری سانسیں صاف سنی جا سکتی تھیں۔ اس آخری مرحلے میں بڑے خطرات پیش آ سکتے تھے۔ لیکن تقدیر یا در تھی کہ اُس آخری مرحلے سے بھی بچر و خوبی نکل آئے۔ اب جہاز سے کافی دُور نکل آئے تھے۔

سٹھ سمندر پر اب بھی ہنگامہ جاری تھا۔ جہاز سے کو دکر جان بچانے والوں کی آوازیں ہم تک پہنچ رہی تھیں۔ لیکن ہم کشتی کو زیادہ سے زیادہ دُور لے جانے کی فکر میں کوشش تھے۔

”مگراب ہمارا کیا ہو گا؟“

”جو ہو گا، دیکھا جائے گا۔ فکر مند کیوں ہو؟“

”اب تو فکر مند ہونے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ سارا پلان ہی فیل ہو گیا۔ چنانچہ ساری فکریں ختم..... اب تو زندہ رہنے کی فکر کرو۔“

”بہر حال! جب تک سانس باقی ہے، کوئی نہ کوئی فکر ضرور رہے گی۔ کیا تم اپنی حالت بہتر محسوس کر رہے ہو؟“

”بالکل ٹھیک ہوں۔ بس! نیندا آرہی ہے۔“

”اتفاق کی بات ہے کہ ہم بالکل بے بس نہیں ہیں۔ ابھی غذا کا جائزہ لیں گے۔ اور اس کے خرچ کا پروگرام بنائیں گے۔ ارے ہاں! بے چارے جو گز کا کیا حال ہے؟“

”ٹھیک ہے..... میں نے اس کے زخم پر رومال کس دیا ہے۔“

”گز..... کام کے آدمی ہو۔ چلو! اب انھوں، خوراک کا جائزہ لے کر اس کے خرچ کا پروگرام بنائیں۔ پیارے! اسی کا نام زندگی ہے۔ یقین کرو! شدید ترین مشکلات ہی میں زندگی کا لطف آتا ہے۔ ورنہ انسان اُکتاہٹ کا شکار ہو جائے۔“

”فلیکس چند ساعت میری شکل دیکھتا ہا، پھر بے اختیار مکرا دیا۔“ اسی لئے قوم سے عشق ہو گیا ہے۔ تم جو کچھ کہتے ہو، اس کی عملی تصویر پہلے ہی پیش کر چکے ہوتے ہو۔ لیکن میں ایک عام انسان ہوں..... قطعی عام.....“

”بکواس..... میں نہیں مان سکتا۔“

”کیوں.....؟“

”تم کسی مرحلے پر بھی عام انسان ثابت نہیں ہوئے۔ میں نے ہمیشہ تمہیں غیر معمولی خصوصیات کا حامل پایا ہے۔“

”یہ تمہاری محبت ہے کین! بہر حال، خود تمہاری کیا حالت ہے، ٹھیک ہو.....؟“

”بالکل..... اسی طرح، جیسے تم دیکھتے رہے ہو۔“

”بڑے دل گردے کی بات ہے۔ حالانکہ تم ایک طویل جدوجہد اور مشقت سے گزر چکے ہو۔ لیکن تمہارے دم خم وہی ہیں۔“

”میں تمہیں بتا چکا ہوں فلیکس! زندگی کے خطرناک ترین مرحلوں کو بھی میں عام زندگی سے مختلف نہیں بھختا۔ زندگی کے اقدامات چونکہ ہمارے احکامات اور خواہشات کے تالع نہیں“

۔۔۔ اس لئے ہم ان پر کثروں نہیں کر سکتے۔ اور جو چیز ہماری دسترس سے باہر ہو، ہم ہر کی چیز بھجھ لیتے ہیں۔ چلو اخراج کا جائزہ لیں۔ میرا خیال ہے، ہمارے ساتھیوں کو اپنی ضرورت ہے۔ پاں، ایڈن! تم کیا محسوس کر رہے ہو؟“

”آپ دونوں کی باتیں سن کر جیران ہیں۔“ پاں نے کسی قدر تلقفہ انداز میں مسکراتے ہے کہا۔

”کیوں..... جیران کیوں ہو؟“

”بڑی شخصیت کا مالک ہونے کے لئے بڑے خیالات کا مالک ہونا بھی ضروری ہے۔ اس بھیاںک مہم سے بچ گئے تو ان سنبھری اصولوں کے تحت اپنی زندگی کو ترتیب دیں گے۔“

”خوب..... بہر حال! آرام کرو۔ ابھی تمہارے لئے کوئی خطرہ نہیں ہے۔“ میں اٹھ گیا۔ پھر ہم نے ان تمام چیزوں کا جائزہ لیا جو، جرسن جہاز کے کپتان نے حفظ ماقبلہ کے طور پر بوث میں رکھوائی تھیں، اور اس وقت ہمارے لئے زندگی کا پیغام بن گئی تھیں۔

ذکر گوشت کے تین درجن ڈبے، پانی کی چالیس بولیں جو، سر بھر تھیں۔ اور جن پر پیٹ کا پانی، لکھا ہوا تھا، مسرت افراد تھی۔ ہم پانچ آدمیوں کے درمیان گوشت کے دو بے اور پانی کی دو بولیں روزانہ خرچ کے لئے مناسب تھیں۔ اس طرح میں باقی میں روز کل نہ تھے۔ یہ بات طے ہو گئی۔

اور پھر وقت کے لحاظ سے پہلی خوراک تقسیم کر دی گئی۔ گوشت لذیذ تھا۔ پانی پینے کے

درخواست تو انہی محسوس ہوئی اور سب کے چہروں پر بنشاشت دوڑ گئی۔

”تمہارے لئے دوسرا مرحلہ سردي کا ہے۔“ فلیکس! سمندر کے موسم کے بارے میں کچھ لکھ کرہا جا سکتا۔ دیسے ہمیں خوش فہمی کا شکار نہیں ہونا چاہئے۔ کسی بھی وقت سردوہا میں چل نہیں۔“

”لیکن اس سردوی سے بچاؤ کے لئے کیا ہو سکتا ہے؟“

”بظاہر تو کچھ نہیں۔ سوائے اس کے کہ ہم ہواں کا اندازہ لگائیں اور بوث کو جنوب کی بڑے چلیں۔ کیونکہ اونھر موسم قدرے گرم ہو گا۔“

”لیکن، ہم، مسٹ کا تعین کس طرح کریں گے؟“

”اتفاق سے ایک ترکیب میرے ذہن میں آگئی ہے۔“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”وہ کیا.....؟“ سب نے حیرت سے پوچھا۔

کے میں پر آگے بڑھتی رہی۔ چھوٹے چھوٹے گلیشیرز جگہ جگہ نظر آتے تھے۔ اور میرا خیال غلط نہیں تھا۔ جوں جوں ہم آگے بڑھ رہے تھے، سردی بڑھتی ہی جا رہی تھی۔

کافی دیر اسی طرح خاموشی میں گزر گئی۔ ”کیا خیال ہے مسٹر کین! کیا تم اپنی اس حکمت عملی سے کام نہیں لو گے.....؟“، فلیکس نے کہا۔

”گرم علاقے کی ملاش.....؟“، میں نے پوچھا۔
”ہاں.....؟“

”میں بھی یہی سوچ رہا ہوں کہ اب مجھے اپنی کارروائی شروع کر دینی چاہئے۔“، میں نے کہا اور اپنی قمیض اٹار دی۔ سیکنڈ پیلس کی تربیت جگہ جگہ کام آ رہی تھی۔

سمندری سفر کے بارے میں ایک سبق دیتے ہوئے میرے کسی اشتادنے مجھے یہ ترکیب ہتا تھی۔ لیکن میں نے بھی سوچا بھی نہیں تھا کہ زندگی میں کبھی اس ترکیب پر عملی قدم اٹھانے کی نوبت بھی آجائے گی۔ بہر صورت! میں نے عمل شروع کر دیا۔

لانگ بوٹ میں ایک بلند جگہ پر کھڑے ہو کر میں نے خاموشی سے ہواؤں کا تجزیہ شروع کر دیا۔ نجاستہ ہوائیں، میرے برهنہ جسم سے ٹکرائی تھیں اور میرے پورے جسم میں ہلکے ہلکے درد کا احساس جاگ اٹھا تھا۔ لیکن کام تو بہر صورت! کرنا تھا۔ اس لئے میں نے اپنی قوتِ ارادی کے ذریعے اس درد سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کی۔

میں کافی دیر تک ہواؤں کا تجزیہ کرتا رہا۔ اور پھر گرم ہوا کا ایک جھونکا بار بار میرے بائیں ثانے سے ٹکرانے لگا۔ میرے چہرے پر مسٹر کی لہر دوڑ گئی۔ گویا میں نے سمندر کے گرم رخ کو دیافت کر لیا تھا۔ لیکن مکمل اطمینان کے لئے میں نے مزید کچھ دیر و ہاں کھڑے رہنا مناسب سمجھا۔ میرے ساتھیوں کی نگاہیں مجھ پر جبی ہوئی تھیں اور مجھے مسکراتا دیکھ کر فلیکس نے انداز میں عجیب سا اشتیاق پیدا ہو گیا تھا۔ چند ہی ساعت کے بعد وہ میرے قریب تھا۔ پھر اس نے میری کیفیت کو محسوس کرتے ہوئے کہا۔

”یوں لگتا ہے میرے دوست! یہیے تم نے کچھ کرڈا ہے۔“

”ہاں فلیکس! میں نے کہا تھا! کہ جو کچھ کہتا ہوں، اس پر عمل ضرور کرتا ہوں۔ میرا خیال ہے، میں نے گرم سمندر کا رخ دریافت کر لیا ہے۔“

”آہ..... تو پھر جلدی سے ہمیں بتاؤ! تاکہ ہم کمکتی کا رخ اسی طرف موڑ لیں۔ یہ سردی تو اب ناقابل برداشت ہوئی جا رہی ہے۔“

”دیا کو تخلیق کرنے والے نے انسانوں کے لئے اس کائنات کی ہر چیز کا انکشاف کیا ہے۔ سمندر میں چلنے والی ہوائیں، ایک قسم کی نہیں ہوتیں۔ بلکہ ان ہواؤں کے رخ سمندر کے مختلف حصوں کا تعین کرتے ہیں۔ ہمیں تھوڑی سی جدو چہد کرنا ہو گی۔ وہ یہ کہ میں جنم کا اوپری لباس اتنا کر کا ایک جگہ کھڑا ہو جاؤں گا۔ میرے جسم پر مختلف سموں سے ہوائیں نکل ریں گی اور انہی میں ہوا کا ایک جھونکا ایسا بھی ہو گا، جو گرم ہو گا..... اور یہ گرم ہوا، جس سمت سے میرے جسم سے ٹکرانے لگی، اسی سے تعین کیا جا سکتا ہے کہ گرم سمندر کا رخ کون سا ہے؟“

”واقعی..... لیکن یہ طریقہ..... یہ طریقہ تو کسی بہت ہی تجربہ کا رلاح کو معلوم ہوا چاہئے۔“ پال نے تحریر انہ لمحے میں کہا اور فلیکس مسکرانے لگا۔

”جب کوئی حادثہ ہوتا ہے مسٹر پال! تو اس کے لئے کچھ خاص لوگ بھی مہیا ہو جاتے ہیں۔ یعنی صورت حال کے تقاضوں کے مطابق مطلوبہ افراد بھی قدرت فراہم کر دیتی ہے۔ تم دیکھو گے، میرے ساتھی مسٹر کین، عجیب و غریب خصوصیات کے حال ہیں۔ ان کے بارے میں یہ کہنا مشکل ہے کہ یہ درحقیقت کیا ہیں؟ بہر صورت! اس ہم کا اختتام سکون کی وادیوں میں ہو گا..... چنانچہ یہ بات سوچنا بے مقصد ہے کہ میرے ساتھی مسٹر کین ان تمام باتوں کے بارے میں کس طرح جانتے ہیں؟“

”بڑی حیرت انگیز بات ہے۔ ویسے ہمیں اس بات پر یقین اس لئے ہے کہ ان کے لئے حکومت امریکہ کس قدر پریشان ہے؟ اگر یہ ان اعلیٰ خصوصیات کے حال نہ ہوتے تو ظاہر ہے، حکومت اتنے بڑے پیمانے پر ان کو تلاش بھی نہ کرتی۔“

”ہاں..... یہ بھی ٹھیک ہے۔“ فلیکس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ پھر سب خاموش ہو گئے۔

”تھکن تو خیر! ابھی اُترنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ جو مشقت کی تھی، اس کے اثرات اتنی جلدی ختم نہیں ہو سکتے تھے۔ اور معمول پر آنا تو تقریباً ناممکن تھا۔ چنانچہ پیش بھرنے کے بعد وہ لیٹ گئے۔ یہ خوش بختی تھی کہ ہم پانچ آدمیوں کے لئے اتنی بڑی رشتہ موجود تھی۔ اگر ہم پانچوں بیک وقت آرام کرتے، تب بھی کشتی میں آٹھ دس آدمیوں کے پیشہ کی جگہ باقی رہ جاتی تھی۔“

یہ بات کسی حد تک سکون بخش تھی۔ چنانچہ جو گز، پال اور ایڈن لیٹ گئے۔ وہ ہم دونوں کی نسبت ذرا کمزور قوتِ ارادی کے مالک تھے۔ فلیکس اور میں بیٹھے رہے اور کشتی، سمندر

پورپاس کی فکر نہیں تھی۔ لیکن بالآخر اسے بھی ختم ہونا تھا۔۔۔۔۔
فلیکس کے چہرے پر اب کسی حد تک مردی نظر آنے لگی تھی۔ ایک رات، جب وہ زندگی بیٹھا ہوا تھا تو میں نے اُسے دیکھتے ہوئے کہا۔ ”کیا بات ہے فلیکس۔۔۔۔۔ تم یہاں اور پریشان نظر آنے لگے گے ہو؟“

”میں کین! ایسی تو کوئی بات نہیں۔ بس، پکھ سمندری مہمات یاد آ رہی ہیں۔ اکثر ہم یہاں کو عجیب و غریب حادثات سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ کیا یہ حادثات ہماری زندگی میں بڑھ ہونے والے ہیں۔۔۔۔۔؟“

”اُر شروع ہو بھی گئے تو ان کے لئے ابھی سے فکر مند کیوں ہو؟“
”فکر مند نہ کہو میرے دوست! بس، میں سوچتا رہا ہوں کہ اب وہ ساری امیدیں ختم ہوں گے۔ میں جو ہمیں تھیں۔۔۔۔۔“

”اہا! میں محسوس کر رہا ہوں کہ ہمارے ساتھیوں نے بھی سکرانا چھوڑ دیا ہے۔۔۔۔۔ میں انہیں بدل بڑھانا پڑے گا فلیکس! یہ لوگ میری زندگی بچانے آئے تھے۔ اب ان کی زندگیوں کا ہماری ذمہ داری ہے۔۔۔۔۔“

”لیکن کرو کین! میں خود کو بھول کر ان کی دلجوئی میں مصروف رہتا ہوں۔ لیکن اب ان کوں سے ماہی جھانکنے لگی ہے۔۔۔۔۔“

”اکی بھی طرح فلیکس! انہیں زندگی کی طرف واپس لاو۔ ماہی اس سفر کے لئے بہت شکن عکت ہے۔ میں خود بھی کوشش کروں گا۔“ چنانچہ دوسرے دن میں نے ان لوگوں کوکی۔ تینوں میری طرف متوجہ ہو گئے۔

”ایسا ہاتھ ہے جو گز! اب تم اداس ہونے لگے ہو؟“

”اندر پر چند لمحات کی زندگی، اداسی نہ دے گی تو پھر کیا دے گی مسٹر کین؟“ ”جو گز نے اگرا ہٹ کے ساتھ کہا۔۔۔۔۔“

”آج کا خوف ہے۔۔۔۔۔؟“

”آج کی چیز کا نہیں۔ بس! یوں سمجھیں، ایک اکتا ہٹ ہے۔ کیونکہ اب ہم منزل کا لیٹھے ہیں۔۔۔۔۔“

”کیوں۔۔۔۔۔؟“
”لائے کہ ہم ان راستوں پر نہیں ہیں، جو زندگی کی سمت جاتے ہیں۔ ہم، ہر لمحے

میں اب سمت سے مطمئن ہو گیا تھا۔ گرم ہوا، بار بار ایک سمت سے میرے جسم سے گمراہی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ میرا تجویز یہ بالکل درست ہے۔۔۔۔۔ سمندر کے اوپر ہواں کا یہ اشتراک بھی بے حد انوکھا ہوتا ہے۔ حالانکہ ہمارے ڈھنوں میں ہواں کا یہی تصور ہوتا ہے کہ ہوا ایک سمت سے چلتی ہے اور دوسری سمت جاتی ہے۔ لیکن سمندر پر اس تصور کا اطلاق نہیں ہوتا۔

میں نے اپنے ساتھیوں کو مستعد کیا اور وہ سب چپوں کی مدد سے کشتی کا رخ موزنے لگ۔ جلد ہی کشتی نے وہ سمت اختیار کر لی۔

”بس دوستو! ہم اپنی کوشش میں کامیاب ہو چکے ہیں۔“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”میری خواہش ہے کہ اب تم آرام کرو!“ فلیکس بولا۔

”ہاں۔۔۔۔۔ میں بھی اس کی ضرورت محسوس کر رہا ہوں کہ اپنے اس فرض کی ادائیگی کے بعد تھوڑی دیر آرام کرلو۔“ میں نے کہا اور فلیکس نے میرے لئے جگہ بنادی۔
یہاں ہمارے تینوں ساتھی بھی بہت معاون ثابت ہو رہے تھے۔ اب وہ کسی حد تک مجھ سے عقیدت محسوس کر رہے تھے۔ کیونکہ اب تک جو کچھ ہوا تھا، اس میں میری نمایاں کارکردگی، اُن کی زندگی بچانے کا باعث بنتی رہی تھی۔

کشتی، لہروں کے دوش پر ہوا کے رخ بھتی رہی۔ گو، بظاہر ہمیں کوئی وقت یا انجھن نہیں تھی۔ لیکن یہ تصور ہی سوہاں رُوح تھا کہ ہمارے سامنے کوئی منزل نہیں تھی۔ اپنی گھر بیوں کے حساب سے ہمیں سفر کرتے ہوئے اکیس دن ہو گئے تھے۔ ان اکیس دنوں میں کوئی سمندری حاجہ نہیں ہوا تھا۔

غذا کے ذخیرے کو ہم نے کچھ اور تحفظ دے دیا تھا۔ یوں بھی سمندر کی نمکین زندگی میں کھانے پینے کی کچھ زیادہ خواہش محسوس نہیں ہوتی۔ کشتی میں پڑے پڑے ہم، ہاتھ پاؤں ہلانے کے قابل بھی نہیں رہے تھے۔ ہاں! اگر کبھی جسمانی ورزش کی ضرورت محسوس ہوتی تو تیزی سے چپو چلانے لگتے۔ اس طرح ہمارے جسموں میں حرارت دوڑنے لگتی۔ خاص طور پر اس وقت، جب ہمیں سردی زیادہ محسوس ہونے لگتی، ہم چپو اٹھا لیتے اور تھوڑی ہی دیر میں ہماری سانسیں پھیل جاتیں۔

لانگ بوٹ، سمندر کے بیکاراں نیلے پانی پر بھٹک رہی تھی۔ ہم پانچوں ابھی تک عزم و حوصلہ برقرار رکھے ہوئے تھے۔ آپس میں نہیں بول بھی لیتے تھے۔ غذا بھی اتنی تھی کہ ہمیں

موت کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ جس کا ہم سب کو احساس ہے۔“

”جو گز کے الفاظ کے بارے میں آپ لوگوں کا کیا خیال ہے؟“ میں نے دوسروں کی ایک رات ہماری اس چھوٹی سی کشتی کے مسافروں میں سے ایک مسافر کو ایک حادثہ پیش جانب دیکھتے ہوئے پوچھا اور وہ دونوں ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے۔ پھر پال بولا۔ ”بر شام ہی تیز ہوا میں چلنے لگی تھیں۔ اور آثار تھے کہ سمندر میں طوفان پیدا ہو جائے بہرحال! ہماری زندگیاں خطرے میں ہیں۔ لیکن ہم اس کی ذمہ داری ایک دوسرے پر ہوئیں، شدت اختیار کرتی جا رہی تھیں..... رات کے تقریباً ایک بجے کا وقت تھا، ہرگز نہیں ڈال سکتے۔“

”یقین کرو میرے دوست! میرا یہ مقصد نہیں ہے۔ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ ہم لوگ کتنی لہروں کے دوش پر اچھلنے لگی تھی۔ اور ہم نے اپنے لئے وہ حفاظتی اقدامات کر لئے آپ میں ہنتے بولتے رہیں۔ تاکہ کٹھن مراحل سے گزر کر بہتر زندگی کی طرف بڑھتے رہیں۔“ ایام اکثر اپنے موقعوں پر کریا کرتے تھے۔ کشتی کے جھکلے ہمارے لئے ناقابل برداشت آپ کے ان پڑھت اور پڑھوں الفاظ کا احساس ہمارے دلوں میں موجود ہے۔ ہم ہوتے تھے۔ کبھی تبھی وہ کسی لہر کے ساتھ اتنی بلند ہو جاتی تھی کہ معلوم ہوتا جیسے کسی پھاڑ پر کوشش کریں گے کہ اپنے ذہنوں سے یہ ادا سی جھٹک دیں۔“ پال نے کہا اور میں خاموش ہو گیا۔ اور اس کے بعد جب بیچ کا سفر شروع ہوتا تو ہمارے کلیج حلقت میں آ کر انک گیا۔

سورج ڈوبتا لکھتا رہا..... اب تو ہم دونوں کی کتنی بھی بھول گئے تھے۔ سمندر میں کئی بارہ بیانی نشست کو بیٹھا.....

طوفان آئے اور ہم گھنٹوں موت و زیست کا شکار رہے۔ لہروں کے ہاتھوں کھلانا بنے۔ نہایں اچھل گیا تھا..... کئی فٹ اونچا اچھلنے کے بعد جب وہ دوبارہ کشتی میں گرا تو رہے..... کوئی لہر ان گھنٹوں کو توڑ سکتی تھی۔ ہماری شکلیں بدلتی تھیں۔ داڑھی، موجھیں اور ہماری کشتی کے ایک تنخے سے ٹکرایا اور وہ بری طرح زخمی ہو گیا۔ پہلے ہی اس بد نصیب سر کے بال اس قدر بڑھ گئے تھے کہ اصلی شکلیں چھپ گئی تھیں۔ سروں میں جو کیلی پڑ گئی پر چوت لگ چکی تھی۔ جو گردنچ راش انداز میں چیخ پڑا۔

تھیں۔ شب و روز، کشتی کے اندر پڑے پڑے قوئی مضھل ہو گئے تھے۔ بعض اوقات تھا تھا مب اپنی حفاظتی تدابیر بھول کر جو گز کے قریب پہنچ گئے۔ وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔ پاؤں ہلانے کو بھی دل نہیں چاہتا تھا۔ سمندر میں شارک مچھلیاں اکثر ہمارا تعاقب کرتیں اور جلدی سے اپنے لباس سے ایک پٹی چھاڑی اور اسے جو گز کے زخم پر کئے لے گا..... اور میلوں ہمارے پیچھے چلی آتیں۔ لیکن ابھی تک کوئی حادثہ نہیں ہوا تھا۔

خواں کے زخم پر رکھ کر ساری رات بیٹھا رہا۔ تاکہ خون نہ ہے۔ میری خواہش تھی کہ رفتہ رفتہ ندا کا ذخیرہ بالکل ختم ہو گیا اور پھر سمندر کی زندگی کا سب سے خوفناک دور آیا۔ اپنی پڑتال پر۔ ورنہ سمندر کا پانی، اس زخم کو بگاڑ دیتا۔

جس نے مجھے بھی پریشان کر دیا۔ میری نگاہیں کسی موبہوم سی لیکر کی تلاش میں بھکٹی رہتیں۔ تاکہ اس کوشش میں میرا بدن اینٹھ گیا۔ فلیکس اور دوسرے لوگ بھی میرے ساتھ لیکن سمندر میں کوئی لیکر نمایاں نہ ہوئی.....

رات کے آخری حصے میں طوفان، تھم گیا اور صبح بالکل پڑ سکون تھی۔ لیکن پانی کے ذخیرے کو میں نے کافی سنبھال کر رکھا تھا۔ خوراک ختم ہو جانے کے بعد اس کی ہے تھے۔ رات کے آخری حصے میں طوفان، تھم گیا اور صبح بالکل پڑ سکون تھی۔ لیکن اہمیت اور بڑھ گئی تھی۔ ڈھوپ سے بچاؤ کا بھی کوئی انتظام نہیں تھا۔ لیکن جو نہیں سورج نصف بلا ٹھیکی نقاہت کی وجہ سے وہ اپنے آپ کو سنبھال نہیں پا رہا تھا۔

رات بھر کے بھٹھرے ہوئے جسموں میں حرارت کی لہر دوڑ جاتی۔ لیکن جو نہیں سورج نصف بلا ٹھیکی نقاہت کی وجہ سے وہ اپنے آپ کو سنبھال نہیں پا رہا تھا۔ اور یوں محسوں ہوتا جیسے آگ پرانے کو پکھنیں تھا۔ البتہ پانی کے چند قطرے اُس کے حلقت میں ٹکائے گئے۔ دو پھر انہمار پر آتا، ڈھوپ کی شدت ناقابل برداشت ہو جاتی۔ اور اسکی بائسے ہوش آیا تو اُس کی حالت، زیادہ بہتر نہیں تھی۔ اُس کی آنکھوں میں وحشت سنک رہے ہوں۔ ہمارے بدن، ڈھوپ میں جل جل کر سیاہ پڑ گئے تھے..... سیاہ اور سکری بائسے ہوش آیا تو اُس کی حالت، زیادہ بہتر نہیں تھی۔ اُس کی آنکھوں میں وحشت اڑتھے۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ اپنا ذہنی توازن کو بیٹھا ہو۔

ثانیے اسے غور سے دیکھا اور مجھے عجیب سا احساس ہوا۔ جیسے وہ اب ہوش مندانہ ان کی دن سے ہمارے پیٹ خالی تھی۔ اس لئے ہم اس کے لئے کچھ نہ کر سکتے تھے۔

”ہم میں سب سے زیادہ پڑ گوشت تم ہو..... دوستو! کیوں نہ ہم اپنے دوست ایڈن کی عمدہ جامات سے فائدہ اٹھائیں.....؟“

ایڈن بوكھلائی ہوئی نگاہوں سے دوسروں کو دیکھنے لگا۔ فلیکس کا چہرہ غصے سے تتمارہا تھا۔ لیکن میں نے اُس کے بازو پر ہاتھ رکھ دیا۔ ”یا اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھا ہے۔“

”لیکن اس طرح تو دوسروں کے لئے نقصان دہ ثابت ہو سکتا ہے۔“ ایڈن بولا۔

”ہاں..... پچھو سوچیں گے۔“ میں نے آہتہ سے کہا۔

”تم نے جواب نہیں دیا ذیر ایڈن..... کیا تم، ہم سب کے لئے اپنی زندگی کی قربانی دو گے؟“ جو گنر نے پوچھا۔

”تم کیا چاہتے ہو جو گنر.....؟“

”میں چاہتا ہوں کہ ہم تمہیں ذبح کر لیں۔ تاکہ تم ہماری خوراک بن جاؤ۔ تمہارا گوشت، سوت اب میرے بالکل نزدیک پہنچ چکی ہے۔ دیکھو! آہتہ آہتہ میرے کان میں ہمیں کئی دن کی زندگی دے سکتا ہے۔“

”اگر میری زندگی تمہارے کام آجائے جو گنر..... تو خدا کی قسم! میں تیار ہوں۔“ ایڈن یہ موت نہیں، بزدلی ہے جو گنر! خود کو سنبھالو!“ میں نے اُس کی ہمت بندھائی۔

”اگر تم نے آئندہ یہ الفاظ کہے تو میں تمہارا دماغ درست کر دوں گا۔ سمجھے؟ میں تمہارا“ اس نے اجازت دے دی ہے..... اس نے اجازت.....“ جو گنر نے دماغ درست کر دوں گا.....“ جو گنر اتنی زور سے دھاڑا کہ اُس کا خزم کھل گیا۔ اور اُس سے بھرتی سے اپنے لباس میں سے ایک لمبا چاقو نکال لیا۔ ”تم میں سے کسی کو اعتراض تو نہیں ہو دوبارہ خون رینے لگا..... پھر وہ بے ہوش ہو گیا۔ ایک بار پھر ہم اُس کے خزم کی دیکھ بھال کا؟ میں جانتا ہوں، سب کے بھلے کی بات ہے..... ایڈن زندہ باد.....“ جو گنر نے چاقو کھول کرنے لگے تھے۔

”اب کیا ہو گیا مسٹر کین.....؟“ پال نے غزدہ آواز میں پوچھا اور میں جھلا گیا۔ اب میں اُسی وقت فلیکس کی لات، اُس کے منہ پر پڑی۔ ٹھوں لکڑی کی ضرب تھی۔ جو گنر اچھل اُن لوگوں کو کیا بتاتا کہ اب کیا ہو گیا؟ بہر حال! میں نے خاموشی اختیار کر لی۔ لیکن اس کرشتی کے دوسرا ہے میں جا گرا۔ اور پھر نہ اٹھ سکا۔ سب بے حس و حرکت پڑے رہے صورتحال کا بغور جائزہ لے رہا تھا۔

یہ رات بھی گزر گئی۔ دوسری صبح ہم نے جو گنر کو دیکھا۔ وہ بھی اٹھ بیٹھا تھا۔ جب کہ پس پوچھ ہوا ہو گیا تھا۔

دوسرے لوگ عموماً لیئے ہی رہا کرتے تھے۔ اور شاذ و نادر ہی کوئی بغیر ضرورت کے کھڑا ہوتا۔ ”کیا تم میں سے کسی کے پاس کوئی تھیا رہے؟“ فلیکس نے سب سے پوچھا۔

”ہاں.....“ ایڈن اور پال نے اپنے اپنے شکاری چاقو نکال کر فلیکس کی طرف بڑھا دیکھا اور بولا۔

”ٹکریہ..... میری درخاست ہے کہ انسانیت کی حدود سے گزرنے کی کوشش نہ کی جائے۔ ہم سب زندہ ہیں۔ زیادہ سے زیادہ بھی ہو گا کہ مر جائیں گے۔ یا اس سے بھی بڑی

جو گزرا ہی طرح لیٹ رہا۔ اُس کے لئے ہم سے جو سوتیں فراہم ہو سکتی تھیں، کردی گئیں۔ کی بہت کم رہ گیا تھا، جسے انتہائی اہم ضرورت کے لئے رکھ چھوڑا تھا۔

رات ہو گئی..... جو گنر اب کسی قدر پڑ سکوں تھا اور پہلی بار اُس نے کمزور آواز میں انگلو کرنے کی کوشش کی۔ لیکن یہ الفاظ ایسے تھے کہ کوشش کے باوجود ہم چاروں میں سے کسی کی سمجھ میں نہ آ سکے۔ میں، اُس کے اوپر جھک گیا۔

”کوئی خاص بات ہے جو گنر کیسی طبیعت ہے.....؟“ میں نے ہمدردی سے پوچھا اور جو گنر نے وحشت زدہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

”ہاں..... ایک بہت ہی عجیب بات ہے۔“ وہ نقاہت سے بولا۔

”کہو..... کیا بات ہے؟“

”موت اب میرے بالکل نزدیک پہنچ چکی ہے۔ دیکھو! آہتہ آہتہ میرے کان میں ہمیں کئی دن کی زندگی دے سکتا ہے۔“

”یہ موت نہیں، بزدلی ہے جو گنر! خود کو سنبھالو!“ میں نے اُس کی ہمت بندھائی۔

”اگر تم نے آئندہ یہ الفاظ کہے تو میں تمہارا دماغ درست کر دوں گا۔ سمجھے؟ میں تمہارا“ اس نے اجازت.....“ جو گنر نے دماغ درست کر دوں گا.....“ جو گنر اتنی زور سے دھاڑا کہ اُس کا خزم کھل گیا۔ اور اُس سے بھرتی سے اپنے لباس میں سے ایک لمبا چاقو نکال لیا۔ ”تم میں سے کسی کو اعتراض تو نہیں ہو کر ایڈن پر چھلانگ لگائی۔

”اب کیا ہو گیا مسٹر کین.....؟“ پال نے غزدہ آواز میں پوچھا اور میں جھلا گیا۔ اب میں اُسی وقت فلیکس کی لات، اُس کے منہ پر پڑی۔ ٹھوں لکڑی کی ضرب تھی۔ جو گنر اچھل

”ہاں.....“ ایڈن اور پال نے اپنے اپنے شکاری چاقو اٹھایا تھا۔ جو گنر پھر دیکھا اور بولا۔

”ایڈن! ہم بھوکے ہیں.....“

”حوالہ رکھو جو گنر!“ اُس نے کہا۔

کوئی بات ہو سکتی ہے؟“
”قصور، جو گزرا نہیں ہے مسٹر فلیکس!“ ایڈن نے دبی دبی زبان سے کہا۔
”کیا مطلب.....؟“

”اس کا ذہنی توازن ہی کب درست ہے؟“

”پھر بھی ذہنوں پر قابو پانے کی کوشش کرو دستو! زندگی میں اکثر ایسے مقامات بھی آتے ہیں، جہاں ہم بے بس ہو جاتے ہیں۔“ پھر اس نے میری طرف دیکھا اور بولا۔ ”اس کے لئے کیا، کیا جائے مسٹر کیم؟“

”دونوں پاؤں کس دو۔“ میں نے بھاری لمحے میں کہا۔ میرا ذہن اب بہت کچھ سوچ رہا تھا۔ اس طرح بے بس کی موت تو مناسب نہیں ہو گی۔ کچھ کرنا ہو گا۔ اور اس کے لئے کچھ سوچنا ضروری ہے۔

رات کو میں نے فلیکس سے کہا۔ ”کیا خیال ہے فلیکس! غذا کے بارے میں بھی کچھ سوچنا ضروری ہے۔“

”کیا کرنا چاہئے؟“ فلیکس نے پوچھا۔

”تم نے شارک مچھلیاں دیکھی ہیں.....؟“

”ہاں.....“ فلیکس کی آواز میں خوف کا غصہ نمایاں تھا۔

”شکار کی کوشش کی جائے.....؟“

”لیکن کس طرح..... کیا ان خوفناک مچھلیوں کا شکار ممکن ہے؟“

”لبے چوپوں کو بھالوں کی حیثیت سے استعمال کیا جائے۔ ان کے سروں پر چاقو باندھ کر ہم مچھلیوں کی تاک میں بیٹھیں گے۔“

”اوہ..... عمدہ خیال ہے۔“ فلیکس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ اور پھر ہم اپنی کوشش میں مصروف ہو گئے۔ میں نے دمپبوٹ بھالے تیار کر لئے تھے۔ لیکن شارک مچھلی کے شکار کے لئے جان کی بازی ہی لگانی پڑتی تھی۔

میں نے فلیکس کو ہدایات دیں۔ اور پھر کشتی کا ایک سرا میں نے اور دوسرا فلیکس نے سنبھال لیا۔ ہم سطح سمندر پر نگاہیں گاڑے بیٹھے رہے۔

کشتی کے اس سفر کے دوران ہم نے لا تعداد شارک مچھلیوں کو دیکھا تھا، جو اکثر ہماری کشتی کا تعاقب کرتی رہتی تھیں۔

رات کا آخری پھر تھا، جب اچانک میں غنودگی سے چونک پڑا۔ کشتی کے دوسرے سرے پر کچھ ہو رہا تھا..... میں نے بر قراری سے اُس طرف چھلانگ لگائی۔ میں نے ایک بلک مظہر دیکھا..... فلیکس نے اپنے دونوں ہاتھ کشتی کے کنارے میں پھنسائے ہوئے تھے اور اپنی طرف زور لگا رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی طاقتور چیز اُسے سمندر میں نیٹ رہی ہو۔ وہ اپنی انتہائی قوت صرف کر رہا تھا۔ میں نے جھانک کر دیکھا اور میرے ہاتھ کھڑے ہو گئے۔ ایک لمبی شارک مچھلی نے فلیکس کی بائیں ناگ کو اپنے خون آشام ہڑوں میں دبارکھا تھا.....

ایک لمحے کے لئے میرے جسم میں سننی ہی پھیل گئی۔ میں نے چند ساعت سوچا اور پھر اپنی قوت سے اپنے بازو، فلیکس کی بغلوں میں پھنسا دیئے۔ نہ جانے مجھ میں اس قدر اُن کہاں سے آگئی تھی؟ فلیکس کو میں نے اتنی طاقت سے چھکتے کے ساتھ گھسیا کہ اُس کے اتکھی نہیں، بائیکس سیر و زنی مچھلی بھی کشتی میں آگئی۔ اُس کے جسم میں چاقو پیوست تھا۔ بائیکس کی ناگ اُس کے جبڑوں میں پھنسی ہوئی تھی اور وہ اپنے آری نما دانتوں سے اس کاٹھے کی کوشش کر رہی تھی۔ فلیکس کے چہرے پر تکلیف کے کوئی آثار نہیں تھے۔ ظاہر ہے، لکڑی کی ناگ اُسے کیا تکلیف پہنچا سکتی تھی؟ البتہ مچھلی کے دو چار دانت ضرور نوٹ گئے۔

میں نے اپنا بھالا بسن جالا اور پوری قوت سے شارک مچھلی کے سر میں پیوست کر دیا۔ مچھلی کے جبڑے کھل گئے اور فلیکس، ان کی گرفت سے آزاد ہو گیا۔ اب مچھلی کے جسم میں دو چاقو ہاست تھے۔ میرا چاقو، اُس کے حلقوں تک اتر گیا تھا اور وہ کئی کئی فٹ اوپری اچھل رہی تھی۔ اس اچھل کو دے بقیر لوگ بھی جاگ گئے تھے۔ اور نہ سمجھنے والے انداز میں اس خوفناک ٹکو دیکھنے لگے تھے۔ مچھلی کے زخموں سے خون بہرہا تھا اور اُس کے چھینٹے دُور دُور تک جا ہے تھے۔ بالآخر اُس کی جدو جہدست ہو گئی۔ اور پھر وہ ساکت ہو گئی..... اُس کا جبڑا کھلا باتھا اور اُس میں سے اُس کے تیز نوکیلے دانتوں کی قطاریں صاف نظر آ رہی تھیں۔ اگر فلیکس کی ناگ، مضبوط لکڑی اور انتہائی جدید طریقے سے بنی ہوئی نہ ہوتی تو شاید اب اس اُنکا وجود بھی نہ ہوتا۔

فلیکس نے ایک گہری سانس لی اور بولا۔ ”کیم! قدرت کا کوئی کام مصلحت سے خالی نہ ہوتا۔“

”کیا مطلب.....؟“
”کیا میری یہ معموری، آج میری زندگی کی صامن نہیں بن گئی.....؟“
”ہوا کیا تھا.....؟“

”بس یا! جھوٹ کی آگئی نیند کی۔ مچھلی، کشتی کے بالکل نزدیک تڑپی تھی۔ میں نے جبکہ کر چکاؤں کے جسم میں پیوست کر دیا لیکن خود کونہ سنبھال سکا۔ اور کسی طرح میری نانگ اُس کے منہ میں آگئی۔ وہ بے پناہ طاقتور تھی۔ اگر اُس کے جسم میں بھالا پیوست نہ ہو گیا ہوتا تو وہ ضرور مجھے پہنچ لے جاتی۔ پھر تم بھی پہنچ گئے۔“

”بہر حال، فلیکس! میری طرف سے نئی زندگی کی مبارکباد قبول کرو۔“

”شکریہ.....!“ فلیکس نے کہا اور مچھلی کو دیکھنے لگا۔ اُس کی آنکھوں میں خوشی کے تاثرات تھے۔ نہ جانے وہ کیا سوچ رہا تھا؟ پھر اُس نے جیب سے چاقو نکلا اور مچھلی پر جمل کیا۔

نہایت چاک دستی سے اُس نے مچھلی کا پیٹ چاک کیا۔ اُس کے ہاتھ بڑی مہارت سے چل رہے تھے۔ میں خاموشی سے دیکھتا رہا۔ فلیکس نے مچھلی کا لکیجہ نکال لیا تھا۔ کافی بڑا لکیجہ تھا، جس سے خون بیک رہا تھا۔ دوسرے لمحے وہ لکیجہ ہاتھ میں پکڑے آگے بڑھا اور جو گزر کے نزدیک پہنچ گیا۔ جو گزر بھی ہوش میں آگیا تھا۔ لیکن اُس میں اتنی سکت نہیں تھی کہ دوسروں کی طرح کھڑا ہو سکتا۔ چنانچہ وہ اپنی جگہ خاموش بیٹھا رہا تھا۔

فلیکس نے چاقو سے لکیجہ کا ایک نکڑا کانا اور جو گزر کی طرف بڑھا دیا۔ جو گزر نے نکڑا اچک لیا اور اسے بری طرح بھجنہوڑنے لگا۔ حالانکہ سب ہی کئی دن کے بھوکے تھے۔ لیکن اس جذباتی مظہرنے سب کو اپنے آپ میں گم کر دیا تھا۔ فلیکس نہایت خاموشی سے بیٹھا جو گزر کو کھاتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ پھر اُس نے دوسرا نکڑا بھی جو گزر کو کھلا دیا۔ پھر جو گزر سیر ہو گیا اور اُس نے کشتی کی سائیڈ سے میک لگا کر آنکھیں بند کر لیں۔

”چلو دوستو! ٹوٹ پڑو اس آدم خور پر.....“ فلیکس نے خوشی کے عالم میں کہا اور پھر شارک کے جسم پر چاقو چلنے لگے۔ ہم نے اُس کی تکہ بولٹی کر کے رکھ دی۔ کچا بد بوداڑ گوشت تھا۔ جسے ہم عام حالات میں چھونے کے بھی روادر نہیں ہو سکتے تھے، وہ اس وقت ہمارے لئے ایک نعمت سے کہہ تھا۔
یہ شارک معمولی نہیں تھی۔ ہم سب مل کر اُس کا ایک تہائی گوشت بھی نہ کہا سکتے تھے۔

بہر حال! باقی مچھلی کو سنبھال کر ایک طرف رکھ دیا گیا اور ہم کشتی میں لیٹ گئے۔ نیند، پکوں میں بیوست ہونے لگی اور تھوڑی دیر کے بعد ہم بے خبر سو گئے۔

دوسری صبح آنکھ کھلی تو ایک اور جذباتی مظہر ہمارے سامنے تھا۔ جو گزر، فلیکس کے قریب بیٹھا، آہستہ آہستہ اُس کا سر دبارہ تھا۔ فلیکس کی آنکھ بھی اسی لس سے کھلی۔ اُس نے جو گزر کو دیکھا اور اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

”ارے مسٹر جو گزر.....“ وہ جلدی سے اٹھ بیٹھا۔

”میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ آپ کی اور کیا خدمت کروں مسٹر فلیکس!“ جو گزر کی آواز بے پیمانی جھلک رہی تھی۔

”تمہاری طبیعت کیسی ہے..... زخم کیسا ہے؟“

”نہ جانے کیوں۔۔۔ اب یہ تکلیف نہ ہونے کے برابر ہے گئی ہے۔ مجھے اپنی وحشت اور دیاں لگی یاد ہے۔ اور اس عالم میں تمہاری محبت بھی۔۔۔ میں میخت شرمندہ ہوں۔“

”نہیں میرے دوست! تمہاری اس کیفیت نے میری رگوں میں نئی زندگی دوڑا دی ہے۔ ہم سب کی زندگی ایک ڈور سے بندھی ہوئی ہے۔ ڈور ٹوٹے گی تو ہم سب ایک ساتھ مریں گے۔ کوئی، کسی کا ذکر نہیں دیکھ سکتا۔“

”ہر.....“ پال اور ایڈن نے نظرے لگائے۔ ”خدا کی قسم! اس مظہر نے جسم کو وہ تو ناٹی پیش دی ہے، جو بڑی سے بڑی غذا بھی نہیں بخش سکتی۔ ہم سب اس مردہ ماحول سے نکل آئے ہیں۔ آؤ! نئے سرے سے زندگی ملاش کریں۔“ ایڈن بولا۔ اور درحقیقت! جسموں میں نئی تو ناٹی محسوس ہوئی۔ ایک بار پھر ہم زندگی کے قریب پہنچ گئے تھے۔

”میرا تو خیال ہے کہ یہ شارک کے گوشت کی تو ناٹی ہے۔۔۔“ فلیکس نے ان سب کو خوش دیکھ کر کہا۔

”جو کچھ بھی ہے، بہر حال! یہ تبدیلی خوشنگوار ہے۔“

”بلاشبہ.....!“ فلیکس نے کہا۔

شارک کا گوشت کئی دن کے لئے کافی ثابت ہوا۔ لیکن اس دوران ہم مچھلیوں کے شکار کی تیاری کرتے رہے تھے۔ گوشت کی نئی ہی نے پانی کی کسر بھی پوری کردی تھی ورنہ پانی کی توکھیں بوند بھی نہیں تھیں۔ اب ہم سب پانی کے لئے آسمان پر حسرت بھری نظریں دوڑاتے رہتے تھے۔

کے ساتھ ہی کچھ اور بھی کہنا چاہتا ہوں کیسے!“
”وہ بھی کہو۔“

”تمہاری تخلیق آخر کون سی مٹی سے ہوئی ہے؟“
”کیوں.....؟“

”یقین کرو، کیسے! میں نے ہر لمحے تمہیں ایک ناقابل تغیر انسان پایا ہے۔ سخت مایوس کے عالم میں، جب ہر شخص مایوس تھا، تو تم اسی طرح پر عزم تھے۔ تمہارے قوئی میں، میں نے بھی اضحاک نہیں پایا۔ نہ تمہاری آنکھوں میں پریشانی دیکھی۔“
”خیر! اس مٹی پر ریسرچ پھر کر لینا۔ پہلے تم ان لوگوں کو بتا دو! کہ ساحل پر پہنچ کر انہیں کیا کرنا ہے۔“

”پھر فلیکس انہیں ہدایات دینے لگا۔ فلیکس کی باتیں، انہوں نے گرد میں باندھ لیں۔ اور ہم امید و تہم کی کیفیت میں تقدیر کے نئے فیصلے کا انتظار کرنے لگے۔ جوں جوں ہم بڑھ رہے تھے، جزیرہ واضح ہوتا جا رہا تھا۔ دور سے اونچے اونچے درختوں کے ڈھنڈ لے ہیوں نظر آرہے تھے۔

”جزیرہ خواہ کیسا بھی ہو۔۔۔ اس! یہاں پانی مل جائے۔“ پال بولا۔
”اور شکار بھی۔۔۔ ایڈن نے کہا۔

”لیکن اگر جزیرہ ویران ہوا تو۔۔۔؟“ جو گزربولا۔
”آبادی ہو یانہ ہو، لیکن جافور ضرور مل جائیں گے۔“ پال نے جو گزربولا کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ”چلو! باقی زندگی جانوروں کے ساتھ ہی سہی۔ کم از کم سمندر کی قید سے تو آزادی نصیب ہو جائے گی۔“ ایڈن بولا۔ سب کے سب سمندر سے بری طرح اکتائے ہوئے تھے۔

جوں جوں جزیرہ نزدیک آتا جا رہا تھا، ہم سب کے دلوں کی دھڑکنیں تیز ہوتی جا رہی تھیں۔ بالآخر کششی، جزیرے کے کافی نزدیک پہنچ گئی۔ لیکن اس کے گرد اونچی اونچی سیاہ ہیسپ چٹانیں دیکھ کر فلیکس کے چہرے پر پریشانی کے آثار نظر آنے لگے۔
”کیم! یہ صورت حال خوفناک ہے۔“

”ہاں۔۔۔ میں بھی محسوس کر رہا ہوں۔“
”تو پھر۔۔۔ اب کیا، کیا جائے؟ کششی کی رفتار کسی قدر تیز ہو گئی ہے۔“

..... اور پھر ایک دن ہماری نگاہیں ایک لکیر پر جم گئیں۔۔۔ ایک سرمنی لکیر۔۔۔ جو افق پر اچاک نمودار ہوئی تھی۔

اس سرمنی لکیر کے بارے میں یقین کرنے کے بعد میں نے فلیکس کو اس کی نشاندہی کی اور فلیکس نے دوسروں کو بتایا۔ یہ دوسری خوشی تھی، جس نے سب کے جسموں میں تو نامی کی لہر دوڑا دی۔ سب اشتیاق آمیز نظر وہی سے اس سرمنی لکیر کو دیکھ رہے تھے۔ لہریں معادن تھیں۔ لیکن کامیابی کی خوشی میں چپ سنجھا لئے گئے اور پوری طاقت صرف کر کے کششی کو اس لکیر کی طرف لے جایا جانے لگا۔ میں خاموشی سے اس لکیر پر نگاہ جاتے ہوئے تھے۔

”مسٹر کیم!“ اچاک فلیکس نے مجھے مناسب کیا اور میں، اس کی طرف دیکھنے لگا۔ ”کیا سوچ رہے ہو؟“ اس نے پوچھا۔

”کوئی جذباتی بات نہیں۔“ میں نے مسکرا کر کہا۔

”وہ تو میں بھی جانتا ہوں۔۔۔ لیکن پھر بھی؟“

”اس سرز میں کے بارے میں۔“

”کیا۔۔۔؟“

”نہ جانے کیسی ہو؟ ممکن ہے، جرمنوں کے قبضے میں ہو۔۔۔ اور وہاں کچھ نئی آفتیں ہماری منتظر ہوں۔“ میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

”سمندر کے اس بھیانک سفر سے تو بہتر ہے کہ جرمنوں کی قید میں چلے جائیں۔“ فلیکس نے کہا۔

”میں بھی اسی بارے میں سوچ رہا ہوں۔“

”تم خود بتاؤ! کیا یہ درست نہیں ہے؟“

”لیکن ہم اتنے کچھ تو نہیں ہیں۔۔۔ اگر اتفاق سے وہ جرمنوں کا جزیرہ ثابت ہوا تو کیا ہم جرمن زبان میں انہیں جہاز کی تباہی کی داستان نہیں سنائیں گے؟ اور کیا یہ لانگ بوٹ ایک جرمن جہاز کی نہیں ہے؟“

”اوہ۔۔۔ ہاں! واقعی۔۔۔“ فلیکس نے خوش ہو کر کہا۔

”اور اگر اتفاق سے یہ اتحادی جزیرہ ثابت ہوا تو۔۔۔؟“

”کچھ کہنا ہی فضول ہے۔“ فلیکس نے مسکراتے ہوئے کہا اور سنجیدہ ہو گیا۔ ”لیکن اس

”چپور کھوادو!“ میں نے آہستہ سے کہا۔
 کشتی تیز رفتاری سے آگے بڑھ رہی تھی۔ اور سمندر کی تند لہریں، چنانوں سے ٹکرا لکڑا ری
 جھاگ پیدا کر رہی تھیں۔
 ”بلاشہ! ہم کشتی کو حفاظت سے ساحل تک نہیں لے جاسکتے۔“ میں نے کہا۔
 ”چھر کیا کریں.....؟“
 ”کشتی یہیں چھوڑنی پڑے گی۔“
 ”تبت..... تو کیا.....؟“
 ”ہاں..... لکڑی کے چپو ہماری حفاظت کریں گے۔ تھوڑی ذور چلنے کے بعد کشتی چھوڑ دو
 اور چپو لے کر پانی میں اتر جاؤ۔ ہمیں تیر کرو ہاں تک جانا پڑے گا۔“
 فلیکس کے چہرے پر کسی قدر حیرت کے آثار نظر آنے لگے تھے۔ میں اس بچچا ہٹ کی
 وجہ سمجھتا تھا۔ تاہم اس نے دوسرا لوگوں کو اپنے خیال سے آگاہ کیا۔ ”کیا تم لوگ تیرنا
 جانتے ہو؟“
 ”اچھی طرح..... اور آپ کا خیال درست ہے مسٹر کین! ان طوفانی موجودوں میں کشتی کو
 ساحل تک لے جانا ناممکن ہے۔“ پال نے جواب دیا۔
 ”تبت پھر چپوؤں کو اپنی مدد کے لئے استعمال کرو۔ ان کے سہارے تیرنے کی کوشش
 کرو۔“ میں نے کہا۔
 سب سے پہلے جو گنرایک چپو لے کر پانی میں اتر گیا اور چند لمحوں میں دیو پیکر موجود
 نے اسے نگل لیا۔ ہم بغور دیکھ رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد وہ کافی فاصلے پر ابھرا۔ اور ایک
 اوپنی لہر برق رفتاری سے اسے ساحل کی طرف لے گئی۔ اب اصل مسئلہ ساحل پر پہنچ کر ان
 چنانوں سے بچنے کا تھا۔
 اب کشتی میں رکے رہنا بھی خطرناک تھا۔ کیونکہ وہ موجود کا کھلونا نی ہوئی تھی اور تیزی
 سے ساحل کی طرف بڑھ رہی تھی۔ اور کسی وقت بھی ان دیو پیکر چنانوں سے ٹکرا کر پاش پاش
 ہو سکتی تھی۔
 میں نے پال اور ایڈن کو بھی پانی میں اترادیا۔ اور پھر ایک چپو خود بھی سنبھال لیا۔ پھر
 فلیکس کی جانب مُرد کر بولا۔ ”آ جاؤ میرے دوست! جلدی کرو.....“
 ”لگ..... کہاں؟“ فلیکس چونک پڑا۔

”پرانی داستان دھرا کیں گے۔“
 ”اوہ، نہیں..... نہیں کیم! خدا کی قسم، یہ ممکن نہیں۔ یہ صورتحال بہت خراب ہے۔ تمہاری
 زندگی بھی خطرے میں پرستی ہے۔ میں خود کوشش کرتا ہوں۔“
 ”تم تیر نہیں سکو گے فلیکس!“ میں نے سرد لبجھ میں کہا۔

”ہاں..... لیکن چپو کے سہارے کوشش کروں گا۔“
 ”اگر تم نے میری ہدایات پر عمل نہیں کیا فلیکس! تو میں بھی پانی میں نہیں اتر دوں گا۔ کشتی
 اب کسی بھی لمحے چنانوں سے ٹکرانے والی ہے۔“

”کین، پلیز..... دیکھو! میں خود کشتی نہیں کروں گا۔ اپنی زندگی بچانے کی کوشش کروں گا۔
 لیکن میں.....“
 ”ٹھیک ہے.....“ میں نے کہا اور چپو ایک طرف ڈال دیا۔ کشتی ایک دم اٹھی اور پھر نیچے
 پیٹھ گئی۔

فلیکس نے مسکرا کر میری طرف دیکھا اور پھر اس نے چوٹھا کر میرے ہاتھ میں تھما
 دیا۔ ”چلو بھائی! جلدی کرو۔ میں جانتا ہوں کہ تم مجھے تھا مر نے نہیں دو گے۔“ فلیکس نے
 ہتھیار ڈال دیئے۔

تب میں نے چپو تھاما اور فلیکس، میری پشت سے چھٹ گیا۔ پھر میں نے بھری ہوئی
 موجودوں میں چھلانگ لگا دی۔ اس کے بعد سمندر میں ایک خوفناک جدو جہد کا آغاز ہو گیا۔۔۔۔۔
 ایک انہتائی طاقتور لہر ہمیں اچھال کر چنانوں کی طرف لے گئی۔ لیکن میں نے چپو کی مدد سے
 خود کو چنان سے ٹکرانے سے بچایا اور کافی پیچھے چلا گیا۔ ویسے اس خوفناک جدو جہد میں بھی
 ایک خیال میرے ذہن میں ابھرا۔۔۔۔ وہ تینوں نہ جانے کس عالم میں اور کہاں ہوں گے؟
 اس خوفناک صورتحال میں ان کا زندہ رہنا مشکل ہی تھا۔ پھر ایک خوفناک لہرنے ہم دونوں کو
 بلند کیا۔ بلند اور بلند تر۔۔۔۔ یہاں تک کہ ہم انہتائی حد تک پہنچ گئے۔ اور ایک اونچی چنان کی
 طرف بڑھے۔۔۔۔ میں نے چپو سیدھا کر کے اس چنان سے بچنے کی کوشش کی۔ لیکن چپو،
 چنان کے بالائی حصے سے ٹکرا کر دوسری طرف نکل گیا اور ہم بھی لہر کے زور سے آگے نکل
 گئے۔ پھر ایک مجھزہ ہو گیا۔ جب بہر اپنا زور ختم کر کے واپس ہوئی تو ہم چنان پر ہی لگے رہ
 گئے۔ پانی نیچے چلا گیا تھا۔
 فلیکس نے میرے کندھے چھوڑ دیئے اور اس کے حلقو سے ایک قہقهہ آزاد ہو گیا۔ ”اب

کیا خیال ہے ڈیر کین.....؟“

”کاش! ان لوگوں کے ساتھ بھی ایسا ہی کوئی اتفاق پیش آیا ہو۔“ میں نے کہا۔

”ہاں..... کاش!“ فلیکس نے کہا۔ ”دوسرا جانب دیکھو!“

میں نے اُس کے اشارے پر پٹ کر دیکھا۔ ہم جس چنان پر تھے، وہ زیادہ چوری نہیں تھی۔ بس! ایک سل کی طرح انھی ہوئی تھی۔ سمندر کی سست سے اُس کی اوپنچائی زیادہ نہیں تھی۔ لیکن دوسرا طرف بے انتہا گہرائی تھی۔ اور تمہے میں خوفناک نوکیلی چنانیں سر انھائے ہوئے تھیں۔ دوسرا چنان ترقیاً تیرہ فٹ ڈور تھی۔ اور اُس تک چھلانگ لگانے کی کوشش، خود کشی کے مترادف تھی۔ جب کہ ہم اُس مختصری چنان پر تھے۔ ہاں! اگر دوڑنے کی جگہ ہوتی تو شاید یہ کوشش کی جاسکتی تھی۔

”اب ہمیں کسی دوسرا لہر سے درخواست کرنی پڑے گی کہ وہ ہمیں انھا کر دوسرا چنان پر پہنچا دے۔ اور کوئی صورت نہیں ہے۔ بصورت دیگر ہم اس چنان کے تینی بن زندگی کی بقیہ سائیں پوری کریں گے۔“ فلیکس نے کہا

”ہرگز نہیں فلیکس! موت، ہم سے قدم قدم پر شکست کھاری ہے۔ وہ ہمیں جس قسم کے جال میں پھانستی ہے، ہم اُس کا توڑ کر لیتے ہیں۔“ میں نے کہا

”کیا اس قید سے نکلنے کی کوئی صورت ہے تمہارے پاس؟“

”ہاں.....!“ میں نے دوچکے سے کہا۔

”کیا دوسرا چنانوں پر چھلانگ لگانے کی کوشش کرو گے.....؟“

”میں نے کہا تا، کہ.....“ میرا جملہ ادھورہ رہ گیا۔ ایک زبردست دھاکہ ہوا۔ ہماری چھوڑی ہوئی لاگ بٹ، ایک لہر کے دوش پر اچھل کر دوسرا نوک دار چنان پر اونڈھی ہو گئی۔

”اگر ہم اس میں ہوتے تو ہمارا کیا حشر ہوتا؟“ فلیکس نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔

”اور اگر یہ اس چنان کا رخ کر لیتی، جس پر ہم موجود ہیں تو.....؟“ میں نے پس کر کہا۔

”خدا کی پناہ.....“ فلیکس نے جھر جھری سی لی۔

”اور تم اب بھی تسلیم نہیں کرتے کہ موت، ہم سے شکست کھاری ہے۔“ میں نے کہا۔

”لیکن دوسرا چنان تک.....؟“

”آءو..... میں بتتا ہوں۔“ میں نے کہا اور چپوٹھا لیا۔ چپوٹھی لمبائی کسی طرح میں فٹ کے کم نہیں تھی اور میں اس بات کا اندازہ پہلے ہی لگا چکا تھا۔ اس کے علاوہ وہ انتہائی مضبوط کڑی کا بنا ہوا تھا۔

میں نے چپوٹھا اور پھر اسے اُس دوسرا چنان کی طرف بڑھایا۔ چھوڑی دیر کے بعد وہ چنان پرانگ کیا۔ میں نے اُسے مضبوطی سے جما دیا۔ اور پھر نہیں نے اپنی طرف کا سرا اٹھایا اور اُسے فلیکس کے بابس میں پر دیا۔

”ارے..... ارے! یہ کیا؟“ فلیکس یوٹھلا کر بولا۔

”چلو! اسی طرح، اس میں پھنسے پھنسے ہاتھوں اور پیروں کی مدد سے دوسرا طرف چلے جاؤ۔ اور وہاں پہنچ کر خود کو نکال لو۔“ میں نے کہا۔

فلیکس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ معدود رہا، لیکن انتہائی بے جگہ انسان تھا۔ اتنی بے خوبی سے اُس نے چودہ فٹ کا فاصلہ طے کیا کہ میں دنگ رہ گیا۔

دوسرا طرف پہنچ کر اُس نے خود کو چپوٹھی سے نکال لیا اور پھر اسے مضبوطی سے چنان پر جادا اور میری طرف دیکھنے لگا۔ اُس کا خیال تھا کہ میں بھی اُسی کی طرح سفر کروں گا۔ لیکن میں نے اُس کی معدود ری کی بناء پر یہ طریقہ اختیار کیا تھا۔

دوسرا لمحے میں نے اپنے جسم کو تولا اور سانس روک کر چپوٹھے لگا۔ فلیکس کے حلقے سے ایک آواز نکل گئی۔ اُس نے خوف سے آنکھیں بند کر لیں۔ میں اسی طرح سانس روکے چلتا ہوا دوسرا سرے پر پہنچ گیا۔ فلیکس نے آنکھیں کھول دیں۔ وہ چند لمحے مجھے بے یقینی کے عالم میں دیکھتا رہا۔ پھر جذبات کی شدت سے مغلوب ہو کر میرے ہاتھ تھام لئے۔ کئی منٹ کے بعد وہ پڑسکون ہوا اور ہم نے اُس چنان کے دوسرا طرف دیکھا تو ہماری با چھیں کھل گئیں..... دوسرا طرف سے چنان ڈھلوان تھی اور جزیرے تک چل گئی تھی۔

وہ تینوں یکجا کھڑے، ہماری طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہے تھے۔ میں نے چپوٹھا لیا اور ہم ڈھلان طے کرنے لگے۔ ان لوگوں کو زندہ سلامت دیکھ کر ہمیں جو خوشی ہوئی تھی، وہ الفاظ میں بیان نہیں کی جاسکتی۔

”میں نے کہا تھا! کہ زندگی ہم سے دچپ مذاق کر رہی ہے۔“ میں نے کہا۔

”اب پرواہ نہیں ہے۔ جو ہو گا، دیکھا جائے گا۔“ فلیکس نے جواب دیا۔

”میرے ذہن میں ایک خیال ہے فلیکس!“ میں نے کہا۔

پہنے کے باوجود کوئی پودا یا پانی کا چشمہ نظر نہیں آیا۔ لمحہ بہ لمحہ مایوسی اور خوف میں اضافہ ہوتا رہا تھا۔ یہاں نہ پہننے کے لئے پانی تھا اور نہ کھانے کے لئے کوئی چیز۔۔۔ یوں لگتا تھا جیسے یاں زندگی کا تصور ہی نہ ہو۔ جزیرہ، ویران اور بے آب و گیا تھا۔ بس! چاروں طرف بہوت اور خشک چٹانیں بکھری ہوئی تھیں۔۔۔

”سر.....!“ ایڈن نے مجھے مخاطب کیا۔

”ہوں.....!“ میں نے رُک کر اُس کی طرف دیکھا۔ اُس کی حالت بہتر نہیں تھی۔

”یوں لگتا ہے جیسے یہاں کیڑے مکڑے بھی نہیں ہیں۔“

”اوہ..... وہ ایڈن.....“ میری نگاہ ایک گڑھے پر پڑی، جس میں پانی چک رہا تھا اور م دورتے ہوئے اُس کے نزدیک پہنچ گئے۔ لیکن یہ بارش کا پانی تھا..... اور اُس سے اس نر لفڑی اُٹھ رہا تھا کہ قریب کھڑا بھی نہ ہوا جا رہا تھا۔ اس کے علاوہ اس میں ریت کی نیزش بھی تھی۔ گڑھے کے باہمیں جانب ہمیں ایک غار ساظھر آیا اور ہم اُس کی طرف بڑھ لے۔

چھوٹا سا غار تھا جو ایک کھوکھلی چٹان میں تھا۔ ہم نے اندر جا کر اُسے دیکھا۔ ”سردی سے پاؤ کے لئے یہ مناسب جگہ ہے۔ آؤ! اپنے ساتھیوں کو اس کی اطلاع دیں۔“ میں نے کہا اور ہم وہاں سے لمبٹ پڑے۔ جزیرہ مل جانے کی جو خوشی ہوئی تھی، وہ اب کافروں ہو چکی تھی۔

☆.....☆.....☆

”کیا.....؟“

”میرے اندازے کے مقابلے سے ویران اور غیر آباد ہونا چاہئے۔“

”کیوں.....؟“

”ہم نے جو سفر کیا ہے، وہ عام سمندری راستے کا سفر نہیں ہے۔ اس طرف سے تو جہاز

بھی نہ گزرتے ہوں گے۔“

”ممکن ہے.....“ فلیکس نے آہستہ سے کہا۔

پھر ہمارے ساتھی دوڑتے ہوئے ہماری طرف بڑھے۔ ان کی کہانیاں نہیں تو ان میں بھی زندگی کی جدوجہد جھلک رہی تھی۔ سمندر کی مہربانیوں نے انہیں بھی ساحل عطا کیا تھا۔

بوا میں خنکی پھیلتی جا رہی تھی اور ہمارے بھیگے ہوئے جسم اس سے متاثر ہو رہے تھے۔ کافی دری کے بعد پال کی کپکپاتی ہوئی آواز اُبھری۔ ”سردی زیادہ ہے یا مجھے جسموں ہو رہی ہے؟“

”نہیں..... سردی ہے، اور بڑھتی جا رہی ہے۔“ ایڈن بولا۔

”تب ہمیں کوئی مناسب پناہ گاہ تلاش کر لئی چاہئے۔ تھوڑی دری کے بعد تاریکی پھیل جائے گی۔“ جو گزر بولا۔

”ہاں..... مناسب تجویز ہے۔“ میں نے کہا اور اُٹھ کھڑا ہوا۔ ”پال، جو گزر اور فلیکس! تم لوگ اپنے اپنے چاقوؤں کی مدد سے اس چپو کے تین گڑھے کر لو! ہمارے پاس تین چاقو ہیں۔ ہم انہیں بھتیجا بنالیں گے۔ میں اور ایڈن پناہ گاہ کی تلاش میں جاتے ہیں۔“

”اوکے چیف!“ فلیکس مسکرا کر بولا۔

”براؤ کرم! زیادہ ڈور نہ جائیں مسٹر کین!“ پال بولا۔

”ہاں..... زیادہ ڈور نہیں جائیں گے۔“ میں نے کہا اور ایڈن کو ساتھ لے کر بڑھ گیا۔

”دوڑتے ہوئے چلو ایڈن! اس طرح ہمارے جسموں میں حرارت آجائے گی اور سردی کا احساس کم ہو جائے گا۔“

”یس سر.....“ ایڈن نے کہا اور ہم لوگ فوجی انداز میں دوڑنے لگے۔ حالانکہ ہاتھوں پیروں میں جان نہیں تھی۔ لیکن ہم اپنے اعضاء سے بغاوت کر رہے تھے اور ان کی مرضا چلنے کے روادر نہیں تھے۔

چاروں طرف اُوچی اُوچی پٹھانیں اور ریتلی زمین پھیلی ہوئی تھی۔ کافی دریتک ادھر ادھر

بھل نہیں تھی۔ بلکہ یہ احساس تھا کہ یہاں اس بے بُی کے عالم میں زندگی گزارنے کے
نیہاں سے مہیا ہوں گے؟ نہ تو یہاں پانی ہے اور نہ شکار۔

”یہاں تو حشرات الارض بھی نظر نہیں آتے۔“ فلیکس غار کی دیواروں کو غور سے
پہاڑوا لے رہا تھا۔

”ہاں..... زمین پر ایک جیوٹی بھی نظر نہیں آتی۔“ میں نے کہا۔

فلیکس اور اُس کے ساتھی، اپنے کام سے فارغ ہو چکے تھے۔ انہوں نے چاقو کی مدد ”بیرت کی بات ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے کسی خاص وجہ سے یہاں زندگی کا وجود ختم ہو گیا“ سے چپو کے تین ٹکڑے کئے تھے اور پھر مضبوطی سے ان میں چاقو کس دیئے تھے۔ اب اس یہاں تک کہ گھاس وغیرہ بھی نہیں ہے۔“ فلیکس نے کہا۔
” طرح میرے پاس تین مضبوط بھالے موجود تھے۔“

آن تینوں نے مرت آمیز نگاہوں سے ہمیں دیکھا۔ لیکن ہمارے پاس اُن کے لئے کوئی ”غذا ہی بہتر جانے.....“ فلیکس نے گھری سانس لے کر کہا اور پھر اپنے ساتھیوں کی اچھی خبر نہیں تھی۔ میں نے انہیں بتایا کہ رات گزارنے اور سردی سے بچنے کے لئے ایک بڑی کھینچے لے گا۔

چھوٹا سا غار تو مل گیا ہے لیکن یہ جزیرہ بے آب و گیاہ ہے۔ اور سیاہ چٹانوں کے علاوہ یہاں ہر حال! غار میں جگہ بنالی گئی۔ اتنی زبردست سردی میں یہ جگہ غیمت تھی۔ جوں جوں کچھ نہیں ہے۔

”اوہ.....“ فلیکس کے ہونٹ، مایوسی سے سکڑ گئے۔ دریتک وہ پریشان نگاہوں سے مجھے ہر دہا میں ہمارے جسموں میں بھالوں کی مانند پوست ہو رہی تھیں۔ ہم غار میں سہٹ دیکھتا رہا، پھر بولا۔ ”یہ صورت حال تو کافی خطرناک ثابت ہو گی کیا؟“ پھر رات ہو گئی.....

”صورت حال تو ساری ہی خطرناک ہے۔ لیکن تم کس طرف اشارہ کر رہے ہو؟“ سب خاموش تھے۔ نہ جانے اُنگھنے لگے تھے یا پھر مستبل کے خیال نے ان کی زبانیں میں نے پوچھا۔

”سمندری سفر میں تو ہم نے غذا کا حل دریافت کر لیا تھا۔ یعنی شارک مچھلیاں..... گو نکر دی تھیں؟ گھری تاریکی نے جزیرے کو کسی اڑادھے کی مانند نگل لیا تھا۔ اور اب ہاتھ اُن کا شکار خاصا مشکل تھا۔ لیکن اس کے باوجود، جان کی بازی لگا کر ہم شکار حاصل کر کے انہجھائی نہیں دے رہا تھا۔“

”کم از کم آج تو کچھ نہیں ہو سکتا۔ چلو! اپنی پناہ گاہ کی طرف چلیں۔ ان لہروں کو دیکھ کر تو یا تمہارے خیال میں دوسرے لوگ سور ہے ہیں؟“ اس نے کہا۔

یہ احساس ہوتا ہے کہ کسی وقت پورے جزیرے کو گھیر لیں گی۔“ فلیکس نے کہا اور پھر سب ”کیوں دوستو! کیا تم سور ہے ہو؟“ فلیکس نے بلند آواز سے پوچھا۔

”انھیں میں مرت فلیکس.....“ پال کی کپکپائی ہوئی آواز سنائی دی۔

فلیکس اور دوسرے ساتھی مایوس نگاہوں سے جزیرے کے خوفناک ماحول کو دیکھ رہے تھے۔ ”پھر اس قدر خاموشی کیوں ہے؟“

”یہ ماحول بے حد بھیاک تھا۔ لیکن ہم پر جو چیز اثر انداز ہو رہی تھی، وہ اُس کی بیٹت یا کریں جتاب! ماحول اور احساسات نے ہماری زبان بند کر دی ہے۔ اس وقت تو

ہم کسی موبوہم سہارے کے بارے میں بھی گفتگو نہیں کر سکتے۔ اس وقت کوئی کسی کو سہارا یا تسلی پہنچ کر تو یقین کرو! مجھے ذرا برابر افسوس نہ ہوتا۔ لیکن اب میں بھی پریشانی کا شکار ہوں۔“
دے سکتا ہے، اور آنے والے وقت کے بارے میں اندازہ لگا سکتا ہے؟“
”میں نے کہانا، لیکن! کہ میں تمہیں اچھی طرح سمجھتا ہوں۔ تم سوچ رہے ہو گے کہ“
”ہاں..... اس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے کہ جزیرے کا جوزخ ہمارے سامنے ہے۔ لیکن نے جان بوجھ کر اپنے آپ کو موت کے منہ میں ڈالا ہے۔ اگر وہ ان جھگڑوں میں نہ
اُسے دیکھتے ہوئے کوئی امید افزا بات کہنا حماقت ہے۔ لیکن پھر بھی ممکن ہے، کوئی بہتر پہنچا اور تمہاری تلاش میں نہ لکھتا تو یقینی طور پر اس آفت کا شکار نہ ہوتا۔ کیوں..... سچ بتاؤ! کیا
صورت نکل آئے۔“
”بیال تمہارے ذہن میں نہیں ہے؟“ فلیکس نے مسکراتی نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے
”جزیرے کے بارے میں کوئی اندازہ ہے کیا۔۔۔ کتنا رقبہ ہو گا اس کا؟“ فلیکس نے
لہما۔ پوچھا۔

”بیا..... اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔“
”زیادہ بڑا نہیں ہے۔ یہ صرف میرا اندازہ ہے۔ ممکن ہے، غلط ہو۔ بہر حال! کل صحیح ہم
اسے دیکھنا شروع کریں گے۔“
”میں تو تمہاری بھول ہے کیا! جب ہم، زوہیوں کی قید میں تھے اور تم نے مجھے ایسی
زندگی بخشی تھی، جو میرے لئے ناممکن تھی تو کیا میرے ذہن میں یہ خیال نہ آیا ہو گا؟ اس وقت
ہم لوگ صرف اس لئے گفتگو کر رہے تھے کہ زندگی کا احساس جاگتا رہے۔ ورنہ آوازی
کیکپاہٹ، روکے نرڑک رہی تھی۔ اور اسی عالم میں سوتے جا گئے صحیح ہو گئی۔ ویران صحن میں
کوئی دلکشی نہیں تھی۔ سورج کی کوئی کرن ہمارے لئے زندگی کا پیغام لے کر نہیں آئی تھی۔
ہمیں اپنا نجماں معلوم تھا.....
”بہر حال! ایک موبوہم سی امید باقی تھی۔ چنانچہ ہم سب زندگی کی تلاش میں چل پڑے۔
ٹھنڈا تھا، جس نے ایک مخذلہ انسان کو شانوں پر لاڈ کر برف کی خوفناک ہم سر کی تھی؟ بتاؤ
میں! کیا وہ جذبہ کسی دوسرے سینے میں پرورش نہیں پاسکتا؟“
”کیوں نہیں..... کیوں نہیں؟ مجھے اس بات سے اختلاف نہیں ہے۔ لیکن تم ان بے
ساتھ ہی چل رہا تھا۔“
”کیا مطلب..... تم یہ کس خیال کے تحت کہہ رہے ہو؟“ میں نے اس سے پوچھا۔
”اگر یہاں سمندر اتنا طوفانی نہ ہوتا تو ہم اس حصے میں بھی مچھلیاں پکڑ سکتے تھے۔ لیکن
ایں چاٹ نہیں سکتی تھی؟ موت تو ہر شکل میں ہر جگہ آسکتی ہے۔ اس سے منزہ نہیں ہے۔
اس شدید طوفان میں مچھلیوں کا حصول ناممکن ہے۔“

”ہاں..... یہ تو حقیقت ہے۔ لیکن بہر صورت فلیکس! ابھی نا امید ہونے کی ضرورت ہنا چاہئے۔ ویسے کیا خیال ہے، ہم ان
نہیں۔ ہم جزیرے کا چپچہ چھان ماریں گے۔ اس کے ایک ایک گوشے کو دیکھو ڈالیں گے۔ سوالات کریں؟“ فلیکس نے پوچھا۔
”ممکن ہے یہاں زندگی کے لئے کوئی سہارا مل جائے۔“ میں نے کہا اور فلیکس عجیب سے انداز
”کیا سوال کرو گے ان بے چاروں سے؟ ہماری وجہ سے یہ اپنے آپ کو سنبھالے ہوئے
میں ہنسنے لگا۔“ میں جانتا ہوں فلیکس! تم کیوں ہنس رہے ہو؟“
”مسٹر ایڈن.....“ فلیکس نے ایڈن کو آواز دی اور آہستہ آہستہ پلتے ہوئے وہ لوگ

گرم ریت، ہمارے چہرے، آنکھوں اور جسم کے دوسرے کھلے حصوں پر پڑتی تو خاصی تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں ہم سب گرمی کی اس شدت سے لگبرائے اور کوئی ایسی سایہ دار جگہ تلاش کرنے لگے جہاں یہ وقت گزار جائے۔

چٹانوں کی کمی نہیں تھی۔ چھوٹی بڑی بلند بala..... کہیں کہیں انہوں نے جھک کر سامبان کی شکل اختیار کر لی تھی۔ ایسی ہی ایک بڑی چٹان تلاش کر کے ہم لوگ ہاتھ پتے ہوئے اُس کے نیچے پہنچ گئے۔ دھوپ سے نجال مل گئی تھی، اس لئے ہمیں یہ جگہ قدرے محدود محسوس ہوئی۔ لیکن ریت بدستور اُڑ رہی تھی اور ہمارے ہلے بدلتے جا رہے تھے۔

تھوڑی ہی دیر میں ایڈن کی بہت جواب دے گئی۔ اس نے خونخوار نگاہوں سے ہم چاروں کو گھورا اور بولا۔ ”میں اس خوفناک ماحول میں زندہ نہیں رہ سکتا۔ میں سمندر کی جانب واپس جا رہا ہوں۔“

”اوہ..... ایڈن! وہاں جا کر کیا کرو گے؟“ میں نے سوال کیا۔

”جو دل چاہے گا، کروں گا..... چٹانوں سے ٹکرا لکرا کر جان دے ڈوں گا۔ لیکن یہ ریت..... خدا کی پناہ!“ اُس نے اپنی آنکھیں ملتے ہوئے کہا، جو گہری سرخ ہو گئی تھیں۔ ”میرا خیال ہے کہیں! ہمیں مزید نہیں چلتا چاہئے۔ مسٹر ایڈن شاید بہت تھک گئے ہیں۔“ فلیکس نے نرم لمحے میں کہا۔

”ہاں..... اس وقت تک انتظار کیا جا سکتا ہے، جب تک ہم لوگوں کی تھکن دُور نہیں ہو جاتی۔ سورج ابھی تو بہت نیچے ہے۔ اگر ہم نے زیادہ وقت ہمیں گزار دیا تو پھر خود کو بے مصرف محسوس کریں گے۔ زندگی کی تلاش میں پھرنا، ایک جگہ رکے رہنے سے کہیں بہتر ہے۔“ میں نے کہا اور ایڈن مجھے گھوڑنے لگا۔

”مجھے نہیں چاہئے زندگی..... میں نہیں تلاش کرنا چاہتا زندگی کو۔ تم لوگ مجھے یہاں چھوڑ دو اور خود جزیرے کے آخری سرے تک پلے جاؤ!“

”ہم، تمہیں یہاں چھوڑ دیں گے مسٹر ایڈن! لیکن ایک شرط پر۔“ فلیکس نے کہا۔ ”کیسی شرط پر.....؟ میں کوئی شرط ماننے کو تیار نہیں ہوں۔“

”مسٹر ایڈن..... دیے تو جو آپ کے جی میں آئے، کریں۔ ہم آپ کو، آپ کی مرضی کے خلاف مجبور نہیں کر سکتے۔ لیکن اس شرط میں ہی آپ کا فائدہ ہیں۔“ ”وہ کیا.....؟“

رک گئے۔ وہ ہم سے چند گز آگے چل رہے تھے۔ ایڈن سوالیہ نگاہوں سے ہماری جانب دیکھنے لگا۔ چند قدم چل کر ہم ان کے نزدیک پہنچ گئے۔ تب فلیکس نے مکراتے ہوئے اُس سے سوال کیا۔

”تم لوگ اس وقت کیا محسوس کر رہے ہیں؟“ میں جانا چاہتا ہوں، اس وقت تمہارے کیا احساسات ہیں؟“

”کیا یہ احساسات، آپ مہذب دنیا میں نشر کریں گے مسٹر فلیکس؟“ ایڈن نے کسی قدر سرد لمحے میں پوچھا۔ جس کا مطلب تھا کہ اُس کا مزاج کسی قدر درست نہیں ہے۔ فلیکس نے اُس کی سرد مہربی کو محسوس کیا۔ لیکن اُس کی پیشانی پر کوئی لیکر نمودار نہیں ہوئی۔ اُس نے آہستہ سے کہا۔ ”یہ بات نہیں ہے مسٹر ایڈن! دراصل، ہم جانا چاہتے ہیں کہ کیا آپ کے ذہنوں میں یہ خیال ہے کہ یہ ساری مصیبت، جو آپڑی ہے، ہماری وجہ سے ہے؟“

”نہیں..... اگر مسٹر ایڈن کا یہ خیال بھی ہو تو ایسا کوئی خیال ہم دونوں کے جذبات کی نشاندہی تو نہیں کر سکتا۔“ پال نے آگے بڑھ کر کہا۔

”میں بھی مسٹر پال سے متفق ہوں۔“ جو گزر بولا۔ ”مسٹر فلیکس کے لئے اگر اس سے زیادہ تکالیف بھی اٹھائی پڑیں تو ہم میں کر اٹھائیں گے۔ یہ جس قدر نیک نفس اور شریف الطبع انسان ہیں، میں اس کی مثال پیش نہیں کر سکتا۔“

”اوہ..... دوستو! تمہارا شکریہ۔ بلاوجہ مجھے اتنی اہمیت دے رہے ہو۔ دراصل میں اور کیم گفتگو کر رہے تھے۔ مسٹر کین کا خیال تھا کہ آپ لوگ بدول ہو چکے ہیں۔“

”میں اس بات سے انکار کرتا ہوں۔“ پال نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ ”اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم اپنا فرض ادا کرتے ہوئے یہاں تک جن حالات میں پہنچ ہیں، وہ کسی دوسری ہمیں بھی پیش آسکتے تھے۔ ہم فوجی ہیں اور ایسے واقعات، فوجی زندگی کا ایک جزو ہوتے ہیں۔ اس کی ذمہ داری کسی ایک شخص پر ڈالنا میرے خیال میں نہایت احتفاظہ بات ہو گی۔“ پال نے کہا۔ جو گزر نے اس کی تائید کی تھی۔ لیکن ایڈن، خشک سے انداز میں آگے بڑھ گیا تھا۔ گویا اُسے ہم سے کسی قدر اختلاف تھا۔

مجھے اور فلیکس کو نہایت ہوشیاری سے کام لے کر اُس نازک صورت حال کو سنبھالنا تھا۔ ہم آگے بڑھتے گئے۔ چاروں طرف گرم ریت اور نگلی چٹانوں کے سوا کچھ نہیں تھا۔ جوں سورج بلند ہو رہا تھا، ریت پتی جا رہی تھی، اور جھونکوں کی صورت میں اُڑ رہی تھی۔ یہ گرم

"آپ یہیں رُک کر ہمارا انتظار کریں۔ ہم اپنی دانست میں جہاں تک جا سکتے ہیں جائیں گے۔ اور پھر وابس اسی جگہ آجائیں گے۔ اگر کوئی مناسب صورت حال سامنے آئی تو آپ کو اس کی اطلاع دے دی جائے گی۔ ورنہ....." میں نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

"ٹھیک ہے، ٹھیک ہے..... تم جاؤ! میں یہیں رہوں گا۔" ایڈن نے کہا اور میں نے پال اور جو گزر کی طرف دیکھا۔ دونوں کے پیروں پر تاسف کے آثار نظر آ رہے تھے۔ پھر وابس طور پر ایڈن کو سمجھانے لگے۔ اور نجاست انہوں نے کیا گفتگو کی کہ ایڈن ہمارے ساتھ پلے کے لئے تیار ہو گیا۔

میری یہ خواہش تھی کہ اگر ہمیں سمندر کے راستے پر واپس جانا ہی ہے تو کیوں نہ کوئی دوسرا رُخ اختیار کیا جائے؟ ممکن ہے، ہم کوئی بہتر جگہ ہی تلاش کر سکیں۔ چنانچہ اس بار جب ہم نے سفر اختیار کیا تو ہماری رفتار خاصی تیز تھی۔ لیکن ہر طرف وہی کچھ تھا۔ بے آب و گیارہ بھر ز میں اور سیاہ چٹانیں..... بدن جل رہا تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے جسم میں آگ لگ جائے گی۔ رات بھر سخت سردی کا شکار رہے تھے۔ موسم کی یہ تبدیلی کسی شدید یہماری کا باعث بھی بن سکتی تھی۔ لیکن مجبوری..... چلتے رہے..... چلتے رہے..... ظاہر ہے، اس کے علاوہ کیا کرتے؟ یہاں تک کہ سورج، سروں پر سے گزر گیا اور شام جھنگنے لگی۔

شام کا احساس بہت سے خوفناک خیالات کو جنم دے رہا تھا۔ تھکن بری طرح سوار تھی۔ اوپر سے بھوک اور پیاس..... فلیکس نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھا اور کہنے لگا۔ "میرا خیال ہے کہن! اب ہمیں بائیں سمتِ مژہ جانا چاہئے۔ ان چٹانوں اور ریت میں تو کچھ تلاش کرنے سے رہے۔ کیوں نہ سمندر کا کنارہ ہی پکڑا جائے؟"

"جیسا تم مناسب سمجھو فلیکس! لیکن میرے ذہن میں کچھ اور تھا۔"
"وہ کیا.....؟" فلیکس نے پوچھا۔

"میرا مطلب ہے کہ سمندر کے کنارے کنارے چلنے والی ہوائیں، زیادہ سرد ہوں گی تم محضوں کر رہے ہو گے کہ جونہی سورج جھکا ہے، ہواؤں میں تنکی پیدا ہو گئی ہے۔ دن بھر کی سخت گرمی اور اس کے بعد سخت سردی، ہمارے جسموں کے لئے سودمند ثابت نہیں ہو سکتی۔ اس بات کا تمہیں یقینی طور پر احساس ہو گا۔"

"وہ تو ٹھیک ہے۔ لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ اس حصے کی طرف چٹانیں نہ ہوں اور ہمیں مچھلیاں مل سکیں؟"

"ہاں..... یہ بات تو ٹھیک ہے۔" میں نے کہا۔

"تب پھر آؤ..... کوشش کرتے ہیں۔" اس نے کہا اور ہم نے اپنا رُخ بدل لیا اور ساحل کی طرف ہولے۔ وہ تینوں بھی ہماری تقیید میں پیچھے پیچھے چلے آ رہے تھے۔ ایڈن کو نہ جانے کیا ہوا تھا کہ اس نے اختلاف چھوڑ دیا تھا۔ اس کے چہرے سے اندازہ ہو رہا تھا کہ اس پر ایوی کا شدید غلبہ ہے۔ بہر صورت! ہم کسی کو کچھ نہیں کہہ سکتے تھے۔ پھر جب اُن اونچی اونچی چٹانوں کا سلسلہ شروع ہوا اور تھوڑی سی ڈھلان محسوس ہوئی تو ذور ہی سے ہمیں سمندر کا کنارہ نظر آ گیا۔ لیکن اس طرف بھی وہی سیاہ اور خوفناک چٹانیں سر اخڑائے کھڑی تھیں اور سمندر کا پانی اُن سے پُر شور آواز میں ٹکر رہا تھا۔

گویا اس طرف بھی مچھلیوں کی موجودگی کا امکان ختم ہو گیا تھا۔ لیکن ایک بڑی چٹان کی آڑ میں ایک عجیب سی چیز دیکھ کر فلیکس چونک پڑا۔ ابھی اتنی روشنی باقی تھی کہ اس کی تیز گاہوں نے اُس شے کو دیکھ لیا تھا۔

"کیا.....!" اس نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"کیا بات ہے.....؟"

"وہ..... وہ دیکھو! کیا وہ بھی کسی سیاہ پھر کا ٹکڑا ہے؟"

"کہاں.....؟"
"وہ..... اس سیاہ چٹان کی آڑ میں۔" فلیکس نے اشارہ کیا اور میں غور سے اس طرف دیکھنے لگا۔

"آؤ..... دیکھ کر آتے ہیں۔" میں نے فلیکس سے کہا اور اُن تینوں کو رُکنے کا اشارہ کرتا ہوا فلیکس کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔
چٹان کے نزدیک پہنچ کر ہم نے اُس شے کو دیکھا اور ہماری آنکھوں میں عجیب سے تاثرات لہرا گئے۔ یہ ایک سمندری گھوڑا تھا جو غالباً کسی چٹان سے ٹکرا کر مر گیا تھا۔ اس کا بھیجا پاش پاں ہو گیا تھا اور گلے ہوئے جسم سے تعفن اُٹھ رہا تھا۔ فلیکس کھوئے ہوئے انداز میں خاموش کھڑا تھا۔

"کیا سوچ رہے ہو فلیکس.....؟" میں نے پوچھا۔

"کیا..... کیا اس بات سے ہم کوئی امید کر سکتے ہیں؟"

"مشکل ہے۔" میں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "ممکن ہے، یہ سمندر میں اس طرف آ

لکا ہوا اور کسی چنان سے نکلا کر مر گیا ہو۔

”ہاں..... ممکن ہے۔“ فلیکس نے ماہی سے کہا اور پھر ہم واپس اسی جگہ پڑا گئے، جہاں وہ تینوں زمین پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اب تو ان تینوں کی حالت خاصی خراب ہو گئی تھی۔ پال اور جو گنر کے چہروں پر بھی مردی چھانے لگی تھی۔ ایک چنان کی آڑ میں ہم نے رات بر کی۔ اس جگہ تو کوئی پناہ گاہ بھی تلاش نہیں کی جاسکتی تھی۔

رات انتہائی تاریک تھی۔ سامنے ہی سفید سفید جھاگ اڑاتا ہوا سمندر نظر آرہا تھا۔ تنہ موجوں کا شور، رات بھر کانوں میں پھلے ہوئے سیے کی مانند اتر تارہا۔ نیند کی یہ کیفیت تھی کہ آتی تھی اور ہم بیدار ہو جاتے تھے۔ رات کے آخری پھر ایڈن کراہنے لگا۔ ہم سب ہی اٹھ بیٹھے۔

”کیا بات ہے ایڈن.....؟“

”میرے سینے میں سخت درد ہو رہا ہے۔“ اس نے بھاری لمحے میں کہا۔ میں نے اسے چھو کر دیکھا۔ ایڈن کو سخت بخار تھا۔ میں نے اپنا کوٹ اٹار کر اس کے جسم پر ڈال دیا۔ میرا اور پری جسم برہنسہ ہو گیا تھا۔

”یہ کیا کر رہے ہو؟“ فلیکس نے پریشان لمحے میں کہا۔

”ٹھیک ہے فلیکس!“ میں نے کہا۔ میں اتنی قوت برداشت رکھتا ہوں کہ یہ سردی بے اثر رہے گی۔ میں نے کہا۔

”نہیں، مسٹر کین! یہ مناسب نہیں ہو گا۔ بہتر یہ ہو گا کہ ہم اسے گھیر کر بیٹھ جائیں۔ ممکن ہے صبح تک اس کی حالت بہتر ہو جائے۔“ پال نے کہا۔

”نہیں پال! سب ٹھیک ہے۔“ میں نے ان سب کی بات ماننے سے انکار کر دیا اور ایڈن کو کوٹ میں اچھی طرح لپیٹ دیا۔

ایڈن، صبح تک کراہتا رہا۔ اور پھر جب روشنی نمودار ہوئی تو اس کے درد میں کسی قدر افاقہ محسوس ہوا۔ سب سے تکلیف وہ کیفیت بھوک کی تھی۔

یہ پورا دن ہم نے وہیں گزارا۔ ڈھوپ سے بچاؤ کے لئے ایک سایہ دار چنان تلاش کر لی گئی تھی۔ اب ماہی کا وہ لمحہ شروع ہونے والا تھا جب نگاہوں اور دماغ میں کچھ نہیں رہتا۔ صرف زندگی کا ایک تار ہوتا ہے جسے چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا۔۔۔ لیکن میں اتنی آسانی سے ہمار ماننے والوں میں سے نہیں تھا۔ زندگی نے جب ختم ہی ہونا تھا تو جدو جہد کرتے ہوئے

کیوں نہ ختم ہو؟ میں سوچ رہا تھا اور اپنی اس سوچ میں بالآخر میں نے فلیکس کو بھی شامل کر لایا۔

میں، اسے وہاں سے تھوڑے فاصلے پر لے گیا اور اُسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ”فلیکس! ایک وعدہ کرو۔ میں اگر کوئی اقدام کروں گا تو تم اس میں میرے ساتھ شریک ہونے کی کوشش نہیں کرو گے۔“

”کیا کرنا چاہتے ہو.....؟“ فلیکس نے بھڑک کر پوچھا۔

”میں ان چنانوں کے درمیان مچھلیاں تلاش کروں گا۔ ممکن ہے، سمندر میں بہہ کر آنے والی مچھلیاں بیہاں آکر مر جاتی ہوں۔ اگر زندگی مچھلیاں، ہمارے سامنے چنانوں سے نکلا کر دم توڑتی ہوئی نظر آئیں تو کیوں نہ ان پر قابو پانے کی کوشش کریں؟“

”آہ..... تو کیا اس کام میں، میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکتا؟“ فلیکس نے پوچھا۔

”ہرگز نہیں فلیکس! اگر تم نے خد کرنے کی کوشش کی تو یقین کرو! میں سمندر سے واپس نہیں آؤں گا۔“

”ارے نہیں..... میں خد نہیں کروں گا۔ لیکن ان چنانوں میں جانا کتنا خطرناک ہے؟ اس کا اندازہ تمہیں خود بھی ہو گا۔“

”ہاں..... میں یہ خطرناک قدم اٹھانا چاہتا ہوں۔ اس لئے کہ میں زندگی کا خواباں ہوں۔ میں، ان لوگوں کے لئے زندگی تلاش کر کے دم لوں گا۔ ہمیں وہ سب کچھ کرنا چاہئے فلیکس! جو ہمارے لئے زندگی فراہم کر سکتے۔“

”اچھا..... تو پھر ایک کام کرو۔“ فلیکس نے کہا۔

”وہ کیا.....؟“

”آج اور انتظار کرلو۔ کل صبح کو ہم اس کام کا آغاز کریں گے۔“

”کیوں.....؟ کل تک انتظار کرنے کی کیا ضرورت ہے؟“

”میں..... نہ جانے کیوں.....؟ میرا دل کہتا ہے کہ تم وہاں نہ جاؤ!“

”ہوں..... رات کی تاریکی میں تم کوئی گڑبر کرنے کی کوشش کرو گے؟“ میں نے مسکرا کر فلیکس کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

”نہیں میرے دوست! میں ایک مذدور انسان ہوں۔ میں کیا گڑبر کروں گا؟ یہ ٹھیک ہے کہ میں اپنی قوت ارادی اور مشت کی بناء پر خود کو مذدور انسان ظاہر نہیں کرتا، لیکن اس کے

”مجھے، تمہاری بات ناگوار نہیں گزری۔ میں تم لوگوں کی زندگی کی خاطر، اپنی جان قربان کرنے کو ہر وقت تیار ہوں۔“ فلیکس نے کہا اور ایڈن پھوٹ پھوٹ کر روپڑا۔

”نہیں مسٹر فلیکس..... نہیں! اب آپ کو ہم لوگوں سے کوئی شکایت نہیں ہو گی۔ ہمیں، آپ کی زندگی درکار ہے، آپ کی قربانی نہیں۔“

کافی جذباتی مظہر ہو گیا تھا۔ میں خاموشی سے چنان سے ٹیک لگائے ان لوگوں کو دیکھ رہا تھا۔ اُس رات، ہم میں سے کوئی بھی نہ سو سکا۔ سب کی بڑی حالت تھی۔ گزشتہ چند راتیں بھی ہم سکون سے نہیں سوئے تھے۔ لیکن آج تو نیند، آنکھوں سے بالکل ڈور تھی۔

رات کا نجانے کوں سا پھر تھا، جب جزیرے پر اچانک کچھ عجیب سی آوازیں اُجھریں۔ ایک عجیب سا شور، ہمارے کانوں میں پڑا اور ہم چونک کر اٹھ بیٹھے۔ یہ سمندر کی لہروں کا شور بھی نہیں تھا۔ یوں لگتا تھا، جیسے بہت سارے کتے ایک ساتھ مل کر بھونک رہے ہوں۔ اور ان کے ساتھ بے شمار گیدڑ بھی رو رہے ہوں۔ کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی تھی کہ یہ سب کیا ہے؟

خود ہی دیر بعد میں نے ایک عجیب و غریب مظہر دیکھا۔ سمندر کے کنارے ایک لمبی سی سیاہ لہر تحرک تھی۔ اور وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہی تھی۔ اور یہ سب آوازیں اُسی لکیر سے بلند ہو رہی تھیں۔

میرا اشتنیاق دیکھ کر فلیکس اور اُس کے ساتھی بھی کھڑے ہو گئے۔ اور چند ہی ساعت کے بعد ہمیں اندازہ ہو گیا کہ یہ لہر نہیں، بلکہ کوئی اور ہی چیز ہے۔

”کیم..... جانتے ہو، یہ کیا ہے؟“ فلیکس میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کپکپاتی ہوئی آواز میں بولا۔

”کیا ہے.....؟“ میں نے پوچھا۔

”سمندری گھوڑے..... یقیناً سمندری گھوڑے ہیں۔“

”اوہ.....“ میں آہستہ سے بولا۔ فلیکس کی اس بات نے میرے ذہن میں ایک عجیب سا احساس پیدا کر دیا تھا۔ ”لیکن یہ گھوڑے، فلیکس! کیا رات کی تاریکی ہی میں غائب نہیں ہو جائیں گے؟“

”سو فیصد امکان اسی بات کا ہے۔“

”لیکن پھر.....؟“ میں نے آہستہ سے اُس سے پوچھا۔

باوجود میں سب کچھ اتنی دلیری سے نہیں سوچ سکتا۔“

”لیکن یہ کل کی بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی۔“

”بس! میرا دل کہہ رہا ہے کہ آج کچھ نہ کرو۔“

میں نے فلیکس کی طرف غور سے دیکھا۔ وہ خاصاً معقول آدمی تھا۔ لیکن اس وقت دل کی

باتوں پر عمل کرنے لگا تھا۔ لیکن اگر وہ کہہ رہا ہے تو پھر کیا حرج ہے؟ ایک دن اور سہی۔

سورج کی تیش، بھوک اور پیاس سے ہمکنار دن ڈھلنے لگا تو کچھ جان میں جان آئی۔

لیکن خود ہی دیر بعد منک ہوا میں ہمارا استقبال کرنے کو تیار ہو گئی۔

ایڈن، سورج کی تیش کے باعث سنبھل گیا تھا۔ اُس کا بخار بھی اتر گیا تھا۔ لیکن جو نبی

سرد ہوا میں چلنا شروع ہوئیں، اُس پر پھر خوف طاری ہو گیا۔

”اب کیا ہو گا.....؟“ اُس نے سر اسی سہ لبجے میں پوچھا۔

”ہمت کرو..... حوصلہ رکھو ایڈن! کچھ نہ پکھ ضرور ہو گا۔“

”کاش! مجھے کھانے کو کچھ مل جاتا تو میری قوتِ مدافعت اتنی کمزور نہ ہوتی۔“ اُس نے

غمناک لبجے میں کہا اور فلیکس، چپو کے بنائے ہوئے نیزے سے چاقو کھولنے لگا۔ اُس کے

چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔

نجانے کیوں میرے ذہن میں ایک خدشے نے سراہب اور میں نے فلیکس کا ہاتھ پکڑا

لیا۔ ”کیوں کھوں رہے ہو اسے فلیکس.....؟“

”میں اسے کھانے کو کچھ دوں گا۔“ فلیکس نے کہا اور میں چونک پڑا۔

”کیا دو گے.....؟“

”اپنے جسم کے گوشت کا کوئی نکڑا.....“ اُس نے کہا اور تمام نگاہیں اُس کی جانب اٹھ گئیں۔ ایڈن بھی چونک کر فلیکس کی جانب دیکھنے لگا پھر اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

”نہیں مسٹر فلیکس! مجھے کھانے کے لئے کچھ نہیں چاہئے۔ آپ جیسے دوستوں کے ساتھ تو

موت بھی بڑی دکش ہوتی ہے۔ میں بھی کتنا بے وقوف ہوں؟ خواہ خواہ آپ لوگوں کو پریشان کر رہا ہوں۔ خدا کی قسم! آپ کی اس بات نے مجھے ایک نیا حوصلہ بخشنا ہے۔ آپ یعنی

کریں مسٹر فلیکس! اب آپ میری زبان سے الیٰ کلی بات نہیں سنیں گے، جو آپ کو ناگوار گزرے۔“

”پچھہ کرنا ہے کین..... پچھہ کرنا ہے۔“ فلیکس مضطربانہ انداز میں بولا۔ اور پھر اُس نے پلٹ کروہ چپو اٹھالیا جسے ہم نے بھالے کی شکل میں ڈھال لیا تھا۔ میں فلیکس کا مقصد کسی حد تک سمجھ گیا تھا۔ تب میں نے ان تینوں کو مخاطب کیا۔

”دیکھو! تم میں سے کوئی اپنی جگہ سے حرکت نہ کرے۔ اگر تم نے ایسا کیا تو ہمارے اس کام میں رُکاؤٹ بنو گے، جو ہم سرانجام دینے جارہے ہیں۔“

پال نے میری طرف دیکھ کر تعجب سے کہا۔ ”لیکن مسٹر کین! آپ کیا کرنے جارہے ہیں؟“

میں نے پال کو کوئی جواب نہیں دیا۔

میں اور فلیکس زمین پر ریگتے ہوئے آگے بڑھنے لگے۔ ہماری کوشش یہ تھی کہ یہ خطرناک جانور ہماری موجودگی سے ہوشیار ہو کر سمندر کی جانب نہ لوٹ جائیں۔

”فلیکس.....!“ میں نے آہستہ سے اُسے مخاطب کیا۔

”ہاں، کین.....؟“

”دیکھو! کسی ایک پر التفاکرنے کی کوشش مت کرنا۔ جس قتل عام کر سکتے ہو، کرنا۔“

ہمیں کسی قسم کے خوف کو محسوس نہیں کرنا چاہئے۔“

”میں سمجھتا ہوں..... تم یقین کرو کہ فلیکس بزدل نہیں ہے۔“

”مجھے یقین ہے۔“ میں نے کہا۔

ہم دونوں ریگتے ہوئے، گھوڑوں کے اُس عظیم لشکر کے قریب پہنچ گئے۔ پھر ہم نے انتہائی چاکدستی سے اُن پر حملہ کر دیا۔ ہمارے خوفناک بھالے اُن کے جسموں میں پیوست ہو گئے اور مرنے والے پہلے دو جانور انتہائی خوفناک آواز میں چیخ۔

ہم نے برق رفواری سے بھالوں کو اُن کے جسموں سے کھینچا اور اُن کے نزدیک جیران کھڑے ہوئے دوسرے جانوروں پر حملہ کر دیا۔ ہم انتہائی چاکدستی سے بھالے اُن کے جسموں میں پیوست کر رہے تھے۔ اور اُن میں کئی جانوروں کو زخموں سے اتنا چور کر دیا تھا کہ وہ، واپس سمندر میں نہیں جاسکتے تھے۔

معصوم جانور ہمارے ظلم کا شکار ہو کر گر رہے تھے۔ اور واقعی ہم نے قتل عام شروع کر دیا تھا۔ پھر شاید کسی جانور کو حساس ہو گیا کہ کوئی خطرہ اُن کے ذمیان موجود ہے۔ اُس نے زک کر اپنے گرے ہوئے ساتھیوں کی طرف دیکھا اور پھر بھی انک آواز میں چیختا ہوا رُخ

بننے لگا۔

اُس کا رُخ بدلا تو سب نے اپنے اپنے رُخ بدل لئے اور سمندر کی جانب بھاگے۔ چند ماءت بعد ہی وہ سمندر کی موجودوں میں گم ہو چکے تھے۔ لیکن بے شمار سیاہ جانور ریت ہی پر ہے رہ گئے تھے۔ اُن کے جسم، ریت پر تڑپ رہے تھے۔

ہم آسودہ نگاہوں سے تڑپتے ہوئے جانوروں کو دیکھ رہے تھے جو آہستہ آہستہ سرد ہوتے ہاں رہے تھے۔ پھر ہم، اُن کے نزدیک پہنچ گئے۔ بھلا انتظار کی تاب، کس میں تھی؟ چنانچہ ہم نے برق رفواری سے وہ بھالے کھولنے شروع کر دیئے۔ اب ہمیں چاقوؤں کی ضرورت تھی۔ ”میرا خیال ہے کین..... میں گوشت کا ایک بڑا ٹکڑا اُن تینوں تک پہنچا دوں؟ اُن کی مالت بہت خراب ہے۔“

”ٹھیک ہے میرے دوست! میرا خیال ہے کہ اُن کی بھوک اس قدر شدید ہے کہ وہ کچا گوشت کھانے میں کوئی خاص وقت محسوس نہیں کریں گے۔“

”ہاں..... حالات ایسے ہی ہیں۔“ فلیکس نے کہا اور اپنے تیز دھار والے چاقو کو سمندری گھوڑے کے مضبوط جسم پر آزمائے لگا۔ اُس نے تین چار پونڈ کا ایک ٹکڑا اُس جانور کے جسم سے علیحدہ کیا۔ پھر اُس کے تین ٹکڑے کے اور انہیں سنبھالے ہوئے اپنے ساتھیوں کے نزدیک پہنچ گیا۔

جو گر، پال اور ایڈن متھیر ان نگاہوں سے ہمیں دیکھ رہے تھے۔ ”آؤ میرے دوستو! میں تمہارے لئے زندگی کا پیغام لایا ہوں۔“ فلیکس کی آواز میں خوشی کا عصف موجود تھا۔ پھر اُس نے گوشت کے تینوں ٹکڑے اُن کے حوالے کر دیئے۔ انہوں نے تعجب سے گوشت کو دیکھا تھا۔

”اُرے..... یہ تو گوشت ہے۔“ جو گز کا لبجہ انہائی خوشی سے بھر پور تھا۔

”ہاں..... سمندری گھوڑے، ہمارے لئے زندگی کا پیغام لائے ہیں۔ کھاؤ..... مزے سے کھاؤ۔ بہت گوشت ہے۔“ فلیکس نے کہا اور وہ لوگ گوشت پر ٹوٹ پڑے۔

فلیکس میرے پاس واپس پہنچ گیا اور مسکراتا ہوا بولا۔ ”میرا خیال ہے کین! انسانی ابادی سے ڈور اس دیران جزیرے پر یہ گوشت ہمارے لئے بہترین نعمت ہے۔“ اُس نے بچک کر گوشت کا ایک ٹکڑا کاٹا اور اُسے میرے حوالے کر دیا۔

میں بیان نہیں کر سکتا کہ اُس وقت یہ کچا اور بے مزہ گوشت کس قدر لذیذ معلوم ہوا تھا؟

”وہ کیا.....؟“
 ”جب میں جزیرے پر پہلی بار کسی مناسب جگہ کی تلاش میں نکلا تھا تو میں نے ایک رُہے میں پانی دیکھا تھا۔ وہ پانی، سخت بدبودار اور ناقابل استعمال تھا، جس میں ریت کی نیزش تھی۔“

”ٹھیک ہے..... تو پھر.....؟“ فلیکس نے پوچھا۔
 ”اس کا مطلب ہے کہ جزیرے پر بارش ضرور ہوتی ہوگی۔“
 ”میرا خیال ذرا مختلف ہے کیم!“
 ”وہ کیوں.....؟“

”اگر جزیرے پر بارش ہوتی تو پھر یہ زمین اس قدر سُنگاخ اور بخشنہ ہوتی۔ کہیں نہ نہیں فنوں میں تو گھاس پھونس وغیرہ ضرور نظر آتی۔“ فلیکس پڑھا انداز میں بولا۔
 ”ہاں! بات تجھ بخیز ضرور ہے فلیکس! لیکن بعض زمینیں عجیب و غریب خصوصیات کی مaal ہوتی ہیں۔ کچھ زمینیں ایسی ہوتی ہیں، جن میں نمود کی صلاحیت ہی نہیں ہوتی۔ اور میرا نیال ہے کہ یہ زمین بھی ایسی ہی ہے۔ اگر یہ بات ہوتی تو اس گڑھے میں بارش کا پانی وجود نہ ہوتا۔“

”ٹھیک ہے کیم! ہم اس امکان کو بھی نظر انداز نہیں کر سکتے۔ لیکن پھر کیا کیا جائے؟“
 ”میرے ذہن میں ایک پروگرام ہے۔“ میں نے کہا۔

”وہ کیا.....؟“ فلیکس نے پوچھا
 ”چنانوں کی بالائی سطح، سخت ہے۔ اگر ہم ان میں گڑھے بنانے میں کامیاب ہو جائیں تو گڑھے ہمیں بارش کا پانی فراہم کر سکتے ہیں۔ اور یہ پانی کچھ عرصے تک محفوظ بھی رہ سکتا ہے۔ تو کیوں نہ ہم اس سلسلے میں کام شروع کر دیں؟“

”نہایت مناسب خیال ہے۔ اور میرے خیال کے مطابق ایک بہترین مشغله بھی۔“
 ”لگس نے کہا۔“ ہم، کل سے کام شروع کر دیں گے۔“

تحوڑی دیر بعد ہمارے تینوں ساتھی بھی ہمارے پاس پہنچ گئے۔ وہ کافی خوش و خرم نظر آ رہے تھے۔

”اس گوشت نے تو ہم لوگوں میں نئی زندگی پھونک دی ہے۔“ پال نے مسکراتے ہوئے لہا اور ہمارے زندگیک میٹھے گیا۔

میں اپنے دوستوں کا حال بھی جانتا تھا۔ ظاہر ہے، مجھیں قوت برداشت رکھنے والا شخص بھی بھوک کی اس کیفیت کا شکار تھا کہ کچھ بھی مل جاتا تو اسے نہ چھوڑتا، تو ان کی کیا حالت ہوگی؟ بہرہ صورت! اس گوشت کو اتنے شوق سے کھایا کہ آج بھی جب اس کا تصور کرتا ہوں تو خود پر بُنی آتی ہے۔ اور انسان کی بے ثباتی کا احساس اُجاگر ہو جاتا ہے۔

گوشت کی نئی نے پیاس کی شدت بھی کم کر دی تھی۔ ہمارے لئے سب سے ہمارے پانی تھا۔ حالانکہ تاحد نگاہ پانی ہی پانی تھا۔ لیکن نہیں پانی کو معدے میں آنٹارنا کوئی آسان بات تو نہیں ہے۔ اسے زبان تک لے جاتے تھے تو حالت بگڑ جاتی تھی۔ البتہ اتنا ضرور کرتے تھے کہ جی کڑا کر کے پانی حلق میں ڈالتے اور کلی کر دیتے۔ زبان کافی دیر تک نہ کی شدت کا شکار رہتی۔ لیکن حلق میں نئی پہنچ جانے کی وجہ سے پیاس کی شدت کم ہو جاتی تھی۔

”کیا خیال ہے کیم..... کیا تھوڑا سا گوشت اٹھیں اور دے دوں؟“ فلیکس نے پوچھا۔
 ”دینے میں تو کوئی حرج نہیں ہے فلیکس! لیکن میرا خیال ہے کہ اتنی طویل بھوک کے بعد اگر انہوں نے بہت سارا گوشت ایک ساتھ کھا لیا تو کہیں بیمار نہ ہو جائیں۔“

”ٹھیک ہے.....“ فلیکس نے گردن ہلا دی۔ ہم دونوں بھی محتاط ہی رہے تھے۔ اس کے بعد طبیعت پر کچھ ایسی کھلات طاری ہوئی کہ دیر تک ہم ایک دوسرے سے گفتگو بھی نہ کر سکے۔ ہم دیہن بیٹھ گئے۔

”ویسے کیم! یوں لگتا ہے جیسے یہ تائید غیری ہے۔ گھوڑوں کا یہ روپ شاید ہماری زندگی کی حفاظت کے لئے ہی اس طرف نکل آیا تھا۔“ فلیکس نے کہا۔

”ہاں..... بعض اوقات جب ہم بہت ساری چیزوں سے مايوں ہو جاتے ہیں۔ تو پھر کوئی ایسا واقعہ رونما ہوتا ہے جو ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔ لیکن وہی واقعہ، ہماری زندگی کے لئے ایک ایسا واقعہ ثابت ہوتا ہے، جسے ہم کسی فرمائشوں نہیں کر سکتے۔“ میں نے جواب دیا۔

”ہمیں سستی کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہئے کیم! گو، یہ جزیرہ سمندری راستے سے ہٹ کر نکلنے کے لئے خود ہی جدوجہد کرنی چاہئے۔“

”کیوں نہیں ڈیز فلیکس؟ ویسے بھی جب تک زندہ ہیں، زندگی کے لئے جدوجہد کرتے رہیں گے۔ ہمیں نہذا حاصل ہو گئی ہے، یہ ہماری خوش بختی ہے اور ہمیں اس کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔ ویسے میرے ذہن میں ایک اور خیال ہے۔“

وہ لوگ تجھ سے اُن سمندری گھوڑوں کو دیکھ رہے تھے جو ہمارے آس پاس مردہ حالت میں پڑے ہوئے تھے۔ ”آخر یہ آئے کہاں سے؟“ جو گزر نے سوال کیا۔

”بس! یوں سمجھا جائے، کہ سمندر کی جانب سے یہ ہماری زندگی کے لئے ایک تخفہ ہے تو غلط نہ ہوگا۔“ ایڈن نے کہا۔

”بے شک..... بے شک..... لیکن میرا خیال ہے، کیوں نہ ان کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر کے انہیں سکھایا جائے؟ اس طرح ہم یہ گوشت کافی عرصے تک محفوظ رکھ سکتے ہیں اور سوٹھے ہوئے ٹکڑوں کو جب بھی کھانا ہوا، انہیں سمندر کے پانی میں ڈبوایا جاسکتا ہے۔ اس طرح وہ نمکین بھی ہو جائیں گے اور تھوڑی سی لذت بھی فراہم کر سکیں گے۔“ جو گزر نے تجویز پیش کی۔

”میں، آپ سے بالکل متفق ہوں۔“ فلیکس جلدی سے بولا۔ ”صح ہوتے ہی ہم یہ کام بھی کر سکیں گے۔“

صح ہونے میں زیادہ دیر بھی باقی نہیں رہی تھی۔ کھانے کے بعد ٹھکن اور نیند کا احساس بھی جاتا رہا تھا۔ یا پھر یہ بھی ممکن تھا کہ سمندری گھوڑوں کے گوشت میں کوئی ایسی خاصیت ہو، جو جسموں کو انتہائی چاق و چوبنڈ کر دیتی ہو۔ بہر حال! صح کو ہم پانچوں افراد، زندگی کے استئن قریب تھے، جتنے اس سے پہلے بھی نظر نہیں آئے تھے۔

گوشت کے ٹکڑے کائیں کا کام اُن تینوں نے سنبھال لیا اور میں اور فلیکس اُن چٹانوں کی تلاش میں نکل گئے جن کے بالائی حصوں میں ہمیں گڑھے بنانے تھے۔

ہمارے ساتھی گوشت کے ٹکڑے کاٹ کاٹ کر سمندر کی فرم ریت پر پھیلا رہے تھے۔ ہم نے بھی چند چٹانیں منتخب کر لیں۔ حالانکہ اُن میں گڑھے پیدا کرنا آسان کام نہیں تھا۔ ہمیں ایک چٹان پر ایسا ہی ایک گڑھا نظر آگیا جس میں بدبو دار پانی بھرا ہوا تھا۔ میں نے فلیکس کی طرف دیکھا اور اُس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

”تمہارا خیال درست معلوم ہوتا ہے۔ یہ سمندر کا پانی نہیں ہے۔ آؤ! سب سے پہلے تو ہم اس گڑھے کو خالی کریں۔“

”ٹھیک ہے۔“ میں نے کہا۔ اور پھر ہم ہاتھوں سے گڑھے کا پانی نکال کر پھینکنے لگے۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم نے یہ گڑھا خالی کر دیا جو تقریباً تین فٹ لمبا اور دو فٹ چوڑا تھا۔ گڑھا خالی ہو گیا اور نیچے سے صاف چٹان نکل آئی۔

پھر فلیکس نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔ ”ایک کام اور کرنا ہے کیم؟“ ”کیا.....؟“ میں نے پوچھا۔

”چٹانوں کا یہ ٹکڑا، اگر کوشش کی جائے تو اکھڑ سکتا ہے۔“ اُس نے ایک چٹان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”کیوں نہ ہم اسے اکھڑ کر اس گڑھے کو ڈھکنے کے کام میں لاں؟“

”بالکل مناسب..... بلکہ نہایت مناسب۔“ میں نے کہا۔ اور ہم دونوں اس کوشش میں مصروف ہو گئے۔ تھوڑی سی جدو ججد کے بعد ہم وہ سل نما ٹکڑا نکالنے میں کامیاب ہو گئے۔ ٹکڑا ہم نے گڑھے کے قریب رکھ دیا۔ ہماری پہلی کوشش ہی کافی کارآمد ثابت ہوئی تھی۔ اس طرف سے مطمئن ہو کر ہم نے دوسرا چٹانوں کا رُخ کیا۔ کئی چٹانوں پر ہمیں ایسے گڑھے مل گئے جو ہمارے لئے کارآمد تھے۔ ان میں سے بعض خنک تھے اور بعض میں پانی بھرا ہوا تھا۔ ایسے سات آٹھ گڑھے ہمیں مختلف چٹانوں پر مل گئے تھے جنہیں ہم نے صاف کر کے خنک کر لیا تھا۔ ہم گڑھے کھونے کی مشقت سے نج گئے تھے۔ البتہ ہم نے اُس کے ٹکڑے باقاعدگی سے بنائے تھے تاکہ پانی خراب ہونے سے محفوظ رہے۔ اس سلسلے میں ہم ”وپر تک مصروف رہے۔“

سورج میں سروں پر تھا، جب ہم اپنے اس کام سے فارغ ہو گئے۔ ڈھوپ بے پناہ تیز تھی۔ ”کیوں نہ کسی ایسے حصے میں نہایا جائے، جہاں پانی کی تباہ کاریاں کم ہوں.....؟“ فلیکس نے کہا۔

”اچھا خیال ہے۔ لیکن احتیاط شرط ہے۔“ میں نے کہا۔

”کیوں نہیں.....؟“ فلیکس بولا۔

”تو پھر آؤ! واپس چلتے ہیں۔“ میں نے کہا اور ہم دونوں واپس اپنے ساتھیوں کی جانب بل پڑے۔

ہمارے ساتھی بے حد خوش تھے۔ انہوں نے گوشت کے ٹکڑے دُور دُور تک پھیلا دیئے تھے۔ سمندری گھوڑوں کا وزن معمولی نہیں ہوتا۔ ہر گھوڑے میں سے اتنا گوشت نکلا تھا کہ ہم اسے مہینوں کھا سکتے تھے۔ اس طرح ہمارے لئے خوراک کا بہترین بندوبست ہو گیا تھا اور یہ بات خاصی اطمینان بخش تھی۔

جب تک پیٹ نہیں بھرا تھا، کوئی تفریح نہیں سمجھی تھی۔ لیکن اب شدید خواہش ہو رہی تھی۔

کے سمندر ہی کے پانی میں نہا کر اپنے بدن کو ہلاک کر لیں۔ حالانکہ یہ پانی جسم کو کسی حد تک چپا دیتا ہے۔ لیکن ہر صورت! پانی کی نبی، جسم کے لئے بہت ضروری ہے۔

میں اور فلیکس، سمندر کی چٹانوں کے درمیان ایسی جگہ تلاش کرنے لگے جہاں زیادہ گہرائی یا کسی قسم کے خطے کا امکان نہ ہو۔ ویسے نہانے کے لئے تو یہ بہترین جگہ تھی۔ چٹانوں سے ٹکرانے والا پانی اچھل کر چٹانوں پر آتا اور پورے بدن کو اس طرح بھگو دیتا چیز شاور کی چھواریں پڑ رہی ہوں۔ ہم نے ایک ایسی جگہ منتخب کی اور بیٹھ گئے۔

چند ساعت کے بعد ہمارے ساتھی بھی ہنتے ہوئے پہنچ گئے۔ انہوں نے بھی اپنے لباس اُتارے اور پانی میں کوڈ گئے۔ نئی زندگی کی لہر دوڑ گئی تھی۔ اس دیرانے میں بھی، جب کہ اس سے قبل ہم مرد نی کا شکار تھے، اب ہم پانچوں ہی ہشاش بشاش نظر آ رہے تھے اور آئندہ زندگی کے بارے میں بہت سے فیصلے کر سکتے تھے۔

نجانے کتنے گھنے گزار گے؟ ہم، سمندر کے پانی سے لطف انداز ہوتے رہے۔ پھر وہاں سے پلٹ آئے۔ گوشت سوکھ رہا تھا۔ تب میں نے اپنے ساتھیوں کو جمع کر کے ان کے سامنے ایک تجویز پیش کی۔

”دوسٹو! زندگی گزارنے کی خواہش انسان کے ذہن میں ازل سے ہے اور ابد تک رہے گی۔ نا مساعد حالات ہمیں وقت طور پر پریشان ضرور کر دیتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود ہم میں سے بہت کم ایسے بزدل ہوتے ہیں جو ان حالات کے آگے سپر ڈال دیتے ہیں۔ انسان ان ہی نا مساعد حالات میں برسوں رہ چکا ہے۔ بالکل اسی طرح، جس طرح ہم آج زندگی بسر کر رہے ہیں، قدیم دور کا انسان زندگی بسر کرتا تھا۔ آج ہمارے پاس ذہانت ہے اور ہم ترقی کر چکے ہیں۔ اس لئے یہ خیال ذہن سے نکال دینا چاہئے کہ کل کوئی جہاز آئے گا اور ہمیں یہاں سے نکال لے جائے گا۔ ہمیں اب اسی زندگی کو قبول کر کے اس میں مزید دلچسپیاں پیدا کرنی چاہئیں تاکہ یہ زندگی ہم پر بوجھ نہ بن جائے۔ کیا آپ لوگ میری اس بات سے متفق ہیں؟“

”سو فیصدی مسٹر کین!“ وہ تینوں یک وقت بولے۔

”تب پھر اس گوشت کو محفوظ رکھنے کے لئے ہمیں کسی ایسی پناہ گاہ کی ضرورت ہے جہاں یہ سوکھنے کے بعد ڈھونپ کی تمازت اور سمندری ہواوں کی نبی سے محفوظ رہ سکے۔ اور اس کے لئے میرے ذہن میں ایک تجویز ہے۔“

”وہ کیا مسٹر کین؟“ پال نے پوچھا۔
”تجویز یہ ہے کہ کسی چٹان کی آڑ میں چھوٹے چھوٹے پتھر کے نکلوں کو چن کر ایک ایسی پناہ گاہ بنائی جائے، جہاں اس گوشت کو محفوظ رکھ سکیں۔ اس کے لئے آپ کو شدید محنت کی ضرورت ہو گی۔ پہلے تو ان پتھروں کو ایک جگہ جمع کر لیا جائے گا۔ اس کے بعد اس کی چٹانی شروع کر دیں گے۔ گوشت کا ذخیرہ محفوظ ہو جانے کے بعد ہم ایسی ہی ایک پناہ گاہ اپنے لئے بھی بنائیں گے تاکہ ہم سردى اور ڈھونپ سے محفوظ رہ سکیں۔“

”ہم سب کچھ کرنے کو تیار ہیں مسٹر کین! ہم نے آپ کو اپنا لیڈر تسلیم کر لیا ہے۔ آپ نے ہماری زندگی کے لئے جو کچھ کیا ہے، ہم اس کے لئے آپ کے شکر گزار ہیں۔ ظاہر ہے، ہم یہ بات نہیں سوچ سکتے کہ ہماری موجودہ حالت کے ذمہ دار آپ ہیں۔ یہ سوچنا بھی ناقلت ہے۔ چنانچہ ان حالات میں آپ، ہمارے لئے جو کچھ کر رہے ہیں، اور مسٹر فلیکس نے جو کچھ کیا ہے، وہ ہمیں، آپ دونوں کا ممنون کرنے کے لئے کافی ہے۔ اب ہم پوری طرح چست و چالاک ہیں۔ آپ ہمیں صرف احکامات دیں۔“ پال نے کہا۔

۱ ”اگر یہ بات ہے میرے دوستو! تو یقین کرو، ایک روز پھر ہم اپنی مہذب دنیا میں ہوں گے۔“ میں نے کہا۔

وہ دن ہم نے پتھر جمع کرنے میں صرف کر دیا۔ گوشت کے نکلوں سوکھ گئے تھے۔ گو، ان پریت کی تھیں جتنی جاری تھیں لیکن ہمیں سمندر کے پانی سے دھویا جا سکتا تھا۔

پورا دن ہم پتھر جمع کرتے رہے۔ اور بلاشبہ! ہم نے ان پتھروں کا ایک ٹیلہ بنا دیا۔ پھر کو گوشت کے نکلوں سے سمندر کے پانی میں بھگو کر کھائے گئے اور سمندر کے نمک نے بلاشبہ ان کی لذت دو بالا کر دی۔ پھر شام کو بھی یہی گوشت کھایا گیا۔ لیکن پانی کا منسلک تھا ہمارے لئے۔

پتھروں کا ذخیرہ ایک جگہ رکھنے کے بعد ہم اپنی متعین کردہ چٹانوں کے نیچے لیٹ گئے۔ چٹانیں ایسے رُخ پر تھیں کہ سردوہا میں ہم تک بہت کم پہنچ پاتی تھیں۔

جس وقت ہم آرام کرنے لیئے تھے، آسان صاف تھا۔ تارے چمک رہے تھے۔ اور نوری دیر کے بعد چاند بھی نکل آیا تھا۔ پھر ہم غذا کے نئے میں ڈوب کر سو گئے۔ اور جب ہاگے تو ہمیں یوں محسوس ہوا جیسے چٹانیں آپس میں نکل اگئی ہوں.....
بادلوں کی گرج اتنی ہی خوفناک تھی۔ آنکھ کھلی تو پورے جزیرے پر بچل چمک رہی تھی۔

میں خوشی سے اچھل پڑا۔ میں نے فلیکس کو آواز دی۔ ”فلیکس.....!“

”جاگ رہا ہوں تھیں!“ فلیکس کی آواز میں لرزش تھی۔

”کیا ہوا فلیکس..... کیا بات ہے؟“

”بچھنیں کیں..... اس وقت عجیب سی کیفیت کا شکار ہوں۔“

”کیسی.....؟“ میں نے سوال کیا۔

”شاید بارش ہونے والی ہے۔“

”ہاں..... میں بھی تمہیں یہی خوشخبری سنانے جا رہا تھا۔“

”میں نے تم سے کہا نہیں تھا کہ جس نے ہمارے لئے ندا کا بندوبست کیا ہے، پانی کا

بندوبست بھی وہی کر دے گا؟“

”ہاں فلیکس!“

”بارش ہو رہی ہے۔ دیکھو! آسمان سے چھوٹی چھوٹی بوندیں بر سنا شروع ہو گئی ہیں۔“

فلیکس کی آواز میں بے پناہ مسرت تھی۔ پال، جو گمراہ ایڈن بھی جاگ آئھے تھے۔ وہ سب

کے سب دیوانہ وار اچھل رہے تھے۔ اور یوں معلوم ہوتا تھا جیسے ویرانے میں کوئی جشن منایا

جار باہو۔

بارش اب تیز ہونے لگی تھی اور بادلوں کی گڑگڑاہٹ اور بجلی کی چک ہمارے دلوں کو

روشن کر رہی تھی۔ ہم نے اپنے اپنے لباس اُنтар پھیلنے تھے اور بارش سے پوری طرح محفوظ

ہونے لگے تھے۔

بارش اس قدر تیز اور موسلا دھار تھی کہ چند ہی ساعت میں جل تھل ہو گیا۔ سمندر میں

اٹھتی ہوئی لہریں بھی ست ہو گئی تھیں۔ بارش، خوشی بن کر ہمارے رگ و پے میں سرایت کر

رہی تھی۔ ہم نے منہ کھول لئے تھے اور بارش کے قطرے ہمارے حلق کو ترکر رہے تھے۔ مجھے

یقین تھا کہ وہ گڑھے بھی بھر چکے ہوں گے جو ہم نے صاف کئے ہیں۔ اور یہ گڑھے یقینی طور

پر کافی عرصے تک ہمارے لئے پینے کا پانی فراہم کر سکتے تھے۔ میں نے فلیکس کو مخاطب

کرتے ہوئے کہا۔

”تم نے دیکھا کہ ابھی ہمیں یہاں آئے ہوئے زیادہ وقت نہیں گزرا اور یہ پہلی بارش

بے۔ اس کا مطلب ہے، یہاں بارشیں اکثر ہوتی رہتی ہیں۔ تاہم ہمیں نے گڑھے بنانا ہوں

گے تاکہ ہمیں بارش کی کمی نہ محسوس ہو۔ نہانے کے لئے تو پانی موجود ہے، پینے کا پانی ہم اتنا

نہ بہ کر لیں گے کہ کام چلتا رہے۔“

”بالکل، کیں..... بالکل.....!“ فلیکس نے خوشی سے کہا اور یہ جشن رات بھر جاری رہا۔

ہر ایش، رُکنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ اور ہم اس نیں نہاتے نہاتے تھک گئے تھے۔ ہم

اور ہم کو اپنے جسم اتنے ہلکے محسوس ہو رہے تھے کہ بیان نہیں کر سکتے۔

آخر تھک کر ہم ایک چٹان کے نیچے بیٹھ گئے۔ بارش بدستور جاری تھی اور گوشت بھی

بیٹھ گیا تھا، جو ہم نے سمندر کے کنارے سوکھنے کے لئے رکھا تھا۔ لیکن اُس کی پرواہ کے

تھی؟ اس وقت تو گوشت نام کی کوئی چیز ہی کافی تھی، خواہ اس کی حالت کچھ بھی ہو۔

دوسرے دن بھی بارش رہی۔ تقریباً گیارہ بجے تھے جب بارش بند ہوئی اور آسمان صاف

ظرف آئے لگا۔ پھر ڈھوپ نکل آئی۔ بارش نے ہمارے جسموں میں نئی زندگی دوڑا دی تھی۔

پانچ بجے بارش بند ہونے کے بعد ہم نے گوشت کے نکٹے جمع کرنے شروع کر دیئے اور ایک

بلگہ اُس کا انبار لگا دیا۔ گوشت دھمل گیا تھا۔ اور اب وہ بالکل صاف سترہا ہو گیا تھا۔ تاہم

اسے سکھانا ضروری تھا۔ چنانچہ سب سے پہلے ہم نے یہ ضروری سمجھا کہ گوشت محفوظ رکھنے

کے لئے کوئی جگہ بنا لی جائے۔ اور میری اس رائے سے سب نے اتفاق کیا۔

ہم اپنے جمع شدہ پتھروں کو انتہائی نفاست سے چننے لگے۔ تقریباً چھ بجے تک ہم ایک

لیکن پناہ گاہ بنانے میں کامیاب ہو گئے جس میں ایک دروازہ تھا۔ اور جس میں ہم گوشت کو با

آسانی محفوظ کر سکتے تھے۔ پھر ہم نے گوشت کے تمام نکٹے اُس پناہ گاہ میں چن دیئے۔

اس سخت مشقت سے ہم تھک گئے تھے۔ لیکن دن رات کی صعوبتوں نے ہمیں اس کا

عادی بنا دیا تھا۔ تھکنے کے بعد ہم اطمینان سے سو جاتے تھے۔ رات کو سرددی تیزیاں ہو جاتی

تھی۔ لیکن تھکن، سرددی پر غالب آکر اس کے احساس کو ختم کر دیتی تھی۔ رات کے پچھلے پہر

بارش پھر شروع ہو گئی اور ہم بھیگتے رہے۔

”کل سے ہم پناہ گاہ بنانے کا آغاز کر دیں گے۔ زمین، نرم ہو چکی ہے۔ نیزوں سے

بچہ بنانا زیادہ مشکل نہ ہو گا۔“ فلیکس نے کہا۔

”ہاں..... اس جزیرے پر ہم اپنی زندگی کے لئے جس قدر آسانیاں فراہم کر سکیں، ان

سے گرینز نہیں کرنا چاہئے۔“ میں نے فلیکس سے اتفاق کرتے ہوئے کہا۔

بارش تیز ہوئی تو ہمارے دوسرے ساتھی بھی اٹھ بیٹھے۔

”اس کا مطلب ہے کہ یہاں بارشیں ہوتی رہتی ہیں۔“ فلیکس نے کہا۔

”یہ بھی زندگی کی علامت ہے۔ ورنہ موت ہی موت ہے اس جزیرے پر۔“
”لیکن حیرت کی بات ہے کہ یہ سنگاخ زمین بارش کا کوئی اثر قبول نہیں کرتی۔ ورنہ اس
پر ہر یابی ضرور ہوتی۔“

”ہاں.....“

”آخر کیوں.....؟“

”یہ تو کوئی ماہر طبقات الارض ہی بتائے گا۔“ میرے ہونتوں پر مسکراہٹ چیل گئی۔
فلیکس پڑھیاں انداز میں مجھے دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے گرد ہلاتے ہوئے کہا۔ ”میرا
خیال ہے، کل سے ہمیں پناہ گاہ کی تیاری کا کام شروع کر دینا چاہئے۔“

”ہم تیار ہیں مسٹر فلیکس!“

”شکر یہ دستو! اس تعاون سے ہم ہر مشکل پر قابو پالیں گے۔ اور مجھے یقین ہے کہ ایک
دن ہم اپنی دنیا میں سانس لیں گے۔“ فلیکس نے کہا اور اس کے یہ الفاظ ان لوگوں کی
نگاہوں میں زندگی کا پیغام بن گئے۔ وہ وقت کی حسین یادوں میں گھوگھے..... اور پھر صبح ہو
گئی۔

صح کو بارش رُک گئی۔ پھر سورج نکل آیا۔ ہم لوگوں نے خوارک کے ذخیرے سے گوشت
کے ٹکڑے نکالے اور انہیں اچھی طرح صاف کیا۔ اس وقت یہ ٹنک گوشت کھانے میں جو
لذت ملی، وہ آج بھی یاد ہے۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ ہماری مرغوب غذا ہو۔ اس کے بعد پانی بیبا
اور پانی کے ذخیروں کو احتیاط سے ڈھک دیا گیا۔

اس کے بعد مشقت کا آغاز ہو گیا۔ جو گزر، پال اور ایڈن پھر حاصل کرنے چلے گئے اور
ہم نے اس پناہ گاہ کی بنیاد ڈال دی..... بڑے بڑے وزنی پھرلوں کو مخصوص انداز میں رکھا
گیا اور اس کے بعد سمندر کی گیلی ریت سے ان پھرلوں کے رخنے بند کر دیے۔ پھر ان پر
پھرلوں کی دوسروی تھہ رکھی جانے لگی۔ ہمیں مشقت کا یہ کام اتنا لچپ پ لگا کہ ہم تھوڑی دیر
کے لئے ساری کوفت بھول گئے۔ ہمارے تینوں ساتھی اپنا کام بخوبی سرانجام دے رہے
تھے۔ اور پھرلوں کے انبار لگا رہے تھے۔

پناہ گاہ کی تعمیر تیزی سے جاری تھی۔ لیکن ایک مسئلہ ہم لوگوں کے لئے تشویش کا باعث ہنا
ہوا تھا، وہ یہ کہ اس پناہ گاہ کی حیثت کیسے بنائی جائے؟ اس کے لئے ہمارے پاس کوئی انتظام
نہیں تھا۔

لیکن فلیکس کسی اور خیال میں غرق تھا۔ وہ سمندر کی خوفناک چٹانوں کے درمیان کھڑا
ایک طرف دیکھ رہا تھا۔

”کیا سوچ رہے ہو فلیکس.....؟“ میں نے تجھ سے پوچھا اور وہ چونک پڑا۔ وہ عجیب
سے انداز میں مکرار ہا تھا۔

”پناہ گاہ کے لئے چھت کی ضرورت ہے؟“ اس نے معنی خیز انداز میں پوچھا۔
”ہاں.....“ میں نے تجھ سے کہا۔

”وہ کشتمی دیکھ رہے ہو کیں؟ کتنی بے مصرف ہے۔ سمندر کی اُس نوکیلی چٹان کو بھلا اس
کی کیا ضرورت ہے؟ کیا کشتمی کے تنخے پناہ گاہ کی چھت میں کام نہیں آسکتے؟“
”ارنے.....“ میں اچھل پڑا۔ بڑی عمدہ بات سوچی تھی فلیکس نے۔ ”لیکن اس کشتمی کو
چٹان سے اُتارنا کوئی آسان کام ہے؟“ میں نے کہا۔

”کوشش تو کی جاسکتی ہے۔“

”تم کوشش کرو گے؟“ میں نے پوچھا۔

”حالات میرا ساتھ نہیں دیتے۔ ورنہ میں نے تو سوچا تھا کہ خاموشی سے اپنا کام سر
انجام دے کر ہی تمہیں اطلاع دوں۔“

”تمہارے ذہن میں کوئی ترکیب ہے فلیکس؟“

”ہاں..... اس چٹان پر پہنچنا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ لمبے چوپ کے نیزے کی مدد سے
کشتمی کو اُس کی جگہ سے پیچے گرانے کی کوشش کی جاسکتی ہے۔ کشتمی اس مت میں گرائی جائے
تاکہ یہ ان چٹانوں میں پھنس جائے۔ اور اس کے بعد ہمیں انتظار کرنا ہو گا کہ سمندر کی لمبیں
اسے اٹھا کر کم از کم چٹان تک پہنچیں دیں تو ہم اسے پکڑ لیں گے۔“

”میں سمجھ گیا میرے دوست!“ میں نے پڑھنے میں کہا۔ ”میں کشتمی کو نوکیلی چٹان
سے پیچے گراؤں گا۔“

”میں جانتا تھا کہ تم آڑے آؤ گے اس سلسلے میں۔“

”دیکھو فلیکس! تم بلاشبہ، اپنی ذات میں مکمل ہو اور محرومیوں کے باوجود تمہارا عزم بلند
ہے۔ لیکن میرے دوست! جس کام کے لئے تم، میری نگاہ میں موزوں نہ ہو، میں تمہیں اس
کی اجازت کیسے دے سکتا ہوں؟ یہ کام میں کروں گا۔“

”میں تمہارے لئے کچھ کرنا چاہتا ہوں۔ لیکن تم، مجھے اس کی مہلت ہی نہیں دیتے۔“

فلیکس نے برا سامنہ بنا کر کہا۔
”تم میرے لئے زندہ رہو فلیکس! یقین کرو، یہی سب کچھ ہے۔ تو ہمیں یہ کام کب
انجام دینا ہے؟“

”میرا خیال ہے، کل صبح۔“ فلیکس نے کہا۔

ہمارے دوسرا ساتھی پہنچنے کے تھے۔ پھر ہم سونے کے لئے لیٹ گئے۔

دوسری صبح میں چٹان پر جانے کی تیاری کر کے میں چل پڑا۔ فلیکس کا چہرہ دھواں
دھواں ہو رہا تھا۔ میرے ہاتھ میں لمبا چپو تھا۔ جس کے زریعے میں چٹان تک کافر بہ آسانی
ٹلے کر رہا تھا۔ جہاں پانی کا ریلا آتا، میں چپو کو جما کر اُس کا سہارا لے لیتا۔ اس طرح میں
چٹان تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔

چٹان کے قریب پہنچا ہی تھا کہ میری نگاہ چٹان کے درمیان ایک ایسے حصے پر پڑی جو
مجھے اپنی طرف آنے کی دعوت دے رہا تھا۔ بائس سے چھلانگ لگانے کا کھلیل میری نگاہوں
میں گھوم گیا..... میں نے اپنے عقب میں جائزہ لیا۔ ایک چٹان پر چڑھ کر بائس جمایا جاتا اور
پھر چھلانگ لگائی جاتی تو اُس چٹان پر پہنچا جاسکتا تھا، جس پر کشتی موجود تھی۔ لیکن یہ چھلانگ
اگرنا کام رہتی تو.....؟

لیکن اس وقت مجھے زوکنے والا کون تھا؟ میں پٹا اور دوسری چٹان پر چڑھ گیا۔ چند
ساعت میں جگہ کا اندازہ کرتا رہا۔ پھر میں نے چپو کو تولا اور پوری قوت سے چھلانگ لگا
 دی..... دوسرے ہی لمحے میں کشتی کے قریب تھا۔ ٹھوڑی دیر تک میں اپنی سانسیں درست کرتا
 رہا، پھر چپو کو کشتی کے ایک رخنے میں پھنسا کر کشتی کو اٹھانے کی کوشش کی۔ دوسرے لوگ تجھ
 خیز نگاہوں سے میری طرف دیکھ رہے تھے۔

میرا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ میں نے اپنے جسم کی ساری قوت صرف کر کے زور لگایا اور کشتی
 کا ایک سرا اٹھ گیا۔ میں نے چپو کو مزید آگے کی طرف دھکیلا تو کشتی نے جگہ چھوڑ دی اور
 پھسلتی ہوئی چھپاک سے پانی میں جا گری.....

میں تو سوچ رہا تھا کہ یانی کی تیز و تند لہریں اُسے آہستہ آہستہ کنارے تک لا سیں گی۔
لیکن پانی میں گرنے کے بعد کشتی جس انداز میں اچھل رہی تھی، اُس سے اندازہ ہوتا تھا کہ
 اُسے ساحل تک پہنچنے میں زیادہ دینہ نہیں لگے گی۔

اُس نوک دار چٹان پر میں چڑھ تو گیا تھا لیکن جس انداز میں چڑھا تھا، وہ یوں سمجھا

جائے کہ بے پناہ مہارت کا کام تھا۔ اس کی بہت اُترنا خاصا مشکل کام تھا۔ چپو کو میں نے
ہاتھ سے نہیں چھوڑا تھا۔ کیونکہ یہ چپو ان تیز و تند لہروں میں میرے ساتھی کی حیثیت رکھتا تھا۔
ورنة شاید میں پانی میں قدم بھی نہ جھاپتا اور چٹانوں سے نکلا کر میرے چھتھرے اُڑ جاتے۔

بردا خوفناک کام تھا، جو اس وقت میں نے سر انجام دیا تھا۔ لیکن یہاں، اس جزیرے پر
کوئی کام، کسی خاص اہمیت کا حامل نہیں تھا۔ زندگی اور موت کا فاصلہ ہی کتنا تھا؟ اور اب تو
اس قاطلے کی کوئی حیثیت نہیں رہ گئی تھی۔ چنانچہ میں چٹان سے اُترتا رہا۔ اس پر جگہ جگہ کافی
جمی ہوئی تھی اور بعض جگہ تو اتنی پھسلن تھی کہ انگلی بھی نہ رکھی جاسکے۔ لیکن بہر صورت! مجھے
اُترنا تھا اور اس کے لئے پھر میں نے چپو کی مدد لی تھی۔

نیچے نوکیلی چٹانیں بکھری ہوئی تھیں۔ اور ان کی طرف دیکھنے سے خوف محسوس ہوتا تھا۔
میرے ساتھی کنارے پر کھڑے شور چاہ رہے تھے۔ اور میری ہمت بندھا رہے تھے۔ اُترتے
ہوئے اکثر وہ میری نگاہوں سے اوچھل ہو جاتے تھے۔ لیکن اُن کی آوازیں بدستور آتی رہتی
تھیں۔

بالآخر میں نیچے پہنچ گیا۔ فلیکس نے آگے بڑھ کر مجھے سہارا دیا لیکن میں نے اُس کا شانہ
تھپتیا کرائے سے علیحدہ کر دیا۔ پھر ہم اُس سمت چل دیئے جہاں کشتی پانی میں ہمچو لے کھا
رہی تھی اور آہستہ آہستہ کنارے کی طرف بڑھ رہی تھی۔

”بس! یہ کچھ اور نزدیک آجائے تو پھر ہم چپوؤں کی مدد سے اسے اپنی طرف کھینچ لیں
گے۔“ فلیکس نے کہا۔

”کیوں نہ ہم سب پانی میں اُتر کر اسے نزدیک لانے کی کوشش کریں؟“ جو گزر نے تجویز
پیش کی۔

”اتی جلد بازی کی کیا ضرورت ہے جو گزر! لا لانگ بوٹ اس چٹانی جاں سے نکل کر کہیں تو
زکے گی۔ ہمیں ٹھوڑا سا انتظار کر لینا چاہئے۔ اس وقت ہمارے لئے دوسرے کام بھی ہیں۔“

”اوکے چیف!“ جو گزر نے جواب دیا۔

شام تک کشتی، کنارے پر آگئی اور ہم نے اُسے نشکنی پر کھینچ لیا۔ ہم سب بے حد خوش
تھے۔ انسان بعض اوقات اہم ترین چیزوں سے خوش نہیں ہوتا۔ اور بعض اوقات کوئی معمولی
سی چیز بھی اُس کے لئے بے اہنگ سرست کا باعث بن جاتی ہے۔ جزیرے کے شب و روز
انہی چھوٹے چھوٹے واقعات سے پڑتے۔ زندہ رہنے کے لئے ہر لمحے چوک رہنا پڑتا تھا۔

ہم نے اس قدر انتظامات کے تھے کہ پانچ آدمیوں سے اس کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔ کشتی کے تختے علیحدہ کر کے ہم نے اپنی پناہ گاہ کی چھت بنائی تھی اور اس پر چھوٹے چھوٹے پھر چمن دیئے تھے۔ تاکہ سورج کی پیش سے محفوظ رہ سکیں۔ چنانوں پر پانی کے ذخیرے محفوظ تھے۔ اس کے علاوہ گوشت کے ذخیرے پر بھی ہماری خاص نظر تھی۔ سمندری گھوڑوں کے غول اکثر ادھر نکل آتے تھے۔ اور اب تو ہم نے طے کر لیا تھا کہ غذا کے ذخیرے میں کمی نہیں آئے دیں گے۔

اور پھر ایک رات، جب کہ ہم اپنی پناہ گاہ میں آرام کر رہے تھے کہ جزیرے پر بادوباراں کا ایک قیامت خیز طوفان نازل ہوا..... یوں محسوس ہوتا تھا، جیسے پورا جزیرہ خنک پتے کی مانند لوز رہا ہو۔ بادل گرج رہے تھے، بخلی کی کڑک چک بھی اپنے عروج پر تھی اور سمندری طوفان کا شور ان سب پر چھا جانے کی کوشش کر رہا تھا۔ ہم نے بڑے بڑے طوفان دیکھتے۔ لیکن اس گمانم جزیرے پر اندر ہیزی رات میں آئے والا یہ طوفان سب سے بڑھ چڑھ کر تھا۔

بڑی بڑی چنانیں ٹوٹ ٹوٹ کر سمندر میں گردہ تھیں اور ایک قیامت کا شور برپا تھا..... حالانکہ ہماری پناہ گاہ ان طوفانی موجودوں کی بینچ سے ڈوڑھی۔ لیکن اس کے باوجود ہر لمحے یہی خطرہ محسوس ہو رہا تھا کہ اب جزیرہ سمندر کی تہہ میں بیٹھ جائے گا..... اور یہ تصور جب بھی ہمارے ذہنوں میں آتا تو ہمارے لیکھ منہ کو آنے لکتے.....

☆.....☆.....☆

ہمارے ساتھی بشکل خود پر قابو پائے ہوئے تھے۔ لیکن کب تک.....؟ بالآخر ان کے جسم بھی سو کھے پتوں کی مانند کا پینے لگے..... چنانوں کے ٹوٹنے کی آوازوں سے جزیرہ اس طرح لرز رہا تھا جیسے کسی ساعت میں بھی اپنی جگہ چھوڑ دے گا۔

”کین.....!“، فلیکس نے مجھے عجیب نے لنجھ میں کہا۔
”ہوں.....!“

”یوں معلوم ہوتا ہے جیسے موت اب طوفان کی شکل میں ہمیں نگٹے کے لئے آگے بڑھ رہی ہو۔ یہ جزیرہ سمندر کی تہہ میں بیٹھ رہا ہے۔ میں چاروں طرف موجود کا شور سن رہا ہوں۔ کیا تم اس شور کو محسوس کر رہے ہو؟“

”شور.....“ میں نے غور کیا تو مجھے عجیب سا احساس ہوا..... واقعی شور تھا..... لیکن اس شور میں انسانی آوازیں نمایاں تھیں۔ ہاں..... زخیوں کی آوازیں..... یہ آوازیں خوفناک سمندری بلاوں کی تھیں یا صرف ساعت کا وہم تھا؟
سب خاموش تھے۔ طوفان کی بلا خیزی جاری تھی۔

”کین.....! کیا یہ آوازیں، انسانی آوازوں سے مشابہ نہیں ہیں؟“، فلیکس نے کہا۔
”تم بھی یہی محسوس کر رہے ہو؟“ میں نے پوچھا۔

”یوں لگ رہا ہے جیسے بے شران ان جیخ رہے ہوں۔“ فلیکس نے کہا۔
”یہ موت کا دھوکہ ہے مشرکین..... یہ آوازیں، موت کی آوازیں ہیں۔ یہ موت ہمیں پناہ گاہ سے باہر بلارہی ہے۔ آہ..... میں موت کے جڑوں میں نہیں جانا چاہتا۔“ ایں نے کہا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ ہم سب کی عجیب کیفیت تھی۔

ہم سب خوف کا شکار تھے۔ ویران جزیرہ اتھل پھل ہو گیا تھا۔ جیسے اس کا سرا اور پر کی جانب اٹھ گیا ہو..... یوں لگتا تھا، چنانیں لڑک رہی ہیں اور یہ لڑکتی ہوئی دیو پیکر چنانیں کسی بھی وقت ہماری پناہ گاہ کو اپنی لپیٹ میں لے سکتی تھیں..... ہم آنکھیں بند کئے موت کا

انتظار کر رہے تھے.....

رات کے نہ جانے کون سے وقت میں طوفان کا زور کم ہوا۔ ہواں کی چینیں بھی ہیں
گئیں تو انسانی چینیں اور نمایاں ہو گئیں۔ اور ہم سب چونک پڑے۔

”فلیکس! کیا تم ان آوازوں کوں رہے ہو؟“

”ہاں..... ہواں بند ہو چکی ہیں، طوفان ٹھم چکا ہے۔ لیکن..... یہ آوازیں..... کیا.....؟“، فلیکس خاموش ہو گیا۔

دل چاہ رہا تھا کہ باہر جا کر ان آوازوں کو سنبھالیں۔ لیکن ہمت نہیں پڑ رہی تھی۔ یوں بھی اس وقت تھیں باہر کے ماحول کے متعلق بالکل علم نہیں تھا۔ نہ جانے جزیرے پر کیا تغیر زونما ہوا ہو؟ لیکن ان چینیوں اور آوازوں نے صحیح تک ہمارا پیچھا نہیں چھوڑا۔ ہم نے خاص طور پر اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کے لئے ان آوازوں سے اجتناب پرتا۔

لیکن صحیح کی پہلی کرن کے ساتھ ہی، ہم سب باہر آگئے..... اور باہر آنے کے بعد جو منظر

ہم نے دیکھا، اُس نے ہماری آنکھوں میں شدید حیرت کے آثار پیدا کر دیئے.....
بے شمار لوگ تھے..... عورتیں، نمرد، بوڑھے، بچے..... کشتیاں چٹانوں سے گمرا کر پاش پاش ہو گئی تھیں اور ان کے تختے پانی میں تیر رہے تھے۔ بے شمار لوگ ان تختوں سے چھٹے ہوئے جان پیچانے کی فکر میں ادھر ادھر لڑک رہے تھے۔ بہت سارے ساحل پر پیچھے گئے تھے اور پریشانی اور بے بی سے ایک دوسرے کی شکلیں دیکھ رہے تھے۔ تب ایڈن عجیب سے انداز میں بولا۔

”یہ..... یہ کیا ہے مسر فلیکس؟“

”میرا خیال ہے کہ قریب ہی کوئی جہاز تباہ ہو گیا ہے۔ آؤ! انہیں دیکھیں۔“، فلیکس نے کہا اور ایڈن نے گردن ہلا دی۔

”نہ جانے یہ بیچارے کون لوگ ہیں؟“، میں تیزی سے آگے بڑھا اور فلیکس کے منہ سے خوشی کی آواز نکل گئی۔

”آہ..... کم از کم! انسانوں کی صورتیں تو دیکھنے کو ملیں۔“، اُس نے مسرت سے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔

”آنہیں ہماری مدد کی ضرورت ہے فلیکس!“

”تو چلو.....“، فلیکس نے قلق تاری لگائی اور ہم ان کی طرف دوڑ پڑے۔

سچے ہوئے لوگوں نے غور بھی نہیں کیا تھا کہ ہم ان میں سے نہیں ہیں۔ ہم ان تختوں کو سکھنے کے لئے پانی میں اتر گئے جن سے لوگ چھٹے ہوئے زندگی کی جدوجہد کر رہے تھے۔ دیسے جزیرے کے ساحل پر یہ انقلاب زونما ہوا تھا کہ بے شمار دیو پیکر چٹانیں اپنی جگہوں سے غائب ہو گئی تھیں۔ ایسی ایسی چٹانیں جن کے حرکت کرنے کے بارے میں سوچا بھی نہیں جاسکتا تھا۔

پورا دن ہم شدید محنت کرتے رہے اور سمندر میں چھنسے ہوئے لوگوں کو ساحل تک لا تے رہے۔ اب کئی لوگ ہماری طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ جب سمندر کا ہر مصیبت زدہ ساحل پر پہنچ گیا تو ہم ساحل پر لیٹ گئے۔ آسمان اب بھی بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا اور یہ اچھی بات تھی۔ ورنہ دھوپ ان بے چاروں کی مصیبتوں میں مزید اضافہ کر دیتی۔ ہم لیٹئے لیٹئے ان کا جائزہ لے رہے تھے۔ فلیکس، جو میرے قریب ہی لیٹا ہوا تھا، بولا۔

”یہ سب غیر فوجی ہیں۔“

”ہاں..... کوئی مسافر بردار جہاز تباہ ہوا ہے۔“

”اب ان بے چاروں کے پاس سوچوں کے سوا اور کیا رہ گیا ہے؟“

”مایوسی کی باتیں مت کرو فلیکس!“، میں نے اُسے ٹوکا۔

”تو پھر کیا کرو؟ کیا تمہارے خیال میں یہاں ان لوگوں کی زندگی کی کوئی امید ہے؟ نہ، پانی اور دوسری ضروریات..... وہ کس طرح پوری ہوں گی؟“

”جس طرح ہماری ہوئی ہیں۔ یا ر! زندگی ایک مخصوص جگہ پر آ کر کسی دوسری طاقت کے نالع ہو جاتی ہے۔ تدبیریں اور وسائل ختم ہونے کے بعد ایک نادیدہ طاقت محتک ہو جاتی ہے اور سمندر سے دریائی گھوڑے نکل آتے ہیں، آسمان سے پانی برسنے لگتا ہے۔“

”اوہ..... ہاں! اس میں تو کوئی شک نہیں ہے۔“، فلیکس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

”خوڑی دیر بعد چند افراد ہمیں اپنی طرف آتے ہوئے نظر آئے اور ہم اُنھیں بیٹھے۔ میر آدمی سب سے آگے تھے اور دوسرے ان کے پیچے.....“

”ہیلو.....!“، آنے والوں میں سے ایک نے ہمیں مخاطب کیا۔

”ہیلو.....! ہم آپ کے ڈکھوں میں برابر کے شریک ہیں۔ میں نے ہمدردی سے کہا۔

”آپ لوگوں کے ساتھی ہلاک تو نہیں ہوئے؟“، بوڑھے نے پوچھا۔

”جی.....؟“، میں اُس کی بات نہیں سمجھا تھا۔

”میں تمہیں پوری بات بتاتا ہوں۔ ہمارے مسافر بردار جہاز کا نام یہیں ہے۔ تقریباً اب سو مسافر اُس میں سفر کرنے ہے تھے کہ جہاز طوفان کا شکار ہو گیا۔ کپتان نے اجنبی بند کر لیئے۔ طوفان اتنا شدید تھا کہ جہاز کے انجنوں کو نقصان پہنچ جانے کا خطرہ تھا۔ جہاز کو طوفان کے رخ پر ڈال دیا گیا اور وہ بھلک کر اس طرف آنکلا۔ کپتان کو یقین تھا کہ طوفان یادہ دیر تک جاری نہیں رہے گا اور جہاز پہنچ جائے گا۔ لیکن ہماری بد قسمی کہ جہاز کا چلا حصہ، مندر میں ڈوبی ہوئی ایک نوک دار چٹان سے ٹکرا گیا اور اُس میں ایک بڑا سوراخ ہو گیا۔ یہری طرف نائب کپتان نے یہ جزیرہ دیکھ لیا تھا۔ چنانچہ اعلان کیا گیا کہ سارے مسافر، ہزار خالی کر کے اُس جزیرے پر پناہ لیں۔ اگر وہ جہاز پر رہے تو جہاز غرق ہو جائے گا۔ کپتان نے یہ بھی بتایا کہ جہاز کے تباہ شدہ حصے کو کٹھول کر لیا گیا ہے۔ لیکن اگر وہ وزنی رہا تو جہاز کا بچنا مشکل ہے۔ خوفزدہ لوگ، افراتقری کے عالم میں کشیاں لے کر سمندر میں اتر لے۔ اس ہلڑ بازی میں بے پناہ جانی نقصان ہوا۔ اور جس طرح ہم طوفانی موجودوں سے لوتے ہوئے یہاں تک پہنچے، ہمارا دل ہی جانتا ہے۔“

”تو جہاز کے ٹھیک ہونے کی امید ہے.....؟“ بخوبی کہ جہاز کے حلق سے بمشکل آوازنگی۔ اُس لی آواز، سمرت سے کاٹ پڑی تھی۔

”کپتان نے بھی کہا ہے۔“ بوڑھے نے جواب دیا۔ خوشی تو ہم سب کو ہوئی تھی۔ لیکن ہم نے اس کے اظہار میں دیواری کا بہوت نہیں دیا تھا۔

”بہر حال! ہمیں خوشی ہے کہ آپ لوگوں کی زندگیاں بچ گئیں۔“ میں نے کہا۔ پھر وہ لوگ جزیرے کے جغرافیائی حالات معلوم کرتے رہے۔ اس کے بعد میں نے جڑھے سے کہا۔ ”میں آپ کا نام جان سکتا ہوں جتاب.....؟“

”گولڈ فیلڈ..... ہاربر گولڈ فیلڈ۔“

”مسٹر گولڈ..... جنگ کے کیا حالات ہیں؟“

”اوہ..... جنگ ختم ہو گئی ہے۔ امریکہ نے جاپان کے دو شہروں پر ایتم بم گردیئے تھے۔“

”اور ہٹلر.....؟“ میں نے پوچھا۔

”ہٹلر نے خود کشی کر لی۔“ بوڑھے نے سمرت بھرے لمحے میں کہا۔ اور ہم سب عجیب سے احساسات کا شکار ہو گئے۔ دیر تک ہم خاموش رہے۔ پھر وہ ہم سے ہمارے بارے میں

”میرا مطلب ہے، آپ لوگ اس حادثے سے زیادہ متاثر تو نہیں ہوئے۔ ہم، آپ کا شکریہ ادا کرنے آئے ہیں۔ اس خوفناک حادثے کا شکار ہونے والوں میں کوئی جوان اتنا باہم نہیں تھا، جس نے آپ لوگوں کی طرح دوسروں کی مدد کی ہو۔ یہاں موجود تمام لوگ، آپ کے شکرگزار ہیں۔“

”اوہ..... مسٹر کین! میرا خیال ہے ان لوگوں کو ہمارے بارے میں غلط فہمی ہو رہی ہے۔ یہ میں بھی اُسی جہاز کا مسافر بھر ہے ہیں۔“ فلیکس نے کہا۔

”کیا مطلب.....؟“ بوڑھے نے تعجب سے کہا۔

”جناب! ہم، آپ کے جہاز کے مسافر نہیں ہیں۔ بلکہ اس جزیرے کے باشندے ہیں۔“ فلیکس نے کہا اور بوڑھا، اچھل پڑا۔

”نہیں..... تم مذاق کر رہے ہو..... یہ کیسے ممکن ہے؟“

”یہ مذاق نہیں ہے محترم بزرگ! اور نہ یہ وقت آپ سے مذاق کا ہے۔ ہم طویل عرصے سے اس جزیرے پر مقید ہیں۔ ہم بھی ایک جہاز کی تباہی کے بعد لاگ بوث کے ذریعے اس جزیرے تک پہنچ تھے۔“ میں نے حلیمی سے کہا اور وہ لوگ حیرت سے گنگ ہو گئے۔

”خدا کی پناہ! ہم تو سوچ بھی نہیں سکتے تھے..... تو کیا اس جزیرے پر اور بھی آبادی ہے؟“

”نہیں..... اس جزیرے کی آبادی صرف ہم پانچ افراد پر مشتمل ہے۔“

وہ لوگ دیر تک حیرت کا شکار رہے۔ اور پھر ہمارے پاس بیٹھ گئے۔ ”تم لوگ کب سے یہاں ہو؟“

”اب تو وقت کا تعین بھی مشکل ہے محترم! بہر حال، کافی عرصہ گز رگیا۔“

”کمال ہے..... ویسے کیا اس جزیرے پر شکار موجود ہے؟“

”کوئی چیز نہیں ہے..... نہ پانی، نہ شکار۔ ویسے وقت طور پر آپ کو تکلیف نہیں ہو گی۔ ہم نے بارش کے پانی کا ذخیرہ کر لیا ہے۔“

”اوہ..... اس کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ ہمارا جہاز یہاں سے زیادہ ڈر نہیں ہے۔“ کپتان نے نہایت ہوشیاری سے اُس کے تباہ شدہ حصے کو کٹھول کر لیا ہے۔ جہاز خالی اس لئے کرایا گیا تھا کہ ہلکا ہو جائے اور لگانداز ہو سکے۔

”کیا مطلب.....؟“ اب ہماری حیرت کی باری تھی۔

پوچھنے لگے۔ اور پھر بوڑھے گولڈ نے کہا۔ ”اس کا مطلب ہے کہ اس جزیرے کی رات خطرناک نہیں ہے۔ لیکن سردی بڑھتی جا رہی ہے۔“

”رہے، ہم اسے اور کوئی امداد نہیں دے سکتے تھے۔ لڑکی شاید بے ہوش ہو گئی تھی۔“

”رات کو سخت سردی پڑے گی۔ ویسے جزیرے پر درندہ ایک بھی نہیں ہے۔ نہ ہی صبح کو پہلی کرن کے ساتھ ہی وہ ہوش میں آگئی اور متوجہ انداز میں چاروں طرف دوسرے کوئی چانور اور حشرات الارض پیں۔ اس لئے اس سلسلے میں فکر کی کوئی بات نہیں ہے۔ لیکن اس کی آنکھوں میں خوف کی جھلکیاں تھیں۔“

”میں کہاں ہوں.....؟“

”میں یہ بات دوسروں کو بھی بتاؤں۔ ہم نے طے کیا تھا کہ چونکہ تم انسانی ہمدردی کے ساحل پر..... اور محفوظ ہو۔ فکر مند مت ہو۔“ میں نے اُسے تسلی دینے والے انداز میں تخت سرگرم رہے ہو، اس لئے تمہاری سربراہی میں جزیرے پر گزارنے والے وقت کے لئے انتظامات کے جائیں۔ ہمیں کیا معلوم تھا کہ تم پہلے سے ہی اس جزیرے پر موجود ہو؟“ ”آہ..... میرے ڈیڈی..... میرے ڈیڈی.....“ لڑکی کی آواز حلق میں اٹک گئی اور اُس وہ لوگ چلے گئے۔ بوڑھے گولڈ نے دوسرے لوگوں کو ہمارے بارے میں بتایا تو ذرا سی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

دیر میں ہمارے گرد لوگوں کا ہجوم لگ گیا۔ لوگ ہم سے ہمارے بارے میں پوچھ رہے تھے ”کیا نام ہے آپ کے ڈیڈی کا.....؟“ اور متھیر تھے۔ صبح کا انتظار نہیں کیا گیا۔ ہم نے رات میں ہی انہیں اپنی پناہ گاہ اور سمندری ”ڈونے ہائے..... وہ سمندر کی نذر ہو گئے۔ آہ! اب میں دنیا میں تہارہ گئی ہوں.....“ وہ گھوڑوں کے گوشت کا ذخیرہ دکھایا۔ سب لوگ ان کاوشوں سے بنے خدمتاشر ہوئے تھے۔ بٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

عورتوں کو ایک جگہ جمع کر لیا اور پچھلے لوگ اُن کے حافظ بن گئے۔ اور پھر تھکے ماندے ”آپ کو صبر سے کام لینا چاہئے میں ہامگی یہاں مصیبت زدہ لوگوں کی بڑی تعداد موجود خوازدہ لوگ، نیند کی آغوش میں چلے گئے۔“

رات کا نہ جانے کون سا پہر تھا؟ ہم میں سے کسی کو نیند نہیں آئی تھی۔ نہ آنے والے نہیں ہیں؟“ خوف کا شکار تھے۔ لیکن ہم خوف کی منزل سے نکل چکے تھے۔ دفعتہ ایک نسوانی چیخ اُبھری اور ”میں نے انہیں خود سمندر میں گرتے دیکھا تھا۔ آہ! میں بھی اُن کے پیچھے ہی سمندر میں ہم سب چونک پڑے۔“ یہ..... یہ کیا ہوا.....؟“ جو گزر نے کہا۔ ”لگی تھی۔“

”ابو..... وہ سمندر کے کنواست.....“ فلیکس نے اشارہ کیا اور میں نے اُس سائے کو ”ممکن ہے، آپ ہی کی طرح وہ بھی نجح گئے ہوں۔ آپ کو صبر سے کام لینا چاہئے۔ میں دیکھ لیا۔ وہ لڑکھارہا تھا۔ دوسرے ہی نجح، میں نے اُس طرف دوڑ لگائی اور کنارے پر نیں دوسرے لوگوں میں تلاش کر دوں گا۔“ پہنچ گیا۔

وہ لڑکی، ایک تنخے کے سہارے بہتی ہوئی ساحل تک آئی تھی۔ یہ سمجھنے میں دقت نہ ہوئی ”یہی کوتلاش کروں گی۔“ کہ وہ بھی اُسی جہاز کی مسافر ہے۔ میں نے اُسے سہارا دیا۔ اُس کی کیفیت شرایبوں کی کی ”ہمیں کوشش کر لینے دیں۔ آپ کی حالت درست نہیں ہے۔ ابھی آپ کو آرام کی تھی۔ شدید جدو ججد کے بعد کسی سہارے کے مل جانے کے احساس نے اُس کے اندر اورت ہے۔“ میں نے نزم لجھ میں کہا اور لڑکی کی آنکھوں سے آنسو بہتے رہے۔

مدافعت ختم کر دی۔ دوسرے نجح میں نے اُسے زمین پر گرنے سے روکا اور بازوؤں میں برشکل تمام، سمجھا بجا کر میں نے اُسے آرام کرنے پر راضی کر لیا۔ اور پھر ایڈن کی ڈیوٹی اٹھا کر اُن لوگوں کے قریب پہنچ گیا جو میری طرف دیکھ رہے تھے۔ اُنہم سب باہر آگئے۔

”کیا! اگر جہاز درست ہو گیا ہو تو ہم بھی ان کے ساتھ ہی نکل چلیں گے۔“ فلیکس ”کون ہے یہ.....؟“ فلیکس نے پوچھا۔

نے کہا۔

”ہاں.....“ میں نے فلیکس کا شانہ تھپٹھپایا۔ اور پھر ہم نے پناہ گز نیوں کی جانب چل پڑے۔ لوگ اپنے اپنے مشاغل میں مصروف تھے..... نوجوانوں کی ٹولیاں جزیرے کی سر کو نکل گئی تھیں۔ عاقبت اندریش، جہاز کی تلاش میں ساحل پر نگاہیں جمائے ہوئے تھے۔ کسی ہوئی عورتیں، بچوں کو سمیئے دھوپ سے بچاؤ کی کوشش میں مصروف تھیں۔ ہماری پناہ گاہ اتنی وسیع نہیں تھی کہ ہم، اُن سب کو چھٹت مہیا کر سکتے۔ لہذا اس سلسلے میں مجبور تھے۔ تاہم میں نے ایک بات سوچی اور فلیکس سے مشورہ کر کے اُن عورتوں کے پاس پہنچ گئے۔ میں نے اُن عورتوں کو چھٹت کی پیشکش کی، جن کے پاس شیر خوار تھے اور نہ جانے کس طرح وہ اپنے جگر گوشوں کو بچا کر یہاں تک لائی تھیں۔ میری اس پیشکش کو ممنونیت کے ساتھ قبول کریا گیا۔ اور جھوٹے بچے میری اس پناہ گاہ میں آگئے۔

تب میں نے مسڑوں نے کی تلاش شروع کر دی۔ میں نے دو تین آدمیوں سے پوچھا اور ایک شخص مسڑوں کو آوازیں دیئے لگا۔ تب ایک بوڑھے نے گردن اٹھائی۔ وہ گھنٹوں میں سردی یہے انتہائی اُداس بیٹھا ہوا تھا۔

”کیا بات ہے مسڑ.....؟“ اُس نے لرزتی ہوئی آواز میں پوچھا۔
”ہمیں، مسڑوں کی تلاش ہے۔“ میں نے آمید و نیم کی نگاہوں سے اُسے دیکھتے ہوئے کہا۔

”میں، ڈونے ہائی ہوں۔“
”اوہ..... خدا کا شکر ہے مسڑوں نے! آپ زندہ ہیں۔“ میں نے خوش ہو کر کہا۔
”نہیں میرے دوست! میں مُردہ ہوں۔ میری زندگی، سمندر میں غرق ہو چکی ہے۔“
”میں ڈونے، ہمارے پاس محفوظ ہیں۔ براہ کرم! آپ چل کر اُن سے ملاقات کر لیں۔“

”کیا.....؟“ بوڑھا اچانک زندہ ہو گیا۔
”ہاں..... اٹھئے!“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور بوڑھا اچھل کر کھڑا ہو گیا۔
”کہاں ہے میری بچی.....؟ کیا وہ واقعی زندہ ہے..... کیا وہ واقعی.....؟ آہ! کیا وہ حق زندہ ہے؟ کہاں ہے وہ.....؟ کیا وہ زخمی ہے؟ جلدی چلو..... مجھے اُس کے پاس لے چلو۔“
بوڑھا شدید اضطراب کا شکار تھا۔ مجھے اُس سے بڑی ہمدردی محسوس ہوئی۔ پھر ہم اُسے

لے کر اپنی پناہ گاہ میں پہنچ گئے۔

سارا ہائیم کی، اپنے باپ سے ملاقات بہت رفت آمیز تھی۔ ہم نے یہ جذباتی منظر دیکھا اور ایک عجیب سے تاثر میں ڈوب گئے۔

”بہت بہت شکر یہ نوجوانو!“ بوڑھے نے ممنونیت سے کہا۔ ”ہم دونوں ایک دوسرے کو مُردہ سمجھ بیٹھے تھے۔“

”میں بھی آپ لوگوں کی شکر گزار ہوں۔“ لڑکی کھل اٹھی۔ ”کیا نام ہے آپ کا؟“
”کیا..... ڈن کین.....“ میں نے جواب دیا۔

”بڑی خوشی ہوئی آپ سے.....“ بوڑھا جملہ ادھورا چھوڑ کر چونک پڑا۔ ”کیا نام بتایا آپ نے مسٹر.....؟“

”ڈن کین.....“ میں نے جواب دیا۔
”نہیں.....“ بوڑھا عجیب سے انداز میں بڑ بڑایا۔ ”نہیں..... لیکن کیا آپ..... کیا آپ..... اسی جہاز سے سفر کر رہے تھے؟“

”نہیں جتاب! ہم تو طویل عرصے سے اس جزیرے کے قیدی ہیں۔“
”خدا کی پناہ..... آپ وہ ہیں، جس نے سمندر میں بہہ کر آنے والوں کی مدد کی تھی۔ اور

آپ اسی جزیرے پر تھے.....؟“
”بھی.....“ میں نے کہا۔

”لیکن مسڑ کیں! کیا آپ کا تعلق فن لیڈنگ کی کیں فیملی سے ہے؟“ بوڑھے نے پوچھا اور اس بار میرے چونکے کی باری تھی۔

”آپ، مجھے کس طرح جانتے ہیں؟“ میں نے پوچھا۔
”خدا کی قسم! کیا وہ ہی ہیں آپ.....؟“

”بھی.....“ میں نے مختصر سا جواب دیا۔
”اوہ، میرے خدا..... حکومت امریکہ نے تو آپ کی تلاش کے لئے لاکھوں ڈالر انعام مقرر کیا ہے۔ میرا تعلق امریکی بحریہ سے ہے۔ ایک آبدوز کسی مقام پر آپ کو رسیو کرنے والی تھی۔ میں اُس سب میزین کا سینکڑ چیف تھا۔ تو کیا، آپ کے ساتھ آپ کے ہم شکل مسٹر فلیکس بھی ہیں؟“

”میرا نام فلیکس ہے۔“ فلیکس نے آگے بڑھ کر کہا۔

سے ہاتھ بھارنے تھے۔ میں نے اور جو گزر نے ایک جگہ سے ساحل کی جانب دیکھا اور ہماری آنکھوں میں عجیب سی کیفیات ابھرائیں۔

دُور سے کچھ لانچیں، ساحل کی جانب آتی ہوئی نظر آرہی تھیں۔ شاید وہ ان ہی لوگوں کی تلاش میں تھیں۔ جو گزر، خوشی سے مجھ سے لپٹ گیا اور ہم بغور ان لانچوں کو دیکھنے لگے۔ دو مضبوط لانچیں، ساحل کی جانب آرہی تھیں۔ لانچیں کافی بڑی تھیں اور ان پر بہت سے لوگ نظر آرہے تھے۔ یقین طور پر وہ ان مسافروں کے لئے آرہی تھیں۔

سندر اس وقت پر سکون تھا۔ ان کے علاوہ خوفناک طوفان نے بھی سندر کے ساحل پر کچھ ایسی تبدیلی کی تھی کہ تصویر نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اگر یہ تبدیلی پہلے ہو جاتی تو ہمیں یہاں تک آنے میں اس قدر مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔ چنانچہ لانچیں اتنی کھرائی تک آنگئیں، جہاں تک وہ آسکتی تھیں۔ پھر اس کے بعد رُک گئیں۔ پھر چھوٹی چھوٹی کشتیاں لانچوں سے اُتاری گئیں اور ان کشتیوں پر سامان بار کیا جانے لگا۔ جزیرے پر موجود تمام لوگ ساحل پر آ کھڑے ہوئے تھے۔ تھوڑی دیر بعد کشتیاں ساحل سے آگئیں۔ ان میں غذاوں کے ڈبے، پانی اور ایسی ہی دوسری اشیاء موجود تھیں جو مسافروں کے لئے لائی گئی تھیں۔ ذرا سی دیر میں تمام لوگوں نے کشتیوں کا سامان اُتار کر ساحل پر جمع کر دیا۔

آنے والوں سے جہاز کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے بڑی امید افزاء باتیں بتائیں۔ انہوں نے بتایا کہ جہاز کے کپتان کا خیال ہے کہ جہاز کی درستگی میں مزید دودن لگ جائیں گے۔ اور بہتر یہ ہے کہ آپ یہ دو دن اسی جزیرے پر گزاریں۔ ہمیں ضروریات کی تمام چیزیں فراہم کی جائیں گی۔

فلیکس کی آنکھوں میں خوشی سے نبی آگئی تھی۔ جو گزر، پال اور ایڈن بھی بے انتہا خوش نظر آ رہے تھے۔ مصیبتوں کے بعد راحت کا دور شروع ہونے والا تھا۔

بوڑھے ہام نے غذاوں کے کچھ ڈبے ہمیں بھی پیش کئے۔ اور کچھ اپنے لئے حاصل کئے۔ ایک طویل عرصے کے بعد ہم نے کچھ کچھ غذا ان ڈبوں کے ذریعے حاصل کی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا، جیسے یہ غذا اپنی بار کھا رہے ہوں۔

سارا ہام خاص طور سے میری طرف متوجہ نظر آتی تھی۔ اُس نے چند مخصوص چیزیں مجھے بطور تھفہ پیش کیں، جن میں سکریٹ بھی شامل تھے۔ میں نے شکریے کے ساتھ ان چیزوں کو تبول کر لیا تھا۔

”میرے خدا..... آپ اس جزیرے پر کیسے پہنچ گے؟“

”طویل داستان ہے مسٹر ہام! لیکن آپ سے مل کر بڑی مسٹر ہوئی۔ جنگ کے خاتمے کے بارے میں ہمیں معلوم ہو چکا ہے۔“

”کاش! میں اپنے وطن جاسکوں۔ کاش! میں حکومت کو یہ خبر دے سکوں.....“ بوڑھے نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔ سارا ہام بڑی عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔

بوڑھے ہام سے بہت سی معلومات حاصل ہوئیں۔ حکومت امریکہ نے مجھے لارڈ کے خطاب سے نوازا تھا اور میری ایک یادگار تعمیر کرانے پر غور کیا جا رہا تھا۔

فلیکس اور دوسرا لوگ، بوڑھے ہام کی زبانی یہ تفصیلات سن سن کر مسکرا رہے تھے۔ پھر فلیکس نے حضرت بھرے لجھ میں کہا۔ ”کاش! ایک بارہم اپنی دنیا میں واپس پہنچ سکیں۔“

”تم اتنے مایوس کیوں ہو مسٹر فلیکس؟“ بوڑھے ہام نے پوچھا۔

”کاش! آپ نے وہ وقت یہاں گزارا ہوتا، جو ہم نے گزارا ہے۔ اس جزیرے پر موت کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ یہاں زندگی کی تلاش جتنی کٹھن ثابت ہوئی ہے، اس کے بارے میں ہم ہی جانتے ہیں۔“ فلیکس نے کہا۔

”ہاں..... نظر آرہا ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے یہ صرف سنگاخ چٹانوں پر مشتمل ہو۔ سبزہ یا جاندار، کچھ بھی تو نظر نہیں آتا۔“

”ہوتا نظر آتے۔ یہاں کچھ بھی نہیں ہے۔“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور سارا ہام کے چہرے پر خوف کے آثار پھیل گئے۔

”ڈیڈی! اگر جہاڑھیک نہ ہوا تو ہم یہاں زندہ کیسے رہیں گے؟“ اُس نے خوفزدہ لجھ میں پوچھا۔

”نہیں بیٹھے، نہیں..... جہاڑ ضرور ٹھیک ہو جائے گا۔ جب قدرت نے ہمیں اس خوفناک ماحول میں زندگی دی ہے تو یقین طور پر ہماری آئندہ زندگی بھی اس کی نگاہ میں ہوگی۔ کچھ نہ کچھ ضرور ہو گا۔“ ہام نے امید افزاء لجھ میں کہا اور اُس کی اعتماد بھری آواز نے ہمارے جسموں کو بھی نئے احساسات سے نواز۔

دوپہر گزر پچھی تھی۔ میں نے بڑی فراغدی سے سمندری گھوڑوں کا گوشت اُن لوگوں کو پیش کر دیا جو شدید بھوکے تھے۔

سورج جھکا ہی تھا کہ ساحل پر کھڑے ہوئے لوگوں نے شور چانا شروع کر دیا۔ وہ خوشی

توڑی کی تہائی ملتے ہی سارا ہامِ میرے پاس پہنچ گئی اور مسروکن لجھے میں بولی۔ “آپ کی شخصیت امریکہ کے ہر فرد کے لئے بڑی انوکھی ہے۔ میں نے بھی آپ کے کارناٹے نے تھے اور آپ کے بارے میں اخبارات میں خبریں پڑھی تھیں۔ آپ یقین کریں! کہ کبھی خواب میں بھی نہیں سوچ سکتی تھی کہ کبھی کسی ایسے حادثے کے تحت آپ سے ملاقات ہو جائے گی۔“

”ہاں میں سارا! بعض اوقات حالات، انسان کے لئے عجیب و غریب ماحول تیار کرتے ہیں۔ یقین کریں! آپ لوگ جس آسانی سے یہاں تک پہنچ گئے ہیں، ہم اس طرح یہاں تک نہیں پہنچ سکتے۔ آپ یقین کریں! کہ خشکی کے اس نکٹے پر قدم جانے کے لئے ہمیں بار بار اپنی زندگی کو دوپر لگانا پڑتا تھا۔ ہم یہاں بار بار مرے اور بار بار جئے۔ ہم تو سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ اب دوبارہ کبھی مہذب دنیا سے روشناس ہو سکیں گے۔“

”واقعی..... جس طرح یہاں آپ نے اپنی رہائش گاہ ترتیب دی ہے، اسی سے اندازہ ہوتا ہے۔“ سارا نے متاثر ہوتے ہوئے کہا۔

”آپ لوگ امریکہ ہی جا رہے تھے؟“

”ہاں..... اور اب آپ بھی ہمارے ساتھ چلیں گے۔“ سارا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”ہمارے لئے یہ تصور کس قدر عجیب ہے؟“

”یقیناً ہو گا..... آپ خوش ہیں مسٹر کین؟“

”کیوں نہیں میں سارا! زندگی بڑی حسین شے ہے۔ انسان اسے آسانی سے چھوڑنے پر رضا مند نہیں ہوتا۔“

”ویسے آپ کی شخصیت بے حد پراسرار ہے۔ ہم لوگ آپ کی داستانیں اخبارات میں پڑھا کرتے تھے۔ اور آپ کے بارے میں ہم نے بڑے عجیب و غریب نظریات قائم کئے تھے۔“

”اور اب آپ کو مایوسی ہوئی ہو گی۔“

”یہ بات نہیں..... بس! یقین ہی نہیں آتا کہ آپ وہی ہیں۔“ سارا نے کہا اور میں ہنسنے لگا۔

ان دونوں میں سارا، مجھ سے کافی گھل مل گئی تھی۔ اس نے مجھ سے بے شمار باتیں کی تھیں اور بہت مسروک نظر آتی تھی۔ ان دونوں میں جہاز کی طرف سے مسافروں کے لئے

باتاقدہ غذا اور پانی کا ذخیرہ آتا رہا تھا اور اس کے ساتھ ہی امید افراد بھی۔ جہاز کی مرمت تسلی بخش طور پر ہو رہی تھی اور دن رات کام کیا جا رہا تھا۔

تیسرا دن ہمیں جہاز کے سرخ پھریے نظر آئے اور مسافروں میں ہاچل پیدا ہو گئی۔ جہاز درست ہو گیا تھا۔ اور پھر اس سے مسافروں کو لے جانے کے لئے بڑی بڑی لانچیں آتاری گئیں۔ ہماری آنکھوں میں خوشی کے آنسو آگئے تھے۔

تیسرا ٹرپ میں جہاز کا کپتان بھی ساحل پر آ گیا اور اس نے نجع جانے والے مسافروں کو مبارکباد تھی۔ اس نے معدودت کی کہ مسافروں کو طوفان کا خشکار ہونا پڑا۔

تب مسٹر ہامُن نے اس سے میرا تعارف کرایا۔ کپتان بھی امریکی باشندہ تھا۔ نیرا نام سن کر ہی وہ بے حد متاثر ہوا۔ پھر اس نے میرے دوسرے ساتھیوں سے بھی ملاقات کی اور ہماری رو داد سن کر بولا۔ ”اگر یہ بات ہے تو مجھے ان مصائب کا شکر گزار ہونا چاہئے جو جہاز کو یہاں تک لانے میں اٹھا نے پڑے ہیں۔“ کپتان ہمیں اپنے ساتھ ہی اپنے گیا اور جہاز پر قدم رکھنے کے بعد ہم، اپنے جذبات پر قابو نہ پاسکے۔ موت کے جزیرے سے ایک بار پھر زندگی کی سرزی میں کی جانب چل پڑے تھے۔

میرے ساتھیوں کی حالت مجھ سے زیادہ خراب تھی۔ پال اور جو گزرن تو جہاز پر قدم رکھتے ہی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے تھے۔ ہمارے لئے تین کیبن مخصوص کردیے گئے تھے۔ لباس اور دوسری چیزیں بھی مہیا کر دی گئی تھیں۔ زندگی کے اس نئے رخ پر شدید حریت ہوتی تھی۔ تمام مسافروں کے جہاز پر آجائے کے بعد لگر انٹھا دیئے گئے۔ فلیکس اور میں ایک ہی کیبن میں تھے۔ اور جب سے جہاز پر آئے تھے، کیبن سے باہر نہیں گئے تھے۔ جی بھر کر ہوئے تھے۔ آرم دہ بستر کا تصور ہی ذہن سے نکل گیا تھا۔ اور جب آرام دہ بستر نصیب ہوا تو پھر بھلاکیں کا اٹھنے کو دل چاہتا تھا؟

”اس مخنوں جزیرے سے تو نکل ہی آ۔۔۔ ہیں مسٹر کین!“ فلیکس نے کہا۔ ”اوامریکہ بھی پہنچ ہی جائیں گے۔ اس کے بعد تمہارا کیا روگرام ہے؟“

”زندگی، حادثات کے بغیر بے مزہ ہے فلیکس! جب زندگی کا تعین ہو جائے گا تو پھر موت کی تلاش میں نکلیں گے۔“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”تم واقعی عظیم ہو ڈن! میں نہیں جانتا کہ تمہاری نشوونما کی طرح ہوئی ہے؟ میں نے کبھی

”فوراً جاؤں گا۔ بلکہ میرے لئے درمیان ہی میں بندوبست کر دو! میں پہلے فن لینڈ
جاوں گا اور کین فیلی کی خیریت دریافت کر کے واپس تمہارے پاس پہنچ جاؤں گا۔“
”نہیں..... اب اتنی جلدی کی ضرورت بھی نہیں ہے۔“ میں نے جواب دیا اور ہم
خاموش ہو گئے۔

شام ہوئی تو کسی نے کپبن کے دروازے پر دستک دی اور اندر آگیا۔ یہ سارا ہائی تھی اور
بڑی نکھڑی نکھڑی نظر آ رہی تھی۔

”بیلو سارا.....!“ میں نے اسے مخاطب کیا۔

”بیلو مسٹر کیں! کیا یہ ضروری ہے کہ آپ، جہاز کے کپبن میں آرام کرتے رہیں؟“ سارا
نے کسی قدر بے تکلفی سے کہا۔

”نہیں..... ضروری تو نہیں ہے۔ آپ فرمائیے.....“

”آئیے..... باہر چلیں۔ موسم بے حد خوشنگوار ہے۔ بلکہ بلکہ یوندہ پاندی ہو رہی ہے۔“
سارا نے کہا اور میں نے گھری سانس لے کر فلیکس کی جانب دیکھا۔ فلیکس نے مسکراتے
ہوئے گردن ہلا دی۔

”آپ بھی آئیے مسٹر فلیکس!“ سارا نے اسے بھی دعوت دی۔

”نہیں مس سارا! ہم دونوں کافی حد تک ہم شکل ہیں۔ سیکارہ کر خواہ خواہ دوسروں کی
تجہہ کا نشانہ بن جائیں گے۔ اس لئے آپ، مسٹر کیں ہی کو لے جائیے۔“ فلیکس نے معنی خیز
انداز میں مسکراتے ہوئے کہا اور میں، اُس کے ساتھ باہر آ گیا۔

سارا میرے ساتھ چلتی ہوئی کسی سوچ میں ڈوب گئی تھی۔ ویسے اُس کے ہونٹوں پر
مسکراہٹ نظر آ رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد ہم عرش پر پہنچ گئے اور بیلنگ سے ٹیک لگا کر سمندر کا
نظرار کرنے لگے۔

واقعی، بہت باریک یوندیں برس رہی تھیں اور موسم بے حد خوشنگوار تھا۔ حالانکہ اس سے قبل
بھی جزیرے پر بارش ہوتی رہی تھی۔ لیکن اس میں ہمارے لئے سوائے اس کے اور کوئی
خاص بات نہ تھی کہ وہ ہماری پانی کی ضرورت پوری کرتی تھی۔ لیکن اس وقت معلوم ہو رہا تھا
کہ موسم کا حسن کیا چیز ہوتا ہے۔۔۔ سارا بستور مسکرا رہی تھی۔ پھر وہ، میری جانب دیکھ کر ہنس
پڑی۔

”کیوں.....؟“ میں نے پوچھا۔

”تمہیں ہر اسال نہیں دیکھا۔ اچھا ڈن! ایک بات بتاؤ؟“

”پوچھو ہو ارلنگ!“ میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

”کیا تمہاری زندگی میں پچھے حسین لمحات کی بھی گنجائش ہے؟“

”میری زندگی کے حسین ترین لمحات یہی ہیں فلیکس! کہ ہم دونوں سکون سے بات چیت
کر رہے ہیں۔“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”اب تم مجھے اڑا رہے ہو۔“

”کیوں.....؟“

”میں دوسرے لمحات کی بات کر رہا ہوں۔ یوں تو عورت کا حصول مشکل نہیں ہوتا۔ لیکن
وہ عورت جو زندگی میں پا کیزہ لمحات سے وابستہ ہو جاتی ہے، ایک الگ مقام رکھتی ہے۔ کیا
کبھی ایسی کوئی عورت تلاش نہیں کرو گے؟“

”نہیں فلیکس.....!“ میں نے جواب دیا۔ نہ جانے کیوں فلیکس کی اس بات سے میں
اداس ہو گیا تھا۔

”آخر کیوں.....؟ زندگی کی مقام پر تو تھک جاتی ہے۔“

”ہاں فلیکس! جب زندگی تھک جائے گی تو میں موت کا انتظار کروں گا۔ بات یہ ہے
فلیکس! کہ ہر شخص کی زندگی کسی نہ کسی سے کسی نہ کسی صورت میں وابستہ ہوتی ہے۔ اور اپنا
وجود کسی دوسرے کی ذات کی ذمہ داری بنا کر اپنی ذات کی اہمیت کا احساس ہوتا ہے۔ لیکن
وہ لوگ میری زندگی سے نکل گئے ہیں جو میرے لئے یہ جذبات رکھتے تھے۔“

”اوہ..... میں سمجھ رہا ہوں کیا۔ لیکن کیا تم انہیں بھی معاف نہیں کرو گے.....؟“

”میں، انہیں معاف کر چکا ہوں۔ لیکن اب اُن کی قربت میرے لئے ممکن نہیں ہے
ار بے ہاں، فلیکس! ایک کام ضرور کرنا ہے۔“

”وہ کیا کیں.....؟“ فلیکس نے پوچھا۔

”جنگ عظیم نے جو تباہ کاریاں پھیلائی ہیں، اُن کو گاہ میں رکھتے ہوئے میرے ذہن
میں اُن لوگوں کا خیال آتا ہے، جن سے میرا خون کا رشتہ تھا۔“

”یقیناً آتا ہو گا۔“

”امریکہ پہنچ کر چند دن آرام کرنا، پھر فن لینڈ چلے جانا۔ تاکہ مجھے اُن لوگوں کی خیریت
معلوم ہو جائے۔“

”امریکہ میں آپ کو آنجمانی سمجھ لیا گیا ہے۔ آپ وہاں پہنچیں گے تو لوگوں کو کتنی جیت
ہوئی؟“

”خوب..... دچکپ بات ہے یہ بھی۔“ میں نے مسکراتے ہوئے اُس کی طرف دیکھا۔

”ایک بات تائیں مسٹر کین! آپ ایک جزیرے کے تھا ماں اک ہیں۔ مسٹر فلیکس آپ
کے ساتھ رہتے ہیں۔ آخر آپ اس جزیرے کا کریں گے کیا؟“

”کچھ نہیں مس سارا! انسان اپنے لئے کوئی گھر تو بناتا ہے۔ میرا اگر ذرا کشادہ
ہے۔“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور سارا بے اختیار نہیں پڑی۔

”یہ ذرا کشادہ، بھی خوب رہی۔ آپ ساری دنیا سے کٹ کر کیوں رہنا چاہتے ہیں؟“
اُس نے دوسرا سوال کیا۔

”نہیں..... اسی تو کوئی بات نہیں ہے۔ ظاہر ہے، میرا جزیرہ ان لوگوں کے لئے منوع
نہیں ہے۔ اکثر سرکاری حکام وہاں آتے جاتے رہتے ہیں۔ بس! میری خواہش تھی کہ کسی تھا
جگہ کا ماں اک بن جاؤ۔“

”آپ کو اس جزیرے پر اکتا ہٹ نہیں ہوتی؟“

”ابھی تو میں وہاں زیادہ عرصہ رہا بھی نہیں ہوں۔ سارا وقت تو جزیرے کی تغیریں
صرف ہوا ہے۔ میں نے جو کچھ وہاں بنایا ہے، وہ میرے لئے کافی نہیں ہے۔ ابھی میں نے
وہاں بہت کچھ ترتیب دیتا ہے۔ لیکن یہ ساری باتیں زندگی سے تعلق رکھتی ہیں مس سارا!
انسان کتنی ساری خواہشات کا ماں اک ہوتا ہے۔ لیکن بعض اوقات، انسان، حادثات، اور حالات
کے ہاتھوں اس قدر مجبور ہو جاتا ہے کہ سارے خیالات دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں۔
اب مجھے ہی دیکھئے! اگر چہاڑ وہاں نہ پہنچتا تو میں نہیں کہہ سکتا کہ کبھی ہمیں اس جزیرے سے
نکلنا نصیب بھی ہوتا یا نہیں؟“

”واقعی..... آپ نے وہاں بڑی کٹھن اور خوفناک زندگی گزاری ہے۔ آپ کو مہذب دنیا
یاد تو آتی ہوگی۔“

”ہاں..... ظاہر ہے، میں جگلوں کا باسی نہیں ہوں۔“

”اچھا، مسٹر کین! ایک خاص بات پوچھ رہی ہوں۔ کیا آپ کا شادی کرنے کا کوئی ارادہ
نہیں ہے؟“ اُس نے میری طرف شرارت بھری نظرؤں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

”ارادہ تو نہیں ہے۔ لیکن اگر کوئی ایسا ساختی مل گیا جس نے ذہن تک رسائی حاصل کر

لی تو شاید سوچنے بھی لگوں۔“

”براؤ ہی خوش نصیب ہو گا وہ۔ ایک تھا جزیرے کا مطلق العنان حکمران۔“ سارا نے
بدستور مسکراتے ہوئے کہا۔

”کیا آپ کی خواہش نہیں ہے کہ آپ بھی کسی تھا اور مطلق العنان جزیرے کی حکمران
ہوتی؟“ میں نے کہا۔

سارا کی نگاہیں ایک لمحے کے لئے میری جانب اٹھیں اور پھر جھک گئیں۔ وہ سوچ بھی
نہیں کتی تھی کہ میں اس بے تکلفی سے یہ سوال کر دوں گا۔ وہ عجیب سی نگاہوں سے میری
طرف دیکھتی ہوئی بولی۔ ”اگر مجھے کسی جزیرے کا حکمران بننے کی خواہش بھی ہو تو ظاہر ہے،
میری یہ خواہش پوری نہیں ہو سکتی۔“

”کیوں.....؟“ میں نے سوال کیا۔

”بس! نہیں بن سکتی۔“ وہ جھینپٹ گئی۔

”ہر بات کا کوئی نہ کوئی جواہر ہوتا ہے۔ براؤ کرم! دلیل دیں۔“

”کوئی دلیل نہیں ہے میرے پاس۔“

”تو پھر اپنے الفاظ بدلت دیں۔“

”خود میں بدلت دوں؟“ اُس نے عجیب سے لبھے میں کہا۔

”پھر کون بدلتے گا.....؟“

”جو قدرت رکھتا ہے۔“ سارا نے جواب دیا۔ اُس نے براؤ راست میرے کندھوں پر
وزن ڈال دیا اور سنجیدہ ہو گئی۔ میں اُس معموم سی لڑکی کو فریب نہیں دے سکتا تھا۔ چہاڑ پر کچھ
ریکھنے لمحات گزارنے کے لئے اگر میں اُسے فریب دوں تو یہ لڑکی نہ جانے مجھ سے کیا
وقعات وابستہ کر لے؟

”آپ خاموش کیوں ہو گئے مسٹر کین؟“ تھوڑی دیر بعد سارا نے میری طرف دیکھتے
ہوئے پوچھا۔

”کوئی خاص بات نہیں۔“

”پھر بھی.....؟“

”میں سوچ رہا ہوں کہ یہ قدرت کون رکھتا ہے؟“

”خوب آپ.....؟“

”کیا میرے سوچنے سے یہ بات ممکن ہو سکتی ہے.....؟“

”ہاں..... کچھ لوگ ایسا ہی وزن رکھتے ہیں جن کی سوچ تقدیر میں بدل دیتی ہے۔ آپ بھی انہی میں سے ایک ہیں۔“

”میرا خیال ہے کہ ہم اس گفتگو کو کسی دوسرے وقت کے لئے اٹھا کھیں۔ امریکہ پہنچ کر اس پر بحث کریں گے۔“

”نہایت مناسب خیال ہے..... لیکن ایک شرط پر۔“ ساراہنس کر بولی۔

”کیا شرط ہے.....؟“

”امریکہ پہنچ کر سارا کو یاد رکھا جائے۔“ اُس نے کہا اور میں نے گردن ہلا دی۔

”شرط منظور ہے.....؟“

”انتے ہرے آدمی کا وعدہ جھونتا تو نہیں ہو گا.....؟“

”نہیں.....“ نہ جانے کیوں، لڑکی مجھے پند آگئی تھی۔ اُس سے پہلے اس کے بارے میں میرے ذہن میں ایسا کوئی تاثر نہیں تھا..... میں فلیکس کی باتوں پر غور کرنے لگا۔

جہاز کا سفر تقریباً اٹھائیں دن کا تھا۔ پہلے اُس نے راستہ تلاش کیا، اس کے بعد ایک بندرگاہ پر پہنچا۔ پھر ہم سیدیگاں گئے۔ پھر سیدیگاں سے بحر اوقیانوس کا سفر کر کے براہ راست نیویارک پہنچ گئے.....

ہمارے لئے اس سفر کا سارا انتظام مسٹر ہام نے کیا تھا۔ اور میری شخصیت کو پوشیدہ رکھا تھا۔ ”اب تم دنوں یہاں سے میرے گھر چلو گے۔ پھر حکومت کو تمہارے بارے میں اطلاع دی جائے گی۔“ مسٹر ہام نے بزرگانہ شفقت سے کہا۔

”میں انکار کی جرأت نہیں کر سکتا۔“ میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ چنانچہ پورا ایک ہفتہ میں اور فلیکس نے مسٹر ہام کے ہاں خاموشی کے ساتھ گزارا۔ پال وغیرہ بھی ہماری وجہ سے اپنے گھر نہ جاسکے تھے۔ ایک ہفتے بعد بے شمار کاریں، مسٹر ہام کی رہائش گاہ پر پہنچ گئیں..... ان میں اعلیٰ فوجی اور رسول حکام تھے۔ میرے کانوں تک ایک جبکی آواز پہنچی۔

”کیا یہ حقیقت ہے مسٹر ہام؟ میرا مطلب ہے جو اطلاع وزارت دفاع کو ملی ہے؟“ ایک اعلیٰ افسر نے تحریر انداز میں مسٹر ہام سے پوچھا۔

”نجی ہاں..... تشریف لا یے۔“ ہام نے ڈرامائی انداز میں کہا۔ اور چند بڑے افسران

اُس کرے میں داخل ہو گئے جہاں ہم لوگ موجود تھے۔

افران گواہی بھی مجھ سے متعارف نہیں تھے لیکن بے اختیار لپٹ کئے۔ انہوں نے مجھے زندگی کی مبارکبادی تھی۔ پھر تو وہ ہنگامے ہوئے کہ خدا کی پناہ..... فرست ہی نہیں ملتی تھی۔ بے شمار نزکاری اور غیر سرکاری دعوتوں میں جانا پڑا۔ اور اس کے بعد ہمارے لئے انعامات کا اعلان کیا گیا۔ لارڈ کا اعزازی خطاب تو مجھے پہلے ہی دیا جا چکا تھا۔ اُس کیتان کو بھی بے شمار اعزازات سے نواز گیا، جس نے ہماری زندگی بچائی تھی۔

مسٹر اوسوالڈ کو ہمارا نگران خاص مقرر کیا گیا تھا۔ اوہیزہ عمر کا یہ خوش مزاج شخص بڑا ہی دلچسپ انسان تھا۔ اس کے علاوہ میری خصوصی درخواست پر ہر اعزازی پارٹی میں مسٹر ہام اور سارا ہام کو ضرور مدعا کیا جاتا تھا۔

فلیکس نے ایک روز مسکراتے ہوئے مجھ سے سوال کیا۔ ”سارا کیا حیثیت رکھتی ہے؟“

”کیا مطلب.....؟“

”بھی! میں اس سے اپنے رشتے کا تین چاہتا ہوں۔“

”کیا رشتہ چاہتے ہو؟“ میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

”میرے دوست کی بیوی..... میری بھا بھی.....“

”ٹھیک ہے..... جو تم پسند کرو۔“

”گذ..... اس کا مطلب ہے کہ جزیرے کی تقدیر جاگ رہی ہے۔“

”جزیرے کی تقدیر سے تمہاری کیا مراد ہے؟“

”مطلوب یہ ہے کہ اب وہ مکمل طور پر آباد ہو جائے گا۔ ظاہر ہے، مسڑون کیں اب اس جزیرے پر رہیں گی۔ اور ڈن کین بھی ویس رہا کریں گے..... اور اس کے بعد جزیرے پر بہت ساری تبدیلیاں رونما ہوں گی، جو آج تک اس میں نہ ہو سکیں۔ میں بھی اس بات سے مطمئن ہوں۔“

”مشاذ.....؟“

”مشاذ یہ کہ ہم بھی عام آدمیوں کی مانند زندگی گزاریں گے، جو دنیا سے کٹے ہوئے نہیں ہوتے۔“

”ہوں..... ٹھیک ہے۔ لیکن پھر میرا مشن ادھورا رہ جائے گا۔ میں نے تو اپنی ساری زندگی کے بارے میں سوچا تھا کہ انہی ہنگاموں میں گزار دوں گا۔“

”ٹھیک ہے کین! ہر انسان کو، خواہ وہ عام ہو یا خاص، پڑسکون زندگی کی خواہش ہوتی ہے۔ تم بھی میری طرح زندگی کے کسی حصے میں اس جزیرے کو محسوس کرو گے کہ تمہیں زندگی کا ایک بہتر ساتھی مل جاتا تو تم خود کو اس میں ضم کر لیتے۔“

”ہاں فلیکس! ٹھیک ہے۔ لیکن اس کے بعد ایک مسئلہ میرا بھی ہے۔“ میں نے کہا۔
”وہ کیا.....؟“ فلیکس نے دلچسپی سے پوچھا۔

”وہ ہے فلیکس..... میں چاہتا ہوں، جس جزیرے میں ایک شخصیت کا اضافہ ہو تو اس کے ساتھ ہی دوسری شخصیت بھی وہاں پہنچ جانی چاہئے۔“

”اوہ..... ڈیزیر کین! فلیکس کو اس سلسلے میں معذور ہی سمجھو۔“
”آخر کیوں.....؟“

”تم میری جسمانی حالت سے بخوبی واقف ہو۔ کوئی بھی لڑکی اس شکل میں مجھے پسند نہیں کر سکتی۔“ فلیکس نے کہا۔

”دوسری بار اگر تم نے یہ بات کہی فلیکس! تو میں اتنی بڑی قسم کھالوں گا کہ اس کا توڑ ممکن نہیں ہو گا۔ اور وہ قسم یہ ہو گی کہ میں زندگی بھرا پنی ذات کے ساتھ کسی دوسرے کو نسلک نہیں کروں گا۔“

”ارے، نہیں..... تم ایسی کوئی قسم نہیں کھاؤ گے۔“

”تو پھر وعدہ کرو.....“

”چلو! وعدہ کر لیا۔“

”دشکر یہ.....!“ میں نے کہا۔

”لیکن انتخاب تھیں کرنا ہو گا۔“ فلیکس بولا۔

”یہ میری ذمہ داری ہے۔“ میں نے وعدہ کرتے ہوئے کہا۔

ایک روز ہم نے مسٹر اوسوالڈ سے کہا۔ ”مسٹر اوسوالڈ! بس، اب ان تقریبات کا سلسلہ مبقطی ہو جانا چاہئے۔“ میں، ہمارے جزیرے پر جانے کی اجازت دی جائے۔“

”بہتر جناب! میں، آپ کے باقی تمام یہ رگرام کینسل کئے دیتا ہوں۔“ اوسوالڈ نے کہا۔

”ہاں..... یہ بہتر ہو گا۔ تو پھر آپ کب بندوبست کر رہے ہیں؟“

”ان تمام لوگوں کو اطلاع دے دی جائے گی کہ اب آپ کچھ عرصے کے لئے آرام کرنے کے خواہش مند ہیں۔ اور اس کے بعد ہم جزیرے پر چلیں گے۔“

”بہت بہتر.....“

مسٹر اوسوالڈ کی کوششوں سے ہمیں جلد ہی ان دعوتوں سے نجات مل گئی۔ اور پھر ایک شام ہمیں انتہائی سرکاری اعزازات کے ساتھ ایک سینئر دیا گیا، جو ہمیں لے کر جزیرے کی جانب روانہ ہو گیا۔ میرے ساتھ بارا اور مسٹر ہام بھی تھے۔

سارا، اب اکثر میرے ساتھ ہی رہا کرتی تھی۔ اور فلیکس ہم دونوں کو دیکھ کر مسکراتا رہتا تھا۔

کافی عرصے کے بعد ہم نے جزیرے کی اس عمارت میں قدم رکھا، جو ہماری تیار کردہ تھی۔ ہمیں ایک عجیب سی فرحت کا احساس ہوا۔ ہمارے ساتھ کچھ سرکاری حکام بھی تھے۔

تب مسٹر اوسوالڈ نے عمارت میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔
”مسٹر کین! جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ یہاں آپ کو مردہ تصور کر لیا گیا تھا۔ اور اس سلسلے میں آپ کی ایک یادگار بنائی گئی تھی جو اس عمارت کے ایک کمرے میں موجود ہے۔
آئیے! آپ کو اس سے روشناس کرواؤ۔“

”یادگار.....؟“ میں نے دلچسپی سے اوسوالڈ کی طرف دیکھا۔

”ہاں..... تشریف لائیے!“ اس نے کہا اور اس حصے کی طرف چل پڑا، جہاں میں نے آرٹ گلری بیوائی تھی۔

دوسرے اعلیٰ حکام بھی ہمارے ساتھ تھے۔ آرٹ گلری میں داخل ہوتے ہی جس چیز پر میری نظر پڑی، وہ میرا مجسم تھا۔ قد آدم مجسم۔ جو نفاست سے ایک فریم میں سجا ہوا تھا۔ مجسمہ غالباً پلاسٹک یا موم سے بنایا گیا تھا۔ میری یہ شیبہ اتنی جامع اور مکمل تھی کہ میں اسے دیکھ کر خود جیران رہ گیا۔

”اب براہ کرم! اس طرف دیکھئے!“ اوسوالڈ نے کہا۔

تب میں نے اس طرف دیکھا تو میرا خون مخدج ہو گیا۔۔۔ یوں لگتا تھا جیسے میرے دماغ کی شریانیں پھٹ جائیں گی۔ میں، جن محسوسوں کو دیکھ رہا تھا، وہ میرے والد، چچا اور بھائیوں کے تھے۔

تمام مجسمے ایک قطار میں کھڑے ہوئے تھے۔ اور یوں لگ رہا تھا جیسے میں ایک بار پھر اپنے خاندان کے درمیان موجود ہوں۔ تب مسٹر اوسوالڈ نے کہا۔

”ہم نے ساری کین فیملی کو فن لینڈ سے بلوکر یہاں جمع کر دیا ہے۔ آپ کیا محسوس کر-

زہے ہیں.....؟“

”میرا خیال ہے مسٹر اوسوالڈ! میں اس بات سے خوش نہیں ہوا۔ آپ نے وہ یادیں پھر سے تازہ کر دیں، جنہیں میں ذہن کی گہرائیوں میں دفن کر چکا تھا۔“

”لیکن کیوں.....؟ آپ اپنے لوگوں سے اس قدر برگشته کیوں ہیں؟“ اوسوالڈ نے پوچھا۔

”یہ میرا ذاتی معاملہ ہے مسٹر اوسوالڈ! میں اس مسئلے میں مزید کچھ نہیں بتانا چاہتا۔“

”اس کے باوجود مسٹر کین! میری، آپ سے درخواست ہے کہ اب آپ اپنے اہل خاندان کو معاف کر دیں۔ کیون فیملی نے فن لینڈ چھوڑ دیا ہے۔ اور ہم نے حقیقی طور پر اسے بیہاں بلا لیا ہے۔ براہ کرم! آپ تمام حضرات آگے آئیں۔ باقی تمام معاملات خالصتاً ذاتی ہیں۔ اس لئے میں معافی چاہوں گا۔“ اوسوالڈ نے کہا اور اس کے ساتھ ہی دوسرے اعلیٰ افران بھی آرٹ گیلری سے باہر نکل گئے۔

اُس وقت میرا دماغ بالکل ہی بیکار ہو گیا، جب میں نے ان تمام جسموں کو حرکت کرتے دیکھا۔ وہ اپنے اپنے فریبوں سے نکل کر میری طرف آ رہے تھے۔ یہ جیتے جائے لوگ تھے.....سوائے اس ایک مجسم کے، جو میرا تھا۔

سب نے اعتراف کر لیا کہ انہوں نے میرے ساتھ نا انصافی کی تھی۔ اور جس طرح میں نے ان کی گردی ہوئی ساٹھ کو سنپھالا اور جو مقام حاصل کیا، وہ میرا ہی کارنا مہ تھا۔ اس کے فوراً بعد فلیکس نے سارا کام مسئلہ بھی حل کر دیا۔ اور وہ مسڑڈن کیں بن گئی۔ اس کے بعد میں نے فلیکس کو بھی نہ چھوڑا۔

یہ ہے میری داستان حیات..... آج بھی میں اس جزیرے پر ایک مطلق العنان حکمران کی حیثیت سے زندگی گزار رہا ہوں۔

(ختم شد)